تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين
تفسیر فتح المنان
المشہور بہ
تفسیر حقانی
عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حصہ پنجم
الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

''تفسیر حقانی'' کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جارہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کر سکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-777-1

اکتوبر 2009ء
محمد فیصل نے
محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore. Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱﴾ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۲﴾ ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۶﴾ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰۤئِكَةِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰۤئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ ﴿۸﴾

یہ ہیں آیتیں کتاب اور کھلے قرآن کی، منکر بڑی حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہو جاتے (اے پیغمبر!) ان کو چھوڑ دو کہ کھالیں اور برت لیں اور ان کو آرزو بھلائے رکھے پھر آیندہ تو جلد معلوم ہی کریں گے۔ اور ہم نے کوئی بھی ایسی بستی ہلاک نہیں کی کہ جس کے لیے (اول ہی) وقت مقرر نہ کیا گیا ہو کوئی قوم اپنے وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے اور (کفار نے) کہہ دیا کہ اے وہ شخص کہ جس پر نصیحت نازل کی گئی تو تو ضرور دیوانہ ہے ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے، ہم فرشتے تو فیصلہ ہی کے لیے بھیجا کرتے ہیں اور پھر تو انہیں مہلت بھی نہ ملے گی۔

ترکیب : رب بالتخفیف والتشدید وضم الراء فتحہا وما کافۃ لرب ویمکن ان یکون نکرۃ موصوفۃ ای رب شیء یودہ الذین ورب حرف جر لایعمل فیہ مابعدہ والعامل محذوف تقدیرہ رب کافر یود الاسلام الا ولہا جملہ نعت ہے قریۃ کی لوما بمعنی ھلا۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی اس میں حجر کے رہنے والوں کی ہلاکت زیادہ تر عبرتناک بات ہے یعنی قوم ثمود کا حال اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے الٓر سے مُبِین تک قرآن کا منجانب اللہ ہونا بیان کر کے دنیا کی لذات و شہوات میں مبتلا ہونے والے کفار کا انجام کار بیان فرماتا ہے کہ ربما یود کہ قیامت کے دن یا بوقت مرگ یہ لوگ خواہش کریں گے کہ کاش ہم ایمان والے ہوتے۔ رب کے معنی بعض کہتے ہیں کہ بہت کے ہیں کہ بہت حسرت کریں گے اور بعض کہتے ہیں کم کے ہیں مگر مراد یہاں بہت ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ کبھی کثیر الوجود چیز کو یقین دلانے کے لیے بلفظ قلیل ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اس شخص کی نسبت کہ جس سے ہمہ وقت یا اکثر اوقات یاد کرنا متوقع ہو کہتے ہیں کہ کبھی تو ہمیں یاد کرو گے۔ مکے کے مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ میں مصروف تھے اور خدا کی اس مہلت پر مست تھے کہ اگر پیغمبر سچا ہے تو ہم پر کوئی آسمانی عذاب کیوں نہیں آتا۔ ہم تو ویسے کے ویسے مزے اڑاتے پھرتے ہیں۔ یہ ان کی حالت تھی جس کے رد میں اول تو الٓر فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ یہ قرآن (الف) اللہ نے بواسطہ (لام) جبرئیل (ر) رسول اللہ پر نازل کیا ہے۔ اس میں کوئی دروغ نہیں۔ دوم اس سورۂ حجر کی نسبت جو قرآنِ مبین کا ایک جزو ہے فرماتا ہے کہ یہ قرآنِ مبین اور کتابِ الٰہی کی چند آیات ہیں۔ ان کے مطالب پر غور کرو۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ مضمون اس فصاحت و بلاغت کے ساتھ جس میں ان کی تکمیل کا پورا نقشہ ہے من جانب اللہ ہے۔ پھر مُبِین کے لفظ سے اشارہ ہے کہ قرآن کی سب ہدایتیں واضح ہیں۔ کوئی بھی خلاف عقلِ سلیم نہیں[1]۔ پھر

[1] قرآن کی سب باتیں عقلِ سلیم کے نزدیک واضح اور کھلی ہیں کوئی بات بھی ایسی نہیں کہ جس کو خلاف عقل محض اعتقاداً ماننے پر مجبور کیا گیا ہو۔

اس کے ماننے میں کیوں تردد ہے۔ سوم مرنے کے وقت جو قریب ہے یا مرنے کے بعد یہ اس جہل و نادانی پر افسوس کریں گے اور حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ چہارم مہلت کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ چندروزہ ہے۔ اس میں ان کو مزے کر لینے دو۔ ان کی لمبی چوڑی آرزوئیں دنیاوی کاروبار کی بابت کہ یوں کریں گے انہیں خود غفلت میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور یہی لمبی چوڑی آرزوئیں غفلت کا پردہ ہیں۔ پھر ان کو جلد معلوم ہو جائیگا کہ ہائے کس غفلت میں پڑے ہوئے تھے خصوصاً جبکہ اپنے افعالِ بد کا بدنتیجہ دیکھیں گے ان سے پہلے بھی بہت سی قومیں تباہ ہوئی ہیں مگر ان کا ایک وقت مقرر تھا اس لیے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح ان کا بھی وقتِ معین ہے چنانچہ بدر میں اور قحطِ شدید میں ہلاک ہوئے۔ پیشین گوئی صادق آئی وہ کفار آنحضرت ﷺ کو دنیاوی مشاغل سے بےفکر اور آخرت کی طرف متوجہ دیکھ کر کہتے تھے کہ اے محمد! (ﷺ) تو جو کہتا ہے کہ مجھ پر نصیحت یعنی قرآن نازل ہو رہا ہے ضرور دیوانہ ہے چونکہ یہ قول دیوانوں کا تھا اس کا جواب کیا دینا تھا مگر وہ یہ جو کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہمیں فرشتے کیوں نہیں لا کر دکھاتا۔ اس کا جواب دیا کہ فرشتے تو جب آتے ہیں فیصلے ہی کے لیے آتے ہیں خواہ ہلاکتِ عامہ کے وقت یا موت کے وقت پھر جب وہ آئی تو مہلت کہاں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵ ع

ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان بھی ہیں اور آپ سے پیشتر ہم پہلی قوموں میں بھی رسول بھیج چکے ہیں اور وہ بھی جب کوئی رسول ان کے پاس آتا تو اس سے تمسخر ہی کرتے رہے اسی طرح سے ہم گنہگاروں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہ تو قدیم دستور چلا آیا ہے اور اگر ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں پھر وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

ترکیب: نحن مبتداء نزلنا خبر جملہ اناکی خبر یانحن انا کی تاکید۔ کذلك ای الامر کذلک نسلک ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا اور ممکن ہے کہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای سلو کا مثل استھزائھم۔ والضمیر للاستھزاء ای کمثل ادخالنا التکذیب فی قلوب اولئک نسلکہ ای ندخل الاستھزاء فی قلوب المجرمین ای کفار مکۃ ولو فتحنا جملہ شرطیہ لقالوا اس کی جزا۔

تفسیر: کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہا تھا جس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ جو کچھ رسول ہم کو سناتا ہے وہ کلامِ الٰہی نہیں دیوانوں کی بڑ اور بکواس ہے اور کفار جو انبیاء علیہم السلام کی نسبت ایسی باتیں کہا کرتے تھے اس کے چند سبب تھے: اول یہ کہ رسول شہوات و لذات باطلہ کے ترک اور عبادت و نیک روی کی تاکید کرتے تھے یہ بات ان پر شاق گزرتی تھی۔ دوم رسومِ بد اور مذاہب باطلہ کا ترک کرنا جو پشت در پشت ان میں مروج ہونے کی وجہ سے ایک امر ناحق قرار پا گیا تھا اور بھی ناگوار معلوم ہوتا تھا اور اب بھی لوگوں کا رسوم و عادات خلافِ شرع ترک کرنے میں یہی حال ہے۔ سوم انبیاء فقراء ہوتے تھے نہ ان کے پاس مال و جاہ تھا، نہ اعوان و انصار، اس لیے رؤساء پر ایسے لوگوں کا مطیع ہونا شاق گزرتا تھا۔ چہارم ان کا گمراہِ ازلی ہونا بڑا سبب تھا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے انا نحن الخ کہ ذکر یعنی

قرآن ہمارا ہی نازل کیا ہوا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اس پیشین گوئی کے مطابق آج تیرہ سو سال ہونے کو آئے قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمانوں کی زبان پر یکساں الفاظ ہیں ایک لفظ یا زیر وزبر کا بھی فرق نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اب تک بلکہ قیامت تک حفاظ اور قراء اور علماء کی جماعتیں اس کی محافظت پر کمر بستہ ہیں۔ یہ قرآن کا بڑا معجزہ ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں واعلم انه لم يتفق لشيء من الكتب مثل هذا الحفظ فانه لا كتاب الاوقد دخله التصحيف والتحريف والتغيير۔ شیعہ میں جو متعصب اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں سے عثمان رضی اللہ عنہ نے فلاں فلاں سورتیں کم کر دیں اس آیت اور دیگر آیات سے مردود ہیں وہ بھی شیع الاولین میں داخل ہیں جنہوں نے رسولوں کا انکار کیا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فرماتا ہے کہ ان کا ایسی باتیں کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ آپ سے پیشتر اے محمد! پہلی قوموں میں بھی ہم نے رسول بھیجے تھے ان کا بھی یہی حال رہا کہ جو رسول آیا اس کو جھٹلاتے رہے۔ اسی طرح ان کفار کے دلوں میں قضاء وقدر نے یہ انکار وتکذیب ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ وقد خلت سنة الاولين اور پہلوں کے ساتھ جو کچھ اللہ کا دستور تھا کہ اخیر وہ ان کو ہلاک کرتا آیا ہے وہ بھی چلا آتا ہے۔ وَلَوْ فَتَحْنَا الخ یعنی وہ جو کہتے ہیں کہ معجزہ کے طور پر فرشتے کیوں نہیں آتے فرشتے تو کیا اگر ہم ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتے اور سیڑھی لگا دیتے کہ جس سے چڑھ کر وہاں کے حالات دیکھ آتے (یا یہ معنی کہ آسمان کے دروازوں سے فرشتوں کو چڑھتے اترتے دیکھتے) تو بھی یہی کہہ دیتے کہ یہ نظر بندی ہے اور جادو۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

ع

اور البتہ ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اس کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا مگر جو کوئی چوری سے سن بھاگا تو اس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا پڑ گیا اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی اور اس میں تمہارے لیے روزی کے لیے

سامان رکھے اور ان کے لیے بھی کہ جن کے تم روزی دہندہ نہیں اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم صرف اس کو ایک اندازۂ معین سے نازل کرتے ہیں اور ہم نے بوجھل ہوائیں چلائیں اور پھر آسمان سے پانی اتارا پھر وہ تمہیں پلایا حالانکہ تم اس کے خزانے دار نہیں اور ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور اخیر مالک بھی ہم ہی ہیں اور ہم کو تم میں سے اگلے اور پچھلے سب معلوم ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی ان کو جمع کرے گا بے شک وہ حکمت والا خبر دار ہے۔

ترکیب : الامن منصوب ہے استثناء منقطع ہونے کی وجہ سے اور جر بھی ہو سکتا ہے ممن استرق سے بدل ہو کر اور رفع بھی ہو سکتا ہے مبتدا ہو کر۔ والخبر فاتبعہ وجاز دخول الفاء فیہ لتضمن المبتداء معنی الشرط۔ والارض منصوب ہے مددنا محذوف سے ومن لستم منصوب ہے جعلنا سے والمراد بمن العبید والبھایم فانھا مخلوقۃ لمنافعنا اور مجرور بھی ہو سکتا ہے۔ ای لکم ولمن لستم۔

تفسیر : قرآن مجید کی عادت ہے کہ ایک مقصد کے بعد دوسرے مطلب کو بیان فرماتا ہے تاکہ سننے والے کے دل پر بار نہ معلوم ہو۔ اس جگہ جبکہ مسئلہ نبوت میں کلام کر چکا تو مسئلہ توحید کو شروع کرتا ہے جس پر اثباتِ نبوت موقوف ہے اور نیز توحید کے متعلق ایسا کلام کرنا گویا نبوت۔ نبی کو اس کے اثر سے مشاہدہ کرا دینا ہے کہ جس کے منہ سے ایسی بات الہامی اور روح کو تازہ کرنے والی نکلی وہ قطعی نبی ہے نہ کہ مجنون وَلَقَدْ جَعَلْنَا الخ توحید کے ثبوت میں دلائلِ سماویہ سے یہ اول دلیل ہے کہ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور شیاطین سے اس کو محفوظ رکھا کہ کوئی شیطان وہاں تک جا نہیں سکتا اور جو کوئی چوری کے طور پر وہاں آسمانی بات سننے کو جا بھی پہنچا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے تو شہابِ مبین یا شہابِ ثاقب یعنی آگ کا شعلہ جس کو ستارہ ٹوٹا کہتے ہیں اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ رجیم رجم سے مشتق ہے جس کے معنی پتھراؤ کرنا یعنی پتھر پھینک پھینک کر مارنا، گالی گلوچ اور بہتان لگانے کو بھی اسی لیے رجم کہتے ہیں کہ گویا بیہودہ باتوں کے پتھر مارتے جاتے ہیں۔ منہ قولہ لَارْجُمَنَّكَ ای لاسبنک اور اسی مناسبت سے تخمینی اور بے تکی باتوں کو بھی رجم کہتے ہیں۔ منہ قولہ رجما بالغیب گویا شیاطین پر آتشی شعلوں کے پتھر مارے جاتے ہیں۔

مقدمہ تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ شیاطین کو لطافتِ مادہ کی وجہ سے ملائکہ کی باتیں سننے اور ان کے دیکھنے اور اونچے چڑھنے کی قدرت عطا کی گئی ہے۔ بروج برج کی جمع ہے اسی طرح ایک جگہ قرآن میں آیا ہے تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجاً اور ایک جگہ ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اس سے یہ مراد نہیں کہ جس طرح اینٹ پتھروں کی گول گول عمارت قلعوں کی دیواروں پر اور دیگر جگہ ہوتی ہے اسی طرح آسمان پر برج بنے ہوئے ہیں بلکہ یہ مراد کہ آسمان میں مختلف ستاروں کے نمودار ہونے سے خربزے کی پھانکوں کی طرح آسمان کے بارہ حصے یا ٹکڑے جدا جدا معلوم ہوتے ہیں اور ان کے زبانِ عرب میں یہ نام مشہور تھے۔ حمل، ثور، جوز، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

جبکہ طبیعتِ فلکیہ ایک تھی اور اسی لیے حکماء کے نزدیک اس کی شکل کروی یعنی گول بنی تو پھر یہ بروج مختلف الطبائع اور آسمان میں یہ گوناگوں چیزیں کس نے بنائیں' ان میں کمی و بیشی کس نے کی اور ان اجزاء کو کس نے مرکب کیا؟ صرف ایک اللہ قادرِ مختار' قوی و قہار و جبار نے۔ پھر اس نے نہ صرف ستاروں کو آسمان کی زیب و زینت بنایا بلکہ وہاں کا انتظام لائق بھی کیا۔ چوٹے شیطانوں کے لیے شہاب مبین کو کوتوال بنایا تو پھر کیا وہ انبیاء کو بھیج کر انتظام بنی آدم نہ کرتا؟ اور نیز شیاطین کو تو عالمِ علوی کی طرف رسائی نہیں پھر اگر خدا کا الہام اور جبرئیل امین کی پیغام رسانی نہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ علوی کی باتیں کیونکر معلوم ہو گئیں؟ سبحان اللہ اس ایک جملہ سے کس قدر باتیں ثابت کر دیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا یہ عالمِ سفلی کے حالات سے دوسری دلیل ہے۔ اول زمین کو پھیلانا باوجود کروی ہونے کے اس کی ایسا سطح رکھنا کہ

جس پر مخلوق بس سکے اسی کی کاری گری ہے۔ دوم اَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ مفرد راسی اور اس کی جمع راسیات اس کی جمع یعنی جمع الجمع رواسی ہے۔ رواسی ٹھہرنے اور جمنے والی چیزیں جس سے مراد پہاڑ ہیں۔ یہ مضمون بہت جگہ قرآن میں ہے منجملہ ان کے وَفِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ ان تمید بکم اور ان پہاڑوں کو اوتادیعنی زمین کی میخیں بھی فرماتا ہے۔ خواہ یوں کہو کہ زمین پیدا کرنے کے بعد جو بارشیں ہوئیں تو بلند قطعات میں اِدھراُدھر سے مٹی گر کر اونچے نیچے مختلف صورتوں کے ٹیلے جورہ گئے تھے متحجر ہو کر پہاڑ بن گئے یا یوں کہو کہ بدءالخلقت میں ساتھ ہی خدا نے پہاڑ بھی بنائے مگران کا زمین کے لیے میخ اور بار اور تھماؤ ہونا کلام تشبیہی ہے گویا فرش زمین پر یہ بھاری بھاری پتھر دھر دیے ہیں کہ ہلنے نہ پاوے[1]۔ اس میں بھی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانی ہے اور نیز پہاڑوں کے فوائد اور ان کے معادن اور نباتات کے منافع بہ آواز بلند اپنے خالقِ یکتا کی توحید وصناعی پر گواہی دے رہے ہیں جن کی طرف وَاَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ میں اشارہ ہے موزوں سے مراد اندازہ کی ہوئی چیز یعنی زمین میں یا پہاڑوں میں یہ بے انتہا جڑی بوٹیاں اس کے اندازے علمی سے باہر نہیں یا یہ مراد کہ وہ وزن رکھتی ہیں یعنی بے فائدہ اور عبث نہیں عمدہ اور متناسب چیز کو موزوں کہتے ہیں جیسا کہ کلام موزوں۔ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ سوم نہ صرف بندوں کی معاش اور روزی زمین پر پیدا کی بلکہ مَنْ لَّسْتُمْ لَہٗ بِرٰزِقِیْنَ چار پائے اور تمہارے نوکر غلام بال بچے کہ جن کو اپنے زعم میں تم روزی دیتے ہو ان کی روزی بھی اسی نے پیدا کی نہ تم نے یا یہ معنی کہ جن چیزوں کے تم روزی رساں نہیں ہو۔ چار پائے تمہارے غلام وغیرہ ان کو بھی خدا ہی نے تمہارے لیے پیدا کیا۔

و ان من شیء یہاں سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عالمِ وجود میں جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں وہ بقدرِ حاجت مخلوق ظاہر کرتے ہیں یہ نہیں کہ وہ ہمارے ہاں اسی قدر تھا بلکہ اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں یعنی ہمارے ہاں بے انتہا ہے۔ بارش وغیرہ سب کا یہی حال ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ تیسری دلیل ہے کہ ابر اٹھانے والی ہواؤں کا چلانا اور مینہ برسانا اور بندوں کو نفع پہنچانا اسی کا کام ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ یحیی ویمیت الخ یہ چوتھی دلیل ہے کہ باوجودیکہ اپنی بقاء میں کوئی کیسی ہی کوشش کرے مگر ہم مارتے ہیں اور ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ اس میں کسی کو بھی دخل نہیں اور اگلے جو ہو چکے ہیں اور آیندہ جو ہوں گے وہ سب ہم کو معلوم ہے اور پھر ہم سب کو جمع کرلیں گے۔ یہ بھی ہمارا ہی کام ہے کیونکہ ہم حکیم اور علیم ہیں اس میں دارِ آخرت کا بھی کس عمدگی سے اثبات ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾

[1] یعنی پہاڑ جن کا وزن ثقل زمین کو ڈگمگانے نہیں دیتا۔ ۱۲ منہ

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع

اورالبتہ ہم نے انسان کوخشک مٹی سے خمیر دے کر بنایا اور جنات کو اس سے پہلے آگ کے شعلہ سے بنایا تھا اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر بنانے والا ہوں خشک مٹی خمیر دی ہوئی سے' پھر میں جب اس کو ٹھیک بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ خدا نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا اس نے کہا میں ایسا نہ تھا کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے خشک مٹی خمیر دی ہوئی سے بنایا۔ خدا نے فرمایا یہاں سے دور ہو بے شک تو پھٹکارا گیا ہے اور بے شک تجھ پر لعنت ہے قیامت تک۔ اس نے کہا اے رب! مجھے مہلت دے اس دن تک کی مردے جی اٹھیں خدا نے فرمایا البتہ تجھے مہلت ہے وقتِ معلوم (قیامت) کے دن تک۔ اس نے کہا اے رب! تو نے مجھے (انسان کی خاطر) خراب تو کیا ہے میں بھی انہیں زمین پر نہ رجھاؤں اور سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا مگر ان میں سے تیرے خالص بندے (بچ رہیں گے)۔ خدا نے فرمایا یہی (اطاعت کی) راہ ہم تک سیدھی پہنچتی ہے ہمارے بندوں پر تیرا کچھ بھی بس نہیں چلے گا مگر کچھ لوگوں میں سے جو تیری پیروی کرے گا (اس پر تیرا قابو چلے گا) اور جہنم تو ان سب کا ٹھکانا ہے کہ جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک ایک فرقہ بٹا ہوا ہے۔

ترکیب : من حما موضع جر میں صفت ہے صلصال کی باعادۃ الجار۔ والجان منصوب ہے، علیٰ شریطۃ التفسیر انی الخ جملہ مقولہ ہے قال کا فاذا شرط و نفخت عطف ہے سویتہ پر۔ فقعوا جواب شرط میں اور قعوا امر ہے وقع یقع سے۔ تمام جملہ خبر میں ہے قال کے۔ الا ابلیس اگر منقطع کہا جاوے تو ابی ان الخ کے ساتھ متصل ہوگا ای ولکن۔ اور اگر متصل مانا جاوے گا تو جدا کلام ہوگا سائل کا جواب۔ الحماء الطین الاسود قال ابوعبیدۃ الحماء بسکون المیم والتحریک والجمع الحما مثل تمرۃ وتمر والحماء مصدر مثل الہلع والجزع۔ والمسنون قال الفراء ھو المتغیر وصلہ من سنت الحجر علی الحجر اذا احلکتہ و مایخرج منہما یقال لا سنانۃ۔ وقیل اصلہ من اسن الماء اذا تغیر ومنہ قولہ لم یتسنہ وقولہ مِنْ مَّاۤءٍ غَیْرِ آسِنٍ و قال ابوعبیدۃ المسنون المصبوب والسن الصب وقال سیبویہ المسنون المصور صلصال طین یابس یتصلصل اذا احرک واذا طبخ بالنار فھو الفخار۔ ۱۲ منہ

تفسیر : یہ پانچویں دلیل ہے توحید پر۔ پہلی آیات میں عام حیوانات کے پیدا کرنے سے توحید ثابت کی گئی تھی۔ ان آیات میں انسان اور جن کے پیدا کرنے کا ذکر کر کے اپنی توحید ثابت کرتا ہے جب یہ ثابت ہو چکا کہ حوادث کا سلسلہ غیر متناہی نہیں ضرور اس کی ابتداء ہوتی ہے تو اب انسان کا سلسلہ کہ جس کی پیدائش یکے از دیگرے ہوتی ہے ضرور کسی ایک ایسے شخص سے ہوگا جو ماں باپ سے پیدا نہ ہوا ہو اور چونکہ

انسان زمین پر رہتا ہے محسوس ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے ملاقی ہوتا اور جسم کثیف رکھتا ہے اور اسی لیے اس کو بشر کہتے ہیں (امات فسیر کونه بشرًا فالمراد منه جسمًا کثیفًا یباشر ویلاقی، تفسیر کبیر)

اس لیے ضرور ہوا کہ اس کا مادہ غالب خاک ہو وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مگر خاک سے بغیر خمیر کئے اور گارا بنائے اس کا پتلا نہیں بن سکتا۔ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ، لہٰذا اس سرسلسلہ کو جس کا نام آدم علیہ السلام ہے خاک سے گوندھ کر بنایا اور پھر اس پتلے میں روح پھونک ڈالی اور فرشتوں سے سجدۂ تعظیمی کرایا۔ اگر غور کیا جاوے تو عاقل بہت جلد اقرار کرسکتا ہے کہ خاک اور پانی کا ازخود جمع ہونا اور اس میں روح پڑنا ازخود ممکن نہیں ضرور یہ کسی حکیم وعلیم کا کام ہے اور صرف آدم علیہ السلام ہی کو ہم نے قدرتِ کاملہ سے پیدا نہیں کیا بلکہ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ اس سے سینکڑوں ہزاروں برس پیشتر جنات (قومِ جن) کے سرِسلسلۂ جان کو آگ سے پیدا کر چکے ہیں۔

جان، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان سب جنون کے باپ کا نام ہے اور یہی قول اکثر مفسرین کا ہے اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے گو بعض نے جان سے مراد ابلیس لیا ہے جان کے معنی لغت میں ساتر یعنی چھپنے (چھپانے) والے کے ہیں کہتے ہیں جن الشئ اذ استره چونکہ آدمؑ کے خلاف اس کا غالب مادہ آگ کا لطیف شعلہ ہے اس لیے یہ قوم محسوس نہیں ہوتی ہر ایک کو دکھلائی نہیں دیتی اور اس لیے اس قوم کو جن اور اس کے باپ کو جان کہتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ لطیف وخبیر نے اول ملائکہ کو بنایا، ان کے بعد جن کی قوم کو جن کا مادہ ملائکہ سے ذرا قریب تر تھا، پھر انسان کو جس کا مادہ کثیف ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ دیگر حیوانات گدھا، گھوڑا، گائے، بھینس وغیرہ کب بنائے۔ آدم علیہ السلام سے پہلے یا پیچھے، لیکن اس میں تو کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان انواع کا بھی ایک ایک سرِسلسلہ ہے جس سے یہ انواع پھیلے ہوں گے۔ اس آیت سے یہ بات تو صاف صاف معلوم ہوگئی کہ قومِ جن انسان سے غیر ہے اور اس سے پہلے بنی ہے اور اس کا مادہ بھی انسان کے مادہ سے غیر ہے۔ پھر جو مسلمان کہلا کر غیر محسوس ہونے کی وجہ سے بہ تقلیدِ فلاسفہ قومِ جن کا انکار کرتا ہے اور توجیۂ باطل کر کے ان کو انسانوں کے زمرے میں ملاتا ہے محض جاہل ہے۔

ان جنوں کا سرِسلسلہ جان نبی تھا یا نہیں، قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس قوم میں جو کافر سرکش ہیں جن کا پہلا پیشوا ابلیس ہے ان کو شیاطین کہتے ہیں۔ قومِ جن کی کیفیت کسی قدر ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور یہ بحث کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر کس جگہ بنائے گئے تھے، سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آچکی ہے۔

ہر چند آدم علیہ السلام خاک سے بنایا گیا مگر اس میں وہ اسرارِ حکمت رکھے تھے کہ جن کی نہ فرشتوں کو نہ ابلیس کو خبر تھی اس لیے اس کے پیدا ہونے سے پیشتر ملائکہ کو خبر کردی اور حکم دے دیا کہ جب وہ بن کے تیار ہو تو سب کے سب اس کے آگے جھک جانا تعظیم کے لئے۔ فرشتوں نے تو ایسا ہی کیا مگر ابلیس نے اس کے مادۂ خاکی پر لحاظ کر کے اس کو کمتر اور اپنے آپ کو اچھا سمجھا اور تکبر کی راہ سے حکمِ الٰہی نہ بجالایا اس کی سزا میں نکالا گیا اور بنی آدم کے بہکانے کا بیڑا اٹھایا اس لیے حشر تک زندہ رہنے کی دعا کی مگر وہاں سے وقتِ معین یعنی صور پھونکنے تک کی منظوری ہوئی۔ موت سے چارہ نہ ہوا اور فرمادیا کہ میرے خالص بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا اور جو تیرے کہنے میں آئے گا جہنم میں جائے گا، جس کے سات دروازے یا طبقے ہیں یعنی جہنم بھی بڑی لمبی چوڑی تیار کر رکھی ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۴۵﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا

هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

وقف لازم — ع

ضرور پرہیز گار باغوں اور چشموں میں رہیں گے (کہا جائے گا) کہ ان باغوں میں سلامتی اور امن سے جا کر رہو اور جو کچھ ان کے دلوں میں رنجش ہوگی ہم اس کو بھی دور کر دیں گے۔ وہ تختوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بنے بیٹھے ہوں گے۔ نہ ان کو وہاں کچھ رنج پہنچے گا نہ وہاں سے نکالے جائیں گے (اے پیغمبر!) ہمارے بندوں کو جتلا دو کہ میں بڑا معاف کرنے والا ہوں اور یہ بھی (جتلا دو) کہ میرا عذاب بھی سخت ہے اور ابراہیم کے مہمانوں کا حال بھی ان کو سنا دو جبکہ وہ ان کے پاس آئے تو سلام کیا (ابراہیم نے) کہا مجھے تو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ وہ بولے کچھ خوف نہ کھایئے ہم آپ کو مژدہ دیتے ہیں ایک لائق فرزند (اسحاق) کا (ابراہیم نے) کہا (کیا) مجھے اب بڑھاپے میں مژدہ دیتے ہو سواب کاہے کا مژدہ دیتے ہو (انہوں نے) کہا آپ کو صحیح مژدہ دیتے ہیں پھر آپ ناامید نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ (ابراہیم نے) کہا اے خدا کے فرستادو! تمہارا کیا قصد ہے؟ انہوں نے کہا ہم ایک نافرمان قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر لوط کا کنبہ ہم ان سب کو بچا لیں گے بجز اس کی بیوی کے ہم نے ٹھان لیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

ترکیب : سلاما حال ہے فاعل ادخلوا سے۔ ای سالمین اومسلما علیھم۔ اخوانا حال ہے ھم سے علی سرر بھی حال ہے اور متقابلین بھی۔ علی ان موضع حال میں ہے ای بشرتمونی کبیرا۔ تبشرون کے نون کو مکسور پڑھا ہے نون وقایہ ہے۔

تفسیر : توحید ثابت کرتے کرتے اس کے ضمن میں دار آخرت کا ذکر آ گیا اور وہاں گنہگاروں کے لیے جہنم میں جانا بھی مذکور ہوا تو اس کے بعد نیک لوگوں کا حال اور انجام بیان کرنا گویا بیان کو تمام کر دینا ہے۔ فرماتا ہے کہ متقین یعنی شرک و کفر سے بچنے والے یا کبائر سے بھی حتی المقدور باز رہنے والوں کو باغ اور ان میں نہریں رواں ملیں گے اور فرشتے ان سے استقبال کر کے کہیں گے ان باغوں اور چشموں میں سلامتی اور امن سے داخل ہو جاؤ یا سلام علیکم کہیں گے اور بہشتیوں کے دلوں میں باہمی کدورت اور رنج نہ ہوگا، دنیاوی رنجشیں دل سے نکال دی جاویں گی، بھائی بھائی بنے ہوئے سونے کے تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے' کسی کو کوئی بیماری وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی، نہ وہاں سے نکلیں گے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ بندوں کو کہہ دو کہ میں غفور رحیم ہوں، فرمانبرداروں کو جنت دوں گا اور میرا عذاب بھی سخت ہے۔

توحید اور دار آخرت کا ذکر کر کے انبیاءِ سابقین اور ان کی قوموں کے عبرتناک واقعات شروع ہوتے ہیں تا کہ ناظرین کو عبرت اور

نصیحت ہو یہاں سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اور اس کے ضمن میں لوط علیہ السلام کی قوم پر ہلاکت آنے کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک روز خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس چند مسافر آئے، مہمانی کے طور پر حضرت ان کے لیے تلا ہوا بچھڑا کھانے کو لائے۔ وہ دراصل فرشتے تھے، کھانے سے انہوں نے ہاتھ روکا۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ دشمن ہیں کیونکہ اس عہد میں دشمن اپنے دشمن کے گھر کھانا نہیں کھاتا تھا، یہی علامتِ عداوت تھی۔ کہنے لگے مجھے تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کی تسلی کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی اور لوط علیہ السلام کی قوم کے ہلاک کرنے کا قصد بیان کیا۔ بحیرۂ لوط کے کنارے قومِ لوط کی کئی بستیاں تھیں جنہیں اغلام کی عادت تھی۔ فرشتوں نے کہہ دیا کہ ہم اس ناپاک قوم کو ہلاک کرنے آئے ہیں مگر لوط نبی اور اس کے خاندان کو بجز ان کی بیوی کے کہ وہ قوم میں پیچھے رہ جائے گی، بچالیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

پھر جب لوط کے گھر فرشتے پہنچے تو (لوط نے) کہا کہ تم اجنبی لوگ ہو۔ وہ بولے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ شک کرتے ہیں اور ہم تمہارے پاس مقرر کی ہوئی بات لائے ہیں اور ہم سچے ہیں۔ پس تم اپنے لوگوں کو کچھ رات رہے سے لے نکلو اور تم ان کے پیچھے ہو لو اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا حکم کیا جاوے (وہاں) چلے جانا اور ہم نے لوط کو قطعی طور پر یہ بات بتلا دی تھی کہ اس قوم کی صبح ہوتے ہوتے جڑ کٹ چکے گی اور (یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ) شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط نے ان سے کہا یہ میرے مہمان ہیں سو مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو۔ وہ کہنے لگے کیا تم کو ہم نے دنیا بھر کی حمایت سے منع نہیں کر دیا ہے۔ لوط نے کہا یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے[1] (اے محمد!) آپ کی جان کی قسم گویا وہ اپنے نشے میں

[1] ان سے نکاح کرلو۔ ۱۲ منہ

اندھے ہو رہے تھے (لوط کی کیا سنتے) پھر تو دن نکلتے ہی ان کو ہولناک آواز نے آلیا۔ پھر تو ہم نے ان بستیوں کو زیروزبر کردیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے البتہ اس میں عبرت کرنے والوں کو بڑی نشانیاں ہیں اور بستیاں سیدھے رستے پر واقع ہیں البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ترکیب : اولم ننھك الاستفھام للانکار والواو للعطف علی مقدر' ای لم نتقدم الیک ولم ننھک عن ان تکلمنا فی شان احد اذ قصدناہ بالفاحشۃ۔ لعمرك العمر بالفتح والضم واحد لکنھم خصوا القسم بالفتح اختیار اللاخف لکثرۃ الاستعمال واتفق المفسرون انہ قسم بحیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانھا الضمیر بقریۃ لوط وھی سدوم۔ لبسبیل مقیم اے طریق ثابت والباء بمعنی فی اے ہذاء القریۃ فی سبیل واضح عن المدینۃ الی الشام یری آثار غضب اللہ الی زماننا ھذا، ھؤلاء مبتدا بناتی خبر یعمھون حال ضمیر سکرتھم سے والعامل السکرۃ او معنی الاضافۃ، مشرقین وقت شروق الشمس حال ہے۔

تفسیر : پھر جب فرشتے لوط کے گھر پہنچے تو لوط نے ان کو نوجوانی کے عالم میں دیکھ کر اور اپنی قوم کی بدعادت پر خیال کر کے ان کا آنا مکروہ سمجھا چونکہ مہمان تھے گھر لے آئے، فرشتوں نے لوط سے بیان کر دیا کہ ہم اس قوم ناپاک کی ہلاکت کے لیے آئے ہیں، صبح ہوتے ہوتے یہ غارت ہو چکیں گے۔ تم اپنے خاندان کو لے کر بڑے سویرے چل دو اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ان کی خبر بستی میں پہنچی۔ پھر کیا تھا' بدمعاش شہوت پرستوں نے آ کر لوط علیہ السلام کا گھر گھیر لیا' اس ارادے سے کہ ان لوگوں سے بدفعلی کریں۔ لوط علیہ السلام نے کہا یہ میرے مہمان ہیں ان کی بے عزتی میری بے عزتی ہے خدا سے ڈرو، مجھے رسوا نہ کرو۔ قوم نے کہا ہم نے تجھے منع کر دیا ہے کہ تو دنیا بھر کی حمایت نہ کیا کر یہ تیرے کون ہیں جو تو ان کی حمایت کرتا ہے؟ لوط نے کہا خیر اگر تمہیں یہی مقصود ہے تو میری یہ بیٹیاں[1] موجود ہیں، ان سے نکاح کر لو۔ خدا تعالیٰ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تیری عمر کی قسم وہ اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے اور بدمست اور سرشار تھے لوط علیہ السلام کی کیا سنتے۔

حقیقت میں جس قوم پر ادبارِ الٰہی نازل ہونے کو ہوتا ہے تب وہ اس بدفعلی میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے۔ آج کل امرائے اسلام کی عجب حالت افسوسناک ہے۔ شراب خوری و عیاشی و کاہلی، بدفعلی و فضولی میں انتظامِ دنیوی' ملک کا بندوبست' بیدار مغزی ہر کام میں ہوشیاری تو درکنار ملت و مذہب سے بھی ایسے غافل کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کا مذہب کیا ہے؟ نہ اسلامیوں کی سی صورت نہ سیرت' نہ کسی اسلامی فریضے کے پابند' اس پر بے دین ملحدوں کی صحبت جو اسلام کی پابندی کو بربادی کا ذریعہ بتلاتے ہیں۔

وانھا الخ یعنی وہ گاؤں الٹے ہوئے قریش کو جب کہ ملک شام میں تجارت کے لیے جاتے ہیں تو سیدھے رستہ پر ملتے ہیں ان خرابات[2] کے آثار موجود ہیں پھر کیوں عبرت نہیں کرتے؟

---

[1] قوم کی بیٹیوں کی طرف اشارہ تھا کیونکہ نبی قوم کا باپ تھا، ان کی بیٹیاں اس کی بیٹیاں ہیں مراد یہ کہ اس کام کے لیے قوم میں لڑکیاں کیا کم ہیں ان سے نکاح کر لو۔

[2] بحیرۂ مردار اس کے کنارے چند بستیاں تھیں سدوم و عمورہ وغیرہ ان کی ہدایت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو بھیجا لوط علیہ السلام کی بیوی انہیں بستیوں کی رہنے والی تھی دو بیٹیوں کے سوا اور کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی ان بستیوں کے لوگوں میں علاوہ کفر و بت پرستی کے اغلام کی بھی سخت عادت تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نصیحت کرتے تھے مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر ان کی بربادی کے لیے فرشتے لڑکوں کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس بھی آئے۔ لوط علیہ السلام قوم کی عادت سے واقف تھے اول تو ان مہمانوں کے آنے سے ناخوش ہوئے مگر جب حال معلوم ہو گیا تو ان کو گھر لے گئے قوم نے بارادۂ بد گھر کو آ گھیرا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی فرشتوں کے حکم کے مطابق بستی چھوڑ کر باہر نکلے مگر آخر میں بیوی کو وطن اور قوم کی محبت نے مڑ پیچھے دیکھنے پر مجبور کیا وہ نمک کا ٹھمبہ بن گئی اور صبح ہوتے تمام بستی غارت ہو گئی۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

وقف لازم — الربع — ع ۶

اور ایکہ کے لوگ بھی بدکار تھے پھر تو ان سے بھی ہم نے انتقام لیا اور وہ دونوں شہر کھلے شارع عام پر واقع ہیں اور البتہ حجر کے باشندوں نے بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تھا باوجودیکہ ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی دی تھیں پھر وہ ان سے روگردانی کرتے رہے اور وہ پہاڑوں میں خاطر جمع سے گھر تراشا کرتے تھے۔ پھر ان کو صبح ہوتے ہوتے کڑک نے آلیا۔ پھر تو جو کچھ وہ (اپنی حفاظت کے لیے) کرتے تھے کچھ کام نہ آیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو بغیر حکمت کے نہیں بنایا اور قیامت ضرور آنے والی ہے۔ پس آپ ان سے خوش خلقی سے درگزر کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا بڑا جاننے والا ہے اور ہم نے ہی آپ کو سات آیتیں دوہری (الحمد) اور قرآن عظمت والا دیا۔ آپ ان اقسام اقسام کی چیزوں کی طرف جو ہم نے ان کو برتنے کے لیے دے رکھی ہیں اپنی نظر نہ دوڑایئے اور نہ ان پر رنج کیجئے اور (آپ) ایمانداروں کے لیے جھک جایئے (اور کافروں سے) کہہ دو کہ میں (تو) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (ہم نے اسی طرح نازل کیا) جس طرح کہ تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا تھا (اور) ان پر کہ جنہوں نے قرآن کو جدا جدا کر دیا آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پرسش کریں گے

کہ وہ کیا کیا کرتے تھے پھر جس کا آپ کو حکم ہے وہ کھلم کھلا کہہ دو اور مشرکوں سے کنارہ کش ہو جاؤ ہم کافی ہیں آپ کی طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کے لیے (اور) ان کے لیے جو اللہ کے ساتھ دوسرا خدا مقرر کرتے ہیں پس وہ بھی معلوم کر لیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان کی باتوں سے گھٹتا ہے۔ پس آپ تو اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کیے جایئے اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

ترکیب : اَلْاَیْکَۃِ مجمع الشجر ومجمع الشی والجمع الایک وفی الاصل اسم للشجر الملتف والمراد بھا الموضعۃ التی ھی محل اشجار مزوجۃ وقیل اسم قریۃ قال ابوعبیدہ ایکہ ولیکہ مدینتھم کمکۃ وبکۃ واھلھا قوم شعیب کما ان اہل مدین امۃ علیہ السلام والحجر دیار ثمود قال ابن جریر ھی ارض بین الحجاز والشام۔ کما انزلنا کاف موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی۔ ای لقد آتیناک سبعا من المثانی اتیانا کما انزلنا ان آتیناک بمعنی انزلنا۔ وقیل ھو وصف المفعول الندیر اقیم مقامہ ای مثل العذاب الذی انزلنا علیھم عضین اجزاء جمع عضۃ واصلھا عضوۃ، بما تؤمر مامصدریہ ہے تو حذف نہیں اور جو بمعنی الذی ہے تو عائد محذوف۔ والمثانی جمع مثناۃ من التثنیۃ وھی التکریر وقیل جمع مثنیۃ وھی القراۃ بعد قراۃ قال الزجاج ثنی بما یقرء بعد ھا معھا، الازواج الاصناف۔

تفسیر : وان کان یہ تیسرا قصہ اصحاب الایکہ کا ہے۔ ایکہ درختوں کے بن کو کہتے ہیں یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو حوالیِ مدین میں رہتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اہلِ مدین ہی کو اصحاف الایکہ یعنی بن والے کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ ان کی بستی کے پاس درختوں کے بہت جھنڈ تھے۔ مدین قلزم کے مشرقی کنارہ کی طرف عرب کے گوشۂ مغرب وشمال میں آباد تھا وہاں کے لوگ بڑے بدکار تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ تب خدا نے اس قومِ بد سے انتقام لیا۔ پہلے زلزلہ کی ہیبت ناک آواز محسوس ہوئی اور زمین سے مادۂ آتشیں اور گرم بخارات نکل کر دھواں سا ابر کی طرح نمودار ہوا اسی لیے ہلاکت کے دن کو یوم الظلہ کہتے تھے۔ اس حادثہ میں وہ قوم نیست ونابود ہوگئی۔ یہ قصہ بھی عرب میں مشہور ومعروف تھا۔ وانھما یعنی سدوم وغیرہ لوط کی بستیاں جو شام کے جنوبی حصہ میں جھیل مردار پر واقع تھیں اور شعیب کی بستی مدین بعض کہتے ہیں۔ انھما سے مراد مدین اور ایکہ ہے جو اسی کے پاس ایک اور بستی تھی اس کے لوگ بھی قومِ حضرت شعیب علیہ السلام میں تھے اور وہ بھی بدکاری میں مدین والوں کے مانند تھے اسی حادثہ میں ساتھ ہی وہ بھی ہلاک ہوئے۔ یعنی یہ دونوں مقام عبرت خیز لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ کشادہ رستہ پر واقع ہیں آتے جاتے میں قریشِ مکہ کو وہاں کے آثار باقیہ نظر آتے ہیں، عبرت عبرت!! وَلَقَدْ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ یہ چوتھا قصہ اصحابِ حجر کا ہے یعنی حجر کے رہنے والوں کا حجر اس وادی کو کہتے ہیں۔

جو عرب وشام کے درمیان واقع ہے یعنی قومِ ثمود، صالح پیغمبر علیہ السلام کی امت۔ یہ قوم بھی بدکار تھی۔ اطمینان سے پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے۔ صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا اور نیز بہت سی آیاتِ قدرت موجود ہیں کسی میں غور نہ کیا ہلاک ہوئے۔ اس کی تفصیل سورۂ اعراف میں دیکھو اگرچہ انہوں نے جو ایک نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا مگر صالح علیہ السلام وہی باتیں کہتے تھے جو اور انبیاء فرما گئے تھے اس لیے انہوں نے سب انبیاء کو جھٹلایا۔ وماخلقنا السموٰات الی ھو الخلاق العلیم صرف ان قصوں کو سن کر مکہ کے مشرک یہ خیال کرتے ہوں گے (اور منکر بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں) کہ پہلی قوموں کے لیے خداتعالیٰ نشانیاں دکھلاتا تھا اب کیوں نہیں دکھلاتا اور پھر ان کی سرکشی پر ہلاک کر دیتا تھا اب ایسا کیوں نہیں کرتا اور اس پر بہت اصرار کر کے پیغمبر علیہ السلام سے تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بس جو کچھ انسان کے لیے سعادت وشقاوت ہے وہ اسی دنیا میں ہے۔ قیامت کیسی اور دارِ آخرت کیسا؟ اور اچھا یوں ہے تو پھر دنیا میں منکروں کو کیوں پیدا کرتا ہے اور کیوں ان کو عیش وآرام دیتا ہے؟ ان چاروں باتوں کا جواب اس آیت کے چاروں جملوں میں کس لطف اور شانِ کبریائی کے ساتھ دیتا ہے، وَمَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَیْنَھُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ یہ پہلی بات کا جواب ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی ہر چیز کو اور ان کی تغیرات کو دیکھو کہ ان میں ہماری کس قدر نشانیاں ہیں ہر چیز کو ہم نے کس اسلوب کے ساتھ بنایا ہے؟ اب غور کرنے والوں کے نزدیک ان سے بڑھ

کراور کون سے معجزات آسکتے ہیں، وان الساعة لاتية اس میں دوسری بات کا جواب ہے کہ اب قیامت بہت قریب آ لگی ہے، وہیں جزا سزا جلد ہو جاوے گی اور پہلوں کو تمہارے لیے نظیر بنا دیا ہے، اب قربِ قیامت میں تم کس کے لیے نظیر ہو گے معاملہ قریب آ لگا۔ نہ اب وہ عمریں ہیں نہ وہ قویٰ ہیں اس لیے تم سے ویسا نہیں کیا جاتا، فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ میں ایسے نادانوں حمقا سے اعراض کرنے کا حکم دیا، اس میں تیسری بات کا جواب ہے وھو الخلاق العليم میں چوتھی بات کا جواب ہے کہ اس میں جو کچھ حکمتیں ہیں ان کو وہی علیم جانتا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الی قوله النذير المبين ان جملوں میں ان کی تیسری بات کا اور بھی رد کرتا ہے کہ وہ اسبابِ دنیائے فانی پر فخر کر کے اے پیغمبر! آپ سے کیا تمسخر کرتے ہیں ہم نے آپ کو دولتِ سرمدیہ عطا کی ہے وہ کیا؟ سبعًا من المثانی (المثانی تثنية یا ثناء سے مشتق ہے) اس میں مختلف اقوال ہیں مگر جمہور کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی سات آیات مراد ہیں کہ جو نماز میں دوہرائی جاتی ہیں اور جن میں خدا کی ثناء و وصف بھی ہے اور قرآنِ عظیم بھی عطا کیا جس کے مقابلہ میں اور کوئی دولت و نعمت نہیں اس لیے لاتمدن ان کے اسبابِ دنیا اور اس کے تجملات کی طرف اے پیغمبر! (خطاب گو حضرت ﷺ کی طرف ہے مگر مراد اہلِ ایمان ہیں) نظر بھی نہ ڈال اور وہ اس دنیائے فانی پر غرور و تکبر کرتے ہیں مگر آپ اس نعمتِ عظمیٰ پر اے پیغمبر! ایمانداروں کے لیے جھک جاؤ، نرمی اور فروتنی کرو (چنانچہ آپ ایسا ہی کرتے تھے) اور کہہ دیجئے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں تم پر بلا آنے والی ہے۔ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ[1] الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ، اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں صاف یہ ہے کہ ہم باقی مخالفین پر اسی طرح سے بلا نازل کریں گے کہ جیسے ہم نے ان لوگوں پر کی تھی کہ جنہوں نے قرآن کو بانٹ کر حصے کیے تھے۔ اس میں بھی مفسرین کئی طریق سے بیان کرتے ہیں مگر عمدہ یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ میں سے چند شریر اور سرکش تھے کہ جنہوں نے ایامِ حج میں مکہ کے رستے بانٹ رکھے تھے ہر ایک کو ایک رستے پر بٹھلا دیا تھا کہ جو لوگ اس راہ سے آئیں ان کو کہہ دینا کہ ہم میں محمد (ﷺ) جادوگر ہے، ایسا ہے، ایسا ہے، اس کی بات نہ ماننا اور انہیں نے تمسخر کی راہ سے قرآن کی سورتوں کے ناموں پر خیال کر کے اس کے حصے کیے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ بقرہ میں لونگا، عنکبوت تجھے دیتا ہوں علی ہذا القیاس۔ یہ لوگ بری موت مرے اس پر اور لوگوں کو متنبہ کرتا ہے اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ ان تمسخر کرنے والوں کو تمہاری طرف سے ہم کافی ہیں سو وہ کافی ہوا۔ چونکہ مشرکین کی باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اور یہ ایک فطری بات ہے اس لیے آپ کو تسلی دی کہ آپ کی طرف سے ہم ان کو کافی ہیں ان کا کوئی کید آپ پر غالب نہ آئے گا نہ وہ اس چشمۂ ہدایت کو بند کر سکیں گے۔ سو ایسا ہی ہوا بھی اس کے بعد جملہ ہموم و غموم دفع کرنے والے عمل کی طرف رغبت دلاتا ہے اور تبلیغِ رسالت کے بعد اصلی کام بھی وہی ہے جس سے روح کو قوت ہوتی ہے وہ کیا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الخ کو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو جب بندہ اس خالق و مالک کی جملہ اوصافِ ذمیمہ سے تبری کرتا ہے اور اسی کو تسبیح بھی کہتے

---

[1] اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں کس لیے کہ کیا نازل مقتسمین کون ہیں اور قرآن کو پارہ پارہ کر دینے سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں کہ کہہ دو کہ میں تمہارے لیے ایسا ہی اس عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا کہ مقتسمین پر عذاب نازل ہوا تھا۔ پھر وہ مقتسمین کون تھے؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ بعض جنہوں نے باہم مصالحہ کیا تھا یعنی صالح علیہ السلام کو رات میں ہلاک کرنے کی قسم کھائی تھی اور الذين جعلوا القرآن مقتسمين کی صفت نہیں بلکہ محذوف کی ای انا النذير المبين، لقوم الذين جعلوا القرآن اس تقدیر پر الذین سے کون لوگ مراد ہیں اس میں متعدد اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کفارِ مکہ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے کر دیا وہ کہتے تھے قرآن میں کچھ تو پہلوں کے افسانے ہیں اور کچھ اس میں جادو ہے اور کچھ شعر ہیں بعض کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن ان کی مرضی کے موافق تھا اس کو مانتے تھے اور جو رد شرک میں تھا اس کو نہیں مانتے تھے۔ یہ تھا ان کا قرآن کو تقسیم کرنا اب انزلنا سے مراد عذاب نازل کرنا نہ لیا جائے بلکہ کلامِ الٰہی تب یہ معنی ہوں گے کہ اے کفارِ مکہ! تم قرآن کے منزل ہونے سے کیوں تعجب کرتے ہو اسی طرح نازل کیا ہے جیسا کہ ان سے آگے ان قوموں پر کلام نازل کیا تھا جنہوں نے آج قرآن کو ٹکڑے کر دیا یہ کون یہود و نصاریٰ۔ قرآن میں سے جو کچھ ان کے مطلب کے موافق ہے اس حصے کو مانتے ہیں اور دوسرے کو نہیں۔

ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی بے حد نعمتوں کی شکر گزاری اور اس کے اوصاف حمیدہ پر خوبیاں زبان سے ایسے دلالت حال سے بیان کرتا ہے تو ایک انجذاب بارگاہِ قدس تک پیدا ہوتا ہے پھر بارگاہِ قدس میں بندہ کو بجز عبادتِ الٰہی کے خواہ ذکر ہو یا مراقبہ ہو چارہ ہی نہیں ہوتا اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرما دیا واعبد ربك کہ اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہا کر ومگر جب تک یہ رابطۂ دائمی قائم نہیں ہوتا، بندہ کی تکمیل نہیں ہوتی اس لیے اس کو مقید کر دیا عارف وسالک کو حضور میں پہونچاتا ہے۔

بدر و یقین پردہ ہائے خیال ۔ نماند سرا پردہ الاجلال

یہ تسبیح و عبادت کاروبارِ رسالت کی تکان کے لیے ایک قوت بخش دوا ہے۔

ہر چند پیر وخستہ دل و ناتواں شدم ۔ ہر گاہ کہ یادِ روئے تو کروم جواں شدم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ ع

(منکرو!) خدا کا حکم آ گیا (عذاب) سو تم اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک اور بری ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ اپنے بندوں سے جس کے پاس چاہتا ہے فرشتوں کو وحی دے کر بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) متنبہ کر دو کہ میرے سوا اور کوئی (دوسرا) معبود نہیں پھر مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ (لوگو!) اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے بنایا ہے پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے آدمی کو اسی نے پانی کی بوند سے پیدا کیا پھر وہ یکا یک کھلم کھلا جھگڑنے لگا اور چارپایوں کو بھی اسی نے بنایا تمہارے لیے ان میں جڑاول ہے اور فائدہ بھی اور بعض کو ان میں سے تم کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان میں زینت بھی ہوتی ہے جبکہ تم ان کو شام کو (چرا کر) واپس لاتے ہو اور

دِفٌ معناہ السخانۃ وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ دف الثیاب ای من الاکسیۃ والاردیۃ۔ حقانی

یعنی ان کی کھال اور بالوں سے جاڑے کے کپڑے بناتے ہو۔

جبکہ صبح کو (چرانے جنگل) لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ (بھی) اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک تم بجز جانکاہی کے نہیں پہنچ سکتے بے شک تمہارا رب تم پر بڑا شفیق و مہر والا ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (بھی) اسی نے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کئے اور وہی (بہت سی ایسی چیزیں) بناتا ہے جنہیں تم جانتے بھی نہیں اور سیدھا رستہ تو ٹھر اللہ تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے رستے بھی ہیں اور اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھا رستہ ہی دکھا دیتا۔

ترکیب : اتی صیغۂ ماضی مگر معنی میں مستقبل کے ہے۔ ہ ضمیر امر اللہ کی طرف راجع ہے بالروح ای بالوحی موضع نصب میں حال ہو کر ملائکہ سے ای ومعہ الروح من امرہ روح سے حال ہے۔ ان انذروا بمعنی ای لان الوحی یدل علی القول فیفسر بان۔ انہ الخ جملہ محل نصب میں ہے مفعول انذروا ہو کر۔

تفسیر : یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ حسن، عکرمہ، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، ابی قتادہ کا بھی یہی قول ہے اس کی ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشرکینِ عرب کو خدا کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے کہ وہ دنیا میں بھی عنقریب آنے والا ہے۔ منکرین کہتے تھے کہ ابھی تو نہیں آیا اگر تو سچا ہے تو جلد بھیج۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے؟ اس لیے اس سورۃ میں سب سے اول ان کی اس دلیری اور جلد بازی کا جواب آیا کہ امر اللہ یعنی عذاب الٰہی عالمِ غیب میں تم پر مقرر ہو چکا اور تم پر آ چکا گو ظہور اس کا کسی حکمت و رحمت سے وقتِ معین پر ہوگا پھر کس لیے جلدی کر رہے ہو۔ فصحاء بلغاء قطعی ہونے والی اور قریب تر ہونے والی بات کو ماضی کے لفظوں سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اچھا دنیا میں یا آخرت میں ہمارے ان افعال پر کوئی بلا بھی آئے تو کیا پروا ہے۔ فلاں بزرگ، فلاں فرشتہ، فلاں دیوتا جو خدا کے ہاں کارمختار ہے اور اس کے ساتھ قضاء و قدر میں شریک ہم ان کی مورتیں پوجتے ہیں، نذر و نیاز کرتے ہیں وہ ہماری بلا کو دفع کر دیں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے سُبۡحَانَهٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ کہ وہ جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو ان سے بری ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہماری یہ باتیں ناپسند ہیں تو ہم کو خدا فرشتے کے ذریعہ سے کیوں نہیں مطلع کر دیتا۔ اے محمد! تجھ میں کیا خصوصیت ہے جو تیرے پاس فرشتہ وحی لاتا ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے ینزل الملائکۃ الخ کہ یہ اللہ کے اختیار کی بات ہے جس کو نبوت کے قابل دیکھتا ہے اس کے پاس فرشتوں کو وحی دے کر بھیج دیتا ہے کہ لوگوں کو مطلع کر دے کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو مجھی سے ڈرو۔ الملائکہ جمع کا صیغہ ہے مگر مراد اس سے ایک فرشتہ جبرئیل ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور واحدی اس کی تائید کرتے ہیں کہ سردار اور رئیس کو محاورۂ عرب میں بلفظ جمع تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔

قرآن کا روح ہونا : بالروح روح سے مراد وحی اور قرآن ہے قرآن مجید میں اور کئی موقعوں میں قرآن و وحی پر یہ لفظ بولا گیا ہے از آنجملہ قولہ تعالیٰ وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا وجہ اس کی یہ ہے کہ روح نورانی چیز کو کہتے ہیں جو حیات کا باعث ہو۔ جسم ایک کثیف اور ظلماتی چیز ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب اس میں روحِ انسانی ڈالی تو نور کے آثار اس کے حواسِ خمسہ میں ظاہر ہوئے مگر اس میں بھی کسی قدر تیرگی تھی تو عقل کے ساتھ اس کو منور کیا لیکن عقل بمنزلہ آنکھ کے ہے اور آنکھ جب تک کہ آفتاب یا کوئی اور روشنی نہ ہو ہرگز نہیں دیکھ سکتی تو اس کی ظلمت کو آفتابِ وحی والہام کے ساتھ دور کیا پس قرآن مجید ایک ایسا نور ہے کہ جس سے حیاتِ ابدی قائم ہوتی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ قرآن اور وحی سے مستفید نہیں وہ نہ صرف اندھیرے میں گرفتار ہیں بلکہ حیاتِ ابدی سے بھی محروم ہیں۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے اگلی آیت میں بذریعہ وحی توحید پر بقولہ انہ لا الہ الخ اور تقویٰ پر بقولہ فاتقون مطلع فرمایا تھا جو باعتبارِ تکمیلِ قوتِ نظریہ و عملیہ کے سعادتِ دارین کے دو رکن تھے اب خلق السمٰوات والارض الخ میں اپنی خدائی اور یکتائی پر دلائل قائم کرتا ہے اور دلائل بھی وہ

کہ جن میں اس کے بندوبست پر بے حد انعام ولطف پایا جاتا ہے جن کے سننے سے دانشمند کا دل اپنے مولیٰ، منعم حقیقی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نیز ان دلائل میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم تو تمہارے حال پر اس قدر مہربان ہیں پھر تم شرارت کرتے جاتے ہو اور اس پر اپنی سزا کی جلدی کرتے ہو جو انجام کار مفسدوں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ بدر کی لڑائی میں ان کا خاتمہ ہوا اور ایک قحط شدید پڑا اور متکبر انواع واقسام کی بلاؤں میں مبتلا ہو کر کیڑے پڑ پڑ کر مرے اور اخروی سزا جہنم کی طرف روانہ کیئے گئے۔ ان دلائل کے چند قسم ہیں:

اول قسم: آسمانوں اور زمین کا ایک ٹھیک اندازے پر پیدا کرنا بآوازِ بلند اس کی یکتائی پر گواہی دے رہا ہے اور زمین و آسمان کا ہر ہر جزو بآوازِ بلند یہی کہہ رہا ہے تعالیٰ عمایشر کون۔

دوسری قسم: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ آسمان اور زمین کے بعد دیگر اجسام سے اشرف انسان ہے۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ اول بدن، دوم نفس۔ اب اس کے دونوں جزوں سے استدلال کرتا ہے۔ اول سے یوں کہ انسان کے بدن کی بنیاد نطفہ یعنی منی کے چند قطرے ہیں جو عورت کے رحم میں جانے کے بعد خون بن جاتے ہیں، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر اعضاء نمودار ہوتے ہیں اور باوجود یکہ ایک مادہ ہے اور ایک جگہ میں ہے پھر اس میں سے کسی کے ہاتھ پاؤں، ہڈی بنتی ہے، کسی کے سر، قلب وغیرہ، اعضاء۔ پھر وہ اعضا بے ڈول نہیں بلکہ ہر ایک مناسب۔ بالوں کی جگہ بال، آنکھ کی جگہ آنکھ۔ اب دیکھو یہ کس کا کام ہے۔ ماں باپ کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ اندر کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟ اگر کہو طبیعت یا مادہ کا فعل ہے جیسا کہ بعض کہتے ہیں تو پوچھنا چاہیے کہ اول تو افعالِ طبیعہ یکساں ہوتے ہیں۔ اس کا مقتضی یہ تھا کہ انسان کی شکل کروی ہوتی۔ آدمی ایک گول مول گنا سا ہوتا، جیسا کہ حکماء آسمان اور زمین کی شکل کی نسبت کہتے ہیں اور مان لو کہ طبیعت کا فعل ہے تو پھر پوچھو کہ یہ طبیعت کس نے پیدا کی، اس کل کو کس نے چلایا، آخر وہی حکیم وعلیم آ کر ٹھہرے گا۔ دوسرے جزو سے استدلال یوں ہے کہ پیدا ہونے کے بعد حضرتِ انسان مرغی کے بچے کے برابر بھی ہوشیاری نہیں رکھتے، وہ تو انڈے سے نکلتے ہی دوست دشمن کو پہچاننے لگتا ہے، بلی، چیل سے بھاگتا، ماں کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ برخلاف انسان کے کہ انہیں کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ پھر وہ کون ہے کہ جس نے اس کو چالاک اور صاحب ادراک کر دیا کہ صاحبِ ادراک ہوتے ہی آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے لگے، دنیا میں ہزاروں صنعتیں اور بہت سی کلیں تو اس نے ایجاد کی ہی تھیں، بارے اب پیغمبروں سے بھی مقابلہ کرنے لگے، قیامت اور خدا کے منکر بن گئے۔ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا الیٰ قولہ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یہ تیسری قسم ہے۔ اس میں انعام کے پیدا کرنے سے اور ان سے انسان کے لیے فوائد حاصل ہونے سے استدلال کرتا ہے۔ الانعام بھیڑ بکری، اونٹ گائے کو کہتے ہیں۔ اول تو ان کی پیدائش میں غور کیجیے کہ ہر ایک کو اس کے مناسب حال پر بنایا۔ اگر اونٹ کی لمبی گردن نہ ہوتی تو بوجھ اٹھا کر اس سے اٹھا نہ جاتا۔ علیٰ ہذا القیاس پھر جو ان سے انسان کو منافع اور فائدے پہنچتے ہیں ان میں فکر کیجیے۔ پہلا ضروری فائدہ تو ان کے بالوں سے وہ کپڑے تیار ہوتے ہیں کہ جن سے سردی دفع ہوتی ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی پشم اس میں بہت مستعمل ہوتی ہے۔ دوم اور بہت سے فائدے ہیں و منافع۔ سوم بعض ان میں سے کھائے جاتے ہیں۔ یہ ضروری فائدے ہیں اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ الخ کہ جب وہ شام کو جنگلوں سے چر کر گھروں میں آتے ہیں اور ان کے مالک ان گلوں اور ریوڑوں کے انتظار میں گاؤں کے کنارے نکل کر بیٹھتے ہیں تو پھر اس وقت ان کو جو کچھ رونق اور زینت ہوتی ہے انہیں کے دل سے پوچھنی چاہیے اسی طرح جب صبح کو چرنے جاتے اور غل وشور مچاتے ہیں تو وہ بھی عجب کیفیت ہوتی ہے۔ یہ بھی خدا ہی کا کام ہے کہ ان جانوروں کو تمہارے قابو میں کر دیا ورنہ زور وطاقت میں وہ بھی کچھ کم نہیں۔ اس کے سوا ان پر بوجھ لاد کر ایسے دور دراز شہروں میں لے جاتے ہو کہ اگر خود اٹھا کر لے جاتے تو حقیقت معلوم ہوتی یہ سب باتیں اس کی رحمت سے ہیں اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اس پر بھی عذاب کی جلدی کرتے ہو۔

والخیل والبغال والحمیر الخ یہ چوتھی قسم ہے۔ چار پایوں میں سے بالخصوص ان کے ساتھ استدلال ہے کہ جو بالخصوص سواری کے کام آتے ہیں اور زینت کا بھی باعث ہوتے ہیں۔ ان چند چیزوں کو شمار کر کے اجمالاً ان سواریوں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو ہنوز ظہور میں نہیں آئی تھیں یا آیندہ آئیں گی جیسا کہ ریل گاڑی اور دخانی جہاز یا جن کو عرب جانتے نہ تھے۔ وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ دلائل توحید بیان فرما کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اپنی رحمتِ خاصہ سے اللہ کا کام ہے کہ وہ سیدھا رستہ بیان فرماوے۔ چنانچہ اس نے انبیاء بھیجے اور دلائل بیان فرمائے مگر کچھ رستے ٹیڑھے بھی ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ اگر کوئی کہے اس نے ایسا کیوں ہونے دیا اس کا جواب دیتا ہے کہ اس کی مشیت یوں ہی ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا مگر نہ کی۔ بعض مفسرین وعلی اللہ الخ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ راہِ راست کہ جو انبیاء کی معرفت دنیا میں قائم کی گئی اللہ تک پہنچتی ہے، یعنی شریعتِ انبیاء پر چلنے والا اللہ تک اعنی اس کی رضا تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے رستے ہیں ولوشاء الخ میں قدریہ کا صاف رد ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬

(لوگو!) وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے (فائدے کے) لیے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے تم پیتے ہو اور اس سے پیڑ اگتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو تمہارے لیے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے بھی اگاتا ہے۔ البتہ اس میں اس قوم کے لیے جو غور کرتی ہے ایک بڑی نشانی ہے اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا اور آفتاب اور چاند کو بھی اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں البتہ اس میں عقلمند قوم کے لیے (قدرت کے بڑے بڑے) نشان ہیں اور جو زمین پر رنگ برنگ کی چیزیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں البتہ اس میں بھی اس قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ دار ہیں۔

ترکیب: منه شراب جملہ اور نیز منه شجر دونوں جملے ماء کی صفت ہیں و ماذرا محل نصب میں ہے خلق یا انبت محذوف سے۔ مختلفاً حال ہے واصل السوم الابعاد فی المرعی قال الزجاج من السومة وھی العلامة لانھا توفی الارض۔ علامات برعیھا یقال سامت السائمة تسوم سوماً رعت فھی سائمة۔

تفسیر: عالمِ سفلی میں حیوان کے بعد اشرف الاجسام نباتات ہیں۔ پس حیوان کے عجائب حالات سے خدا تعالیٰ کا قادرِ مختار ہونا ثابت کر کے نباتات کے عجائب حالات سے ثابت کرتا ہے چونکہ نباتات کے پیدا ہونے کا سبب مینہ ہے۔ اس لیے سب سے اول فرماتا ہے کہ ھوالذی الخ ہم نے ہی تو آسمان سے یعنی بادل سے پانی اتارا یعنی برسایا۔ جس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ تم اس کو پیتے اور پی کر جیتے ہو۔ جہاں کنوؤں اور نہروں کا پانی نہیں وہاں تو اسی پر زندگی ہے اور کنوؤں، نہروں کا پانی بھی برسات نہ ہو تو خشک ہو جاوے۔ دوسرا فائدہ ومنه شجر

الخ یہ کہ اس سے شجر یعنی گھانس اگاتا ہے جس سے تمہارے چارپایوں کی زندگی ہے، نجم اس گھانس کو کہتے ہیں جو زمین پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ بیل اور شجر وہ جو اٹھا ہوا ہوتا ہے اور اگر شجر سے درخت بھی مراد لیے جاویں تو درختوں کے پتے بھی اکثر حیوانات کی روزی ہے۔ حیوانات کی روزی بیان فرما کر اب اس پانی سے انسان کی روزی پیدا کرنا ذکر فرماتا ہے اور چونکہ اناج سب سے ضروری چیز ہے جس بغیر سرتا ہی نہیں سب سے اول اسی کا ذکر کرتا ہے یُنۡبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ یہ تیسرا فائدہ ہے والزیتون اس کے بعد بہت کار آمد چیز ہے والنخیل والاعناب پھر کھجور اور انگور میوؤں میں سب سے اس لیے بڑھ کر ہیں کہ صرف انہیں کو کھا کر انسان مہینوں جی سکتا ہے اس کے بعد بیشمار میوؤں اور پھلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ومن کل الثمرات اب غور کرو کہ بادلوں میں پانی کا ہونا اور پھر اس سے یہ چیزیں پیدا کرنا پھر ان کے پتوں اور پھولوں میں یہ گلکاری کرنا ایک دانہ کو زمین میں ڈال کر اس سے یہ باتیں ظہور میں لانا کیا بغیر کسی قادر مختار حکیم علیم کے ہوسکتا ہے؟ آپ سے آپ یہ چیزیں اس اسلوب سے کہیں ہوسکتی ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بڑے حکیم کا کام ہے مگر ان فی ذلک لایۃ لقوم یتفکرون، اس نشانی کو غور وفکر کرنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی کوتاہ فہم ان چیزوں کو ان کے اسباب ظاہری آفتاب مہتاب وستاروں کی تاثیروں، رات کی گرمی سردی کی طرف منسوب کرے تو اس کو خیال کرنا چاہیے کہ یہ اسباب کس کے بس میں ہیں، کس نے ان کو تمہارے کام پر لگا رکھا ہے، وسخر لکم اللیل الخ اسی قادر مختار نے کیونکہ آفتاب ومہتاب اجسام ہیں، ان میں یہ تفاوت اگر جسم من حیث الجسم ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ اس میں سب برابر ہیں۔ پھر آخر اور کوئی ہے جس نے یہ تفاوت کیا اس کو اہلِ عقل خوب سمجھتے ہیں۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون، اچھا اگر انہیں کی تاثیر ہے تو پھر یہ تمام نباتات میں برابر ہونی چاہیے تھی ایک ہی درخت ہے، ایک ہی ماہیت ہے، ایک ہی پانی دیا جاتا ہے مگر پھر ماذرالکم فی الارض مختلفا الوانہ رنگ برنگ کے پتے ہیں، ان فی الخ مگر اس بات کو بجز اہلِ عقل کے حمقاء کیا سمجھ سکتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨﴾

اور وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے بس میں دریا کر دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور (تاکہ) اس سے زیور (مونگا موتی) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور (اے مخاطب) تو اس میں جہاز دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس لیے بھی دریا کو مسخر کیا کہ تم اس کے فضل[1] کو تلاش کرو اور اس لیے بھی کہ تم شکر

[1] فضل سے مراد اسباب معاش ہیں جو دریائی سفر سے حاصل ہوتے ہیں، تجارت، ملک گیری اور دیگر اشیاء دریائی جو کار آمد ہیں اور علمی منافع بھی یہ سب اس کے فضل وکرم سے حاصل ہوتے ہیں ورنہ بہت سے جہاز ڈوب بھی جاتے ہیں جس کام کے لیے جاتے ہیں اس میں ناکامی ہو جاتی ہے۔

کرو اور (وہی تو ہے کہ جس نے) زمین پر پہاڑوں کے بوجھ ڈال دیے تا کہ تم کو لے کر نہ ڈگمگائے اور تمہارے لیے نہریں اور رستے بنا دیے تا کہ تم راہ[1] پاؤ اور نشانیاں بھی (بنائیں) اور ستاروں سے وہ رستہ پاتے ہیں پھر کیا (ان سب کا) بنانے والا اس کے برابر ہو گیا جو کچھ بھی نہیں بنا سکتا۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گنو بھی تو شمار نہ کر سکو گے البتہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : و تستخرجوا معطوف ہے تاکلوا پر تلبسونها جملہ حلیۃ کی صفت، و تری کا مفعول ثانی مواخر من المخر بمعنی شق الماء فیہ مواخر سے متعلق جملہ البحر کے بیانِ حال کے لیے۔ والتبتغوا عطف ہے لتاکلوا پر۔ ولعلکم اس پر ان تمید ای مخافۃ ان۔ لحمًا طریًا والمراد بہ السمک وانما وصفہ بالطراوۃ اشعارًا بلطافتہ، والطراوۃ ضد الیبوستہ ای غضا جدیدا یقال طریت کذا ای جددتہ واطریت فلانا ای بالغت فی مدحہ مدحتہ باحسن ما فیہ۔

تفسیر : اول بار ذاتِ الٰہی کا ثبوت اجرامِ سماویہ سے کیا تھا پھر دوسری مرتبہ میں انسان کے بدن اور اس کے نفس سے تیسری مرتبہ میں عجائبِ خلقتِ حیوانات سے چوتھی مرتبہ میں نباتات کے عجائب حالات سے اب پانچویں مرتبہ میں خدا کا موجود و قادر دیکھتا ہونا اس کی اس صنعت سے دکھاتا ہے جو عناصر کے ساتھ متعلق ہے۔ سب سے اول پانی کا ذکر کرتا ہے بقولہ ھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ۔ بحر سے مراد سمندر ہے جو زمین کے چاروں طرف محیط ہے جس میں سے تقریباً چہارم حصہ کے قریب زمین کھلی ہوئی ہے جس پر یہ حیوانات انسان رہتے ہیں۔ اب اول تو اس پانی کو دیکھئے کہ کہاں سے آیا اور کس نے اس کو پیدا کیا؟ پھر اس کو غور کیجئے کہ خدا نے ایسا گہرا پانی کہ جہاں آدمی کا پتا بھی نہ لگے انسان کے لیے کس طرح سے مسخر کر دیا اس کے قابو میں کیسا کر دیا کہ اول تو اس سے لحم طری یعنی تازہ گوشت نکال کر کھاتے ہیں، وہ کیا مچھلی اور عام اقوام کے لیے کچھوے وغیرہ دیگر چیزیں بھی کہ سمندر سے نکال کر کھاتے ہیں۔ کیا قدرت ہے کہ آدمی جو پانی میں دم بھر میں ڈوب مرتا ہے وہ پانی کے جانوروں کو کس طرح سے پکڑتا ہے اور لطف یہ ہے کہ سمندر کا پانی کھاری اور وہاں کے جانوروں کا گوشت خصوصاً مچھلی کا کھاری نہیں۔ دوم وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً الخ کس اطمینان کے ساتھ سینکڑوں گز پانی سے غوطہ لگا کے (لیکن وہ غوطہ یوں نہیں لگتا اس کی اور تدبیر ہوتی ہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں) زیور نکالتے ہو یعنی موتی اور اس کے عمدہ عمدہ سیپ اور مونگا جن کو طرح طرح سے زیور بنا کر پہنتے ہیں۔ پہنتی تو عورتیں ہیں مگر مردوں سے اس لیے خطاب کیا کہ عورتوں کے پہننے سے مردوں کا دل خوش ہوتا ہے اور نیز بعض مرد بھی پہنتے ہیں۔ سوم وَتَرَى الْفُلْكَ الخ کہ بڑی بڑی کشتیاں جو ہوا کے زور سے چلتی ہیں، پانی کو چیرتی پھاڑتی کس تیزی کے ساتھ آتی جاتی ہیں، ہوا کو بھی انسان کے کیا بس میں کیا ہے۔ عنصر ہوا کا بھی اور نیز آگ کا بھی اس میں مجملاً ذکر آ گیا کیونکہ دخانی جہاز یا آگبوٹ یا سٹیمر سمندر میں اس طرح اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں کہ جس طرح زمین پر لگام کے اشارہ سے گھوڑا اِدھر اُدھر دوڑتا ہے گویا سمندر کو سطح زمین کر دیا۔ لاکھوں من اسباب دور دراز ملکوں سے کس سہولت کے ساتھ آتا ہے اور کیسی تجارت ہوتی ہے جو مالداری کا جلد باعث ہو جاتی ہے ولتبتغوا من فضله میں یہی مراد[2] ہے کیونکہ فضلِ رب سے روزی اور فراخ دستی کی طرف اشارہ ہے۔

اب اس سے زیادہ کیا تسخیرِ بحر ہو گی۔ اسی نے یہ تدابیر تم کو تعلیم فرمائیں لعلکم تشکرون تا کہ تم اس کا شکر کرو مگر شکر تو درکنار لوگ اپنی ہی تدبیر اور کاریگری پر نازاں ہو کر خدائے تعالیٰ ہی کو بھول گئے۔

والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم الخ۔ المید الحرکۃ والاضطراب یمینًا وشمالًا یقال ماد میدا یعنی مید [illegible]

---

[1] تمہارے اسبابِ معاش تمہیں حاصل ہو جاویں اور ان میں تمہیں کامیابی ہو۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان اسباب سے مسبب الاسباب [illegible] ہو عارف کو ہر نعمت میں اسی کا یدِ ہدایت دکھائی دیتا ہے۔

[2] اس میں بحری تجارت اور سفر کی طرف اشارہ ہے۔

ہیں۔اب عنصرِ خاک یعنی زمین کے حالات سے استدلال کرتا ہے کہ جس پر رہ کر یہ بنی آدم غرور کرتے ہیں اور بعض تو سرے سے خدا تعالیٰ کے ہی منکر ہیں اور بعض اس کے ساتھ اور معبود قرار دیتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح خالی کشتی اِدھر اُدھر ہلا کرتی ہے اور جب اس میں کچھ بوجھ پتھر ڈال دیتے ہیں تو اس کے دباؤ سے نہیں ہلتی۔ یہی حال زمین کا تھا پھر جب خدا نے اس پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا تو ہلنے سے رک گئی۔

زمین از تپ و لرزہ آمد ستوہ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

زمین پر پہاڑوں سے بوجھ ڈالنے پر اعتراض اور اس کا جواب: مگر اس تفسیر کے ظاہری معنی پر چند اعتراض ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جس طرح پانی اپنی جگہ پر میلِ طبعی کی وجہ سے ٹھہرا ہوا ہے تو زمین جو اس سے بھی ثقیل ہے بدرجہ اولیٰ اپنے حیزِ طبعی پر ٹھہری ہو گی پھر اس کے ہلنے کے کیا معنی۔ کچھ وہ پانی پر کشتی کی طرح نہیں بلکہ پانی اس پر ہے اس کے اردگرد سمندر لپٹا ہے۔ دوم اگر باوجود اس جسامت اور ثقل کے زمین کی طبیعت میں سکون نہ تھا تو پہاڑ بھی تو زمین ہی کے جزوِ بدن ہیں جیسا کہ آدمی کے بدن پر پھوڑے اور پھنسیاں ابھر آتی ہیں ایسا ہی پہاڑوں کو سمجھ لو پھر پہاڑوں کی طبیعت میں سکون کہاں سے آ گیا؟ اور یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ پہاڑ بعد میں زمین پر رکھے گئے ہیں۔اس اعتراض کو مخالفین نے بڑے شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کا جواب بھی مفسرین نے خوب دیا ہے مگر کاتب الحروف کے نزدیک سرے سے اس آیت پر اور نیز اسی قسم کی دیگر آیات پر کوئی اعتراض ہی نہیں پڑتا کیونکہ صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے زمین پر رواسی بوجھ ڈالے یعنی اس کی طبیعت میں ثقل اور بھاری پن رکھا اور پہاڑ چونکہ اس کے اجزا میں سخت اور ثقیل تر اجزاء ہیں اس لیے یہ ثقل ان کی طرف منسوب کیا گیا اور ان کو زمین کی میخیں قرار دیا، ہوا کی طرح زمین کو خفیف نہیں بنایا جو ادنیٰ سے سبب سے حرکت کرنے لگتی اس لیے البتہ اس پر سکون مشکل ہے بلکہ زمین میں ثقل پیدا کیا جس سے وہ ہلتی نہیں۔اس تقدیر پر اگر یہ مسئلہ بھی حکماءِ حال کا مان لیا جاوے کہ زمین حرکت کرتی ہے تب بھی کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کی یہ حرکت اینی یا وضعی جو کچھ ہو وہ نہیں کہ جس سے اس کے رہنے والے ہلنے لگیں اور پھر نادشوار ہو جاوے جیسا کہ اس کی کرویت بساط ہونے کے منافی نہیں۔یہ کیا احسانِ باری ہے۔

وانھارًا وسبلًا و علامات یہ تین باتیں اور بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل اور بندوں کے حق میں احسانِ عظیم ہے یعنی زمین پر نہریں جاری کیں جن سے آبادیِ ملک ہے اور رستے بھی پہاڑوں اور دروں میں اسی نے رکھے اور پہاڑوں اور ٹیلوں کی علامتیں کر دیں اگر سب زمین یکساں ہوتی تو بڑی مشکل پڑ جاتی۔وبالنجم ھم یھتدون یعنی نہ صرف زمین ہی کی چیزیں ان کے لیے رستوں کی علامات ہیں بلکہ رات کو لق ودق بیابانوں میں ستاروں کی سیدھ میں قافلے چلتے ہیں۔ افمن الخ پھر جس نے یہ چیزیں بنائیں کیا وہ تمہارے بتوں کے برابر ہو گیا جو کچھ بھی نہیں بنا سکتے۔ان سب کے بعد فرماتا ہے کہ میری اور بیشمار نعمتیں ہیں جن کو تم شمار نہیں کر سکتے ،اس پر بھی تم ناشکر اور غیر معبودوں کی طرف مائل ہو جس کی سزا میں یہ نعمتیں چھین لینا بجا تھا مگر اس پر بھی ہم بڑے غفور رحیم ہیں، درگزر ہی کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے حالانکہ وہ خود بنائے جاتے ہیں (اور) وہ تو مردے ہیں بے جان اور انہیں کچھ بھی معلوم نہیں کہ کب لوگ زندہ کئے جاویں گے۔ تمہارا معبود تو خدائے واحد ہے پھر وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل نہیں مانتے اور وہ ہیں ہی سرکش ضرور اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک اس کو غرور کرنے والے پسند نہیں آتے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ (کچھ نہیں) اگلے لوگوں کے قصے تا کہ قیامت کے دن اپنا بھی پورا بار گناہ اٹھاویں اور ان کا بھی کہ جن کو ناسمجھی سے گمراہ کر رہے ہیں دیکھو کیا بڑا بوجھ ہے کہ جسے وہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں۔

ترکیب : لایخلقون خبر ہے والذین کی اموات خبر ثانی غیر احیاء تاکید ہے۔ ایان منصوب ہے یبعثون سے فالذین مبتدا قلوبھم جملہ خبر، ان اللہ الخ جملہ لاجرم بمعنی حق وثبت کا فاعل جملہ ان اللہ الخ ما استفہامیہ وذا موصلہ والعائد محذوف اساطیر الاولین خبر ہے مبتداء محذوف کی لیحملوا ای قالوا ذالک۔ لیحملوا لام العاقبۃ۔ و من اخفش کے نزدیک زائدہ ہے۔ والاساطیر جمع اسطورہ کی جیسے احادیث جمع احدوثہ واضاحیک جمع اضحوکۃ واعاجیب جمع اعجوبۃ بغیر علم حال من الفاعل ای یضلون الناس جاہلین۔

تفسیر : واللہ یعلم الخ اس میں ایک اور فرق الہ حق اور فرضی معبودوں میں بتلایا ہے کہ اللہ کو ہر ایک ظاہر و باطن بات معلوم ہے تمہارے معبودوں کو نہیں۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور دانا جان کر پرستش کرتے تھے، جلالین میں ہے وھم الاصنام۔ تفسیر کبیر میں اس جملہ کی شرح یوں کی ہے فاعلم انہ تعالیٰ وصف ہذہ الاصنام بصفات کثیرۃ الخ پھر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ کہ وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، سنگتراش ان کو گھڑ گھڑ کر بناتے ہیں، زندگی کا بطلان یوں کرتا ہے۔ اموات غیر احیاء کہ بے جان ہیں، حس و حرکت بھی نہیں۔ ان کے علم و دانائی کو یوں باطل کرتا ہے وما یشعرون کہ انہیں جو ضروری بات ہے وہ بھی معلوم نہیں کہ انسان مر کر کب زندہ ہوں گے۔ پھر جب یہ تینوں باتیں نہیں تو ان کی خدائی کیسی اور ان کی عبادت لغو اور بے فائدہ ہے اس لیے فرمایا الھکم الہ واحد کہ تمہارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے۔ مخالفین ان دلائل توحید سے بند ہو جاتے تھے اور دل میں بھی سمجھتے تھے مگر قوم کی رسم و عادت سے ان کی پرستش نہیں چھوڑتے تھے، دل میں توحید نہیں سماتی تھی اور نہ ان کا تکبر پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کی اجازت دیتا تھا اس بات کو فالذین سے لے کر لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ تک بیان فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ، اب ان کی ضد اور تکبر اور عناد کی ایک اور بات بیان فرماتا ہے کہ جب ان سے کوئی قرآن کی نسبت سوال کرتا ہے کہ وہ

کیسا ہے تو اس کے الہامی مطالب سے قطع نظر کر کے طعن کی راہ سے اس کے پند آمیز قصوں کو اگلے لوگوں کی کہانیاں کہہ دیتے تھے، جاہلوں کو گمراہ کرنے کے لیے لیحملوا[1] الخ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ مراد نہیں کہ دوسروں کا گناہ اٹھا کر ان کو بری کر دیں گے بلکہ یہ کہ ایک تو اپنا ذاتی گناہ اٹھا دیں گے، دوم جن کو گمراہ کیا ہے ان کی گمراہی کا گناہ بھی انہی کے سر پر ہے گا اور ولا تزر الخ میں یہ مراد کہ دوسرے کو بری نہ کرے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا پھر اللہ نے بھی ان کی عمارت کو جڑوں سے ڈھا دیا اور ان کے اوپر چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب موجود ہوا کہ جہاں کی ان کو خبر بھی نہ تھی پھر قیامت میں بھی ان کو خدا رسوا کرے گا اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے (ان کو تو جواب بھی نہ آوے گا لیکن) علم والے (انبیاء) کہہ اٹھیں گے کہ آج منکروں کی رسوائی اور برائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی فرشتوں نے ایسی حالت میں روحیں نکالی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ستم کر رہے تھے پھر تو شرمندہ ہو کر کہیں گے کہ ہم تو کچھ بھی برائی نہ کیا کرتے تھے۔ (فرشتے کہیں گے) ہاں ہاں اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہ تم کیا کرتے تھے۔ پھر (حکم ہوگا کہ) دوزخ کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ کہ وہاں ہمیشہ رہا کرو پھر متکبروں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب : فاتی اللہ ای قصد۔ من فوقهم متعلق ہے خر سے ویجوز ان یکون من الابتداء الغایۃ وان یکون حالا ای کائنا من فوقہم یوم القیامۃ ظرف ہے یخزیھم کا الیوم کا عامل الخزی الذین جملہ الکافرین کی صفت ہے ظالمی حال ہے ھم ضمیر تتوفھم سے السلم بمعنی القول جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فالقوا الیھم القول ما کنا تفسیر السلم کی۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ کافر قرآن کو مکر و فریب سے قصے کہانیاں بتلاتے ہیں، لوگوں کو بہکانے کے لیے اب فرماتا ہے کہ کچھ انہیں پر منحصر

---

[1] منکرین کو قیامت میں دوہرا عذاب ہوگا ایک تو اپنے گناہ کی سزا دوسرے ان کے گناہ کی سزا جن کو بے علمی سے یہ سب گمراہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے نیک راہ کی طرف ہدایت کی تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کے ثواب کے برابر اس بتلانے والے کو بھی ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کا ثواب بھی کم نہ ہوگا اور جس کسی نے کوئی بری بات کی لوگوں کو تعلیم کی تو جتنا عمل کرنے والوں کو گناہ ہوگا ان سب کے برابر اس عمل جاری کرنے والوں کو بھی [illegible] عمل کرنے والوں کے بھی عذاب کم نہ ہوگا۔ حقانی

نہیں ان سے پہلوں نے بھی دینِ حق کے مقابلہ میں بہت کچھ مکروفریب کیے تھے کہ جن کو خدا نے برباد کر دیا۔ فاتی اللّٰہ الخ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کہ از راہِ مکر قدیم زمانہ میں کفار نے مقاماتِ بلند بنائے تھے خدا نے ان کو جڑ سے گرا دیا، چھت ان کے اوپر آ پڑی، دب کر مر گئے جیسا کہ طوفانِ نوح کے بعد بابل شہر میں ایک نہایت بلند برج بنایا تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ ان کے منصوبوں کو ڈھا دیا جیسا کہ کسی منصوبے کے پورا نہ ہونے کے موقع پر کہتے ہیں کہ چنا چنایا گھر گر پڑا۔ ثم یوم القیامۃ پھر فرماتا ہے کہ کچھ دنیا ہی کی سزا پر منحصر نہیں بلکہ قیامت کے دن بھی اللہ ان کو رسوا کرے گا کہ ان سے پوچھے گا کہ وہ میرے شریک جو تم نے اپنے نزدیک قرار دے رکھے تھے، کہاں ہیں؟ ادھر طعن و توبیخ کے طور پر اہلِ علم (مومنین یا انبیاء یا ملائکہ) انہیں کہیں گے کہ آج کفار کی رسوائی اور برائی ہے۔

اَلَّذِیْنَ[1] تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یہ کفار کی رسوائی اور قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس روز ان سے خدا پوچھے گا کہ جن کو تم نے دنیا میں میرا شریک بنا رکھا تھا وہ کہاں ہیں، جواب نہ آئے گا، سرنگوں ہو جائیں گے، ان کی سرزنش کے لیے علماء، انبیاء، ملائکہ کہیں گے کہ یہ بڑے بدنصیب اور قابلِ سزا ہیں۔ مرتے دم تک یعنی اس وقت تک کہ فرشتے جان نکالنے آئے، اپنی اسی بت پرستی اور بدکاری میں اپنی جانوں پر ستم ڈھا رہے تھے اس وقت بھی ان کو توبہ نصیب نہ ہوئی اس پر وہ بدبخت سر نیچا کر کے ان اہلِ علم کے جواب میں کہیں گے ہم تو دنیا میں کوئی بھی برا کام نہیں کرتے تھے۔ ان کی دروغ گوئی پر ملائکہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو، تمہارے اعمال خدا کو معلوم ہیں، اس کے بعد ان کو فیصلہ سنایا جاوے گا کہ چلو جہنم کے دروازوں میں گھسو جہاں تم کو سدا رہنا ہو گا یعنی عمر قید اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ کیا ہی برا ٹھکانا ان متکبروں کا ہے یعنی بہت بری سزا کے مستوجب ہیں۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور پرہیزگاروں سے جو پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو کہتے ہیں اچھی چیز جنہوں نے نیکی کمائی ہے (ان کے لئے) اس دنیا میں بھی بھلائی ہے

[1] کہاں ہے وہ نیچر مفسر جو فرشتوں کا انکار کرتا ہے اور ان کو کبھی انسانی قوتیں اور کبھی صفاتِ باری اور کبھی نباتات کی قوتیں بتلاتا ہے۔

اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے اور پرہیز گاروں کا کیا ہی خوب گھر ہے۔ رہنے کے باغ کہ جن میں وہ داخل ہوں گے (وہاں) ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور وہاں) ان کے لیے جو چاہیں گے موجود ہوگا۔ اللہ پرہیز گاروں کو ایسا ہی بدلا دیتا ہے ان کو کہ جن کی فرشتے ایسی حالت میں روح قبض کرتے ہیں کہ وہ (آلائش گناہ سے پاک) صاف ہوتے ہیں ان سے آکر سلام کرتے اور کہتے ہیں کہ جنت میں چلو اپنے عملوں کی وجہ سے کہ جن کو تم کیا کرتے تھے، کیا منکر اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آجاوے ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اللہ نے تو کچھ بھی ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے پھر ان کو ان کے اعمال بد کے نتیجے مل کر رہے اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر نازل ہوا۔

ترکیب : ماذا محل نصب میں ہے انزل سے جیسا کہ ماذا کے جواب قالوا خیرا ای انزل خیرا سے معلوم ہوتا ہے جنت عدن مخصوص بالمدح نعم کا یدخلونھا اس سے حال اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو کہ یدخلونھا اس کی خبر ہو یا محذوف ہو طیبین حال من المفعول وھو القوی وقیل من الفاعل مقارنۃ او مقدرۃ۔

تفسیر : کافروں کے مقابلہ میں مومنین کا ذکر کرتا ہے وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ الخ کہ ان سے جو قرآن کا حال پوچھا جاتا ہے تو اس کو بہتر اور عمدہ بتلاتے ہیں۔ مکہ کے مشرکین ایامِ حج میں بدمعاش لوگوں کو مکے کے رستوں پر بٹھلا دیتے تھے اور عرب کے قبیلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور قرآن کا ایک حیرت خیز چرچا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اپنے ایلچی ان ایام میں اس امر کے دریافت کرنے کو بھیجتے تھے یہ رستوں پر بیٹھنے والے ان سے کہہ دیتے تھے کہ قرآن بہت بری چیز ہے، پھر بعض انہیں کے مزاج کے اس کو سچ جان کر اپنی قوم میں برائی سے یاد کرتے تھے اور نیک طینت مکہ میں حضرت ﷺ کے صحابہ سے مل کر اصل حال سے واقف ہوتے تھے اور اپنی قوم میں جا کر بھلائی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف سے اشارہ ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الخ یہاں سے نیکی کا نیک بدلہ ملنا بیان فرماتا ہے فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا کو بعض مفسرین احسنوا سے متعلق کرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کمائی ہے ان کو دارِ آخرت میں نیک بدلہ ہے اور اکثر حسنہ سے متعلق کرتے ہیں اور یہی قوی ہے یعنی نیکوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی کچھ ہے۔ دنیا میں بھلائی ملنا عام ہے، نیک نامی ہو یا فراغ دستی، خوشحالی ہو یا مخالفوں پر فتح یابی یا روح کا نور و سرور ہو۔ پھر دارِ آخرت کے اجر کا بیان فرماتا ہے کہ جنت ہے اور اس میں یہ یہ نعمتیں ہیں۔ الذین سے نیکوں کی صفت بیان فرماتا ہے کہ فرشتے جو ان کی جان قبض کرنے آتے ہیں تو اس وقت وہ طیب ہوتے ہیں (یہ بھی بڑا وسیع المعنی لفظ[1] ہے شامل ہے گناہوں کے میل کچیل سے پاک وصاف ہونے کو اور نیز علائق دنیا دل سے دور ہونے کو اور اصلی گھر میں جانے کی خوشی کو اور شوقِ دیدارِ الٰہی کو) فرشتے ان سے سلام علیکم کہتے ہیں اور جنت کا مژدہ دیتے ہیں۔ ھل ینظرون سے یہ بات بتلاتا ہے کہ منکر بجز موت کے فرشتوں کے دیکھنے کے یا عذابِ الٰہی دیکھنے کے نہیں مانیں گے برخلاف ایمانداروں کے کہ پہلے ہی سے ایمان رکھتے ہیں سو یہ کچھ نئی بات نہیں پہلے بھی ایسا ہی کرتے تھے جو بلا میں پڑے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا

---

[1] جس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس وقت خدا کے پاس جانے کے لیے خوش ہوتے ہیں اور دار البقاء کا شوق ان پر غالب ہوتا ہے دنیا سے جانا قید خانہ سے رہائی سمجھتے ہیں اور جب طیبین کو ملائکہ سے حال بنایا جائے گا تو یہ معنی ہوں گے کہ ملائکہ موت نہایت خوش اخلاقی سے مونس بن کر سلام کہتے ہیں اور دار الخلد کا مژدہ دیتے ہیں اس وقت مومن نیکوکار کو ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں برخلاف ان کے جو دنیا اور اس کے لذات اور گناہوں کی آلائش میں ڈوبے ہوتے ہیں اور برے اعمال کے برے نتائج دیکھتے ہیں اور دنیا کی محبت اور لذات وشہوات کی بھاری بیڑیاں پاؤں میں ہوتی ہیں تو بڑا رنج ہوتا ہے اور جس طرح کوئی قیدی کو زبردستی جیل خانہ میں گھسیٹ لے جاتا ہے اسی طرح وہ دوسرے جہان میں جاتے ہیں۔

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۳۵ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶

اور مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ بغیر اس کے حکم کے ہم کوئی چیز حرام قرار دیتے۔ ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا پھر رسولوں پر اس کے سوا اور کیا تھا کہ صاف صاف حکم پہنچا دیں اور ہم ہر قوم میں ایک نہ ایک رسول (اسی بات کے لیے) بھیجتے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے بچو، پھر ان میں سے کسی کو تو اللہ نے ہدایت دی اور کسی پر گمراہی سوار ہوگئی پھر ملک میں پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

ترکیب : نحن تاکید لضمیر عبدنا' دونه من شیء من الاولی والثانیۃ زائدتان الطاغوت من الطغیان یذکر ویونث ویقع علی الواحد والجمع والمراد بہ کل معبود دون اللہ کالشیطان والصنم وکل من دعی الی الضلال۔

تفسیر : نبی علیہ السلام جب کفار کو ان کی بری باتوں سے منع کرتے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے تو وہ یہ بھی جواب دیا کرتے تھے کہ ہمارا یہ شرک کرنا' بت پوجنا اور اسی طرح بتوں کے نام کی چیزوں کو تعظیماً حرام سمجھنا جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ ہے کچھ آج سے نہیں بلکہ باپ دادا کے زمانۂ دراز سے چلا آتا ہے اگر یہ امر خدا کو منظور نہ ہوتا تو نہ انہیں کرنے دیتا نہ ہمیں خود کرنے دیتا کیونکہ بندہ اس کے بس میں ہے اب اس کو اے رسول! تمہاری معرفت منع کرنے کی کیا ضرورت؟ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ چونکہ یہ جبر و قدر کا نازک مسئلہ اس قابل نہ تھا کہ جس کو وہ سمجھتے کہ فی الجملہ بندہ کو بھی اختیار دیا گیا ہے اور نیز ان کی یہ حجت معاندانہ تھی جس سے انکارِ نبوت مقصود تھا اس لیے فرمایا کہ ان سے پہلے جہلا بھی یوں ہی حجت کرتے آئے ہیں انبیاء کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے ان کا کام صرف سمجھا دینے کا ہے اور ہر قوم میں رسول آ کر بت پرستی سے منع کرتے آئے ہیں اور توحید کا حکم دیتے آئے ہیں جس طرح آج تم میں سے جو ازلی نیک ہیں رسول کے مطیع اور بدبخت ازلی رسول کے نافرمان ہیں وہ بھی ایسے ہی تھے۔ پھر تم نے یہ کہاں سے ثابت کر لیا کہ خدا ہمارے اس کام سے خوش ہے اگر ہمیشہ سے اللہ کی عادت یوں جاری نہ ہوتی کہ وہ انبیاء بھیج کر بری باتوں سے منع نہ کرتا تو اس کا سکوت رضامندی پر محمول کرتے۔ حاصل یہ کہ ہمیشہ سے ہر جگہ رسول بری باتوں سے منع کرتے آئے ہیں ان کا کام حکم پہنچا دینا تھا پہنچا دیا لیکن گمراہوں نے نہ مانا سو تم بھی ان کی پیروی کر رہے ہو خدا تمہارے اس کام سے خوش نہیں اب تم زمین پر پھر کر دیکھ لو کہ رسولوں کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ کسی پر کچھ مصیبت آئی' کسی پر کچھ۔ گاؤں اور شہر اجڑے پڑے ہیں ان کے آثار اور بقیہ علامات ان کے حالِ زار پر اشکِ حسرت بہا رہے ہیں۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ پہلوں کی بری باتیں بھی قابلِ سزا تھیں۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ پہلوں ہی پر وبالِ الٰہی کا آنا منحصر نہیں گو اللہ تعالیٰ غصہ کا دھیما اور بہت فروگزاشت کرنے والا ہے جھٹ پٹ انسان کو دنیا میں اس کے برے کام پر سزا نہیں دیتا مگر جب کسی قوم کی شرارت حد کو پہنچ جاتی ہے تو انتقامِ الٰہی کا وقت بھی آ جاتا ہے اور مختلف طور پر دنیا میں عذاب اترتا ہے کسی کو دشمن کی تیغ بے دریغ کا لقمہ کرتا ہے کسی کو افلاس و نفاق کی بلا سے ہلاک کرتا ہے، کسی کو ہیضہ

سے، کسی کو زلزلہ سے، کسی کو پہاڑوں کے آتش فشاں مادے سے، کسی کو قحطِ شدید سے ہلاک کرتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع

اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص بھی کریں (تو کیا) کس لیے کہ اللہ جس کو گمراہی پر رکھنا چاہتا ہے تو اس کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ ان کی کوئی مدد کر سکتا ہے اور وہ (منکر) اللہ کی سخت سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ مردوں کو زندہ نہیں کرے گا ہاں ہاں اس نے اپنے اوپر وعدہ کر لیا ہے لیکن بہت سے لوگ جانتے ہیں (وہ ضرور زندہ کرے گا) تاکہ جو اس میں اختلاف کر رہے ہیں ان کو معلوم کرا دے اور (اس لیے بھی کہ) کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ ہم جس چیز کو کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لیے ہمارا اتنا ہی کہنا بس ہے کہ ہم اسے کہتے ہیں ہو جا پھر وہ ہو ہی جاتی ہے۔

ترکیب : ان تحرص شرط، لاتقدر جواب محذوف فان اللہ اس کی جگہ قائم ہے۔ من یضل مفعول ہے لایھدی کا۔ لیبین یبعث مقدر سے متعلق قولنا مبتدا لشیء موصوف اردناہ صفت قولنا سے متعلق ان نقول خبر۔ جھد ایمانھم الجھد الجھیم المشقۃ وبضمھا الطاقۃ ونصبہ علی المصدریۃ والمعنی حلفوا جاھدین غایۃ اجتھادھم وذالک انھم کانوا یقسمون بآبائھم والھتھم فاذا کان الامر عظیما اقسموا باللہ تعالیٰ وعدا مصدر موکد لما دل علیہ بلی۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں ظالموں اور نبی کے منکروں کا انجام کار بیان فرمایا تھا اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ کی ہدایت و تلقین میں کوئی قصور نہیں لیکن جس طرح پہلے زمانہ میں ازلی گمراہ ہدایت پر نہ آئے یہاں تک کہ ہلاک ہو گئے آپ کی قوم کے ازلی گمراہوں کا بھی یہی حال ہے یہ سب انبیاء کے ساتھ ہوتا آیا ہے اب آپ تبلیغ کریجئے ان کی ہدایت پر حرص نہ کریں فائدہ مند نہ ہوگا کیونکہ یہ ازلی گمراہ ہیں ان کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یہ ان کی ضلالت ازلی کی ایک بڑی بھاری بات تھی کہ جس کا ذکر کرنا یہاں مناسب تھا وہ یہ کہ ان کو قیامت کا سخت انکار تھا وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ مر کر کوئی زندہ نہ ہوگا اس خیال کو اس کوتاہ فہمی نے اور بھی قوی کر رکھا تھا کہ جب آدمی مر گیا اور اس کے اجزاءِ بدن ریزے ریزے ہو کر خاک میں اس طرح مل گئے کہ جن کا بہم کرنا ان کے خیال میں محال در محال تھا۔ پھر ان کا جمع کرنا اور روح ڈالنا ناممکن تھا اور جب انسان کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ مر کر نیست ہو جاتا ہے تو پھر نیکی اور بدی کی اس کو کچھ بھی پروا نہیں رہتی۔ دنیا ہی کی کامیابی اور ناکامی کو یہ نجات اور عذاب سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں۔ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا ان کے اس خیالِ باطل کو ایک دلیلِ نقلی اور دلیلِ عقلی سے رد کرتا ہے اور نقلی دلیل چونکہ جلدی ساکت کر دیتی ہے اس لیے اس کو بلیٰ وعداً سے لیکر اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ تک تمام کیا عرب کے مشرکین انبیاءِ سابقین کے حقیقی یا ادعائی پیرووں سے یہ سنتے آئے تھے کہ خدا نے پہلی کتابوں میں پہلے انبیاء کی معرفت مرنے کے بعد زندہ کرنے کا وعدہ کر لیا ہے تاکہ وہاں انسان کے نیک و بد کام کی کامل

سزاء و جزا ملے۔ لیبین ولیعلم میں اس طرف اشارہ ہے پس خدا اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا خدا کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ انما قولنا الخ یہ دلیلِ عقلی ہے کہ ہر عاقل یہ بات جانتا ہے کہ اس عالم گونا گوں کو قادرِ مختار نے بنایا ہے اور نیز وہ کسی بات میں عاجز نہیں جب کسی چیز کا پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو کن کہتا ہے یعنی ہو سو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ اس کے اسباب بھی معاً بہم ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان کا بار دگر زندہ کرنا اور موجود کرنا اس کے نزدیک کیسا محال ہے؟ وہ قادرِ مطلق ہے جس نے انسان کو قطرۂ منی سے بنایا وہ اس کو بار دگر بھی بنا سکتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

وقف لازم — النصف

اور جنہوں نے ظلم اٹھانے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت اختیار کی ہے تو البتہ ہم ان کو دنیا میں بھی اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا بدلہ تو بہت ہی بڑا ہے کاش انہیں معلوم تو ہوتا کہ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کئے رہے اور ہم نے آپ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے پھر اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو یاد رکھنے والوں (اہلِ علم) سے پوچھ دیکھو ان کو ہم نے معجزے اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور (اے رسول!) آپ کے پاس بھی ہم نے قرآن بھیجا تاکہ جو کچھ لوگوں کے حکم کے لیے بھیجا گیا ہے آپ ان کو بیان کر دیں اور تاکہ وہ خود بھی سوچیں۔

ترکیب : والذین الخ مبتداء لَنُبَوِّئَنَّهُمْ خبر حَسَنَةً لنبوئنھم کا مفعول ثانی کیونکہ لنبوئنھم بمعنی اعطینھم ہے۔ اور ممکن ہے کہ بمعنی لنُنزلنھم ہو فالتقدیر نیز لنھم فی الدنیا دارا حسنۃ۔ الذین صبروا موضع رفع میں ہے علی اضمار ھم۔ بالبینات متعلق ہے ارسلنا محذوف سے۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں تھا کہ کفار قسم کھا کر قیامت کا انکار کرتے ہیں پھر جب دارِ جزا سے ان کو اس قدر انکار تھا تو ایسی حالت میں کہ مکہ میں انہیں کا غلبہ اور زور تھا دیندار مسلمانوں پر کیا کچھ ظلم و ستم نہ کرتے ہوں گے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت چھ صحابہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو قریشِ مکہ کے غلام تھے اور اسلام لانے کی وجہ سے ان پر بڑا ظلم و ستم ہوتا تھا منجملہ ان کے صہیب و بلال و عمار رضی اللہ عنہم ہیں (ک) اس لیے والذین ھاجروا سے لے کر وعلی ربھم یتوکلون تک ایمانداروں کو صبر و برداشت اور توکل کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کے اجر کا وعدہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا یعنی اول کفار کی ایذائیں سہنا ان کی مار پیٹ سب و شتم پر برداشت کرنا پھر لاچار ہو کر اللہ کے لیے وطن چھوڑ دینا جبکہ وہاں رہنا مشکل ہو جائے جیسا کہ ابتداءِ اسلام میں ہوتا تھا ایسے لوگوں کے لیے دو وعدے کرتا ہے۔ اول لنبوئنھم الخ یہ کہ ہم دنیا میں بھی حیران و سرگرداں نہیں رہنے دیں گے بلکہ ان کو اچھے طور سے جگہ دیں گے جیسا کہ صحابہ کو مدینہ میں عمدہ جگہ دی (حسن، شعبی، قتادہ)۔ دوم ولاجر الاخرۃ اکبر یعنی دارِ آخرت میں ان کے لیے بڑا اجر ہے وہ کیا؟ سرورِ جاودانی اور حیاتِ ابدی کی بادشاہت ان دونوں صفتوں کے مقابلہ میں دو انعام کا وعدہ ہوا۔ پھر ان دونوں وصفوں کی عام طور پر تشریح فرماتا ہے الذین صبروا یعنی مخالفوں کی ایذائیں سہارنا اور حق پر ثابت قدم رہنا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی خدا پر توکل

کرنا جو اپنے رب سے بہتری کی امید پر ہجرت کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ صبر تو ظلموا سے متعلق ہے اور توکل ھاجروا سے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کچھ کفار کے ستم اٹھا کر ہجرت کرنے پر ہی یہ وعدۂ الٰہی منحصر نہیں بلکہ صبر و توکل پر جہاں کہیں ہو اور کسی بات میں ہو خواہ گناہوں کے ترک کرنے پر اور نفسِ ظالم کے صدمات اٹھا کر اس کو اس کی بری خواہشوں سے روکنے پر یا دینِ الٰہی میں کوئی محنت و مشقت کا کام اختیار کرنے پر اسلام کی ترویج و افشاء پر خواہ کفر و بت پرستی چھوڑ کر خدا کی طرف آنے میں۔ گویا یہ آیت جس طرح اس کی راہ میں صبر و توکل کرنے والوں کے لیے انعامِ الٰہی کا پروانہ ہے اسی طرح اس بات کے لیے بھی اعلان ہے کہ خدا تعالیٰ سے رابطہ کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں اس رستہ میں بڑا مستحکم ہو کر مصائب پر صبر کرنا چاہیے وما ارسلنا من قبلك الخ ان آیتوں میں پھر اسی بات کی طرف رجوع ہے کہ جس کی وجہ سے مشرکینِ عرب مسلمانوں اور نبی علیہ السلام کو تکلیفیں دیتے تھے جن پر صبر اور برداشت اور توکل کا ان کو پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا۔

اور وہ بات یہ تھی کہ عرب کے لوگ حضرت ﷺ کا وعظ سن کر جس میں حرام اور ناپاک اور مکروہ افعال کی مذمت اور بت پرستی کی قباحت اور مکارمِ اخلاق کی تاکید تھی یہ کہتے تھے کہ اگر خدا کو ہمیں سمجھانا ہی مقصود تھا تو ہمارے پاس آسمان سے فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا؟ چنانچہ یہ شبہ ان کا مع الجواب قرآن مجید میں اور مقامات پر بھی ذکر ہوا ہے۔ اب اس شبہ کا اس آیت میں یوں جواب دیتا ہے کہ چند در چند اسرارِ مصالح کی وجہ سے ہمیشہ انسان ہی رسول ہوتے آئے ہیں اور وہ ہی خدا کے صحیفے اور معجزات لائے ہیں اگر تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ دیکھو اور اسی لیے ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر بھی ذکر یعنی قرآن نازل کیا تا کہ لوگوں کو آپ احکامِ الٰہی بتا دیں اور آیاتِ قدرت سے نصیحت حاصل کرنا سکھا دیں اور تا کہ وہ خود بھی فکر و غور کریں۔

فوائد : (۱) فسئلوا اھل الذکر میں علماء کے کئی قول ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اہلِ تورات یعنی یہود مراد ہیں۔ زجاج کہتے ہیں عموماً اہلِ کتاب مراد ہیں کیونکہ وہ سب جانتے ہیں کہ پہلے انبیاء بھی انسان تھے اور عرب کے مشرک اہلِ کتاب کو اہلِ الذکر یعنی اہلِ علم سمجھتے تھے اس لیے ان سے دریافت کرنے کا حکم دیا بعض کہتے ہیں عموماً اہلِ علم مراد ہیں۔

(۲) اس آیت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت تورات یا انجیل اہلِ کتاب کے پاس بلا تحریف موجود تھی جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۳) بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ارسلنا کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ آیت کا سیاق اور سباق چاہتا ہے نہ کہ فاسئلوا سے۔

(۴) اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی کو کوئی بات خصوصاً شرعی مسئلہ از خود معلوم نہ ہو تو جو اس کو جانتا ہے اس سے دریافت کر لینا چاہیے۔ یہ بات بھی مان لینی چاہیے کہ دریافت کرنے میں کسی کی خصوصیت نہیں کہ کس سے دریافت کرے کوئی اہلِ علم خواہ روایاتِ احادیث و اقوالِ علماءِ سلف صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے ماہر اور ان سے جواب دے خواہ قرآن و احادیث سے استنباط کر کے۔ اصولِ فقہ میں علماء نے اس بات کو طے کر دیا ہے کہ اول قرآن سے، پھر احادیث سے، پھر اجماع سے حجت پکڑی جاتی ہے اور پھر جب کوئی مسئلہ صاف طور پر نہ قرآن میں ملے نہ احادیث میں نہ اجماع سے ثابت ہو تو پھر استنباط کی ضرورت ہے اور استنباط خود پیغمبر علیہ السلام نے بھی کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی۔ اس لیے دین میں استنباط بھی ایک مستند چیز مانی گئی اور ضرور ماننی چاہیے کیونکہ بغیر اس کے قرآن مجید تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ نہیں ہو سکتا، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ استنباط کرنا ہر ایک کا کام نہیں اور اس کے شروط بھی ہیں اور استنباط کو فقہاء قیاس بھی کہتے ہیں پس جو استنباط نہ کر سکتا ہو اس مسئلہ میں جو اس کو کتاب و سنت و اجماع میں نہ ملے تو مستنبط یعنی مجتہد سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے اور اسی کو تقلیدِ شرعی کہتے ہیں جس کی ضرورت سمجھی گئی واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ السجدة

پھر کیا جولوگ بڑی بڑی تدبیریں کیا کرتے تھے (ان کو اس بات کا کچھ بھی خوف نہیں رہا کہ) خدا ان کو زمین میں دھنساوے یا ان پر (وہاں سے) عذاب آ جائے کہ جدھر کی انہیں خبر بھی نہ ہو یا خدا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے پھر وہ اس کو ہرا بھی نہ سکیں یا ان کو خوفناک حالت میں آ پکڑے اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب نہایت شفیق رحم کرنے والا ہے۔ کیا وہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے (کبھی) دائیں طرف (کبھی) بائیں طرف جھکے جاتے ہیں اور نہایت عجز کے ساتھ خدا کو سجدہ کر رہے ہیں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (اور) زمین پر سب چلنے والے وہ سب کے سب انکساری کے ساتھ اللہ ہی کو سجدہ کر رہے ہیں (اور) اپنے بالا دست رب سے ڈر رہے ہیں اور جو کچھ ان کو حکم ہوتا ہے اسی کو بجالاتے ہیں۔

ترکیب : السئیات صفت ہے المکرات مفعول محذوف کی ای مکروالمکرات السئیات۔ ان یخسف الخ جملہ مفعول امن اویأتیہم معطوف ہے یخسف پر اسی طرح یاخذ اور یاخذ ثانی علی تخوف موضع حال میں ہے فاعل یا مفعول سے جو یاخذھم میں ہے۔ یتفیئوا نمیل ظلال جمع ظل۔ یا تو واحد کو موضع جمع میں استعمال کیا ہے یا ہر روز کے سایہ کے لحاظ سے یا وقتاً فوقتاً پھیلنے کے لحاظ سے سایہ کو متعدد سایوں کے ساتھ تعبیر کیا یعنی لفظ جمع ظلال استعمال کیا گیا عن واسطے مجاوزۃ کے یتجاوز الظلال الیمین الی الشمال۔ شمائل جمع۔ سجداً حال ہے ظلال سے وھم داخرون بھی انہیں سے حال ہے ان کو ذی عقل قرار دے کر۔

تفسیر : اب ان سرکشوں کو (کہ جو بڑے مکروفریب کرتے تھے یعنی مخفی طور پر اسلام کے مٹانے کی تدبیریں کیا کرتے تھے) اپنے قہر و جبروت سے دھمکاتا ہے کہ کیا ان کو چار باتوں سے بھی ڈر نہیں اور کیوں اطمینان اور امن ہو گیا؟ (۱) اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دیوے پہلی بھی اور پچھلی صدیوں میں کیا بلکہ حال میں بھی زلزلہ آ کر زمین پھٹ گئی اور بڑے بڑے جبار و شہوت پرست مع مکانات زمین میں سما گئے' قارون بھی سما گیا تھا۔

(۲) اَوْیَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَایَشْعُرُوْنَ کہ ان پر ایسے طور پر ایسی جگہ سے عذاب آوے کہ جس کی انہیں خبر بھی نہ ہو آسمان سے دفعۃً اولے کیا بلکہ بڑی بڑی سلیں برسنے لگیں چنانچہ ابھی کئی سال کا عرصہ گزرا کہ مرادآباد اور اس کے نواح میں بڑے بڑے اولے کیا آسمانی گولے برسے کہ جس سے صدہا آدمی اور جانور ہلاک ہو گئے اور سینکڑوں درخت گر پڑے۔ خاص دہلی میں میرے ایک دوست نے

[1] الدخور انصار والذال قال الازہری تفییو الظلال رجوعھا بعد انتصاف النہار فالتفیئو الا یکون الا بعد زوال الشمس والقمر والذی یکون بالغداۃ فھو الظل والمراد مطلق الظل قال صاحب السمین التفیئو من فارمغی اذا رجع فاذا ارید تعدیۃ عدی بالھمزۃ کقولہ ما افاء اللہ علی رسولہ او بالتضعیف نحو فیأ اللہ الظل۔ ۱۲ منہ

جو ایک اولا تو لا تو آدھ سیر کا تھا اور پہلی امتوں میں بھی اولے مائیت سے مستحیل ہو کر حجریت میں آ گئے تھے اور بڑے بھاری پتھر بن کر برسے جیسا کہ لوط علیہ السلام کی بستیوں پر واقعہ گزرا یا پانی سے دفعۃً رو آ کر غارت کر دیے گئے۔ چنانچہ دو تین سال کا عرصہ گزرا کہ آدھی رات کے قریب جبکہ لوگ خوابِ راحت میں تھے شہر پٹیالہ میں ایسی رو آئی کہ مکانوں اور بازاروں میں گزوں پانی تھا جس سے صدہا آدمی ڈوب مرے صدہا مکانات گر گئے یا ایسی تند ہوا آ جاوے جو بربادی کا باعث ہو، الغرض خدا کی صدہا بلائیں ہیں جو دفعۃً آ جاتی ہیں جس میں بادشاہ سے لے کر رعیت تک کسی کا کچھ زور نہیں چلتا۔

(٣) اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اس کی کئی طور پر تفسیر ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ ان کو سفر میں مبتلائے بلا کر کے ہلاک کرے کیونکہ جو وطن میں ہلاک ہو سکتا ہے وہ سفر میں بھی اور وہاں کی ہلاکت بسبب پردیس ہونے کے کہ جہاں نہ کوئی یار ہوتا ہے نہ غمگسار اور بھی سخت ہوتی ہے اور قریش مکہ سفر کے عادی تھے اور لفظ تقلب بمعنی سفر بھی آیا ہے جیسا کہ اس آیت میں لایغرنك تقلب الذين كفروا في البلاد۔ دوم یہ کہ ان کو حالاتِ انقلابات اور تدابیر میں کامیاب نہ ہونے دے اور ہلاک کر دے اور یہ معنی اس آیت سے ماخوذ ہیں وقلبوالك الامور۔ (٤) اَو یاخذهم علی تخوف تفعّل ہے خوف سے (یقال خوفت الشیء وتخوفتہ) یہ معنی کہ دفعۃً بلا نازل نہ کرے بلکہ اس کے پہلے علامات وآثار نمایاں کرے اور لوگوں میں ہلاکت سے پہلے خوف اور پریشانی پیدا ہو پھر ہلاک ہو جائیں جیسا کہ قحط شدید اور وباء یا دشمنوں کے غلبہ میں ہوتا ہے مگر خدا رؤف ہے اس لیے مہلت دیتا ہے۔ اولم يروا الى ماخلق الله الخ اپنا رؤف رحیم ہونا ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے کہ جن میں اس کے آثارِ جبروت اور قدرتِ کاملہ کا بیان ہے جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام عالم اس کے آگے مسخر ہے تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کو دفعۃً یا تدریجاً ہلاک کرنے کی بھی قدرت ہے پھر اس سے نڈر رہنا اور باوجودیکہ درختوں اور جمیع سایہ دار چیزوں کے سائے اس کو سجدہ کر رہے ہیں (ان کا زمین پر پڑنا گویا سجدہ کرنا ہے) اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے چار پائے اور فرشتے اس کے آگے سربسجود اور اس کے فرمانبردار اور خائف ہیں پھر بندہ کا نافرمان ہونا اور حجتیں کرنا اور اس کے ہادیوں اور ان کے پیرووں کو ستانا کیسی لغو بات ہے۔

يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ یتفیو ا تفعل من الفیء۔ کہتے ہیں فاء الظل یفی اذا رجع وعاد۔ فی کے معنی اصلی رجوع کرنے کے ہیں جیسا کہ آیا ہے فان فاؤ فان الله غفور رحيم، ازہری کہتے تفیو الظلال پچھلے پہر کے سایہ ڈھلنے کو کہتے ہیں مگر یہاں عام مراد ہے، موسم گرمی اور سردی اور آفتاب ومہتاب اور خط استواء کے قرب وبعد اور شام وصبح کے لحاظ سے کبھی سایہ دائیں طرف سے کبھی بائیں طرف سے جاتا ہے۔ یمین مفرد اور شمائل جمع لانے میں کئی باتیں ہیں یا تو یہ کہ یمین گو لفظاً مفرد ہے مگر مراد جمع ہے جیسا کہ یولون الدبر میں یا یہ کہو کہ شیء چونکہ لفظاً مفرد ہے اس کے لحاظ سے یمین لفظ مفرد آیا اور معناً جمع ہے اس کے لحاظ سے شمائل جمع آیا گویا دونوں کی رعایت کی یا یوں کہو کہ عرب جب دو صیغے جمع کے لانا چاہتے ہیں تو ایک کو مفرد کر کے لاتے ہیں جیسا کہ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْر اور ختم الله علی قلوبهم و سمعهم میں سجدًا الله وهم داخرون سجدہ سے مراد مطیع ہونا جھکنا عرب کہتے ہیں سجد البعیر جبکہ وہ سوار ہونے کے وقت گردن جھکا دیوے چونکہ خدا تعالیٰ نے آفتاب و مہتاب وستاروں کو جن سے اجسام کثیفہ پر سایہ پڑتا ہے ایک چالِ خاص پر مامور کر رکھا ہے جس سے ان سایوں میں فرق نہیں آتا، سو یہ فرق نہ آنا اور ایک خاص طور پر رہنا سجدہ کرنا ہے انہیں معنوں میں یہ آیت ہے النجم والشجر يسجدان وقوله وظلال لهم بالغدو والاصال یا یوں کہو کہ سایہ زمین پر لگا ہوا چلتا ہے جس طرح عابد زمین پر سر رکھ کر سجدہ کرتا ہے گویا تشبیہ مراد ہے اور غرض اس کلام سے اس کا جبروت وتسلط عالم پر ظاہر کرنا ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم حسی میں یہ اشیاء جو وجودِ حقیقی کا ظل ہیں اس کے حکم کے پابستہ ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔــرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

اور اللہ فرما چکا ہے کہ دو خدا نہ بناؤ۔ خدا ایک ہی خدا ہے پھر مجھی سے ڈرا کرو اور اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور بندگی (ہمیشہ) اسی کے لیے سزاوار ہے پھر کیا تم اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تم پر سختی آتی ہے تو اسی کی طرف آہ وزاری کرتے ہو پھر جب وہ تمہاری مصیبت دور کر دیتا ہے تو فوراً تم میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شریک بنانے لگتی ہے تاکہ جو کچھ نعمتیں ہم نے دی تھیں ان کی ناشکری کریں (تو خیر دنیا میں چند روز) مزے کر لو پھر (آخرت میں) تو تم کو معلوم ہو ہی جائے گا اور جن کو وہ جانتے ہی نہیں (یعنی بت) ان کے لیے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ایک حصہ مقرر کرتے ہیں قسم ہے خدا کی (یعنی اپنی) تم سے ضرور ضرور تمہاری افتراپردازی پر باز پرس ہوگی اور یہ منکر (فرشتوں کو) خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں سبحان اللہ! (اس کے لیے تو بیٹیاں) اور ان کے لیے جس کو دل چاہے (یعنی فرزند) حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے بیٹی کی خبر کی عار سے قوم سے چھپا چھپا پھرتا ہے (سوچتا ہے) آیا اس کو اپنی ذلت پر رہنے دے یا اس کو خاک میں گاڑ دے دیکھو کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حالت تو انہیں کی بری ہے اور اللہ کی تو بلند شان ہے اور وہ زبردست' حکمت والا ہے۔

ترکیب : اثنین تاکید ہے اِلٰھَیْنِ اور مفعول ثانی لاتتخذوا کا بھی ہوسکتا ہے وفیہ مافیہ۔ واصبا ای وانما حال ہے الدین سے اور عامل اس میں معنی ظرف کے ہیں ما بمعنی الذی بکم اس کا صلہ من نعمة حال ہے ضمیر سے جو جار میں ہے فَمِنَ اللّٰهِ خبر دوسری وجہ بھی ممکن ہے۔ تجئرون ترفعون اصواتکم بالاستغاثۃ سبحانہ جملہ معترضہ مسودًا خبر ظل۔ یتواری حال ہے ضمیر کظیم سے۔ اذا کشف الم اذا

شرطیہ اذا فریق فجائیہ جواب الشرط لیکفروا لام کے وقیل لام العاقبۃ۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں یہ ثابت کر کے کہ تمام عالم اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اسی کے آگے سرِ تسلیم جھکائے ہوئے ہے۔ قال اللہ سے لے کر فارھبون تک توحیدِ خالص کا حکم دیتا ہے پھر ولہ مافی السموات والارض سے لے کر تتقون تک اس پر اور دلیل قائم کرتا ہے کہ عبادت کا مدار دو چیزوں پر ہے اول یہ کہ کسی کا خوف ہو کہ اگر نذر و نیاز اور دیگر عبادت نہ کریں گے تو وہ ہم کو جانی یا مالی کوئی نقصان پہنچا دے گا جیسا بت پرستوں کا اپنے معبودوں کی نسبت خیال ہے۔ سو یہ بھی اللہ کے سوا اور کسی کا مرتبہ نہیں کس لیے کہ ایسا وہ کر سکتا ہے کہ جس کا مخلوق پر کوئی اختیار و اقتدار ہو۔ سو یہ ہے نہیں اس لیے اول فایای فارھبون فرمایا اور وجہ اس کی ولہ مافی السموات الخ میں ذکر فرمائی اس کے بعد اسی بات کو بطور نتیجہ دلیل اعادہ کیا افغیر اللہ تتقون دوم یہ کہ کسی کی نعمت تندرستی' مال وجاہ وغیرہ اس سے حاصل ہو اس طمع میں عبادت کی جاتی ہے۔ یہ بات بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں کس لیے کہ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں اول تو اس لیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور کسی کے پاس دھرا ہی کیا ہے جو تم کو دے گا۔ دوم جب تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو فطرتِ انسانیہ اللہ ہی کی طرف فریاد کرنے کو مجبور کرتی ہے اس وقت اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں' عوارضِ جہل اٹھ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بنی آدم کے دلوں میں بھی اصلی اعتقاد اسی بات کا ہے مگر جب وہ وقت نکل جاتا ہے اور جہل و خرمستی کے پردے نورِ فطرت پر کائی کی طرح پھر آپڑتے ہیں تو پھر اپنے فرضی معبودوں یا اسباب کے استقلال اور اپنی تدبیر کی درستی پر تکیہ کرنے لگتے ہیں اور یہ پوری نمک حرامی اور کامل ناشکری ہے جس کا یہ بدنتیجہ عنقریب معلوم ہو جائے گا یا تو دنیا ہی میں بار در گرفتارِ مصیبت ہونے پر یا دارِ آخرت میں منجملہ نمک حرامیوں کے۔ ایک یہ بھی ہے کہ جن معبودوں کی اصل حقیقت بھی انہیں معلوم نہیں کہ آیا وہ فرضی نام ہیں جن کو باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں یا وہ کچھ تھے بھی اور تھے تو ان کا مخلوق پر کیا اختیار و اقتدار تھا' ان کے لیے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے مال میں سے اولاد میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں۔ کھیتی میں سے ایک حصہ اور اولاد میں کوئی ایک بیٹا بتوں کے نام سے نامزد کرتے تھے اور بتوں پر اولاد مواشی کی قربانیاں کرتے تھے، ان کے نام کے سانڈ اور جانور چھوڑتے تھے، اس پر جو ان سے کہا جاتا تھا کہ ان ارواحِ غیر مرئیہ کو خدا کے کارخانہ میں کیا دخل ہے اور وہ اس سے کیا تعلق رکھتے ہیں تو مشرکین کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ خدا کی لاڈلی بیٹیاں ہیں، ان کی بڑی خاطر منظور ہے، یہ جو کچھ چاہتی ہیں کرتی ہیں، یہ دیویاں اور پری کالی پری ہند میں انہیں کے نمونہ ہیں۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ میں ان کا ذکر ہے اس کے رد میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے لیے تو بیٹیاں ہونا پسند ہی نہیں کرتے حالانکہ خود بیٹیوں کے بقاءِ نسل میں محتاج ہیں اس پر بھی بیٹی پیدا ہونے کی خبر سن کر غم کے مارے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، زندہ گاڑ دینے کی کبھی ٹھہراتے ہو کبھی بڑی ذلت سمجھ کر ان کو رہنے بھی دیتے ہو پھر خدائے بے نیاز کو اولاد اور بیٹیوں سے کیا تعلق ہے جس کی شان بلند اور اعلیٰ ہے حدوث و احتیاج سے پاک ہے برخلاف تمہارے ولہ المثل الاعلیٰ۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۖ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور اگر خدا لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑتا تو کسی جاندار کو بھی زمین پر نہ چھوڑتا لیکن ایک مدتِ مقرر تک ان کو مہلت دیتا ہے پھر جب ان کا وقت آتا ہے تو نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور یہ منکر اللہ کے لیے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں کہ جن کو آپ بھی پسند نہیں کرتے اور زبان سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں کہ آخرت کی بھلائی انہیں کے لیے ہے (بھلائی تو کیا) ان کے لیے جہنم ہی ہے۔ جس میں سب سے اول داخل کئے جائیں گے (اے رسول!) اللہ کی قسم (یعنی اپنی) ہم نے آپ سے پہلے بھی قوموں میں رسول بھیجے تھے پر شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو عمدہ کر دکھایا۔ سو آج بھی ان کا وہی دوست بنا ہوا ہے اور ان کو عذاب الیم ہونا ہے۔ ہم نے آپ پر اس لیے کتاب اتاری ہے کہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کو کھول کر بیان کر دیں اور (نیز یہ کتاب) ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت بھی ہے۔

ترکیب : الکذب بالنصب مفعول ہے تصف کا ان لھم الحسنی اس سے بدل۔ الکذب بضم الکاف والذال والباء جمع کذوب جیسا کہ صبور و صبر تب یہ السنۃ جمع لسان صفت ہوگا واللسان یذکر و یونث۔ وھدی معطوف ہے لتبین پر۔ ای للتبین والھدایۃ والرحمۃ۔

تفسیر : مشرکوں کے قبائح اور اقوالِ فاسدہ بیان کر کے یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ہم صرف اپنی رحمت سے درگزر کرتے ہیں جو دنیا میں عمر معین تک جینے دیتے ہیں اور نعمتیں سلب نہیں کر لیتے ورنہ ان کے گناہوں پر جائیں تو دنیا پر کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ ان کی نحوست سے بلا آجائے۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ سے اس بیہودہ بات پر کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں بارِ دگر سرزنش فرماتا ہے بالخصوص اس لیے کہ اس نالائق قول و فعل و اعتقاد پر دعویٰ کے ساتھ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ دارِ آخرت کے درجات ہمارے لیے ہیں کیونکہ ہمارے یہ وسیلے ہیں اس پر فرماتا ہے کہ آخرت کی بھلائی کی جگہ ان کے لیے اس جرم پر ضرور نارِ جہنم ہے جس میں سب سے اول داخل ہونگے۔ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ نافع اور قطیبہ اور کسائی کی روایت سے مفرطون کو بکسر الراء پڑھتے ہیں اور باقی بفتح الراء۔ اول قرأت پر یہ معنی ہوئے کہ وہ گناہوں میں یا خدا پر جھوٹ بولنے میں افراط یعنی زیادتی کرنے والے ہیں۔ دوسری قرأت پر یہ معنی انھم مترکون فی النار یعنی آگ میں ڈالے گئے، وہاں چھوڑے گئے۔ کہتے ہیں ما افرطت من القوم احداً اے ما ترکت یا یہ معنی انھم معجلون یعنی آگ کی طرف ان افعال سے جلدی کر رہے ہیں سب سے پہلے جا رہے ہیں۔ واحدی کہتے ہیں عرب بولتے ہیں فرط الرجل اصحابہ یفرطھم فرطاً و فروطاً اذا تقدمھم لتدبیر حوائجھم یعنی اوروں کے قافلہ سالار بن کر پہلے جہنم میں جھنڈے لیے جا رہے ہیں تاللّٰہ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ہم نے قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے سو شیطان نے ان قوموں کو ایسا بہکایا کہ بری باتوں کو ان کی نظروں میں بھلا کر دکھایا آج کے دن بھی وہی شیطان ان لوگوں کا رفیق بن کر بہکا رہا ہے، جہنم کا رستہ بتا رہا ہے اس لیے ہم نے اے محمد! تم پر قرآن نازل کیا کہ آپ ان کو مطلع کر دیں اور نیز نیکوکاروں کے لیے یہ قرآن ہدایت و رحمت بھی ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ

ع ۹ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے مرجانے کے بعد (خشک ہو جانے کے بعد) زمین کو زندہ کر دیتا ہے بے شک اس میں سننے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور تمہارے لیے چار پایوں میں بھی ایک غور کا مقام ہے کہ ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون میں سے (جدا کر کے) تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کو رچتا پچتا ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں بھی (عبرت ہے) جن میں سے تم شراب بناتے ہو اور عمدہ روزی بھی (قرار دیتے ہو) بے شک اس میں بھی عقلمندوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب: لعبرۃ اسم ان لکم خبر بطونہ بطون جمع بطن بمعنی شکم بطونہ کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے کیونکہ انعام مذکر[1] بھی ہے اور مونث بھی۔ من بین من للابتداء متعلق ہے نسقیکم سے لبنا مفعول ثانی ہے نسقیکم کا خالصًا سائغًا اس کی صفت و من ثمرات الخ محذوف سے متعلق ہے ای نسقیکم من ثمرات الخ تتخذون جملہ مستانفہ یا صفت ہے محذوف کی تقدیرہ شیئًا تتخذون منہ ای وان من ثمرات النخیل شیئًا۔

تفسیر: قرآن مجید کا دستور ہے کہ وہ ایک اصول میں گفتگو کر کے دوسرے اصول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ الٰہیات کے بعد معاد اور کبھی نبوات اور کبھی اصلاحِ افعال اور اعتقادِ عباد کی طرف رجوع کرتا ہے، اور یہی چاروں باتیں کتابِ الٰہی کے اصل اصول ہیں۔ اسی قاعدہ سے کلام تمام کر کے اب الٰہیات میں کلام کرتا ہے اور اپنا قادر و مختار ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں توحید اور صفاتِ باری کا کامل ثبوت ہے۔ وہ دلائل (کہ جن سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لاشریک ہونا اور ہر چیز کا اسی کے دستِ قدرت میں ہونا ثابت ہوتا ہے) پانچ قسم کے ہیں: اول آسمانی چیزیں جن میں سے یہاں پانی کا ذکر کرتا ہے وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ کہ اللہ نے آسمان سے یعنی بادلوں سے پانی برسایا جس سے مردہ زمین یعنی خشک زندہ ہو جاتی ہے یعنی ہری بھری جڑی بوٹیاں گھاس اور درخت اور کیا کیا کارآمد برائے انسان چیزیں اگتی ہیں جس سے اس کے آثارِ قدرت و رحمت نمودار[2] ہیں۔ دوم انسان کے حالات اور اس کی پیدائش۔ سوم حیوانات کی پیدائش اور ان سے انسان کے لیے نفع دینے والی چیزوں کا پیدا کرنا جن کی طرف وان لکم فی الانعام لعبرۃ الخ میں اشارہ ہے کہ حیوانات گائے بھینس، بھیڑ بکری، اونٹنی وغیرہ کا دودھ بھی ایک غور کرنے کی بات اور اس کی بڑی نشانی ہے، اس کو ہم پلاتے ہیں پر یہ تو دیکھو کہ وہ کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ جانوروں کے شکم میں گھاس جا کر گوبر، لید، مینگنی بن جاتی ہے اس کا عطر کھینچ کر جگر میں (یا اور جگہ بقول حکماءِ حال) خون بنتا ہے، پھر

[1] ھو اسم جمع لا جمع ولذلک عدہ سیبویہ فی المفردات المبنیۃ علی افعال کا خلاق و اکباش۔

[2] جن سے یہ بھی ثبوت ہوتا ہے کہ جس طرح ایک سال زمین برسات میں ہری بھری ہوتی ہے سینکڑوں بوٹیاں لہلہاتی ہیں، پھر وہ سب خشک ہو کر نیست و نابود ہو جاتی ہیں اس کے بعد سال آئندہ میں پھر ویسی ہی جڑی بوٹیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح زمین کے کھیت پر انسان بھی قدرت کے عمدہ پودے ہیں اس کھیت کو بھی وہ فنا ہو جانے کے بعد قیامت میں جو حیات کی دوسری فصل ہے پھر زندہ کر سکتا ہے اس میں مسئلہ حشر بالا جساد کا بھی ثبوت ہے اور عبرت کے معنی قیاس کرنے کے یہاں زیادہ چسپاں ہیں۔ ۱۲ منہ

عروق کے ذریعہ سے وہ خون ان جانوروں کے تھنوں میں (پستانوں میں جو نرم گوشت ہے اور جس کی تاثیر یہ ہے کہ خون کو دودھ کر دے) دودھ بن جاتا ہے غور کرو گوبر اور خون میں سے جو شکم میں ملے جلے تھے ایک دوسرے کا کس طرح سے امتیاز کرتا ہے اور ان میں سے خوشگوار شیریں دودھ کس طرح نکال کر تمہیں پلاتا ہے پھر یہ کام بجز اس کے اور کون کر سکتا ہے؟ دیکھو وہ کیسا منعم ہے۔ چہارم نباتات جس میں سے یہاں کھجور اور انگور کا ذکر کرتا ہے کہ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا سکر سے مراد شراب ہے چونکہ خطاب قریشِ مکہ کی طرف ہے اور نیز مکہ میں شراب حرام بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ مدینہ میں آ کر حرام ہوئی اس لیے ان لوگوں کو ان کے فوائد بتلاتا ہے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سکر سے مراد نبیذ ہے، کھجور یا انگور کا شیرہ جس کو یہاں تک جوش دیا جائے کہ دو حصہ جل جائیں چونکہ اس میں نشہ نہیں ہے یہ حلال ہے، ورزقًا حسنًا یعنی تم انگور اور کھجور سے سکر اور اچھی چیزیں کھانے کی بناتے ہو، سرکہ اور شکر اور بہت چیزیں بنتی ہیں اور وہ خود بھی عمدہ غذائیں اور نفیس میوے ہیں پھر یہ کس کی بنائی ہوئی ہیں کس نے ان میں لذت اور شیرینی پیدا کی؟ پانچویں پہاڑ زمین دریا جن کا ذکر آئندہ آتا ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جنہیں لوگ بناتے ہیں اپنے چھتے بنایا کرے پھر ایک پھل کو کھایا کرے پھر سوراخوں میں سے سٹ کر آیا جایا کرے ان کے پیٹوں میں سے ایک ایسا شربت نکلتا ہے جس کی مختلف رنگتیں ہوتی ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، بے شک اس میں بھی غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : ان مفسرہ ہے اتخذی جملہ تفسیر اوحی کی لفظ نحل اگرچہ مذکر ہے۔ مگر معنی کے لحاظ سے مونث کا صیغہ[1] آیا۔ بیوتا اتخذی کا مفعول و من الشجر معطوف ہے من الجبال پر ذللا جمع ذلول کی یہ حال ہے ضمیر اسلکی سے یا سبل سے ای اسلکی سبل ربک وانت ذلل منقادۃ او راسلکی سبل ربک حال کونہا مذللۃ ذللہا اللہ تعالیٰ و سہلہا یخرج جملہ مستانفہ جس میں شہد کی مکھیوں کے الہام کا نتیجہ بتاتا ہے۔

تفسیر : حیوانات میں چرندوں میں سے دودھ کا نکلنا بیان ہو چکا۔ اب پرندوں میں جو کچھ منافع انسان کے لیے رکھے ہیں ان کا ذکر فرماتا ہے یا یوں کہو وہاں چارپایوں سے دودھ نکلنا بیان کیا تھا جن کو انسان دانہ چارہ بھی کھلاتا ہے یہاں پرندوں سے شہد کا نکلنا بیان فرماتا ہے ان پرندوں میں سے کہ جن میں زہر بھی رکھا ہوا ہے وہ کون شہد کی مکھیاں جن کو عربی میں نحل اور ہندی میں مُہال کہتے ہیں اور اوحٰی کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نہ صرف انسان کو انبیاء کی معرفت ہم وحی الہام کے ذریعہ سے ان کے فوائدِ دنیاویہ واخرویہ تعلیم کرتے ہیں بلکہ حیوانات خصوصاً پرندوں کو بھی ان کے کارآمد باتیں الہام ہوتی ہیں جس کو الہامِ فطری کہنا چاہیے مگر کمبخت انسان اپنے روحانی سرداروں کا مقابلہ کرتا ہے برخلاف مہال کے کہ ان میں جو ایک بڑی مکھی ہوتی ہے جس کو یعسوب کہتے ہیں سب ان کی اطاعت کرتی ہیں اَنِ اتَّخِذِيْ الخ یہ پہلی بات ہے جو ان کے دل میں القا کی گئی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں کی چوٹیوں یا پتوں میں اپنا گھر بنائے اور نیز ان چھتوں میں بھی کہ جن کو انسان بناتے ہیں

---

[1] لأن المراد بہ الجنس

چھپر وغیرہ یا انگور کی بیلوں کے چھتوں میں تا کہ ہر ایک کا وہاں ہاتھ نہ پہنچے، ان کے گھر کو کوئی نہ بگاڑے یا زمین سے مرتفع رہنے میں ابخرات و قاذورات زمین کا ان تک اثر نہ پہنچے پھر ان کے گھروں کو یعنی سوراخوں کو دیکھئے کہ مسدس بنے ہوتے ہیں جس سے ذرا بھی جگہ بیکار نہیں جاتی اور کس پرکار سے نپے ہوتے ہیں کہ ذرا بھی کم زیادہ نہیں ہوتے۔

ثم کلی من کل الثمرات پھر یہ القاء ہوا کہ بلاقید ہر قسم کے پھل کھایا کرے۔ بعض کہتے ہیں درختوں کے پتوں پر شبنم کی وجہ سے ایک شیریں چیز جمی ہوتی ہے اس کو مکھیاں چاٹتی ہیں اور وہی شہد ہے بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ ان کے پیٹ میں ہر چیز جا کر شہد ہو جاتی ہے اور چونکہ پھلوں میں مٹھاس ہے بیشتر شہد کی مکھیاں انہیں کو کھاتی ہیں فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یہ وہ تیسری بات ہے جو ان کو الہام کی گئی ہے جو علماء ذللا کو سبل ربك سے حال ڈالتے ہیں وہ یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ آنے جانے کے رستے جو خدا نے مکھیوں کے لیے سہل کر رکھے ہیں ان سے چلنے کا القاء کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا بعض کہتے ہیں یہ ضمیر اسلکی سے حال ہے تب ذللا کے معنی منقاد اور فرمانبردار ہو کر چلنے کے ہیں۔ سبل ربك وہ اس کے سوراخ ہیں جن کو اللہ ہی نے بنایا ہے اور مسخر ہو کر چلنا بتایا یعنی سمت کر کیونکہ پر کھول کر مکھی ان میں نہیں گھس سکتی نہ نکل سکتی ہے یہ ہیں ذللا کے معنی یخرج من بطونہا شراب یہ نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ مختلف رنگ کا شہد ان کے پیٹ سے نکلتا ہے سفید، زرد جس میں بیشتر امراض کے لیے شفاء ہے۔ بعض کہتے ہیں فیہ شفاء للناس قرآن مجید کی بابت جملہ ہے کہ قرآن میں ہر روحانی مرض کی شفاء ہے وہ کس طرح دلائل سے توحید و دار آخرت و نبوت کا ثبوت کرتا ہے شہد میں شفا ہونے کے یہ معنی کہ اکثر امراض کی شفاء ہے۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ ۙ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾ ع وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِہِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَہُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ہُمْ یَکْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَہُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہی تم کو مارتا بھی ہے اور کچھ تم میں سے نکمی عمر تک بھی پہنچائے جاتے ہیں کہ جن کو علم کے بعد کچھ بھی معلوم نہیں رہتا۔ بے شک اللہ بڑا علم اور قدرت والا ہے اور اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں فضیلت دی ہے پھر جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو نہیں دے ڈالتے تا کہ پھر وہ ان کے برابر ہو جائیں پھر کیا اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے (بیویاں) پیدا کئے اور تمہاری

بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں پھر وہ کیوں جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھتے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے ان کی روزی کا ان کے لیے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ رکھ سکتے ہیں۔

ترکیب : شیئاً بصریوں کے نزدیک مصدر سے منصوب ہے اور کوفیوں کے نزدیک یعلم سے فھم فیہ سواء مبتداء خبر سے مل کر یہ جملہ واقع ہے موقع میں فعل و فاعل کے فالتقدیر فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ماملکت ایمانھم فیستو وا اور یہ فعل منصوب ہے جواب نفی ہو کر اور مرفوع بھی ہو سکتا ہے شیئاً رزقا سے منصوب ہے اگر اس کو مصدر مانا جائے اور اگر بمعنی مرزوق لیا جائے تو اس سے بدل ہے۔

تفسیر : ان آیات میں انسان کے حالات سے استدلال کرتا ہے: اول اللہ خلقکم الخ کہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا۔ نطفہ[1] کا رحم میں انسان بنانا اور اس کے موافق اس کو اعضاء عطا کرنا یہ ضرور کسی مدبر حکیم کا کام ہے طبیعت اور مادہ تو خود بے شعور ہے اور اچھا یہ بھی سہی تو پھر یہ طبیعت اس میں کس نے رکھی ہے؟ ثم یتوفکم یہ بھی اس کے آثارِ قدرت کی برہانِ قاطع ہے کسی حکیم فیلسوف سے موت کا بندوبست نہیں ہوا نہ ہوگا۔ و منکم من یرد الخ ایسی بڑی عمر تک پہنچنا جس میں کہ تمام علوم وفنون بھول جائے پھر وہی لڑکپن آ جائے اسی کا کام ہے ان اللہ علیم قدیر ان امور کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو وہی جانتا ہے۔ دوم واللہ فضل الخ کہ کوئی غنی ہے کوئی فقیر ہے، یہ بھی اس کی طرف سے ہے اگر یہ بات عقل وعلم پر موقوف ہوتی تو کوئی بدعقل، جاہل، مالدار اور عالم و دانا خوار نہ ہوتا حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔ پھر فما الذین سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ ہر چند روزی رزق ہم دیتے ہیں مگر بااین ہمہ تم اپنے نوکروں، غلاموں کو اپنا مساوی اور برابر کا اس میں نہیں کرنا چاہتے پھر خدا تعالیٰ کیونکر اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنے برابر کر دے گا؟ لیکن تم اللہ کی نعمتوں سے انکار کر کے ان نعمتوں کو فرضی معبودوں کی طرف منسوب کرتے ہو کہ تندرستی فلاں دیوتا نے عطا کی، بیٹا فلاں بزرگ نے دیا، یہ کام فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوا یا یہ معنی کہ باوجودیکہ روزی میں تم اور تمہارے غلام برابر ہیں کچھ ان کو تم نہیں دیتے بلکہ ہم دیتے ہیں، مگر پھر ہم نے تم کو فضیلت دے رکھی ہے اس کا شکر یہ ادا نہیں کرتے۔ سوم وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ الخ کہ اللہ نے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اگر مرد کو عورت نہ ملے تو دنیا کا عیش تلخ ہو جائے اس میں کسی کی حکمت اور علم اور طبیعت کا کیا دخل ہے؟ پھر عورتیں کیسی تمہاری جنس اور قبیلے کی جن کی مجانست سے تمہاری پوری موانست ہوتی ہے پھر اگر اولاد اور اہلِ قرابت کام آنے والے نہ ہوتے تو بھی مشکل پڑ جاتی اس لیے بَنِیۡنَ وَحَفَدَۃً[2] بیٹے اور پوتے اقارب بھی پیدا کیے اس پر رزقکم من الطیبٰت اچھی چیزیں کھانے کو دیں پھر اس پر بھی لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہوتے ہیں کیونکہ ان نعمتوں کو اوروں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ اوروں کی عبادت کرتے ہیں جن کو رزق روزی دینے میں نہ اختیار ہے نہ قدرت۔

---

[1] انسان ہے کہ ماں کے پیٹ سے جو اس کی پہلی منزل ہے اپنی عمر کی منزلیں بے اختیار طے کرتا ہوا چلا جاتا ہے اس کی عمر کی ریل گاڑی کس سرعت کے ساتھ رات دن کے اسٹیشنوں کو طے کرتے ہوئے جا رہی ہے۔ یہ لاکھ چاہے کہ چند روز لڑکپن یا جوانی کے ملک میں ٹھہرے مگر کب ٹھہر سکتا ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

سب کی منزلِ مقصود معبودِ حقیقی کے ہاں جانا ہے۔ پھر کوئی جلد ہی کوئی دیر ایسا بڈھا ہو کر لڑکوں کی طرح سب کچھ بھول جاتا ہے پھر قیامت اگر دوبارہ زندہ کرے تو کیا تعجب ہے جس پر کفار تعجب کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] حفدہ جمع حافد کی ہے اور حافد اس کو کہتے ہیں جو بلا عذر و خدمت کرے حفد خدمت کرنا دعاء قنوت میں بھی آیا ہے ونحفد یہاں اس کا اطلاق اقارب پر ہوا ہے جو کام آتے ہیں جس میں پوتا بھی داخل ہے بعض کہتے ہیں خالص پوتے پر یہ بولا گیا ہے۔ ۱۲

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع

پس اللہ کے لیے (اپنی اٹکل سے) مثالیں نہ گھڑو کیونکہ اللہ ہی خوب جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ (دیکھو) اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے تابعدار کہ جو کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے ہاں سے خوب روزی دے رکھی ہے سو وہ اس میں سے چھپا کر اور دکھا کر خرچ کرتا ہے' کیا دونوں برابر ہیں؟ (وہ کہیں گے نہیں تو آپ کہئے) الحمد للہ (اتنا تو سمجھے، مگر اہیں سے) اکثر تو یہ بھی نہیں جانتے اور خدا (دوسری) ایک اور مثال دو آدمیوں کی بیان کرتا ہے کہ ان میں سے ایک تو گونگا ہے (اس پر اپاہج) کچھ بھی نہیں کر سکتا اور وہ (اس لئے) اپنے آقا پر بار بھی ہے جہاں کہیں جاتا ہے بھلائی لے کر نہیں آتا۔ کیا یہ اور وہ برابر ہے کہ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے رستہ پر قائم ہے؟

ترکیب : عبدًا موصوف مملوکًا صفت اول لایقدر صفت ثانی پھر یہ بدل ہے مثلًا سے ومن معطوف ہے عبدًا پر یہ بھی مجموعہ میں شامل ہو کر مثل سے بدل ہوگا سرًا و جھرًا حال ہے ضمیر ینفق سے اور اسی طرح رجلین مثلًا سے بدل ہے پھر احدھما سے رجلین کا بیان ہے۔

تفسیر : مشرکین رد شرک کے یہ دلائل سن کر جواب میں یہ مثالیں بیان کیا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی شخص بادشاہوں سے ان کے وزیروں اہلکاروں کے ذریعہ بغیر عرض حال نہیں کر سکتا اور نیز جس طرح بادشاہوں نے اپنے تمام کارخانوں کے مختار کر رکھے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی ان کے جواب میں فرمایا ہے فَلَا تَضْرِبُوْا الخ کہ یہ مثالیں نہ بناؤ خدا کا معاملہ بندوں کا سا نہیں ان اللہ یعلم الخ میں اسی طرف اشارہ ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ دو مثالیں بیان فرماتا ہے جن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے آگے اس کی تمام مخلوق عاجز اور اسی کی دست نگر ہے اس کے حکم بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا خصوصاً بت پرستوں کے بت کہ وہ تو بے حس ہی ہیں پہلی مثل کو ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا سے شروع کرتا ہے کہ ایک تو غلام ہو اور غلام بھی کیسا مملوکا آزاد کیا نہ ہو یا اسے کاروبار تجارت میں اجازت نہ ہو نہ مولیٰ نے اپنے مرنے کے بعد اس کی آزادی مقرر کی ہو نہ کسی قدر مال ادا کرنے پر اس کی آزادی معین ہوئی ہو اس پر طرہ یہ ہو کہ لایقدر علی شیء خانہ داری کے امور میں بھی کسی کو دینے لینے کی اس کو کچھ بھی قدرت نہ ہو اور ایک وہ امیر بااختیار ہو کہ جس کو اپنے مال میں چھپے کھلے ہر طرح کے تصرف کی نہ صرف قدرت ہی ہو بلکہ وہ تصرف بھی کرتا ہو پھر کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کے سوا جس قدر اس کی مخلوقات ہیں (کہ جس کو مشرکین پوجتے ہیں اور نئے نئے طریقوں سے ان کو حاجت برآری کا ذریعہ جان کر ان کو پکارتے ہیں اور ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں جیسا کہ عرب میں دستور تھا) سب اس کے آگے اس غلام کی طرح محتاج ہیں کہ جس کو اس کی اجازت بغیر کچھ بھی قدرت نہیں، نہ

لینے کی نہ دینے کی اور امیر بااختیار کی مثال اللہ قدیر کی ہے جس کو ہر طرح کے تصرف کی قدرت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے پھر کیسی بیوقوفی ہے کہ گھر کے مالک کو جو بڑا داتا اور کریم بھی ہو چھوڑ کر اس کے ایسے بے بس غلام سے سوال کیا جائے؟ اس مثال کے بعد بھی جواب دیں گے کہ ہرگز برابر نہیں اس پر فرماتا ہے الحمد للہ کہ اس قدر تو سمجھ ہے کہ دونوں برابر نہیں۔ مگر اکثرھم لایعلمون اکثر کو تو یہ بھی خبر نہیں اس قدر جاہل و بے تمیز ہیں۔ دوسری مثال وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ میں ہے یہ دو شخصوں کی مثال ہے جن میں سے ایک تو گونگا ہو اور اپاہج بھی اور نکما بھی جہاں جائے کوئی کام بنا کر نہ آئے دوسرا حکیم و دانا ہو کہ لوگوں کو بھی نیکو کاری عدل و انصاف کا حکم دیتا ہو اور خود بھی راہ مستقیم پر قائم ہو۔ بھلا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ پہلے شخص سے ان کے معبود دوسرے سے وہ خدائے قادر حکیم مراد ہے مشرکین دو قسم کے تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ ایک وہ جو پتھر یا اور چیزوں کی مورتوں کو پوجتے تھے ان کے معبودوں کی مثال اخیر میں ذکر کی اور ایک وہ جو بزرگوں کو پوجتے تھے ان کے لیے مثال اول ہے۔

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْهُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۱ ۱۷

اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں تو اللہ ہی کو معلوم ہیں اور قیامت کا معاملہ تو بس ایسا ہے کہ جیسا پلک کا جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر کیونکہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ ہی تو ہے کہ جس نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے باہر نکالا (جس وقت) کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تم کو کان اور آنکھ اور دل عطا کیے تا کہ تم شکر

کرو کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ آسمان کے فضا میں (ادھر) تھمے ہوئے ہیں ان کو کون سنبھال رہا ہے اللہ کے سوا البتہ اس میں بھی ایمانداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور اللہ ہی نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے آرام کی جگہ بنایا اور تمہارے لیے چار پایوں کی کھال کے خیمے بنائے جنہیں تم اپنے سفر اور اقامت میں بہت ہلکے پاتے ہو اور ان کی اون اور روئیں اور ان کے بالوں سے بھی بہت سے سامان اور ایک وقت تک کار آمد چیزیں بنائیں اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو تمہارے لیے سایہ دار بنایا اور تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہ بھی جو تمہیں جنگ میں محفوظ رکھتی ہیں وہ یوں تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تا کہ تم جھکو پھر بھی اگر نہ مانیں تو (اے رسول!) تم پر صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے۔ وہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے بھی ہیں پھر مکرتے ہیں اور بہت سے تو ناشکر ہی ہیں۔

ترکیب : اَوْ هُوَ اَقْرَبُ او للتمثیل او للتخییر وقیل لشک المخاطب وقیل بمعنی بل والجملة تمثیل لسرعة وقوع القیامة۔ مسخرات حال من الطیر۔ سکنًا بمعنی مسکون لاتعلمون جملہ حال ہے ضمیر منصوب امھاتکم سے۔ مایمسکھن جملہ حال ہے مسخرات سے۔ ظعن سفر۔ اثاثا معطوف ہے سکنًا پر اور دونوں میں اصوافھا جار مجرور کا فصل مستقبح نہیں ہے کیونکہ جار مجرور بھی مفعول ہے اور ایک مفعول کا دوسرے پر مقدم کرنا قبیح نہیں الظعن بفتح العین وسکونھا کالنھر وھو سیر اہل البادیة من موضع الی موضع والصوف للغنم والوبر للابل والشعر للمعز اکنانا جمع کن وھو مایستکن بہ۔

تفسیر : ان آیات میں خدا تعالیٰ ان کے ان معبودوں کے مقابلہ میں کہ جن کو دو مثالوں میں عاجز اور کمزور ثابت کیا تھا اپنے کمال وقدرت واحسان کو ذکر فرماتا ہے۔ وللہ غیب الخ میں اپنا علم بیان کرتا ہے اور غیب کی نادر چیزوں میں سے قیامت کا قائم ہونا تھا اس لیے اس کو بھی ذکر کرتا ہے کہ نہ صرف ہم کو اس کا علم ہے بلکہ وہ ہمارے قبضۂ قدرت میں بھی ہے، پلک جھپکنے سے بھی جلد وہ ظاہر ہوگی ہم کو ہر چیز پر قدرت ہے، اس میں اس کی قدرت کا بھی اظہار ہے پھر اس قدرت کی دلیل کہ جس میں بندوں پر احسان بھی ہے۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ الخ سے شروع کرتا ہے کہ تم کو پیدا کیا تم کو علم وادراک دیا معدوم سے موجود کر دیا اگر اپنی وہ حالت یاد نہ ہو تو ہوا میں اڑنے والے جانوروں کو دیکھو کہ فضا میں اسی کا ید قدرت ان کو تھامے رہتا ہے اور اپنے اوپر روزمرہ احسانوں کو غور کرو کہ جن میں سے ایک تمہارے رہنے کے مکانات ہیں۔ پھر سفر کے مکانات کہ جن کا ساتھ لے چلنا آسان ہے جانوروں کی کھال اور بالوں کے خیمے تم کو دیے، عرب میں اونٹ یا جانوروں کی کھال کے رنگ کر خیمہ بناتے تھے اور دنبے بھیڑ کے بالوں سے جن کو اصواف (جمع صوف) کہتے تھے اور اونٹ کے بالوں سے جن کو اوبار (جمع وبر[1]) کہتے تھے اور بکری کے بالوں سے جن کو اشعار (جمع شعر) کہتے تھے، خیمہ وغیرہ بناتے تھے ان چیزوں کے بنانے کا تم کو علم دیا پھر ان سے کیسے کیسے کپڑے اور وردیاں تیار کرتے ہو جو مدتوں تمہارے لیے کار آمد ہوتی ہیں اور مخلوقِ الٰہی میں سے ایسے اجسام بھی بنائے جن کے سایہ میں آرام پاتے ہو اور پہاڑوں میں غار وغیرہ بھی اس طور کے تیار کئے جن میں چھپ کر دشمنوں سے امان پاتے ہو اور بارش وغیرہ سے بھی پناہ لیتے ہو اور تمہیں کپڑے سینے کا بھی علم دیا کہ اس طرح کرتے بناتے ہو جن سے دھوپ سے بچتے ہو اس کے سوا لوہے کے بھی کپڑے زرہ وخود وغیرہ بنانے سکھائے جن سے جنگ میں محفوظ رہتے ہو۔ یہ سب ماؤں کے پیٹوں سے باہر آنے کے بعد کی انسانی ترقی ہے اور اس ادراک عطا کردہ کا نتیجہ اس پر بھی اس کی طرف نہ جھکیں تو جہنم میں جائیں۔ رسول پر بجز پیغام رسانی کے کوئی مطالبہ نہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں جن میں ان کے معبودوں کا کوئی بھی دخل نہیں مگر بت پرستی کر کے سب کا انکار کئے دیتے ہیں۔

[1] محاورہ میں بھیڑ دنبے کے بالوں کو پشم یا اون کہتے ہیں شاید بکری کے بالوں پر بھی کہیں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے بلکہ اونٹ کے بالوں پر بھی لیکن اونٹ کے بالوں کو جت بھی دیہات میں کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

النصف — ع ۱۲ / ۹ / ۱۸

اور (لوگو اس دن کو یاد کرو) جس دن کہ ہم ہر قوم میں سے ایک گواہ کھڑا کر دیں گے پھر نہ تو کافروں کو اجازت ملے گی اور نہ ان کا کوئی عذر قبول کیا جائے گا اور جبکہ ستمگار عذاب دیکھیں گے۔ پھر تو نہ ان پر تخفیف (عذاب) ہوگی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی اور جبکہ مشرک اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! یہی تو ہمارے وہ معبود کہ جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے پھر وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم سراسر جھوٹے ہو اور وہ اس دن اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے اور (دنیا میں) جو ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے سب گئے گزرے ہو جائیں گے جو لوگ (دنیا میں) خود بھی منکر ہوئے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کی بدمعاشی کی سزا میں ہم ان کے لیے عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔ (اس دن کو یاد کرو) کہ جس دن ہر ایک گروہ میں سے ان کے اوپر انہیں میں کا ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور (اے نبی!) آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے (اس لیے) کہ آپ پر ہم نے ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان کافی ہے اور وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

ترکیب : یوم اذکر محذوف سے منصوب۔ یُسْتَعْتَبُوْنَ لایطلب منهم العتبی ای الرجوع الی مایرضی اللہ۔ قالوا ربنا جواب ہے اذا را الذین کا۔

تفسیر : منکرین انعامِ الٰہی اور ان کے ان بیہودہ حرکات کا ذکر کر کے جو آخرت میں باز پرس کے قابل ہیں یَوْمَ نَبْعَثُ سے لے کر آخر تک روزِ حشر کی کیفیت، باز پرس اور حساب و کتاب بیان فرماتا ہے کہ ہر قوم میں سے ایک ایک گواہ بلائیں گے جو اس قومِ مشرک و کافر کے مقابلہ میں گواہی دے گا کہ ہم نے ان کے پاس توحید و احکام الٰہی پہنچائے پر انہوں نے نہ مانا (گواہی دینے والے انبیاء یا ان کے جانشین ہیں جن سے کوئی گروہ خالی نہیں) گواہی کے بعد وہ اجازت مانگیں گے کہ ہم پھر دنیا میں جائیں۔ یہ قبول نہ ہوگا عذر و معذرت کریں گے یہ بھی نہ سنا جائے گا۔ پھر مشرکین دنیا میں اللہ کے سوا جن معبودوں کو پوجتے اور ان کو حاجت روا جان کر پکارتے تھے وہاں ان کو دیکھ کر کہیں گے

کہ الٰہی ہم ان کو پوجتے تھے یعنی انہیں کا اشارہ تھا گویا اپنے اوپر سے الزام اٹھانا چاہیں گے۔ اس کے جواب میں وہ کہیں گے تم جھوٹے ہو ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ تم ہم کو حاجت روا جانو۔ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ اس سے دنیاوی باتیں مراد نہیں بلکہ دینی کیونکہ قرآن کے بعد اور کوئی کتاب نہیں آنے کی پھر اس میں بھی سب دینی مسائل نہ ہوں تو کیا ہو۔ تبیان یعنی کھول کر بیان کرنا قرآن کا سب مسائل کو حاوی ہونا[1] دو وکیلوں کے ذریعہ سے ہے اول سنت یعنی جو کچھ قرآن کے بعد مسائل تھے ان کو ان کے اصولِ مودوعہ سے جو قرآن میں ودیعت رکھی گئی ہیں رسول نے بیان کر دیا اور جو ان سے بھی بچی ان کو مجتہدین نے استنباط کر کے بیان کر دیا اور آیندہ استنباط کے اصول فقہ میں قواعد مقرر کر دیے۔ اس اعتبار سے مجتہدین بھی قرآن کا وکیل یا ترجمان ہے غیر مجتہد پر بضرورت اس کی تقلید کرنا قرآن کو ماننا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

ضرور اللہ انصاف کرنے کا اور سلوک کرنے کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو اور جن کے تم عہد باندھو تم اللہ کے (نام کے) عہد پورا کیا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑ ڈالا کرو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن بھی کر چکے ہو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے اور اس عورت جیسے نہ ہو جو اپنا سوت (مضبوط) کات کر توڑ ڈالے تاکہ تم اپنی قسموں کو آپس میں (اس لئے) حیلہ بنانے لگو (یہ سمجھ کر) کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے زبردست ہے اللہ اس میں تمہاری آزمائش کرتا ہے (کہ تم زبردست کا لحاظ کرتے ہو یا قسم کا) اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ اس کو ضرور قیامت میں ظاہر کر دے گا۔

ترکیب : انکاثا جمع نکث بمعنی المنکوث ای المنقوض شکستہ مفعول ثانی ہے کیونکہ نَقَضَتْ بمعنی صیرت اور حال بھی ہو سکتا ہے۔ غَزْلَهَا۔ تتخذون جملہ حال ہے ضمیر تکونوا سے ان تکون ای مخافۃ ان تکون۔ امۃ اسم کان ھی اربی جملہ خبر کان۔

تفسیر : روزِ حشر کی کیفیت کے بعد وہ باتیں ذکر فرماتا ہے کہ جن پر عمل کرنے سے محشر میں کامیابی ہو۔ ان اللہ الخ اس آیت میں انسان

[1] کیونکہ اگر یہ تسلیم نہ کئے جائیں تو دعویٰ تبیان لکل شیءٍ صحیح نہ ہو کس لیے کہ بہت سے مسائل نصوص قرآنیہ میں نہیں ہاں احادیث میں ہیں۔ اسی طرح بہت سے احادیث میں بھی نہیں وہ استنباطِ قرآن و احادیث سے ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس مقام پر بیضاوی وغیرہ کہتے ہیں من امور الدین علی التفصیل الاجمال بالا حالۃ الی السنۃ او القیاس انتہی۔ ۱۲ منہ

کے مکارمِ اخلاق وتدبیرِ منزل سیاستِ مدن کے سب مسائل آ گئے جن کی تفصیل کو ایک دفتر درکار ہے انسان کے یا تو وہ معاملات ہیں جو خدا تعالیٰ سے متعلق ہیں عقائدِ صحیحہ واعمالِ صالحہ یا وہ ہیں جو باہم آپس میں ایک دوسرے کے متعلق ہیں بیع شراء سیاستِ ملک والدین واولاد اقارب کے ساتھ برتاؤ۔ ان دونوں قسموں کے پھر صدہا اقسام ہیں پس ان سب کو برابر اور پورا پورا ادا کرنا عدل ہے۔ یہ عبادات معاملات سب میں ہے یہ حکم سب پر فرض ہے۔ اس کے بعد اس پر ایک عمدگی کا رتبہ ہے جس کو احسان کہتے ہیں۔ عبادات میں احسان کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تعبد الله کانك تراہ (الحدیث رواہ البخاری) کہ اللہ کی عبادت کرنے میں یہ خیال کر کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اگر یہ نہ ہو تو یوں خیال کر کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور معاملات میں احسان اپنے حقوق اور انتقام سے درگزر کرنا غیر کو اس کے استحقاق سے زیادہ نفع پہنچانا جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو تجھے گالی دے تو اس کو دعا دے جو تجھ سے توڑے تو اس سے رشتۂ محبت جوڑ چونکہ اس احسان میں زیادہ تر منظور نظر اہلِ قرابت ہیں ان سے سلوک کرنے کی بھی تیسری مرتبہ میں تصریح فرمائی اسی طرح ان تینوں باتوں کے مقابلوں میں تین چیزوں سے منع کیا۔ اول فحش سے خواہ وہ زبان سے ہو گالی دینا، بے شرمی کی باتیں کرنا یا افعال سے جیسا کہ زنا لواطت وغیرہا یہ قوتِ شہوانیہ کا اثر ہے۔ پھر منکر سے یعنی ناپسند باتوں سے جو قوتِ غضبیہ کا اثر ہے۔ پھر بغی سرکشی سے جو قوتِ وہمانیہ کا اثر ہے اور یہی تین قوتیں انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہیں۔ یہ ایسی جامع آیت ہے کہ کوئی بات اس میں رہ نہیں گئی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وغیرہ بہت سے لوگ اس آیت کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد قسم اور عہد کی پابندی کی تاکید فرماتا ہے جس پر تمام دینی ودنیاوی کاموں کا دارومدار ہے اور فرماتا ہے کہ قسم کھا کر نہ توڑو جس طرح کوئی بیوقوف عورت سوت کات کر توڑ ڈالے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش میں ایک ایسی عورت تھی۔ بعض کہتے ہیں محض تمثیل مقصود ہے کسی خاص عورت کی طرف اشارہ نہیں۔ جاہلیت میں ایک قوم سے ہم قسم ہونے کے بعد جب ان کے مقابلہ میں دوسری زیادہ قوم کو دیکھتے تھے تو قسم توڑ کر ان کے ساتھ ہو جاتے تھے اس سے بھی منع کرتا ہے کہ یہ آزمائش کا مقام ہے۔ عہد سے ہر عہد عموماً مراد ہے مگر اس میں بالخصوص اس عہدِ الست اور اس کے بعد عہد یعنی بیعت کی طرف بھی ایماء ہے جو مسلمانوں نے رسولِ کریم سے بوقتِ قبولِ اسلام باندھا تھا کہ جو کچھ ہو اس پر ثابت رہنا اور اس کے مقابلہ میں جو کفار اسلام سے پھیر لانے میں شبہات وشکوک پیش کریں ان کی طرف التفات نہ کرنا کیونکہ وہ سب ملمع کاری ہے جس کو اللہ قیامت میں تختِ عدالت کے سامنے کھول دے گا۔ ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو احکامِ مفیدہ کے بعد بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور البتہ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے اور نہ تم اپنی قسموں کو آپس کے فساد کا سبب بناؤ کہ جس کے پیچھے قدم اکھڑ جائیں! ور تم کو اللہ کے رستے سے روکنے کا مزہ چکھنا پڑے اور تمہارے لیے بڑی سزا بھی ہو اور نہ اللہ کے (نام کے) عہد کو تھوڑے سے داموں پر بیچو جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو تمام ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہتا ہے اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اچھے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے جو کچھ نیک کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو دنیا میں بھی اس کی زندگی اچھی بسر کرائیں گے[1] اور آخرت میں بھی ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ دیں گے۔

ترکیب : فتزل جواب ہے نہی لاتتخذوا کا وتذوقوا جواب پر معطوف انما متصل لکھا جاتا ہے ورنہ یہ ان اور ما موصولہ ہے۔ ھو ضمیر اس کی طرف راجع من ذکر الخ من کا بیان ہے۔ وھو مؤمن جملہ حال ہے من سے فَلَنُحْيِيَنَّهٗ جواب ہے مَنْ عَمِلَ کا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اس پر معطوف۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جس چیز میں تم اختلاف کر رہے ہو (کہ بعض تم میں سے اپنے طریقے کو اچھا اور بعض اس کو برا کہتے ہیں) اس سے سوال ہوگا اس پر ناظرین کو تسلی دیتا ہے کہ یہ اختلاف بھی قضاء وقدر سے ہے ورنہ خدا چاہتا تو سب کو امۃ واحدۃ یعنی متفق العقائد و المذہب کر دیتا مگر یہ ہدایت و گمراہی اس کے ہاتھ میں ہے پھر اس پر اس سے کون سوال کر سکتا ہے کہ تو نے یوں کیوں کیا بلکہ تم سب سے سوال ہوگا کہ تم کیا کیا کرتے تھے؟ موت کے بعد ہی اس سوال وحساب کا وقت آ جاتا ہے ولا تتخذوا الخ یہاں سے پھر اسی قسم وعہد پر قائم رہنے کی تو کید وتہدید فرماتا ہے۔ دستور تھا اور اب بھی ہے کہ قسم کھا کر دوسرے کو فریب دیتے تھے اس سے منع کرتا ہے اور نیز نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے بعض قبائلِ عرب ایسا کیا کرتے تھے۔ فرماتا ہے کہ اگر قسم توڑ کر بدعہدی کرو گے اور قدم جما کر پھسلاؤ گے تو دنیا ہی میں برا مزہ چکھو گے اور آخرت میں بھی عذاب الیم پاؤ گے۔ ولا تشتروا الخ عہدِ الٰہی دین اور خدا کے رسول کی فرمانبرداری کا اقرار ہے جو ازل میں ہر ایک نے کیا تھا اور نیز دنیا میں بھی زبان سے لوگ حضرت ﷺ سے عہد کرتے تھے اور خدا کے نام پاک کی قسم کھا کر اقرار کرنا یہ بھی عہدِ الٰہی ہے پھر اس عہد کو بیشتر لوگ دنیاوی طمع میں آ کر یا اس پر قائم رہنے میں مال کا نقصان جان کر توڑ ڈالتے ہیں اس کو تھوڑے سے داموں پر فروخت کرنا فرمایا اور اس سے منع کیا اور پھر دنیا کی بے ثباتی بیان کی کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ٹھہر جاتا ہے اس کو فنا ہے خود تم کو ہی فنا ہے

[1] حیاتِ طیبہ کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں ابن عباس و سعید بن جبیر و ضحاک و عطا کہتے ہیں دنیا میں رزقِ حلال نصیب ہونا آخرت میں اعمالِ صالحہ کی عمدہ جزا پانا حیاتِ طیبہ ہے حسن بصری و وہب بن منبہ کہتے ہیں قناعت سے بسر کرنا حیاتِ طیبہ ہے انسان کے لیے لاکھ دولت ہو جب قناعت نہیں دل کی بے چینی جو طلبِ جاہ و مال میں رہتی ہے کسی نعمت کا مزہ نصیب نہیں ہونے دیتی۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کی اطاعت میں عمر بسر کرنا حیاتِ طیبہ ہے ابوبکر وراق فرماتے ہیں خدا کی اطاعت میں نصرت پانا حیاتِ طیبہ ہے۔ سہل تستری فرماتے ہیں اپنی جملہ تدابیر کو خدا کے حوالے کر کے راحت سے گزارنا حیات طیبہ ہے۔ فقیر کہتا ہے دنیا میں عافیت سے نیک نامی کے ساتھ جینا اور رضائے الٰہی اور ثوابِ آخرت کما کر ساتھ لے جانا اور بعد میں ذکرِ خیر اور حسناتِ باقیہ چھوڑ جانا حیاتِ طیبہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار اور دشمنوں سے مامون رہنا' عزت و شوکت سے بسر کرنا' ان کا محکوم رہ کر نہ جینا حیاتِ طیبہ ہے اور صحابہ چونکہ ابتدائے اسلام میں بڑی سخت حالت میں تھے اسی کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس کو اس نے بہت جلد پورا کیا وہ گدا اور مساکین اس عہد پر قائم رہنے کے سبب بہت جلد سرسبز سلطنتوں کے فرمانروا اور شاہانِ عادل ہو گئے یہاں تک کہ عرب کی قومی محبت دنیا کی نگاہوں میں ثابت ہوئی۔ ۱۲ منہ

اور خدا کے ہاں جو کچھ اجر آخرت ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جو اس امر میں تکالیف و خسارت مال کی برداشت کرے گا عہدِ الٰہی پر قائم رہے گا خدا اس کے اچھے عملوں کا اچھا بدلہ دے گا۔

من عمل الخ سے عام بندوں کو بشرطیکہ وہ مومن ہوں اطلاع دینا ہے کہ نیکوں کو دنیا میں بھی خوش رکھیں گے اور آخرت میں بھی اجر نیک دیں گے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

پھر (اے نبی!) جب آپ قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ اس کا ان پر کچھ بھی قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا قابو تو انہیں پر چلتا ہے کہ اس کو دوست بنائے رکھتے ہیں اور خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے ہیں۔

ترکیب : فاذا قرأت ای اردت قرأتہ شرط فاستعذ جواب۔ سلطانہ ای الشیطان مبتدا علی الذین خبر یتولونہ ای الشیطان والذین معطوف ہے الذین پر مجرور ہے علی کا بہ ای اللہ ای سلطان الشیطان علی الذین یشرکون باللہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا من عمل صالحا الخ اور نیک کاموں میں قرآن مجید کا پڑھنا ایک اعلیٰ درجہ کا کام ہے اور انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو اس کی قوتِ ملکیہ کو غلبہ اور بہیمیہ کو (جو شیطانِ ابلیس یا اس کی ذریت کا مرکب ہے) کمزوری حاصل ہوتی ہے تب شیطان اس کی اعانت کے لیے اس فعل میں تشویشات ڈالتا ہے اس لیے اس کے دفیعہ کے لیے خدا تعالیٰ سے پناہ لینی چاہیے۔ منجملہ تشویشاتِ شیطانیہ کے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو اس کے نیک کام پر غرور و خود بینی کی طرف ابھارتا ہے اس لیے فرمایا فاذا قرأت القرآن الخ آیت میں گو خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد سب لوگ ہیں۔ کس لیے کہ جب ایسے بڑے جلیل القدر انبیاء کو پناہ مانگنے کا حکم ہوا تو اوروں کو بدرجۂ اولیٰ حکم ہے اور اسی طرح جب قرأتِ قرآن کے وقت استعاذہ[1] کا حکم ہے حالانکہ قرآن کی حفاظت کا بارگاہِ الٰہی نے ذمہ بھی لے لیا ہے بقولہ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ وبقولہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تو اور کاموں میں بھی استعاذہ بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔

جمہور کے نزدیک یہ حکم ندب کے لیے ہے خواہ قرآن نماز میں پڑھا جائے یا نماز سے باہر تو اول میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا مندوب یعنی بہتر اور عمدہ بات ہے مگر عطاء ظاہر الفاظ پر خیال کر کے اس حکم کو وجوب پر محمول کرتے ہیں یعنی استعاذہ واجب ہے خصوصاً جبکہ قرآن نماز میں پڑھا جائے۔ شافعیہ کہتے ہیں چونکہ نماز کی ہر رکعت میں قرآن کا پڑھنا ایک مستقل پڑھائی ہے اس لیے ہر رکعت میں جبکہ قرآن پڑھا جائے اعوذ کہنا چاہیے مگر حنفیہ وغیرہم فرماتے ہیں کہ سب رکعات کا حکم ایک ہے۔ متعدد قرأت نہیں بلکہ یہ ایک ہی قرأت ہے سلام پھیرنے تک اس لیے ایک بار اعوذ کہنا اول میں کافی ہے فاستعذ کی ف تعقیب کے لیے ہے اس لیے ظاہری معنی پر خیال کر کے اہلِ علم کی ایک جماعت جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں یہ کہتے ہے کہ قرأت کے بعد اعوذ کہنی چاہیے تاکہ جو اس کو اس

---

[1] اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا۔

نیک کام سے عجب پیدا ہو دور ہو جائے مگر جمہور اس کے برخلاف ہیں کیونکہ محاورہ کے موافق افعال سے مراد ان افعال کا ارادہ کرنا ہوتا ہے جیسا کہ آیا ہے اذا اکلتَ فقل بسم اللّٰہ واذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم جس سے یہ مراد نہیں کہ جب کھا چکو تب بسم اللہ کہو بلکہ جب کھانے کا قصد کرو پہلے بسم اللہ کہو اسی طرح یہاں حکم ہے اور اسی کو عقل چاہتی ہے۔ اس حکم سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی انسانی کاموں میں قدرتِ تصرف ہے نیک و بدسب پر اس کا زور چلتا ہے اس شبہ کو اس قول سے دفع کر دیا انہ لیس لہ سلطان الخ کہ ایمانداروں اور خدا پر بھروسہ کرنے والوں پر اس کا کچھ بھی زور نہیں چلتا کبھی بشریت سے جو وسوسہ پیدا ہوتا ہے دفع ہو جاتا ہے اور اس پر جمتے نہیں اور جو گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے اس کے وسوسہ سے تو اس کے بعد وہ توبہ واستغفار کر کے اس کو دھوڈالتے ہیں۔ ہاں اس کا زور تو انہیں پر چلتا ہے جو اس کو دوست بنائے رکھتے ہیں یعنی قوتِ بہیمیہ اور لذائذ شہوانیہ میں گرفتار ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں حالانکہ جو کچھ وہ نازل کرتا ہے (اس کی مصلحتوں کو) اللہ ہی خوب جانتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو از خود گھڑ لیتا ہے (نہیں نہیں) بلکہ اکثر ان میں سے جانتے ہی نہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اس کو تو روح القدس میرے رب کے پاس سے سچائی کے ساتھ لے کر آئے ہیں تا کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کو ثابت (قدم) رکھے اور فرمانبرداروں کے حق میں ہدایت اور خوشخبری ہو اور (اے نبی!) ہم کو خوب معلوم ہے جو منکر کہتے ہیں کہ اس کو کوئی آدمی سکھایا کرتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو فصیح عربی ہے بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ بھی ان کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جھوٹ تو وہی بنایا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور (دراصل) وہی جھوٹے ہیں۔

ترکیب : اذا شرطیہ واللہ اعلم بماینزل جملہ معترضہ شرط اور جزا ہیں۔ قالوا جملہ جواب شرط، مفتر صیغہ اسم فاعل افتریٰ یفتری سے ی گر گئی مفتری تھا وھدیً و بشریٰ دونوں محلِ نصب میں ہیں مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ان کا لیثبت پر عطف ہے تقدیرہ لان یثبت۔ اعجمی لسان الذی کی خبر۔ لایھدیھم خبر ہے ان کی الذین یفتری کا فاعل۔ افترا کسی پر جھوٹ سے کوئی بات بنانا۔ العجمة الاخفاء وھی ضد البیان والعرب یقال رجل اعجمی وامراءۃ عجمیۃ ورجل اعجم وامرۃ عجماء ای لایفصحان۔ وقیل العجمی منسوب الی العجم والاعجمی من لایفصح سواء کان من العرب او العجم وقیل الاعجمی من لایفصح والاعجم الذی من العجم وقال الراغب الاصفہانی بالعکس یعنی الاعجمی الذی من العجم والاعجم من

في لسانه عجمة وان كان من العرب۔

تفسیر : اس مقام سے منکرینِ نبوت کے شبہات کا جواب شروع ہوتا ہے۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ایک آیت میں کوئی سخت حکم نازل ہوتا اور اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل ہوتی جس میں حکم نرم ہوتا تھا تو قریش کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمسخر کرتا ہے از خود جو چاہتا ہے بنا کر سنا دیتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) یعنی ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلنے سے مراد احکامِ آیات میں نسخ واقع ہونا ہے جس پر کفارِ قریش کو اعتراض تھا واللہ اعلم بما ینزل جملہ معترضہ ہے کہ انہیں کیا خبر ہے۔ حقیقتِ قرآن و مصالحِ نسخ اللہ ہی جانتا ہے پھر اس کا جواب دیتا ہے کہ کہہ دو میں از خود نہیں بنالاتا بلکہ جبرئیل خدا کے ہاں سے لے کر نازل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم نسخ کی حقیقت سے جاہل ہو (نسخ کی پوری بحث مقدمۂ تفسیر میں ہو چکی)۔ (۲) ولقد نعلم یہ ایک اور بیہودہ شبہ کا جواب ہے جو کفارِ قریش کرتے تھے مکہ میں بعض غلام فارسی یا رومی بھی تھے جن کو صاف طور پر سے عربی میں بات بھی کرنی نہیں آتی تھی چونکہ وہ عیسائی یا فارسی مذہب سے کسی قدر سن سنا کر واقفیت رکھتے تھے مکہ کے جاہلوں میں وہی لائق اور عالم سمجھے جاتے تھے جیسا کہ دیہات میں ادنیٰ ملا کو بڑا مولوی سمجھ لیتے ہیں۔ قریش کو جب کوئی اور بات عیب کی معلوم نہ ہوئی تو یہی کہہ دیا کہ اس کو روح القدس نہیں بلکہ کوئی بشر یعنی وہی غلام تعلیم کرتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس کو تو عربی میں صاف طور پر بات بھی کرنی نہیں آتی، عجمی ہے اور قرآن فصیح عربی میں ہے یعنی اس کو خود کیا لیاقت ہے جو وہ اور کو ایسے مضامینِ الہامیہ تعلیم کرے گا اور پھر ان کو اس پاکیزہ عربی زبان میں بھی اس فصاحت سے لائے گا کہ جس کا مثل مکہ کے تمام فصحا سے نہ ہو سکا۔

فائدہ: الحاد میل لحد اوداماال عن القصد اور لحد جو قبر میں ایک طرف یعنی مائل وسط سے ہوتی ہے اس لیے اس کو لحد کہتے ہیں۔ ملحد دین سے مائل یعنی برطرف ہوتا ہے اس لیے اس کو ملحد اور اس کے فعل کو الحاد کہتے ہیں۔ ع، ج، م، کا مادہ کلام عرب میں ابہام اور اخفا کے لیے موضوع ہے جس کے بیان میں صفائی نہ ہو اس کو اعجمی کہتے ہیں اور اسی لیے چارپائے کو عجماء اور عرب کے سوا اور ملکوں کے رہنے والوں کو اعجام کہتے ہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

جو کوئی ایمان لائے پیچھے اللہ کا منکر ہو جائے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر برقرار رہا ہو (تو خیر) لیکن وہ جو دل کھول کر منکر ہو گا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا سخت عذاب ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کے جینے کو آخرت سے عزیز سمجھا اور نیز اس لیے کہ اللہ (ایسے) کافر قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی اور وہی غافل بھی ہیں ضرور وہی لوگ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے۔

ترکیب : من کفر بدل ہے الکاذبون سے یا اولئك سے یا الذین لایؤمنون سے اور ممکن ہے کہ مبتدا ہو فعلیھم اس کی خبر۔ الامن استثناءِ مقدم فعلیھم بعض کہتے ہیں مقدم (نہیں بلکہ لبید کے اس شعر) کی طرح ہے۔ الاکل شیء ماخلا اللہ باطل۔ من شرطیہ جواب اس کا محذوف جس پر فعلیھم دال ہے۔ یہ استثناءِ متصل ہے۔

تفسیر : یہاں سے پھر اسی عہد پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقتِ اسلام باندھا جاتا تھا اس لیے اور بھی زیادہ تر قائم رہنے کی تاکید وتہدید ہے کہ جہلاءِ مکہ طرح طرح کے شبہات سے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتے تھے اس پر مار پیٹ بھی غریب ایمانداروں سے کیا کرتے تھے کہ جو کوئی اس عہد کو توڑ کر کافر ہوگا تو اس کو سخت سزا ہے مگر ان میں سے ان مسکینوں کو مستثنیٰ کرتا ہے کہ جن کے دل میں ایمان تھا مار کے ڈر سے کلمات کو منہ سے نکال دیتے کیونکہ مکہ میں کفارِ قریش غرباءِ اہلِ اسلام پر بہت کچھ ظلم وستم کیا کرتے تھے اور ان کو مجبور کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف باتیں کہلواتے تھے بعض مرنا اور مار کھانا گوارا کرتے مگر ایسی باتیں منہ سے نہ نکالتے تھے اور بعض نکال دیتے تھے اور دل سے ویسے ہی مطیعِ اسلام رہتے مگر اس پر بھی ان کو بڑی پشیمانی ہوتی تھی اور مکہ کے کفار بھی کچھ عجب نہیں کہ ان پر جھوٹ بولنے کا طعن کرتے ہوں جیسا کہ آج کل کے متعصبین بھی کہا کرتے ہیں کہ اسلام نے جھوٹ کی اجازت دی۔ اس لیے کذب کی برائی کے بعد اس مسئلہ کا بھی ذکر فرمادیا اور اس میں ایمان لاکر کافر ہونے کی سزا بھی بیان ہوگئی۔ من کفر باللہ الخ یعنی جھوٹے وہی ہیں جو ایمان لاکر کافر ہوتے ہیں یا یوں کہو جو ایمان لاکر بغیر کسی کی زبردستی کے خود بخود کفر کرے گا تو اس پر اللہ کا غضب دنیا اور آخرت میں ہوگا اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَقَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ مگر وہ مستثنیٰ ہے کہ اس کو کسی نے مجبور کردیا ہو یا فی الحقیقت اس کے دل میں ایمان راسخ ہو اور وہ جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر زبان سے کہہ دے تو معاف ہے۔ منقول ہے کہ مکہ میں بہت سے مسلمانوں کو سخت ایذائیں دی گئیں، بعض تو دراصل دین سے پھر گئے اور بعض نے ہر تکلیف گوارا کی مگر زبان سے بھی کلمۂ کفر نہ نکالا جیسا کہ بلال وخباب وسالم ویاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہم۔ ان کو مار مار کر تھک گئے۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کی پیشاب گاہ میں ابوجہل نے نیزہ گھسیڑ دیا وہ مرگئیں، اسی طرح اس کا خاوند یاسر بھی شہید ہوا اور ان کا بیٹا عمار ظاہر میں کلمۂ کفر کہہ بیٹھا، لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عمار مرتد ہوگیا فرمایا ہرگز نہیں اس کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ عمار روتے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھ کر فرمایا کچھ غم نہ کر۔ الغرض ایسی حالت اکراہ[1] میں زبان سے کلمہ کفر کہنے کی شرع نے اجازت دی ہے مگر صبر کرنے پر ثواب ہے۔ اکراہ کسی کو قتل یا کسی عضو کاٹنے کی دھمکی دی جائے اور اس کو یقین ہو جائے تو ایسی حالت میں بظاہر ایسے قول یا فعل کی رخصت ہے مگر نہ کرنا افضل ہے ذلك الخ سے کفر اختیار کرنے کی وجہ ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے زندگیِ دنیا کو آخرت سے بہتر سمجھا یہ ازلی گمراہ ہیں آخرت میں جلیں گے خسارہ میں رہیں گے ایسے لوگوں کو ہدایتِ ازلی سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ اس بات کو دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر کرنے سے بطور استعارہ کے ذکر کیا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰهَدُوۡا وَصَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ

[1] ہاں تلف کرنے یا قید کرنے کی دھمکی اکراہ شرعی نہیں ایسی حالت میں خلاف اسلام حرکات کرنا قابل مؤاخذہ ہے کیونکہ ایسا بودا اور پلپلا اسلام بھی کوئی چیز نہیں جو ذرا بھی تکلیف کی سہار نہ ہو اور ذرا سے خوف سے نشہ اتر جائے۔ پختہ کاری ہی تو ایک چیز ہے آفرین صحابہ کی پختہ کاری پر اسلام کے لیے گھر بار چھوڑا زن وفرزند مال وجائیداد چھوڑنی پڑی، ماریں کھائیں، زخم اٹھائے، فاقے سہے، اس پر بھی اپنے ہادیِ برحق کا ہاتھ نہ چھوڑا ہر معرکہ پر سینہ سپر ہو کر مال وجان فدا کرنے میں کوئی بھی دقیقہ نہ اٹھا رکھا برخلاف حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کے لوگوں کے یہ بھی ایک اعجازِ محمدی تھا۔

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا[1] مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

پھر آپ کا رب ان کے لیے کہ جنہوں نے مصیبت میں پڑنے کے پیچھے بھی گھر بار چھوڑ دیا پھر جہاد کیا اور مصائب کی برداشت کی بے شک آپ کا رب ان کی مساعیِ جمیلہ کے بعد غفور رحیم ہے۔ جس دن کہ ہر شخص اپنے ہی لیے جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اللہ ایک ایسے گاؤں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ جو امن چین سے تھا (اور) اس کی روزی بھی بافراغت ہر جگہ سے چلی آتی تھی پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی پھر تو اللہ نے ان کے ان برے کاموں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اس بات کا مزہ بھی چکھادیا کہ بھوک اور خوف کا ان کا اوڑھنا پہنا دیا اور البتہ ان کے پاس انہیں میں کا رسول بھی آیا مگر انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تب تو ان کو ظلم کرتے ہوئے عذاب نے آ پکڑا۔

ترکیب : ان ربك کی خبر لغفور رحیم اور ان دوسرا اور اس کا اسم تاکیداً مکرر آیا اور ممکن ہے کہ ان اولی کی خبر محذوف ہو کیونکہ ان ثانیہ کی خبر اس پر دال ہے فتنوا مجہول کا صیغہ یعنی لوگوں نے ان کو فتنہ میں ڈالا مار پیٹ کر کلمۂ کفر منہ سے نکلوایا۔ صیغہ معروف بھی آیا ہے یعنی انہوں نے ایسا کیا تھا اوروں کے ساتھ۔

تفسیر : عہدِ الٰہی توڑنے والوں کی سزا اور انجامِ کار بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہے کفار کی ایذاؤں کو برداشت کیا آخر الامر حضرت ﷺ کے ساتھ جا ملے اور وہاں بھی جا کر جان توڑ اسلام میں کوششیں کیں اور اطمینان دلایا کہ جو کچھ قصور ادائے اطاعت میں ان سے اس حالت مصیبت میں ہوگیا ہے خدا غفور رحیم ہے اور اگر فتنوا معروف پڑھا جائے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ عہد شکنوں میں سے یا کفار میں سے کہ جنہوں نے غریب مسلمانوں کے ساتھ طرح طرح کی بدسلوکیاں کر کے ان کو فتنہ میں ڈال دیا تھا توبہ واستغفار کر کے اسلام میں مساعیِ جمیلہ کرنے اور مصائب پر ثابت قدم رہنے پر مغفرت اور رحم کا مژدہ دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ ابوجہل کے رضاعی بھائی اور ابوجندل بن سہیل اور ولید بن المغیرہ وسلمہ بن ہشام وعبداللہ بن ابی اسید ثقفی رضی اللہ عنہم کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکین نے ان کو فتنہ میں ڈال کر شر پر برانگیختہ کیا تھا لیکن پھر یہ لوگ ہجرت کر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں آئے اور جہاد کرتے رہے، ان کے گناہ معاف ہوگئے۔ (معالم) ابن عامر فتنوا کو بفتح الفاء والتاء پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ آیت ان مشرکین مکہ کے لیے ہے کہ جنہوں نے مسلمانوں کو فتنہ یعنی مصیبت میں مبتلا کیا تھا لیکن پھر وہ مسلمان ہوگئے ہجرت کر کے جہاد میں شریک ہوئے جیسا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔ الغرض یہ آیت توبہ کرنے والوں کے لیے مژدہ ہے اس کے بعد اس

---

[1] رغدا بالتحریک ای واسقتہ طیبۃ۔

ہولناک دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ یوم تاتی الخ جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ اس دن جو کسی کے لیے مغفرت اور رحمتِ الٰہی ظہور کرے تو کیسی بڑی چیز ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آج جو قبیلہ کی حمایت اور اپنے معبودوں کی عبادت کے بھروسہ پر کچھ نافرمانی اور بدکاری کر رہے ہیں اس دن ان میں سے کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا۔ تُجَادِلُ تخاصم و تحج اپنے ہی لیے برأت کی حجتیں پیش کرے گا۔ ضَرَبَ اللّٰہُ یہاں سے مکہ کے بدمست مشرکوں کو جو کعبہ کے طفیل امن سے تھے اور ہر طرف سے ان کے لیے رزق آتا تھا ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے جو ہر ایک ایسی صفت کی بستی پر صادق آتی ہے جہاں کے لوگ خدا کی نعمت کی ناشکری کریں اور جو رسول سمجھانے آئے تو اسے بھی نہ مانیں اسی بدکاری کی حالت میں عذابِ الٰہی آپڑے۔ نعمتوں کے بدلے بھوک اور پیاس اور امن کے بدلے خوف و ہراس ان پر ایسا طاری ہو کہ لباس کی طرح ہر طرف سے گھیر لے۔ پھر بتاؤ ان کا کیا حال ہوگا مکہ کے مشرکوں کی امن اور نعمت پا کر رسول کی تکذیب و مقابلہ کرنے میں وہی حالت تھی اب صرف ان پر عذابِ الٰہی آنے کی دیر تھی جو بعد میں آیا۔ بدر میں بڑے بڑے سردار مارے گئے، گھر گھر ماتم چھا گیا ادھر سات برس کا سخت قحط پڑا کہ مردار اور ہڈیوں اور کتوں کے کھانے کی نوبت آ گئی اور امن بھی جاتا رہا[1]، ہر دم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چڑھائی کا دغدغہ رہنے لگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قریہ سے مراد خاص مکہ ہے اور انہیں کی حالتِ موجودہ سے آیندہ کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صفتِ ماضیہ کا امم ماضیہ میں کوئی شہر تھا جن پر ان کی ناشکری کے سبب ایسی مصیبت بھوک اور خوف کی پیش آئی تھی مگر مثل میں جو قریہ ہے وہ سب کو شامل ہے۔ تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں لباس الجوع یہ استعارہ ہے کہ لباس کو جو انسان کو ہر طرف سے ڈھانک لیتا ہے انسان کی اس مصیبت ناک حالت کے لیے استعارہ کیا ہے جو اس پر لباس کی طرح چھا جائے یہاں دو چیزیں ہیں ایک مستعار یعنی لباس دوسری مستعار لہ انسانی زبوں حالت بھوک ہراس۔ اس لیے ادراک کے لیے لفظ ذوق استعمال ہوا جو ایسی حالتوں کے ادراک میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ استعارہ مجردہ ہے جیسا کہ اس شعر میں ؎

غمر الرداء اذا تبسم ضاحکا غلقت لضحکتہ رقاب المال

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

پھر تم کو اللہ نے جو کچھ حلال طیب روزی دی ہے اس میں سے کھاؤ (اور پیو) اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی پرستش کرتے ہو تم پر حرام تو صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت کیا ہے اور وہ چیز بھی جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام سے پکاری گئی ہو پھر جو بھوک کے مارے بے تاب ہی ہو جائے تو نہ وہ باغی ہو نہ عادی ہو ایسی حالت میں اگر ان چیزوں کو بھی کھالے گا تو خدا غفور رحیم ہے اور جھوٹ موٹ جو تمہاری زبان پر آوے نہ بک دیا کرو کہ یہ چیز حلال اور یہ حرام ہے کہ خدا پر (الٹے) بہتان

[1] اس آیت کا نزول اگر اس قحط کے بعد کا مان لیا جائے تو یہ ربط نہایت مناسب ہے۔

باندھنے لگو کیونکہ جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا تو تھوڑا سا اسباب ہے اور (آخر تو) ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔

ترکیب : وما اهل به ای رفع الصوت لغیر الله یہ والا ہلال رفع الصوت عند رؤیۃ الہلال وبکاء الصبی والتلبیۃ۔ غیر باغ منصوب علی الحلال من فاعل اضطر۔ الکذب بفتح الکاف والباء وکسر الذال۔ یہ منصوب ہے تصف کی وجہ سے وما مصدر یہ اور ممکن ہے کہ بمعنی الذی ہو اور عائد محذوف اور الکذب اس سے بدل اور بضم الکاف والذال وفتح الباء بھی آیا ہے یہ جمع ہے کذاب مخفف کی جیسا کہ کتاب وکتب اور بضم باء السنۃ کی صفت ہوگا۔

تفسیر : کفار کا کفران نعمت اور اس پر زوالِ نعمت اور نزولِ عذاب بیان فرما کر مسلمانوں کو اپنی نعمتوں کے کھانے کی اجازت دیتا ہے کہ تم ہماری نعمتوں کو شوق سے کھاؤ پیو مگر شکر کرو کیونکہ نزولِ عذاب نعمتوں کے کھانے سے نہیں بلکہ کھا کر ناشکری کرنے پر وابستہ ہے لیکن نعمتوں کے کھانے میں شتر بے مہار نہ ہو جاؤ بلکہ فلاں فلاں چیزیں جو مضر ہیں ان کو حتی المقدور نہ کھاؤ اس کے بعد ممنوع اشیاء کا حال بیان فرماتا ہے اس کے بعد جو پہلے انبیاء کی معرفت اشیاء ممنوع کی گئی تھیں ان کا اس لیے ذکر فرماتا ہے کہ یہ قیدِ ممانعت کوئی بات مسلمانوں کے لیے نہیں اور کبھی بعض اشیاء کسی جرم کی سزا میں بھی حرام کر دی گئی ہیں جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا بعض مفسرین کہتے ہیں کُلُوْا کا خطاب ان کفار کی طرف جن جو ناشکری میں سزا ہوئی تھی بارِ دیگر ان کو ہر قسم کی روزی عطا کر کے فرماتا ہے۔ کلوا مما رزقکم الله کہ لو خدا کی دی ہوئی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ حلالاً طیباً سے مجملاً ناپاک اور حرام چیزوں کے کھانے کی ممانعت سمجھی جاتی تھی مگر اس کی تصریح بھی کر دی۔ انما حرم علیکم الخ کہ مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جو غیر اللہ کے نام سے پکاری جائے یا وقتِ ذبح غیر کا نام اس پر لیا جائے پھر یہ چیزیں بھی بحالتِ اضطرار درست ہیں۔ انما حصر کا کلمہ ہے خدا نے حرام چیزوں کا انحصار ماکولات[1] میں سے انہیں چار چیزوں پر کیا ہے یہاں بھی اور سورۂ انعام میں بھی بقولہ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ اور یہ دونوں سورتیں مکیہ ہیں پھر سورہ بقرہ میں بھی انہیں الفاظ کے ساتھ حصر ہے اور سورۂ مائدہ میں اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ سے اور مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ المیتة والدم ولحم الخنزیر وا ما اهل به لغیر الله میں کھول دیا اور یہ دونوں سورتیں مدنیہ ہیں۔ پس نطیحہ اور متردیہ وغیرہا حرام چیزیں انہیں میں داخل ہیں جیسا کہ ہم ان کے مواقع پر بیان کر آئے ہیں۔ انما حرم سے افراط سے منع کیا تھا کہ شتر بے مہار نہ ہو جاؤ ناپاک اور گندی چیزیں نہ کھاؤ اسی طرح و لا تقولوا سے تفریط سے منع کیا کہ حلال چیزوں کو بھی حرام نہ کرو یہ افراط وتفریط ناشکری ہے ایسی ناشکری پر بلا نازل ہوتی ہے۔ ناشکری[2] کر کے جو اس کی نعمتوں سے مزا اٹھاتے ہیں ادھر منعم سے غافل وسرکش رہتے ہیں ایسے نفس پروروں کے لیے خاتمہ آیت میں یہ بھی کہہ دیا کہ متاع قلیل یہ دنیا کے مزے چند روزہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم اور حقیر ہیں ان کو برت لو آخر مرنے کے بعد تو ایسے ناشکروں اور منکروں کے لیے عذابِ الیم بڑی دکھ دینے والی سزا ہے ان الوانِ نعمت کے بدلہ زقوم ہے اور ان عمدہ کپڑوں کے بدلہ رال اور گندھک کا لباس ہے۔

---

۱ خمر ماکولات میں سے نہیں بلکہ مشروبات میں سے ہے اس کا حرام ہونا اس حصر کو منافی نہیں۔

۲ کفرانِ نعمت کئی طور پر سے ہے ایک یہ کہ افراط کرے یعنی شتر بے مہار ہو کر حلال حرام طیب غیر طیب کی کچھ بھی پروا نہ کرے شراب مردار یعنی غیر مذبوح خون اور بتوں کے یا غیر معبودوں کے چڑھاوے نذر و نیاز جو بسبب نجاستِ ظاہری وباطنی کے خدا نے منع کر دیے تھے بے دھڑک کھانے پینے لگے۔ دوم یہ کہ خدا کی نعمتوں کو حمقاء کے کہنے سے اپنے اوپر حرام کر لے، حلال چیزوں کو حرام بنا لے جیسا کہ مشرکین کی عبادت ہے یہ تفریط ہے۔ سوم یہ کہ ان نعمتوں پر منعمِ حقیقی کا شکر نہ کرے نہ اس پر ایمان لائے نہ اس کی عادت کرے نہ اوامر ونواہی کا پابند ہو یا ان کو بتوں اور غیر معبودوں کی عطا ومہربانی سمجھے، سب صورتوں میں بعد مرنے کے عذابِ الیم ہے اور دنیا میں بھی یہ نعمتیں اکثر چھین لی جاتی ہیں جیسا کہ قلیل کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔

فوائد : (۱) حلالًا طیبًا حلال کے بعد طیب کے لفظ میں اشارہ ہے کہ جو چیزیں حلال ہیں وہ طیب بھی ہیں یعنی پاکیزہ اور ستھری۔ ان میں جسمانی یا روحانی کوئی بھی ناپاکی نہیں اور جن میں ناپاکی ہے انہیں کو حکیمِ مطلق نے بندوں پر اس لیے حرام یعنی منع کر دیا ہے کہ غذا کا اثر معدے میں ضروری پہنچتا ہے جس کا اطباء انکار نہیں کر سکتے حال کے ڈاکٹروں نے ثابت کیا ہے کہ سور کے انچ بھر گوشت میں ہزار سے زیادہ کیڑے خوردبین سے دکھائی دیے جو صحتِ جسمانی کے لیے سخت مضر ہیں۔

(۲) ناپاکی دو قسم پر ہے ایک جسمانی کہ وہ جانور یا وہ چیز گندی ہو جس کے کھانے سے طبائعِ سلیمہ نفرت کیا کرتی ہیں جیسا کہ گوہ موت پیپ جانوروں میں سور اور ہر قسم کے درندے شامل شیر، بھیڑیا وغیرہ، پرندوں میں پنجوں اور چنگل سے شکار کرنے والے باز چیل وغیرہ یا زمین کے حشرات سانپ بچھو وغیرہ۔ اس میں مردار جانور بھی شامل ہیں کہ جو از خود مر جائے جس سے علماء نے غیر مذبوح جانور مراد لیا ہے بسبب ان تشریحات کے جو پیغمبر علیہ السلام نے فرمائی ہیں جن کا ذکر کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ اسی طرح خون بھی کہ جس کو جاہلیت میں توون پر پکا پکا کر کھاتے تھے کیونکہ جس طرح غیر مذبوح کے گوشت میں وہ لطافت نہیں رہتی جو مذبوح کے ہوتی ہے یہاں تک کہ دونوں کی کھال میں بھی بڑا تفاوت ہوتا ہے مضبوطی اور غیر مضبوطی کے لحاظ سے۔ اسی طرح خون کے کھانے یا پینے میں بھی صحت میں فرق آجاتا ہے اور دل پر بھی ایک قسم کی درندگی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن میں جسمانی ناپاکی ہے اور صحت و اخلاق پر بھی بڑا اثر پیدا کرتی ہیں ان سب کی حرمت اس طیبًا کی قید سے ثابت ہے جس کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور اسی لیے علماء کا بھی ان کی حرمت پر اتفاق ہو گیا ہے۔ دوسری قسم کی نجاست روحانی ہے وہ کیا؟ کہ اس جانور یا اس چیز میں بت پرستی کی نجاست سرایت کر گئی ہو۔ اس کا ذکر اس جملہ میں ہے وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یہ جملہ کہیں لفظ بہ کی تقدیم کہیں تاخیر سے قرآن مجید میں چار جگہ وارد ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے بعد عند الذبح کی قید بڑھائی ہے کہ ذبح کے وقت جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے وہ حرام ہے مگر مطلق کو قید لگا کر مقید کرنا یا عام کو خاص کوئی ہلکا سا کام نہیں کس لیے کہ یہ بھی ایک قسم کا نسخ ہے اور آیت کو کسی کا قول منسوخ کر نہیں سکتا اس کے لیے یا تو کوئی آیت ہونی چاہیے ورنہ کم سے کم کوئی ایسی حدیث ہو کہ جو صریح الدلالۃ بھی ہو اور اس کے ثبوت میں بھی کسی کو کلام نہ ہو۔ ہم نے ہر چند غور اور بہت تلاش کی مگر اس قسم کا کوئی مخصص ہم کو نہیں ملا۔ پھر صرف مفسروں کی اس قید سے یہ آیت کیونکر مقید یا خاص ہو سکتی ہے۔ ان مفسروں نے بھی جہاں تک ہماری سمجھ میں آیا یہ قید احترازی نہیں لگائی ہے بلکہ ایک بیان واقع کیا ہے یعنی اس وقت اکثر بت پرست ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ بتوں پر جانوروں کو ان کے نام سے ذبح کیا کرتے تھے۔ اب یہاں ایک تو لفظ قابلِ بحث ہے، دوم اہل بہ، سوم غیر اللہ ما کا لفظ بھی عام ہے اس میں جانور کی کوئی تخصیص نہیں جانور ہو یا کھانا کپڑا ہو جو بتوں کے نام سے پکارا جائے یا ان پر چڑھایا جائے حرام ہے۔ اہلال لغت میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں جو چاند دیکھنے کے بعد پکار کر کہتے ہیں ھذا اہلال یعنی یہ چاند ہے پھر اس کا استعمال لڑکے کی آواز پر بھی ہونے لگا جو وقتِ ولادت ہوتی ہے کہتے ہیں استھل الصبی اور حج میں تلبیہ[1] پکار کر کہنے پر بھی اور پھر اور مواقع پر آواز بلند کرنے پر بھی۔ یہاں بھی یہی مراد ہیں کہ جس چیز پر بہ قصدِ عبادت غیر اللہ کا نام پکارا جائے عام ہے کہ ذبح کے وقت یا اس سے پہلے کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو وہ حرام ہو گیا خواہ وہ جانور اصل میں حلال تھا بکرا بکری، گائے بھینسا، اونٹ وغیرہ یا نہ تھا اب وہ نجاست اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے دور نہیں ہوتی جیسا کہ نجاستِ ظاہری اگر کوئی سور یا کتے کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو کیا وہ گوشت حلال ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر نجاستِ روحانی تو اُس سے بھی زیادہ عند اللہ مکروہ ہے وہ تو جب ہی زائل ہو سکتی ہے کہ جب وہ شخص توبہ کرے اور پکار کر کہے کہ میں اس سے باز آیا تب اگر وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو درست ہو سکتا ہے لغیر اللہ بھی مطلق ہے اللہ کے سوا کسی کے نام سے بہ نیتِ تقرب

---

[1] تلبیہ لبیک اللھم لبیک الخ کہنا۔

کوئی چیز پکاری جائے حرام ہے نیتِ تقرب نہیں بلکہ تملیک وغیرہ کا اظہار مقصود ہے تو اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً کسی بکرے کے لیے کوئی پکار کر کہہ دے کہ یہ فلاں کا ہے یعنی اس کا وہ مالک ہے یا میں نے اس کو ہبہ کر دیا تو اس سے وہ حرام نہیں ہو جاتا کس لیے کہ اہلال لغیر اللہ میں تقرب ہی مقصود ہوتا ہے[1]۔

(۴) گرچہ حلالاً طیباً کی قید سے جملہ ناپاک اور گندی چیزیں جن میں نجاست جسمانی ہو یا روحانی سب حرام ہوگئیں مگر ان میں سے ان چار چیزوں کو کہ ان میں زیادہ تر نجاست تھی اور عرب کے مشرکین زیادہ تر استعمال کرتے تھے مخصوص کر کے حرام ہونا بیان کر دیا اور کلمہ انما جو حصر کا فائدہ دیتا ہے تو یہ حصر اضافی ہے یعنی حلال طیب چیزوں کے مقابلہ میں بالفعل بصراحت یہی چار چیزیں حرام ہیں کیونکہ غیر حلال و غیر طیب سب چیزیں حرام ہیں انہیں میں سے یہ چار چیزیں بھی ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا اور دیگر چیزوں کا وقتاً فوقتاً خود قرآن مجید نے یا حضرت پیغمبر علیہ السلام نے اظہار فرمایا جیسا کہ خمر یعنی شراب اور نطیحہ[2] و متردیہ[3] اور درندوں کا کھایا ہوا جانور اور بتوں پر ذبح کیا ہوا۔

کہتے ہیں کہ جس میں بھوک کے مارے ہلاک ہو جانے یا سخت بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو جس کا اندازہ تین روز کا فاقہ عام حالت پر قیاس کر کے کیا گیا ہے ورنہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سات روز میں بھی ان پر ہلاکت کا اندیشہ نہیں اور بعض کسی مرض یا معدہ کی حرارت کے سبب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر ایک رات دن کھانا نہ ملے تو غشی طاری ہو جائے' ان کے لیے وہی حالتِ اضطرار ہے مگر اس اجازت میں بھی قید ہے وہ یہ کہ باغی اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو جس کے معنی اکثر علماء نے یہ کیے ہیں کہ کھانے میں سدِ رمق کھائے' پیٹ بھرنے کا قصد نہ کرے نہ عادی ہو کہ پھر ان چیزوں کے کھانے کا ارادہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اتباع کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باغی بغاوت سے مشتق ہے کہ امام برحق سے لڑنے میں اس کو یہ بھوک پیاس پیش آئے تو اس کے لیے اس حالت میں بھی رخصت نہیں غرض حالتِ معصیت میں رخصت نہیں کس لیے کہ رخصت رحمت و عنایت ہے جس کا عاصی مستحق نہیں اگر کوئی چوری کے لیے چلا یا فعلِ ناحق کے لیے یا زنا کرنے کے لیے یا اور کسی بُرے کام کے لیے پس نہ اس کے لیے حالتِ اضطرار میں جس کو مخمصہ کہتے ہیں ان ممنوعہ چیزوں کے کھانے کی رخصت ہے نہ سفر میں قصر نماز اور افطار کی رخصت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے پہلے قول کے موافق عاصی کو بھی رخصت ہے کیونکہ معصیت اور چیز ہے باقی احکام میں تعمیم ہے اس کے بعد فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی بات تو بری تھی مگر اس کو خدا معاف کر دیتا ہے۔ وہ غفور رحیم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کھانے میں سدِ رمق سے زائد اس حالتِ اضطرار میں کھایا جانا ایک معمولی بات ہے اس لیے غفور رحیم فرمایا ورنہ رخصت کے بعد ان اشیاء میں کوئی حرمت باقی نہیں رہتی۔

(۵) اب جیسا کہ بعض اشیاء سے بمقتضیٔ حکمت روکا تھا اسی طرح اس بات سے بھی منع فرماتا ہے کہ تم جھوٹ موٹ بغیر علم یہ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ چیز حرام یہ حلال ہے کس لیے کہ اشیاء کی حلت و حرمت خدا ہی کے سپرد ہے۔ جاہلیت میں مشرکین اور ان کے گرو حلال اشیاء کو اپنے

---

[1] یہ جو بزرگانِ دین اولیاء صلحا کے نام سے کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا ہے یا شیرینی فاتحہ خوانی کے بعد تقسیم کرتے ہیں یہ ان کی عبادت و تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ عبادت و تقرب تو اللہ ہی کا مقصود ہوتا ہے میت کی جانب سے یہ عبادت ادا کی جاتی ہے اس لیے اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ قرین قیاس ہے کیونکہ میت کی طرف سے اگر کوئی اس کا قرضہ چکائے تو چک سکتا ہے اب رہا یہ ایصالِ ثواب خواہ اوقاتِ معینہ پر ہو یا لاعلی التعین بشرطیکہ تعین کو اس کا جز نہ سمجھا جائے درست ہے ایسی چیزوں کو مااھل لغیر اللہ کا مصداق بنا کر حرام اور نجس قرار دینا زیادتی ہے ہاں اگر کوئی ان بزرگانِ دین ہی کی عبادت ہی کی نیت سے ایسا کرے تو بے شک وہ نجس و حرام ہے۔ حقانی

[2] نطیحہ وہ جانور جس کو کسی دوسرے نے سینگوں سے پھاڑ کر مار ڈالا ہو۔

[3] متردیہ وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے۔

اور پر خدا کی عبادت سمجھ کر حرام کر لیتے تھے۔ سائبہ بحیرہ وغیرہ بتوں کے نام سے چھوڑتے تھے ان کو بھی حرام سمجھتے تھے بتوں کی عزت و تعظیم کے لیے کیونکہ ایسا کرنے میں خدا پر بہتان باندھنا ہے اور خدا پر بہتان باندھنے والے فلاح نہیں پاتے ان کا آخرت میں انجام بد ہے۔ دنیا میں چند روزہ مزے ہیں اڑالیں پھر تو دردناک عذاب ہے ممکن ہے کہ متاع قلیل الخ سے ان کے لیے تنبیہ ہو جو خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے یا اس کی حلال نعمتیں کھا کر شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کے اوامر و نواہی پر ایمان لائے زبانی شکر کہہ دینا کافی نہیں۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٩﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٢﴾

ع ۱۶

اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جنہیں تم کو پہلے بتا چکے ہیں اور ہم نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہ کیا تھا لیکن وہی اپنے نفسوں پر آپ ظلم کیا کرتے تھے پھر آپ کا رب ان کے لیے جو بے خبری میں برے کام کرتے رہے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور سدھر گئے۔ بے شک آپ کا رب اس کے بعد غفور رحیم ہے۔ بے شک ابراہیم پیشوا ہو گزرے ہیں وہ خدا کے بڑے فرمانبردار ایک طرفہ بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور ان کو راہِ راست دکھائی تھی اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے۔

ترکیب : علی حرمنا سے متعلق ہے من قبل قصصنا سے۔ انفسهم یظلمون کا مفعول بِجَهَالَةٍ عملوا سے متعلق۔ کان جملہ ان کی خبر۔ امة اماماً کان کی خبرِ اول قانتا خبر ثانی اسی طرح حنیفاً بھی خبر ہے ولم یك جملہ معطوف ہے کان پر اسی طرح شاکراً بھی خبر کان کی۔

تفسیر : یہاں سے وہ تحریم بیان کی جاتی ہے جو اگلے لوگوں پر ان کی سرکشی سے واقع ہوئی تھی فرماتا ہے وعلی الذین هادوا حرمنا یعنی یہود پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا ذکر اے نبی! ہم نے پہلے آپ سے سورۂ انعام وغیرہ میں کیا ہے جیسا کہ فرمایا تھا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا کہ ہم نے یہودیوں پر کھر والا جانور حرام کر دیا تھا' گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کر دی تھی۔ یہود پر اشیاء کے حرام ہونے کا مسئلہ تحریم اشیاء کے بعد اس لیے مذکور ہوا تا کہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ تحریم دو قسم کی ہے ایک یہ کہ خود ان اشیاء میں کوئی مضرت ہے حکیم نے شفقت سے منع کر دیا۔ دوم یہ کہ ان میں کوئی بھی مضرت نہیں بلکہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو ان

چیزوں کے استعمال سے روک دیا تا کہ اس ورزش میں ان کے نفسِ بد کی تیزی ٹوٹے جیسا کہ روزے میں ہوتا ہے۔ مسلمانوں پر جو چیزیں حرام ہوئی ہیں تو قسم اول کی تحریم ہے برخلاف یہودیوں کے کہ ان پر قسم دوم کی بھی تحریم تھی۔ یہ مسلمانوں پر احسان ہے کہ ان پر اس قسم کی تحریم جاری نہیں فرمائی۔ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ فرماتا ہے کہ یہ یہود ہی کا ظلم اپنے نفسوں پر تھا سرکشی کرتے تھے اشیاء ان پر حرام ہوتی جاتی تھیں اور سرکشی کے بعد توبہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ بقولہ ثم ان ربك کہ جو لوگ بے خبری میں گناہ کرتے رہے مگر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی ان کے لیے خدا غفور رحیم ہے۔ ایک آیت میں یہ آ گیا کہ جو موت تک گرفتارِ گناہ رہتے ہیں اور موت طاری ہونے کے وقت توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ مقبول نہیں کما قال ولیست التوبة الآیہ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر دانستگی میں بھی کسی نے برائی کی ہے اور مرنے سے پہلے اس نے توبہ کر لی وہ بھی مقبول ہے۔ جمہور اہلِ علم کا اسی پر اتفاق ہے مشرکینِ مکہ جو حضرت علیہ السلام کی نبوت میں کلام کرتے تھے بت پرستی کرتے تھے با ایں ہمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائل تھے ان کے طریقہ کو اچھا جانتے تھے اسی طرح یہود بھی ان کے قائل تھے اور اپنی خرافات کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے تورات میں جو کچھ احکام میں سختی ہوئی اور پاک چیزیں ان پر حرام ہوئیں ان کو سنتِ ابراہیمیہ سمجھتے تھے اس لیے ان دونوں فریق کے سنانے کو ابراہیم علیہ السلام کا چند صفاتِ حمیدہ کے ساتھ ذکر کیا تا کہ ان کے خیالاتِ فاسدہ کا بطلان ہو۔ پس فرماتا ہے ان ابراهیم الخ اول صفت ان کی امة اس کے چند معنی ہیں وہ تنِ تنہا پیشوادین ہونے کی وجہ سے بمنزلہ امت یعنی ایک جماعت کے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اپنے اول عہد میں تمام مشرکین کے مقابلہ میں وہی موحد تھے اس لیے وہ بھی ایک گروہ قرار دیے گئے یا امة بروزن فعلة بمعنی مفعول جیسا کہ رحلة وبعیه یعنی مقتدا (۲) قانتا یعنی حکم کے تابعدار (۳) حنیفًا بمعنی مائل الی الاسلام (۴) لم یك الخ وہ مشرک نہ تھے (۵) شاکرًا کہ بڑے شکر گزار تھے (۶) اجتباہ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا ایک عالم ان کو ذکرِ خیر سے یاد کرتا ہے (۷) هدایة ان کو راہِ راست کی طرف ہدایت کی گئی تھی (۸) اتیناہ الخ دنیا میں بھی وہ پھلے پھولے ان کی نسل میں برکت دی گئی (۹) دارِ آخرت میں مقام بلند پر پہنچے۔ اب جو ابراہیم کے رستہ پر ہے وہی ان کا وارثِ برکات کا مستحق۔

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَى الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ

مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

پھر ہم نے (اے نبی!) آپ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کریں جو خدا کے ہو رہے تھے وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ سبت تو انہیں پر مقرر ہوا تھا جو اس میں اختلاف کرتے آئے ہیں اور آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان باتوں کا ذکر کہ جن میں وہ اختلاف کرتے رہے فیصلہ کردے گا (اے نبی! لوگوں کو) اپنے رب کے رستہ کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ سے بلایئے اور ان سے بحث بھی کرو تو پسندیدہ طریقہ سے کرو کیونکہ آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے رستہ سے بہکا ہوا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں اور اگر تم سختی بھی کرو تو اتنی کہ جتنی تم سے کی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور نہ ان پر کچھ رنج کیجئے۔ اور نہ آپ ان کے مکروں سے دل تنگ ہوں کس لیے کہ جو پرہیزگاری اور لوگوں سے نیکی کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

ترکیب : ان اتبع اوحینا کی تفسیر ہے بالتي اي بالمجادلة التي۔ عاقبتم جمہور کے نزدیک الف تخفیف کے ساتھ ہے اور بعض نے بغیر الف کے تشدید کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ عقبتھم ای تتبعتم۔ بمثل ماب زائدہ ہے بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ تقدیر یہ ہے بسبب مماثل لما عوقبتم لھو ضمیر صبر یا عفو کی طرف پھرتی ہے دونوں پر کلام دال ہے۔ ضیق مصدر ہے ضاق کا جیسا کہ سار اسیر ایا ضیق کا مخفف جیسا کہ میت میت کا الا باللہ ای بتوفیقہ۔

تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصافِ مذکورہ میں مشرکین و یہود پر تعریض ہے کہ تم کو بھی ابراہیم علیہ السلام کا اتباع ضرور ہے تم تو ان کے برخلاف کام کرتے ہو اس کے بعد ان پر ایک اور تعریض کرتا ہے کہ ثم اوحینا الیك الخ اے ہمارے رسول! ہم نے بعد اس کے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ لوگوں نے محرف کر دیا تھا (لفظ ثم اسی طرف اشارہ کرتا ہے) آپ کی طرف اے نبی! حکم بھیجا کہ طریقۂ ابراہیم پر قائم رہو اور اس پر چلو یعنی محمد علیہ السلام نے دنیا میں کوئی نیا مذہب نہیں نکالا جو تم اس کے قبول کرنے میں یہ شش و پنج کرتے ہو یہ تو اسی برگزیدہ نبی کا رستہ ہے کہ جس کے اتباع کا تم کو دعویٰ ہے ہاں تم نے اس طریقہ کو بگاڑ دیا مشرکین نے تو شرک کر کے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ہرگز مشرک نہ تھے یہود نے دیگر رسومِ باطلہ سے۔

یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے تھے کہ آپ طریقۂ ابراہیم کے کیونکر پابند ہو سکتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یوم السبت[ا] یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم خاص تھی وہ آپ نے ترک کر کے اس کی جگہ جمعہ کا دن مقرر کیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَی الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ کہ سبت کا دن ابراہیم علیہ السلام پر مقرر نہ ہوا تھا بلکہ انہیں یہود پر موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں کہ جنہوں نے اس میں اختلاف کیا یعنی اس کی تعظیم بجا نہ لائے بہت نے ان کے بزرگوں میں سے اس کی بے حرمتی کی اس دن میں کاروبار و شکار کیا جس پر مبتلائے بلا ہوئے۔ اختلفوا فیہ میں ایک قسم کی تعریض ہے کہ یہ جو آج اس کی تعظیم کا دم بھرتے ہیں انہیں نے اس میں اختلاف بھی کیا۔ اختلفوا فیہ کے یہی معنی ہیں کہ بالاتفاق سب نے اس کی تعظیم برابر نہیں کی یا یہ معنی کہ نصاریٰ بھی باوجودیکہ توریت کی پابندی کا دم بھرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے احکام کو بھی برحق مانتے ہیں لیکن سبت کو نہیں مانتے اس کی جگہ اتوار کے دن کی تعظیم کرتے ہیں۔ کتب علی الذین میں نصاریٰ بھی داخل ہیں اور یہود بھی پھر انہیں میں باہم اس سبت میں اختلاف ہے یہودی اس کے قائل عیسائی نہیں بلکہ اس کی جگہ اتوار کو قائم کرتے ہیں اور ہر ایک دلیلیں قائم کرتا ہے[ا] اس لیے فرماتا ہے ان ربك لیحکم الخ کہ خدا

[ا] ہفتہ کا دن اس میں دنیاوی کاروبار یہود پر ممنوع تھا۔ ۱۲ منہ

قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ہم پچھلے ہیں مگر سب سے پہلے ہیں قیامت کے دن صرف فرق یہ ہے کہ ان کو پہلے کتاب ملی ہے اور ہم کو پیچھے پس وہ دن کہ جو خدا نے ان پر فرض کیا تھا اس میں انہوں نے اختلاف کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ دن بتلا دیا کہ وہ ہمارے پیچھے رہ گئے یہود ایک روز نصاریٰ اس کے بعد ایک روز (صحاح) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی مسندِ نبوت پر بیٹھے اور ان سے بھی بڑھ گئے تو ان کو حج کے لیے لوگوں میں منادی کا حکم ہوا تھا وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ تو آپ کو تمام عالم کی دعوت کا حکم ہوا کہ سب کو راہِ راست کی طرف بلائیں فقال ادع الی سبیل ربك مگر دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ اول اعلیٰ درجہ کے حکماء و کملا جن کا مقصودِ اصلی یقینیات کا دلائلِ قطعیہ سے حاصل کرنا ہے سو ان کی دعوت بالحکمہ ہوتی ہے دلائلِ قطعیہ یقینیہ کے ساتھ ان کے دل میں عقائد و اعمالِ صالحہ کی رغبت پیدا کرنا۔ اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ یہ دلائل قواعدِ منطقیہ پر مبنی ہوں یا نہ ہوں بلکہ ان کے فہم و استعداد کے موافق، دوم اوسط درجہ کے لوگ ان کے افہام دلائلِ اقناعیہ ہی پر بس کر لیتے ہیں سو ان کو بالموعظه الحسنة دعوت ہوتی ہے اور یہی دلائل موعظت[1] حسنہ ہیں جو لطف و نرمی کے پیرایہ میں ادا کی جاتی ہیں۔ سوم ادنیٰ درجہ کے لوگ جن کی روح مکدر اور عالمِ غیب سے نورانیت کا حصہ نہیں پائے ہوئے ہوتی ہے سو یہ لوگ دعوت کے قابل نہیں بلکہ ان کے مسلمات سے ان کا بند کر دینا ہی مطلوب ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے فرمایا وجادلهم بالتی هی احسن اور اسی لیے اشرار اہلِ کتاب کے لیے ایک جگہ یوں آیا ہے وَلَا تُجَادِلُوۡۤا اَهۡلَ الۡکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ اور چونکہ یہ لوگ ہٹ دھرمی کیا کرتے ہیں، الزام کھانے کے بعد بھی بک بک کئے جاتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ الخ یعنی آپ کچھ غم نہ کریں کہ کیوں نہیں مانا کس لیے کہ خدا کو گمراہ اور ہدایت یافتہ معلوم ہیں سزا جزا اسی کے ہاتھ ہے جو شخص خلائق کی ہدایت پر کمر باندھ کر ان کو ان کے مذہبِ آبائی اور رسوم و عاداتِ موروثیہ سے منع کرنا چاہے تو لوگ اس کے اور اس کے اعوان و انصار کی تکلیف اور ایذا میں ہاتھ سے زبان سے کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے پیروؤں کو حکم دیتا ہے کہ ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم کہ اگر بدلہ ہی لینا ہو تو اسی قدر کہ جس قدر تم کو تکلیف دی گئی ہے۔ یہ عام قانونِ عدالت کے موافق حکم ہے مگر انبیاء اور ان کے پیروؤں کا مرتبہ اس سے بھی بلند ہے ان کو صبر و برداشت کرنا ہی بہتر ہے اس لیے فرمایا ولئن صبرتم لهو خير للصابرين اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بھی اعلیٰ ہے اس لیے آپ کو بہ تاکید صبر کا حکم دیا واصبر[2] الخ اور نیز آپ کو ان کی گزشتہ حرکاتِ ناشائستہ پر رنج کرنے اور آیندہ جو وہ مکر و فریب کریں گے یا کرتے ہیں اس سے دل تنگ ہونے کی بھی ممانعت کر دی ولا تحزن الخ اور اپنی مدد کا بھروسہ دلا دیا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ جس طرح سورۃ حجر کا خاتمہ واعبد ربك حتى ياتيك اليقين یادِ الٰہی کے حکم پر کیا تھا جس سے روح میں قوت اور تکالیف کی برداشت کی طاقت پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس سورہ کا خاتمہ جملہ مصائب کی برداشت پر کیا جو خدا پرستی میں پیش آتی ہیں۔ اس لیے کہا گیا ہے الصبر مفتاح الفرج صبر کشادہ کاری کی کنجی ہے دنیا کے کاموں سے لے کر خدا پرستی اور عرفانِ

---

[1] واعظانِ دین کو یہ آیت پیش نظر رکھنی چاہیے تا کہ صبر و حلم و طریقِ وعظ ملحوظ ہے۔ ۱۲ منہ

[2] ماصبرک الا باللہ کہ آپ کا صبر کرنا توفیق و تائیدِ الٰہی سے ہے کس لیے کہ انتقام کے وقت نفس جولانی میں ہوتا ہے اس وقت اس کی باگ توفیقِ الٰہی ہی تھام سکتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ مخالفوں کی ایذاؤں ہی پر صبر و برداشت کرنا مراد نہیں بلکہ عبادت و ریاضت و یادِ الٰہی کی مشقتیں برداشت کرتے رہو کیونکہ یہ موز درونی اللہ ہی کے لیے ہے یہ ہجر کا مرتبہ ہے جس کے بعد وصال کا وعدہ ہوتا ہے۔ ان اللہ مع الذین کہ پرہیز گاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ خدا ہے احسان کی تفسیر صحیح حدیث میں آ چکی ہے کہ اللہ کی اس طور سے عبادت کرو گویا کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور یہ نہ ہو تو گویا وہ خود دیکھ رہا ہے یہ وہ مراقبہ ہے جسے وصال نصیب ہوتا ہے اس وصال کے لیے سالہائے دراز عشاق نے رو رو کر شام سے صبح کی ہے۔ ۱۲ منہ

الٰہی تک جس نے صبر نہیں کیا کچھ بھی نہیں پایا اور یہاں صبر پر کامیابی کا بھی وعدہ ہے۔ کس لیے کہ خدا کی معیت سے زیادہ اور کوئی کامیابی نہیں جس کے ساتھ خدا ہے اس کے ساتھ سب کچھ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

پاک ہے کہ وہ جس نے راتوں رات اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی کہ جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ اس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں سننے والا دیکھنے والا وہی خدا ہے۔

ترکیب : سُبۡحٰنَ اسم ہے بمعنی تسبیح بمعنی التنزیہ اور کبھی علم بھی ہو کر مستعمل ہوتا ہے تب اضافۃ سے منقطع ہوگا اور غیر منصرف ہوگا۔ قد قلت لما جاء فی فخرہ، سبحان من علقمۃ الفاخر۔ اور اس کا نصب فعل محذوف سے ہے جو متروک الاظہار ہے۔ اسریٰ وسریٰ ایک معنی میں ہے لیلًا منصوب ہے اسریٰ کا مفعول فیہ ہو کر حولہ منصوب ہے مفعول بہ یا فیہ ہو کر بارکنا کالذی اسریٰ سے متعلق ہے۔

تفسیر : چونکہ پہلی دونوں سورتوں کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت و تسبیح اور اس پر صبر یعنی اس کے تکالیف برداشت کرنے اور اس پر مداومت کا حکم دیا گیا تھا جس کی آپ نے بخوبی تعمیل کی اب اس سورہ کی ابتدا میں اس عبادت وصبر کا نیک نتیجہ ظاہر فرماتا ہے وہ کیا؟ حضرت کو معراج ہونا جس میں صدہا اسرارِ غیب اور آسمانوں اور جنت و دوزخ کے حالات دکھائے گئے یہ امرِ نبوت کی اعلیٰ ترقی ہے۔ جملہ مفسرین متفق ہیں کہ عبدہ سے مراد اس جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسرا رات میں سیر کرانا لے جانا لیکن پھر لیلًا لفظ نکرہ کر کے لانا اس لیے ہے کہ تمام رات کی سیر نہ کوئی سمجھ لے بلکہ یہ واقعہ رات کے ایک خاص حصہ میں ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مسجد الحرام سے حضرت کو مسجد اقصیٰ[1] تک لے گئے پھر وہاں سے آسمانوں تک پہنچے۔ مسجد الحرام خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس کی جگہ یعنی صحن۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے پاس حجر[2] کے اندر کچھ بیدار کچھ سوتا تھا کہ جبرئیل میرے پاس براق لائے الخ اور بعض روایات میں ہے کہ اس رات آپ ام ہانی کے گھر میں تھے۔ اس کی تطبیق علماء نے یوں کی ہے کہ اُم ہانی کا گھر حرم میں واقع تھا اور یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی طور پر بھی کئی بار معراج ہوئی ہے۔ اُم ہانی کے گھر سے شاید روحانی معراج ہوئی ہو نہ یہ کہ جس کا یہاں ذکر ہے اور اسی طرح وہ جو بعض اہلِ علم معراج کو خواب بنی کہتے ہیں غالباً ان کی مراد بھی خواب کی معراج ہوگی نہ یہ کہ جو حالتِ بیداری میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور مسجد اقصیٰ تک ایک رات کے کچھ حصہ میں جانا تو اس آیت سے ثابت ہے اور پھر آگے آسمانوں تک احادیثِ صحیحہ سے جو بحالتِ مجموعی حد

---

[1] مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس یہ انبیاءِ سابقین کا قبلہ ہے یہ مسجد جس کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں ملک فلسطین کے یروشلم شہر میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت موسیٰ ؑ سے تخمیناً پانچ سو برس بعد تعمیر کی تھی اس پر بنی اسرائیل کی شرارت و بدکاری سے کئی بار صدمات آئے گرائی گئی اور پھر بنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شہزادہ روم طیطس کی گرائی ہوئی مسجد کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ مسجد اسی جگہ کا نام ہے نہ عمارت کا کیونکہ عمارت بدلتی رہتی ہے مسجد نہیں بدلتی مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مذہبی عمارت تعمیر کر رکھی تھی۔ اس زمانہ میں ان کو بھی بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کہتے تھے جن کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پوچھنے پر بیان فرمائے۔

[2] حجر جس کو آج کل حطیم کہتے ہیں اور حجر کنارہ کو بھی کہتے ہیں یہ گوشہ کعبہ میں ہے۔

تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اسی پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے سلف سے خلف تک مسجدِ اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کو اقصیٰ بمعنی بعید اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے یہ اس دور فاصلہ پر ہے کہ پھر اس سے پرے اور کوئی مسجد نہ تھی۔ غرض کوئی وجہ ہو مگر عرب خصوصاً اہلِ مکہ اس کو مسجدِ اقصیٰ کہتے تھے اس کے گرد برکت دینے سے مراد یہ ہے کہ پھل پھول کی جگہ میں مسجدِ اقصیٰ ہے ایسے سرسبز ملک اور محل میں یہ سرسبزی خدا کی عطا کردہ برکت ہے اور اس کے سوا اس کے گرد حضرات انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور آثار باقیہ میں جو سراسر برکات ہیں اور یہ سیر کس لیے کرائی کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نشانِ قدرت اور عالمِ غیب کی چیزیں دکھائے منجملہ ان کے جنت و دوزخ کی چشم دید حالت اور ملائکہ اور عالمِ قدس کے لوگوں کی کیفیت تا کہ نبوت کے مرتبہ کی تکمیل ہو جائے جو تمام عالم کے نبی کے لیے ضروری تھی۔ سمیع و بصیر اس مقام پر عجب لطف دے رہا ہے۔ بصیر اس عجیب سیر میں حضرت ﷺ کی نگہبانی کے لیے آیا ہے مسافر کو کہتے ہیں اللہ نگہبان اور سمیع منکروں کے بیہودہ سوالات پر تہدید کے لیے آیا۔ آسمان اور بہشت و دوزخ کی سیر اور وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی کیفیت اور نمازِ پنجگانہ وہاں فرض ہونا احادیثِ صحیحہ میں مفصلاً مذکور ہے۔

ابحاث : (۱) یہ معراج کا واقعہ محققین کے نزدیک ہجرت سے ایک سال پیشتر رجب کے مہینے میں ستائیسویں شب کو ہوا تھا جیسا کہ معالم التنزیل وغیرہ کتب سے ثابت ہے۔ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صبح کو اس معراج کی کیفیت بیان فرمائی تو اہلِ مکہ اور بھی تمسخر کرنے لگے۔ چنانچہ قریش کے چند قافلے ملکِ شام میں تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ قریشِ مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ اگر آپ شبا شب بیت المقدس گئے تو ہمارے فلاں فلاں قافلے آپ کو رستہ میں ضرور دکھائی دیے ہوں گے اگر آپ سچے ہیں تو ان کی پوری کیفیت بیان فرمایئے کہ اس رات وہ کہاں تھے اور اہلِ قافلہ اس وقت کیا کر رہے تھے اور ان میں کیا واقعہ ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان کی سب مفصل کیفیت بیان کر دی اور جب وہ قافلے واپس آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ فلاں شب تم کہاں تھے اور کیا معاملہ تم میں گزرا تھا انہوں نے وہی بیان کیا جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی جیسا کہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

سوال : احادیث میں یہ موجود ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے مکانات کا پتا پوچھنا شروع کیا اور آپ جب بتلاتے بتلاتے گھبرا گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔ اول تو بیت المقدس جو خاص ہیکلِ سلیمانی سے عبارت ہے بخت نصر کے حادثہ میں گرایا گیا اور پھر جو اس کی تعمیر ہوئی تو اس کو انطاکیہ کے بادشاہ اینٹوکس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر ہی گرا دیا پھر اس کے بعد جو تعمیر ہوئی وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک تمام نہیں ہوئی تھی جس کی سرپرستی ہیرڈوس حاکم شام کرتا تھا جو قیاصرۂ روم کا گورنر تھا اس کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کے موافق حضرت مسیح علیہ السلام کے صعود سے تخمیناً چالیس برس بعد روم کے قیصر طیطوس نے بیخ و بنیاد سے گرا دیا اور اس پر ہل چلوا دیے پھر جو کسی نے اس کی تعمیر کا قصد کیا تو نہ کر سکا۔ اس کی بنیادوں میں سے مدتوں تک آگ کے شعلے نکلتے رہے جو یہود پر مسیح کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے قہرِ الٰہی تھا آخر وہ تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد تک خراب پڑی رہی وہاں خس و خاشاک اور بول و براز پڑا رہتا تھا پھر اس کو عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا یہ بات عیسائیوں اور محمدیوں کی تاریخ میں بالاتفاق مانی گئی ہے پس آپ نے نماز وہاں کیونکر پڑھی اور اس کے نشانات لوگوں کے سوال کے موافق کیونکر بیان فرمائے اس عہد کے پیشتر صدہا سال سے ہی اس کو کسی نے نہیں دیکھا تھا وہ اس کے نشانات کیونکر پوچھ سکتے تھے؟ دوم جو کچھ ہو پھر اس کے حضرت کے روبرو مکہ میں حاضر ہونے کے کیا معنی؟ معلوم ہوا کہ اسلام ایسی ہی غلط باتوں اور توہمات پر مبنی ہے جن کو کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

جواب : مسجد اس جگہ کا نام ہے جو وہ عمارات کے گر جانے یا بدل جانے سے نہیں بدلتی گو وہ خاص ہیکل منہدم تھی مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مکانات تعمیر کر رکھے تھے جن کو خود عیسائی اور عوام ہیکل اور بیت المقدس ہی کہتے تھے جن کو قریشِ مکہ نے جبکہ وہ اس ملک اور

شہر میں تجارت کے لیے آتے جاتے تھے بارہا دیکھا تھا انہیں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطابق سوال کے بتلا دیا۔ رہا اس کا مکہ میں آپ کے سامنے موجود ہو جانا جسے دیکھ دیکھ کر آنحضرت ﷺ قریش کو جواب دیتے اور نشان بتلاتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ان مکانات کو اٹھا کر ملائکہ مکہ میں لے آئے تھے بلکہ آپ پر انکشاف روحانی ہوا اور تمام عمارت قلبی آنکھوں کے سامنے آگئی آپ تو سید المرسلین مؤید بالہام تھے۔ معمولی لوگوں کے سامنے غائب چیزوں کا تصور میں پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے وہ چیزیں اس عالم میں آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ پادری صاحب ایسے واہی تباہی شبہات سے جن کے پیش کرنے سے عاقل و اہلِ علم شرم کرتے ہیں جاہل مسلمانوں کے اعتقاد میں فتور ڈالا کرتے ہیں اور اس کو مشن کی عمدہ کارگزاری سمجھ کر فخر کیا کرتے ہیں شرم شرم۔

(٣) جسمِ عنصری کا تھوڑی سی دیر میں مسجدِ اقصیٰ پہنچنا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آسمانوں پر جانا اور آسمانوں سے گزر کر عرش تک جانا اور وہاں باوجود اس جسمِ عنصری کے روحانیاتِ محضہ سے ملنا' جنت و دوزخ دیکھنا عقلاً ممنوع ہے حکماء نے اس کے محال ہونے پر اور آسمان کے خرق والتیام کے محال ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں اور نیز کوئی اہلِ ادیانِ حقہ یعنی عیسائی ایسی باتوں کا قائل نہیں اسی لیے آج کل کے فلسفی مسلمان بلکہ کچھ اگلے زمانہ کے بھی جن کو معتزلہ کہتے تھے اس معراج کو خواب پر محمول کرتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ان اعتراضات کے بچنے کے لیے۔

جواب جسمِ عنصری کا ایسی حرکتِ سریع کرنا خصوصاً جبکہ اس کی عنصریت روحانیت سے بھی لطافت میں بڑھ جائے کچھ بھی محال نہیں۔ آج کل ریل اور تار برقی کی حرکت کو ملاحظہ کیجئے اور اسی طرح آسمانوں کا خرق والتیام جن خیالاتِ فاسدہ سے محال ثابت کیا تھا ان کی پوری پوری حکماءِ اسلام نے علمِ کلام میں قلعی کھول دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ وہ حکماءِ یونان اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتے تھے جن کے مسائل طبیعات و ہیئت کی آج کل حکماءِ یورپ کیسی خاک اڑا رہے ہیں اور جو کوئی ملحد عیسائی ایسی باتوں کا قائل نہیں تو کیا ہوا۔ پر جو انا جیل و بائبل کو مانتے ہیں ان پر ان باتوں کا تسلیم کرنا ضرور ہے دیکھئے انجیل مرقس کے سولہویں باب انیسویں درس میں یہ ہے یعنی مسیح خداوند لوگوں سے کلام کرنے کے بعد آسمان کی طرف چڑھ گیا اور خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ پر جا بیٹھا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے اور اسی طرح دوسری کتاب کتاب السلاطین کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ ایلیاء (یعنی حضرت الیاس علیہ السلام) اور الیسع باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آگ کی گاڑی اور آگ کے گھوڑے نمودار ہوئے اس میں چڑھ کر ایلیا آسمان پر چلا گیا اور اسی طرح قسیس ولیم اسمٹ اپنی کتاب طریق الاولیاء میں حضرت اخنوخ[١] علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا بیان کرتا ہے اور اہلِ اسلام تو قاطبۃً اس پر متفق ہیں دس بیس ملحدوں کا کیا ذکر ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دوسری معراج کے بارے میں ہے جو حضرت کو اس سے پیشتر خواب میں معلوم ہوئی تھی (جیسا کہ معالم میں ہے)۔

(٤) یہ معراجِ روحانیت کا کامل غلبہ ہے عبادت و تسبیح کے سبب جس سے روح جسم پر غالب آگئی اور جسمانیت میں سرایت کر گئی اور جسم بھی بمنزلہ روح کے لطیف ہو گیا تھا اور یہ بات اہلِ کمال پر مخفی نہیں۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝٢ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝٣ وَقَضَيْنَآ

[١] یعنی حضرت ادریس علیہ السلام۔ ١٢ منہ

اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿۶﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾

وقف لازم

اور ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنایا تھا (اس میں حکم تھا) کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ اے ان کی نسل کہ جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرلیا تھا بے شک وہ شکر گزار بندے تھے اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے ٹھہرا دیا تھا کہ تم زمین پر دو بار فساد کرو گے اور بڑی ہی سرکشی کرو گے پھر جب ان میں سے اول وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیے جو بڑے لڑنے والے تھے (اور) وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا پھر ہم نے تم کو دشمنوں پر غلبہ دیا اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دی اور تم کو بڑی جماعت والا بنا دیا اگر تم نے نیکی کی تو اپنے ہی بھلے کے لیے کی تھی اور اگر بدی کی تھی تو اپنے ہی لیے کی تھی پھر جب دوسرا وعدہ آیا (تو پھر دشمنوں کو ابھار دیا) تاکہ وہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور مسجد مقدس میں گھس پڑیں جیسا کہ اس میں اول بار گھس پڑے تھے اور جس چیز پر قابو پاویں اس کا ستیاناس کر ڈالیں۔ کچھ دور نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو منکروں کا قید خانہ بنا رکھا ہے۔

ل جب بنی اسرائیل نے اول حملۂ دشمن کے بعد خدا سے عاجزی کی اور روئے پیٹے تب اس نیکی کا ثمرہ انہیں کے لیے یہ ہوا کہ خدا نے بنی اسرائیل کو پھر قوت عطا کی از سر نو حکومت و شوکت قائم ہوئی اس کے نشے میں جو پھر بدکاری اور بت پرستی کی اس کا وبال بھی پھر انہیں پر پڑا کہ کوئی دوسرا دشمن کھڑا ہو گیا جس نے بنی اسرائیل کے چہرے بگاڑ دیے مسجد اقصیٰ میں گھس کر سب تبرکات جلا دیے مسجد میں بھی آگ لگا دی صدہا ہزار ہا کو دشمن اسیر کر کے لے گیا اور مقتولوں اور مجروحوں کا تو حساب ہی نہیں عورتوں کا ننگ و ناموس جدا برباد ہوا۔

ع عسیٰ ربکم کا اشارہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے یہود کی طرف ہے کہ اب بھی وقت ہے اگر تم نے نبی آخر الزماں علیہ السلام کی اطاعت کرلی تو خدا پھر تم پر رحم کرے گا تمہارا برگشتہ زمانہ جا کر پہلے دن آ جائیں گے اور اگر پھر بھی وہی شرارت کرو گے تو دنیا میں ہم تم پر کوئی تازہ آفت لائیں گے اور آخرت۔ تو جہنم منکروں کا جیل خانہ تیار ہے یہود نے آنحضرت ﷺ سے شرارت کی اور رہی سہی عزت جاتی رہی دنیا بھر میں ایک انچ زمین کے بھی حاکم نہیں جہاں کہیں ہیں محکوم و ذلیل ہیں یا یہ اسی وقت کے یہود کی طرف اشارہ تھا جس کو حکایت کیا جاتا ہے چنانچہ یہود بخت نصر کے حادثہ کے بعد کچھ نیکی کی طرف آئے، شان و شوکت بھی عود کرنے لگی مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں پھر شرارت کی جس کے وبال میں طیطس شاہِ روم کے ہاتھ سے ان کا ستیاناس ہو گیا۔

ترکیب : الا تتخذوا اصل میں ان لا تھا۔ ان مفسرہ ہے اس چیز کا کہ جس کو کتاب شامل تھی امر ونہی سے۔ وکیلا مفعول ہے لا تتخذوا کا اور مفعول ثانی یا ذریۃ ہے والتقد یر لاتتخذ وا ذریۃ من حملنا وکیلا ای ربامفوضًا الیہ۔ اس صورت میں من دونی حال ہوگا وکیلا سے یا من دونی خود مفعول ثانی ہے۔ اس صورت میں ذریۃ کا نصب منادیٰ مضاف ہونے کی وجہ سے ہے یا باضماراعنی مرتین مصدر ہے غیر لفظ سے وعدا ولٰھما ای موعوداولی المرتین خلال ظرف ہے جاسوا کا۔

تفسیر : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ذکر فرما کر (یعنی معراج کا ذکر کرکے) بتلاتا ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء کے ساتھ ہم یوں ہی انعام و اکرام کرتے آئے ہیں اس سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب یعنی تورات دی تھی جو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھی اس میں بڑا تاکیدی حکم یہ تھا کہ اے نوح علیہ السلام اور اس کیساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل میرے سوااور کسی کو کارساز، حاجت روانہ بنانا مگر بنی اسرائیل بت پرستی کی ہلاکت میں پڑے۔

ذریۃ من حملنا مع نوح فرماتے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت لوگوں کی شرارت سے ان کو غرق کیا تھا اور نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں کو کشتی میں خدا پرستی کی وجہ سے بچا لیا تھا پھر اب جو تم دنیا میں پھیلے ہوئے ہو سب انہیں انعام یافتوں کی نسل ہو تم کو ذرا اپنے بزرگوں کا بھی خیال رہے کہ وہ کیسے تھے اور اب تم کیا کرتے ہو اور اس عذاب کا بھی کہ جو اس وقت دنیا پر نازل ہوا تھا چونکہ کشتی والوں میں نوح علیہ السلام سردار تھے اس لیے ان کا وصف بھی ظاہر کر دیا انہ کان عبدًا شکورًا کہ وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ اب تم اس کی اولاد ہو کر کس طرح سے کفران کرتے ہو۔ شرماؤ شرماؤ۔ من حملنا مع نوح میں اس شرارت پر سزا نازل ہونا اشارتاً ذکر فرما کر اس واقعہ کی تصریح فرماتا ہے جو کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے بطور پیشین گوئی کے ذکر ہوا تھا۔ بقولہ و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علوًا کبیرًا۔ فاذا جاء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار الخ۔

قضاء قطع کرنا، فیصلہ کرنا اور ادا کرنا، حکم کرنا مگر یہاں مراد قطعی طور پر بتلا دینا ہے۔ وعد اولٰھما یعنی اولی المرتین باس قتال ومنہ قولہ تعالیٰ وحین الباس۔ قال اللیث الجوس والجعو ددسان التر دد۔ فجاسو ابن عباسؓ اس کے معنی کرتے ہیں فتشوا۔ ابوعبیدہؓ کہتے ہیں طلبوا من فیہا ابن قتیبہ کہتے ہیں عاثوا وافسدوا والخلال ہوالانفراج بین الشیئین والدیار دیار بیت المقدس۔

بعض مفسرین نے فی الکتاب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات مراد لی ہے اور یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو یہ بات اول سے سنا دی ہو کہ تم ملک میں دوبار فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے پہلی مرتبہ جب تم ایسا کرو گے تو تم پر ہم بڑے جنگ آور بندے مسلط کر دیں گے جو تمہارے گھروں میں گھس گھس کر تمہیں قتل کریں گے۔ اس کے بعد ہم پھر تم کو دولت و ثروت، اولاد وحشمت دیں گے مگر تم پھر فساد وشرارت کرو گے تو ہم پھر تم پر ایک قہار قوم مسلط کریں گے جو تمہارے منہ بگاڑ دے گی اور اول بار کی طرح بیت المقدس تک ان کی نوبت آئے گی اس کے بعد شاید خدا تم پر مہربانی کرے اور جو تم پھر بدی وشرارت کرو گے تو ہم بھی پھر تم کو سزا دیں گے۔ مگر اب بالفعل جو اہل کتاب کے پاس توریت کے نام سے ایک کتاب ہے اس میں اس صراحت کے ساتھ یہ مضمون نہیں ہاں اس کے بعض فقروں سے نکلتا ہے اس اصلی توریت میں یہ مضمون ہوگا بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے یعنی یہ بات بنی اسرائیل کے لیے ہم نے دفترِ قضاء وقدر میں لکھ دی تھی۔ وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما وقتادۃ یعنی قضینا علیہم فالی بمعنی علیٰ والمراد بالکتاب اللوح المحفوظ (معالم)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں وَقَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ ای علمناھم واخبرناھم فیما آتیناھم من الکتاب انھم سیفسدون (معالم)۔

اس قول سے توریت کی تخصیص نہیں سمجھی جاتی بلکہ عام ہے کوئی کتاب ہو جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی اور کاتب الحروف کے نزدیک یہی قول

قوی ہے اب ہم جو آج کل کی کتابوں کو دیکھتے ہیں کہ جن کو اہلِ کتاب الہامی مانتے ہیں ان میں سے کتاب یسعیاہ (شعیا) اور یرمیاہ (ارمیاہ) اور حزقیل اور ہوسیع اور یوئیل اور عاموس اور میکیاہ اور حبقوق علیہم السلام کی کتابوں میں یہ مضمون بکثرت موجود اور باوجود تحریفات کے بہت کچھ مذکور ہے اسی کی نسبت فرماتا ہے وقضینا الیٰ بنی اسرائیل فی الکتاب الخ اب یہ بات باقی رہ گئی کہ پہلی مرتبہ بنی اسرائیل کی شرارت و بت پرستی پر کس جبار بادشاہ کو خدا نے ان پر مسلط کیا تھا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ بخت نصر بابل کا بادشاہ ہے مگر اس کی چڑھائی کا باعث جو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے خون کا انتقام کہتے ہیں۔ وہ بڑی غلطی کرتے ہیں کس لیے کہ بخت نصر جس کو اہلِ کتاب بنوکدنضر کہتے ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے صدہا سال پیشتر گزرا ہے اور پچھلے مرتبہ جس نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کی ہے بعض کے نزدیک وہ شاہ اینٹوکس انطاکیہ کا بادشاہ ہے اس کے بعد پھر کچھ بنی اسرائیل کی حالت سنبھلی تھی جیسا کہ عسٰی ربکم ان یرحمکم سے پایا جاتا ہے تو بنی اسرائیل نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بھی بڑی بدسلوکی کی تو ان عدتم عدنا کے موافق خدا نے شہزادۂ روم طیطس کو چڑھایا جس نے بالکل ستیاناس کر دیا اسی کے گرائے ہوئے بیت المقدس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا ہے۔

اب ہم بیت المقدس کی مفصل تاریخ لکھتے ہیں جس سے ناظرین آپ سمجھ لیں گے کہ اس آیت کا مصداق ان بادشاہوں میں سے کون ہے اور کون سا واقعہ اس سے زیادہ چسپاں ہے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

تاریخِ بیت المقدس

چونکہ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں واقع ہے کہ جس کو مفسرین اسلام بیت المقدس یا بیت المقدس سے تعبیر کرتے ہیں تو ہم کو ضرور ہوا کہ اس کا مفصل حال بیان کریں تا کہ پھر شبِ معراج میں آنحضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہاں تشریف لے جانا ذہن نشین ہو اور اس پر جو مخالفین نے شبہات کئے ہیں وہ بھی دفع ہو جائیں اور نیز پچھلی آیتوں کا مطلب بھی بخوبی واضح ہو جائے۔

فصل اوّل : مسجدِ اقصیٰ یا بیت المقدس[۱] اس مسجد کا نام ہے کہ جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا جس کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں۔ یہ مسجد شہر شلیم یا جیروسلم میں واقع ہے جو ملک فلسطین میں ہے اور اس ملک کو یہودیہ اور ارضِ مقدسہ (ہولی لینڈ) کنعان بھی کہتے ہیں اور کبھی ملکِ شام بھی۔ جغرافیہ فرہاد کے صفحہ ۴۲۲ میں ہے وکنعان اسم قدیم شام است کما قال الیاقوت کنعان بالفتح ثم السکون وعین مھملۃ وآخرہ نون قال ابن الکلبی الشام ومنازل الکنعانیین ینسبون الی کنعان بن حام بن نوح۔ وکنعان موضع من ارض الشام کان منزل یعقوب علیہ السلام فی قریۃ یقال لھا سیلون بین سجل ونابلس وبھا الجب الذی القی فیہ یوسف علیہ السلام۔

''کنعان شام کے اس حصہ کا نام ہے جس کے ایک گاؤں میں جس کا نام سیلون ہے سجل اور نابلیس کے درمیان حضرت یعقوب علیہ السلام رہا کرتے تھے اور یہیں وہ کنواں بھی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ڈال دیا تھا'' اور شام کے ملک میں ایک

---

[۱] اور کبھی شہر یروشلم کو بھی کہتے ہیں وہاں کے اہلِ اسلام بیت المقدس کہا کرتے ہیں۔ معراج میں بیت المقدس کا ذکر تھا اس کے بعد جو کچھ نابکار یہودیوں کی ناشائستہ حرکات سے اس مقامِ متبرک پر بھی مصائب آئے ان کا ذکر اس لیے اور بھی مناسب ہوا کہ قریش کے کان کھل جائیں کہ کعبہ کی بدولت جو تم امن سے رہ کر روزی کھاتے ہو اور شرارت کرتے ہو ہم اس پر بھی اپنے بندے یعنی لشکرِ محمدی چڑھا لائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب قریش نے مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو نکال دیا اور ان پر ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تو اس ہجرت کے کئی سال بعد مسلمانوں کی ایک معقول جماعت فراہم ہو گئی مکہ پر چڑھ آئے قریش کو بجز امان مانگنے کے چارہ نہ ہوا لیکن یہ چڑھائی کرنے والے خدا پرست تھے بجائے انہدام کعبہ کے انہوں نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا، یہ کعبہ کی خاص فضیلت ہے کہ پھر اس پر کسی نے چڑھائی نہ کی نہ انشاء اللہ کوئی کر سکے گا جب تک دنیا میں اسلام باقی رہے گا۔

گاؤں کا بھی کنعان نام ہے اسی طرح فلسطین بھی اس ملک کو کہتے ہیں یعنی ملکِ شام کا وہ جنوبی و مغربی حصہ جو بحیرۂ روم کے کنارہ پر واقع ہے جس میں عسقلون اور عقرون اور یافہ اور غازہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ زمانۂ قدیم میں اس ملک میں فرقہ کوش کے لوگ رہتے تھے جن کا مقابلہ بنی اسرائیل سے ہوا کرتا تھا اور سیریہ[1] کہ جس کو زمانہ قدیم میں آرام کہتے تھے ایشیا ترکی کا ایک حصہ ہے جس میں شہر آلیپو یعنی حلب واقع ہے کبھی شام وسیع معنی میں اطلاق ہوتا ہے جس سے ملک فلسطین بھی مراد لیا جاتا ہے۔

جغرافیہ فلسطین : اب ہم اس ملک فلسطین یا کنعان کا حال بیان کرتے ہیں کہ جس میں شہر جیروسلم یا یروشلم واقع ہے۔ اس ملک کے حدود اربعہ یہ ہیں: شمال میں ملک سُریا یعنی شام اور مغرب میں شمالی حصہ تک بحیرہ روم جس کے کنارہ پر طرابلس عسرہ یافہ صیدا عسقلون عکہ صور بیروت لاذقیہ قیساریہ وغیرہ شہر واقع ہیں اور جنوب میں ملکِ عرب کے شمالی حصے اور مشرق میں یردن ندی اور بحرالمیت کہ جس کو بحرِلوط بھی کہتے ہیں یعنی وہ کھاری جھیل کہ جس کا طول تخمیناً ستر میل اور عرض دس میل ہے جس کے کناروں پر حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی سے وہ پانچ گاؤں جو غارت ہو گئے بستے تھے۔

اس ملک کا طول شمالاً و جنوباً سُریا سے لے کر عمالیقیون کی زمین تک اسی کوس اور عرض مشرق مغرب بحیرہ روم سے لے کر موآبیوں کی زمین تک چالیس کوس اور پھر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں اس ملک کے اور بھی حدود اربعہ وسیع ہو گئے تھے۔ قدیم زمانہ میں اس ملک پر بابل اور نینوٰی کے بادشاہوں کی حکومت تھی۔ شاہانِ نینوٰی کے عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اطراف بابل اپنے اصلی وطن سے ہجرت کر کے اس ملکِ یہودیہ یا شام میں آ رہے تھے اس عہد میں شاید یہاں نینوٰی کے بادشاہ کی حکومت نہ تھی یا ہو گی تو کامل طور پر نہ ہو گی بلکہ توریت سے یہ معلوم ہوتا ہے طوائف الملوکی تھی اس ملک میں شمال کی جانب سے پہاڑوں کے دو سلسلہ جنوب و مغرب کی طرف چلتے ہیں اور اس مقام کو لبنان کہتے ہیں۔ تھوڑی دور اسی طرح چل کر مغربی سلسلہ شہر صور کے دو کوس شمال اُتر طرف بحیرہ روم کے کنارہ پر ختم ہوتا ہے اور دوسرے سلسلہ کی پھر دو شاخیں ہو کر جنوب کی طرف چلتی ہیں ان دونوں میں سے مشرقی سلسلہ کا نام ایک موقع پر حرمون ہے یہ پہاڑ بعض جگہ تو ہزار جبکہ بعض جگہ گیارہ ہزار فٹ بلند ہے جس کی چوٹیوں پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے پھر یہ سلسلہ دریائے جلیل کے قریب مشرق کی طرف لبن کہلاتا ہے پھر اور آگے یردن ندی کے قریب کوہ جلعاد کہلاتا ہے جہاں سے روغن بلساں آیا کرتا تھا، پھر آگے چل کر اس کو ابریم کا پہاڑ اور مدیانیوں کی زمین کے قریب اس کو کوہِ شعیر کہتے ہیں جس میں سے ایک چوٹی کا نام کوہ حور ہے جہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے وفات پائی تھی۔ پھر یہ بحیرۂ قلزم میں جا کر تمام ہو گیا اور اسی طرح مغربی سلسلہ چلتا ہے جس کو جلیل کے پاس کوہ بتور اور آگے چل کر کوہ کرمل کہتے ہیں جس کے معنی اللہ کا باغ ہے۔ یہاں کی سرسبزی اور انواع واقسام کے پھول ضرب المثل ہیں۔ اسی کی چوٹی پر جو سمندر کے قریب ہے الیاس علیہ السلام نے بعل کے پجاریوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کے اور بتور پہاڑ کے بیچ سمندر سے لے کر دریائے یردن تک یزرائیل کی وادی کہلاتی ہے اس کی لمبائی چودہ کوس اور چوڑائی چھ کوس ہے اور سیدھا دکھن کی طرف چل کر اسرائیل یا افرائیم کے پہاڑ اور یہودیہ کے پہاڑ کہلاتے ہیں انہیں میں کوہ جرزین بھی ہے جس کی چوٹی پر بنی اسرائیل کے مقابلہ میں سامریوں نے دوسری ہیکل بنائی تھی اور اسی سلسلہ میں کوہ موریہ ہے جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجدِ اقصیٰ یا ہیکل تعمیر کی اور کوہ صیحون بھی کہ جس پر یہ شہر یروشلم واقعہ ہے گویا موریہ اور صیحون اس ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں یہ شہر چار پہاڑوں پر آباد ہے۔ موریہ، صیحون، اکرا، بزیتھا۔ زمانہ قدیم میں سب کو موریہ کہتے تھے اس وجہ سے کہ وہاں ایک قوم اموری بستی تھی اور صیحون ان کا ایک بادشاہ گزرا ہے پھر اسی کے نام سے یہ پہاڑ نامزد ہو گیا۔

یہ شہر یروشلم کہ جس میں مسجدِ اقصیٰ یا ہیکلِ سلیمانی واقع تھی بحیرہ روم سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر سمندر کے سطح سے دو ہزار پانچ سو اڑتیس فٹ

---

[1] یعنی شام۔۱۲

بلندی پر واقع ہے اور دریائے یردن کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام نے اصطباغ لیا تھا جس کا پانی ہر سال ہزاروں عیسائی گنگا جلی کی طرح تبرکاً لے جاتے ہیں یروشلم سے اٹھارہ میل دور ہے اور شہر حبرون دکھن کی طرف دس بارہ میل اور سامریہ شمال کی طرف ۳۶ میل اور دمشق سے یروشلم جنوب اور مغرب کے رخ ایک سو بیس میل پر ہے اور بغداد سے ساڑھے چار سو میل مغرب کے رخ میں۔ نابلس کہ جس کے قریب حضرت یعقوب علیہ السلام رہا کرتے تھے یروشلم سے شمال کی جانب ۳۳ میل اور بندر یافہ کہ جہاں سے ہیکل کے لیے لکڑیاں آیا کرتی تھیں یروشلم سے جنوب طرف باسٹھ میل اور شہر ناصرہ کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام مصر سے آ کے رہے تھے جس وجہ سے ان کی امت نصاریٰ کہلاتی ہے ستر میل اور بیت اللحم کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تخمیناً چار میل اور مصر وہاں سے جنوب و مغرب میں تخمیناً دو سو ساٹھ میل ہے اور کوہ طور دو سو میل اور مدینہ منورہ تخمیناً چھ سو میل اور شہر یریحو کہ جس کے پاس سے بنی اسرائیل یردن ندی کو دو حصہ کر کے اتر آئے تھے مشرق اور شمال کی طرف تخمیناً سولہ میل ہے اور مکفیلہ کے غار جہاں حضرت ابراہیم واسحاق و یعقوب علیہم السلام کے مزار ہیں بیس میل۔ آج کل اس جگہ کو کہ جہاں یہ مزارات مقدسہ ہیں خلیل کہتے ہیں جو ایک عمدہ شہر آباد ہے۔

یہ ملک شام یا سریہ حضرت سلطان ترکی خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں ہے اس ملک میں مسلمان، یہودی، عیسائی، ارمنی رہتے ہیں بیشتر مسلمان ہیں اور تقریباً کل ملک کی مادری زبان سینکڑوں برسوں سے عربی ہے۔ زوار لوگ جو ہندوستان یا عرب سے جاتے ہیں تو سویز سے جہاز میں سوار ہو کر بحیرۂ روم کی کسی بندرگاہ پر اتر جاتے ہیں وہاں سے گھوڑا گاڑی[1] میں سوار ہو کر ایک رات میں یروشلم پہنچ جاتے ہیں۔ اونٹ اور گھوڑے کی سواری ملتی ہے۔ اس شہر میں حضرت سلطان کی طرف سے ایک پاشا رہتا ہے۔ شہر یروشلم سے مشرق کی جانب تھوڑے سے فاصلہ پر زیتون کا پہاڑ ہے یہ وہی پہاڑ ہے کہ جہاں رات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور یہیں سے یہودی آپ کو گرفتار کر کے پلاطوس کے پاس لے گئے تھے۔ اس پہاڑ اور شہر کے درمیان ایک نالہ بہتا ہے کہ جس کو کدرون کہتے تھے، بارش کے ایام میں اس میں زیادہ پانی ہوتا ہے مگر گرمی میں خشک ہو جاتا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں مغرب کے رخ شہر کے قریب ایک باغ تھا جس کو گت سمنی کہتے تھے اور اسی پہاڑ کے نیچے مشرق کی جانب بیت عینا اور بیت فاگا دو گاؤں آباد تھے۔ پادریوں کی الکتاب کے مقامات المعروف چھاپہ رومن مرزاپور ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۵۔۱۶ میں لکھا ہے کہ شہر یروشلم کا بانی ملک صدق تھا جس کا ذکر کتاب پیدائش کے ۱۴ باب ۱۸ درس میں یوں ہے کہ ملک صدق سالم کا بادشاہ تھا اور اکثر سمجھتے ہیں کہ یہی اس شہر کا اصلی نام ہے۔ آباد ہونے کے سو برس بعد اس کو یبوسیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور شہر پناہ کو بڑھایا اور کوہ صیحون پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا، پہلا نام بدل کر یابوس نام رکھا۔ گمان غالب ہے کہ یہی نام اصلی نام کے ساتھ شامل کیا گیا یعنی یبوسلم یا فصاحت کے واسطے یروشلم جیسا کہ آج تک جاری ہے ایجاد ہوا۔ ایشوع کی کتاب کے ۱۰ باب ۱۳ آیت میں ہے کہ جب یشوع نے ملک کنعان پر حملہ کے وقت اس کے (یعنی یروشلم کے) بادشاہ کو پکڑا اور قتل کیا اس وقت سے داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک یہودی اور یبوسی دونوں ملے جلے رہتے تھے۔ پھر لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یشوع نے یروشلم بنیامین کے فرقے کو سپرد کیا لیکن بسبب اس کے کہ یہ شہر فرقہ یہوداہ کی عین سرحد پر تھا اور بنی یہوداہ نے دوبارہ اس کو محاصرہ کر کے لے لیا تھا اس واسطے یروشلم کبھی بنیامین اور کبھی یہوداہ کا کہلایا اور جب سے خدا نے یروشلم کو اپنی ہیکل کے لیے چن لیا تب سے وہ تمام بارہ فرقوں کا دارالسلطنت مقرر ہوا اور کسی خاص فرقے کا حصہ نہ کہلایا، ربی لوگ کہتے ہیں کہ شہر مذکور کی زمین تمام فرقوں کی زمین تھی یہاں تک کہ باشندوں میں سے بھی کوئی اپنے گھر کو اپنا نہ کہہ سکا اور عید کے ایام میں سب اپنے پردیسی بھائیوں کو بغیر کرایہ کے مکان میں ٹھہراتے تھے۔

تمام ملک کے یہودی یروشلم میں سال میں تین بار حاضر ہوتے تھے۔ عید فصح میں یہ عید فرعون کے ظلم و قبضہ سے رہا ہونے کے یادگار میں

[1] اب موٹر و موٹر لاری کے ذریعے جا رہے ہیں سنا ہے کہ اب ریل بن گئی ہے۔ ۱۲ منہ

تھی جس میں قربانی کرتے اور فطیری روٹی کھاتے تھے۔ دوسری عیدِ خیمہ، یہ مصر سے نکلنے کے بعد چالیس برس بیابان میں رہنے کی یادگاری میں کیا کرتے تھے، اس میں پتوں اور شاخوں کے جھونپڑے بنا کر سات روز میدان میں رہتے تھے۔ سوم عید پنٹکوسٹ، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی پچاسواں یہ عید مصر سے نکلنے کے بعد کوہ سینا پر شریعت پانے کی یادگاری میں مقرر ہوئی تھی۔ ان عیدوں میں ہزار ہا بنی اسرائیل حاضر ہوتے تھے جس طرح اہلِ اسلام مکہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

الغرض یہ شہر اس وقت سے آباد ہے کہ جب بنی اسرائیل ملک مصر سے کوچ کر کے پھر اس ملک کنعان میں داخل ہوئے مگر حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے عہد میں ان کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے نہایت رونق اور تجمل کی حالت میں تھا۔ اس کی شہر پناہ اور اس کے عمدہ برج اور پھاٹک حیرت انگیز اور عبرت خیز تھے لیکن داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد سے آگے ہی سے یہ جگہ متبرک اور مقدس سمجھی جاتی تھی کیونکہ حسبِ اعتقادِ اہلِ کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی مقام پر اپنے بیٹے اسحاق کو قربانی کرنے کے لیے لائے تھے۔ اسی سرزمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے خواب میں باتیں کی تھیں اور اسی لیے اس جگہ کا نام بیت ایل یعنی خدا کا گھر رکھا۔ یہی جگہ ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کے حکم والہام سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد (ہیکل) بنائی پھر یہی مسجد اور یہی شہر ہزار ہا انبیاء علیہم السلام کا قبلہ اور زیارت گاہ رہا۔ اسی کا قرب و جوار انبیاء کا مدفن اور موردِ برکات ہے۔ الذی بارکنا حولہ۔ اہلِ کتاب اب تک اس کی وادی یہوشفات میں دفن ہونا موجبِ نجات خیال کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی طرف منہ کر کے مدتوں نماز پڑھی ہے اور شبِ معراج میں اس جگہ تشریف لائے ہیں۔ یہ شہر مقدس اور یہ مسجد متبرک بارہا ظالم بادشاہوں کے ہاتھوں سے برباد و منہدم ہوئی اور پھر بنائی گئی چنانچہ آگے چل کر آپ کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم ہوگی مگر اب ہم ناظرین کو حال کے شہر اور مسجد کا ذکر سناتے ہیں۔

شہر یروشلم کا بیان : یروشلم جدید کی شہر پناہ کا گھیر جس کو ١٥٤٢ء میں سلطان سلیمان بن سلیم شاہ روم نے تعمیر کرایا تھا تخمیناً ڈھائی میل کا ہے۔ یوسفس مؤرخ کے دنوں میں کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قریب زمانہ کا ہے، چار میل کا گھیر تھا اور شہر تین دیواروں سے گھرا ہوا تھا جس میں سے ایک میں ساٹھ دوسرے میں چالیس تیسرے میں چھیاسٹھ برج بنائے گئے تھے۔ شہر جدید پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے لیکن اس کے اطراف میں ایسی بھی زمین باہر پڑی نظر آتی ہے کہ جو قدیم زمانہ میں شہر میں داخل تھی۔ چنانچہ نصف صیحوں کی پہاڑی شہر پناہ کے باہر ہے جو پہلے اندر تھی شہر حال کی چار دیواری بلند اور کنکریلے پتھروں سے ٹھوس بنی ہوئی ہے اور اس میں جابجا برج اور توپیں چڑھانے کے مورچے بنے ہوئے ہیں شہر کے سات دروازے ہیں۔ دو شمال کی جانب ایک مغرب کی جانب اور ایک مشرق کی جانب ایک بابِ الحرم کہلاتا ہے اور دو جنوب کے رخ میں۔ شہر میں تین بڑی سڑکیں ہیں۔ ایک وہ جس کو باب الدمشق کہتے ہیں جو شمال و مغرب کی طرف جاتی ہے دوسرے سوق الکبیر جو مشرق مغرب جاتی ہے تیسرے غمخواروں کی سڑک اور یہ وہ رستہ ہے کہ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی سولی دینے لے چلے تھے۔ ان کے سوا سات سڑکیں اور ہیں جو ان سے چھوٹی ہیں جن کے یہ نام ہیں، کوچہ مسلمین، کوچہ نصاری، کوچہ یہود، کوچہ ارمنی، کوچہ ظاہرہ، کوچہ مغربین، کوچہ باب حوت۔

پادری چارلس بٹل ایم اے کہتا ہے کہ آخر اگست ١٨٦٧ء میں جو لیفٹیننٹ وارن صاحب شہر مقدس کا حال دریافت کرنے گئے تھے انہوں نے اچھی طرح وہاں کا حال دریافت کیا ان کے بیان کے موجب شہر کی شہر پناہ طول میں مشرق کی طرح دو ہزار آٹھ سو فٹ اور شمال کی طرف تین ہزار آٹھ سو فٹ اور مغرب کی طرف دو ہزار تین اور جنوب سے تین ہزار تین سو پچاس فٹ ہے۔

اس جگہ بہت عمدہ عمارت بجز ہیکل (مسجدِ اقصیٰ) اور مسیح کی قبر کے اور کوئی نہیں ہے ان کے پاس اور بھی مقامات ہیں کہ جو اوسط درجہ میں خیال کئے جاتے ہیں۔

الکتاب کے مقامات المعروف نامی کتاب میں اس شہر کے چھوٹے بڑے اکتیس مقامات گنوائے گئے (۱) بیت اللحم کا پھاٹک، (۲) دمشق پھاٹک، (۳) افرائیم کا پھاٹک، (۴) مقدس استیفان کا پھاٹک، (۵) سنہرا پھاٹک یہ ہمیشہ بند رہتا ہے، (۶) مسجد اقصیٰ کا پھاٹک، (۷) غلیظ کا پھاٹک، (۸) صیحون کا پھاٹک، (۹) آرمینیوں کی خانقاہ (۱۰) پیسنس کا قلعہ، (۱۱) بنت سبع کا کنڈ، (۱۲) حاجیؑ مستورہ کا کنڈ، (۱۳) لاطینیوں کی خانقاہ، (۱۴) کھنڈر ثمرکان، (۱۵) قبر کا گرجا، قبرستان، کلوری، (۱۶) ہیرودیس کا محل، (۱۷) مقدس انتا کی مسجد، (۱۸) پلاطوس کا محل، (۱۹) بیت حسدہ کا کند، (۲۰) حرم شریف (الف) سلیمان کا تخت (ب) محمد علیہ السلام کا تخت جاہل مسلمانوں کا خیال ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ قیامت میں عدالت کریں گے، (ج) صدر عیسیٰ کے منارہ کا دروازہ، (۲۱) الصخرہ، (۲۲) مسجد الاقصیٰ، (۲۳) چوک و بازار، (۲۴) اناہس کا محل، (۲۵) یہود کا عبادت خانہ، (۲۶) یروشلم کے حاکم کا محل، (۲۷) قیافا کا محل، (۲۸) داؤد علیہ السلام کا مزار، (۲۹) عام قبرستان، (۳۰) بادشاہ کا کنڈ، (۳۱) سلوام کا کنڈ، اس شہر میں تخمیناً تیس ہزار آدمی بستے ہیں جس میں زیادہ مسلمان ہیں، پھر یہود، پھر عیسائی اور ارمنی۔ مسلمان اکثر حرم شریف کے گردونواح میں رہتے ہیں اور عیسائی اپنی خانقاہوں اور گرجاؤں کے آس پاس اور یہودی کوہ صیحون کے دامن میں اور اس کے آس پاس کے نشیب میں۔ اس شہر میں یہودی بیوہ عورتیں بہت زیادہ رہتی ہیں جو اپنی پرورش کا وسیلہ یروشلم کو سمجھتی ہیں۔

اس شہر میں دو خانقاہ بہت مشہور ہیں ایک لاطینی دوسری ارمنی شہر سے شمال ومغرب کی طرف اور لاطینی جنوب مغرب کی طرف۔ ارمنی خانقاہ میں ہزار آدمی رہ سکتے ہیں۔ آرمینیوں کا ایک گرجا بہت بلند اور کشادہ بنا ہوا ہے اور اس میں اسباب عبادت اس قدر اور ایسے قیمتی ہیں کہ دنیا بھر میں میسر نہیں آتے۔ کبھی کبھی ان دونوں قوموں میں علاوہ زبانی بحث کے لاٹھی سونٹے کی بھی نوبت آجاتی ہے۔

یروسلم کے جنوب میں سلوآم کا ایک تالاب ہے کہ جس کی گہرائی چوبیس فٹ ہے۔ یروسلم میں ملکۂ انگلستان اور شاہِ جرمن کے اتفاق سے ایک ایسے نئے گرجا کی تعمیر کا ارادہ ہوا تھا کہ جس میں انگلستانی کلیسا کے طور پر عبادت ہوا کرے اس کے لیے سلطان کی طرف سے زمین ملی اور بنیاد بھی ڈالی گئی مگر ارمنی اور یونانی اور لاطینیوں سے ہنوز وہ عمارت قائم نہیں ہونے پائی۔

یروسلم کے پورب طرف ایک وادی ہے کہ جس کا طول دو یا ڈیڑھ میل ہوگا اس کو وادی یہوشفات کہتے ہیں جس کے معنی یہوداہ (خدا) کی عدالت کے ہیں۔ اسی بناء پر یہود اور عام عیسائیوں اور عام مسلمانوں کا خیال ہے کہ قیامت کے روز اس جگہ پر خدا عدالت کرے گا۔ اسی لیے یہود یہاں دفن ہونا سببِ نجات جانتے ہیں۔ اسی وادی کے پاس شہزادہ بی سلوم کا ستون اور کئی ایک مقبرے ہیں جن میں سے بعض بلند اور عالیشان اور بعض ٹوٹے پھوٹے ویران پڑے ہیں۔

یروسلم کے جنوب میں ایک وادی گیہنوم یعنی جہنم کہلاتی ہے۔ یوسیا بادشاہ کے عہد سے آگے یہودی یہاں مالک بت کی پرستش کرتے تھے۔ یہ بت پیتل کا تھا اور اس کا چہرہ بیل کا سا اور اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے گویا یہ اپنے عابدوں کو گود میں لینا چاہتا ہے۔ یہ بت پرست یہودی اس بت کو آگ سے نہایت گرم کر کے اپنے لڑکوں کو اس کی گود میں ڈالتے اور ان کے چلانے کی آواز دبانے کے لیے ڈھول بجاتے تھے۔ اس عہد میں ان ڈھولوں کے نام سے اس کو وادی توف (ڈھول) کہتے تھے۔ پھر بابل کی اسیری کے بعد یہود اس مقام اور اس بت پرستی سے نفرت کرنے لگے اور اس وادی کو خراب کرنے کے لیے تمام شہر کا کوڑا اور غلیظ وہاں پڑنے لگا جس کے جلانے کے لیے ہمیشہ آگ جلتی رہتی تھی۔ اس مناسبت سے اس کو جہنم کہنے لگے جس طرح فلسطی ایک بت داجوں کی پرستش کرتے تھے جس کا مچھلی کا سا جسم اور انسان کے سے ہاتھ پاؤں تھے اسی طرح موابی اس مالک کی پرستش کرتے تھے اور غالباً اس سے مراد زحل ستارہ لیتے تھے۔ باوجود سخت ممانعت کے بنی اسرائیل نے ان کی صحبت سے یہ بت پرستی اختیار کر لی تھی۔

قسطنطین شاہِ روم کی والدہ نے جب وہ یروسلم میں آئی مسیح کی قبر پر سے ایک بت جو اس پر قائم کیا گیا تھا کھڑ وا کر وہاں ایک جدید گرجا عالیشان تعمیر کیا جو آج تک مسیح کی قبر کے نام سے مشہور ہے اور جس قدر عیسائی یروشلم میں حج کو جاتے ہیں اس کی زیارت ضرور کرتے ہیں۔ اس میں گھستے ہی مجاور ایک بڑا پتھر دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی پر حضرت مسیح علیہ السلام کی لاش کو غسل دیا گیا تھا، اس سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر ایک گنبد کے نیچے جو سولہ ستونوں پر مبنی ہے مسیح کی قبر بتاتے ہیں جس پر انہوں نے سنگِ مرمر کا چھوٹا سا روضہ بنا رکھا ہے اس کے چھوٹے دروازہ سے ہو کر حاجی اس کمرے میں داخل ہوتے ہیں جو چٹان میں کندہ ہے یہ مقام ساڑھے چھ فٹ مربع سے زیادہ نہ ہوگا۔ یہاں سنگِ مرمر کا ایک صندوق ہے اسی میں حضرت مسیح علیہ السلام کی لاش کا رکھا جانا قرار دیتے ہیں اور اس کی چھت میں بڑے بڑے عمدہ جھاڑ لٹکتے ہیں جو بادشاہوں کی نذر گزرائے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں ایسی کشمکش کی راہ ہے کہ تین چار آدمی کے سوا اور کا گزر نہیں۔ اس گرجے میں یونانی، لاطینی، ارمنی عیسائی سب شریک ہیں اور ہر سال وقتِ مقرر پر مسیح کے مصلوب ہونے اور زندہ ہونے کا سوانگ بناتے ہیں اور لاش نکالتے اور بڑا ماتم کرتے ہیں۔

اہلِ اسلام وہاں کے کل مقدس مقاموں کو مانتے ہیں بجز اس گرجا کے کیونکہ ان کو حضرت مسیح کی مصلوبی سے انکار ہے بلکہ یہ مقبرہ یہود اسکریوطی کا ہے جو ان کی جگہ دفن ہوا اور مسیح کے شبہ میں سولی پر لٹکایا گیا۔

فصل دوم : اس شہر میں جو سب سے مقدس اور عمدہ اور متبرک مقام ہے وہ مسجد ہے کہ جس کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا جو مسجد الصخرہ کے نام سے نامزد ہے جس وقت مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر کے اس کو لے لیا تو عیسائیوں کے بطریک یعنی امام سے مسجد کے لیے بہتر جگہ دریافت کی گئی اس نے سلیمان کی ہیکل کی اجاڑ جگہ کو دکھایا اور کہا کہ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل بنائی تھی[1] اسی مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور ایک متبرک عمارت بنائی اس مسجد کے احاطہ کو حرم شریف کہتے ہیں۔ زمانہ حربِ صلیب سے وہاں کوئی عیسائی جانے نہیں پاتا۔ ڈاکٹر ریچرڈسن کہتا ہے کہ میں طبابت کے ذریعہ سے امام سے موافقت کر کے تین بار اس کے اندر گیا ہوں اس لیے وہ وہاں کا مفصل حال لکھتا ہے۔ حرم شریف لمبائی میں ایک ہزار چار سو نوے فٹ ہے یعنی مسجد اقصیٰ کی محراب نماز سے باب السلام تک اور عرض میں نو سو پچانوے فٹ ہے اس احاطہ میں نارنگی زیتون اور سرو کے متعدد درخت ہیں۔ اسی احاطہ کے درمیان ایک پختہ سنگِ مرمر کا تخت ہے یا چبوترہ جو چار سو پچاس فٹ مربع ہوگا جس کی بلندی احاطہ کی سطح سے بارہ چودہ فٹ ہوگی اس پر چڑھنے کے واسطے چاروں طرف سے اچھی اور کشادہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ چنانچہ مغرب کے رخ تین اور شمال کے رخ دو اور مشرق ایک اور جنوب کی سمت دو اور ہر ایک زینہ پر نہایت خوشنما محراب بنی ہوئی ہے اس کی کرسی بالکل سفید اور آسمانی رنگ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے اس کے بعض پتھر بہت پرانے ہیں جن پر طرح بہ طرح کی صورتیں تراشی ہوئی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسی قدیم عمارت کے پتھر ہیں۔ اس تخت کے اردگرد بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں مؤذن اور خدام اور سامانِ مرمت رہتا ہے لیکن سب سے زیادہ حسین وہ مسجد ہے کہ جو

---

[1] بطریک کی یہ بھی ایک چالاکی تھی کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجد اقصیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی سے منہدم ہوئی جس کی نسبت وہ مسیح علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کو پھر کوئی آباد نہ کر سکے گا وہ سمجھتا تھا کہ یہ مسلمانوں سے آباد نہ ہوگی اور اس قصد سے وہ خود برباد ہو جائیں گے مگر خدا نے پہلے انبیاء علیہم السلام کی معرفت خبر دے دی تھی کہ اس کو ایک قوم آباد کرے گی جو خدا کی آنکھوں میں مقبول اور برگزیدہ ہوگی اور وہی اس کے وارث اور متوالی رہیں گے اس خبر کے مطابق واقعہ ہوا اس عہد سے اب تک یہ مسجد مسلمانوں کے ہی قبضہ میں ہے اور رہے گی۔ ایک عارضی قبضہ چند سال کے لیے حرب الصلیب کے عیسائیوں کا ہو گیا تھا صداقتِ اسلام کی ایک اور بھی بین دلیل ہے۔ افسوس ہے کہ اب چند سال سے عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی ہے امید ہے کہ پھر اس کے وارثوں کے قبضہ میں آ جائے گی۔

اس تخت کے بیچوں بیچ ہے جس کو مسجد الصخرہ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اندر ایک پتھر لگا ہوا ہے جس کی نسبت خیال ہے کہ یہ پتھر اس وقت سے آسمان سے گرا ہے جب سے کہ پہلے پہل نبوت ہوئی جب سے یہ یہیں پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب اگلے نبی اسی پر بیٹھ کر نبوت کرتے تھے۔ یہ پھر اڑ کر جانے کو تھا کہ جبرئیل علیہ السلام نے ہاتھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک اس کو روک دیا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھا (یہ روایات اسلام میں سند صحیح سے ثابت نہیں) یہ مسجد ہشت پہل ہے اور ہر ایک پہل ساٹھ فٹ کا ہے اس میں چار باب ہیں۔ باب الغربی، باب الشرقی، باب القبلہ، باب الجنۃ، ایک دروازہ پر سائبان پڑا ہوا ہے، برآمدہ کے طور پر اس کا پہلا درجہ سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اس کے پتھروں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہیکل کے پتھر ہیں سب دیواریں ولدار بنی ہوئی ہیں، ایک دیوار کے پتھر مربع دوسرے کے ہشت پہل اس کے سنگ مرمر کا رنگ سفید ہے مگر خوبصورتی کے لیے جا بجا نیلاہٹ کی ہوئی ہے اس درجہ میں کوئی کھڑکی نہیں ہے مگر اوپر کے درجہ میں ہر ایک پہل میں ساٹھ ساٹھ اونچی کھڑکیاں ہیں اور سنگِ مرمر کے بجائے تمام دیوار رنگین خشت پختہ سے بنی ہے جن پر چاروں طرف قرآن مجید کی آیات بخطِ جلی لکھی ہیں یہ سب عمارت ایسی خوبصورت بنی ہوئی ہے کہ جس کی نسبت ڈاکٹر موصوف کہتا ہے کہ مجھے اس کے دیکھنے سے ایسی خوشی ملی جو دوسری عمارت سے ہرگز نہیں ہوئی۔ مسجد مذکور میں صخرہ کے سوا چند اور تبرکات ہیں جن کو اہلِ اسلام متبرک جانتے ہیں چنانچہ ایک اور بڑا پتھر ہے جس کی نسبت کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر بیٹھے تھے، سنگِ مذکور بیچ سے ٹوٹا ہوا ہے۔

اور ایک صندوق ہے جس میں ایک سوراخ ہاتھ جانے کے قابل ہے۔ اس کے اندر قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں۔ پھر ایک سبز پتھر چودہ تسو مربع ہے جس میں اٹھارہ سوراخ کیل کے لائق بنے ہوئے ہیں اس کی یہ خاصیت بتلاتے ہیں کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد اس میں سے ایک کیل غائب ہو جاتی ہے چنانچہ اس میں سے ساڑھے چودہ غائب ہو گئے ہیں ساڑھے تین باقی ہیں۔ کہتے ہیں ان کے غائب ہو جانے کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (یہ بھی اسلام میں سندِ صحیح سے ثابت نہیں، خیالاتِ عامہ ہیں) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس مقام پر سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا مزار ہے۔ مسجد مذکور کا گنبد نوے فٹ بلند ہے اور اس کا قطر چالیس فٹ اس کی چھت سیسے کے پتھروں کی بنی ہے جس پر سے تمام یروسلم دکھائی دیتا ہے انتہی ملخصاً۔ یہ عمارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بنی اُمیہ نے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا، پھر اور تعمیرات ہوتی رہیں حال کی عمارت سلاطینِ عثمانیہ سلطان سلیمان کی ہے۔

حال میں صحنِ مسجد میں سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا ہے اور مسجد کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے جو مسجد میں سے ایک کھڑکی میں سے شمع لے کر نیچے اترتے ہیں۔ نیچے جا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنیاد کے نشان معلوم ہوتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے نزدیک اس مسجد کی زیارت اور وہاں جا کر نماز پڑھنا نہایت ثواب اور قبولیت کا کام ہے اس لیے سینکڑوں زوار جاتے ہیں۔ شہر میں حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کی طرف سے ہر قوم اور ہر ملک کے مسلمان زوار کے لیے ایک عمدہ مسافر خانہ بنا ہوا ہے جس کو وہاں تکیہ کہتے ہیں، وہاں کھانا پینا سب شیخِ تکیہ کی معرفت سلطان کی طرف سے ملتا ہے۔

فصلِ سوم...... ہیکلِ سلیمان کی کیا صورت و ہیئت تھی : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے لاکھوں بنی اسرائیل کو ملک شام میں وعدۂ الٰہی کے بموجب لے جانے کے لیے نکلے اور وہ مہینے اور سوا مہینے کا راستہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں سے چالیس برس کا سفر بن گیا۔ چنانچہ قادس اور شمالی حصۂ عرب کے ریگستان میں اس بے شمار بھیڑ کو لیے ٹکراتے پھرے، یہاں تک کہ بجز چند آدمیوں کے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور تمام نوجوان بنی اسرائیل جو مصر میں بیس برس کے عمر کے تھے رستہ ہی میں مرکھپ گئے پھر ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون نے ملکِ فلسطین فتح کیا اور بنی اسرائیل کنعان کے وارث ہوئے ان میں یوشع سے لے کر ساؤل یعنی طالوت تک سردار ہوتے تھے پھر ان کے بعد سے سلطنت اور بادشاہت قائم ہوئی۔ ساؤل کے بعد سب سے اول بادشاہ بنی اسرائیل کے حضرت داؤد

علیہ السلام ہیں۔ یہ بموجب قول یوسفس مؤرخ کے حضرت یشوع سے پانچ سو پندرہ برس بعد تخت نشین ہوئے تھے، ان کا پہلا اہم کام یہ تھا کہ انہوں نے یبوسی لوگوں کو جو کنعان کی اولاد اور شہر یروشلم میں رہتے تھے مغلوب کیا۔ داؤد علیہ السلام نے یبوسیوں کو نکال کر شہر یروشلم کو از سرِ نو بنایا اور اس کا نام داؤد کا شہر رکھا اور دار السلطنت قرار دیا۔

انہیں بیابانوں میں مارے مارے پھرنے کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیمۂ عبادت بنانے کا حکم دیا تھا اور اس کی سب ترکیب بتلائی کہ اتنا لمبا ہو اور اس کے ایسے درجے ہوں اور اس کی ایسی قنات ہو اور اس کے اندر صندوقِ شہادت رکھنے کا ایسا کمرہ ہو اور قربانی کرنے کا فلاں مقام ہو اور اس کے عود سوزاک اور دیگر آلات سنہری روپہلی اتنے اور ایسے ہوں اور اس کے کاہن یا امام فلاں اور ان کا ایسا لباس ہو اور خیمہ کے محافظ اور اس کے اٹھانے والا اسرائیل کا فلاں فرقہ اور فلاں لوگ ہوں جس کی مفصل کیفیت توریت میں موجود ہے جس کو ہم نے بخوفِ تطویل ترک کرنا مناسب جانا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس مقام سے کوچ کر کے جس مقام پر جاتے تھے وہ خیمہ مع ساز و سامان ساتھ جاتا تھا اور ایک جگہ اکھیڑ کر دوسری جگہ نصب کیا جاتا تھا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک بنی اسرائیل کے لیے یہی کپڑے کی مسجد یا ہیکل رہی پھر جب یہ خیمہ یا مسکن بمقام سیلا استادہ تھا تو وہیں حضرت سموئیل علیہ السلام کی ماں نے دعا مانگی تھی کہ جس سے سموئیل پیدا ہوئے، عیلی کاہن کے عہد میں۔ اسی زمانہ میں صندوقِ شہادت جس کو تابوتِ سکینہ کہتے ہیں، بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ایک لڑائی میں فلسطیوں کے ہاتھ آ گیا تھا پھر ساؤل کے عہد میں وہ خیمہ شہر نوب میں قائم ہوا پھر حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے تو انہوں نے اس وعدہ کے موجب جو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا اس جگہ ایستادہ کیا کہ جو زمین خدا نے ہمیشہ سے اس کے لیے پسند کر رکھی تھی جس کا کتاب استثناء کے ۱۲ باب اور ۱۴ درس اور دیگر مقامات میں اشارہ ہے یعنی یروشلم میں کوہ صیون پر جس جگہ کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت ایل رکھا تھا اور ایک پتھر بھی گاڑ دیا تھا، اب خدا تعالیٰ کا منشا ہوا کہ میری عبادت گاہ پختہ بنے مگر حضرت داؤد علیہ السلام کو دشمنوں کے قتال و جدال سے اس کی تعمیر کی مہلت نہ ملی گو سامان مہیا کیا تھا اس لیے مرتے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کو وصیت کی اور وہ سب ساز و سامان بھی حوالہ کیا اور ہیکل کا نقشہ بھی دیا کہ جس کے مطابق سلیمان علیہ السلام نے ہیکل بنائی اور اس خیمہ کی عبادت گاہ کو پتھر اور لکڑی اور سونے چاندی کا بنا دیا اس کی پوری کیفیت اول کتاب السلاطین میں نہایت تشریح کے ساتھ مذکور ہے مگر ہم بھی ناظرین کے لیے یوسفس مؤرخ کی کتاب سے کسی قدر نقل کرتے ہیں وھو ھذا۔ تاریخ یوسفس حصہ ہشتم باب سوم۔

(۱) سلیمان نے اپنے تخت نشینی سے چار برس دو ماہ بعد ہیکل کا بنانا شروع کیا اور خروج (موسیٰ علیہ السلام از مصر) سے پانچ سو بانوے برس بعد اور ابراہیم کے مسوپیٹامیا[1] سے نکل کر ملکِ کنعان میں آباد ہونے سے ایک ہزار بیس برس بعد اور طوفانِ نوح سے ایک ہزار چار سو چالیس برس بعد اور آدم کی پیدائش سے کہ سب کا باپ اور سب سے پہلا آدمی تھا ہیکل کے زمانہ تک تین ہزار ایک سو دس برس گزرے تھے اور شہر سور کے آباد ہونے سے دو سو چالیس برس بعد اور جیرام شاہ سور کے تخت نشین ہونے سے گیارہ برس بعد ہیکل کی تعمیر شروع ہوئی۔

(۲) بادشاہ سلیمان نے بڑے بڑے پتھر اور نہایت مضبوط ہیکل کی نیو کے واسطے درست کرائے اور بڑی گہری زمین کھدوا کر ہیکل کی بنیاد رکھی تا کہ مدتوں قائم رہے۔ یہ عمارت سنگِ مرمر سے تیار ہوئی تھی۔ ہیکل ساٹھ ہاتھ عرض اور ساٹھ ہاتھ طول[2] اور ساٹھ ہاتھ بلند تھی اور

---

۱ ملکِ عراق کا یونانی میں نام ہے۔

۲ کتاب اول سلاطین کے ۶ باب میں ہے۔ وہ گھر جو سلیمان نے خداوند کے لیے بنایا طول اس کا ساٹھ ہاتھ اور عرض بیس ہاتھ اور بلندی اس کی تیس ہاتھ تھی اور کتاب ۲ تواریخ ۳ باب ۳-۴ درس میں یوں ہے طول ساٹھ اگلی انداز کے موافق اور عرض بیس ہاتھ اور سامنے کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی ←

اس کے اوپر ایک اور مکان بطور بالاخانہ کے بنا تھا اور اس طرح ہیکل کی بلندی ایک سو بیس ہاتھ ہوئی اور اس کا رخ مشرق کی طرف تھا اور ہیکل کے سامنے ایک برآمدہ بیس ہاتھ چوڑا اور بارہ ہاتھ لمبا اور ایک سو بیس ہاتھ اونچا بنایا اور ہیکل کے چاروں طرف تیس چھوٹے چھوٹے کمرے برابر بنائے اور ہر ایک کمرہ پانچ ہاتھ لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا اور بیس ہاتھ اونچا اور یہ کمرے زیر و بالا سہ منزلہ بنائے گئے اور ان کی بلندی ہیکل کی نصف بلندی تک پہنچی اور تمام ہیکل کی چھت سرو کے مصفا شہتیروں اور تختوں سے پاٹی گئی اور سونے کی چادروں سے چھت اور دیواروں کو ڈھانپ دیا کہ جس سے تمام ہیکل روشن ہوگئی اور ہیکل کی تعمیر ایسی حکمت اور درستی سے کی گئی تھی کہ کہیں جوڑ نہ معلوم ہوتا تھا اور بالاخانہ پر جانے کے لیے ایک زینہ دیوار کے متصل بنایا گیا اور بالاخانہ کے کمروں میں کھڑکیاں بنائیں۔

(۳) اور بادشاہ نے ہیکل کو دو درجہ میں تقسیم کر کے اندر کے درجہ کو جو چوبیس ہاتھ عرض وطول میں یکساں بنایا اس کو نہانی مکان مقرر کیا اور دوسرا درجہ چوبیس ہاتھ عرض میں اور چالیس ہاتھ طول میں تھا' اسے مقدس کمرہ قرار دیا اور اس میں سرو کی لکڑی کے دروازے لگائے اور سونے کی چادروں سے اسے منڈھ دیا اور اس پر قسم قسم کی تصویریں بنائیں اور ان کے آگے نیلے ارغوانی و قرمزی رنگ کے باریک کتان کے پردے بنائے اور ان کو لٹکا کر ان پر بھی عجیب و غریب نقش و نگار بنائے، پھر اس کے نہانی درجہ کے لیے دو کروبی[1] خالص سونے کے بنائے کہ وہ پانچ ہاتھ اونچے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے بازو پانچ ہاتھ لمبے پھیلے ہوئے تھے اور ایک کروبی کا بازو دیوارِ جنوبی سے ملا تھا اور دوسرے کروبی کا دوسرا بازو شمالی دیوار سے ملا تھا اور بیچ میں عہد کا صندوق رکھا اور ہیکل کے دروازے میں بڑے بڑے کواڑ لگائے اور ان پر سونے کی چادریں جڑوائیں اور کل ہیکل کو اندر اور باہر سے سونے کی چادروں سے منڈھ دیا تھا اور باہر کے دروازوں پر اندر کے دروازے کے مانند پردے تھے مگر برآمدہ پر پردہ نہ تھا۔

(۴) سلیمان نے ایک کاریگر حیرام نامی ملک سوریہ سے بلایا کہ اس کے والدین اسرائیلی تھے۔ یہ شخص ہر کام میں ہوشیار تھا مگر سونے اور چاندی اور پیتل کا کام نہایت عمدہ کرتا تھا۔ اس نے ہیکل کا سب کام سلیمان کی مرضی کے موافق بنایا تھا اور دو ستون اٹھارہ ہاتھ بلند کہ جن کا محیط بارہ ہاتھ تھا اور ان کے سر پر پانچ ہاتھ اونچے سوسن کے درخت کی صورت بنائی اور ایک جالی کہ جس پر کھجور اور سوسن کے پھول بنائے تھے اور ان پر دو سو انار بنائے اور ان ستونوں میں سے ایک برآمدہ کی دائیں طرف رکھا گیا اس کا نام بوعز تھا۔

(۵) سلیمان نے ایک کلاں[2] حوض نصف کرہ کی مانند پیتل کا ڈھلا ہوا بنوایا اس کا قطر دس ہاتھ کا تھا، اس کا دل چار انگشت اور اس کے نیچے پیتل کا ایک ستون تھا کہ جس کا قطر دس فٹ تھا اور چار طرف بارہ بیل ڈھلے ہوئے تھے، تین تین ان کی پشت پر یہ حوض تھا اس کو بحر کہتے تھے۔

(۶) اور حوض کے لیے دس چوکونے ستون بنائے ان کی لمبائی پانچ ہاتھ، چوڑائی چار ہاتھ اور بلندی چھ ہاتھ تھی اور ان کے چاروں کونوں میں بھی چھوٹے چھوٹے ستون اور دو ستون کے درمیان ایک بیل تھا اور دو کے درمیان ایک بیل اور دو کے درمیان ایک شیر ببر اور دو کے درمیان عقاب اور چھوٹے ستونوں میں بھی چھوٹے قد کے جانور بنائے تھے اور ان دس ستون کے واسطے دس حوض[3] بنائے تھے جن میں سے پانچ حوض ہیکل کے دائیں طرف اور پانچ بائیں طرف اور بڑا حوض سامنے تھا۔ اس میں کاہن لوگ اپنے ہاتھ پاؤں دھو کر (یعنی وضو کر کے)

← کے موافق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس ہاتھ۔ ان کتابوں کو عیسائی الہامی کہتے ہیں۔ پھر ان کے اختلاف کی تطبیق کچھ انہیں کی سمجھ میں آتی ہوگی یوسفس کے عہد میں شاید ان کتابوں میں ایسا نہ ہو یا یوسفس کو یہ کتابیں نہ ملی ہوں گی یا وہ سمجھ نہ سکا ہوگا۔

[1] فرشتہ۔۱۲

[2] یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور رسیات۔ الآیہ سورہ سبا۔

قربان گاہ میں جاتے تھے اور حوضوں میں ان جانوروں کو دھوتے تھے کہ جن کو قربانی میں گزرانتے تھے۔

(۷) ایک اور قربان گاہ پیتل کی بنائی سوختنی قربانی کے لیے کہ جس کا عرض بیس ہاتھ کا اور طول بھی بیس ہاتھ کا اور دس ہاتھ بلند تھی اور اس کے تصرف کے لیے دیگ اور چمچے اور دست پناہ وغیرہ، یہ سب چیزیں نہایت عمدہ پیتل سے بنائی تھیں اور اس نے دس ہزار میز دوسرے کاموں کے واسطے بنائیں کہ جن پر شیشیاں اور پیالیاں رکھی جاتی تھیں اور دس ہزار شمعدان جن میں سے ایک بڑا شمعدان رات دن ہیکل میں روشن رہتا تھا۔ یہ جنوب میں رکھا گیا اور وہ سونے کی میز کہ جس پر خدا کے نام کی روٹیاں رکھی جاتی تھیں شمال کی جانب اور سونے کی قربان گاہ ان کے درمیان رکھی اور باقی برتن اس مکان میں رکھے جو چالیس ہاتھ بلند تھا الخ۔ اور ہیکل کے چاروں طرف تین ہاتھ بلند ایک دیوار بنائی تا کہ ہر کوئی اس میں جانے نہ پائے کیونکہ وہ مکان متبرک تھا وہاں خاص پاک شدہ لوگ جاتے تھے۔

اور اس دیوار کے باہر ایک غار پٹوا کر زمین کو بلند کرا کے اس پر ایک دوسری ہیکل چھوٹی بہ نسبت اس بڑی کے تعمیر کرائی اور اس کے اندر بڑے بڑے کمرے بنائے، چار دروازے لگائے اور اس چھوٹی ہیکل کے سامنے دور تک دورویہ مکانات کی قطار بنائی اور اس میں چاندی کا ملمع کیا۔

یہ ہیکل مع ساز وسامان سات برس میں بن کر تیار ہوئی۔ اس کی تعمیر میں سور کے پادشاہ حیرام نے لکڑیوں کی بہت مدد کی اور خود سلیمان[1] نے اس کام کے لیے تین ہزار آدمی مقرر کیے تھے کہ جو کوہ لبنان میں لکڑیاں چیرتے اور تراشتے اور یہاں بھیجتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ غیر لوگ بھی تھے کہ جن کو داؤد نے مقرر کیا تھا، ستر ہزار آدمی بار برداری کا کام اور اسی ہزار سنگ تراشی کا کام کرتے تھے اور تین ہزار ان سب کے محافظ تھے اور بادشاہ کا حکم تھا کہ سنگ تراش ہیکل کی نیو کے واسطے بڑے بڑے پتھر تراشیں اور ان کو وہیں درست کر کے شہر میں لائیں۔

سلیمان کی دعا : جب یہ ہیکل اور اس کا سب ساز وسامان تیار ہو چکا تو حضرت سلیمان نے تمام بنی اسرائیل کو دور دراز سے جمع کیا اور ان کی دعوت کی اور بڑی دھوم دھام سے صندوقِ شہادت اندر رکھا، جب کاہن لوگ سب چیزیں بترتیب اندر رکھ کے باہر آئے تو ایک سیاہ ابر کا ٹکڑا کہ جس سے اندھیرا ہو گیا ہیکل کے اندر گیا جس سے لوگوں کو اس کی مقبولیت کا یقین ہوا تب سلیمان علیہ السلام نے سر سجدہ میں رکھ کر یہ مناجات کی کہ تو آسمان و زمین بر و بحر کسی مکان میں سما نہیں سکتا، اب اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ اس مکان میں جس وقت بندے تیری عبادت کرنے آئیں، دعا مانگیں تو ان سب کی بندگی قبول کر اور ان کی دعائیں سن اور ان کی حاجات کو بر لا کر چہ تو اپنے بندوں کی نگہبانی کرتا ہے جو تجھ سے ڈرتے ہیں تو ان کا زیادہ تر نگہبان اور ان پر بڑا مہربان ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا پھر قربانی بے شمار جانوروں کی گزرانی جن کو سب کے روبرو آسمان سے آگ اتر کر کھا گئی جس سے سب کو مقبول ہونے کا یقین ہوا پھر تمام لوگوں کو رخصت کیا وہ سب خوشیوں کے نعرے مارتے ہوئے اپنے اپنے شہروں اور گاؤں اور گھروں میں چلے گئے۔

آج کے دن سے بھی زیادہ کوئی دن خوشی اور اقبال کا بنی اسرائیل کے لیے نہ ہوا ہوگا آج آفتابِ اقبال و دولت نصف النہار پر تھا پھر زوال شروع ہوا۔

فصل چہارم ...... ہیکل کی بربادی : سلیمان علیہ السلام چالیس برس سلطنت کر کے چورانوے برس کی عمر میں جاں بحق ہوئے ان کے بعد بیٹا رحبعام تخت نشین ہوا۔ یہ شخص اوباش، بدعقل اوباشوں کا دوست تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اقتدارِ سلطنت حاصل کر کے پورا بے

---

[1] یوسفس مؤرخ اپنی کتاب کے حصہ ہشتم باب ۶ میں کہتا ہے کہ سلیمان کے پاس ایسے بھی منتر تھے کہ جن سے دیو دفع ہو جاتے تھے پھر ان کے ایک منتر کا اثر اپنے مشاہدہ میں آنا بھی لکھتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جن اور دیو ان کے مسخر تھے اس بات کا استعجاب ان کو ہے کہ جو دیو اور جن کا صرف اپنے مشاہدہ میں نہ آنے سے انکار کرتے ہیں جس لیے تاریخی واقعات کی غلط توجیہیں کرنے پر مجبور ہوتے اس تقدیر پر جنوں سے کام لینا بھی کچھ بعید نہیں جیسا کہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے۔

دین ہو گیا جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ بارہ فرقوں میں سے صرف دو فرقے بنی اسرائیل کے اس کی حکومت میں رہ گئے اور دس کا ایک شخص یربعام نامی بادشاہ ہو گیا۔

سیساق کا حملہ : اس کے چندروز بعد سیساق شاہ مصر دو سو رتھ اور ساٹھ ہزار سوار اور چار لاکھ پیادہ لے کر یروسلم پر چڑھ آیا۔ اگرچہ شہر کو ڈھایا یا جلایا نہیں نہ ہیکل کو گرایا مگر اس میں جس قدر سونے چاندی کا اسباب بے تعداد قیمت کا تھا سب لے گیا جس کے بعد رحبعام نے پیتل کا سامان بنایا۔ یہ پہلی مصیبت تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ہیکل اور یروسلم پر آئی۔

بارِ دوم : رحبعام سے یوسیا کے عہد تک جو تخمیناً چار سو برس کا زمانہ ہے، یروسلم میں متعدد بادشاہ گزرے اور ان میں بنی اسرائیل کی دوسری سلطنت میں دو ٹکڑے ہو کر دو سلطنت قائم ہو گئی تھیں باہم بہت کچھ جدال و قتال بھی ہوئے جس سے بنی اسرائیل کی سلطنت میں ضعف آ گیا تھا اور ان میں بت پرست بادشاہ بھی ہوئے جن کی بے التفاتی سے ہیکل خراب و خستہ اور بے مرمت پڑی رہی اور اسی عرصہ میں توریت بھی اور صندوقِ شہادت کے تبرکات بھی جاتے رہے مگر یوسیا نے پھر ہیکل کی مرمت کی اور اس کی مرمت میں بہت کچھ روپیہ صرف کیا۔ یہ بادشاہ دیندار تھا اس کے عہد میں مصر کے بادشاہ فرعون نیکوہ نے ملک آسور پر چڑھائی کی اس کا ایک صوبہ شاہ بابل نیوپلز بخت نصر کا باپ بھی تھا یوسیا کا ملک چونکہ بیچ میں حائل تھا، یہ شاہِ مصر کا معارض ہوا آخر باہم جنگ ہوئی جس میں یوسیا زخمی ہو کر مر گیا (یہ یرمیاہ علیہ السلام کا زمانہ ہے) اس کے بعد اس کا بیٹا یہوداٰ آخذ یروسلم کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے تیسرے مہینے پھر وہی مصر کا بادشاہ یروسلم پر حملہ آور ہوا اور اس میں شہزادہ کو زنجیروں میں جکڑ کر مصر لے گیا اور یہ وہاں جاتے ہی مر گیا اور شہر یروسلم اور ہیکل پر بھی قدرے دستِ نطال دراز کیا اور اس کی جگہ یوسیا کے دوسرے بیٹے اِل لقیم کو تخت یروسلم پر بٹھا دیا اور اس کا نام بدل کر یہولقیم رکھا اور چار لاکھ چار ہزار تین سو کیاون روپیہ سالانہ باج گزاری کا مقرر کیا۔ یہ شہر یروسلم پر دوسری دفعہ کی مصیبت تھی مگر اب تک سلیمانی ہیکل اور شہر کے شاہی مکانات اور شہر پناہ بدستور قائم تھی جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا۔

بارِ سوم : اس واقعہ کے چند سال بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ملک یہودیہ پر چڑھائی کی اور یروسلم کو فتح کر کے یہولقیم کو اپنا باج گزار بنایا اور بہت کچھ مال و دولت لوٹا اور خاندانِ شاہی میں سے ایک گروہ کو اپنے محل کا خواجہ سرا بنا کر لے گیا۔ ان اسیروں میں حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام اور ان کے تین رفیق بھی تھے۔

اس کے تھوڑے دنوں بعد یہولقیم نے بدعہدی کر کے شاہِ بابل کی اطاعت سے انحراف کیا۔ شاہ بابل ان دنوں اپنی ماں کے ماتم اور دیگر علائق میں مبتلا تھا خود تو نہ آ سکا لیکن اس نے یہودیہ کے آس پاس کے سرداروں کو جو سریانی اور موابی اور عمونی وغیرہ تھے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے چاروں طرف سے ملک پر تاخت و غارت گری کر کے گیارہ برس تک یہولقیم کا ناک میں دم کر دیا آخر اس کو قتل کر کے یروشلم کے پھاٹک کے باہر پھینک دیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا یکونیا یروسلم کے تخت پر بیٹھا اس کے تیسرے مہینے خود بخت نصر ایک جرار لشکر لے کر یروسلم پر چڑھ آیا۔ شہر کو فتح کر کے یکونیا اور اس کی ماں اور دیگر بیگموں اور شہر کے امیروں اور ہر قسم کے کاریگروں، لوہاروں اور سنگتراشوں[1] کو اور شاہی خزانہ اور ہیکل کے سب سونے کے برتنوں اور دیگر سامان کو لوٹ کر لے گیا اور یکونیا کے عزیزوں میں سے ایک شخص صدقیاہ کو حکومت دے گیا اور اس سے فرمانبرداری کا عہد لکھا لیا۔ بخت نصر کا واپس ہونا تھا کہ آس پاس کے سرداروں نے اپنی دوستی اور بخت نصر کی بغاوت پر آمادہ کرنے کے لیے ایلچی بھیجنے شروع کیے۔ ادھر شاہِ مصر نے ہمت دلائی آخر اپنی سلطنت کے نویں سال یہ بدعقل شہزادہ شاہ مصر کا اعلاناً معاہد ہو گیا اور شاہِ بابل

[1] اپنا محل بابل میں تیار کروانے کے لیے۔ ۱۲ منہ

سے کھلم کھلا انحراف ظاہر کر دیا۔

بار چہارم : اس کے دو برس بعد بخت نصر بڑے بھاری لشکر کے ساتھ یروشلم کی طرف متوجہ ہوا۔ ادھر شاہ مصر نے بھی اپنی کمک صدقیاہ کے لیے بھیجی مگر اس خونخوار فوج کے سامنے کون ٹھہر سکتا تھا جو بنی اسرائیل کے اوباش اور فاسق اور مرتد بادشاہوں سے انتقام لینے کے لیے قہرِالٰہی کا نمونہ تھی، آخر فتح کرلیا صدقیاہ روپوش ہو کر بھاگتا ہوا گرفتار ہوا اور شہر ربلہ میں قید کر کے بھیجا گیا، وہاں اس کے بیٹے قتل ہوئے اور اس کی آنکھیں پھوڑ کر زنجیریں پہنا کر بابل میں بھیجا گیا جہاں جا کر وہ جلد مر گیا۔

بخت نصر کے سپہ سالار نے یروشلم اور ہیکل کے سب مال واسباب کو جمع کر کے باقی تمام شہر اور ہیکل میں آگ لگا دی اور سب کو جلا کر خاک کر دیا اور ہیکل اور شہر کو بنیادوں تک اکھاڑ کر میدان بنا دیا اور ہزار ہا مرد و زن کو اسیر کر کے بابل میں پہنچا دیا اور ہیکل کے وہ برنجی ستون اور وہ حوض اور وہ ڈھلے ہوئے جالی دار پیتل کے سامان اور وہ بیل اور وہ کروبی جن کو زمانہ کے منتخب کاریگروں نے کس محنت سے بنایا تھا سب کو بابل روانہ کیا اور بیشتر کو توڑ پھوڑ دیا۔ توریت کو بھی جو ایک نقلی نسخہ تھا وہیں جلا دیا آج یہود کے اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔ آج وہ ہیکلِ سلیمانی جس کی دنیا میں نظیر نہ تھی منہدم ہو گئی۔ شہر کے عمدہ مکانات اور بازار برباد ہو گئے۔ آج یہودیہ کا ملک اور کوہِ صیحون بنی اسرائیل کو کس اشکِ حسرت کے ساتھ رخصت کرتے اور بابل کے سفاک سپاہیوں کے ہاتھ میں ان کی زنجیریں دیتے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

یہ حادثۂ عبرت خیز حضرت مسیح علیہ السلام سے بقول اکثر مورخین پانچ سو چھیاسی برس پیشتر گزرا ہے یعنی تخمیناً چار سو پندرہ برس بعد تعمیر ہونے کے ہیکل برباد ہوئی ہے۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام چونکہ صدقیاہ بدبخت کو اس پیش آنے والی مصیبت سے مطلع کر کے اس کی بدکاری اور بت پرستی سے نصیحت فرماتے تھے اس لیے ان کو صدقیاہ نے قید کر دیا تھا اسی طرح اس سے پیشتر بھی یروشلم کے بدبخت بادشاہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل و قید کیا تھا۔

شاہ بابل کے ملازموں نے حضرت یرمیاہ کو قید سے رہائی دے کر ان کے ساتھ نیک سلوک کیا اور آزادی دی کہ جہاں چاہو رہا کرو، اب شہر بلکہ ملک اجاڑ پڑا ہے اور جو چند کنگال یہودی گردونواح میں باقی تھے جن کو کاشت و خدمت کے لیے رکھا تھا ان پر جدلیاہ بن اخی عام کو حاکم مقرر کر کے مصفاہ میں رہنے کا حکم دیا۔ غالباً وہ شخص کہ جس کا قصہ قرآن مجید میں ہے، قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا۔ یہ بھی حضرت یرمیاہ ہیں جو ہیکل اور یروشلم کی بربادی دیکھ کر دل میں کڑھتے اور روتے تھے۔ انہوں نے ہی نے حسرت سے یہ کہا تھا کہ یہ شہر اب کیونکر آباد ہو گا۔ خدا نے کرشمۂ قدرت دکھانے کے لیے ان کی روح قبض کر لی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا، اس پر سو برس کا عرصہ گزر گیا لیکن اس عرصہ میں بنی اسرائیل بابل سے رہا ہو کر پھر یہاں آئے اور دوبارہ ہیکل اور شہر تعمیر ہو گیا۔ اس کے بعد خدا نے یرمیاہ کو بھی زندہ کر دیا اور ان سے پوچھا کہ کتنی دیر تک تم مرے پڑے رہے۔ انہوں نے کہا ایک دن یا کچھ کم پہر، خدا نے ان کے روبرو ان کے گدھے کو بھی زندہ کر دیا اور فرمایا کہ تم پورے سو برس تک مرے رہے اور انہیں کے سامنے ان کی سواری کے گدھے کو بھی زندہ کیا اور فرمایا ہماری قدرت دیکھو کہ ہم نے اجڑے شہر کو کیسا آباد کر دیا؟

بعض لوگ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یرمیاہ سو گئے تھے اور خواب میں ان کو خدا تعالیٰ نے یہ کیفیت دکھائی تھی۔ اسی طرح یہودی اور عیسائی مؤرخ بھی اس قصہ کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ یرمیاہ مصر چلے گئے تھے، وہیں مرے۔

ہیکل کی دوبارہ تعمیر : بابل میں ستر برس تک یہودی رہے اس عرصہ میں اپنے دینی دستورات بلکہ اکثر اپنی اصلی زبان سے بھی ناآشنا ہو گئے تھے جب شاہانِ بابل کا ایران کے بادشاہ خسرو کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا تو مسیح سے تخمیناً پانچ سو برس پیشتر شاہِ ایران کے حکم سے بیالیس ہزار یہودی جن میں یشوع سردار کاہن اور زرو بابل بھی تھے پھر اپنے ملک یہودیہ کو روانہ ہوئے اور ان کو شہر اور ہیکل کی تعمیر کی اجازت بھی ملی

اور ہیکل کا بچا کچھا اسباب بھی ملا مگر باقی یہودی بابل ہی میں رہے۔ حضرت حز قیل اور دانیال علیہ السلام یہیں فوت ہو گئے تھے۔ بنی اسرائیل نے آکر تعمیر شروع کی مگر لوگوں کی غمازی سے کم بی سیسی نے روک دیا۔ نو برس تعمیر رکی رہی، پھر شاہ دارا کے حکم سے تعمیر شروع ہو گئی اور کئی برس میں ہیکل اسی جگہ اور اسی نمونہ پر تعمیر ہوئی۔ فرقہ سامری نے بھی شریک ہونا چاہا مگر یہود نے ان کی شرکت سے انکار کیا۔ سامری بھی یہودی تھے ان کو آسور کا بادشاہ شالمند زمسیح سے سات سو اکیس برس بیشتر اسیر کر کے لے گیا تھا اور وہاں ان کی نسل غیر قوموں سے مخلوط ہو گئی اور عرصہ کے بعد پھر یہ دوغلی قوم اپنے ملک سامریہ میں آبسی۔ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے اس دوسری سلطنت کے لوگ ہیں جنہوں نے رحبعام کی ماتحتی میں ایک دوسری سلطنت قائم کی تھی تب سامریوں نے ایک کولاوے کے فرقہ میں سے اپنا کاہن یعنی امام بنا کر ان کے مقابلے میں اپنے لیے کوہ جرزین پر ایک اور ہیکل بنائی[1]۔

ع اپنا کعبہ جدا بنائیں گے ہم

توریت میں جو عیبال پہاڑ پر معبد بنانے کا اشارہ ہے (استثناء ۲۷ باب ۴ درس) انہوں نے اس لفظ عیبال کو بدل کر جرزین بنایا اور یروسلم کے منکر ہو گئے اور ایک دوسرے کو تحریفِ توریت کا الزام دینے لگے اور یہ جھگڑا ان میں قرنوں تک باقی رہا۔ چنانچہ ایک بار اسکندریہ کے یہودیوں اور سامریوں میں یہ مباحثہ پیش ہوا اور شاہِ مصر کے روبرو ایک سو پچاس برس مسیح سے پیشتر سامریوں نے شکست کھائی۔

سامری توریت کے پانچوں حصوں کو تو مانتے ہیں باقی عہدِ عتیق اور عہدِ جدید میں سے اور کسی کتاب کو الہامی نہیں جانتے۔ یہ لوگ اب بھی شام میں موجود ہیں۔

الغرض ہیکل دوبارہ پھر اسی طور سے تعمیر ہوئی، زور بابل بن سلتائیل اور یوشع بن صدق اس کے مہتمم تھے اور حجی اور زکریا بن عید وعلیہما السلام مذہبی دستور کے موافق ہدایت کرتے جاتے تھے اور شاہِ ایران کی طرف سے تعمیر کا خرچ اور لکڑی پتھر کی مدد ملتی تھی اور ان اضلاع کے صوبے نہایت سرگرمی سے فرمانِ شاہ کے بموجب مدد کرتے تھے۔ عرصہ کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام[2] بھی مع بہت سے ساز و سامان اور ایک جماعت کے آکر شریک ہوئے اور حضرت عزیر نے اپنی یاد پر ان دونوں نبیوں کی مدد سے یہود کے لیے ایک کتاب بھی مرتب کی جس کو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کہتے تھے اور نیز ان کے دین اور رسومِ عبادت کا بھی انتظام کیا۔ دارا کے عہد میں سات برس کے اندر ہیکل بن کر تیار ہوئی اور جب بنی اسرائیل کے لوگ قربانی کرنے کو جمع ہوئے اور بہت سے لوگ دف لے کر خدا کی حمد و ستائش گانے لگے تو نوعمر ہیکل کی خوشی میں نعرے مارتے اور پرانے لوگ قدیم ہیکل کو یاد کر کے زار زار روتے تھے۔

دارا کے بعد اس کا بیٹا خشیارشاہ تخت نشین ہوا یہ بھی بنی اسرائیل پر بڑا مہربان تھا۔ اس کے مقرب حضرت نحمیا علیہ السلام تھے جو شہر سوسن[3] دارالسلطنت ایران میں رہتے تھے ان سے چند بنی اسرائیل نے بیان کیا کہ شہر پناہ نہ ہونے کی وجہ سے اطراف کے لوگ ہم کو لوٹتے ہیں۔ حضرت نحمیاہ نے بادشاہ سے اجازت اور پروانہ لیا اور خود بھی آئے اور شہر پناہ بھی بنوائی۔ (یہ یوسفس کا بیان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

---

[1] وقضينا الى بنى اسرائيل فى الكتاب لتفسدن فى الارض مرتين ولتعلن علوا كبيرا فاذا جاء وعد اولهما بعثنا عليكم عبادًا لنا اولى باس شديد فجاسوا خلال الديار الآیہ خداتعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مطلع کر دیا تھا کہ تم دوبار سرکشی نہایت درجہ کی کرو گے تو ہم تم پر ایک زور آور قوم مسلط کریں گے اس میں بخت نصر کی طرف اشارہ ہے چنانچہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور فساد کا اس زمانہ میں انتہا نہ رہا تھا پس ان پر بخت نصر مسلط ہوا جس نے ان کو برباد کر دیا اس کے بعد پھر بنی اسرائیل اپنے ملک میں آباد ہوئے اور ہیکل اور شہر آباد ہوا تو پھر دوبارہ سرکشی اور کفر و بت پرستی کرنے لگے اس لیے دوبارہ بلائے عظیم ان پر نازل ہوئی جس میں انیٹوکس یا طیطس شاہ روم کی چڑھائی کی طرف اشارہ ہے۔

[2] عزیر کو اہل کتاب عزرا کہتے ہیں حجی اور زکریا بھی اس عہد کے نبی تھے یہ وہ زکریا نہیں جو حضرت یحییٰ کے (جن کو یوحنا کہتے ہیں) باپ تھے۔ ۱۲

[3] جس کو آج کل شوشتر کہتے ہیں یہ شہر کیانی بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔ ۱۲ منہ

دارا وہ نہیں کہ جس کو سکندر رومی نے مغلوب کیا کیونکہ اس دارا کا کوئی بیٹا نہ تھا) اس کے بعد سے یروشلم اور اس کے باشندے شاہانِ ایران کے مطیع ہو گئے ان کی مستقل حکومت نہ تھی۔ سکندر رومی کے عہد تک سکندر فلپ نے یونان سے خروج کر کے مشرقی ملکوں پر حملہ کرنا شروع کیا اور آخر دارا شاہِ فارس کو شکست دے کر ملکِ فارس اپنے قبضہ میں کر لیا اور اس کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ (یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو تینتیس برس پہلے گزرا ہے) پھر شہر بابل میں آ کر عین شباب میں مر گیا۔

اس کے عہد میں یروشلم کے کاہنوں نے اس کی حکومت قبول کر لی تھی اسی لیے ہیکل اور یروشلم جدید پر کوئی نئی مصیبت نہیں آئی اور نیز یہود اب تک اپنے افعالِ قبیحہ پر نادم اور تائب بھی تھے کہ جس کی وجہ سے تازہ مصیبت میں گرفتار نہ ہوئے مگر اس کے بعد پھر بدکاری اور گناہ کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ بموجب اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔ اس کے بعد پھر موردِ بلا ہوئے۔

سکندر کے بعد اس کا تمام ملک اس کے سرداروں پر تقسیم ہو گیا[1]۔ انٹی گونس نے ایشیا پر سلوکس نے ملک بابل پر اور لسی ماخس نے پلس پانٹ پر اور کس ڈر نے مسڈون پر اور ٹولمی ابن لاگس نے ملک مصر پر قبضہ کیا (یوسفس) اس ٹولمی نے ملک یہودیا اور یروشلم پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور یہودیوں کو اپنی رعیت بنایا اور ان کو دیندار سمجھ کر بہت کو عمدہ عمدہ عہدے بھی دیے اس لیے بہت سے یہود اس کی قدردانی سے ملک مصر میں چلے گئے اور ہزاروں اسکندریہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ پھر مصری بادشاہ کو یہودی کتابوں کے جمع کرنے اور عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ کرانے کا شوق ہوا تو الی العزر یہودیوں کے سردار کاہن کے نام ایک خط لکھا اور چند افسر بہت سا ہدیہ دے کر بھیجے کہ آپ ہر فرقہ سے چند منتخب علماء میرے پاس بھیج دیجئے تا کہ وہ مجھے ترجمہ میں مدد دیں۔ کاہن نے بڑے شکریہ کے ساتھ جواب لکھا اور بہتر یہودی عالم کتابیں دے کر ترجمہ کرنے کو بھیجے جنہوں نے شریعت کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ کو سپٹواجنٹ[2] کہتے ہیں جس کے معنی بہتر (۷۲) کے ہیں۔ اس کے عہد میں یہودیوں نے بڑی عزت پائی تھی۔ اسی طرح ایشیاء کے بادشاہوں نے بھی یہود کی نہایت عزت و حرمت کی تھی چنانچہ سلوکس نے ایشیا اور شام سریا میں قلعے بنا کر یہودیوں کو ان کے سردار بنا دیا تھا اور اپنے دارالسلطنت انطاکیہ میں بھی ان کو بہت کچھ دخل دیا تھا۔

واضح ہو کہ سکندر کے بعد جب ملک کے ٹکڑے ہو گئے تو ایک شخص ایتوگونس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو برس پیشتر یعنی سکندر کی وفات کے تینتیس برس بعد شہر انتاکیہ (انطاکیہ) آباد کر کے اس کو اپنا دارالسلطنت ٹھہرایا۔ یہ یونانی سلطنت کہلاتی تھی اور اس خاندان کے بادشاہ اینٹوکس کہلاتے تھے۔ ان کی اور مصر کے بادشاہوں اتالمی خاندان کی ہمیشہ لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہودی بے چارے ان دونوں پتھروں میں پسا کرتے تھے۔

یروشلم پر پانچواں حادثہ : آخر اینٹوکس چہارم کا تسلط یروشلم پر ہو گیا جس نے کہانت کا عہدہ تیرہ لاکھ میں یسون یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پھر اس سے واپس لے کر اس کے بھائی منلاؤس کے ہاتھ چوبیس لاکھ پچھتر ہزار پر فروخت کر ڈالا۔ اینٹوکس کی خبر وفات سن کر یسون اپنے بھائی پر حملہ آور ہوا اور اس کو قتل کر دیا۔ چونکہ یہ بادشاہ ہنوز زندہ تھا، طیش میں آ کر حضرت مسیح سے ایک سو ستر برس پہلے یروشلم پر

---

۱ سکندریہ کی سلطنت عظیم اس کے چاروں سرداروں میں یوں تقسیم ہوئی، سلوکس کو ایران و بابل اور چند صوبے مشرقی ملے کالس سانڈر کو مقدونیہ اور اس کے صوبجات انٹگونس (اینٹوکس) کو شام اور ایشیاءِ کوچک کے اکثر صوبجات اور ٹالمی نے مصر اور اس کے اطراف پر قبضہ کیا۔ (دیباچہ رومن قرآن مطبوعہ الہ آباد ۱۸۴۲ء)۔۱۲

۲ یہ ترجمہ مسیح سے دو سو برس پہلے سکندریہ میں ہوا اردو تاریخ کلیسیا مطبوعہ ۱۸۷۰ء حاشیہ صفحہ ۹۸

مسیح سے ۳۱۴ برس آگے اینٹوکس نے یہودیہ کو ٹولمی شاہ مصر کے ہاتھ سے چھوڑا لیا تھا مگر مسیح سے ۳۰۲ برس آگے پھر ٹولمی نے ملک یہودیہ کو لے لیا اور ۲۰۵ برس پیشتر تک مصریوں ہی کے قبضہ میں رہا۔ یہ زمانہ یہود کے لیے بڑے امن کا تھا اسی عہد میں یہود نے پہلی کتابوں اور دیگر روایات کو جمع کیا۔ یہ توریتِ موجودہ و صحفِ انبیاء اسی عہد کی تالیف ہیں۔ اسی عہد میں سپٹواجنٹ ترجمہ بھی ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

چڑھ آیا چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور چالیس ہزار کو قید کر کے لے گیا اور ہیکل کا اسباب جو چار کروڑ انسٹھ لاکھ ساٹھ ہزار کی مالیت کا تھا لوٹ کر لے گیا اور ہیکل کی نہایت بے عزتی کی اور ایک ظالم کو یروسلم کا حاکم مقرر کر گیا۔

پھر مسیح سے ۱۶۹ برس پیشتر شاہِ انطا کیہ نے مصر پر حملہ کیا لیکن یہود اس حملہ میں شاہِ مصر کے طرفدار ہو گئے اور شاہ انطا کیہ شکست کھا کر واپس آیا تب اس نے اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ یروشلم کو برباد کرے۔ چنانچہ اس نے آ کر قتلِ عام کیا اور شہر میں آگ لگادی اور شہر پناہ اور دیگر عمدہ مکانات کو گرادیا (مگر ہیکل بچ رہی) پھر اینٹوکس کو انطا کیہ پہنچ کر یہ خبط پیدا ہوا کہ سب لوگوں کو یونانیوں کے مذہب بت پرستی پر چلا دے چنانچہ اس نے اپنے نائب اسپنیوس کو یہودیوں پر حاکم مقرر کر کے بھیجا اور حکم دیا کہ جو مذہب بت پرستی نہ مانے تو اس کو قتل کر ڈالنا۔ حاکم نے یروسلم پہنچ کر چند بے دین یہودیوں کو اپنا شریک کر کے لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کیا اور تمام کتبِ یہود کو تلاش کر کے جلا دیا اور ہیکل میں جوپٹر کی مورت قائم کی اور جس نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اس کو قتل کیا۔

اسمونی خاندان : اسمونی خاندان کا ایک بوڑھا کاہن مت تاتھیس اپنے پانچ بیٹوں یوحنا، شمعون، یہوداہ، ایلعاذر، یونتان کو لے کر اپنا دین بچانے کے لیے یروشلم سے بھاگ کر اپنے وطن اور شہر مودن میں آرہا۔ یہاں بھی اس کے تعاقب میں اینٹوکس کے لوگ آئے، اس نے پانچوں بیٹوں اور بہت سے دین دار یہودیوں کو جمع کر کے جہاد کیا جس میں شاہی لوگ شکست کھا کر بھاگے۔ پھر اس نے بتوں کو توڑا اور بت پرستوں کو قتل کیا۔ مسیح سے ایک سو سڑسٹھ برس پیشتر۔

اس کے بعد اس کا بیٹا یہوداہ جس کا لقب مقابیس تھا اس کے قائم مقام ہوا۔ یہ وہی مقابیس ہے جس کی دو کتابیں مقابیس اول و مقابیس دوم عبرانی زبان میں ہیں اور یونانی اور سریانی و رومن کیتھولک عیسائی اب تک ان کو آسمانی کتابوں کے مجموعہ میں شمار کرتے ہیں۔ مقابیس نے یروشلم کو لیا اور کھنڈر شہر کی مرمت کی اور ہیکل کو بتوں سے پاک و صاف کیا۔ اینٹوکس نے انتقام کا قصد کیا مگر وہ تھوڑے دنوں کے بعد بیمار ہو کر مر گیا[1] پھر مسیح سے ایک سو اکسٹھ برس پیشتر مقابیس ایک لڑائی میں شہید[2] ہو گئے۔

اس کے بعد ان کا بھائی یونتان قائم مقام ہوا اس نے بھی اپنے بھائی شمعون کی مدد سے دینِ یہود کا انتظام نہایت عمدگی سے کیا لیکن وہ بھی سریا کے بادشاہ کے ہاتھ شہر پطولیمس میں مارا گیا اس کے بعد اس کا بھائی شمعون مسیح سے ایک سو چوالیس برس پہلے اس کا قائمقام ہوا اور اس نے بھی یہودیوں کو غیر قوموں کی حکومت سے آزاد کرانے میں بڑی کوشش کی لیکن یہ بھی اپنے داماد کے ہاتھ سے یریسیو شہر کے قلعہ میں جبکہ وہ کسی مہم سے واپس آرہا تھا دغا سے مارا گیا۔

اس کے بعد شمعون کا بیٹا یوحنا حاکم اور سردار کاہن ہوا اس نے چند یہودیہ کے صوبوں پر اپنا قبضہ کر لیا اور سامریوں کی ہیکل کو بھی غارت کر دیا اور بہت سے یہودیوں کو انطا کی مذہب سے پھیر لیا اور رومیوں سے بھی از سرِ نو پھر عہد و پیمان مستحکم کیا اس کے فوت ہونے کے بعد اس کا بیٹا ارسطوبولس اس کی گدی پر بیٹھا[3]۔

---

[1] انہیں دنوں میں رومی سلطنت نے جس کا پایہ تخت شہر رومہ ملک اٹلی میں تھا بڑا زور پکڑا تھا۔ یہ سلطنت کمزوروں کی اعانت کیا کرتی تھی یہ سمجھ کر مقابیس نے وہاں اپنے ایلچی بھیجے اور انطا کیہ کے بادشاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس نئی سلطنت سے اتحاد پیدا کیا۔ سلطنت رومی نے ڈیمٹر یوس گورنر اینٹوکس کو دھمکایا تو ڈیمٹر یوس کی فوج نے یروسلم کو آگھیرا لیکن روم سے کچھ بھی مدد نہ آئی اور مقابیس کے ساتھی بھاگ گئے۔ مقابیس خود بڑے استقلال کے ساتھ لڑ کر شہید ہو گئے۔ ۱۲ منہ۔

[2] مسیح سے ایک سو سات برس پہلے۔ ۱۲ منہ

[3] شاہانِ مصر کے عہدِ حکومت میں سردار کاہن یروشلم میں حاکم کے طور پر یہاں کا انتظام کرتے تھے اینٹوکس شاہِ سریانی نے جس کا دار السلطنت انطا کیہ تھا ←

اس نے اگلے زمانہ کی طرح پھر یہودیہ میں بادشاہت قائم کی۔اسیری بابل کے بعد یہ اول شخص ہے کہ جو یہود کا بادشاہ کہلایا۔اس نے یہودیوں کا ایک بڑا دفینہ برآمد کیا تھا۔اس کے بعد اس کا بیٹا سکندر جن نیوس تخت نشین ہوا۔ستائیس برس حکومت کر کے مسیح سے اناسی برس پیشتر انتقال کر گیا ان دنوں میں دو یہودی بھائیوں میں عہدۂ کہانت کی بابت جھگڑا پیدا ہوا اور ہر ایک نے اپنی عرضی پوری شاہ روم کے پاس بھیجی جو آس پاس کے ملکوں کو فتح کر چکا تھا۔

یہ بادشاہ یروسلم پر چڑھ آیا اور تین مہینے کے محاصرہ کے بعد یروشلم کو فتح کر لیا اس لڑائی میں بارہ ہزار یہودی مارے گئے اور اپنی طرف سے ایک کو سردار کاہن مقرر کر لیا۔اس وقت سے ملک یہودیہ روم کے بادشاہوں کی حکومت میں آ گیا جن دنوں میں کہ رومی سرداران ملکوں کی فتوحات میں مصروف تھے۔ایک شخص ادومی انٹی پیٹر نے رومیوں کو بڑی مدد دی تھی جس کے صلہ میں جیولس قیصر روم نے اس کے بیٹے اینٹی پیٹر کو ملک یہودیہ اور اس کے پاس کے ملکوں کا حاکم مقرر کر دیا جس کے تحت میں یہود کا کاہن یعنی امام یروسلم کا حاکم بھی تھا۔

مسیح سے چالیس برس پیشتر انٹی پیٹر مذکور مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ہیرودیس سوریا اور جلیل کا حاکم مقرر ہوا لیکن ان دنوں میں یہود کا کاہن اور حاکم انٹی گونس یہودی تھا اس نے ہیرودیس مذکور کی یہاں تک مخالفت کی کہ اس کو شہر روم میں بھاگ جانے کے سوا چارہ نہ ہوا۔شاہِ روم نے اس کی خاندانی خدمات کے لحاظ سے پھر اس کو یہودیوں کا حاکم بنا کر بھیجا۔اس پر بھی اس کو کاہن مذکور سے تین برس تک لڑنا پڑا آخیر یروشلم کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور مریمن یہودن سے شادی کر کے یہود کا بادشاہ بن گیا اس کی حکومت پینتیس برس تک رہی اسی کے اخیر عہد میں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔(صحیح یہ ہے کہ اس کے بعد)۔

ہیکل کی سہ بارہ تعمیر : اس نے یہود کے خوش کرنے کے واسطے ہیکل کو رفتہ رفتہ از سرِ نو تعمیر کرانا شروع کیا اس طرح پر کہ جب تھوڑے سے ٹکڑے کو توڑ کر بنا چکتے تھے تب دوسرے ٹکڑے کو توڑتے تھے اس طرح پر تمام عمارت نئے سرے سے بہت خوبصورت اور خوشنما بن کر مسیح سے آٹھ برس آگے عبادت کے لیے تیار ہو گئی مگر اس کی تکمیل چھیالیس برس تک ہوتی رہی مسیح کی تیس برس کی عمر تک۔اٹھارہ ہزار آدمی نو برس تک اس میں کام کرتے رہے اور جبکہ موریہ پہاڑی کی چوٹی اس کی وسعت کے لیے کافی نہ ہوئی تو پہاڑی کے چاروں طرف بڑا سنگین پشتہ باندھا گیا۔یہ بہت بلند تھا خصوصاً دکھن کی طرف چھ سو فٹ کی بلندی تھی۔احاطہ کے باہر والی دیوار اسی پشتہ پر بنی تھی جس کی بلندی ۲۵ فٹ تھی اور آدھے میل کا گھیر تھا۔اس کے اندر چاروں طرف دیوار کے پاس بہت خوشنما برآمدے بنے تھے۔ان برآمدوں میں لوگ ٹہلتے اور انہیں میں صراف اور کبوتر فروش بیٹھتے تھے جو ہیکل کی نذر و نیاز والوں کے لیے چیزیں فروخت کرتے تھے اور اسی جگہ ایک مکان تھا کہ جہاں بیٹھ کر یہودی معلم جو ربی کہلاتے تھے مسائل تعلیم کیا کرتے تھے اسی جگہ ربیوں کو مسیح نے لاجواب کیا تھا (لوقا ۲ باب ۶) پہلے عیسائی بھی یہاں جمع ہوا کرتے تھے (اعمال ۲ باب ۴۶)۔

اس احاطہ کی دیوار میں نو پھاٹک تھے اور ان میں داخل ہونے کے لیے بڑے بڑے زینہ پشتہ پر بنے ہوئے تھے۔یہ سب پھاٹک بڑے خوشنما تھے خصوصاً مشرق کی طرف کا پھاٹک جو زیتون کی پہاڑی کے سامنے تھا۔یہ پھاٹک عمدہ پیتل کا تھا اس کی بلندی پینتیس ہاتھ تھی اور اس

← ۲۱۹ تک ٹولمی چہارم اور پنجم سے کئی بار جنگ کی اس عہد میں یہود کو طرح طرح کی تکلیف پہنچی اخیر جنگ میں یہودی مصریوں کو چھوڑ کر شاہ سریا کے طرفدار ہو گئے جس سے شاہ مذکور نے ہیکل اور شہر کی مرمت کی اور سالیانہ بھی مقرر کیا مگر اس کے جانشین نے اس کو موقوف کر دیا اور ارادۂ بد کیا پھر اس کے جانشین اینٹوکس چہارم نے کہانت کا عہدہ فروخت کیا جس پر یہود نے بغاوت اختیار کی اور پھر اینٹوکس نے یروشلم پر حملہ کر کے شہر کو غارت کیا اور ہیکل کا وہ سامان جو شاہانِ ایران و مصر سے ملا تھا لوٹ لیا اور شہر کو ویران کر دیا۔۱۲ منہ

کے پاس کے برآمدہ کو سلیمان کا برآمدہ کہتے تھے۔ باہر والا احاطہ عام لوگوں کے لیے تھا اس کے اندر ایک اور احاطہ تھا کہ جہاں صرف یہودی عورتیں جاسکتی تھیں وہ بھی اس وقت جبکہ قربانیاں لاتی تھیں اس کے آگے اسرائیلیوں کا احاطہ تھا اور اس کے آگے لاویوں کا جہاں قربان گاہ اور پیتل کا حوض خاص ہیکل کے سامنے رکھا تھا۔ خاص ہیکل بہت بلند اور نہایت خوشنما تھی۔ اس کے سامنے ایک برآمدہ ڈیڑھ سو فٹ بلند اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ ہیکل کے اندر دو دالان یا کمرے تھے۔ ایک جو قدوس کہلاتا تھا، ساٹھ فٹ لمبا اور اتنا ہی اونچا اور تیس فٹ چوڑا تھا اس میں نذر کی روٹیاں رکھنے کی میز اور بخور جلانے کی قربان گاہ اور سونے کے شمعدان رکھے ہوئے تھے۔ اس سے آگے دوسرا کمرہ قدس الاقدس کہلاتا تھا۔ یہ بیس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا اور اتنا ہی اونچا کمرہ تھا۔ پہلی ہیکل کے وقت اسی کمرہ میں عہد کا صندوق رہتا تھا کہ جس میں شریعت کی دو لوحیں اور من کا مرتبان اور ہارون علیہ السلام کا عصا تھا اس میں بجز سردار کاہن کے اور کوئی نہیں جاسکتا تھا۔ وہ بھی سال میں ایک بار ان دونوں کمروں کے درمیان کتاں کا ایک باریک پردہ بڑا قیمتی پڑا رہتا تھا۔ خاص ہیکل کے چاروں طرف سہ منزلہ بہت سے کمرے کاہنوں کے رہنے کے لیے بنے تھے اور احاطہ میں بہت سی اسی قسم کی عمارات تھیں۔ یہ سب عمارات سنگِ مرمر سے بنائی گئی تھیں (تفسیر پادری اسکاٹ)۔

جو ہیکل کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں تھی وہ یہی تھی اسی کے کسی کمرہ میں حضرت مریم علیہا السلام نے زکریا علیہ السلام کے پاس پرورش پائی تھی۔ اسی ہیکل میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری عبادت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔

یہ ہیرودیس شہر یریحو میں مرگیا اس کے ظلم وستم سے بنی اسرائیل سخت ناراض تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہیرودیس ثانی اپنے باپ کا جانشین ہوا اسی کے خوف سے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مصر کی طرف بھاگ گئے تھے اور اسی کے عہد میں اسی کے حکم سے حضرت یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک اس کی جورو اور بیٹی کے کہنے سے کاٹ کر ایک طشت میں اس کے سامنے لایا گیا تھا۔

ہیرودیس اول کے تین بیٹے تھے اس لیے اس کے بعد اس کے ملک کے بھی تین حصہ ہوگئے۔ ملک یہودیہ اور ادومیہ اور سامریہ ارکلاؤس کو ملا اور بیت عینا اور تراخونیتس وغیرہ فلپیوس کو گلیتہ اور پریہ انطپاس کو۔ اور سب کو ہیرودیس ہی کہتے تھے۔ یہ ارکلاؤس اپنے باپ کی طرح بڑا ظالم اور سنگ دل تھا اسی لیے اس کی حکومت کے نو برس بعد اس کو اگستس قیصر روم نے بے دخل کر کے ملک گال (فرانس) میں بھیج دیا اور وہ وہیں جا کر مرگیا۔

انہیں دنوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا اور جابجا انہوں نے وعظ و پند و معجزات دکھانے شروع کئے۔ گو یہودی انبیاءِ سابقین کی پیشین گوئی کے منتظر تھے کہ کوئی اولوالعزم رسول پیدا ہونے والا ہے مگر اپنی بداقبالی اور شامت سے الٹے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے جانی دشمن ہوگئے۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر کے پلاطوس کے پاس لے گئے جو قیصرِ روم کی طرف سے تھا اس کے پاس الزامِ بغاوت لگا کر سولی دینے لے گئے تھے۔ اس نے ان کی خاطر سے ان کو سولی دینا چاہا اور خدا نے حضرت کو اوپر اٹھالیا اور ان کی صورت میں کسی اور کو کر دیا جو وہ سولی دیا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد حواریوں پر بھی بڑا ظلم وستم ہوتا رہا۔ نہ صرف یہودیوں کی طرف سے بلکہ شاہانِ روم کی طرف سے بھی۔

حضرت مسیح نے اثناءِ وعظ میں بارہا یہود کو ایک آسمانی بلا سے ڈرایا تھا کہ عنقریب تم کو آفت آنے والی ہے اور ہیکل اور شہر کو برباد کرنے والی ہے مگر وہ اس کا کب باور کرتے تھے[1] چنانچہ حضرت مسیح کے بعد جبکہ ملک یہودیہ میں خاندان ہیرودیس کی بدنظمیوں کے سبب قیصر کی

---

[1] یہود کی شان وشوکت رخصت ہونے کے بعد ان میں مذہب اور قومیت کا خون بھی باقی نہ رہا تھا۔ اپنی بیٹیوں کی طمع مال سے ان لوگوں سے شادی کر دیتے تھے جن سے مذہباً سخت ممانعت تھی یعنی نامختون اور بت پرست لوگوں سے اور ان پر فاتح قوموں کا یہاں تک اثر پڑ گیا تھا کہ وہ اپنے نام بھی انہیں ←

طرف سے ایک مستقل گورنر اس ملک میں قائم ہوا اور یروسلم میں رومی لشکر رہنے لگا یہودی ادھر تو رومیوں کی سخت حکومت سے بے دل تھے، ادھر کچھ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کے بادشاہوں اور ان کے اقبال کے افسانہ سن کر جوش اٹھتا تھا کہ کسی طرح رومیوں کی حکومت سے آزادی حاصل ہو، انبیاء کا فرمودہ اور اعمالِ بد کا نتیجہ کب ٹلتا ہے۔ یہ تدبیر الٹی ان کی ہلاکت کا باعث ہوگئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود نے ملک میں بغاوت شروع کی اور آخر کار فوجِ یروسلم کو بھی محاصرہ کر کے قتل کر ڈالا اور بھی بہت سے رومی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور یروسلم میں یہود کا پھر عمل و دخل ہوگیا لیکن عیسائی اس فساد میں شریک نہ تھے بلکہ اسی لیے وہ وہاں سے مسیح کی خبر کے بموجب (لوقا ۲۱ باب ۲۱) باہر بھاگ گئے تھے سیاسٹین رومی سردار ایک لشکرِ مہیب لے کر یروشلم پر چڑھ آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا بہت دنوں تک باہم لڑائیاں ہوتی رہیں۔ رومی سردار نے بار ہا اطاعت کے پیغام بھی بھیجے مگر یہود نے نہ مانا اس عرصہ میں طیطوس اس لشکر کا سپہ سالار ہو کر آیا اور پھر جب وہ قیصر ہوگیا تو اس کی جگہ شہر کا محاصرہ اس کے بیٹے طیطس نے اپنے ذمہ لے لیا۔

یروسلم اور ہیکل پر چھٹا حادثہ : شہر کا سخت محاصرہ کیا اور یوسفس مورخ کو کئی بار یہود کے پاس بھیجا کہ بغاوت سے باز آؤ اور شہر میرے حوالہ کر دو تا کہ تم امن میں رہو مگر یہود کو اپنی شہر پناہ میں گھمنڈ اور نافرمانی کے بدلہ میں خدا تعالیٰ کی مدد پر بڑا بھروسہ تھا، نہ مانا اور حتی المقدور دل توڑ کر مقابلہ کیا۔ آخر غلہ نہ ہونے کی وجہ سے مردارخوری کی نوبت پہنچی اور آپس میں بھی فساد پڑ گیا۔ رومی لشکر شہر میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اس کو قتل کیا۔ مرد و عورت چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہ تھی اور شہر میں آگ لگا دی۔ رومی سپہ سالار نے بہت چاہا کہ ہیکل نہ جلنے پائے مگر اس ہلڑ میں کون سنتا تھا خصوصاً جبکہ چھ ہزار یہودی اس میں پناہ گزیں تھے آخر وہاں بھی آگ کے شعلے اٹھنے لگے اور ہر طرف سے آگ بھڑ کنے لگی اور ہر جانب شہر میں خون کی دھاریں بہنے لگیں، شہر کی بنیادیں تک اکھاڑ دی گئیں اور ہیکل کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ شہر اور ہیکل پر ہل چلا دیا گیا اور ترجمہ سپٹواجنٹ بھی ساتھ ہی جل گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو طیطس شہر رومیہ میں لے گیا تھا (مفتاح الکتاب صفحہ ۲۱) اس حادثہ میں تخمیناً گیارہ لاکھ بنی اسرائیل قتل ہوئے اور لاکھ کے قریب غلام بنائے گئے۔ (اس میں کسی قدر مبالغہ ہے)۔

اس حادثہ سے پہلے چند آثارِ عجیبہ بھی ظہور میں آئے تھے۔ (۱) ایک ستارہ تلوار کی صورت شہر کے اوپر نمودار ہوا۔ (۲) ایک دم دار ستارہ تمام سال دکھائی دیتا رہا۔ (عید فصح کی شب میں قربان گاہ کے پاس آدھے گھنٹے تک ایسی روشنی چمکتی رہی کہ گویا دن ہوگیا)۔ (۳) ہیکل کا شرقی دروازہ جو پیتل کا تھا اور بیس آدمیوں سے بہ مشکل بند ہوتا تھا، ایک رات آپ سے آپ کھل گیا۔ (۴) عید فصح کے تھوڑے دنوں بعد غروبِ آفتاب کے بعد بادلوں میں لڑائی کی گاڑیوں اور ہتھیار بند سپاہیوں کی شکل نمودار ہوتی رہی دیر تک (رومن تفسیر اسکاٹ صفحہ ۸۷)۔

یہ حادثہ مؤرخین کے نزدیک سن ستر عیسوی میں ہوا یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے صعود کے چالیس برس[۱] بعد اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

← جیسے رکھنے لگے تھے عبرانی زبان کی جگہ سریانی' شاہانِ انطاکیہ کے عہدِ حکومت اور یونانی شاہانِ اٹالیہ کے عہد میں اور رومی جس کو لاطینی بھی کہتے ہیں شاہانِ رومہ کے عہد میں مایۂ فخر ہو گئے تھے اور کوئی بھی ان میں قومی نشان دھلی لباس سے لے کر عادات تک بلکہ مذہب تک باقی نہ رہ گیا تھا جو کوئی ان کو کسی طرف لے جانا چاہتا تھا تو وہ اس پر چلنے کو تیار تھے۔ مقابیس وغیرہ حامیانِ قوم نے بہت کچھ کوشش کی کہ کہیں پھر اس قوم کے دن پھریں مگر ان میں تو کوئی حس و ادراک قومی باقی نہ رہا تھا۔ وہ سب کوششیں بیکار گئیں مسلمان بھی یہود کے واقعہ کو چاہیے کہ بچشم عبرت دیکھیں۔

[۱] مفتاح التواریخ میں ہے ص ۵ سن عیسوی کا رواج حضرت مسیح کے پیدا ہونے کے چار سال سات روز بعد سے ہے حضرت نے تیس برس کی عمر میں دعوت دین کی یعنی ۲۶ عیسوی میں اور ۳۶ برس کی عمر میں پلاطوس کے ہاتھ سے جمعہ کے روز ۱۳ اپریل ۳۳ء میں وفات پائی اس روز یہودی عید فصح کا دن تھا انتہی۔ اس کے بموجب ۷۰ء تک صعود مسیح سے چالیس برس نہیں گزر سکتے بلکہ تین کم چالیس پھر عیسائی مورخ چالیس جانے کیا سمجھ کر کہتے ہیں اور تیس بھی جو بتلاتے ہیں صریح غلطی کرتے ہیں۔ فافہم۔ ۱۲ منہ

کے حواریوں میں سے صرف یوحنا شہر افسس میں زندہ تھے ۔ (ہندی تاریخ کلیسا صفحہ ۲۷ ۔ ۲۸)

اس کے بعد بھی یہود کی شرارت کم نہ ہوئی چنانچہ اس حادثہ کے چونسٹھ برس بعد آدریاں قیصرِ روم نے یہود پر سخت تشدد کرنا شروع کیا اور حکم دیا کہ جو کوئی ختنہ کرے گا قتل ہوگا ۔ اسی دن سے عیسائیوں نے بھی توریت و حواریوں کو بلکہ کلیسیا یروشلم کو بالائے طاق رکھ کر پولوس کے کہنے سے رسمِ ختنہ کو ترک کیا تاکہ یہودیوں کے شبہ میں مارے نہ جائیں ۔

پھر اس قیصر نے یروشلم پر اور ہیکل کی بنیادوں پر دوبارہ ہل چلوائے اور اس شہر کا نام بدل کر اپنے خاندان کے نام سے دوسرا نام ایلیہ رکھا ۔ یہ پادشاہ ۱۳۸ء میں فوت ہوا ۔ اس کے بعد روم میں اور بھی بادشاہ ہوئے جو اکثر مذہب عیسائی بلکہ یہودی دونوں کے سخت دشمن تھے اور ان کے ہاتھ سے عیسائیوں کو وہ وہ تکالیف پہنچیں کہ جن کا بیان نہیں ہوسکتا ۔ آخر ۳۲۷ء میں قسطنطین اول قیصر روم جو بڑا ظالم اور سنگدل تھا اپنے ملک کے استحکام کے لیے عیسائی ہوا اس نے اور پھر اس کے بعد قسطنطین ثانی نے لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانا شروع کیا لیکن اس کے بیٹے کا جانشیں جیولین قیصر عیسائی مذہب کے برخلاف ہو گیا اور اس نے صرف مسیح کی اس پیشین گوئی کی تکذیب کرنے کے لیے جو انجیل لوقا کے ۲۱ باب ۲۴ درس میں ہے یروشلم میں ہیکل کی تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اس لیے اس نے کاریگر بھیجے جب مزدور ہیکل کی بنیاد کھودنے لگے تو زمین سے آگ کے ایسے شعلے نکلے کہ کوئی مزدور نیو نہ کھود سکا گرچہ بار ہا قصد کیا مگر ہیکل کی تعمیر پر قادر نہ ہوئے ۔ یہ ماجرا ان چار سو عیسوی سے کچھ پہلے کا ہے اس کے بعد پھر اور بھی قیاصرہ[2] گزرے ہیں لیکن کسی نے ہیکل کو تعمیر نہ کیا ۔ الغرض طیطس کے عہد سے لیکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد تک گو یروشلم آباد ہوا اور عیسائیوں نے وہاں اپنے معبد بنائے ، یہودی بھی اس میں رہنے لگے مگر ہیکل اس عرصہ تک جو تخمیناً چھ سو سال کا ہوتا ہے ویسی ہی اجاڑ پڑی رہی کچھ بنیادوں کے نشان باقی تھے اور کچھ نہ تھا ۔

ہیکل کی تعمیر چوتھی بار : پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ازسرِنو تعمیر کیا جس کی تفصیل یہ ہے ، گرچہ ہمارے مؤرخین واقدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ہم مخالفوں کے سکوت کے لیے عیسائی مؤرخوں سے ہی نقل کرتے ہیں ۔ وھو ھذا ۔

فصل ۵ : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہو کر ایک لشکر جمع کیا اور ۶۳۲ء میں ملک شام کے لینے کا ارادہ کیا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر اور بہت سی نصیحتیں کر کے روانہ کیا ۔ ہریکلیس[3] (ہرقل) نے اپنی رعیت کو لڑائی کے لیے بھڑکایا مگر کچھ کارگر نہ ہوا ۔ یزید کے پاس

---

[1] مسیح کا قول تھا کہ جب تک غیر قوموں کا وقت پورا نہ ہو یروشلم غیر قوموں سے روندی جائے گی الخ اس درس کا مطلب عیسائیوں نے یہ سمجھا ہے کہ بیگانہ قوم ہیکل یا یروشلم کو تعمیر نہ کر سکے گی چنانچہ جیولیس قیصر چونکہ غیر تھا یعنی بت پرست ، کافر وہ آباد نہ کر سکا ۔ اب ہم اس کے یہ معنی تسلیم کر کے کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تعمیر کیا تو وہ غیر قوم نہ ہوئے بلکہ اللہ کے مقبول ۔ یہی ایک دلیل اسلام کی منجانب اللہ ہونے پر کافی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسائی اللہ کی قوم نہیں یعنی پسندیدہ جماعت نہیں کس لیے کہ اسی ہوس پر کئی سو برس تک عیسائیوں نے جمع ہو کر بیت المقدس لینے کا قصد کیا مگر بجز ایک عارضی قبضہ کے ان کا قبضہ نہ ہوا برخلاف اس کے کہ آج ساڑھے بارہ سو برس سے زیادہ ہوئے مسلمان نہ صرف یروشلم بلکہ اس کل ملک کے مالک ہیں کہ جس کا وعدہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کی نسل کے لیے ابد تک کیا تھا ۔ آنحضرت علیہ السلام کے عہد سے آگے روم کے قیصروں نے پھر یروشلم کی عمدہ شہر پناہ اور اس میں برج اور خندق بنائے جس کا محاصرہ آکر خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کیا اور چار مہینے کے محاصرہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر شہر مسلمانوں کے حوالہ کیا گیا ۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی آورین قیصر نے ۱۳۰ء میں شہر کی آبادی شروع کی پھر ۴۰۳ء میں کوئن یوداکشید نے شہر پناہ بنائی مگر ہیکل ایسی ہی خراب عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پڑی رہی ہاں اس کے متصل قسطنطین کے گرجے بنے ہوتے تھے ۔

[3] ان قیصروں کے عہد میں پھر ایران کی سلطنت بڑے زور کے ساتھ قائم ہوگئی تھی ۔ ایرانیوں اور قیصروں کی باہم لڑائیاں ہوا کرتی تھیں ۔ کبھی یہ غالب کبھی ←

سے متواتر خلیفہ کے پاس فتحیابی کی خبریں آتی تھیں ادھر ایک اور لشکر تسخیرِ بیت المقدس کے لیے تیار کیا، آخر شہر بصرہ کو فتح کیا۔ اس کے چار دن بعد قوم سراسن (اہل اسلام) دمشق کی دیواروں تلے آپہنچے۔ یہ شہر شام کا قدیم تخت گاہ ہے، اہلِ اسلام سے مقابلہ ہوا۔ سراسین کی وہ فوجیں جو شام اور بیت المقدس کی فتح کے لیے پھیل گئیں تھیں، ایز ناڈن کے میدان میں جمع ہوئیں، یونان کے ستر ہزار عمدہ سپاہی ان کے مقابلے کو آئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے صلح کے پیغاموں کو اس شرط پر کہ عرب اپنے وطن کو پھر جائیں منظور نہ کیا اور اپنے لشکر کو ترغیب دے کر مقابلہ پر آمادہ کیا۔ طرفین میں مقابلہ ہوا، یونانی حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے، بہت سے عیسائی مارے گئے باقی تتر بتر ہو گئے اور جو بچے تھے وہ قیصریہ وانیٹی لوک اور دمشق کو بھاگ گئے۔ اہلِ اسلام نے سونے چاندی کی صلیبوں اور ان کے عمدہ ہتھیاروں سے اپنے تئیں آراستہ کیا۔ اس جنگ میں پچاس ہزار عیسائی مارے گئے اور چار سو ستر مسلمان شہید ہوئے۔ یونانیوں کے سپاہ گری کے فن سے واقف ہونے کی وجہ سے محاصرہ نے طول کھینچا جب مسلمانوں نے رومیوں پر سخت محاصرہ کیا اور غلہ اور گھانس بند کر کے ان کو تنگ کیا تو انہوں نے سوا ایلچی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے، چونکہ ابو عبیدہ نرم دل اور نیک نیت تھے اور اہلِ یونان کو اس امیر کی آدمیت اور خلق پر اعتماد تھا اس لیے صلح ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ جو باہر جانا چاہیں چلے جائیں اور یہاں کا امیر خلیفہ کو محصول دیا کرے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دمشق فتح ہونے سے پہلے ماہ جولائی ۶۳۴ء میں وفات پائی اور مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میرے بعد عمر کو خلیفہ کرنا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس عہدہ سے انکار کیا تھا کہ مجھے اس کی آرزو نہیں مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے قبول کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بعد خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سردار کیا۔ خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں جانتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے محبت نہیں رکھتے لیکن وہ میرے آقا ہیں، ان کا تابعدار ہوں۔ میں پہلے کی طرح ہر کام میں تندہی کروں گا اور ممکن نہیں کہ میں جانفشانی میں جو خدا کی راہ میں کرتا تھا قصور کروں۔

اب میں ان واقعاتِ فتحِ بلادِ شام کو مختصراً بیان کرتا ہوں۔

لشکرِ اسلام نے شہر ایما یعنی المس[1] اور ہیلو پولس یعنی بعلبک کو ۶۳۵ء میں فتح کیا۔ ندی یرموک یعنی ہرومیکس پر جو بحیرہ تبریس (تبریا جھیل) میں گرتی ہے اس کے کناروں پر شاہ استنبول کے طرف داروں کا اسی ہزار لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کو جمع ہوا اور اپنی سپاہ گری سے ڈرایا۔ لوگوں نے خلیفہ کے پاس اس امر کو مطلع کرنے کو قاصد بھیجے۔ خلیفہ نے آٹھ ہزار کی جمعیت اور بھیجی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو فوج کے تمام اختیارات دے دیے۔ خالد نے لوگوں کو کہا کہ بہشت تمہارے آگے ہے اور شیطان اور دوزخ پیچھے اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زخم اور تکلیف میں تم اور دشمن دونوں برابر ہیں لیکن انعام اور خوشی ان کو نصیب نہیں (فانهم یالمون کماتالمون و ترجون من الله ما لایرجون) اس کہنے سے بہادرانِ اسلام کے دل پھر تروتازہ ہو گئے اور اپنے سے بہت زیادہ لشکر کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ رومی سواروں کے حملوں سے قریب تھا کہ مسلمان بھاگ اٹھیں مگر قومِ حمیر کی عورتوں کی لعنت و ملامت سے جو پچھلی صف میں کھڑی تھیں، پھر عرب کو حمیت آئی، پھر تو رومیوں کو تلواروں کی دھاروں پر لیا، بہت سے رومی مارے گئے، بہت سے دریا میں ڈوب مرے، باقی پہاڑوں اور جنگلوں

← وہ اور قیصروں کی سلطنت عرب کے کناروں سے لے کر انگلستان تک پھیل گئی تھی۔ اخیر میں قیصروں کی سلطنت کے دو حصہ ہو گئے تھے۔ روم غربی جس کا پایۂ تخت شہرِ روم تھا جو ملک اٹلی میں ہے، جس کو ایک بار مغربی جاہل قوموں نے فتح بھی کر لیا تھا دوسرا روم شرقی جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ۶۱۲ء میں ایران کے بادشاہ خسرو نے یروشلم کو فتح کیا اور انیس ہزار کو قتل کر کے عیسائیوں کے گرجوں کو گرا دیا پھر اس کے چند برس بعد روم کے ہرکلیوس (ہرقل) نے خسرو کو شکست دے کر اپنا قبضہ کیا اسی کی بابت قرآن میں الم غلبت الروم الخ آیا ہے پھر اس کے نو برس بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا۔ ادھر ایران کی سلطنت تمام ممالکِ شرقیہ پر حاوی تھی گویا اس عہد میں یہ دو ہی سلطنتیں تھیں جن کو مسلمانوں نے چند عرصہ میں لے لیا۔ ۱۲

[1] حمص۔

میں جا چھپے۔ یہ مژدہ خلیفہ کے پاس گیا۔

بیت المقدس کا محاصرہ : چونکہ اب حلب اور یروسلم اور انیٹی ئلوک کا نگہبان بجز اس مغلوب لشکر کے اور کوئی نہ تھا اس لیے خلیفہ کے حکم سے بیت المقدس کا محاصرہ کیا گیا۔ جب پانچ ہزار مسلمانوں نے حملہ کیا اور کامیاب نہ ہوئے تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام لشکر کے ساتھ اس شہر کو گھیر لیا اور ایلیہ یعنی یروشلم کے بڑے بڑے سرداروں کو یہ خط لکھا:

صحت اور خوشی ان لوگوں کو ہے جو راہِ راست پر چلتے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ تم سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور جب تم ایمان لاؤ گے تو ہمیں حرام ہے کہ تمہیں ماریں یا تمہارے بال بچوں کو ہاتھ لگائیں اور اگر تم ایمان نہیں لاتے تو خراج دو اور ہماری حمایت میں رہنا اختیار کرو اور جو اس کو بھی نہیں مانو گے تو میں تمہارے مقابلہ میں ایسے لوگ لاؤں گا جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں، تمہارے شراب پینے اور سور کھانے سے (یعنی جس طرح تم شراب اور سور کو عزیز رکھتے ہو وہ شہید ہونے کو اس سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں) اور ہم بغیر فتح کے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ شدتِ سرما میں مسلمان چار مہینے تک شہر کو گھیرے رہے آخر پادری سوف رومینس نے صلح کی شرط کو منظور کیا اور کہا کہ یہ پاک جگہ ہے، اس کو میں خلیفہ کے سوا اور کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ مسلمانوں نے خلیفہ کو لکھا کہ شہر کا دینا آپ کے آنے پر موقوف کیا۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خلیفہ کا جانا ہی قرار پایا۔ ان کا سفر باوجودیکہ دنیا کے بڑے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے تھا مگر سادگی اور پاسداریِ مذہب اور حقیر سمجھنے اسباب و سامانِ دنیا پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ قدرے بیان کرنا مناسب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سفر کس توکل سے ہوتا ہے : میں اوکلی صاحب کے بیان کے موافق لکھتا ہوں جو صاف صاف ہے۔ خلیفہ نے اول مسجد میں نماز پڑھی اور بعد زیارت کرنے مزارِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ مقرر کیا اور چند رفیقوں کے ساتھ باہر نکلے جو تھوڑی سی دور سے الٹے پھر آئے۔ ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہوئے اور دو تھیلے ساتھ لئے، ایک میں جو کے ستو دوسرے میں کھجوریں تھیں اور کاٹھ کا طباق اونٹ کے پیچھے باندھ لیا اور پانی کی مشک آگے رکھ لی۔ جس جگہ رات کو اترتے وہاں صبح کی نماز پڑھ کر چلتے اور ہمراہیوں کو مخاطب کر کے خدا کی حمد و ثناء کرتے کہ اس نے ہم کو راہِ راست پر چلایا اور گمراہی سے بچایا اور باہم محبت دی اور مخالفوں پر غالب کیا، تم اس کا شکر کرو۔ جو شکر کرتا ہے وہ خدا کی نعمتیں زیادہ پاتا ہے۔ پھر طباق ستوؤں سے بھر کر بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے مصاحبوں کے ساتھ کھاتے۔ اسی سفر میں ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا جس نے دو بہنوں سے شادی کر رکھی تھی۔ آپ نے ایک کے ترک کرنے کا حکم دیا پھر ایک شخص حریر پہنے ہوئے پیش کیا گیا، اس کو عیاشی کے لباس سے منع کیا اور کئی ایک باجگزاروں کو دھوپ میں بیٹھا دیکھا، ان پر رحم فرما کر رہائی دی اور رحمدلی اور سہل کاری کی۔ عالموں کو تاکید کی جب شہر کے قریب پہنچے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا گیا اور ایک موٹی اون کے خیمہ میں زمین پر بیٹھ گئے۔ رئیسِ قوم (نصاریٰ) نے اپنے سرداروں سے کہا ان لوگوں سے بغیر مدد آسمانی مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے، ان کے رسول نے حکم دیا ہے کہ حلم و حیا و تابعداری کو عمل میں لائیں اور ان اوصاف سے ان کی ترقی ہوگی۔ تھوڑے دنوں میں سب قانون پر ان کی شرع کو غلبہ ہوگا اور ان کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی[۲]۔ ان کے بعد شرائطِ صلح منظور ہوگئیں اور شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ خلیفہ اور رئیسِ نصاریٰ باتیں کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور عبادت گاہِ سلیمان پر خلیفہ کے حکم سے ایک نہایت عمدہ مسجد تعمیر کرائی گئی۔ خلیفہ دس روز مقام کر کے وہاں سے مدینہ واپس آئے۔ (ملخصاً از سیر الاسلام) یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ ہو کر طبع ہوئی ہے۔

---

۱ انطاکیہ

۲ بیت المقدس پر عیسائیوں کے حملے کو جو کروسیڈ کہلاتے ہیں۔

فصل ششم : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنوائی ہوئی مسجد مدتوں تک قائم رہی اور ملک شام اور شہر یروشلم بھی اس دن سے آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ اتنی مدت اس ارضِ مقدسہ پر نہ تو بنی اسرائیل کی حکومت رہی نہ کسی اور کی۔ خلفاءِ اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد خاص ملکِ شام میں شہر دمشق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پایۂ تخت قرار پایا اور عرصہ تک یکے بعد دیگرے بنی امیہ کے بادشاہ ہوتے رہے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سلطنت آئی۔ خلفاءِ عباسیہ مامون رشید، ہارون رشید وغیرہ نے اپنے عہد میں یورپ کے اور ملک بھی ماتحت کر لیے تھے، ان کے عہد میں شہر بغداد دارالسلطنت تھا۔ ایران، عرب، مصر، شام و دیگر سب ان کے ماتحت تھے۔ ۲۹۷ ہجری میں ملک مصر میں ایک شخص مہدی[1] نے خلفاءِ عباسیہ کے برخلاف اپنی خلافت قائم کی تھی۔ یہ مہدی اپنے آپ کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں شمار کرتا تھا اور یکے بعد دیگرے ان کے خاندان میں بھی چودہ خلیفہ قائم ہوئے۔ ان کی سلطنت پانچ سو ساٹھ ہجری تک رہی۔ ان کا اخیر خلیفہ عاضدلدین اللہ ابو محمد عبداللہ تھا۔ اس دولتِ علویہ کا خاتمہ سلطان صلاح الدین یوسف ابن ایوب کے ہاتھ سے ہوا جو ان کے ہاں آ کر وزیر ہوا تھا۔ سلطان مذکور آپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ سلطان نورالدین محمود شاہ شام کی طرف سے جو متعلقینِ سلاطینِ سلجوقیہ میں سے تھا یہاں آیا تھا اور اپنے آپ کو خلفاءِ عباسیہ کا ماتحت شمار کرتا تھا۔ خلفاءِ عباسیہ کے عہد میں بخارا اور خراسان و ایران وغیرہ بلاد میں نئے نئے بادشاہ قہار پیدا ہو گئے تھے جو اپنے آپ کو برائے نام خلفاءِ عباسیہ کا ماتحت سمجھتے تھے اور ان کے ہاں سے خطاب اور سند حاصل کرنے کے لیے نذریں اور تحائف بھیجا کرتے تھے۔ منجملہ ان کے ایک دولت سامانی بخارا میں بڑے زور و شور کے ساتھ تھی جن کے متعلقین میں سے سبکتگین اور اس کا بیٹا سلطان محمود بھی ہے جس نے ہندوستان کو فتح کیا۔ ترکوں کے حوصلہ متواتر فتوحات سے بڑھ گئے تو ان میں سے اقبال مند لوگ بھی ظاہر ہونے لگے چنانچہ ان میں سے ایک شخص وقاق ترکوں کا سپہ سالار تھا اس کا بیٹا سلجوق سلطان بیغو شاہ ترکستان کا سپہ سالار معتوب ہو کر نواحی جند میں آ رہا اور کافر ترکوں سے جہاد کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد اس کے تین بیٹے ارسلان، موسیٰ، میکائیل بھی اسی طرح جہاد کرتے رہے، میکائیل شہید ہو گیا، اس نے بیغو طغرل بک جغرہ بک داؤد چار جوانمرد بیٹے چھوڑے۔ داؤد اور طغرل بغرا خاں شاہِ ترکستان کے ہاں ملتجی ہوئے۔ اس نے دغا کی اس سے بھاگ کر یہ پھر جند میں آ رہے۔ یہاں تک کہ دولتِ سامانیہ کا خاتمہ ہو گیا اور ایلک خاں بخارا کا بادشاہ ہوا۔ اس کے مصاحبوں میں ارسلان بن سلجوق داخل ہو گیا یہاں تک کہ جب سلطان محمود نے ایلک خاں کو بھگایا تو اس کی رفاقت میں ارسلان بھی بھاگا تھا۔ ارسلان کی جماعت آذربائیجان تک پہنچی، ادھر طغرل آس پاس کے بادشاہوں سے لڑنے بھڑنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے مسعود بن محمود نے شکستیں پائیں اور آخر کو ملکِ خوارزم کے بادشاہ بن بیٹھے۔ ۴۳۴ ہجری میں پھر رفتہ رفتہ ان کی سلطنت زور پکڑتی گئی یہاں تک کہ ملکِ شام اور ایشیاءِ کوچک پر بھی اس کا تسلط ہو گیا، قسطنطنیہ میں اس کا خطبہ پڑھا گیا اور اس نے اپنے اقارب میں کسی کو شام کا کسی کو دیگر صوبجات کا حاکم اور بادشاہ مقرر کر دیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مصر میں المستنصر علوی خلیفہ ہے اور بغداد میں القائم باللہ عباسی ہے۔ ایران میں شاہانِ بنی بویہ تھے جو خلفاءِ بغداد پر قابض ہو گئے تھے۔ انہیں کے عہد میں یہ خاندان تمام ہوا۔ طغرل خلیفۂ بغداد کا نائب گنا جاتا تھا، طغرل لاولد مر گیا اس کے بعد ۴۵۵ ہجری میں اس کی جگہ اس کا بھتیجا الپ ارسلان بن داؤد بن سلجوق وارثِ سلطنت ہوا۔ اس نے بھی بڑی بڑی فتحیں پائیں اور اس کے وزیر نظام الملک نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ ۴۶۵ ہجری میں الپ ارسلان مر گیا اور ملک شاہ اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان سنجر ہوا اور قائم کی جگہ اس کا پوتا مقتدی بامراللہ ہوا۔ ۴۶۷ ہجری میں الغرض سلجوقی خاندان

---

[1] اس کا نام ابوالقاسم محمد ابن عبداللہ ہے۔ اس نے قیروان کو لے لیا اور مہدیہ شہر بسایا، اس کے معتقد اس کو مہدی سمجھتے تھے اس کے مقابلے میں ایک بگتی ملا ابو یزید بھی اٹھا تھا۔ اس کو یہ لوگ دجال کہتے تھے مگر خلفاءِ عباسیہ ان کو غلام اور یہودی نسل سے کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

کے متعدد بادشاہ ہو گئے تھے جن میں باہم لڑائیاں بھی ہوا کرتی تھیں اور شام کا ملک خصوصاً بیت المقدس کبھی خلفاءِ مصر کے نوابوں کے قبضہ میں آ جاتا تھا، کبھی خلفائے عباسیہ کے برائے نام مطیعون شاہان سلجوقیہ کے قبضہ میں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی اس باہمی خونخوار لڑائیوں اور طوائف الملوکی نے عیسائیوں خصوصاً فرنگستان (یورپ کے) بادشاہوں کے دلوں میں مسلمانوں سے لڑنے اور بیت المقدس کے لینے کا حوصلہ پیدا کر دیا اس کی ابتداء یوں ہوئی۔

حرب الصلیب...... یروشلم پر پہلا حملہ : بیت المقدس کے حج کو ہر طرف کے عیسائی جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ ان میں ایک شخص پیٹر نامی امیس صوبہ پکارڈی ملک فرانس کا رہنے والا بھی آیا جو کوتاہ قد حقیر صورت تھا۔ شاید اس نے وہاں مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ تکلیف پائی تھی۔ وہاں کے بڑے پادری سے شکایت کر کے یہ کہا کہ تم شاہانِ یونان سے مدد کیوں نہیں مانگتے، اس نے کہا وہ عیش و غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان سے کیا ہو سکتا ہے۔ پیٹر نے کہا تو میں شاہانِ یورپ کو آمادہ کرتا ہوں۔ پیٹر وہاں سے چلا اور اربن ثانی اس زمانہ کے پوپ سے ملا۔ پوپ نے وعدہ کیا کہ میں مجلسِ عام میں اس کی تحریک کروں گا مگر اتنے عرصہ میں تم منادی کرتے پھرو۔ حضرت مجنونانہ صورت بنا کر ایک گدھے پر سوار ہو کر اور بہادری سے صلیب لے کر تمام ممالکِ فرانس اور اطالیہ میں منادی کرتے پھرنے لگے۔ شاہراہوں، گرجا گھروں میں جہاں کہیں وعظ کرتے زواروں کی تکالیف بیان کرتے۔ لوگ سن کر رو دیتے۔ اس پر حضرت واعظ کی ہچکیاں اور آہیں اور لمبے لمبے آنسو اور حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کی دہائی دینا اور بھی غضب کرتا تھا۔ آخر ملک فرانس میں نومبر ۱۰۹۵ء میں ایک مجلس جمع ہوئی جس میں بہت سے نامور سردار اور مشہور امیر بھی آئے۔ آٹھ روز مجلس رہی لوگ پہلے ہی سے بھرے ہوئے تھے ادھر اس جہاد[1] کا ثواب سنتے ہی چیخ اٹھے کہ ہاں یہی مرضیِ خدا ہے، ہاں یہی مرضیِ خدا ہے۔ پیٹر کے ساتھ ایک انبوہِ کثیر جمع ہو گیا جس میں رؤساء اور شہزادے بھی تھے۔ اس لشکر کا سرخ لباس اور صلیب نشان تھا۔ یہ لشکر کہ جس کی تعداد لاکھ سے زیادہ تھی اور جوق در جوق لوگ ان میں شامل ہوتے گئے ہنوز ملک شام میں پہنچنے نہ پایا تھا کہ سلطان سلیمان نے مار کر ان کے چیتھڑے اڑا ڈالے۔ لاکھوں آدمیوں کی ہڈیوں کا ڈھیر اس جنگ کی یادگاری میں لگا دیا مگر ایک دوسرا لشکر اور بھی تیار ہوا تھا جس کا سپہ سالار فرانسیسی شہزادہ مسمی گاڈفری تو الوس تھا اس لشکر نے جا کر یروشلم کا محاصرہ کیا۔ آخر فرنگی رسالے اور پلٹنیں شہر میں گھس آئے اور گلی کوچوں میں مسلمانوں کے زن و فرزند کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ صرف مسجدِ مقدس میں جو کئی ہزار مسلمان پناہ گزیں تھے قتل کئے گئے۔ ہر چند مسلمان رو رو کر امان امان پکارتے تھے مگر ان دیندار عیسائیوں کی رحم دلی کب امان دیتی تھی؟ آخر صلیب کا نشان اڑنے لگا۔ یہ واقعہ ایک ہزار ننانوے[2] عیسوی میں ہوا اگرچہ تخمیناً ستر ہزار مسلمان تو شہید ہوئے مگر بے چارے یہودی بھی اپنی عبادت گاہوں میں قتل کئے گئے۔ گاڈفری اول ہی سال میں مر گیا مگر تخمیناً نوے برس تک نہ صرف بیت المقدس پر بلکہ آس پاس کے ملکوں پر بھی عیسائیوں کا قبضہ رہا۔

واضح ہو کہ ۴۶۳ ہجری میں یوسف بن آبق خوارزمی نے جو ملک شاہ بن الپ ارسلان کا امیر تھا ملک شام میں جا کر شہر رملہ اور بیت المقدس کو مستنصر خلیفہ مصر کے نواب سے چھین لیا تھا، پھر ۴۸۷ھ میں خلیفہ مصر نے ارتق کے بیٹوں ایلغازی اور سقمان سے چھین لیا۔ پھر اس جنگ تک مصریوں کے پاس رہا ابو الفداء سلیمان جس نے پیٹر کے لشکر کو تہ تیغ کیا تھا، قطومش سلجوقی کا بیٹا ہے جو قونیہ و دیگر بلادِ روم کا بادشاہ تھا وہ ۴۷۷ ہجری میں اپنے چچا زاد بھائی سلطان تاج الدولہ تتش بن الپ ارسلان کی جنگ میں مارا گیا (ابو الفداء) اس حادثہ کے دنوں میں مستظہر باللہ عباسی خلیفۂ بغداد تھا اور سلجوقیوں میں سے سلطان محمد ابن ملک شاہ بڑی شان و شوکت سے ملک اپنے بھائیوں سے فتح کرتا پھرتا

---

[1] بیت المقدس پر عیسائیوں کے حملے جو کروسید کہلاتے ہیں۔

[2] ابو الفدا اس کو ۴۹۰ھ کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تھا۔

دوبارہ حملہ : اول جنگ کے تخمیناً اڑتالیس برس بعد جب عیسائیوں نے یہ سنا کہ فرات کے اس طرف جو عیسائیوں نے ایک بڑا قلعہ مسلمانوں کے روکنے کے لیے بنایا تھا اس کو زنگی امیر موصل نے لے لیا تو ان کے دلوں میں پھر جہاد کی آگ کا شعلہ بھڑکا اور اب پیٹر کی جگہ برناڈ منادی کرنے لگا۔ آخر اس نے لوئیس ہفتم شاہ فرانس اور کان رڈ جرمنی کو معتقد کر لیا۔ یہ دونوں بادشاہ تین لاکھ لشکر لے کر ہنگری کے راستہ قسطنطنیہ پہنچے۔ منوئیل شاہ قسطنطنیہ کی بدسلوکی سے ان کی طاقت گھٹ گئی۔ آخر کیدوشیا کے پہاڑوں میں انہوں نے سخت ہزیمت مسلمانوں سے اٹھائی اور بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر واپس آئے۔

تیسرا حملہ : ۵۸۱ ہجری میں سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب نے ان عیسائیوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا جو نوے برس تک ان ممالک پر حاکم اور مسلط تھے۔ اول طبریہ پر ہفتہ کے روز پانچویں ربیع الاول کو لڑائی ہوئی، عیسائیوں نے شکست کھائی جس میں فرنگستان کا ایک بادشاہ اور ایک گرجستان کا عیسائی بادشاہ گرفتار ہوا، اس کے بعد شہر عکہ کا محاصرہ کیا، اس کو بھی فتح کیا۔ پھر بیروت اور قساریہ اور صفوریہ اور رملہ بیت لحم وغیرہ شہروں کو فتح کرتا ہوا خاص بیت المقدس کی شہر پناہ کا بھی آ کر محاصرہ کر لیا۔ سرنگیں لگا دیں اور شہر پناہ کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ فرنگیوں نے امن چاہا کہا جس طرح تم نے اس کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا میں بھی اس کو اسی طرح فتح کروں گا۔ پھر فرنگیوں نے ایلچی بھیجا کہ ہم بہت ہیں تم تھوڑے امن دو ورنہ مرتا کیا نہ کرتا ہم دل توڑ کر لڑیں گے۔ سلطان نے فرمایا ایک شرط پر امن دیتا ہوں وہ یہ کہ ہر ایک مردتم میں سے دس دس دینار (اشرفی) اور ہر ایک عورت پانچ دینار اور بچہ دو دو دینار دے تو شہر سے باہر چلا جائے ورنہ قید ہوگا۔ چنانچہ فرنگیوں نے اس شرط کو منظور کیا اور بروز پنجشنبہ ۲۷ رجب کو بادشاہ شہر میں داخل ہوا اور سلطانی لوگوں نے عیسائیوں سے دروازوں پر جزیہ وصول کرنا شروع کیا۔ اشرفیوں کے ڈھیر لگ گئے، ادھر ہر فصیل پر اسلام کا جھنڈا کھڑا کر دیا گیا تھا۔ عیسائیوں نے الصخرہ کے قبہ پر ایک صلیب سونے کی کھڑی کر دی تھی۔ مسلمانوں نے نعرہ اللہ اکبر بلند کر کے اس کو جب اکھیڑ کر پھینکا تو عجب خوشی کا شور وغل تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا ہوگا اور عیسائیوں میں رونے پیٹنے کا غل تھا۔

شہر فتح کر کے سلطان نے پھر مسجد کو اسی طور سے تعمیر کرا دیا اور جانبِ غربی میں جو ایک کمرہ بنایا تھا اس کو گرا دیا۔ نورالدین محمود بن زنگی نے ایک منبر حلب میں اس نیت سے بنوایا تھا کہ اس کو بیت المقدس میں رکھوں گا۔ سلطان نے اس کو منگا کر مسجد میں رکھا، اس بادشاہ نے عیسائیوں کا نہ صرف بیت المقدس اور ملک شام سے استیصال کیا بلکہ حوالیِ مصر سے بھی۔

جب یورپ میں یہ خبر پہنچی تو پھر جوش پیدا ہوا اور انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اول اور فرانس کا فلپ اگستس، جرمن کا فریڈرک بڑی خونخوار فوجیں لے کر بیت المقدس پر چڑھ آئے مگر یروسلم میں جانا نصیب نہ ہوا صرف عکا میں گئے کہ جہاں ایک عیسائی بادشاہ کا صلاح الدین نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ طرفین میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں آخر سب پسپا ہو کر بھاگے اور تھوڑے دنوں کے بعد عکہ بھی سلطان نے فتح کر لیا۔ اس جنگ میں صلاح الدین نے وہ فیاضی کی ہے کہ آج تک کوئی اپنے مقابل کے ساتھ نہ کرے گا۔ وہ یہ کہ یورپ کے بادشاہ اور ان کے لشکری جو بیمار ہو گئے تھے ان کے لیے برف اور انار اور دیگر سامانِ ضروری بھیجا۔ یہ کہا کہ تندرست ہو کر مجھ سے لڑو۔ کہیں تمہارے دلوں میں ارمان باقی نہ رہ جائے۔ آخر سب شکست کھا کر پریشان ہو کر اپنے ملکوں میں واپس گئے۔ اسی سال شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر بڑے زور وشور سے حملہ کیا تھا۔ صلاح الدین غازی کے مرنے کے بعد پھر عیسائیوں دینداروں کے دلوں میں جہاد کے ثواب نے جوش مارا۔

چوتھا حملہ : سن گیارہ سو پچانوے سے لے کر ستانوے عیسوی تک اس لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ ششم ہنری نے اپنے لشکر کے تین حصہ کر کے ارضِ مقدسہ کی طرف روانہ کئے اور سب نے جمع ہو کر بڑا زور لگایا مگر صلاح الدین کے جانشینوں سے شکست کھا کر نہایت بدحواسی کے ساتھ

پسپا ہوئے۔

پانچواں حملہ : ۱۱۹۸ء سے لے کر ۱۲۰۴ء میں اور ہوا پاپا انوسنٹ نے جہاد کے احکام بھیجے اور فولک پادری نے وعظ سے ترغیب دی۔ وینس کے رئیس سے جہاز کرایہ کیے مگر جب اس کی اجرت نہ دے سکے تو اس نے ان سے اس کے عوض میں شہر ضارا فتح کرا دینا چاہا چنانچہ فتح کرا دیا۔ اس کے بعد قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ سے الجھ پڑے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا سب زور یہیں ختم ہو گیا اور واپس چلے آئے۔ ۱۲۱۲ء میں ملکِ فرانس میں اسٹیفن نامی ایک چرواہے کالڑکا بھی وعظ اور الہام اور تائیدِ غیب کا مدعی ہو کر غل مچاتے پھرنے لگا۔ اس کے وعظ سے تیس ہزار لڑکے بارہ بارہ برس کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کو آمادہ ہو گئے اور نعرے مارتے ہوئے بیت المقدس کی طرف چلے جو رستہ میں کچھ ڈوب گئے اور کچھ غلام بنا کر فروخت کیے گئے۔ اسی طرح جرمن میں سے بھی لڑکوں کے دو لشکر چلے تھے جو راستہ ہی میں مفقود الخبر ہوئے۔

چھٹا حملہ : ۱۲۲۷ء میں اور ہوا۔ پوپ گرگوری کے حکم سے فریڈرک دوم فوج لے کر نکلا۔ اس نے سلطان ملک کامل کو یار بنا کر دس برس کے لیے یہ شرط لکھوائی کہ یافہ سے لے کر تلمیس تک کا فریڈرک مالک رہے مگر پادری اس سے ناخوش ہو گئے اس لیے بیچارہ بہت جلد اٹلی واپس چلا آیا۔

ساتواں حملہ : فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم نے پھر کیا۔ اس نے ڈمیاٹ[1] کا محاصرہ کر لیا تھا مگر انجام کار ۱۲۵۰ء میں مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا جو چار لاکھ سکہ طلائی دے کر چھوٹا اور چار برس عاقر میں پڑا رہا، لاچار ہو کر فرانس میں آیا۔

آٹھواں آخری حملہ : فرانس کے بادشاہ اور انگلستان کے بادشاہ اڈورڈ اول نے کیا۔ ۱۲۷۰ء میں مصر اور حبش فتح کرنے کے لیے لوئیس تو حبش ہی میں مر گیا اور اڈورڈ عاقر تک آیا۔ ناصرہ کے مسلمانوں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کیا مگر عاقر میں زخم کھا کر پچھلے پاؤں انگلستان بھاگ آیا۔ یہ شہر عاقر جو عیسائیوں کا مرکز ہو گیا تھا اس کو سلطان خلیل نے آگھیرا۔ آخر فتح کر کے ساٹھ ہزار عیسائیوں کو قتل کیا باقی کو غلام بنالیا۔

واضح ہو کہ مسلمان ان دنوں باہمی قتال و جدال میں مصروف تھے جس لیے عیسائیوں کو چڑھائی کی جرأت ہوئی اور تخمیناً دو سو برس تک بار بار حملہ کرتے رہے وہ بھی ایک ایک نہیں بلکہ کئی کئی بادشاہ متفق ہو کر خصوصاً صلاح الدین کے بعد مشرقی جانب سے تاتاری کافروں چنگیز خانیوں کے وہ زور شور تھے کہ الامان الامان! ادھر مغرب کی طرف سے عیسائی بادشاہ زور آزمائی کرتے تھے۔ ایسے موقع پر اسلامیوں کا نیست و نابود اور یہود کی طرح متبدل ہو جانا قرینِ قیاس تھا مگر یہ اسی وعدۂ الٰہی کا اثر ہے کہ ان زلزلوں کے بعد پھر اسلام نے کروٹ لی، ادھر چنگیز خاں کے پوتے کے بعد اس کی نسل میں اسلام آیا، ادھر سلاطینِ عثمانیہ کا ستارہ بلند ہوا جس نے یورپ کو نیچا دکھایا اور ان کے دلوں سے حملوں کی ہوس نکال دی۔ للہ الحمد۔

صلاح الدین کے قبضہ کے بعد سے پھر بیت المقدس مسلمانوں کے ہی قبضہ میں ہے۔ آج کل گو عیسائیوں کا پھر اقبال نصف النہار پر ہے اور صنعت و حرفت اور عیاری و ہوشیاری میں بھی طاق ہیں، آلات و حرب و ضرب میں بھی ضرب المثل ہیں اور سب کے دلوں میں بیت المقدس لینے کا ارمان بھی ہے باوجودیکہ مسلمان ان سب باتوں میں ان سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں مگر پھر بھی بیت المقدس اس کے حقیقی وارثوں اہلِ اسلام ہی کے قبضہ میں ہے۔ یہ بھی ایک قدرت کا کرشمہ اور اسلام کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1] گرچہ ۱۲۱۳ ہجری ماہِ رمضان میں چند دن کے لیے فرانس کے بادشاہ نپولین نے بھی قبضہ کر لیا تھا مگر آخر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جغرافیہ فرہاد ۱۲۔ صفحہ ۲۰۹

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿٩﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾ ع وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾

بے شک یہ قرآن وہ رستہ بتلاتا ہے جوسب سے سیدھا ہے اور ایمانداروں کو جو اچھے کام کرتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ البتہ ان کے لیے بڑا ہی اجر ہے اور یہ بھی کہ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور انسان برائی مانگنے لگتا ہے جیسا کہ وہ بھلائی مانگتا ہے اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے اور ہم نے رات اور دن کو دو نمونے بنا دیے ہیں پس رات کے نمونے کو دھندلا کر دیا اور دن کا نمونہ نظر آنے کے لیے روشن کر دیا کہ تم اپنے رب کے فضل کو (روزی) ڈھونڈو اور تاکہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب معلوم رہے اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل کر دی ہے۔

ترکیب : للتی ای للحالۃ او الطریقۃ التی ھی اقوم الحالات او الطرق۔ یہ یھدی کا مفعول ثانی ہے ان ای بان مفعول یبشر کا یا اس کی تفسیر۔ دعاء ہ ای یدعوا بالشر دعاءً مثل دعائہ بالخیر والمصدر مضاف الی الفاعل والتقدیر یطلب الشر فالباء للحال او بمعنی السبب و کل شیءٍ فصلنا محذوف کا مفعول ہے جس کی تفسیر یہ فصلنا کر رہا ہے اور حال بھی ہے، کل انسان کا۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا و آتینا موسی الکتاب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی تھی اس کے بعد حصیراً تک تورات کے او پر عمل نہ کرنے سے جو کچھ بنی اسرائیل پر دینی و دنیاوی مصیبتیں آئیں ان کا ذکر فرمایا کہ بطور پیشین گوئی کہ ان کو مطلع کر دیا تھا کہ تم ایسا کرو گے تو یوں برباد ہو گے مگر انہوں نے نہ مانا اب یہاں سے امت محمدیہ اور اخیر دور کی کتاب قرآن مجید کا ذکر فرماتا ہے۔ ان ھذا القرآن الخ کہ اس قرآن میں دو باتیں ہیں اول یھدی کہ تمام دینی و دنیاوی دستورات میں جو کچھ اچھے دستور اور منزلِ مقصود کا سیدھا رستہ ہے یہ وہی بتلاتا ہے اس نے کوئی بات انسان کی سعادت و شقاوت کی باقی نہیں چھوڑی۔ چنانچہ انہیں آیات میں آخر جا کر فرمایا و کل شیءٍ فصلنا ہ تفصیلا۔ دوم یبشر کہ یہ نیک و بد کاموں کے اس نتیجہ سے بھی خبر دیتا ہے کہ جس کا ظہور عالم آخرت میں ہوگا۔ (تورات میں یہ بات نہ تھی اور جو تھی تو بہت کم)۔ پھر جو کچھ اس کے بعد نیک کام کرے گا ایمان لائے گا اس کے لیے قرآن اجرِ عظیم کی بشارت دیتا ہے دنیا میں بھی وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ ہوں گے آخرت میں بھی حیاتِ ابدی پائیں گے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ دنیا ہی کے عیش کامرانی کو فوز المرام جانتے ہیں پھر نفسِ سرکش کی باگ تھام کر لذات و شہواتِ حیہ سے بچنا کیا خدا پر ایمان لا کر نیک کاموں میں تکلیف اٹھانا کیا ان کے لیے دردناک سزا کا مژدہ دیتا ہے کبھی وہ دنیا میں بھی واقع ہوتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر واقع ہوئی اور اس عالمِ باقی میں تو لازمی ہے مگر انسان جلد باز ہے دیر میں نتیجۂ نیک برآمد ہونے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے جو کچھ ہو اب ہو اس لیے آخرت کی نعمتوں کی پروا نہ کر کے دنیاوی لذت پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دلیل اس کی جلد بازی کی یہ ہے کہ جب کبھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو جس طرح آرام

میں زندگی کی دعا کیا کرتا ہے اور مال کی مراد مانگتا ہے اسی طرح اس حالت میں مرنے کی دعا مانگتا ہے اولاد کو بھی کوسنے لگتا ہے صبر نہیں کرتا حالانکہ دنیا میں ہمارے دو نمونہ قدرت ہیں ان کو ثبات نہیں۔ رات جاتی ہے تو دن آتا ہے، پھر انسان اپنے رنج و راحت کو انقلاب زمانہ دیکھ کر بھی کیوں دائمی سمجھ لیتا ہے جس میں کوسنے لگتا ہے اور نیز رات جو بری حالت سے مشابہ ہے جا کر دن ہو جاتا ہے جو فضل و کرم اور کشور کاری سے مشابہ ہے جس میں اشارہ ہے کہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہے اور جو ظلمت کدہ ہے جس میں نیک و بد کا ہوش نہیں اس کے بعد دوسری زندگی کا دن روشن ہونے والا ہے جس میں سب امور کی حقیقت کھل جائے گی۔ وجعلنا الیل والنهار اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عہدِ موسوی کے منقضی ہو کر عہدِ محمدی کے قائم ہونے پر اور توراۃ جا کر قرآن آنے پر تعجب نہ کرو۔ ہم عالم میں یوں ہی تصرف کیا کرتے ہیں اس کی مصلحتیں ہم ہی خوب جانتے ہیں اب روز مرہ رات دن کا انقلاب دیکھو کہ رات کو مٹا کر دن بناتے ہیں جس کے فوائد بے شمار ہیں ازانجملہ دن میں رزق روزی کا بہم پہنچانا اور برسوں کی گنتی ہے اگر یکساں رات ہی رہتی یا دن رہتا یہ بات کب حاصل ہوتی۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

اور ہم نے ہر آدمی کا عمل اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور قیامت کے دن اس کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا (کہیں گے) اپنی کتاب پڑھ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے جو کچھ ہدایت پر چلتا ہے تو اپنے ہی لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جو کوئی بہکا تو اپنی ہی خرابی کے لیے بہکتا ہے اور کسی کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھانے کا اور ہم ایسے نہیں تھے کہ کسی کو بے رسول بھیجے عذاب دینے لگتے اور ہم جب کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو کوئی حکم دیتے ہیں پھر وہ تو وہاں بدکاری کرنے لگتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر تو ہم اس کو غارت ہی کر ڈالتے ہیں اور نوح کے بعد ہم کتنے ایک قرنوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر داری اور دیکھنے کو بس ہے۔

ترکیب : یلقاہ جملہ کتابا کی صفت جو حال ہے مفعول محذوف سے وھو ضمیر الطائر یا مفعول ہے امرنا جواب ہے اذا کا۔ کم اس جگہ خبر یہ ہے محل نصب میں اھلکنا سے بربک میں ب زائدہ ہے جیسا کہ بنفسك میں اور جس طرح حسیبًا تمیز ہے من نفسک کی اسی طرح خبیرًا بصیرًا تقدیم خبیرًا کی اس کے متعلق کے تقدم سے ہے۔ قال الفراء انما یجوز ادخال الباء فی المرفوع اذا یذم او یمدح بہ صاحبہ مثل کفاک بہ واکرم بہ رجلا ولا یقال قام باخیک وانت ترید قام اخوک۔

تفسیر : ہرشے کی تفصیل کے بعد انسان کی آنے والی حالت کا بیان کرنا اس دعوے کی دلیل بیان کر دینا ہے کیونکہ یہ ایک بڑی اہم بات ہے جو کتبِ سابقہ میں بھی نہ تھی اس لیے فرماتا ہے وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ عرب میں اپنے ہر کام کا نیک، بدانجام طائر یعنی پرندوں کی پرواز سے معلوم کرتے تھے۔ اگر دائیں سے اڑا تو خیر اور بائیں سے اڑا تو شر وغیرہ ذلک۔ پھر جب اس کا استعمال زیادہ ہوا تو ہر خیر و شر کو طائر کہنے لگے تسمیۃ الشیء باسم لازمہ اس کی نظیر سورۂ یٰسٓ میں ہے تطیر نا بکم الی قولہ طائرکم معکم پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہر ایک آدمی کا عملِ نیک یا بد اس کی گردن میں باندھ دیا ہے جو کچھ یہ کرتا ہے وہ اس کے ساتھ لازم ہو رہا ہے یا جو کچھ نیکی بدی سعادت نحوست اس کی تقدیر میں ہے اس کے لیے لازم ہو رہی ضرور پیش آکر رہے گی اور پھر قیامت کے دن وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا یہی نیک و بد عمل جو دنیا میں اس کے گلے کا ہار تھا ایک کتاب بن کر ظاہر ہوگی جو اس کے تمام اعمالِ نیک و بد کا ایک روزنامچہ ہوگا۔ حکم ہوگا کہ اس کو پڑھ۔ دیکھ تو نے دنیا میں کیا کیا تھا؟ اس میں ہر ہر بات ہوگی۔ اسی کو قرآن میں اور احادیث میں اکثر بلفظِ کتاب ذکر کیا ہے پھر اس کی تفصیل ہے کہ اہلِ خیر کو یہ کتاب دائیں طرف سے اور بدوں کو بائیں طرف سے ملے گی۔ مگر اس سے مراد دنیا کی طرح کوئی مجلد کتاب شیرازہ بندھی پٹھے لگی ہوئی نہیں بلکہ اس کے اعمال کا صحیح اندازہ جو ہر ایک پر واضح کیا جائے گا اس کے پڑھنے سے یہی مراد ہے پھر جب یہ حالت ہے تو من اھتدیٰ لنفسہ الخ ہر ایک کو ہدایت کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ اس کی برائی بھلائی کا یہی ذمہ دار ہے اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اپنی کرنی آپ ہی بھرنی اور اسی لیے حجت تمام کرنے کے لیے دنیا میں رسول بھیجے گئے پس کسی کو عذاب نہ ہوگا جب تک کہ رسول کی معرفت اس پر حکم نہ ظاہر کیا جائے۔ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ الخ احکامِ شرعی کے لیے تو رسولِ انسانی ضروری ہیں اور توحید و خدا پرستی کے لیے رسولِ عقل بھی کافی ہے۔ واذا اردنا سے دنیا میں جو بلائیں رسولوں کے خلاف کرنے سے آئی ہیں ان کا ذکر کرتا ہے کہ جب قضاء و قدر میں کسی قوم یا شہر کے برباد ہونے کے دن[1] قریب آجاتے ہیں تو پیشتر اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا وہاں کے سرداروں[2]، دولت مندوں کو رسولوں یا ان کے نائبوں کی معرفت سمجھایا جاتا ہے، الٹی وہ نافرمانی کرتے ہیں تو برباد ہو جاتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ امرنا کے معنی یہ ہیں کہ ازلی نوشتہ کے موافق وہ خدا کی طرف سے برائی پر مامور ہوتے ہیں اس کے بعد فرماتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک دیکھو کس قدر قرون، امم یعنی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا ﴿۱۹﴾ کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ کَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ

[1] ہمارے عہد میں جو اسلامی حکومتیں زائل ہوئیں اور اور جو بری حالت میں ہیں اسی آیت کے موافق وہاں کے امراء عیاشی، شراب خواری، بے دینی، غفلت میں مبتلا ہوئے اور ہلاک ہو گئے شہر برباد، سلطنت غارت الامان الامان! ۱۲ منہ

[2] کیونکہ عوام انہیں کے تابع ہوتے ہیں اور اکثر یہی زیادہ بدکار اور احمق اور عیاش بھی ہوتے ہیں اسی لیے ان کا سمجھنا مقدم ہوا۔ ۱۲ منہ

عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

جوکوئی دنیا چاہتا ہے تو ہم اس کو سرِ دست دنیا میں سے بھی جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں پھر تو اس کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل وخوار ہو کر گرے گا۔ اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے اس کے موافق کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو انہیں لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہم ہر ایک کو دیے جاتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی اپنی عنایت سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت کے تو بڑے درجے اور بڑی فضیلت ہے (اے انسان) اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ بنانا ورنہ تو پشیمان وخوار ہو کر بیٹھے گا۔

ترکیب : من مبتداء اور یہ شرط ہے اور عجلنا اس کا جواب لمن یرید بدل ہے من سے باعادہ جار یصلها حال ہے جہنم سے یا ضمیر له سے مذموما حال ہے فاعل یصلی سے جو ضمیر ہے اور اسی طرح مدحورا هولاء هؤلاء بدل ہے کلا سے وحرہ حرہ طردہ من باب خضع، محظورا[1] ممنوعا یقال خطر یخظر خطر امنعه۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا ہم خبیر وبصیر ہیں ہر ایک کی نیت جانتے اور اس کے ظاہر حال کو دیکھتے ہیں اس کے بعد دنیا میں جو کچھ لوگ کر رہے ہیں اور جس جس چیز پر مر رہے ہیں اس کا بیان اور انجام فرماتا ہے تاکہ خبیر وبصیر ہونے کی تصریح ہو جائے۔ دنیا میں دو قسم کے آدمی ہیں ایک وہ کہ جن کا دارِ آخرت پر یقین نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے نزدیک دنیا ہی مقدم ہے اسی کے حاصل کرنے کو وہ اصلی مقصد جانتا ہے اس کے مقابلہ میں اس کو دارِ آخرت کی ذرا بھی پروا نہیں جیسا کہ فرماتا ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ یعنی جو عاجلہ دنیا اور اس کے فوائد ہی چاہتا ہے تو ہم بھی اس کو جلد یہیں بدلہ دیتے ہیں عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مگر یہ نہیں کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی اس کو مل جاتا ہے بلکہ ما نشاء جس قدر ہم کو دینا منظور ہوتا ہے اور یہ بھی سب کے لیے نہیں بلکہ لِمَنْ نُّرِيْدُ جس کو ہم چاہتے ہیں ورنہ سینکڑوں نے بے دینی اختیار کی کوئی برا کام دنیا کے حاصل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر پھر بھی وہی افلاس، وہی تنگدستی، بے دینوں کے لیے یہ بڑی تہدید ہے مگر اس چند روزہ عیش کے بعد تو ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وہ جہنم میں جائے گا اور دنیا میں عمر رائیگاں کرنے پر ندامت اٹھائے گا، ذلیل ہوگا۔ دوم وہ کہ جن کو مدِ نظر دارِ آخرت ہے وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ مگر اس میں دو شرط ہیں، وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا کہ اس کے موافق کوشش بھی کرے یہ نہیں کہ ارادہ کر کے چپ بیٹھ رہے اور کوشش اسی کے مطابق ہو کیونکہ بہت سے لوگ دارِ آخرت کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن عناصر اور سیاروں اور بزرگوں کی عبادت کو آخرت کا ذریعہ جانتے ہیں اور اسی طرح نکمی ریاضتیں بھی کرتے ہیں کوئی رات دن گنگا میں رہتا ہے، کوئی پہاڑ پر سے گرتا ہے، کوئی حلال چیزیں کھانی چھوڑ کر جسم کو ہلاک کرتا ہے۔ سو یہ کوشش اور یہ رستہ دارِ آخرت کا نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　　کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

بلکہ پیغمبر علیہ السلام کے فرمودہ کے موافق ہونا چاہیے۔ دوم یہ کہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اس کو ایمان بھی ہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی دل سے تصدیق ہو کیونکہ یہ اصل اور بنیاد ہے، یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں وہ خدا کی جماعت میں داخل نہیں پس اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ان کی

---

[1] الحضر الحجر ذ ضد الاباحۃ وحظرہ فہو محظور والحظار والحظیرۃ تعمیل للابل من شجر لتقیہا البرد والریح۔ ۱۲ حقانی

کوشش کارآمد ہوگی ان کو دارِ آخرت اور حیاتِ ابدی نصیب ہوگی۔ رہی دنیا سو کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ہم اپنی عنایت سے ہر ایک فریق کو دنیا میں دیتے ہیں، دین وتقویٰ سے دنیا فوت نہیں ہوتی اور زیادہ دنیا ملنے سے خدا کے ہاں کوئی زیادہ عزت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ ؎ چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست، اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا الخ دیکھو دنیا میں ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے، بہت سے احمق وجاہل مالدار اور دانا خوار اور بہت سے کفار محتاج، اہلِ ایمان اہلِ ثروت اور کہیں بالعکس باعثِ فضیلت۔ آخرت کے درجات میں انہیں کی زیادہ رغبت کرنی چاہیے وہیں کی فضیلت فضیلتِ حقیقی ہے وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا چونکہ دارِ آخرت کے لیے اصل اصول توحید ہے اس لیے حکم دیتا ہے لَا تَجْعَلْ الخ کہ خدا کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنانا ورنہ ذلیل وخوار ہوگا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

ع ۳

اور آپ کے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں تو نہ ان کو ہوں کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لیے دعا کرتے رہنا کہ اے رب! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم سعادت مند ہو (اس پر بھی کوئی فروگذاشت ہوگئی تو) وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ اور اہلِ قرابت اور غریب اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور مال کو بیہودہ نہ اڑانا کیونکہ بیہودہ اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکر ہے اور جو تجھے ان لوگوں سے منہ پھیرنا پڑے اپنے رب کے فضل وکرم کے انتظار میں کہ جس کی تجھے امید ہے تو ان سے نرم بات کہنا اور نہ تو اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر گردن میں باندھ اور نہ اس کو بالکل کھول ہی دے کہ تو پشیمان ہو کر تہی دست ہو کر بیٹھ رہے

(اے رسول!) آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور وہی نپی تلی روزی دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حال سے خبر دار اور (ان کے حال کو) دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : الا مخفف ان لا یہ تفسیر ہے قضی کی وبالوالدین معطوف ہے الا تعبدوا پر ای قضی بالوالدین تقدیرہ وبان تحسنوا بالوالدین احسانا، امایبلغن اما ان ماتھا ان شرطیہ ما زائدہ تاکید کے لیے یبلغن فعل شرط فلا تقل جواب۔ اُف اسم الفعل الذی ھو اتضجر وھومبنی علی الکسر لالتقاء الساکنین وتنوینہ فی قرأۃ نافع وحفص للتنکیر ومن فتح طلب التخفیف مثل رب ومن اتبع ومن لم ینون اراد التعریف۔ جناح الذل بالضم ضد العز وبالکسر ضد الصعوبۃ ھو الانقیاد وجعل للذل جناحا کما فی قول لبید۔

وغداۃ ریح قد کشفت وقرۃ

اذا اصبحت بید الشمال زمامھا

للشمال یدو للقرۃ رمام

تفسیر : دارِ آخرت کی سعی کا مجملاً ذکر ہوا ہے اب یہاں اس کی تفصیل کرتا ہے کہ دارِ آخرت کا یہ رستہ ہے اور اس کوشش اصلی یہ ہے۔

اول حکم : سب سے اول بات دارِ آخرت کے لیے یہ ہے کہ منعم کا شکر کرے اور اپنے محسن کے ساتھ ادب اور سلوک سے پیش آئے اور منعمِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے ہم کو پیدا کیا ہے اسی نے بیشمار نعمتیں عطا کی ہیں اور پھر اس جہان میں بھی اسی سے امید ہے۔ وہ کسی کے احسان اور خدمت کا تو محتاج نہیں اس کی شکرگزاری اور لحاظ اور حقِ پرورش ہے تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ کرے خالص عبادت اسی کی کرے سب سے اول حکم یہی دیا وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ اب لطفِ کلام دیکھو کہ ربک کا لفظ فرمایا حق جتلانے کے لیے اور امر کی جگہ قضی تاکید کا کلمہ فرمایا یعنی حکم قطعی دے دیا اور نیز اسی حکم کو اس سے پہلے آیت میں لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ کے ساتھ بھی ذکر دیا تھا اب یہاں اور بھی تاکید فرما دی۔

دوسرا حکم : خدا تعالیٰ کے بعد دنیا میں اس کے وجود کا سبب مجازی اور منعم اور محسن ماں باپ ہیں جو اس کی بے چینی سے بے تاب ہو جاتے ہیں اور کھانے پینے میں اپنے نفس سے اس کو زیادہ عزیز رکھ کر آپ نہیں کھاتے اس کو کھلاتے ہیں اور اس کے بچپن میں اس کی پرورش میں بلاغرض جان و مال کو صرف کرنا اپنی راحت سمجھتے ہیں اس لیے دوسرا حکم وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو۔ احسان کا لفظ ایسا وسیع المعنی ہے کہ جس میں سب کچھ آ گیا مگر اس کی کسی قدر شرح بھی فرماتا ہے۔ (۱) اِمَّا يَبْلُغَنَّ الخ کہ اگر تیری زندگی میں تیرے ماں باپ بڑھاپے کو پہنچیں تو یہ زمانہ بڑی بے کسی کا ہوتا ہے اور نیز اس کے سب اقتدار اور زور و قوت بھی جاتے رہتے ہیں اور نیز بڑھاپے میں اس سے بچوں کی سی بے معنی باتیں بھی سرزد ہونے لگتی ہیں پس تجھ کو ان سے ہوں یا اُف کہنا نہ چاہیے، نہ جھڑکنا چاہیے۔ فائدہ: دلالۃ النص کے طریق پر اس سے ہر ایک قسم کی ایذا اور تکلیف دینا ماں باپ کو سمجھا گیا وعلیہ الجمہور۔ (۲) وَقُلْ لَّهُمَا ان سے نرم اور ادب سے کلام کر۔ (۳) وَاخْفِضْ ان کے آگے جھک یعنی ہر قسم کی دل سے فرمانبرداری و تواضع کر۔ (۴) وَقُلْ رَّبِّ ان کے لیے دعائے خیر کرو۔

بارہا تجربہ میں آیا ہے کہ جس نے ماں باپ کو ستایا وہ دنیا میں بھی ناشاد و نامراد رہا جو ناامرگ مرا ہے اور جس نے عزت و توقیر و احسان کیا ہے اس کو شاد و خرم دیکھا گیا۔ فائدہ: ماں باپ کی ان باتوں میں فرمانبرداری نہیں کہ جن سے خدا کی گناہ گاری ہوتی ہے کیونکہ ماں باپ

سے اللہ کا حق اور مرتبہ مقدم ہے پھر یہ نہیں کہ تم یہ سب باتیں ظاہرداری کے طور پر کرو بلکہ دل سے اور اخلاص سے کیونکہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوْسِكُمْ الخ تمہارا رب تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے کہ اگر تم نیک بختی اختیار کرو گے اور ایسی حالت میں بشریت سے گر تم سے کچھ خدمت گزاری میں کبھی فروگذاشت ہو جائے گی اور اپنی دلی نیک بختی سے تم اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کے لیے معاف کرنے والا ہے۔ فائدہ: اَوّاب بروزن فعال اوب بمعنی رجوع سے مبالغہ کا صیغہ۔

تیسرا حکم : وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کہ اور جس قدر قرابت دار ہیں، بھائی، بہن، ماموں، چچا، خالہ، پھوپھی وغیرہ ان کا حق بھی ادا کر، حق ادا کرنا بھی بڑا عام لفظ ہے جس میں ہر ایک قسم کا حق آ گیا اگر محتاج ہیں تو ان کی مال سے مدد کر اور نہیں ہیں تو ادب، اخلاص، ہمدردی، صلہ رحمی کر اور انہیں پر منحصر نہ رکھ بلکہ ہر ایک مسکین یعنی محتاج کے ساتھ نیک سلوک کر خواہ قرابت دار ہوں کوئی غیر ہو بلکہ پردیسیوں، مسافروں کا بھی تجھ پر حق ہے ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کر ضیافت کر نقد دے اترنے کو آرام سے جگہ دے، نرم کلام کر۔ اس تیسرے حکم میں تین حکم ہیں۔

چوتھا حکم : یہ سب خدمت گزاری مال سے ہوا کرتی ہیں اس لیے مال کی بابت حکم دیتا ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ الخ کہ ہم نے ایسے کار خیروں میں صرف کرنے کو کہا ہے، اڑا دینے کا حکم نہیں دیا۔ لغویات میں مال برباد نہ کر' بے ضرورت مکانات بنانا' اسباب خریدنا' گھوڑے وغیرہ اشیائے بے ضرورت مول لینا سب میں تبذیر ہے اسی طرح بیاہ شادی' دعوت، مہمانی کھانے پینے میں بھی اعتدال سے بڑھنا تبذیر ہے اور ناچ رنگ' آتش بازی وغیرہ تو اور بھی ممنوع ہے۔ سائلوں اور حقداروں کے دینے کا حکم دینا تھا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ پاس کچھ نہیں ہوتا وہ طلب کرتے ہیں، سخت سست بھی کہنے لگتے ہیں، اس وقت آدمی کو غصہ آ جاتا ہے، برا بھلا کہنے لگتا ہے، سو اس سے بھی منع کرتا ہے اور ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے، اس کی تعلیم دیتا ہے۔ و اما تعرضن الخ کہ اگر تیرے پاس کچھ دینے کو نہیں اور تجھ کو خدا سے امید ہے کہ آئے گا ایسی حالت میں ان سے تو جو منہ پھیرے تو ان کو سخت بات نہ کہہ بلکہ نرم بات کہ بھائی اللہ کا فضل ہے برکت ہے یا وہ دے گا تو دوں گا یا اللہ تجھے غنی کرے۔

پانچواں حکم : وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ الخ میانہ روی کر نہ تو ہاتھ کو سکیڑ کر سمیٹ کر مٹھی بند کر کے گلے میں ہاتھ رکھ لے (یہ کنجوس پنے کے معنی میں محاورہ ہے) اور نہ ہاتھ کو بالکل کھول کہ سب کچھ ایک روز دے کر خود محتاج ہو جائے آپ مانگتا پھرے کیونکہ دنیا میں فقیر بھی خدا نے پیدا کئے ہیں تیرا کام نہیں کہ سب کو غنی کرے، غنی اور فقیر وہی کرتا ہے اور اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔ انه كان بعباده الخ بعض ایسے بھی فقیر ہیں کہ اگر ان کے پاس دولت ہو تو آفت برپا کریں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع ۴

اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور ہم ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی (کا کام) ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے اور جس جان کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے (قصاص و معاف کرنے کا اس کو چاہیے) کہ قصاص لینے میں زیادتی نہ کرے کیونکہ انصاف سے قصاص لینے میں ہی جیت ہے اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچے اس کے مال کے پاس بھی نہ جانا لیکن اس طریق سے کہ جو بہتر ہو اور عہد کو پورا کیا کرو کس لیے کہ عہد سے پرسش ہوگی اور جب ناپ کر دینا ہو تو پورا پیمانہ دیا کرو اور تولنے میں برابر کے تول تولو (کیونکہ) یہ عمدہ بات ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے اور اس بات کے پیچھے نہ پڑا کرو جس کا تمہیں علم بھی نہ ہو۔کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے پرسش ہوگی اور زمین پر اکڑتا ہوا نہ چلنا کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ ہی ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچے گا ان میں سے ہر ایک بات تیرے رب کے نزدیک ناپسند ہے۔یہ بیان اس حکمت میں کا ہے کہ جس کو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود نہ ٹھہرانا ورنہ تو ملزم راندۂ درگاہ بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا (اے مشرکو!) کیا تم کو تمہارے رب نے بیٹوں کے لیے مخصوص کر لیا ہے اور فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے یہ تو تم بہت ہی بڑی بات کہتے ہو۔

ترکیب : خشیة املاق مفعول لہ۔املاق فقر۔الخطاء بکسر الخاء وسکون الطاء والھمز مصدر خطی و جاء بکسر الخاء وفتح الطاء من غیر ھمز ھو الاثم یقال خطی خطاء کاثم اثما لاتقف الماضی منہ قفا اے تبع ویقرء بضم القاف واسکان الفاء مثل تقم وماضیہ قاف یقوف اذا تتبع کل اولئك مبتدأو اولئك اشارۃ الی السمع والبصر والفواد وان کان الاشارۃ باولئک فی الاکثر الی من یعقل ولکن قد جاء لمن لایعقل۔سیئة [1] بضم الھاء والھمزۃ بالاضافة ای سیء بعض المذکور المنھی عنہ مکروہ عند اللہ۔پس سیئہٗ کان کا اسم مکروھًا خبر جملہ خبر کل ذالك نافع ابن کثیر ابوعمرو نے

---

[1] الاملاق الافتقار۔

[2] المرح شدۃ الفرح والنشاط۔مختار الصحاح حقانی

سیئۃ پڑھا ہے۔

تفسیر...... چھٹا حکم : وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو۔ عرب میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا کرتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ لڑکیاں کچھ کما نہیں سکتیں، لڑکے کما سکتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ لوٹ مار میں شریک ہوتے تھے اور نیز مفلسی میں اہل کفو اس لڑکی سے نکاح نہیں کرتے تھے غیر کفوء میں دی جاتی تھی یہ بڑی عار کی بات تھی۔ اس بد رسم کو کس لطف کے ساتھ منع فرماتا ہے۔ اول تو لفظ اولاد کہہ کر شفقت دلائی۔ دوم نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ الخ کہ تم کیوں رزق کی فکر کرتے ہو، رزق تو ہم دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی۔ سوم ان قتلهم کہ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

ساتواں حکم : وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى کہ زنا کے پاس بھی نہ جاؤ، زنا کی قباحت میں سلف سے خلف تک عقلاء کو اتفاق ہے اس میں یہ چند قباحت ہیں۔ (۱) انساب کا خلط ملط ہونا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کس کا بیٹا ہے پھر باہمی حصہ ترکہ میں خرابی آتی ہے۔ (۲) عورت کو شرعی یا عرفی طور پر اگر ایک شخصِ خاص سے تعلق نہ ہو جس کو نکاح کہتے ہیں تو اس کے پاس آنے والوں میں باہمی قتال و جدال کی نوبت آئے گی جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے اور یہ بات تخریبِ عالم کا باعث ہے۔ (۳) عورت سے مقصود صرف شہوت رانی ہی نہیں بلکہ باہم مل کر خانہ داری کے امور میں ایک دوسرے کا معین ہونا' مرد کما کر لائے' عورت دردمندی اور کفایت کے ساتھ اس کو گھر میں اٹھائے۔ دونوں مل کر بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوشش کریں اور نیز بیماری اور پیری میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ کمال درجہ کی دردمندی ہو اور یہ بات جب تک ممکن نہیں کہ عورت کی نظر ایک ہی شخص پر رہے اوروں سے علاقہ نہ رکھے اور یہ بغیر اس کے کہ زنا کو حرام کیا جائے ممکن نہیں۔ (۴) اگر زنا کا دروازہ کھل جائے تو انسان اور بہائم میں کیا فرق رہے، جس عورت کو چاہے رکھے اور نیز باہم الفت و محبت کبھی پیدا نہ ہو۔ ان سب باتوں کے لحاظ سے شرع نے زنا کو حرام کیا اور یہاں تک تاکید کے لفظ استعمال کئے کہ اس کے پاس جانے کی بھی ممانعت کر دی یعنی اس کے اسباب[2] سے بھی روکا اور اس کی ان قباحتوں کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا۔

آٹھواں حکم : وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ الخ کہ جن جانوں کا قتل کرنا شرع نے حرام کیا ہے ان کو ناحق قتل نہ کرو انسان خدا تعالیٰ کا مظہر اور اس کی خدائی کا آئینہ ہے اس کے قتل کا ارادہ کرنا خدائی کا مقابلہ کرنا ہے۔ پس یہ نہایت سنگین جرموں پر قتل کیا جاتا ہے۔ بضرورت اور وہ دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خدائی جرائم کا ارتکاب کرے، مرتد ہو جائے، بغاوت کر کے امن عام میں خلل انداز ہو یا نکاح کرنے کے بعد بھی حرام کاری کرے۔ ان صورتوں میں انسان کی حرمت جاتی رہتی ہے اس کی طرف التي حرم الله الخ میں اشارہ کر دیا

---

[1] وکل ذالک ای الاشیاء الاخیرۃ المنہی عنہا من قولہ تعالیٰ ولا تقف الخ سیئۃ مکروہ عبداللہ قال فی الکشاف السیئۃ فی حکم الاسماء بمنزلۃ الذنب والاثم زال عنہ حکم الصفات۔ فلا اعتبار بتانیثہ ولا فرق بین من قرأ السیئۃ ومن قرأ السیۂ الاتری انک تقول الزنا سیئۃ کما تقول السرقۃ سیئۃ فلا تفرق بین اسنادھا الی مذکر ومونث انتہی ۔۱۲ منہ

[2] زنا کے بہت سے اسباب ہیں۔ نامحرم عورتوں سے تخلیہ کرنا، ان سے ہنسی مذاق کرنا' ان سے رسم ملاقات بڑھانا، لگاوٹ کی باتیں کرنا، فحش تصاویر دیکھنا، فساق کے عشق آمیز افسانے سننا، اس قسم کی نظم و نثر کا عادی ہونا' تھیٹروں اور ناجائز مجامع میں جانا' راگ و باجے سننا' ناچ دیکھنا دکھانا وغیرہ ۔۱۲ منہ

وہ احادیثِ صحیحہ جن میں مرتد اور باغیوں اور رجم کا ذکر کر رہے ہے گویا اسی جملہ کی شرح میں۔ دوسری یہ کہ یہ کسی کو مار ڈالے اس کے بدلے میں اس کو مارا جائے جس کو قصاص کہتے ہیں چونکہ یہ بات قتلِ عمد ہی میں ہے جو عرب میں کثیر الوقوع تھا اس لیے اولاً تو اس کی طرف الا بالحق میں اشارہ کیا پھر وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ میں اس کی صراحت کر دی کہ جو مظلوم مارے جائیں اس کے وارث کو شرع نے قدرت دی ہے کہ اس قاتل کو مار سکتا ہے یہی قتل بالحق ہے مگر اس میں اسراف نہ ہو اس کے عوض اس کی قوم کے سردار کو نہ مارے نہ اس کو جلا کر یا اور بری طرح سے قتل کرے جو اس کے ورثاء میں اشتعال کا باعث ہو۔

فائدہ۔ شرع میں انسان کا قتل ان چند صورتوں میں جائز ہے۔ (۱) یہ کہ مرتد ہو۔ (۲) باغی ہو۔ انما جزاء الذین الایہ میں اس حکم کی تصریح ہے۔ (۳) یہ کہ نکاح کرنے کے بعد زنا کرے۔ اس کا حکم احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے۔ (۴) کفار و مشرکین کا قتل کرنا نہ مطلقاً بلکہ اس وقت کہ ان سے قاعدۂ شرعیہ کے موافق جنگ قائم ہو کما قال قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَقَالَ اُقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (۵) قصاص میں آئمہ مجتہدین نے احادیث و قیاس سے تارک الصلوٰۃ، اغلامی، ساحر چار پائے سے مباشرت کرنے والے کا بھی قتل جائز رکھا۔ توریت میں بھی قتل انسان بہت سی صورتوں میں جائز قرار دیا گیا ہے۔

نواں حکم : مالِ یتیم سے بچنا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ مگر جائز طریقہ سے لینا درست ہے۔ مزدوری میں، تجارت میں، اجرت نگرانی میں اگر محتاج ہو۔

دسواں حکم : وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ہے عہد جس سے کر و اس پر قائم رہو۔ وہ عہد ہی غلط ہیں جن کو شرع نے معتبر نہیں رکھا یعنی معصیت پر عہد کرنا۔

گیارہواں حکم : وَاَوْفُوا الْكَيْلَ کہ ناپ تول کر لیتے دیتے وقت کم زیادہ نہ کرو۔ معاملات میں دغا بازی نہ کرو۔

بارہواں حکم : وَلَا تَقْفُ اس کے معنی میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ (۱) اس میں ان باطل خیالات کی پیروی سے ممانعت ہے جو عوام میں غلطی سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ (۲) محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس کے معنی جھوٹی گواہی کے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا تا کہ وہ سمجھیں حالانکہ ان کو تو اس سے نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش کے مالک تک کوئی رستہ نکال لیا ہوتا وہ پاک ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے (اس کی ذات) بہت ہی بالاتر ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی پاکی بیان کر رہے ہیں اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی

تسبیح کرنے کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بڑا تحمل کرنے والا (اور) بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

ترکیب : صرفنا اے بینا ضروبًا من کل مثل۔ ویمکن ان تکون فی زائدۃ کمافی قولہ تعالٰی واصلح لی فی ذریتی۔ لو کان شرط اذا لاتبغوا الخ، جواب والمعنی یطلبوا الٰی من ھو مالک الملک سبیلا بالمفازۃ[1] کما یفعل الملوک بعضھم مع بعض او بالتقرب الطاعۃ لہ تعالٰی لعلمھم بقدرتہ تعالٰی وبعجزھم کقولہ اولئک الذین یدعون یبتغون الٰی ربھم الوسیلۃ۔ بیضاوی۔

تفسیر : ابن عباسؓ کہتے ہیں جس کو آنکھ سے نہ دیکھے کان سے نہ سنے، دل میں یاد نہ رکھے اس کی گواہی نہ دے۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ اس میں کسی پر تہمت لگانے کی ممانعت ہے کیونکہ تہمت میں بلاتحقیق باتیں ہوا کرتی ہیں۔ (۴) بعض کہتے ہیں اس میں جھوٹ کی ممانعت ہے۔ (۵) بعض کہتے ہیں کہ کسی کی غیبت اور طوفانی و شیطانی باتوں سے ممانعت ہے مگر سب معنی صحیح ہیں مآل کا رسب کا یہ ہے کہ جو بات اچھی طرح معلوم نہ ہو اس پر کوئی حکم نہ لگائے اس میں سب اقوال آ گئے۔

تیرھواں حکم : وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا کہ تکبر نہ کر زمین پر اکڑ کر نہ چل کیونکہ تو عاجز ہے کچھ زمین کو پھاڑ نہ ڈالے گا۔ بلند ہو کر پہاڑوں کے برابر نہ ہو سکے گا۔ ان میں سے ان مکروہ چیزوں کو سیئہ فرماتا ہے اور جو اوامر ہیں ان کی نسبت فرماتا ہے ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ یا یہ جملہ سب باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان احکام میں جو کچھ اسرار رکھے گئے ہیں جن سے انسان کی روح اور اس کے اخلاق کی صفائی اور تدبیرِ منزل اور انتظامِ عالم کی خوبی وابستہ ہے اور پھر ان کے بیان اور ترتیب میں جو کچھ لطف رکھا گیا ہے اگر اس پر کوئی مطلع ہو جائے گا تو اس کو حکمتِ الٰہیہ کے جواہر اور الہامِ ربانی کے وہ نادر موتی کہے گا جو بنی اسرائیل کے احکام عشرہ سے بدرجہا بہتر ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوحوں پر کندہ کر کے عطا ہوئے تھے۔ ان احکام کی ابتداء بھی توحید سے ہوئی تھی اور اخیر میں بھی اسی بات کی تاکید کے لیے اعادہ فرمایا وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ اور اس کے بعد اس بات سے بھی منع کیا جو عرب کے مشرکین کرتے تھے۔ وہ یہ کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کو کاروبارِ خدائی میں شریک جانتے تھے۔ اس بات کو کس لطف کے ساتھ رد کرتا ہے۔ أَفَأَصْفَاكُمْ ربکم بالبنین واتخذ من الملائکۃ اناثًا کہ کیا تم کو خدا نے بیٹے دیے اور اپنے لیے بیٹیاں پسند کیں بھلا یہ کیسی لغو بات ہے؟ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ و لقد صرفنا الخ کہ قرآن میں ہم نے ہر ایک قسم کی بات وعظ و پند احکام دنیا و آخرت بیان کر دیے تاکہ وہ سمجھیں اور غور کریں مگر ان ازلی بدبختوں کو تو اس سے اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر شرک کا رد اور توحید کا اثبات کرتا ہے اور اس بات کو قرآن میں بار بار اس لیے ذکر کیا گیا کہ اس عہد میں شرک و بت پرستی کا دریا موجیں مار رہا تھا پس فرماتا ہے لو کان معہ الھۃ کہ اگر اس کے ساتھ تمہارے قول کے موافق اور بھی خدا ہوتے تو عرش والے تک یعنی مالکِ اصلی تک لڑنے کے لیے کوئی رستہ نکالتے' مقابلہ کرتے جیسا کہ متعدد بادشاہوں میں ہوتا ہے یا یہ معنی کہ خود ان کو اس تک رسائی کرنے کے لیے حاجت پڑتی پھر وہ تمہیں کیا دیتے لیتے۔ سبحانہ و تعالٰی الخ میں اپنی پاکی بیان فرماتا ہے اور تسبیح لہ الخ میں ظاہر کرتا ہے کہ آسمان اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز اس کی تسبیح یعنی پاکی اور کبریائی بیان کرتی ہے، ذی روح تو زبان سے اور جمادات زبانِ حال سے کہ ان کا وجود اور ان کی ہر حالت اس کی یکتائی پر دلیل ہے مگر تم غور نہیں کرتے ان کی تسبیح نہیں سمجھتے[2]۔ تمہارا یہ جرم اس قابل تھا کہ دنیا میں تمہیں ہلاک کیا جاتا مگر وہ حلیم و غفور ہے۔

---

[1] المفازۃ المطالبۃ وللمانعۃ والمغالبۃ۔ ۱۲ منہ

[2] تسبیح خدا تعالٰی کا جملہ عیوب اور خصائصِ حدوث و امکان سے پاک اور منزہ ہونا بیان کرنا خواہ زبان سے خواہ دلالۃ حال سے تحمید اس کے کمال اور اوصاف حمیدہ کو بیان کرنا سبحان اللہ بحمدہ کہنا مومن اور ملائکہ تو قال اور حال سے اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں کفار اور دیگر اشیاء آسمانوں اور زمین کی علویات و سفلیات' نباتات' جمادات دلالتِ حال سے تسبیح و تحمید بیان کر رہے ہیں ان کی بناوٹ بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ ان کا بنانے والا سب عیبوں سے پاک اور ←

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا[1] ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ ۙ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

اور (اے نبی!) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اوران کے درمیان جوآخرت پرایمان نہیں رکھتے ایک گاڑھا پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال[2] دیے ہیں تاکہ قرآن نہ سمجھ سکیں اوران کے کانوں میں بھی گرانی ڈال دی ہے (تاکہ اس کو نہ سن سکیں) اور جب آپ قرآن میں رب کا تنہا ذکر کرتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر نفرت سے بھاگ پڑتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں جس لیے وہ اس کو سنتے ہیں تاکہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جبکہ وہ سرگوشی کرتے ہیں جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ (بس) تم تو ایک جادو کے مارے ہوئے کے پیچھے چلے جارہے ہو۔ دیکھو آپ کی کیسی کیسی صفتیں بیان کرتے ہیں سو وہ تو گمراہ ہو گئے پھر وہ رستہ نہیں پاسکتے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرکر ہڈیوں اور چوراہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے (سوائے نبی!

← سب خوبیوں سے موصوف ہے مگر اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو مخلوق کی آفرینش اور اس کی تراش اور حالاتِ وجود و بقا میں تامل کرتا ہے اس لیے وہ لوگ جو لذات وشہوات میں غرق ہیں غور و تامل کا دروازہ ان پر بند ہے وہ اس بات کو کیا جانیں۔ ۱۲منہ

صحیح بخاری میں عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں پانی نہ تھا ایک برتن لائے جس میں کسی قدر پانی تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ہاتھ ڈال دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی نکلتا تھا جیسا کہ چشمہ سے نکلتا ہے کہ تمام لشکر نے وضو کیا اور ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے اور وہ کھایا جاتا تھا۔ جمادات میں بھی خداتعالیٰ نے ایک طرح کا علم رکھا ہے جس کو وہی جانتا ہے۔ ۱۲منہ۔

[1] الرفت کسر الشیء بالید والرفات الاجزاء المفتتہ من کل شیء یکسر۔ ۱۲منہ

[2] یعنی ان میں غور وفکر کا مادہ قدرت نے نہیں دیا اس لیے جب اے نبی قرآن پڑھتے ہیں وہ سمجھتے اور غور نہیں کرتے اس حالت کو پردہ ڈالنے سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو ان کے دلوں پر حجاب ڈالنے اور کان میں ثقل پیدا کردینے سے۔ ۱۲منہ۔

ان سے) کہہ دو خواہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا اور کوئی شے جو تمہارے دلوں میں بڑی ہو (تب بھی زندہ کئے جاؤ گے) اس پر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا کہہ دو وہی جس نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے پھر تو آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر یہ کہیں کہ وہ کب ہوگا۔ کہہ دو شاید وہ وقت بھی بہت ہی قریب آ گیا ہو جس روز کہ وہ تمہیں بلائے گا تو تم (خوف کے مارے) اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آ ؤ گے اور گمان کرو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے تھے۔

ترکیب : مستورا وساترا۔ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ ای بسببہ من الھزء اذ ھم بدل من اذ فبلہ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ظرف لیکون بحمدہ فی موضع الحال۔

تفسیر : آسمانوں اور زمین کی چیزوں کی تسبیح تو تم اے مشرکین سمجھتے ہی نہ تھے۔ تمہاری سمجھ میں تو قرآن مجید بھی نہیں آتا جو خاص تمہاری زبانِ فصیح میں نازل ہوا ہے۔ واذا قرأت الخ اور یہ نہ سمجھنا قرآن کا اس لیے ہے کہ جب تم اے نبی! قرآن پڑھتے ہو تو ان کی ازلی گمراہی کے پردے بیچ میں حائل ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مضامین میں غور و تامل نہیں کر سکتے اور جو کوئی ان کو دوسرا سمجھائے تو سنتے بھی نہیں۔ اور ان کے حواسِ باطنیہ کے ماؤف ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب قرآن میں توحید کا ذکر اور شرک کی برائی سنتے ہیں تو بدک کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ مکہ کے مشرکوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ جب انسان پر گمراہی اور بدبختی سوار ہوتی ہے تو نہ اس کا دل و دماغ درست رہتا ہے نہ عقل کتنا ہی سمجھاؤ نہیں سمجھتا اور اسی کو پردے اور حجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اول تو مکہ کے مشرک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے ہی نہ تھے اور جو کبھی مجلس میں ٹھہر گئے تو اس غرض سے کچھ اس میں سے یاد کریں تا کہ پھر اس پر تمسخر اور ہنسی کریں اور پھر آپس میں دس دس پانچ پانچ جمع ہو کر سرگوشیاں کرتے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ جو اس نبی کے تابع ہو رہے ہیں احمق ہیں۔ یہ تو خود جادو کا مارا ہوا ہے کسی نے اس پر سحر کر دیا ہے اس لیے ایسی ایسی نئی نئی باتیں کرتا ہے، دیوانہ ہو گیا ہے۔ نحن اعلم سے لے کر رجلا مسحورا تک میں یہی ذکر ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ دیکھو یہ بدنصیب تم پر کیا بے اصل عیب لگاتے ہیں اور کوئی بات تو عیب کی ملتی نہیں انظر الخ وقالوا سے ان کی دوسری بات اور بیان فرماتا ہے کہ جس پر وہ بدکتے تھے وہ یہ کہ جب حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ مر کر پھر قیامت میں زندہ ہوں گے تو وہ کہتے کہ جب ہم مٹی میں مل جائیں گے ہڈیوں کا چورا ہو جائیں گے تو پھر کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تمہارے نزدیک جو چیز قابلِ حیات نہیں لوہا پتھر یا کوئی اور چیز اگر تم وہ بھی ہو جاؤ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا وہ دوبارہ پھر پیدا کرنے پر قادر ہے پھر جب وہ قیامت میں بارگاہِ عدالت میں طلب کرے گا تو تم زندہ ہو کر اس کے خوف کے مارے تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے، جرم کا انکار و بت پرستی سے برأت ثابت کرتے ہوئے فوراً حاضر ہو جاؤ گے اور یہ سمجھو گے کہ دنیا میں یا مرنے کے بعد حشر تک قبروں میں بہت کم ٹھہرے تھے وہ عرصۂ دراز اس عدالتِ آسمانی کے خوف سے بہت ہی کم معلوم ہوگا اور یہ انسان کی جبلی بات ہے کہ مصیبت کے وقت راحت کا زمانۂ دراز بہت ہی کم معلوم ہوا کرتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس دنیاوی سامان و عیش پر آج فدا ہوا اس کی یہ حقیقت ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

اور (اے رسول!) میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہا کریں جو بہتر ہو کیونکہ شیطان آپس میں لڑوا دیتا ہے (اور) اس لیے کہ شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور آپ کو ہم نے ان کا ذمہ دار بنا کر تو بھیجا نہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں رہتے ہیں اور البتہ ہم نے ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی (ان سے) کہہ دو جس کا تمہیں اس کے سوا گھمنڈ ہے لو ان کو بلاؤ تو سہی وہ نہ تمہاری تکلیف دور کر سکیں گے اور نہ اس کو بدل سکیں گے۔ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں ان میں سے جو اوروں کی نسبت زیادہ مقرب[۲] ہے وہ خود اپنے لیے اپنے رب کے تقرب کے وسیلے تلاش کرتے رہتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے[۳] اور ایسی کوئی بستی نہیں کہ جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اس کو کسی سخت عذاب میں مبتلا نہ کریں۔ یہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔

ترکیب : ایھم مبتدا اقرب خبرہ وھو استفھام والجملۃ فی موضع نصب بیدعون۔ وقیل۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ای یدعوھم الکفار صفت یبتغون خبر ایھم بدل من واو یبتغون فعل الاول معناہ ان اقربھم اولئک یبتغون الوسیلۃ وھی الی اللہ تعالٰی وایھم بدل ای یبتغی من ھو اقرب فھم وازلف الوسیلۃ فکیف بغیر الاقرب او ضمن یبتغون معنی یحرصون ای یحرصون ربھم یکون اقرب الی اللہ بالطاعۃ والصلاح۔

تفسیر : ثبوتِ معاد پر حجت قائم کر کے مسلمانوں کو تعلیم کرتا ہے کہ تم مخالفوں سے نرم اور اچھی باتیں کیا کرو کیونکہ سختی سے شیطان باہم عداوت و نفرت پیدا کر دیتا ہے وہ انسان کا دشمن ہے اور وہ اچھی بات یہ ہے کہ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے اگر چاہے تم پر مہربانی کرے چاہے عذاب کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اچھی بات سے مراد نرمی سے کلام کرنا ہے پھر حضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ وہ ہدایت پر آ جائیں۔ مکے میں جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں تب یہ حال تھا کہ غریب مسلمانوں پر چاروں طرف سے حملہ تھا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کا گھر گھر چرچا ہو رہا تھا۔ مشرکینِ مکہ یہود کے بہکانے سکھانے سے یہ بھی کہا کرتے تھے کیا خدا نے ہدایت کے لیے انہیں غریب مفلس لوگوں کو پسند کر لیا ہے اور پھر ہم میں محمد (ﷺ) میں کیا فضیلت ہے جو اس پر کتاب اتارتا ہے اور اس کو نبی کیا ہے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے وربک اعلم الخ کہ ہر ایک بات کی مصلحت و حکمت خدا خوب جانتا ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی بات

---

۱ یبتغون ای یطلبون الی ربھم الوسیلۃ ای القربۃ وقیل الوسیلۃ الدرجۃ العلیا ایھم اقرب معناہ ینظرون ایھم اقرب الی اللہ فیوسلون بہ وقال الزجاج ایھم اقرب یبتغی الوسیلۃ الی اللہ تعالٰی ویتقرب الیہ بالعمل الصالح (از معالم ناء) ۱۲ منہ۔

۲ بندہ اور اس کے مالک میں جو بڑا رابطہ اور قوی وسیلہ ہے۔ وہ بندے کا نیاز اور عبادت ہے۔ ۱۲ منہ۔

۳ یعنی کفار و منکرین کا ہر ایک بستی کو ان کی نافرمانی سے قیامت سے پہلے دنیا ہی میں غارت کرے گا یا کسی سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ۱۲ منہ۔

اس سے مخفی نہیں تمہارے حال سے بھی واقف ہے۔ وہ مختار ہے جس کو چاہے فضیلت دے۔ خود انبیاء میں اس نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی، داؤد و زبور کے ذکر میں یہود کو یہ بات بھی جتلانا مقصود ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی داؤد علیہ السلام نے خبر دی کہ جس کو شوکت وسلطنت بھی دی جائے گی۔ مشرکین دلائلِ توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کیا کرتے تھے کہ وہ یوں کر سکتے ہیں اور یہ دے سکتے ہیں اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اچھا ان کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ تمہاری کون سی مصیبت میں کام آتے ہیں؟ مشرکین پیشتر ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام یا صالحین کو پوجتے تھے اور انہیں کے نام کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ فرماتا ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو ان کا خود یہ حال ہے کہ وہ اپنے رب کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ ان میں سے جو زیادہ قریب ہے اس کا یہ حال ہے اوروں کا تو کیا ذکر ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار عذاب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کو پکارنا عبث ہے۔ مشرکینِ مکہ اس پر یہ کہتے تھے کہ اچھا اگر یوں ہے تو پھر ہمارے شہر پر خدا بلا کیوں نہیں بھیجتا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ شہر کی کیا خصوصیت ہے ہر ایک بستی قیامت سے پہلے ہلاک ہو جائے گی اپنے اپنے موقع پر نیک موت سے برے عذاب سے۔ یا یہ معنی کہ جن بستیوں کا قیام سے پہلے ہلاک ہونا لکھا ہے وہ کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں درج ہے اپنے وقت پر ہوگا گناہ کرنے سے ہم جلدی نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

اور ہم کو ان معجزات کے بھیجنے سے اسی بات نے منع کر رکھا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا چنانچہ ثمود کو ہم نے اونٹنی کا کھلا ہوا معجزہ دیا تھا پھر بھی انہوں نے اس پر ظلم کیا اور یہ نشان جو ہم بھیجتے ہیں تو محض خوف دلانے کو اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے تم سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے رب نے سب کو قابو میں رکھا ہے اور وہ خواب جو ہم نے تم کو دکھایا اور وہ پیڑ خبیث کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے ان سب کو ان لوگوں کے لیے فتنہ ہی بنا دیا اور ہم تو ان کو خوف دلاتے ہیں سو اس سے ان کی اور بھی شرارت بڑھتی جاتی ہے۔

ترکیب : ان کذب فی موضع رفع فاعل منعنا و فیہ حذف تقدیرہ الا اھلاک المکذ بین ونحن ما یزید اھلاک قریش فلذا لم نرسل بالآیات المسؤلۃ بہا[1]۔

تفسیر : مشرکینِ مکہ جواب سے عاجز آ کر یہ بھی کہا کرتے تھے اگر آپ نبی ہیں تو کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیں اور مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ کھیتی کیا کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی و ما منعنا الخ کہ ہم یہ بھی کر سکتے ہیں مگر یوں نہیں کرتے کہ پہلی امتوں میں بھی لوگوں نے انبیاء سے سوال کر کے معجزات طلب کئے تھے اور پہلے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آئے گا تو ہم ایمان لائیں گے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے اور عادتِ الٰہی جاری ہے کہ جو ہٹ کر معجزات طلب کرتے ہیں اور پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو ہلاک ہوتے ہیں چنانچہ قوم ثمود نے صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا سوال کیا ان کے کہنے کے موافق اونٹنی پیدا ہوئی آخر ایمان نہ لائے بلکہ اس کی

[1] و ما نرسل بالآیات المقترحۃ الا تخویفا لمن ارسلت نبی علیہم مما یعقبھا من العذاب المستاصل (ابو السعود)۔

کو نچیں کاٹ ڈالیں تب ہلاک ہوئے۔اس قسم کے معجزات خطرناک ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا اور ہم کو اہلِ مکہ کا ہلاک کرنا مقصود نہیں اس لیے ان کی یہ خواہشیں پوری نہیں کی جاتیں۔اس تفسیر پر سلف سے خلف تک جمہور مفسرین متفق ہیں۔ پھر جو کوئی پادری اس آیت سے یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا جیسا کہ پادری فنڈر نے کتاب میزان الحق میں لکھا ہے اور پھر ان کی تقلید نیچر مفسر نے کی ہے بڑی غلطی ہے۔الآیات سے بواسطہ الف لام وہی آیات یعنی معجزات مقصود ہیں کہ جن کا مشرکین سوال کرتے تھے نہ کہ کل مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے اور ابن عباس ؓ کا بھی یہی قول ہے جب مشرکین مکہ کی خواہش کے موافق معجزات کے بھیجنے سے صاف جواب ہو گیا تو ان کو اور بھی دلیری ہوئی اور کہنے لگے کہ آپ نبی نہیں اور ڈرانے بھی لگے اور ظلم وستم کر کے چاہتے تھے کہ آپ وعظ نہ بیان فرمایا کریں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا یوں کہو کہ اس آیت میں آپ کی تسلی کر دی گئی۔واذ قلنا اور یاد کرو جب کہ ہم تم سے کہہ چکے ہیں کہ تمہارے رب کے قابو میں سب لوگ ہیں تو پھر تمہیں کسی کا کیا خوف ہے آپ بے خوف ہو کر حکم الٰہی بیان کیا کریں۔اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پر اور بھی مضحکہ کرتے تھے کہ ہمارے کہنے سے معجزہ تو دکھایا نہیں گیا آسمان پر چلے گئے۔شاباش بیت المقدس پہنچ گئے، جنت دوزخ دیکھ آئے اور نیز قرآن پر ہنسی کرتے تھے کہ عجب کلام ہے جس میں دوزخیوں کے لیے آگ میں رہنا اور زقوم کا درخت کھانا مذکور ہے (اس پیڑ کو تلخ و بدمزہ ہونے کی وجہ سے شجرۂ ملعونہ کہتے تھے اور قدیم عرب ایسی بری چیزوں کو ایسے ہی الفاظ سے تعبیر کیا کرتے تھے) اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْ الخ کہ ہم نے اس رؤیا کو اور شجرۂ ملعونہ کو بھی ان کے لیے فتنہ یعنی آزمائش کی چیز کر دیا۔کم عقل، بداعتقاد اس پر اعتراض کرتے ہیں۔رؤیاء اور شجرۂ ملعونہ سے کیا مراد ہے؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ مکہ میں تھے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مکہ چھوڑ کر ایک نئے شہر میں سکونت پذیر ہوا ہوں وہاں سے میرے دین کو ترقی ہوئی اور عالم میں آفتاب کے نور کی طرح بہت جلد پھیل گیا چونکہ یہ خواب مکہ میں مشہور ہو گیا تھا اس پر قریشِ مکہ تمسخر کرتے تھے یہی ان کے حق میں فتنہ یعنی گمراہی کا باعث ہو گیا جس کو خدا نے سچا کر دیا اور شجرۂ ملعونہ سے مراد زقوم کا پیڑ ہے چونکہ قرآن میں آچکا تھا کہ جہنمیوں کی یہ غذا ہو گا اس پر بھی قریش بہت تمسخر کیا کرتے تھے کہ آگ میں پیڑ ایک خلافِ قیاس بات ہے تو (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے ہیں حالانکہ وہ پیڑ بھی آگ کا ہو گا اور یوں بھی آگ میں ایک کیڑا رہتا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں نباتات کیا بلکہ حیوانات بھی آگ میں ہوتی ہیں یہ بھی ان کے لیے فتنہ ہو گیا۔اور ملعونہ اس لیے اس کو کہتے ہیں کہ بدمزہ ہے عرب بری چیز کو خبیث اور ملعون کہا کرتے ہیں بعض نے رؤیاء سے معراج سے مراد لی ہے واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝۶۱ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۲ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝۶۳ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پھر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ وہ کہنے لگا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے مٹی سے بنایا۔ کہا دیکھو تو سہی یہی وہ ہے کہ جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک رہنے دیا تو میں بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے اس کی نسل کو قابو میں کر کے رہوں گا۔ فرمایا جا دفع ہو پھر جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو ان کی اور تیری سب کی جہنم پوری سزا ہے اور تو اپنی آواز سے جس کو ان میں ڈگمگا سکے تو ڈگمگا دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے بھی چڑھا دینا اور ان کے مال اور اولاد میں بھی ساجھا لگا لینا اور ان سے وعدے بھی کرنا اور شیطان کے وعدے ہی کیا ہیں مگر محض فریب بے شک میرے بندوں پر تو تیرا کچھ بھی قابو نہ چلے گا اور آپ کا رب کارسازی کے لیے بس ہے۔

ترکیب : هذا منصوب بارایت والذی نعت له والمفعول الثانی محذوف تقدیره تفضیله۔ لاحتنکن جواب لئن۔ طیناً منصوب مبرع الخافض ای من طین۔ قال الواحدی لاحتنکن اصله من احتناک الجراد الزرع وهوان تستاصله باحنا کها ثم استعمل علی الاستیلاء علی شیء وقیل ماخوذ من حنک الدابة اواجعل الرسن فی حنکها والحنک ماتحت الذقن و منه التحنیک الاستفزاز والازعاج والاستخفاف یقال افزه واستفزه ای ازعجه واجلب قال الفراء وابوعبیده من الجلبة وقال الزجاج الاجلاب الجمع ای اجمع علیهم العساکر وقال ابن السکیت الاجلاب الاستعانة ای استعن علیهم لکل بالتقدروالامر للتهدید۔

تفسیر : اب ان کی سرکشی کا سبب بیان فرماتا ہے کہ یہ شیطان کا اثر ہے جو بنی آدم پر چلا آتا ہے اور نیز اس قصہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح شیطان آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں مردود ہوا اب تم جو بنی آدم ہو کر شیطان کے بہکانے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتے ہو گویا اپنے جدِ اعلیٰ کی نسل سے نکل کر شیطانی لشکر میں داخل ہوتے ہو جو تمہارے مردود ہونے کا قوی سبب ہے۔ اس مناسبت سے اس قصہ کو یہاں ذکر کیا گو اور مناسبتوں سے یہ قصہ سورۃ اعراف، بقرہ، حجر میں بھی مذکور ہو چکا ہے۔ خدا نے آدم کے لیے فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا۔ سب نے سجدہ کیا شیطان نے سجدہ سے انکار کیا۔ آدم علیہ السلام کو کمتر اور اپنے آپ کو بہتر سمجھ کر اس لیے کہا اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا اس کے بعد خدا تعالیٰ سے کہا کہ میں اس کی اولاد کو کہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اپنے قابو[1] میں کرلوں گا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی۔ شیطان کو بنی آدم کی طینت معلوم ہوگئی ہوگی کہ وہ گمراہی کی طرف جلد دوڑیں گے جو اس نے اس زعم سے خدا تعالیٰ کے روبرو حسد میں بہہ کر یہ بات کہی الا قلیلا اس نے یہ سمجھ کر کہا کہ ان میں کچھ نیک بھی ہوں گے جن پر میرا قابو نہ چلے گا۔ احتناک کے معنی ستیاناس کر دینا۔ کہتے ہیں احتنک فلان ماعندفلاں۔ یہ بھی معنی ہیں قابو میں کر لینا لگام دینا، ڈھٹی دینا، تب یہ الدابہ یحنکہا سے مشتق ہے مطلب یہ کہ ان کو بالکل قابو میں کرلوں گا چونکہ علمِ ازلی میں یہی تھا بھی اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی فرما دیا اذھب اچھا کر مگر تیری اور تیرے متبعین کی کافی سزا جہنم ہوگی اور اس پر اس کو اجازت[2] دی کہ تو ان کو جس طرح چاہے بس میں کر لینا۔ خدا تعالیٰ نے چند چیزیں فرمائیں۔

اول استفزاز۔ یقال افزئه الخوف لاستفزاء ای ازعجه واستخفه بصوتک یعنی اپنی آواز سے انہیں پھسلا لینا، شیطان کی آواز دل میں برے خیالات پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں جس قدر شہوت انگیز آوازیں ہیں راگ باجا، عورتوں کے زیور کی آواز سب شیطانی آواز ہے۔ دوم

[1] بس میں کرلوں گا۔ ۱۲ منہ

[2] یہ اجازت تہدیدی ہے کہ جس طرح چور کہتے ہیں کہ تجھ سے جو کچھ ہو سکے کرلے کمند لگا کوٹل دے پھر تو کیا کر سکتا ہے یہ ایک محاورے کی بات ہے۔

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ ان پر اپنا لشکر چڑھالے جانا سوار بھی اور پیدل بھی۔ شیطان کے سوا اور پیدل یا تو انسانی سوار اور پیدل ہیں جو معصیت میں کوشش کرتے ہیں یا خود اس کے لشکر میں سوار اور پیدل ہوں یہ بطور تمثیل کے ہے یعنی خوب زور لگا۔ سوم شَارِكْهُمْ ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جانا مال کی شرکت گناہ میں فضول خرچی میں خرچ کرنا، اچھی باتوں میں صرف کرنے سے روکنا، برے طور سے مال لینا، چوری سے، زنا سے، غصب سے، سود سے، فریب سے۔ اسی طرح اولاد[1] میں بھی شریک ہوتا ہے۔ چہارم وَعِدْهُمْ شیطانی وعدے دل میں لمبی چوڑی ناجائز آرزوئیں پیدا کرنا دنیا پر رغبت آخرت سے نفرت دلانا کہ میاں جو کچھ مزہ ہے یہیں ہے کیسی آخرت؟ اس کے رد میں فرمایا کہ شیطانی وعدے دھوکے کی ٹٹیاں ہوتے ہیں ارمان دل میں ہی رہتے ہیں کہ موت آلیتی ہے۔ اس کے بعد یہ بھی خداتعالیٰ نے شیطان سے کہہ دیا کہ ان عبادی میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی قابو نہ ہوگا اور ان کی کارسازی کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب کافی ہوگا۔ توفیق و عنایتِ الٰہی ہمیشہ ان کے سر پر سایہ افگن رہے گی۔ ان کی قوتِ بہیمیہ کا غلبہ نہ ہونے پائے گا اس میں کفار پر تعریض بھی ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع ۷

تمہارا رب وہ ہے جو دریا میں تمہارے جہاز چلاتا ہے تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو کیونکہ وہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جبکہ دریا میں تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو اس کے سوا جس کو تم پکارتے ہو وہ سب کھوئے جاتے ہیں پھر جبکہ وہ تم کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اس سے پھر بیٹھتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔ پھر کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر آندھی کا پتھراؤ بھیج دے پھر (اس وقت) تم کسی کو بھی اپنا مددگار نہ پاؤ۔ کیا تم کو اس کا بھی خوف نہیں رہا کہ وہ بار دگر تم کو پھر دریا میں لوٹا لائے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہاری ناشکری سے تمہیں غرق کر دے پھر تم کو ہم پر کوئی دعویٰ کرنے والا بھی نہ ملے اور البتہ بنی آدم کو ہم نے ہی عزت دی اور خشکی اور دریا میں اس کو سوار کیا اور اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت عطا کی۔

---

[1] ناجائز طور سے اولاد حاصل کرنا یعنی زنا سے یہ بھی شیطانی شرکت ہے۔ نیز اولاد کے برے نام رکھنا، اس کے ناک، کان چھیدنا اس کے سر پر غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا، بیڑیاں پہنانا وغیرہ، ذالک سب شرکتِ شیطانی ہے اسی طرح ان کو معبودوں پر چڑھانا مارڈ النا برے کام سکھانا بھی شرکتِ شیطانی ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : الا ایاہ استثناء منقطع وقیل متصل ان یخسف مفعول امنتم بکم حال ہے یا یخسف کا صلہ جانب البر مفعول بہ الارجاء السوق والاجراء والتیسیر بمعنی راندن۔ الحصب قال ابوعبیدہ والقتیبی ھوالرمی ریحا شدید الحاصبۃ التی ترمی بالحصاء الصفاء وقال الزجاج الحاصب القراب الذی فیہ حصاء وقیل الحصاء صب حجارۃ من السماء تارۃ مصدر تجمع علی تیرہ وتارات والفھا واویاء۔ القاصف الریح الشدیدۃ التی تکسر بشدۃ من قصف الشیء یقصف من ضرب یضرب تبعا نصیرا او من تبعنیا بانکار ما نزلنا۔

تفسیر : یہاں سے پھر دلائلِ توحید شروع کرتا ہے اور مشرکین کی عاداتِ ناپسندیدہ کی برائی اور نیز یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ خدا کے احسان یاد رکھا کرو اور پہلے جو فرماتا تھا کہ وہ بندوں کا کارساز ہے اب اس کارسازی کا جونہایت بے بسی کی حالت میں ظہور پذیر ہوتی ہے اظہار فرماتا ہے۔ ربکم الذی انسان کے اوپر جو کچھ اس کے احسانات ہیں وہ بے انتہا ہیں ان میں سے وہ احسانات موقع بموقع بندوں کو یاد دلا کر اپنا وحدہ لاشریک ہونا ثابت کیا کرتا ہے۔ جو ان کے نزدیک زیادہ تر قابلِ التفات ہوتے ہیں۔ اس موقع پر عرب کو ان کے سفر وحضر کے انعامات یاد دلاتا ہے عرب یا دریا میں سفر کرتے تھے یا خشکی میں اور اب بھی یہی حال ہے دریا کا سفر کشتی کے ذریعے سے ہوتا ہے خواہ وہ ہوائی ہو خواہ دخانی جو اس زمانہ میں ایجاد ہوتی ہیں اب سمندر کی ایسی پہاڑسی موجوں میں ایک تنکے کے برابر جہاز یا کشتی جو مسافروں یا تجارتی مال کو لے کر آتی جاتی ہے اس کو اسی کا ید قدرت چلاتا ہے۔ رحیما تک کا یہی مضمون ہے۔ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ یہ وہ حالتِ اضطراب بیان فرماتا ہے جو دریا میں کبھی کبھی پیش آجاتی ہے وہ یہ کہ طوفان میں مبتلا ہو جاتے ہیں سو ایسے موقع پر انسان اپنے فطری قاعدہ سے پھر اسی معبودِ برحق کی طرف التجا کرتا ہے اور سب فرضی معبودوں کو بھول جاتا ہے مگر جن کی فطرت میں فتور آگیا وہ اس حالت میں بھی اس کی طرف رجوع نہیں کرتے مگر عرب کے مشرک ایسا نہیں کرتے تھے وہ اس وقت خاص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے مگر فلما نجکم الخ جب خشکی پر آتے تھے تو پھر جاتے تھے پھر اپنے معبودوں کی طرف رجوع کرتے تھے اس بات پر خدا تعالیٰ الزام دیتا ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے افسوس ہے کہ آج کل عام لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں مصیبت کا وقت بھول جاتے ہیں جب مصیبت خدا دور کر دیتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو بجائے شکر کے یہ ناشکری کرتے ہیں کہ فسق وفجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بھانڈ رنڈیوں کے ناچ کراتے ہیں۔ اب اس بات پر تہدید فرماتا ہے کہ افامنتم الخ کیا تم کو اس بات سے پورا اطمینان ہو گیا کہ اس حالت میں خدا تم پر اور دوسری قسم کی بلا نہیں بھیج سکے گا زمین میں غرق نہیں کر سکتا یا آسمان سے پتھر نہیں برسا سکتا کہ تم کو پھر دریا کا سفر آئے اور پھر تم کو اسی بلا میں پھنسا کر ہلاک کر دے۔ بنی آدم کا تو یہ حال ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ الخ ذات میں، جسم میں، صورت میں، اوصاف میں، علم میں اس کو مخلوقات پر عزت دی وحملنا ھم اور دریائی اور خشکی کے سفر میں سواری دی، دریا میں کشتی پر اور خشکی میں اونٹ گھوڑے گاڑی پر سوار ہوتے ہیں اور رزقنا ھم سفر وحضر میں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو بزرگی[1] بخشی۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

[1] یہی بزرگی تو ہے جو دن بھر حضرت گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور بیلوں کو گاڑی میں جوتتے ہیں اسی طرح اور چیزوں پر آپ حکومت کر رہے ہیں قوائے باطنیہ کے روز سے جن اور فرشتوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِیلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیلًا ﴿۷۴﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَیَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیْنَا نَصِیرًا ﴿۷۵﴾ وَإِن كَادُوا لَیَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِیُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَّا یَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِیلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیلًا ﴿۷۷﴾

(یا اس دن کو کہ) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے پھر جس کو ان کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ سو وہ اپنی کتاب کو (خوشی سے) پڑھیں گے اور ان پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور بہت ہی بڑا گمراہ ثابت ہوگا اور جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے مشرکین آپ کو اس سے بچلانے ہی لگے تھے تاکہ آپ اس کے (قرآن کے) سوا ہم پر کچھ اور بہتان باندھنے لگیں اور جب تو آپ کو وہ دلی دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا تو آپ کسی قدر ان کی طرف جھک ہی چلے تھے۔ جب تو ہم آپ کو زندگی اور موت میں دوہرا مزہ بھی چکھاتے پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ تو تم کو زمین (مکہ) سے دھکیل دینے کو تھے تاکہ آپ کو وہاں سے باہر کریں پھر تو وہ بھی آپ کے بعد ہی کم ٹھہرنے پاتے تم سے پہلے ہم نے جس قدر نبی بھیجے ہیں ان میں ہمارا یہی دستور رہا ہے اور ہمارے دستور میں آپ کچھ بھی فرق نہ پائیں گے۔

ترکیب: یوم ندعوا مفعول او نصب اذکر محذوف کا ای اذکر یوم الخ یوم ندعوا نصب یا باضمار اذکر یا ظرف ولا یظلمون۔

تفسیر: انسانوں کا باہمی فرقِ مراتب بیان فرما کر آخرت کا فرقِ مراتب جو حقیقی تفصیل ہے بیان فرماتا ہے یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ یعنی یاد کرو اس دن کو کہ جس دن ہر ایک شخص اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا۔ امام لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ جس کی پیرویِ اقتدار کی جاتی ہے ہدایت میں خواہ گمراہی میں۔ پس نبی امت کا امام ہے اور خلیفہ رعیت کا اور قرآن مسلمانوں کا امام ہے اور نمازیوں کا امام نماز پڑھانے والا ہے اور اسی طرح انسان کا دلی منشاء جو اس کو نیک یا بد کام پر تحریک کرتا ہے وہ بھی اس کا امام ہے اور اسی طرح گمراہی کے امام ہیں ہر ایک معنی کے لحاظ سے امام سے علماء نے مختلف مرادیں لیں ہیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مراد لیتے ہیں کہ قیامت کو ہر ایک امت ان کے نبی کے نام سے پکاری جائے گی اور اسی طرح آئمۂ کفر سے بھی کہیں گے یا امۃ محمدؐ یا امۃ موسیٰ یا امۃ فرعون وغیر ذلک۔ پس ہر ایک امت کو اس کے پیشوا کے ساتھ حاضر کیا جائے گا۔ اہلِ جنت کے ساتھ جنت میں اور دوزخی کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد کتاب ہے حسن وابو العالیہ اعمال مراد لیتے ہیں۔ قتادہ نامۂ اعمال، پھر نامۂ اعمال کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جن کو دائیں طرف سے ملے گا وہی اس کو خوشی سے پڑھیں گے گرچہ بائیں طرف والے بھی پڑھیں گے مگر چونکہ وہ اعمال برے دیکھ کر حسرت ورنج میں ہوں گے خوشی سے نہ پڑھیں گے۔ یہ خوش ہو کر پڑھیں گے درحقیقت انہیں کا پڑھنا ہے۔ پھر جو آخرت میں محروم رہیں گے ان کی محرومی کا سبب بیان فرماتا ہے۔ ومن کان کہ جو اس دنیا میں اندھا رہا اس نے حق نہ دیکھا صراطِ مستقیم نہ پایا وہ آخرت میں بھی نعماءِ الٰہی نہ دیکھے گا۔ اندھے ہونے سے مراد دل کا اندھا ہونا ہے نہ ظاہری آنکھوں کا۔ سو دل کے اندھے وہاں بھی الطاف الٰہی سے اندھے رہیں گے کبھی خوشی اور حیاتِ ابدی کا منہ نہ دیکھیں گے نہ اس تک پہنچیں گے، راہ گم کردہ ہوں گے۔

اس کے بعد دنیا میں دل کے اندھوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبار بہکانا چاہا تھا سو اس کا بیان فرماتا ہے: (اول) وَإِن

کَادُوْا الخ اس کی شانِ نزول میں مفسرین نے مختلف روایتیں لکھی ہیں جن سے یہ نکلتا ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اپنی خواہش پر مجبور کرنا چاہا تھا کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں یا کچھ اور اس پر آپ نے قدرے سکوت کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو بہکانا چاہتے تھے اگر آپ بہکتے تو آپ کو ہم دنیا و آخرت میں دوچند عذاب دیتے۔ خدا نے آپ کو محفوظ رکھا۔ (دوم) وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ اس کا صحیح شانِ نزول یہی ہے کہ مشرکینِ مکہ کچھ فریب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پیشتر مکے سے نکال دینا چاہتے تھے آپ نہ نکلے۔ فرماتا ہے اگر وہ ایسا کرتے تو آپ کے بعد ان کو بھی وہاں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوتا۔ انبیاءِ قدیم کا یہی دستور چلا آتا ہے کہ نبی کے نکالنے کے بعد اس قوم کو بھی وہاں امن نصیب نہیں ہوا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو اور نمازِ فجر پڑھا کرو البتہ فجر کے پڑھنے میں مجمع ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد بھی پڑھا کرو جو آپ کے لیے فائدہ مند ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود میں کھڑا کرے گا اور دعا کیا کرو کہ اے رب! مجھے خیر سے (مدینہ میں) داخل کر اور خیر ہی سے نکال (مکہ سے) اور میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ و شوکت عطا کر اور (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ حق (اسلام) آیا اور باطل (کفر) مٹ گیا بے شک باطل مٹ ہی جانے والا تھا اور قرآن میں ہم وہ چیزیں نازل کر رہے ہیں جو ایمانداروں کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اور ناانصافوں کو تو اس سے اور بھی نقصان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

ترکیب : الی غسق الخ متعلق ہے اقم کے قرآن الفجر معطوف الصلوٰۃ پر یا اس کا نصب علی الاعزاء ہے ای علیک قرآن الفجر نافلہ مصدر بمعنی تہجدا ای تنفل نفلا وفاعلہ ھنا مصدر کالعاقبہ۔ مقاما منصوب ہے ظرف ہو کر۔

تفسیر : اقم الصلوٰۃ الٰہیات و معاد و نبوت کے مباحث کے بعد طاعتِ الٰہی کا حکم دیتا ہے اور نیز شیطان کی گمراہی اور بندے کی ناشکری اور قیامت میں نامۂ اعمال کے دیے جانے اور کفار کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصدِ بد کرنے کا اور آپ کو محفوظ رکھنے کا ذکر کر کے وہ عمل تعلیم فرماتا ہے جو شیطان کی گمراہی اور بندے کی ناشکری کی رسوائی اور کفار کے فریبوں سے بچاوے (یعنی نماز) اور نیز تیرہ حکموں کی تکمیل نماز بغیر ممکن نہیں۔ یہی وہ عمل ہے کہ جو انسان کی روح اور قوائے ملکیہ کو روشنی دے کر بندہ کو دارِ آخرت کا مشتاق کرتا ہے۔ تمام تفسیریں متفق ہیں کہ اس آیت میں نماز فرض مراد ہے یعنی نماز[۱] پنجگانہ مگر دلوک[۲] کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعودؓ اور نخعی و مقاتل بن حبان و ضحاک

---

۱ اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں آگئیں، پانچویں صبح کی نماز قرآن الفجر میں مذکور ہوئی ہے۔ منہ ۱۲

۲ الدلوک الدلک ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹلنا چونکہ ٹلنے میں ہاتھ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا اس لیے اس کو دلک کہتے ہیں اور اسی جگہ سے اس کے معنی غروب کے ←

وسدی کہتے ہیں غروبِ آفتاب مراد ہے اور ابن عباس وابن عمر و جابر رضی اللہ عنہم وعطاء مجاہد و حسن و اکثر تابعین بلکہ جمہور اس کے معنی دن ڈھلنے کے لیتے ہیں۔ یہ لفظ دونوں معنوں کے لیے آیا ہے اخیر معنی بہت قرینِ قیاس اور مناسب مقام ہے اس تقریر پر جیسا کہ امام زہری کہتے ہیں یہ معنی ہوں گے دن ڈھلنے سے شب کی سیاہی ہونے تک نماز قائم کر پس اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں آگئیں اور صبح کی نماز چونکہ ایک مہتم بالشان نماز تھی اس لیے اس کو قرآن الفجر سے بیان فرمایا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ تہجد بھی فرض تھی (گو ابتداءِ اسلام میں امت پر بھی فرض تھی جیسا کہ سورۂ مزمل میں ہے) مگر امت پر نمازِ پنجگانہ سے فرضیت جاتی رہی استحباب رہ گیا جیسا کہ اخیر سورۂ مزمل سے سمجھا جاتا ہے۔ فَاقْرَؤُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (اس لیے آپ کو فرمایا ومن اللیل الخ کہ رات میں تہجد بھی پڑھو) نافلة لك زیادة لک یعنی یہ نماز تم پر زائد ہے یا یہ معنی کہ اس کا تم کو زائد نفع ہے کس لیے کہ آپ معصوم ہیں، گناہ سب بخشے گئے اب اس کا نفع ترقی درجات و مزید تقربات کا آپ کو ہے برخلاف امت کے کہ وہ گناہوں سے پاک نہیں اس بدلے میں ان کے گناہ معاف ہوں گے۔

تہجدؔ کی کیفیت : مجاہد وقتادہ کہتے ہیں نافلة کا لفظ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نفلی رہ جانے پر دلالت کرتا ہے مگر آپ ہمیشہ تہجد پڑھا کرتے تھے یہاں تک رات کو عبادت و نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک ورم کر آئے تھے۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ قیامِ شب سے آپ کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے گناہ معاف کئے پھر آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا، اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کہ کیا میں اس کی شکرگزاری نہ کروں، شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ صحیح احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی پوری کیفیت مذکور ہے کہ کبھی آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے نماز میں مصروف ہوتے، دو دو رکعت کی نیت باندھتے، کبھی چار چار کی اخیر وتر پڑھتے، صبح صادق سے قدرے پہلے اور کبھی دو رکعت پڑھ کر پھر لیٹ جاتے، پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اسی طرح رات گزار دیتے تھے پھر اس کی کیفیت اور درد و سوز کا تو کچھ بیان ہی نہیں ہو سکتا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ہوتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری اور دل سے عشقِ الٰہی کا دھواں اٹھتا تھا جس کا اثر نہ صرف گھر کے لوگوں پر پڑتا تھا بلکہ عرب اور عجم پر بھی پڑھا۔ تہجد کی نماز تمام انبیاءِ صالحین کا قدیم دستور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شب کو نماز پڑھتے، یادِ الٰہی کرتے تھے۔ ان کے پاکباز حواریوں کا بھی یہی دستور رہا ہے بعد میں یہ آزادی و بے قیدی پیدا ہوگئی پھر یورپ کے ملحدوں نے اس کو اور بھی ترقی دی افسوس۔ مالک نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ چار چار نفلوں کی نیت باندھتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں تیرہ رکعت بھی آئی ہیں۔ چنانچہ مالک نے اس کو زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ (۱) غسق اللیل رات کی سیاہی اور اندھیرا قال الکسائی غسق اللیل غسوقًا الغسق بفتح السین اسم جس کے معنی سیلان کے ہیں۔ کہتے ہیں غسقت العین تغسق جبکہ آنکھ پانی سے بھر جائے بہنے والے کو غاسق کہتے ہیں اس لیے جہنمیوں سے جو پیپ بہے گی اس کو غساق کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نافع بن ارزق نے اس کے معنی پوچھے، فرمایا رات کا اندھیرا چھا جانا۔ ازہری کہتے ہیں جب شفق غائب ہو جائے، غسق اللیل پایا گیا۔

(۲) قرآن الفجر سے مراد نمازِ صبح ہے کبھی جز سے کل تعبیر ہوا کرتا ہے اس لیے نماز کو کبھی رکوع کبھی سجود کبھی تسبیح کہتے ہیں۔ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے خصوصاً صبح کی نماز میں اس کا زیادہ تر اہتمام ہوتا ہے اس لیے اس کو قرآن الفجر سے تعبیر کیا۔

پھر قرآن الفجر کی نسبت فرماتا ہے اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا، مشہود کے معنی حاضر کیا گیا یا جس کے پاس لوگ جمع ہوں یا گواہی دیا گیا ان معنی کے لحاظ سے اس کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں اور سب ٹھیک ہیں۔ ایک گروہِ مفسرین کہتا ہے کہ صبح کی نماز میں

← بھی لیے ہیں کیونکہ اس میں بھی ٹلنا ہے مگر یہاں زوال ہی کے معنی مراد ہیں اور اسی کو جمہور نے اختیار کیا ہے۔

ملائکہ رحمت آتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں۔ رات کے فرشتے جو انسان کے محافظ اور اس کے اعمال کے نگران رہتے ہیں صبح کو جاتے ہیں اور دن کے آتے ہیں۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اور نمازوں کی نسبت صبح کی نماز میں صالحین زیادہ جمع ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت کاروبارِ دنیا بھی کم ہوتا ہے فرصت کا وقت ہوتا ہے اور نیز خوابِ شیریں سے بیدار ہو کر خدا پرستوں کی جماعت میں شامل ہونا اور خدا سے دعا مانگنا' اس کی نعمتوں کا شکریہ بجالانا' بڑی عبادت ہے جس لیے اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض نے یہ فرمایا ہے کہ اس جماعت کے لوگوں کے لیے ملائکہ خدا کے آگے جا کر ان کے حاضرِ دربار ہونے کی گواہی دیا کرتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ نماز اس کے کمال وقدرت کی شہادت ہے کیونکہ رات کا جانا دن کا آنا' ظلمتِ شب دور ہونا نور کا ظہور ہونا' انسان جو عالمِ خواب میں اس جہان سے غافل تھا اس کا بیدار ہونا گویا خوابِ عدم سے بیدار ہونا صبح کو اٹھنا حشر کا نمونہ ہے۔ اس لیے بالخصوص اس نماز کو جماعت سے ادا کرنا اور اس میں زیادہ قرآن پڑھنا' جس کے سننے کو ملائکہ حاضر ہوتے ہیں مسنون و امرِ مؤکد ہے۔

(۳) تہجد شبِ اخیر کی نماز کو کہتے ہیں فتهجد به ای بالقرآن کما قال قم اللیل الاقلیلا الی قوله ورتل القران ترتیلا۔ ہجود لغت میں سونے کو کہتے ہیں اور ہاجد سونے والا چونکہ یہ نماز سو کر پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کو تہجد کہتے ہیں اور مصلّی باللیل کو ہاجد و متہجد کہتے ہیں نمازِ تہجد کا وقت باتفاق جمہور علماء آدھی رات کے بعد سے لے کر صبح صادق تک ہے غالباً اول شب میں انسان سو جاتا ہے پھر بیدار ہو کر یہ نماز پڑھتا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ ضرور اول شب میں سوئے اور جو نہ سوئے تو نمازِ تہجد نہ ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص نمازِ تہجد کا حکم دینے کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا کہ خدا تعالیٰ عنقریب آپ کو شافعِ محشر بنا کر مقامِ محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ یہ وہ کرامت وعزت ہے جو بنی آدم میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہیں اس لیے سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عبادت اور شب کا سوز و گداز بھی فرض ہے۔

دلا بسوز کہ سوزے تو کارہا بکند دعاءِ نیم شبی دفع صد بلا بکند

مقامِ محمود : مقام محمود یحمده القائم فیه وکل من عرفه وهو مطلق فی کل مقام یتضمن کرامة (بیضاوی) یعنی مقام محمود وہ عمدہ جگہ ہے کہ جہاں کھڑا ہونے والا اور اس کو جاننے والا اس کی حمد اور تعریف کرے مطلقاً مقامِ محمود ہر عزت کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مقام کو محمود اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی حمد کی جاتی ہے گو حمد اختیاری خوبیوں پر ہوتی ہے اور مقام کی خوبیاں اختیاری نہیں لیکن یا تو شرطِ اختیاری ہر جگہ نہیں یا حمد بمعنی مدح ہے یا یہ کہ وہ محمود فیہ ہے یعنی اس جگہ حمد کی جاتی ہے وہاں کھڑے ہونے والے کی یا کھڑا ہونے والا خدا تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ : عرفِ شرح میں مقامِ محمود سے اس آیت میں کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا کرنے کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے باتفاق تمام مفسرین وہ مقام مراد ہے کہ جہاں حضرت ﷺ قیامت کے روز عاصیوں کے لیے شفاعت کرنے کو کھڑے ہوں گے جس روز کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاء نفسی نفسی کہیں گے اور کسی کو مجال نہ ہو گی کہ شفاعت کی کرسی پر بیٹھے۔ صحیح بخاری و دیگر کتبِ حدیث میں جو مختلف راویوں سے مروی ہے شفاعتِ کبریٰ کے بیان میں یوں وارد ہے کہ قیامت کے روز لوگوں پر سختی ہوگی تو آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے کہ وہ شفاعت کریں مگر وہ عذر کریں گے یہاں تک کہ یکے بعد دیگر سب انبیاء اولوالعزم کے پاس آئیں گے۔ ابراہیم، موسیٰ داؤد علیہم السلام مگر سب ہی تو عذر کریں گے اور کہیں گے کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ جن کے خدا نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے آج بجز ان کے اور کوئی اس لائق نہیں تب وہ میرے پاس آ کر مجھ سے درخواست کریں گے۔ پھر میں خدا تعالیٰ کے پاس جا کر اس کے آگے سجدہ میں گر پڑوں گا اور بہت عرصہ تک سجدہ میں حمد وثناء کرتا رہوں گا۔ حکم ہوگا اے محمد سر اٹھا قل یسمع واشفع تشفع وسل تعطه کہہ تیرا کہا سنا جائے گا، شفاعت کر کہ تیری شفاعت قبول ہوگی مانگ دیا جائے گا۔ تب میں اس

کی ثناء وصفت کر کے شفاعت کروں گا پھر ایک تعدادِ معین ہوگی کہ وہ جہنم سے میری شفاعت سے نکلیں گے بار دگر پھر آ کر اسی طرح سجدہ میں گروں گا پھر اسی طرح حکم ہوگا پھر ایک جماعت کثیر بخشی جائے گی الغرض اسی طرح تین بار کروں گا کہ پھر وہی تو جہنم میں رہ جائیں گے کہ جو مطلق قرآن کے جہنم کے لیے سدا اسدی کے لیے مقرر ہو چکے ہیں یعنی کافر و مشرک۔

نماند بعصیاں کسے در گرو — چو دارد چنیں سید پیش رو

پہلے فرمایا تھا کہ وہ تم کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اقم الصلوٰۃ نماز پڑھا کروان جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات نہ کرو اللہ آپ کا حامی و ناصر ہے۔ اب پھر اس واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لیے فرماتا ہے یعنی جو اصل کام ہے یعنی نماز و عبادت اس کو بجا لاؤ اس سے غافل نہ رہو دین دنیا میں اس سے سرسبزی اور برتری ہے۔ رہا مکہ سے نکلنا اور قریش کا اس بات کے درپے ہونا یہ تو ایک امر مقدر ہے جس پر قضاء وقدر نے اسلام کی ترقی وابستہ کر رکھی ہے اس کے لیے اے نبی! یہ دعا کیا کرو۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ یعنی تو اے اللہ مجھے مکہ سے سچائی سے نکال کر پھر میرے دل میں حبِّ وطن رہے اور ان مشرکوں کی طرف سے پھر تکالیف برداشت نہ کرنی پڑیں اور نیز سچائی کے ساتھ نکالنے سے یہ بھی مراد ہے کہ خاص تیرے ہی لیے اور تیری ہی راہ میں ہجرت ہو کسی دنیاوی غرض یا کسی جرم پر جلاوطنی نہ ہو اور مدینہ میں مجھے سچائی سے داخل کر اور چونکہ اس دین کا تمام دنیا پر پھیلنا ٹھہر چکا ہے اور پردیس میں قوت ہی نہیں رہتی اور نیز مدینہ کے متصل کسریٰ و قیصر کی حکومتیں اور دیگر قبائل شریر و سرکش بھی ہیں اس لیے یہ بھی دعا کرو وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا کہ مجھے اپنے ہاں کی قوت و شوکت بھی عطا کر۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں حسب بشارت زبور خدا تعالیٰ نے وہ قوت و شوکت عطا کی کہ جس سے دنیا میں آسمانی سلطنت قائم ہوئی اور کسریٰ و قیصر کو مٹا دیا گیا کوئی شخص خدا کے دین کا مقابل نہ ہو سکا۔ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ الخ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مجھے دنیا سے سچائی کے ساتھ نکال اور دار الخلد میں سچائی کے ساتھ داخل کر اور یہ بھی کہ خواصِ بشریہ سے نکال خواصِ ملکیہ میں داخل کر وغیر ذالک من الاسرار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرما کر ارشاد کرتا ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کہ اب تاریکی کفر و بدکاری کا زمانہ گیا اور نور و صداقت کا زمانہ آ گیا۔ حق سے مراد اسلام ہے اور باطل سے کفر و بت پرستی و دیگر قبائح جو دنیا میں مروج تھے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے پاس جو تین سو ساٹھ بت رکھے تھے ان میں سے جس کی طرف لکڑی سے یہ آیت پڑھ کر اشارہ کرتے تھے وہ منہ کے بل گر پڑتا تھا فرماتا ہے کہ یہ باطل کا مٹنا اور حق کا آنا قرآن کے سبب سے ہے جس کو ہم نازل کر رہے ہیں وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ الخ کہ جس میں ایمانداروں کے لیے امراضِ باطنیہ و ظاہریہ سے شفا ہے اور ان کے لیے رحمت ہے اور بے انصافوں کو اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے جوں جوں وہ انکار کرتے ہیں خسارہ بڑھتا جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾
قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع
وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِىْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ

عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

اور جب ہم انسان پر کرم کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور اکڑنے لگتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ کہہ دو ہر ایک اپنے اپنے طریقے عمل کر رہا ہے پھر آپ کے رب ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون راہِ راست پر ہے اور آپ سے (ماہیت) روح سے سوال کرتے ہیں (سو) کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو علم جو دیا گیا ہے تو بہت ہی تھوڑا ہے اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا ہے، (قرآن) اس کو اٹھا لے جائیں پھر تو آپ کو اس کی بابت کوئی ہم سے مطالبہ کرنے والا بھی نہ ملے گا مگر یہ صرف آپ کے رب کی رحمت ہے (جو ایسا نہیں کرتا) بے شک اس کی آپ پر بڑی عنایت ہے۔

ترکیب : ناء بالف بعد الھمزۃ ای بعد عن الطاعۃ وبقرء بھمزۃ بعد الالف وفیہ وجھان احد ھما ھو مقلوب نائے والثانی ھو بمعنی نھض. الارحمۃ مفعول لہ والتقدیر حفظناہ علیک للرحمۃ من ربك رحمۃ کی صفت یا حال۔

تفسیر : قرآن سے ان ظالموں کو زیادہ خسارہ ہونے کا یہ سبب نہیں کہ قرآن میں کوئی نقص ہے بلکہ یہ سبب ہے کہ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الخ انسان کی جبلی عادت ہے کہ جب اس پر انعامِ الٰہی ہوتا ہے، دولت و راحت ملتی ہے تو بجائے شکر گزاری و فرمانبرداری کے اکڑنے لگتا ہے، متکبر ہو جاتا ہے، نبی اور خدا تعالیٰ کی کتاب کو نہیں مانتا اس لیے خسارہ میں پڑتا ہے اور جب مصیبت آتی ہے تو بجائے صبر کے ناامید ہو جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس پر بھی انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ہر ایک نیک و بد کو خواہ وہ کسی طریق پر کیوں نہ ہو مہلت دیتا ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ الخ کہ کہہ دو ہر ایک ہم میں سے اور تم میں سے اپنے اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہے کیے جائے لیکن ان میں سے دراصل کون نیک ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ منجملہ اسبابِ خسران کے ایک یہ بھی تھا کہ وہ قرآن مجید پر ہمیشہ بیہودہ نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار باہم مشورہ کیا کہ یہود اہلِ کتاب ہیں ان سے دریافت کر کے کوئی ایسی بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنی چاہیے کہ جس کا جواب نہ آ سکے اس لیے یہود سے دریافت کیا انہوں نے کہا تین باتیں پوچھو اگر ان میں سے دو کا بھی جواب دے دیا تو جاننا کہ نبی ہے ورنہ نہیں اور یہ تین باتیں بتلائیں۔ اول روح سے سوال کرو، دوم اصحاب کہف کا حال پوچھو، سوم ذی القرنین کا حال پوچھو، وہ کون تھا اور کہاں کہاں گیا اور اس نے کیا کیا؟ سب سے اول وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الخ یہ انہوں نے روح سے سوال کیا۔ فرمایا کہ اے نبی! آپ سے روح سے سوال کرتے ہیں وہ کیا ہے چونکہ یہ بیکار سوال تھا اور نیز حقائقِ اشیاء بالخصوص روح کی حقیقت کا ادراک کرنا ہی ان کے فہم واستعداد سے باہر تھا اس لیے جواب میں فرمایا قل الروح من امر ربی کہہ دو روح[1] ایک امر رب ہے اس کے حکم سے بنی ہے، حادث ہے، قدیم ذاتی نہیں نہ خدا ہے نہ اس کا کوئی جز ہے بلکہ مخلوق ہے جس پر اور مخلوق کی

[1] روح کو ایک گروہ عقلاء صرف یہی کہتا ہے کہ وہ خون کی لطیف بھاپ ہے جس کے زور سے ذی روح کی کل چل رہی ہے جب وہ نہیں تو سب کام بگڑ جاتا ہے اس ذی روح کے مرنے کے بعد پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا چنانچہ یورپ کے دہری اور مادی لوگ اسی کے قائل ہیں جس لیے وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان پر نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے کیونکہ وہ باقی تو رہی نہیں گر یہ خیال محض مغالطہ ہے جس کی غلطی کا اب یورپ کے حکماء پر بھی انکشاف ہو چلا ہے کیونکہ ایک جماعت حکماء قائل ہوگئی ہے کہ مرنے کے بعد روح ایک نورانی پیکر میں جو جسمِ اول سے مناسبت رکھتا ہے قائم رہتی ہے ہم کو پہلی باتیں سب یاد رہتی ہیں وہ رنج راحت بھی پاتی ہیں۔ حکماءِ یونان کا بھی یہی خیال ہے کہ اکثر اہلِ ادیان بھی اس کے قائل ہیں جزئیاتِ احوالِ روح میں البتہ بڑا اختلاف ہے۔ ہنود کا ایک گروہ اس کو قدیم ذاتی کہتا ہے اسی طرح اس کے بقاء کی جانب بھی کلام ہے' بعض ابدی ذاتی کہتے ہیں آریہ وغیرہ' بعض زمانہ دراز تک بقا مانتے ہیں ہنود یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک بدن کو چھوڑ کر جزاء وسزا بھگتنے کے لیے دوسرے جسم میں آتی ہے اور اس عالم عنصری کے میدان میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ ان کے نزدیک گویا یہی عالمِ قدس ہے اسلام نے قرآن واحادیث میں روح کے متعلق دوسرے عالم میں ثواب وعذاب کی بہت تصریح فرمائی اور اصل حالات سے آگاہ کیا ہے۔

طرح خدا کو اختیار وقدرت ہے من امر ربی سے یہ باتیں سمجھی جاتی ہیں اس قدر علم کافی ہے جواب شافی ہو گیا باقی رہا اس کی حقیقت کا ادراکِ کلی۔ سو روح کا تو کیا اور بھی لاکھوں چیزوں کا انسان کو ادراکِ کلی نہیں خاک پانی کی بھی حقیقت پوری نہیں بتلا سکتے کیونکہ وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کہ تم کو اے انسان یا اے سوال کرنے والو حقائق الاشیاء سے ادراک کا بہت ہی کم حصہ ملا ہے۔ روح کی حقیقت میں حکماء کا مباحثہ چلا آتا ہے اور ہر ایک قوم نے دور دراز کار خیالی گھوڑے دوڑائے ہیں اور اب تک بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ بھلا عرب کے جاہلوں سے بجز اس قدر جواب کے اور کیا کہا جاتا۔ اب اس بات کے ثبوت کے لیے پیغمبر علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہ الہام اور وحی کے ذریعے سے ان کی خانہ سازاس میں کوئی بات بھی نہیں فرمایا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ شِئْنَا الخ کہ اگر ہم چاہتے تو قرآن مجید کو جو سرچشمہ علوم ہے محو کر دیتے مگر ہمارا فضل ہے جو ایسا نہیں کیا یعنی یہ ہماری طرف سے ہے جس کے اٹھالے جانے پر قادر ہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

(اے نبی!) کہہ دو اگر سب آدمی اور سب جن مل کر بھی ایسا قرآن بنالا نا چاہیں (تو ایسا قرآن) نہ لاسکیں گے اگر چہ ان میں سے ایک دوسرے کی پشتی ہی پر کیوں نہ ہوں اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر ایک قسم کی مثال بھی کھول کھول کر بیان کر دی پر اس پر بھی اکثر لوگ انکار کیے بغیر نہ رہے اور کہہ دیا کہ ہم تمہیں ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو کہ پھر تم اس میں سے نہریں پھاڑ کر نکالا کرو یا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا نہ گرا دو یا تم اللہ اور فرشتوں کو روبرو نہ لا کھڑا کر دو یا تمہارے لیے کوئی سنہری مکان نہ ہو یا تم آسمان میں نہ چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے منتر کو ہرگز نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر کوئی ایسی کتاب نازل کرا دو کہ جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں کہہ دو سبحان اللہ میں کیا ہوں مگر ایک آدمی اس کا بھیجا ہوا۔

ترکیب : لَا يَاْتُوْنَ جواب لئن ای جواب قسم محذوف دل علیہ اللام الموطیۃ ولولاھی لکان جواب الشرط بلا جزم لکون الشرط ماضیا۔ بیضاوی۔

تفسیر : منجملہ ان باتوں کے کہ جن سے قرآن مجید پر اعتراض کیا کرتے تھے ان کی ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ اس قرآن میں کون سی خوبی ہے؟ اگر چاہیں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بھی ہے کہ قرآن کی بابت فرمایا تھا کہ وہ ہماری طرف سے ہے اگر ہم چاہیں تو اس کو واپس لے جائیں پھر تمام مخلوق مل کر بھی زور لگائے تو ایسا قرآن نہ بنا سکے۔ کما قال قل لئن اجتمعت الخ کہ تم کیا اگر تمہارے ساتھ تمہارے وہ جن بھی شریک ہوں کہ جن سے تم مانگا کرتے ہو اور جن کے ذریعہ سے تمہارے کاہن غیب کی باتیں بتلا کر بڑے بڑے دعویٰ کیا کرتے ہیں وہ بھی شریک ہوں تو اس کا مثل نہ بنا سکیں گے۔ بلاغت و فصاحت کے معجزہ کے علاوہ اس میں روح کو زندہ کرنے والی انسان کے دل پر چوٹ مارنے والی اور سب علوم الٰہامیہ کے متعلق وہ وہ باتیں ہیں کہ جن کو کوئی نہیں بتا سکتا۔ مقدمہ تفسیر میں اس مسئلہ کی خوب شرح ہو چکی ہے۔

ابن اسحاق و ابن جریر نے سعید یا عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کے بارہ میں یوں بھی نقل کیا ہے کہ سلام بن مشکم چند یہود کو ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا اور یہ قرآن توریت کے برابر نہیں ایسا ہم بھی کر سکتے ہیں۔ پھر آپ کا اتباع کیونکر کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ شیبہ و عتبہ ربیعہ کے بیٹے اور ابو سفیان اور ولید بن المغیرہ و ابو جہل وغیرہ ہم کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر تو خدا کا سچا رسول ہے تو مکہ خشک جگہ ہے یہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری کر دے یا کوئی ایسا تر و تازہ باغ انگوروں اور کھجوروں کا لگا دے کہ جس میں سے بڑی نہریں چلا کریں جیسا کہ عراق و شام ہے یا تو جیسا کہتا ہے کہ قیامت کو آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرے گا تو اس کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی گرا دے یا ہمارے سامنے اللہ اور فرشتوں کو لا کہ ہم ان کو آنکھوں سے دیکھیں اور ان سے پوچھیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم نے رسول بنا کر بھیجا ہے یا کوئی سونے چاندی کا بنا ہوا مکان موجود کر کے دکھا دے یا تو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جا اور وہاں سے کوئی لکھی ہوئی کتاب لا کہ جس کو ہم پڑھ لیں تب تو ہم تجھے مانیں گے ورنہ ہم تجھے نہیں مانتے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ الخ اس میں تعلیم کر دی کہ ان سے کہہ دو سبحان اللہ یہ کیا لغو باتیں ہیں، تم نے کیا مجھ کو قادرِ مطلق سمجھ لیا ہے یا مجھے اس بات کا دعویٰ ہے تا کہ پھر تمہارے کہنے سے یہ باتیں کر دوں۔ میں تو آدمی ہوں خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ہاں رسول ہوں، احکام پہنچانے والا ہوں، قرآن کو رقیہ یعنی منتر بتلایا ان پہلی باتوں کو اگر یہ سب کچھ بھی ہو جائے تو یہ تمہارے جادو منتر کا اثر سمجھا جائے گا بلکہ آسمان سے ہمارے اوپر بھی کوئی کتاب اترو اکہ ہم خود اس کو پڑھ لیں۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ

عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اورلوگوں کوایمان لانے سے جبکہ ان کے پاس ہدایت آ گئی صرف یہی بات مانع آئی کہ کہنے لگا کیا اللہ نے آدمی کورسول بنا کر بھیجا ہے (اے نبی!) کہہ دو اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے ہی رسول بنا کر بھیجتے (اور) کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان اللہ بس ہے گواہی کے لیے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے۔اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے اور جن کو وہ گمراہ کرے پھر ان کے سوا تم کو کوئی چارہ گر نہ ملے گا اور ہم ان کو قیامت کو منہ کے بل اندھے گونگے بہرے کر کے چلائیں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب آگ بجھنے لگے گی تو ہم اور بھڑکا دیں گے۔ یہ ہے ان کی سزا اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہہ دیا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گی۔

ترکیب : الاان قالو اجملہ فاعل من فی الارض خبر کان ملائکہ موصوف یمشون ذی الحال مطمئنین حال سب اسم۔ لنزلنا جواب لو۔

تفسیر : عرب کے مشرکوں اور کافروں کا نبوت میں ایک یہ بھی بڑا شبہ تھا کہ نبی تو ہم جیسا ہی انسان ہے رسالت اور نبوت کے لیے تو ہم سے بالاتر اشخاص ہونے چاہییں جو کھانے پینے، زن و فرزند کے جملہ علائق سے پاک وصاف ہوں اور وہ فرشتے ہیں خدا نے اگر اپنے پیغام پہنچانے تھے تو فرشتوں کو کیوں بنا کر نہ بھیجا۔ یہی وہ ایک بات ان کے دل میں کھٹکتی تھی جس سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ شبہ کا جواب دیتا ہے وما منع الناس الخ کہ رسول تو اسی قوم کا شخص ہونا چاہیے کہ جس کی طرف وہ بھیجا جاتا ہے کیونکہ ان کے تمام مفاسد اور موجود خرابیوں کو جن کی اصلاح کے لیے یہ بھیجا گیا ہے یہی خوب جان سکتا ہے اور نیز باہم دانست غیر جنس سے ممکن نہیں اور رسول کے لیے یہ بات ضروری ہے جس پر ہدایت کا مدار ہے اور نیز فرشتے بھی آتے تو انسان کی صورت میں ہی ہو کر آتے تا کہ ان سے کلام کریں، دکھائی دیں۔ سوان پر بھی شبہ ہوتا کہ جانے یہ کون ہیں؟ اس لیے فرماتا ہے لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ الخ کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ان کے پاس البتہ فرشتہ رسول ہو کر آتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کہہ دو میری رسالت کی خدا گواہی دے رہا ہے سو یہ کافی ہے۔ رہی ہدایت' سو یہ اس کے ہاتھ ہے جس کو وہ چاہتا ہے وہی ہدایت پر آتا ہے اور جس کو ازل سے گمراہی نصیب ہے اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے نہ انسان نہ فرشتہ مگر ان گمراہوں کا حشر میں یہ حال ہوگا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الخ کہ وہ منہ کے بل جائیں گے، اندھے گونگے بہرے ہوں گے۔ منہ کے بل چلنا محاورہ ہے سرنگوں اور ذلیل ہو کر چلنے سے ان کے دنیا کے تکبر کرنے کے بدلہ میں۔ اور حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ اس طرح چلانے پر بھی قادر ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا[1] ہے۔ دوزخیوں کا اور آیات سے دیکھنے والا' سننے والا' کہنے والا ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہاں اس کے خلاف ہے۔ پس اس بہرے' اندھے' گونگے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خوشی کی چیز دیکھنے میں نہ آئے گی، نہ سننے میں نہ کہنے میں یا یہ حالت ان کی ابتداءِ حشر کے وقت ہو پھر حساب کے وقت یہ قوتیں دی جائیں۔ فرماتا ہے یہ سزا ان کے کفر اور ان کا حشر کے سبب سے ہے۔

---

[1] چنانچہ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں تین طور سے لوگ چلیں گے ایک پاپیادہ، دوم سوار ہو کر، سوم منہ کے بل۔ پوچھا گیا منہ کے بل کیونکر چل سکیں گے فرمایا جس نے پاؤں کے بل چلایا کیا وہ منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں۔ ۱۲ منہ

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْــَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا ﴿١٠١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَاۗىِٕرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿١٠٢﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿١٠٣﴾ ۙ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے وہ ان جیسے اور بھی بنا سکتا ہے اور ان کے (باردگر پیدا کرنے کے) لیے اس نے ایک میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں اس پر بھی ظالم انکار کیے بغیر نہ رہے کہہ دو اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم ان کو بند کر کے ہی رکھتے اور انسان بڑا تنگ دل ہے۔ اور البتہ موسیٰ کو ہم نے نو نشانیاں[۲] کھلی ہوئی دی تھیں پھر بنی اسرائیل سے بھی پوچھ دیکھو جبکہ موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے کہہ دیا کہ اے موسیٰ میں تو تجھے جادو کا مارا ہوا جانتا ہوں۔ موسیٰ نے کہا یہ تو تجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ (معجزات) آسمانوں اور زمین کے مالک ہی نے لوگوں کو سجھانے کو اتارے ہیں اور میں تو اے فرعون تجھ کو ہلاک ہوا جانتا ہوں۔ پس اس نے چاہا کہ ان کو زمین سے اکھیڑ دے تب تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں سب کو ڈبو دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ (اب زمین پر آرام سے) بسو۔

ترکیب : انتم مرفوع ہے فعل محذوف سے جس کی تفسیر تَمْلِكُوْنَ ہے اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ جواب لو خشیۃ منصوب ہے مفعول لہ امسکتم کا ہو کر ھؤلاء۔ اشارہ ہے آیات کی طرف الثبور الھلاک والخسر ان، ان يَّسْتَفِزَّهُمْ ای یقتلھم ویستا صلھم جمیعا ای فرعون مذا الزمان ومن کان معہ فی عسکرہ لا جمیع القوم۔

تفسیر : منکرِ حشر تعجب سے کہتے تھے کہ جب ہڈیاں ہو کر پورا چورا ہو جائیں گے بھلا پھر کیونکر بارِ دگر زندہ ہوں گے۔ اس شبہ کا جواب مختلف طور سے قرآن میں دیا گیا ہے یہاں اپنی قدرتِ کاملہ کے اثبات سے دیتا ہے اور مسئلہ نبوت کے بعد اسی مناسبت سے مسئلہ حشر میں کلام ہوتا ہے۔ فَقَالَ اَوَلَمْ يَرَوْا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو بنایا ہے پھر کیا وہ قادر تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا اس پر

۱ قتور نفقہ بر عیال تنگ کردن صافی۔

۲ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ دو یہودیوں نے آ کر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ نو نشانیاں کون سی دی تھیں؟ آپ نے جواب شافی دیا، ان کو بیان کر دیا انہوں نے ہاتھ پاؤں چوم لیے اور کہا تو بے شک نبی ہے فقیر کہتا ہے کہ ان نشانیوں سے مراد جو یہود نے پوچھی تھیں احکام عشرہ تھے جو توریت میں موجود ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرک نہ کرو الخ اور یہاں تو معجزات مراد ہیں۔ ۱۲ منہ

بھی وہ ظالم نہیں مانتے۔ اس کے بعد دوسری دلیل بیان فرماتا ہے جس سے حشر کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے اور نبوت کا بھی جس میں پہلے کلام تھا فقال لو انتم کہ ان سے کہہ دو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں دیکھو ہماری کیسی فیاضی ہے کہ ان کو وجود اور ان کے اندر کے رہنے والوں کو شب و روز بے شمار چیزیں عطا کرتے ہیں پھر مرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا کرنا نعماء باقیہ دینے کے لیے ہماری فیاضی سے کیا بعید ہے۔ تم اپنے حال پر قیاس کرتے ہو ہاں تمہاری فطرت میں یہ بخل ہے کہ اگر تمہارے ہاتھ میں رحمت کے خزانے بھی آ جائیں تو تم اس خوف سے کہ مبادا کم نہ ہو جائیں صرف کرنے سے ہاتھ روکو، بند کر کے رکھو اور ہمارے ہاں کس چیز کی کمی ہے، ہماری فیاضی ہمارے خزائن میں کمی نہیں کرتی نہ کسی فعل کے کرنے سے ہماری قوت کم ہوتی ہے۔ اپنے حال پر ہم کو قیاس نہ کرو۔ مسئلہ نبوت کا ثبوت اس طور پر ہے کہ ہم فیاض ہیں۔ انسان کی روحانی اور دار آخرت کی تعلیم کے بارہ میں ہماری قدیم فیاضی ہے، دیکھو ولَقَدْ آتَیْنَا مُوسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ الخ۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے نو نشانیاں یعنی معجزات عطا کئے تھے ید بیضا وغیرہ۔ اس سبب سے پھر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کا بار دیگر ذکر کرنے کا موقع آیا اور اس ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نئے رسول نہیں ہیں جو تم کہتے ہو فرشتہ رسول کیوں نہ ہوا ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام رسول ہو چکے ہیں اور چونکہ تم ان سے معجزات ایمان لانے کے لیے نہیں مانگتے بلکہ محض عناد و سرکشی سے سو یہ ہماری عادت نہیں ورنہ ہم نے پہلے کو کیا نو معجزے کھلے کھلے نہیں دیے تھے اور جس طرح تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کرتے ہو یہ بھی کچھ نئی بات نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون اور اس کے سرداروں نے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ پھر دیکھو کیا انجام ہوا کہ سب غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو زمین شام پر بسنے کا حکم ہوا چنانچہ وہ بسے اور حاکم ہوئے۔ اشارہ ہے جس طرح اس جبار سے چشمۂ نبوت بند نہ ہو سکا تم سے بھی نہ ہو سکے گا اسی طرح اس نبی کے پیرو بھی ملک کے مالک ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی پیشین گوئی کے مطابق جیسا کہ تورات استثناء کے اٹھارہویں باب میں ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مشابہت ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا اور نیز مکہ والے یہود سے پوچھ کر سوال کرتے تھے اس لیے ان باتوں کی تصدیق کے لیے فرمایا فَسْئَلْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ کہ ان سے ہی پوچھ دیکھو اس کے بعد اصل قصہ کو تمام کرتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ لو اب آرام سے زمین پر بسو۔ ملک میں پھیل کر عافیت سے رہو۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

النصف

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے اور ہم نے اس (قرآن) کو سچائی سے نازل کیا اور وہ سچائی ہی سے نازل ہوا اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے تو خوشی اور ڈر سنانے کو اور قرآن کے پارہ پارہ ہم نے اس لیے کئے کہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنا دیں اور اسی لیے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا[1] ہے کہہ دو تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (مگر) جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا[2] ہے تو جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور منہ کے بل (سجدہ میں) گر گر روتے جاتے ہیں اور وہ ان کی یہی عاجزی کرنا بڑھاتا ہے۔ کہہ دو اللہ کو پکارو خواہ رحمان کو پکارو جس نام سے پکارو سب اسی کے عمدہ نام ہیں اور اپنی نماز نہ تو چلا کر پڑھا کرو اور نہ چپکے سے ہی پڑھو بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کر لو کہو سب خوبیاں اللہ کو سزاوار ہیں نہ جس نے کوئی اولاد جنائی اور نہ اس کی حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس لیے کہ وہ کمزور ہے اور نہ اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔

ترکیب: لفیفا حال ہے ضمیر کم سے ای جمیعا وَقُرْاٰنًا منصوب بفعل مقدر ای اقرانک قرانا وقیل مضمر یفسرہ ما بعدہ وھو فرقناہ بالتخفیف عند الجمھور وقری مشددا یبکون حال من یخرون۔

تفسیر: فَاِذَا جَآءَ الخ مگر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے بعض کہتے ہیں وہ دوسرا وعدہ مراد ہے جس کا ذکر اول سورۃ میں تھا یعنی تم دو بار سرکشی کرو گے اور دو بار تم پر آفت آئے گی۔ اب یہاں بتلایا جاتا ہے کہ بربادی کے بعد تم کو پھر ہم ایک جگہ جمع کریں گے چنانچہ بابل کی اسیری کے بعد پھر بنی اسرائیل مجتمع ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں سے جداگانہ کلام مسئلۂ حشر کی بابت شروع ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہڈیوں کا چورا ہو جائے گا ہم کیوں کر زندہ ہوں گے اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو تمہارے مختلف اجزاء کو جمع کر کے لے آئیں گے اور تم تو کیا تمہارے اگلے پچھلوں کو بھی سمیٹ لے آئیں گے۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ الخ یہاں سے پھر ان کے شبہات کا جواب ہے جو وہ قرآن مجید کی بابت کیا کرتے تھے اس قرآن کو سچائی سے ہم نے نازل کیا ہے کسی اور نے نہیں نہ اس کو محمد (ﷺ) نے آپ بنا لیا ہے اور سچائی سے نازل ہوا نہ اس میں کوئی بات غلط اور جھوٹ ہے نہ اس کے نازل ہونے میں کوئی آمیزشِ وہم و شیطان ہوئی ہے پھر جو ایسی کتاب کو بھی نہ مانے تو وہ محض بدنصیب ہے۔ اے پیغمبر! آپ ایسے بدنصیبوں ازلی اندھوں پر کیا غم کھاتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا آپ کو تو صرف ہم نے اسی لیے بھیجا ہے کہ نیکوں کو ان کی حیاتِ ابدی کا مژدہ سنا دیں اور بدوں کو ان کے انجامِ بد سے ڈرا دیں اور اس قرآن کو ہم نے یکبارگی اسی لیے نازل نہیں کیا کہ ان پر بار نہ ہو جائے بلکہ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ خود ہم نے اس کو تھوڑا کر کے اس مصلحت سے نازل کیا ہے کہ لتقراء علی الناس علی مکث الخ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر ان کی حاجات و ضروریاتِ دینیہ کا لحاظ کر کے سنا دیں' یکبارگی نازل کرنے میں یہ بات کہاں۔ عرب کے لوگ بیشتر بے پڑھے لکھے تھے یکبارگی اتنی بڑی کتاب کی ان سے محافظت بھی نہ ہو سکتی لامحالہ اس میں تحریف و تبدیل ہو جاتی اور نیز ان کو تدریجاً نیکی کی طرف لانا مصلحت اور اثر پذیر تھا۔ سب احکام کی دفعۃً تعمیل کا حکم دینا ان پر شاق ہو جاتا اور حضرات انبیاء علیہم السلام پر آگے بھی جو کچھ کتابیں اور صحیفے

---

[1] قرآن کے یکبارگی نازل نہ ہونے کی وجہ۔

[2] اہل کتاب کے باانصاف اور باعلم لوگ جن کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا کتبِ سابقہ سے معلوم تھا ان کا یہ حال تھا کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو خوفِ خدا سے روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ یہ نجاشی حبشہ کے عیسائی بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ۔

نازل ہوئے اس کے یہی معنی ہیں کہ حسب ضرورت عباد وقتاً فوقتاً الہام ہوا اس کو جمع کرلیا وہ ایک کتاب یا صحیفہ ہو گیا۔ یہ نہیں کہ لکھی لکھائی کوئی کتاب آسمان پر سے نبی پر آپڑی ہو یا فرشتہ نے لا کردی ہو جیسا کہ مشرکین طلب کرتے تھے۔ تھوڑا تھوڑا الہام ہونے میں یہ مصلحتیں ہیں۔ اس پر یہ شبہ کرنا کہ اور مصنفوں کی طرح سوچ سوچ کر تصنیف کرتے تھے محض نادانی ہے کیونکہ ایک بار لکھی لکھائی کتاب آنے میں تو اور بھی صدہا شبہات پیش آتے اور نیز الہام کے معنی بھی پائے نہ جاتے کیونکہ الہامی وہ حالت ہے کہ بشر بشریت کے خواص سے علیحدہ ہو کر ملکیت کے سلسلہ میں منسلک ہو جائے اور حجابِ جسمانی اٹھ جانے کے بعد یا بذریعہ ملکِ مقرب کہ جس کو ناموسِ اکبر کہتے ہیں یا بلا ذریعہ اس نبی کے دل پر صرف مطالب مع الفاظ القاء ہوں۔

ان شبہات کا جواب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے اور شانِ بے نیازی بھی ظاہر فرمائی جاتی ہے قُلْ آمِنُوا بِهٖ أَوْلَا تُؤْمِنُوا الخ کہ آپ ان سے کہہ دیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تمہارے ایمان لانے سے اس کی شان نہیں بڑھ جانے کی اور ایمان نہ لانے سے اس کی خوبی میں کوئی فرق نہ آئے گا تم جاہل، بے عقل ہو۔ ہاں جو اہلِ علم ہیں جن کو پہلے سے علم دیا گیا (یعنی کتاب جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان وابوذر وغیرہ جو ﷺ جو انبیاءِ سابقین کی خبروں کی وجہ سے منتظر تھے کہ کب اخیر نبی آتا ہے یا یہ مراد کہ جن کی روحانیت میں ازل سے علم وادراک ودیعت رکھا گیا ہے) وہ اس کی بے انتہا خوبیاں دیکھ کر اس پر ایمان ہی لاتے ہیں اور جب اس کو سنتے ہیں تو روح کو حرکت دینے والے مضامین سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور سجدہ میں اللہ کی تسبیح کر کے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے رب نے قرآن میں (خصوصاً دارِ آخرت کی بابت) وعدے کئے ہیں وہ قطعاً ہو کر رہیں گے اور یہ کیفیت ان کے قرآن کے سننے سے اور زیادہ ہوتی ہے ویزید هم القرآن خشوعاً و تضرعا لربهم اعتبار ان کا ہے اور جو ازلی گمراہ ہیں انہوں نے نہ مانا تو کیا ہمیشہ ازلی بدنصیب انبیاء کی کتابوں کا انکار ہی کرتے آئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس آیت کو سن کر سجدہ کرنا چاہیے اس جگہ علماء کے نزدیک سجدہ واجب ہے۔ قرآن نازل کرنے اور نبی کے مبعوث کرنے سے مقصودِ اصلی اللہ کی عبادت ہے اور عبادت کا لبِ لباب ہے جس میں بندہ اپنے مالک کے آگے دل سے گریہ وزاری کرتا ہے کبھی زمین پر سرِ نیاز رکھتا ہے کبھی ہاتھ اٹھاتا ہے کبھی دل کو اس طرف لگا کر مراقبہ کرتا ہے اور زبان سے بھی کلماتِ حمد و ثناءِ باری ذکر کرتا جاتا ہے اس مجموعہ کو شرعِ اسلام میں نماز کہتے ہیں اس کے ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کا طریقہ بھی تعلیم فرماتا ہے۔

فقال قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ کہ اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو خواہ اللہ کے لفظ سے دعا کرو یا رحمٰن کے' اللہ کہو یا رحمٰن کہہ کے دعا مانگو جس نام سے اس کو پکارو گے سب اس کے اچھے نام ہیں اللہ کے نام میں جو اسمِ ذاتی ہے اس کے جلال و جبروت کی تجلی ہے محض ذات کی طرف بلالحاظ صفات متوجہ ہونا اعلیٰ درجہ کے عرفاء کا مرتبہ ہے اور یہ مشکل ہے اور یہ مرتبہ نصیب نہ ہو تو اس کے صفات کے ساتھ اس کو پکارو اور صفات میں صفتِ رحمت تمہارے حال کے زیادہ تر مناسب ہے اور لفظ رحمٰن سے وہ زیادہ سمجھی جاتی ہے اسی لیے جس طرح لفظ اللہ عرب میں اس کے لیے مخصوص تھا اسی طرح لفظ رحمٰن بھی بلا اضافۃ اسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اس جملہ کی بابت ایک روایت بھی مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ یا اللہ یا رحمٰن کہہ رہے تھے مشرکین میں سے کسی نے یہ اعتراض کیا کہ ہم کو تو دو خداؤں کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور آپ دو کے نام پکارتے ہیں اور کسی نے یہ کہا، رحمٰن جو یمامہ میں کاہن ہے اس کو پکارتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب اللہ ہی کے نام ہیں اس کے ہر نام سے اس کو پکارو یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حمقاء کے جواب میں یہ آیت پڑھی ہو جس کو نازل ہونے سے تعبیر کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے باعتبار اس کی صفات کے بہت سے نام ہیں جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، الباری، المصور، الغفار، القہار، الوہاب، الرزاق، الفتاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السمیع، البصیر، الحکم، العدل، اللطیف، الخبیر، الحلیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلی، الکبیر،

الحفیظ، المقیت، الحسیب، الجلیل، الکریم، الرقیب، المجیب، الواسع، الحکیم، الودود، المجید، الباعث، الشہید، الحق، الوکیل، القوی، المتین، الولی، الحمید، المحصی، المبدیٔ، المعید، المحی، الممیت، الحی، القیوم، الواجد، الماجد، الواحد، الاحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخر، الاوّل، الآخر، الظاہر، الباطن، الولی، المتعالی، البر، التواب، المنعم، العفو، الروف، مالک الملک، ذوالجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنی، الضار، النافع، النور، الہادی، البدیع، الباقی، الوارث، الرشید، الصبور، الستار۔ یہ ننانویں نام ہیں ان کے علاوہ اور بھی نام قرآن واحادیث سے ثابت ہیں جیسا کہ رب العالمین المبین۔

انسان کی فطری عادت ہے کہ جس کو ان سے نہ دیکھا ہو نہ ہاتھ سے چھوا ہو نہ زبان سے چکھا ہو نہ ناک سے سونگھا ہو جب کبھی خیال کرتا ہے تو اس کو انہیں چیزوں پر قیاس کرتا ہے جو اس نے دیکھنے میں آئی ہیں لیکن یہ ادراک ناقص خدا تعالیٰ اور اس کی صفات تک بھی نہیں پہنچتا۔ اسی لیے عوام اپنی خیالی صفات اس میں ثابت کر کے ان صفات سے اس کو موسوم کرنے لگتے ہیں اور درحقیقت وہ صفات اس کے لیے عیب اور اس کے تقدس کے منافی ہوتے ہیں اس لیے اسماء کے ساتھ حسنیٰ کی قید بھی آیت میں بڑھا دی گئی کہ اچھے نام اور ناموں کا اچھا ہونا اس کے اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے فرمانے پر موقوف ہے اس لیے اہلِ اسلام کے علماء متفق ہیں کہ خدا پاک کے نام توقیفی ہیں یعنی اسی قدر ناموں سے اس کو موسوم کرنا چاہیے جو شرع سے ثابت ہیں اس کے علاوہ اور ناموں سے پکارنا ممنوع ہے۔

ہاں اگر اس کے اسماء مبارک عرب کے سوا اور زبانوں میں وہی نام ہیں جو اس کے ان اسماء حسنیٰ کا ترجمہ ہیں تو شاید ان سے پکارنے کی یا ان کے اطلاق کرنے کی اس پر بوقتِ ضرورت اجازت ہو جیسا کہ فارسی کا لفظ خدا جو اللہ کا ترجمہ ہے علماءِ اسلام اس کا استعمال کرتے آئے ہیں اس کے بعد اس کو اس کے ناموں سے کس طرح پکارا جائے اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔

فقال وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا کہ نہ نماز پکار کر پڑھو نہ آہستہ بلکہ درمیان درمیان مگر اس میں کلام ہے کہ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ جلالین وغیرہ تفسیروں میں یوں لکھا ہے، بقراء تك فيها يسمعك المشركون فيسبوا ويسبوا القرآن ومن انزله کہ مراد یہ ہے کہ نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے (جس کا بیشتر حصہ دعا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ) اس کو نہ پکار کر پڑھ کہ مشرکین سن کر گالیاں دینے لگیں نہ آہستہ بلکہ درمیان درمیان اور اس تفسیر کی بخاری کی روایت بھی تائید کرتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہ سبب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مخفی رہتے[1] تھے مگر جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو قرآن کو بلند آواز سے پڑھتے تھے جس کو سن کر مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اور اس کے نازل کرنے والوں کو گالیاں دیا کرتے تھے اور بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کو دعا کے باب میں نازل ہونا بتلایا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں دونوں روایتوں میں خلاف نہیں کیونکہ دعا سے وہی دعا مراد ہے جو نماز کے اندر ہے چنانچہ ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ الحاصل نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے یا اور کچھ ادعیہ وغیرہ اس کو متوسط درجہ کی آواز سے پڑھنا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ نہ سب نمازوں کو ظاہر آواز میں پڑھو جیسا کہ صبح و مغرب و عشاء کی نماز کیوں کہ ان وقتوں میں مشرکین اپنے کاروبار میں مصروف یا سونے کھانے میں مشغول رہتے ہیں نہ سب کو مخفی آواز میں جیسا ظہر و عصر کی نماز پس بعض کو پکار کر بعض کو

---

[1] ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پوشیدہ رہتے تھے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے تو قرآن مجید کو پکار کر پڑھتے مشرکین سن کر قرآن اور اس کے نازل کرنے والے کو اور جو اس کو لے کر آیا سب کو گالیاں دیتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ تو اے نبی! قرآن کو بلند آواز سے پڑھ کہ مشرکین سن کر گالیاں بکیں نہ آہستہ کہ تیرے اصحاب کو بھی سنائی نہ دے۔ اس کے درمیان درمیان پڑھ۔ اس روایت کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ ۱۲ منہ

آہستہ سے پڑھو۔

اس کو آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اور اُذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ سے منسوخ کہنا غلطی ہے۔ اس کے بعد حمد کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس آیت میں اپنا اوصافِ رذیلہ سے پاک ہونا بھی بتلاتا ہے۔ بقولہ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ الخ کہ ستائش اللہ کو زیبا ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے جیسا کہ مشرکین ونصاریٰ کہتے ہیں نہ اس کا کوئی خدائی میں شریک ہے جیسا کہ لوگوں کا انبیاء واولیاء وملائکہ وصالحین وغیرہم کی نسبت خیال ہے نہ اس کو کسی کی مدد واعانت کی حاجت ہے جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کو اس کا کارکن سمجھتے ہیں اور اس کی بڑائی بہت بڑھ کر بیان کر' وہ سب بری باتوں سے پاک اور برتر ہے۔ الله اکبر کبیرا والحمدلله کثیرا سبحان الله بکرة واصیلا۔ کس لطف کے ساتھ کلام تمام کیا ہے۔ سبحان اللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ قَیِّمًا
لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۞ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا ۞ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ
اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۞ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ
یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۞ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا
لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۞ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا[1] ۞

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا ہی مہربان نہایت رحم والا ہے

سب خوبی اللہ ہی کے لیے ہے کہ جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب نازل کی اور اس میں کچھ بھی کجی نہیں رکھی۔ اس کو ٹھیک کر دیا تا کہ لوگوں کو (کفاروں کو) اس سخت عذاب سے جو اس کے پاس ہے ڈرائے اور ایمانداروں کو جو اچھے کام کرتے ہیں (اس بات کا) مژدہ دے کہ ان کے لیے اچھا بدلا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور تا کہ ان کو بھی یہی خوف دلائے کہ جو (یہ) کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس بات کی ان کو کچھ خبر ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ سراسر جھوٹ کہتے ہیں پھر کیا آپ اس افسوس میں کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے' اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ جو کچھ زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ امتحان کریں کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے اور ہم تو جو کچھ اس پر ہے سب کو چٹیل میدان کر دیں گے۔

ترکیب : قَیِّمًا صاحب الکشاف کہتے ہیں کہ یہ الکتاب سے حال نہیں ہو سکتا بلکہ یہ منصوب ہے مضمر سے والتقدیر ولم یجعل لہ عوجا وجعلہ

[1] قال الفراء الجرز الارض التی لانبات فیہ یقال جرزت الارض شی مجروزۃ وجرزہا الجر ادوا الشاۃ والابل اذا اکلت ما علیہا وامراۃ جروز اذا کانت کولا وسیف جراز اذا کان ستاصلا ۱۲ منہ

قیما صاحب حل العقد کہتے ہیں کہ یہ بدل ہے لم یجعل لہ عوجا سے کیونکہ اس کے معنی ہیں جعلہ مستقیما۔ لینذر انزل سے متعلق ہے انذر متعدی ہوتا ہے دومفعولوں کی طرف کقولہ انا انذرنکم عذابا قریبا مگر یہاں صرف باسا ایک مفعول پر کفایت کی گئی ویبشر معطوف ہے ینذر پر ان لھم ای بان لھم جملہ یبشر کے متعلق یا اس کا بیان ماکثین مکث بمعنی قیام سے مشتق ہے جس کے معنی ٹھہرا رہنا' یہ حال ہے ضمیر لھم سے۔ ابدا منصوب ہے ظرف ہو کر من علم من زائد اور علم مرفوع علی الابتداء والفاعلیۃ الاعتماد الظرف والجملۃ حالیۃ اومستانفۃ لبیان حالھم فی مقالھم کلمۃ منصوب ہے تمیز ہو کر ضمیر مبہم سے جو کبرت کی فاعل کبس رجلا مخصوص بالذم محذوف ہے۔ ای ھی فلعلک الخ جملہ دال بر جزاء شرط ان لم یؤمنوا سے اسفا مفعول لہ ہے باخع کا۔ قال اللیث بخع الرجل نفسہ اذ اقتل۔

تفسیر: اس سورۃ کو سورۂ کہف اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کا حیرت انگیز حال بیان ہے جو کہف یعنی غار میں تین سو نو برس تک سو کر جاگے تھے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہیں از انجملہ وہ ہے کہ جس کو بخاری و مسلم وغیرہما نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رات کو گھر میں اس سورۃ کو پڑھ رہا تھا اور گھوڑا بھی وہیں بندھا ہوا تھا۔ گھوڑا بدکنے لگا، اس نے اوپر سر اٹھا کر جو دیکھا تو ایک نور دکھائی دیا، بادل کی طرح سایہ کیے ہوئے تھا۔ صبح کو اس نے یہ ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پڑھا کر یہ سکینہ (نور اطمینان) ہے جو اس کے پڑھنے سے نازل ہوتی تھی اور جمعہ کے روز اس کے پڑھنے کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت ہیں۔ سورۂ اسراء کے اخیر میں یہ تھا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ اس جگہ اس کی حمد میں تین صفات سلبیہ مذکور ہوئے تھے کہ ستائش خدا کو ہے کہ جو اولاد اور شریک اور خائف مددگار بنانے سے پاک ہے اور اس کے خاتمہ میں یہ صفاتِ سلبیہ لانا کمالِ بلاغت تھا کس لیے کہ ابتداءِ سورہ میں سبحان الذی الخ تھا اور تسبیح صفاتِ سلبیہ سے ہی ہوا کرتی ہے تاکہ ابتداءِ کلام کو خاتمہ سے مناسبتِ تامہ رہے مگر حمد ضرور کسی خوبی اور نعمتِ محمود پر ہوتی ہے تو اس جگہ سورۃ کو پھر حمد کے ساتھ شروع کیا اور جس پر اس کی حمد وستائش ہونی چاہیے ان میں سے اس کی بڑی خوبی اور بندوں پر نعمت اس کا ایک ایسی کتاب نازل کر دینا ہے جس میں اس کے بھی بہت سے صفاتِ کمال مذکور ہیں اور بندوں کے لیے نجاتِ ابدی کا باعث ہے جس لیے ایک جگہ قرآن کو روح کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر بندوں پر اور کیا نعمت ہوگی پھر کتاب بھی کیسی کہ جس میں کوئی بھی کجی نہیں نہ باعتبارِ الفاظ کے نہ باعتبارِ معانی کے بلکہ سراسر راست۔ فقال الحمد للہ کہ جملہ ستائش اور تمام خوبیاں اللہ کو ہیں الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ کہ جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب یعنی قرآن نازل کیا اور کتاب کے دو وصف ذکر فرمائے اول لم یعجل لہ عوجا اس میں کتاب کے کمالِ ذاتی کی طرف اشارہ ہے۔ دوم قیما جس میں غیر کے لیے مکمل ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس میں کچھ کجی اور ٹیڑھ پن نہیں ہر ایک بات اس کی عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے اور نہ صرف اس میں یہی وصف ہے بلکہ وہ کتاب قیم بھی ہے یعنی بنی آدم کی سعادتِ دارین کی کسوٹی اور راہِ راست اور ان کے تمام مصالحِ اخروی و دنیوی کی متکفل کیونکہ قیم اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کی مصالح کا متکفل ہوتا ہو۔ قیم کے لیے دو باتیں ضرور ہیں اول یہ کہ جس کا یہ قیم ہو اس کو پیش آنے والی ہلاکتوں سے مطلع کرے اور خوف دلائے۔ دوم اس کے فوائد اور ثمراتِ اعمالِ حسنہ اور تدابیر برجستہ کا مژدہ بھی دے تاکہ بری باتوں سے نفرت اور ان تدابیرِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی طرف کامل رغبت ہو اس لیے پہلی بات پوری کرنے کے لیے یہ فرمایا لینذر باسا شدیدا من لدنہ کہ قرآن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو متنبہ کرتا ہے اور خوابگاہ دنیا کی گراں نیند میں سونے والوں کو جگاتا ہے۔ دوسری بات پوری کرنے کے لیے وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا کہ ایمان والوں کو مژدہ دیتا ہے۔ پھر مومنین کا وصف ذکر کرتا ہے وہ کون؟ کہ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ جو نیک کام کرتے ہوں نہ صرف ایمان لانے پر بس کر بیٹھے ہوں

کیونکہ ایمان بغیر اعمالِ صالحہ کے سعادتِ اُخرویہ تک نہیں پہنچاتا۔ اب ایک تو ان کا ایمان تھا دوم اعمالِ صالحہ۔ ان دونوں باتوں کے لیے دو انعام کا وعدہ فرمایا جاتا ہے اول ان لھم اجرًا حسنًا کہ ان کے لیے اچھا بدلہ ملے گا یعنی حیاتِ ابدی، بہشت۔ دوم ماکثین فیہ ابدًا کہ وہ اس اجرِ حسن یعنی بہشت میں ہمیشہ رہا بھی کریں گے یہ نہیں کہ وہ چند روزہ ہو۔ پھر خوف دلانا ایک تو عام لوگوں کو عام باتوں پر ہوتا ہے جیسا کہ لِیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا میں ذکر ہوا ایک خاص امر پر خوف دلانا ہوتا ہے جیسا کہ جس گناہ میں کوئی شخص مبتلا ہوا اسی کا نتیجہ بیان کیا جائے۔ عرب کے مشرکین فرشتوں اور ارواحِ غیر مرئیہ کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے، نذر و نیاز کرتے تھے، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے بلکہ اب تک کہتے ہیں اور بعض یہود عزیر علیہ السلام کی نسبت بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے اس لیے ان تینوں فرقوں کی طرف عنانِ کلام کو پھیرا اور سب ہی پر سرزنش کی۔ فقال وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا مَا لَھُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ الخ اس میں یہ بھی بتلایا کہ اس اعتقادِ باطل پر ان کے پاس تو کیا ان کے باپ دادا کے پاس بھی کوئی یقین دلانے والی سند نہیں محض توہم فاسد ہے۔ یہ ایک تہدید تھی دوم کبرت کلمۃ کہ یہ بری اور سخت بات منہ سے نکال رہے ہیں۔ سوم ان یقولون الخ وہ جھوٹ بکتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کی اصلاح کے لیے آئے تھے تمام مخلوق کے لیے مجسم رحمت تھے باوجود اس خوف دلانے کے پھر بھی لوگوں کو اس اعتقادِ باطل پر اڑے رہتے دیکھ کر ان کے نتیجۂ بد کے لحاظ سے مشفقانہ طور پر بہت ہی غم و رنج کھاتے تھے جیسا کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی خراب کن حرکات پر برے نتائج خیال کر کے کڑھا کرتا ہے اور رنج کیا کرتا ہے یہی حال آپ کا تھا اس پر وہ بے نیاز خدا جو رحیم اور رحمٰن ہونے کے ساتھ جبار و قہار منتقم بھی ہے اپنے رسولِ پاک ﷺ کی تسلی کرتا ہے کہ لعلك باخع الخ کہ کیا آپ ان ناہنجاروں پر کڑھ کڑھ کر مر جائیں گے، اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر ڈالیں گے یعنی ایسا نہ کرو تمہارا جو کام تھا تم کر چکے۔ اب ایک بات اور تھی جو ایمانداروں، نیکو کاروں کو بسا اوقات خلجان میں ڈالتی ہے بلکہ بعض سست اعتقاد حق پرستی سے پہلو تہی کرنے لگتے ہیں وہ یہ کہ جو قومیں نہ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں نہ خدا پر اور اسی طرح وہ بھی جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور ان کے بھروسے پر طرح طرح کی بدکاری کرتے ہیں کہ یہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں یا خواہ مخواہ ہم کو اپنے باپ سے کہہ کر بخشوا دیں گے باوجود اس کے دنیا میں وہ خوب سرسبز ہیں ان کے پاس دولت حشمت ہر طرح کی کامرانی موجود ہوتی ہے، بڑے مزے اڑاتے پھرتے ہیں اور ہم خدا پرستی کی بدولت اس حالت میں مبتلا ہیں اس لیے جس طرح اپنے رسول پاک ﷺ کی تسلی کی تھی اسی طرح ایمانداروں کی بھی تسلی فرماتا ہے، فقال اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّھَا کہ یہ جو کچھ سامان ہم نے پیدا کیا ہے، یہ دنیا کی زینت کے لیے بنایا ہے جو چند روزہ ہے اور دنیا بغیر اس کے مزین نہیں ہوتی، دنیا اسی کا نام ہے۔ یہ آخرت اور نئی زندگانی کی زینت نہیں جو ہمیشہ کے لیے ہے اور یہ سب کچھ اسی لیے بنایا ہے کہ لِنَبۡلُوَھُمۡ اَیُّھُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا اچھے بروں کا اس میں امتحان ہو جائے اور یوں تو ایک روز یعنی اس دن کہ نئی زندگانی کا جن سے آغاز ہوگا آغاز ہی میں ہم اس سب سامان کو صعیدًا جرزًا کر دیں گے سب نیست و نابود ہو جائے گا، نہ وہ عماراتِ عالیہ رہیں گی، نہ وہ باغ جن کو خلد منزل کہتے تھے، نہ وہ گھوڑے نہ وہ آرائش کا باقی سامان۔ پھر نئی زندگی میں تو ان میں سے کوئی چیز بھی کار آمد نہ ہوگی۔

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَھۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذۡ اَوَی الۡفِتۡیَۃُ اِلَی الۡکَھۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّ ھَیِّیٔۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبۡنَا عَلٰۤی اٰذَانِھِمۡ فِی الۡکَھۡفِ سِنِیۡنَ عَدَدًا ﴿ۙ۱۱﴾

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾ وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

کیا آپ غار اور کتبہ والوں کو ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے تعجب کی چیز سمجھتے ہیں جبکہ چند جوان اس غار میں آبیٹھے پھر دعا مانگنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم پر اپنی جناب سے رحمت نازل کر اور ہمارے کام کا سرانجام کر دے تب ہم نے سالہائے سال تک غار میں ان کے کان تھپک دیے (سلا دیا) پھر ہم نے ان کو جگایا کہ ہم دیکھیں کہ دونوں فرقوں میں سے ان کی مدتِ قیام کو کس نے خوب یاد رکھا ہم آپ کو ان کی صحیح صحیح خبر سناتے ہیں وہ چند جوان تھے کہ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ان کو ہم اور زیادہ ہدایت دیتے گئے اور ان کے دلوں پر استقلال کی گرہیں لگا دیں جبکہ وہ (دربارِ بادشاہ بت پرست سے) یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوائے اور کسی معبود کو ہرگز نہ پکاریں گے اگر ایسا کیا تو بڑا ہی جھک مارا۔ (ایک) یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں پیش نہیں کرتے پھر اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بنائے (باہر آ کر آپس میں کہنے لگے) کہ جب تم نے ان بت پرستوں کو اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب کو چھوڑ ہی دیا تو چلو غار میں جا بیٹھو تمہارا خدا تم پر اپنی رحمت برسا دے گا اور تمہارے کام کو بھی آسان کر دے گا۔

ترکیب : ام منقطعہ مقدر ہے بل کے ساتھ جو ایک بات سے دوسری بات کی طرف انتقال کے لیے آتا ہے۔ جمہور کے نزدیک ہمزۂ استفہام اوروں کے نزدیک صرف بل مقدر ہے ای بل احسبت عجبا خبر ہے کانوا کی وَمِنْ آیَاتِنَا حال ہے اس سے۔ اذا متعلق ہے اذکر محذوف سے فضربنا کا مفعول حجابا محذوف، عددا منصوب ہے سنین کی لغت ہو کر المعنی سنین ذات العدد ھذا قول الفراء اور ممکن ہے کہ مفعول مطلق ہو والمعنی تعد عددا ای مرفوع ہے مبتدا ہونے کے سبب اور احصٰی اس کی خبر ہے اور یہ سب جملہ متعلق ہے نعلم سے۔

تفسیر : زینتِ دنیا جس میں منہمک ہو کر انسان عقبیٰ کو کھو بیٹھتا ہے اور خدا پرستوں کو اپنا ہم خیال نہ سمجھ کر برا جانتا بلکہ ان کو ستاتا بھی ہے اس کی نظیر اصحاب کہف کا واقعہ ہے اس مناسبت سے اصحابِ کہف کے واقعۂ حیرت خیز کا ذکر شروع ہوا جس کو قریش نے پوچھا تھا۔ جواب کس عمدہ موقعہ پر اور کس عمدہ پیرایہ میں دیا جاتا ہے کہ اس آرائش و سامانِ چندہ روزہ کی محبت جس میں اغنیاء کے شکر اور غرباء کے صبر کا امتحان ہوتا ہے اصحابِ کہف کا واقعہ ہے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ نضر بن حارث قریش میں بڑا شیطان تھا اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دیا کرتا تھا اور وہ حیرہ

وغیرہ اطراف عرب میں بھی جایا کرتا تھا وہاں سے رستم و اسفندیار و دیگر ایشیائی بادشاہوں کے قصے سن کر آتا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لوگوں کو سنا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتا تھا ایک بار وہ اور عتبہ بن ابی معیط دونوں علماءِ اہل کتاب کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ تم حضرت (ﷺ) سے یہ چند باتیں پوچھو جو بمنزلہ اسرار کے ہیں باوجود امی ہونے کے اگر انہوں نے ان واقعات کو تم سے بیان کر دیا تو جانیو کہ وہ نبی ہے ورنہ جھوٹا مدعی۔ اول یہ کہ وہ چند آدمی جو غار میں چھپے تھے کون تھے؟ دوم وہ بادشاہ کون تھا جو شرقاً غرباً مالک ہو گیا تھا؟ سوم روح کیا ہے؟ چنانچہ وہ آئے اور آ کر قریش کے مشورہ سے حضرت ﷺ سے سوال کیا۔ روح کے سوال کا جواب تو ہو چکا۔ اب اصحابِ کہف کا حال بیان ہوتا ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت
تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَن يَهْدِ
اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ
أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم
بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ
رُعْبًا ﴿١٨﴾ وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ
قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا
أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا
فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٩﴾

(الحاصل وہ غار میں ایسے آسوئے) کہ جب آفتاب طلوع کرتا ہے تو ان کے غار کے دائیں طرف سے (اے مخاطب!) تجھ کو ہٹا ہوا دکھائی دے گا اور جب ڈوبتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کتراتا ہوا گزرتا جاتا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے ایک گوشہ میں پڑے سو رہے ہیں یہ اللہ کے عجائباتِ قدرت میں سے ہے۔ جس کو اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو اس نے گمراہ کر دیا تو پھر اس کے لیے آپ کو کوئی کارساز راہ بتلانے والا نہیں ملے گا اور (اے مخاطب!) تو جانے گا کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ پڑے سوتے ہیں اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ بدلواتے رہتے ہیں اور ان کا کتا ہے کہ دروازہ پر باز و پھیلائے پڑا ہے (اے مخاطب!) اگر تو انہیں دیکھ پائے تو تجھے الٹے پاؤں بھاگتے ہی بن پڑے اور تجھ میں ان کی دہشت بھر جائے اور یونہی ہم نے اپنی قدرت سے ایک بار ان کو جگا بھی دیا تھا تا کہ باہم پوچھ گچھ کریں (پس) انہیں سے ایک نے پوچھا کہ (بھلا) تم کس قدر (یہاں) ٹھہرے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا کچھ کم رہے ہیں (اس کے بعد) سب یہی کہنے لگے کہ ہمارا خدا ہی خوب جانتا ہے کہ جس قدر یہاں ٹھہرے رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی ایک کو یہ روپیہ دے کر شہر کو تو بھیجو اور اس کو چاہیے کہ وہ اچھا کھانا دیکھ کر اس میں سے تمہارے پاس کچھ لائے اور چاہیے کہ چپکے سے آئے جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔

ترکیب : وَتَرَی الشَّمْسَ جملہ ان کے حال بیان کرنے کے لیے تزاور اصل میں تتزاور ایک تے حذف ہوگئی من الزور بمعنی المیل ذات الیمین ای جھۃ الیمین ذات صفت ہے موصوف کے قائم مقام واقع ہوئی کیونکہ یہ ذو کا مؤنث ہے تقدیر تزاور عن کھفھم جھۃ ذات الیمین۔ فجوۃ مکان کا صحن یا گوشہ اس کی جمع فجوات آتی ہے ایقاظ جمع یقظ و یقظان رقود مصدر سمی المفعول بہ اور جس نے جمع راقد کہا غلطی کی کیونکہ فاعل کی جمع فعول نہیں آتی۔

اصحاب کہف ورقیم کا قصہ : کہف غار کو کہتے ہیں اور رقیم بمعنی المرقوم ای المکتوب پتھر یا سیسے کی وہ لوح کہ جس پر کچھ کتبہ لوگوں نے اصحابِ کہف کا مختصر سا حال ایک لوح پر کندہ کر کے اس غار کے دروازہ پر لگا دیا[1] تھا بعض کہتے ہیں رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار ہے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڣ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع

کیونکہ اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا اپنے مذہب میں الٹا پھیر لائیں گے اور تب تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے اور ہم نے ان کو ان لوگوں پر یوں ظاہر کر دیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا دعویٰ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں (ان کے ظاہر ہونے کے بعد) جبکہ لوگ ان کے امر میں آپس میں جھگڑنے لگے پس بعض نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بناؤ (اور ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ) ان کا رب ہی انہیں خوب جانتا ہے جن کی بات غالب تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے (اے نبی! جب آپ اصحابِ کہف کا حال بیان کر چکے تو یہ منکرین اختلاف کریں گے اور) ابھی کہنے لگیں گے وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض اٹکل پچو یہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا (سوائے نبی! ان سے) کہہ دو کہ ان کی تعداد تو میرے رب کو ہی خوب معلوم ہے ان کا اصلی حال تو بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں پس (اے نبی!) ان کے بارے میں ان لوگوں سے گفتگو نہ کرو مگر سرسری اور ان کا حال بھی ان میں سے کسی سے دریافت نہ کرو۔

---

[1] یہ کتبہ اس غار پر کب لگایا گیا قرینہ یہی جانتا ہے کہ جب بیدار ہو کر وہ شہر میں آئے اور چرچا ہوا پھر اس غار میں جا کر غائب ہو گئے تب لوگوں نے اس غار کے منہ پر یہ کتبہ لگایا ہوگا تا کہ آیندہ نسلوں کو ان کا حال معلوم رہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : ان یظهروا شرط یرجمو اور یعیدو جواب شرط ولن تفلحوا اذا ابدا ای ان رجعتم الی دینھم لن تسعدوا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ اعثرنا ای اطلعنا غیرھم علی احوالھم یقال عثرت علی کذا ای علمتہ یعلموا کا فاعل ضمیر راجع الناس کی طرف۔ اذا ظرف اعثرنا کا۔

تفسیر : اس لیے ان لوگوں کو اصحاب الکہف والرقیم کہتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر! کیا آپ ان کو ہماری آیاتِ قدرت میں سے عجیب تر خیال کرتے ہیں؟ یہ کچھ زیادہ عجیب نہیں اس سے بڑھ کر ہماری نشانیاں ہر روز تمہارے سامنے موجود ہیں وہ کیا؟ آسمان و زمین کا پیدا کرنا ان میں، چاند و سورج کا حرکت کرنا، ہواؤں کا بدلنا، انسان و حیوان و نباتات و جمادات کی پیدائش وغیرہ وغیرہ۔ یہ قصہ کی تمہید تھی۔ اذاوی الفتیۃ سے ان کا قصہ شروع ہوتا ہے فتیۃ فتی کی جمع ہے جس کے معنی جوان کے ہیں اور جمع کی صورت میں چند جوان جیسا کہ صبی کی جمع صبیۃ آتی ہے یعنی وہ چند جوان اس غار میں آ بیٹھے تو وہاں خدا سے یہ دعا کرنے لگے کہ ہم پر رحمت کر، اس سختی اور تنگی کے وقت ہماری کارسازی کر، فضربنا علٰی اذانھم خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے کانوں پر پردے ڈال دیے۔ یہ عرب میں سلانے کے لیے محاورہ ہے کیونکہ خواب میں کانوں پر پردہ پڑا ہوتا[1] ہے جس سے وہ کسی کی بات نہیں سنتا۔ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ پھر ان کو ہم نے اٹھایا یعنی بیدار کیا۔ لنعلم اَیُّ الْحِزْبَیْنِ تا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کہ جوان کی مدت خواب میں اختلاف کرتے تھے ہم کو معلوم ہو کہ کس کو ٹھیک مدت معلوم ہے۔ یا تو بیدار ہونے کے بعد خود انہیں میں اختلاف تھا کہ کوئی ان میں ایک روز اور کوئی آفتاب کو خیال کر کے ایک روز سے کم کہتا تھا یا اس عہد میں لوگوں میں اختلاف تھا کوئی دو سو برس کہتا تھا، کوئی تین سو چنانچہ آج تک عیسائی اور اہلِ اسلام کے مؤرخوں میں اختلاف ہے جیسا کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا اگرچہ خدا تعالیٰ کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا اور ہے مگر امتحان کرنا اور اپنا علم حاصل ہونا بندوں کے لحاظ سے فرماتا ہے یا علمِ اجمالی کے بعد علمِ تفصیلی مراد ہے جو بعد وقوعِ حوادث ہوتا ہے اس کو علمِ تفصیلی کہتے ہیں۔ نحن نقص الخ سے اجمالاً بیان کر کے پھر اس قصہ کی تفصیل فرماتا ہے جیسا کہ فصحاء و بلغا کا قاعدہ ہے انھم فتیۃ اٰمنوا بربھم کہ وہ چند لوگ تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے، بت پرستی سے جو اس عہد میں عام وبا کی طرح پھیلی ہوئی تھی بیزار ہو گئے تھے۔ زدنا ھم ھدی وہ ایمان پر نہایت ثابت قدم اور ایمانداروں میں مخصوص تھے۔ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں کو صبر و استقلال بھی ہم نے دیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس بادشاہ نے ان کو اپنے بتوں کے لیے سجدہ کرنے اور ان کی قربانی کرنے پر مجبور کیا تو انہوں نے علیٰ رؤس الاشہاد صاف کہہ دیا کہ ربنا السمٰوات والارض الخ کہ یہ بت ہمارے خدا نہیں ہمارا خدا تو وہ ہے کہ جو آسمان و زمین کا خدا ہے اگر ہم اس کے خلاف کہیں تو ہم نہایت غلط بات منہ سے نکالیں گے اور ہم کو کبھی فلاح نہ ہوگی اور تم جو ان بتوں کو خدا کہتے ہو ان کی خدائی پر کوئی روشن دلیل کیوں نہیں لاتے۔ یہ تو تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت ہیں اگر تم ان کو یا وہ جن کی یہ صورتیں ہیں خدائی کا حصہ دار یا اس کے رشتہ دار بناتے ہو (یا ہنود کی طرح اس کی تصویر قرار دے کر جہت عبادت کہتے ہو) تو یہ سب باتیں خدا تعالیٰ پر افتراء و بہتان ہیں کیونکہ نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے نہ شریکِ خدائی نہ اس بیچوں و بچگوں کی کوئی صورت ہے۔ جب اس تقریر پر بادشاہِ جابر ان پر خفا ہوا اور حکم دیا کہ یا تو سجدہ کرو ورنہ قتل کیے جاؤ گے۔ روئی میں لپیٹ کر جلائے جاؤ گے جیسا کہ اس عہد میں ایمانداروں کی نسبت روم کے قیصر کرتے تھے۔ تب انہوں نے کچھ مہلت طلب کی۔ بادشاہ نے مہلت دی تو اپنے مقام پر آ کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ الخ کہ جب تم نے اس قوم اور ان کے معبودوں کو جو اللہ کے سوا ہیں ترک ہی کر دیا اور ان سے کنارہ کشی کر لی تو چلو اس غار میں جا چھپو۔ خدا تعالیٰ وہاں تم کو مصیبت میں نہ ڈالے گا بلکہ تم پر رحمت کرے گا اور تمہارے کام میں آسانی اور کارسازی کرے گا۔ (ان کو اپنے ایمانِ کامل کی وجہ سے اس بات پر یقین ہو گیا تھا چنانچہ اس نے ان کے ساتھ ایسا ہی کیا، اس کی مددِ غیبی ایمانداروں پر ہمیشہ اسی طرح ہوا کرتی ہے)۔ اب آئندہ قصہ کو حذف کر دیا (کہ وہ غار میں آ چھپے اور وہاں ان کو

---

[1] اور نیز جب بچہ کو سلاتے ہیں تو اس کے کان تھپکتے ہیں اس لیے یہ محاورہ ہو گیا۔ ۱۲ منہ

ایسی نیند آئی جو کئی سو برس تک سوتے رہے) ادھر بادشاہ اوران کے ارکانِ دولت تلاش کرنے لگے اور جب یہ معلوم ہوا کہ اس کئی میل کے تنگ وتاریک غار میں گھس گئے ہیں جس میں جا کر تلاش کرنا مشکل ہے اور غرض ان کا قتل کرنا تھا سو غار کے منہ پر ایک مستحکم دیوار چن دی کہ بن آئے آپ مر رہیں گے اور دفتر میں یہ حال درج کرا دیا گیا۔ یہ بات اگلے بیان سے سمجھی جاتی ہے اور فصحاء وبلغاء ہمیشہ اس طرح حذف کر دینا جزء بلاغت سمجھتے ہیں۔ اب ان کے غار میں رہنے کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ وتری الشمس الی قولہ الملئت منھم رعبا کہ غار میں وہ اس موقعہ پر سوئے کہ طلوع کے وقت آفتاب یعنی دھوپ ان کے دائیں طرف سے ہو کر گزر جاتی تھی اور غروب کے وقت یعنی پچھلے پہر بائیں طرف رہتی تھی۔ ان پر دھوپ نہیں آتی تھی اور وہ کھوہ میں کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ اس قسم کے مکان کی تصویر (کہ جہاں اول دن دھوپ دائیں طرف رہے اور اخیر دن بائیں طرف) علماء کرام نے کئی طور پر کی ہے۔ اول یہ کہ غار کا منہ شمال کی جانب تھا، طلوع کے وقت دھوپ ان کے دائیں سے اور غروب کے وقت بائیں سے ہو کر گزر جاتی تھی جیسا کہ شمال رویہ مکانوں میں ہوتا ہے۔ بیضاوی نے کہف کے دروازہ کو بنات النعش ستاروں کے نیچے قرار دیا ہے اور قاعدۂ ہیئت پر تقریر کی ہے۔ جس کو سامعین کے قصورِ فہم کے لیے ترک کرنا پڑا۔ بعض کہتے ہیں کہ خواہ کسی رخ غار کا منہ ہو اور کسی برج کے مقابلہ میں ہو مگر خدائے تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو آفتاب کی شعاع سے بچاتا تھا اس لیے اس کے بعد ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ فرمایا کہ یہ خدا کی عجائباتِ قدرت میں سے ہے پھر نکتہ چینیوں اور کوتاہ بینیوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

دیگر مفسرین کہتے ہیں ان کے اس قدر باقی رہنے کو ذالك من آیات اللہ سے تعبیر کیا ہے اور ان کی ہدایت وایمان کے لیے من یھد اللہ الخ آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے تحسبھم ایقاظًا کہ اے دیکھنے والے! تو ان کو دیکھے تو بیدار جانے، ان کے کروٹیں بدلنے اور آنکھیں کھلی رہنے سے حالانکہ وہ خواب میں تھے اور اپنی قدرت سے ہم نُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ان کے دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہتے تھے تاکہ ایک طور پر پڑے رہنے سے زمین ان کو نہ کھا جائے اور اسی حالت سے ان کا کتا بازو پھیلائے غار کی دہلیز پر پڑا ہوا تھا اور ان کے اس تنگ وتاریک مکان میں بالوں اور ناخنوں کے بڑھ جانے سے ایسی مہیب شکل ہو رہی تھی کہ جو کوئی دیکھے تو ڈر کر بھاگ جائے، انسان کی فطرت ہے کہ مہیب شکلوں اور تنگ وتاریک مکانوں سے وحشت ہوتی ہے کیونکہ اس کی روح منور گھبراتی ہے۔ ان الفاظ میں گو خطاب کے صیغے ہیں مگر مراد انسان ہیں عموماً جیسا کہ فصحا ایک طرف خطاب کرتے ہیں اور مراد عام لیا کرتے ہیں۔ پس یہ اعتراض کرنا کہ آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ڈرپوک تھے جس طرح بچے اور عورتیں ایسے مکانات اور اشکال سے ڈر کر بھاگتے ہیں آپ بھی ایسے ہیں، محض حماقت ہے۔ اس مقام پر بیضاوی وغیرہ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم پر چڑھائی کی اور اس شہر اور غار کے پاس پہنچے تو عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے منع کیا کہ آپ اندر آدمی بھیج کر ان کی شکل وصورت دیکھنے کے درپے نہ ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا ہے جو آپ سے بھی بہتر ہیں۔ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَیْھِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْھُمْ فِرَارًا مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور کچھ لوگ بھیجے جو لو سے جل کر مر گئے۔

جب ان لوگوں کے خواب پر جو موت سے مشابہ ہے تین سو نو برس گزر گئے اور اس عہد کے لوگ مرکھپ کر اس کے بعد اور بھی قرن مرکھپ گئے اور اب ایک ایسا زمانہ آیا کہ جس کا بادشاہ بت پرستی چھوڑ کر عیسائی اور حوارئین کے مذہب پر تھا مگر اس عہد میں مر کر زندہ ہونے پر باہم بحث تھی ایک فریق منکر تھا، ایک فریق قائل۔ خود بادشاہ کو تردد تھا، خدا تعالیٰ سے التجا کرتا تھا کہ اس امر میں اس کو کوئی شافی دلیل دکھا دے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ اس غار کی دیوار کو مکان بنانے کے لیے کسی نے ڈھانا شروع کیا یہاں تک کہ بالکل ڈھا کر غار کا منہ کھول دیا۔ ادھر دیوار کا گرنا دروازہ کھلنا تھا کہ ادھر خدا نے ان کو بیدار کیا۔ وکذلك بعثناھم کہ جس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے ہم نے ان کو اس قدر

عرصہ تک محفوظ رکھا اسی طرح اپنی قدرت سے اٹھا بھی دیا۔ گویا کہ از سرِ نو زندگی عطا کی، اب جو انگڑائیں لیتے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے تو باہم پوچھنے لگے کم لبثتم کہ کس قدر سوئے جواب دیا کہ یومًا او بعض یوم، ایک روز یا کچھ کم کیونکہ سونے والے کو تخمینی مدت معلوم ہوا کرتی ہے۔ غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے جب بیدار ہوئے تو پچھلا پہر تھا اس لیے سمجھا کہ ایک دن یا کچھ کم مگر جب اپنے سر کے بال اور ناخن بڑھے دیکھے تو سمجھے کہ ہفتوں تک سوئے ہیں اس لیے کہہ دیا ربکم اعلم بما لبثتم کہ خدا ہی کو خوب معلوم ہے کہ کس قدر سوتے رہے مگر ابھی یہ معلوم نہیں ہے کہ تین سو نو برس گزر گئے ہیں بھوک پیاس معلوم ہوئی تو کہا اپنے میں سے کسی کو شہر کی طرف روپیہ دے کر بھیجو (غار سے تقریباً تین میل یہ شہر طرسوس کہ جس کو افسوس کہتے ہیں واقع تھا کہ جہاں سے یہ بھاگ کر آئے اور یہاں چھپے تھے) چاہیے کہ وہ پاک یا عمدہ کھانا لائے اور اس طرح چھپ کر جائے کہ کسی کو معلوم نہ ہو ورنہ خرابی آ جائے گی کیونکہ ان یظھروا علیکم الخ اگر وہ قابو پا جائیں گے تو یا مار ڈالیں گے یا اپنے مذہب میں شریک کریں گے جس میں سراسر خرابی ہے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ دقیانوس موجود ہے وہی زمانہ ہے، وہی لوگ ہیں پس ایک شخص ان میں سے چلا اور لوگوں سے بچتے ہوئے شہر کے دروازہ پر آیا تو اس کی ہیئت بدلی ہوئی پائی، حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہو گیا! اسی طرح دوسرے دروازہ پر گیا تو اس کا نقشہ بھی بدلا ہوا پایا۔ شہر میں آیا تو بازار کی صورت نئی، دکاندار نئے، لوگ نئے، مذہب بھی نیا یعنی انہیں کے خیالات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قائل۔ حیران تھا کہ الٰہی اس غار کے پاس تو کوئی شہر نہ تھا مگر یہ وہ شہر نہیں نہ اس کے وہ آدمی ہیں آخر ایک دکاندار کو روپیہ دیا کہ بھئی ہمیں اس کی فلاں فلاں چیزیں دے دو۔ وہ روپیہ ہاتھ میں لیتے ہی حیران رہ گیا کہ یہ کس عہد کا سکہ ہے! پاس والے کو دکھایا اس نے اور کو، پھر کیا تھا کہ بازار میں بھیڑ لگ گئی۔ پوچھنے لگے کہ سچ بتاؤ تم کون ہو اور یہ روپیہ تم کو کہاں سے ملا؟ ضرور پرانا دفینہ پایا ہے۔ سچ بتلاؤ نہیں تو پولیس کے حوالہ ہوتے ہو۔ یہ کہہ رہے تھے کہ پولیس آن پہنچی۔ آخر بادشاہِ زماں کے روبرو پیش ہوئے۔ اس نے پوچھا سچ بتاؤ تم کون ہو، کہاں کے ہو، یہ روپیہ کہاں سے لائے ہو؟ آخر الامر اس نے سب سرگزشت بیان کی کہ ہم دقیانوس کے ڈر کے مارے اس غار میں جا چھپے تھے۔ ہمارے یہ نام ہیں آج سوتے ہوئے آنکھ کھلی ہے میں کھانا خریدنے آیا تھا، لوگوں نے میری ہیئت اور سکہ دیکھ کر مجھے پکڑ کر آپ تک پہنچایا۔ اس بادشاہ نے تسلی دی کہ دقیانوس کے زمانہ کو کوئی سو برس گزر گئے۔ اب میں بادشاہ عیسائی مذہب رکھتا ہوں۔ ارکانِ دولت اور بادشاہ نے ان کے نام دفتر کے مطابق پا کر اور دیگر قرائن سے بھی معلوم کر لیا کہ وہی لوگ ہیں سب کو مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر یقین[1] آیا۔ پھر بادشاہ مع ارکانِ دولت اس کو لے کر غار میں لے گئے وہاں جا کر اس نے کہا پہلے مجھے جانے دو تا کہ وہ بھیڑ دیکھ کر نہ گھبرا جائیں۔ وہ غار میں گیا پھر باہر نہ آیا۔ بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ اندر جا کر تلاش کرے مگر قضاء وقدر نے رستہ بھلا دیا اور کوئی اندر تک نہ جا سکا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ مع چند مصاحبوں کے اندر ان کے پاس گیا اور ان سے مل کر آیا اور پھر ان کے کہنے سے غار کا منہ بند کرا دیا۔ (عرائس) اس قصہ کی طرف مجملاً ان جملوں میں اشارہ فرماتا ہے کَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ یعنی جس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں اٹھایا اسی طرح ان کو لوگوں پر ہم نے ظاہر کر دیا۔ لیعلموا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق اور قیامت کا آنا سچ ہے کیونکہ ان کا اس قدر عرصہ تک سو کر جاگنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی مر کر جی اٹھے۔ سو اس بات کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا اور جو تین سو نو برس بعد ان کی روح ان کے جسم کے ساتھ متعلق کر سکتا ہے وہ تمام عالم کو ایک مدت کے بعد اسی طرح کھڑا کر سکتا ہے۔ اذیتنا زعون بینھم امرھم یعنی ان کو اس وقت اٹھایا جبکہ وہ باہم اپنے دین کے امر میں جھگڑتے تھے۔ بعض کہتے تھے حشر ابدان کے ساتھ ہو گا بعض صرف روح کا مبعوث ہونا مانتے تھے تا کہ ان کا خلاف دور ہو جائے، یا یہ مراد کہ جب وہ غار میں پھر جاگ کر غائب ہوئے اور وہاں جا کر مر گئے تو بعض کہتے تھے پہلے کی طرح پھر سو گئے یا یہ مراد کہ بعض اس غار پر ایک ایسی عمارت بنانا

---

[1] اصحاب کہف بیدار ہوتے ہیں۔

چاہتے تھے جس میں ہر کوئی آ کر رہے اور بعض وہاں عبادت گاہ بنانا چاہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ربهم اعلم الخ ربہم اعلم بہم۔ خدا کی طرف سے جملہ معترضہ ہے ان کے رد میں جو اس عہد میں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کے حالات پر زیادہ بحث کرتے تھے کوئی ان کی کچھ تعداد بتلاتا تھا، کوئی کچھ جس کی تصریح خود کرتا تھا۔ سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ کہ بعض ان کو تین شخص کہتے ہیں اور چوتھا کتا بتلاتے ہیں۔ یہ یہود کا یا نجران کے نصاریٰ کا قول تھا۔ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ۔ یہ بھی بعض نصاریٰ عرب کا قول تھا کہ وہ پانچ شخص تھے چھٹا کتا تھا۔ ان دونوں قولوں کو رد کرتا ہے۔ رجمًا بالغیب کہ یہ محض قیاسی اور بے تکی باتیں ہیں۔ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ کہ وہ سات شخص تھے اور آٹھواں کتا تھا۔ یہ اہلِ اسلام کا قول تھا حضرت نبی علیہ السلام کے بتلانے سے اس قول کی تائید فرماتا ہے۔ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ کہ ان کی تعداد تو خدا ہی جانتا ہے اور تھوڑے سے بندے اس کے بتلانے سے جانتے ہیں جن میں اہلِ اسلام ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ[1] ان کے یہ نام بتلاتے تھے۔ یملیخا، مکلثمینا، مثلیفا، بادشاہ کے دائیں طرف والوں میں سے تھے اور مرنوش، برنوش، شاذنوش بائیں طرف والوں میں سے اور ساتواں ایک چرواہا تھا جو راستہ میں ان کے ساتھ ہولیا تھا اور ان کے کتے کا نام قطمیر تھا اور شہر کا افسوس۔ (بیضاوی)۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے حضرت کو ان کے حال سے بخوبی مطلع کر دیا تو اب اوروں سے پوچھنے اور ان کے امر میں جھگڑا کرنے سے منع فرما دیا۔ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا کہ ان کے امر میں زیادہ جھگڑا نہ کرو صرف قرآن کے واقعہ سے خبر دے دو کسی کی تجہیل و رد نہ کرو۔ ولاتستفت فیہم منہم احدا۔ اور نہ کسی سے ان کا زیادہ حال دریافت کرو جس میں ان کی لاعلمی اور جہالت ثابت ہونے لگے کیونکہ مکارمِ اخلاقِ نبوت سے یہ بھی بعید ہے۔ واضح ہو کہ شہر افسوس یا اُفسس[2] جس کو طرطوس بھی کہتے ہیں ایشیاءِ کوچک کا ایک شہر ہے اس میں ارتیمس دیوی کا ایک ایسا مندر تھا جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا جس کو ایک شخص نے اپنی شہرت کے لیے اس رات میں جلا دیا کہ جس رات سکندر رومی پیدا ہوا تھا۔ پھر دوبارہ یہ مندر اسی طرح بنایا گیا۔ اس شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس میں وہ غار ہے کہ جہاں اصحاب کہف غائب ہوئے تھے۔ یہ غار کئی میل تک کا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں ہیبت ناک درے ہیں یہ شہر قیاصرۂ روم کے عہد میں بڑی رونق پر تھا اب اس کے خرابات پڑے ہیں ایک قصبہ سا ہے یہاں حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کی عملداری ہے۔

اس غار پر ایک خانقاہ ہے جس کی عیسائی اور مسلمان دونوں تعظیم کرتے ہیں۔ غالباً یہ وہی خانقاہ ہے جو اصحابِ کہف کے برآمد ہونے کے بعد بنائی گئی تھی یا وہی عمارت نہ ہو مگر اس کی جگہ پر عمارت قائم ہے۔

یہ واقعہ اصحابِ کہف کا ڈیشیش (دقیانوس) قیصر کے عہد میں ہوا ہے۔ ۲۴۹ء کے بعد جب قیصر فیلپوس کی جگہ جو عیسائیوں پر بڑا مہربان تھا ڈیشیش بیٹھا تو یہ پہلے قیصروں سے بھی بڑھ کر عیسائیوں کے حق میں ظالم اور سفاک تھا۔ ان قیصرانِ روم کے عہد میں قسطنطین تک نیرو قیصر سے لے کر وہ ظلم و زیادتی ہوتی تھی کہ جس کا بیان نہیں۔ یہ روم کے بادشاہ جن کا پایۂ تخت ملک اٹلی میں شہرِ روم تھا اور ان کا لقب قیصر، بت پرست تھے بتوں کی پرستش خصوصاً جوپٹر کی عبادت ان کے ہاں قانوناً فرض تھی۔ جو عدول حکمی کرتا تھا اس کو فہمائش ہوتی تھی پھر کوئی قتل کیا جاتا تھا اور کوئی درندوں کے آگے ڈالا جاتا تھا، کوئی آگ میں ڈال دیا جاتا تھا، کسی کو لوہے کے گرم ستون سے باندھتے تھے جیسا کہ عیسائیوں کی کتبِ تواریخِ کلیسیا میں مصرحاً مذکور ہے۔

---

[1] اصحاف کہف کے اسما مختلف کتابوں میں مختلف لکھے ہیں مگر صحیح وہی اسماء ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] اُفسیس در مغربی آسیائے صغیرست و مسافت میان او واز میر تخمیناً سی و ہفت میل ست و افسیس قریب بجانب جنوب از میر واقع شدہ است و ادر الآن ایاز لوک میگویند جغرافیہ فرہاد مرزا۔ صفحہ ۴۳۲۔ ۱۲ منہ

یہ واقعہ اس قیصر کے عہد میں گزرا ہے جیسا کہ لارڈ ولیم میور اپنی تاریخ کلیسیا کے چھٹے باب صفحہ ۲۴۶ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں قولہ کہتے ہیں افسس کے رہنے والے سات جوان ڈیشیش کے ظلم کی سختی سے شہر چھوڑ کر پاس ہی کسی غار میں جا چھپے تھے اور وہاں دو سو برس تک برابر سوتے رہے اور پھر جب جاگے اور ان میں سے ایک شہر میں گیا تو وہ وہاں تمام حاکم و محکوم کو پورا عیسائی دیکھ کر نہایت تعجب میں آیا۔ یہ نقل اصحابِ کہف کی قرآن میں بھی بہت سی خیالی باتوں کے ساتھ مل کر مذکور ہوئی ہے۔ اس میں اس خواب کے ایام بجائے تین سو نو برس لکھے ہیں پس اس کو جس طرح سمجھے مبالغہ صاف ہے۔ گبن کی کتاب کے ۳۳ باب کا آخر دیکھو انتہی۔ الغرض ولیم میور صاحب اور گبن صاحب کو جو نئی روشنی کے عہد کے مؤرخ ہیں اس قصہ کی بابت جو قرآن مجید میں مذکور ہے بجز تسلیم کے چارہ نہ ہوا تو ایک مبالغہ کا اتہام لگایا کہ خواب کی مدت میں قرآن نے مبالغہ کیا ہے۔ ولیم میور صاحب اگر ان کی بیداری کا زمانہ متعین بدلائل کرتے تو یہ اتہام پادریانہ زیبا تھا ورنہ اس بے تکی رائے کو کتابِ الٰہی کے مقابلہ میں کون سنتا ہے۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے نصاریٰ جن سے تخمیناً بہتر[1] برس پیشتر یہ واقعہ گزرا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط بیانی کی صورت میں کیسے کیسے الزام لگاتے اور پھر قریشِ مکہ کے ہاتھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تغلیط کے لیے ایک بڑی سند ہاتھ آجاتی حالانکہ وہ شب و روز ایسی ہی باتوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

فوائد : (۱) سوال ان آیات سے اصحابِ کہف کی ایمانداری اور مدح ثابت ہوتی ہے اور اس کا سبب بظاہر دینِ عیسوی قبول کرنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس عہد تک دینِ عیسوی غیر محرف تھا اور جہاں تک تاریخ کی کتابوں کو دیکھا گیا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا جو آج کے زمانہ کے عیسائیوں کا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ آج کل جو مذہب پر الزامِ تحریف لگایا کرتے ہیں محض تعصب ہے۔

جواب : جس نے مذہبِ عیسوی کی تاریخیں دیکھی ہیں اس پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں کہ حضرات حواریوں کے زمانہ ہی میں اختلاف کی بنیاد قائم ہوگئی تھی۔ پولوس اور شمعون اور دیگر لوگوں میں جو کچھ اختلاف پڑا وہ خود حواریوں کی تاریخ یعنی کتاب اعمال حواریین ہی سے ثابت ہے جس کو عیسائی انجیل کہتے ہیں اور پولوس کے ناموں سے بھی جو انجیل مانے جاتے ہیں اور پھر بعد میں جو کلیساؤں میں اختلاف ہوا اور مختلف فرقے اول اور دوسری صدی عیسوی میں پیدا ہوئے ان کا بیان کرنا طوالت ہے۔ چوتھی صدی عیسوی میں جب روم کے قیصروں میں سب سے اول قسطنطین عیسائی ہوا اس نے انہیں اختلافات دور کرنے کے لیے اور نیز الوہیتِ مسیح و دیگر اصولِ مذہب قائم کرنے کے لیے شہر نائس میں بڑے زور و شور سے ایک انجمن منعقد کی اور پھر برسوں تک انجمنیں منعقد ہوتی رہیں مگر تاہم بہت سے فریق جدا ہی رہے۔ عیسائیوں میں الوہیتِ مسیح کے منکر بھی باقی رہے اور اب تک عیسائیوں میں ان مخالف فریقوں کے پیرو باقی ہیں۔ پس جب یہ ہے تو اب کون کہہ سکتا ہے کہ افسوس کے عیسائیوں کا مذہب آج کل فرقہ پراٹسٹنٹ یا فرقہ رومن کیتھولک کا مذہب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملکوں میں پھیلا ہوا تھا جس میں بے شمار تحریفات ہیں اور جن کی اصلاح کے لیے نبی آخر الزمان علیہ السلام بھیجے گئے؟ حق یہ ہے کہ اصحابِ کہف حواریوں کے اصلی مذہب پر تھے۔ تثلیث و الوہیتِ مسیح سے ان کے کان بھی آشنا نہ تھے ان پر پولوس کی تعلیم کا اثر نہ پڑا تھا۔

(۲) اس بات کا کہ اصحابِ کہف اس غار میں اب تک سوتے ہیں اور قیامت تک وہیں سوتے رہیں گے یا یہ کہ وہ بیدار ہونے کے بعد غار میں جا کر مر گئے اور نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر آئی، اس کے چاروں کونے خلفاء اربعہ نے پکڑے اور بیچ میں

---

[1] قرآن مجید میں تین سو نو برس قمری ہیں جن میں تقریباً نو برس بحساب شمسی گئے باقی تین سو رہے اور یہ واقعہ ہوا دو سو انچاس عیسوی میں اور تین سو برس سوتے رہے اب بیداری ان کی پانچ سو انچاس عیسوی میں ہوئی اور ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخمیناً پانچ سو ستر عیسوی میں ہے اس حساب سے اصحابِ کہف کی بیداری تخمیناً اکیس برس پیشتر حضرت کی ولادت سے ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تخمیناً بہتر برس کا زمانہ گزرا تھا۔ ۱۲ منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور اڑا کر فرشتے اصحاب کہف کے پاس لے گئے ان سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کر کے ان کو اسلام تلقین فرمایا۔ قرآن و احادیث سے پتا نہیں لگتا۔ مؤرخین کی رائیں اور ان کے اقوال ہیں واللہ اعلم۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ز وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

(اے نبی!) اور آپ کسی کام کے لیے یہ نہ کہا کرو کہ اس کو میں کل کردوں گا (ہاں یوں کہا کرو) مگر اللہ چاہے گا (تو کردوں گا) اور جب آپ (ایسے موقع پر) اس کا نام لینا بھول جایا کرو تو یاد کرلیا[1] کرو اور کہہ دیا کرو کہ شاید میرا رب مجھ سے اس سے بھی کوئی اور بہتر بات بتلائے اور وہ اپنے غار میں نو اوپر تین سو برس رہے (اس پر بھی نہ مانیں تو) کہہ دو اللہ تم سے خوب تر جانتا ہے کہ کس قدر رہے (کیونکہ) اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے وہ کیا ہی بینا اور کیا ہی شنوا ہے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں۔ اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے اور (اے نبی!) آپ کے رب کی کتاب جو کچھ آپ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھتے رہا کرو کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا اور اس کے سوائے آپ کو کوئی بھی پناہ نہ ملے گی۔

ترکیب: **الا استثنا ہے نہی سے ای لاتقولن لاجل شیء تعزم علیہ انی فاعلہ فیما یستقبل الا بان یشاء اللہ ای الا متلبسا بمشیۃ اللہ تعالیٰ قائلا ان شاء اللہ۔ ابصر بہ اسمع صیغہ تعجب ہیں۔** بہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور محل اس کا رفع ہے فاعلیت سے اور ب زائد ہے سیبویہ کے نزدیک۔

تفسیر: وَلَا تَقُوْلَنَّ الخ۔ مفسرین کہتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب قریش نے نبی علیہ السلام سے اصحاب کہف و ذوالقرنین و روح کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کل بیان کروں گا اور اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔ اس پر پندرہ دن تک بقول بعض چالیس روز تک وحی بند رہی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کام کرنے کا وعدہ بغیر انشاء اللہ کہے نہ کیا کرو کیونکہ بندے کا ایسا کہنا گویا کارخانۂ قضا و قدر میں اپنا استقلال ظاہر کرنا ہے جو عبدیت کیخلاف ہے اور ہدایت فرمائی کہ جب انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت یاد آئے کہہ لو۔ اس پر امام شافعیؒ نے یہ بات نکالی کہ اگر کسی کام کی قسم کھائی اور عرصہ کے بعد انشاء اللہ کہہ لیا تو حانث نہ ہوگا مگر عام فقہا کہتے ہیں ملا کر کہے گا تو معتبر ہوگا کس لیے کہ اذکر ربك سے انشاء اللہ کہنا مراد نہیں بلکہ عموماً یادِ الٰہی مراد ہے یا انشاء اللہ کہنا مراد ہے تو متصلاً اور جب قریش کو اصحاب کہف کا

[1] یعنی انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے کہہ لیا کرو۔ ۱۲ منہ

حال سن کر تعجب ہوا تو فرمایا کہہ دو عسیٰ ان یھدین کہ اس سے بھی زیادہ اور خبروں کی میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بتائے گا چنانچہ صدہا غیب کے اسرار بتائے۔وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ الخ۔اس قصہ کا تتمہ ہے۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس جملہ میں قل اللہ اعلم بما لبثوا افی کھفھم لوگوں کے قول کو نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ غار میں تین سو نو برس تک سوتے رہے اس لیے بعد میں فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا الخ کہ اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کس قدر ٹھہرے (لو پادری صاحب اب تو کچھ بھی خلاف باقی نہیں رہا) مگر دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے خبر دیتا ہے اور قل اللہ اعلم بما لبثوا اسے اس کی تائید کرتا ہے کہ وہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس قدر سوئے کیونکہ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چھپی ہوئی باتیں جانتا ہے وہ بڑا سمیع و بصیر ہے نہ کہ تم جو قیاس سے کہتے ہو مَالَھُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ الخ وہی ان کا یعنی اصحاب کہف کا کارساز ہے جس نے ان کو اس قدر مدت تک سالم رکھا اور اپنے حکم میں کسی کو شریک نہ کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اپنا جلال و جبروت ظاہر کرتا ہے تاکہ مخالفین اس کے خلاف کرنے سے ڈریں کہ ان کا کوئی حمایتی نہ پیدا ہوگا اس لیے اس کے بعد حضرت کو بے دھڑک قرآن سنانے کا حکم دیتا ہے۔واتل مااوحی الخ کہ کسی کا کچھ خوف و خطر نہ کرو کوئی اس کی بات بدل نہیں سکتا۔جو وہ کہتا ہے وہی حق ہے وہی ہوگا وہی ہوا ہے آپ اس کی دی ہوئی کتاب کو پڑھا کرو اور لوگوں کو سنایا کرو کسی کے اختلاف کی کچھ پروا نہ کرو۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ[۱] يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا[۲] ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ[۳] مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ[۴] مُّتَّكِــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ

۱۔ المھل الحدید المذاب وقیل الرعی واہ المذاب اوالصغیر وقیل وروی الزیت ای باقی فی اسفل الاناء قال ابوعبیدہ ولاخفش ھوالعکر دوھوکل ماذیب من جواہر الارض من حدید ورصاص وانحاس ۱۲منہ

۲۔ مرتفقا متکاء واصل الارتفاق نصیب الرفیق تحت وقال الخذالقینی ھوالمنزل والمجلس۔۱۲

۳۔ اساور وقال الزجاج جمع اسورۃ وھی زینۃ تلبس فی الید من زینۃ الملوک۔۱۲۔

۴۔ السندس اسید الرفیق من الحریر واستبرق منہا وھما جمعان واحد بما السنۃ اواستبرقہ وقیل مفردان وقیل استبرق الدیباج المنسوج بالذہب۔۱۲منہ

وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

اور (اے نبی!) جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں (اور) اس کی رضامندی چاہتے رہتے ہیں آپ انہیں کے ساتھ اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھئے اور ان سے آنکھیں نہ پھرایئے کہ آپ دنیا کی زندگانی کا پاس کرنے لگیں اور اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہوگیا اور اس کا حال حد سے گزر گیا۔ اور کہہ دو حق تو تمہارے رب کی طرف سے (آیا) ہے پھر جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ہم نے بھی ستمگاروں کے لیے ایسی آگ تیار رکھی ہے کہ جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی اور اگر فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے لوہے کی مانند ہوگا منہ کو جھلس ڈالے گا کیا ہی برا پانی ہوگا اور کیا ہی بری آرام کی جگہ ملے گی۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم بھی جس کسی نے نیک کام کئے ہیں اس کا اجر ضائع نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے بڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز لباس باریک اور دبیز ریشم کا پہنیں گے اور وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔

ترکیب: یریدون حال ہے ضمیر یدعون سے ترید کا فاعل ضمیر ہے جو عینین کی طرف راجع ہے جملہ حال ہے ک سے یا فاعل لاتعد سے۔ انالا جملہ خبر ہے ان کی۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ جو کچھ اسبابِ تجمل دنیا پر ہیں وہ صرف دنیا کی زینت ہے نہ آخرت کی اور وہ فانی اور سریع الزوال ہیں غرور اور دلبستگی ان سے نہ چاہیے کیونکہ وہ اسباب دارِ آخرت کے لیے حجاب ہیں پھر اس کے متعلق اصحاب کہف کا دلچسپ واقعہ فرمایا تھا جو دنیا کی بے ثباتی پر دلالت کرتا تھا۔ کفارِ قریش ایسے کہاں کے تھے جو اس سے عبرتناک نتیجہ حاصل کرتے بلکہ اس کو بھی ایک دلچسپ داستان سمجھ کر آنحضرت علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے مگر اپنے اسبابِ دنیا کے غرور میں ان کو فقراءِ مسلمین کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا ناگوار معلوم ہوا۔ جس پر انہوں نے حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یہ لوگ ہمارے وقت میں آپ پاس نہ آیا کریں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الی حیٰوۃ الدنیا کہ آپ انہیں غربا مسلمین کے ساتھ رہا کریں جو صبح و شام اپنے اللہ کو خاص اسی کی رضا کے لیے پکارتے ہیں (صبح و شام سے یا تو ہمہ وقت مراد ہے جو صبح و شام ان کی اطراف سے تعبیر کئے گئے یا صبح و شام سے نمازِ فجر و مغرب مراد ہے یا بیدار ہونے اور سونے کا وقت کیونکہ سو کر بیدار ہونا گویا مر کر جینا اور رات کو سونا گویا مرنے کا سامان ہے سو ایسے وقتوں میں باخدا لوگ ضرور متنبہ ہوتے اور اس کی شکر گزاری اور یاد کرتے ہیں) اور ان سے آنکھیں نہ پھیرنا کہ امراءِ کفار کی آرائش و تجمل آپ کی آنکھوں میں کھبے اور ان کفار کا کہنا نہ ماننا کہ جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہو گئے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیرو ہیں اور حد سے گزر گئے ہیں اور کہہ دو امرِ حق اللہ کی طرف سے آچکا خواہ تم مانو یا نہ مانو۔ پھر آگے نہ ماننے والوں کی سزا جہنم اور آگ کی قنات اور پینے کو کھولتا پانی بیان فرمایا اور ماننے والوں کی جناتِ عدن اور وہاں کے تجملات اور حقیقی زینت بیان فرمادی۔ سونے کے کنگن اور لباسِ حریر اور تختوں پر تکیہ لگا بیٹھنا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ[1] اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ
صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ
اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ
اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا
مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا[3] مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾
اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ
يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع

اوران کودو شخصوں کی مثل بھی سنادو کہ جن میں سے ایک کے لیے ہم نے انگور کے دو باغ تیار کئے اور ان کے گرداگرد کھجوریں لگائیں اور ان کے درمیان کھیتی بھی لگائی۔ دونوں باغ ہیں کہ اپنے پھل لاتے ہیں اور پھل لانے میں کچھ کمی بھی نہیں کرتے اور ان باغوں کے بیچ میں ایک نہر بھی جاری کی اور اس شخص کے پاس بہت پھل تھے پھر اس نے اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت دار ہوں اور (جبکہ) وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں گیا جا کر کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔ (اس وقت) اس کے رفیق نے اس سے اثناءِ کلام کہا کہ کیا تو اس کا منکر ہوگیا کہ جس نے تجھے مٹی سے پھر

---

[1] یحاورہ یراحوفی الکلام من خبار اذا رجع۔

[2] کہ میرا کنبہ نوکر چاکر یار واحباب بہت ہیں اور دنیا میں ہل کی طرح یہ ہی ایک عزت وشوکت کا سامان۔۱۲

[3] حسبان جمع حسبانۃ وھی الصواعق وقیل مصدر بمعنی الحساب (بیضاوی) الحسبان بالضم العذاب والبلاء والشر العجاج الراء والھام الصغار والحسبانۃ واحدھا الصاعقۃ قاموس۔۱۲ منہ

نطفہ سے بنایا پھر تجھے پورا آدمی بنادیا لیکن میرا تو اللہ ہی رب ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرنے کا اور تو نے کس لیے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت یہ نہ کہا جو اللہ نے چاہا سو ہوا اور مجھ میں تو اس کے بغیر کچھ بھی قدرت نہیں اگر چہ تو مجھے اپنے سے مال اور اولاد میں کم دیکھتا ہے تو امید ہے کہ مجھے میرا رب تیرے باغ سے بھی بہتر باغ دے اور اس باغ پر ایک آسمانی جھونکا بھیجے گا جس سے وہ چٹیل میدان ہو جائے گا یا اس کا پانی خشک ہو جائے گا کہ جس کو تو ہرگز نہ پا سکے اور اس کے پھلوں پر آفت آ ہی پڑی پھر تو وہ جو کچھ اس نے باغ میں صرف کیا تھا اس پر ہاتھ ہی ملتا رہ گیا اور یہ باغ ہے کہ سراسر اُجاڑ پڑا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہائے رے میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور اس کی اب کوئی جماعت بھی ایسی نہ ہوئی کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی انتقام لے سکا۔ یہاں (سے معلوم ہوا کہ) سب اختیار اللہ سچے ہی کو ہے اسی کا انعام بہتر ہے اور وہی عمدہ بدلہ دیتا ہے۔

تفسیر ...... **دو شخصوں کا قصہ بطور مثال کے :** پھر دنیا کی بے ثباتی اور اس کے اسباب و تجمل پر غرور کر کے خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور الحاد کا بدنتیجہ جو کبھی دنیا ہی پر ظاہر ہوتا ہے دو شخصوں کی تمثیل سے بیان فرمایا۔ بعض کہتے ہیں یہ صرف ایک تمثیل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ دراصل ایسے دو شخص تھے بھی کہ جن کا یہ واقعہ ہے پھر بعض کہتے ہیں کہ یہ دو شخص بنی اسرائیل میں سے دو بھائی تھے کہ ایک نے اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کیا تھا دوسرا دُنیادار اور مشرک اور دارِ آخرت کا منکر تھا۔ اس نے دو باغ اپنے تمام مال سے ایسے تیار کرائے تھے کہ ان میں نہر بھی جاری تھی اور بیچ میں انگور اور آس پاس کھجور کے درخت بھی تھے اور وقت پر پھل بھی عمدہ آتے تھے اس پر اس کی اولاد اور خدمتگار نوکر چاکر بھی زیادہ تھے ایک روز وہ اپنے غریب مومن بھائی کے ساتھ باغ میں گیا اور وہاں بجائے شکر گزاری کے تکبر کیا اور دنیا کی ترقی پر قیاس کر کے آخرت میں بھی تجمل و آرائش پانے کا استحقاق ظاہر کیا اور آخرت کا انکار بھی اس کے کلام سے ثابت ہوا۔ اس کے بھائی نے سمجھایا، تلقین کی لیکن نہ مانا۔ آخر اس پر آسمانی بلا نازل ہوئی کہ تمام باغ اجاڑ ہو گیا جس پر وہ ندامت و حسرت کرنے لگا تب معلوم ہوا کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ[1] بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا[2] تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ[3] مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

---

[1] اختلط اے تکاثف وغلط حتی استوی والتف بعضہ علی بعض او امتزج الماء بالنبات فروی۔ ۱۲ منہ

[2] ہشیما یابسا متفتتا والہشیم الکبیر واحدہ ہشیمۃ وھی من النبات ماتکسر بالیبس والتفتت۔ ۱۲ منہ

[3] فلم نغادر لم نترک ومنہ الغدر لان الغادر متبرک حوفاء بالعھد ومنہ الغدیر لان الماء یذہب من البرکۃ ومنہ غدائر المراۃ لانہا یتعلہا۔ ۱۲ منہ

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع

اور (اے نبی!) ان سے زندگیِ دنیا کی مثال بیان کرو کہ وہ ایسی ہے کہ جیسا کہ بارش کا پانی جس کو ہم نے اوپر سے برسایا پھر اس سے زمین کا سبزہ گہن گہنا کر اُگا پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا کہ اس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور اولاد تو زندگیِ دنیا کی آرائش ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک بلحاظِ ثواب اور توقعِ آخرت کے بہت ہی بہتر ہیں اور جس روز کہ ہم پہاڑوں کو اڑائیں گے اور (اے مخاطب!) تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا اور ہم ان سب کو جمع کرلیں گے پھر تو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب آپ کے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کئے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) اب تو تم ہمارے پاس اس حال میں آ حاضر ہوئے کہ جیسا تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور تم نے تو یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت مقرر نہیں کریں گے۔ اور نامۂ اعمال بھی ملا کر دھرے جائیں گے پھر (اے مخاطب!) تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ وائے خرابی یہ کیسی کتاب ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو مگر سب کو تو گھیر لیا ہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا تھا سب ہی کو تو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

ترکیب: مثل الحیٰوۃ مفعول ہے اضرب کا کماء موصوف انزلناہ الخ جملہ صفت مجموعہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای ھی بل للخروج من کلام الیٰ آخر۔

تفسیر: یہ دوسری تمثیل ہے دنیا کی بے ثباتی کے لیے صرف بارش سے دنیا کی زندگی کو تشبیہ نہیں دی بلکہ اس کی تمام کیفیت سے کہ جس طرح بارش سے زمین کے نباتات ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے نکلتے ہیں جن کو دیکھ کر انسان خوش ہوتے ہیں ان کی تھوڑی سی عمرِ طبعی ہے چند روز کے بعد خشک ہو جاتے ہیں پھر ان کا چورا چورا ہو کر ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اسی طرح انسان و دیگر حیوانات کا حال ہے کہ لڑکے ہیں پھر جوان رعنا ہیں ٹھوکریں مارتے چلتے ہیں' پھر بڈھے ہوئے مر گئے' چند روز کے بعد وہ سرِ پُر غرور اور اس کا وہ جسمِ پُر نور ذرہ ذرہ ہو کر خاک کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ بناتا بھی ہے' مٹاتا بھی ہے پھر حشر کو بھی اٹھائے گا۔ اب اس کے بعد اس کے مال و اولاد کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو اس کے غرور کا سرمایہ ہے کہ یہ چیزیں صرف حیاتِ دنیا کی آرائش ہیں۔ ان کا قیام اسی قدر ہے کہ جس قدر باغ میں پھول کی بہار برخلاف اس کے جو فقراءِ باخدا کا سرمایہ ہے وہ کیا۔ اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سو وہ اللہ کے نزدیک ثواب اور توقع کے لیے بہتر ہے یہی چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں جو اس عالمِ باقی میں اس کی فرحتِ دائمی کا سامان ہو جاتی ہیں۔ باقیات الصالحات سے مراد نیکیاں ہیں خواہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا ذکر ہو یا معرفت و استغراق ہو یا کوئی اور نیکی ہو صدقہ و خیرات دین کی خدمت وغیرہ۔ اب ان باقیات کا اثر کب نمودار ہوگا۔ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ کہ جس روز ہم پہاڑوں کو جن کی بقا و حیات انسانوں کی نظروں میں مستحکم ہے، روئی کے گالوں کی طرح اڑائیں گے یعنی اس عالمِ عنصری کو فنا کر کے عالمِ باقی کو کہ جس کو حشر سے تعبیر کیا جاتا ہے ظاہر کریں گے باقیات الصالحات وہاں کی زینت ہوگی۔ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً اور زمین میدان دکھائی دے گی اس کے سب نشان مٹ جائیں گے۔ پھر اس روز اگلے پچھلے سب جمع کئے جائیں گے، صف بستہ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ نامۂ اعمال دیے جائیں گے اس میں جو کچھ دنیا میں کیا تھا چھوٹا یا بڑا

---

۱ یعنی جس طرح پیدائش کے وقت خالی ہاتھ ننگ دھڑنگ پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اس عالمِ حشر میں بھی جو حملِ دنیا کا تولد ہے خالی ہاتھ ہوں گے یہ مال و دولت جاہ و حشم جس پر آج غرور ہے کچھ بھی ساتھ نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

کام سب لکھا ہوا پائیں گے، گنہگار اس کو دیکھ کر ڈریں گے، پچھتائیں گے مگر یہ سب کچھ انہیں کا بویا ہوا ہوگا جس کو کاٹیں گے خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِۦٓ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِى وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّۢ ۚ بِئْسَ لِلظَّٰلِمِينَ بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَّآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَآءِىَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَءَا الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوٓا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ ع ۱۹

اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھکو پس ابلیس کے سوا سب جھکے وہ قومِ جن سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے نافرمان ہوگیا (پھر کیا) تم اس کو اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر رفیق بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ستمگاروں کے لیے کیا ہی برا بدل[1] ہے (جن کو وہ پوجتے ہیں ہم نے) نہ تو ان کو آسمانوں اور زمین کے بنانے[2] میں (اپنی مدد کے لیے بلایا) نہ خود ان کے بنانے میں اور میں بدراہوں سے کاہے کو مدد لینے لگا تھا اور جس دن (اللہ) مشرکوں سے فرمائے گا کہ تم میرے ان شریکوں کو تو پکارو کہ جن کا تمہیں گھمنڈ تھا سو وہ پکاریں گے پر وہ تو انہیں کچھ بھی جواب نہ دیں گے اور ہم ان سب کے لیے ہلاکت کر دیں گے[3] اور گنہگار آگ کو دیکھیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم اس میں ابھی گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

تفسیر: یہ بھی کلامِ سابق کا تتمہ ہے انسان کو عالمِ آخرت سے غافل کرنے والی دو ہی چیزیں ہیں اول مال و اسباب و اولاد کہ جس کے نشہ میں یہ ایسا سرشار ہوتا ہے کہ اس کو اس عالم سے جانے کی فکر نہ وہاں کے لیے زادِ راہ حاصل کرنے کی مہلت۔ اس کا بے ثبات اور سریع الزوال ہونا تو بیان فرما چکا۔ دوم شیطان اور اُس کی ذریت اولاد یا اس کے متبع لوگ جو مجازاً ذریت کہلاتے ہیں۔ انسان کے دل پر ان کے خطرات ایسا برا اثر پیدا کرتے ہیں کہ جو اس کے دل میں نہایت راسخ ہو کر اس کو بری باتوں پر ہمیشہ تحریک کرتے ہیں۔ پھر یہ وساوس رسوم ہو جانے کے سبب اور پشت در پشت متواتر جانے کی وجہ سے دین و مذہب اور نہایت خوشنما اور باعثِ فلاحِ دارین خیال کئے جاتے ہیں جن کے ترک کرنے کو نہایت شاق و عار جان کر خدا تعالیٰ کے فرستادوں سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ شیطانِ رجیم کی ذریت انسان

[1] یعنی اللہ کے بدلے میں شیطان کو کارساز بنالیا۔ ۱۲ منہ۔

[2] یعنی جب نہ وہ آسمانوں اور زمین کے بنانے کے وقت نہ خود ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے اور نہ اس میں شریک تھے تو اب ان کا خدائی میں کیا حصہ ہے پھر کیوں ان کو شریک بنایا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی سب ایک ہلاکت میں شریک ہوں گے وہ کیا ہے آتشِ جہنم موبق ہلاکت موبق ظرف مکان یا یہ معنی کہ ان کی باہمی محبت دنیا موبق یعنی ہلاکت کا باعث ہوگی تب یعنی وصل میں ای جعلنا تواصلھم فی الدنیا ہلاکا یوم القیامۃ (بیضاوی)۔ ۱۲ منہ

کے توہمات باطلہ بھی ہیں جو اس کے قائم مقام ہو کر کام دیتے ہیں۔ اس لیے ان آیات میں پھر کچھ شیطان کا حال بیان فرمانا پڑا کہ اس کا علاقہ بنی آدم کے ساتھ اس واقعہ کی وجہ سے جو انسان کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ وہ دشمنی اور عداوت کا علاقہ ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نا خلف اپنا دوست سمجھ کر دل سے اس کی پیروی کرتی ہے لہٰذا و اذا قلنا لِلْمَلٰٓئِكَةِ سے وہی بیان شروع ہوتا ہے کہ ہمارے حکم سے فرشتوں نے تو باوجود نورانی ہونے کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اس کی تعظیم بجالائے مگر ابلیس نے انکار کیا کیونکہ وہ قوم جن سے تھا جس کی اصالت میں سرکشی اور تکبر ہے جیسا کہ بنی آدم میں سے اس کے پیروؤں کا شیوہ مال و جاہ حسب و نسب کا غرور ہے اس لیے اس نے نافرمانی کی پھر اے بنی آدم تمہیں شرم نہیں آتی جو ہمارے خلاف میں جو تمہارے قدیم محسن و خالق ہیں تم شیطان اور اس کی ذریت کو مانتے اور ان کے بہکانے سے بتوں کو پوجتے ہو اور تم خدا تعالیٰ پر نئے نئے حکم صادر کرتے ہو کہ مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں غربانہ آئیں وغیر ذالک یہ تو کہو ان کو میری خدائی میں کیا استحقاق ہے نہ میں نے آسمانوں اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو حاضر کر کے شامل کیا تھا نہ خود ان لوگوں کے پیدا کرنے میں اور میں ان سے کیوں مدد لینے لگا تھا۔ اب ان کو خدائی میں کیا حق ہے اور تم پر ان کا کون سا استحقاق ہے جو ان کو پوجتے ہو اپنے مثل کو پوجنا کتنی فرومائیگی ہے مااشھد تھم الی عضدا میں یہی مراد ہے۔ ویوم یقول الخ سے حشر کے دن ان بتوں اور شیاطین کا کام نہ آنا بیان فرماتا ہے کہ جس امید پر سینکڑوں جاہل انہیں مانتے ہیں ان سے کہا جائے گا لو اب انہیں پکارو۔ دیکھیں تمہارے کیا کام آتے ہیں مشرکین حسبِ عادت انہیں پکاریں گے مگر کام آنا تو درکنار جواب بھی نہ دیں گے ان پر ہیبتِ الٰہی طاری ہو جائے گی پھر عابد معبود سب جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ جہنم جو آگ کا ایک عمیق گڑھا ہے اس کے کنارہ پر آ کر دیکھیں گے کہ آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور چاہیں گے کہ کسی طرح اس سے ٹل جائیں مگر کہاں ٹل سکتے ہیں۔ تب یقین ہو جائے گا کہ ہم اس میں گرنے والے ہیں، اس وقت کی کیفیت بھی بڑی جان گداز ہوگی آخر اس میں گرا دیے جائیں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا کے یہ معنی ہیں کہ ان کے معبودوں اور ان میں ایک حجاب[1] حاجز ہو جائے گا پھر وہ دکھائی بھی نہ دیں گے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا

[1] موبقا قیل اسم وادمن جہنم وقیل ہی نار وقیل بوذخ فعلی ھذا ھو اسم مکان وقال ابن الاعرابی۔ کل حاجز بین العین فھو موبق فعلی ھذا تفسیرہ جعلنا بین المشرکین وبین الھتھم حجابا حاجزا لایصل احدھم الی احد وقال الفراء الموبق الھلاک و بہ قال مجاہد وابن عباس والمعنی جعلنا تواصلھم فی الدنیاہ مہلکم فی الآخرۃ یقال وبق یبق ۱۲ منہ

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع

اور البتہ ہم نے قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کو ہر طرح کی مثالیں بیان کر دیں مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے۔ اور جب کہ لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو پھر ان کو ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ یا تو ان کو بھی اگلوں جیسا ماجرا پیش آئے یا عذاب ان کے سامنے آموجود ہو اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشخبری دینے اور ڈرسنانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں (زبردستی ہدایت پر لانا ان کا فرض نہیں) اور کافر بیہودہ شبہات سے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اس سے حق کو ڈگمگا دیں اور انہوں نے تو میری آیتوں کو اور جس سے کہ ان کو ڈرایا گیا ہے ہنسی بنالیا ہے اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے کہ جس کو اللہ کی آیتوں سے سمجھایا جائے پھر وہ ان سے منہ پھیر لے اور اپنے کئے کو بھول جائے ہم نے ہی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں حق بات کے سمجھنے میں اور ان کے کانوں میں ثقل کر دیا ہے (بہرے ہوگئے ہیں) اور اگر ان کو ہدایت کی طرف بھی بلائیں تو بھی وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اگر ان کے کئے پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ہی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لیے ایک میعاد مقرر ہے جس سے ادھر انہیں بچنے کا موقع نہ ملے گا اور یہ ہیں وہ بستیاں کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کی ہلاکت کا بھی ہم نے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

تفسیر : یہاں تک انسان کی بدی کا یقینی نتیجہ نہایت پراثر اور عمدہ پیرایہ سے بیان فرمایا گیا اور مسئلہ میعاد کی پوری تشریح کر دی گئی اور دنیا کے اسباب اور اس کی بقاء کا بھی پورا نقشہ کھینچ دیا گیا، مثالیں بھی پیش کی گئیں مگر کج رو، کج طبع اس پر بھی نہیں مانتے۔ اس مضمون کو ولقد صرفنا سے شروع کیا اور یہ بھی فرمایا کہ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا کہ انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے اس کی طبیعت میں حجت و تکرار ہے جس کی وجہ سے اتنی تفصیل سے سمجھانے پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا۔ اب ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے روک رکھا ہے کہ یا تو جو اگلی قوموں کے ساتھ برتاؤ ہوا تھا ان کے ساتھ بھی وہی ہو دنیا میں کوئی سخت ہلاکت پیش آئے یا عذاب آخرت ان کے سامنے آموجود ہو تب یہ ایمان لائیں یعنی اب بھی جو ایمان نہیں لاتے تو بجز اس کے اور کیا ہوگا۔ کہ قدیم لوگوں کے موافق ان پر عذاب آئے گا اور مرتے ہی جہنم میں جائیں گے۔ ہدایت آچکی رسول ﷺ نے پیغام پہنچا دیا اور انبیاء کا یہی کام ہے ان کے دلوں سے کفر نکال پھینک دینا ان کا کام نہیں۔ ایمان نہ لانا تو ایک جرم تھا۔ اس پر مزید یہ ہے وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ کہ وہ منکرین غلط اور لغو دلیلیں پیش کر کے جھگڑا مچاتے ہیں لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ تا کہ اس سے حق کو پست کریں، اسلام پر غالب آجائیں، اس کو مٹا ڈالیں اور اس پر بھی طرہ یہ کہ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَ ما انذروا هزوا کہ میری نشانیوں کو جو ان میں بھی موجود ہیں تغیر جوانی و طفلی ظہور پیری مرگ احبہ اعزہ بیماری و تندرستی غنا و تنگ دستی وغیرہ اور دنیا میں بھی ہیں تغیر عالم تغیر لیل و نہار حوادث دہر یا قرآن کی آیات کو اور جن جن چیزوں کا ان کو ڈرسنایا گیا تھا دنیا وی ہلاکت واد بار مرنے کے بعد جہنم سب کو ہنسی دل لگی بنالیا ہے، ان باتوں پر تمسخر کرتے ہیں، ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں۔ اب و من اظلم الخ ان سے بڑھ کر اور کون ظالم

ہوگا ان کی اس بدبختی کا اصلی سبب یہ ہے اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ان کے دلوں پر حق سمجھنے سے حجاب اور پردے پڑے ہوئے ہیں اور دوسروں کا حال سن کر بھی عبرت نہیں پکڑتے کس لیے کہ کانوں میں بھی قدرت نے ثقل پیدا کر دیا ہے ایسی باتیں سنتے ہی نہیں انسان جب حق کو نہیں مانتا اور عبرت ونصیحت سن کر نہیں قبول کرتا تو اس کی اس حالت کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر پردے کانوں میں ٹیلیاں ڈال دی ہیں یعنی قضاء وقدر سے ان میں ہدایت پذیر ہونے کی جو قابلیت دی گئی تھی انہوں نے وہ زائل کر دی۔ اس لیے اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى اے پیغمبر! آپ ان کو کتنا ہی کیوں نہ ہدایت کی طرف بلائیں یہ کبھی بھی ہدایت قبول نہ کریں گے ان کی سزا تو یہی ہے کہ یہ بیکار گھانس باغ ہستی سے اکھیڑ پھینک دی جائے مگر وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ آپ کا خدا بخش دینے والا رحیم ہے اگر وہ لوگوں کے گناہوں پر گرفت کرنے پر آئے تو فوراً مزہ چکھا دے بلکہ ہر کام کے لیے اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے ان کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے جس سے پہلے یہ کوئی اس کا بندوبست نہ کر سکیں[1] گے اور اس پر بھی ان کو باور نہ ہو تو ابھی ظاہری بینائی تو موجود ہے عاد وثمود ولوط کی الٹی اور برباد شدہ بستیوں کو دیکھ لیں وہ بھی ان کے جرموں پر دفعۃً ہلاک نہیں ہوئے بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر تھا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾

---

[1] یعنی اس وعدے کو اس کے آنے سے پہلے کوئی کسی تدبیر سے ٹال نہیں سکتا بعض نے من دونہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے اب یوں معنی ہوں گے کہ ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے جس کے دور کرنے کے لیے خدا کے سوائے اور کوئی پناہ نہیں عذاب موجود بھی اس کی جناب عالی میں پناہ لینے سے ٹل جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

اور جبکہ موسیٰ نے اپنے جوان[1] سے کہا کہ جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ لوں یا سالہا سال نہ چلا چلوں اپنے ارادہ سے کبھی نہ ٹلوں گا پھر جبکہ وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کے موقع پر پہنچے تو اپنی (تلی ہوئی) مچھلی (وہیں) بھول گئے پھر مچھلی نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو اپنے اس سفر (منزل) میں بڑی تکان پہنچی۔ اس نے کہا اے دیکھو جبکہ ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی کو میں وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا آپ سے ذکر کرتا اور (جبکہ) اس نے دریا میں اپنا رستہ عجب طرح سے بنایا تھا۔ (موسیٰ نے کہا) یہی تو وہ جگہ ہے کہ جس کی ہم کو تلاش تھی پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر تلاش کرتے ہوئے واپس پھرے۔ (موقع پر پہنچ کر) ان کو ہمارے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور اس کو اپنے یہاں کا خاص علم سکھایا تھا اس سے موسیٰ نے کہا فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ رہا کروں بشرطیکہ جو کچھ علم لدنی آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں کچھ مجھے بھی سکھائیں انہوں نے کہا تم تو ہرگز میرے ساتھ ٹھہر نہ سکو گے اور جو بات تمہاری سمجھ سے باہر ہے تم اس پر کیونکر صبر کر سکتے ہو۔

ترکیب: اذ قال ظرف ہے اذکر محذوف کا۔ لا ابرح اس کی خبر اسیر محذوف ہے لدلالۃ حالہ وھو السفر اور ممکن ہے کہ اصل کلام یوں ہو لایبرح مسیری حتیٰ ابلغ تب حتی ابلغ خبر ہوگا پس مسیر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ ی متکلم کو اس کی جگہ قائم کر دیا لاابرح تامہ بھی ہوسکتا ہے پھر خبر کی ضرورت نہیں مجمع بینھما ظرف کی طرف مجمع کو علی الاتساع مضاف کر دیا گیا۔ ان اذکرہ بدل ہے ضمیر منصوب سے جو اَنۡسٰنِیۡہُ میں ہے۔ ای ما انسانی ذکرہ۔ الا الشیطٰن خبرا بالضم العلم بالشی ءیہ تمیز ہے یا مصدر ہے لم تحط کا کس لیے کہ لم تحط بمعنی لم تخبرہ ہے۔

تفسیر: یہاں سے پھر مسئلہ نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات: یہ دوسرا واقعہ ہے اول اصحاب کہف کا تھا اس میں یہود پر تعریض ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جملہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دیتے تھے اور جملہ علوم کا انہیں کو سرچشمہ خیال کرتے تھے اس میں اشارہ ہے کہ دنیا میں ان سے بھی بڑھ کر باکمال تھے۔ اب یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ ان کی کتاب میں نہ ہو وہ غلط ہے علوم الٰہی کا خاتمہ نہیں ہوگیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اس قصہ کا مجملاً بیان صحیح بخاری کی اس روایت کے بموجب جو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے کہ کسی نے پوچھا سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں۔ یہ بات خدا کو ناگوار معلوم ہوئی کیونکہ سب میں زیادہ عالم ہونا اللہ کے لیے کیوں نہ کہا؟ تب خدا تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ مجمع البحرین کے موقع پر تم کو ہمارا ایک بندہ ملے گا جو وہ تم سے بھی زیادہ عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے؟

قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾ ع فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ

[1] جوان سے مراد خادم ہے جو غالباً یوشع بن نون تھے۔ ۱۲ منہ

مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۙ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۖ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ﴿٧٤﴾

موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر ہی پائیں گے میں کسی بات میں بھی آپ کے خلاف نہ کروں گا۔ اس نے کہا اچھا اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود ہی تجھ سے اس کا ذکر نہ کردوں۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دریا میں کشتی پر سوار ہوئے تو اس نے اس میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کیا کشتی کے لوگوں کو ڈبونے کے لیے اس کو پھاڑ ڈالا؟ البتہ تم نے ایک عجیب کام کیا ہے۔ اس نے کہا میں نہیں کہہ چکا ہوں کہ تو ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا۔ موسیٰ نے کہا آپ بھول چوک پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے اور مجھ سے زیادہ سخت گیری نہ کیجئے۔ پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ان دونوں کو ایک لڑکا ملا تو اس کو اس نے مار ڈالا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے کیوں ایک بے گناہ کو ناحق مار ڈالا؟ البتہ آپ نے بری بات کی۔

تفسیر : فرمایا اپنے تھیلے میں ایک تلی ہوئی مچھلی رکھ لو پھر جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ شخص وہیں ملیں گے۔ پس موسیٰ علیہ السلام مچھلی تھیلے میں ڈال کر یوشع بن نون کو ہمراہ لے کر چلے۔ چلتے چلتے ایک موقع پر (سمندر کے کنارے) پہنچے تو ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی اس تھیلے میں سے تڑپ کر دریا میں جا گری اور جہاں تک وہ جاتی تھی پانی میں ایک سوراخ سا ہوتا جاتا تھا۔ حکمِ الٰہی سے پانی ادھر ادھر سے ملنے نہیں پاتا تھا۔ پھر بیدار ہوئے تو یوشع کو یاد دلانا یاد نہ رہا کہ اس مقام پر مچھلی گم ہوگئی ہے۔ اس سے رات دن تک چلا کئے یہاں تک کہ جب اگلے روز صبح کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان یعنی مرید یوشع سے کھانا مانگا۔ اس سے پہلے منزلوں میں موسیٰ علیہ السلام نہ تھکے تھے لیکن اس منزل میں تھک گئے جو مقامِ مطلوب کو چھوڑ کر چلے تھے مچھلی کو دیکھا تو ندارد یوشع نے عذر کیا کہ کمبخت شیطان نے مجھے یاد دلانا بھلا دیا۔ یہ اس پتھر کے پاس گم ہوئی تھی تب دونوں الٹے پھرے اور اس پتھر کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام کو وہ شخص ملا کہ جس کو علم لدنی دیا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے السلام علیکم کہا انہوں نے جواب دے کر پوچھا کون ہو؟ کہا موسیٰ بنی اسرائیل اس لیے آیا ہوں کہ آپ سے کچھ علمِ لدنی سیکھوں۔ خضر نے فرمایا اے موسیٰ! تجھ کو خدا نے جو علم دیا ہے اس کو میں نہیں جانتا اور جو علم مجھے عطا ہوا ہے اس کو تو نہیں جانتا تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا انشاء اللہ میں برداشت کروں گا اور کسی بات میں آپ سے خلاف نہ کروں گا پھر تمام قصہ مروی ہے کہ دریا میں ان کو ایک کشتی ملی، اس پر سوار ہوئے تو خضر علیہ السلام نے ایک تختہ نکال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا واہ بغیر کرایہ سوار کیا، اس پر آپ نے یہ سلوک کیا؟ خضر علیہ السلام نے کہا لو رخصت۔ موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا کہ بھول کر سوال کیا آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ پس کشتی سے نکل کر چلے تو ایک جوان لڑکا ملا جو لڑکوں میں کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کو مار ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس بے گناہ کو تم نے ناحق قتل کیا۔ یہ بری بات کی۔ خضرؑ نے اب کی بار نہایت برہم ہو کر کہا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ رہ سکو گے اس لیے **الم اقل** کے بعد تاکید کے لیے لک لام و کاف زیادہ کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا اور شرط کر لی کہ اگر اب کے پوچھوں تو اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ آگے چلے تو ایک گاؤں میں پہنچے۔ ہر چند انہوں نے دستور کے موافق گاؤں والوں سے کھانا مانگا، ضیافت چاہی مگر انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ اسی گاؤں میں ایک دیوار تھی جو گرا ہی چاہتی تھی، خضر علیہ السلام نے اس کو سیدھا کر دیا، اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاب نہ رہی۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ۚ حَتَّىٰ

إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُۥ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِى وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِى الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُم[1] مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَٰمُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَٰنًا[2] وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا[3] ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِى الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُۥ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَٰلِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُۥ عَنْ أَمْرِى ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ع

انہوں نے کہا کیا تم سے میں نہیں کہہ چکا ہوں کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکو گے؟ موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا۔ آپ کو میری طرف سے عذر پہنچ چکا پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے تو ان سے کھانا مانگا۔ پر انہوں نے ان کی ضیافت دینے سے انکار کیا۔ پھر ان کو وہاں ایک ایسی دیوار ملی کہ جو گرا ہی چاہتی تھی تب اس نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے، اس نے کہا اب یہ میرے اور تمہارے بیچ جدائی ہے اب میں تم سے ان باتوں کا راز بھی بتلائے دیتا ہوں کہ جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی سو وہ محتاج لوگوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے پھرتے تھے پھر میں نے اس میں عیب کر دینا چاہا کیونکہ ان محتاجوں کے آگے ایک بادشاہ ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا لڑکا۔ سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے سو ہم کو ڈر ہوا کہ ان کو بھی کفر اور ظلم میں مبتلا نہ کرے پھر ہم نے چاہا کہ ان کا خدا اس کے بدلہ میں ان کو ایسی اولاد دے جو ستھرائی میں اس سے بہتر اور محبت میں اس سے اقرب[3] ہو اور دیوار جو تھی سو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک مرد تھا پس تمہارے رب نے یہ چاہا کہ وہ جوان ہو کر اپنا خزانہ تمہارے رب کی عنایت سے نکال لیں۔ اور یہ میں نے از خود نہیں کیا تھا یہ ہے سرّ اس کا کہ جس پر تم صبر نہ کر سکے۔

تفسیر : اور خود جان کر سوال کیا کیونکہ ان کے پاس رہنا مقصود ہی نہ تھا کہہ اٹھے کہ ان سے اس دیوار کے سیدھا کرنے کی اجرت لے

---

۱ وراء کے معنی آگے کے ہیں جیسا کہ تفسیر میں حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے اور اس کے معنی پیچھے کے بھی ہیں، دونوں ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

۲ اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ یہ لڑکا یعنی نوجوان نا ہنجار ہے، کافر بھی ہے، رہزنی بھی کرتا ہے کہیں ماں باپ اس کی محبت میں آ کر اس کا ساتھ نہ دیں اور اس کے سبب وہ بھی کفر و ظلم میں مبتلا نہ ہو جائیں دوسرے یہ کہ کہیں یہ ان سے کفرانِ نعمت اور سرکشی کر کے ایذائیں نہ دے۔ اول معنی زیادہ مناسب ہیں۔

۳ رحما بسکون الحاء وقری بضمہا الرحمۃ یقال رحمہ اللہ رحمۃ ورحما والالف للتانیث۔ ۱۲ منہ

لینی چاہیے تھی۔انہوں نے ہمارا حق مہمانی بھی ادا نہیں کیا۔خضر علیہ السلام نے کہا لواب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے مگر میں تم کو ان تینوں باتوں کا سر بتلائے دیتا ہوں کہ جن پر تم سے صبر نہ ہو سکا۔کشتی کی سنیئے ،وہ بیچارے غریبوں کی کشتی تھی جو اس کے ذریعہ سے محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتے تھے اور آگے ایک بادشاہ بیگار میں زبردستی کشتیاں پکڑ رہا تھا میں نے اس کا تختہ نکال کر عیب دار کر دیا تا کہ بادشاہ اس کو نہ پکڑے چنانچہ اس نے نہ پکڑا اور تختہ لگا کر کشتی کو انہوں نے درست کر لیا۔اب بتلائیے یہ کام اچھا تھا یا برا؟ اور وہ جو لڑکا تھا وہ نہایت شریر اور سرکش تھا،اس کے ماں باپ نیک تھے،خوف تھا کہ اس کی محبت میں آ کر کہیں وہ بھی کفر و سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائیں،اس لیے خدا کو منظور ہوا کہ یہ مر جائے اور اس کے بدلے ان کو اور اولاد ملے جو خیراً منہ زکوٰۃ تقویٰ و صلاح میں اس سے بہتر ہو اور اَقْرَبَ رُحْمًا جو صلہ رحمی اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی اس سے بہتر ہو چنانچہ اس کے بعد ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو نہایت نیک تھی جس کے پیٹ سے ایک نبی پیدا ہوا۔حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ جوان تھا لیکن نو عمر ہونے کی وجہ سے اس کو لڑکا کہا اور چونکہ خوبصورت تھا اس لیے اس کو ستھرا کہا۔کلبی کہتے ہیں وہ جوان تھا،راہزنی کر کے مال اپنے ماں باپ کے ہاں لاتا تھا۔ضحاک کہتے ہیں لڑکا تھا مگر فساد کیا کرتا تھا جس سے اس کے والدین کو ایذا ہوتی تھی (معالم التنزیل) کہو اس میں ارادۂ الٰہی کے بموجب کیا برائی ہے؟

اب رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک مرد تھا جس کی برکت سے خدا کو اس کی اولاد کے ساتھ احسان کرنا منظور تھا کہ جوان ہو کر وہ اپنا خزانہ نکالیں۔اگر اس دیوار کو درست نہ کیا جاتا اور یہ گر پڑتی تو اور لوگ خزانہ لے لیتے اس لیے اس کو درست کر دیا کہ ان کی جوانی تک نہ گرے۔کہیے اس پر کیا اجرت لینی مناسب تھی؟

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے جدا ہو کر پھر بنی اسرائیل میں آ گئے۔لیکن معلوم ہو گیا کہ دنیا میں خدا کے بندے مجھ سے بھی زیادہ عالم ہیں۔

ابحاث : (اوّل) یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کب گزرا ہے؟ حال کے اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ توریت میں اس کا کہیں ذکر نہیں اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔علماءِ اسلام میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں تھے اسی لیے مجمع البحرین یعنی دو سمندروں کے ملنے کے موقع پر اختلاف کیا ہے۔قتادہ بحر فارس روم مشرقی جانب کا کہتے ہیں۔محمد بن کعب طنجہ بتلاتے ہیں،اُبی بن کعب افریقہ کہتے ہیں (معالم) مگر صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر قلزم کو عبور کر کے ملک عرب کے شمالی و مغربی کناروں میں آ رہے تھے اور بحرین سے مراد بحر قلزم کی وہ دو شاخیں ہیں جو شمالی جانب ہیں،دور تک جا کر دو شاخ ہو گئی ہیں جہاں سے وہ دو شاخ جدا ہوتی ہیں گویا وہ ان دونوں شاخوں کا مجمع یعنی جمع ہونے کی جگہ ہے۔انہیں دو شاخوں کے بیچ میں کوہ سینا اور حورب اور وہ مقامات ہیں کہ جہاں بنی اسرائیل برسوں رہے ہیں چنانچہ جغرافیہ فرہاد صفحہ ۴۳۵ کے حاشیہ میں یہ ہے۔وباعتقاد من مجمع البحرین کہ در قرآن مجید است کما قال اللہ عزوجل حتی ابلغ مجمع البحرین الخ ملتقائے خلیج عقبہ و خلیج سویس است واکثر مفسرین باشتباہ افتادہ مجمع البحرین را ملتقائے بحر عمان و ہند گرفتہ اند و حضرت موسیٰ باین صفحات عبور نفرمود و اسم قدیم عقبہ ایلہ است و اکثرے نیز ایلہ را ندانستہ اندو اُبلہ بصرہ خواندہ اند ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا انتہیٰ۔توریت موجود میں اس قصہ کا درج نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ قصہ واقع نہیں ہوا۔موسیٰ علیہ السلام کی بہت سی کتابیں تھیں کہ جن کو سب اہلِ کتاب کہتے ہیں مفقود ہو گئیں،ان میں بھی اگر اس کو نہ پاتے تو پھر کچھ مجالِ گفتگو تھی۔

(دوم) اکثر اہلِ اسلام اس کے قائل ہیں کہ موسیٰ سے مراد ان آیات میں حضرت موسیٰ بن عمران ہارون علیہما السلام کے بھائی ہیں مگر کعب احبار کی بیوی کا بیٹا نوفل بکالی یہ کہتا تھا کہ یہ اور موسیٰ ہیں جو منسی بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام کے بیٹے تھے لیکن خود حضرت ابن عباس

نبی ﷺ نے اس کی تکذیب کی ہے کہ وہ غلط کہتا ہے۔

تحقیقِ خضر : وہ شخص کہ جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام علمِ لدنی تعلیم پانے گئے تھے کون تھے؟ علماءِ اسلام کہتے ہیں کہ وہ حضرت خضرؑ تھے کہ جن کو بعض نے ولی اور بعض نے نبی کہا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں جس جگہ وہ نماز پڑھتے تھے وہ جگہ سبز اور ہریالی ہو جاتی تھی اس لیے ان کو خضر کہتے ہیں جس کے معنی سبز کے ہیں۔ یہ بات کسی صحیح حدیث سے دریافت نہیں ہوتی کہ خضر کس ملک میں پیدا ہوئے اور کس قوم کے تھے اور کس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے؟ توریت سفر پیدائش کے چودھویں باب کے اخیر میں ملک صدق کا ذکر آیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی اور وہ خدا کا کاہن[1] تھا۔ پھر اسی ملک صدق کی نسبت عیسائیوں کی انجیل میں یعنی نامہ عبرانیوں کے ساتویں باب میں یہ لکھا ہے کیونکہ یہ ملک صدق سالیم کا بادشاہ تھا خدا کا کاہن تھا جس نے ابرہام کا جبکہ وہ بادشاہوں کو مار کے پھر آتا تھا استقبال کیا اور اس کے لیے برکت چاہی جس کو ابرہام نے سب چیزوں کی دہ یکے[2] دی وہ پہلے اپنے نام کے معنوں کے موافق راستی کا بادشاہ اور پھر شاہ سالیم یعنی سلامتی کا بادشاہ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے (عیسیٰ) مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔

گرچہ ملک صدق کی بابت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھا اور جس کی نسبت ہمیشہ زندہ رہنا لکھا ہے اہل کتاب کے مختلف قول ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ ملک صدق وہی شخص ہے کہ جس کو اہلِ اسلام خضر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب ان کی عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جدِ امجد اور اب الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی تھی۔ شاید پولوس کا یہ کہنا کہ ان کے نہ ماں تھی نہ باپ نہ اس کی عمر کی ابتداء ہے۔ مبالغہ پر محمول ہو جو اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تشبیہ کے لیے یہ بات کہی ہو۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

خضر علیہ السلام : (اول) کے بارہ میں علماءِ اسلام کے دو قول ہیں ایک جماعت صرف حدیث سے استدلال کر کے (جس کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عشاء کی نماز پڑھ کر یہ فرمایا تھا کہ آج کی رات جو زمین پر زندہ ہے سو برس کے اخیر تک مر چکے گا) یہ کہتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت خضر بھی بموجب حدیثِ مذکور مر گئے مگر اکثر علماء فرماتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں جس طرح کہ حضرت الیاس اور سال بھر میں دونوں ایک بار ملاقات بھی کرتے ہیں۔ حدیثِ مذکور میں جو سو برس کے بعد مرنا آیا ہے وہ اکثر لوگوں کی عمرِ طبعی کا لحاظ کر کے فرمایا ہے عموم مراد نہیں کہ جن کی زندگی محض اس کی قدرتِ کاملہ کے طور پر ہو وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔

(دوم) خضر کی زندگی کی بابت یہ جو عوام میں مشہور ہے (کہ وہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ظلمات میں گئے اور ذوالقرنین آبِ حیات کے چشمہ کا رستہ بھول گئے اور خضر نے وہاں پہنچ کر وہ پانی پی لیا جس لیے ان کی زندگانی ہمیشہ تک رہے گی اور نیز یہ کہ خضر دریاؤں پر رہتے ہیں وہاں کے کاروبار انہیں سے متعلق ہیں یہاں تک کہ عوام کنوؤں، تالابوں، نہروں پر بھی خضر علیہ السلام کے نام کا چراغ جلاتے اور دلیہ پکا کر فاتحہ دلاتے ہیں اور ان کے نام کی دہائی دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ) نہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے نہ پیغمبر علیہ السلام کے کسی قول سے اور ان کی پرستش کرنا اور دہائی دینا تو صریحاً ممنوع ہے۔

علمِ لدنی : (سوم) باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے اولوالعزم رسول تھے ان کو توریت دی گئی تھی، خدا تعالیٰ سے کلام کرتے تھے، پھر وہ کون سا علم تھا جو انہیں حاصل نہ تھا جس کی خضر علیہ السلام کے پاس تعلیم پانے گئے تھے۔

---

[1] پیشوا۔ امام بمحاورۂ اہلِ کتاب۔ ۱۲ منہ

[2] ہر چیز میں سے دسواں حصہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں میں سے بعض نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے قوائے خیالیہ وحسیہ انوار ولمعانِ روحانی کی وجہ سے ضعیف ہو جاتے ہیں اور ان کی قوتِ ملکیہ ان پر یہاں تک غالب ہوتی ہے کہ اگر ان کو طبقۂ ملائکہ میں شمار کیا جائے تو کچھ بعید نہ ہو اور ان کی روح علوم و معارفِ الٰہیہ کے لیے ایک آئینہ پر جلا ہوتی ہے تب ان پر بلاتوسط غیرہ عالمِ غیب کے اسرار فائض ہوتے اور اس کو علمِ لدنی کہتے ہیں گرچہ سب انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں مگر۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است، ہر ایک کے مراتب متفاوت ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیمِ خلق کی طرف زیادہ توجہ تھی ان پر اسی قسم کے علوم فائض ہوتے تھے ملائکہ کے سلسلہ میں داخل ہونا ان کے حق میں ان کے مقاصد کے منافی تھا۔ برخلاف حضرت خضر علیہ السلام کے کہ وہ ملکیت غالب آجانے کی وجہ سے رجال الغیب اور ملائکہ میں مل گئے تھے اس لیے نظر سے غائب ہو جانا اور ہزاروں کوس دم مارنے میں چلا جانا، سمندروں پر سے پار اتر جانا ان کے نزدیک کچھ مشکل نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھانا تھا کہ ہمارے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو ملائکہ کی طرح جو کچھ کرتے ہیں اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں بظاہر ان کے افعال کسی کی سمجھ میں نہ آئیں اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم کو اور علوم مجھے اور علوم دیے گئے ہیں، تم میرے ساتھ نہ رہ سکو گے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ ان علوم سے مجھے کچھ فائدہ نہیں، وہاں سے چلے گئے۔

امتِ محمدیہ میں خضر جیسے لوگ ہوتے ہیں : (چہارم) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی خضر صفت آدمی ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں جن کو ابدال و اوتاد و اقطاب کہتے ہیں مگر جاہل صوفیوں کا اس قصہ سے یہ سمجھ لینا کہ باوا شریعت اور ہے طریقت اور ہے نماز روزہ حرام و حلال کے ہم پابند نہیں، ہم عالمِ غیب کے مختار ہیں جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں، پھر اس اعتقاد سے جہلاء کا ان سے حاجات طلب کرنا اور ان لوگوں کا شراب پینا، بھنگ نوشی کرنا اور معترض کو یہ کہنا کہ باوا موسیٰ علیہ السلام نے بھی خضر علیہ السلام پر ایسے ہی اعتراض کئے تھے۔ یہ علم لدنی کی باتیں ہیں جو مرشدوں (یعنی تکیہ میں بھنگ گھوٹنے والوں) سے حاصل ہوتی ہے۔ وغیرہ ذالک من الخرافات محض وسوسۂ شیطانی اور دامِ تزویر ہے معاذ اللہ اقطاب و ابدال ایسے منہیات کے کب مرتکب ہوتے ہیں خضر علیہ السلام کی تینوں باتوں کو غور کرو ان میں سرِ مو قباحت نہ تھی۔ دیوار کا بنانا تو ظاہر ہے، رہا کشتی کا تختہ نکالنا کہ جس سے وہ غرق نہ ہوئے اور ان کی کشتی بچ گئی ایسی ہی بات ہے کہ جس طرح سر کے بال مونڈ دینے سے کسی کا مرض دفع کر دیا جائے، رہا اس بدبخت لڑکے کا قتل کرنا سو وہ بھی ٹھیک بات تھی خصوصاً جبکہ وہ جوان اور قزاق تھا یوں تو ملک الموت پر بھی سینکڑوں قتل کے ہر کوئی الزام لگا سکتا ہے۔

ہنود کے معارضہ کا جواب : ہندوؤں کی کتابوں سے جبکہ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ کرشن نے گوپیوں سے ایسا کیا مہادیو جی نے اور فلاں فلاں بزرگوں نے ذرا سی بات پر اتنے لوگوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا تو ہنود کے رئیس المناظرین لالہ اندرمن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مکا مارنا اور خضر علیہ السلام کا کشتی کا تختہ اکھیڑنا، لڑکے کو قتل کرنا، حضرت آدم علیہ السلام کا بھول کر گندم کے درخت کو کھانا گنوا دیا اور سینکڑوں وہ بے اصل قصے جو ہمارے خوش اعتقاد راویوں نے اہلِ کتاب سے لیے تھے بیان کر دیے کہ لو دیکھو تمہارے مسلم بزرگوں نے کیا کم کیا ہے؟ اس جواب سے ناواقف ہنود تو شاید خوش ہو گئے ہوں گے مگر منصف مزاجوں کے نزدیک یہ جواب سننے کے بھی قابل نہیں کیونکہ کہاں حضرت خضر علیہ السلام و موسیٰ و آدم علیہم السلام کا یہ فعل کہاں ان کے بزرگوں کے وہ حیرت انگیز ماجرے جو ان کی کتابوں[1] میں بھرے پڑے ہیں جس کی تشریح سوط اللہ الجبار وغیرہ میں علماءِ اسلام نے خوب کی ہے۔

قرآن مجید میں جو خضر علیہ السلام کے تین فعل بیان ہوئے ہر ایک امت کے لیے عجب رموز ہیں۔ (۱) اول کشتی کا تختہ توڑ کر بادشاہ ظالم کے ہاتھ سے بچا دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ تھوڑے سے نقصان پر ناصبر نہ ہونا چاہیے اس میں جانے کیا فوائد رکھے ہوتے ہیں اور نیز

---

[1] پورانوں میں۔ ۱۲ منہ

یہ بھی کہ کسی غریب کو للہ کشتی میں سوار کرنا یا اس کے ساتھ اور کوئی سلوک کرنا آسمانی ہلاکتوں سے بچنے کا سبب ہو جاتا ہے۔ (۲) نیک آدمی پر صدمہ آنا کسی مصلحتِ الٰہیہ کی دلیل ہے جیسا کہ اس بد بخت لڑکے کا مرنا جو دنیا و آخرت میں ان کے ننگ کا باعث تھا جس کے بدلہ میں نیک اولاد ملی۔ (۳) نیک آدمی کے بعد پشتوں تک خدا تعالیٰ اس کی اولاد کو نیک صلہ دیا کرتا ہے جیسا کہ دیوار کے قصہ سے ظاہر ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ ۸۳ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ ۸۴ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ ۸۵ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ ۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ ۸۷ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ۸۸

اور (اے رسول!) آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اب میں تمہیں اس کا کچھ حال سناتا ہوں۔ ہم نے اس کو مملکت میں بڑی قوت دی تھی اور اس کو ہر ایک طرح کا ساز و سامان عطا کیا تھا۔ سو اس نے ساز و سامان تیار کر کے (سفر کا ارادہ کیا) یہاں تک کہ جب وہ آفتاب غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اس کو وہ ایک گرم (یا سیاہ) چشمے میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا اور وہاں اس نے ایک قوم کو بھی پایا۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! (تجھے اختیار ہے) یا ان کو سزا دے اور یا ان سے نیک سلوک کر۔ اس نے (لوگوں سے) کہا کہ جو ان میں ظالم ہے اس کو تو میں سزا ہی دوں گا پھر وہ اپنے رب کے پاس روانہ ہوگا پھر تو وہ اسے اور بھی سخت سزا دے گا، اور جو کوئی ایمان لایا ہوگا اور اس نے نیکی بھی کی ہوگی تو اس کو (خدا کے پاس بھی) نیک بدلہ ملے گا اور ہم بھی اپنے معاملہ میں اس کو آسان ہی حکم دیں گے۔

ترکیب: عن' یسئلونك سے متعلق ذکرا' اتلوا کا مفعول، مکنا مفعول امرہ محذوف وجدھا جواب ہے اذابلغ کا تغرب جملہ حال ہے ضمیر وجدھا سے یا مفعول وجد حمئۃ ذات حمات۔ الحمات الطین الاسود وقرآء ابن عامر وحمزۃ حامیۃ ای حارۃ اما تخیر کے لیے جزاء کو حمزہ کسائی حفص بالنصب والتنوین پڑھتے ہیں اور باقی بالرفع والاضافۃ۔ اول تقدیر پر فلہ الحسنیٰ جزاءً جیسا کہ کہتے ہیں لک ھذا الثوب ہبۃ دوسری صورت میں الحسنی کا موصوف الفعلۃ مقدر مانا جائے گا یا المثوبۃ پس جزاء موصوف ہوگی المثوبۃ الحسنیٰ کی واضافۃ الموصوف الی الصفۃ کثیر۔

تفسیر......ذوالقرنین کا حال اور اس کا سفر: یہ تیسرا قصہ ذوالقرنین کا ہے جو اہلِ کتاب کے کہنے سے قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ اِنَّا مَكَّنَّا سے تمہید کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے کہ ہم نے ذوالقرنین کو دنیا پر قابو دیا تھا اور ہر ایک قسم کا ساز و سامان ملا تھا جس سے وہ مشرق و مغرب تک فتوحات حاصل کرتا ہوا چلا گیا (اگرچہ جب سے علم تاریخ مدون ہوا ہے تب سے ایسے ساز و سامان جواب

ہیں ریل دخانی جہاز پائے نہیں جاتے مگر تواریخ سے پہلے غیر معلوم زمانہ میں جانے کیا کیا صنعتیں تھیں اور مٹ گئیں جن کے بعض آثار قدیم خرابات کے کھودنے سے برآمد ہوتے ہیں)۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا کہ ذوالقرنین نے سفر کا ساز و سامان تیار کیا اور پہلے مغرب کی سمت کو روانہ ہوا یہاں تک کہ ان کو آفتاب سمندر کے گرم اور سیاہ پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا گرچہ آفتاب آسمان پر ہے مگر غروب کے وقت پانی کے کنارہ پر کھڑے ہونے والے کو پانی میں اور پہاڑ کے سامنے والے کو پہاڑ میں غروب ہوتا ہوا معلوم ہوا کرتا ہے اور جس نے حمئۃ پڑھا ہے اس کے نزدیک ذوالقرنین کے سامنے سیاہ دلدل ہوگا جس میں آفتاب کو غروب ہوتے دیکھا ہوگا۔ القصہ وہاں ایک بت پرست قوم ملی جس کی نسبت خدا نے ذوالقرنین کو بالہام یا بواسطہ نبی یہ حکم دیا کہ خواہ ان کو سزا دے خواہ ان سے کوئی نیک سلوک کر، ذوالقرنین نے لوگوں سے کہا وہ جو ان میں ظالم و سرکش ہیں میں انہیں سزا دوں گا یعنی مار ڈالوں گا جو اس کے بعد وہ اپنے رب کے ہاں جا کر اور بھی سخت عذاب پائیں گے یا یہ مراد کہ سزا دوں گا کوئی سزا ہو پھر مرنے کے بعد وہاں اور بھی سزا پائیں گے اور جو ان میں ایماندار اور نیک ہو جائیں گے ان کو اچھا بدلہ انعام و اکرام دوں گا اور اپنی حکومت و ریاست کے امر میں بھی ان سے نرمی برتوں گا چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

بار دگر اس نے تیاری کی یہاں تک کہ جب آفتاب نکلنے کی جگہ (یعنی مشرق) میں پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع کرتے ہوئے پایا کہ جن کے لیے ہم نے آفتاب سے بچنے کے لیے کوئی اوٹ نہ بنائی تھی بات یوں ہی ہے اور اس کے حال کی پوری پوری خبر ہمارے ہی پاس ہے۔ اس نے پھر تیاری کی یہاں تک کہ وہ جب پہاڑ کے دو دروں میں پہنچا تو ان کے پار ایک ایسی قوم ملی جو بات نہ سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے (مترجم کی معرفت) کہا اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج نے تو ملک میں فساد ڈال رکھا ہے۔ پھر آپ کہیں تو آپ کے لیے ایک محصول قائم کریں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے بیچ کوئی مستحکم دیوار بنا دیں اس نے کہا کہ جو

کچھ میرے رب نے مجھے مقدور دے رکھا ہے وہی کافی ہے۔ پھر تم اپنی (ہاتھ پاؤں) طاقت سے میری مدد کرو کہ میں تمہاری اور ان کے درمیان ایک آڑ بنا دوں مجھے لوہے کے تختے لا دو (وہ لائے) اور کام شروع ہوا یہاں تک کہ جب پہاڑ کے دونوں کناروں کو (دیوار چن کر برابر کر دیا تو کہا اس کو دھونکو۔ لوگ دھونکنے لگتے ہیں) یہاں تک کہ جب اس کو سرخ انگارہ کر دیا تو اس نے کہا کہ اب تم میرے پاس تانبا لاؤ کہ پگھلا کر اس پر ڈال دو (پس ایسی مستحکم اور بلند دیوار تیار ہو گئی) کہ یاجوج و ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ اس میں نقب لگا سکتے ہیں اور دیوار کو دیکھ کر ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی عنایت ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔

ترکیب: السدین ای الجبلین المبنی بینھما سدہ وھما جبلان منیفان فی اواخر الشمال فی منقطع ارض الترک من ورائھما یاجوج و ماجوج و بین ھھنا مفعول بہ وھو من الظروف المتصرفۃ۔ خرجا جعلا نخرجہ من اموالنا۔ ردما حاجزا حصینا وھوا کبر من السد من قولھم ثوب مردم اذا کان رقاع فوق رقاع۔ الصدفین الصدف محرکۃ کل شیء مرتفع من حائط ونحوہ ای جانبی الجبلین فما استطاعوا بحذف التاء حذراً من تلاقی متقاربین ای التاء والطاء۔

تفسیر......**مشرق کا سفر**: پھر وہاں سے بلادِ مشرقیہ کی طرف توجہ کی اور مشرق میں ایسی قوم تک پہنچے کہ جن کے پاس آفتاب کی تپش سے بچنے کے لیے کوئی خیمہ یا مکان نہ تھا زمین اور پہاڑوں کی کھوہ میں رہتے تھے۔ فرماتا ہے کذلك الخ یعنی ہم علام الغیوب ہیں ذوالقرنین کا پورا حال کہ کس قدر سپاہ تھی اور اس کے ساتھ کون کون تھے جو ہم کو معلوم ہے اور کوئی کیا جان سکتا ہے اور الحق یوں ہی ہے۔

شمال کا سفر: ثم اتبع سببًا یہ تیسرا سفر ہے اس کی کوئی سمت بیان نہیں کی۔ غالبًا شمالی رخ کا دھاوا ہے کیونکہ آبادی زمین کی اسی حصہ میں بیشتر ہے۔ شمال میں فتح کرتے کرتے وہ پہاڑوں کی گھاٹی میں پہنچے اور اس کے متصل ایسی قوم ملی جو بات نہ سمجھ سکتی تھی ترجمان کے ذریعے سے انہوں نے ذوالقرنین سے قوم یاجوج و ماجوج کی سرکشی اور فساد کا حال بیان کر کے اس گھاٹی کو بند کرنے کی درخواست کی کہ جس سے گزر کر یہ دونوں قومیں ان کے ملک میں قتل و غارت کرتی تھیں اور اس پر انہوں نے کچھ روپیہ یا پیداوار دینے کا بھی عدہ کیا۔ ذوالقرنین نے کہا خدا نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے تم صرف جسمانی مدد دو کہ لوہے کے تختے میرے پاس لاؤ چنانچہ وہ لوگ لائے، پس جب پہاڑوں کی چوٹیوں تک درے کو لوہے اور پتھروں سے چن دیا تو گرم کر کے یعنی پگھلا کر اس پر کسی حکمت سے تانبا یا سیسہ ڈال دیا جس سے وہ دیوار ایک ذات ہو گئی۔ سب جوڑ مستحکم ہو گئے کہ نہ تو اس کی بلندی کی وجہ سے یاجوج و ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ تم پر رحمتِ الٰہی ہے اس کے گرنے کا ایک وقت مقرر خدا نے کر رکھا ہے جب وہ وقت آئے گا تو گر جائے گی یہ اس لیے کہ شکر گزاری کرتے رہیں، ڈرتے رہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ ع

اور اس روز ہم نے ان کو ایسا کر چھوڑا کہ ایک دوسرے پر دھکا پیل کرتا تھا اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم ان سب کو جمع کر لیں گے اور ہم اس روز کافروں کے سامنے جہنم کو لائیں گے ان کے کہ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ کچھ سن بھی نہ سکتے تھے۔

ترکیب: بعضھم مفعول اول ترکنا بمعنی جعلنا کا یموج جملہ مفعول ثانی وترکنا جملہ مستانفہ ہے یومئذ یموج سے متعلق ہے۔ کانوا معطوف ہے کانت اعینھم پر حیز صلہ میں داخل ہے معطوف اور معطوف علیہ کا مجموعہ صلہ ہے الذین کا یہ موصول اپنے صلہ سے مل کر الکافرون کی صفت یا نعت ہے۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے ذوالقرنین کے قصہ کا۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس روز یعنی وقتِ موعود پر جبکہ دیوار ٹوٹے گی اور قومِ یاجوج و ماجوج اس میں سے ادھر کے ملکوں میں آئے گی تو یہ اژدحام ہوگا کہ دھکم دھکا ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ٹڈی دل کی طرح اڈے چلے آئیں گے آکر زمین میں فساد کریں گے، قتل کریں گے، کھیتیاں اجاڑیں گے، چونکہ دیوار کا ٹوٹنا یاجوج و ماجوج کا باہر آکر فساد کرنا بلحاظِ زمانہ ذوالقرنین کے ہزاروں سینکڑوں برس کے بعد ہوگا اور یہ زمانہ اس زمانہ کے خیال سے یقیناً قیامت کے قریب ہے اس لیے اس مناسبت سے حشر کا مسئلہ شروع ہوا۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ صور پھونکا جائے گا، دنیا نیست و نابود ہو جائے گی، پھر دوسری بار صور پھونکے گا جس سے ہر شخص زندہ ہوگا۔ وعرضنا جھنم الخ اس روز کافروں کے سامنے جہنم کو لا کھڑا کریں گے تاکہ وہ اس میں ڈالے جائیں، وہ کافر کون لوگ ہیں؟ آپ ہی بتاتا ہے الذین الخ وہ کہ جن کی آنکھوں پر دنیا میں پردے پڑے ہوئے تھے کہ خدا کی نشانیوں اور آیاتِ قدرت کو دیکھ کر اس کو یاد نہیں کرتے تھے اور جب خود یہ بات حاصل نہ تھی تو ان کے وعظ و نصیحت کو بھی نہیں سنتے تھے۔ وترکنا الخ کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں انہیں معنی کی تائید سورۂ انبیاء کی اس آیت سے ہوتی ہے حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حدب ینسلون یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیں گے تو وہ ہر بلندی سے دوڑتے چلے آئیں گے۔ پھر واقترب الوعد الحق سے حشر کا برپا ہونا بیان فرماتا ہے جیسا کہ یہاں عرضنا سے فرمایا مگر بعض مفسرین یومئذ سے مراد وہ دن لیتے ہیں کہ جس روز دیوار قائم ہوئی تھی اور ترکنا ماضی کے صیغہ کو اپنے اصلی معنوں پر رکھتے ہیں ان کے نزدیک اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس روز دیوار قائم ہوگئی تو یاجوج ماجوج وہیں ایک دوسرے پر باہر آنے کے لیے گرتے پڑتے اور اژدحام کرتے رہ گئے کہ ایک دوسرے پر دیوار کی طرف آنے کے لیے گرا پڑتا تھا جیسا کہ اژدحام میں ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ ویسئلونك عن ذی القرنین الخ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ قریش[1] نے احبارِ یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتیں بطور امتحان کے پوچھیں تھیں منجملہ ان کے ایک یہ بات بھی ہے۔ اس بات کو محدثین نے صحیح سند سے ثابت کردیا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ بھی اسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہ کرنا چاہیے کہ ذی القرنین کا قصہ یہود میں متعارف تھا۔ اب خواہ وہ ان کے طالموت میں ہو خواہ کمرا میں جو ان کی کتاب مقدس کی شرح یا تفسیر ہے یا ان کی ان روایات میں جو زبانی یکے بعد دیگرے ان کے ہاں متوارث چلی آتی تھیں ہرچہ باشد مگر وہ ذی القرنین کے قصہ سے واقفیت رکھتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس قصہ کو ہر ایک نہیں بتلا سکتا اور اسی غرض سے بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہی بتلایا کہ وہ ایک ایسا بادشاہ تھا کہ جس کو ہم نے زمین پر زور آور کیا تھا، اس کو ہر ایک طرح کے اسباب عطا کئے تھے۔ پھر اس نے مغرب کے رخ سفر کیا اور وہاں تک پہنچا کہ جہاں تک اس کو آفتاب سیاہ اور گدلے چشمہ میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر مشرق کی طرف رجوع کیا اور آخر ایک ایسی قوم پر پہنچا کہ جن پر آفتاب بغیر کسی حجاب کے طلوع کرتا تھا۔ پھر وہاں سے اس نے ایک اور سفر کیا (جو غالباً سمتِ شمالی میں تھا اور

[1] چنانچہ ابن جریر نے بسند ابن اسحاق عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قریش نے نضر بن حارث عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ میں احبار یہود کے پاس بھیجا تاکہ ان سے پوچھ کر بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں چنانچہ انہوں نے یہ تین سوال تعلیم کئے اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ان میں سے دو کا بھی جواب دے گا تو جانیو کہ برحق ہے۔ اول اصحاب کہف کا حال پوچھو پھر اس بادشاہ کا جو مشرق و مغرب تک فتح کرتا ہوا چلا گیا تھا یعنی ذوالقرنین کا پھر روح سے سوال کرو۔ ۱۲ منہ۔

قرائن سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے) اور ایک ایسی قوم تک پہنچے کہ جوان کی زبان نہ سمجھ سکتے تھے (بغیر ترجمان کے) ان لوگوں نے ذوالقرنین سے کسی خاص خراج دینے پر یہ درخواست کی کہ یاجوج و ماجوج مفسد لوگ ہیں، ہمارے ملک پر شورش برپا کیا کرتے ہیں۔ آپ ان کا رستہ بند کر دیجئے۔ ذوالقرنین نے خراج لینے سے انکار تو کیا اور لوہے کے تختے ان سے مانگے کہ جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کوئی درہ تھا اس کو بند کر دیا اور دیوار چن کر اس کو گرم کیا اور پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ اس پر ڈال کر ایسا مستحکم کر دیا کہ جس پر نہ وہ چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔ نہ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر ہے کہ ذی القرنین کس ملک کا بادشاہ تھا اور کس عہد میں تھا؟ اور نہ یہ بات بتلائی کہ اس کو ذی القرنین کیوں کہتے تھے۔ نہ اس بات کا ذکر ہے کہ ذی القرنین مشرق و مغرب میں انتہیٰ تک پہنچ گئے تھے نہ یہ بات بتلائی گئی ہے کہ وہ قوم کہ جس نے سد یعنی دیوار بنانے کی درخواست کی تھی کون تھی اور کہاں تھی؟ نہ یہ بتلایا کہ یاجوج و ماجوج کون قوم تھی اور کہاں رہتی تھی اور اب بھی ہے کہ نہیں اور ہے تو کہاں ہے اور وہ کیسی قوم ہے، ان کے قد کیسے ہیں اور وہ مردم خور ہیں یا نہیں؟ اور نہ دیوار کا موقع بتلایا کہ وہ کس جگہ بنی ہے اور اب بھی ہے کہ نہیں؟ یہ سب باتیں سوال سے زائد تھیں اس لیے ان سے اعراض کر کے اصل قصہ بتلایا جو ان کی غرض سے تعلق رکھتا تھا اور انبیاء علیہم السلام اور وحی کا مقصدِ اصلی بھی یہی تھا۔ تفصیل وار قصے کہانی بیان کرنا مؤرخوں کا کام ہے۔ اب ان باتوں میں علماءِ اسلام نے غور کرنا شروع کیا اور جہاں تک ہو سکا، ان کا پتا نکالا اور ان باتوں کے دریافت کرنے میں انہوں نے کہیں قرآن مجید کے اشاروں سے کہیں روایاتِ سلف سے کہیں مورخینِ اہلِ کتاب و اہلِ اسلام و دیگر تواریخ سے اور ہر زمانہ کے اہلِ تحقیق اور اہلِ جغرافیہ سے مدد لی اور یہی وجہ ہے کہ ان باتوں کے ٹھیک ٹھیک دریافت کرنے میں ان سے باہم اختلافات بھی ظہور میں آئے اور کچھ عجب نہیں کہ ان سے کسی موقع پر اصلی بات رہ گئی ہو اور بعض نے اس کو ٹھیک سمجھا ہو اور ایسی باتوں میں کہ جہاں نہ کوئی نصِ قطعی رہنمائی کرتی ہو نہ کوئی اس وقت کی صحیح تاریخ ملتی ہو اختلاف ہونا ایک معمولی بات ہے، نہ ان امورِ مجوشہ کا ان کی تحقیق کے موافق ہر ہر بات میں صحیح مان لینا فرض و واجب ہے، نہ ان پر کوئی وجہ انکار ہے۔

سب سے پہلی بات کہ ذوالقرنین کون تھا اور کہاں کا تھا اور کب تھا؟

اس کا ثبوت اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ یہ دیوار کس نے بنائی؟ پس جو اس کا بنانے والا تھا وہی شخص ذوالقرنین ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اب ہم اس کو اس سد کی تلاش کرنی پڑی کہ کہاں ہے؟ ہمارے سامنے حال کے بھی متعدد جغرافیہ اور کرۂ زمین کے صحیح نقشے دھرے ہیں جو سرکاری مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، ان میں کسی جگہ یاجوج و ماجوج قوم کا ذکر تک نہیں اور یہ ممکن ہے کیونکہ حال کے جغرافیوں میں قوموں اور ملکوں کے وہی نام ذکر کئے جاتے ہیں جو آج کل متعارف ہیں اور ایسا بہت واقع ہوا ہے کہ زمانہ کے گزرنے سے ملکوں اور شہروں اور قوموں کے اور ہی نام ہو گئے، پہلے نام بدل گئے، ہو سکتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کو آج کل کسی اور نام سے تعبیر کرتے ہوں اس لیے یاجوج ماجوج کا نام نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کوئی قوم نہیں یا پہلے تھی اب بالکل نیست و نابود ہو گئی اسی طرح اس سد کا بھی ذکر نہیں اور یہ بھی قرینِ قیاس ہے کس لیے کہ جغرافیوں اور نقشوں میں شہروں اور پہاڑوں اور بڑے بڑے نشانوں کو ذکر کیا کرتے ہیں اور یہ دیوار جیسا کہ اہلِ اسلام کے مؤرخ کہتے ہیں صرف تخمیناً ڈیڑھ گز کی ایک مرتفع اور مستحکم دیوار دو پہاڑوں کے درمیان ہے اس سے بھی بڑی بڑی صد ہا چیزیں مذکور نہیں ہوتیں۔

اب ہم کو مسلمانوں کے قدیم جغرافیہ دیکھنے چاہییں کہ جنہوں نے بطلیموس کے جغرافیہ کو لے کر اس کے ساتھ اپنے سفرنامہ اور اپنے دیکھے ہوئے مقامات کو بھی نہایت تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے اور گویا حال کے جغرافیوں کی انہیں پر تقسیمِ اقالیم و جزائر و ممالک وغیرہ امور میں بنیاد

ہے اور یہ بھی درست ہے کہ آج کل سامانِ سفر جیسے مہیا ہیں اور جس آسان طریقہ سے ہر ایک ملک کی خبر دریافت ہو سکتی ہے پہلے یہ بات نہ تھی اور اسی لیے حال میں اس فن میں بہت کچھ چھان بین کی گئی مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دوسری تیسری صدی میں جبکہ مسلمانوں کے فتوحات مشرق و مغرب تک پھیل گئے تھے اور وہ باوجود صعوبتِ سفر کے اندلس اور جبل الطارق سے لے کر چین کے کناروں تک ایسے امور کی تحقیقات کے لیے سفر کیا کرتے تھے اور پھر ہر ایک سیاح نہایت صحت و احتیاط کے ساتھ ان مقامات و بلاد و ممالک کے احوال قلمبند کیا کرتا تھا چنانچہ اس قسم کے بہت سے جغرافیہ اب تک موجود ہیں جن میں سے اکثر کو اہل فرنگستان نے طبع بھی کیا ہے ان میں سے میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود ہیں جن سے ایشیاء اور افریقہ کے ملکوں کا اور ان کے شہروں اور مشہور مقاموں کا بڑی تشریح کے ساتھ حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (۱) کتاب المسالک والممالک تالیف ابی القاسم بن حوقل مطبوعہ لیڈن مطبع بریل ۱۸۷۳ء (۲) الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ تالیف ابوریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی مطبوعہ جرمن ۱۸۷۸ء بیرون سندھ میں کوئی قریہ یا شہر تھا شاید اب بھی ہو۔ یہ شخص بڑا حکیم و منجم سلطان محمود غزنوی کے عہد میں تھا۔ (۳) نزہۃ المشتاق فی ذکر الابصار والاقطار والبلدان والجزر والمدائن والآفاق اس کا مصنف علوی ادریسی چھٹی صدی ہجری میں تھا۔ یہ جغرافیہ یونانی اور اس کے جغرافیوں سے ملخص کر کے جزیرہ صقالیہ کے عیسائی بادشاہ کے لیے تصنیف کیا تھا۔ (۴) مراصد الاطلاع علے اسماء الامکنۃ والبقاع تالیف یاقوت حموی مطبوعہ فرانس۔ (۵) کتاب البلدان تالیف ابی بکر احمد بن محمد الہمدانی المعروف بابن الفقیہ مطبوعہ لیڈن بمطبع بریل ۱۳۰۲ ہجری۔ (۶) احسن التقسیم فی معرفۃ الاقالیم تالیف شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی المعروف بالبشاری مطبوعہ لیڈن بمطبع بریل ۱۸۷۷ء۔ اس کا مصنف شہاب الدین غوری سے بھی پہلے تھا۔ (۷) مسالک الممالک تالیف ابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری المعروف بالکرخی مطبوعہ مطبع بریل واقع شہر لیڈن ۱۸۷۰ء۔ (۸) تقویم البلدان تالیف السلطان عماد الدین اسماعیل بن الملک الافضل یعنی ابوالفداء مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء۔ (۹) مقدمہ ابن خلدون یہ شخص جو آٹھویں صدی میں گزرا ہے، بڑا حکیم تھا اس نے اپنے جغرافیہ میں حکیم بطلیموس کے جغرافیہ سے لیا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تھوڑے دنوں بعد گزرا ہے اور نیز زجار وابن مسعودی و حوقلی و قدری وابن اسحاق منجم و نزہۃ المشتاق سے بھی لیا ہے اور اقلیم کا اس صحت و خوبی کے ساتھ حال بیان کیا ہے جو آج کل کے جغرافیوں سے سرِ مو تفاوت نہیں رکھتا صرف ناموں کا فرق ہے۔

اوّل دیوار : اس نے اپنے مقدمہ میں تین جگہ اس دیوار کا ذکر کیا ہے، صفحہ ۷۱ میں کہتا ہے وفی الجزء التاسع من ھذا الاقلیم والخامس فی الجانب منہ بلاد خفشاخ وھم قفجق یجوزھا جبل قوقیا حین ینعطف من شمالہ عند البحر المحیط ویذھب فی وسط الی الجنوب بانحراف الی الشرق فیخرج فی الجزء التاسع من الاقلیم السادس ویمر معترضا فیہ۔ وفی وسط ھناک سد یاجوج و ماجوج وقد ذکرناہ وفی الناحیۃ الشرقیۃ من ھذا الجزء ارض یاجوج وراء جبل قوقیا علی البحر قلیلۃ العرض مستطیلۃ احاطت بہ من شرقہ وشمالہ انتھٰی کہ اس اقلیم کے نویں حصہ میں ایک گوشہ میں خفشاخ کے بلاد ہیں کہ جن کو قفچاق کہتے ہیں کہ جن پر سے قوقیا پہاڑ گزرتا ہے جبکہ وہ بحر محیط کے پاس سے ہو کر شمال کی طرف مڑتا ہے قدرے شرق کو مائل ہو کر تب وہ پہاڑ اقلیم سادس کے نویں حصہ تک نکل جاتا ہے اور یہیں سے وہ موڑ کھا کر نکلتا ہے اور اسی جگہ اس کے وسط میں یاجوج و ماجوج والی دیوار ہے کہ جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس حصہ کے شرقی کنارہ میں یاجوج کا ملک ہے جبل قوقیا کے پرے سمندر کے رخ مستطیل ٹکڑا ہے۔ قوقیا غالباً کوہ الطای کو کہتے ہیں اور اسی کے موڑ میں ایک جگہ وہ دیوار ہے اور کوہ طیغ کے پرلی طرف منچولیا اور منگولیا مغلوں کی قومیں ہیں جن کو یاجوج سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ لوگ سخت خونخوار درندے اور سفاک کافر تھے، جن کا پیشہ شکار ہے پہلے زمانوں میں یہ لوگ ادھر تو چین کے ملک پر تاخت و تاراج کیا کرتے تھے جن کے روکنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً ۳۳۵ برس پیشتر فغفورِ چین نے دیوار بنائی تھی جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے لے کر پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے۔ یہ مستحکم دیوار کہ جس کی پوری کیفیت تاریخِ چین سے معلوم ہوتی

ہے اب تک موجود ہے جو عجائبِ روزگار میں شمار کی جاتی ہے، ادھر یہ سفاک قوم اس پہاڑ کے درہ میں سے گزر کر ترکستان پر تاخت و تاراج کرنے آیا کرتی تھی۔ اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں اس قسم کی دیواریں کئی جگہ ہیں۔ (۱) ملک چین کے شمالی حصہ میں ایک دیوار ہے جس کو دیوارِ چین کہتے ہیں جس کو بقول مورخین چی وانگٹی فغفورِ چین نے بنایا تھا۔

دیوارِ دوم : دوسری وہ دیوار جو جبل الطی کے کسی درہ کو بند کئے ہوئے ہے جس کا ابن خلدون نے بھی ذکر کیا ہے اور اسی کو اکثر مؤرخینِ اسلام سدِ یاجوج کہتے ہیں جس کی تحقیق خلفاءِ عباسیہ کے عہد میں کی گئی تھی چنانچہ ابوریحان بیرونی اپنی کتاب آثار باقیہ مطبوعہ جرمن ۱۸۷۸ء کے صفحہ ۴۱ میں لکھتے ہیں، فاما الروم المبنی بین السدین فان ظاہر القصۃ فی القرآن لاینص علی موضعہ من الارض وقد نطقت الکتب المشتملۃ علی ذکر البلاد والمدن کجغرافیا وکتب المسالک والممالک علی ان ھذا الامۃ اعنی یاجوج وماجوج ھم صنف من الاتراک المشرقیۃ الساکنۃ فی مبادی الاقالیم الخامس والسادس ومع ہذا حکی محمد بن جریر الطبری فی کتاب التاریخ ان صاحب آذربیجان ایام فتحھا وجہ انسانا الیہ من ناحیۃ الخزر فشاہدہ ووصفہ بناء باسق سام اسود وراء خندق وثیق منیع۔ وحکی عبداللہ بن خرداذبۃ عن الترجمان بباب الخلیفۃ ان المعتصم رای فی المنام ان ھذا الروم قد فتح فوجہ خمسین نفرا الیہ لیعاینوہ فسلکوا من طریق باب الابواب واللان والخزر حتی بلغوا الیہ دشاہدوہ معمولا من لبن حدید ومشدد ابالنحاس المذاب وعلیہ باب مقفل وحفظہ من اہل البلدان القریبۃ منہا وانھم رجعوا فاخرجھم الدلیل الی البقاع المحاذیۃ لسمرقند انتہی۔

''کہ اس دیوار کا قرآن نے کوئی موقع ومحل نہیں بتلایا کہ کس جگہ ہے؟ ہاں کتبِ تواریخ وجغرافیہ میں تو ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں میں سے ایک قوم کا نام ہے جو اقلیم خامس وسادس کے مشرق میں رہتے ہیں اور محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بھی لکھا ہے کہ والیِ آذربائیجان نے جب اس ملک کو فتح کیا تو کسی کو اس دیوار کو دیکھنے بھیجا جو بحیرۂ خزر کی راہ سے دیکھنے گیا اور دیکھ کر آیا اور ابن خرداذبہ نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا۔ باب الابواب اور لان اور خزر کی راہ سے گئے اور اس کو دیکھ کر آئے اور بیان کیا کہ ایک دیوار مستحکم ہے جو لوہے کے تختوں یا اینٹوں سے بنائی گئی ہے، نہایت بلند و مستحکم اور اس میں دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔ پھر جو اس جماعت کو راہبر نے وہاں سے نکالا تو سمرقند کے محاذی آ نکلے۔'' کتاب احسن التقیم فی معرفت الاقالیم میں اسی بات کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر معتصم کی جگہ واثق باللہ عباسی خلیفہ کا معاملہ بتلایا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ واثق نے اس جماعت کا افسر محمد بن موسیٰ خوارزمی منجم کو بنایا تھا اور سامانِ سفر بہت کچھ دیا تھا اور بادشاہوں کے نام نامے بھی لکھ دیے تھے۔ پھر یہ جماعت طرخان کے ملک سے ہو کر اس مقام پر پہنچی کہ جہاں یہ دیوار ہے۔ آ کر انہوں نے سب تفصیل بیان کی۔ ڈیڑھ سو گز کا دو پہاڑوں میں ایک گھاٹا ہے جس کو دو پائے چن کر (کہ جن کا عرض پندرہ پندرہ گز ہے جو لوہے کی اینٹوں سے بنے ہیں اور پھر پگھلے ہوئے تانبہ سے ان کی درزیں ملائی گئی ہیں) ایک مستحکم دروازہ بنا کر بڑے مستحکم آہنی کواڑوں سے بند کر دیا ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۴ میں شہر صغانیاں کی مسافت یوں بیان کرتا ہے کہ یہاں سے شوبان تک دو دن کا رستہ ہے پھر اندیاں تک ایک روز کا پھر واشجرو تک ایک روز کا اور وہاں سے ایلاق ایک روز کا اور وہاں سے دربند ایک روز اور یہاں سے جاؤ گاں ایک روز کا انتہی غالباً دربند ایک دوسری عمارت ہے جو آذربائیجان کی طرف موجود ہے۔ کتاب المسالک والممالک تالیف ابی القاسم بن حوقل کے صفحہ ۳۹۹ میں ترمذ اور بخارا کی مسافت یوں بیان کی ہے کہ ترمذ سے قراجون ایک مرحلہ اور وہاں سے میاں کال ایک مرحلہ اور وہاں سے مائیرغ ایک مرحلہ اور وہاں سے نسف ایک مرحلہ اور وہاں سے سونج ایک مرحلہ اور وہاں سے دید کی ایک مرحلہ اور وہاں سے کندک ایک مرحلہ وہاں سے باب الحدید ایک مرحلہ۔ اس کے علاوہ تاریخ تیموری میں تیمور بادشاہ کا اس باب الحدید تک ایک جنگ میں پہنچنا مذکور ہے اور اس کے بعد اور سیاحوں نے بھی اس پہاڑ میں اس دربند کا معائنہ کیا ہے اور یہ بات نقشہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جبل الطی منگولیا اور منچوریا میں حائل ہے اور اس کا انہیں حدود میں ایک موڑ

معلوم ہوتا ہے اور اسی پہاڑ کے بیچ میں ایک درہ کشادہ تھا جس کو ذی القرنین نے بند کر دیا جواب تک موجود ہے اور ٹھیک یہی وہ سد ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے پھر اسی کتاب کا مصنف صفحہ ۳۶۷ میں شہر سمرقند کی بابت لکھتا ہے۔ ویزعم الناس ان تبعا بنی مدینتھا وان ذی القرنین تم بعض بنائھا ورایت علی بابھا الکبیر صحیفۃ من حدید وعلیھا کتابۃ زعم اھلھما انھا الحمیریۃ وانھم یتوارثون علم ذلک انتھی کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تبع نے شہر سمرقند کو آباد کیا اور اس کی بعض عمارات کو ذی القرنین نے تمام کیا اور میں نے اس کے بڑے دروازہ پر لوہے کی تختی دیکھی کہ جس پر کچھ لکھا ہوا ہے وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ حمیریہ خط میں ہے (جو شاہانِ حمیریہ والیانِ یمن کا خط تھا) اور یہ بات وہ اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آتے ہیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ذی القرنین حمیری بادشاہ تھا اور اس نے اس نواح میں عملداری بھی کی ہے اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جبل الطئی کا یہ درہ بھی بند کیا تھا کہ جس کو سدِ ذی القرنین کہتے ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کس لیے کہ شاہانِ یمن مصر پر بھی عملداری کر چکے ہیں جو گلہ بانوں کی عملداری کے نام سے مشہور ہے اور ان کے آثارِ قدیمہ جیسا کہ قصرِ غمد ان وغیرہ یمن میں یادگار تھے اور اب بھی ہیں جو ان کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے کہ مشرق وشمال میں بھی ان کے فتوحات ہوئے ہوں۔

دیوارِ سوم : تیسری دیوار یا ایک نہایت مستحکم بنا ہے جو غیر قوموں کے روکنے کے لیے ملک آذر بائیجان کے سرے پر بحیرہ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ مراصد الاطلاع کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے وباب الابواب فھو دربند، دربند شیرواں وباب الابواب مدینۃ علی البحر، بحر طبرستان وبحر الخزر رالخ وسمیت باب الابواب لانھا افواہ شعاب فی جبل القبق فیھا حصون کثیرۃ ولھا حائط بناہ انوشیروان بالصخر والرصاص وعلاھا ثلثمائۃ ذرائع وجعل علیہ ابوابا من حدید لان، الخزر کانت تغیر فی سلطان فارس حتی تبلغ ہمدان والموصل فبناہ یمنعھم الخروج منہ انتھیٰ باب الابواب دربند بحر خزر پر ایک شہر ہے اور اس کو باب الابواب اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں جبل قبق کی بہت سی گھاٹیاں ہیں جہاں بہت سے قلعے ہیں اور وہاں ایک دیوار ہے جو پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اور جس میں لوہے کے دروازے ہیں اور اس کو انوشیرواں نے اس لیے بنایا تھا کہ قومِ خزر اس کے ملک میں آ کر ہمدان اور موصل تک غارتگری کرتی تھی ان کے روکنے کے لیے اس کو بنایا تھا۔ کتاب البلدان کا مصنف ابن الفقۃ اس دیوار کا کئی جگہ ذکر کرتا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے، صفحہ ۲۸۸، دبنی الحائط بینہ وبین الخزر بالصخر والرصاص وعرضہ ثلثمائۃ ذراع حتی الحقہ بروس الجبال تم قادہ فی البحر وجعل علیہ ابواب حدید۔ پھر صفحہ ۲۹۸ میں کہتا ہے، الباب الابواب حائط بناہ انوشیرواں طرفا منہ فی البحر رالخ وسبعۃ فراسخ الی موضع اشب وجبل وعرلا تتھیا سلوکہ وھومنی بالحجارۃ المنقورۃ المربعۃ یثقل الحجر الواحد منھا خمسون رجلا وقد ثقبت ھذہ الحجارۃ والفقد بعضھا الی بعض بالمسامیر وجعل فی ھذہ السبعۃ الفراسخ سبعۃ مسالک الخ وغلق علی کل مسلک باب وعرض السور فی اعلاہ مایسیر علیہ عشرون فارسا لاتیزاحموں انتھیٰ کہ خزر کے روکنے کے لیے پتھر اور سیسے کی نوشیرواں نے ایک دیوار بنائی کہ جس کا عرض تین سو گز ہے جس کو پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچا دیا اور اس کا ایک سرا دریا میں ملا دیا۔ اس کی لمبائی سات فرسخ ہے، ہر ایک فرسخ پر ایک آہنی دروازہ لگا دیا ہے اور یہ دیوار گھڑے ہوئے مربع پتھروں سے بنی ہوئی ہے کہ سوراخ کر کے ایک پتھر کو دوسرے سے میخ کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک ایک پتھر ایسا بڑا ہے کہ پچاس آدمی بھی اس کو اکھیڑ نہیں سکتے اور اوپر جا کر اس کی اتنی چوڑان ہے کہ جس پر بلا مزاحمت بیس سوار چلے جائیں۔ اور ایک جگہ یہاں کے قلعوں کو قباد اکبر کی تعمیر بتایا ہے۔ یہ دیوار بھی اب تک قائم ہے اور بیضاوی وغیرہ بعض علماءِ اسلام نے اسی کو وہ دیوار بتلایا ہے کہ جس کا قرآنِ مجید میں ذکر آیا ہے۔

دیوارِ چہارم : دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں میں بمقام راست بنائی گئی ہے اس کی نسبت نزھۃ المشتاق میں یہ لکھا ہے والراست اقصیٰ خراسان من ذالک الوجہ وھی مدینۃ بین جبلین کان ھنامدخل للترک الی الغارۃ فاغلق الفضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک ھناک بابا۔ کہ یہ شہر

راست جو دو پہاڑوں کے درمیان میں ہے اس سمت سے خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک رستہ ہے جہاں سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے اس کو فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر بند کر دیا۔ یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کیونکہ یہ نزولِ قرآن کے بعد بنائی گئی ہے۔

دیوار پنجم : بحرِ شامی یا بحرِ روم کا مشرقی کنارہ جو شام سے ملا ہوا ہے اس میں چند جزائر ہیں ایشیاء کو چک سے ملتے ہوئے جن میں سے ایک جزیرہ روڈس ہے اور ایک جزیرہ پلونس ہے کہ جس کو ہزار میل کے دورے سے دریا گھیرے ہوئے ہے اس کا خشکی کی طرف ایک رستہ ہے چھ میل کے فاصلہ کا۔ اس کو کسی قیصرِ روم نے دیوار بنا کر بند کر دیا ہے۔ چنانچہ نزھۃ المشتاق میں لکھتا ہے، الجزء الرابع من الاقلیم الرابع تضمن قطعۃ من البحر الشامی فیھا اعداد جزائر من جزائر الرمانیۃ وجزیرۃ بلبونس جزیرۃ یحیط بھا البحر الف میل ولیس لھا منفذ الی البر الافم ضیق مقدارہ ستۃ امیال وقد کان احد القیاصرۃ من الروم بنی علیہ سورا طولہ ھذہ المسافۃ وھی ستۃ امیال انتھیٰ۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار اب بھی قائم ہے کہ نہیں مگر یہ بھی بالاتفاق وہ دیوار نہیں کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور نہ وہ دیوار مراد ہو سکتی ہے کہ جس کو بعض علماء نے ملک اندلس کے پہاڑوں میں بتلایا ہے۔ اب صرف اول و دوم و سوم دیوار میں کلام ہے۔ اخبار علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۷ جون ۱۸۹۰ء میں ہمارے کسی نامور معاصر نے ایک مضمون طبع کیا ہے جس کی سرخی یا عنوان ازالۃ الغین عن قصۃ ذی القرنین ہے، اس میں امام فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت کچھ لے دے کی ہے۔ اول تو ذی القرنین کی وجہ تسمیہ میں جو امام صاحب نے لوگوں کے چند اقوال نقل کئے تھے حالانکہ نہ ان کی صحت کا ذمہ کر لیا تھا نہ ان کو اپنا قول بتلایا تھا مگر معزز معاصر نے امام صاحب جیسے جلیل القدر شخص پر اعتراض جما کر شہرت حاصل کرنے کی غرض سے سب کو امام صاحب کی طرف منسوب کر کے قہقہہ اڑایا ہے۔ اس کے بعد امام صاحب نے ذی القرنین کے بارہ میں جو لوگوں کے قول نقل کئے ہیں کہ کسی نے سکندر بن فیلقوس مراد لیا ہے اور کسی نے کوئی حمیری بادشاہ بتلایا ہے وہاں بھی آپ سکندر رومی کا ذی القرنین قرار دینا امام صاحب ہی کا عقیدہ سمجھ گئے اور ابوریحان بیرونی کا جو امام صاحب نے قول نقل کیا تھا کہ وہ حمیری بادشاہ مراد لیتے ہیں، وہاں اس کی بھی تغلیط کر دی نہ جس پر کوئی دلیل لائے نہ برہان۔ پھر عموماً مفسرین پر عتاب فرمایا ہے اور ان کو غلطی میں پڑنے کا الزام دے کر از خود سد کے پتے سے ذی القرنین کی تعیین کرنی شروع کی ہے۔ پھر جب آپ نے ادھر ادھر دیکھا اور آپ کو بجز دیوارِ چین کے اور کسی دیوار کا پتا نہ لگا تو اسی کو وہ دیوار قرار دیا کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور جب تاریخ چین کو دیکھا تو اس دیوار کا بانی چی وانگٹی فغفور کو پایا اسی لیے اس کو ذی القرنین قرار دیا اور قرنین سے اس کے دو زمانے مراد لیے، ایک اسباب وسامان جمع کرنے کا دوسرا فتوحات کا اور اس کا مغربی سفر برہما اور ملایا تک پہنچنا اور غربی سمت میں خلیج بنگالہ میں آفتاب کو چشمہ سیاہ میں ڈوبتے پانا قرار دیا اور ایمان لانا جو قرآن مجید میں مذکور ہے (کہ ذی القرنین نے کہا تھا جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا اس کو اچھا بدلہ ملے گا) اس کے معنی فرمانبرداری کرنا بتلایا اور مشرقی سفر گاہِ چین کا مشرقی کنارہ مانا۔ یہ تو سب کچھ کیا مگر بین الصدفین کی کچھ توجیہ نہ بن سکی گو ساوئی کی توجیہ کر دی کہ سید ھا پن مراد ہے نہ کہ دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک بلند ہونا۔ کس لیے کہ قرآن مجید کی عبارت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیوار دو پہاڑوں کے درمیان تھی جو بیشتر پہاڑوں کی گھاٹیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ دیوارِ چین تو تخمیناً پندرہ سو میل تک ہے اور پہاڑوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور میدانوں میں اور دریاؤں پر بنتی چلی گئی ہے اور وہ دیوار تو صرف دو پہاڑوں کے درمیان بنی تھی جیسا کہ معلوم ہوا کاش ہمارا معاصر یوں کہتا کہ ذی القرنین نے سب سے اول دو پہاڑوں کے درمیان اس دیوار کو چن کر ایک در بند کر دیا تھا پھر فغفورِ چین نے اِدھر اُدھر سے دیوار کو اور بڑھا کر پندرہ سو میل لمبا کر دیا تھا تب تو ایک وجہ معقول ہو سکتی تھی اور یہ بھی سہی مگر اس پر بھی ایک تاریخی خدشہ باقی رہتا وہ یہ کہ اگلے زمانہ میں بسبب دشوار گزاری رستوں کے آس پاس کے ملکوں کا تو حال معلوم ہوتا رہتا تھا، دور دراز کے ملک جیسا کہ اہلِ عرب واہلِ شام سے چین

ہے، ہمیشہ حیز خفا اور پردہ لاعلمی میں رہتا تھا پھر یہود کو چی وانگٹی فغفور کا قصہ کس سبب سے معلوم ہوا اور جبکہ وہ باخدا اور موحد نہ تھا تو ذی القرنین یا اس کے ہم معنی لفظوں سے اس کا تذکرہ ان کی زبانوں پر جاری ہونے کی کیا وجہ؟ اس کے علاوہ قرآن مجید کے متعدد لفظوں سے ذی القرنین کا باخدا ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس کا یہ کہنا کہ جو ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا اس کو اچھا بدلہ ملے گا، اب عام ہے کہ یہ شخص نبی ہو یا اس کا پیرو مردِ باخدا جو اس کی شہرت کا قرنوں تک باعث ہوا۔ دوسری دیوار کی نسبت جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ یہی وہ دیوار ہے جس کا قرآنِ مجید میں ذکر ہے چنانچہ تفسیر کبیر اور دیگر تفاسیر میں موجود ہے اور اس کا بانی کوئی فغفور چین نہیں۔ اہلِ تاریخ سب متفق ہیں کہ یہ دیوار کسی حمیری بادشاہ نے بنائی تھی پس ثابت ہوا کہ ذی القرنین حمیری بادشاہ تھا۔ سکندر رومی جیسا کہ بعض اہلِ علم کا خیال ہے اس کے سوا ایک اور بھی وجہ ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذی القرنین عرب کا رہنے والا تھا وہ یہ کہ ذی القرنین عربی لفظ ہے اور ذو کے ساتھ زمانہ قدیم میں اکثر یمن کے بادشاہ ملقب ہوا کرتے تھے جیسا کہ ذی نواس، ذوالنون، ذورعین، ذویزن، ذوجدن اسی طرح ذوالقرنین بھی ہے۔ ابوریحان بیرونی اس کا نام ابوکرب بن عیر بن افریقس حمیری بتلاتے ہیں اور اپنی سند میں اسعد یمانی کے یہ اشعار لاتے ہیں۔

قد کان ذوالقرنین جد مسلما ملکاً علانی الارض غیر مفند

بلغ المشارق والمغارب یبتغی اسباب امر من حکیم مرشد

ابوالفداء اپنی تاریخ کی چوتھی فصل میں ابن سعید مغربی سے نقل کرتے ہیں کہ اول قحطان بن عابر ملک یمن میں آکر بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا یشحب کہ جس کو سباء کہتے ہیں اسی نے شہر سباء بنایا اور مآرب کی زمین میں ملک کو شاداب کرنے کے لیے پختہ بند بندھوایا اس کے بعد اس کا بیٹا حمیر بادشاہ ہوا، اس نے ثمود کو یمن سے نکال دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا وائل بادشاہ ہوا، ان کے بعد اس کا بیٹا السکسک پھر اس کا بیٹا یعفر، پھر حمیر کے خاندان میں سے ذوالراس عامر بادشاہ ہوگیا مگر یعفر کے بیٹے نعمان نے پھر غلبہ پایا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اشحج بادشاہ ہوا اور اس خاندان کی سلطنت اسی پر تمام ہوگئی اور شداد بن عاد بن الماطاطہ بن سبا بادشاہ ہوا جو بڑا جبار بادشاہ تھا اس کے بعد اس کا بھائی لقمان بن عاد اور اس کے بعد دوسرا بھائی ذوسدد بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا حارث الرائس بادشاہ ہوا۔ یہی تبع اول ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا صعب بادشاہ ہوا یہی ذوالقرنین ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہہ بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاغار اس کے بعد اس کا بھائی شرجیل اس کے بعد اس کا بیٹا الہداد بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی انتہی ملخصاً۔ قرن، عربی زبان میں سینگ کو بھی کہتے ہیں اور زمانہ کو بھی جس کا تثنیہ قرنین ہے ذوالقرنین کے معنی دوسینگ یا دوزمانہ والا قرآن مجید اور احادیث میں اس بادشاہ کو ذوالقرنین کہنے کی کوئی وجہ بیان نہیں ہوئی، البتہ علماء نے لفظوں کے معنی پر خیال کر کے متعدد وجہ بیان فرمائی ہیں اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ سب صحیح ہوں یا سب غلط منجملہ ان کے ایک ہے کہ اس کے تاج پر دونوں طرف کلغیاں لگی رہتی تھیں۔ عام بادشاہوں کے تاج پر ایک ہوتی ہے ان کے دو تھیں اس لیے اسی لقب سے شہرت پا گئے جو ان کی شہنشاہی اور فتوحاتِ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے یا یہ کہو کہ اس کو دو زمانے پیش آئے، ایک فتوحات کا دوسرا ان پر قابض و مسلط ہو کر حکمرانی کرنے کا۔ یہ بات بھی ہر بادشاہ کو نصیب نہیں ہوتی۔ سکندر فیلقوس نے فتوحات کے بعد کچھ زمانہ نہیں پایا، ہندوستان سے مراجعت کرتے وقت ۳۳ برس کی عمر میں بابل میں مرگیا۔

قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش نے خواہ از خود خواہ یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کا حال بطور امتحان کے دریافت کیا تھا جیسا کہ فرماتا ہے وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ اس کے جواب میں فرماتا ہے قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا کہ ہم اس کا تجھ سے کچھ حال بیان کرتے ہیں پھر اس کا حال بیان کرتا ہے انا مکنالہ فی الارض و آتیناہ من کل شیء سببا کہ اس کو ہر

ایک قسم کے اسباب اور قوت دی تھی فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا کہ اس نے سامان وسازِ سفر درست کر کے سفر کیا اور فتح کرتا ہوا وہاں تک پہنچا کہ جہاں آفتاب غروب کرتا ہے سواس کو ایک سیاہ یا گرم چشمہ میں ڈوبتے ہوئے پایا اور وہاں ایک قوم بھی اس کو ملی۔

مغرب الشمس کے یہ معنی نہیں کہ زمین پر کوئی آفتاب غروب ہونے کی جگہ ہے اور وہاں کوئی سیاہ دلدل یا گرم چشمہ ہے کہ جہاں آفتاب غروب ہوا کرتا ہے کس لیے کہ آفتاب چوتھے آسمان پر ہے اور زمین گول ہے، ہر وقت آفاق بعیدہ کے لحاظ سے اس کا طلوع وغروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اب دن ہے ان کے مقابلہ میں رات ہے کہیں اب نصف النہار ہے تو دوسری جگہ غروب کا وقت معلوم ہوتا ہے علی ہذا القیاس اور جو کسی نے یہ معنی سمجھے ہوں تو یہ اس کی غلطی ہے نہ کلام اللہ کی بلکہ یہ کلام محاورہ اور عرف عام کے دستور پر صادر ہوا ہے دیکھو ہمارے محاورہ میں نہایت دور دراز کے مشرقی اور مغربی ملکوں کے لحاظ سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ کی وہاں تک سلطنت ہے کہ جہاں سے آفتاب طلوع کرتا ہے اور جہاں غروب ہوتا ہے یعنی مشرق میں دور دراز تک کہ جہاں ان کے افق کا دائرہ سطحِ ارض کو مس کرتا ہے اور اسی طرح مغرب میں بہت دور دراز تک یہ معنی ہیں مغرب الشمس اور مطلع الشمس کے اور امام رازی وغیرہ محققین نے یہ مراد لیا ہے اپنی تفاسیر میں پھر ذوالقرنین جب مغرب کے رخ بہت دور تک پہنچا کہ جہاں بجز سمندر کے اور کوئی آبادی نہ تھی تو آفتاب ان کو اس میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا اور سب کو یوں ہی معلوم ہوا کرتا ہے جنہوں نے جہاز پر سفر کیا ہے یا جن کے مغرب میں سمندر ہے وہ ہر روز اس بات کا معائنہ کرتے ہیں۔

مغربی سفر: قرآن مجید نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ مغرب میں کہاں تک پہنچے تھے اور وہاں ان کو کون قوم ملی تھی؟ اب اس کی تعیین وتحقیق جو کچھ ہوگی تاریخ سے ہوگی، عرب کے تمام غربی کنارہ کو بلکہ تمام جنوب اور قدرے شمال کو بحرِ عرب اور قلزم احاطہ کئے ہوئے ہے اگر یہ مراد نہ لیا جائے کیونکہ یہ ان سے بہت کچھ دور نہیں تو قلزم کو عبور کر کے ملک مصر اور بربر کو طے کرتے ہوئے بحر اعظم تک پہنچنا مراد لیا جائے گا اور وہیں وہ قوم ملی تھی جس کی بابت خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام یا کسی نبی کی معرفت ذوالقرنین سے یہ فرمایا تھا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا کہ تجھ کو ان کے بارے میں اختیار ہے خواہ سلوک کر خواہ ان کو سزا دے جس کے جواب میں ذوالقرنین نے عرض کیا قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ اِۨلْحُسْنٰی وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا، کہ ظالموں کو ہم سزا دیں گے اور وہ اپنے رب کے ہاں جا کر بھی سزا پائیں گے اور ایمانداروں، نیک بختوں کو خدا کے ہاں بھی اچھا بدلہ ملے گا اور ہم بھی اس کو آسان بات کہیں گے یعنی اس پر رعایت ومروت کریں گے ثم اتبع سببًا۔

دوسرا سفر: پھر ساز وسامان مہیا کیا یہ ان کا دوسرا سفر مشرقی ہے ہر سفر پر خدا تعالیٰ ثم اتبع سببًا کا اطلاق کرتا ہے حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا کہ مشرق میں وہاں تک پہنچے کہ جہاں سے آفتاب طلوع کرتا ہے اور وہاں اس کو ایک ایسی قوم ملی کہ جن پر آفتاب کے لیے کوئی آڑ نہ تھی۔ مَطْلِعَ الشَّمْسِ کے وہی معنی ہیں جو مغرب الشمس کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں بھی قرآنِ مجید میں کچھ بیان نہیں کہ مشرق میں کس ملک تک ذوالقرنین پہنچا تھا؟ غالبًا چین کا اخیر ہوگا کہ جہاں سمندر کے سوا اور کوئی چیز آفتاب کے لیے حائل نہیں یا ہندوستان کا اخیر مراد ہوگا، بحر چین تک کہ آفتاب سمندر سے طلوع کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور کوئی پہاڑ یا ملک درمیان میں حائل نہیں، اس کے بعد اس بیان کی صداقت قائم کرنے کے لیے فرماتا ہے كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا کہ اس کا حال ہم کو خوب معلوم ہے اور صحیح بیان یوں ہی ہے۔

تیسرا سفر: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا پھر ساز وسامان سفر مہیا کیا یہ تیسرا سفر ہے اس کی کوئی سمت بیان نہیں کی غالبًا یہ شمالی ملک کا سفر ہے کس لیے کہ آبادی کا اکثر حصہ اسی طرف ہے جنوب میں بحر یا بعض جزائر ہیں۔ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ

قَوْلًا کہ فتح کرتے ہوئے دو پہاڑوں کے درہ تک پہنچا اوران کے پرلی طرف ایک ایسی قوم ملی کہ جو بات نہ سمجھ سکتے تھے ان کی زبان بالکل غیر تھی۔ یہ تاتار اور چینی تاتار کا پہاڑ ہے اسی کو جبل الطائی کہتے ہیں یہ پہاڑ تاتار اور چینی تاتار کے درمیان سے گزرا ہے اور منگولیا اور منچوریا کے درمیان حدِّ فاصل ہے پھر اس کی ایک شاخ مغرب کے رخ سینکڑوں کوسوں تک تاتار کو جنوبی وشمالی حصہ میں تقسیم کرتی ہوئی چلی گئی ہے اور ایک شاخ مشرق وشمال کو ہوتی ہوئی سائبیریا کو گھیرتی ہوئی بحرِ اعظم تک جا ملی ہے۔ چینی تاتار کے لوگ اس پہاڑ کے اس درہ میں گزر کر کہ جس کو ذوالقرنین نے بند کیا تھا، تاتاریوں کے ملک پر تاخت وتاراج کیا کرتے تھے، انہوں نے ذوالقرنین سے کہا اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا کہ یاجوج وماجوج چینی تاتار کے لوگ زمین میں آ کر فساد کیا کرتے ہیں، آپ اگر ہمارے اوران کے درمیان دیوار بنا دیں تو ہم آپ کے لیے اس پر خراج مقرر کر دیں، قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِيْهِ رَبِّیْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا، اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ۔ ط

ذوالقرنین نے کہا خدا کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے تم صرف مجھے مدد دو اور لوہے کے ٹکڑے لاؤ کہ تمہارے اوران کے درمیان دیوار بنا دوں۔ اب اس سے عام ہے کہ لوہے کے ٹکڑوں سے وہ دیوار چنی تھی یا پتھروں سے لوہے کی ان میں میخیں لگائی تھیں بہر طور دیوار چن کر دونوں پہاڑوں کے سرے تک لے گئے تو پھر اس کو آگ سے گرم کر کے اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا یا یوں کہو ان درزوں میں پلا کر سب کو ایک ذات کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا۔ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا۔ یہ درہ اس مضبوطی سے بند ہوا فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا کہ نہ بلندی کی وجہ سے اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں لوہے اور تانبے کے لگانے سے نقب لگا سکتے تھے۔ جب یہ دیوار تیار ہوئی تو ذوالقرنین نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے یہ کہا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ کہ یہ تم پر ایک انعامِ الٰہی ہے اس نعمت پر تم کو خدا تعالیٰ کا شکریہ کرنا چاہیے۔ یہ نعمت عرصہ دراز تک باقی رہے گی مگر فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۔ جب میرے رب کا وعدہ یعنی اس کے گرنے کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی۔ میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین نبی یا کوئی باخدا آدمی تھے جن کو بطور الہام کے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ایک وقتِ معین پر یہ دیوار ٹوٹے گی اس کا ذوالقرنین سے وعدہ خدا نے کر لیا تھا۔ اس وعدہ کا کوئی خاص وقت یہاں بیان نہیں ہوا کہ کب یہ دیوار ٹوٹے گی؟ علماءِ اسلام احادیث سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ یہ دیوار قریب قیامت کے ٹوٹ جائے گی اور یہ تاتار اور چینی قومیں کہ جن کو یاجوج وماجوج کہا ہے شام وغیرہ ملکوں پر حملہ آور ہوں گے اور آ کر ان ملکوں میں سخت فساد برپا کریں گے۔ پھر خدا تعالیٰ کی ایک بلاءِ آسمانی سے سب ہلاک ہو جائیں۔ احادیثِ صحیحہ میں یہ مضمون ہے اور نیز کتاب حزقیل علیہ السلام کی ۳۸، ۳۹ فصل میں لکھا ہے کہ یاجوج وماجوج شمال کی طرف بے شمار تعداد کے ساتھ حملہ آور ہوں گے (شام کے ملک پر) اور لوگوں کو مغلوب ومقتول کر کے یہ کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم نے ہلاک کر دیا اب آسمان والوں کو بھی زیر کرنا چاہیے اس لیے آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اور وہ تیر ان کے گمان کو صحیح کرنے کے لیے خون آلود ہو کر گریں گے، آخر خدا کی بھیجی ہوئی بلا سے یہ سب ہلاک ہوں گے کہ ان کی لاشوں سے زمین بھر جائے گی اور لوگ سات برس تک ان کے تیر وکمان کا ایندھن جلائیں گے۔ یہ پیشین گوئی اب تک ظاہر نہیں ہوئی بلاشک قربِ قیامت میں ظاہر ہو گی۔ گو خلیفہ واثق باللہ کے خواب کے موافق جو اس نے دیکھا تھا کہ دیوار ٹوٹ گئی ان تاتاریوں نے بسر کردگی چنگیز خاں وہلاکو خاں شام اور ایران وغیرہ ملکوں پر حملہ کیا اور لاکھوں آدمیوں کو تہ تیغ کیا اور ملک میں زلزلہ ڈال دیا، کسی کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہ رہی اور اسی وجہ سے بعض علماء نے اس واقعہ کو یاجوج وماجوج کا واقعہ کہا ہے مگر دراصل یہ اور واقعہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی[1] کے مطابق ہوا اور خروج

---

[1] ترمذی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا لاتقوم الساعۃ حتی تقاتلوا قوما نعالھم الشعر ولا تقوم الساعۃ تقاتلوا قوما کان ←

یاجوج وماجوج کا ایک اور واقعہ ہے جو ہوگا۔

اب ہم یاجوج و ماجوج پر بحث کرتے ہیں کہ وہ کون قوم ہے اور کیسی ہے؟ باتفاقِ محققین یہ دونوں عجمی نام ہیں، دو قوموں کے کہ جو یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے فَقِیْلَ اِنَّھُمَا من الترک وقیل یاجوج من الترک وماجوج من الجیل والدیلم کہ بعض کہتے ہیں یاجوج و ماجوج دونوں ترکوں کے قبیلہ ہیں، بعض کہتے ہیں یاجوج ترکوں میں سے ہیں اور ماجوج جیل اور دیلم سے۔ بیضاوی اور المسعودودیگر مفسرین ان کو یافث کی نسل سے کہتے ہیں، مطلب ایک ہی ہے کتاب المسالک والمما لک میں چین کا حال بیان کر کے لکھتا ہے یکون یاجوج و ماجوج ماوراءھم الی البحر المحیط کہ چین سے متصل بحرِ اعظم کے کنارہ کنارہ یاجوج ماجوج قوم ہے۔ جبل الطائے کے پرلی طرف منچوریا منگولیا، کوریا چین سے ملے ہوئے ہیں، دریا کی حد تک وہ ان سب کو یاجوج و ماجوج بتلاتا ہے۔ انہیں کے روکنے کے لیے فغفورِ چین نے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے دیوارِ چین بنائی تھی اور انہیں کے لیے ذوالقرنین نے اس درہ کو بند کر دیا تھا اور ایک جگہ لکھتا ہے و اما یاجوج فھم فی ناحیة الشمال اذاقطعت مابین الکیما کیة الخ اور اسی کے مطابق اور قدیم جغرافیہ والوں نے بھی بیان کیا ہے۔ جس سے منچوریا اور منگولیا کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دیو بھوت نہیں ہمارے جیسے آدمی ہیں، ہاں کسی زمانہ میں وحشی درندے، سفاک جاہل کافر ضرور تھے اور کچھ اب بھی ہیں، جغرافیہ جام جم میں جو انگریزی کتابوں کا ترجمہ ہے مرزا فرہاد نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اس تقدیر پر منگول و من جیوا جو چینی تاتار کے باشندے ہیں انہیں کو اگلے زمانہ میں یاجوج و ماجوج کہتے تھے اور یاجوج و ماجوج کے لفظ کو منگول و من جیوا کرلیا یا اس کے برعکس ہوا اور صدیوں کے بعد الفاظ میں اس قسم کے تغیرات ہوجاتے ہیں کہ جس کا اصل پہچاننا مشکل ہوجاتا ہے۔ انگریزی میں یعقوب کا جیکب اور اسکندر کا اسکنز اور یوسف کا جوزف بن گیا اور اسی طرح یونانی الفاظ کا عربی میں آ کر ایسا ہی حال ہوا اور زبانوں کے الفاظ کو قیاس کرلینا چاہیے۔ جب یہ مان لیا گیا کہ یہ یاجوج و ماجوج عربی نہیں بلکہ عجمی لفظ ہیں اب نہیں کہہ سکتے کہ کس ملک کے لفظ ہیں اور عربی میں آ کر ان میں کیا تغیر ہوا اور پہلے یہ اپنی اصلی زبان میں کیا تھے اور اب وہاں یہ کس طرح پر ہیں؟

توریت کتاب پیدائش کے دسویں باب میں یوں آیا ہے (۲) یافث کے بیٹے یہ ہیں جمر اور ماجوج اور مادی اور یونان اور توبل اور مسک اور تیراس اس یاجوج کی بابت ہمارا معزز معاصر لکھتا ہے کہ یہ ماکوک سے معرب ہوا جس کو عبرانی میں ماغوغ کہتے تھے اور آگے چل کر یہ ثابت کیا ہے کہ گاک میگاگ جس کا یاجوج ماجوج بنایا ہے ایک ہی قوم پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا ہو مگر اس کی دلیل بیان نہیں کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یاجوج ماجوج ابتداء میں کسی شخص کے نام تھے پھر ان کی اولاد پر مستعمل ہونے لگے۔ کتاب حزقیل کی ۳۸ باب میں یوں آیا ہے اور خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا، اے آدم زاد تو جوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے، اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر۔ یہاں جوج کو یاجوج کی سرزمین کا رہنے والا اور روش اور مسک اور توبال قوموں کا سردار کہا۔ بظاہر یاجوج اس ملک اور اس قوم کو کہا جو یاجوج بن یافث کی اولاد سے ہیں اور جو انہیں بلادِ شمالیہ میں رہتے تھے جن کو آج کل تاتار اور چینی تاتار و ترکستان کہتے ہیں اور انہیں کی نسل کے لوگوں سے یہ ملک آباد ہیں اور جوج یعنی یاجوج ان میں سے کسی خاص فرقے کا نام تھا جو روس و توبال اور مسک قوموں کا ان دنوں میں حاکم ہوگا۔

← وجوھھم المجان المطرقة اور پھر ترمذی کہتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اے مسلمانو! ایک ایسی قوم سے نہ لڑو گے کہ جن کی بالوں کی جوتیاں ہوں گی اور ایسی قوم سے نہ لڑو گے کہ جن کے چہرے ڈھالوں کے جیسے چوڑے چکلے ہوں گے یعنی قیامت سے پیشتر تم کو ایسی قوموں سے لڑنے کا اتفاق ضرور ہوگا اور اس قوم کے سے مراد اتراک اور تاتاری لوگ ہیں مگر بعض علماء کہتے ہیں وہی یاجوج و ماجوج ہیں جو چنگیز خاں اور اس کے بیٹے کے عہد میں خروج کر آئے تھے، والعلم عندہ ہو۔ منہ ۱۲

یہاں سے بعض صاحبوں کا یہ خیال کر لینا کہ جوج سے انگریز اور یاجوج سے روسی لوگ مراد ہیں محض غلط ہے، نہ اس کی کوئی سند ہے نہ اس کا کوئی عاقل قائل ہے۔

سوال: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج ہر روز اس دیوار کو توڑا اور ڈھایا کرتے ہیں، جب شام ہو جاتی تو کہتے ہیں کل ڈھائیں گے، ذرا سی رہ گئی مگر ان کے انشاء اللہ نہ کہنے سے پھر صبح کو خدا تعالیٰ اس دیوار کو ویسا ہی کر دیتا ہے، پھر جب اس کا وقت آئے گا تو انشاء اللہ کہیں گے، پھر اس کو توڑ کر باہر نکل آئیں گے اور لوگ ان سے بھاگ جائیں گے الخ۔ اس حدیث کو ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج وقتِ معہود سے پہلے ان ملکوں میں نہیں آسکتے اور جس قوم کو تم نے یاجوج و ماجوج بتلایا وہ ان ملکوں میں بار ہا حملہ کرنے آئے ہیں اور اب بھی وہاں کے لوگ آتے ہیں اور ان کے قریب چین کی عملداری ہے اور روس کی مملکت بھی ہے۔

جواب: قرآنِ مجید سے صرف اسی گھاٹے کا بند کرنا ثابت ہوتا ہے جس کو ذوالقرنین نے بند کیا تھا، نہ یہ کہ ان کے چاروں طرف کے رستے بند کر دیے تھے۔ پھر یہ ممکن ہے کہ اور دور دراز کے رستوں سے اس قوم کے لوگ ان ملکوں میں آتے جاتے ہوں گے مگر اس عہد میں بجز اس رستہ کے اور کوئی آسان رستہ ان کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔ خصوصاً ان لوگوں پر حملہ آوری کے لیے کہ جن کے کہنے سے ذوالقرنین نے دیوار چنی تھی اور جو لوگ یاجوج و ماجوج چنگیز خانیوں کو کہتے ہیں ان کے نزدیک دیوار ٹوٹنے کا وقت کئی سو برس آگے آچکا اور بہ نسبت اگلے زمانہ کے وہ بھی قیامت کے قریب ہے، قربِ قیامت سے مراد نفخِ صور سے متصل زمانہ نہیں اور ان کا اس دیوار پر نہ چڑھنا نہ نقب لگانا اس زمانہ تک تھا نہ ہمیشہ کے لیے یہ ہزاروں برس کا واقعہ ہے۔ صدیوں تک وہ دیوار ان کے خروج کو مانع رہی اب یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہی مانع رہے قرآن میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتا ہو۔ احادیث خبر آحاد ہیں جن کے ثبوت میں بھی یقین کامل نہیں۔ اہلِ کتاب کی کتابیں قابلِ احتجاج نہیں ہاں یہود میں یاجوج و ماجوج اور دیوار کی بابت عجائب افسانے مشہور تھے جن کو بعض خوش اعتقاد مسلمانوں نے بھی روایت کر دیا۔ چنانچہ معالم التنزیل میں وہب رضی اللہ عنہ وغیر ہما کے چند اقوال یاجوج و ماجوج کی نسبت منقول ہیں کہ وہ ایک کان بچھا کر ایک اوڑھ کر سوتے ہیں اور ان میں سے کسی کا قد سو گز سے زیادہ ہے اور ان کے درندوں کی طرح چکل اور کچلیاں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب وہی روایات ہیں جو اہلِ کتاب سے لے کر قرآن مجید سے چسپاں کی گئی ہیں۔

تیسری دیوار جو باب الابواب کے پاس ہے جس کا ہم بیان کر آئے ہیں بعض مفسروں نے اسی کو وہ دیوارِ ذی القرنین قرار دیا ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے جیسا کہ بیضاوی نے لکھا ہے وقیل بآذر بیجان الخ کہ بعض نے اس کو آذربیجان اور آرمینیہ کے پہاڑوں میں بتلایا ہے اور یہ بالاتفاق ہے کہ اس دیوار کا بنانے والا ایران کا کوئی بڑا جلیل القدر بادشاہ ہے پھر کوئی اس کا نام نوشیروان بتلاتا ہے کوئی قباد کہتا ہے اگر نوشیرواں ہے تو یہ اخیر نوشیرواں نہیں بلکہ پہلے بادشاہوں میں سے کوئی ہوگا کیخسر و کیقباد کہ جس کی سلطنت بھی مشرق و مغرب میں بہت دور تک پہنچی تھی اور اس نے بڑی بڑی مستحکم عمارتیں بھی بنائی تھیں جیسا کہ تاریخ شاہانِ ایران سے ظاہر ہے اس قول کے مطابق تو یہی بادشاہ ذوالقرنین قرار پاتا ہے اور اس کی سند بھی کتاب دانیال علیہ السلام کے آٹھویں باب سے ملتی ہے۔

اس کتاب کے ۸ باب میں لکھا ہے بیلشفر بادشاہ (بخت نصر کے بیٹے) کی سلطنت کے تیسرے سال میں مجھے ہاں مجھ دانی ایل کو ایک رؤیا نظر آئی بعد اس کے جو شروع میں مجھے نظر آئی تھی اور میں نے عالمِ رؤیا میں دیکھا اور جس وقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن[1]

---

[1] یہ شہر شوستر کا قدیم نام ہے یہ شہر اگلے زمانوں میں شاہانِ کیانیہ کا پایہ تخت رہ چکا ہے جو دارا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کے عہد میں تھا اور جس کے ہاں حضرت مامور ہو گئے تھے اور جن نے بابل شہر سے بخت نصر بادشاہ کلدانی کی سلطنت کا خاتمہ کیا تھا اسی شہر میں تھا۔ حضرت دانیال بخت نصر کی قید میں ←

کے قصر میں تھا جو صوبہ عیلام میں ہے پھر میں نے رؤیت کے عالم میں دیکھا کہ میں اولائی کے ندی کے کنارے پر ہوں تب میں نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ تھے اور دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم اتر دکھن طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا۔ وہ جو چاہتا تھا سو کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا اور میں اس سوچ میں تھا کہ دیکھا ایک بکرا پچھم کی طرف سے آ کے تمام روئے زمین پر ایسا پھرا کہ زمین کو بھی نہ چھوڑا اور اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے بیچوں بیچ ایک عجیب طرح کا سینگ تھا اور وہ اس سینگ والے مینڈھے پر بڑے زور سے دوڑ پڑا اور اس کو مارا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور اس کو زمین پر دے مارا اور لتھاڑ ڈالا اور کوئی اس کو نہ چھڑا سکا پھر وہ بکرا نہایت بڑا ہوا جب پر زور ہوا تو اس کا سینگ ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ اور چار سینگ نکلے۔ جب میں دانی ایل یہ خواب دیکھ چکا تو اس کی تعبیر کی فکر میں تھا۔ پھر میں نے اپنے سامنے کوئی شخص کھڑا دیکھا اور ایک آواز آئی کہ اے جبرئیل اس کو رؤیا کے معنی سمجھا دے۔ اس نے میرے پاس آ کر کہا اے آدم زاد سمجھ کیونکہ یہ رؤیت آخری زمانہ میں انجام ہوگی وہ مینڈھا کہ جس کے دو سینگ تھے وہ مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں اور وہ بکرا یونان کا بادشاہ اور اس کے چار سینگ سو یہ چار سلاطین ہیں جو اس قوم کے درمیان برپا ہوں گے انتہٰی ملخصاً۔ اس بنا پر ذوالقرنین فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہے، قباد وغیرہ جو دو سینگ والے سے یہود میں مشہور تھا جس کا ترجمہ عربی میں ذوالقرنین ہوا اور وہ بکرا ایک سینگ والا سکندر فیلقوس یونانی بادشاہ ہے جس نے اس دو سینگ والے مینڈھے یعنی ایران کے اس بادشاہ کو جو اس کے عہد میں تھا (دارا جو انہیں بادشاہوں کے ذیل میں باعتبارِ حشمت و وسعت و غلبہ کے دو سینگ والا مینڈھا تھا) لتاڑا اور اس کی سلطنت چھین لی اور پھر سکندر کے بعد اس کے چار سرداروں میں اس کا ملک تقسیم ہوا اور یہ چاروں ایک ایک حصہ ملک کے بادشاہ ہو گئے۔ دانیال علیہ السلام کے کئی سو برس بعد یہ واقعہ ہوا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کا یہ خواب کتابِ دانیال میں یہود کے ہاں ایک معما سا چلا آتا تھا جس کے معنی یا تعبیر وہی جانتے تھے اس لیے انہوں نے قریش کو بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے حال سے سوال کرنے کو کہا کہ وہ ذوالقرنین کو کوئی بادشاہ بتلاتے ہیں یا کوئی جانور دو سینگ والا؟ کیونکہ بظاہر لفظوں میں پورا ابہام ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بموجب وحیِ متلو اس کا ان آیات میں پورا حال بیان کر دیا اور اس کی دیوار بنانے اور قوم خزر کے روکنے کا تذکرہ بھی کیا جو یاجوج وماجوج کی قوم میں سے تھے اور شاہِ فارس کے ملک میں آ کر فتور برپا کیا کرتے تھے۔ اس خواب کے مطابق بھی سکندر رومی ذوالقرنین نہیں ہو سکتا، عوام میں جو سکندر ذوالقرنین مشہور ہو گیا ہے اس غلطی کا باعث بعض مؤرخوں کی لاعلمی اور پھر سکندر نامہ میں مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی ہے۔ بعض لوگوں نے ایرانی بادشاہوں میں سے ذوالقرنین فریدوں کو قرار دیا جیسا کہ تفسیر ابوالسعود و تاریخ ابوالفداء میں مذکور ہے مگر جمہور محققین کا اسی پر اتفاق ہے کہ ذوالقرنین تبع حمیری ہے اور وہ دیوار جو اس نے بنائی وہی ہے جو جبل الطای میں واقع ہے نہ دربند اور یاجوج وماجوج وہی تاتاری اور چینی تاتار کے لوگ ہیں کہ جن کے بزرگوں کے روکنے کے لیے ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی اور یہی قومیں اخیر زمانہ میں ملکوں میں یورش کریں گی یا کر چکیں۔ واللہ اعلم۔ یہ ہے ذوالقرنین کے قصہ کی تحقیق کہ جس میں توہماتِ باطلہ اور داستان گوئی کو کچھ بھی دخل نہیں اور جس پر حال کے جغرافیہ اور تاریخوں کے بموجب کوئی خدشہ نہیں پڑتا نہ کوئی شبہ باقی رہتا ہے اور جو محققین کے اقوال سے لی گئی محض اپنی رائے سے تاریخی واقعات میں زمین و آسمان کے قلابے نہیں ملائے گئے ہیں جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین کی عادت ہے۔ بایں ہمہ اگر ہماری اس تحقیق میں کوئی غلطی ہو تو مجھے اس پر کچھ بھی اصرار نہیں۔

← بابل پہنچے تھے پھر بخت نصر اور اس کے بیٹے کے درمیان میں آپ کو بڑی عزت دی گئی تھی انہیں کے روبرو بابل کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر شاہانِ ایران کا غلبہ ہوا اور انہیں کو دو سینگ کا مینڈھا آپ خواب میں دیکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ۭ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع

پھر کیا کافر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں ہی کو کارساز بنا بیٹھیں گے ہم نے بھی کافروں کے اترنے کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو کہ کہو تو تم کو میں بتاؤں کہ کون لوگ اعمال کے لحاظ سے خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ جن کی دنیاوی کوششیں سب گئی گزری ہوئیں اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور اس کے سامنے جانے کا انکار کیا ان کی کمائی بھی اکارت ہوگئی۔ سو ہم قیامت کے دن ان کے (نیک) اعمال کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے یہ ہی جہنم ان کی سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھے میں اڑایا۔ البتہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ان کے لیے جنتِ فردوس ٹھہرنے کی جگہ ہے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ وہاں سے نہ ٹلیں گے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں تمام ہونے سے پہلے سمندر تمام ہو جائے اور گو اس کی مدد کو ہم ایسا ہی اور بھی دریا لائیں (اور) کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں یہی ہے کہ میری طرف یہی وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی توقع رکھے تو اس کو چاہیے کہ اچھے کام کئے چلا جائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

تفسیر : ذوالقرنین کے قصہ کے خاتمے پر فرمایا تھا کہ کافر قابلِ جہنم وہ ہیں کہ جن کی آنکھوں پر اور کانوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں نہ خدا تعالیٰ کو اس کے آیاتِ قدرت دیکھ کر یاد کرتے ہیں نہ حق بات سنتے ہیں۔ اب یہاں سے ان پردوں کا اثر بیان فرماتا ہے **فقال افحسب الذین الخ** کہ کیا ان کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مجھے چھوڑ کر میری مخلوق کو کارساز' حاجت روا بنانا ان کے لیے بس کرتا ہے حالانکہ یہ بڑی نادانی ہے اوّل تو یوں کہ مالک کے مقابلہ میں اس کے بندے اور مخلوق جنہیں حاجت روا سمجھ بیٹھے ہیں ان کے کام آئیں گے وہ کیا کام آسکتے

ہیں جبکہ وہ خود ہی ہمارے محتاج اور دست نگر ہیں۔ دوم بڑا کام آنا اس جہاں کے لیے ہوتا ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے سو انا اعتدنا جھنم للکافرین نزلا ہم نے وہاں ان کے لیے بجائے نجات کے جہنم تیار کر رکھا ہے یہ ان کی وہاں مہمانی اور ضیافت ہے۔ دنیا میں جو کچھ ان معبودوں کی عبادت میں کوششیں کی تھیں مال صرف کئے تھے اس طریقۂ باطل کو غالب کرنے کے لیے اہلِ حق سے لڑے تھے حق کے مٹانے میں مال و جان صرف کی تھی اور اس کو دنیا و آخرت کی فلاح سمجھے ہوئے تھے اور دراصل یہ زیاں کاری اور خسارۂ دارین تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میں تم کو بتلاؤں کہ کون زیاں کار اور خسارے میں ہیں؟ پھر آپ ہی بتلایا کہ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا الخ کہ جن کی سب کوششیں بیکار گئیں اس پر یہ غضب کہ وہ اس کو نیکوکاری سمجھے ہوئے تھے۔ یہ جہلِ مرکب مرضِ لادوا جس کا نتیجہ موتِ روحانی یعنی دارین کی خسارت ہے۔ انسان اگر برائی کو جانے تب بھی امید ہے کہ کبھی راہ راست پر آجائے گا۔ اس کے برعکس کوشش دنیا میں کارگر اور راست ہوئی ان کا حال بھی بیان فرماتا ہے بقولہ ان الذین آمنوا الخ کہ ان کو دارِ آخرت میں جنات الفردوس رہنے کو ملیں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے قُل لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ یہاں سے یہ بات بیان فرماتا ہے کہ قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے اس میں جو انسان کی سعادت و نحوست اس قدر مشرح بیان ہے کہ جس کو کوئی سمندروں کی سیاہی بنا کر بھی لکھے تو سمندر خشک ہو جائیں اور تمام نہ ہوں، بعض مفسرین کلمات ربی سے عام مراد لیتے ہیں ان کے شرائع اور عجائبِ قدرت جو ہر ہر مخلوق میں بے شمار ہیں ہر ایک مخلوق اس کی عجائبِ قدرت کا بے انتہا دفتر ہے اس عالمِ حسی کی مخلوق پھر عالمِ ملکوت اور پھر دارِ آخرت کے کیفیات پھر عالمِ لاہوت اور شیونِ باری تعالیٰ جن کے لکھنے کو ہزار سمندر بھی کافی نہیں کس لیے کہ وہ متناہی اور یہ غیر متناہی۔

ابحاث : (۱) عبادی سے مراد بعض کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعض کہتے ہیں ملائکہ، بعض کہتے ہیں شیاطین، بعض کہتے ہیں اصنام ان کو بھی باعتبار ان اشخاص کے کہ جن کی یہ فرضی صورتیں بنائی گئی ہیں عباد کہا جا ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں آیا ہے، عباد امثالکم۔ فقیر کہتا ہے عموم مراد ہے اس میں سب آگئے۔ (۲) نزل زجاج کہتے ہیں ماوی اور منزل کو نزل کہتے ہیں۔ اور جو کچھ مہمان کے لیے کہ جس کو عربی میں ضیف و تنزیل کہتے ہیں تیار کیا جاتا ہے یعنی مہمانی اس کو بھی نزل کہتے ہیں۔ (۳) بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا سے بعض کہتے ہیں رہبان کی طرف اشارہ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں اہلِ کتاب کی طرف مگر یہاں بھی عموم مراد لینا چاہیے یعنی ہر ایک قوم اور ہر ایک شخص جو پیغمبر علیہ السلام کے برخلاف طریقہ کو نجات کا سبب جان کر اس میں کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہندو گنگا کا اشنان اور گائے بیل کی پرستش اور بتوں کے آگے خودکشی و دیگر بے فائدہ مجاہدات کرتے ہیں اور اسی طرح دوسرے مذاہب کو سمجھنا چاہیے بلکہ اہلِ اسلام میں بھی جو لوگ کتاب و سنت کے برخلاف خانہ ساز باتوں کو دین اور نجات کا باعث سمجھ کر اس میں سعی کرتے ہیں مال و جان صرف کرتے ہیں بدعات میں ہزار ہا روپیہ اٹھاتے ہیں جیسا کہ محرم کی تعزیہ داری اور بے جا تعمیرات اور دیگر دستورات ان کو بھی اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُھُمۡ میں علی قدر مراتب شمار کرنا چاہیے۔ نفع کی امید میں کام کیا وہاں الٹا نقصان عائد ہوا۔ ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی، کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است۔ الٰہی ہماری چشمِ باطن بینا کر تا کہ ہم کو ہر چیز اس کی اصلی حالت پر نظر آئے، برے کو اچھا اور اچھے کو برا نہ سمجھیں، اس جہلِ مرکب کے ورطہ میں نہ پڑیں آمین۔ (۴) ولقائہ سے مراد خدا تعالیٰ کے سامنے ہونا' اس سے ملنا جو مرنے کے بعد یا قیامت میں ضرور ہوگا خواہ مجرمانہ حالت میں جیسا کہ قیدی اور مجرم بادشاہ کے سامنے حاضر کئے جاتے ہیں یا اکرام و اعزاز کی صورت میں۔ بہرطور اس سے ایک روز ملنا ضرور ہے جو اس کا منکر ہے خسارہ میں پڑا ہے۔ (۵) فَلَا نُقِیۡمُ لَھُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَزۡنًا یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ حقارت و ذلت میں ان کے اعمال ہوں گے، بولتے ہیں اس کا کچھ بھی وزن نہیں یعنی عزت نہیں کہ قیامت میں جو ترازوئے اعمال قائم ہونا دوسری آیت میں آیا ہے تو اس سے یہ مراد کہ ترازو اہلِ ایمان کے لیے قائم ہوگی ان کو ان کے اعمالِ حسنہ وسیئہ کی مقدار معلوم کرانے کے لیے نہ کفار کے لیے، پس دونوں آیتوں میں تعرض نہیں جس طرح کافروں

کے لیے جہنم مہمانی میں ملنا بیان ہوا تھا اسی طرح ان کے مقابلہ میں جو کوئی ایمان لائے اور اچھے کام کرے اس کی مہمانی میں جنات الفردوس کا ملنا بیان فرماتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں فردوس وسطِ جنت اور ان میں سے اعلیٰ کو کہتے ہیں فردوس کے معنی رومی زبان میں باغ کے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں حبشی زبان میں، ضحاک کہتے ہیں، گھن کے درختوں کو فردوس کہتے ہیں۔ اصل اس لفظ کی خواہ رومی ہو خواہ حبشی مگر یہ بوقتِ نزولِ قرآن عرب العربا کی زبان میں مستعمل تھا۔ جنت الفردوس کی تشریح احادیث میں بہت کچھ آئی ہے کہ یہ تمام جنتوں میں اعلیٰ ہے وغیرہ۔ اور کفار کو ان کے اعمالِ بد سے دائما جہنم میں محبوس رکھنا اور ایمانداروں، نیکو کاروں کو ہمیشہ جنت الفردوس رکھنا یہ اس کی ایک شان اور صفت ہے منجملہ ان صفات کے کہ جن کو سمندر کی سیاہی بنا کر جو کوئی لکھنا چاہے تو سمندر تمام ہو جائے اور وہ سب نہ لکھی جائیں۔ (۶) چونکہ اس سورہ میں اصحابِ کہف اور ذی القرنین اور موسیٰ اور خضر کا حال بیان ہوا ہے جس سے ان کی بزرگی اور خرقِ عادات معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا میں بزرگوں اور عباداللہ کو جو لوگوں نے خدائی میں شریک کیا ہے تو بیشتر ان کے خارقِ عادات کاموں کی وجہ سے تو اس لیے آپ کی امت کو تنبیہ کرنے کے لیے سورہ کا خاتمہ اس پر کیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ[1] کہ کہہ دو میں بھی تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں، خدا نہیں نہ خدائی کا شریک ہوں، مجھے یہ مؤکد حکم وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے کوئی دوسرا معبود نہیں۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ الخ پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی توقع رکھتا ہو کہ اپنے رب کے پاس جا کر حیاتِ جاودانی پاؤں تو اس کو یہ دو کام کرنے چاہییں، (۱) نیک کام کئے جائے اور نیک وہی کام ہیں جن کو نبی علیہ السلام نے نیک بتایا ہے اس میں مالی، بدنی، اخلاقی سب نیکیاں آ گئیں۔ (۲) لایشرک الخ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے حسنات کے یہی دو اصول ہیں توحید جس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اعمالِ صالحہ تمام صحفِ انبیاء کا یہی خلاصہ ہے جس پر سورہ کو تمام کیا ہے

فائدہ : لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ الخ میں صرف شرک ہی کی نفی نہیں بلکہ ریا کاری کی بھی کس لیے کہ ریاکار جب غیر کے دکھانے یا سنانے کو عبادت کرتا ہے تو گویا اس نے اس کی یا اس کے لیے عبادت کی ان کو بھی خدا کے ساتھ شریک کیا اس کو شرع میں شرکِ خفی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ
بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا
فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ
رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

[1] انما انا بشر مثلکم الخ محض الوہیت وعبودیت کو امتیاز کے لیے ہے یعنی پیغمبر علیہ السلام میں الوہیت کا کوئی بھی حصہ نہیں اس سے کمالاتِ نبوت کی نفی مراد نہیں پھر اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور انسانوں جیسا معمولی انسان خیال کرنا سخت نادانی ہے۔ ۱۲ منہ۔

عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

(یہ) ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس کے بندے زکریا پر ہوئی جبکہ اس نے اپنے رب کو خفیہ آواز سے پکارا۔ کہا اے میرے رب! (بدن کی) ہڈیاں ست ہوگئیں اور سر میں بڑھاپا چمکنے لگا اور تجھ سے مانگ کر اے رب! میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے اقارب سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنی طرف سے مجھے ایک وارث[2] عطا کر جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی اور اس کو اے رب پسندیدہ بنا (ہم نے کہا) اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشی سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی بھی نہیں پیدا کیا[3]۔ زکریا نے کہا اے رب میرے لیے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپا میں آ کر اینٹھ گیا[4] ہوں۔ کہا یوں ہی ہو[5] گا۔ تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ میرے نزدیک آسان بات ہے اور ہم نے اس سے پہلے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے کہا اے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین رات دن تک کلام نہ کر سکو گے بھلا چنگا ہو کر۔ پس زکریا حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارہ سے کہا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کیا[6] کرو (زبان سے بول نہ سکے)۔

ترکیب: ذکر مرفوع بانہ خبر مبتدء محذوف ای ہذا ثم الخبر مضاف الیٰ رحمت وھی الیٰ ربک۔ عبدہ منصوب بانہ مفعول رحمۃ وقیل مفعول لذکر اذ نادی ظرف زمان للرحمۃ اے رحمۃ اللہ ایاہ وقت ان ناداہ۔ قال رب الخ الجملۃ مفسرۃ لقولہ نادی والوھن الضعف یقال وھن یھن وہنا من باب وعد یعد ولا یعدی فی لغۃ۔ اشتعل الراس الاشتعال انتشار شعاع النار فشبہ بہ انتشار بیاض شعر الراس بجامع البیاض ثم اخرجہ مخرج الاستعارۃ بالکنایۃ بان حذف المشبہ بہ واداۃ التشبیہ شقیا ای خائبا من الاجابۃ۔ خفت بصیغۃ المتکلم وقری بکسر التاء وفاعلہ الموالی اے قلوا ماتو المراد بالموالی جمع المولیٰ ھنا الاقارب یرثنی ویرث بالرفع الفعلین علی انھما صفتان للولی وقری بالجزم علی انھما للد عاسمیا فعیل بمعنی المفعول قال اکثر المفسرین لم تسم احدا قبلہ یحییٰ وقال ابن عباس ومجاہد وجماعۃ معنا لم نجعل لہ نظیرا او لا مثلا من المساماۃ او السمو وقیل معناہ لم تلد

[1] عتیا مشتق ہے عتوی سے معناہ از حد درگذشتن و بہ پیری رسیدن۔ حقانی

[2] یعنی ایسا کوئی جانشین فرزند عطا کر کہ میرے بعد انتظام ملت و قوم کرے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد میرے اقارب جو اس مسند امامت پر بیٹھیں گے قوم و ملت کو برباد نہ کر دیں کس لیے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے آثار اچھے نہ دکھائی دیتے تھے۔

[3] بنی اسرائیل میں اس نام کا ان سے پہلے کوئی نہیں گزرا بعض مفسرین کہتے ہیں سمی بمعنی مثل ہے یعنی اس صفت کا کوئی نہیں گزرا گو ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ بنی اسرائیل میں بڑے بڑے بلند مرتبہ رسول ہو گزرے ہیں مگر ان میں ایک وصف خاص تھا اور ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است۔ یعنی بڑا لائق فرزند عطا کریں گے۔ ۱۲ منہ

[4] بڑھاپے میں انسان کی وہ حالت نہیں رہتی جو جوانی میں ہوتی ہے قد بھی کبڑا ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں بھی سکڑ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[5] بعض مفسرین کہتے ہیں زکریا کا قول ہے جو بشارت فرزند سن کر تعجب سے یہ پوچھا کہ کیا ایسا ہوگا۔ ۱۲ منہ

[6] ان کی زبان بند ہوگئی تھی اشارہ سے کہا کہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا تم خود حسب دستور صبح و شام اپنی نماز پڑھ لو۔ وہ نمازیں بنی اسرائیل میں زیادہ مؤکد تھیں اور ان کی نماز تسبیح و تقدیس تھی۔ ۱۲ منہ

عاقر مثلہ قبلہ۔ ۱۲ منہ

تفسیر : اس سورہ میں بھی چند بزرگوں کے تذکرے ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی رحمت وقدرت کا کامل اظہار ہوتا ہے اور مقصود ان تذکروں سے یہ ہے کہ خدا پرستوں پر ہمیشہ دنیا وآخرت میں اس کی مہربانی اور عنایت ہوا کرتی ہے وہ اپنے مخلصین کی ہر موقع پر دستگیری کیا کرتا ہے اسی پر توکل چاہیے۔ پہلا تذکرہ حضرت زکریا پیغمبر علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت شہر یروشلم کے باشندے بنی اسرائیل میں ہیکل یعنی بیت المقدس کے ایک کاہن یعنی امام تھے، منجملہ اور کاہنوں کے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یہود کی سلطنت قائم نہ رہی تھی۔ شاہانِ روم ان پر حکومت کرتے تھے اور ان کا ایک نائب یا گورنر یہاں رہا کرتا تھا جن کو ہیرودیس کہا کرتے تھے۔ یہ نام ان کا خاندانی نام تھا اور ہیرودیس یہود میں سے نہیں بلکہ غیر تھا۔ بیت المقدس کئی بربادیوں کے بعد حال میں ازسرِنو بطرزِ سابق تعمیر ہوا تھا اس میں متعدد کمرے اور کئی درجے تھے اور دو منزلہ مکانات بھی تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی الیسبات جو حضرت مریم کی خالہ تھیں بانجھ تھیں۔ زکریا علیہ السلام کو اولاد نہ ہونے سے بعد میں اقارب کا کھٹکا تھا کہ ان سے سرانجام ملت نہ ہو سکے گا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ڨ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

(جب یحییٰ پیدا ہو چکے تو ان کو کہا گیا) اے یحییٰ کتاب کو مضبوط ہو کر لو اور ہم نے لڑکپن ہی میں اس کو حکمت عطا کی اور اس کو اپنے ہاں سے رحم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ پرہیزگار اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے اور وہ سرکش نافرمان نہ تھے۔ اور اس پر سلام[۲] ہو جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ مریں گے اور جس روز کہ زندہ ہو کر اٹھیں گے اور کتاب میں مریم کا ذکر کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے کنارہ کر کے شرقی مکان میں جا بیٹھی پس لوگوں کی طرف سے بیچ میں ایک پردہ ڈال لیا۔ پھر اس کے پاس ہم نے اپنے فرشتے کو بھیجا، تب وہ اس کے روبرو پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ مریم نے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر

۱ توریت۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی اس کی ولادت اور موت اور بار دگر زندگی ہر حالت مبارک۔ ۱۲ منہ

تو پرہیز گار ہے۔ اس نے کہا میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ تم کو پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا میرے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ کہا یوں ہی ہوگا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے (اور اس طرح یوں پیدا کیا) تا کہ ہم لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی اور لوگوں کے لیے اپنی مہربانی[1] بنائیں اور یہ بات ٹھہر چکی تھی پس مریم کو (خود بخود) حمل رہ گیا اور وہ حمل کو لے کر کسی دور گوشہ میں رہنے لگی۔

ترکیب: وحنانا معطوف علی الحکم مشتق من الحنان مخففا الرحمۃ والرقۃ ومشددا من صفات اللہ عزوجل۔ وزکوۃ معطوف علی ماقبلہ والزکوۃ التطھیر والتزکیۃ والتنمیۃ ای جلعناہ مطھرۃ وقیل زکیناہ بحسن الثناء علیہ کتزکیۃ الشھود وقیل صدقۃ تصدقنا بھا علی ابویہ سلام علیہ قال ابن جریر معناہ امان علیہ من اللہ وقال ابن عطیۃ التحیۃ المتعارفۃ۔ مکانا شرقیا ای من جانب الشرق والنصب علی الظرفیۃ اومفعول بہ علی ان معنی انتبذت اتت مکانا ومن اجل ذالک اتخذت النصاری المشرق قبلۃ والبغی ہی الزانیۃ التی تبغی الرجال قال المبرد اصلہ بغوی علی فعول وقال ابن جنی فعیل ولما کان البغاء غالبا فی النساء دون الرجال اجری مجری حائض وحائل لنجعلہ متعلق بمحذوف ای خلقنا ورحمتہ معطوفۃ علی آیۃ وکان اسمہ محذوف ای خلقہ امرا مقیضا خبر کان۔۱۲

تفسیر: آخر ایک روز عین نماز میں دل بھر آیا۔ اللہ سے مناجات ودعا کی (ندا خفیا) کہ اے رب! میں کبھی تجھ سے سوال کر کے محروم نہیں رہا ہوں میں تجھ سے اب التجا کرتا ہوں کہ مجھے ایک پسندیدہ فرزند عطا کر کہ امانت میں میرا وارث ہو اور اسرائیل کی نسل کا بھی وارث ہو نبوت اور بزرگی اور برکت میں بھی جو اسرائیل سے وعدہ کی گئی تھی کہ تیری نسل میں برکت دوں گا۔ فرشتہ نے خدا کی طرف سے زکریا کو مژدہ دیا کہ تیری دعا قبول ہوئی تجھ کو ایک فرزند نیک ملے گا جس کا نام یحییٰ (یوحنا) ہوگا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی نہیں ہوا ہے۔ زکریا علیہ السلام کو مژدہ سن کر اپنی پیرانہ سالی اور بیوی کے بانجھ ہونے کا خیال کر کے تعجب ہوا۔ فرشتہ نے کہا کیا تعجب ہے خدا نے انسان کو معدوم سے موجود کر دیا بغیر اسباب کے پیدا کر سکتا ہے اور اسباب بھی پیدا کر سکتا۔ پھر جب زکریا علیہ السلام کا اطمینان ہو گیا تو فرشتہ سے اس کی علامت پوچھی۔ فرشتہ نے کہا جب وقت آئے گا تو خود بخود تین رات دن تک تیری زبان بند ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ زکریا کچھ بات نہ کر سکتے تھے۔ امامت کے روز لوگ حسب دستور منتظر تھے کہ زکریا علیہ السلام محراب یعنی اپنی خاص عبادت گاہ سے باہر آ کر نماز پڑھائیں ان کے دستور کے موافق پس باہر نکل کر لوگوں سے اشارہ کر کے کہا کہ تم بطور خود صبح وشام خدا کی حمد وثنا کرو۔ اس علامت کے چند عرصہ بعد یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ لڑکپن ہی میں وعظ وتلقین کیا کرتے تھے اور بچوں کی طرح کھیل کود میں کبھی مصروف نہیں ہوئے۔ تورات پر عمل کرنے کا ان کو حکم ہوا تھا اس بات کو خذ الکتاب بقوۃ سے تعبیر کیا یعنی مضبوطی سے کتاب یعنی توریت کو پکڑ کر اس پر عمل کر اور ممکن ہے کہ ان کو کوئی خاص صحیفہ عطا ہوا ہو جو مصائب میں گم ہو گیا اور آپ کو لڑکپن ہی میں حکم یعنی حکمت اور فہم ودانائی اور حنان یعنی نرم دلی اور محبت اور دل دردمند اور زکوۃ یعنی طہارت ظاہری وباطنی وعطا کی گئی تھی۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

[1] یعنی مریم کو بغیر باپ کے بچہ دینے میں اظہار قدرت کاملہ اور لوگوں پر رحمت مقصود تھی رحمت اس لیے کہ ماں ہی کا اثر مولود میں ظاہر ہو اور عورت کی ذات میں قدرت نے نرمی اور شفقت رکھی ہے حضرت موسیٰ کے جلال کے بعد جن کے عہد میں بنی اسرائیل پر سخت احکام فرض ہوئے ایک ایسا ہی رحم دل اور نرم نبی مبعوث کرنا عین حکمت تھا تا کہ بنی اسرائیل کو ان سخت احکام سے سبکدوش کرے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی پانی اور کھانے کا سامان خدا نے غیب سے پیدا کیا۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ[1] مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

پھر درد زہ کے مارے کھجور کے پیڑ کی طرف آئی۔ کہنے لگی اے کاش کبھی کی میں اس سے پہلے مرچکتی اور بھولی بسری ہوجاتی۔ پھر اس کے پائیں سے (فرشتے نے) آواز دی کہ غم نہ کر و تمہارے رب نے تمہارے پائیں میں ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ اور اپنی طرف کھجور کے پیڑ کو جھکاؤ تم پر پکی تازہ کھجوریں گر پڑیں گی سو تم کھاؤ اور پیو اور آنکھ ٹھنڈی کرو۔ پھر جو تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہہ دیجئو کہ میں نے رحمٰن کے لیے روزہ مانا ہے اب[2] میں آج کے دن کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔ پھر وہ عیسیٰ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم پاس لائیں۔ وہ کہنے لگے اے مریم البتہ تو تو ایک عجوبہ چیز لائی ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تو تیری ماں ہی بدکار تھی۔

ترکیب : فاجاء یقال جاء واجاء لغتان بمعنی واحد ای الجاہا واضطرہا المخاض مصدر وہو وجع الولادۃ عند الجمہور بفتح المیم وقری بکسر ہا من تحتہا بفتح المیم وکسرہا والضمیر المونث ابعتہ ای مریم وقیل ای النخلۃ ان لاتحزنی تفسیر للنداء سریا السرے النہر الصغیر والجدول لان الماء یسری فیہ والجمع سریان والسری الرئیس والجمع سراۃ وھز الھز التحریک یقال ھزہ فاھتز تساقط اصلہ تتساقط مجزوم بانہ جواب امر۔ ترین اصلہ ترائین مثل تسمعین فریا عجیبا نادر۔ ۱۲

تفسیر : یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے چند اوصاف حمیدہ بیان فرمائے تاکہ وعدۂ الٰہی کہ اس سے پہلے کوئی اس کا ہم نام یا مثل نہیں پیدا ہوا' صادق آئے اور وہ اوصاف یہ ہیں جوان کو لڑکپن ہی میں دیے گئے تھے۔ باحکمت تھے' نہایت مہربان' رقیق القلب تھے۔ ظاہر و باطن میں پاک اور بابرکت تھے' نہایت پرہیزگار خداترس تھے' ماں باپ کے فرمانبردار تھے' جبار وسرکش نہ تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے وسلام علیہ کہ ہمارا سلام یا سلامتی اور رحمت ہو ان پر پیدا ہونے اور مرنے اور مر کے جینے کے دن یعنی سخت اوقات میں۔ یہ ایک محاورہ جیسا ہماری زبان میں کہتے ہیں مرحبا ہے اس کے پیدا ہونے پر یا مبارک ہے اس کا پیدا ہونا۔ ان حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اس وقت کے ہیرودس نے ایک عورت کے کہنے سے ناحق قتل کیا۔ ان کا سر قلم ہو کر طشت میں لگا کر بادشاہ مذکور کے سامنے لایا گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وعظ و نصیحت کرتے پھرتے تھے۔

دوسرا تذکرہ حضرت مریم کا ہے۔ اس قصہ کی ابتداء یہاں نہیں بیان کی بلکہ ان آیات میں ہے اذقالت امرۃ عمران رب انی

[1] ہارون سے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے بھائی مراد نہیں کیونکہ مریم میں اور ان میں سینکڑوں برسوں کا فاصلہ ہے۔ یہ ان کی بہن نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے نام پر کوئی دوسرا ہارون تھا جو مریم کا رشتہ کا بھائی تھا جس کی نیک بختی بنی اسرائیل میں مشہور تھی یعنی تم ایسے شریف اور نیک خاندان کی ہو کر یہ کیا کر بیٹھیں اور اگر ہارون مراد ہوں تو اخت کے معنی بہن کے ہیں بلکہ ابن اخت اخ عرب میں نسبت کے۔ لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں ابن اللیل چاند کو ابن السبیل مسافر کو اخ العرب عربی کو کہتے ہیں یعنی تاروں والی چونکہ عہدۂ امانت حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں چلا آتا تھا اور حضرت مریم علیہا السلام بھی اس مقدس و معزز خاندان میں سے تھیں اس لیے ان کو اخت ہارون کہہ کر مولود سعید پر ملامت کی۔ حقانی ۱۲۔

[2] اس عہد میں روزہ میں بات نہ کرتے تھے۔

نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا بنی اسرائیل میں سے ایک شخص عمران نامی تھا (یہ عمران موسیٰ علیہ السلام کے والد نہیں بلکہ اور شخص تھے) اس کی بیوی حنہ بڑی نیک بیوی تھی جو حضرت زکریا علیہ السلام کی سالی تھی اس نے خدا تعالیٰ سے نذر مانی تھی کہ الٰہی یہ جو مجھے حمل رہا ہے اس سے لڑکا پیدا ہوگا تو میں تیری نذر کروں گی۔ یہود میں ایسی نذروں کا قدیم دستور تھا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے ذرا پیشتر سموئیل علیہ السلام کو بھی ان کی ماں نے خدا کے لیے نذر مانا تھا اور اسی لیے عبادت خانہ میں چڑھا گئیں لیکن عمران کی بیوی نے لڑکی جنی یعنی مریم جس پر ان کو افسوس ہوا کہ لڑکا ہوتا تو بیت المقدس کی خدمت کرتا کیونکہ جن کو خدا کے لیے نذر مانا کرتے تھے ان کو بیت المقدس میں لا کر چھوڑ جاتے تھے وہیں ان کی پرورش ہوتی تھی اور وہ عمر بھر وہیں خدمت کیا کرتے تھے لڑکی کیا کرے گی لیکن حضرت مریم علیہا السلام کو بھی ان کی ماں بیت المقدس میں چھوڑ گئیں۔ ان کے خالو زکریا علیہ السلام جو بیت المقدس کے امام تھے ان کی پرورش کے لیے مقرر ہوئے۔ زکریا علیہ السلام نے مریم کے لیے بیت المقدس کے مکانات میں سے ایک جدا مکان تجویز کر دیا اور یہی ان کے پاس کھانا پانی پہنچایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جو یہ ان کے پاس گئے تو ان کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے۔ تعجب سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے۔ مریم نے کہا اللہ نے بھیجے ہے۔ اس سے زکریا کو اور بھی امید ہوئی اور خدا تعالیٰ سے لڑکے کا سوال کیا جس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جن کا قصہ گزرا۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

۱ حضرت مریم علیہا السلام کا خود کلام نہ کرنا گود کے بچہ کی طرف اشارہ کرنا کہ یہ خود اپنا حال بیان کردے گا اپنی برأت کا اظہار مقصود تھا کس لیے کہ حرامی بچہ میں یہ کمال و کرامت کہاں کہ وہ کلام کرے اور کلام بھی ایسا پر معنی اور بلند مرتبہ کہ میں خدا کا بندہ ہوں خدا نہیں کیونکہ آنے والا حال خدا نے ان پر منکشف کر دیا تھا کہ میرے معتقدوں میں سے بہت لوگ مجھے ابن اللہ یا خدا کہیں گے اس میں ضمناً نصاریٰ پر تعریض بھی ہے کہ وہ تو اپنے کو خدا کا بندہ کہتے تھے تم ان کو ابن اللہ اور خدا کہتے ہو یہ کیا اتباع عیسیٰ ہے۔ دوم یہ کہ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا گو اس وقت نہ کتاب انجیل ملی تھی نہ نبوت مگر یقیناً ہونے والی چیز کو ہوئی سمجھنا اپنے وثوق کا اظہار ہے چنانچہ انہیں انجیل بھی ملی اور نبی بھی ہوئے۔ سوم یہ کہ گواہی یہود اب تم مجھ پر اور میری ماں پر لعنت کر رہے ہو مگر بجائے ان کے مجھے خدا نے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں کیوں نہ ہوں دنیا میں بھی اور آسمان پر جانے کے بعد بھی۔ چہارم جامۂ بشریت سے باہر نہیں ہوں مجھ پر بھی خدا کے احکام فرض ہیں اور میں ان کی بسر و چشم تعمیل کرنے والا ہوں اس لیے اپنی ماں کا تابعدار ہوں سرکش اور نافرمان نہیں جیسا کہ حرامی بچہ ہوتے ہیں اور میری ہر حالت پر خدا کی امان ہے پیدا ہونے، مرنے، زندہ ہونے میں اور مجھے خدا نے نماز اور خیرات کا مؤکد حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں۔ ۱۲ منہ

تب مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ کہنے لگے ہم گود کے بچے سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اور مجھے بابرکت کیا جہاں کہیں بھی میں ہوں اور مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی جب تک کہ میں زندہ ہوں اور ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا (بنایا) اور مجھے سرکش بدبخت نہیں کیا۔ اور مجھ پر خدا کی رحمت جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ بار دگر زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا (یہ ہے) سچی بات کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ کوئی کام کرنا ٹھہراتا ہے تو صرف اس کو کن کہتا ہے سو وہ ہو ہی جاتا ہے اور (یہ بھی کہا) بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہ سیدھا رستہ ہے پھر لوگ آپس میں جھگڑنے لگیں پس منکروں کے لیے بڑے دن کی پیشی سے خرابی ہے۔

تفسیر : آخر جب مریم جوان ہوگئیں تو ایک بار ان کو خوبصورت آدمی کی شکل میں خدا کا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) نظر آیا، مریم گھبرائیں اور کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔ فرشتہ نے کہا میں انسان نہیں خدا کا فرستادہ ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تجھ کو پاک فرزند دوں۔ مریم علیہا السلام نے کہا یہ کیونکر ہوگا میرا اب تک کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ میں حرام کار ہوں۔ فرشتہ نے کہا خدا یوں ہی اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کر سکتا ہے تب فرشتہ نے ان کے کرتے کے گریبان میں دم کر دیا یعنی پھونک دیا۔ اس کے بعد سے ان کو حمل معلوم ہونے لگا۔ مریم علیہا السلام لوگوں سے گوشہ اور کنارہ کے مکان میں جا رہیں (غالباً یوسف کے ساتھ وہاں سے بیت اللحم میں آرہی ہوں گی جو وہاں سے کئی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا جو آج کل شہر ہے یا اپنی خالہ کے گھر آرہی ہوں گی اور ان کی خالہ کو بھی حمل تھا چھ مہینے کا جس سے یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پس جب خاص جننے کا وقت آیا اور درد لگے تو ایک افتادہ مکان میں آئیں جہاں ایک کھجور کا درخت تھا اور پانی نہ تھا اور ولادت کے وقت ان چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے ادھر تنہائی ادھر درد ادھر ہر قسم کی بے سروسامانی نہ کھانا نہ پانی۔ ایسی حالت میں انسان کا مقتضائے طبعی ہے کہ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ کاش میں اس دن سے پیشتر مر چکتی اور نیست و نابود ہوگئی ہوتی کہ لوگ نام و نشان بھی بھول جاتے۔ ایسے سخت وقتوں میں خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دستگیری کیا کرتا ہے پس ان کے پائیں[1] سے فرشتے نے آواز دی کہ کچھ غم نہ کرو دیکھو تمہارے پاؤں کی طرف خدا نے چشمہ جاری کر دیا جس قدر پانی درکار ہو لو اور اس کھجور کے درخت کو ہلاؤ تر و تازہ کھجوریں اس میں سے جھڑیں گی اور جو کوئی شخص تمہیں کچھ کہے تو اشارہ سے کہہ دینا کہ میں کلام نہیں کر سکتی روزہ نذر مانا ہے۔[2]

پس پاک ہونے کے بعد ختنہ کے لیے شریعتِ موسوی کے موافق مریم عیسیٰ کو بیت المقدس میں لائیں فاتت بہ قومہا تحملہ یہاں ان پر لوگوں کا ہنگامہ ہوا اور طعن و تشنیع شروع ہوئی کہ تیرے ماں باپ ایسے نہ تھے تو یہ حرام کار کہاں سے پیدا ہوئے؟ سچ بتا یہ بچہ کس کا ہے؟ مریم نے حضرت مسیح کی طرف اشارہ کیا کہ خود اسی سے دریافت کرلو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم بچہ سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں۔ اتنے میں حضرت مسیح علیہ السلام گود میں سے آپ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں (سب سے پہلے یہ جملہ یوں کہا کہ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور عجائبِ معجزات دکھانے سے لوگ ان کو کہیں خدا کا بیٹا نہ سمجھ لیں جیسا کہ نصاریٰ سمجھ بیٹھے) مجھ کو کتاب دی ہے یعنی انجیل گو اس وقت تک نہ

---

[1] تحتہا کے معنی بعض نے یہ بیان کیے ہیں کہ مسیح نے ان کے نیچے سے آواز دی تھی مگر صحیح مطلب آیت کا یہ ہے کہ مریم جو بوقت ولادت لیٹی ہوئی تھیں ان کے پاؤں کی طرف سے کہ جس کو تحت یا نیچے کی جانب کہتے ہیں جس طرح سرہانے کو بائیں یا اوپر کی جانب کہتے ہیں فرشتے نے آواز دی۔ ۱۲ منہ۔

[2] اگر روزہ میں یہ نذر مانا ہو کہ کسی سے کلام نہ کروں گا اس عہد میں اس نذر کا پورا کرنا ضرور تھا اس لیے مریم نے یہ عذر کیا اور غرض یہ تھی کہ لوگوں کو آپ جواب دینا نہ پڑے خود لڑکا ہی جواب دے دے تاکہ اس کا اعجاز و کرامت معلوم ہو۔ ۱۲ منہ

ملی تھی بلکہ تیس برس کی عمر میں جبکہ نبی ہوئے اور اسی طرح نبوت بھی جب ہی ملی اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کی وصیت بھی اسی وقت ہوسکتی ہے لیکن یہ سب باتیں ہونے والی تھیں اور عالم غیب میں قرار پا چکی تھیں گو ظہور اس وقت تک نہ ہوا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم کرایا گیا تھا اس لیے ان سب باتوں کو بلفظِ ماضی اس طفولیت کے وقت میں بیان فرمایا۔ شیر خواری کی حالت میں اپنی ماں کی برأت کے لیے مسیح نے ایک ہی بار کلام کیا تھا پھر نہیں کیا بلکہ پھر اس وقت بولے جب اور لڑکے بولا کرتے ہیں جب لوگوں نے یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس لیے مریم علیہا السلام پر زنا کی سزا جو قتل تھی قائم نہ کی ورنہ سزا سے بری رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس بات کو یہود نے مخفی کر دیا تاکہ لوگ ان کے معتقد نہ ہوں اور حضرت زکریا علیہ السلام پاکدامن پر بہتان دھر دیا۔

تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا چچازاد بھائی ایک شخص یوسف نامی تھا جو حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو یہود اور ہیرودوس کے خوف سے مصر لے گیا تھا اور اس کے مرنے تک وہ وہیں رہے پھر ہیرودوس کے مرنے کے بعد[1] کر ناصرہ گاؤں میں رہے اسی لیے ان کے متبعین کو نصاریٰ کہتے ہیں اور پھر وعظ و پند میں مصروف ہوئے اور معجزات دکھانے شروع کیے۔ لوگ جوق جوق ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ آخر یہود کو حسد ہوا اس عہد کے حاکم کو بدگمان کر کے ان کو گرفتار کرایا کہ یہ قیصر سے باغی ہے، قید کر کے سولی دینے لے چلے مگر خدا نے ان کو زندہ و سالم اوپر اٹھا لیا اور ان کی شکل میں ایک کو انہیں میں سے کر دیا جس کو سولی دی گئی ان کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا انتقال ہوا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کے روبرو ہی ہیرودوس کے ہاتھ سے شہید ہو چکے تھے۔

حضرت عیسیٰ اور مریم علیہا السلام کے قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے ذلك عيسى بن مريم الخ کہ اصل حقیقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی یہ ہے۔ سچا واقعہ جس میں وہ جھگڑتے ہیں یہ ہے نہ وہ جو کہ یہود کہنے لگے کہ معاذ اللہ وہ زنا سے پیدا ہوئے تھے اور مکار و فریبی تھے نہ وہ جو کہ عیسائی کہنے لگے کہ وہ خدا کے بیٹے تھے خدا ان کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ یہود کا قول تو از حد بدیہی البطلان تھا ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی اس لیے عیسائیوں کے قول کو باطل کرتا ہے مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ الخ کہ خدا کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنا دے وہ اس سے پاک ہے اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون بیٹا ان کے لیے ہوتا ہے جن کو احتیاج ہے اور اس کے حکم میں تو ہر چیز ہے کن کہتے ہی ہو جاتی ہے اسی طرح بغیر سببِ ظاہری یعنی باپ کے بغیر عیسیٰ کو پیدا کر دیا خود عیسیٰ نے کہہ دیا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ کہ اللہ میرا اور تمہارا دونوں کا پالنے والا ہے اسی کی عبادت کرو سیدھا رستہ یہی ہے نہ یہ کہ مجھے خدا یا اس کا بیٹا سمجھو۔

ابحاث : (۱) زکریا علیہ السلام کا قصہ انجیل لوقا میں موجود ہے ہاں قرآن مجید میں تین روز تک اور انجیل مذکور میں ایک روز تک گونگا رہنا مذکور ہے اور مریم کے قصہ میں اس قدر تفاوت ہے کہ مریم کا ان کی والدہ کی طرف سے خدا کی نذر میں چڑھایا جانا اور زکریا علیہ السلام کی نگرانی میں پرورش پانا اور اسی طرح تولدِ مسیح علیہ السلام کے وقت خرمے کے درخت کا تروتازہ ہونا اور چشمہ جاری ہونا اور پھر شیر خوارگی میں مسیح علیہ السلام کا کلام کرنا ان کی اناجیلِ اربعہ میں موجود نہیں قرآن میں ہے البتہ ان کی اور اناجیل میں ہے جیسا کہ انجیلِ طفولیت وغیرہ اور اسی طرح رضاعت کے زمانہ میں یحییٰ کا کلام کرنا انجیل میں ہے قرآن مجید میں نہیں سو یہ کچھ اختلاف ایسا نہیں کہ جس سے ایک کو غلط ایک کو صحیح کہنے کی نوبت پہنچے خود چاروں انجیلوں میں اس قسم کی کمی زیادتیاں ہیں ایک میں ہے کہ مجوسی ستارہ کے اشارہ سے مسیح پاس آئے دوسری میں نہیں علیٰ ہذا القیاس۔ اور جو اختلاف ہے بھی تو اس میں قرآن مجید کا ہی عقلاً و نقلاً اعتبار ہونا چاہیے نہ ان کی کتبِ محرفہ کا۔

(۲) تمام اہلِ اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیہ السلام بغیر باپ کے محض قدرتِ کاملہ سے پیدا ہوئے تھے

---

[1] تخمیناً بارہ برس کی عمر میں مسیح علیہ السلام مصر سے واپس آئے۔ ۱۲ منہ۔

برخلاف یہود کے کہ وہ ان کو انسان کے نطفہ سے بطور عادت پیدا ہونا کہتے ہیں اور معاذ اللہ نا جائز تولد قرار دیتے ہیں مگر آج کل برائے نام مسلمانوں کا ایک گروہ جو اس زمانہ میں علوم حسیہ کی ترقی اور علوم روحانیہ کے مفقود ہو جانے اور حسن باطن اور نور قلبی کے مٹ جانے سے پیدا ہوا ہے وہ فریق قدم بہ قدم حکمائے یورپ کے چلتا اور قرآن واحادیث کو ان کے خیالات کے مطابق کرتا ہے۔ غلط تاویلات کے ذریعہ سے وہ بھی یہود کی طرح بطور عادت انسان کے نطفہ سے پیدا ہونا کہتا ہے کیونکہ خوارق عادت اموران کے نزدیک محال ہیں۔ اس بات کے امکان پر دلائل لانے کی یہاں گنجائش نہیں مقدمہ تفسیر میں بیان ہو چکے اب ہم قرآن مجید کے وہ الفاظ بتاتے ہیں جو اسی بات پر دلالت کرتے ہیں: اول ان آیات میں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا سے لے کر قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ تک صاف صاف کہہ رہا ہے کہ مریم کو فرشتہ کے کہنے سے کہ تجھ کو فرزند دینے آیا ہوں تعجب آیا اس لیے کہ نہ وہ حرام کار تھیں نہ کسی سے نکاح ہوا تھا اس پر فرشتہ کا یہ کہنا کہ تیرا رب یوں ہی کر سکتا ہے اور یہ اس پر کچھ مشکل بات نہیں تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تولد بغیر باپ کے ہوا ہے۔ دوم وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ بھی اسی کی تصریح کرتا ہے کس لیے کہ تولد مسیح اگر معمولی طور سے ہوتا پھر خواہ اس میں لوگوں کے لیے کتنے ہی برکات کیوں نہ ہوتے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تولد میں اس پر آیۃ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بجز آیات قرآنیہ کے اور چیزوں پر لفظ آیۃ کا اطلاق ہوا ہے تو انہیں پر ہوا ہے کہ جہاں کوئی بات اس کی قدرت کی بابت عادت واسباب ظاہری بغیر پائی گئی ہو جیسا کہ اصحاب کہف پر اور صالح علیہ السلام کے ناقہ پر وغیرہما۔ سوم اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الآیۃ میں اس امر کی صاف تصریح ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کے ساتھ مسیح علیہ السلام کو تشبیہ دینا اور اگر اس بات میں نہیں کہ جس طرح وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اسی طرح یہ بھی تو پھر اور کون سی خصوصیت آدم کے ساتھ مسیح کو ہے؟ اور نیز اس آیت کا نزول انہی کے دفع خیال کے لیے ہے جو مسیح کو بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اسی قصے میں اور کتنی ایک باتیں خارق عادت مذکور ہیں جیسا کہ کھجور خشک سے تر خرموں کا پیدا ہونا' پانی کا چشمہ نمودار ہونا' مسیح کا گود میں کلام کرنا' جس کی بابت یہود نے کہا تھا کہ ہم گود کے بچہ سے کیونکر بات کر سکتے ہیں؟ اور فرشتہ کا مجسم ہو کر مریم کو نظر آنا۔ پھر یہاں بھی شاید تاویل باطل کریں گے اسی طرح عیسائیوں کی اناجیل اربعہ میں بھی اس امر کی صاف تصریح ہے حالانکہ ماوّل صاحب اپنی کتاب تبیین[1] الکلام میں اناجیل مذکور کو غیر محرف اور کلام الٰہی مان چکے ہیں۔ انجیل متی کے اول باب میں ۱۸ درس سے لے کر آخر تک اس کی تصریح ہے جس کا ایک جملہ یہ ہے کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ پھر انجیل لوقا کے اول باب میں ۲۶ درس سے لے کر کئی جملوں تک قرآن مجید کے موافق مریم کو فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے۔ پھر نہیں معلوم کہ ماوّل صاحب کس سند سے انکار کرتے ہیں اور آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں؟

(۳) یااخت ھارون اخت کے حقیقی معنی بہن کے ہیں لیکن یہاں یہ مراد نہیں بلکہ کلام عرب میں اخ اور اخت اور ابن سے مواقع میں محض نسبت کے لیے آتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں یا اخا العرب یا اخا ہمدان ''اے واحدا منہم یعنی اے عرب والے اے قبیلہ ہمدان والے'' نہ یہ کہ اے عرب اور ہمدان کے بھائی اسی طرح مسافر کے لیے ابن السبیل اور چاند کے لیے ابن الیل آتا ہے وغیرہ چونکہ حضرت مریم ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لیے ان کو شرمندہ کرنے کے لیے ان کے جد اعلیٰ ہارون کی طرف منسوب کر کے کلام کیا کہ اے ایسے بزرگ کی اولاد تجھے ایسا کرنا تھا بعض کہتے ہیں کہ مریم کے حقیقی بھائی کا نام بھی ہارون تھا جو بڑے نیک مرد تھے۔ ایک پادری نے اخت کے حقیقی معنی سمجھ کر پھر ہارون اور مریم میں فاصلہ دراز خیال کر کے اعتراض جڑ دیا کہ قرآن میں غلطی ہے۔ فہم سلیم اسی کو کہتے ہیں۔

---

[1] تبیین الکلام مؤلفہ

اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۸﴾
وَ اَنۡذِرۡہُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ وَّ ہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۹﴾
اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَ مَنۡ عَلَیۡہَا وَ اِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾

جس روز کہ وہ ہمارے پاس حاضر ہوں گے اس دن تو کیا ہی سنتے دیکھتے ہوں گے لیکن ظالم آج تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کو حسرت کے دن سے ڈراؤ جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ ہیں کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور ان کے بھی جو اس پر ہیں اور سب ہمارے ہی پاس لوٹ کر لائے جائیں گے۔

ترکیب: اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ معناً دونوں تعجب کے صیغہ لفظاً امر کے صیغہ ہیں بمعنی ما اسمعھم و ما ابصرھم بھم موضع رفع میں ہے کقولک احسن بزید ای احسن زید لفظوں میں امر اور معنی خبر ہے ای حسن زید، ویمکن ان یقال انہ امر لکل احد بان تحسن بزید والباء زائدۃ۔ یوم ظرف والعامل فیہ اسمع و ابصر۔ اذا قضی یا یوم الحسرۃ سے بدل یا حسرت کا ظرف۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا فاختلف الاحزاب کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں تو میں مختلف ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہود کچھ کہتے ہیں، نصاریٰ کچھ اور پھر باہم نصاریٰ کے فرقوں میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے اور تھا جن کی نسبت فرماتا ہے فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡہَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ کہ منکروں کو بڑے دن کی حضوری اور اس کی شدت سے خرابی ہے بڑا دن قیامت کا دن ہے یعنی اس دن کا سامنا ہونا ہے اور اس دن میں بڑی مصیبت ہے ان کے اختلاف کا ثمرہ اس روز ظاہر ہو جائے گا۔

اسمع الخ میں یوم عظیم کی کچھ کیفیت بیان کی کہ جس روز یہ کافر ہمارے پاس آئیں گے اس روز ان کی بینائی اور شنوائی عجب ہو گی یعنی جس طرح آج اندھے اور بہرے ہیں نہ باطن کی آنکھوں سے حق دیکھتے ہیں نہ کسی سے سنتے ہیں اس روز یہ حال نہ ہو گا بلکہ خوب آنکھیں کھل جائیں گی، کان بھی کھل جائیں گے یہی مضمون سورہ ق میں بھی آیا ہے لَقَدۡ کُنۡتَ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا فَکَشَفۡنَا عَنۡکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان غافلوں کو حسرت کے دن سے مطلع کر دو تاکہ خوف کریں۔ پھر یوم الحسرت کی کچھ اور تشریح فرماتا ہے۔ اِذۡ قُضِیَ الامر و ھم فی غفلۃ وھم لایومنون کہ یکایک ان کے لیے عذاب کا حکم دیا جائے گا اور وہ دنیا میں غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بظاہر یوم الحسرت قیامت کا دن ہے کیونکہ جنھوں نے دنیا میں نیکی نہ کی ہو گی وہاں ان کی حسرت کا کیا ٹھکانا ہے مگر آیت کو عام رکھا جائے تو اور بھی تخویف پیدا ہوتی ہے یعنی حسرت کا دن عام ہے قیامت کے دن کو بھی شامل ہے اور موت کے دن کو بھی کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ایمان و حسنات سے بے خبر ہے ادھر یکایک اس کی موت کا حکم ہو جائے اس کا کام تمام ہو جائے اب اس کو ساتھ لے جانے کے لیے توشۂ آخرت حاصل کرنے کی مہلت کہاں پس اس دن سے زیادہ بھی اس کی حسرت کا دن اور کوئی کیا ہو گا؟ یہ مضمون بھی قرآن مجید کی متعدد آیات میں آیا ہے لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ اور احادیث میں بھی وارد ہے کہ انسان اپنی آرزوؤں کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ یکایک اجل آ جاتی ہے۔ حسرت و ارمان دنیا کی جگہ دل میں آخرت کے لیے کوتاہی کرنے کی حسرتیں ساتھ ہو جاتی ہیں۔

دنیا میں جو کچھ مال و زر زمین و باغات [۳۱] نے بڑی محنت سے حاصل کیے تھے وہ سب یہیں پڑے رہ گئے ان سب کا اللہ ہی وارث اور

اخیر مالک رہے گا اور سب ایک روز خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۴۱ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝۴۲ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ
مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝۴۴ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝۴۵ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ
يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝۴۶ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ
سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝۴۷ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۫ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝۴۸ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا
يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝۴۹
وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝۵۰

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو بے شک وہ ایک نبی صادق تھے جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ اس چیز[3] کی کیوں عبادت کرتے ہو کہ جو نہ سن سکتی ہے اور نہ دیکھ سکتی ہے اور جو نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہے۔ میرے باپ! بے شک مجھے وہ علم حاصل ہوا ہے جو آپ کو حاصل نہیں ہوا سو آپ میرے کہنے پر چلیے تاکہ میں آپ کو سیدھا رستہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت[4] نہ کرو کیونکہ شیطان تو خدا کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم پر خدا تعالیٰ کا عذاب نہ آپڑے پھر تم بھی شیطان[5] کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار ہی کر ڈالوں گا اور خیر سے میرے پاس سے جا دور ہو۔ ابراہیم نے کہا (بہتر) تو میرا آپ کو سلام ہے (پر) آپ کے لیے میں اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا ہی کروں گا کیونکہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اور میں نے تمہیں بھی چھوڑا اور تمہارے ان معبودوں کو بھی کہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو اور میں تو اپنے رب

ل ملیا زمانا طویلا قال الکسائی مومن الملاوۃ یقال ہجرۃ ملوۃ وملاوۃ وقال ابن جریر دھو المروی عن ابن عباس معناہ اعتزلنی سالم العرض لاتصبک بہ منی معرۃ عقوبۃ ۱۲ منہ۔

۲ حفیا قال الکسائی یقال ھی بی حفاوۃ وعقوۃ ای اعتنی ای دبالغ فی اکرامی وقد یجیٔ بمعنی المستقصی فی السوال ومنہ قولہ تعالیٰ کانک حفی عنھا۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی بت ۱۲

۴ یعنی اس کا کہنا نہ مان جو وہ بت پرستی کی ترغیب دل میں دلاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہی کو پکارا کروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔ پھر ابراہیم نے ان سے اور ان کے معبودوں سے کہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے کنارہ کیا۔ ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے اپنی رحمت سے بہت کچھ بخشا اور ان کے لیے ہم نے ذکر خیر کا آوازہ بلند کیا (کہ ابد تک لوگ ان کو عزت سے یاد کریں گے)

تفسیر......ابراہیم علیہ السلام کا قصہ : یہ تیسرا تذکرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہ ان کی اس وقت کی ثابت قدمی اور خدا پرستی مذکور ہے کہ جب ابتداءِ شباب میں انہوں نے بت پرستی کو حقیر جان کر اپنے باپ کو اس سے منع کیا اور آخر کار محض اللہ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا کہ جس کی محبت نے ابراہیم کو اس لیے خدا سے معافی مانگنے پر آمادہ کیا اور اس کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ بھی کر لیا پھر مہاجرت کے بعد خدا تعالیٰ نے اس کو اسحاق اور اسحاق کو یعقوب برگزیدہ پیغمبر فرزند عطا کیا۔ یہ نتیجہ ہے خدا کی فرمانبرداری کا۔

یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں لیکن ایسا اولوالعزم پوتا بھی دادا کا نام روشن کرنے والا گویا دادا کو فرزند ارجمند عطا کرنا ہے اس لیے وھبنالہ اسحٰق و یعقوب فرمایا اسحاق کے بعد اس کے لیے علاوہ اور صدہا چیزیں خدا نے یعقوب و اسحاق و ابراہیم علیہم السلام کو عطا کیں تھیں اور سب سے بڑھ کر لسان صدق علیا عطا کی یعنی ان کی ثناوصف لوگ ان کے پیچھے کرتے رہیں گے۔ لِسَانَ صِدْقٍ ثناءِ حسن ذکرِ جمیل۔ چونکہ یہ زبان سے پایا جاتا ہے اس لیے اس کو زبان سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ جو احسان ہاتھ سے کئے جاتے ہیں ان کو ید سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی جس کا اثر یہ ہے کہ آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام تخمیناً دوثلث سے زائد بنی آدم کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔ یہود عیسائی وغیرہم ان کو بڑائی سے یاد کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام پنج وقتہ نماز میں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ اپنے نبی خاتم المرسلین علیہ السلام کے ساتھ اللھم صلی علی محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراہیم و...... وعلیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید کہتے ہیں۔ آلِ ابراہیم میں اسحاق و اسمٰعیل و یعقوب علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں خدا تعالیٰ عرب کے مشرکوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ تم جو باپ دادا کی تقلید کر کے بت پرستی کرتے ہو ایسا نہ چاہیے کیونکہ ابراہیم کہ جس کو تم بھی بزرگ مانتے ہو انہوں نے باپ کا کہنا نہ مانا ان کی تقلید نہ کی اور نیز یہ بھی ہے کہ اگر باپ دادا کی تقلید کرنی ہے تو ابراہیم کی اور ان کی اولاد کی کیوں نہیں کرتے؟ ملیا مدۃ طویلۃ وقیل سالما ابراہیمؑ نے باپ کے لیے استغفار کا وعدہ کیا تھا اس کے موجب استغفار کیا مگر جب معلوم ہوا کہ اللہ کی مرضی نہیں پھر اس سے بری ہو گئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ

وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

السجدة

اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر (یاد) کرو کیوں وہ خاص بندے اور نبی صاحب کتاب تھے اور ہم نے اس کو کوہِ طور کے دائیں طرف سے پکارا اور راز داری کے لیے پاس بلایا اور اس کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا اور کتاب میں اسمٰعیل کا بھی ذکر (یاد) کرو کیونکہ وہ وعدہ کے سچے اور نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر (یاد) کرو بے شک وہ بڑے سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند جگہ بٹھایا۔ یہ ہیں وہ انبیاء کہ جن پر اللہ نے کرم کیا تھا آدم کی نسل سے اور ان کی نسل سے کہ جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل میں سے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے کہ جن کو ہم نے راہِ راست دکھائی اور برگزیدہ کیا تھا جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جایا کرتی تھیں تو سجدہ میں گر پڑا کرتے تھے اور روتے جاتے تھے پھر ان کے بعد وہ ناخلف پیدا ہوئے کہ جنہوں نے نمازیں غارت کردیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے پھر ان کی گمراہی بھی بہت جلد ان کے آگے آئے گی، مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے سو یہی وہ لوگ ہیں کہ جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا کوئی حق تلف نہ کیا جائے گا اور وہ باغ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا رحمٰن نے غائبانہ اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے بے شک اس کا وعدہ پیش آکر رہے گا وہ بہشت کہ جس میں کوئی خراب بات سننے میں نہ آئے گی مگر باہمی سلام کی آوازیں اور وہاں صبح و شام ان کے لیے کھانا تیار ملے گا یہ ہے وہ جنت کہ جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اس کو وارث کرتے ہیں جو پرہیزگار ہوتا ہے۔

تفسیر : یہ چوتھا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ خدا نے ان کو کوہِ طور کی جانب سے پکارا یعنی انني انا الله الخ کے ساتھ موسیٰ کو خطاب کر کے کلام کیا اور اس شرف کے بعد دوسرا شرف یہ بخشا کہ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی ان کی مدد کے لیے نبی بنایا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ یہ پانچواں تذکرہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے چونکہ یہ ایک مستقل رتبہ کے شخص تھے اس لیے ان کو ان کے باپ کے ذیل میں ذکر نہ کیا بلکہ جداگانہ۔ ان کا پہلا وصف یہ ہے کہ کان صادق الوعد وعدے کے بڑے سچے تھے۔ مروی ہے کہ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارا فلاں جگہ انتظار کروں گا وہ اتفاقاً ایک برس تک نہ آیا آپ وہیں کھڑے رہے تو یہ ان کے صادق الوعد ہونے کی ایک ادنیٰ بات۔ دوم كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا یعنی صرف نبوت ہی حاصل نہ تھی بلکہ صاحبِ شریعت بھی تھے اور اسی لیے کان یامر الخ اپنے اہل و عیال کو جس میں علما کے نزدیک ان کی امت بھی شامل ہے نماز روزہ کی تاکید کیا کرتے تھے کامل و مکمل تھے اور اسی لیے کان عند الخ اپنے خدا کے نزدیک پسندیدہ بھی تھے پس اے قومِ عرب تم کو اسمٰعیل کا اقتدا لازم

ہے جو تمہارا جدِ امجد تھا نہ اور بے ہودہ جاہل باپ دادا کا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع

(ملائکہ نے کہا) اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آیا کرتے۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ ہمارے سامنے اور ہمارے پیچھے اور اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اور ان چیزوں کا بھی جو ان کے بیچ میں ہیں۔ سو اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت کی تکلیف برداشت کیا کرو بھلا تمہارے علم میں اس جیسا کوئی اور بھی ہے۔

تفسیر: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اور یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے جو نوح علیہ السلام کے پر دادا تھے (نوح بن ملک بن متوسلح بن حنوک) یا اخنوخ ان کا نام اور ادریس لقب تھا بوجہ کثرتِ درسِ صحفِ آسمانی کے۔ وہ صدیق نبی تھے یعنی بہت برگزیدہ۔ اس لیے رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اس کے معنی بعض مفسرین کے نزدیک یہ ہیں کہ ان کو بلند مرتبہ کیا۔ وہ رفعتِ منزلت مراد لیتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آیا ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ایک گروہ کہتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو بلند مکان میں اٹھا لیا۔ اول تقدیر میں یوں کہا جائے گا کہ خدا نے ادریس علیہ السلام کا بلند مرتبہ کیا تیس صحیفے ان پر نازل کئے بہت سے علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں دوسری صورت پر بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو زندہ آسمان پر بلا لیا اور جنت میں داخل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف آسمانوں پر بلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام زندہ آسمانوں پر ہیں والعلم عند اللہ۔

توریت سفر پیدائش کے ۵ باب ۲۳ درس میں یہ ہے اور حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی (۲۴) اور حنوک خدا کے ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔ ان درسوں کی شرح میں علماءِ اہلِ کتاب کے بھی ایسے اقوال ہیں کہ جیسا اوپر بیان ہوا۔ ان سب بزرگواروں کا ذکرِ خیر کر کے فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کہ یہ انبیاء اور وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے کرم و فضل کیا تھا آدم اور ابراہیم اور نوح علیہ السلام کے ساتھ والے اور اسرائیل کی نسل اور دیگر لوگ کہ جن کو خدا نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا ان کا یہ حال تھا کہ اللہ کی آیتیں سن کر سجدہ میں روتے ہوئے گر پڑا کرتے تھے اور خدا کے نہایت فرمان بردار نیک کردار بندے تھے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ ان کو خدا جانتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو لوگ ان کی نسبت فسق و فحش کی باتیں منسوب کرتے ہیں جیسا کہ کتب یہود و نصاریٰ میں ہے وہ بھی غلطی پر ہیں ان کا یہ مرتبہ خدا کی اطاعت سے ہوا۔ پھر ان کے بعد نا خلف پیدا ہوئے جو نماز و عبادت چھوڑ کر خواہشِ نفسانی کے درپے ہو گئے بجز کھانے پینے جماع کرنے کے اور کوئی بات ان میں نہ رہی۔ انہوں نے طریق بگاڑ دیا سو وہ اپنے کئے کا برا نتیجہ دیکھیں گے اور جو توبہ کر گئے اور نیک ہو گئے وہ جنت میں رہیں گے جس کے یہ اوصاف ہیں کہ وہاں کوئی خراب بات' دل شکن رنج دہندہ ان کی یا ان کے اعزہ و احباء کی موت یا وہاں سے نکالے جانے کی یا کسی نعمت کے زوال ہونے کی خبر یا گالی گلوچ، بدکلامی، غیبت، بدگوئی سنائی نہ دے گی۔ سلام سلام کی آوازیں سنائی دیں گی۔ آپس کا تحیہ سلام یا فرشتوں کی طرف سے سلامتی کا مژدہ یعنی تعظیم و تکریم کے کلمات۔ دوم بلا محنت و مشقت ہمہ وقت بالخصوص صبح و شام ان کو تیار روزی ملے گی روحانی و جسمانی پھر یہ بہشت ہر ایک کا حصہ اور ورثہ نہیں بلکہ ہمارے بندوں میں سے صرف انہیں کا جو پرہیزگار ہیں در اصل وہی آدم کے حقیقی فرزند ہیں اور جنت آدم کو مل چکی

ہے یہی اپنے جد کا ورثہ پانے کے مستحق ہیں۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ یہاں سے ایک جداگانہ کلام شروع ہوتا ہے جس کے شانِ نزول میں بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے پاس جلدی جلدی کیوں نہیں آیا کرتے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی گویا خدا تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ جواب دیا کہ خود نہیں آتے بلکہ تمہارے رب کے حکم سے آیا کرتے ہیں۔ وہ مصلحتِ وقت سے خوب واقف ہے اس کو آگے اور پیچھے کا سب حال معلوم ہے یعنی ابتداء اور انتہا اور حال سب جانتا ہے وہ جب مصلحت جانتا ہے ہم کو بھیجتا ہے دیر کر آنے میں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ خدا تعالیٰ آپ کو بھول گیا کیونکہ وہ بھولنے والا نہیں وہ رب ہے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا اور رب وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے جس کو علم ہمہ وقت لازم ہے پس اے نبی! اس کی عبادت کرو اور ہمارے دیر کر آنے سے ملول نہ ہونا بلکہ اس کے لیے عبادت میں تکالیف برداشت کرتے رہو کیوں کہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہمنام بھی نہیں یعنی ایسا دوسرا نہیں جو اس بے قراری کو دفع کر سکے۔ جنت عالمِ قدس کے بعد یہ جملہ جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے بیان ہونا جو عالمِ قدس میں رہتے اور وہاں کی خبریں لایا کرتے ہیں ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

وَيَقُولُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور انسان (منکر) کہا کرتا ہے کیوں جی جب میں مرجاؤں گا تو کیا پھر کیا زندہ کر کے قبر سے باہر نکالا جاؤں گا۔ کیا وہ انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ پہلے بھی اس کو

ہم نے ہی پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں تھا (اے رسول!) ہمیں قسم ہے آپ کے رب کی کہ ہم ان کو اور ان کے شیطانوں کو جمع کر کے رہیں گے پھر ان کو جہنم کے کنارہ حاضر کریں گے۔ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے پھر ہر گروہ میں سے ہم ان کو گھسیٹ لائیں گے جو خدا سے بہت اکڑتے تھے۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہوگا کہ ان میں سے کون جہنم میں گرنے کے قابل ہے اور تم میں سے ایسا کوئی بھی نہ ہوگا جو اس پر سے ہو کر نہ گزرے۔ آپ کے رب نے اس کا پورا کرنا لازمی کر لیا ہے۔ پھر پرہیزگاروں کو تو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں پڑا اوندھا گرنے دیں گے اور جب ان کو ہماری کھی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کون سا فریق ہم میں اور تم میں سے مرتبہ میں بہتر اور مجلس[1] کے لحاظ سے عمدہ ہے حالانکہ ان سے پہلے ہم بہت سی ایسی جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ جو اسباب اور نمود میں ان سے کہیں بہتر تھے۔ کہہ دو جو کوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے سو خدا بھی اس کو (دنیا میں) ڈھیل ہی دیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے جب اس کو دیکھیں گے یا تو عذاب کو یا قیامت کو تب معلوم ہو جائے گا کہ کون برے درجہ میں ہے اور کس کی فوج کمزور ہے اور جو راست پر ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا جاتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر[2] ہیں۔

تفسیر : وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یہاں سے ان ناخلفوں کے عقائد بیان فرماتا ہے کہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے انسان سے کسی شخصِ خاص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموماً حشر کے منکر مراد ہیں وہ تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے؟ اس بات کو محال اور خدا کی قدرت سے باہر جانتے تھے اس لیے رسول کی تکذیب کرتے تھے اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ابن آدم یہ بات یاد نہیں کہ وہ کچھ بھی نہ تھا ہم نے اس کو موجود کر دیا پس جو نیستِ محض کو موجود کر دیتا ہے اس کے نزدیک دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ اس دلیل کے بعد قسم کھا کر وعدہ مستحکم کرتا ہے کہ ہم ان کو مرنے کے بعد ضرور جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی جو انہیں گمراہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان سب کو جہنم کے کنارہ پر حاضر کریں گے اور یہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے جس طرح غم وفکر میں بیٹھتے ہیں۔ پھر کفار کے ہر فریق میں سے متکبر و گمراہ کنندوں کو چھانٹ چھانٹ کر بہت خواری کے ساتھ جہنم میں داخل کریں گے (شیعة فعلة کفرقة دفیة الطائفة التی شاعت) وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا الی قوله جِثِيًّا بعض مفسرین کہتے ہیں کہ منکم سے مراد کفار ہیں ان کو اولاً غائب کے صیغوں سے یاد کیا تھا پھر حاضر کے صیغوں سے خطاب کیا کیونکہ اہلِ ایمان دوزخ میں وارد یعنی داخل نہ ہوں گے لقولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ وقولہ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا لیکن اکثر کہتے ہیں کہ مومن وکفار سب کے لیے خطاب عام ہے مگر اہلِ ایمان کا ورود اس میں داخل ہونا نہیں بلکہ اس کا ملاحظہ اور معائنہ کرنا اور اس کے پاس سے ہو کر گزر جانا ہے جیسا کہ جملہ ثم ننجی الذین اتقوا الخ دلالت کرتا ہے اور بہت سی روایت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اور یہ اس لیے کہ اہلِ ایمان جنت میں اس تکلیف کے مکان کو یاد کر کے زیادہ شکریہ ادا کریں اور تا کہ جنت کی لذت بھی ان کو خوب معلوم ہو کیونکہ راحت کا مزہ تکلیف کے مقابلہ میں معلوم ہوا کرتا ہے و اذا یتلی الخ حشر کے ان دلائل کے بعد مشرکینِ عرب یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ایسا بھی ہوا تو وہاں بھی ہم ہی اچھے رہیں گے جس طرح کہ یہاں مسلمانوں سے زیادہ ہم کو راحت وثروت ہے وہاں بھی ہوگی۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے و کم اھلکنا الخ کہ دنیا میں ان سے بھی زیادہ دولت مند قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دولتِ دنیا کچھ عند اللہ عزت کی بات نہیں پھر فرماتا ہے کہ دنیا میں ہمارا طریقِ خالقیت یہ ہے کہ گمراہوں کو جلدی نہیں پکڑتے بلکہ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ (یہ صیغہ امر وجوبِ تحقیق کے لیے بمعنی مضارع ہے) اس کو اور ترقی دیتے ہیں یہاں تک کہ یا تو دنیا میں یا قبر میں مصیبت دیکھ لیتے

---

[1] یعنی ہم تم سے بلحاظ اعوان وانصار کے بہتر ہیں ہماری مجلسیں اعزہ وانصار سے بھری رہتی ہیں تم ذلیل وبیکس ہو پھر آخرت میں کیا تم ہم سے بڑھ کر ہو گے اور یہ معنی بھی ہیں کہ ہمارے مکانات عمدہ اور مجلسیں شاندار ہماری ہیں یا تمہاری۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی وجاہت اور سامان جس پر کافروں کو ناز ہے کچھ بھی نہیں چندروزہ ہے ہاں نیک اعمال ہی تادیر باقی رہتے ہیں اور خدا کے پاس جزا اور بدلہ کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں نیکوں کو آخرت میں نیک بدلہ اور عمدہ مرتبہ اور بہتر مکان ملے گا جو سدا رہے گا۔ ۱۲ منہ

ہیں یا قیامت میں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ
اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ
مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً
لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ
ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا
تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾
وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ
الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔـا اِدًّا ﴿۸۹﴾
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا
لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾
فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

(ع ۵ ، وقف لازم ، وقف لازم ، ع ۶ ، النصف)

بھلا تم نے اس کو بھی دیکھا کہ جو ہماری آیتوں کا منکر ہو گیا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ سے اقرار لے رکھا ہے ہرگز نہیں! ہم لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ کہتا ہے اور اس کے لیے عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہو جائیں گے اور ہمارے پاس تنہا آئے گا اور مشرکوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے حامی و مددگار ہوں ہرگز نہیں! وہ تو بہت جلد ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ (اے نبی!) تم نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو ان پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو بہکاتے رہتے ہیں آپ ان کے لیے عذاب کی جلدی نہ کیجیے ہم خود ان کی مدت گن رہے ہیں۔ جس روز کہ ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے وہ سفارش کی قدرت نہ رکھیں گے مگر وہ شخص کہ جس نے رحمان کے پاس سے اجازت حاصل کی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے (کہہ دو) یہ تو تم

ایسی سخت بات گھڑ رہے ہو کہ جس سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اس بات پر کہ انہوں نے رحمان کے لیے بیٹا ثابت کیا اور رحمان کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنا دے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جو رحمان کا بندہ بن کر نہ آئے۔ اللہ نے ان کو شمار کر رکھا ہے اور ان کی گنتی گن رکھی ہے اور ہر ایک ان میں سے قیامت کے دن اس کے پاس تن تنہا آئے گا۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمان محبت[1] پیدا کرے گا۔ سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں اس لیے آسان کر دیا ہے کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو مژدہ سنا دیں اور جھگڑالو قوم کو خوف دلائیں اور ان سے پہلے ہم کتنے ایک قرن ہلاک کر چکے ہیں۔ بھلا ان میں سے کوئی بھی تمہیں دکھائی دیتا ہے یا کسی کی کچھ آواز بھی سنائی دیتی ہے۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ ان بزرگواروں کے بعد ناخلف پیدا ہوئے اب یہاں ایک ناخلف کی کیفیت بیان فرماتا ہے جس کو افرایت سے شروع کرتا ہے جس کی بابت بخاری، مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عاص بن وائل سہمی کے پاس تقاضے کے لیے گیا اس نے کہا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منکر ہو جائے تو تیرا قرضہ دے دوں میں نے کہا ہرگز نہ ہوگا یہاں تک کہ تو مر کر بھی جی اٹھے۔ اس نے کہا میں مر کر جب زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس مال و اسباب ہوگا وہاں تجھ کو دے دوں گا اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ جو یہ کہتا ہے کیا اس کو علمِ غیب ہے یا خدا سے اس نے عہد لے لیا ہے۔ سو یہ ہرگز نہیں۔ ہم اس کے گناہ لکھتے جاتے ہیں اور دنیا کا مال و اسباب چھوڑ کر تنہا ہمارے پاس حاضر ہوگا اور جس طرح یہاں اس کو مال پر مال دیا جاتا ہے اس کی ناشکری میں عذاب پر عذاب دیا جائے گا اور اس افزائشِ اولاد و مال کو بتوں اور غیر اللہ کی پرستش کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اس لیے آخرت کی بھلائی کی بھی ان سے امید رکھتے ہیں اور وہاں کی عزت کے ان سے جویاں ہیں۔ کلا یہ ان کا غلط خیال ہے جس طرح دنیا میں غیر خدا کوئی بھی عالم پر تصرف نہیں کر سکتا اسی طرح اس عالم میں عزتِ دنیا تو درکنار ان کے وہ فرضی معبود ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تمہیں نہیں جانتے بلکہ ان کے مخالف بن جائیں گے۔ یہ محض شیطانی خیالات ہیں جو ان مشرکوں کے دلوں میں شیطان ڈالتے ہیں اور ان کو بت پرستی کی طرف اکساتے رہتے ہیں۔ اس نمک حرامی کی سزا کا ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اے نبی! اس کی جلدی نہ کیجئے اور وہ جزاء وسزا کا اصلی وقت قیامت ہے۔ اب قیامت کا اجمالی حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ پرہیزگار جوق در جوق خدا کی طرف انعام و اکرام کے لیے بلائے جائیں گے اور خدا کے مجرم اس کے سوا دوسروں کو پوجنے والے اس کی حکم عدولی کرنے والے جوق در جوق جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور وہاں کوئی بھی کسی کے لیے سفارش کرنے میں لب کشائی نہ کر سکے گا مگر وہی کہ جس کے لیے خدا کے ہاں اقرار ہو چکا ہے حضرات انبیاءؑ اولیاءؒ صلحاء لیکن وہ بھی کس کے لیے صرف انہیں کے لیے جنہوں نے دنیا میں خداپرستی و ایمان کے سبب اپنے خدا کے پاس عہدِ مغفرت قائم کرا لیا ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سے اور دیگر ناخلفوں کا بیان فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ وغیرہ۔ فرماتا ہے یہ بڑی سخت بات ہے کہ جس سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے کیونکہ یہ اس کی شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بھی بیٹا بنائے۔ یہ اس کے تقدس اور وجوبِ وجود کے سراسر خلاف ہے کس لیے کہ آسمان و زمین کی سب مخلوق اس کے آگے غلاموں کی طرح دست بستہ ہے پھر اس کو بیٹا بنا کر اپنا پشت و پناہ بنانا فضول ہے۔ اس پر عتاب کرتا ہے کہ ہم نے ان سب کو شمار کر رکھا ہے مجرم ہماری نگاہوں میں ہیں۔ دربارِ قیامت میں ہر ایک تنِ تنہا حاضر ہوگا اولاد و مال اور ان کے معبود کوئی بھی ساتھ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ایمان و اعمالِ صالحہ کی خوبی بیان فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ ایمانداروں، نیکوکاروں میں خدا باہمی محبت پیدا کرے گا۔ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے محبت رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا کس لیے کہ جس کا مقصد خدائے واحد ہے برخلاف بت پرستوں بدکاروں کے کہ ان کے اغراض مخالف ہیں۔ اس لیے وہاں بھی

---

[1] وہ محبوبِ خلائق ہو جائیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔۱۲

ان میں محبت حقیقی نہ ہوگی۔ ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ خدا ان لوگوں سے محبت کرے گا اور مشرکوں کو بنظرِ قہر دیکھے گا اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کی محبت مخلوق کے دل میں ڈالے گا۔ اہلِ مکہ کہتے تھے کہ عربی میں کیوں قرآن اترا اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ان جھگڑالوں کو سمجھایا جائے اگر عربی زبان نہ ہوتی تو عرب کچھ بھی نہ سمجھتے۔ اس کے بعد ان کے غرورِ حشم پر تازیانہ مارتا ہے کہ ہم نے ان سے بھی بڑھ بڑھ کر قومیں غارت کر دی ہیں بھلا ان کا کوئی بھی نام ونشان باقی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾

(اے نبی!) ہم نے تم پر اس لیے قرآن نازل نہیں کیا کہ تم زحمت اٹھاؤ بلکہ وہ تو ایک نصیحت ہے اس کے لیے جو خدا سے ڈرتا ہے (اور یہ) اس کی طرف سے نازل ہوا ہے کہ جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ رحمٰن نے جو عرش پر جلوہ گر[۲] ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور جو کچھ کہ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ کہ تحت الثریٰ میں ہے (اور اے مخاطب!) اگر تو پکار کر بات کہے (تو کیا) وہ تو مخفی اور اس سے بھی مخفی بات جانتا ہے وہی اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کے سب نام اچھے ہیں۔

ترکیب: الا تذکرۃ استثناء منقطع ہے ای لکن انزلناہ للتذکرۃ وقیل ھو مصدر ای لکن ذکرنا بتذکرۃ۔ تنزیلا بدل من اللفظ بفعلہ الناصب لہ۔ العلی جمع علیا تانیثِ اعلیٰ۔ الرحمن بالجر بھی پڑھا ہے صفۃ لمن خلق فیکون علی العرش استویٰ خبر أمحذوفا ای ھو۔ وکذا ان رفع علی المدح

۱۔ الثریٰ التراب الندی قال لم یکن ندیا فھو تراب والمراد مرکز الارض فانہ تحت حقیقی من کل جھۃ وما قیل المراد بہ الثریٰ الذی تحت الصخرۃ التی علیھا ثور فانہ من الاسرائیلیات لا تلتفت الیہ الجہر رفع الصوت والسر خلافہ واما اخفی با اخطرہ ببالہ وقیل السر ما اخفی الانسان فی نفسہ والاخفی ما خفی علی ابن آدم۔ ۱۲ منہ

۲۔ استوی قال ثعلب والزجاج والفراء الاستواء الاقبال علی الشیء وقیل ھو کنایۃ عن العز والملک والسلطان واما الاستواء بمعنی استقر فلم یثبت والارجح استواء یلیق بہ فانہ من صفاتہ تعالیٰ وکیفیۃ مجہول۔ ۱۲ منہ

علی العرش استوی پر فرقہ آریہ وغیرہ بہت کچھ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے خدا کا مجسم اور متمکن ہونا ثابت ہے جو اس کے تقدس کے خلاف ہے مگر اس گروہ نے اور ان لوگوں نے کہ جن کی تقلید سے یہ اعتراض کیا ہے مفسرین کے اقوال پر نظر نہیں کی نہ علماء کی اس تحقیقات کو سنا جو اس مسئلہ کی بابت ہوئی ہے۔ قدما کہتے ہیں کہ اس لفظ پر ہمارا ایمان ہے اور استوی سے یہی استویٰ مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے نہ وہ جو کہ اس کے خلاف ہے۔ متاخرین یقین رکھتے ہیں کہ عرش سے مراد کوئی لکڑی یا سونے چاندی کا تخت نہیں کہ خدا اس پر بیٹھا ہو وہ اس سے قطعاً پاک ہے بلکہ یہ کنایہ ہے جس سے مراد تخت حکومت ہے استوی سے مراد اس پر اس کا متصرفانہ تسلط ہے۔ مخلوق کو پیدا کیا' آسمان وزمین سب کچھ بنایا' پھر ان پر حکومت وتصرف اور ان کی تدبیر وترتیب کی۔ عرش سے مراد ایک ایسا آسمان لیا جائے جو سب کے اوپر ہے اور سب کو محیط ہے جس نے عالم ناسوت کا احاطہ کر لیا ہے پھر اس کے اوپر عالم ملکوت وناسوت اور لاہوت بھی ہے جہاں ملائکۂ مقربین اور سب سے وراء الوریٰ ذات پاک ہے۔ اس بات کو شرع نے بطور کنایہ کے بادشاہوں کے تخت پر بیٹھنے اور حضوری میں ملائکہ کھڑے رہنے سے اور تخت کو آٹھ فرشتوں کے سر پر اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور ایسے باریک اسرار استعاروں اور کنایوں اور تشبیہوں سے بیان کئے جاتے ہیں پھر اس کو ظاہر پر محمول کر کے اعتراض کرنا معترض کے خود فہم کا قصور ہے اور سمجھا ہے تو اس کی بدنفسی ہے۔ ۱۲ منہ

دون الابتداء۔

تفسیر : ابن مردویہ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں ابتداءِ نزولِ قرآن کے وقت جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں کبھی اس پاؤں پر کبھی اس پاؤں پر کھڑے ہو کر اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ قدم مبارک ورم کر آتے تھے جس کو دیکھ کر کفارِ قریش کہتے تھے کہ اس پر قرآن کیا نازل ہوا زحمت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور یہ بھی منقول ہے کہ قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس قدر وعظ و پند فرماتے تھے کہ نفس کے سب آرام جاتے رہے تھے۔ اس پر کفار کے جھگڑے مزید برآں تھے۔ تب کفار کہنے لگے کہ قرآن کیا اترا یہ شخص مشقت و مصیبت میں پڑ گیا۔ طٰہٰ حروف مقطعات ہیں جن کی بحث مقدمہ تفسیر میں ہو چکی۔

فرماتا ہے کہ اے نبی! میں نے قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مصیبت میں پڑ جاؤ بلکہ خدا ترس لوگوں کے لیے نصیحت کرنے کے لیے اور یہ کسی ایسے ویسے کا نازل کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اس کا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس نے تخت حکومت پر بیٹھ کر تمام عالم کی تدبیر کی سب کا بندوبست وافی کر دیا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی چونکہ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمت کا مقتضٰی یہ بھی ہوا کہ اس نے اپنے بندوں کی اصلاحِ آخرت و تزکیۂ ارواح و نفوس کے لیے قرآن نازل کیا وہ ان کی تدبیر سے کیوں ساکت رہتا کیونکہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کی مخلوق اسی کی ملک ہے۔ سب پر اس کی نظرِ رحمت ہے ہر چیز کی حاجت روا کرتا ہے انسان کی حاجت معلمِ روحانی و صحیفۂ آسمانی کی طرف اشد تھی۔ الثرٰی زمین کے نیچے کے طبقہ کو کہتے ہیں۔

ان آیات میں جس طرح اس کی قدرت و ارادہ کا ثبوت ہے اسی طرح اس کی رحمت کا بھی کہ جس کی وجہ سے قرآن نازل ہوا مگر قدرت و ارادہ علم بغیر ممکن نہیں اس لیے صفت علم کے ثبوت کے لیے فرماتا ہے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ الخ فاعلم انہ غنی عن جہرک فانہ یعلم السر واخفی (بیضاوی) اگر تو دعا و ذکر پکار کر کرے تو اس کو اس کی حاجت نہیں کیونکہ اس کو پوشیدہ بات جو بہت آہستہ کہی جاتی ہے اور وہ جو اس سے بھی مخفی ہو یعنی دل کی بات سب معلوم ہے۔

اور جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ وہ تمام صفاتِ الوہیۃ کو جامع ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدائی خاص اسی کا حصہ ہے اس لیے فرمایا اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور چونکہ رحمٰن کے نام سے وہ چونکتے تھے تو فرمایا کہ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کہ اس کے سب نام نیک اور عمدہ ہیں رحمٰن کسی اور کا نام نہیں یہ بھی اسی کا نام ہے جو مقامِ رحمت پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

رکوع

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلْكَ

بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ﴿١٩﴾ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿٢٤﴾

اور کیا تمہیں موسیٰ کی بات بھی پہنچی؟ (معلوم ہوئی) جبکہ اس نے آگ دیکھی تو اپنی گھر والی سے کہا کہ ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہے۔شاید کہ میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی چنگاری لاؤں یا وہاں کسی راہبر کو پاؤں۔ پھر وہ جب ان کے پاس آئے تو آواز آئی کے اے موسیٰ! میں ہوں تمہارا رب بس تم اپنی جوتیاں اتار لو کیونکہ تم پاک وادی میں ہو جو طوٰی ہے اور ہم نے تم کو برگزیدہ کیا پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو۔ میں ہی تو اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔ بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ پھر یہ نہ ہو کہ جو شخص اس کا یقین نہیں کرتا اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے تم کو اس کی فکر سے باز رکھے پھر تم تباہ ہو جاؤ اور اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے کہا یہ میرا عصا ہے اس پر سہارا لگایا کرتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے واسطے پتے جھاڑا کرتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فائدے ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ! اس کو ڈال دو۔ پھر اس کو موسیٰ نے ڈال دیا تو جب ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو۔ ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر کئے دیتے ہیں اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں رکھ لو تو بغیر اس کے کہ اس میں کوئی عیب ہو ایک اور دوسری نشانی ہو کر چمکتا ہوا نکلے گا تا کہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے اور بھی کچھ دکھائیں۔ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

ترکیب: اذ ظرف ہے حدیث کا یا مفعول اذکر کا۔ ھدیً ای ھادیا یدلنی علی الطریق۔ نودی کا مفعول مالم یسم فاعلہ محذوف ای نُودِیَ یٰمُوْسٰی الخ بیان نداء طوٰی اسم علم للوادی وھو بدل منہ۔ لذکری متعلق ہے اقم سے لتجزی متعلق ہے آتیۃ سے سیرتھا منصوب بنزع الخافض ای حالتھا بیضاء حال ہے من غیر سوء متعلق ہے تخرج سے۔

تفسیر: قرآن کے نازل ہونے سے کفار سخت متعجب تھے اس لیے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زحمت کا سبب قرار دیتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہونے کے یہود و نصاریٰ اور ان کے اتباع کفار عرب بھی قائل تھے۔ اس لیے یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو ان کو کس طرح سے الہام ہوا۔ آگ لینے گئے تھے نبوت مل گئی۔ یہ اس کے فضل کی بات ہے پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے تمام عالم کو تاریکی کے پردوں سے نکالنے کے لیے قرآن نازل کیا تو کیا عجب ہے؟ یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کے بیان کرنے کا باعث۔ اذ رای نارًا الخ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب موسیٰ مدین سے اپنی بیوی کو لے کر مصر کو جا رہے تھے راستہ میں رات میں بیوی کو سردی معلوم ہوئی۔ موسیٰ کو دور سے ایک آگ کا شعلہ نظر آیا۔ یہ آگ لینے وہاں گئے اور یہ بھی سمجھے کہ ضرور یہاں کوئی آدمی ہوگا اس سے رستہ بھی ملے گا۔ مگر جب وہاں پہنچے تو ایک سبز درخت سے شعلہ نظر آیا جس کو دیکھ کر تعجب ہوا اور اصل وہ آگ نہ تھی نور الٰہی کی تجلی تھی۔ تب موسیٰ کو آواز دی گئی فرشتے نے آواز دی یا خدا تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوئی ہو جیسی ندا کہ اس کی ذات کے لائق ہو۔ تب خدا سے کلام اور الہام شروع ہوا۔ پھر آیات میں آخر تک اسی کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور خدا تعالیٰ سے باہم کلام ہوا۔ جوتیاں نکالنے کو فرمایا ادب کے لحاظ سے کیونکہ وہ مقام وادیِ

مقدس میں طوٰی ہے جو کوہِ طور کے پاس ہے۔ ثابت ہوا کہ مقاماتِ مقدسہ میں جوتیاں اتار لینا گو پاک ہوں ادب کی بات ہے۔ بعض کہتے ہیں جوتیوں میں ناپاکی تھی یا گدھے کے کچے چمڑے کی تھیں اس لیے اتارنے کو فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر خدا تعالیٰ نے یہ اصولِ دین تعلیم فرمائے۔ اول انی انا اللہ کہ میں ایک الٰہ ہوں میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ یہ توحید ہے اس لیے فاعبدنی کہ میری ہی عبادت کرنا یہ دوسری بات تھی عبادت عام ہے۔ ذکر ہو مراقبہ ہو دعا ہو حاجات میں پکارنا ہو مدد مانگنا ہو زکوٰۃ و خیرات ہو۔ یہ احکام شریعت انہیں میں احکامِ عشرہ بھی آ گئے جن کی بابت کوہِ طور پر تاکید ہوئی پھر اس میں سے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ بالخصوص مؤکد فرمایا۔ تیسری بات ان الساعة کہ قیامت ضرور قائم ہونے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں وقت اور سال مقرر نہیں کرتا تا کہ خدا پرستوں کو ہر وقت کھٹکا لگا رہے۔ شریعت و عبادت کے حکم کے بعد قیامت کی خبر دینا اس بات پر تنبیہ ہے کہ یہ عبث کام نہیں اس کے ثمرات نئی زندگانی میں جو جاودانی ہوگی ضرور ملیں گے۔ چوتھی بات فَلَا يَصُدَّنَّكَ اس پر قائم رہنا کسی جبار منکرِ نفس کے مرید کے اثر اور روک سے اس سے باز نہ آنا یہ استقامت اور ثباتِ قدمی ہے جو دین کے لیے ضروری ہے اور اس لیے بھی اس کی تاکید کی کہ انہیں ایک جبار دنیا پرست کے پاس پیغام لے کر جانا تھا۔ اس کے بعد اس کے پاس پہنچنے کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ فقال وما تلك الخ کہ تمہارے ہاتھ میں یہ کیا ہے خدا کو معلوم تھا مگر اس پر ایک معجزہ دینا تھا اس لیے پوچھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میرا عصا ہے جس سے یہ یہ کام لیتا ہوں بیکار لٹھ لیے نہیں پھرتا ہوں۔ حکم دیا کہ اس کو زمین پر ڈال دے، ڈالا تو سانپ بن کر پھن پھنانے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔ فرمایا مت ڈرو اس کو اٹھایا تو پھر وہی عصا تھا۔ یہ ایک معجزہ عطا ہوا پھر فرمایا اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالو تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے ان کو ان کی صداقت کے نشان میں عطا ہوئے۔ پہلے میں جبروتِ الٰہی کا اظہار تھا جو فرعون جیسے سرکش کے لیے ضروری بات تھی۔ دوسرے میں رہنمائی اور روشنی طریقہ کی طرف اشارہ تھا جو مقصودِ انبیاء علیہم السلام ہے اس کے بعد حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور یہ کہو اس لیے کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ

وقف لازم

عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾

عرض کیا کہ اے رب! میرا دل کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے کنبہ میں سے کسی کو وزیر بھی کر دے میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک کر تاکہ ہم تیری تقدیس بہت کیا کریں اور تجھ کو بہت یاد کیا کریں۔ تو ہی تو ہے جو ہم کو خوب دیکھ رہا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ! تیری درخواست منظور۔ اور ہم تو تم پر بار بار احسان کر چکے ہیں۔ جن کے تمہاری ماں کی طرف ہم نے جو کچھ الہام کرنے کا تھا الہام کیا تھا۔ وہ یہ کہ اس کو (موسیٰ کو) صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دے پھر دریا آپ اس کو کنارہ پر ڈال دے گا کہ اس کو میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا (فرعون)۔ اور اے موسیٰ تجھ پر ہم نے اپنی محبت ڈال دی تھی تاکہ جو دیکھے تجھ کو پیار کرے اور تاکہ میرے سامنے پرورش پائے جبکہ اے موسیٰ تمہاری بہن کہتی جا رہی تھی کہ میں تم کو ایسی انا بتاؤں جو اس کو اچھی طرح پرورش کرے۔ پس اس طور سے اے موسیٰ! ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائے اور اے موسیٰ! تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دلائی اور ہم نے تم کو بار بار آزمائش میں ڈالا۔ پھر تو تم برسوں مدین کے لوگوں میں رہے۔ پھر تم اے موسیٰ! مدت معین پر پھر آئے اور تم کو میں نے خاص اپنے لیے پسند کر لیا ہے تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔

تفسیر : جب موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر شرف نبوت پا چکے تھے تو یہ چار چیزیں طلب کیں۔ (۱) اشرح لی صدری الخ نبی کو عالم کی اصلاح کرنی پڑتی ہے، طرح طرح کی سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں، روحانی احکام کی تعلیم اور اخلاقِ حمیدہ کی ترغیب دینا اور اس کے تحمل کی آنکھوں میں حقارت پیدا کر دینا ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں ہوتی ہیں کہ جب خدا دل کو کھول دے۔ اس کے دل سے حجاباتِ ظلمانیہ جو اس کی بستگی کا باعث ہیں اٹھ جائیں اس کو شرحِ صدر کہتے ہیں ویسر لی اسی کی تشریح ہے۔ (۲) وَاحْلُلْ یہ ظاہری اصلاح کی دعا تھی جیسا کہ اول باطن سے متعلق تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لکنت تھی، بعض کہتے ہیں پیدائشی، بعض کہتے ہیں لڑکپن میں جبکہ کھیلتے ہوئے فرعون کو لکڑی مار بیٹھے یا اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی تو اس نے مارنے کا قصد کیا تھا۔ اس کی بیوی آسیہ نے سفارش کی کہ نادان بچہ ہے اس امتحان کے لیے آگ اور ایک طرف یاقوت رکھ دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ منہ میں ڈال لی جس سے زبان پر لکنت پیدا ہو گئی اور ممکن ہے کہ امراءِ شاہانِ جبار کے سامنے انسان کی زبان پر ہیبت میں آ کر گرہ لگ جایا کرتی ہے صاف صاف نہیں کہہ سکتا اس گرہ کھولنے کی دعا کی ہو۔ (۳) وَاجْعَلْ لِّيْ کہ ہارون کو میرا وزیر یعنی کارکن کر دے اشدد یہ اسی کی تشریح ہے۔ (۴) وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ اس کو نبی کر دے۔ ان باتوں کو خدا تعالیٰ نے منظور کر لیا اور فرمایا کہ ہم نے تجھ پر اے موسیٰ دوبارہ احسان کیا۔ ایک یہ اور ایک بار وہ جس کا بیان اذ اوحینا الخ سے لے کر وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ تک ہے۔ یہ احسانات موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور فرعون کے گھر میں پرورش پانے اور قبطی کو مار کر مدین جا کر برسوں رہنے کے متعلق ہیں جن کی تفسیر ہم تفسیر سورۂ بقرہ میں کر آئے ہیں۔ والقيت عليك محبةً مني اي كائنة مني قد اودعتها في القلوب بحيث لا يكاد يصبر عنك من راءك (بیضاوی) یعنی تجھ کو محبوب کر دیا فرعون بھی تجھ پر شیفتہ ہو گیا تھا منی القیت سے متعلق ہو گا تو یہ معنی ہوں گے کہ میں نے تجھ سے محبت کی ولتصنع علي عيني تربي ويحسن اليك وانا راعيك وراقيك اي تربي بحفظي والطعف علي علة مضمرة مثل ليتعطف عليك ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ قدر کے دو معنی ایک قدرت کے اے موسیٰ! ہماری قدرت سے تو اس جگہ آیا یعنی ہم تجھ کو یہاں کلام کرنے کے موقع میں لائے۔ دوم مقدارِ معین کے یعنی مدتِ معین کے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ
عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ
اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ
مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ
عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ
شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ
فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ
شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع

پس اس سے (جا کر نرمی) سے بات کرنا شاید وہ سمجھ جائے اور خدا سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کی کہ اے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے یا سرکشی کرنے لگے۔ فرمایا کہ ڈرو مت میں تو تمہارے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔ پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کی طرف سے پیغام لے کر آئے ہیں کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیجئے اور ان کو (کسی طرح کی) تکلیف نہ دو۔ البتہ ہم آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے اور سلامتی اس کے لیے ہے جو راہِ راست پر چلے۔ بے شک ہم کو حکم سنا دیا گیا ہے کہ عذاب اسی پر نازل ہوگا جو اللہ کے حکم کو جھٹلاوے اور منہ پھیر لے۔ فرعون نے کہا اے موسیٰ پھر تمہارا رب کون سا ہے۔ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے کہ جس نے ہر چیز کو اس کی صورتِ خاص عطا کی پھر رہنمائی[1] کی۔ فرعون نے کہا پھر پہلے قرن والوں کا کیا حال ہے۔ موسیٰ نے کہا ان کی خبر تو میرے رب کے پاس کتاب میں ہے نہ میرا رب بہکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش کر دیا اور اس میں تمہارے لیے رستے چلائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے ہر قسم کے مختلف نباتات پیدا کیے (اور اجازت دی) کہ کھاؤ اور اپنے چار پایوں کو بھی چراؤ۔ بے شک عقلمندوں کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

تفسیر: بعد تو آیا میں نے تجھ کو اپنے لیے منتخب کر لیا ہے اب تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ اور ہمارے آیات یعنی معجزات تمہاری شہادت کے لیے تمہارے ساتھ ہیں اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ ذکرِ الٰہی میں ایک بڑی قوت ہے جس سے ہیبت اور وقار پیدا ہوتا ہے گردن کشوں کی گردنیں سامنے جھک جاتی ہیں، دل میں قوت اور کام میں سہولت پیدا ہوتی ہے، روحانیت کا غلبہ رہتا ہے جس سے بڑے بڑے کام سرانجام پاتے ہیں۔ کلام تمام کر کے فرماتا ہے اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ کہ اے موسیٰ! تم اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اس سے نرمی سے بات کرنا کیونکہ عموماً نرمی نصیحت کے لیے ایسی ہے کہ جیسا جسم کے لیے روح۔ سختی سے

[1] ہر مخلوق کو ایک مناسب شکل دی ہے جو اس سے بہتر یا دوسرے خیال میں نہیں آ سکتی اور تکمیلِ پیدائش کر کے ہر ایک کو اس کے مناسب اغراض کی رہنمائی کی۔۱۲

دل پر اثر نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبار اور بھی بگڑ جاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی موسیٰ علیہ السلام نے از خود اپنے بھائی کی طرف سے بھی (کیونکہ اس وقت ان کے بھائی ہارون علیہ السلام مصر میں تھے) عذر کیا کہ اس میں ان کے ظلم و سرکشی کا خوف ہے۔ قال ربنا الخ خدا تعالیٰ نے ان کی تسلی کی لا تخافا الخ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں فاتیہ اس کے پاس جا کر فقولا یہ کہو انا رسول ربك الخ یہاں سے لے کر مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی تک اسی پیغام کی تقریر ہے۔ پھر قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا سے فرعون اور حضرت علیہ السلام کی گفتگو کا بیان ہے جو انہوں نے فرعون کے دربار میں کی تھی۔ اول فرعون نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ فرعون فرقہ صابیہ میں تھا جو ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اور اہل مصر کا بھی غالباً یہی مذہب تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے قائل تھے پھر جو وہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے رب سے متعلق سوال کرتا تھا غالباً اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ اپنی شوکت و دولت اور ان طلسمات کے زور پر جو اس عہد میں تھے رعیت پر رعب جمانے کے لیے اپنے آپ کو رب[1] کہتا تھا جیسا کہ قدیم زمانہ میں بعض بادشاہوں کا دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جس نے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب صورت پر پیدا کیا۔ انسان اور اس کے ہر عضو کو۔ خیال کیجیے جس موقع پر آنکھوں کا لگانا مناسب تھا وہاں آنکھیں لگائیں، کان کی جگہ کان، ہر چیز میں یہی کاریگری ملحوظ ہے اعطی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ کے یہی معنی ہیں اور اسی لیے اس کی جگہ خلق کل شیء نہ کہا پھر جسم کے اندر تو یہ صنعت کی ہی تھی لیکن ان کے مصالح دنیا و آخرت کے لیے ان کو قوائے ظاہرہ و باطنہ بھی دیے کما قال ثم ھدی یہاں تک کہ مکھی اور مچھر بھی اپنی تدابیر سے غافل نہیں۔ پھر یہ باتیں بجز مدبر عالم کے اور کون کر سکتا ہے؟ فرعون کو اس کا تو کچھ جواب نہ آیا مگر جاہلانہ طور پر یہ سوال کیا فما بال الخ کہ پہلے لوگ صدہا برس سے اسی مذہب پر تھے۔ بت پرستی کیا کرتے تھے پھر ان کا کیا حال ہو گا وہ تو سب گمراہ ٹھہرتے ہیں اور قابل عذاب۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا مجملاً جواب دیا کہ ان کا حال تو خدا کو معلوم ہے پھر آگے اور چند اوصاف اللہ تعالیٰ کے ایسے بیان کئے کہ جن سے فرعون کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل رب اور ہی کوئی ہے جس نے زمین بنائی، رستے نکالے، پانی برساتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى[2] ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ

[1] کل کا پرورش کرنے والا نہ کہ خدا جبار۔ بادشاہوں کا ایسا خیال کچھ بعید نہیں قوم ہنود کے راجہ ان داتا کہلاتے ہیں اور پوجے جاتے ہیں، نمرود کا بھی یہی حال تھا۔ ۱۲ منہ

[2] انتصاب مکانا سوی بفعل دل علیہ المصدر او بانہ بدل من موعد اعلیٰ تقدیر مکان مضاف الیہ۔ ۱۲ منہ

هٰذٰنِ[1] لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ[2] سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾

ہم نے تم کو زمین ہی سے پیدا کیا اور پھر تم کو اسی میں لے جائیں گے اور اسی سے تم کو بارِ دگر نکالیں گے اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں تو دکھائیں پر وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے۔ پھر ہم بھی تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔ پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لے کہ جس سے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تو ایک کھلے میدان میں مقابلہ ہو جائے۔ موسیٰ نے کہا تمہارا وقت جشن کا دن ہے اور لوگوں کو دن چڑھے جمع کر لینا چاہیے۔ پھر فرعون نے اپنی جگہ پر جا کر اپنے مکر کا سب سامان فراہم کیا (اور وقتِ مقرر پر سب کو لے کر) آیا۔ موسیٰ نے (ان جادوگروں سے) کہا او کم بختو! خدا پر بہتان نہ باندھو ورنہ وہ کسی عذاب سے تمہارا ستیاناس کر دے گا اور بے شک جس نے جھوٹ بنایا وہ غارت ہوا۔ پس جادوگروں کا باہم اختلاف ہوا اور چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے، کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکالا چاہتے ہیں اور تمہارے عمدہ طریق (مذہب) کو بھی مٹایا چاہتے ہیں پھر تم اپنی تدبیریں جمع کر کے (میدان میں) صف باندھ کر آؤ اور جو آج غالب رہا وہی بازی لے گیا۔ وہ بولے اے موسیٰ! یا تو اول تو ہی عصا ڈال اور یا یہ کہ اول ہم ڈالیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو۔ پھر تو ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی معلوم ہونے لگیں جس سے موسیٰ کے دل میں ڈر سا معلوم ہونے لگا۔ ہم نے کہا ڈرو مت تم ہی غالب ہو اور جو کچھ تمہاری دائیں ہاتھ میں ہے اسے زمین پر ڈال دو جو کچھ جادوگروں نے (سانگ) بنایا ہے سب کو ہڑپ کر جائے گا جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ تو صرف جادوگروں کا شعبدہ ہے اور جادوگر کو جہاں کہیں جائے فلاح نہیں ہوتی۔

تفسیر : باہمی گفتگو کے بعد فرعون نے جبکہ دربار میں موسیٰ کے معجزے دیکھے یہ کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے۔ جادو کے زور سے لوگوں کو یہاں سے باہر لے جانا چاہتا ہے۔ سو ہم بھی اس کے مقابلہ میں ایسا ہی سحر لا دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کی ٹھہری اور وقت مقرر کرایا۔ موسیٰ نے کہا یوم الزینۃ جشن کا دن۔ مصریوں کے ہاں سال بھر کے بعد ایک بڑا جشن ہوتا تھا جس طرح ہندوؤں کے میلے ہوتے ہیں، بتوں کی پرستش کے لیے یہ اس لیے کہ اسی روز مجمعِ عام ہوگا سب لوگوں کو امرِ حق معلوم ہو جائے گا۔ فرعون نے جا بجا بڑے بڑے جادوگروں کے

---

[1] وھذین اسم ان حارث بن کعب کے محاورہ میں وہ مثنی کا اعراب تقدیری مانتے ہیں اور ممکن ہے کہ اسم ان ضمیرِ شان ہو وھذان لسٰحران خبر اور بعض کہتے ہیں ان بمعنی نعم و مابعد اس کا مبتدا و خبر ہے اور ابو عمرو نے ہذین پڑھا ہے تب کچھ دقت نہیں اور ابو حفص اور کثیر نے ان مخففہ پڑھا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] کید ساحر الرفع علی ان ماموصولہ و بالنصب علی انہا کافۃ ۱۲ ابو محمد

پاس آدمی بھیجے اور ان کو انعام کا وعدہ دیا اس عہد میں طلسم و نیرنجات کا از حد چرچا تھا جیسا کہ مصر کی تاریخ اور فراعنہ کے تعمیر کردہ مکانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بھی ہمارے علم کا بڑا ماہر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت انہیں سمجھایا کہ بدنصیبو! ایسی باتیں نہ کرو اور اس بت پرستی کو خدا کی طرف منسوب نہ کرو کہ اس نے حکم دیا ہے کیونکہ خدا پر جھوٹی باتیں بنانے والا فلاح نہیں پاتا۔ آخرکار مجمع عام میں جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا یا تو اول آپ اپنے عصا کا کچھ کرشمہ دکھایئے (کیونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے جب عصا ڈالا تو اژدہا بن گیا تھا) یا ہم ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہیں ڈالو، ان کے ڈالنے سے ان کی وہ رسیاں اور لکڑیاں طلسم یا کسی شعبدہ کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو حرکت کرتی ہوئی دکھائی دینے لگیں اور موسیٰ علیہ السلام دل میں ڈر گئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا مت ڈر تو ہی تو غالب رہے گا اور اپنا عصا تو بھی ہاتھ سے ڈال دے۔ چنانچہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیا اور ان کے سب سانپوں کو لقمہ کر گیا۔ فرماتا ہے کہ ساحر کو کہیں حق کے مقابلہ میں کامیابی اور فلاح ہوتی ہے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ کا یہ کام جادو اور طلسم کی قوت سے بڑھ کر ہے (اور ہر فن کو اس کا اہل ہی خوب جانا کرتا ہے اور اس لیے..........

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۖ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۖ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۖ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

پھر تو جادوگر سجدہ میں گر کر کہنے لگے کہ ہم تو ہارون و موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔فرعون نے کہا (کیا) تم میری اجازت سے پہلے ہی ان پر ایمان لے آئے۔ بے شک یہ تو تمہارا بڑا استاد ہے کہ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں اب ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں کٹواتا ہوں۔ایک دایاں اور تم کو کھجور کے پیڑوں پر لٹکائے دیتا ہوں اور تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔وہ بولے ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان کھلی نشانیوں کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس آ چکی ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کہ جس نے ہمیں بنایا ہے جو تجھے کرنا ہے کرلے تو تو صرف اسی زندگی[1] دنیا پر حکم چلا سکتا ہے بے شک ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور اس کو بھی جو تو نے ہم سے زبردستی سے جادو کروایا ہے اور اللہ ہی بہتر اور باقی[2] ہے جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ ہی رہے گا۔اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا حالانکہ اس نے اچھے کام بھی کئے ہوں گے تو ان کے لیے بلند مرتبے ہوں گے (وہ کیا) ہمیشہ رہنے کے باغ کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بدلہ ہے اس کا جو (آلائش) گناہ سے پاک ہو گیا اور البتہ ہم نے موسیٰ کو وحی کی میرے بندوں کو[3] راتوں رات لے نکلو پھر ان کے لیے دریا پر عصا مار کر سوکھا رستہ بنا دو کہ جس سے نہ تعاقب کا اندیشہ تمہیں رہے گا نہ (ڈوبنے کا) ڈر ہوگا۔پھر تو فرعون بھی اپنا لشکر لے کر ان کے پیچھے چل دیا پھر تو ان کو یہ دریا کی موج نے جو ڈھانک لینا چاہیے تھا ڈھانک لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا تھا اور راہ پر نہ لایا۔

تفسیر : اس زمانہ کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کے معجزات دیے گئے تھے) تو سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ہم ایمان لائے۔رب ہارون و موسیٰ اس لیے کہا کہ وہ معبودِ حقیقی کو جھوٹے معبودوں سے امتیاز کر دیں کیونکہ ان کے عقائد میں بہت سے رب ٹھہرے ہوئے تھے۔فرعون بھی مصریوں کا رب کہلاتا تھا۔اس بات پر فرعون سخت ناخوش ہوا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیوں ایمان لائے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اور موسیٰ کی باہم سازش ہے، وہ بڑا جادوگر تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے۔اول تو تمہارے ہاتھ پاؤں کٹواؤں گا مِنْ خِلَافٍ کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا برعکس تا کہ دونوں طرف نکمی ہو جائیں شاید اس زمانہ میں مجرموں کے ہاتھ پاؤں اسی طریق سے کاٹے جاتے تھے۔چنانچہ چور کی سزا میں شریعتِ محمدیہ میں بھی مکرر چوری کرنے پر ایسا ہی کیا جاتا ہے اور اس کے بعد میں تمہیں کھجور کے بلند درختوں سے لٹکا دوں گا کہ تڑپ تڑپ کر وہیں جان نکلے۔ساحروں نے کہ جن کے دل میں حلاوتِ ایمان اثر کر گئی تھی، کہا اس کی ہم کو کچھ پروا نہیں۔یہ دنیا کی سزا ہے جو تھوڑی سی دیر میں تمام ہو چکے گی مگر اس کے ڈر سے ہم اپنے پیدا کرنے والے کو اور ان دلائلِ قویہ یعنی معجزاتِ موسیٰ اور اس کے دین کو نہ چھوڑیں گے۔ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں۔ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور اس کو بھی کہ جو تو نے زبردستی ہم سے کرایا ہے۔اللہ کا انعام بہتر ہے وہ بندہ پر بے شمار انعام کرتا ہے اور ابقیٰ بھی ہے وہ ابدی ہے بخلاف تیرے عذاب کے کہ جس کو تو ابقیٰ اور اشد کہتا ہے یہ چند روزہ قصہ ہے۔

فانہ من یات سے لے کر ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى تک اللہ تعالیٰ ان ایمانداروں کی تائید میں فرماتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ انہیں ایمانداروں کا قول ہو اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں کہ ایمان لاتے ہی جادوگروں پر دارِ آخرت کا یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ جو خدا کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کی سزا جہنم ہے کہ جہاں نہ موت ہے نہ لطفِ حیات ہے اور جو ایمان و عملِ صالح کے ساتھ خدا کے پاس جائے گا ان کے لیے بڑے درجے ہوں گے۔جناتِ عدن کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی کس لیے کہ ان پر عالمِ غیب کا نور اور اس کا ازلی فیض پرتو افگن ہو گیا تھا اور ایسی حالت میں یہ بات معلوم ہو جانی کچھ مشکل بات نہیں یا موسیٰ علیہ السلام سے سنا ہوگا القصہ جب یہ ہو چکا اور جادوگروں کو فرعون

---

[1] بہت کرے گا ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے گا یا مروا ڈالے گا سو یہ چندروزہ ہے حیاتِ ابدی کی کوئی سزا بھی تیرے اختیار میں نہیں۔

[2] یعنی اس کی بخشش اور عطا تیرے انعام سے کہیں بہتر ہے اور اس کا عذاب ہی حیاتِ جاودانی کے لحاظ سے بڑا دیرپا ہے۔۱۲منہ

[3] یعنی بنی اسرائیل کو جن کو فرعون نے جتلائے مصائب کر رکھا تھا۔۱۲منہ

نے اذیت سے قتل کیا تو اس کے بعد اور بھی موسیٰ علیہ السلام نے معجزات دکھائے آخر کار اس موذی نے بنی اسرائیل کو عید کرنے کی اجازت دی۔ اس بہانہ سے بنی اسرائیل مرد و زن مع مال و اسباب بلکہ فرعونیوں کے زیور

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ
الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ
غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ
وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ
بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ
الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ
مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ
زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ
عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۵ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾
اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ ع ۴ / ۱۴

اے بنی اسرائیل البتہ ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات بھی دی اور تم کو کوہِ طور کی دائیں جانب سے وعدہ بھی دیا تھا (توریت کا) اور تم پر من وسلویٰ بھی اتارا تھا اور فرمادیا کہ ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے خوب کھاؤ (پیو) اور اس میں حکم عدولی نہ کرنا کہ تم پر میرا غصہ اترے اور جس پر کہ میرا غصہ اترا تو وہ گیا گزرا ہوا اور میں اس کے لیے غفار بھی ہوں کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر ہدایت پر قائم بھی رہے اور اے موسیٰ[1] تم کس لیے اپنی قوم سے جلد کر آئے۔ موسیٰ نے کہا وہ بھی میرے پیچھے ہی آرہے ہیں اور میں جلدی کرکے آپ کے پاس اس لیے آیا کہ آپ خوش ہوں فرمایا کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور (وہ یہ کہ) ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے پھر آئے (آکر) کہا اے قوم!

---

[1] اور جب موسیٰ علیہ السلام سبقت کرکے کوہِ طور پر چڑھ آئے تو ہم نے کہا وما اعجلك کہ تم کس لئے جلدی کر آئے۔ ۱۲ منہ

کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ اترے کیوں پھر تم نے مجھ سے (کیوں) وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کی ولیکن قوم (قبط کے) زیوروں میں سے جو کچھ بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا (سامری کے کہنے سے) اس کو ہم نے آگ میں ڈال دیا تھا پھر سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا اس سب زیور سے سامری نے ایک بچھڑے کا پتلا ڈھالا جس میں بچھڑے کی سی آواز بھی تھی تب (بعض) کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔ پھر موسیٰ بھول گیا کیا انہیں یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان کی بات کا جواب دے سکتا تھا اور نہ ان کے لیے نفع و نقصان کا مالک تھا۔

......بھی مانگ کر دور کے میدان میں نکلے۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو حکم پہنچا کہ اب ان کو شبا شب ملک شام کی طرف لے نکل چنانچہ وہ سب چلے۔ ادھر فرعون کو خبر ملی تو وہ بڑا لشکر لے کر پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آیا۔ دریاءِ قلزم پر آلیا۔ بنی اسرائیل گھبرائے، خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا پر عصا مار، مارا تو پانی کی دونوں طرف دیواریں سی کھڑی ہوگئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل صاف نکل گئے ان کے پیچھے سے فرعون اور اس کا لشکر جو اسی رستہ سے آیا ان پر دریا مل گیا پانی نے ڈھانک لیا وہ سب غرق ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کہ جن کی تعداد لاکھوں کی تھی قلزم کے اس پار صحیح وسلامت اتر آئے اور اس بیابان میں پڑ لیے جو عرب کے مغرب وشمال اور شام کے جنوب میں واقع ہے جس کو تیہ کہتے ہیں اور یہیں کوہِ طور بھی ہے۔

اب خدا تعالیٰ اس تیہ کے وقائع سے بنی اسرائیل کو متنبہ کرتا اور اپنے احسان یاد دلاتا ہے۔ (۱) اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اس کو غرق کیا تم کو صحیح وسلامت قلزم سے نکال دیا۔ (۲) وواعدنکم جانب الطور الایمن بنی اسرائیل کا ڈیرا جب کوہ طور کے پاس پڑا تو وہاں خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ تو اس پہاڑ کی دائیں چوٹی پر جو سب میں بلند مقام ہے ہم سے آ کر مل اور یہیں احکام عشرہ اور الواح ملنے کا وعدہ ہوا تھا جس کے لیے اول تیس رات پھر چالیس رات پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہ بھی بنی اسرائیل پر خدا کا احسان تھا کہ ان کے لیے توریت والواح ودیگر نعماءِ دینیہ عطا ہوئیں۔ (۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی جب ان لق ودق بیابانوں میں کھانے کو کچھ نہ ملا تو خدا نے بنی اسرائیل پر من کو (جو ایک قسم کی شیریں اور خوش مزہ چیز ترنجبین کی مانند تھی جس کی توؤں پر روٹیاں پکا پکا کر کھاتے تھے) اور سلویٰ کو (یعنی بٹیریں جو از خود رات کو ان کے خیموں میں آ گرتی تھیں) نازل کیا اور یہ کہہ دیا کہ شوق سے کھاؤ مگر حد سے تجاوز نہ کرنا یعنی دن کا کھانا رات کے لیے اور رات کا دن کے لیے جمع نہ کرنا بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ ناشکری نہ کرنا کیونکہ نعمت کے بعد شکر نہ کرنا حد سے تجاوز کرنا اور سرکشی کرنا ہے اگر ایسا کرو گے تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا مگر بنی اسرائیل نے اس پر بھی ناشکری کی اور موردِ عتاب ہوئے۔ اسی منزل پر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ پر بلایا اور ان کی قوم کو بھی حکم دیا کہ نہا دھو کر خدا کا جلال دیکھنے کے لیے پہاڑ کے قریب آ جائیں جیسا کہ سفر خروج کے ۱۹ باب میں ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ

تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ
يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ
الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي
الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ
اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ
نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

حالانکہ ان سے ہارون پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اے قوم! اس سے تو تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور رب تو تمہارا رحمان ہے میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ بولے ہم تو اس بچھڑے (کی عبادت) پر اس وقت تک جمے بیٹھے رہیں گے جب تک کہ ہمارے پاس لوٹ کر موسیٰ نہ آ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (آ کر) کہا اے ہارون! جب تم نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو کس لیے میرے پیچھے نہ چلے آئے۔ پھر کیا تم نے میری عدول حکمی کی۔ اس نے کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) میری ڈاڑھی اور سر کے بال تو نہ پکڑو میں اس بات سے ڈر گیا کہ تم یہ کہنے لگتے کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالا اور میری بات کا انتظار ہی نہ کیا۔ پھر موسیٰ نے سامری سے کہا کہ اے سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا مجھے وہ بات سوجھی جو ان کو نہ سوجھی تھی پھر میں نے رسول کے نقش قدم کی ایک مٹھی مٹی کی لے کر (اس بچھڑے میں) ڈال دی میرے جی میں ایسا ہی آیا تھا۔ موسیٰ نے کہا جا دور ہو زندگی میں تو تیرے لیے یہی سزا ہے تو کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھونا[1]۔ اور تیرے لیے (عذاب کا) ایک اور بھی وعدہ ہے کہ جس کو تو ٹال نہ سکے گا اور اپنے اس خدا کو بھی دیکھ لے کہ جس کی عبادت پر تو آس لگائے ہوئے تھا کہ ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بکھیر دیتے ہیں (اے لوگو!) تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جس کے علم میں ہر چیز ہے۔

تفسیر: اور موسیٰ سب سے آگے تنہا خدا کے پاس آئے جس پر خدا نے پوچھا وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى اور خدا تعالیٰ کے پاس کوہ طور پر موسیٰ چالیس دن رات رہے (سفر خروج ۲۴۔ باب) اتنی دیر لگنے سے بنی اسرائیل نے غل مچا دیا کہ موسیٰ کہاں گئے۔ کسی نے کہا مر گئے۔ کسی نے کچھ کہا، اس میں ایک شخص نے کہ جس کا نام سامری تھا لوگوں سے کہا کہ آؤ میں تمہارا معبود دکھاؤں کہ جو تمہیں مصر سے نکال لایا ہے۔ تم میرے پاس سونے کا زیور لاؤ چنانچہ وہ اس کے پاس لائے اس نے اس کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا دیا اور اس میں ایک ایسا رستہ ہوا کے آنے جانے کا رکھا کہ جس سے گائے بیل کی آواز جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل جو مصر میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے اس پر گرویدہ ہو گئے۔ قربانیاں چڑھانے اس کی عبادت کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کب مانتے تھے۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کیا کہ دیکھ تیرے پیچھے تیری قوم گمراہ ہو گئی۔ سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام غصہ سے بھرے ہوئے ان کے پاس آ کر ان کو ملامت کرنے لگے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ الیٰ قولہ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ لوگوں نے عذر کیا، ہم کو سامری نے گمراہ کیا ہے۔ ہم قوم قبط[2] سے زیور مانگ لائے تھے جس طرح ہم اس کو آگ میں ڈالا کرتے

[1] جو چھوئے گا اس کو تپ چڑھ جائے گی جزامیوں کی طرح لوگوں سے دور رہا کرے گا کوئی بھی تیرے پاس نہ پھٹکے گا یہ بڑی سزا تھی۔ ۱۲ منہ

[2] بعض روایات میں ہے کہ سامری نے کہا کہ تم پر قبط کا زیور حرام ہے آؤ سب مل کر اپنا اپنا زیور آگ میں ڈال دیں۔ انہوں نے بھی ڈالا۔ سامری نے بھی پھر اس نے اس کا بچھڑا بنا دیا۔ ۱۲ منہ

ہیں اور چیزیں ڈھال کر بنانے کے لیے اسی طرح سامری نے بھی ڈھال کر بچھڑا بنا دیا جس کی آواز تھی اور کہہ دیا یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے۔ موسیٰ اس کو بھول گیا جو کوہ طور پر خدا سے ملنے گیا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ یہ جملہ خدا کی طرف سے ہے کہ وہ عجب احمق تھے صرف آواز سے ایمان لائے اور یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ کچھ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر۔ پھر معبود کیونکر ہو سکتا ہے یا موسیٰ کی طرف سے یہ جملہ تھا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کے آنے سے پیشتر ہارون نے سمجھا دیا تھا مگر نہ مانے۔ پھر موسیٰ ہارون پر خفا ہوئے کہ تو نے جب ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو ان کو چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں نہ چلا آیا۔ ہارون نے عذر کیا کہ اس بات سے ڈر گیا کہ تم آ کر یہ کہتے کہ بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، میرے آنے کا انتظار کیوں نہ کیا۔ پھر موسیٰ سامری کی طرف متوجہ ہوئے، اس نے کہا میں نے رسول کے پاؤں کی مٹی لے کر اس میں ڈال دی تھی جس سے وہ بولنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دنیا میں تیری یہ سزا ہے کہ تو سب سے دور راندہ ہوا رہے گا جو تیرے پاس آئے گا اس کو بھی اور تجھے بھی بخار چڑھ آئے گا تو کہا کرے گا کہ چھونا مت کوئی میرے پاس نہ آئے اور آخرت کی سزا تیرے لیے اور مقرر ہے جو ہرگز نہ ٹلے گی اور اس تیرے معبود کو تڑوا کر اس کے ذرہ ذرہ دریا میں بہائے دیتا ہوں اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود تو اللہ ہے، جس کے علم میں ہر ایک چیز ہے۔ یہ کلامِ الٰہی کے لفظوں کی شرح تھی اب ہم چند فوائد بیان کرتے ہیں:

(۱) فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ عام مفسرین کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام خاص مجھی کو دکھائے دیتے تھے اور وں کو نہیں۔ پس میں نے اس کے گھوڑے کے پاؤں تلے کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر لی۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِىَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَىِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

(اے نبی!) ہم اس طرح سے آپ کو گزشتہ لوگوں کی کچھ خبریں سناتے ہیں اور آپ کو ہم نے اپنے ہاں سے ایک سمجھانے والی چیز بھی دی تھی (قرآن) جس نے اس سے منہ پھیرا سو وہ قیامت کے دن اس (گناہ) کا بوجھ آپ اٹھائے گا جس میں سدا رہیں گے۔ اور ان کا یہ قیامت کے دن بہت ہی برا بوجھ ہے۔ جس دن کہ صور پھونکا جائے گا اور ہم سب گناہگاروں کو اس دن جمع کر لیں گے (اور) ان کی دہشت سے نیلی آنکھیں ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں کہتے ہوں گے کہ تم دنیا میں کیا ٹھہرے ہو مگر یہی دس دن۔ ہم خوب جانتے ہوں گے جو کچھ کہ وہ کہتے ہوں گے جبکہ ان میں کا بڑا سمجھ دار کہے گا کہ تم صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔ اور (اے نبی!) آپ سے پہاڑوں کا حال پوچھتے ہیں (سو) کہہ دو ان کو تو میرا رب ریتا کر کے اڑا دے گا۔ پھر زمین کو چٹیل میدان کر چھوڑے گا کہ جس میں (اے مخاطب!) تجھے نہ کوئی پستی دکھائی دے گی نہ بلندی۔ اس روز پکارنے والے کے پیچھے سب ہی تو ہو لیں گے اور دہشت سے رحمٰن کے آگے سب کی آوازیں پست ہو جائیں گی۔ پھر اے مخاطب! تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا بجز پاؤں کی آہٹ کے اس روز کسی کی سفارش فائدہ نہ بخشے گی مگر اس کی جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس کا بولنا پسند کر لیا جائے گا۔ جو کچھ ان کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا۔ وہ سب کو جانتا ہے اور اس کو کسی کا علم بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور حی و قیوم[1] کے آگے سب منہ جھک گئے ہوں گے اور جو ظلم کی گٹھڑی اٹھائے ہوگا وہ تباہ ہو گیا ہوگا اور جس نے اچھے کام کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا[2] نہ حق تلفی کا۔

تفسیر : پھر اس کو ڈھلے ہوئے بچھڑے میں ڈال دیا جس کی تاثیر سے وہ آواز دینے لگا۔ اس تقدیر پر کئی باتیں ماننی پڑتی ہیں: اول یہ کہ رسول سے مراد جبرئیل علیہ السلام لیے جائیں۔ دوم اس پر بھی حذف ماننا پڑتا ہے ای من تراب اثر فرس الرسول۔ سوم اس بدمعاش سامری کی بات کو بھی سچ تسلیم کیا جائے حالانکہ یہ تینوں باتیں نہ قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت ہوتی ہیں نہ کسی صحیح حدیث سے۔ ہاں مفسرین کے اقوال میں ابومسلم ان معنی کو نہیں مانتے اور ایک جدید توجیہ کرتے ہیں کہ رسول سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور اثر سے اس کا طریقہ و دستور کہتے ہیں۔ فلان یقفو اثر فلان و یقبض اثرہ اذا کان تمثیل رسمہ یعنی جو کسی کے طریقہ کا متبع ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ اس کے اثر پر قابض ہے۔ سامری کہتا ہے کہ اول میں رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام کا پیرو تھا پھر اس کو چھوڑ دیا اور بت پرستی کا یہ سامان بہم پہنچایا۔ اس توجیہ کی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ نے بھی تائید کی ہے اور اسی میں اعتراضات سے امن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامری نے جو قبطیوں سے اس وقت کے علوم اور صنعت سیکھے ہوئے تھا ایسی صنعت سے بچھڑا بنایا ہو جس میں ہوا کے دخول و خروج کے ایسے رستے رکھے ہوں کہ جن سے بچھڑے کی آواز پیدا ہوتی تھی باقی اس نے جھوٹا فقرہ بنا لیا۔ (۲) سفر خروج کے ۳۲ باب میں ہے کہ ہارون نے نہ بچھڑا بنا کر پجوایا تھا اور سامری کا نام تک بھی وہاں نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ یہ توریت وہ اصلی توریت نہیں یہ نسخہ بھی صدہا تحریفات سے خالی نہیں جس کا علمائے اہلِ کتاب کو اقرار ہے۔ یہاں غالباً نام میں سہو ہو گیا یا سامری کا نام ہارون بھی ہو اور اس سے مراد ہارون علیہ السلام نہ ہوں کیونکہ اخیر میں اسی فعل کے مرتکب سب مبتلاءِ بلا ہوئے تلوار سے کٹے، وبا سے مرے، خدا تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ان پر از حد بھڑکا ہر ایک کو حکم دیا کہ اپنے قرابتی کو اس جرم پر قتل کرے۔ پھر تعجب ہے کہ ہارون علیہ السلام پر کہ جس نے یہ فساد کھڑا کیا کوئی بھی سزا قائم رہے اور نیز ہارون علیہ السلام نبی تھے ان کو کیا ہوا تھا جو وہ ایسا کام کرتے؟

اس قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) گزشتہ لوگوں کے تذکرے ہم یوں سناتے ہیں ہم نے تجھے ذکر یعنی قرآن دیا ہے پھر جو قرآن سے منہ پھیرے گا قیامت میں اس کا یہ حال ہوگا کہ قیامت میں اپنے گناہوں کی گٹھڑی آپ اٹھاوے گا اور جس روز صور پھنکے گا

---

۱ حی زندہ، قیوم پائندہ ہمیشہ رہنے والا سب کا آسرا اور سب کی ہستی کی اصل اور پناہ۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی اس کو اس بات کا کچھ بھی خوف نہ ہوگا کہ اس بارگاہ کبریا میں کوئی ظلم ہوگا یا اس کی کوئی حق تلفی ہوگی۔ کس لیے کہ وہ بارگاہِ عدالت ہے حاکم علیم و خبیر ہے کسی کی کوئی چالاکی اور جھوٹا دعویٰ کسی پر نہ چلے گا نہ اس پر کسی کا دباؤ ہوگا نہ وہ کسی سے رشوت لیتا ہے کہ اس سبب سے کسی کی حق تلفی ہو جائے نہ وہاں امیر و فقیر شریف و رذیل کا لحاظ ہوگا نہ اس کی ذات میں غضبانی جذبات ہیں نہ وہ متلون المزاج ہے اس ایک تھوڑے سے جملہ میں دربارِ حشر کی سب کیفیت بیان فرما دی۔ ۱۲ منہ

دوبارہ زندہ ہونے کے لیے تو یہ لوگ ایسی دہشت میں ہوں گے کہ آنکھوں کی رنگت پلٹ جائے گی نور اور سیاہی جا کر نیلی ہو جائے گی اور دنیا میں جو سالہا سال عیش کی ہے وہاں کے مصائب کے آگے اس کو دس روز سمجھیں گے اور جوان میں زیادہ دانا ہے وہ تو ایک دن سمجھے گا۔ قیامت کے ذکر میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہاڑوں سے سوال کیا کہ یہ کیا ہوں گے ویسئلونک الخ فرمایا فقل ینسفھا ربی کہ خدا ان کو ریتا کر کے اڑا دے گا اور زمین کو صاف میدان کر دے گا پھر آگے اور قیامت کے حالات بیان کرتا ہے کہ اس روز بجز اس کے کہ جس کو شفاعت کی اجازت ملی ہوگی اور اس کی بات بھی پسندیدہ خدا ہوگی اور

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾

اور جس طرح (کہ معنی میں اس کی خوبی رکھی ہے) اسی طرح لفظوں کے لحاظ سے بھی) ہم نے اس کو عربی میں نازل کیا ہے۔ اور اس میں (طرح طرح کی) خوف دلانے

والی باتیں بھی بیان کیں ہیں تاکہ لوگ ڈریں یا ان کے لیے سمجھ پیدا کرے (اس میں خدا کا کوئی ذاتی نفع نہیں کیونکہ) وہ بادشاہ برحق بلند برتر ہے (اور اے نبی! آپ) اس کی وحی تمام ہونے سے پیشتر جلدی نہ کیا کرو۔ اور دعا کیا کرو کہ اے رب! مجھے اور زیادہ علم دے اور ہم نے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا۔ پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کو کچھ مضبوط نہ پایا اور جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو تو سب ہی جھکے مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے پھر یہ نہ ہو کہ وہ تم کو جنت سے نکال دے کہ پھر تو خراب ہو جائے تو اس بہشت میں نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا اور تو اس میں پیاسا بھی نہ رہے گا اور نہ دھوپ اٹھائے گا۔ پھر شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ کہا اے آدم! تو کہے تو میں تجھے ایک ایسا درخت بتلاؤں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ جیتا رہے اور لازوال سلطنت ملے۔ پھر آدم و حوا نے اس درخت سے کچھ کھا لیا تو ان پر ان کی برہنگی ظاہر ہوگئی اور اپنے اوپر باغ کے پتے چپکانے لگے۔ اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو بہک گیا۔ آخرکار اس کے خدا نے سرفراز کیا پھر اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی کی۔ حکم دیا کہ تم دونوں وہاں سے نکل جاؤ کہ تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ پھر جو کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلے گا تو وہ گمراہ نہ ہوگا اور نہ خراب ہوگا۔ اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اس کو قیامت میں اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا تو نے اے رب! مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا۔

تفسیر : شفاعت کارگر نہ ہوگی نہ ان فرضی معبودوں کی جن کو وہ اس امید پر پوجتے ہیں اور اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے لیے رحمان اجازت دے گا اور اس کے حق میں بولنا پسند کرے گا اس کے لیے شفاعت کارگر ہوگی نہ ہر کسی کے لیے۔ کس لیے کہ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ الخ اس کو ہر ایک کا اگلا پچھلا سب حال معلوم ہے اس کا علم بہت وسیع ہے جس کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا کسی کا علم اس کے علم کے برابر نہیں۔ قابلِ شفاعت اس کو معلوم ہیں اور اس روز بڑے بڑے متکبروں کی اس کے آگے گردنیں جھک جائیں گی اور ظالم تباہ ہوں گے، ایمانداروں، نیکوکاروں کو ان کی دنیاوی کوشش کا پورا بدلہ ملے گا۔ وَكَذٰلِكَ عطف ہے كذلك نقص پر یعنی جس طرح ہم نے اے نبی! تم سے پہلوں کے راستی آمیز ہدایت خیز قصے بیان کئے اسی طرز پر تمام قرآن نازل کیا ہے جس کے دو وصف ہیں اول وہ عربی ہے جس کا سمجھنا قومِ عرب کو آسان ہے۔ دوم صرفنا اس میں طرح طرح سے خوفناک باتیں بیان کی ہیں تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا ان کو سمجھ بوجھ پیدا ہو۔ کلمہ او منافات کے لیے نہیں ہے اور یہ قرآن اس خوبی کے ساتھ اس نے اس لیے نازل کیا ہے کہ جو جَل وجھل وغیرہ اوصاف سے بری ہے اس میں اس کا کوئی نفع و نقصان نہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور حق ہے اس کا ملک اور اس کی ذات دائم و قائم ہے اس لیے اس نے ان کی بہبودی کے لیے ایسا قرآن نازل کیا چونکہ قرآن رحمتِ آسمانی ہے اور تدریجاً نازل ہوا ہے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس کی تبلیغ اور اس کے یاد کرنے اور اس کے مطالب واضح کرنے کا بمقتضائے نبوت بہت شوق اور از حد ولولہ تھا اس لیے فرمایا لَاتَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ الخ کہ وحی کے تمام ہو جانے سے پہلے قرآن کے پڑھنے یا لوگوں کے پڑھانے سمجھانے میں جلدی نہ کیا کرو جب ایک مضمون کی وحی جو فرشتہ لاتا ہے تمام ہو چکے تب آپ پڑھیں۔ اسی طرح کا مضمون اور جگہ بھی آیا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ اور رب سے دعا کرتے رہو کہ میرا علم زیادہ کرتا کہ وقتاً فوقتاً وحی آتی رہے آپ کا علم زیادہ ہوتا رہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خزانہ ہمارے پاس ہے اس میں سے جس قدر ہم جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں بندہ علام الغیوب نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد یہ چھٹی[1] بار حضرت آدمؑ کا قصہ ایک آئندہ جملہ کے لیے بطور تمہید کے ذکر ہوا اور وہ جملہ مقصود بالذات یہ ہے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی اس کی شروع تمہید یہ ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اے بنی آدم ہم نے تمہارے جدِ امجد کے لیے فرشتوں کو سجدۂ تعظیم کا حکم دیا اور تاجِ خلافت ان کے سر پر رکھا گیا اس وقت سب فرشتوں نے

---

[1] اول بار سورہ بقرہ میں پھر اعراف میں پھر حجر میں پھر شعراء میں پھر کہف میں پھر اس جگہ ذکر ہوا (ک) یہاں صرفنا فیہ من الوعید کی وضاحت کے لیے آیا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ؕ ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

فرمائے گا تو نے بھی اس طرح ہماری آیتوں کو جو تیرے پاس آئی تھیں فراموش کر دیا اور اسی طرح[1] آج تو بھی بھلایا گیا اور جو کوئی حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانے تو اس کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ آخرت کا عذاب تو سخت تر اور بہت ہی دیر پا ہے۔ پھر کیا ان کو اس بات نے بھی رہنمائی نہ کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایک قرنوں کو غارت کر دیا ہے کہ جن کے مکانوں پر سے وہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں تو عقل مندوں کے لیے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور (اے نبی!) اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات قرار نہ پا چکی ہوتی اور وعدہ مقرر نہ ہوا ہوتا تو عذاب لازم ہو چکا ہوتا۔ پھر جو کچھ وہ بکتے ہیں اس پر صبر کرو اور آفتاب[2] کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد و ثناء کے ساتھ تقدیس کیا کرو اور رات کے وقتوں میں بھی تسبیح کیا کرو اور دن کے اول و آخر میں بھی تاکہ تم کو خوش کیا جائے۔

تفسیر: سجدہ کیا مگر اس ابلیس نے (جس کے کہنے پر اکثر بنی آدم چل رہے ہیں قدیمی حاسد اور دشمن کو دوست بنا رکھا ہے) انکار کر دیا پھر اس کے بعد ہم نے تمہارے جدِ امجد کو ایک ایسے باغ میں رہنے کو جگہ دی کہ جہاں کھانے پینے کا ہم نے انتظام کر دیا تھا اور ان مشقتوں سے نجات دے دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ خبردار رہنا یہ شیطان تیرا اور تیری بیوی دونوں کا دشمن ہے اس کے کہنے میں آ کر مصیبت میں نہ پڑنا کہ یہاں سے نکالے جاؤ اور خراب و خستہ مارے پھرو مگر وہ مردود وہاں بہروپ بدل کر جا ہی پہنچا اور ناصح مشفق بن کر آدم علیہ السلام کے دل میں خطرہ ڈال دیا اور کہنے لگا کہ اے آدم! یہ تو تم پر بڑی مہربانی ہوئی مگر تمہاری حیات اور یہاں بادشاہانہ طور پر سدا رہنے کا کوئی بھی انتظام نہیں ہوا اس تمہید کے بعد کہا لو میں تمہیں اس باغ میں ایک ایسا پیڑ بتلاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے ہمیشہ جیتے رہو اور بے زوال سلطنت تمہیں ملے۔ اس کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ تمہارے خدا نے اس لیے تم کو اس کے کھانے سے منع کیا ہے حالانکہ ہم نے آدم سے اول ہی

[1] تیری طرف نظرِ عنایت نہ رہی یعنی جس طرح تو نے دنیا میں آیات اللہ سے بے اعتنائی کی آج اسی طرح تم سے بھی بے اعتنائی کی گئی۔ از انجملہ یہ کہ اس جہان میں تجھے بینائی عطا نہ کی کیونکہ دنیا میں بینائی دی تھی تو اس سے تو نے آیاتِ قدرت کو نہ دیکھا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] قبل طلوع الشمس سے مراد صبح کی نماز و قبل غروبہا سے ظہر و عصر کی و من انائی الیل سے مغرب و عشاء و تہجد کی۔ واطراف النہار عصر و صبح کی نماز مراد ہے بعض کہتے ہیں تسبیح سے گو نماز مراد ہوتی ہے مگر یہاں سبحان اللہ الحمد للہ یا سبحان اللہ بحمدہ کہنا ان اوقات میں مراد ہے۔ ۱۲ منہ

عہد لے لیا تھا مگر آدم اس کو بھول گئے اور اس کو کھا لیا۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے تمہارے دادا کی کوئی استقامت اور مضبوطی نہیں پائی۔ نہ ہمارے عہد کی حفاظت کی' نہ قدیمی دشمن کو خیال کیا (اس میں بنی آدم کی کمزوری کی طرف اشارہ بلکہ تعریض ہے) پھر ان پر بھی باوجود اس مقبولیت کے نافرمانے کا لازمی نتیجہ پیش ہی آیا۔ کپڑے تن سے اتار دیے گئے، برہنگی ظاہر ہونے پر درختوں کے پتے بدن پر چمٹانے لگے اور آدم وحوا اور شیطان سب کے سب اس باغ سے نکال دیے گئے اور کہہ دیا گیا کہ ایک دوسرے کا دشمن رہے گا لیکن آدم علیہ السلام روئے اور توبہ کی خدا نے اس کی توبہ قبول کی اور بارِ دگر سرفرازی بخشی۔ جب باغ سے نکالے گئے تھے یا جب توبہ کی تھی تو آدم علیہ السلام سے ہم نے کہہ دیا تھا کہ دنیا میں تمہارے پاس یعنی تمہاری اولاد کے پاس ہدایت آیا کرے گی۔ رسول اور آسمانی کتابیں پھر جو اس ہدایت پر چلے گا تو وہ اس سیدھے رستے سے جو انسان کو دارالخلد تک پہنچاتا ہے نہ بہکے گا نہ خراب ہوگا۔ وَلَا يَشْقٰى یعنی شقاوت و بدبختی سے محفوظ رہے گا۔ شقاوت کی دو قسم ہیں ایک دنیاوی دوسری اخروی۔ ہدایتِ الٰہی کے طفیل ان دونوں سے محفوظ رہتا ہے اور جو اس ہدایت سے منہ پھیرے گا۔ اس کی دو سزائیں ہوں گی ایک دنیاوی فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (وفانھک اصله الضيق والشدة وھو مصدر یوصف به فیقال منزل ضنک وعیش ضنک۔ کبیر) کہ اس کی زندگی تنگ ہوگی۔ عام مفسرین کے نزدیک زندگی سے دنیا کی تنگی مراد ہے کیونکہ کافر مال و جاہ پر حریص ہوتا ہے گو باعتبارِ قید حلال وحرام ہونے کے وہ جنت میں ہے جیسا کہ آیا ہے الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر مگر وہ کون ہے کہ جس کو تمام باتیں حسبِ دلخواہ حاصل ہوگئی ہوں۔ اس کی پریشانی میں کٹتی ہے اور مومن کی نظر دارِ آخرت پر ہوتی ہے اس کو کسی تکلیف میں تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔ اور یوں بھی ہے کہ خدا کی ہدایت چھوڑنے سے دنیا میں بلائیں نازل ہوتی ہیں سینکڑوں قومیں ایسی ہیں کہ اسی سبب سے برباد ہوگئیں۔ جیسا کہ اسی کی تائید کے لیے اگلی آیت میں فرماتا ہے اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کہ کیا ان کو اس بات سے بھی رہنمائی نہیں ہوتی کہ ان کفارِ قریش سے پہلے ہم کتنی قوموں کو نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں کہ جن کے اجڑے ہوئے مکانوں پر آج یہ چلتے پھرتے ہیں۔ عاد، ثمود، بنی اسرائیل و قیاصرہ و شاہانِ بابل و شاہانِ مصر وغیرہ نے نافرمانی کی نافرمانی کر کے کوئی قوم اخیر تک سرسبز نہیں رہتی۔ بعض کہتے ہیں قبر کی تنگی' بعض کہتے ہیں آخرت کی تنگی' مراد ہے۔ دوسری یہ کہ اس کو قیامت میں اندھا کر کے اٹھاویں گے وہ کہے گا میں آنکھوں والا تھا آج اے رب! اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ جواب ملے گا تو بھی تو دنیا میں ہماری آیتوں سے اندھا ہو گیا تھا۔ آخرت میں اندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جسمانی تاریکی میں مبتلا ہوں گے نورِ روحانی نصیب نہ ہوگا پس اس سے ان کے لیے ظاہری آنکھیں ہونی اور ہیبت سے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

ع ۸ / ۱۴

اور (اے نبی!) آپ ان چیزوں کی طرف نظر بھی نہ ڈالیے جو طرح بطرح کے سامانِ زندگی و دنیا کی آرائش ہم نے ان کو اس لیے دے رکھے ہیں کہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور تمہارے رب کا عطیہ بہتر اور دیر تک رہنے والا[1] ہے اور اپنے کنبے کو نماز کا حکم دیا کرو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ ہم تم سے کچھ رزق تو نہیں مانگتے۔ روزی تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور عاقبت (بخیر تو) پرہیز گاروں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتا۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی شہادت نہیں پہنچی۔ اور اگر ہم اس سے پہلے ہی ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور کہتے کہ اے رب! تو نے کس لیے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا کہ ہم رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں پر چلتے ان سے کہہ دو کہ ہر ایک انتظار کر رہا ہے سو تم بھی انتظار کرو۔ پھر تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون (اور غلط راہ والا کون ہے) اور ہدایت پانے والا کون (اور گمراہ کون ہے)۔

تفسیر : اوپر دیکھنے میں کچھ منافات نہیں پہلی قوموں کی ہلاکت بیان فرما کر یہ بات فرماتا ہے کہ اگر نوشتۂ ازلی (کہ چند روز ہم ان کو دنیا میں رکھیں گے) مانع نہ آتا تو ان لوگوں پر یہی عذاب دنیا ہی میں آچکتا اس پر بھی اے نبی! جو ہدایت پر نہیں آتے اور ستاتے ہیں تو صبر کرو اور اپنے لیے دارِ آخرت کی تیاری کرو تا کہ تو وہاں خوش وقت رہو فقال فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ الخ تسبیح سے مراد اکثر علماء کے نزدیک نمازِ پنجگانہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد نمازِ فجر ہے اور قَبْلَ غُرُوْبِهَا سے ظہر و عصر وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ سے مغرب و عشاء۔ اور قولہ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ دونوں نمازوں کے لیے جو دن کے اول و آخر ہوتی ہیں یعنی فجر و مغرب تاکید کا جملہ ہے جیسا کہ الصلوٰۃ الوسطی عصر کے لیے گرچہ دن کی دو طرف ہوتی ہیں مگر ہر دن کے لحاظ سے اطراف جمع کا صیغہ آیا بعض کہتے ہیں اوقاتِ مذکورہ میں جو تقرب کے اوقات ہیں انسان کو مشاغلِ دنیاویہ سے غفلت ہو جاتی ہے عموماً اس کی تسبیح و تقدیس کرنا مراد ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔

فائدہ: (۱) فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آدم علیہ السلام کا گناہ سہواً تھا وقت پر ممانعت یاد نہ رہی لیکن احتیاط نہ کی اس لیے عتاب ہوا۔

(۲) آدمی کی جبلی عادت ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے کمالات پر نازاں ہوا کرتا ہے اور بسا اوقات اسی پر تکیہ کر لیتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم ہے اس لیے آدم کے قصہ میں متنبہ کر دیا کہ اس پر نازاں نہ ہونا خود تمہارے بزرگ سے نافرمانی پر کیا سلوک ہوا باوجودیکہ مسجودِ ملائکہ تھے اور پھر کس خواری سے نکالے گئے بجز توبہ کے ان کو چارہ نہ ہوا۔ یہ ہے وعید شدید۔

ولا تمدن الخ المد دراز کردن' کشیدن۔ اور مراد رغبت اور حسرت کے ساتھ نگاہ کرنا۔ دارِ آخرت کے توشہ کی تعلیم کر کے جو نماز و عبادت ہے دنیا کے وہ اسباب و آرائش و تجمل جو کفار اور دولت مندوں کو دیے گئے ہیں۔ مکان اور عمدہ لباس عمدہ عورتیں اور سواریاں اور دیگر چیزیں ان کی طرف رغبت کی نگاہ سے منع کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے فتنہ ہیں ان میں ان کی خدا تعالیٰ آزمائش کرتا ہے۔ سو وہ ان میں ایسے مصروف ہوتے ہیں کہ دارِ آخرت اور اس کے توشہ کا ان کے دل میں خیال بھی پیدا نہیں ہوتا جب اس جہاں سے جاتے ہیں تو خالی ہاتھ

[1] یعنی عطیۂ آخرت ان دنیاوی سامانوں اور آرائشوں سے بہتر ہے اس لیے کہ اس کے مقابلہ میں یہ چیزیں بے حقیقت ہیں اور باقی بھی ہے کس لیے کہ یہ چند روزہ وہ دائمی ہے۔ ۱۲ منہ

جاتے ہیں اور ادھر اس تجمل کے چھوڑتے وقت ان کی روح پر صدمۂ عظیم ہوتا ہے۔ ع چشمش نگراں ست کہ ملکش بارگران ست۔ اس چند روزہ عیش کے مقابلہ میں وہ عذاب دائمی بڑا فتنہ ہے اور نیز اس دولت کی وجہ سے ظلم وستم طرح طرح کے گناہوں میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں یہ سب ہیچ تھا مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے اوروں کو سنایا جاتا ہے کہ اس طرف نظر پھیر کر بھی نہ دیکھنا۔ حرص ورغبت تو دوسری چیز ہے اس لیے کہ تمہارے درجاتِ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ ایسے عارف تارک الدنیا کے متعلقین غالباً نان ونفقہ اور دنیاوی سامان سے خالی رہا کرتے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ ان کے دل پر دوسروں کے ساز وسامان دیکھ کر کچھ حسرت بھی پیدا ہوتی ہو اس لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ کہ ان کو توشۂ آخرت نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس پر جمے رہو آپ کو ہم رزق دینے کا حکم نہیں دیتے کیونکہ روزی ہم دیتے ہیں اور عاقبت کی بہتری پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے اس لیے پرہیزگاری میں کوشش کرو۔ وَقَالُوْا لَوْلَا ایسی باتوں کو سن کر کفار کہتے تھے کہ ہم کو کوئی بڑا معجزہ کیوں نہیں دکھاتے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے جو کچھ معجزے یا نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شواہد پہلے کتابوں میں ہیں کچھ کم ہیں؟ پھر فرماتا ہے ہم چاہتے تو بغیر رسول بھیجے ان کے گناہوں پر انہیں ہلاک کر دیتے مگر وہ عذر کرتے کہ رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اس کو مانتے۔ پھر فرماتا ہے ان سے کہو ذرا انتظار کرو مرنے کے بعد تم کو آپ معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ ع

الجزء السابع عشر (۱۷)

لوگوں کا حساب تو قریب آ لگا اور وہ ہیں کہ غفلت میں پڑے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ ان کے رب کے پاس سے سمجھانے کے لیے کوئی نئی ایسی بات ان کے پاس نہیں آتی کہ جس کو سن کر ہنسی میں نہ ڈال دیتے ہوں ان کے دل کھیل میں لگے ہوئے ہیں اور ظالم پوشیدہ سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ (محمد ﷺ) ہے کیا مگر تمہارے ہی جیسا کہ ایک شخص، تو پھر کیا تم دیدہ ودانستہ جادو کی باتیں سننے جایا کرتے ہو۔ رسول نے کہہ دیا کہ میرا رب آسمان اور زمین کی سب باتیں جانتا ہے اور وہ (سب کچھ) سنتا (سب کچھ) جانتا ہے (پھر سرگوشیاں کیا چیز ہیں) بلکہ ان ظالموں نے (یہی) کہہ دیا کہ یہ قرآن خیالاتِ پریشان ہیں بلکہ اس نے جھوٹ باندھا ہے بلکہ وہ شاعر ہے پھر جس طرح کہ پہلے رسول (معجزوں کے ساتھ) بھیجے گئے ہیں اسی طرح یہ بھی ہمارے پاس کوئی معجزہ لے آئے۔ ان سے پہلے جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا تھا وہ بھی تو ایمان نہ لائے تھے پھر کیا یہ ایمان لے آئیں گے اور اے محمد (ﷺ)! تم سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا (یہی تھا) کہ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ دیکھو اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی نہ بنائے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے پھر ہم نے ان سے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا تب ان کو اور جس کو چاہا نجات دی اور جو حد سے بڑھ گئے تھے ان کو ہلاک کر دیا ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے کہ جس میں تمہاری نصیحت ہے پھر کیا تم کو (اتنی بھی) عقل نہیں۔

ترکیب: وھم مبتداء و معرضون خبر وفی غفلۃ ضمیر معرضون سے حال ہے ای اعرضوا غافلین اور ممکن ہے کہ خبر ثانی ہو۔ لاھیۃ قلوبھم حال ہے ضمیر یلعبون سے اور یہ دونوں حال مترادف یا متداخل ہیں اور جس نے لاھیۃ کو مرفوع پڑھا ہے تب ایک ہی حال ہے کس لیے کہ یہ خبر بعد خبر ہے ھل ھذا جملہ محل نصب میں ہے النجوی سے بدل کرای واسرواھذاالحدیث۔ قال بصیغہ ماضی رسول کا قول ہوگا حمزہ وکسائی وحفص کی قرأت کے بموجب اور دیگر قراء نے قل بصیغہ امر پڑھا ہے۔

تفسیر: یہ سورہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بیشتر توحید و نبوت اور عالمِ آخرت کا ثبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عبرت انگیز تذکرے اور ان کی نافرمان امتوں کا انجامِ بد اور انسان کا بارگاہِ الٰہی میں حساب دینے کے لیے حاضر ہونا بیان ہے پس فرماتا ہے اقترب الخ کہ انسان کے حساب کا وقت تو قریب آ لگا اور وہ غفلت میں ہی پڑا ہوا خدا کے فرستادوں سے منہ موڑ رہا ہے اور جو کوئی نئی بات وعظ و پند کی ان کے کانوں میں پڑتی ہے تو اس کی طرف کھیل کود میں توجہ بھی نہیں کرتے۔

حسابھم مفسرین کہتے ہیں کہ حساب سے مراد قیامت کے دن کا حساب ہے اور گو وہ ابھی صدہا ہزارہا سال بعد آئے گا مگر آیندہ آنے والی چیز تو گھڑی گھڑی قریب ہی ہوتی جاتی ہے کیا خوب کہا ہے کسی نے۔ مااقرب ماھوآت۔ وماابعد ماھوفات۔ آنیوالی چیز بہت قریب ہے۔ اور جانے والی چیز بہت دور ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ حساب کا وقت کچھ قیامت ہی پر موقوف نہیں بلکہ موت کے بعد بھی انسان اپنے خدا کے روبرو جاتا اور اس کو قبر میں اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے سو یہ بھی ایک قسم کا حساب ہے پس اس وقت کے قریب ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں یعنی انسان غفلت کی نیند میں سوتا ہے کہ موت آ لیتی ہے اَسَرُّوا النَّجْوٰی یہ جملہ مستانفہ ہے ان کی عاداتِ رذیلہ کے بیان میں ان کے اعراض اور کھیل اور کود کے ثبوت میں۔ النجویٰ اسم ہے التناجی سے جس کے معنی سرگوشی کرنا پھر اس کے مخفی کرنے کے یہ معنی کہ ان باتوں کو جن کا ذکر اگلے جملہ میں آتا ہے نہایت مخفی طور پر باہم کہتے تھے۔ انسان جس بات کو اہم سمجھتا ہے اس کی بابت مخفی طور پر مشورہ کیا کرتا ہے اور وہ باتیں یہ ہیں۔ (۱) هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہ یہ رسول تو تمہارے جیسا آدمی ہے جس طرح ہم کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہیں ایسا ہی یہ بھی ہے۔ پھر یہ رسول کیسا جو خدا کی باتیں خاص اس کے پاس آتی ہیں ہمارے پاس نہیں؟ ان کے خیال میں رسول بشریت کے جامہ سے باہر اور ملکیت کے لباس میں ہونا چاہیے تھا جو کھانے پینے سے پاک ہو اور ہمیشہ جیتا رہے جس کے رد میں آگے ارشاد ہوتا ہے۔ (۲) اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ قرآن مجید کو اس کے اعجاز کی وجہ سے مکہ کے کافر جادو کہتے تھے۔ پھر اس کی نسبت ایک دوسرے کو کہتا تھا کہ تم قرآن پر نہ چلو جان

بوجھ کر کیوں جادو پر چلتے ہو؟ یہ بات ان کے دل میں نہ تھی دل میں تو حق جانتے تھے مگر لوگوں کے گمراہ کرنے کو سحر اور جادو کہتے تھے قَالَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ یہ ان کے مخفی کہنے کے جواب میں ہے کہ رسول نے ان کا مخفی راز ان سے کہہ دیا یا رسول کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو تم ہزار چھپاؤ میرا رب جو آسمان و زمین کی تمام باتیں جانتا ہے اور سننے والا جاننے والا ہے اس سے تمہارا یہ مخفی مشورہ کب مخفی رہ سکتا ہے؟ القول صاحب کشاف کہتے ہیں لفظ قول عام ہے سر و جہر کو شامل ہے تاکید کے لیے یعلم السر کی جگہ یعلم القول کہا۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ کفار مکہ کو قرآن کے جادو کہنے میں بھی استقلال نہ تھا جیسا کہ بے تک کوئی کسی میں عیب لگایا کرتا ہے تو وہ اسی طرح مختلف باتیں کہا کرتا ہے یعنی جادو پھر بھی ایک نادر چیز ہے۔ یہ تو ایسا بھی نہیں بلکہ پریشان خیالات ہیں کہ جن کو از خود محمد (ﷺ) نے بنا کر ذرا اچھی اور دلچسپ عبارت میں جمع کر لیا ہے کیونکہ وہ شاعر ہے۔ (۳) فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ الخ پہلے نبیوں کی طرح کوئی بڑا بھاری معجزہ کیوں نہیں دکھاتا کوئی نشانی نہیں لاتا؟ یہ ان کے تین شبہ تھے جن کی تقلید میں آج کل کے عیسائی اور متعصب ہنود بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ یہ ان کی تیسری بات کا جواب ہے جس کو وہ بار بار منہ پر لاتے اور رسول علیہ السلام کے سامنے پیش کیا کرتے تھے کہ ان سے پہلے جس قدر بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے انہوں نے اپنے رسول سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں گے مگر جب ان کو معجزہ بھی دکھایا تب بھی ایمان نہ لائے پھر یہ جو معجزہ کی درخواست کرتے ہیں کیا ایمان لے آئیں گے؟ اس لیے ان کی خواہش کے بموجب معجزہ نہیں دکھایا جاتا کیونکہ ایک وقتِ مقرر تک ان کا ہلاک کرنا ہم کو منظور نہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ یہ ان کے پہلے شبہ کا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر ہم نے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ بھی تو آدمی ہی تھے کہ جن کی طرف وحی کی گئی تھی فرشتہ نہ تھے اگر تم کو معلوم نہ ہو تو فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اہل کتاب سے پوچھ دیکھو کہ جن کے تم اے اہل مکہ اکثر باتوں میں معتقد ہو اور ان سے پوچھ پوچھ کر اعتراضات کیا کرتے ہو وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ اور ان انبیاء کو ہم نے ایسے بدن عطا نہ کئے تھے کہ جو کھانے کے محتاج نہ ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں بلکہ وہ کھاتے پیتے تھے آخر دنیا سے اٹھ گئے، موت سے نہ بچے۔

ہاں وہ ہمارے رسول تھے انہوں نے اپنی نافرمان اور سرکش قوموں کی ہلاکت کے لیے جو کچھ وعدے کئے تھے ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ ان کو ہم نے پورا کر دیا۔ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ رسولوں اور ان کے پیروؤں کو بچالیا اور بدکاروں کو حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکر افلا تعقلون یہ ان کی دوسری بات کا جواب ہے کہ قرآن کو جو ہم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اس میں غور کرو کہ تمہارے لیے اس میں کس قدر وعظ و نصیحت ہدایت و سعادت ہے۔ پھر اس کو سحر اور کیا کیا کہتے ہو اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم کو عقل نہیں؟

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ[1] ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾

[1] ارکض الفرار والہرب واصلہ من رکض الرجل الدابۃ ومنہا ارکض برجلک والمعنی انہم ہربوا و رکضین دوابہم الترف النعمۃ یقال امترف فلان وھو مترف ای وسع علیہ علیہ فی معاشہ۔۱۲ منہ

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جہاں کے لوگ ظالم تھے غارت کر دیا ہے اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں پھر جب ان ہلاک ہونے والوں نے عذاب کی آہٹ پائی تو فوراً وہاں سے بھاگنے لگے (کہا گیا) مت بھاگو اور ان نعمتوں کی طرف لوٹ جاؤ جن کے تم مزے اڑایا کرتے تھے اور اپنے مکانوں کی طرف بھی واپس جاؤ تا کہ تم سے[1] پوچھا جائے وہ کہنے لگے وامصیبتاہ ہم ہی ظالم تھے۔ پھر وہ ہمیشہ یہی پکارا کئے یہاں تک کہ ہم نے ان کو کاٹ کر کھلیان کر دیا جو بجھے پڑے تھے اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کو کھیلنے کے لیے نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم کھیل ہی بنانا چاہتے تو اپنے پاس کی چیزوں[2] کو بناتے اگر ہم کو یہی کرنا تھا بلکہ حق کو باطل پر (پتھر کی طرح) پھینک مارتے ہیں پس حق باطل کا سر توڑ دیتا ہے پھر وہ باطل ترت مٹ جاتا ہے اور تم پر پھٹکار ہے تمہاری باتیں بنانے سے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا تو ہے اور جو لوگ اس کے حضور میں ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرتابی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن تسبیح کیا کرتے ہیں سستی نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے زمین کی چیزوں سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں کہ جن کو وہ خود بنا کر کھڑا کرتے ہیں اور اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ (کبھی کے) خراب ہو چکے ہوتے جو جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کیا کرتے ہیں اللہ عرش کا مالک ان سب سے پاک ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاتا بلکہ وہ خود پوچھے جاتے ہیں۔

ترکیب: وَ كَمْ قَصَمْنَا صاحبِ کشاف کہتے ہیں قصم اس طرح سے توڑنے کو کہتے ہیں کہ ایک ایک ٹکڑا جدا ہو جائے بخلاف **قضم** اور کسر

---

[2] کہ تم پر کیا گزری اور تمہارے وہ ساز و سامان کیا ہوئے، جن مکانوں پر فخر کیا کرتے تھے کہاں گئے۔ یہ کلام ان سے بطور تمسخر کے کسی باخدا نے کیا تھا۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی کھیلنے کے لیے عالمِ غیب کی چیزیں فرشتے اور بہشت کی مخلوق اور روحانیات کیا کم تھے عالمِ غیب کی چیزوں کو اپنے پاس کی چیزیں اس لیے کہا کہ عالمِ محسوس کی بہ نسبت عالمِ ملکوت تو اس سے قریب ہے۔ عرب کے بعض قبائل اولاد اور بیوی کو لہو کہا کرتے ہیں اس لیے کہ دراصل انسان کے کھیلنے دل خوش کرنے کی یہی چیزیں ہیں۔ اس تقدیر پر یہ مطلب کہ کھیلنا ہی ہوتا تو اپنے پاس کے لوگوں کو بیوی بیٹا بنا کر نہ کھیلتے اس میں ان لوگوں پر تعریض ہے جو مخلوق کو اس کی بیوی یا بیٹا کہتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

کے۔ قریہ سے مراد وہاں کے سکان بحذف مضاف۔ کم خبریہ تکثیر کے لیے محل نصب میں قصمنا کی وجہ سے من قریۃ تمیز کانت ظالمۃ محلِ جر میں قریہ کی صفت ہو کر بحذفِ مضاف۔ اذا مفاجات کے لیے ھم مبتداء یر کضون خبر اذا اس کا ظرف تلک دعواھم تلک موضع رفع میں اسم زالت و دعوھم خبر و یجوز العکس۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا ہم نے مسرفین کو ہلاک کر دیا۔ اب پھر اس کی تشریح فرماتا ہے کہ وہ مسرفین کون تھے اور ان کے کیا عادات تھے اور کس طرح سے ہلاک ہوئے؟ تا کہ ان مشرکین کو معلوم ہو کہ وہ ہمارے ہی جیسے کافر اور بدکار تھے اب ہم کو بھی عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔ پس فرماتا ہے وکم قصمنا کہ ہم نے بہت سے شہروں کو ہلاک و برباد یا غارت کر دیا ہے جن کے رہنے والے ظالم و بدکار تھے اور ان کی جگہ اور نئی قومیں آباد کر دیں اور نئے لوگ پیدا کر دیے۔ پھر جب ان غارت ہونے والے لوگوں کو ہمارا عذاب آتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ انبیاء نے ان کو خبر دی تھی (یہ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ کی تفسیر ہے، تو اس عذاب سے بھاگنے لگے۔ رکض ایڑ مارنا ومنہ قولہ تعالیٰ ارکض برجلک پس جب ان کو عذابِ الٰہی کے آثار نمودار ہوتے دکھائی دیے تو اپنی سواریوں پر سوار ہو کر ان کو ایڑ مار کر اپنے شہر و دیار چھوڑ چھوڑ بھاگنے لگے یا ارکض کے ساتھ ان کا جلدی بھاگنا سرعت کی وجہ سے تعبیر کیا گیا۔ لاترکضوا فرشتہ یا ہاتفِ غیب نے یا ان کے حالِ موجودہ نے ان سے کہا کہ مت بھاگو اور تم کو جو کچھ خدا نے نعمتیں اور عمدہ مکانات اور باغ اور مال و زر اور محبوب زن و فرزند دے رکھے تھے لوٹ کر وہیں جاؤ شاید تم سے سوال کیا جائے کہ تم پر کیا گزری یعنی بھاگنا سودمند نہ ہوگا اور ان کے مکانات اور نعماء کی طرف لوٹ کر جانے کا حکم دینے میں گویا ان پر تعریض ہے کہ آج یہ سب چیزیں تم سے چھینی جاتی ہیں تم نے ان کی شکر گزاری نہ کی تھی اب انہیں دیکھ دیکھ حسرت کے ساتھ جان دو اور ان کو بھی اپنے روبرو برباد ہوتے دیکھو اور ان سے سوال ہونے سے یہ مراد کہ تمہارے اموال و مکانات کے ساتھ ہلاک ہونے سے کل آئندہ آنے والے لوگ سوال کریں گے کہ یہ کون لوگ تھے اور کیونکر ہلاک ہوئے؟ یا یہ معنی کہ جاؤ تمہارے نوکر چاکر ماتحت لوگ تم سے پوچھ پوچھ کر کام کریں گے جیسا کہ تمہاری بحالی کے وقت میں کیا کرتے تھے یعنی کہاں بھاگ کر جاتے ہو وہیں جاؤ، ناجائز ویسی ہی حکومت چلاؤ۔

پھر فرماتا ہے فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ کہ وہ ہلاک ہوتے ہوتے تک یوں ہی پکارا کیے يٰوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ کہ اے افسوس، اے خرابی! بے شک ہم ستمگار تھے۔ مگر اس وقت ان کا کہنا کیا فائدہ دیتا تھا آخر یوں ہی پکارتے پکارتے نیست و نابود ہو گئے۔ دعویٰ مصدر بمعنی الدعوۃ پکارنا جیسا کہ اہلِ جنت کی شان میں آیا ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ حصید کٹی ہوئی کھیتی بمعنی المحصود۔ الخمود بجھنا آگ کا یعنی ان کو ہم نے ایسا کر دیا جیسی کھیتی کٹی ہوئی پڑی ہوتی ہے اور اس طرح بجھا دیا جس طرح آگ بجھ جاتی ہے مراد یہ کہ ہلاک و برباد کر دیا۔

ان گاؤں کی نسبت کہ جن کا ان آیات میں ذکر ہے مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضور اور سحول یمن میں دو شہر تھے جہاں عمدہ کپڑا بنتا تھا، وہ مراد ہیں۔ کوئی کہتا ہے شام کے ملک میں سدوم وغیرہ قومِ لوط کی بستیاں مراد ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ شام و یمن پر کیا موقوف ہے تاریخ کھول کر دیکھئے گا تو ہر ملک میں آپ کو ایسے بہت سے اجاڑ شہر ملیں گے کہ جو زلزلہ یا آسمانی پتھروں یا طغیانیِ دریا یا وبا یا قتل یا پہاڑ کے آتشی مادہ سے یا کسی اور آفتِ الٰہی سے جو معمولی آفتوں کے علاوہ ہے برباد ہوئے ہیں اور اب ان قوموں کا نام و نشان بھی نہیں ان کی جگہ اور قومیں آباد ہیں فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ الخ مشرکین بلکہ اور بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ انسان اور دیگر چیزیں آپ ہی پیدا ہوتی ہیں اور آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ خدا کو انسان کے نیک و بد سے کیا غرض اور رسولوں کے بھیجنے سے کیا مطلب؟ پھر جو کوئی قوم یا شہر برباد ہوا ہوتا ہے اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل۔ یہ سب اسبابِ ارضی و سماوی سے ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ آسمان اور زمین اور اندر کی

کائنات از خود تو پیدا ہو ہی نہیں گئی بہر طور کوئی اس کی علت و سبب نکالو گے پھر اس میں کلام ہوگا انجام کار خدا کا قائل ہونا پڑے گا پھر جب ان کے ہم خالق ہیں تو باوجود اس علم و حکمت کے ہم نے ان چیزوں کو عبث اور بیکار تو پیدا کیا ہی نہیں بلکہ ہر ایک سے ایک غایت مطلوب ہے پھر جن چیزوں کو فی الجملہ اس غایت اور کمال حاصل کرنے میں اختیار بھی دیا گیا ہے اور وہ اس کو حاصل نہ کریں گے (جیسا کہ خلقت انسان سے مقصود اس کی معرفت و عبادات و دیگر مصالح ہیں) تو نکمے ہوں گے جیسا کہ میوے دار درخت کی نکمی شاخ جس کا کاٹنا ضروری ہوتا ہے تا کہ اس کی جگہ اور شاخ پھوٹے (وَاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِيْنَ) رہے اسباب ارضی و سماوی وہ سب بھی ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں۔ اسباب کا پیدا کرنا بربادی اور ہلاکت کے لیے یا سعادت کے لیے ہمارا ہی کام ہے اور اگر ہم کو دنیا کے پیدا کرنے سے کھیل اور تماشا ہی منظور ہوتا تو لاتخذناہ من لدنا ای من عندنا اپنے ہاں سے یعنی مجردات اور نورانی چیزیں جو ہمارے اسرار ربوبیت کا نمونہ ہیں کیا کم تھیں؟ بلکہ انبیاء اور رسل بھیجنے سے ہمارا مقصود تو ہمات باطلہ کا مٹانا اور حق کا جتلانا ہے۔ اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے باطل کو مٹی کے خام برتن سے تشبیہ دی اور حق کو سخت پتھر سے کہ جب اس کو اس برتن پر پھینک ماریں تو فوراً ٹوٹ پھوٹ جائے اس لیے فرماتا ہے کہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں کہ جس سے وہ باطل مٹ جاتا ہے۔

اور اے کفار وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ تم جو یہ برے بیان کرتے ہو اس سے تمہارے لیے خرابی ہے یا یہ جملہ انشائیہ بصورت جملہ خبریہ ہے کہ تمہاری ان باتوں پر پھٹکار منجملہ ان کے برے بیانوں کے ایک یہ بھی تھا کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اب اس کا ابطال فرماتا ہے وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ کی ملک ہے پھر اس کو بیٹے کی کیا حاجت؟ اور جو بیٹا ہے پھر اس نے کیا پیدا کیا ہے چیزیں تو خدا کی پیدا ہوئی ہیں؟ ومن عندہ اور اس کے پاس رہتے ہیں یعنی ملائکہ وہ تو خود رات دن اس کی عبادت کرتے ہیں، تھکتے نہیں نہ تکبر کرتے ہیں پھر وہ اس کی بیٹیاں کیونکر ہیں؟ ام اتخذوا الھۃ زمین کی چیزوں کو انہوں نے گویا خدا بنالیا ہے پھر کوئی پوچھے هُمْ يُنْشِرُوْنَ کیا وہ کسی کو زندہ کر سکتے ہیں؟ لو کان الخ اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو آپس کے جھگڑے سے نہ آسمان رہے نہ زمین پس خدا عرش کا مالک جس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ کیا کرتا ہے ان سب باتوں سے پاک ہے۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ خود انہوں نے زمین کی چیزوں سے پتھر، پیتل، تانبے، سونے، چاندی کے آپ ہی بت بنا کر کھڑے کرتے اور پھر ان کو پوجتے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي

ع ۲ ۱۹ ۳

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ ع

کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ کہہ دو اپنی دلیل تو پیش کرو۔ یہ میرے ساتھ والوں کا فہمائش کرنے والا (قرآن) موجود ہے اور مجھ سے پہلوں کے بھی فہمائش نامے ہیں (یعنی توراۃ وانجیل پر کسی میں بھی دو معبود نہیں) بلکہ اس میں سے اکثر تو حق جانتے ہی نہیں اس لیے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور (اے نبی!) تم سے پیشتر ہم نے ایسا کوئی بھی رسول نہیں بھیجا کہ جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ بجز میرے اور کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کیا کرو اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے (فرشتوں کو) بیٹیاں بنالیا ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ کلام کرنے میں اس سے پیش قدمی نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ شفاعت بھی نہیں کرتے مگر اس کے لیے کہ جس سے وہ خوش ہو گیا ہو اور وہ اس کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ اس کے سوا میں خدا ہوں تو اسی پر ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ظالموں کو ہم اسی طرح سے سزا دیا بھی کرتے ہیں۔

تفسیر: پھر تہدید وتوبیخ کے لیے اسی جملہ کو نقل فرماتا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا الخ کہ کیا انہوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں؟ پھر اس بات کو دو طرح سے باطل کرتا ہے: (۱) قل ھاتوا برھانکم کہ اس پر کوئی سند یا دلیل پیش کرو اور جب سند نہیں تو محض وہم اور فاسد خیال ہے۔ (۲) ھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ کہ اچھا اگر تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل اس بات پر نہیں تو نقلی پیش کرو۔ نقلی دلیل کتاب الٰہی سے ہو تو مسلم ہے ورنہ نہیں اور کتابِ الٰہی جو میرے ساتھ والوں کا یعنی میری امت کا ذکر یعنی فہمائش کرنے والی ہے وہ قرآن مجید ہے اور مجھ سے پہلے لوگوں کا ذکر توراۃ وانجیل وزبور وصحف انبیا بھی دنیا میں آچکے ہیں پھر کسی میں تو دکھاؤ کہ اور بھی خدا کے سوا معبود ہیں؟ سعید بن جبیر وقتادہ وسدی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہ ذکر من قبلی قرآن مجید کی صفت ہے کہ اس قرآن میں میری امت کا اور مجھ سے پہلے لوگوں کا ذکر ہے۔ اب اس سے بڑھ کر اور جامع کون سی کتاب ہوگی جو مانو گے؟ فرماتا ہے بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ کہ یہ جو اس سے اعراض کرتے ہیں اس سے کتابِ الٰہی کا قصور نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ان میں سے نادان اور جاہل ہیں' حق شناس نہیں ہیں اس لیے اعراض کرتے' منہ موڑتے ہیں۔ اس کتاب کا اور اگلی کتابوں کا تو حال انہیں معلوم ہو گیا۔ رہے بزرگانِ دین جو انبیاء اور رسول ہیں، انہوں نے بھی کبھی دو خدا کی عبادت نہیں بیان کی بلکہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پیشتر جس قدر انبیاء ہم نے بھیجے ہیں سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کیا کرو۔ چنانچہ توریت موجودہ اور اناجیلِ موجودہ میں بھی یہ بات موجود ہے پھر مسیح کا خدا ہونا اور خدا کا بیٹا ہونا اسی طرح اور چیزوں یا بزرگوں کا خدائی میں شریک ہونا ان کو کہاں سے ثابت ہو گیا؟ عرب میں قبیلہ خزاعہ کے لوگ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے ان کے قول کو بھی رد فرماتا ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ الخ کہ وہ مشرکین کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد جنائی ہے وہ ایسی باتوں سے پاک ہے اور وہ فرشتے کہ جن کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اس کے بندے ہاں معزز بندے ہیں۔ مگر اس کے حکم کے ایسے مطیع ہیں کہ (۱) کلام بھی اس کی اجازت بغیر نہیں کرتے جب وہ کچھ فرمالیتا ہے تو بولتے جواب دیتے ہیں۔ (۲) وہ اس کے حکم کے پابند ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کا ظاہر و باطن معلوم ہے۔ یا یہ معنی کہ خدا تعالیٰ نے جو ان کو عزت دی ہے وہ ان کے ابتداء وانتہا سے خوب واقف ہے کہ وہ نافرمانی نہیں کرتے۔ یا یہ کہ وہ اس کی قدرت وعلم کے احاطہ میں ہیں پھر ان کی الوہیت کیسی۔ (۳) اور وہ سفارش بھی اسی کی کرتے ہیں کہ جس سے خدا کو راضی پاتے ہیں یعنی کلمہ گو کی اور (۴) وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو کوئی بالفرض ان میں سے خدائی کا قائل ہو بھی تو ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں ہمارے زیرِ حکم ہیں پھر بیٹیاں ہونا اور رشتہ دار ہونا کیسا؟ اور ان پر کیا موقوف ہے ہم ہر ظالم کو ایسی ہی سزا دیا

کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور کیا منکروں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم جڑے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ہی ان کو جدا جدا کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے بنایا۔ تو پھر کیا (اس پر بھی ہم پر) ایمان نہیں لاتے اور زمین میں ہم نے ہی بوجھل پہاڑ رکھ دیے کہ ان کو لے کر ادھر اُدھر نہ جھکنے پائے اور اس میں ہم نے ہی کشادہ رستے بنا دیے تاکہ لوگ راہ پائیں اور ہم نے ہی آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور وہ ہیں کہ ہماری آسمانی نشانیوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور وہی تو ہے کہ جس نے رات اور دن اور آفتاب اور چاند کو پیدا کیا جو ہر ایک (ایک ایک) آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔

ترکیب : کل شیءٍ مفعول جعلنا حی اس کی صفت من الماء لابتداء الغایت ویجوز ان یکون صفۃ لکل تقدم علیہ فصار حالا۔

تفسیر : مشرکین کا خیال رد کر کے اب ان کے سامنے (جو بہت سے معبودوں کے قائل تھے اور کبھی اس کی معزز مخلوق کو اس کا بیٹا یا بیٹیاں کہتے تھے) یہ چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ عالم میں یہ تمام صنعتکاری اسی کی ہے۔ کسی معبود یا بیٹے نے کیا پیدا کیا ہے؟ اور چونکہ یہ دلائل ایسے بدیہی ہیں کہ جو ادنیٰ غور کرنے سے مدعا ثابت کر دیتے ہیں تو اس لیے اَوَلَمْ يَرَ[1] کر کے خطاب کیا (۱) اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا الخ رتق بند کرنا بند ہونا فتق بالفتح جدا کرنا کھولنا۔ اس کے معنی مفسرین نے چند طور پر بیان کئے ہیں لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری اور جمہور مفسرین اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آسمانوں کا بند ہونا مینہ کا بند ہونا، مینہ کا ان سے نہ برسنا اور زمین کا بند ہونا نباتات کا پیدا نہ ہونا اور کھلنا آسمان سے بارش برسنا اور زمین کا نباتات اگانا کہ کافر یہ نہیں دیکھ چکے بلکہ ہر سال صیف وشتا شدید کے وقت جبکہ بارش نہیں ہوتی اور زمین سے کچھ پیدا نہیں ہوتا دیکھتے ہیں کہ آسمان اور زمین بند ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ہی اپنے ید قدرت سے کھولتا ہے، بارش برساتا ہے، پھر اس سے ہر قسم کا سبزہ اگاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان آیات میں ابتداءِ آفرینش عالم کی طرف اشارہ ہے جس کو قرآنِ مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا یہاں اجمالاً بیان کیا جاتا ہے کہ مادہ اثیر یہ یعنی ایتھر سب ایک جا جمع تھا آسمانوں اور زمین کا مادہ مجتمع تھا اس میں سے میں نے آسمانوں کو جدا کر دیا زمین کو جدا یعنی اس میں سے کسی قدر سے آسمان بنا دیے کسی قدر سے زمین پھر زمین کی مخلوقات حیوانات نباتات کو زندہ کیا کل شیءٍ سے یہی چیزیں مراد ہیں۔ نباتات میں یہی ایک قسم کی حیات ہے اگر غور

[1] اولم یر بمعنی اولم یعلموا کانتا بالتعبیر الی السماء والارض بلحاظ الجنس لہذا لم یقل کن الرتق السد ضد الفتق یقال الرتقہ فارتتق ای التائم ای کانتا متمتین وقال رتقا ولم یقل رتقین لانہ مصدر ۱۲ منہ

کرو تو جمادات کا انعقاد بھی پانی سے ہوا ہے اور ان کی صورتِ نوعیہ کا قیام ان کی حیات ہے اس لیے اس کے بعد میں فرماتا ہے (۲) وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ جلعنا یا تو ایک مفعول کی طرف متعدی قرار دیا جائے یا دو کی طرف پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے ہر حیوان کو پانی سے پیدا کیا جیسا کہ اور جگہ فرماتا ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ یا تو نطفہ سے حیوانات پیدا ہوتے ہیں جو ایک قسم کا پانی ہے یا ان کو پانی کی طرف اشد ضرورت ہے اس لیے ان کی حیات کو پانی کی طرف منسوب کیا جیسا کہ آیا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ انسان میں جلدی ہونے کو جلدی سے پیدا ہونے کے ساتھ تعبیر کیا یہ ایک محاورۂ عرب ہے۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے صیرنا کل شیءٍ حی بسبب الماء کہ ہر جاندار کو پانی سے زندہ کیا ہے من الماء مفعول ثانی کل شیءٍ موصوف حی صفت مجموعہ مفعول اول مفعول ثانی کا مقدم کرنا اہتمامِ شان کی وجہ سے ہوگا۔ اور بعض روایات میں حیا بالنصب بھی آیا ہے یا تو اس کو اس صورت میں کل کی صفت قرار دیں گے کہ ہر کل شی جو حی ہے اس کو پانی سے پیدا کیا۔ یا یہ مفعول ثانی ہوگا تب یہ معنی ہوں گے کہ ہر ایک شئے کو پانی سے زندہ کیا۔ اس صورت میں ہر شے سے مراد حیوان یا نباتات ہوں گے۔ قرائن سے عام خاص کیا جائے گا۔

سوال: بہت سے جاندار ہیں جو پانی سے پیدا نہیں ہوئے جیسا کہ جن آگ سے پیدا ہوئے یا فرشتے اور خود حضرت آدم علیہ السلام جن کی نسبت آیا ہے خلقہ من تراب اور وہ جانور جن کو کہ حضرت مسیح علیہ السلام گارے کا بنا کر اس میں کچھ پھونکتے تھے کہ وہ اڑ جاتا تھا پھر سب جانداروں کا پانی سے پیدا ہونا نہ پایا گیا۔

جواب: لفظ گرچہ عام ہے مگر قرینۂ مخصص موجود ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ یَرَ سے وہ چیزیں بیان کرتا ہے جو ان کے دیکھنے میں آتی ہیں اور یہ چیزیں انہوں نے کب دیکھی ہیں۔ پس یہ اس میں شامل نہیں یا بیانِ اکثریہ ہے جس کو محاورۂ عرب میں کلیہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور عرف عام کا یہی کلیہ ہے۔ (۳) جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ای لئلا یمتد لام ولا عدم التباس کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ راسیہ زمین میں گڑی ہوئی چیز جس کی جمع رواسی ہے۔ مراد پہاڑ یعنی کرۂ ارض زمین میں پہاڑوں کی وجہ سے یا خود اس کی ذات میں ثقل اور بوجھل ہونا کر دیا جو ڈگمگاتی نہیں اگر یہ بھی ہوا یا پانی کی طرح خفیف و سبک ہوتی ہلتی جلتی تب اس پر نہ کوئی مکان رہتا نہ مکین یہ بھی بڑا انعامِ الٰہی ہے۔ (۴) وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ کہ زمین میں تمہارے راہ پانے کے لیے کشادہ رستے رکھے اگر سخت ناہموار و دشوار گزار زمین ہوتی جیسا کہ بعض خیال ہوتے ہیں تو بھی دنیا اس لطف کے ساتھ نہ بستی۔ الفج الطریق الواسع لعلھم یھتدون میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کاش یہ گمراہ ان کشادہ رستوں کو نعمت سمجھیں اور راہِ ہدایت پر آئیں۔ (۵) وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا آسمان کو چھت زمین سے فوقیت کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ اب رہا اس کا محفوظ ہونا سو وہ کئی وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ وہ گرنے اور پرانا ہونے سے محفوظ ہے اور گھروں کی چھتوں کی مانند وہ نہیں کقولہ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ دوم یہ کہ شیاطین سے محفوظ ہے شیاطین کو وہاں تک رسائی نہیں کما قال وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔ زمین گویا فرش اور آسمان اس کی چھت ہے اور یہ ایک عمدہ گھر ہے جس کی روشنی کی قندیلیں آفتاب و ماہتاب ہیں اور اسی طرح سیارے بھی۔ جن کا آگے ذکر فرماتا ہے پھر یہ تمام مخلوق جو اس کے گھر میں اس کی نعمت کھا پی رہے اور یہ گھر اور اس کی نعمتیں جو روز اپنے مہمانوں کو کھلاتا ہے بجز اس کے اور کس نے پیدا کی ہیں؟ پھر اس آسمان کی رفتار اور اس کے ستاروں کی گردش اور ان سے صدہا انقلابات خدا تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جو اس کے جبروت و سطوت پر دلالت کر رہی ہیں لیکن کفار ان میں غور نہیں کرتے۔ وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔

فی الحقیقت اگر انسان تھوڑی دیر ان عجائب قدرت میں غور کرے کہ جو اس نے آسمانوں میں رکھی ہیں تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی ہے جو یہ کار پردازی کر رہا ہے۔ (۶) وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ اس

آیت میں ان چند نشانیوں کا ذکر کرتا ہے کہ جن سے وہ اعراض کرتے ہیں رات دن کا بہ تعاقب آنا علاوہ ان بیشمار فوائد کے جو انسان اور دیگر مخلوق کے لیے ہیں جیسا کہ رات میں سونا آرام کرنا' دن میں روزی تلاش کرنا' کاروبار کرنا' پھلوں پھولوں کا نمودار ہونا' اس کی قدرت کی بھی ایک دلیل واضح ہے۔ پھر آفتاب کے مختلف حرکات اور مختلف طور پر طلوع وغروب کرنے میں رات دن کے پیدا ہونے کے سوا ہزاروں فوائد ہیں اور یہ گویا اس دنیا کے گھر کا چراغ ہے اسی طرح ماہتاب کے حرکات اور مختلف طور پر طلوع وغروب بھی ان فوائد کی تکمیل ہے اور یہی حال دیگر ستاروں کا ہے۔ یہ رات کا چراغ ہے۔ چاند اور سورج کی اس چال کو جب ناظر آسمان کی طرف غور کر کے دیکھتا ہے تو گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نیلے رنگ کے دریا میں یہ دو مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ ان کی اس چال کو تیرنے کے ساتھ بطور تشبیہ یا استعارہ کے بیان کیا۔

فائدہ: حکمائے قدیم کا ایک بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ سات آسمان ہیں اور آفتاب چوتھے آسمان میں ہے اور ماہتاب پہلے میں اور نیز ان کے حرکات فلک کے حرکات کے ساتھ ہیں پھر تدویر اور اس فلک کی وجہ سے کہ جس میں یہ تدویر ہے اور نیز فلک الافلاک کی وجہ سے مختلف حرکات پیدا کرتے ہیں اگر یہ حرکاتِ مختلفہ نہ ہوتے تو کہیں ہمیشہ جاڑا رہتا کہیں سخت گرمی کہیں رطوبت کہیں سخت یبوست نظامِ عالم میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک تو معنی ظاہر ہیں اور جمہور اہلِ اسلام بھی ان آیات و دیگر آیات سے ایسا ہی خیال رکھتے ہیں۔ مگر حکماء کا ایک فریق کہتا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب کسی فلک میں جڑے ہوئے نہیں اپنے اپنے مدار پر بذاتِ خود حرکت کرتے ہیں اور افلاک کوئی جسم دار چیز نہیں؟ ہاں یہ جو نظر میں ایک نیلا گنبد سا نظر آتا ہے یہی عرفِ عام میں فلک گنا جاتا ہے خدا کی پاک کتابوں میں ایسے امور کی حقیقت سے کچھ بحث نہیں کہ وہ کیا ہے؟ وہاں تو عرفِ عام کے لحاظ سے کلام ہوا کرتا ہے۔ پس اس تقدیر پر ہر ایک کا ایک فلک میں تیرنا حرکت کرنا بجز اس توجیہ کے درست نہیں ہوسکتا کہ فلک سے مراد ہر ایک کا مدار لیا جائے جیسا کہ ضحاک کا قول ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا بِهِ

يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۴۱﴾

اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی آدمی کے لیے ہمیشگی نہیں بنائی۔ تو پھر کیا آپ مرجائیں گے تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ ہر ایک جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور (اے لوگو) ہم تم کو بری اور بھلی آزمائش کرتے ہیں اور تم ہمارے پاس تو پھر آؤ ہی گے اور (اے نبی!) جب تم کو کافر دیکھتے ہیں تو بس تم سے ہنسی کرتے لگتے ہیں کہ کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے حالانکہ وہ (خود) رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔ آدمی جلد باز بنایا گیا ہے (ذرا ٹھہرو) میں تم کو اپنی نشانیاں ابھی دکھائے دیتا ہوں سو جلدی مت کرو اور وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ بتاؤ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کاش منکروں کو وہ وقت معلوم ہو جائے کہ جب وہ نہ اپنے مونہوں[1] (آگے) سے آگ دور کرسکیں گے نہ اپنی پشت (پیچھے) سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی بلکہ وہ گھڑی ان پر یک بہ یک آجائے گی پھر تو وہ ان کو بدحواس کردے گی۔ پھر نہ تو اس کو ٹال سکیں گے اور نہ ان کو مہلت ملے گی اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے۔ پھر جس عذاب کی بابت وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر آپڑا۔

ترکیب: فتنة مفعول یا موضع حال میں ای فاتنین یا مفعول مطلق ای نفتنکم بھا فتنہ الا ھزوا مفعول ثانی۔ من عجل موضع نصب میں خلق سے علی المجاز جیسا کہ خلق من طین۔ اور حال بھی ہوسکتا ہے ای عجلا و جواب لو محذوف وحین مفعول بہ ہے۔ بغتة مصدر موضع حال میں۔

تفسیر: آفتاب و ماہتاب اور دیگر دارِ دنیا کے ارکان بیان فرما کر جن میں غور کرنے سے اس گھر کے بنانے والے کا وجود ثابت ہوتا تھا یہ بات بیان فرماتا ہے کہ کسی کو سدا اس گھر میں رہنا نہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) تم سے پہلے کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں بنایا نہ تم کو ہمیشگی ہے اور نہ تمہارے بعد ہمیشہ یہ رہیں گے جو تمہارے مرنے کی آرزو کرتے ہیں۔ وَمَا جَعَلۡنَا الخ اس دنیا میں امتحان کے لیے تم آئے ہوتا کہ تم نیکی کرکے دارِ آخرت کی خوبیوں کے مستحق بنو اور ہمارے پاس ہر ایک کو ضرور آنا ہے پھر ہر ایک کو نیکی بدی کا بدلہ ملنا ہے واذا راٰك الخ مگر اب ان دارِ آخرت سے غافلوں اور دارِ دنیا کے مفتونوں کا یہ حال ہے کہ بجائے اس کے کہ دارِ آخرت کے ہادی کا اتباع کرتے اس سے ہر وقت تمسخر اور ٹھٹھا کرکے کہتے ہیں کہ کیا یہی تمہارے بتوں کو برائی سے یاد کرتا ہے؟ یعنی ان کی خدائی باطل کرتا ہے ان کو بے اختیار اور عاجز کہتا ہے مقاتل وسدی کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہے یعنی وہ زیادہ تر ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتا ہے کہ بتوں کے اور اپنے فرضی معبودوں کے ذکر سے تو ایسا خفا ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کے اوصافِ حمیدہ وحدہ لاشریک لہ اور قادرِ مطلق ہونے وغیرہ کے منکر ہیں ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس سے اس کے ان اوصاف کا انکار لازم آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حقیقی معبود کے مقابلہ میں فرضی معبودوں کی یہ قدر ومنزلت؟ پھر دارِ آخرت اور حیاتِ جاودانی کیونکر نصیب ہوگی؟

خلق الانسان من عجل اے خلق عجولا وذلک علی المبالغة۔ یعنی دارِ آخرت کا ہادی جو ان کو بری باتوں سے جو پیش آنے والی ہیں روکتا ہے تو اپنی جلد بازی سے کہتے ہیں کہ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ وہ وعدہ کب پورا ہوگا اور جلد ہم پر کیوں عذاب نہیں آچکتا۔ فرماتا ہے سَاُورِيۡكُمۡ اٰيٰتِيۡ کہ ابھی میری آیتوں کا یعنی ان باتوں کا کہ جن کا وعدہ کیا گیا ہے زندگی میں اور مرنے کے بعد ظہور ہوجاتا ہے جلدی نہ کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ جلد بازی اس لیے ہے کہ ان کو اس کا یقین نہیں اور اگر ان کو وہ وقت معلوم ہوجائے کہ جب جہنم میں ہر طرف سے آگ ان کو گھیرے گی کبھی اس کی جلدی نہ کرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان آیات میں سے ایک قیامت ہے کہ جو فوراً آجائے گی مہلت نہ لینے

[1] یعنی آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی نہ اس کو سامنے سے دور کرسکیں گے نہ پیچھے سے۔ ۱۲ حقانی

دے گی۔

پھر آپ کو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تسلی دیتا ہے کہ یہ تمسخر کوئی نئی بات نہیں کفار ہمیشہ انبیاء سے تمسخر کرتے چلے آئے ہیں جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ وبالِ عذاب جس کی بابت وہ تمسخر کرتے تھے انہی پر الٹ پڑا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝

(اے نبی!) ان سے پوچھو (تو سہی) رات اور دن میں رحمٰن کے عذاب سے تمہاری کون محافظت[1] کیا کرتا ہے (ان کو ڈرنا چاہیے تو کجا) بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں پھر کیا ہم سے ان کے معبود ان کو بچائے رکھتے ہیں وہ تو خود اپنی بھی (وقت پر) مدد نہیں کر سکتے اور نہ ان کا ہمارے مقابلہ میں ساتھ دے گا (وہ معبود کسی کو کیا دیکھتے ہیں) بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک رسایا بسایا تھا کہ ان پر زمانہ دراز گزر گیا اس لیے اس رحمت کو رحمتِ خداداد نہیں سمجھتے پھر کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے دباتے[2] چلے آتے ہیں پھر کیا وہی غالب رہیں گے؟ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے میں تو تم کو صرف وحی سے ڈرسناتا ہوں (مگر تم بہرے ہو) اور بہروں کو جب کسی چیز سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ (سرے سے) پکارنا ہی نہیں سنتے ڈرنا تو کجا۔

ترکیب: من استفہامیہ مبتداء یَکْلَؤُکُمْ ای یحفظکم خبر من الرحمن ای من باسہ موضع نصب میں یکلؤ سے ام استفہامِ انکاری لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ جملہ مستانفہ یُصْحَبُوْنَ مازنی کہتا ہے یہ اصحبت الرجل اذا منعتہ سے ہے نہ صحبت سے بعض کہتے ہیں اس جگہ بمعنی نصرت و معونت ہے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ آخرت میں ان پر ہر طرف سے عذاب محیط ہوگا آگے سے اور پیچھے سے' یہ اس کو دفع نہ کر سکیں گے۔ اب فرماتا ہے آخرت تو آخرت اگر دنیا میں ان پر رات دن میں کوئی بلا نازل ہو جائے تو یہ اس کو کب روک سکتے ہیں۔ پس اس دارِ دنیا میں بھی دن رات دن کی صدہا مصائب سے بجز رحمٰن کے اور کوئی ان کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ یہ بات ان سے پوچھ دیکھو خود ان کو بھی اس کا اقرار ہے۔ لفظ رحمٰن میں اشارہ ہے کہ یہ محافظت محض اس کی رحمت کا مقتضٰی ہے ورنہ تمہارے اعمال تو ایسے نہیں۔ یہ جملہ گویا اگلے کلام کے لیے تمہید بھی ہے کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کو ہماری بلا سے محفوظ رکھ سکے؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ تو خود اپنی ہی حفاظت نہیں کر سکتے۔ وہ یہ

[1] الکلاءۃ الحراستہ والحفظ یقال کلاہ اللہ کلاۃ ای حفظ وقری یکلو کو بفتح اللام واسکان واو یصحبون قال ابن قتیبہ اے لایجیرھم منا احدلان للغیر صاحب الجار و الغرب تقول صحبک اللہ اے حفظک ۔۱۲ منہ

[2] یہ پیشین گوئی ہے کہ کیا کفارِ مکہ نہیں دیکھتے کہ ارض یعنی زمین عرب کو چاروں طرف سے کم کرتے یعنی فتح کرتے ہوئے یا کھولتے ہوئے چلے آتے ہیں چنانچہ ایسا ہی واقعہ بھی ہوا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت گرچہ ظہور و غلبہ اسلام نہیں ہوا تھا مگر جس کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ہوا ہی کہہ کر تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

سب کچھ جان بوجھ کر جو ہمارے سوا اوروں کو پوجتے ہیں گویا عمداً ہم سے اور ہماری یاد سے منہ پھیرتے ہیں۔ کما قال بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ اب ان کی اس بے اعتنائی کا سبب بیان فرماتا ہے کہ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ الخ ان کا یہ اعراض وتمرد کچھ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے اس دارِ دنیا میں کہ جس کا فرش زمین اور جس کی چھت آسمان اور جس کی قندیلیں چاند اور سورج ہیں' ان کو پشت در پشت اپنے کرم و فضل سے طرح طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں کہ جن کو یہ برتتے برتتے یہ سمجھنے لگے کہ یہ سب ہماری ہی کوشش کا نتیجہ ہے اور سدا سے ہے اور ہمیشہ ہم یوں ہی کامیاب رہیں گے۔ الغرض ہماری نعمتیں کھا کھا کر مست و مغرور ہو گئے۔ سو ان کا یہ خیال غلط ہے وہ ہماری نافرمانی کر کے کبھی بحال نہ رہیں گے ہم ان کو مٹا ڈالیں گے اور اپنے پاکباز بندوں کو غالب کریں گے۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا سے یہی مراد ہے کہ وہ مشرکین متمردین جو عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ زمین یعنی ملک عرب کو اس کے کناروں سے لے کر کم کرتے چلے آتے ہیں کہ مکہ کے اردگرد دور دور تک بڑے بڑے سرکش مرتے جاتے ہیں اور اسلام پھیلتا چلا آتا ہے کفر کی زمین گھٹتی چلی جاتی ہے اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما و مقاتل و کلبی کہتے ہیں ننقصہا سے مراد اسلام کے لیے شہروں کا فتح ہونا، عکرمہ کہتے ہیں لوگوں کے مرنے سے بستیوں کا برباد ہونا، اول قول قوی ہے مگر ایک شبہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکیہ ہے اور جہاد ہجرت کے بعد فرض ہوا تھا پھر زمین کفر کے کم کرنے کے اس وقت میں کیا معنی؟ سیوطی رحمۃ اللہ نے اتقان میں کہا ہے کہ یہ آیات مدینہ میں ہیں تب شبہ نہیں رہا۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر آیات مکیہ بھی ہوں تو کچھ شبہ نہیں۔ کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے ہجرت سے ذرا پیشتر مدینہ اور اس کے نواح میں اسلام پھیل گیا تھا اسی طرح حبشہ میں اور دیگر قبائلِ عرب میں بھی۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو یہ جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اپنے گھر سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو تمہارا منعمِ حقیقی ہے مگر جو لوگ بہرے ہو گئے ان کے کانوں میں حق باتوں کی رسائی نہیں وہ اس خوف آمیز پیغام کو سنتے ہی نہیں وہ دراصل بہرے نہیں ہو گئے تھے بلکہ اس وقت شنوائی کو عمداً حق بات سننے میں صرف نہیں کرتے تھے۔ گویا انہوں نے اس قوت سے جب اس کا اصلی کام نہ لیا تو کھو ہی دیا اس لیے بطور استعارہ کے ان کو بہرا کہا گیا اور اسی طرح جس قوتِ خداداد کو کوئی اس کے موقع پر استعمال نہیں کرتا تو اس کو اس قوت کا کم کر دینے والا سمجھنا اور اس کو اس فاقدۃ القوت سے تعبیر کرنا عام محاورہ ہے اس لیے ان کو گونگا اندھا کہا جاتا ہے۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ[1] مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

---

[1] نفح دمیدن بوے خوش وپاے زدن ناقہ وبہ شمشیر زدن دوز دیدن باد ودادن چیزے نفح بشی اعطاہ قال الاصمعی ما کان من الریاح نفح فھو برد وما کان نفح فھو حر من الصراح ۱۲ منہ۔

اور اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ایک جھونکا بھی لگ جائے تو کہنے لگیں گے کہ ہائے خرابی! بے شک ہم ہی ظالم تھے اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو میں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو اس کو بھی ہم لاموجود کریں گے۔ اور ہم حساب لینے کے لیے بس ہیں۔ اور البتہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی اور روشنی دینے والی اور پرہیزگاروں کی فہمائش کرنے والی (کتاب) دی تھی ان پرہیزگاروں کے لیے جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں۔ اور قیامت کا بھی وہ خوف رکھتے ہیں اور یہ (قرآن) ایک مبارک پندنامہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے (اے لوگو!) پھر کیا تم اس کے بھی منکر ہو۔

ترکیب: ولئن شرط من عذاب ربك نفحة کی صفت۔ واصل النفح من الریح اللینة والمعنی ولئن مستهم شیء قلیل من عذاب اللہ لیقولن جواب الموازین جمع میزان موصوف القسط گو مفرد ہے مگر مصدر ہے جو جمع کی صفت ہوسکتا ہے یا یہ تقدیر و ذات القسط تب بھی الموازین کی صفت ہوسکتا ہے مثقال منصوب خبر کان ہو کر ای وان کان العمل وزن مثقال۔ ثقل بمعنی بوجھ سے مشتق ہے جس کے معنی وزن ہیں من خردل صفة ہے حبة یا مثقال کی۔ کفی بنا کی ترکیب گزر چکی۔

تفسیر: ہاں اگر ان کو عذاب الٰہی کی کچھ ہوا بھی چھو جائے ذرا بھی عذاب نازل ہو جائے تو یہ بہرا پن سب جاتا رہے اور اپنے ظلم و ستم کا اقرار کرنے لگیں اور خیر یہ تو دنیا کا معاملہ ہے مگر آخرت میں تو وہ اپنے اعمال سے ہرگز بچ ہی نہ سکیں گے کیونکہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الخ وہاں اعمال کی ترازویں ہم قائم کریں گے ہر ایک کے لیے ایک ترازو ہوگی اور ترازو بھی کیسی عدل و انصاف کی۔ کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا کہ اس کے نیک اعمال کو دبا لیا جائے اور ناکردہ عمل اس پر لگائے جائیں بلکہ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ الخ اگر رائی کے دانہ برابر بھی کسی کا عمل ہوگا وہ بھی لایا جائے گا اور ہم خود حساب لیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں اور ضحاک و قتادہ سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ بطور تشبیہ کے ہے نہ یہ کہ حقیقت میں ترازو عمل تولنے کو کھڑی ہوں گی بلکہ مراد کہ حساب انصاف کے ساتھ لیا جائے گا کیونکہ دنیا میں محسوسات کا صحیح اندازہ اور انصاف و عدل کا وزن ترازو یا پیمانہ سے ہوتا ہے اس لیے قیامت میں اعمال کے موازنہ کو اس کے ساتھ تعبیر کیا۔ ابن جویبر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے مگر ائمہ سلف فرماتے ہیں کہ جب تک لفظ کے حقیقی معنی بن سکتے ہوں مجاز کی کیا حاجت؟ پس اگر قیامت میں اعمال تولنے کے لیے ترازو قائم ہو تو کیا بعید ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازوؤں کی طرح نہ ہوگی بلکہ اعمال تولنے کے مناسب خواہ اعمال کو کسی شکل میں محسوس کر کے تولا جائے یا کوئی اور طریق جو خاص اس علام الغیوب کو معلوم ہے اور یہ اس لیے کہ میدان حشر میں سب کو اعمال کا اندازہ ہو جائے۔ خدا تعالیٰ پر ظلم کی تہمت نہ کوئی لگائے اور بہت سی صحیح احادیث سے کہ جن کو صحیحین میں شیخین نے بھی روایت کیا ہے اس قول سلف کی تائید ہوتی ہے۔

سوال: یہ آیت اس آیت کے مخالف اور صریح نقیض ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔

جواب: اس آیت میں وزن نہ قائم کرنے سے مراد ان کے اعمال بد کی بے قدری مراد ہے۔

پہلے فرمایا تھا کہ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ اب اس بیان کو تمام کر کے جو دار آخرت و معاد سے متعلق تھا مسئلہ نبوت کو ثابت کرنے کے چند اولوالعزم انبیاء کے تذکرہ سے بیان فرماتا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہو اور مخالفوں کو اطمینان ہو کہ یہ الہام و نبوت کا سلسلہ دنیا میں ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) تم سے بہت پہلے سے جاری کر رکھا ہے۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھی ہم نے کتاب یعنی تورات دی تھی۔ یہ فیصلہ کرنے والی اور نور یعنی منور اور پرہیزگاروں کے لیے سمجھ کی چیز تھی۔ اعنی خدا ترسوں کے لیے۔ باوجود اس کے ان کی امت نے ان سے کیا کیا کیا اور اسی طرح یہ قرآن بھی سمجھانے کی مبارک کتاب ہے۔ پھر کیا اے لوگو! تم اس کے بھی منکر ہو؟ کتاب تو موسیٰ علیہ السلام ہی کو دی تھی مگر نبوت اور اس کی ترویج و شہرت میں ہارون علیہ السلام بھی شریک تھے اس لیے ان کو بھی شامل کر لیا جس طرح کبھی امت کو شامل کر لیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور ہم نے ابراہیم کو (اول ہی سے) عقلِ سلیم عطا کی تھی اور ہم ان (کی صلاحیت) سے واقف تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کہ جن پر تم جے بیٹھے ہو کیا چیز ہیں! انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق بات لے کر آیا ہے یا تو دل لگی کرتا ہے۔ ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے کہ جس نے ان چیزوں کو بنایا ہے اور میں اسی کا گواہ ہوں (آہستہ سے یہ کہا) کہ بخدا تمہارے گئے بعد میں تمہارے بتوں سے چال ہی کر کے رہوں گا۔ سو ابراہیم نے بڑے بت کے سوا سب کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کو اس لیے رہنے دیا شاید کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ جب وہ پھر کر آئے اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا۔ بے شک وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ آپس میں کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو جو ابراہیم کہلاتا ہے ان کا ذکر (ہجو) کرتے سنا ہے۔ وہ بولے پھر تو اس کو سب کے سامنے لاؤ تا کہ وہ بھی دیکھیں۔ (پھر مجلس میں ابراہیم سے) پوچھا کہ اے ابراہیم کیا یہ حرکت ہمارے بتوں کے ساتھ تو نے

ہی کی ہے۔ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے نے کی ہے اگر وہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ دیکھو۔ پھر وہ اپنے دل میں نادم ہو کر کہنے لگے کہ بے شک سراسر تمہیں ناحق پر ہو پھر انہوں نے سر نیچا[1] کر کے کہا کہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے۔ ابراہیم نے کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کو پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر کہ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو پھر کیا تم کو کچھ بھی عقل نہیں!

تفسیر : یہ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں حضرت کا ابتداءِ عمر میں موحد ہونا اور اپنی قوم سے بت پرستی کی تحقیر کرنا اور جب وہ عید میں باہر گئے تھے بعد میں ان کے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالنا اور بڑے کا باقی رکھنا اس الزام دینے کے لیے کہ ان سے پوچھو پھر بت پرستوں کا اس بات سے ناراض ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنا اور رحمتِ الٰہی سے جو ہمیشہ اس کے پاکباز بندوں کے ساتھ رہتی ہے آگ کا سرد اور باغ ہو جانا مذکور ہے اس میں عرب کے مشرکین کی طرف سے تعریض بھی ہے کہ تم کیسے ابراہیم کے فرزند ہو اس نے تو بت پرستی کو یوں مٹایا اور تم خود بت پرستی میں مشغول ہو۔ اگر باپ دادا ہی کی تقلید کرتے ہو تو اپنے جدِ امجد ابراہیم کی تقلید کرو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قبل رشد سے مراد نبوت جس پر جملہ کنابہ عالمین دلالت کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نبوت کے ساتھ اس کو مخصوص کیا کرتا ہے کہ جس کو جان لیتا ہے کہ یہ اس عہدہ کو بامانت و حفاظت سرانجام دے گا اور انجام دینے کے قابل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد نورِ ہدایت اور باطنی روشنی ہے جس میں نبوت بھی آ گئی۔ من قبل سے مراد یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے پیشتر بعض کہتے ہیں لڑکپن کا زمانہ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غار یا تہ خانہ میں پوشیدہ تھے جب ہی سے آثارِ رشد ان میں نمایاں تھے کیوں نہ ہو ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ تماثیل جمع تمثال آدمی یا دیگر حیوان یا کسی اور چیز کی صورت جسم دار خواہ پیتل کی ہو، پتھر لکڑی کی ہو جس کو ہندی میں مورت کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابل یا آہواز کے باشندے تھے۔ اس عہد میں صابیوں کا مذہب مروج تھا جو ستاروں اور

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

[1] یعنی شرمندہ ہو کر کہا۔ ۱۲ منہ

وہ (جل کر) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہوتو ابراہیم کو جلا دواور اپنے معبودوں کی مدد کرو(جب ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا تو) ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر سرد اور راحت ہو جا۔ اور انہوں نے تو ابراہیم سے برا کرنا چاہا تھا پر ہم نے خود انہیں کو زیاں کار کر دیا۔ اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے آئے کہ جس میں ہم نے جہان کے لیے برکت رکھی ہے[۱] اور ہم نے اسکو اسحاق اور کہن میں یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے نیک بخت کیا تھا اور ان کو پیشوا بنایا تھا کہ ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کو اچھے کام کرنے اور نماز قائم رکھنے اور زکوۃ دینے کا حکم دیا تھا اور وہ ہماری ہی بندگی کیا کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکمت وعلم عطا کیا تھا اور ہم ان کو اس بستی سے جو گندے کام کیا کرتی تھی (صحیح و) سلامت نکال لے آئے کیونکہ وہ لوگ بری قوم (اور) بدکار تھے۔ اور اس کو ہم نے اپنی رحمت میں لے لیا تھا کیونکہ وہ نیک بختوں میں سے ہے۔

دیگر پیکر نورانی کی پرستش کیا کرتے تھے اور ان کے مناسب ان کی مورتیں بنا کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے خاص بابل میں ان کا ایک بڑا عالیشان مندر تھا جس کی بلندی اور دیگر عمارات کا حال سن کر حیرت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام لڑکپن سے ہونہار اور ابد تک موحد قوم کے پیش رو ہونے والے علم الٰہی میں مقرر ہو چکے تھے۔ ان کو اس بت پرستی سے نفرت ہوئی باپ اور دیگر اقارب سے اس امر میں مناظرے شروع ہونے لگے پہلے ستاروں کے طلوع وغروب سے ان کی الوہیت باطل کر کے قوم کو الزام دیا پھر کہہ اٹھے کہ میں تمہارے معبودوں کو بھی ٹھیک کروں گا چنانچہ جب سب لوگ شہر سے باہر اپنی عید کے لیے گئے جو ان کے معبودوں کی پرستش میں ایک سالانہ بڑا بھاری جشن ہوا کرتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام مرض کا عذر کر کے پیچھے رہ گئے ان کے بت خانہ میں جا کر ان کے چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہنود کے ہاں چھوٹی چھوٹی مورتیں ہوتی ہیں ان کے ہاں بھی ویسی ہوں گی اور ایک مورت کو جو سب میں بڑی تھی رہنے دیا جب وہ لوگ واپس آئے یہ حال دیکھا تو بڑے طیش میں آئے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا کام ہے کیونکہ کسی نے کہا کہ آج قوم بھر میں وہی ان کی اہانت کیا کرتا ہے پھر اس کے سوا اور کون ایسا کر سکتا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجلسِ قومی کے سامنے حاضر کیا گیا اور ان سے سوال کیا کہ یہ کام کس ظالم نے کیا۔ فرمایا کہ یہ تمہارے معبود ہیں اس میں ہر قسم کی قدرت ہے خود ان سے دریافت کر لو۔ الزام دینا مقصود تھا کہ یہ کیسے معبود ہیں کہ جن کو کسی نے توڑ ڈالا یہ کچھ نہ کر سکے اور نیز اب بیان بھی نہیں کر سکتے۔ ان میں باہم لڑائی ہوئی ہوگی' بڑے نے چھوٹوں کو مار ڈالا اس پر اور بھی وہ نادم اور خجل ہوئے اور یہ مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دو چونکہ ان وحشی قوموں میں سخت جرم کی ایسی ایسی وحشیانہ سزائیں تھیں آگ میں ڈالا اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر سرد اور راحت کر دیا۔ صحیح سلامت اس میں سے نکل آئے تب تو اور بھی لوگوں کو حیرت ہوئی اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی ایمان لے آئے۔ ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی بھائی تھا لوط علیہ السلام اس کے بیٹے تھے ہاران اپنے باپ تارا کے روبرو جس کو آزر بھی کہتے ہیں وطن ہی میں مر گیا تھا ابراہیم علیہ السلام خداوند کے کہنے کے موافق روانہ ہوا اور لوط بھی اس کے ساتھ چلا[۲] اور یہ ملک شام میں آیا کہ جن میں خدا نے پھلوں پھولوں اور انہار و اثمار و شادابی کی وجہ سے دنیا کے لیے برکت رکھی ہے۔ اس ملک میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت برومند کیا۔ اسحاق علیہ السلام بیٹا پیدا ہوا اور پھر اسحاق سے یعقوب نفع میں کیونکہ التجا بیٹے کے لیے کی تھی خدا نے پوتا بھی دیا اور پھر ان کی نسل میں سے انبیاء اور برگزیدہ لوگ پیدا کئے یہ نتیجہ ہے دنیا میں خدا پرستی[۳] کا۔ اور لوط

---

۱ یعنی ملک شام میں لے آئے جہاں باعتبار پیداوار کے بڑی برکت ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن ملک عراق تھا۔ ۲ توریت سفر پیدائش ۱۳!

۳ واضح ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو بیمار کہنا اور بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب کرنا آفتاب کو ہذا ربی کہنا یا مصر میں جا کر کافر بادشاہ کو خوف سے اپنی بیوی سارا کو بہن کہنا نسب آبائی کے لحاظ سے جھوٹ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں از قسم تعریض و توریہ ہیں مجازاً جھوٹ کہو تو کہو سو یہ بھی ایسے اولوالعزم نبی کے لیے موجبِ استغفار تھا۔ لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کرنا اور صالحین میں سے ہونا فرمایا اب اس سے وہ قصہ جو توریت موجودہ میں ہے کہ لوط نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا غلط ثابت ہو گیا ایسا نبی کہ جس کی امت اغلام کرنے سے ان کے روبرو غارت ہو آپ ایسا فعلِ بد کر سکتا ہے۔ ۱۲منہ

علیہ السلام کو جھیل مردار کے پاس رہنے کا حکم ہوا وہاں کی بستیاں سدوم و امورہ وغیرہ کے بڑے ناپاک لوگ اغلامی تھے ان پر خدا کا قہر نازل ہوا لوط علیہ السلام کو خدا نے وہاں سے سلامت نکالا۔

وَ نُوحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً[2] تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ[1] الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ[3] لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور نوح کو بھی (یاد کرو) جبکہ اس سے پیشتر انہوں نے پکارا تو ہم نے اس کی سنی پھر اس کو اور اس کے گھرانے کو بڑی سخت مصیبت سے (طوفان سے) نجات دی اور ہم نے اس کو اس قوم پر در کیا کہ جس نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تھیں کیونکہ وہ بہت برے لوگ تھے اس لیے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد اور سلیمان کو بھی (یاد کرو) جبکہ وہ دونوں کھیتی کا جھگڑا فیصلہ کرنے لگے جبکہ ایک کھیت میں ایک قوم کی بکریاں رات کو چر گئیں اور ان کا فیصلہ ہمارے سامنے پھر وہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت و علم دیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا کہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کیا) اور یہ سب کچھ ہم ہی کیا کرتے تھے اور داؤد کو ہم نے زرہیں بنانا بھی تمہارے لیے سکھایا تا کہ تم کو لڑائی میں محفوظ رکھیں۔ پھر تم کیا شکر کرتے ہو اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کا حکم بردار کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلا کرتی تھی کہ جس میں ہم نے برکت دی ہے اور ہم ہر بات جانتے ہیں۔ اور سلیمان کے لیے کچھ تو ایسے جن تھے کہ جو دریا میں غوطہ لگاتے تھے اور اس کے سوا اور بھی کام کیا کرتے تھے اور ان کی حفاظت ہم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : جس طرح لوطا مفعول تھا اٰتینا محذوف کا جس کی تفسیر اٰتینا مذکور ہے اسی طرح نوحا و داؤد و سلیمان ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو

[1] یعنی ملک شام و فلسطین۔ ۱۲ منہ

[2] عاصفہ شدیدۃ الہبوب وخفیفہ یقال اعصفت الریح اذا اشتدت۔ ۱۲ منہ

[3] الغوص غوطہ زدن در آب۔ ۱۲ منہ

اذ کر محذوف کا مفعول کہا جاوے اذ نفشت ظرف ہو یحکمان کا مع داؤد والعامل فی مع یسبحن اور یہ حال ہے الجبال سے والطیر معطوف ہے الجبال پر وقیل ھی بمعنی مع الریح منصوب ہے سخرنا مقدر سے عاصفہ حال ہوا الریح سے تجری دوسرا حال من منصوب ہے سخرنا سے۔

تفسیر :۔ یہ تیسرا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے کہ جب ان کی قوم نے ان کو سخت تکلیف پہنچائی اور انہوں نے ہم کو کرب عظیم میں پکارا تو اس کو اور اس کے کنبے کو کشتی میں سوار کر کے اس بلائے عظیم سے نجات دی باقی تمام قوم پر قہرِ الٰہی ٹوٹ پڑا سب کے سب پانی میں ڈوب گئے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! پہلی امتوں نے اپنے انبیاء کو ایسی ایسی تکلیفیں دی ہیں آخر اس کے وبال میں پکڑے گئے تمہارے مخالف اس مہلت پر نازاں نہ ہوں۔

یہ چوتھا قصہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا ہے ان کے قصہ میں ایک تو یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ایسے ایسے برگزیدہ اور صاحبِ تخت و تاج پیدا ہوئے یہ سب ان کی خدا پرستی کا پھل ہے کہ جن کے ساتھ ان کے معاصروں نے یہ بدسلوکیاں کیں تھیں کہ ان کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ کفارِ قریش جو اپنی تھوڑی سی آسودگی پر یہ غرور اور سرکشی کرتے یہ ان کی کم حوصلگی ہے ورنہ داؤد اور سلیمان علیہ السلام جیسوں کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے ان کو کیسی ثروت اور حکومت دی تھی ہوا اور پہاڑ اور پرند تک اور جن و شیاطین تک بھی ان کے زیرِ حکم تھے۔ اس پر بھی وہ ایسے خداترس، خداپرست، باانصاف تھے کہ جس کی ادنیٰ نظیر یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام سے باوجودیکہ باپ اور بزرگ تھے ایک فیصلہ میں غلطی ہوئی جو بکریوں کے کھیت میں نقصان کر دینے کے متعلق تھا مگر سلیمان علیہ السلام کے کہنے کو مان گئے اور سلیمان علیہ السلام کو دیکھو کہ انہوں نے اس غلط فیصلہ میں جو ایسے بڑے معزز باپ سے سرزد ہو گیا تھا ان کی پیروی نہ کی۔ پھر اے لوگو! تم اپنے جہلا باپ دادا کی لکیر کے ناحق کیوں فقیر بنے بیٹھے ہو کیا ان سے غلطی اور سوءِ فہمی ممکن نہ تھی؟ اب پیشتر وہ بکریوں کے چرنے کا فیصلہ ذکر فرماتا ہے پھر جو ان کو نعمتیں عطا ہوئی تھیں ان کو ذکر کرتا ہے۔ فقال اذ نفشت ابن السکیت کہتے ہیں نفش شب میں بکریوں کا چرواہے بغیر ازخود چرنا۔ وہ قصہ جیسا کہ ابن مسعود، شریح و مقاتل رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے یوں ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہدِ حکومت میں ایک رات کسی چرواہے کی بےخبری میں بکریاں کسی کے انگوری کھیت میں جا پڑیں۔ بکریوں نے انگور کی کونپلیں کھالیں خوشوں کو خراب کر دیا صبح کو یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا حضرت نے اس کے نقصان کا اندازہ لگایا تو اس قدر قیمت ہوئی کہ جس قدر بکریوں کی مالیت تھی اس لیے وہ بکریاں اس کے تاوان میں کھیت والے کو دلا دیں۔ فریقین باہر آئے تو ان سے سلیمان علیہ السلام نے پوچھا سن کر کہا کہ فریقین کے حق میں اس سے بہتر اور فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ خبر داؤد علیہ السلام کو پہنچی انہوں نے سلیمان علیہ السلام کو بلا کر پوچھا فرمایا بکریاں کھیت والے کو دیجئے اور چرواہے کو کہئے کہ جتنی مدت تک کہ پھر اسی طرح اس کا باغ درست ہو وہ تیری بکریوں کا دودھ اور اون وغیرہ کا نفع لے گا اور تو اتنے دنوں اس کی کھیت کو درست کرے گا پھر جب ویسا ہی ہو جائے تو تیری بکریاں تجھ کو واپس ملیں گی اس پر فریقین راضی ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام نے اس کو بہت پسند کیا[1] اب داؤد پر جو انعام ہوئے تھے ان کو بتلاتا ہے: (۱) پہاڑ اور پرندان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے مقاتل کہتے ہیں کہ

---

[1] داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ وحی و الہام پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہاد پر اور اجتہاد شرع میں درست اور سند ہے لیکن مجتہد سے بحیثیت اجتہاد خواہ وہ کوئی ہو غلطی ممکن ہے یا یوں کہو داؤد علیہ السلام سے بھی غلطی نہیں ہوئی مگر سلیمان علیہ السلام کو ان سے بہتر بات معلوم ہوگئی۔ ہماری شرع میں اگر یہ حادثہ واقع ہو تو اس کی نسبت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حکمِ سلیمانی جاری ہوگا کیونکہ یہ آیت محکمہ ہے اور بہت علماء کہتے ہیں اجماع سے منسوخ الحکم ہے پھر اس میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ واقعہ دن میں ہو تو بکریوں کے مالک کو کچھ دینا نہیں پڑتا کیونکہ ان میں کھیت کی حفاظت کھیت والے کے ذمہ ہے ہاں اگر رات میں ہو تو تاوان دینا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواہ دن کا واقعہ ہو یا رات کا جب تک چرواہے کا بکریوں کے چھوڑنے میں کوئی تعدی یا خفانہ ہوگی تاوان نہ لازم ہوگا کیونکہ صحیح حدیث میں آ گیا ہے العجماء جرحہا جبار۔ ک ۱۲ منہ

جب داؤد علیہ السلام جنگل میں جا کر زبور پڑھتے اور روتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ اور پرند بھی تسبیح و تہلیل کرنے لگتے تھے۔ کلبی کہتے ہیں کہ پہاڑوں کا ان کی آوازِ تسبیح سے گونج اٹھنا اور پرند کا جھنڈ باندھ کر ان کے گرداگرد ان کے حمد وثناء آہ و بکا میں شریک ہونا ان کا تسبیح کرنا ہے اور ایسا واقعہ ہوتا تھا۔ (۲) داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانی سکھائی۔ ان سے پیشتر کوئی زرہ بنانا نہ جانتا تھا۔ یہ بھی حروب و جدال میں بڑی کارآمد چیز ہے خدا نے یہ نعمت بندوں کو داؤد علیہ السلام کے ذریعہ سے عطا فرمائی۔ آج کل قسم قسم کی توپیں اور بندوقیں اور آلات آتش فشاں انسان کے مارنے کے اسباب ہیں مگر محفوظ رکھنے کا کوئی نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے لِتُحْصِنَكُمْ اس پر شکر کرنا چاہیے۔ کما قال فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ۔

اس کے بعد ان نعمتوں کا ذکر کرتا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھیں: (۱) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً کہ سلیمان کے لیے ہوا مسخر ہوئی اس کے حکم یا مرضی کے موافق شام کے ملک کی طرف چلا کرتی تھی۔ سورہ ص میں اسی امر کو یوں بیان فرمایا ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ، سورہ سباء میں یوں آیا وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا تابع کر دی تھی جس کی صبح و شام کی رفتار ایک مہینہ کا رستہ تھا۔ سورہ ص میں ہوا کو نرم اور سورہ انبیاء میں تند و تیز فرمایا اس وجہ سے کہ ہوا تو تیز تھی مگر سلیمان علیہ السلام کی مرضی کے موافق نرم نرم بھی چلتی تھی کہ جس میں تکلیف نہ ہو، ہموار چلتی تھی ان آیات میں یہ ذکر نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کسی تخت پر مع اپنے مصاحبوں کے بیٹھتے تھے اور وہ تخت ایسا اور ایسا تھا جو ہوا پر اڑا کرتا تھا۔ مہینے بھر کا رستہ آدھے دن میں طے کرتا تھا اور سلمان علیہ السلام اصطخر یا اور کسی مشرقی صوبہ سے صبح کو سوار ہوتے تھے تو دو پہر تک شام اور خاص یروسلم میں جا پہنچتے تھے۔ البتہ مفسرینِ اسلام اور مؤرخینِ یہود کے ہاں یہ روایات مشہور اور مسلم ہیں اور اگر ایسا ہو بھی تو عقلاً کچھ ممنوع نہیں کیونکہ اول تو حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے ان کے معجزہ سے ایسا ہونا ممکن ہے دوم ہر زمانہ میں ایسے ایسے عجائب و غرائب صنائع اختراع ہوئے ہیں کہ جو ان صنائع کے صفحۂ عالم سے محو ہو جانے کے بعد وہ افسانہ دور از عقل معلوم ہوتا ہے۔ آج کل ہوائی جہاز کی رفتار کو دیکھئے پھر کیا ممکن نہیں کہ اس عہد میں اسی قسم کی سواری ایجاد ہوئی ہو۔

جو لوگ معجزات و خرقِ عادات کو قصہ و کہانی جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آیات میں صرف ہوا کا مسخر ہونا مذکور ہے جو سلیمان علیہ السلام کے جہازی بیڑے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حیرام شہر صور کے بادشاہ نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے لکڑیاں پہنچانے کے لیے بنوایا تھا جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۵ باب میں مذکور ہے اور تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیھا اس پر صاف دلیل ہے کیونکہ لبنان کی طرف سے سمندر کی راہ سے وہ بیڑا یروسلم کی طرف آیا کرتا تھا۔ (۲) شیاطین یعنی جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو بہت سے سرکشی کی وجہ سے بیڑیوں میں قید رہتے تھے اور ان میں سے بہت کو مختلف کاموں پر لگا رکھا تھا کہ بعض

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور (یاد کرو) جبکہ ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت روگ لگ گیا ہے حالانکہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے سو ہم نے اس کی سن لی بس جو کچھ اس کا روگ تھا اس کو دور کر دیا اور ان کا کنبہ بھی انہیں دیا اور اتنا ہی ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بھی دیا اس لیے کہ عابدوں کے لیے یادگار رہے۔ اور اسماعیل اور ادریس اور ذی الکفل کو بھی (یاد کرو) ہر ایک ان میں سے صابر تھا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا کیونکہ وہ نیک لوگوں میں سے تھے اور ذی النون کو (بھی یاد کرو) جبکہ وہ خفا ہو کر چل دیے پھر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم اس پر قابو نہ پاویں گے۔ تب انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تو پاک ہے البتہ میں جو تھا تو ستمگاروں میں سے تھا پھر ہم نے اس کی سن لی اور اس کو غم سے نجات دی۔ اور ہم ایمان والوں کو یونہی نجات دیا کرتے ہیں اور زکریا کو بھی یاد کرو جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو سب سے بہتر وارث ہے پھر ہم نے اس کی سن لی اور اس کو یحییٰ عطا کیا اور اس کے لیے اس کی بیوی کو درست کر دیا بے شک یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑ پڑا کرتے تھے اور ہم کو امید اور ڈر سے پکارا کرتے تھے اور ہم سے ہی ڈرتے رہتے تھے اور اس عورت (مریم) کو بھی یاد کرو کہ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر اس عورت میں ہم نے اپنی روح پھونک دی اور اس کو اور اس کے بیٹے کو جہان کے لیے نشانی بنایا (مسلمانو!) یہ لوگ تمہارے گروہ کے ہیں جو ایک ہی گروہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کیا کرو لیکن ان کے بعد لوگوں نے آپس میں تفرقہ ڈال دیا، سب کو آنا تو ہمارے ہی پاس ہے۔

سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالا کرتے تھے اور عمارت اور دیگر بھاری بھاری کاموں پر بھی مامور تھے جیسا کہ سورۃ سباء میں ہے وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ اور یہ قوم جن محض خدا تعالیٰ کی قدرت سے سلیمان علیہ السلام کے بس میں تھی جیسا کہ فرماتا ہے وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ جبکہ قوم جن کا وجود انسان سے جداگانہ مقدمۂ تفسیر میں ثابت ہو چکا اور یہ بھی کہ اپنے مادہ کی وجہ سے وہ انسان سے قوی ہیں تو پھر خدا کی قدرت و عنایت سے ان کا کسی بابرکت انسان کے بس میں ہو جانا اور کام کرنا کیا محال ہے؟ صدہا عجائب کار عاملان جن کے لوگوں نے دیکھے ہیں مگر وہی نئی روشنی کے لوگ اس کی بھی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عملداری نہر فرات سے لے کر فلسطینیوں کی زمین تک اور مصر کی سرحد تک تھی اور دریا کے اس پار تفصح سے لے کر غرہ تک سب بادشاہوں یعنی بااختیار رئیسوں پر اس کی

حکومت تھی جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۴ باب میں ہے اور عمالیق قوم کو ان کی سرکشی اور تنومندی اور قوت کی وجہ سے کبھی جن کے ساتھ کبھی شیاطین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ آج کل بھی بڑے اور سرکش آدمی کو شیطان اور بڑے قوی کو جن کہا کرتے ہیں۔ بس اس سے یہی لوگ مراد ہیں۔ فائدہ: یہ باتیں صاف صاف بائبل میں نہیں مگر کچھ حرج نہیں کیونکہ کتبِ موجودہ میں بہت سی باتیں نہیں۔ دیکھو اول کتاب التواریخ کے اخیر میں یہ لکھا ہے کہ داؤد بادشاہ کے اعمال اول و آخر دیکھو وہ سب سموئیل غیب بیں کی تواریخ میں اور ناتن نبی کی تواریخ میں اور جادوغیب بیں کی تواریخ میں یعنی اس کی ساری حکومت اور زور کا تذکرہ اور جو جو زمانے اس پر اور اسرائیل پر اور زمین کی ساری مملکتوں پر گزر گئے ان کا سب حال لکھا ہے۔ اب فرمایئے کہ وہ سب کتابیں کہاں ہیں؟ پس جس علام الغیوب کے علم میں وہ سب احوال ہیں اس نے ان میں سے بعض اپنے رسول ﷺ پر بھی الہام کیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ : یہ ایوب علیہ السلام کا پانچواں قصہ ہے جس میں یہ بات پاکبازوں اور خدا کے راستبازوں کو بتلائی جاتی ہے کہ دنیا دارالمصائب ہے یہاں بڑے بڑے برگزیدے آزمائے گئے ہیں۔ ان پر طرح طرح کی مصیبتیں پڑی ہیں ایوب علیہ السلام کو دیکھو مال و اسباب پر مصیبت آئی، فقیر ہوگئے پھر تمام اولاد بیٹے اور بیٹیاں دفعتاً مر گئے پھر خود بھی مرضِ جذام میں مبتلا ہوگئے لوگ گھن کھانے لگے گاؤں سے نکال دیے گئے، باہر ایک جھونپڑی میں رہتے تھے بیوی کہیں سے...... محنت و مزدوری کر کے لاتیں اور ان کو کھلاتی تھیں اس پر بھی انہوں نے صبر کیا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ[1] ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

[1] اس آیت کے معنی میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے بعض لفظوں کو زائد مانا ہے تب معنی کہ وہ ایسے ازلی بدنصیب اور ناپاک طینت ہے کہ ان پر توبہ کرنا خدا کی طرف رجوع کرنا اللہ نے حرام یعنی ممنوع کر دیا تھا اس لیے وہ ہلاک ہی ہونے کے قابل تھے باغ دنیا سے ان کا کٹ جانا ہی بہتر تھا۔ بعض لوگ زائد نہیں مانتے تب یہ معنی ہوں گے کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے اب یہ نہیں کہ وہ مر کر چھٹ گئے بلکہ ان پر دیسے کہ وہ پھر ہمارے پاس وہ روز جزا میں نہ آئیں یعنی ضرور حاضر ہوں گے۔

حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِىْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۗ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۗ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۗ وَعْدًا عَلَيْنَا ۗ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

پھر جو کوئی اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی اور ہم اس کے لکھنے والے ہیں اور جس بستی کو ہم نے غارت کر دیا ان پر رجوع کرنا حرام تھا۔ یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جاوے اور وہ ہر بلندی سے دوڑے چلے آویں گے اور وعدۂ حق نزدیک آ لگے گا کہ یک بیک کافروں کی آنکھیں اوپر لگ جاویں گی اور وہ کہیں گے ہائے رب! خرابی بے شک ہم تو اس سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم ہی ظالم تھے (حکم ہوگا) البتہ خود تم اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہو۔ تم کو اس میں پہنچنا ہے اگر یہ (دراصل) معبود ہوتے تو اس میں کاہے کو گرتے۔ اور یہ سب اس میں سدا پڑے رہیں گے جن میں ان کی چیخ دھاڑ ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے (اپنے رونے کے غل میں) البتہ جن کے ہے ہماری طرف سے آگے سے بہتری ٹھہر چکی ہو گی وہی اس سے دور رہیں گے اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی عیشوں میں ہمیشہ رہا کریں گے ان کو بڑی بھاری گھبراہٹ سے بھی پریشانی نہ ہوگی اور ان سے فرشتے آملیں گے اور کہیں گے یہی تو تمہارا وہ دن ہے کہ جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا جس دن کہ ہم آسمانوں کو کاغذوں کے مٹھے کی طرح سے لپیٹ لیں گے جس طرح ہم نے اول بار پیدا کیا تھا اسی طرح سے بار دیگر پیدا کریں گے ہم پر وعدہ ہے چکا ہے البتہ ہم کو یہ ضرور کرنا ہے۔

اس آزمائش کی بابت کتاب ایوب[1] میں بھی اور ہمارے ہاں کی روایات میں بھی یوں بیان ہوا ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کی جو تو تعریف کرتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس کو تو نے بہت سی نعمت عطا کر رکھی ہے اگر اس پر مصیبت آوے اور پھر تیری شکایت نہ کرے تب جانوں کہ صابر و شاکر ہے۔ خدا تعالیٰ نے شیطان کو اختیار دیا ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں اور مال کا یہ حال کہ سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔ پس ایک روز ایسا ہوا کہ سب بہن بھائی ایک مکان میں دعوت کھا رہے تھے اور مواشی چراگاہ میں چر رہے تھے اور بیل جوتے جا رہے تھے۔ ناگاہ سبا کے لوگ آ گرے اور گدھوں کو چھین لے گئے اور آدمیوں کو قتل کر گئے اور اسی دن آسمان سے آگ کا شعلہ آیا اس نے بھیڑوں اور نوکر چاکروں کو ہلاک کیا اور کسدی اونٹ لے گئے اور نوکروں کو مار گئے اور ایک زور کی آندھی آئی مکان گر گیا۔ سب بیٹے بیٹیاں دب کر مر گئے۔ قاصدوں نے یکے بعد دیگرا آ کر ایک ہی وقت میں ایوب علیہ السلام کو اس حادثہ کی خبر دی کسی نے اولاد کی ہلاکت کی، کسی نے اونٹوں کی، کسی نے بکریوں کی۔ ایوب علیہ السلام نے سن کر سجدہ کیا اور کہا میں ماں کے پیٹ سے ننگا نکلا تھا اور ننگا ہی قبر میں جاؤں گا' اسی نے دیا تھا' اسی نے لے لیا۔ اس کے بعد شیطان نے کہا اب بھی ایوب جو شکر و صبر کرتا ہے تندرستی کی نعمت ان کو حاصل ہے اگر یہ نہ ہو تب شکر و صبر کرے تو معلوم ہو اس پر بھی خدا تعالیٰ نے شیطان کو اجازت دی۔ تب شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام پر اثر کیا جس کی وجہ سے تمام بدن پر پھوڑے نکلے اور ٹھیکرا لے کر کھجلانے لگے اور تمام بدن خراب ہو گیا پھوٹ نکلا ان مصیبتوں پر حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا لوگوں کے طعن و تشنیع کی بھی تکلیفیں اٹھائیں۔ دوستوں کی بے مہری دیکھی۔ تب ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام خدا تعالیٰ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ اے میرے معبود! اپنے بندے پر رحم کر' میرے زخمی دل کو دیکھ' مجھ

[1] صاحب معالم و تلک حجتنا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام رومی تھے اور تیسری پشت بنی عیص بن اسحاق علیہ السلام سے جا ملتے ہیں مگر صاحب انوار التنزیل نے سورہ جن میں اذکر عبدنا ایوب کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایوب اسحاق علیہ السلام کا پوتا اور عیص کا بیٹا ہے بعض نے لوط علیہ السلام کا نواسہ بتایا ہے۔

سے لوگ نفرت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ خدا تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر رحمت کی اس کو آگے کی نسبت دونی دولت عنایت کی وَ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ مقاتل وقتادہ وابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے مرے ہوئے کنبے کو زندہ کر دیا اور سات بیٹے اور تین بیٹیاں بعد میں پیدا ہوئیں جیسا کہ ظاہر آیت میں سمجھا جاتا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں اس کے یہ معنی کہ ہم نے ایوب علیہ السلام کو اس کا کنبہ دیا یعنی سات بیٹے اور تین بیٹیاں تندرست ہونے کے بعد پیدا ہوئیں اور اس کے بعد ایوب ایک سو چالیس برس تک زندہ رہے۔ اپنی چار پشت کو دیکھا (جیسا کہ کتاب ایوب کے ۴۳ باب درس ۱۵۔۱۶ اس میں تصریح ہے مثلھم معھم ہوا۔ حضرت ایوب کو توریت میں۔ پھر اس میں بھی بڑا اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کس زمانہ میں تھے وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایوب رومی تھے انوص کے بیٹے عیص بن اسحٰق کی نسل سے اور ان کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی پوتی تھیں جن کا نام رحمۃ تھا چونکہ عرب میں بنی اسماعیل جا بسے تھے اور ایوب علیہ السلام کی قرابت ان سے بہت قریب تھی ان کے ہم زبان بھی تھے اس لیے ان کا عرب میں مبعوث ہونا من قومه کے برخلاف نہیں کہا جا سکتا۔ اب یہ متعین نہیں کہ عرب میں کس بستی میں رہتے تھے؟ ان کی ایامِ مصیبت کی تعداد کسی نے سات برس کسی نے کم زیادہ بیان کئے ہیں والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

ذی الکفل کا حال: اس کے بعد خدا تعالیٰ اسماعیل وادریس وذی الکفل علیہم السلام کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک ان میں سے صابر تھا ان پر بھی بڑی بڑی تکلیفیں دنیا میں نازل ہوئی ہیں۔ اسماعیل وادریس علیہما السلام کا حال اور ان کے مصائب تو ناظرین کو ہماری کتاب کے متعدد مقامات سے معلوم ہو گئے ہوں گے ہاں ذی الکفل کا بتلانا ضرور ہے۔ زجاج کہتے ہیں لغت میں کفل حصہ کو بھی کہتے ہیں اور اس کپڑے کو بھی جو اونٹ کے چوتڑوں پر پڑا رہتا ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کو ذی الکفل کیوں کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ذی الکفل سے مراد زکریا ہیں بعض کہتے ہیں یوشع بعض کہتے ہیں الیاس۔ قوی تر یہ ہے کہ یہ الیسع کے شاگرد اور ان کے قائم مقام ہیں اور ذی الکفل ان کو اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے انتظام بنی اسرائیل کا تکفل کر لیا تھا یعنی اپنے ذمہ لے لیا تھا یا غرباء ومساکین کا تکفل کیا کرتے تھے اس لیے اس لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد یا ہو ہے جو حضرت الیسع کے حکم سے بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا تھا جس نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دور کی اس کا اس نے تکفل کیا تھا یہ نیک بندہ بادشاہ تھا نبی نہ تھا واللہ اعلم۔

ذوالنون: یہ نواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے نون مچھلی کو کہتے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو لقمہ کر لیا تھا اس لیے ان کا لقب ذوالنون ہوا۔ ذهب[1] مغاضبا خفا ہو کر گئے' خدا سے خفا نہ ہوئے تھے بلکہ قوم سے فظن ان لن نقدر علیه نقدر یہاں بمعنی القضاء ہے یعنی یونس کو یہ گمان تھا کہ ہم اس پر سختی نہ کریں گے یہ سمجھ کر قوم سے چلے گئے تھے ان کا مختصر حال یہ ہے کہ یہ شہر نینوا کی طرف بھیجے گئے تھے وہاں کے لوگ بت پرست اور بدکار تھے جب ان کی ہدایت کو قبول نہ کیا تو عذابِ الٰہی ان پر نازل ہونے کی ان کو خبر دی گئی انہوں نے بغیر حکمِ الٰہی اس کا وقت بھی مقرر کر دیا وہاں کے لوگوں کو عذاب کے آثار معلوم ہونے لگے سر بصحرا خدا کی جناب میں توبہ وگریہ کرنے کو نکل کھڑے ہوئے ان سے وہ عذاب ٹل گیا۔ حضرت کو وعدہ پر عذاب نہ آنے کے سبب شرمندگی ہوئی اور وہاں سے چل نکلے۔ راستہ میں دریا تھا کشتی سے باہر

---

[1] اذ ذهب مغاضبا سے اگر یہی مراد لیا جائے کہ خدا سے خفا ہو کر چل دیے تھے تو یہ خفگی باہمی محبت میں بیگانوں کے پیار سے زیادہ مرتبہ رکھتی ہے اور فظن ان لن نقدر علیه کے یہ معنی کہ اس خفگی میں ان کا یوں جانا گویا ان کا یہ سمجھ لینا ہے کہ ہم سے بھاگ کر چلے آئے ہیں ہم ان کو پکڑ نہ سکیں گے نہ یہ کہ درحقیقت انہوں نے ایسا گمان بھی کر لیا تھا کیونکہ وہ نبی تھے صفاتِ باری خدا تعالیٰ سے واقف تھے ایسی باتیں عشق ومحبت کی باہمی معاملات اور رموز ہیں ایسی چھیڑ چھاڑ کا حل دفترِ عشق سے ہو سکتا ہے عقل کے قانون میں اس کی گنجائش نہیں اس لیے حضرت ذی النون علیہ السلام پر تنبیہ کی گئی مچھلی کے پیٹ میں جا پڑے آخر اس حالتِ بے کسی میں اس معبودِ حقیقی کے سوا اور کوئی فریاد رس نہ دکھائی دیا افریاد فریاد کرنے لگے قصور کے معترف ہوئے دریائے رحمت جوش میں آ گیا باہمی ملاپ ہو گیا۔ مصیبت سے رہائی ہوئی۔ عاشقانِ خدا اس کی بے نیازی سے لرزتے رہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

دریا میں گر گئے، مچھلی نے لقمہ کرلیا۔ ان اندھیروں میں خدا سے دعا کی۔ فی ظلمات ایک مچھلی کا اندھیرا دوسرا دریائے شور کا تیسرا رات کا من الظلمین جو کہا ترکِ اولیٰ کے لیے نہ کہ درحقیقت ان سے ظلم سرزد ہوا تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ وزکریا: یہ دسواں قصہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے۔ بیٹے کے لیے دعا کی خدا نے یحییٰ علیہ السلام بیٹا دیا۔ وَالَّتِیٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یہ گیارہواں قصہ حضرت مریم کا ہے جَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ میں تصریح ہے کہ مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے جس لیے ان کو قدرتِ حق کی نشانی جہان کے لیے فرمایا گیا ورنہ معمولی ولادت نشانی یا معجزہ نہیں ہوسکتی تم سے وہ بیگانہ نہیں تم اور وہ ایک ہی گروہ کے لوگ ہو سب کا اصول ایک ہی ہے ان سے تمہیں کو فخر کرنا چاہیے نہ کہ ان کو جو باوجود ترکِ اتباع کے ان کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ یہود ونصاریٰ ان بزرگوں کے حالات بیان فرما کر مسلمانوں کو بتایا جاتا ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً صاحب کشاف کہتے ہیں امۃ بمعنی ملت اور یہ اشارہ ہے ملتِ اسلام کی طرف یعنی ملتِ اسلام وہ ملت ہے جس پر تم کو قائم رہنا چاہیے جس کو ایک ملت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اس میں کچھ اختلاف نہیں مراد یہ کہ تم کو اختلافات پیدا کرنے نہ چاہییں اور میں تمہارا معبود ہوں میری عبادت کرو۔ ایک حدیث میں جس کو محدثین نے صحیح مان لیا ہے یوں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام پیشین گوئی کے طور سے فرماتے ہیں کہ میری امت میں بہتر (۷۲) فریق ہو جائیں گے بجز ایک فریق کے سب ہلاک ہوں گے یعنی آخرت میں اپنے عقائدِ فاسدہ کی سزا پاویں گے لوگوں نے پوچھا کہ وہ ایک فریق کونسا ہے فرمایا وہ کہ جس طریق پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔ چنانچہ چند روز کے بعد ایسا ہی ہوا اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ بہتر (۷۲) فریق ایک ہی زمانہ میں موجود ہو جاویں بلکہ جب کبھی ہوں۔ بعض کہتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ سب لوگ اصولِ دین میں تمہارے ہی لوگ ہیں ایک طریقہ کے یعنی ان کا اور تمہارا طریقہ جدا نہیں۔ ہاں پچھلوں نے تفریق کر دی اور اختلاف ڈال دیا ہے جس کے بعد بطور معیار کے فرماتا ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ کہ جو کوئی ایمان لائے گا اور پھر نیک کام کرے گا خواہ کوئی ہو اس کی کوشش کا قطعاً بدلہ ہم دیں گے پھر فرماتا ہے وحرام علی قریہ حرام خبر ہے اس کا مبتداء یا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ہے یا کچھ اور۔ اول صورت میں بعض علمائے نے لا کو زائد نہیں مانا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کا عدم رجوع حرام یعنی ممتنع ہے تب رجوع کرنا ان پر واجب یعنی ضرور ہے اور آخرت کی طرف

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

النصف

اور ہم پند ونصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے البتہ اس میں خدا پرست قوم کے لیے ایک (بشارت کا) پیغام ہے اور اے نبی! آپکو ہم نے جہان بھر کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے (ان سے) کہہ دو کہ میری طرف تو یہی حکم پہنچایا جاتا ہے کہ تمہارا معبود تو صرف خدا واحد ہے پھر کیا تم فرمانبردار رہتے ہو (یا نہیں) پھر اگر نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں نے تم کو بار بار اطلاع کر دی اور مجھے معلوم نہیں کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا دور۔ کیونکہ اللہ ظاہر بات کو جانتا ہے اور جو کچھ تم مخفی کام کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید (اس مہلت میں) تمہاری آزمائش اور ایک وقت تک دنیا کا فائدہ پہنچانا منظور ہے۔ آخر پیغمبر نے کہہ دیا کہ اے رب! (مجھ میں اور ان کافروں میں بھی) حق فیصلہ کر دے اور جو جو تم باتیں بناتے ہو ان پر تو اپنے مہربان رب ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

لا یرجعون اکثر مفسرین لا کو زائد کہتے ہیں تب یہ معنی کہ ان پر رجوع کرنا دنیا میں بار دگر آنا حرام کر دیا ہے یا یہ کہ ان کی تقدیر میں شرک و معاصی سے باز آنا حرام تھا اس لیے وہ غارت ہوئے۔ جمہور کا قول بہت ٹھیک ہے کہ ان کو بارِ دگر دنیا میں آنا تدارکِ مافات کے لیے حرام ہے پھر اس کی غایت فرماتا ہے کہ کب تک؟ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ یاجوج و ماجوج جو دو قومیں بند ہیں (دیوار سے) ان کے کھلنے تک اور اس وقت تک کہ وعدۂ قیامت قریب آ لگے اور لوگوں کی آنکھیں اس سخت وقت میں خوف و دہشت سے رحمت کے انتظار میں اوپر کی طرف لگ جاویں اور کافر یہ کہنے لگیں کہ ہائے خرابی ہم بدکار تھے یعنی قیامت تک وہ دنیا کی طرف رجوع نہ کریں گے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج الخ حرام کی غایت نہیں بلکہ مستقل کلام ہے اور حتی کسی محذوف مناسب کی غایت ہے قیام الدین و غیرہا اور یہاں سے مسئلۂ معاد شروع ہوتا ہے یعنی یہ حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں لوگوں کی رہنمائی کو آئے تھے کہ دارِ آخرت میں عذاب سے بچیں۔ نعیم باقیہ حاصل کریں اور یہ دنیا ایک وقتِ معین تک باقی ہے پھر فنا ہو جائے گی فنا کی ابتداء اور علامت خروجِ یاجوج و ماجوج ہے اس کے بعد وعدۂ حق بہت قریب آ لگے گا‘ قیامت برپا ہو جائے گی اور اس روز گنہگاروں کی آنکھیں دہشت یا انتظارِ رحمت میں اوپر لگی ہوں گی اور اپنے گناہوں کا آپ اقرار کریں گے حقیقتِ حال کھل جائے گی بت اور بت پرست جہنم میں پھینک دیے جائیں گے وہاں روئیں پیٹیں‘ چیخیں چلائیں گے مگر بے سود نیکوں کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھ کر نعماءِ ابدیہ سے سرفراز کیا جاوے گا۔ یاجوج و ماجوج کا مفتوح ہونا یعنی دیوار سے کھولا جانا قربِ قیامت میں ہوگا وہ دیوار ٹوٹ جائے گی یہ قوم بدکار پھیل پڑے گی۔ ہر بلندی سے اترتے آنا محاورہ ہے دوڑتے ہوئے آنے سے۔ یہ جملہ یاجوج و ماجوج کے ذکر میں تبعاً آ گیا۔ اس قوم کا قریبِ قیامت میں ظاہر ہونا اس آیت اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور کتاب حزقیل کی ۳۹ فصل میں مصرحاً مذکور ہے۔ وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ سعید بن جبیر و مجاہد و کلبی و مقاتل و ابن زید کہتے ہیں زبور سے مراد وہ کتابیں جو دنیا میں انبیاء پر نازل ہوئیں اور ذکر سے مراد لوحِ محفوظ کہ جہاں سے نقل ہو کر یہ کتابیں آئیں یعنی دونوں جگہ ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے نیک بندے وارث ہوں گے۔ زمین سے مراد جنت کی زمین کہ وہاں بجز ان کے اور کوئی آدم علیہ السلام کے ورثہ میں مالک نہ ہوگا۔ سو یہ بات کل آسمانی کتابوں میں ہے۔ اس تقدیر پر یہ آیت بیانِ سابق کا تتمہ یا تاکید ہوگی۔ قتادہ و شعبی کہتے ہیں زبور سے مراد قرآن و ذکر سے مراد تورات ہے۔ سو ان دونوں میں بھی یہ بات مذکور ہے زبور سے مراد داؤد کی کتاب بھی ہو سکتی ہے۔ ارض میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) جنت کی زمین جیسا کہ بیان ہوا (۲) دنیا کی زمین یعنی ملک کا مالک ہم نیک بندوں کو کریں گے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا الی قولہ لیستخلفنھم فی الارض الآیہ۔ اس میں اسلام کے غلبہ اور ظہور کی طرف ایما ہے اور مخالفوں کے لیے تحدید کہ تمہارے سامنے یہ نہ مٹے گا اور بعض کہتے ہیں کہ ارض سے ارضِ مقدسہ بیت المقدس اور ملکِ شام مراد ہے۔ سو اس نے اپنے وعدہ کے موافق ایسا ہی کیا کہ مسلمانوں کے قبضہ میں کر دیا اور اب تک ہے اور کسریٰ و قیصر کی سلطنت بھی ان کے قبضہ میں

آئی۔ قریشِ مکہ جو اپنی سرداری اور جماعت پر نازاں تھے ان کو یہ سنایا گیا۔ ۷ ۳ زبور کے ۹ اور گیارہویں درس میں بھی یہی مضمون ہے اور بہت سے مقامات عہدِ جدید وعہدِ قدیم سے بھی ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس میں عبادت کرنے والوں خدا ترسوں کے لیے مژدہ رسانی ہے کہ خدا پرستوں پر دنیا میں بھی فضل ہوتا ہے۔ آخر کار ملکوں کے مالک بنائے جاتے ہیں اور مصائب سے بھی محفوظ رہتے ہیں آخرت میں تو پھر سب ہی کچھ ہے اور اے محمد (ﷺ)! تم کو اس تمام عالم کا ہادی بنا کر اس لیے رحمت وشفقت کی نظر سے بھیجا ہے کہ میرے بندوں کو جو تاریکی میں پڑے ہیں مطلع کر دو اور منجملہ اور پیغاموں کے سب سے مؤکد حکم توحید کا ہے سو وہ پہنچا دو کہ اِنَّمَا یُوْحٰی الخ پھر اگر وہ اس کو نہ مانیں تو کہہ دو تم پر بلا مقرر آنے والی ہے لیکن اس کا وقت خدا ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ چھپی اور کھلی ہر ایک بات کو جانتا ہے اور جو یہ مہلت ہے سو چند روزہ ہے تمتع دنیا کے لئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ‌ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱﴾ يَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمۡ بِسُكٰرٰى وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيۡدٌ ﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيۡطٰنٍ مَّرِيۡدٍۙ ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيۡهِ اَنَّهٗ مَنۡ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهۡدِيۡهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَـكُمۡ‌ؕ وَنُقِرُّ فِى الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ‌ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَيۡـئًا‌ ؕ وَتَرَى الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌۙ ﴿۶﴾ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن کہ تم اس کو دیکھو گے تو ہر ایک دودھ پلانے والی دودھ پیتے ہوئے بچہ کو بھول جائے گی اور ہر ایک حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تجھے (اے مخاطب!) لوگ مدہوش نظر آئیں گے اور (درحقیقت) وہ مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا سخت عذاب ہوگا کہ جس کے خوف سے مدہوش ہوں گے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں (مشرکین مکہ) کہ پھر اللہ کے معاملے میں نادانی سے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے کہے پر چلتے ہیں۔ حالانکہ (شیطان کی بابت) لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو یار بنائے گا تو یہ اس کو گمراہ کر کے رہے گا۔ اور اس کو عذابِ جہنم کا رستہ دکھائے گا۔ لوگو! اگر تم کو (قیامت کے دن) پھر جی اٹھنے میں شک ہو تو اس کو خیال کرو کہ ہم نے تم کو خاک سے پھر نطفہ سے۔ پھر خون کی پھٹکی سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے بنایا کسی کو پورا کسی کو ناقص الخلقت بنایا تا کہ اپنی قدرت تم کو معلوم کرائیں۔ اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک وقتِ مقرر تک ٹھہرا رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر (پرورش کرتے رہتے ہیں) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور کچھ تم میں سے پہلے ہی مر جاتے اور کچھ تم میں سے نکمی عمر (بڑھاپے) تک پہنچائے جاتے ہیں کہ دانش کے بعد بھی کچھ وقوف نہیں رہتا ہے۔ اور تجھ کو (اے مخاطب!) زمین خشک پڑی دکھائی دیا کرتی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ اور ہر ایک خوشنما جڑی بوٹی اگاتی ہے۔ یہ (اس لیے) کہ اللہ ہی برحق ہے۔ اور مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ اور یہ بھی کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اور یہ بھی کہ جو قبروں میں ہیں اللہ ان کو (زندہ کر کے) کھڑا کرے گا۔

ترکیب : زلزلة مصدر ہے جائز ہے کہ فعل لازم سے ہو ای تزلزل الساعة اور ممکن ہے کہ متعدی سے ہو ای زلزال الساعة الناس دونوں صورت میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو گا یوم ترونها منصوب ہے تذھل سے جو حال ہے ضمیر مفعول سے والعائد محذوف سکاری حال ہے اور یہ بالضم اور بالفتح دونوں طرح سے آیا ہے اور سکری مثل مرضی اور واحد سکران یا سکر ہے مثل زمن وضمنی۔ مَنْ يُّجَادِلُ میں من نکرہ موصوفہ ہے۔

تفسیر : اس سورہ میں علماء کا اختلاف ہے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم و مجاہد کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے بجز چند آیات کے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئیں وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ سے لے کر عَذَابُ يَوْمٍ مُقِيْمٍ تک جمہور کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ صحیح یہی بات ہے اس سورہ میں علومِ خمسۂ قرآنی مذکور ہیں آفرینش بھی، معاد بھی، احکام بھی، پہلے واقعات امتوں کے عذاب ثواب دنیاوی بھی، رسالت کا بھی مسئلہ۔ اس میں ابن المبارک و شافعی و احمد و اسحاق کے نزدیک دو جگہ سجدے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابراہیم و نخعی و سفیان ثوری و امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک سجدہ ہے۔ سورہ انبیاء کے خاتمہ میں مسئلہ معاد کا ذکر تھا اس سورہ میں اس سے ابتدا کی جاتی ہے تا کہ انسان کو پرہیزگاری اور خدا ترسی اور عبادت کی طرف کامل رغبت ہو اور دل میں خوف رہے اور انبیاء علیہم السلام جن کا ذکر سورۂ انبیاء میں ہوا تھا تصدیق اور ان کی پیروی کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ کس لیے کہ دارِ آخرت کا مسئلہ اور اس عالم کے مفید و مضر کام بغیر حضراتِ انبیاء کے معلوم ہو نہیں سکتے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس ہولناک واقعہ کی خبر کس ہیبت ناک عنوان سے بیان فرماتا ہے اور سب سے پیشتر رب سے ڈرنے اور تقویٰ کرنے حکم دیتا ہے۔ فقال يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اول تو لفظ رب یہ چاہتا ہے کہ اپنے ہر روز کے مربی سے ڈرنا اور اس کی طاعت کرنا چاہیے مگر اس کے بعد ایک سخت مصیبت آنے والی ہے اس کا ذکر کر کے اور بھی اس تقوے کے حکم کو موکد کرتا ہے گویا یہ جملہ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ علت ہے کیونکہ اس سخت وقت میں انسان کو تقویٰ ہی امان دے گا۔ پھر فرماتا ہے یہ زلزلہ کس دن ہو گا اور اس روز کیا حال ہو گا؟

فرماتا ہے يَوْمَ تَرَوْنَهَا الخ کہ اس روز حاملہ عورتوں کے اس کے خوف سے حمل گر جائیں گے اور دودھ پلانے والیاں باوجود اس کے

کہ بچہ سے بڑی محبت ہوتی ہے بچہ کو بھی اس پریشانی اور بدحواسی میں بھول جائیں گے اور اس دہشت سے لوگ متوالے کی طرح بدحواس ہوں گے اور درحقیقت نشہ نہ ہوگا عذابِ الٰہی کی بدحواسی ہوگی۔ یہ زلزلہ قیامت کے روز ہوگا جس روز صور پھنکے گا۔ پہاڑ اڑتے پھرینگے زمین کپکپاوے گی ایک آپادھاپی ہوگی کہ الٰہی توبہ۔ اہلِ ایمان میں سے اس وقت روئے زمین پر ایک بھی باقی نہ رہے گا پہلے ہی اٹھ جائیں گے اشرار بدکردار رہ جائیں گے جو اس دن کو دیکھیں گے۔ پھر تمام دنیا نیست ہوکر دوبارہ ایک اور عالم پیدا ہوگا نیا آسمان نئی زمین قائم ہوگی لوگ جی اٹھیں گے حشر برپا ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ الخ مکہ کے مشرک اس بیان کو سن کر جھگڑنے لگے کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے اور جھگڑا بھی بے دلیل یہ محض شیطانی وسوسہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے روایت کی ہے کہ نضر بن حارث نے اللہ کے امر یعنی قیامت کے معاملہ میں جاہلانہ گفتگو کی تھی جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے حق میں فرمایا۔ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيْدٍ کہ وہ ہر ایک شیطان راندۂ درگاہ کی پیروی کرتا ہے اس میں ان کے گمراہ کنندہ لوگ بھی آ گئے اور ابلیس بھی جس کے لیے یہ مقرر ہو چکا ہو کہ جو اس کو یار بنائے گا تو یہ اس کو راہِ راست سے بہکا کر جہنم کی طرف لے جائے گا پھر اس کمبخت کو کیا ہوا جو ہادیٔ برحق سے جھگڑ کر مضل کی پیروی کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ قیامت کے ہونے پر دو دلیلیں پیش کرتا ہے: اول دلیل يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ الیٰ قولہ تعالیٰ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا کہ اگر تم کو قیامت کے روز مر کر جی اٹھنے میں شک ہو تو تم اس بات کو دیکھو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کیونکہ تمہارے جدامجد آدم کو مٹی سے بنایا کہ جس کی تم نسل ہو یا یوں سمجھ لو کہ تم نطفہ سے پیدا ہوتے ہو جیسا کہ اس کے بعد خود ہی فرماتا ہے ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ اور نطفہ غذاؤں کے کھانے سے پیدا ہوتا ہے جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر نطفہ کو جو پانی کا ایک قطرہ ہے خون بنا دیتے ہیں پھر اس خون کو گوشت کا لوتھڑا پھر اس میں کسی کے پورے ہاتھ پاؤں و دیگر اعضاء لگاتے ہیں کسی کو ناقص رکھتے ہیں غیر مخلقہ یا یوں کہو کہ بعض لوتھڑے ناقص کے ناقص ہی رہ کر باہر گر جاتے ہیں۔ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ تاکہ تم کو معلوم کرائیں کہ یہ اس قادرِ مطلق کی صنعت ہے جس نے طبیعت کو آلہ بنا دیا ہے ورنہ طبیعت کے لیے کونسا امر مرجح تھا کہ ایک قطرہ یا یکساں گوشت کا لوتھڑا سب کی ایک طبیعت پھر اس میں سے کسی کو ہڈی کسی کو پٹھا بنائے کسی کو ہاتھ آنکھ ناک اور ان میں یہ یہ دوراندیشیاں مدنظر رکھے پھر رحم میں جس کو جتنی مدت چاہتے ٹھہراتے ہیں پھر بچہ بنا کر اس نطفہ کو باہر لاتے ہیں پھر کسی کو لڑکپن میں کسی کو جوانی میں کسی کو ایسی عمرِ طبعی تک پہنچا کر مارتے ہیں کہ وہ علم و دانش جان کر پھر نادان بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔ پس جو ان باتوں پر قادر ہے کیا وہ انسان کو بارِ دگر زندہ نہیں کرسکتا؟ بے شک کرسکتا ہے اور ضرور کرے گا۔

دوسری دلیل وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً سے لے کر آخر تک کہ زمین خشک ہوتی ہے پھر ہم اپنی قدرت سے پانی برساتے اور ایک پانی ایک ہی زمین سے گوناگوں جڑی بوٹیاں اگاتے ہیں اور ہماری اس قدرتِ کاملہ کا تماشا اکثر دیکھتے ہو۔ پھر کیا ہم ماء الحیات برسا کر انسان کو نباتات کی طرح بارِ دگر پیدا نہیں کرسکتے؟

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ

لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَہٗ خَیْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِہٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْہُ فِتْنَۃُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۱﴾ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہٗ وَمَا لَا یَنْفَعُہٗ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۲﴾ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّہٗ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِہٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ﴿۱۳﴾

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے معاملہ[1] میں حق سے منہ موڑ کر بغیر علم وہدایت اور بغیر کتاب روشن کے اس کے رستہ سے برگشتہ کرنے کے لیے جھگڑا کرتے ہیں اس کو دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اس کو عذاب ورنج کا مزہ چکھائیں گے اس کو کہا جائے گا یہ تیرے عملِ بد کا بدلہ ہے جس کو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اور اللہ تو بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر الگ تھلگ پھر اس کو کچھ فائدہ پہنچ گیا تو اس پر جما دیا۔ اور اگر کچھ تکلیف پہنچ گئی تو منہ کے بل اٹھا پھر گیا ان سے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔ یہ ہے وہ صریح خسارہ اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکارتا ہے جو نہ اس کو ضرر دے سکے اور نہ فائدہ۔ یہی تو وہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے اس کو پکارتے ہیں کہ جس کا ضرر اس کے نفع سے نزدیک تر ہے ایسا آقا بھی برا اور رفیق بھی برا۔

تفسیر: قیامت کے دلائل بیان کر کے پھر انہیں بے ہودہ لوگوں کے جاہلانہ حجت ومجادلہ کا ذکر فرماتا ہے۔ قال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتَابٍ مُّنِیْرٍ۔ بعض کہتے ہیں پہلی آیت وَمِنَ النَّاسِ الخ نضر بن حارث کے حق میں اور یہ ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں دونوں جگہ نضر مراد ہے محض ذم کے مبالغہ کے لیے اس کا اعادہ کیا۔ انسان کسی مقصد پر جو حجت قائم کرتا ہے یا کوئی عقیدہ دل میں جماتا ہے۔ تو یا علم بالبدیہیات یا استدلال ونظر سے یا وحی والہام سے پھر جس کو یہ تینوں باتیں کسی بات کی طرف ہدایت نہ کریں اور وہ اس پر جھگڑے تو سخت نادان ہے بغیر علم میں بدیہیات ولا ھدی میں نظریات اور ولا کتاب منیر میں الہامِ حق کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے پاس ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ پھر اس کا یہ فعل محض تکبر اور لوگوں کے گمراہ کرنے کے لیے ہے۔ ثَانِیَ عِطْفِہٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثنی العطف کبر وخیلا سے عبارت ہے۔ اب اس کی سزا بیان فرماتا ہے اس کے کبر وغرور کے بدلہ لَہٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ کہ خدا تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی خوار وذلیل کرے گا چنانچہ نضر بن حارث اور ابوجہل کس ذلت کے ساتھ بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور کتوں کی طرح سے ان کی لاشیں کھنچوا کے ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں اور اسی طرح سب سرکشوں کا بھی حال ہوا ہے اور ہوگا۔ اور اس جاہلانہ مجادلہ کی سزا میں وَنُذِیْقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ قیامت کے روز عذابِ جہنم کا بھی مزہ چکھائیں گے اور یہ اسی کے عمل کا بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

انبیاء علیہم السلام قیامت کے حالات بیان فرما کر انسان کو دارِ آخرت کی بھلائی کے لیے اپنی طرف بلایا کرتے ہیں پھر اس شخص کی سخت حماقت ہے کہ اس رستہ کو دنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لیے اختیار کرے۔ دنیا کے نفع ونقصان تو انسان کے ساتھ ہر حال میں رہتے ہیں چنانچہ حضرت کے عہد میں بھی بعض بیوقوف اس لیے اسلام میں آئے تھے اس لیے ان کی برائی بیان فرماتا ہے فقال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

[1] یعنی بغیر علم ودانش اور بغیر کسی کتابی سند کے خدا کی باتوں کی جاہلانہ تکذیب کیا کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ[1] بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ایسے بھی لوگ آتے اور اسلام لاتے تھے کہ اگر اس کے لڑکا پیدا ہوا اور اس کے مواشی کے بچے ہوئے تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور جو ایسا نہ ہوتا تو کہتا کہ یہ دین برا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حرف کے معنی طرف یعنی شک و تردد کے ہیں دنیا میں تو اس پر قضاء و قدر سے مصیبت آنی ہی تھی ادھر خدا سے بھی پھر گئے دنیا[2] بھی گئی دین بھی ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یہ بڑا ٹوٹا ہے اب خدا کے ڈر سے پھر کر اور معبودوں کی طرف رجوع ہوا ہے یہاں کیا رکھا ہے بجز نقصان کے ان کی عبادت و نذر و نیاز میں مال ضائع کرنا وقت کھونا' وبال بت پرستی سر پر لینا اور بھی خسارہ اور ضرر ہے ان معبودوں کو قدرت ہی کیا ہے جو کسی کو نفع یا نقصان دے سکیں ایسا ہی بدنصیب یہ مانگنے والا ہے جو ان کا رفیق بنا ہے اور ایسے ہی وہ لغو معبودِ باطل ہیں۔ جن کے پوجنے میں نفع کی جگہ ضرر ہی ضرر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے پڑیں نہریں بہتی ہوں گی۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو حالتِ مایوسی میں یہ گمان ہو کہ اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا اس کو چاہیے کہ چھت میں ایک رسی لٹکائے پھر اس کو کاٹ ڈالے (پھانسی لے کر مر جائے) پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر اس کے غصے کو دور بھی کرتی ہے اور ہم نے قرآن کو کھلی کھلی آیتیں بنا کر نازل کیا ہے اور یہ بھی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے بے شک اللہ ایمان والوں اور یہودیوں اور صابیوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں ضرور قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا البتہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔

منافقوں کی عبادت اور ان کے معبودوں کا حال بیان فرما کر اس جگہ سچے ایمانداروں کی عبادت کا حال بیان فرماتا ہے اور ان کے معبودِ حقیقی کا وصف کرتا ہے کہ اللہ جو معبودِ حقیقی اور قادرِ مطلق ہے اپنے ایمانداروں نیکوکار بندوں کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے قادرِ مطلق ہے برخلاف ان کے معبودوں کے کہ ان کو نفع و ضرر کا کچھ بھی اقتدار نہیں۔

---

[1] قال المفسر ون الحرف الشک واصلہ من حرف الشیء ای طرفہ مثل حرف الجبل والحائط فان القائم علیہ غیر مستقل۔ ۱۲ منہ

[2] یہ کیا حمق ہے کہ اگر اس کو دنیا کا فائدہ حاصل ہوا تو اس راہ پر قائم رہے کچھ آزمائش ہوگئی' کوئی تکلیف پہنچی تو پھر گئے بتوں سے مانگنے لگے۔ ۱۲ منہ

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ میں ان منافقوں کی طرف روئے سخن ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی عبادت تر دد اور شک سے کرتے ہیں کہ جہاں کوئی دنیا کا فائدہ معلوم ہوا تو جمع رہے' کوئی تکلیف آ پڑی تو اللہ سے پھر کر باطل معبودوں کی طرف متوجہ ہو گئے کہ بھلا وہ ان معبودوں کی طرف متوجہ ہو کر تو اپنا کام بنالیں اور دیکھیں ان کے دل کا غصہ جو خدا پر ہے کس طرح سے نکالتے ہیں۔ وہ جیسی چاہیں تدابیر کر لیں، جس قدر چاہیں زور لگالیں حتی کہ آسمان کی طرف یا اپنے گھر کی چھت میں (کیونکہ السماء سے سماء البیت بھی مراد ہو سکتا ہے) کوئی رسی لٹکا کر اس سے گلا گھونٹ کر مر جاویں۔ پھر دیکھیں کہ اس تدبیر سے بھی ان کے دل کا غصہ نکلتا ہے؟ یعنی ہزار تدبیریں کریں کچھ نہ ہوگا۔ خدا ہی نہ چاہے، تو کیا ہو سکتا ہے۔ یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ ینصرہ کی ضمیر من کی طرف رجوع کی جاوے جیسا کہ سیاق چاہتا ہے۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما و کلبی و مقاتل و ضحاک و قتادہ و ابن زید و سدی و فراء و زجاج اس کو حضرت محمد ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ محمد ﷺ کی دنیا میں اس کا بول بالا کر کے اور آخرت میں اس کا درجہ بلند کر کے اس کی مدد نہ کرے گا اور اسی لیے وہ اسلام کے قبول کرنے میں تر دد کرتا ہے جیسا کہ مقاتل کہتے ہیں یہ آیت غطفان اور اسد کے چند لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ ہم کو خوف ہے کہ خدا محمد (ﷺ) کی مدد نہ کرے تو ہم اپنے حلیفوں سے بھی گئے گزرے ہوئے یا جو آنحضرت ﷺ سے حسد رکھتے ہیں اور حسد کے مارے یہ خیال کرتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ جیسا دل چاہے ویسی تدبیر اور داؤ کر لیں یہاں تک کہ کوئی رسی لٹکا کر اس سے گلا گھونٹ کر مر جاویں یا رسی کے ذریعہ سے آسمان پر پہنچ جائیں تب بھی کچھ نہ ہوگا خدا اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں مدد کرے گا اور ضرور کرے گا کیونکہ ابھی ہم کہہ چکے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ یا کوئی ایسا سبب پیدا کریں کہ جس سے آسمان پر چڑھ جاویں اور وہاں سے ناکام ہونے پر گر کر مر جاویں لِيَقْطَعْ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں سبب کے معنی رسی کے اور وسائل کے بھی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بعض مسلمان حضرت ﷺ کے فتوحات اور غلبہ میں دیر ہونے کی وجہ سے خفا اور دل تنگ ہوا کرتے تھے اس آیت میں ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جو چاہیں کر لیں ان کی تدابیر سے کچھ نہ ہوگا خدا ایک وقت پر مدد و فتح حضرت کی کرے گا۔

تمام قرآن کو آیاتِ بینات بنا کر ہم نے یوں ہی نازل کیا ہے۔ رہی ہدایت سو وہ ہر ایک کے حصہ میں نہیں خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ گو دنیا میں اکثر چھ[1] فریق ہیں اہلِ اسلام جن کو الذین آمنو اسے تعبیر کیا۔ دوم یہودی۔ سوم صابی۔ چہارم نصاریٰ۔ پنجم مجوس۔ ششم مشرکین اور ان میں سے ہر ایک اپنے تئیں ہدایت پر کہتا ہے مگر دراصل ہدایت پر وہی فریق ہے کہ جس کو خدا نے ہدایت دی یعنی اہلِ اسلام۔ رہی ان کی یہ قیل و قال سو اس کا قیامت میں اللہ آپ فیصلہ کر دے گا اس کے سامنے ہر چیز ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

السجدۃ

---

[1] کس لیے کہ جو لوگ فاعلِ مختار حق سبحانہ کے قائل ہیں پھر یا تو انبیاء کے قائل نہیں جیسا کہ مشرکین اور جو قائل ہیں پس یا سچے نبی کے پیرو ہیں یا فرضی اور متبنی کے پس انبیاء کے متبع تو اہلِ اسلام اور یہود و نصاریٰ اور صابئین ہیں جو یہود و نصاریٰ کے بین بین ہیں اور فرضی نبی کے متبع مجوس۔ ۱۲ منہ

قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ⁽¹⁹⁾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ⁽²⁰⁾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ⁽²¹⁾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⁽²²⁾

ع

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان والے اور زمین والے اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے اور بہت سے آدمی اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جس کو کہ اللہ ذلیل کرتا ہے پھر اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ دونوں فریق مخالف جو اپنے رب کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں پھر جو منکر ہیں ان کے لیے تو آگ کے کپڑے قطع کیے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا کہ جس سے جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے (انتڑیاں وغیرہ) اور ان کی کھال جھلس دی جائے گی اور ان پر لوہے کے گرز پڑیں گے جب گھبرا کر وہاں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں داخل کیے جائیں گے اور کہا جائے گا دوزخ کا عذاب چکھو[1]۔

ترکیب: کثیر مبتداء من الناس صفت خبرہ مطیعون محذوف اور بعض کہتے ہیں مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ پر معطوف ہے تفصیل کے لیے یصب جملہ مستانفہ اور خبر ثانی بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا اللہ ہر چیز جانتا ہے جس سے اس کا علم و ادراکِ کامل ثابت ہوا تھا جو یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت کے فیصلے کے لیے ضروری ہے۔ اب یہاں الم تر سے قدرت و جبروت کا ثبوت کرتا ہے کہ اس کے آگے تمام کائنات سرنگوں ہے اور جس کو وہ ذلت دیتا ہے کوئی اس کو عزت نہیں دے سکتا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں جیسا کہ مشرکین جن کا ذکر اگلی آیتوں میں آیا تھا محض بیوقوف ہیں نہ اور کسی کو وہ علم ہے جو اللہ کو ہے نہ اس کی مانند کسی کو قدرت و سلطنت ہے اور قیامت میں فیصلہ کرنے کے لیے بھی دو وصف ضروری ہیں اس لیے اپنے فیصلہ کرنے کا ثبوت کر دیا کہ ہم قادرِ مطلق ہیں۔ ہمارے آگے ہر ایک سرنگوں ہے تمہارے معبود وہاں کیا کر سکیں گے اور یہاں بھی وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الم تر سے مراد الم تعلم یعنی تو کیا نہیں جانتا مراد ہے کہ اے مخاطب! تجھے خوب معلوم ہے دلائل و براہینِ قدرت میں نظر کرنے سے چونکہ یہ بات بہت ظاہر تھی اس لیے الم تر سے تعبیر کیا۔ یَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرنے سے مراد مسخر اور سرنگوں ہونا اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ تمام عالم ممکن ہے اور ممکن کو جس طرح اپنے حدوث سے واجب تعالیٰ کی طرف احتیاج ہے اسی طرح بقاء میں بھی۔ پس ہر چیز کا ہمہ وقت اس کا محتاج ہونا اس کے آگے سجدہ کرنا ہے۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اگرچہ جملہ علویات و سفلیات داخل ہیں لیکن ان مشرکین کے معبود کہ جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے مفصلہ ذیل تھے اس لیے تعمیم کے بعد ان کی تخصیص کی گئی وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ آفتاب اور چاند اور ستارے اکثر فرقہ صابیہ اور مجوس اور ہنود کے معبود ہیں۔ ان کے مرشدوں نے انہیں اشیاء کو پیکرِ نورانی سمجھ کر ان کی عبادت کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنایا اور بعد میں انہیں کو قاضی الحاجات سمجھنے لگے۔ پھر ان کے نام کے بت ان کی مناسب دھات کے بنائے اور بڑے بڑے شاندار مکان بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے

[1] بخاری و مسلم وغیرہما نے ابوذر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حمزہ و عبیدہ و علی رضی اللہ عنہم کے اور عتبہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ بدر کے روز یہ دونوں فریق لڑنے کو میدانِ جنگ میں صف سے نکل کر لڑے اور حاکم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں ہی نقل کیا ہے کہ یہ آیت ہمارے حق اور ہمارے مقابل بازوں کے حق میں نازل ہوئی ہے مراد یہ کہ اس کے ہم بھی مصداق ہیں۔ ۱۲ منہ

یونانی بھی ایسا ہی کرتے تھے پھر ان سے اتر کر والجبال پہاڑوں کے پتھر پوجنے لگے ہنود اور عرب کے معبود پتھروں کے اور پہاڑوں کی دھات تانبے پیتل کے تھے والشجر والدواب یہاں تک کہ ہنود درختوں چارپایوں کو بھی پوجتے ہیں' پیپل کا درخت اور گائے بیل بھی ان کے معبود ہیں وکثیر من الناس بہت سے آدمیوں کو بھی پوجتے ہیں راجہ رام چندر و کرشن و ہنود و مہادیو وبشن و برہما یہ سب انسان تھے جن کو ہندو پوجتے ہیں۔اسی طرح عرب کے مشرکوں نے لات' منات' اساف' نائلہ' ذی الخلصہ' ہبل وغیرہ انسانوں کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ان کو ہی قاضی الحاجات' دافع البلایات جانتے تھے۔نذر و نیاز کرتے تھے' مصائب کے وقت ان کو پکارتے تھے' ان کی دوہائی دیتے تھے۔فرماتا ہے یہ سب چیزیں تو اللہ کے آگے جھک رہی ہیں اسی کے آگے سر جھکاتی ہیں باخدا انسان کہ جن کو یہ پوجتے ہیں بالاختیار اللہ کو سجدہ کرتے تھے اور کرتے ہیں۔باقی یہ سب اشیاء اپنے بقاء میں ہر دم اسی کی طرف محتاج ہیں اور اس کے حکمِ تکوین کے مسخر ہیں یہی ان کا جھکنا اور سجدہ ہے پھر ان کے مالک و خالق کو چھوڑ کر ان کو پوجنا کونسی عقلمندی ہے۔مگر آدمیوں میں سے ایسے بھی بدبخت اور بدعقل اور ذلیل ہیں کہ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ کہ باختیار خود اس کے آگے نہیں جھکتے اس کی مخلوق کے آگے جھکتے ہیں۔ان ذلیلوں پر عذاب الٰہی ثابت ہو چکا ہے اور ذات نوشتہ ازلی ہے وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ کیونکہ جن کو وہ ذلت دے اس کو کون عزت دے سکتا ہے اور اس فعل میں خدا کو کون پوچھ سکتا ہے وہ فاعلِ مختار ہے اپنی حکمت و مصلحت سے

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ[1] ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ[2] مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ[3] وَالْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ[4] فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى[1]

---

[1] سواء کو یعقوب و عاصم نے بالنصب پڑھا ہے جعل کا معمول بنا کر بعض نے مرفوع پڑھا ہے مبتداء کی خبر مقدم قرار دے کر صاحب کشاف کہتے ہیں بالحاد بظلم یہ دونوں حال مترادف ہیں رجال جمع راجل پیادہ والضمو راہزال ضمر یضمر مضمور او المعنی ان الناقۃ عبارت مرضاۃ بطول، سفر باوالفج الطریق میں الجبلین ثم یستعمل فی سائر الطریق الساحا و العمیق البعید کبیر۔۱۲ منہ

[2] ان الذین کی خبر محذوف اس پر نذقہ دال ہے۔۱۲ منہ

[3] طائفین جمع طائف بمعنی طواف کنندہ قائمین جمع قائم یعنی قیام کنندہ رکع جمع راکع بمعنی رکوع کنندہ سجود جامع ساجد خواہ یہ افعال ایک ساتھ ادا کئے جاویں جیسا کہ نماز میں یا جداگانہ۔۱۲ منہ

[4] حج کے لیے آنا بحکم ابراہیم علیہ السلام گویا ان کے پاس آنا ہے یا ان کی حیات کے لحاظ سے فرمایا پس ان کے پاس لوگ حج کرنے کو آنے لگے تھے۔۱۲ منہ

كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

البتہ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ایسے باغوں میں داخل کریگا کہ جنکے نیچے نہریں ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ اور یہ وہ ہیں کہ جن کو اچھی بات کی طرف رہنمائی کی گئی اور عمدہ رستے کی انہیں ہدایت کی گئی۔ بے شک جو منکر ہو گئے اور لوگوں کو اللہ کے رستہ (اور اس) مسجد الحرام سے روکتے ہیں کہ جس کو ہم نے سب لوگوں کے لیے معبد بنایا وہاں اس جگہ کا رہنے والا اور باہر والا دونوں برابر ہیں اور جو وہاں ظلم سے کجروی کرنا چاہے گا تو ہم اس کو دکھ دینے والا عذاب چکھاویں گے اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ معین کر دی (حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو تمہارے پاس لوگ پا پیادہ اور پتلے دبلے اونٹوں پر سوار ہو کر دور دراز رستوں سے چلے آئیں گے[1]۔

جو چاہے کرتا ہے اب یہ دو فریق ہو گئے ایک ذلیل جو اپنی مثل مخلوق کو پوجتے ہیں دوسرے عزت دار جو اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں پوجتے اب دونوں فریق کا کیا حال ہے هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ وہ یہ کہ آپس میں اپنے رب کے معاملہ میں باہم اختلاف کرتے ہیں۔ ذلیل فریق خدا میں عجز و حدوث کے اوصاف رذیلہ اپنے قیاس سے ثابت کرتا ہے کہ وہ سب کام آپ نہیں کر سکتا۔ اس نے ان ان اشخاص و اشیاء کو یہ یہ کام بانٹ دیے ہیں اس لیے ہم ان کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔ فریق عزت دار اسی کو قادرِ مطلق اور جملہ کاموں کا کرنے والا سمجھتا ہے وہی علام الغیوب ہے ہر ایک کی پکار بھی وہی سنتا ہے اور سن کر قضائے حاجت بھی کرتا ہے کیونکہ علیم بھی ہے رحیم بھی ہے بخلاف مخلوق کے۔ اس کے بعد آپ ہی دونوں فریق کا انجام کار بتلاتا ہے۔ فریقِ ذلیل کا انجام ان آیات میں ہے فالذین کفروا کہ ان کے لیے جہنم کے کپڑے تیار ہیں گرم پانی اور لوہے کے گرز اور وہاں سدا رہنا ہے۔ اگلی آیات میں فریقِ عزت دار کا انجام بیان فرماتا ہے۔

ان اللہ میں اس دوسرے فریق کا ذکر ہے کہ اللہ ان کو بھی بہشتوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں جڑاؤ زیور اور موتی اور ریشمی لباس پہنیں گے پھر ان اہلِ ایمان کے وصف میں فرماتا ہے وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کہ یہ باتیں ان کو اس وجہ سے نصیب ہوں گی کہ دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کو اچھی بات اور عمدہ رستہ کی ہدایت کی گئی تھی اچھی بات کہ جس کو قولِ طیب سے تعبیر کیا کلمۂ پاک لا الہ الا اللہ یا قرآن مجید ہے اور عمدہ رستہ دینِ اسلام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جنت میں جا کر اچھی باتیں کہنا ہے اس کی حمد و ثناء گویا اس میں روحانی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ الخ یہاں سے اس سے فریقِ نافرمان کے پھر چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ بالخصوص ان کے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے کہ کفر کے علاوہ وہ لوگوں کو اللہ کے رستہ سے بھی روکتے ہیں یعنی اسلام اور نبیِ آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے مشرکینِ مکہ ان لوگوں پر جو اسلام لاتے تھے بڑے ظلم و ستم

---

[1] واذن فی الناس حسن اور اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ یہاں سے خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے پہلا کلام تمام ہو چکا یعنی اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمہارے پاس حج کرنے نزدیک و دور سے چلے آئیں گے۔ یہ آیت فرضیتِ حج کے لیے ہے۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بھی جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہے اس میں انہیں کی طرف خطاب ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ تعمیر کر چکے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم لوگوں میں حج کے لیے پکار دو تا کہ لوگ حج کو آویں۔ اس میں یہ مراد ہے کہ اے قریش مکہ! تم جو ان لوگوں کو مسجد الحرام سے روکتے ہو نہ صرف خدا تعالیٰ بلکہ اپنے بزرگ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے بھی برخلاف کرتے ہو۔ یاتوک رجالا وعلی کل ضامر ضامر پتلی دبلی اونٹنی جو اونٹنیاں سواری کی ہوتی ہیں کثرتِ سفر سے دبلی پتلی ہو جاتی ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ حج کو پاوے یا اونٹنیوں کے سوار ہی آئیں گے بلکہ عرب کی قوموں کے لحاظ سے یہ فرمایا جن کی سواری بیشتر اونٹوں ہی پر ہوتی ہے ورنہ مراد عموم ہے کہ ہر قسم کے لوگ آئیں گے۔ ۱۲ حقانی۔

کر کے ان کو اسلام سے روکتے تھے اور بعض اسلام پر جھوٹے الزامات لگا کر اس کو رسوا کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ آج کل گمراہ فرقوں کے پیشوا کیا کرتے ہیں اور لوگوں کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع

تا کہ اپنے فوائد کو دیکھیں اور تا کہ جو چارپائے خدا نے ان کو دے رکھے ہیں ان پر ایام مقررہ میں خدا کا نام یاد کیا کریں (قربانی کرنے میں اس کا نام لیا کریں) پھر ان میں سے آپ بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ پھر چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں (احرام کھول کر) اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر (کعبہ) کا طواف کریں۔ بات یہ ہے اور جو اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا سو یہ اس کے لیے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے اور تمہارے لیے مواشی حلال کر دیے گئے مگر جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (مردار وغیرہ) پھر بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی دور رہا کرو۔ خاص اللہ کے ہو کر رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ بنو اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو گویا وہ اوپر سے گر پڑا کہ یا تو اس کو پرندے اچک لے جا رہے ہیں یا اس کو ہوا اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک رہی ہے۔ بات یہ ہے اور جو کوئی اللہ کے شعائر[1] کی حرمت مانتا ہے سو یہ دل کی پرہیزگاری ہے۔ تمہارے لیے (قربانی) جانوروں میں ایک وقت معین

[1] شعائر جمع شعیرۃ او شعارۃ بالکسر ومنہ شعار القوم ای علامتھم فی الحرب فشعائر اللہ اعلام دینیہ۔ ۱۲ منہ۔

شعائر علامات اور نشان جو امتیاز کے لیے ہر قوم اور ہر شخص کے لیے مخصوص ہوتے ہیں خدا کے شعائر اس کے وہ عبادت کے خاص دستورات جو اس نے فرمانبردار قوم کے امتیاز کے لیے مقرر کر دیے ہیں ان کی پابندی دلی پرہیزگاری ہے۔ قومی اور ملکی نشانوں کو ہلکا جان کر ترک کرنا ایک طرح کا فسق اور بدکاری ہے کس لیے کہ ان کے ترک کرنے سے قوم قوم نہیں رہتی شیرازہ قائم نہیں رہتا بعض بے باک طبائع ان کو فضول جانتی ہیں اور کہتی ہیں کہ دل میں خدا پرستی ہونی چاہیے اس کو جواب میں فرمایا کہ یہ بھی دلی پرہیزگاری سے متعلق ہے اس کی منافی نہیں اس جگہ شعائر سے مراد احکام حج ہیں۔ قربانی کرنا' طواف کرنا' احرام باندھنا' حرم واحرام میں شکار نہ کھیلنا' سر منڈانا' عورتوں سے صحبت کرنے سے جدا رہنا۔ اس لیے بعض علماء نے اس کو ہدی یعنی قربانی سے تعبیر کیا ہے۔

تک فوائد ہیں۔ پھر ان کو قدیم گھر تک پہنچانا چاہیے۔

بھی روکتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابی سفیان وغیرہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو عام حدیبیہ میں عمرہ سے روک دیا تھا۔ (کبیر) اگر حدیبیہ کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے تو یہ صاف ہے ورنہ یوں بھی وہ روک دیا کرتے تھے۔ باہم لڑائی بھڑائی کے خوف سے لوگ بجز ایک خاص موسم کے نہیں آسکتے تھے اور جب اسلام پھیلا تو مسلمان قبائل کو تو آنے سے روک ہی دیا تھا اس کے بعد مسجد الحرام کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) یہاں عاکف ومقیم وحاضر اور بادی (الطاری من البدو وھوا النازل الیہ من غربتہ۔ کبیر) یعنی مقیم ومسافر دونوں برابر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مکہ کی سکونت میں اور وہاں کے ٹھہرنے میں سب برابر ہیں جو پہلے آوے اور ٹھہر جائے وہی مستحق ہے اور یہی قتادہ وسعید بن جبیر کا قول ہے ان کے نزدیک مکہ کے مکانات کا کرایہ لینا اور بیع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ زمین کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور یہی مذہب ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عمر بن عبدالعزیز وامام ابوحنیفہ واسحاق حنظلی رحمہم اللہ کا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت اور بعض احادیث ہیں۔ اس تقدیر پر مسجد الحرام سے مراد مکہ ہے۔ اور علماء کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ خاص حرم کسی کی ملک نہیں یہاں ہر ایک مقیم ومسافر کا نماز پڑھنے اور عبادت کرنے میں برابر حق ہے اور مکہ کے مکانات کی بیع آنحضرت ﷺ کے عہد میں برابر ہوتی تھی۔ (۲) ومن یرد فیہ بالحاد الحاد۔ لحد سے مشتق ہے بمعنی کجی، اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں شرک مراد ہے بعض کہتے ہیں حرم میں شکار کرنا، بعض کہتے ہیں کسی کو مارنا ستانا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ عموماً ممنوعات مراد ہیں ان سب پر عذاب ہے۔ اس کے بعد اس مسجد کی تعمیر اور فرض کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ الخ کہ اس گھر کے بنانے کا ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے ہی حکم دیا تھا یہ جگہ خدا کی عبادت کرنے کے لیے مخصوص کر دی تھی کہ ایک عبادت خانہ بنا کہ جس کے اردگرد لوگ طواف کریں خدائے غیر جسم کے اوپر اس طرح سے قربان ہوں اور خدا پرست اس میں کھڑے ہو کر نماز ادا کریں اور رکوع کرنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے وہاں خدائے واحد کو سجدہ کیا کریں اور اس گھر کو پاک صاف کریں اور وہاں کسی قسم کی پرستش غیر اللہ کی نہ ہوا کرے۔ اس میں قریشِ مکہ پر تعریض ہے کہ تم ایسے نالائق مجاور ہو کر تم نے اس گھر کو خلاف منشائے ربانی بت خانہ بنا دیا اس نجاست سے گندہ کر دیا۔ اور ہم نے ہی ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ پکار دے کہ خدا پرست یہاں آکر حج کیا کریں۔ مراسم خدا پرستی بجالائیں۔ اس صلائے عام سے ہر دور دراز سے خدا پرست پاپیادے اور سوار ہو کر کشادہ رستوں اور تنگ گھاٹیوں سے چلے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرفات کی پہاڑی پر چڑھ کر پکار دیا۔ اس وقت سے یہ جشنِ خدا پرستی قائم ہوا۔ یہ عرب کے جاہلوں کا بت پرستی کے لیے سالانہ میلہ نہیں ہے اس کے بعد حج کے فوائد اور قربانی کے طریقے ارشاد فرماتا ہے۔

فوائد حج: فقال لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ، حج کے منافع دو قسم کے ہیں ایک منافع دنیا سو وہ بھی[۱] بے شمار ہیں: (۱) تمام اہلِ مذہب کا ایک جگہ جمع ہونا میل جول کرنا۔ (۲) ایک قوم کا دوسرے سے علم وہنر میں مستفید ہونا۔ (۳) دور دراز کے صحیح صحیح حالات کا بہم پہنچانا (۴) پھر اس سے تجارت ودیگر امورِ دنیا میں فوائد حاصل کرنا (۵) تجارت کے منافع سے مستفید ہونا (۶) قوتِ اجتماعیہ اور اخوتِ

---

[۱] حج موت کا بھی نمونہ ہے۔ گھر سے چلنا، اولاد ومال کو چھوڑنا گویا دنیا سے گزرنے کو یاد دلاتا ہے۔ پھر کعبہ کے قریب آکر احرام باندھنا گویا کفن میں لپٹنے کا نمونہ ہے پھر احرام میں شکار وجماع وغیرہ مرغوبات سے رکنا، مرنے کے بعد ان چیزوں سے رکنے کا نمونہ ہے۔ پھر وہاں زاد وراحلہ کا ہمراہ ہونا، ہدی کا ہونا، اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ہی کا توشہ ساتھ رہے گا۔ پھر عرفات میں کھڑا ہونا، حشر میں کھڑے ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر قربانی کر کے احرام کھولنا، نہانا، صاف ہونا، گناہوں سے بری ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر طواف کرنا، حرم مکہ میں جانا سب چیزوں کا درست ہو جانا جنت میں جا کر وہاں کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کا یاد دلانے والا ہے اللھم ادخلنا الجنۃ۔ اور نیز سفر بہت سی بیماریوں کے لیے مفید ہے ۱۲ منہ

دنیہ کا استوار کرنا۔ (۷) جس بات پر تمام قوم کو اتفاق کرنا ہو وہاں اس متبرک جگہ میں اس کا بسہولت میسر آنا۔ (۸) سفر کا عادی ہونا ریاضت ومشقت وتجربہ حاصل کرنا وغیرہ۔ دوسرے فوائد دینیہ وہ بھی بہت ہیں۔ صدہا ہزارہا خداپرستوں کا ایک جگہ جمع ہو کر دنیا میں آسمانی سلطنت کا نمونہ دکھانا (۲) ایک پر دوسرے کے انوار و برکات کا منعکس ہونا۔ (۳) تمام خلائق کو یہ دکھا دینا کہ دنیا میں یہی ایک جماعت ہے کہ جو خاص اس کی پیرو ہے۔ جس سے عام طبائع پر توحید وخدا پرستی کا ایک ولولہ پیدا ہو وغیرہ۔ ان سب کی طرف اس جملہ میں مجملاً ایماء ہے۔ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ پھر بعض فوائد کی تفصیل فرماتا ہے فقال وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کہ چند معین دنوں میں اللہ کا نام لیا کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قربانی کرنا ہے جس کا قرینہ علی ما رزقهم الله الخ ہے کیونکہ قربانی میں اللہ کا نام کسی چیز یعنی جانور پر ذکر کیا جاتا ہے تکبیر بسم اللہ واللہ اکبر کہی جاتی ہے اور یہ بھی اللھم منک والیک اور یہ بھی اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اکثر علماء کہتے ہیں۔ ایام معلومات سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے اور معدودات سے ایام التشریق اور یہ مجاہد وعطاء وقتادہ حسن وسعید بن جبیر وابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اسی کو شافعی اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کیونکہ یہ ایام عرب کو زیادہ معلوم رہا کرتے تھے۔ اور اب بھی معلوم رہا کرتے ہیں اس لیے کہ انہیں کے آخر میں حج کا وقت ہے اور اس طرح قربانی بھی انہیں ایام میں سے یوم النحر کو ہوتی ہے یعنی دسویں تاریخ۔ خلاصہ یہ ایام معلومات سے عشرہ ذی الحجہ کا مراد ہے اور اس کے جزاءِ خیر میں یہ قربانی دسویں تاریخ ہوتی ہے۔ عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں منقول ہے کہ ایام معلومات سے یوم النحر اور اس کے بعد کے اور تین روز مراد ہیں۔ کیونکہ یہ ایام قربانی کے لیے عرب میں معلوم ومعین تھے اور یہی قول صاحبین کا ہے اور اسی کو ابو مسلم نے پسند کیا ہے۔

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ بہیمہ ہر چار پائے کو کہتے ہیں خواہ بری ہو خواہ بحری۔ اس معنی میں یہ لفظ مبہم تھا پھر جب اس کے ساتھ الانعام لگا دیا تو تعین ہوگئی یعنی اونٹ گائے بیل، دنبہ بکرا۔ (کشاف)

فَكُلُوْا مِنْهَا[1] بعض کہتے ہیں یہ امر وجوب کے لیے ہے کیونکہ ایامِ جاہلیت میں برسم یہود یا ازخود اپنی قربانی میں سے آپ نہیں کھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے دفعِ حرج کے لیے مسلمانوں کو قربانی میں سے کھانے کا حکم دیا لیکن اکثر علماء کہتے ہیں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے یعنی ہدی تطوع وتمتعہ وقران میں سے آپ بھی کچھ کھاوے اور باقی فقیروں محتاجوں کو دیوے۔ بعض کہتے ہیں نصف آپ کھاوے اور نصف کو تصدق کرے۔ بعض کہتے ہیں تین حصے کرے ایک حصہ اپنے لیے ایک احباب واقارب کے لیے ایک مساکین کے لئے۔ مگر جو قربانیاں کہ نذر یا کفارات یا حج کے جنایات میں کی جاتی ہیں ان میں سے بالاتفاق نہ کھانا چاہیے۔ سب کو تصدق کر دینا چاہیے یہ مساکین کا حق ہے پہلی امتوں میں قربانیوں کو خواہ کسی قسم کی ہوں کھاتے نہ تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ کھانے کی اجازت صرف اس قربانی میں ہے جو تطوعاً ہو۔ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ۔ مبرد کہتے ہیں تفث کلامِ عرب میں ناپاکی کو کہتے ہیں جو انسان کے لگتی ہے اس میں میل کچیل ناخونوں کا بڑھنا، حجامت کا بڑھ جانا، سب آ گیا۔ مراد یہ کہ حج میں قربانی کر کے احرام کھول دو حجامت بنواؤ نہاؤ دھوؤ میل کچیل دور کرو ولیقضوا ای لیودوا ازالۃ وسخھم وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ اور جو کچھ ہدایا اور قربانیاں تم نے نذر مانیں ہیں ان کو بھی پورا کرو یا یہ مراد کہ حج میں جو چیزیں واجب ہوتی ہیں کہ جن کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا جیسا کہ دم قران وتمتع وغیرہ ان کو پورا کرو، نذورھم مواجب حجھم والعرب یقول لکل من خرج عما وجب علیہ وفی نذرہ وان لم ینذر او ماینذرونہ من اعمال البر فی حجھم (مدارک)۔

---

[1] ولا یجوز الاکل من ہدی التطوع والمتعۃ والقران لانہ دم نسک فیجوز الاکل منہا بمنزلۃ الاضحیۃ قد صح ان النبی علیہ السلام اکل من لحم ہدیہ وحسا من المرقۃ ہدایہ ۱۲! منہ واللہ اعلم۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ[1] ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

ع ۵ / ۱۲

اور ہر گروہ[2] کے لیے ہم نے قربانی مقرر کردی تھی تا کہ جو کچھ خدا نے ان کو چار پائے عطا کئے ہیں ان پر اس کا نام یاد کیا کریں۔ پھر تم سب کا خدا تو ایک ہی خدا ہے پس اس کا حکم مانو اور (اے نبی!) خدا سے عاجزی کرنے والوں کو مژدہ دو اور ان کو کہ جب اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو اس پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیا کرتے ہیں اور مسلمانو ہم نے تمہارے لیے قربانی کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنادیا ہے تمہارے لیے ان میں فوائد بھی ہیں۔ پس ان پر اللہ کا نام کھڑا کر کے لو (یعنی بسم اللہ کہہ کے ذبح کرو) پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور قانع اور سوالی کو بھی کھلاؤ اللہ نے ان کو تمہارے لیے ایسا مسخر کر دیا تا کہ تم شکر کرو اللہ کو تو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون البتہ تمہاری پرہیز گاری اسے پاس پہنچتی ہے۔ اس طرح سے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو اس پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی اور (اے نبی!) نیک بختوں کو مژدہ سنا دو بے شک اللہ حمایت کرتا ہے ایمانداروں کی اللہ کو کوئی دغا باز ناشکر پسند نہیں آتا۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ قربانی کے بعد جو دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتی ہے احرام کھول دیتے ہیں پھر اس کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں جس کا اس جملہ میں حکم دیتا ہے۔ بالاتفاق اس طواف سے مراد طواف واجب ہے جسکو طواف الزیارۃ اور طواف الافاضہ کہتے

---

[1] صواف جمع صافہ وھی قراءۃ الجمہور ای انھا قائمات قد صفت توائمھا لان المسنون نحرھا قائمۃ ۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی ہر وقت اہلِ ایمان کے لیے جو تم سے پہلے گزرے ہیں ۔ جلالین

ہیں۔ کعبہ کو بیت العتیق کہا۔ عتیق قدیم اور پرانے کو کہتے ہیں۔ سو کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اس سے پرانا اور قدیم عبادت خانہ دنیا پر اور کوئی نہیں۔ یہ احکام بیان فرما کر فرماتا ہے ذلک کہ بات یہی ہے جو بیان کی۔ یہ عرب کا محاورہ ہے ایک کلام تمام کر کے یہ جملہ بول دیا کرتے ہیں جس طرح ھذا پھر فرماتا ہے کہ جو خدا کی منع کی ہوئی چیزوں کی رعایت کرے گا تو یہ اس کے لیے عند اللہ بہتر ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ حرمات اللہ وہ امور کہ جن سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے اور ان کی تعظیم ان سے بچنا ہے۔ زجاج نے کہا ہے حرمۃ وہ ہے کہ جس کے قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا اور اس میں کمی کرنا حرام ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس جگہ حرمات اللہ سے مراد مناسک حج ہیں۔ منجملہ ان کے احرام میں شکار نہ کھیلنا اور فحش باتوں کی ممانعت ہے اس لیے اس کے بعد احرام کے متعلق ذکر کرتا ہے وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کہ احرام میں تمہارے لیے سب چارپائے حلال ہیں ان کو ذبح کر کے گوشت کھانا مباح ہے مگر وہ جو تم سے سورہ مائدہ میں بیان کئے گئے وہ درست نہیں۔ خنزیر وغیرہ اور وہاں وانتم حرم بھی فرما دیا ہے کہ جس سے یہ بات نکلی کہ ان چارپایوں میں سے جو وحشی جانور ہیں جن کا شکار کیا جاتا ہے محرم کے لیے ان کا شکار کرنا ممنوع ہے ہاں غیر محرم شکار کر کے لاوے تو کھا لینا درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ احرام کی حالت میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان حلال جانوروں کے گوشت کی بھی ممانعت ہے بلکہ حرام جانوروں کی اور شکار کرنے کی۔ یہ لب لباب ہے تمام احادیث واقوال کا۔ گوشت سے کیا پرہیز ہے بچنے کی تو یہ چیزیں ہیں فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ کہ بتوں سے بچو جو ناپاک چیز ہے اور وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ اور جھوٹی اور لغو بات سے بچو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قول الزور سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مشرکین کا وہ قول ہے جو حج میں کہا کرتے تھے۔ لاشریک لک لبیک الاشریکا ھولک الخ پھر اخیر تک توحید کی تاکید اور شرک کی مذمت بیان فرماتا ہے اور مشرک کو اس بدنصیب سے تشبیہ دیتا ہے جو آسمان سے گرے اور پھر پرندے اس کی تکے بوٹی کر لیں یا ہوا سے کہیں دور جا پڑے مراد یہ کہ اس کا بالکل ستیاناس ہو گیا۔

قربانی کے جانوروں کو عرب اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے یا پہلے بھی دیتے تھے اور ایسے جانوروں کو کہ جن میں بیشتر اونٹ ہوتے تھے ہدی کہتے تھے۔ اب ان جانوروں کی نسبت فرماتا ہے لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ کہ تمہارے لیے ان میں فوائد رکھے ہیں ان پر بوقتِ ضرورت سوار ہو لینا یا بوقتِ حاجت ان کا دودھ پی لینا[1] درست ہے کب تک اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک وقتِ مقرر تک یعنی ذبح ہونے تک ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ پھر وقت ذبح کا ان کے منتہی ہوتا ہے کعبہ تک۔ کعبہ سے مراد حرم ہے یعنی پھر اس کو حرم میں ذبح کرنا چاہیے کیونکہ حرم کی زمین بھی یہی حکم رکھتی ہے (مدارک) اس آیت کی تفسیر میں جبکہ فیہا کی ضمیر بہائم کی طرف رجوع کی جائے دو قول ہیں: (۱) یہ کہ تمہارے لیے ان بہائم میں ان کے ہدی مقرر کرنے سے پہلے منافع اور فوائد رکھے ہیں ان سے بچے لو، دودھ پیو ان پر سواری کرو وغیرہ مگر جبکہ ان کو ہدی مقرر کر چکو اور خدا کے نام پاک پر ذبح کرنے کے لیے ان کو کعبہ روانہ کر دو تب یہ منافع حاصل نہ کرنے چاہییں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وقتادہ وضحاک کا قول ہے۔ پھر اس میں بعض علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت ہدی پر سوار ہو لینے یا اس کا دودھ پی لینے میں کچھ مضائقہ نہیں اور علماءِ احناف اسی طرف گئے ہیں اور یہی قوی ہے (۲) یہ کہ ہدی بنانے کے بعد بھی تمہارے لیے یہ منافع درست ہیں اور یہ قول مالک وشافعی واحمد واسحاق کا ہے اس حدیث سے کہ جس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی کو ہانکتے دیکھ کر فرمایا کہ سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ ہدی ہے۔ دوبار آپ نے فرمایا اس نے یہی جواب دیا۔ تیسری بار آپ نے فرمایا کمبخت سوار ہو جا (رواہ مالک) مگر یہ حدیث فریقِ اول پر حجت نہیں ہو سکتی کس لیے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاکید کے ساتھ اس کی ضرورت سمجھ کر حکم دیا ہو۔

---

[1] لیکن دودھ کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ دینا پڑے گا وان صرفہ الی حاجۃ نفذ تصدق بمثلہ او بعینہ لانہ مضمون علیہ ہدایہ۔ ۱۲ منہ

بعض مفسرین فیہا کی ضمیر شعائر کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے مراد مناسک و مشاہد مکہ مراد لیتے ہیں اور ثم محلہا الی البیت یعنی احرام کھولنے کا موقع بیت اللہ ہے طوافِ زیارت کرنے کے بعد۔ فائدہ: اور جب ہدی روانہ کر چکے اور کسی دشمن کے خوف سے یا مرض کی وجہ سے (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلافاً[1] للشافعی رحمۃ اللہ علیہ) کعبہ جانے سے رک جاوے تو ہدی کو کعبہ روانہ کر دے اور جب معلوم کر لے کہ آج ہدی کی قربانی ہو گئی ہو گی تو احرام کھول دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فوراً احرام کھول دے ہدی بعد میں ذبح ہو جائے گی کیونکہ رخصت کا یہی مقتضی ہے (ہدایہ)۔

قربانی پر اعتراض اور ان کے جواب : کوتاہ اندیش اعتراضات کیا کرتے تھے جیسا کہ اب بھی ہنود اور عیسائی قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کسی جانور کے ذبح کرنے سے کیا خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ یہ رسمِ جاہلیت ہے اس کا تحقیقی جواب تو اگلی آیت میں دیتا ہے کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ جس کی تشریح اب آگے چل کر ہم کریں گے۔ لیکن الزامی جواب پہلے عنایت فرماتا ہے فقال وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا کہ تم سے بیشتر بھی ہم نے ہر قوم کے لیے رسمِ قربانی اللہ کا نام یاد کرنے کے لیے جاری کی ہے کچھ نئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰ اور یعقوب و اسحاق و ابراہیم علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی قربانی کا دستور خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا جیسا کہ اب تک اہلِ کتاب کی کتب میں پایا جاتا ہے اور اس طرح ہنود کے ہاں بھی قربانیاں ہیں قدیم سے بلدان چلا آتا ہے۔ پس تمہارا اے مسلمانو! اور ان کا جدا جدا خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے جس نے ان کو حکم دیا تھا اس نے تم کو بھی دیا پس اس کا کہا مانو' قربانی کرو۔ اور اس پر خاص اللہ ہی کا نام لو اور اس طرح اس کی سب باتوں میں فرمانبرداری کرو اور اس کی پوری فرمانبرداری کرنے والے کو مخبت کہتے ہیں اس لیے اس کے بعد مخبتین کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ اور خوشخبری دینے کا حکم دیتا ہے بقولہ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ پھر مخبتین کے اوصاف ذکر کرتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں پھر اس کے دو اثر ہیں اول سختیوں پر صبر کرنا خدا کے رستے میں بیماری تنگدستی و دیگر مصائب کی برداشت کر کے ثابت قدم رہنا یہ اول سیڑھی ہے اس لیے پہلے اسی کو ذکر کرتا ہے وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ دوم جان اور مال سے اس کی خدمت میں حاضر ہونا جان کی خدمت اہم ہے اس لیے پہلے اس کو ذکر کرتا ہے وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ نماز میں کامل درجہ کی جانی خدمت ہے اس کے بعد مالی اس کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کہ وہ ہمارے دیے میں سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں منجملہ اس کے قربانی کرنا ہے۔ اس میں فی الجملہ جوابِ تحقیقی بھی آ گیا کہ قربانی اس لیے ہے اس کے بعد پھر قربانی کا ذکر شروع کرتا ہے بقولہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَاۤئِرِ[2] اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ البدن جمع بدنۃ کخشب و خشبۃ اس سے شافعی کے نزدیک مراد وہ اونٹ ہیں کہ جو قربانی کے لیے حرم کی طرف بھیجے جاویں اور ان کے بڑے بدن ہونے کی وجہ سے ان کو بدنۃ کہتے ہیں اور امام مالک و ابوحنیفہ علماء گائے بیل کو بھی بدنہ کہتے ہیں اگرچہ بکری کی بھی حج و عمرہ میں قربانی جائز ہے لیکن اس کے صغرِ جسم سے اس کو بدنہ نہیں کہتے (کبیر) مگر یہاں بدنہ سے اونٹ ہی مراد ہے کہ یہ جانور تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے بارکش اور عجیب الخلقہ جانور تمہارے لیے کیسا مسخر کر دیا۔ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ تمہارے لیے اس میں بہت کچھ منافع رکھے ہیں۔ پس ایسی پیاری چیز کو کہ جس کو عرب جان کے برابر عزیز رکھتے ہیں اپنی جان قربان کرنے کی عوض اس کی قربانی کرو فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَاۤفَّ کہ اس کو کھڑا کر کے پاؤں باندھ کر اس پر اللہ کا

---

[1] ان کے نزدیک یہ اجازت مخصوص ہے دشمن سے رکنے میں۔ ۱۲ منہ

[2] شعائر اللہ من اعلامِ دینیہ ان کو اس لیے شعائر کہا کہ ان کے کوہان میں بوقت ہدی بنانے کے زخم کر دیا جاتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے۔ معالم التنزیل ۱۲ منہ

نام لو ذبح کی تکبیر پڑھو بسم اللہ واللہ اکبر اور اس طرح سے قربانی کرنے کو نحر کہتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے والافضل فی البدن النحر وفی البقر والغنم الذبح کہ بدنہ کے لیے نحر افضل ہے اور گائے بکری کے لیے ذبح کرنا افضل ہے لقولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ آنحضرت ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے اگر بٹھا کر بھی ذبح کر لے گا تو جائز ہوگا جب نحر کر چکو اور وہ زمین پر گر پڑے یعنی جان نکل جاوے تو آپ بھی کھاؤ اور محتاجوں فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا الخ وجبت الجنوب کے معنی زمین پر گر پڑنا کہتے ہیں وجبت الحائط وجبة اذا سقطت علی الارض المعو القانع والمعتر قانع سے مراد وہ محتاج ہے کہ جو قناعت کرے اور لوگوں سے مانگتا نہ پھرے اور معتر وہ جو مانگتا پھرے غرض یہ کہ دونوں کو دو اور خود بھی کھاؤ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

قربانی کا تحقیقی جواب: اب اس جواب تحقیقی کو شروع کرتا ہے اور اسی کے ضمن میں ایک رسمِ جاہلیت پر تعریض کرتا ہے فقال لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ کہ اللہ کے پاس ان قربانیوں کا نہ تو گوشت جاتا ہے نہ خون بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ صاحب معالم التنزیل وغیرہ نے اس آیت کی شانِ نزول میں یوں لکھا ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب قربانی کر کے اس کا گوشت اور خون بتوں کے آگے رکھتے اور خون ان سے مل دیتے تھے اور اسی طرح کعبہ کی دیواروں کو بھی خون لگاتے تھے اس بات کی رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ قربانیوں کا خون اور گوشت اللہ کو مطلوب نہیں یہ اس کے پاس نہیں جاتا ہاں اس قربانی سے تمہارا تقویٰ مطلوب ہے اور وہی اس کے پاس جاتا ہے۔

اس آیت سے جواب تحقیقی یوں نکلتا ہے کہ بندہ کا کمال اور اس کی سعادت یہ ہے کہ اپنے معبودِ حقیقی اور خالق کی دل سے محبت کرے اور طبائعِ بشریہ میں محبت کا اخیر مرتبہ اس پر فدا اور قربان ہو جانا ہے اور اس لیے اظہارِ محبت کے مقامات پر ایسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے کہ تیرے قربان تجھ پر فدا اور یہ بات حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ پروانہ کا شمع پر جلنا اظہر من الشمس ہے حقیقی قربانی تو فنا فی اللہ ہونا ہے جو خاصانِ خدا کا حصۂ خاص ہے مگر اپنی محبوب ترین چیز کا قربان کرنا بھی اس کے قائم مقام ہے اور اپنے نفس کے بعد انسان کو دو چیز زیادہ تر محبوب ہیں اولاد اور مال۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے اپنی قربانی فنا فی اللہ کے بعد اپنے پیارے فرزند حضرت اسماعیل کی قربانی کا قصدِ مصمم کیا[1] اور حج تو سراسر افعالِ عاشقانہ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور نفس اور اولاد کا قربان کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ مال میں سے حیوانات اونٹ' بکری' دنبہ' گائے جو مرغوب چیز ہے اور انسان کے ساتھ حیوانیت میں شریک بھی ہیں اس لیے ان کی قربانی جاری کی گئی۔ تقویٰ خدا کے پاس پہنچنے سے یہی مراد ہے اس کے بعد فرماتا ہے كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کہ یہ جانور اس لیے تمہارے بس میں کر دیے گئے کہ تم اس کی رہنمائی کے موافق بوقتِ نحر یا ذبح اللہ کے نام کی تکبیر بیان کرو پھر اس دلیل کے بعد اس کے حکم ماننے والوں کے لیے آنحضرت ﷺ کو مژدہ دینے کا حکم دیتا ہے وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ خدا تعالیٰ کے ساتھ تقرب حاصل کرنا اعلیٰ درجہ کا احسان یعنی نیکی ہے پہلے ذکر تھا کہ کفار مسجد الحرام سے روکتے ہیں یہاں فضائلِ حج' قربانی اور ایمانداروں کے اوصاف ذکر کر کے ایمانداروں کی حمایت[2] کا مژدہ سناتا ہے بقولہ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور کافروں سے نفرت ظاہر کرتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ پہلے اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں مسلمانوں کے لیے ان کی حالتِ مظلومی پر مقابلہ کا اشارہ تھا مگر اس کے بعد

---

[1] آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انا ابن الذبیحین کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں اس سے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی طرف اشارہ ہو تو بعید نہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اللہ تعالیٰ تقریر میں بھی اور معاملات میں بھی ایمانداروں کی حمایت کرتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ انجام کار ان کو غالب کرے گا کفار روکنے کے قابل نہ رہیں گے۔ ۱۲ منہ

بھی کفارِ قریش ظلم وستم سے باز نہ آتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس مسلمان زخمی ہو کر اور پٹ کر آیا کرتے تھے اور شکایت کر کے مقابلہ کی اجازت چاہتے تھے مگر آپ فرماتے تھے کہ صبر کرو پھر آپ مدینہ میں گئے تو یہ آیت اُذِنَ لِلَّذِینَ الخ نازل ہوئی یہ اجازتِ جہاد میں اول آیت ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۖ

وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۴۸﴾ ع

جن (مسلمانوں) سے کافر لڑتے ہیں ان کے لیے (جنگ کی) اجازت دی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور البتہ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے صرف اس کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹواتا تو تکیئے اور مدرسے اور عبادت خانہ اور مسجدیں کہ جن میں اللہ کی بہت یاد کی جاتی ہے گرائی جا چکتیں اور بے شک جو اللہ کی مدد کرے گا تو اللہ بھی اس کی مدد کرے گا البتہ اللہ قوی زبردست ہے۔ ان کی مدد کرے گا کہ اگر ہم ان کے پاؤں ملک میں جما دیں حاکم کر دیں تو نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور نیک باتوں کا حکم کیا کریں اور بری باتوں سے منع کیا کریں۔ اور ہر بات کا انجام تو اللہ کے ہاتھ ہے اور (اے نبی!) اگر وہ آپ کو جھٹلائے تو ان سے پہلے ہی نوح کی قوم اور عاد و ثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اپنے نبی کو جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ جھٹلائے گئے ہیں۔ پھر ہم نے منکروں کو (چندے) مہلت دی پھر ان کو پکڑ لیا۔ (سو) دیکھا ہماری کیسی پکڑ تھی۔ (الغرض) کتنی بستیوں کو ہم غارت کر چکے ہیں اور وہ نافرمان تھیں۔ سو وہ اپنی چھتوں سمیت گری پڑی ہیں اور (کتنے ایک) کنوئیں نکمے پڑے ہیں اور بہت سے مستحکم محل اجڑے پڑے ہیں۔ پھر کیا وہ ملک میں نہیں پھرے (چل کر دیکھتے) تو ان کے دل ایسے ہوتے کہ جن سے سمجھتے یا ایسے کان ہوتے کہ جن سے وہ سنتے پھر کچھ آنکھیں تو اندھی نہیں ہو جایا کرتیں پر اندھے تو دل ہی ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ اور (اے رسول!) وہ آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اللہ تو ہرگز اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا اور تمہارے رب کے نزدیک (ایک دن) تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی ایک نافرمان بستیوں کو ہم نے مہلت دی اور وہ نافرمان تھیں پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اور پھر کر تو ہمارے ہی پاس آنا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت مکہ ہی میں نازل ہوئی ہے اس میں خاص ان لوگوں کو جہاد کی اجازت ہے جو ان کے ظلم و ستم سے ہجرت کر کے باہر جانا چاہتے تھے اور کفار ان کو زبردستی سے روکتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ہے اور سبب اجازت بھی بیان کر دیا۔ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا اس لیے ان کو اجازت ہے کہ مقابلہ کریں۔ اہلِ مدینہ و ابن عامر و حفص یُقَاتَلُوْنَ کو بفتح تا پڑھتے ہیں یعنی ان مومنوں کو اجازت ہے کہ جن سے کفار مقاتلہ کرتے ہیں، لڑتے مارتے ہیں قتل کرتے ہیں پھر ان کو وعدہ دیتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یعنی ان کو غالب کرے گا چنانچہ جب مظلوم مسلمانوں نے جہاد کی تلوار کھینچی تو سب کو زیر کر دیا اس کے بعد ان مسلمانوں کی حالتِ مظلومی بیان فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ الخ کہ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے یہ وہ مظلوم لوگ ہیں کہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں صرف اس جرم پر کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں اور کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس کے بعد اجازتِ جہاد کا سبب بیان فرماتا ہے وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ الخ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے شریروں سرکشوں کے شر اور ان کی سینہ زوری کو دوسرے لوگوں یعنی خدا پرستوں کے ہاتھ سے مٹاتا رہا ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو نہ اگلے انبیاء کے عبادت خانے باقی رہتے، نہ حال کے نبی کے عبادت خانے باقی رہیں نہ نماز و عبادت جاری رہے۔ صوامع جمع صوامعہ مجاہد و ضحاک کہتے ہیں صوامع رہبان کے عبادت خانوں کو کہتے ہیں قتادہ کہتے ہیں فرقہ صائبین کے عبادت گاہوں کا نام ہے و بیع جمع بیعۃ نصاری کے گرجے صلوات یہود کی نماز کی جگہ مساجد جمع مسجد اہلِ اسلام کے عبادت گاہ۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

(اے نبی!) کہہ دو کہ لوگو! میں جو ہوں تو صرف تم کو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کے پست کرنے میں کوشش کی ہے وہی دوزخی ہیں اور ہم نے (اے نبی!) تم سے پہلے کوئی بھی ایسا رسول نہیں بھیجا اور نہ نبی کہ اس نے جب کوئی تمنا کی ہو اور شیطان نے اس کے تمنا میں کچھ آمیزش نہ کی ہو۔ اللہ شیطان کی آمیزش کو دور کر کے اپنی آیتوں کو مستحکم کر دیا کرتا ہے اور اللہ خبر دار حکمت والا ہے۔ تاکہ شیطان کی آمیزش کو ان لوگوں کے لیے کہ جن کے دلوں میں مرض (شک) ہو اور جن کے دل سخت ہیں ان کے لیے آزمائش بنا دے اور بے شک ظالم تو بڑے ضد میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ علم والے اس کو حق اور اپنے رب کی طرف سے جان کر اس پر ایمان لاویں اور ان کے دل اس کے لیے جھک پڑیں اور اللہ ایمانداروں کو سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ابو العالیہ کہتے ہیں صوامع نصاریٰ کے اور بیع یہود کے اور صلوات صائبیوں کے اور مساجد مسلمانوں کے عبادت خانے بعض کہتے ہیں یہ سب مساجد مسلمین کے نام ہیں اوصاف مخصوصہ کے لحاظ سے یہ حسن کا قول ہے۔

یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں کو خدا نے محفوظ رکھنا یا تو اس لیے فرمایا کہ نسخ و تحریف سے پیشتر یہ مقامات متبرکہ تھے بعض کہتے ہیں بعد نسخ تحریف کے بھی ان کی عزت فی الجملہ باقی ہے۔ کس لیے کہ ان میں بھی تو اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے یہ بت خانہ نہیں ہیں جہاں بتوں کی پرستش ہوتی ہے اور حسن کے قول کے موافق تو اس گفتگو کی ضرورت نہیں کیونکہ مساجد مراد ہیں۔ اس کے بعد مجاہدوں کو اپنی مدد کا بھروسہ دیتا ہے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ کہ جو اللہ کی یعنی اس کے دین اور انبیاء کی اعانت و حمایت کرے گا خدا ضرور اس کی بھی مدد کرے گا پھر ان ناصرین دین کے چند اوصاف ذکر کرتا ہے کہ اگر اللہ کی مدد سے وہ زمین پر غالب ہو جاویں اور سلطنت و حکومت حاصل کریں تو (۱) نمازیں پڑھا کریں (۲) زکواۃ دیا کریں (۳) نیک باتوں کا حکم دیا کریں (۴) بری باتوں سے لوگوں کو منع کیا کریں۔ مطلب یہ کہ جب خدا ملک پر کسی قوم کو بصلہ حمایت دینی قابض و مسلط کرے تو ان کو یہ باتیں عمل میں لانی چاہییں نہ کہ عیاشی اور فسق و فجور میں مبتلا ہونا چاہیے کیونکہ ان کے غالب و مسلط کرنے سے اللہ کا یہی مقصود ہے کہ زمین پر نیکی اور خدا پرستی اور عدل و انصاف قائم رہے اسی لیے اس بات کو بطور پیشین گوئی فرمایا کہ وہ ضرور ایسا کریں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اور آپ کے بعد خلفاء اربعہ[1] نے دین الٰہی کی مدد کی جہاد کر کے مخالفوں کو سرنگوں کرنا چاہا خدا نے حسبِ وعدہ ان کی مدد کی کہ ان کو ملکوں کا مالک کر دیا پس بموجب پیشین گوئی ان میں یہ سب خوبیاں موجود تھیں پھر

[1] فضلِ خلفائے اربعہ

ان کو ظالم و غاصب کہنا کلامِ الٰہی کی تکذیب کرنا ہے۔

اور اسی لیے بعد میں فرما دیا وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ کہ اللہ کو ہر بات کا انجام کار معلوم ہے وہ بصلہ حمایت دینی ایسے لوگوں کو ملک پر کیوں قابض کرنے لگا جو اقتدار پا کر فساد کریں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اگر یہ مشرکین اپنی دولت وحشمت کے گھمنڈ پر آپ کو جھٹلاتے ہیں تو کچھ رنج کی بات نہیں ہے آپ سے پیشتر قوم نوح اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم اور لوط اور مدین کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے موسیٰ علیہ السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں مگر انجام کار ہم نے منکروں کو ہلاک کر دیا ملک میں پھر کر دیکھو کہ ان کے بلند محل اور بڑے عمیق کنوئیں کیسے برباد پڑے ہیں؟

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً
اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ
ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ
وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

اور منکر تو ہمیشہ اس[1] سے شک میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ یکا یک ان پر قیامت آ جاوے یا ان کو نحس دن کا عذاب آلیوے۔ اس روز اللہ ہی کی حکومت ہے وہی ان میں فیصلہ بھی کر دے گا پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور جو منکر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں سو انہیں کو ذلت کا عذاب ہے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ مارے گئے یا خود مر گئے البتہ ان کو اللہ عمدہ روزی دے گا آخرت میں اور

[1] یعنی قرآن و وحی سے۔ ۱۲ منہ

بے شک اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ البتہ اللہ ہی ان کو ایسی جگہ میں پہنچادے گا کہ جس سے وہ خوش ہو جاویں گے اور اللہ خبردار تحمل والا ہے۔ بات یہ ہے جو کسی نے اسی قدر بدلہ لیا کہ جس قدر اس کو تکلیف دی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا[1] البتہ اللہ درگزر کرنے والا معاف کرنے والا ہے یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کیا کرتا ہے اور بے شک اللہ سنتا' دیکھتا ہے (یعنی قادر اور واقف ہے) یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہی غلط ہے اور بے شک اللہ ہی عالیشان بزرگ ہے۔

اس کو سن کر منکرین عذاب کے خواستگار ہوتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اللہ ہرگز اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور عذاب کے لیے جلدی کرنا اور اس کے انتظار کی مدت کو بہت شمار کرنا عبث ہے۔ ہاں عذاب کے ایام البتہ بڑے سخت ایام ہیں وہاں کا ایک روز بوجہ سختی اور تکلیف کے جو منکروں پر ہوگی جس کی مفصل کیفیت اللہ جانتا ہے وان یوما عند ربك تمہارے ہزار برس کے برابر ہوگا۔ مصیبت کے ایام کی درازی ضرب المثل ہے معالم میں ہے قال مجاہد وعکرمہ یوما من ایام الآخرۃ میں خدا تعالیٰ ایام کی ایسی درازی کرے گا کہ وہاں کا ایک روز یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوگا بعض کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ مہلت دینے میں ایک روز اور ہزار برس دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ قادر ہے جب چاہے مؤاخذہ کرے تاخیر سے اس کے وقوع میں تردد نہ کرنا چاہیے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے ان سے کہہ دو کہ تم کس لیے جلدی کرتے ہو میں تمہیں مطلع کرنے آیا ہوں کہ جو ایمان لائے گا' نیک کام کرے گا' مغفرت اور دنیا و آخرت میں عزت پاوے گا اور جو مقابلہ کرے گا جہنم میں جائے گا میں نذیر ہوں بشیر ہوں نہ خدا ہوں نہ خدا کے گھر کا مالک و مختار کہ جو چاہوں تمہاری خواہشوں کے موافق اس کو کر دکھاؤں۔ اس لیے اس بات کی تائید کے لیے یہ کلام بعد میں صادر فرمایا وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِيَّتِہٖ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم پر کیا موقوف ہے تم سے پیشتر جس قدر رسول اور نبی بھیجے گئے ہیں گو وہ معصوم تھے مگر بشر تھے خواص بشریہ سے خالی نہ تھے جب کبھی کسی نے ان میں سے کوئی تمنا کی ہے یعنی کسی امر مہتم بالشان کی طرف توجہ تام کی ہے تو قوتِ متوہمہ نے جس کو شیطان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کچھ نہ کچھ اس میں خلط کر دیا ہے چنانچہ انہیں ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کہ آپ ہجرت کر کے ایسے ملک میں گئے ہیں جہاں نخلستان ہے پس قوتِ متوہمہ نے ملک یمامہ و ہجر کی طرف خیال دوڑایا حالانکہ مراد مدینہ تھا۔ اسی طرح خواب میں دیکھا کہ حلق وقصر کر کے مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ وہم نے کہہ دیا کہ اب کے سال میں یہ واقعہ پیش آئے گا حالانکہ کئی سال بعد پیش آیا۔ اسی طرح آیات میں جو مجملاً پیشین گوئیاں ہوتی ہیں ان کی تعیین میں قوتِ متوہمہ دخل در معقولات کر دیتی ہیں۔ پس ایسی باتیں ضعیف الایمان اور سست اعتقاد اور ناپاک دل والوں کے لیے فتنہ یعنی آزمائش ہو جاتی ہیں وہ ڈگمگا جاتے ہیں شبہ کرنے لگتے ہیں اور اہلِ علم اور راسخ الاعتقاد اس بات کی حقیقت پر واقف ہو کر اس کو ایک بات من جانب اللہ جان کر اس پر ایمان لاتے اور دل میں خائف ہو جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ

[1] یعنی اس مظلوم کی جس نے بدلہ لیا تھا اور پھر ظالم یا اس کے مددگار نے اس بدلہ لینے والے پر بار دگر ظلم کیا تو خدا اس مظلوم کا مددگار ہے۔ ۱۲ منہ

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ؕ وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا
بِاِذْنِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ۫ ثُمَّ
یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا
مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ ؕ اِنَّکَ لَعَلٰی
ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰہُ
یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ
عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿۷۰﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّمَا
لَیْسَ لَھُمْ بِہٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ
اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ؕ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ
بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ
اَلنَّارُ ؕ وَعَدَھَا اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۲﴾ ع

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے تو (اس سے) زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ (اپنے بندوں پر) مہربان اور ان کے حال سے واقف ہے، اس کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی وہ بے نیاز اور قابل ستائش ہے اور (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کی چیزوں کو مسخر کر دیا اور کشتی کو بھی کہ جو دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور اسی نے آسمان کو تھام رکھا ہے کہ اس کے حکم بغیر زمین پر کہیں گرنے نہیں پاتا۔ بے شک اللہ آدمیوں کے ساتھ نہایت نرمی کرنے والا مہربان ہے اور وہی تو ہے کہ جس نے تم کو زندہ کیا، پھر وہی تم کو مارے گا پھر وہی تم کو بار دگر زندہ کر دے گا۔ البتہ انسان بڑا ہی ناشکر ہے ہم نے ہر قوم کے لیے ایک دستور مقرر کر دیا ہے کہ جس پر وہ عمل کرتے ہیں پس اس کام میں کوئی تم سے نہ جھگڑے اور آپ اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلایئے کیونکہ آپ سیدھے رستہ پر ہیں اور اگر آپ سے وہ جھگڑیں بھی تو کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس کو خوب جان رہا ہے۔ اللہ قیامت کے دن آپ فیصلہ کر دے گا۔ جس چیز میں کہ تم باہم اختلاف کر رہے ہو (اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھا ہوا (موجود) ہے یہ اللہ پر آسان بات ہے اور وہ اللہ کے سوا اس کو پوجتے ہیں کہ جس پر نہ اس نے ہی کوئی سند اتاری ہے اور نہ ان کے پاس ہی کوئی اس کا علم ہے اور ان ظالموں کا تو کوئی بھی مددگار نہ ہوگا[1] اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کے چہروں پر

[1] نہ خدا ہی مددگار ہوتا نہ ان کے وہ خیالی معبود جن کو وہ مددگار سمجھ کر پوج رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

(اے نبی!) تم کو ناراضی معلوم ہوگی (یہاں تک کہ) جو ان کو ہماری آیتیں سناتے ہیں قریب ہے کہ ان پر حملہ کر بیٹھیں کہہ دو کہو تو میں تم کو اس سے بھی سخت تر بات سناؤں (وہ کیا ہے) آگ کہ جس کا خدا نے منکروں سے وعدہ کرلیا ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔

مگر خدا تعالیٰ اس آمیزش کو دور کرکے جو امرِ حق ہے اس کو قائم رکھتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے فینسخ الله مایلقی الشیطان ثم یحکم الله آیاته والله علیم حکیم آیات سے مراد وہ احکامِ حقہ ہیں جو رسولؐ اور انبیاء کو القاء ہوتے ہیں اللہ آمیزشِ وہمی کو دور کرکے انہیں صاف اور مستحکم کردیتا ہے باقی مطلب صاف ہے۔

بعض مفسرین کی عادت ہے کہ وہ قرآن مجید کے صاف اور سیدھے مطلب کو الجھاوے میں ڈال دیتے ہیں اور جب کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو اس کے لیے کوئی قصہ گھڑ لیتے ہیں پھر اس کو شانِ نزول قرار دے لیتے ہیں اور پھر لفظ حدثنا یا اخبرنا دیکھ کر خوش اعتقاد لوگ اس مہمل بات کو حدیث سمجھ لیتے ہیں چنانچہ انہیں آیات کی تفسیر میں ایک قصہ نقل کیا کرتے ہیں کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نے سورۃ النجم کی اس آیت کے بعد وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى القاءِ شیطانی سے جو آپ کے دل میں خیال تھا بت پرستوں کے خوش کرنے کو یہ جملہ بھی پڑھ دیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجیٰ جس سے مشرکین خوش ہوگئے مگر جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ کو متنبہ کیا اور آپ کو رنج ہوا اس لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر بعض اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ شیطان نے اثناءِ قراءت میں یہ جملہ ملا دیا تھا بعض کہتے ہیں استفہامِ انکاری کے طور پر یہ جملہ آپ نے کہا تھا مگر جب سرے سے اس قصہ کی اصل نہیں اور امام بیہقی نے خاص اس کے رد میں ایک رسالہ لکھ دیا اور ثابت کردیا کہ یہ قصہ زندیقوں کا بنایا ہوا ہے۔ کسی صحیح سند اور معتبر راویوں سے اس کا کچھ بھی پتا نہیں لگتا تو پھر ان توجیہات اور اس کے مقابلہ میں قرآن مجید کے آیات اور دیگر دلائل کی کیا ضرورت ہے؟ امام فخر رازی و صاحب مدارک و بیضاوی وغیرہ محققین نے اس قصہ کا ابطال بڑی دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ
الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝
مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

لوگو! ایک مثل بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ کہ) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لیے جمع بھی ہو جاویں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لی جاوے تو اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے طالب[1] اور مطلوب (دونوں ہی) بودے ہیں انہوں نے اللہ کی (جیسا کہ چاہیے تھی) کچھ بھی قدر نہ کی بے شک اللہ تو بڑا قوی زبردست ہے۔

مگر اسلام پر عیب لگانے کے لیے پادری صاحب ایسے لغو قصہ کو خواہ مخواہ پیش ہی کردیا کرتے ہیں حالانکہ ایسی بے اصل باتوں سے اسلام پر عیب لگانا انصاف اور خدا ترسی سے بہت ہی بعید ہے واللہ اعلم اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ تک اسی بیان کا تتمہ ہے پھر وَالَّذِيْنَ

[1] عابد و معبود۔

هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ تک اصل مطلب کی طرف رجوع ہے کہ خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں اور ظالموں کے ہاتھ سے مارے جانے والوں کو آخرت میں بڑے درجات اور عمدہ مقامات ہیں اور دنیا میں بھی خدا اس گروہ کی مدد کرے گا وہ ہر بات پر قادر ہے پھر اپنی قدرت اور جبروت کا اظہار عالم میں گوناگوں تصرفات سے ظاہر کرتا ہے بقولہ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ الی اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ اور انہیں جملوں میں انسان ناقدرے اور ہٹ دھرم کو اپنی بیشار نعمتیں بھی یاد دلاتا ہے۔ شبہ ہوتا تھا کہ جب خدا تعالیٰ ایسا رحیم، کریم، منعم ہے اور اس کی رحمت اور اس کے فیض سے کوئی خالی نہیں تو پھر بندوں کو محمد ﷺ کی معرفت پابندی شریعت و احکام کی کیوں تکلیف دیتا ہے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا هُمْ نَاسِکُوْهُ کہ ہم نے بندوں کی بھلائی کے لیے ہر امت کے لیے ان کے مناسب ان کے انبیاء اور ہادیوں کی معرفت (جیسا کہ فرمایا ہے ولکل قوم ھاد، وان من امة الاخلافیھا نذیر) ایک شریعت اور رستہ بتا دیا ہے اور فلاح دارین کے لیے ایک قانون دیا ہے جس کے وہ پابند تھے فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ پھر ان کو تم سے اے نبی! اس امر میں جھگڑا کرنا مناسب نہیں وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ اِنَّکَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ آپ سب لوگوں کو ان کے رب کی طرف بلایئے کیونکہ تم سیدھے رستے پر ہو۔ دلائل میں نظر کر کے ہر عاقل جان سکتا ہے وَاِنْ جَادَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اگر اس کے بعد بھی وہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ اللہ تمہارے کام سے خوب واقف ہے وہ آپ سمجھ لیگا اَللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اور قیامت کے دن آپ فیصلہ کر دے گا (منسک شریعت اور رستہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جیسا کہ عطا نے نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا بعض نے مذبح وقربانی بھی مراد لی ہے) اللہ کو ہر بات معلوم ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتَابٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ اے مخاطب! تو خود جانتا ہے کہ اللہ کو آسمان اور زمین کی ہر بات معلوم ہے اور یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں ہے اور یہ بات اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں بلکہ بہت آسان ہے مگر باوجود اس کے ان لوگوں کی عقل کو دیکھئے کہ شریعت و طریقۂ انبیاء کو بگاڑ کر ویعبدون من دون اللہ مالم ینزل بہ سلطانا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں کہ جن کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی بھی سند نہیں۔ یعنی یہ جو کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ خدا کے گھر کے مختار ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں یا قیامت میں ہمارے لیے سفارش کریں گے اس بات پر ان کے پاس خدا کے ہاں سے کیا دلیل ہے محض خیالی بات ہے اور اس سے بڑھ کر وَمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ان چیزوں کو پوجتے ہیں کہ جنہیں جانتے بھی نہیں۔ علم حقیقی ان کی ماہیت کا نہیں رکھتے جیسا کہ ہزاروں معبودِ خیالی ہنود کے ہیں کالی پری، سبز پری، فلاں دیو، فلاں بھوت۔ یہی حال عرب کی قوموں کا تھا مگر وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ جب ان کو رد شرک کے بارہ میں ہماری کھلی کھلی آیتیں اور دلائل سنائے جاتے ہیں تو سن کر منہ بناتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آیتوں کے سنانے والوں پر حملہ کریں وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا الخ فرماتا ہے کہ یہ کیا ناگوار ہے جہنم کی آگ اس سے زیادہ ناگوار ہوگی جو منکروں کے لیے مقرر ہو چکی ہے قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ الخ اس کے بعد ان کے معبودوں کے عجز و ناطاقتی ظاہر کرنے کے لیے فرماتا ہے یٰاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ کہ ایک مثل بیان کرتے ہیں اس کو سنو اور وہ مثل یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا فرمایا کہ جس کو پکارنا اور اس سے مدد چاہنا جائز ہے اس کو قدرت تو ہونی چاہیے اور وہ خالق بھی ہو اور خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ سب حیوانات میں کم مرتبہ مکھی ہے۔

اس کو تو بنا ہی نہیں سکتے ولو اجتمعوا لہ اگر وہ سب بھی جمع ہو کر پیدا کریں تو نہیں کر سکتے پھر دوسری بات اس سے بھی کمتر ہے اور وہ یہ کہ ان یسلبھم الذباب الخ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے اڑے تو اس سے چھین بھی نہیں سکتے پس جب یہ حال ہے تو ضعف الطالب و المطلوب ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبود۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں طالب سے مراد مکھی ہے جو بتوں

کی چڑھی ہوئی چیز پر آبیٹھتی ہے اس کو لیتی ہے اور مطلوب صنم ہے کہ جس سے مکھی طلب کرتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ العکس طالب صنم مطلوب مکھی بہر تقدیر سب ضعیف و کمزور ہیں جو بت اپنے منہ سے مکھی نہ اڑا سکے بھلا اس کو پوجنا کس عقل کا کام ہے؟ مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ بات یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ چاہیے تھا اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ وہ قوی اور ہر بات پر قادر ہے پھر بندوں کو کیا مصیبت ہے جو اس کے سوا اوروں کے پاس جاتے ہیں کیا وہ کافی نہیں یا اور کوئی اس سے زیادہ قادر ہے؟

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۚ﴿۷۵﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۷۷﴾ السجدۃ وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾

السجدۃ — ع ۱۰

فرشتوں اور آدمیوں میں سے اللہ ہی (جس کو چاہتا ہے) پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (اور) وہی سب کا اگلا اور پچھلا حال جانتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور بھلائی کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اللہ کی راہ میں جیسا کرنا چاہیے جہاد بھی کرو اسی لیے تو تم کو انتخاب کیا ہے اور تم پر اس نے دین میں کوئی تنگی بھی نہیں کی ہے۔ تمہارے باپ ابراہیم کا ہی تو دین ہے اس نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کیا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ کو مضبوط ہو کر پکڑ لو وہی تو تمہارا مولا ہے پھر کیا ہی خوب مولا اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔

بتوں کی حقیقت تو معلوم ہوگئی اب رہے وہ لوگ کہ جو خدا کے برگزیدہ ہیں ملائکہ و انبیاء جن کو کہ اکثر بت پرست یا مشرکین پوجتے ہیں اور معبودِ حقیقی کے برابر ان کے درجات تسلیم کر کے ان سے حاجات کا سوال کرتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ہنود اپنے بزرگوں کو آج کل کے جاہل مسلمان اولیاءِ کرام اور بزرگانِ دین کو پوجتے ہیں اور عرب کے مشرکین اور صائبین ملائکہ کو پوجتے تھے پس ان کی نسبت فرماتا ہے اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ کہ ملائکہ اور لوگوں میں سے جو ممتاز اور رسول ہیں ان کو بھی تو اللہ ہی نے برگزیدہ کیا ہے یعنی ان کے کمالات اپنے گھر کے نہیں ان کی بزرگی اللہ کی عطا کی ہوئی ہے پھر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے بندوں کو پوجنا کیا عقل ہے؟ دوم لفظ رسلا میں اشارہ ہے کہ ملائکہ یا انسانوں میں جس قدر محترم اور معزز ہیں وہ رسول ہیں یعنی رسل ملائکہ یا بنی آدم ان کے بھی اصطفاء اور برگزیدگی کا باعث رسالت ہے پھر یہ جس کے رسول ہیں اس کے برابر اور اس سے زیادہ کیونکر ہو سکتے ہیں؟ سوم جب رسول

ہیں تو ضرور یہ اللہ کے پیغام بندوں کے پاس لاتے تھے اور سب سے مؤکد پیغام یہی تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بنانا پھر عجیب ہے کہ ان کے پیغام کو بالائے طاق رکھ کر انہیں کو خدائی کا شریک سمجھنے لگے۔ اور اسی کلام میں مکہ کے منکروں کا جواب بھی ہے وہ کہتے تھے کہ کیا اللہ نے ہم سب میں سے محمد (ﷺ) ہی کو رسالت کے لیے خاص کر لیا۔ انزل علیه الذکر من بیننا کہ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ اللہ فرشتوں میں سے جس فرشتہ کو چاہتا ہے اس کام کے لیے ممتاز کر لیتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں سے جس انسان کو چاہتا ہے اس کام کے لیے ممتاز کر لیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ وہ ہر ایک بات کی مصلحت سے خوب واقف ہے اور ان بزرگوں کے پوجنے والے جو حجتیں کر کے ان کو الوہیت میں شریک کرتے ہیں وہ ان کی باتیں سن رہا ہے اور جو کچھ افعالِ عبودیت ان بزرگوں کے لیے کر رہے ہیں ان کو دیکھ رہا ہے یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ اللہ کو اگلی پچھلی ہر بات معلوم ہے وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ اور ہر بات کا انتہا اللہ ہی کی طرف ہے یعنی ہر بات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اگلے جملے سے علم اس سے قدرت کا اثبات مقصود ہے۔

بت پرستی اور شرک کی مذمت اور دنیا میں رسولوں کی بعثت بیان کر کے ایمانداروں کو ان باتوں کی تاکید کرتا ہے جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں فقال یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ارۡکَعُوۡا وَ اسۡجُدُوۡا کہ اے ایماندارو خدا تعالیٰ کو رکوع سجود کرو یعنی نماز پڑھا کرو جس میں رکوع اور سجود ہے اور نماز کے علاوہ اور بھی عبادت کیا کرو اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ تلاوت ذکر روزہ اور وَافۡعَلُوا الۡخَیۡرَ ہر ایک نیکی کرو اس میں صلہ رحمی، خیرات، صدقات، مکارمِ اخلاق دنیا کی سب اچھی باتیں آ گئیں۔ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ تا کہ تمہیں فلاح ہو۔ ابن المبارک واحمد واسحاق وامام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد سجدہ کرنا لازم ہے اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس جگہ سجدہ تلاوت واجب نہیں قرآن مجید میں چودہ جگہ سجدہ تلاوت واجب ہے امام شافعی سورہ صٓ میں سجدہ واجب نہیں جانتے۔ اس کے بدلہ میں اس جگہ کا سجدہ لے کر چودہ پورے کرتے ہیں ہمارے امام کے نزدیک سورہ صٓ میں سجدہ ہے یہاں نہیں۔ واللہ اعلم

اس کے بعد ایک اور حکم دیتا ہے وَجَاہِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ جہاد سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دشمنانِ دین سے جنگ کرنا ہے اور حق جہادہ سے مراد پورے طور پر اور نہایت سعی وکوشش سے جس کی تفسیر بعض نے یوں کی ہے کہ خالصاً للہ اور بعض کہتے ہیں جس میں سردار اور اللہ کی مخالفت نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں جس میں کسی کی ملامت کا خوف نہ ہو۔ پھر یہ عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ تلوار سے اور اس حکم کا سب کے اخیر میں صادر کرنا اس بات کو جتلاتا ہے کہ نماز وفعل الخیرات سب سے بڑھ کر یہ کام ہے کیونکہ جب تک شرِ اعدا سے امن قائم نہ ہوگا تو زمین پر خدا تعالیٰ کے بندے نہ بفراغِ قلبی نماز پڑھ سکیں گے نہ کوئی اور نیک کام کر سکیں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں جَاہِدُوۡا فِی اللّٰہِ سے عام طور پر ہر دینی بات میں دل سے کوشش کرنا مراد ہے خواہ اعداءِ دین سے جنگ ہو خواہ علمِ دین کی ترویج خواہ اور نیکی کی باتیں اس تقدیر پر یہ جملہ گویا کلامِ سابق کے لیے تاکید ہے۔

بعض اہلِ عرفان جیسا کہ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں اس سے مراد مجاہدۂ نفس ہے کہ نفس کو ناجائز خواہشوں سے روکو اور اسی کو جہادِ اکبر کہتے ہیں اور یہی حق الجہاد ہے۔ پھر فرماتا ہے ہُوَ اجۡتَبٰىکُمۡ کہ اللہ نے تم کو اے امت محمد (ﷺ) اس خدمت کے لیے ممتاز کر لیا ہے تم کسی کے طعن وتشنیع کی پروا نہ کرو۔ وَ مَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ اور تم کو جو شریعت دی گئی ہے اس میں کوئی مشکل اور دقت نہیں رکھی گئی ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ جس سے خلاصی اور جس کی معافی توبہ واستغفار یا کفارہ وقصاص سے نہ مقرر کی گئی ہو اور اسی طرح اوقاتِ عبادت کے لحاظ سے بھی سہولت ہے اور اسی طرح اگر غسل ووضو نہ کر سکے تیمم کی اجازت ہے۔ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھ لے سفر میں قصر ہے، بیمار کو افطار کی رخصت ہے یہاں تک کہ جو چیزیں سور مردار وغیرہ حرام ہیں بوقتِ اضطرار ان کی بھی اجازت ہے۔ یہود کی طرح شریعت اور احکام سخت نہیں نہ ہنود کی طرح کچا مذہب ہے کہ غیر کے ہاتھ لگنے سے دھرم بھرشٹ ہو جاوے۔ اپنے ہاتھ سے چوکا کرے اور

ہزاروں پاک چیزیں حرام وممنوع ان کے ہاں قرار دی گئی ہیں یہاں تک کہ سفر وحضر موت وحیات معاملات کا دائرہ تنگ کر دیا گیا ہے۔ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے کوئی نئی شریعت نہیں۔ اس میں عرب کی طرف خطاب ہے جو اکثر ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور تمام امت بھی مراد ہوسکتی ہے۔ کس لیے کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے جدّ امجد ہونے کی وجہ سے جو مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں سب مسلمانوں کے باپ ہیں قرآن مجید میں حضرت ﷺ کی بیویوں کو مسلمانوں کی ماں کہا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ پس آپ باپ ہیں اور آنحضرت ﷺ کی شریعت کا مادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے بلحاظ زمانہ اس میں کچھ ترمیم ہوئی ہے۔ اس لیے حضرت ﷺ کی شریعت کو ملت ابراہیم کہتے ہیں۔ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ کہ اسی نے تو تمہارا نام پہلے سے مسلمان یعنی فرمانبردار کہا ہے جیسا کہ دعا کی تھی وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وفی ہذا اور اس کتاب میں بھی اور اس عہد میں بھی تمہارا نام مسلمان قرار پایا ہے لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تا کہ رسول قیامت میں تمہارا گواہ بنے اور تم تمام بنی آدم کے لیے گواہ بنو۔ توحید وعبادات کا قیام تمہارے سپرد کیا گیا ہے فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ جانی اور مالی عبادت میں سرگرم رہا کرو وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور ہر بات میں اللہ ہی کا بھروسہ رکھو اپنے دشمنوں سے کچھ خوف نہ کرو کیونکہ هُوَ مَوْلٰىكُمْ وہ تمہارا مالک اور کارساز ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

بے شک ایمان والے مراد کو پہنچے (یہ) وہ ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کیا کرتے ہیں اور وہ جو بے ہودہ باتوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے ستر کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے سوائے ڈھونڈے تو وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کیا کرتے ہیں وہی وارث ہیں جو جنت الفردوس کا ورثہ پاویں گے (اور) وہ اس میں سدا رہا کریں گے۔

ترکیب: الذین المؤمنون کی صفت یا بدل والذین اس پر معطوف الا علی ازواجھم فی موضع نصب لان المعنی صانوھا عن کل فرج الاعن فروج ازواجھم اور حال بھی ہوسکتا ہے ای الاوالین علی ازواجھم اوقوامین علیھن من قولک کان فلاں علی فلانۃ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ جملہ

حال مقدر ہے فاعل سے یا مفعول سے۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی مکہ میں ہجرت سے پیشتر نازل ہوئی ہے۔ احمد وترمذی ونسائی نے روایت کی ہے جس کا اخیر جملہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے بعد فرمایا کہ مجھ پر دس آیات یعنی اس سورہ کا اول ایسی نازل ہوئی ہیں جو ان پر عمل کریگا جنت میں داخل ہوگا۔

سورہ حج کے آخیر میں تھا کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو خدا نے برگزیدہ کیا ہے کہ تم اور لوگوں پر دنیا و آخرت میں نیکی اور بدی کے معاملات میں شہادت ادا کرو جس کام کو بالاتفاق تم اچھا کہو یا جس شخص کو تم بھلا کہو وہی اچھا اور وہی بھلا ہے اور رسول ایسے معاملات میں تم پر شہادت ادا کرنے والا ہے تمہاری اچھائی اور برائی رسول کی شہادت پر موقوف ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ گواہ جب تک عدل یعنی نیک اور معتبر نہ ہو تو اس کی گواہی کیا۔ اس لیے اس سورہ میں اصولِ حسنات کی طرف اس جملہ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ اجمالاً اشارہ تھا۔ اس سورہ میں اس کی تشریح فرمائی گئی اور اصولِ حسنات جو موجب فلاح وصلاحِ دارین ہیں بتلائے گئے اور اصولِ حسنات بیان فرمانے سے پہلے ان پر عمل کرنے والے کو بلفظ قد جس کے معنی تحقیق اور ضرور کے ہیں فلاح کا مژدہ بھی دے دیا کہ اس کی فلاح میں کوئی شک وشبہ نہیں فقال قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کہ ایمانداروں نے فلاح حاصل کر لی۔ آگے اس فلاح کی بھی شرح فرمائے گا مگر اس سے پہلے وہ اوصاف ارشاد فرماتا ہے جن پر فلاح مرتب ہے یہ سات صفت ہیں جو تمام مکارمِ اخلاق کے اصل اصول ہیں اور جن میں دنیا و آخرت کے متعلق حکمتِ نظری عملی تہذیبِ اخلاق سے لے کر تدبیر المنزل تک کوئی بات رہ نہیں گئی ہے (۱) المومنون اس میں ایمان کا ذکر ہے جو سب نیکیوں کی جڑ ہے اس میں اجمالاً اللہ اور اس کے صفات اور ملائکہ اور انبیاء اور ان کی کتب اور دارِ آخرت کی تصدیق آ گئی۔ یہ تمام حکمتِ نظریہ کا عطر ہے۔ (۲) اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ یہاں سے حکمتِ عملیہ شروع

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور البتہ انسان کو ہم نے چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک قرارگاہ (رحم) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو علقہ بنایا پھر علقہ کو مضغہ گوشت بنایا پھر مضغہ گوشت میں ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر اس کو ایک دوسری صورت میں بنا دیا پس تبارک اللہ وہ کیا ہی عمدہ بنانے والا ہے پھر اس کے بعد تم کو مرنا ہے پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

ہوتی ہے اور نماز سب میں اول بات ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز پڑھنے ہی کا حکم ہے بلکہ نماز میں عاجزی کرنے کا بھی۔ خشوع کے معنی میں اختلاف ہے بعض اس کو دل کا فعل کہتے ہیں۔ ڈرنا اور دل سے معافی پر لحاظ کر کے خدا تعالیٰ کو حاضر یا اپنے آپ کو اس کے آگے کھڑا سمجھ کر عجز و نیاز کرنا اور بعض اس کو ہاتھ پاؤں کا عمل کہتے ہیں سکون سے کھڑا رہنا ادھر ادھر التفات نہ کرنا کپڑے یا ڈاڑھی یا اور چیز سے کھیل نہ کرنا۔ نماز کے اندر اور بعض نے دونوں باتوں کو لیا ہے اور یہی قوی ہے اور صحیح حدیثوں میں دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ ظاہر

ہے۔ کس لیے کہ جب انسان اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سمجھے گا اور اس سے عجز و نیاز کرے گا جو روحِ نماز ہے تو وہ کبھی ادھر ادھر ملتفت نہ ہوگا۔ جب شاہانِ دنیا کے دربار میں ادھر ادھر ملتفت ہونا سوءِ ادب ہے تو وہاں دربارِ عالی میں کیونکر ادھر ادھر ملتفت ہو سکتا ہے وہاں جو رسمی نماز پڑھتے ہیں اور دل سے نہ ان کو حضور ہے نہ نیاز' وہ ایسی باتیں کرتے ہیں ان کی نماز ان کے منہ پر ماری جاتی ہے۔ (۳) وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ سے وہ جو بیہودہ باتوں سے کنارہ کرتے ہیں لغو حرام اور مکروہ اور اس مباح فعل کو بھی کہتے ہیں کہ جس کی طرف انسان کو کوئی حاجت یا ضرورت نہ ہو۔ افسوس کہ آج کل مسلمان اس لغو میں کیسے مبتلا ہیں دنیاوی امور میں صدہا مکانات اور بے ضرورت اسباب خرید اور بنا کر محتاج ہو جاتے ہیں بیاہ شادی میں اس لغو کا کچھ انتہا نہیں۔ آتشبازی' ناچ رنگ کیا کیا ہوتا ہے اور اسی طرح دینی معاملات میں لغو کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کے مزاراتِ مقدسہ پر کیا کچھ نہیں ہوتا' پھر قبروں پر ناچ ہوتا ہے اور دیگر فضول باتیں ہوتی ہیں اور محرم میں تو کچھ انتہا ہی نہیں رہتا ہزار ہا روپیہ لگا کر تعزیے بنتے ہیں۔ لوگ ریچھ بندر بنتے ہیں شدے اور علم اور ان کے ساتھ دے کر منہیات پھر کہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا فرضی نعل نکلتا ہے۔ جس کو نعل صاحب کہتے ہیں۔ سرکاروں سے لاکھوں روپے عاشور خوانوں کے لیے ملتے ہیں کاش یہ روپیہ قوم کی تعلیم میں صرف ہوتا۔ کہاں گئے ہمارے واعظ! مجالس میں صرف رلانا ہی جانتے ہیں ان باتوں کا ذکر تک بھی نہیں کرتے۔ (۴) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ وہ جو اپنے مال اللہ کے رستہ میں ایک حصہ معین دیا کرتے ہیں اور ایسے حصہ معین کو زکوٰۃ کہتے ہیں اس کے لیے فاعلون کا لفظ لانا نہایت فصاحت ہے۔ (۵) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ الخ وہ جو اپنی بیبیوں اور شرعی لونڈیوں کے سوا اور کسی پر اپنا ستر نہیں کھولتے۔ اس سے لواطت اور سحق اور ہاتھ سے منی نکالنے کی بھی ممانعت ثابت ہوئی اور متعہ کی ممانعت بھی سمجھی گئی۔ کس لیے کہ متاعی عورت حصہ نہ ملنے کی وجہ سے بیوی نہیں اور نہ لونڈی ہے پھر کیوں کر مباح ہو سکتی ہے اور آیت میں بیوی اور لونڈی پر قضاءِ شہوت کا حصر کر دیا ہے۔ (۶) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ راعون وہ جو امانت اور عہد کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔ امانت میں مال اور آبرو اور بات سب کی حفاظت ضرور ہے اسی طرح عہد میں عہدِ الٰہی اور باہمی معاہدہ آ گیا۔ (۷) وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ وقت پر شرائط و مستحبات کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ان ساتوں باتوں کے عمل میں لانے والے کے لیے اس نے اپنے فضل سے جنت میں آٹھویں درجہ کی اعلیٰ جنت کا وعدہ دیا جس کو جنت الفردوس کہتے ہیں اور اس کا ان کو وارث یعنی مالک بھی قرار دیا اور وہاں ہمیشہ رہنے کا بھی مژدہ دیا۔ یہ ہے فلاح۔ مگر اس کے بعد ہی منکرینِ حشر و نشر یہ کہتے ہیں کہ مر کر کون زندہ ہوگا اس لیے اس کے بعد دلائلِ حشر شروع کئے فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ الخ کہ ہم نے انسان کو قطرۂ منی سے پیدا کیا اور وہ قطرہ مٹی سے بنایا تھا کیونکہ غذائیں جن سے منی پیدا ہوتی ہے مٹی سے بنتی ہیں پھر اس قطرہ کو خون بنایا پھر گوشت کا لوتھڑا بنا کر اس کے ہاتھ پاؤں بنائے' ہڈیاں اور پٹھے بنائے اور اس کو انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر لائے اور پھر وہ ایک روز مرتا ہے پھر جس نے ایسا کر دیا کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے کما قال ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ یہ دلیل کا نتیجہ ہے یہاں تک دلائل النفس تھے کہ سب سے پہلے انسان کے اپنے ہی اندر اس کی قدرت و کمال کے صدہا شواہد موجود ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْکَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَکُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَکُمْ فِیْهَا فَوَاکِهُ کَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا

وقف لازم

تَأْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اور البتہ ہم نے ہی تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم بنانے میں بے خبر نہ تھے اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا پھر اس کو زمین میں ٹھہرائے رکھا اور ہم اس کو لے جا بھی سکتے ہیں پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ اگائے جن میں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو اور ہم نے ہی (زیتون کا) وہ درخت بھی پیدا کیا جو (کوہ) طور میں اکثر پیدا ہوتا ہے جو کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن لے کر اگتا ہے اور تمہارے لیے چار پایوں میں بھی عبرت ہے کہ تم کو ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے (جدا کر کے) وہ پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت سے اور بھی فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو[1]۔

ان میں غور کر کے فی الفور کہہ سکتا ہے کہ وہ قادر باکمال ضرور مرنے کے بعد بارِ دگر زندہ کر سکتا ہے اس کے بعد دلائلِ آفاق یعنی انسان سے جو باہر شواہد ہیں ان کو شروع کرتا ہے اور سب میں آسمان کا پہلے ذکر فرماتا ہے فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے طرائق جمع طریقہ۔ آسمانوں کو طرائق یا تو اس لیے کہا کہ یہ ملائکہ کے آنے جانے کے رستے ہیں یا سبع سیارہ کی چال کے رستے ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو طرائق ان کے تطارق کی وجہ سے کہا ہو۔ جس کے معنی تہ بہ تہ یعنی اوپر تلے ہونے کے ہیں۔ یقال طارق الرجل نعلیہ اذا اطبق نعلا علی نعلٍ و طارق بین الثوبین اذ البس ثوبا فوق ثوب۔ یہ خلیل اور زجاج اور فرا کا قول ہے۔ (کبیر) پھر فرماتا ہے وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ کہ ہم نے ان آسمانوں کو یا دیگر مخلوق کو بے جوڑ کیف ما اتفق نہیں پیدا کیا بلکہ ہر ایک میں صدہا حکمتیں ملحوظ ہیں۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک ان کے مصالح کو نظر رکھا ہے۔ (دوسری دلیل) وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ الخ کہ ہم آسمانوں سے یعنی اوپر بادلوں سے پانی اتارتے ہیں سو وہ بھی بے اندازہ نہیں کہ یوں ہی بادلوں کے دہانے کھول کر بے موقع دنیا کو غرقاب کر دیا جاوے بلکہ بقدر ایک اندازۂ خاص سے پھر اس پانی کو بیہودہ طور پر صرف نہیں کرتے بلکہ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ اس کو زمین رہنے دیتے ہیں اور اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اس پانی کو لے جاویں سکھا دیں۔ لیکن فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ الخ تمہارے لیے اس سے باغ اگاتے ہیں اور طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اناج وغیرہ پیدا کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے کھجور اور انگور ہے جن کو تر اور خشک گرمی اور سردی میں ہر طرح سے کھاتے ہیں۔ ان کے سوا باغوں میں لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ تمہارے لیے اور طرح طرح کے میوے ہیں اور نہ صرف میوے کہ جن سے پیٹ نہ بھرے غذا کا کام نہ چلے بلکہ بعض ان میں سے کھانے کا بھی کام دیتے ہیں۔ صاحب کشاف کہتے ہیں منها تاکلون کے یہ معنی کہ یہی باغ تمہاری معاش اور روزی کا بھی ذریعہ ہیں جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں پیشہ سے کھاتا ہے وَشَجَرَةً معطوف ہے جنات پر۔ ای انشانا لکم شجرۃ اس درخت سے مراد زیتون کا درخت ہے جو عرب کے لیے پیشتر کوہ طور میں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ۔ صاحب کشاف کہتے ہیں طور یا تو سیناء میدان کی طرف مضاف ہے کہ جس کو سینین بھی کہتے ہیں یا طور مضاف اور سینا مضاف الیہ دونوں سے مرکب ہو کر ایک پہاڑ کا نام ہے جیسا کہ امراء القیس و بعلبک پھر بعض اس کو

[1] وما کنا عن الخلق غافلین کی یہ دلیل ہے جس میں بعض چیزوں کے چند فوائد بیان ہوئے ہیں اور اس میں طبیعت کے خالق و فاعل ہونے کا رد ہے جس کے دہریے قائل ہیں۔ ۱۲ منہ

غیر منصرف کہتے ہیں تعریف وعجمی کے سبب یا تعریف وتانیث کے سبب۔ کیونکہ یہ بقعہ ہے اور فعلاء کا الف تانیث کے لیے نہیں جیسا کہ حرباء اور بعض الف کو تانیث کے لیے کہتے ہیں جیسا کہ صحراء۔ یہ پہاڑ قلزم کے اس طرف عرب کے گوشۂ شمال ومغرب کے بیابان میں ہے یہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملی تھی۔ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ موضع حال میں ای تنبت وفیھا الذین کما یقال رکب الامیر بجندہ ای معہ الجند یعنی اس درخت میں تیل ہوتا ہے وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ اور سالن بھی نہ سب کے لیے بلکہ ان کے لیے جو اس میں روٹی لگا کر کھاتے ہیں۔ عرب زیتون کے تیل کو سالن کے کام میں لاتے ہیں الصبغ والمصباغ ما یستبغ بہ ای یصبغ بہ لنجز صبغ عطف علی الدھن اے ادام۔ تیسری دلیل حیوانات کے متعلق وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً کہ چار پاؤں میں بھی تمہارے لیے بہت غور کی جائے ہے ان کی پیدائش اور تولد وتناسل اور ان کا شعور وادراک تو دفترِ معرفت ہی ہے مگر تم صرف ان کے انہیں فائدوں کو ہی دیکھو: (۱) نُسۡقِيۡكُمۡ کہ تمہیں ان کا دودھ پلاتے ہیں اور پیٹ کی آلائش اور خون میں سے کس حکمتِ بالغہ سے جدا کیا اور نکالا جاتا ہے۔ (۲) وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةٌ دودھ کے سوا تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں ان کی اون اور جلد کو کام میں لاتے ہیں۔ (۳) وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ کہ بعض کو تم کھاتے بھی ہو ان کا گوشت تمہاری عمدہ غذا ہے۔ (۴) وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡـفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ کہ ان پر بلکہ کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہو بوجھ لادتے ہو پھر جو قادر باکمال یہ کرتا ہے کیا وہ اپنی حکمتِ بالغہ سے انسان کو ایک نئی زندگانی نہ دے گا اور اس کی حیات کا سلسلہ اسی چند روزہ حیات پر تمام کردے گا ہرگز نہیں۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتَفَضَّلَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِىۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۲۴﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡـفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسۡتَوَيۡتَ اَنۡتَ وَمَنۡ مَّعَكَ عَلَى الۡـفُلۡكِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ نَجّٰٮنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۚ ﴿۳۱﴾ فَاَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

ع ۲

اور البتہ نوح کو ہم نے اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ تب انہوں نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم پھر کیوں نہیں ڈرتے سو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے (یہ) کہا کہ یہ ہے کیا مگر تمہارے ہی جیسا ایک آدمی۔ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے ہی نہ بھیج دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا سے یہ بات کبھی سنی بھی نہیں۔ یہ تو بس ایک دیوانہ آدمی ہے۔ پس اس کا[1] ایک وقت تک انتظار کرو۔ نوح نے کہا اے رب! انہوں نے جس بات پر مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اس کی طرف وحی کی ہماری مدد اور حکم سے کشتی تیار کرو پھر جب ہمارا حکم آوے اور تنور یعنی زمین سے پانی ابلنے لگے تو کشتی میں پھر ایک حیوان کے (نر و مادوں کے) دو دو جوڑے سوار کر لینا اور اپنے کنبے کو بھی مگر ان میں سے جس کے لیے ڈوبنے کا حکم ہو چکا ہے (اس کو نہیں) اور ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات بھی نہ کرنا کیونکہ وہ سب ڈوبنے والے ہیں۔ پھر جب تم اور جو تمہارے ساتھ ہیں کشتی پر سوار ہو لیں تو کہنا حمد ہے اس اللہ کے لیے کہ جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات دی اور دعا کرنا کہ اے رب! مجھ کو کشتی سے برکت کے ساتھ اتاریو اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس قصے میں بہت سی نشانیاں قدرت کی ہیں اور ہم کو تو آزمائش منظور تھی پھر ان کے بعد ہم نے اور دوسرا قرن پیدا کیا۔ پھر ان میں بھی ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا[2] کہ اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔

اب یہاں سے چند انبیاءِ گزشتہ کے تذکرے بیان کرتا ہے جن کے ذکر سے یہ چند باتیں ظاہر کرنی مقصود ہیں: (۱) یہ کہ جس طرح اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج تمہاری قوم تم سے کج بحثیاں اور شبہاتِ رکیکہ کرتی ہے اسی طرح پہلے لوگ انبیاءِ سابقین کے ساتھ کرتے آئے ہیں۔ (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ نے ان نبیوں کی معرفت بڑے بڑے معجزے دکھا کر آخر کار ان کو ہلاک و برباد کیا ہے ایسا ہی تمہارے مخالفوں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ (۳) یہ کہ سب انبیاء خدا پرستی اور توحید کی تعلیم کرتے آئے ہیں یہ جو بت پرستی کو تقلیدِ آباؤ اجداد سے ایک امرِ جائز قرار دیتے ہیں محض غلط بات ہے۔ (۴) خدا تعالیٰ ہر ایک قرن کو غارت کر کے اس کے بعد دوسرا قرن پیدا کرتا آیا ہے پھر کیا مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟ سب سے پہلا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جس میں بڑی بات کلامِ سابق کے ساتھ موجب ربط یہ ہے کہ وہاں فرمایا تھا ہم آسمان سے پانی ایک اندازۂ خاص کے ساتھ تمہارے فائدے کے لیے نازل کرتے ہیں اور جب بندے سرکشی کرتے ہیں اور انبیاء کے مقابلہ سے باز نہیں آتے تو اسی رحمت کو زحمت کر دیتے ہیں جیسا کہ قومِ نوح کے لیے ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا' شرک سے منع کیا۔ ان کی قوم نے کہا (۲) یہ تم جیسا آدمی ہے اس میں فضیلت کی کیا بات ہے؟ (۳) اللہ نے اس کو کیوں بھیجا فرشتے کیوں نہ بھیجے (۴) یہ حکم ہم نے باپ دادا سے نہیں سنا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو (۵) اس کی یہ باتیں خلاف عقل ہیں یہ دیوانہ ہے (۶) یہ کہتا ہے کہ عذاب آئے گا دیکھو آتا ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ شبہات بے بنیاد تھے ان کا جواب ذکر نہ کیا آخر کار نوح علیہ السلام نے دعا کی الٰہی! میری مدد کر اس پر حکم ہوا کہ کشتی تیار کرو اور اس میں اپنے خاندان کو بجز ان کے کہ جن کی تقدیر میں ازل سے ہلاکت لکھی گئی اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ اور ایمانداروں کو اور ہر چیز کے جوڑے کو سوار کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا اور باقی سب لوگ کہ جن میں ان کا بدبخت بیٹا بھی تھا غرق ہو گئے۔ اس قصہ کی کامل تشریح پہلے ہو چکی ہے اور فَارَ التَّنُّوْرُ کے معنی بھی ہم بیان کر آئے ہیں قصہ کو تمام کر کے نتائجِ مذکورہ بالا کی طرف اشارہ کرتا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ کہ اس میں بڑی نشانیاں قدرت کی ہیں پھر فرماتا ہے ان کے بعد ہم نے اور قرن پیدا کیا۔

---

[1] یعنی اس کی بات کا جس سے ہم کو ڈراتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] حضرت ہود علیہ السلام یا صالح علیہ السلام ۔ ۱۲ منہ

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ
مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ
اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا
تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ
هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ
بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۤءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا
اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَاۤءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا
وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

اوران کی قوم کے منکر سردار جوآخرت کے پیش آنے کوجھٹلا چکے تھے اور ہم نے ان کو زندگی دنیا میں آسودگی بھی دی تھی (یہ) کہنے لگے کہ رسول ہے کیا مگر تم ہی جیسا ایک آدمی۔ وہی کھاتا ہے جوتم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جوتم پیا کرتے ہو اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کی تو بے شک تم خسارہ میں پڑ گئے۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو کیا تم پھر زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بھلاوہ (بہت) دور۔ ہماری صرف یہی دنیا کی زندگی ہے مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو تو مر کر زندہ ہونا نہیں ہے۔ یہ ایسا شخص ہے کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بنالیا ہے اور ہم کو تو یقین نہیں۔ رسول نے دعا کی کہ الٰہی! جس بات پر مجھے جھٹلایا ہے اس پر میری مدد فرما فرمایا تھوڑی دیر کے بعد یہ خود نادم ہوں گے پھر تو وعدۂ برحق پر ان کو ایک ہیبت ناک آواز نے آپکڑا پھر تو ہم نے ان کو چورا چورا کر دیا۔ پس ظالم لوگوں پر خدا کی پھٹکار ہو۔ پھر ان کے بعد ہم نے اور قرن پیدا کئے کوئی قوم نہ اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے پھر تو لگاتار ہم اپنے رسول بھیجتے رہے جب کوئی رسول اپنی قوم کے پاس آتا رہا وہ اس کو جھٹلاتے ہی رہے پھر ایک قوم کو دوسری کے پیچھے ہلاک کرتے گئے اور اس کے افسانے بنادیے۔ پس پھٹکار ہو اس قوم پر جو ایمان نہیں لائی۔

ل تترا ای متواترین واحدا بعد واحد من الوتر والتاء بدل من من الواو کمافی تولج والالف للتانیث باعتبار ان الرسل جماعۃ وقرء بالتنوین علیٰ انہ مصدر بمعنی الفاعل وقع حالا ۔ابوالسعود۔ قرا ابن اکثیر تتریٰ متوشۃ والباقون بغیر تنوین وھواختیار اکثر اہل اللغۃ لانہا فعلی من المواترۃ وہی المتابعۃ وفعلی لاتنون کدعوی۔ ک ۱۲منہ
تترا التابدل من الواو لانہ من المواترۃ وہی المتابعۃ ومن ذلک قولہم جاؤاعلیٰ وتیرۃ واحدۃ ای طریقۃ وھونصب علی الحال ای متتابعین وفی الاصل انہ مصدر وقیل صفۃ المصدر محذوف ای ارسالا متواتر ولفہا والحاق بجعفر کارطی اوبدل من التنوین۔ ۱۲الحقانی

اور اس میں بھی ایک اور رسول بھیجا یہ دوسرا قصہ ہے۔ اس رسول سے مراد حضرت ہود یا صالح علیہما السلام ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید وخدا پرستی کا حکم دیا تھا اور مر کر زندہ ہونے کا بھی وعدہ کیا تھا جس پر ان کی قوم کے سردار جو آخرت کے منکر اور کافر تھے اور اللہ نے ان کو دنیا میں ثروت و دولت بھی دی تھی (کیونکہ ایسی باتیں دنیا دار دولتمند ہی غرور میں آ کر کیا کرتے ہیں) وہی بیہودہ شبہات کرنے لگے کہ یہ رسول ہمارے جیسا ہے، جس طرح ہم کھاتے ہیں پیتے ہیں یہ بھی اسی طرح اور وہی چیزیں کھاتا پیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کے حکم پر چلنا جو ہم جیسا انسان ہے خرابی میں پڑنا ہے۔ (ان حمقاء نے رسول کو یہ سمجھا تھا کہ وہ نوع انسانیت سے علیحدہ کوئی اور ہی طرح کا ہونا چاہیے) اور یہ جو کہتا ہے کہ مر کر اور بوسیدہ ہو کر بھی لوگ زندہ ہوں گے تو یہ بہت بعید بات ہے صرف دنیا ہی کی موت اور زندگی ہے یہ جھوٹا آدمی ہے اس کی بات پر ہم کو یقین نہیں آتا۔ تب نبی نے دعا کی کہ میری مدد کر۔ حکم ہوا کہ ابھی یہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ چنانچہ ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا کہ ایک ہیبت ناک آواز آئی جس سے وہ مر کر رہ گئے۔ اس کی تشریح بھی چوتھی جلد میں ہو چکی۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے خدا نے اور قرن پیدا کئے (قرن زمانہ مگر مراد اہلِ زمانہ ہیں)۔ یہ تیسرا واقعہ ہے یعنی اور بھی قومیں ہوئی ہیں اور ان میں بھی لگاتار ہم رسول بھیجتے گئے مگر ہر ایک قوم کے ہلاک کا ایک وقت مقرر ہے اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتا۔ رسول کی تکذیب سے فوراً ہلاک نہیں ہوئے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کے منکروں کی بربادی کا بھی وقت مقرر ہے ان کی تکلیفیں اس وقت تم کو اٹھانی پڑیں گی۔ ان کے کہنے اور جلدی کرنے سے فوراً ہلاک کر دینا ہمارا دستور نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب ان قرن والوں کے پاس ان کا رسول آیا یہ بھی تکذیب سے پیش آئے سو ہم نے بھی یکے بعد دیگرے ہر ایک قرن کو ہلاک کیا فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا کے یہ معنی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلی امت کی طرح دوسری امت کا بھی تکذیب میں وہی دستور رہا وہ انہیں کی چال چلے لیکن اول معنی ظاہر ہیں۔ ان کو یہاں تک ہلاک کیا کہ ان کا کوئی نشان بھی باقی رہا صرف ان کے قصے اور تذکرے باقی رہ گئے وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ سو ان پر پھٹکار ہے۔ اس میں اجمالاً بہت سے انبیاء کا تذکرہ ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ[1] ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی سند کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ ایک تھی ہی سرکش قوم۔ پھر انہوں نے کہا کیا ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لے آویں کہ جن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہو آخر ان کو جھٹلا ہی دیا پھر تو وہ بھی ہلاک ہی ہو کر رہے اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی تاکہ لوگ (اسی سے) ہدایت پاویں اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (قدرت کا) نشان بنا دیا تھا اور ان کو ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی تھی جو ٹھہرنے کے قابل اور جس میں پانی کا چشمہ تھا۔

---

[1] مکان مرتفع ۱۲ جلالین۔ ذات قرار اے مستویۃ یستقر علیھا ساکنوھا۔ ۱۲ منہ

ترکیب: :۔ھارون بدل ہے اخاہ سے۔ مثلنا اس کو مفرد لائے تثنیہ نہ لائے حالانکہ یہ تثنیہ وجمع بھی آتا ہے یا تو یہ مصدر ہے جس میں تثنیہ وجمع برابر ہیں یا بشریت میں مماثلت ہے نہ کمیۃ میں۔ وَقَوْمُهُمَا جملہ حال ہے۔ آیۃ مفعول ثانی ہے جعلنا کا معین یا تو فعیل ہے معن بمعنی شیءِ قلیل سے اور اس سے ماعون یا غنۃ اذا البصرۃ سے ہے ای ماء جا بظاہر تراہ العیون واصلہ معیون۔

تفسیر: یہ چوتھا قصہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا ہے کہ ہم نے ان کو معجزات اور سلطان مبین کے ساتھ فرعون مصر اور ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا لیکن وہ سرکش لوگ تھے کہنے لگے جیسے تم آدمی ہو ویسے ہی ہم ہیں اور نیز تمہاری قوم ہماری خدمت کرتی ہے یعنی ذلیل قوم کے ہو پھر تم کو کیونکر مانیں انکار کیا' ہلاک ہوئے۔ سُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ سے مراد یا تو وہی آیات نو معجزے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور سلطان مبین ان میں سے کوئی خاص معجزہ ہے جیسا کہ عصا اور خاص کا عام پر عطف جائز ہے جیسا کہ ملائکہ کے بعد جبرئیل ومیکائیل کا ذکر آیا ہے اور ممکن ہے کہ آیات سے مراد نفس معجزات ہوں اور سلطان مبین ان کی وہ کیفیت جو ان کے صدق پر دلالت کرنے سے متعلق تھی یا ایک ہیبت و وقار جو ان کو عطا ہوا تھا ان کے ہلاک کے بعد جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر شام کو روانہ ہوئے اور بحر قلزم کو عبور کر کے اس میدان میں آئے جس کو تیہ کہتے ہیں۔ تو یہاں ان کو بنی اسرائیل کی ہدایت اور نظام کے لیے ایک کتاب خدا تعالیٰ نے دی جو باتفاق جمہور اہلِ اسلام توریت[1] تھی۔ پس وہ کتاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنام توریت تصنیف کی گئی اصلی توریت نہیں۔ ولقد آتینا موسی الکتاب (ای التوراۃ) جلالین۔ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ کے یہی معنی ہیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ الخ یہ پانچواں قصہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ہے ان کے تمام قصہ کو چھوڑ کر صرف اس جگہ یہی بات بتلائی گئی کہ ہم نے ان دونوں کو آیت یعنی اپنے ہاں کی ایک نشانی بنایا تھا۔ باتفاق جمہور مفسرین حضرت مریم اور عیسی علیہما السلام کا اللہ کی نشانی ہونا اس لحاظ سے تھا کہ حضرت مریم کو بغیر مرد کے حمل رہا اور اس سے پیشتر عبادت خانہ میں ان کے پاس غیب سے بے موسم کے میوے آتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے اور معجزات دکھانے کی وجہ سے نشانی تھے چونکہ دونوں کا نشانی ہونا ایک عجیب وغریب بات تھی اس لیے دونوں کو بلفظِ واحد آیۃ ذکر فرمایا۔ آیتین نہ کہا۔ اس آیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بخوبی ثابت ہو گیا پھر جو تاویل یا انکار کرتے ہیں وحی کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلتے ہیں اس نشانی سے چاہیے تھا کہ بنی اسرائیل فائدہ اٹھاتے' ایمان لاتے' راہ راست پر آتے۔ اس کے برعکس ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس لیے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو بحالتِ صغر سنی مریم کے چچازاد بھائی یوسف نجار ہیرودیس حاکم کے خوف سے مصر کی طرف[2] لے کر چلے گئے تھے اور سالہا سال وہیں رہے یہاں دریائے نیل کا پانی جاری ہے اور یہ جگہ مرتفع ہے لیکن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مقام[3] رملہ بتایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

[1] چنانچہ توریت سفر استثنا کے اکتیسویں باب کے چوبیس درس میں لکھا ہے قولہ اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی کتاب کو لے کے خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کی ایک بغل میں رکھوالخ یہی وہ تورات تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی آخر کار یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد تک کے زمانے میں بنی اسرائیل پر مصائب آنے کی وجہ سے تلف ہو گئی چنانچہ جب سلیمان علیہ السلام نے یہ صندوق کھولا تو اس میں صرف پتھر کی دو لوح برآمد ہوئیں کتاب نہ ملی جیسا کہ کتاب اول سلاطین کے آٹھ باب نو درس میں ہے۔

[2] انجیل متی کے دوسرے باب تیرہ درس میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ۔

[3] رملہ ملک مصر میں ایک خاص جگہ ہے۔ ۱۲ منہ

عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾

(اور ہم نے کہہ دیا تھا) کہ اے رسولو! پاک چیزیں کھایا کرو اور اچھے کام کرتے رہو جو کچھ تم نیک کام کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں اور البتہ یہ تمہارا گروہ[1] ایک ہی (خدائی) گروہ ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں پس مجھی سے ڈرا کرو، پھر لوگوں نے اپنے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا جو دین جس کے پاس ہے ہر ایک اس ہی سے خوش ہے۔ (اے نبی!) ایک وقت تک ان کو اپنے نشے میں پڑا رہنے دو۔ کیا وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں ترقی دے رہے ہیں' کچھ ہم ان کو فائدے پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے ہیں بے شک وہ جو اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر یقین لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو کچھ دیتے بن پڑتا ہے دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ ان کو اپنے رب کے پاس جانا ہے (شاید قبول ہو یا نہ ہو) یہی وہ لوگ ہیں کہ جو نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور وہی آگے بھی رہتے ہیں۔

ترکیب :۔ان کو قراءِ کوفہ نے بکسر الہمزۃ پڑھا ہے تب یہ جملہ مستانفہ ہے ھذا اس کا اسم امتکم خبر اور امۃ واحدۃ منصوب ہے حال لازمہ ہونے کی وجہ سے خبر ان سے دیگر قراء نے ان بالفتح پڑھا ہے یا لام مقدر مان کر جو اتقون سے متعلق ہوگا ای فاتقون لان ھذہ اور موضع ان کا نصب ہے یا جر یا یہ معطوف ہے ماقبل پر۔ زبرا بضمتین جمع زبور ائے کتبا مختلفہ یعنی جعلوا دینھم ادیانا و زبرا قطعا استعیرت من زبر الفضۃ والحدید (کبیر) تقرء بفتح الباء وھو اجمع زبرۃ وھی القطعہ والفرقۃ والنصب علی الوجہ الاول علی الحال من امرھم وعلی الوجہ الثانی حال من الفاعل ان یا بمعنی الذی وخبر ان نسارع۔

تفسیر :۔رسولوں کا ذکر فرما کر ان کے اس شبہ کے جواب میں (کہ ان رسولوں میں ہم سے کیا فوقیت ہے جو ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی وہی کھاتے ہیں یعنی ملائکہ یا ان کی مانند کیوں نہیں) فرماتا ہے کہ ہم نے رسولوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ طیب یعنی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ تمہارے لیے یہ نعمتیں ہم نے پیدا کیں ہیں۔ ہاں حرام اور گندی چیزیں نہ کھاؤ۔ بزرگی کا مدار پاک اور حلال چیزوں کو ترک کر دینے پر نہیں جیسا کہ بعض سمجھے ہوئے ہیں اور ان نعمتوں کے شکر میں وَعَمِلُوا صَالِحًا نیک کام کیا کرو میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اے رسولو! تم سب کا ایک ہی طریقہ ہے توحید و عبادت۔ اسی طرح تمہاری سب امتیں بھی باہم الگ الگ مذاہب کے لوگ نہیں۔ اصولِ شریعت میں سب ایک ہیں اور تم سب کا رب بھی میں ایک ہوں پس مجھ سے ہی ڈر کر بری باتوں سے پرہیز کیا کرو۔ لیکن انبیاء کے بعد ان

[1] سب حضرات انبیاء علیہم السلام بلحاظ اصولِ دین اور خدا پرستی کے ایک ہی گروہ ہے سب کا ایک ہی خدائے واحد ہے۔ ۱۲ منہ

کے پیرؤں نے باہم افراط و تفریط کر کے جدا جدا فرقے بنا لیے پھر ہر فریق اپنے تراشیدہ خیالات پر خوش ہے۔ یہود اپنے ہی آپ کو راہِ راست پر جانتے ہیں نصاریٰ اپنے تئیں و مشرکین و مجوس اپنے مذہب کو موجبِ نجات خیال کر رہے ہیں۔ حضرت ﷺ کو فرماتا ہے فذرھم الخ ان سے حجت و تکرار نہ کر ان کو اپنی غفلتوں کے دریا میں ڈوبا رہنے دو ایک وقت تک بعض علماء کہتے ہیں اس وقت سے مراد وہ وقت ہے کہ جب اسلام اپنی پوری شوکت دنیا میں ظاہر کرے گا پھر تحدید کے چابک سے ان کو بیدار و ہوشیار کر دیا جاوے گا۔ بعض کہتے ہیں موت یا عذابِ الٰہی کے وقت تک کہ پھر ان کو آپ معلوم ہو جاوے گا۔ وہ دنیا کی ثروت و دولت' کثرتِ اولاد و مال کو اپنے مذہب کے برحق ہونے کی دلیل جانتے تھے بلکہ اب یہی کہا کرتے ہیں ہم نے فلاں دیوی دیوتا کی نذر بھینٹ کی تو اس نے ہم کو مال و اولاد دیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ الخ کہ کیا وہ اس افزائشِ مال و اولاد کو ہماری مہربانی سمجھتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ لَا یَشْعُرُوْنَ ان کو شعور نہیں۔ چار پائے ہیں کیونکہ دنیا فانی کی آسایش کچھ چیز نہیں حیوانات کو بھی نصیب ہے۔ یہاں جن پر ہماری مہربانی ہے اور ان کے لیے ہم بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو شرک نہیں کرتے اور وہ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو یہی لوگ نیکی میں دوڑنے اور سبقت کرنے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

الربع

اور ہم کسی پر بوجھ بھی نہیں ڈالتے مگر اس قدر کہ وہ اٹھا سکے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ سچ کہہ دے گی اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کے دل اس سے بے ہوشی میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے سوا ان کے اور بھی کام ہیں کہ جن کو وہ کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کے مالداروں کو ہم آفت میں مبتلا کریں گے تو وہ فوراً چلا اٹھیں گے۔ (کہا جائے گا) آج نہ چلاؤ تمہاری ہمارے ہاں سے کچھ بھی مدد نہ ہوگی۔ البتہ تم کو ہماری آیتیں سنائی جایا کرتی تھیں تم تو الٹے پاؤں بھاگا کرتے تھے۔ غرور میں آ کر اس کو (قصہ) کہانی سمجھ کر (چھوڑ کر) چلے جایا کرتے تھے کیا انہوں نے ارشادِ الٰہی (یعنی قرآن) میں غور نہیں کیا۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسی نئی بات پہنچی تھی کہ جو ان کے اگلے باپ اور دادا کے پاس نہ پہنچی تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا تھا جو یہ اس کے منکر ہو گئے۔ کیا وہ یہ کہتے تھے کہ اس کو جنون ہے ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی بلکہ رسول ان کے پاس سچی بات لایا تھا اور ان میں سے اکثر تو سچ سے نفرت ہی رکھتے تھے اور اگر حق ان کے خواہش کے تابع ہوا کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کچھ خراب ہو چکتا بلکہ ہم نے تو ان کی نصیحت ان کو پہنچا دی تھی۔ سو وہ اپنی نصیحت کی بات سے منہ موڑتے رہے۔ (اے نبی!) کیا تم ان سے کچھ اجرت مانگتے ہو پھر اجرت تو تمہارے رب کی بہت بہتر ہے اور وہی سب سے اچھا روزی دینے والا ہے اور البتہ آپ تو ان کو سیدھے رستہ کی طرف بلا رہے ہیں۔

اہلِ ایمان کے چند اوصافِ حمیدہ ذکر کر کے فرمایا تھا کہ یہی لوگ نیکیوں میں سبقت کر رہے ہیں۔ اب مخالفوں کو رغبت دلاتا ہے کہ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے یعنی احکامِ سخت پر مامور نہیں کرتے آسان اور سہل حکم دیا کرتے ہیں پھر اے کم بخت منکر و! تم کیوں ان نیکیوں میں پیچھے رہے جاتے ہو؟ اور یہ خیال کرنا کہ ان نیکیوں میں سعی کرنا بے فائدہ ہے ان کو آخرت میں کون یاد رکھے گا؟ غلط خیال ہے کس لیے کہ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے اس میں یہ سب کچھ لکھا جاتا ہے ہر فرد و بشر کے اعمال کراماً کاتبین لکھا کرتے ہیں یہ کتاب ہر ایک بات ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی اور کسی کا کوئی عمل نہ رہ جائے گا ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اسی کتاب کا آگے ذکر آ چکا ہے وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا مگر اس سے دنیا کی کتابوں کی مانند کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب مراد نہیں بلکہ اور قسم کی کتاب یعنی یا وہ رحمتِ الٰہی واللہ اعلم۔ یہ باتیں سن کر بھی کفار نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتے۔ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا الخ بلکہ ان کے دل اس بات سے غفلت میں ہیں اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس کے سوا ان کے اور اعمال بھی ہیں جن کو وہ عمل میں لا رہے ہیں پھر یہ ستم گار اپنے اعمالِ بد میں یہاں تک گرفتار ہیں حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ الخ کہ جب ہم ان کے دولتمندوں کو جو دولت کے نشہ میں مغرور ہیں عذاب میں مبتلا کریں گے تو یجئرون دہائی دینے لگیں گے۔ اس عذاب سے مراد موت کے وقت کا عذاب ہے۔ یہ عذاب سب کفار کے لیے مگر دولت مندوں کی تخصیص ان کے غرور و تکبر کی وجہ سے ہوئی۔ ملائکہ اس وقت کہیں گے اب کیوں دہائی دیتے فریاد کرتے ہو آج تم کو مددِ الٰہی نہ پہنچے گی۔ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ الخ کیونکہ تمہارے سامنے میری آیتیں پڑھی جایا کرتی تھیں تم تکبر کی راہ سے ان کو چھوڑ کر قصہ کہانیوں میں مشغول ہوتے تھے۔ تسمیر رات کو قصہ گوئی کرنا عرب کی عادت تھی کہ رات کو لوگ مجتمع ہو کر قصہ خوانی کیا کرتے تھے تہجرون ہجر بالکسر بمعنی جدائی ہجر بالفتح ہذیان و بالضم فحش کعبہ کے اردگرد بیٹھ کر قریشِ مکہ قصہ خوانی کرتے تھے اور آنحضرت اور قرآن کی ہجو حقارت بھی کیا کرتے تھے۔

اب فرماتا ہے کہ ان باتوں کا عمل میں لانا یا تو اس لیے تھا کہ قرآن مجید میں کوئی خوبی نہ تھی جو اس سے بھاگتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے افلم یدبروا القول کہ انہوں نے کیا قرآن اور نبی کے ارشاد میں غور نہ کیا تھا یعنی کرنا چاہیے تھا وہ نبی کے آنے کو اور ان کے نصائح کو ایک اوپری بات جانتے تھے۔ سو یہ بھی غلط کیونکہ ام جاء ھم کیا ان کے پاس رسول کوئی نئی بات لائے جو ان کے باپ دادا کے پاس پہلے انبیاء نہ لائے تھے؟ تیسری بات یہ کہ وہ رسول سے واقف نہ تھے بلکہ خوب واقف تھے کہ قبلِ نبوت آپ کو سچا دیانتدار خدا ترس جانتے تھے پھر بعد نبوت جھوٹ بولنے سے کیا غرض تھی؟ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ۔

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ ع وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کر کے ان کی تکلیف کو بھی دور کر دیں تو بھی وہ اپنی سرکشی میں گمراہی میں پڑے رہیں گے۔ اور البتہ ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا بھی کیا پھر بھی وہ اپنے رب کی طرف نہ جھکے اور نہ عاجزی کرنے والے تھے۔ یہاں تک (غفلت میں رہے) کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو فوراً اس میں ناامید ہو گئے اور وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیے (پھر بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو اور وہی تو ہے کہ جس نے تم کو زمین میں پھیلا دیا اور قیامت میں اس کی طرف جمع کر کے لائے جاؤ گے اور وہی تو ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور وہی رات اور دن کا بدلنے والا ہے۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے بلکہ انہوں نے بھی ایسی ہی بات کہہ دی جیسی کہ پہلوں نے کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر بھی زندہ کئے جاویں گے؟ اس کا تو ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے یہی وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

چوتھی بات یہ کہ باوجود اس خداترسی اور استبازی کے سینکڑوں تکلیفیں اٹھا کر دنیاوی فوائد پر لات مار کر قوم کو آنے والی مصیبتوں سے پرحذر کرنا، توحید و راستبازی پھیلانا، کسی دیوانہ آدمی کا کام نہیں۔ پھر کیا انہوں نے رسول کو دیوانہ سمجھا تھا اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ یہ کچھ نہیں تو یقین کر لینا چاہیے کہ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ رسول ان کے پاس دینِ حق لے کر آ چکا تھا لیکن اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ان میں سے اکثر کو حق سے کراہت و نفرت ہے۔ اپنی کج طبعی اور تیرہ باطنی سے چاہتے ہیں کہ ان کی خواہش کے موافق دنیا میں رسول احکام جاری کیا کریں۔ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ الخ اگر ایسا ہو تو آسمان اور زمین اور ان کے رہنے والے خراب ہو جاویں۔ ریل کا انجن اگر کسی نادان کے سپرد کیا جاوے تو

---

[1] المنکوب والنکب النکوب العدول والمیل ومنہ النکباء للویح ہیں رتحسین بعد ولہاعن لعھاب للجوب النجاج التمادی فی العناد ومنہ اللجہ بالفتح تردما الصوت ولجہ البحر تراکم امواجہ ولجہ اللیل ترو ظلامہ مبلسون من الابلاس وھوالیاس والتحیر الاساطیر جمع اسطورہ کالاحادیث جمع احدوثہ ومعناھا الاباطیل وقیل جمع اسطار وھی جمع سطر ای اکاذیب الاولین التی سطروہا فی الکتب ۱۲ منہ

گاڑیاں الٹ جاویں، صدہا آدمی مرجاویں۔ پس ہم ان کو ان کے سمجھنے اور درست ہونے کی چیز ان کو دیتے ہیں۔ پر وہ اس سے اعراض کر رہے ہیں پھر ان کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس وعظ و نصیحت سے رسول کچھ ان سے مزدوری مانگتا ہے؟ کچھ نہیں بلکہ وہ اجر آخرت کا طالب ہے اور اللہ بہتر اجر دینے والا ہے اور اے محمد! (ﷺ) تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلا رہے ہو وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ آخرت پر یقین نہ لانے والے سیدھے رستے سے پھرے جا رہے ہیں افسوس! وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ میں مفسرین کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بددعا سے قریش مکہ پر سات برس کا ایسا سخت قحط پڑا کہ جس میں وہ چلا اٹھے۔ کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی اور دہائی دینے لگے۔ جس کے جواب میں ان پر عتاب ہوتا ہے کہ اب دہائی دیتے ہو ہمارے رسول پر کیوں ایمان نہ لائے آخر کار ھون تک عتاب ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ آنے والے عذاب کی خبر ہے جو بوقتِ مرگ یا آخرت میں پیش آئے گا اور کفار اس وقت چلائیں گے دہائی دیں گے تب ان کے جواب میں یہ عتاب ہوگا۔ قوی تر یہی ہے کہ آنے والی مصیبت کی خبر دی جاتی ہے وہ قحطِ شدید اور واقعۂ بدر تھا جس میں قریش چیخ اٹھے تھے اور ان کے حال پر یہ جواب باعتاب ناطق تھا اور آئندہ مرنے کے بعد اور پھر قیامت میں بھی عذابِ شدید پیش آئے گا جہاں ان کی فریاد اور دھاڑنے پر یہی جوابِ عتاب دیا جائے گا۔ اس لیے فرماتا ہے اور جو ہم اس مصیبت سے جس میں ان کو مبتلا کیا کرتے ہیں نجات بھی دیں تو پھر اسی سرکشی میں اڑ جاویں گے۔ عذاب دفع ہونے کے بعد سرکشی کرنا تو ان کے نزدیک معمولی بات ہے۔ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ الخ ہم نے ان کو اول ایک عذاب میں گرفتار کیا تو اس وقت بھی ما استکانوا لربھم اپنے رب کی طرف نہ جھکے۔ استکان استفعل من الکون ای انتقل من کون الی کون۔ ویجوز ان یکون افتعل من السکون (کبیر) اور نہ جھکنے والے تھے۔ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ یہاں تک کہ اس مصیبت کا دروازہ کھولا تو بھی نہ جھکے بلکہ رب کی رحمت سے ناامید ہو گئے حالانکہ اللہ وہ منعم حقیقی ہے کہ جس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل عطا کئے پھر اس سے ناامیدی کرنا کیسی بری بات ہے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس نے سننے کو کان، دیکھنے کو آنکھ، سمجھنے کو دل عطا کئے پھر خود دلائلِ الٰہی میں کیوں غور نہیں کرتے تا کہ ان کو خود معلوم ہو جاوے کہ رسول جو کچھ فرماتا ہے سراسر ہمارے فائدہ کے لیے اور برحق بات کہتا ہے اس کے بعد اور بھی اپنی نعمتیں اور اپنی قدرت کی کامل نشانیاں ذکر فرماتا ہے کہ جن سے صاف معلوم ہو جاوے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ یہ نعمت ہے والیہ تحشرون میں وعدہ ہے کہ جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا ہے وہی تم کو قیامت میں سمیٹ بھی لے گا اور وَهُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ میں نعمت بھی ہے اور قدرتِ کاملہ کی دلیل بھی ہے اسی طرح اختلاف الیل و النہار بھی نعمت اور اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہ تم پھر بھی نہیں سمجھتے بلکہ وہی بیہودہ بات کہے چلے جاتے ہو جو پہلے حمقا کہہ چکے ہیں کہ مر کر اور ریزہ ریزہ ہو کر کیونکر بارِ دیگر زندہ ہوں گے۔ یہ صرف ایک جھوٹا وعدہ ہے جو ہم سے اور ہم سے پہلوں سے انبیاء کرتے آئے ہیں اور یہ صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ[1] قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ[2] كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ[3] وَلَا يُجَارُ

۱ یعنی یہ سب باتیں جانتے ہیں پھر عقل پر پتھر پڑے ہیں کہ اس کے سوا اوروں کو پوجتے، حاجت روا جانتے۔ اس کو پکارتے ہیں ۱۲ منہ

۲ ملکوت بمعنی الملک والتاء للمبالغۃ کما فی رحموت و رہبوت۔ ۱۲ منہ

۳ ھو یجیر الخ یقال اجرت فلانا اذا استغاث بک فحمیتہ واجرت علیہ اذ احمیت عنہ والمعنی یحمی ولا یحمی علیہ۔ ۱۲

عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٩٢﴾

(اے نبی!) ان سے یہ تو پوچھو کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ جلد کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دو کہ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے ان سے پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ وہ جلد کہیں گے کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ کہہ دو پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ پوچھو (تو سہی) کہ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور وہ کون ہے جو سب پر قابو رکھتا ہے اور اس پر کوئی قابو نہیں رکھتا اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ جلد کہہ دیں گے یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ ان سے کہہ دو پھر تم کیسے دیوانے ہو رہے ہو بلکہ ہم نے تو ان کے پاس حق بات پہنچا دی اور یہ بے شک جھوٹے ہیں خدا نے کوئی بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہی ہے (مگر) یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی بنائی ہوئی چیز کو الگ لیے پھرتا (اس پر قابض ہو جاتا) اور ایک دوسرے پر غالب آتا جو باتیں یہ بناتے ہیں اللہ ان سب سے پاک ہے۔ وہ غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے وہ ان کے شریک بنانے سے بری ہے۔

ترکیب : ۔للہ قرأة جمہور میں لام سے ہے اور یہ **لمن** کا جواب ہے اور اخیر دونوں سوالوں کے جواب میں اللہ واقع ہے اور للہ بھی۔ بغیر لام میں لفظ کی رعایت ہے اور لام میں معنی کی لان المعنی فی قولہ رب السموات من السموات، ملکوت میں ت مبالغہ کے لیے بمعنی ملک اذا جواب ہے شرط محذوف کا تقدیرہ لوکان معہ آلھتہ۔

تفسیر : ۔مسئلہ حشر اور رسالت کو تمام کر کے پھر مسئلۂ توحید شروع ہوتا ہے اور مشرکین کے مسلمات سے ہی ان پر الزام قائم کیا جاتا ہے فقال قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ اے نبی! ان سے پوچھو کہ زمین اور اس کے رہنے والے کس کے ہیں وہ یہی کہیں گے کہ اللہ کے۔ کس لیے کہ وہ اللہ کے قائل تھے تب کہو کہ تم پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں یہ سب ہیں اور وہ ان کا خالق ہے تو اور معبودوں کا کیا استحقاقِ عبادت ہے بلکہ وہ بھی مخلوق اور مملوک ہیں۔ پھر فرماتا ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ الخ کہ ان سے یہ بھی پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا کون مالک ہے؟ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تب ان سے کہہ دو کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کے سواء اور کون ہے کہ جس کو اس کے ساتھ حاجت روا سمجھ کر پوجتے ہو تم کو ڈرنا چاہیے۔ ان جملوں میں اثباتِ حشر بھی ہے کیونکہ وہ جو ان سب کا مالک ہے وہ مر کر زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ مسائلِ قرانیہ کا باہم ایسا ارتباط ہے کہ ایک مسئلہ کے دلائل سے دوسرا بھی ثابت ہو جاتا ہے یہ کافی اعجاز ہے پھر فرماتا ہے کہ آسمان و زمین سے یہی تعمیم کر کے یہ سوال کرو کہ ہر ایک چیز پر کس کا قبضہ ہے اور وہ کون ہے کہ جس کو چاہتا ہے پناہ دے سکتا ہے اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو یہ بات معلوم ہے تو بتلاؤ (یقال اجرت فلانا علی فلان اذا اغثتہ منہ ومنعتہ) اس کے جواب میں بھی وہ اللہ ہی کہیں گے۔ پھر کہو کہ تم پر کسی نے کیا سحر کر دیا کیا افسوں پڑھ کر تم کو احمق بنا دیا ہے کہ اس بات کو جان کر بھی اللہ کے سوا اس کی مخلوق کو پوجتے ہو۔ جو دیدہ دانستہ احمق بن جائے تو محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو منتر پڑھ کر دیوانہ بنا دیا نہ یہ مطلب کہ دراصل اس پر کسی نے سحر کر دیا ہے۔ عرب کے مشرک ہندوؤں کا سا عقیدہ رکھتے تھے جس طرح ہندو یہی کہہ دیتے ہیں کہ ایشر (خدا) جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کے برخلاف نہیں کر سکتا مگر با ایں ہمہ سینکڑوں معبود بھی بنا رکھے ہیں کہیں دیوی پجتی ہے' کوئی ہنومان کو مانتا ہے' کوئی مہادیو کا لنگ پوجتا ہے' کوئی بشن کی مورت پر جل چڑھاتا ہے اور پھر ہر ملک میں ہر ایک قوم کا جدا ہی معبود ہے آگ' پانی' حجر' شجر' آفتاب'

ستارے کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو نہ پوجتے ہوں۔ یہی حاجت روا جان کر ان کو پکارنا' ان کی نذر نیاز کرنا ان کی پرستش ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں بھی ایشر کی مایا ہے' یہ بھی بڑی قدرت رکھتے ہیں۔ یہی حال عرب کے مشرکوں کا تھا۔ افسوس ہندوستان کے جاہل مسلمانوں میں بھی ہنود کی صحبت کا اثر آ گیا۔ یہ بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ اس کے قریب قریب برتاؤ کرنے لگے یہ اس کو توسل کہتے ہیں اور غیر قوم میں جو اپنے بزرگوں سے ایسے ہی معاملات کریں تو اس کو شرک قرار دیتے ہیں فعل ایک ہی ہے پھر فرماتا ہے بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ الخ کہ ہم نے ان کو حق دین دے دیا ہر بات سچی کھول دی پر یہ جھوٹے منصوبے باندھتے ہیں۔ مشرکین عرب میں سے بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی کہتے ہیں عرب میں عیسائی بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ان کے رد میں فرماتا ہے مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ الخ کہ اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی خدائی میں شریک ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خالق اپنی مخلوق پر قبضہ کرتا اور ایک کا دوسرے سے خلاف ہو کر لامحالہ ایک دوسرے پر غالب ہوتا اور اس جھگڑے میں انتظامِ عالم بگڑ جاتا اللہ پاک ہے ان کی ان باتوں سے وہ چھپی اور کھلی ہر بات جانتا ہے اور کسی کو یہ بات حاصل نہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(اے نبی یہ) دعا کیا[1] کرو کہ اے رب جس عذاب کا ان (منکروں) سے وعدہ کیا جا رہا ہے شاید تو اس کو مجھے دکھا دے۔ سوائے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کر لینا اور البتہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں ہم قادر[2] ہیں (کہ وہ آپ کے روبرو آ جائے) (اے نبی!) آپ برائی کا نیکی سے جواب دیا کریں ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کہ وہ (آپ کے حق میں) بکا کرتے ہیں۔ اور کہا کرو کہ اے رب! میں شیطانی خطرات سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں تیری اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آویں بھی (اور مجھے بھڑ کائیں) (وہ تو اسی حال میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہوگی تو کہنے لگے گا کہ اے رب! مجھے دنیا میں پھر[3] بھیج دے کہ جو کچھ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں کوئی نیک کام کروں ہرگز نہیں یہ تو ایک

[1] یعنی اگر دنیا میں ان کفار پر عذابِ موعود آ جائے تو خدایا مجھے ان میں شامل نہ کر لینا کیونکہ قہر کی آگ میں سوکھے گیلے ساتھ جلنے لگتے ہیں ہر چند وہ ایسا نہیں کرتا مگر شانِ کبریائی سے ڈرنا مقتضائے عبودیت ہے اس لیے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اگر آپ سے برائی کریں سخت کلامی یا کچھ اور کریں تو آپ بمقتضائے مکارمِ اخلاق اس کے جواب میں اچھی بات کہئے اور احسان کیجئے ناصح کا یہ فعل زیادہ مؤثر ہوتا ہے شیطان وعظ و پند کے مواقع میں وسوسہ ڈال کر بھڑکا دیا کرتا ہے اس سے پناہ مانگنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

[3] شرب۔ دنیا کا انجام غفلت بیان فرماتا ہے کہ وہ مرنے تک اس میں پڑے رہتے ہیں جب موت آتی ہے اور دوسرے جہاں کا راز کھلتا ہے تو بارِ دگر دنیا ←

بات ہے کہ جس کو وہ صرف زبان سے کہہ رہے ہیں اور ان کے آگے تو قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے (جس لیے وہ دنیا میں نہیں آسکتے) پھر جب صور پھونکا جاوے گا تو اس روز باہم تعلق نہ ہوگا اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

ترکیب : ۔مایوعدون جملہ مفعول ہے تُرِیَنِّی کا اما اصل میں ان ماتھا ما تاکید ما ان شرطیہ کے لیے آتا ہے فَلَا تَجْعَلْنِیْ اس کا جواب لفظ رب اہتمام شان کے لیے مقدم ہوا علیٰ متعلق ہے لقادرون سے بالتی میں ب الصاق کے لیے اور السیئۃ مفعول ہے ادفع کا ارجعون اصل میں رب ارجعنی تھا اور جمع کا لفظ فائدہ تکریر کے لیے آیا گویا یوں کہا ارجعنی بعض کہتے ہیں رب کی تعظیم کے لیے صیغہ جمع کا لایا۔ اور بعض کہتے ہیں ملائکہ سے کہہ رہا ہے ارجعونی کہ تم مجھے دنیا میں پھر جانے دو، ہمزات جمع ہمزۃ وھوالدفع والتحریک الشدید و المراد وسواسہ۔

تفسیر : ۔کفار کی سرکشی پر جو عذاب آنے کے وعدے ہوتے تھے تو سن کر ہنسا کرتے تھے اور بیہودہ باتیں کہتے تھے اور سخت کلامی اور ایذا سے پیش آتے تھے اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو اپنے وعدہ کے وثوق پر یہ حکم ارشاد فرمایا ہے (۱) قل رب ان تریننی الخ کہ اے رب اگر تو دنیا میں مجھے ان کا وہ عذاب دکھادے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس عذاب میں مجھے شامل نہ کرنا۔ کیونکہ جب بدکاروں کی شرارت سے دنیا پر قہر الٰہی آتا ہے تو اس عام بلا میں نیک بھی کبھی آجاتے ہیں جیسا کہ قحط اور وباء یا دشمن کا غلبہ پھر فرماتا ہے وانا علی ان نریك کہ منکر ہماری اس بات کو غلط نہ سمجھیں اے نبی! اس عذاب کو ہم تمہیں دکھا بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ عذاب آپ کو دکھا دیا ایسا سخت قحط کئی سال کا پڑا کہ جس میں کتوں اور مردار کے کھانے کی نوبت آئی اور سب چلا اٹھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر گریہ وزاری دعا کے خواستگار ہوئے۔ حضرت ﷺ کی دعا سے وہ بلا دفع ہوئی۔

حجت میں مغلوب ہو کر وہ لوگ حضرت ﷺ سے سخت کلامی کرنے لگتے تھے اور ایذائیں میں بھی طرح طرح سے دیتے تھے اس لیے آنحضرت کو بالخصوص اور تبعاً حضرت ﷺ کے پیروؤں کو بھی جو ہدایت وارشاد کی گدی پر بیٹھے ہیں یہ حکم دیتا ہے (۲) اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ کہ تم ان کی اس بدکلامی کے عوض بدکلامی نہ کرو۔ ان کی ایذاء کے مقابلہ میں ایذا نہ دو بلکہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرو بدکلامی کے جواب میں نرم بات کہو ان کی تکلیفیں اٹھا کر دعا کرو۔ حدیث میں آیا ہے صل من قطعك اعط من منعك کہ جو تجھ سے توڑے تو اس سے بھی محبت کا رشتہ جوڑ اور جو تجھے نہ دے تو اس کو بھی دے۔ کفار کی سخت تکلیفیں اٹھا کر بھی آنحضرت ﷺ یہی دعا کرتے تھے کہ اللھم اھد قومی انھم لایعلمون کہ الٰہی میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ نادان ہیں۔ کہاں ہیں وہ معترض جو اسلام کی اس معاشرت پر خونخواری، سفاکی، بیرحمی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام نے وہ رحم لی، عفو، حلم، صلہ رحمی تعلیم کی ہے کہ ایسی کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ جمہور محققین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ وہ اور محل پر ہے یہ اور محل پر۔ پھر فرماتا ہے: (۳) وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ کہ شیطان وسواس دلایا کرتا ہے مبادا وسوسۂ شیطانی سے انسان ان بدکرداروں کے ساتھ تو تو میں میں کرنے پر آمادہ ہو جاوے۔ اس لیے چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے نہ کہ اس کے وسواس دل میں آویں۔ نہ شیاطین پاس آویں جس طرح کسی پر جن بھوت چڑھ کر اس کی بولی بولنے لگتا ہے اسی طرح شیطان جو بدی کا بھوت اور جن ہے آدمی پر کبھی مسلط ہو کر برے خیالات دل میں ڈال دیتا ہے لہٰذا پناہ مانگنا ضروری بات ہے۔

← میں آنے کی دعا کرتا ہے کہ اگر نیک کام کرے بھلا یہ کب ہوسکتا ہے یہ دعا اس کے منہ کی ان ہونی بات ہے پڑا کہا کرے مرنے کے بعد اس دنیا میں آنے کے لیے قدرتی ایک بڑا پردہ پڑا ہوا ہے پھر اس پردہ کو اٹھا کے کوئی ادھر نہیں آسکتا۔ قیامت تک یہی حال رہتا ہے پھر قیامت میں جب صور پھونکا جائے گا تو نفسی نفسی ہوگی نہ رشتہ داری کا پاس ہوگا نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ یہ عام حکم ہے حضرات انبیاء وصلحاء اس سے مستثنیٰ ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ تم شیاطین کے پاس آنے سے پناہ مانگا کرو کیونکہ شیاطین کفار کے پاس موت تک موجود رہتے ہیں پھر جب موت آتی ہے اور اس عالم کا پردہ ان سے اٹھ جاتا ہے۔

اور ملائکہ عذاب اور برے اعمال کی سزائیں سامنے دکھائی دیتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں رَبِّ ارْجِعُوْنَ اے رب مجھے پھر دنیا میں بھیج کہ جا کے اچھے کام کروں اس وقت اس خوابِ غفلت سے بیدار اور ے لذات وشہوات سے ہوشیار ہوگا اور حسرتوں کا اردگرد ہجوم ہوگا بار بار یہ التجا کرے گا۔ وہاں سے جواب ہوگا کلا ہرگز نہیں۔ یہ ایک بے فائدہ بات ہے جس کو وہ عبث منہ سے نکال رہا ہے ان کے درمیان موت کا حجاب یا پردہ پڑا ہے قیامت تک دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

پھر جن کا پلہ بھاری[1] ہوا تو وہی فلاح پائیں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو یہی وہ لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے خود اپنے آپ کو برباد کیا تھا وہ سدا جہنم میں رہیں گے ان کے مونہوں کو آگ کی لپٹیں جھلستی ہوں گی اور وہاں ان کے منہ بگڑے ہوں گے (کہا جائے گا) کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی جایا کرتی تھیں پھر تم تو ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری شامت سوار تھی اور ہم گمراہی میں پڑے رہے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس میں سے نکال دے اگر پھر کریں تو ہم قصوروار ہیں۔ فرمائے گا دور ہو اس میں پڑے رہو اور ہم سے بات بھی نہ کرو کیونکہ ہمارے بندوں میں سے ایک فریق ایسا بھی تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ پس تم نے ان سے مسخرہ پن کیا یہاں تک کہ ان کے مشغلہ نے تم کو میری یاد بھی بھلا دی۔ اور تم ان سے ہنسی ہی کرتے رہے آج ہم نے ان کے صبر کا بدلہ انہیں دیا کہ وہ ہی مراد کو پہنچ گئے۔

تفسیر......تناسخ کا ابطال : یہاں سے تناسخ کا صریح ابطال ہو گیا اور یہی مسلک تمام انبیاء کا ہے۔ پھر قیامت کی کیفیت ظاہر فرماتا

[1] نیک اعمال کا پلہ مراد یہ ہے کہ جس کے نیک اعمال بدعملوں سے زیادہ ہوئے تو ان کو نجات ہے ورنہ جہنم۔ ۱۲ منہ

ہے فاذا نفخ فی الصور کہ جس روز صور پھنکے گا تو اس روز نہ انسان کا نسب کام آوے گا جیسا کہ دنیا میں رشتہ کا لحاظ ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے فلاں کی اولاد ہے فلاں قوم اور قبیلے کا ہے اونچی ذات کا ہے شریف خاندانی ہے یا کم قوم پاجی ہے اور نہ کوئی ان باتوں سے پوچھا جائے گا وہاں تو انسان کے اعمال اور ایمان سے کام پڑے گا فمن ثقلت موازینہ الخ پھر جس کی نیکیوں کا پلہ بدی کے پلہ سے بھاری ہوگا وہ مراد پاوے گا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا جہنم میں جاوے گا پھر آگے جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

میزان کی بحث : موازین میں چند اقوال ہیں: (۱) یہ کہ عدل و انصاف سے استعارہ ہے۔ (۲) اس سے مراد اعمال حسنہ ہیں پھر جس کے اعمال کی قدر و منزلت ہوئی یعنی پسندِ الٰہی ہوئے وہ کامیاب ہے ورنہ خرابی میں پڑے گا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں موازین جمع موزون اور یہ اعمالِ صالحہ کے موزونات ہیں جیسا کہ آیا ہے فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا ای قدرا (۳) یہ کہ درحقیقت اعمال کے تولنے کے لیے ترازو قائم ہوگی کہ جس کے دو پلے ہوں گے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے مگر اس سے بھی مراد دنیا کی ترازو نہیں جس پر اعراض کا تولنا محال خیال کیا جاوے (بلکہ اعمال تولنے کے مناسب جس کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے)۔ ان کے مونہوں کو آتشِ جہنم جھلس دے گی جلا دے گی۔ اور وہاں ان کے منہ بگڑے ہوں گے کلوح کے معنی دونوں ہونٹوں کا پھول کر دانتوں سے جدا ہو جانا ایک نیچے لٹک پڑے دوسرا اوپر چڑھ جاوے پھر ان کے رونے چلانے پر فرشتے کہیں گے الم تکن آیاتی تتلیٰ علیکم کہ دنیا میں کیا تم کو اللہ کی آیتیں نہ سنائی جایا کرتی تھیں کہ جن کو تم جھٹلایا کرتے تھے وہ کہیں گے ہماری بدبختی تھی اور ہم گمراہ تھے۔ اب ہم کو اس آگ سے نکال دو اور دنیا میں بھیج دو پھر اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ہیں۔ وہاں سے جواب ملے گا یہیں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور بات نہ کرو خساء کتے کو دھت دھت کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ کتے کی طرح بھونکتے رہو۔ یہ ذلت کا کلمہ ہے کیونکہ دنیا میں میرے بندوں میں سے ایک فریق یعنی ایمان والے دعا کیا کرتے تھے ربنا اغفر لنا و ارحمنا و انت خیر الراحمین تم ان سے ہنسی تمسخر کیا کرتے تھے آج اس کا بدلہ تم کو دیا گیا تم یہاں روؤ دانت پیسو وہ ایمان والے کامیاب ہیں جنت میں ہیں تم پر ہنستے ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

(جہنم میں ان سے فرشتہ) پوچھے گا کہ تم زمین پر گنتی کے کتنے برس رہے۔ وہ کہیں گے ایک دن اس سے بھی کم۔ پس آپ گنتی کرنے والوں (فرشتوں) سے پوچھ دیکھئے۔ فرشتہ کہے گا دنیا میں دراصل بہت ہی کم رہے ہو۔ کاش یہ بات تم نے دنیا میں جانی ہوتی! پھر کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے تم کو نکما پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم کو ہمارے پاس پھر کر نہیں آنا ہے۔ پس اللہ جو بادشاہِ برحق ہے وہ بیکار پیدا کرنے سے بری ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عزت کے تخت کا مالک ہے اور جس نے

اللہ کے سوا اور معبود کو پکارا کہ جس کے لیے اس پر کوئی بھی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ اور (اے نبی!) دعا کرو کہ اے ہمارے رب معاف کر اور رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

ترکیب : قال یقرعلی لفظ الماضی عند اہل الکوفۃ و بلفظ الامر عند اہل الحرمین والبصرۃ والشام کم ظرف ہے لبثتم کا ای کم سنۃ لبثتم فی الدنیا و فی قبورکم۔ عدد بدل ہے کم سے اور سنین اس سے عدد سنین تمیز بھی ہو سکتا ہے۔ عَادِّیْنَ بالتشدید من العدد ای شمار کرنے والے۔ و بالتخفیف علی معنی العادین ای المتقدمین کقولک ھذہ بئر عادیۃ ای سل من تقدمنا لو کا جواب محذوف ای ما اجبتم بھذہ المدۃ عبثا مصدر فی موضع الحال او مفعول لہ و انکم معطوف ہے انما پر انہ بالکسر علی الاستیناف۔

تفسیر : منکرینِ قیامت سے بطور توبیخ کے وہاں یہ بھی سوال ہوگا کم لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ الخ کہ جو تم کہتے تھے مر کر جینا نہیں اور زندگی ہے تو دنیا ہی کی زندگی ہے اور وہاں کی زندگی اور اس کے لذاتِ مال و جاہ پر تم مٹے ہوئے تھے اور اب یہاں اپنے گمان کے برخلاف مر کر زندہ ہونا اور ابدی عذاب میں مبتلا ہونا بھی دیکھ لیا۔ اب بتلاؤ کہ تم دنیا میں کس قدر ٹھہرے تھے۔ وہاں کے عذابِ ابدی کے مقابلہ میں اور نیز اس وجہ سے بھی کہ گزری ہوئی عمر بوقتِ مصیبت بہت ہی کم معلوم ہوا کرتی ہے یوں کہیں گے یوماً او بعض یوم ایک روز یا اس سے بھی کم دنیا میں رہے تھے۔ فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ چاہے کہ آپ گنتی کرنے والوں فرشتوں سے دریافت کر لیجئے۔ فرشتہ کہے گا ایک دن یا نصف کہنا تو غلط ہے مگر یہ صحیح ہے کہ تم دنیا میں بہت کم رہے۔ لَوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ بشرطیکہ تم بھی اس کو جانو کہ دارِ آخرت اور حیاتِ جاودانی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی خواہ سو برس کی کیوں نہ ہو بہت ہی کم ہے۔ فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ قدیمی لوگوں سے پوچھ دیکھو۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ جو پہلے زمانوں میں بڑی عمروں کے لوگ گزرے ہیں وہ بھی حیاتِ دنیا کو اس قدر قلیل سمجھتے ہیں۔ یہ حیاتِ دنیا کی حقیقت ہے کہ جس کے لیے انسان ایسی تدبیریں کرتا پھرتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کم لبثتم میں سوال مرنے کے بعد قبر میں رہنے کی مدت سے ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں اس کو بھی بہت ہی قلیل تصور کریں گے۔ یہ بھی ممکن ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا الخ یہاں سے ایک تحدید آمیز کلام شروع فرماتا ہے اور اس میں قیامت قائم ہونے پر دلائل بھی ذکر کرتا ہے کہ اگر قیامت قائم نہ ہو تو نیک و بد کو کامل سزاء و جزا نہ ملے۔ پھر نہ نیکی مطلوب ہو اور نہ بدی سے نفرت ہو جس سے لازم آوے کہ انسان عبث پیدا کیا گیا ہے اس پر کوئی مطالبہ الٰہی نہیں اس لیے فرماتا ہے کہ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم پھر ہمارے پاس نہ آؤ گے فَتَعٰلَی اللّٰہُ الخ اللہ اس بات سے پاک ہے کہ وہ عبث پیدا کرے مگر اس سے یہ بھی نہ سمجھ لو کہ وہ ہمارا حاجت مند ہے کیونکہ اَلْمَلِکُ الْحَقُّ وہ بادشاہِ بے نیاز ہے اس کی بادشاہی ثابت اور قائم ہے کبھی زائل نہ ہوگی۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ہے وہ اکیلا ہے اور وہ بادشاہ عرش یعنی تختِ کریم ذی عزت کا مالک ہے۔ عرش سے مراد بعض کے نزدیک ساتوں آسمان ہیں بعض کے نزدیک حقیقۃً عرش لَا اِلٰهَ کے بعد یہ فرماتا ہے کہ من یدع جس نے اور معبود کو پکارا بغیر دلیل (اور دلیل تو ہے نہیں) تو اس کا حساب خاص ہم لیں گے۔ ابدی عذاب کی سزا دیں گے کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ سورہ کا ابتداء قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے اور خاتمہ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ سے کرنا عجب لطفِ کلام میں پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو دعاء و ثناء کی تعلیم کر کے کلام کو کس خوبی سے تمام کرتا ہے قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَآ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ① اَلزَّانِیَةُ

وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ

دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

یہ سورۃ ہے کہ جس کو ہم نے ہی نازل کیا اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کئے ہیں اور ہم نے ہی اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کیں ہیں تا کہ تم سمجھو۔ عورت زنا کرے اور مرد زنا کرے تو ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور تم کو اللہ کے حکم میں ان پر کچھ بھی ترس نہ کرنا چاہیے اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کے عذاب کو مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھے (اکثر) زنا کرنے والا تو بجز بدکار عورت یا مشرک عورت کے نکاح نہیں کرتا ہے اور بدکار عورت سے (اکثر) زانی یا مشرک ہی نکاح کیا کرتے ہیں اور مومنوں پر تو یہ (زنا) حرام کر دیا گیا ہے۔

ترکیب : سورۃ مبتداء محذوف کی خبر ای ھذہ انزلناھا سورۃ کی صفت فا جلدوا الزانیۃ و الزانی کی خبر مائۃ منصوب ہے مفعول مطلق کی صفت ہو کر و کذا ثمانین۔

تفسیر : ابن مردویہ نے روایت ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے۔ سورہ مومنون کے خاتمہ میں اس دعا کرنے کا حکم دیا تھا کہ اے رب! ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر کیونکہ تو بڑا رحم والا ہے۔ رحمت الٰہی اس کی مخلوق بالخصوص انسان پر ہمہ وقت سایہ افگن ہے مگر اس رحمت سے محروم کرنے والی یا یوں کہو اس نور کا حجاب دو ہی چیزیں ہیں: اول خالق سے سرکشی اس سے غفلت' دوسرے معبودوں کی طرف التفات۔ اس کا تدارک تو سورۂ مومنون میں بخوبی کر دیا فلاح کے کام ارشاد فرمائے۔ دوم حقوق العباد میں ظلم اور کسی کو ناحق ایذا دینا منجملہ ان کے زنا ہے اور اسی طرح کسی پارسا پر زنا کی تہمت لگانا بھی بمنزلہ زنا ہے۔ آبروریزی اور فتنہ فسادات اور تمدن اور معاشرت کے اصول کے خلاف اور بڑا ہی ظلم اور مردم آزادی ہے اس لیے اس سورہ میں اس کا تدارک کرنا بھی ضروری تھا ورنہ نصاب تعلیم میں قصور متصور ہوتا اس لیے اس سورہ میں زنا اور تہمت اور زنا کے اسباب' عورتوں کی بے حجابی' عورتوں کو اپنے محاسن کا دکھانا اور کسی کے گھر میں بے اجازت چلا جانا یا اپنے ہی گھر میں بے دھڑک ننگے کھولوں میں چلا آنا' سب کو کس عمدہ پیرایہ سے حرام و ممنوع فرمایا ہے اور انسانی تہذیب اور معاشرت کا دستور العمل بنا دیا گیا ہے۔ اس لیے سب سے اول اس سورہ کے فضائل اور اس کے احکام کا وجوب اجمالاً ارشاد فرمایا ہے فقال سورۃ انزلناھا کہ یہ سورہ ہم نے نازل کی ہے پیغمبر علیہ السلام نے اپنی طرف سے نہیں گھڑی ہے ہم نے فرضنھا اس کے احکام فرض واجب کئے ہیں نہ کسی غیر نے وانزلنا فیھا آیات بینات اور ہم نے ہی اس سورہ میں آیات بینات نازل کئے ہیں یعنی احکام[1] مفیدہ جن کے مفید ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں اس لیے وہ آیات اللہ یعنی اس کی نشانیاں ہیں بشر اور وہ بھی ان پڑھ اور اس ملک کا جس میں تہذیب شایستگی مفقود' پھر نہ اس کی معین کوئی قانونی جماعت ایسے احکام بیان کرے' نبوت کی دلیل ہے اور دلیل بھی کیسی روشن اور آیات بنیات کیوں نازل کئے لعلکم تذکرون تا کہ تم سمجھو عقل پکڑو اس تمہید کے بعد احکام شروع ہوتے ہیں:

زنا کا مسئلہ : (۱) الزانیۃ الخ کہ مرد یا عورت جو کوئی زنا کرے اس کو سو درے مارو لوگوں کے سامنے تا کہ لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو اور اس حکم کی تعمیل میں کسی پر رحم نہ کھاؤ۔ شریف و وضیع اپنے و بیگانے کا کچھ لحاظ نہ کرو اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ سخت تاکید و

[1] یعنی اس کے احکام فرض اور واجب التعمیل ہیں ۱۲۔ منہ۔

تہدید ہے یعنی اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے ایمان میں کلام ہے پھر اس کام کے کرنے والوں کی توہین کی جاتی ہے کہ الزانی لاینکح کہ یہ بدنصیب اور ناپاک گروہ پاک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کے قابل ہی نہیں' اکثر اپنی ہی جنس کو ڈھونڈ لیا کرتے ہیں۔ انہیں سے ان کو رغبت ہوا کرتی ہے لیکن ایمانداروں پر یہ حرام ہے۔

زنا کے معنی : زنا کی تعریف بعض علماء نے یہ کی ہے کہ پیشاب گاہ کو اس مقامِ مخصوص میں داخل کرنا (فرج میں) جو طبعاً مرغوب اور قطعاً حرام ہو۔ غالباً یہ تعریف عرف عام کے دستوروں کو اور شرعی قیود کو ملحوظ رکھ کر کی ہے پیشاب گاہ داخل کرنے کی قید سے یہ بات پیدا ہوئی کہ اگر کوئی کسی کی فرج میں انگلی یا لکڑی داخل کرے گا اس پر زنا کا اطلاق ہوگا نہ اس کے احکام جاری ہوں گے یہ اور بات ہے کہ یہ فعل بھی حرام و ممنوع ہے اور اس کے لیے تعزیز ہے۔ اسی طرح ایسے مقامِ مخصوص میں داخل کرنے کی قید سے جو طبعاً مرغوب ہو بعض کے نزدیک دبر یعنی پائخانہ کی جگہ میں داخل کرنے سے خواہ مرد کے خواہ عورت کے زنا کا اطلاق نہ ہوگا نہ اس پر احکامِ زنا جاری ہوں گے البتہ یہ فعل بھی حرام ہے اور اس کی تعزیز ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ یہ مقام طبعاً مرغوب نہیں۔ طبائعِ سلیمہ کا ذکر ہے نہ خبیثہ کا مگر امام شافعی رحمہ اللہ اس کو بھی زنا کہتے ہیں کیونکہ لذت اور قضائے شہوت دونوں جگہ برابر ہے اور اسی طرح چار پایوں سے کرنے کو بھی زنا نہ کہیں گے گو اس حرام فعل پر اس کو سزا دی جائے گی اور اسی طرح حرام قطعی کے قید سے یہ بات پیدا ہوئی کہ جو فرج اس کے لیے حلال ہے جیسا کہ اس کی بیوی اور شرعی لونڈی اس کے ساتھ کرنے سے زنا کا اطلاق نہ ہوگا گو حالاتِ حیض و نفاس ہی کیوں نہ ہو یہ اور بات ہے کہ حالاتِ حیض و نفاس میں بیوی کے ساتھ بھی یہ فعل کرنا شرعاً حرام ہے اور اسی طرح جہاں حرامِ قطعی نہیں بلکہ شبہ اور اختلاف کی صورت ہو جیسے کہ وطی بالشبہ یا نکاحِ فاسد وغیرہ۔ اس طرح عورت کا عورت سے رگڑنا یا ہاتھ سے مرد کا منی نکالنا بھی زنا نہیں گو شرعاً ممنوع اور بدکام ہے۔ یہ بہت سے مسائل ہیں کہ جن کی تفصیل اور ادلہ بڑی کتابوں میں ہیں زنا کی برائی تمام عقلا کے نزدیک ادلۂ عقلیہ سے ثابت ہے اور اہلِ ادیان بھی اس کو برا جانتے ہیں۔

زنا کی قباحت : ہماری شریعت میں بھی کثرت سے اس کی برائیاں آئی ہیں ایک جگہ قرآن شریف میں آیا ہے لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰی کہ زنا کے پاس بھی نہ جاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بری نگاہ سے دیکھنا بھی زنا ہے یعنی ویسا ہی گناہ ہے اسی طرح ہاتھ سے چھونا اور شہوت انگیز باتیں کرنا بلکہ دل میں اس کا قصدِ مصمم کرنا بھی گناہ ہے۔

اس فعل کے نتائج : اس فعلِ بد کی شامت سے دنیا میں بھی انسان پر سینکڑوں بلائیں نازل ہوتی ہیں' دشمن کا غلبہ' رزق کی تنگی' عزت و ہیبت کی بربادی عمر میں بے برکتی' ملک و دولت کی بربادی' وباء اور سینکڑوں بیماریوں کا آنا اور روح پر بھی ایک ایسی تاریکی پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اندھیری اور عذابِ آتش بن کر سامنے آئے گی۔ خداتعالیٰ کی نظر میں بھی یہ شخص مقہور ہو جاتا ہے روحانی لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں دعا میں اثر نہیں رہتا وغیرہ ذلک توبہ توبہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زنا کی سزا جان سے مار ڈالنا تھا جیسا کہ توریت کتاب احبار کے بیسویں باب کا دسواں جملہ ہے قولہ وہ جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے وہ دونوں قتل کئے جاویں اور ۱۹ اباب کے ۲۰ درس میں غیر کی لونڈی اور غیر کی منگیتر کے ساتھ زنا کرنے کی سزا میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے اور جب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک زناکار عورت کو مارنے کے لیے لائے تو آپ نے حد نہ ماری نہ حد مارنے کا حکم دیا جیسا کہ انجیل میں موجود ہے۔ اس لیے عیسوی شریعت میں زنا پر کوئی حد قائم نہیں اور شاید اسی خیال سے انگریزی قانون میں زنا صرف شوہر دار عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کا نام ٹھہرایا گیا جس پر کچھ خفیف سی سزا رکھی ہے اور نئی تعلیم کے لوگ خواہشِ نفسانی کے لحاظ سے اس کو پسند کرتے ہیں۔ مگر قرآن مجید نے اس افراط و تفریط کو دور کر

کے یہ مناسب حکم دیا۔ الزانیة و الزانی الخ کہ زنا کار کو سو کوڑے[1] مارو اور اس حکم میں فروگذاشت نہ کرو اور یہ سزا جماعت کے سامنے دو۔ اول اسلام میں زنا کی سزا بیاہی کے لیے گھر میں قید کر کے رکھنا تھا موت تک اور کواری کے لیے زبان سے لعنت ملامت کرنا جیسا آیۃ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا۔ اور اسی طرح لونڈی غلام جو اس امر قبیح کے مرتکب ہوتے تھے تو ان کو جوتے تھپڑ مار کر چھوڑ دیتے تھے پھر یہ حکم بدل گیا بیاہی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا اور کنواری کی سزا سو کوڑے یا درے مقرر ہوئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ساتھ برس تک جلاوطنی کا بھی حکم حدیث سے استدلال کر کے دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کو منسوخ العمل قرار دیکر یہ بات امام کی رائے کے سپرد کرتے ہیں کہ چاہے تعزیراً ایسا کرے اگرچہ الزانیة و الزانی کا لفظ عام ہے لہذا خوارج اسی عموم کو ملحوظ رکھ کر محصن کے لیے بھی سو درے کی سزا قرار دیتے ہیں رجم نہیں کہتے مگر اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ لونڈی کی سزائے زنا پچاس درے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ اور غلام کا بھی یہی حکم اس پر قیاس کر کے قائم ہے پس اس عموم کی تخصیص ہوگئی اور عموم مخصوص البعض کی تخصیص خبر احاد سے درست ہے چہ جائیکہ مخصص خبر متواتر ہو۔ پس جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ جو مرد یا عورت محصن ہو (یعنی عاقل بالغ مسلم نے نکاح صحیح کر کے ایک بار مباشرت کا حصہ حاصل کر لیا ہو جس کو عرف عام میں بیاہا ہوا کہتے ہیں) اس کو سنگسار کرنا چاہیے۔ یہ سزا بسند[2] صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس پر اجماع صحابہ منعقد ہو چکا ہے اس لیے اس حکم کے مؤکد کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا (۱) وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ الخ کہ تم کو یہاں ترس نہ کھانا چاہیے اگر تم کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہو۔ (۲) یہ سزا مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے ہونی چاہیے تا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور یہ خراب بات جہاں سے کم ہو اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ مکرر جملہ نہیں کس لیے زانیہ کو بسا اوقات نیک مرد سے نکاح کی رغبت ہوتی ہے یہ تیسری زنا کی ہے۔ اگر ان الفاظ کو خبر تسلیم کیا جاوے کما ھو الظاہر تو یہ ایک عام اور غالب دستور کا ذکر ہے کہ بدکار کو بدکار یا مشرکہ عورت سے رغبت ہوا کرتی ہے اور اسی طرح ایسی عورتوں کو ایسے مردوں سے رغبت ہوتی ہے اور وہی باہم نکاح یا وطی کرتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے یہ رغبت بحیثیت مذکورہ حرام ہے یہ معنی سعید بن جبیر و ابن عباس و عکرمہ کے نزدیک ہیں یا بالخصوص ان کے حق میں ہے کہ جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ نسائی واحمد نے روایت کی ہے کہ ایک عورت جس کا نام ام مہزول تھا بدکار تھی۔ ایک صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اس لیے بعض ائمہ کے نزدیک زنا کار عورت سے نکاح درست نہیں نہ پارسا عورت کا بدکار مرد سے نکاح درست ہوسکتا ہے مگر صحیح توجیہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ زنا کاروں کو ایسی ہی بدکار عورتوں سے نکاح کی رغبت ہوتی ہے ورنہ بقصد تعفف زنا کار عورت سے نکاح کر لینا شرعاً جائز ہے اور ایسا عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوا ہے کہ جس نے کسی عورت سے زنا کیا بعد میں اس کے ساتھ نکاح ہوا اس نکاح کو جائز سمجھا گیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ فاحشہ عورتوں سے نکاح کرنا اچھا نہیں واللہ اعلم۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ

---

[1] عورت کو مقدم اس لیے کہا کہ پیشتر اس فعل بد کی ابتداء اس کی لگاوٹ سے پیدا ہوتی ہے یا اس لیے کہ زنا کا عار اس کے لیے زیادہ ہے۔ ۱۲

[2] چنانچہ بخاری و مسلم نے سنگسار کیا جانا بسند صحیح روایت کیا ہے اور یہ ماجرا حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ ۱۲ منہ

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

وہ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت (زنا) لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی کبھی گواہی قبول نہ کرو اور خود یہی لوگ خود بدکار ہیں مگر وہ جو اس کے بعد توبہ کرے اور درست ہو جاوے تو بے شک اللہ بھی غفور رحیم ہے اور جو اپنی بیبیوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے لیے بجز اپنے اور کوئی گواہ نہیں تو ان کی یہی شہادت ہے کہ ہر ایک چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک وہ (میں) سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر (یعنی مجھ پر) اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور اس کے بعد عورت کی سزا کو بھی یہ بات دور کر دے گی کہ وہ بھی چار بار اللہ کو گواہ کر کے یہ کہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے بے شک اس پر (یعنی مجھ پر) اللہ ہی کا غضب پڑے اور اگر وہ سچا ہو اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے (تو کیا کچھ نہ ہو جاتا)۔

ترکیب: ۔وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ مبتداء فاجلدوھم بالتاویل اس کی خبر واولئك الخ جملہ مستانفہ، الا الذین ایک جماعت کے نزدیک پہلے جملوں سے استثناء ہے اور ایک جماعت کے نزدیک صرف الفاسقون سے اور موضع اس کا نصب ہے علی الاصل، الا انفسھم تعنت شھداء کی ہے یا اس سے بدل۔ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ مصدر مضاف فاعل کی طرف متبداء والخبر فالواجب شہادۃ احدھم **اربع** منصوب ہے۔ مصدر ہونے کی وجہ سے۔ ای ان یشہد احدہم اربع الخ باللہ۔

تفسیر...... **تہمت زنا کا حکم**: بصریوں کے نزدیک شہادت سے اور کوفیوں کے نزدیک شہادۃ سے متعلق ہے یہ دوسرا حکم تہمتِ زنا کی بابت ہے جبکہ زنا کی قباحت اور اس کی سزا مقرر ہوئی تو کسی کو اس کے ساتھ متہم کرنے کی بھی ممانعت اور اس کی سزا مقرر ہونی چاہیے تھی وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ رمی پھینکنا یہ استعارہ ہے تہمتِ زنا سے کیونکر تہمت لگانے والا گویا پتھر پھینک رہا ہے اور اس کو قذف کہتے ہیں۔ اس آیت کا صاف حکم یہ ہے کہ جو کوئی کسی پارسا عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر اپنے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو اسی درے مارو اور کبھی اس کی گواہی نہ قبول کرو وہ فاسق ہے مگر جب توبہ کرے اور نیک ہو جاوے تو خیر کیونکر اللہ غفور رحیم ہے۔ یہاں چند باتیں قابل غور ہیں: (۱) محصنات سے کیا مراد ہے؟ احصان پاک دامنی کو کہتے ہیں خواہ عورت بیاہی ہو خواہ کنواری اگر پاکدامن ہے تو محصنہ ہے۔ اسی طرح آیت کا عموم چاہتا ہے خواہ کافرہ ہو خواہ مومنہ' خواہ آزاد ہو خواہ لونڈی' غریب ہو یا امیر' شریف القوم ہو یا نہ ہو مگر فقہاء نے احادیث یا دیگر مقامات میں غور و فکر کرکے احصان میں چند شرطیں لگائی ہیں اسلام' عقل' بلوغ' حریت' عفت۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کافرہ عورت کو تہمت لگانے سے یہ سزا نہ ہوگی بلکہ تعزیر مگر امام زہری وسعید بن المسیب وابن ابی لیلی کافرہ کو بھی شامل کرتے ہیں اس پر تہمت

لگانے والوں کو بھی یہی سزا دینا فرماتے ہیں۔اور اسی طرح دیوانی یا نابالغ یا لونڈی یا زنا کار عورت کو (خواہ بالفعل وہ زنا سے تائب ہوگئی ہو) تہمت لگانے پر صرف تعزیر کا حکم دیتے ہیں نہ یہ حد۔گرچہ آیت میں پارسا عورتوں پر تہمت لگانے میں سزا مذکور ہے مگر تمام امتِ محمدیہ اس بات پر متفق ہے کہ یہی سزا پارسا مرد پر تہمت لگانے میں بھی ہے۔ (۲) والذین یرمون سے کون مراد ہیں؟ آیت کا عموم چاہتا ہے کہ کوئی کیوں نہ ہو خواہ عورت ہو خواہ مرد ہو' مسلمان ہو خواہ آزاد ہو جو تہمت لگائے اس کو بھی سزا دی جائے گی مگر یہاں بھی علماء نے لڑکے یا دیوانے کو بحکم حدیث رفع القلم عن ثلاث الخ مستثنیٰ کیا ہے کہ ان پر حد نہ قائم ہوگی ہاں اگر حاکم مناسب جانے تو کچھ گوشمالی کردے۔ (۳) جن پر کہ جرمِ تہمت قائم ہو پھر کیا سب کو یہی سزا ہونی چاہیے؟ آیت کا عموم بھی چاہتا ہے مگر امام شافعی وابوحنیفہ و مالک وابویوسف ومحمد و زفر وغیرہم ﷭ غلام یا لونڈی پر نصف سزا یعنی چالیس درے مارنے کا حکم دیتے ہیں۔اس آیت سے فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ کیونکہ اس آیت میں لونڈیوں کی سزا ِ زنا نصف قرار دی ہے جس میں غلام بھی شامل ہیں پھر جب زنا کی نصف سزا ہے تو تہمت کی بھی نصف ہونی چاہیے۔امام جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عثمان ؓ اور ان کے بعد سب کو میں نے غلام لونڈیوں کو اس جرم میں یہی سزا دیتے دیکھا ہے۔ امام اوزاعی پوری سزا کا حکم لگاتے ہیں اور عبداللہ بن مسعود ؓ سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے پوری سزا دی تھی مسئلہ اختلافیہ ہے۔ (۴) اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا الخ کس سے استثناء ہے؟ شعبی کہتے ہیں کہ یہ استثناء سب پہلے جملوں کی طرف رجوع کرتا ہے فَاجْلِدُوْهُمْ اور لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً و اولئک الخ یعنی توبہ کرنے کے بعد نہ اس کو اسی درے مارو نہ اس کی گواہی رد کرو نہ وہ فاسق ہے۔ابن عباس و عمر ؓ وسعید بن جبیر ومجاہد وعطاء وامام مالک وشافعی ﷭ کہتے ہیں صرف پچھلے دونوں جملوں سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے کے بعد اس کی گواہی قبول ہے اور فاسق نہیں توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول ہوگی خواہ اس پر حد قائم ہوئی ہو یا نہیں نخعی و شریح وامام ابوحنیفہ ﷬ فرماتے ہیں صرف اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں رہتا ہاں اس پر حد بھی قائم ہوگی اور ابداً اس کی گواہی بھی مقبول نہ ہوگی جس طرح کہ چوری یا دیگر جرائم میں توبہ کرنے سے عنداللہ اس کا فسق تو دفع ہوجاتا ہے لیکن سزا دینا نہیں اٹھتی اور گواہی قبول نہ کرنا بھی سزا دینا ہے اور یہی بات قرینِ قیاس بھی ہے۔باقی ہر ایک کے دلائل ان کی کتابوں میں مذکور ہیں جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔واللہ اعلم۔

فائدہ: زنا کے ثبوت میں چار گواہوں کا ہونا محض بنظرِ پردہ پوشی شرط کیا گیا ہے ورنہ دو گواہوں سے قتل ثابت ہوجاتا ہے اور ایسا ہی ہونا عین حکمت ہے کیونکہ ہر فعل کے ثبوت میں دو شخصوں کی گواہی پیش ہوتی ہے اور یہ فعل دو کا ہے اس لیے دو گواہ عورت کے لیے دو مرد کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوئی

لعان کا بیان: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ تیسرا حکم اپنی بیوی کی بابت تہمت لگانے کا ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور اس کو چار گواہ نہ ملیں (گرچہ قیاس بھی چاہتا تھا کہ ایسی صورت میں اس پر بھی اسی درے مارنے چاہییں مگر عادتاً غیر عورت پر تو تہمت لگانا عداوت یا رسوائی کے لیے ایک معمولی بات ہے لیکن اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں اس کی بھی بے عزتی ہے اس لیے بغیر سبب قوی اور اپنے معائنہ کی کوئی سلیم الفطرۃ اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا ہے اور ایسے موقعوں پر چار گواہوں کا بہم پہنچانا بڑی مشکل بات ہے۔اس لیے اس بارہ میں دونوں کی رعایت رکھ کر یہ حکم جداگانہ دیا گیا) تو خاوند چار بار اللہ کی قسم کھا کر حاکم کے روبرو یہ کہے کہ میں سچا ہوں یہ چار قسمیں بمنزلہ چار گواہوں کے ہیں اور پانچویں بار یہ کہے اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔پس اس قسم کے بعد مرد پر بالزامِ تہمت اسی درے نہ مارے جائیں گے۔اب رہی بیوی اگر اس نے زنا کا اقرار کرلیا تو وہ سنگسار کی جائے گی اور اگر وہ اس حد سے بری ہونا

چاہے تو اس کو بھی چار بار اللہ کا نام لے کر یہ قسم کھانی پڑے گی کہ باللہ یا بخدا یا اللہ کی قسم! وہ یعنی شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو جو وہ سچا ہو۔ اس کو شرع میں لعان کہتے ہیں۔ لعان کے بعد دونوں میں نکاح باقی نہ رہے گا اور پھر کبھی اس مرد کو اس عورت سے نکاح درست نہ ہوگا اور جو اس حمل سے بچہ پیدا ہوگا وہ اس مرد کا نہ کہلائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق نامہ تصور ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کو فسخ نکاح کہتے ہیں مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ وغیرہما کہتے ہیں اس لعان میں حر عبد مسلمان ذمی سب شریک ہیں زہری اوزاعی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ خاص مسلمان حر غیر محدود میں جاری ہو سکتا ہے یعنی جو اہل الشہادۃ ہو اور عورت کے قاذف پر حد قائم ہو سکتی ہو۔ بخاری ومسلم نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تو نبی ﷺ سے پوچھ کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی کو پاوے تو کیا کرے مار ڈالے۔ عاصم نے حضرت ﷺ سے پوچھا آپ نے یہ سوال مکروہ جانا تب عویمر نے کہا خیر میں خود جا کر حضرت ﷺ سے پوچھوں گا۔ تب آپ نے فرمایا کہ تمہارے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں ائمہ کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں عویمر کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کہتے ہیں اول تو ہلال کا معاملہ پیش آیا پھر جب ہی عویمر کا بھی دونوں اس میں شریک ہو گئے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ لَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِہِمۡ خَیۡرًا ۙ وَّ قَالُوۡا ہٰذَاۤ اِفۡکٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۲﴾ لَوۡ لَا جَآءُوۡ عَلَیۡہِ بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّہَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمۡ فِیۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِیۡہِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۴﴾ اِذۡ تَلَقَّوۡنَہٗ بِاَلۡسِنَتِکُمۡ وَ تَقُوۡلُوۡنَ

جو لوگ طوفان[1] بنا کر لائے ہیں وہ تمہارے ہی میں کا تو ایک گروہ ہے۔ اس کو اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے بقدر عمل گناہ ہے۔ اور ان میں سے جس نے کہ اس کا بیڑا اٹھایا ہے اس کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔ (مسلمانو!) جب تم نے اس کو سنا تھا تو کس لیے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ وہ کس لیے اس بہتان پر چار گواہ نہ لائے پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی دنیا اور آخرت میں رحمت نہ ہوتی تو جس کام تم نے چرچا کیا تھا اس میں تم پر کوئی بڑی آفت پڑ گئی ہوتی جبکہ تم (بے دھڑک) اس کو اپنی زبانوں سے نکالنے لگے۔

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جبکہ وہ اپنا گلوبند تلاش کرتی ہوئیں ایک سفر میں پیچھے رہ گئیں اور قافلہ کے اخیر میں صفوان رضی اللہ عنہ تھے ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے لائے اس بات سے چند لوگوں نے جو بظاہر مسلمان تھے طوفان باندھ لیا اور زنا کی تہمت لگا کر اس کا عام چرچا کر دیا اس قصہ کی طرف جا بجا اس سورۃ میں اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ خبران و منکم اس کی نعت کبر بالکسر معظمہ وبالضم، من قولھم الولاالکبرای اکبرولد الرجل۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ کا عامل مسکم۔ بہتان کے متعلق۔

تفسیر : ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو ایک عبرت کا واقعہ ہے۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ افک یعنی بہتان کہ جس کا ان آیات میں ذکر ہے حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین پر باندھا گیا تھا جس کی تفصیل میں امام بخاری و مسلم وغیرہما محدثین نے یوں روایت کی ہے۔ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب باہر جاتے تو جس بیوی کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اس کو ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک جہاد میں چلے اور میرا قرعہ میں نام نکلا تو مجھے ساتھ لے گئے۔ آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ اونٹ پر ہودہ میں پردہ میں چلتی تھی جب اس سفر سے واپس آئے شب کو مدینہ کے قریب قیام ہوا۔ رات سے کوچ پکارا گیا میں اس عرصہ میں قضاءِ حاجت کو گئی لوٹ کر آئی تو گلے کا گلوبند نہ پایا اس کو لینے گئی اتنے میں لوگوں نے میرا ہودہ اس طرح سے اونٹ پر کس دیا اور بوجھ کا تفاوت خیال نہ کیا کیونکہ اس زمانہ میں تنگدستی کی وجہ سے کھانا کم میسر آتا تھا عورتیں ہلکی پھلکی تھیں۔ وہ سمجھے کہ میں ہودہ میں ہوں قافلہ چل دیا میں لوٹ کر آئی تو کسی کو نہ پایا۔ یہ سمجھ کر کہ آخر میری تلاش کرتے ہوئے لوگ یہیں آئیں گے اسی جگہ بیٹھ گئی اس میں نیند آ گئی صفوان بن معطل ؓ لشکر کے بعد اس لیے چھوڑا گیا تھا کہ پیچھے سے گری پڑی چیز یا بھولے بھٹکے آدمی کا خیال رکھے۔ جب وہ میرے قریب آیا اور صبح ہو گئی تھی تو اس نے مجھے پہچان کر انا للہ کہا اس کی آواز سے میں بیدار ہو گئی اس نے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مجھے اپنے اونٹ پر چڑھا لیا۔ اور نہ میں نے اس سے بات کی اور نہ اس نے مجھ سے۔ دوپہر کے قریب تک مجھے فرودگاہ لشکر میں لے آیا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے جو بظاہر مسلمان تھا یہ طوفان اٹھایا اور مجھ پر تہمت لگائی اور حسان بن ثابت اور مسطح و حمنہ بنت جحش اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور اس بات کو مشہور کرنے والے ہو گئے جب یہ خبر مسطح کی والدہ کے ذریعہ سے مجھے پہنچی تو میری آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے مہینے بھر تک یہی حال رہا اور آنحضرت ﷺ اس التفاتِ سابق سے پیش نہ آتے تھے آخر کار میری برأت میں یہ آیات نازل ہوئیں اور مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ تھا کہ وہ ضرور میرے معاملہ میں کچھ نازل فرما کر مجھے سچا کرے گا۔

ضحاک کہتے ہیں اس کا بیڑہ حسان و مسطح نے اٹھایا تھا اس لیے ان پر اور ایک قریشی عورت پر حد ماری گئی یعنی حمنہ پر۔ جمہور کے نزدیک بیڑہ اٹھانے والا عبداللہ بن ابی منافق تھا جس کے لیے عذابِ عظیم جہنم میں ہوا اور حسان کا ایک بار حضرت عائشہ ؓ کے روبرو ذکر آیا فرمایا جنتی ہے کسی نے کہا اس نے بیڑہ اٹھایا تھا فرمایا اس نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں یہ کہا ہے ۔

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

بس دنیا میں سزا پائی کہ اندھا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس بہتان کو اپنے حق میں بہتر سمجھو کس لیے کہ اس کے سبب سے قرآن مجید میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی برأت اور پاکدامنی قیامت تک کو ثابت ہو گئی آئندہ لوگوں کو بزرگوں کی بیویوں کی نسبت ایسی باتیں کرنے سے عبرت ہو گئی بعض لوگ اس واقعہ کو سن کر خاموشی کرتے تھے بعض ہاں میں ہاں ملاتے تھے بعض صریح رد کرتے تھے ان میں صریح رد کرنے والوں کی۔

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا

بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ

الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ

رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

النصف

اپنے مونہوں سے وہ بات کہنی شروع کر دی کہ جس کا تم کو علم بھی نہ تھا اور اس کو تم نے ہلکی بات سمجھ لیا تھا حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور جب تم نے اس کو سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں تو اس کا منہ سے نکالنا بھی لائق نہیں ۔سبحان اللہ! یہ تو بڑا بہتان ہے۔ (اے ایمان والو!) اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم ایمان رکھتے ہو اور تمہارے لیے اللہ آیتیں بیان کرتا ہے۔ اور اللہ خبردار حکمت والا ہے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری کا چرچا ایمان والوں میں پھیلے تو ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عذابِ الیم ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ درگزر کرنے والا مہربان ہے (تو دیکھتے کیا ہوتا)۔

ترکیب : لولا بمعنی ہلا اذ حین ما یکون لنا بمعنی ماینبغی لنا سبحانك، ھو للتعجب ان تعودوا ای کراہۃ تعودوا فھو مفعول لہ اور ممکن ہے کہ مفعول بہ ہو یَعِظُکُمْ کا بمعنی ینھکم، لھم عذاب الیم خبر ان الذین اَنْ تَشِیْعَ مفعول یحبون فی الدنیا عذاب الیم سے متعلق ہے ورحمته معطوف ہے۔ فضل الله پر پھر وان الله اس پر معطوف جواب لولا محذوف ای لعاجلکم بالعقوبۃ۔

تفسیر : مدح اور باقی سکوت کرنے والوں پر اور اس بات کو مشہور کرنے والوں پر ناراضی ظاہر فرمائی۔ منجملہ ناراضیوں کے ایک یہ جملہ بطور زجر کے ہے وتقولون الخ کہ جس بات کا تم کو علم نہیں اس کو ہلکا جان کر مونہوں سے نکالنے لگے یہاں تک کہ کوئی گھر اور کوئی مجلس نہ تھی کہ جہاں یہ چرچا نہ پھیلا ہو۔ فرماتا ہے یہ بڑی بھاری بات ہے ولولا اذ سمعتموہ بلکہ تمہیں یہ مناسب تھا کہ جب اس کو سنا تھا وہیں کہہ دیتے کہ ہم کو یہ بات منہ پر لانی زیبا نہیں سبحانک یہ بہتانِ عظیم ہے۔

سبحانك عرب میں تعجب اور استبعاد دونوں موقع پر بولا جاتا ہے مگر ہمارے محاورہ میں استبعاد کے موقع پر معاذ اللہ وغیرہ کلمات بولے جاتے ہیں۔ سنتے ہی بہتانِ عظیم کہہ دینا اس لیے ضرور تھا کہ یہ قصہ پیغمبر علیہ السلام سے تعلق رکھتا تھا عقل سے بھی آدمی کو کام لینا چاہیے۔ باخدا اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی شان میں اور نیز ان کی عفتِ ازواج کے حق میں جو کوئی احمق کچھ بکے تو یہ نہیں کہ سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے اور جابجا؛ کر کرتا پھرے جیسا کہ بعض سادہ لوحوں کی عادت ہوتی ہے۔ اول تو ایسے لوگوں پر نیک گمان رکھنا لازم ہے۔ دوم اس بات کے جھوٹے ہونے کی صورت میں بزرگوں کو ایذا پہنچنے پر خدا تعالیٰ کی کس قدر ناراضی ہوگی؟ سوم اگرچہ سچ بھی ہو تو کسی کی پردہ دری کرنے سے پردہ پوشی کرنی بہرحال بہتر ہے۔ چہارم ایسی باتوں کے پھیلانے سے بجز اس کے کہ ایمانداروں میں فحش کا چرچا ہو اور کوئی نتیجہ نہیں اس لیے فرماتا ہے یَعِظُکُمُ اللّٰہُ کہ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے آیندہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان فرماتا ہے ادب اور اخلاقِ حمیدہ اور تہذیب سکھاتا ہے وہ علیم ہے ایسی باتوں میں جو کچھ خرابیاں پیش آتی ہیں باہمی نفاق و رنجش وغیرہ وہی خوب جانتا ہے اور وہ حکیم ہے انہیں حکمتوں کو ملحوظ رکھ کر تم کو ایسی نکوہیدہ باتوں سے منع کرتا ہے۔

مگر بعض بیہودہ لوگوں کی جبلت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ ایسی گندہ اور ناپاک باتیں مشہور کیا کرتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ ان کے دلوں میں یہی ولولہ ہوا کرتا ہے کہ فلاں نے یوں کہا اور فلاں کی جورو نے ایسا کیا اور وہ ایسی اور ایسی۔ سو لھم عذاب الیم ان پر دنیا میں بھی خدا کی طرف سے عذابِ دردناک نازل ہوتا ہے حدِ قذف ماری جاتی ہے مردود الشہادۃ اور لوگوں کی نظروں میں خفیف غیر قابل الاعتبار ہو جاتے ہیں اور نیز طرح طرح کی مصائب میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے صرف اس کا فضل اور رحمت تھی جس کے سبب دنیا میں ان لوگوں پر سخت قہرِ الٰہی نہیں اترا' ورنہ بات تو بڑی تھی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾ وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَ لْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾ ع ۹

اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلا کرو اور جو کوئی شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو یہ تو اس کو بے حیائی کی اور بری باتیں ہی بتا دے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی نہ سدھرتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے سنوارتا ہے اور اللہ ہی سننے والا' خبر دار ہے۔ اور تم میں سے بزرگی اور مقدر والوں کو اس بات پر قسم نہ کھانا چاہیے کہ قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ یاد کریں گے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور اللہ ہی بڑا معاف کرنے والا' مہربان ہے جو لوگ پاکدامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر پھٹکار ہو دنیا اور آخرت میں اور ان کو بڑا عذاب ہے جس دن کہ ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اس پر گواہی دیں گے۔ اس روز اللہ ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا وہ جانیں گے کہ اللہ ہی برحق ہر بات ظاہر کرنے والا ہے۔ ناپاک عورتیں تو ناپاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں۔ اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔ جو کچھ یہ بکتے پھرتے ہیں یہ لوگ اس سے پاک

ہیں۔ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

ترکیب : ولا یاتل ہو یفتعل من الالیۃ یقال آتلی یاتلی کا تہی یتقی اذا حلف ومنہ قولہ تعالیٰ وللذین یؤلون من نسائھم وقیل ہو من الوت فی کذا اذا قصرت ومنہ قولہ تعالیٰ لا یالونکم خبالا والاول اولی ان یؤتوا ای علی ان لا یؤتوا الجملۃ بیان حلف یوم عامل ظرف میں استقرار جولھم میں ہے۔

تفسیر : یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، یہاں پھر صاف صاف مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی باتیں نہ کریں یہ باتیں شیطانی وسواس ہیں۔ فرماتا ہے اس کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ بے حیائی اور بری باتیں سکھایا کرتا ہے۔شیطان خون کی طرح انسان کے رگوں میں دوڑتا ہے اور جا کر دل میں گھر کر لیتا ہے پھر بھلا اس موذی کے زہر سے کوئی بچ سکتا ہے؟ مگر فضلِ الٰہی اور اس کی رحمت ہی ہے کہ جو اس سے پناہ میں رکھ کر راہِ راست کی طرف لاتی ہے چنانچہ فرماتا ہے وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ الخ کہ اس کے فضل نے تم کو ستھرا کر دیا وَلَا یَاْتَلِ جس طرح بہتان باندھنے والوں پر عتاب ہوا اس طرح توبہ کرنے کے بعد بھی ان لوگوں سے تشدد کرنے سے ممانعت فرمائی۔طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسطح کے ساتھ بھانجا ہونے کی وجہ سے سلوک کیا کرتے تھے۔اس واقعہ میں قسم کھا بیٹھے تھے کہ آیندہ میں اس کو کچھ نہ دیا کروں گا۔اس لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اہلِ وسعت وکرم کو قسم نہ کھانا چاہیے کہ وہ اپنے دستِ کرم کو بند رکھیں گے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔اس کے بعد پھر اسی طرح سے دینے لینے لگے۔مسطح ابوبکر کے اہلِ قرابت بھی تھے اور نیز مسکین بھی تھے اور مہاجر بھی اس لیے رحم دلانے کے لیے اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَالْمُھَاجِرِیْنَ عموم کے صیغوں سے تعبیر کیا۔اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہلِ کرم میں شمار کیا اور مدح کے ساتھ یاد فرمایا[۱]۔اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اس کے بعد پھر تہمت لگانے والوں پر تحدید کر کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی مدلل کر کے اس بحث کو تمام کرتا ہے۔فرماتا ہے جو کوئی پاکدامن، بے خبر، ایماندار عورتوں کو تہمت لگاتا ہے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور قیامت کے روز جبکہ اس کے اعمال پر اس کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے وہ اپنے اعمالِ بد کا پورا بدلہ پالے گا بے خبر یعنی اس بدکام کا کرنا تو درکنار اس بیچاری کو اس کی خبر بھی نہیں وہ اس کو جانتی بھی نہیں۔یہ پاکدامنی کے لیے کامل مدح ہے۔الخبیثات الخ یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اور بھی پاک دامنی ثابت کرتا ہے کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے پاس رہتی ہیں اور پاکبازوں کے لیے پاکباز عورتیں ہیں اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کون زیادہ پاکباز ہوگا پس ان کی بیویاں بھی پاکباز ہیں۔مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت تطہیرِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے نصِ قاطع ہے خصوصاً لفظ اُولٰئِکَ مُبَرَّؤُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ اور بھی تاکید کر رہا ہے اس لیے جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی بیوی خصوصاً حضرت عائشہ کی جناب میں اس کے بعد بھی بدگمانی کرے کافر[۲] ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ ج وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ

[۱] یہاں سے حضرت ابوبکر وعائشہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔۱۲

[۲] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدگمانی کرنے والا کافر ہے۔۱۲

اَزۡکٰی لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿۲۸﴾ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡہَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور کسی کے گھروں میں (بے دھڑک) نہ گھس جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ مانگو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم سمجھو پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے اور اگر تم کو کہا جاوے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کیا کرتے ہو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (بغیر اجازت) کسی ایسے گھر میں جاؤ کہ جہاں کوئی نہیں بستا۔ اس میں تمہارا اسباب ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم (دل میں) مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔

ترکیب : غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ استثنا ہے بیوتا سے تستانسوا تستاذنوا من الاستیناس بمعنی الاستعلام۔ آنس الشیء ابصرہ وعلمہ واحسن بہ (قاموس) کیونکہ مستاذن اس بات کا علم چاہتا ہے کہ اس کو اجازت ملتی ہے کہ نہیں۔ او من الاستیناس الذی ھو خلاف الاستیحاش۔ فانہ مستوحش ان لایؤذن لہ فاذا اذن استانس۔ بیضاوی

تفسیر......بغیر اطلاع کسی کے گھر میں جانے کی ممانعت : جبکہ خدا تعالیٰ نے زنا کو بند کیا اور تہمت اور بدگمانی کی بھی سخت ممانعت فرمائی تو جو چیزیں بدگمانی اور زنا کے اسباب ہیں ان کو بھی روکتا ہے منجملہ ان اسباب کے کسی کے گھر میں بغیر اذن واطلاع کے چلا جانا بھی ہے کیونکہ نہ معلوم گھر میں عورت ننگی ہو یا سوتی ہو پھر وہاں سے ان سے خلوت اور ہمکلامی کا ہونا اور بھی محل تہمت ہے۔ خصوصاً اس گھر والے کے لیے بڑے رنج کا باعث ہے اس لیے اس بارہ میں بھی ادب سکھانے کے لیے یہ فرمایا۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بیوتا الخ یہ چوتھا حکم ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت اور سلام دیے نہ جایا کرو پہلے دروازہ پر جا کر السلام علیکم کہہ کر کہہ لے کہ میں آؤں؟ احادیث سے ثابت ہے کہ تین بار اجازت لے۔ جب تیسری بار بھی آنے کی اجازت نہ ملے یا کچھ جواب نہ آوے تو یہ نہیں کہ وہیں جم جاوے بلکہ الٹا چلا آوے۔ جیسا کہ عبداللہ بن قیس نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے۔ اور یہ حکم عام ہے خواہ اس گھر میں زنانہ ہو یا صرف مردانہ ہو کیونکہ نہ معلوم کہ مرد کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے اور اسی طرح جس گھر میں اس کی محرم عورتیں ہوں وہاں بھی اطلاع کر کے آنا چاہیے کیونکہ محرم عورت کا بھی ننگی کھلی دیکھنا درست نہیں بلکہ جس گھر میں خاص اس کی بیوی اور لونڈی رہتی ہوں کہ جن کی برہنگی اس پر ظاہر ہے وہاں بھی بہتر ہے کہ اطلاع کر کے آوے کیونکہ عورتوں کو بعض باتیں نہانے دھونے میں خاوند کے روبرو کرنی بری معلوم ہوتی ہیں اور اس کے لیے بھی باعث نفرت ہونے کا ہے۔

فرماتا ہے یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اس میں سینکڑوں آفات سے نجات ہے۔ اس لیے فرمایا تا کہ تم سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اس گھر میں تم کو کوئی نہ ملے یعنی آواز نہ آوے جس سے معلوم کر سکو کہ کوئی نہیں تب بھی اندر نہ جاؤ اور جو اندر سے آواز آوے کہ چلے جاؤ تو بھی چلے آؤ کیونکہ دروازہ پر ٹھہرا رہنا بھی بعض اوقات کسی رازداری کے سبب ناگوار گزرتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اس کی مصلحت اللہ جانتا ہے اور تمہارے حالات بھی اس کو معلوم ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں گھر میں جھانکنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا یہ اسی حکم کا تتمہ ہے فرماتا ہے کہ جن گھروں میں کوئی بستا نہ ہو صرف اسباب رکھنے کے مکان ہوں وہاں بغیر اطلاع جانے میں کچھ مضائقہ نہیں بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ کی تفسیر میں علماء کے چند اقوال ہیں بعض کہتے ہیں مسافر خانہ، بعض کہتے ہیں خرید وفروخت کے مکانات، بعض کہتے ہیں کہ آباد مکانات، بعض کہتے ہیں حمامات۔ مگر آیت میں حکم عام ہے سب کو شامل ہے لیکن جو

مکانات اسباب کے ہوں اور وہاں تجارتی مال ہو وہاں بغیر اجازت کے جانے کے یہ معنی نہیں کہ ہر کوئی چلا جایا کرے جس میں چوری اور بیگانہ ملک میں تصرف کا مظنہ ہے بلکہ جن کو وہاں جانے کی اجازت ہو یا جو مجاز ہیں ان کو وہاں دستک دینے اور اطلاع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں احتمال نہیں کہ کوئی ننگا کھلا ہوگا۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ[1] مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ[2] بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ[3] مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

(اے نبی!) ایمانداروں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بھی محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے حق میں ستھرائی ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کیا کرتے ہیں اور ایماندار عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی بھی محافظت رکھیں اور وہ اپنی آرائش کی جگہ نہ دکھایا کریں مگر وہ جو بضرورت ظاہر ہوتی ہے اور اپنے سینوں پر اپنے دوپٹے ڈالے رکھا کریں اور اپنی آرائش ظاہر نہ کیا کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں پر یا عورتوں پر یا اپنے مملوک (لونڈی غلاموں) پر یا ان خدمت گاروں پر کہ جن کو عورتوں کی حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں اور اپنے پاؤں ٹھوکر مار کر نہ چلیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور (اے مسلمانو!) تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرتے رہا کرو تا کہ تمہیں فلاح ہو۔

ترکیب: مِنْ اَبْصَارِهِمْ من ھھنا للتبعیض لانہ لایلزم غض البصر بالکلیۃ وقلیل زائدۃ وقیل لبیان الجنس ، غیراولی الاربۃ ای الحاجۃ بالجر علی الصفۃ اوالبدل۔

ا الاربۃ الفعلۃ من الارب کالجلسۃ من الجلوس والارب الحاجۃ والفعل منہ و الاریب والمراد ھھنا الحاجۃ الی النساء۔ ۱۲ منہ

۲ پاؤں کو زمین پر اس طرح سے نہ مارنا چاہیے جس سے پازیب وغیرہ زیور کی آواز سنائی دے اور اسی طرح آواز بھی بلند نہ کرے۔ ۱۲ منہ

۳ کیونکہ ان میں سے شوہر کو تو دکھانا مقصود ہی ہے اور باقی اور لوگ گھر میں ملے جلے رہا کرتے ہیں ہر وقت ان سے اخفاء میں حرج تھا اور نیز ان سے برے کام کی توقع بھی عادتاً نہیں ہے کیونکہ محارم ہیں یا ان کو مادہ ہی نہیں۔ ۱۲ منہ

تفسیر : منجملہ اسبابِ زنا کے مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو دیکھنا بھی ہے۔ یہ نظر زنا کا بڑا سبب ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ع برقِ نگاہِ یار میرا کام کر گئی۔ اس لیے ایمانداروں کو ادب سکھاتا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ الخ یہ پانچواں حکم ہے کہ اے نبی ایمانداروں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ کو بند رکھیں جس کا دیکھنا انہیں حلال نہیں اس کو نہ دیکھیں اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا اجنبی عورت کا بضرورت منہ اور ہاتھ دیکھنا تو درست ہے اور باقی چیزوں پر نظر کرنا حرام ہے اور بغیر ضرورت اجنبیہ کا چہرہ دیکھنا بھی درست نہیں خصوصاً جبکہ محلِ فتنہ ہو اور جو اچانک نظر پڑ جائے تو بارِ دگر نہ دیکھے اور اجنبیہ اگر اور کی لونڈی ہے تو بعض کہتے ہیں ناف سے گھٹنے تک پر نظر نہ کرے باقی کا مضائقہ نہیں بعض کہتے ہیں وہ سر وغیرہ جو عضو کام میں کھولے رہتے ہیں ان کا دیکھنا ممنوع نہیں باقی ممنوع ہے۔ اور عورت اگر محرم ہے خواہ نسب سے خواہ رضاع سے خواہ بیوی کے رشتہ سے تو اس کے ناف سے لے کر گھٹنے تک نظر ممنوع ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف وہی اعضاء دیکھنا درست ہیں جو کام میں کھل جاتے ہیں ہاتھ بازو وغیرہ اور مرد کی بابت بھی یہ حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک نہ دیکھے۔ اس طرح عورت کو دوسری عورت کا ناف سے گھٹنے تک دیکھنا منع ہے۔ عرفا کہتے ہیں جس طرح نظر کو محارم کے دیکھنے سے بند کرے اسی طرح دل کو غیر اللہ کے دیکھنے سے روکے۔ پھر فرماتا ہے وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ کہ اپنے ستر کو محفوظ رکھیں یعنی حرام کاری نہ کریں یہ تمہارے لیے دین و دنیا میں بہتر ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ میں تنبیہ ہے کہ اللہ کو غافل نہ سمجھو وہ تمہارے ہر کام سے واقف ہے۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ الخ اسی طرح ایماندار عورتوں کو بھی نظر بند رکھنے اور حرام سے محفوظ رہنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی (چھٹا) حکم دیا کہ اپنی زینت کو بجز ان اشخاصِ مذکورہ ذیل کے اور کسی کو نہ دکھائیں۔ اور اوڑھنی اوڑھے رہو جس سے سر اور سینہ اور کان اور گردن نہ دکھائی دے۔ یہ جو فرمایا اپنی زینت نہ دکھائیں مگر وہ جو ظاہر ہے۔ زینت کہتے ہیں خوبصورتی کو قدرتی ہو یا بناوٹی۔ لباسِ فاخرہ یا زیور یا مہندی کاجل وغیرہ ان میں سے صرف ظاہر زینت کے ظاہر کرنے کی اجازت دی۔ ظاہر زینت بناوٹی میں سے تو انگوٹھی کپڑا جس کے ظاہر کرنے کی ضرورت پڑے اور خلقی میں سے ہاتھ منہ جو بضرورت ظاہر کرنا پڑے بعض علماء کہتے ہیں زینت سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے۔ اور وہ یہ اشخاص ہیں شوہر' عورت کا باپ' دادا، نانا' شوہر کے باپ' دادا' نانا' عورتوں کے بیٹے' پوتے' نواسے' خاوند کی دوسری بیوی کے بیٹے' پوتے' نواسے' عورت کے بھائی' عینی' علاتی، اخیافی، رضائی عورت کے بھتیجے، بھائیوں کی اولاد' عورت کے بھانجے' بہن کی اولاد' گھر کی عورتیں' عورت کی مملوکہ لونڈی' غلام' گھر کے وہ خادم جن کو عورتوں کی طرف رغبت نہ ہو' بوڑھے اور خواجہ سرا' نابالغ لڑکے' ان لوگوں کے سامنے اگر عورت اپنی زینت ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں یعنی زینتِ ظاہرہ کے سوا اور زینت کیونکہ بضرورت اس کا تو ہر ایک پر ظاہر کرنا درست تھا۔ وہ زینتِ ظاہرہ جس کی بضرورت اظہار کے ہر ایک کے لیے رخصت تھی باتفاق علماء چہرہ اور دونوں ہاتھ یا بالائی کپڑے مراد ہیں اور اس جگہ جس زینت کے ظاہر کرنے کی ان مذکورہ اشخاص کے سامنے اجازت ہے وہ بازوؤں' گلے' کانوں سر کے زیور کی ہے اور ان اعضاء کا کھولنا بھی ان کے سامنے جائز ہے ونسائھن اپنی عورتیں کیونکہ کافر عورتیں بمنزلہ اجانب کے ہیں بعض کہتے ہیں کافرہ عورتوں کے سامنے ان چیزوں کا کھولنا درست ہے۔ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ میں غلام لونڈی سب آ گئے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں صرف لونڈیاں مراد ہیں کیونکہ غلام اجنبی ہے اس میں مادۂ شہوت بھی موجود ہے آزاد ہو کر اس سے نکاح بھی کر سکتا ہے۔ اَلتّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں عورت کی بالکل خواہش نہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ بیوقوف عنین مراد ہیں جو کھانے میں ساتھ ہو لیتے ہیں ان کا صرف یہی مقصود ہوتا ہے مخنث اور ہیجڑے مراد نہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۗ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع

اور جوتم میں مجرد ہوں ان کے نکاح کرادو اور جوتمہارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں ان کے بھی اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ گنجائش والا' خبردار ہے اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہیے کہ پارسائی سے رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جوتمہارے غلام لونڈیوں میں سے لکھت[1] چاہیں تو ان کو لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری معلوم ہوتی ہو۔ اور ان کو اللہ کے اس مال میں سے بھی دیا کرو جو اس نے تم کو دے رکھا ہو۔ اور اپنی چھوکریوں[2] کو حرام کاری کے لیے مجبور نہ کیا کرو۔ اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں (ایسا کام اس لیے کرتے ہو) کہ دنیا کے فوائد حاصل کرو اور جوان کو اس کام پر مجبور کرے گا تو ان کی مجبوری کے بعد اللہ غفور رحیم ہے اور البتہ ہم نے تمہارے پاس آیتیں بھیج دی ہیں جو روشن ہیں اور جن میں تم سے پہلوں کے حالات ہیں اور جو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہیں۔

ترکیب : الْاَيَامٰى جمع ایم وھو الضرب ذکراً کان اوانثی بکراً کان اوثیباً و ایامی مقلوب ایائم کیتامیٰ ۔ والصالحین معطوف ہے ایامی پر مفعول انکحوا کا وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ مبتداء فکاتبوھم خبر۔ ان علمتم جملہ شرطیہ اگلا جملہ فکاتبوھم دال بر جزاء۔

تفسیر : جبکہ ہر طرح سے زنا اور اس کے دواعی کی ممانعت کی تو نکاح کرنے کی بھی رغبت دلائی کس لیے کہ مجرد رہنے میں بڑا خطرہ ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے نکاح کرنے کی تاکید فرمائی یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (متفق علیہ) اور فرمایا کہ میرے بعد مردوں کے لیے سخت فتنہ عورتوں سے زیادہ کوئی نہیں (متفق علیہ) اس لیے جن قوموں میں مجرد رہنا ہنر ہے ان کے ہاں حرامکاری کا بھی کچھ حساب نہیں۔

فرماتا ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (یہ ساتواں حکم ہے) کہ اے مسلمانو! جو تم میں مجرد ہیں خواہ عورت ہو' خواہ مرد' خواہ بیوہ' خواہ ناکتخدا ان کے نکاح کر دو لفظ ایامی سب کو شامل ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سے وہ شخص کہ جس کے دین اور خلق سے تم خوش ہو نکاح کی درخواست کرے تو نکاح کر دو ورنہ زمین پر بڑا فتنہ اور فساد سخت ہوگا (رواہ النسائی وابن ماجہ) علماء کے نزدیک یہ امر مندوب واستحباب کے

[1] جو غلام یا لونڈی یہ چاہیں کہ اگر ہم اس قدر روپیہ ادا کر دیں تو ہم کو آزادی لکھ دو تو لکھ دیا کرو بشرطیکہ تم کو اس میں بہتری معلوم ہو اس عقد کو شرع میں مکاتبت کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] عرب غلام کو فتی اور لونڈی کو فتاۃ کہتے تھے جس کی جمع فتیات ہے۔ ۱۲ منہ

لیے ہے بعض کہتے ہیں وجوب کے لیے فیصلہ یہ ہے کہ جہاں زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور نکاح کرنے پر قادر بھی ہو تو نکاح کرنا واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ پھر فرماتا ہے وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَآئِکُمْ کہ اپنے غلام لونڈیوں میں سے بھی جن کو نیک دیکھو ان کے بھی نکاح کر دو کیونکہ نیک ہی نکاح اور خدمتِ مولیٰ کو ملحوظ رکھ سکتے ہیں یا صالحین سے مراد وہ کہ جن کو نکاح کی صلاحیت ہو۔ لفظ فانکحوا سے علماءِ شافعیہ نے یہ بات نکالی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست نہیں و فیہ ما فیہ۔ فرماتا ہے نکاح کرنے میں فقر و فاقہ سے نہ ڈریں اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بلا شک جو نیک نیتی سے نکاح کرتے ہیں خدا ان کو فراخی دیتا ہے اور جن کو نکاح کا مقدور نہ ہو تو ان کو پاکدامنی اختیار کرنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ اس عذر سے مرتکبِ فواحش ہو جائے۔ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ چونکہ فراغ دستی اور فضلِ الٰہی ہونے کا ذکر تھا اس لیے جو غلام خدا کے فضل پر توکل کر کے اپنے مولیٰ سے مکاتبت چاہیں ان کے لیے بھی حکم دیا کہ اگر ان میں خیر دیکھو کہ یہ بدلِ کتابت ادا کر سکیں گے اور ان کا رویہ بھی اچھا ہے تو ان کو لکھ دو یعنی مکاتب بنا دو۔ (یہ آٹھواں حکم ہے) اس کو بھی گونہ پارسائی سے تعلق ہے کس لیے کہ جب غلام کو مولیٰ کی طرف سے خرید و فروخت کا مجاز ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ رہتا ہے جس سے حرام کاری کا اندیشہ ہے اس سے کوئی رقم لینی مقرر کر کے آزادی لکھ دو کہ اپنا نکاح کر کے گھر آباد کرے۔ اسلام میں بھی یہی دستور باقی رہا اور جاہلیت میں بھی تھا کہ جو کوئی غلام اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لیا کرتا تھا کہ میں آپ کو اس قدر روپیہ دوں تو آزاد ہو جاؤں آقا اس کو منظور کر لیتا تھا اور لکھ دیتا تھا اس معاملہ کو مکاتبت کہتے تھے۔ وہ غلام آزادانہ خرید و فروخت کر کے وہ مقدار ادا کر دیتا تھا۔ کتبِ فقہ میں اس مسئلہ کی بڑی تشریح ہے۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اس بدلِ کتابت کے ادا کرنے میں مدد کرو خدا کے دیے ہوئے مال میں سے ان کو بھی دو بمد زکوٰۃ و خیرات یا اس بدلے میں سے کچھ حصہ چھوڑ دو ولا تکرھوا (یہ نواں حکم ہے) عرب میں دستور تھا کہ اپنی چھوکریوں سے زنا کرا کے کماتے تھے چنانچہ مدینہ میں عبداللہ بن ابی منافق بھی ایسا ہی کیا کرتا تھا اسلام نے اس کی بھی ممانعت کر دی ان اردن تحصنا میں ان شرطیہ علیٰ سبیل الغالب واقع ہوا جس کا مفہوم مخالف نہیں۔ فائدہ: ان آیات میں توبہ کرنے اور مکاتبوں کو دینے کا بھی حکم ہے۔ مگر بظاہر ان کا تعلق حقوق العباد سے کم تھا اس لیے ان کے عدد شمار میں ہم نے نہیں لیا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کسی طاق میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ (کی قندیل) میں (اور) شیشہ گویا کہ چمکتا ہوا تارا روشن کیا گیا ہو زیتون کے ایک مبارک درخت سے جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی ہو کہ جس کا تیل خود بخود روشن ہونے کو ہو اور گو اس کو ابھی آگ نہ لگی ہو۔ نور پر نور۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔

ترکیب: اللہ مبتداء نُوْرُ السَّمٰوٰتِ الخ خبر، مَثَلُ نُوْرِهٖ صفت نورہ مبتداء كَمِشْكٰوةٍ موصوف فِيْهَا مِصْبَاحٌ صفت سب محذوف سے

متعلق ہو کر خبر ہوئی تمام جملہ بیان ہوا نُوْرُ السَّمٰوٰتِ کا الْمِصْبَاحُ مبتداء فی زُجَاجَۃٍ خبر قس علی ھذا۔ دری منسوب الی الدر او فعیل کمریق من الدر۔ یوقد صفت ہے مصباح کی۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ اللہ نے تمہارے لیے آیاتِ بینات نازل کیں تم کو جہل کی اندھیریوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لایا۔ اب یہاں اپنے اوصافِ نورانی اور نورِ ہدایت کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ وہ اللہ جس نے تم کو جہل کی ظلمات سے نکالا آسمانوں اور زمین کا نور ہے پھر اپنے نور کو اس شمع سے تشبیہ دے کر جو شیشہ کی قندیل میں ہو یہ فرماتا ہے اللہ اپنے اس نور سے جس کو چاہتا ہے مداہت کرتا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بحث اول : نور عرف میں روشنی کو کہتے ہیں وہ ایک عرض قائم بالغیر ہے جو اجسام کو عارض ہوتا ہے جیسا کہ آفتاب وستارے اور آگ اس معنی سے اس لفظ کا اطلاق اللہ پر حقیقۃً جائز نہیں کس لیے کہ نور بمعنی مذکور ایک عرض ہے وہ حادث اور قابلِ تقسیم اور قائم بالغیر ہونے کی وجہ سے اِلٰہ نہیں ہوسکتا اس سے فرقہ مانویہ کا بھی قول رد ہو گیا جو نور اعظم کو اللہ کہتے ہیں۔ اس لیے علماءِ اسلام اس جگہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ نور بمعنی منور ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو آفتاب ومہتاب کواکب اور انبیاء وصلحا وملائکہ سے منور کر دیا اور یہ قول ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وحسن و ابوالعالیہ کا ہے بعض کہتے ہیں بمعنی مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے جیسا کہ باخبر رئیس کو کہتے ہیں کہ وہ شہر کا نور ہے یعنی مدبر بتدبیر حسن جیسا کہ جریر شاعر کہتا ہے ع وانت لنا نور وغیث وعصمۃ۔ یہ زجاج اور اصم کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نور بمعنی ہادی ہے کیونکہ نور سببِ ہدایت ہے کہ وہ آسمان اور زمین والوں کا ہادی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نور کا اطلاق اس پر مبالغہ ہو جیسا کہ عادل کو عدل کہہ دیا کرتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مشکوٰۃ الانوار رکھا ہے اس میں امام صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس پر اس الفاظ کا اطلاق حقیقۃً ہے نہ مجازاً بہت سے مقدمات بیان فرما کر یہ کہا ہے کہ ادراکِ عقلی ادراکِ بصری سے اشرف ہے اور دونوں کا مقتضی ظہور ہے اور خواصِ نور میں سے ظہور ہی اشرف ہے اس لیے ادراکِ عقلی ادراکِ بصری سے بدرجۂ اولیٰ انور ہے۔ پھر انوارِ عقلیہ کی دو قسم ہیں ایک وہ جو سلامۃ الاحوال کے وقت واجبۃ الحصول ہیں یعنی تعقلاتِ فطریہ۔ دوسرے مکتسبہ اور قسم ثانی میں کبھی غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس کے واسطے ہادی ومرشد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس امر میں کلامِ الٰہی اور کلامِ انبیاء سے زیادہ اور کوئی ہادی ومرشد نہیں اس لیے یہ بھی نور ہیں۔ اس وجہ سے قرآن اور نبی کو بھی نور کہا گیا ہے اور اسی طرح ملائکہ بھی نور ہیں پھر ملائکہ بھی درجہ میں متفاوت ہیں یہاں تک کہ سب سے بڑھ کر نورِ اعظم وہ روح جو سب ارواح سے اعلیٰ ہے معدنِ نور ہے۔ پھر یہ سب انوارِ حسیہ ہوں خواہ سفلیہ جیسا کہ آگ کا نور یا علویہ جیسا کہ آفتاب وماہتاب' کواکب کے انوار یا انوارِ عقلیہ سفلیہ ہوں جیسا کہ ارواحِ انبیاء واولیاء یا علویہ ہوں جیسا کہ ملائکہ۔ یہ سب کے سب فی حد ذاتہا ممکن ہیں اور ممکن فی حد ذاتہ معدوم ہیں ان کو وجود غیر کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور وجود نور اور عدم ظلمت ہے۔ پس کل ممکنات اپنی ذات میں مظلم ہیں نور فی حد ذاتہ وہی ہے جس کا وجود ذاتی ہے ممکنات کا وجود اور ان کے صفات اور ان کے سب معارف اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اب ظاہر ہو گیا کہ نورِ مطلق وہ اللہ سبحانہ ہی ہے اور غیر پر جو اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے من حیث ہو ہو ظلمت محضہ ہے کس لیے کہ وہ من حیث ہو عدمِ محض ہے بلکہ یہ انوار بھی من حیث ہی ہی ظلمت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہی نورِ حقیقی ہے اور جس قدر انوار ہیں اسی کے نور کے پرتوے ہیں واللہ اعلم۔

بحث دوم : نور کو السمٰوٰت و الارض کی طرف کیوں مضاف کیا؟ اس لیے کہ سب آسمان اور زمین انوارِ مجردہ اور مادیہ سے بھرے ہوئے ہیں انوارِ مادیہ جیسا کہ چاند اور سورج اور ستاروں کی روشنی یہ سب آسمانوں میں ہیں اور زمین پر بھی انوار منعکس ہوتے ہیں

کہ جس سے الوانِ مختلفہ دکھائی دیتے ہیں اور انوارِ مجردہ سے عالم بالا[۱] پُر ہے اور وہ انوارِ مجردہ ملائکہ ہیں عالمِ سفلی میں بھی انوارِ عقلیہ بہت سے ہیں اور وہ قوائے نباتیہ اور حیوانیہ اور انسانیہ ہیں اور نورِ انسانی سے جس کے سبب یہ خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا گیا عالمِ اسفل کا نظام ہو رہا ہے جیسا کہ نورِ ملکی سے عالم علوی کا نظام قائم ہے اور یہ جملہ انوار باہم یکے دیگر مرتبط و مسلسل ہیں اور سب کا انتہیٰ نور الانوار کی طرف ہے اور وہ اللہ سبحانہ ہے اس لیے اللہ کو نور السموٰت والارض کہا۔

بحث سوم : مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ الخ اپنے نور کو ایسے چراغ[۲] سے تشبیہ دی جو شیشہ میں ہو اور شیشہ کسی طاق میں ہو اور چراغ زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو اور وہ ایسا صاف ہو کہ جو آگ دکھاتے ہی جل اٹھے اور زیتون بھی ایسا ہو کہ نہ شرقی ہو کہ صبح ہی کے وقت اس پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہوں پھر نہ پڑیں اور نہ غربی ہو کہ شام کے وقت ہی اس پر دھوپ پڑتی ہو کیونکہ ایسا درخت کچا ہوتا ہے اس کا تیل بھی عمدہ نہیں۔ بخلاف اس کے کہ جو نہ شرقی ہو نہ غربی بلکہ میدان میں یا پہاڑ کی بلندی پر ہو وہ خوب تناور اور پختہ ہوتا ہے اس کا تیل بھی عمدہ ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی وہ تو یہ چیزیں ہیں بحیثیتِ مجموعی اور جس کو تشبیہ دی گئی ہے وہ اللہ کا نور ہے مگر کلام اس میں ہے کہ اللہ کے نور سے کیا مراد ہے؟ جمہور متکلمین کے نزدیک ہدایت مراد ہے یہ معنی کہ اللہ کی ہدایت ظہور میں ایسی ہے کہ جیسا کوئی چراغ ہو جس کی یہ صفت ہوں کہ جس کی ہر صفت روشنیِ چراغ کو ترقی دیتی ہے۔ **سوال:** آفتاب کے ساتھ کیوں تشبیہ نہ دی۔ **جواب** مقصد اس روشنی کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جو اندھیریوں میں سے ظاہر ہو البتہ ہدایت ایک ایسی روشنی ہے جو شبہات کی اندھیریوں میں سے ظاہر ہوتی ہے سو یہ بات چراغ کے ساتھ تشبیہ دینے سے حاصل ہوتی ہے کہ جس کے ہر طرف اندھیری محیط ہوتی ہے برخلاف آفتاب کے کہ وہ جب جلوہ گر ہوتا ہے تو تمام عالم اس کے نور سے بھر جاتا ہے ظلمت باقی نہیں رہتی۔ بعض کہتے ہیں نور سے مراد قرآن ہے جیسا کہ فرمایا ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یہ حسن و سفیان بن عیینہ و زید بن اسلم کا قول ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی صفت میں سِرَاجًا مُّنِيْرًا آیا ہے۔ یہ عطاء کا قول ہے بعض کہتے ہیں کہ اس نور سے مراد وہ نور ہے کہ جو مومن کے دل میں ایمان و معرفت کا نور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نور اور کفر کو ظلمت سے تعبیر کیا ہے یہ ابی و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان کے قوائے مدرکہ پانچ ہیں قوتِ حسیہ جو حواسِ خمسہ کو شامل ہے، قوتِ خیالیہ، قوتِ عقلیہ جو حقائقِ کلیہ کا ادراک کرتی ہے، قوتِ فکریہ جو معارفِ عقلیہ میں ترکیب دے کر نامعلوم بات کو دریافت کرتی ہے قوتِ قدسیہ جو انبیاء و اولیاء کو حاصل ہے۔ جس سے اسرارِ غیب و لوائحِ ملکوت ظاہر ہوتے ہیں جس کی نسبت اللہ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ یہ پانچوں نور ہیں ہر ایک کو ان پانچوں میں سے ایک ایک کے ساتھ تشبیہ ہے روحِ حساس کو مشکوٰۃ سے۔ الخ

۱۔ عالم بالا آسمانوں سے بھی اوپر ہے وہ عالم حیات نہیں بلکہ عالم مجردات۔ ۱۲ منہ

۲۔ کعب احبار کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ سے مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک اور زجاجہ قلب اور اس میں مصباح جو ہے وہ نبوت ہے وہ شجرۂ مبارک سے روشن کیا گیا ہے یعنی شجرۂ ابراہیمیہ سے کہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ سب کے لیے اس کا فیضانِ نبوت برابر ہے۔ یکاد گو آپ مونہوں سے کچھ اظہار نہ کریں مگر وہ نورِ نبوت خود بخود کہے دیتا ہے صدہا لوگ آپ کو دیکھتے ہی کہہ دیتے تھے کہ آپ نبیِ برحق ہیں جیسا کہ زیتون کے تیلِ صافی میں سلگ اٹھنے کا مادہ تیار ہے نور پر نور ہے ایک نورِ ابراہیمی جو ان کی دعا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی (سفر استثنیٰ باب ۱۸) کے مطابق پشت در پشت چلا آتا تھا دوسرا خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ محمدی جو تمام انوارِ حسیہ و عقلیہ کا منتہیٰ اور مظہرِ اول اور منبع ہے۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

۳۔ سراج وغیرہ ۱۲ منہ

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

ان گھروں میں کہ جن کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام یاد کیا جاتا ہے اس میں صبح وشام اس کی تسبیح وتقدیس کی جاتی ہے۔ ایسے لوگ تسبیح کیا کرتے ہیں کہ جن کو نہ تجارت اور بیچنا ذکر الٰہی سے روکتا ہے۔ اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں کہ جس میں دل اور آنکھیں الٹ جاویں گی تاکہ اللہ ان کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ دے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی دے (یعنی ڈرتے بھی ہیں اور امید بھی رکھتے ہیں) اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

ترکیب : فی بیوت یا توصفت ہے زجاجہ کی المصباح زجاجۃ و بیوت۔ یا یوقد سے متعلق ہے ای توقد فی المساجد یا یسبح سے متعلق ہے وھوالقوی، رجال یسبح کا فاعل یا مفعول مالم یسم فاعلہ لاتُلھِیھِم رجال کی صفت یخافون صفت ثانیہ لیجزیھم یسبح سے متعلق۔

تفسیر : فی بیوت کو جمہور مفسرین نے کلامِ سابق کا تتمہ قرار دیکر تشبیہ میں شامل کیا ہے یعنی وہ چراغ جو آئینہ میں ہو اور صاف تیل سے روشن کیا ہو کسی گندہ اور ناپاک مکان میں نہ ہو کہ جس کی روشنی صاف باطنوں کی آنکھوں میں بے قدر معلوم ہوتی ہو بلکہ ان مکانوں میں ہو کہ جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی مساجد خانہ کعبہ، مسجدِ نبوی، بیت المقدس مسجدِ قبا یا عام مساجد اور ان کے بلند کرنے سے مراد یا حقیقۃً بلند کرنا ہے یا تعظیم کرنا۔ ان مقامات خصوصاً بیت المقدس کے قندیلوں کی روشنی جوز یتون کے عمدہ تیل سے روشن ہوتی تھیں ضرب المثل تھی۔ پھر ان گھروں کی صفت میں فرماتا ہے کہ ان میں ایسے لوگ صبح وشام خدا کی تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور اس کا نام لیا کرتے ہیں (یہ عام ہے خواہ نماز فرائض ونوافل کے ذریعہ سے ہو خواہ بغیر اس کے صرف ذکر وتسبیح ہو) کہ جن کو ذکرِ الٰہی اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت روک سکتی ہے نہ بیع کرنا۔ تجارت عام ہے خرید اور فروخت دونوں کو شامل ہے مگر فروخت میں نقد حاصل کیا جاتا ہے اس میں اور بھی لالچ ہے جو انسان کو ذکرِ الٰہی سے روک دیتا ہے۔ اس لیے اس کو جداگانہ بھی بیان کیا کہ ان کو فروخت بھی نہیں روک سکتی۔ اور باوجود اس قدر یادِ الٰہی میں مشغول ہونے اور زکوٰۃ وخیرات دینے کے وہ لوگ اپنی عبادت پر نازاں نہیں بلکہ قیامت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں کہ جس دن دل اور آنکھوں کا عجیب حال ہوگا دل صدمات کے مارے ہوا ہوگا اور آنکھیں اوپر کو ٹکٹکی باندھے ہوئے ہوں گی کہ کیا حکم آتا ہے؟ یہ سب باتیں ان کی اس بات کا سبب ہیں کہ اللہ ان کے عمدہ اعمال کا عمدہ بدلہ دے گا اور نہ صرف بدلہ بلکہ اعمال کے سوا اپنے فضل سے اور بڑھتی بھی عطا کرے گا کیونکہ وہ بے نیاز بے پروا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں فی بیوت یسبح سے متعلق ہے اور یہ ایک جداگانہ کلام ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ نور کہ جس کو تشبیہ دی گئی ہے کہاں اور کس جگہ پایا جاتا ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ ایسے گھروں میں پایا جاتا ہے کہ جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور جن میں اس کی یاد کی جاتی ہے اور وہاں ایسے پاکباز لوگ اس کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں کہ جن کو کوئی شغلِ دنیاوی ان کے کار سے نہیں روکتا۔ دست بکار دل بہ یار ان کا شیوۂ خاص ہے اور انہیں کے دلوں اور

سینوں میں نورِ الٰہی کا وہ چراغ روشن ہے کہ جس سے ان کو اللہ نے اس راہِ راست اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے واللہ اعلم باسرارِ کلامہ۔ رجال کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد میں حاضر ہونا مردوں کے لیے ہے جمعہ اور جماعت انہیں پر ہے نہ عورتوں پر اور یہ بھی اشارہ ہے کہ دراصل رجال یعنی مرد ایسے ہی لوگ ہیں کیونکہ دنیا مردار کے طالب کتے ہیں اور مولیٰ کے طالب مرد ہیں۔ بڑی مردانگی یہی ہے، نہ کھانا، سونا، جماع کرنا، کسی کو مار ڈالنا، نفس کا مار ڈالنا اور نفسانی خواہشوں کو اس چراغِ ہدایت سے جلا دینا بڑی مردمی ہے۔ اس کلامِ پاک کی شرح کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

اور وہ جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں کہ جیسے جنگل میں چمکتی ہوئی ریت جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پایا۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گیا اور اللہ نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے یا ایسی مثال ہے کہ جیسی موجزن دریا میں ان کی ٹھٹریاں ہوتی ہیں کہ جس کو ایک موج۔ دوسری موج[1] کو اور اس پر بادل نے ڈھانک رکھا ہو۔ اندھیریاں ہیں ایک کے اوپر ایک۔ (انسان وہاں) جب اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو کچھ بھی دیکھ نہ سکے اور جس کو اللہ ہی نے نور نہ دیا ہو تو اس کے لیے کوئی بھی نور نہیں۔

ترکیب : بقیعة موضع جر میں سراب کی صفت یحسبه بھی سراب کی صفت قیعة جمع قاع ای فی فلاۃ والیاء فی قیعة بدل من واو لسکونها وانکسار ماقبلها لانهم قالوا فی قاع اقوع او کظلمات معطوف ہے سراب پر تقدیرہ او کاعمال ذی ظلمات فیقدر ذی لیعود الضمیر من قوله اذا اخرج یده الیه ویمکن ان یقال لا حذف فیه والمعنی انه شبه اعمال الکفار بالظلمة فی حیاتها بین القلب وبین مایهتدی الیه، فی بحر صفت، لظلمات لُجّیّ نسبة الی اللج ای ذی لجة یغشاه صفة اخری۔

تفسیر : اس نور اور نورانی لوگوں کے بعد ظلمت اور ظلمانی لوگوں کا حال بھی تشبیہ میں بیان فرمایا جاتا ہے۔

فقال وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ کہ کافروں کے اعمال جن کو وہ نیک اور وسیلۂ آخرت سمجھ کر کرتے ہیں سراب کی مانند ہیں جس کو جنگل میں دوپہر کے وقت پیاسا دور سے پانی سمجھ کر بڑی بیقراری سے اس کے پاس آتا ہے اور وہاں جا کر کچھ بھی نہیں پاتا یہی حال ان کا ہے کہ بوقتِ مرگ جن اعمال پر ان کو سہارا تھا ان کو کچھ بھی نہ پاویں گے اور اللہ ہی سے ان کو وہاں معاملہ پڑے گا سو وہ ان کا حساب پورا کر دے گا۔ ازہری کہتے ہیں سراب وہ ہے جو ٹھیک دوپہر میں دور سے پانی سا موجیں مارتے ہوئے دکھائی دیا کرتا ہے یعنی پانی چلتا ہوا دکھائی دیا کرتا ہے یقال سراب الماء یسرب سربا اذا جری فهو سارب۔ قوله تعالیٰ ووجد الله عنده ای وجد عقاب الله الذی یوعد به الکافر عند ذلک۔ یہ ان

[1] من فوقه صفة الموج والموج الثانی مرفوع بالظرف لانه قد اعتمد ویجوز ان یکون مبتدأ الظرف خبره ومن فوقه سحاب لغت للموج الثانی ظلمات بالرفع خبر مبتدا محذوف ای هذه ظلمات۔ ۱۲ منه

کے بقیہ احوال کا بیان ہے جو اس کے بعد ان پر عارض ہوگا بطور تکملہ کے تاکہ یہ نہ سمجھا جاوے کہ ان کے حال کا اسی پر حصر ہے بلکہ اس کے بعد اور بھی برا حال ہوگا بس یہ لم یجدہ شیئا پر معطوف نہیں (ابوالسعود) اَوۡ كَظُلُمٰتٍ یہ دوسری مثال ہے کفار کے حال کی پہلی مثال میں یہ بتلایا گیا کہ ان کے اعمال اگر اچھے بھی ہیں تو عقائد صحیحہ نہ ہونے کی وجہ سراب کی مانند ہیں آخرت میں ان سے کوئی نفع نہ ہوگا اور اگر برے ہیں تو وہ ظلمات ہیں۔ یا یوں کہو کہ پہلی مثال میں ان کے اعمال کا بیان تھا کہ وہ کچھ بھی فائدہ مند نہیں اور دوسری مثال میں ان کے عقائد کا بیان ہے کہ وہ ظلمات سے مشابہ ہیں جیسا کہ فرمایا یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ای من الکفر الی الایمان اگلا جملہ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ اس پر دلالت کرتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دریاء لجی (اے ذو اللجۃ التی ھی معظم الماء الغمر البعید القعر) یعنی بڑے گھرے اور بہت عمیق کی قعر میں اندھیرا ہوتا ہے پھر جب اس پر امواج کا تلاطم ہوتا ہے تو اور بھی اندھیرا زیادہ ہو جاتا ہے اور جبکہ امواج پر بادل اور گھٹا گھنگھور ہوتی ہے تو انتہا درجہ کی اندھیری ہو جاتی ہے تو ایسی حالت میں ہاتھ بھی نہیں دکھائی دیتا حالانکہ پاس کی چیزوں میں سے جو کوئی دیا کرتے ہیں عادتاً ہاتھ ہی بہت قریب سمجھا جایا کرتا ہے۔ اس طرح کافر تین اندھیریوں میں مبتلا ہیں اول اعتقادِ بد کی ظلمت جو بحرِ عمیق کے مشابہ ہے اور عقائد کا محل دل ہے جس کو مختلف موجیں مارنے میں اور خطرات و شہوات کے تلاطم میں بڑی مناسبت اور کامل تشبیہ ہے۔ دوم قولِ بد کی ظلمت جو ان کی زبان سے نکل کر دریا کی طرح موجیں مارتی ہے۔ سوم عملِ بد کی ظلمت جو بادل کی طرح محیط ہے یا اس کے قلب اور سمع و بصر کی اندھیریاں مراد ہیں یا اپنے کفر پر جو اس کو اصرار ہے اس کی ظلماتِ متراکمۃ کو دریا اور امواج اور سحاب کی ظلماتِ متراکمہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پس وہ کافر ان اندھیریوں میں مبتلا ہے اب اگر اس کو اللہ ہی اندھیریوں سے نہ نکالے اور نور میں نہ لائے تو کون نکال سکتا ہے اور نور میں لا سکتا اس لیے فرمایا وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ؕ كُلٌّ قَدۡ
عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ‌ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزۡجِىۡ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ
بَيۡنَهٗ ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ‌ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنۡ جِبَالٍ فِيۡهَا مِنۡۢ بَرَدٍ فَيُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَصۡرِفُهٗ عَنۡ مَّنۡ يَّشَآءُ‌ؕ
يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِؕ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ‌ؕ اِنَّ
فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ‌ۚ
فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى بَطۡنِهٖ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى رِجۡلَيۡنِ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ
مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰٓى اَرۡبَعٍ‌ؕ يَخۡلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدۡ

اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اور پرند جو پر پھیلائے اڑتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں ہر ایک نے اپنی اپنی نماز اور تسبیح معلوم کر رکھی ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو سزاوار ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا بھی ہے۔ کیا (اے مخاطب!) تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر وہی ان کو گھنگھور گھٹا بناتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ ان میں سے مینہ برساتا ہے اور وہی آسمانی پہاڑوں سے جو بادلوں میں ہیں اولے برساتا ہے۔ پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک ہے کہ آنکھوں (کے نور) کو اچکائے لیے جا رہی ہے (اور) اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔ بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے ایک بڑی عبرت ہے اور اللہ ہی نے تمام زمین پر چلنے والے جانوروں کو پانی سے پیدا کیا ہے پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ہیں کہ اپنے دو پاؤں سے چلتے ہیں۔ اور بعض ہیں کہ چار پاؤں سے چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ البتہ ہم نے کھلی کھلی آیتیں نازل کر دی ہیں۔ اور اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ترکیب : الطیر معطوف علیٰ من جمع طائر صافات حال من الطیر ای باسطات اجنحتین۔ علمہ کی ضمیر راجع ہے کل کی طرف وھوالاقوی لان القراۃ برفع کل علی الابتداء یزجی یسوقہ برفق۔ بینہ انما جاز دخول بین علی المفرد لان المعنی بین اجزاء السحاب۔ رکاما متراکما بعضہ فوق بعض۔ الودق المطر من خلالہ ای مخارجہ جمع خلل کجبال فی جبل من السماء من لابتداء الغایۃ من جبال کا من یا زائدہ ہے اور ممکن ہے کہ پہلے من سے بدل ہو علی عادۃ الجار والتقدیر ینزل من جبال السماء ای من جبال فی السماء من برد بیان للجبال والمفعول محذوف ای ینزل مبتداء من جبال فیھا من برد برداً۔

تفسیر : انوارِ قلوب المومنین وظلماتِ قلوب الکافرین کے بعد چند وہ دلائل توحید بیان کرتا ہے جن میں نظر کرنے سے حق سبحانہ اور اس کی توحید کا نور متجلی ہو کر نور پر نور کی کیفیت حاصل ہو جاوے۔ فقال الم تر ان اللّٰہ یسبح الخ یہ اول دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہی پر کیا موقوف ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے ملائکہ اور روحانیات اور جو کچھ کہ زمین پر ہے انسان اور حیوان حجر اور شجر بلکہ جو ان کے درمیان ہے پرند جو ہوا میں پر کھولے معلق دوڑتے پھرتے ہیں سب اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ الم تر سے مراد الم تعلم ہے کیونکہ ان چیزوں کی تسبیح آنکھوں سے نہیں نظر آتی ہاں دل کی آنکھوں سے دکھلائی دیتی ہے یعنی عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تسبیح کرنے سے متکلمین کے نزدیک ان چیزوں کا اس پر دلالت کرنا مراد ہے کہ ان کا خالق صفاتِ نقصان سے منزہ اور بری اور صفاتِ کمال اور نعوتِ جلال سے موصوف ہے یعنی تسبیح بدلالۃ الحال ہے نہ بالمقال۔ بعض کہتے ہیں بعض چیزیں زبان سے بھی تسبیح کرتی ہیں عقلاً انسان ملائک جن وغیرہ اور بعض بدلالۃ الحال۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر چیز اپنی ایک خاص زبان سے جو اس کو عطا کی گئی ہے اس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے جمادات اپنی زبانِ جمادی سے کرتے ہیں کبھی جمادات کی تسبیح بعض روشن ضمیروں کو بھی سنائی دی جاتی ہے چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کی مجلس میں کنکروں کی تسبیح سنائی دی گئی اور نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل (رواہ البخاری) کہ ہم کھاتے ہوئے کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ اور نبات اپنی زبانِ نباتی سے تسبیح کرتے ہیں۔

چنانچہ مسجد نبوی میں کھجور کا ٹھنڈ جو مسجد کا ستون تھا جس پر آپ سہارا لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے حضرت ﷺ کے فراق میں رویا اور اس کا رونا سب کو سنائی دیا (رواہ البخاری) رہے حیوانات پرند اور غیر پرند سو ان کے عجائب افعال اس بات کی صریح دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو ایک قسم کی گویائی اور ادراک عطا کی ہے اور وہ اللہ کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں اور اللہ نے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح فطری طور پر تعلیم فرمائی

ہے۔ کل قد علم صلوته و تسبیحه اور اسی لیے بعد میں فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔ اس کے بعد مبدأ و معاد کا مسئلہ ظاہر کرتا ہے وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ ہر چیز کو وجود اس کی طرف سے ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے اسی لیے اس کو تسبیح و تقدیس کا استحقاق ہے والی الله المصير اور پھر اس کے پاس جانا بھی ہے اس لیے اس کی تسبیح و تقدیس ضرور ہے آخر اسی سے کام پڑے گا۔ حاصل یہ کہ یہ سب عالم مسخر ہے صغری بدیہی الثبوت ہے اس لیے اس کو الم تری سے تعبیر کیا اور جو چیز مسخر اور منقاد ہے وہ خدا نہیں۔ ثابت ہوا کہ عالم میں سے کوئی چیز بھی قابلِ پرستش نہیں پھر جو ان کو پوجتے ہیں وہ ظلماتِ متراکمہ میں جو ان کے تخیلاتِ باطلہ میں گرفتار ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا یہ دوسری دلیل ہے کہ اللہ بادل پیدا کرتا ہے پھر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جمع کر کے ان کو گھنگور گھٹا بناتا ہے اور ان بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ مینہ برساتا ہے یہ نہیں ہونے دیتا کہ مشک کے دہانہ کھلنے میں جس طرح بے تحاشا پانی گر پڑتا ہے۔ اسی طرح گرے یہ بھی حکیم وقدیر کی عجیب قدرت ہے۔ پھر اس پر اور حکمت دیکھو وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ کہ انہیں بادلوں میں سے جو پہاڑ کی مانند ہیں جس طرح مینہ برساتا ہے اس طرح جسمِ جامد اولے بھی برسا دیتا ہے جن کو پتھر کہنا بمناسبت من جبال نہایت مناسب ہے۔ اس پر اور بھی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ قابلِ غور ہے يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ کہ اس سرد اور تر جگہ سے کہ جہاں سے اولے اور مینہ برستا ہے بجلی بھی ظاہر کرتا ہے جو سخت آتش بلکہ آتش کی روح ہے پھر وہ اس طرح سے کوندتی ہے کہ دیکھنے والے بھی آنکھ بند کر لیتے ہیں آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اس کے دیکھنے کی تاب نہیں لاتیں پھر عاقل بصیر ان سب چیزوں سے اس قادرِ حکیم کا جلوہ دیکھ سکتا ہے کہ جس سے عقل کی آنکھیں نہیں چندھیاتیں بلکہ اور بھی اس نورِ عقلی سے روشن ہو جاتی ہیں۔ کلام میں بلاغت بھی کس درجہ کی ہے کہ مینہ کا سارا سماں باندھ دیا۔ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یہ تیسری دلیل ہے کہ اللہ ہی رات دن کو بدلتا ہے۔ رات کے بعد دن' دن کے بعد رات لاتا ہے اور پھر ہر ایک کو چھوٹا بڑا بھی کرتا ہے گو یہ آفتاب یا زمین کی حرکت سے ہو مگر ان کی حرکت بھی تو اسی کے یدِ قدرت میں ہے۔ تمام اسباب کا سلسلہ انجام کار اس کی طرف منتہی ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کہ ان میں انہیں کے لیے عبرت ہے جو چشمِ بصیرت رکھتے ہیں۔ وہی ان دلائل سے بانیِ عالم کا وجودِ باکمال سمجھ سکتے ہیں اور اس کے صفاتِ کاملہ سمجھنے کے بعد یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں جس قدر نعمتیں ہیں اس کے ہاں سے آئی ہیں وہی مینہ برسا کر دنیا کو آباد کرتا ہے اور سب کے اسباب وہی مہیا کر دیتا ہے اور نیز یہ بھی کہ رحمت ناشکری کے وقت زحمت بھی ہو جاتی ہے بادلوں میں سے پانی بھی برساتا ہے مگر وہیں بجلی اور اولے بربادی کے بھی سامان مہیا کر رکھے ہیں اور نیز دولت کے بعد افلاس اور زوال کے بعد اقبال' صحت کے بعد تندرستی یہ سب باتیں رات دن کی الٹا پلٹی کی طرح وہی الٹتا پلٹتا ہے۔ اگر عقل ہے تو پھر غیر کی پرستش کبھی نہ کرے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ الخ یہ چوتھی دلیل ہے کہ اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا پھر کسی کو پیٹ کے بل کسی کو دو پاؤں پر کسی کو چار پاؤں پر چلایا یہ اختلاف اور یہ پیدائش بھی اسی صانع حکیم کا فعل ہے نہ طبیعت کا نہ مادہ کا نہ کسی اور کا۔

سوال: بہت سے جاندار پانی سے نہیں پیدا ہوئے جن آگ سے' ملائکہ نور سے' آدم خاک سے اور نیز موادِ ارضیہ سے بھی حیوانات کو پیدا ہوتے دیکھا ہے۔

جواب: من ماء صلہ کل دابۃ کا ہے نہ خلق کا یعنی جو جانور پانی سے بنتے ہیں ان کو اللہ نے ایسا بنایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل جمیع مخلوقات کی پانی ہے پھر اس پانی سے اور عناصر پیدا ہوئے جیسا کہ جلد ثانی میں ہم نے بیان کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دابۃ سے مراد زمین پر چلنے والے جانور ہیں جن کی پیدائش پانی سے ہے پس جن اور ملائکہ ان میں داخل نہیں من ماء کو نکرہ لا کر یہ بتا دیا کہ ہر نوعِ دابۃ کو اس پانی سے پیدا کیا جس کے ساتھ وہ مخصوص ہے۔ بعض جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں سانپ وغیرہ بعض دو پاؤں سے انسان وغیرہ بعض چار سے گائے بھینس گھوڑا

وغیرہ اور بھی عجائب مخلوقات ہیں یا کسی کے چار سے زیادہ پاؤں ہیں کنکھجورا وغیرہ تو ان سب کی طرف یخلق الله مایشاء ان الله علی کل شیء قدیر میں اشارہ کردیا۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۴۹﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵۰﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُل لَّا تُقْسِمُوا ۖ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾

ع الثلثة

اور (اے رسول!) منافق یہ تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور فرمانبردار بھی ہوگئے مگر اس کے بعد بھی ان میں سے ایک فریق پھر جاتا ہے اور وہ تو سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تھے اور جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف باہم فیصلہ کے لیے بلائے جاتے ہیں تو بھی ایک فریق ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے اور اگر ان کے لیے حق پہنچتا ہو تو رسول کے پاس گردن جھکائے چلے آتے ہیں کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک میں پڑے ہیں یا ان سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کردے گا (وہ تو ایسا نہیں کریں گے) بلکہ خود وہی ظالم ہیں۔ مومنوں کی بات تو یہی تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لیے بلایا گیا تھا کہ ان میں فیصلہ کردیا جاتا (تو بھی) کہتے کہ حکم سن لیا اور مان لیا اور وہی لوگ فلاح پانے والے بھی ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے حذر کرتا ہے سو وہی کامیاب ہوتا ہے اور وہ اللہ کی پکی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل پڑیں۔ کہہ دو قسمیں تو نہ کھاؤ دستور کے موافق حکم برداری چاہیے۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ کہو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ پھر اگر اس پر بھی پھر جاویں تو پیغمبر پر تو وہی ہے جس کا وہ ذمہ دار ہے اور تم پر وہ ہے جو تمہارے ذمہ پر لازم کیا گیا ہے (کہہ دو) اور اگر اس کا کہا مانو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور رسول پر تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ کھول کر (صاف صاف) پہنچادے۔

تفسیر : ان دلائل کے بعد جو انسان کے دل میں نورِ ابدی اور سرورِ سرمدی پیدا کرتی ہیں چند گمراہ ازلیوں کا تذکرہ کرتا ہے جو ظلمات میں مبتلا ہیں اور ان ظلمات کے سبب ذرا ذرا سی باتوں میں بھی رسول کریم ﷺ کے اتباع کرنے سے دل چراجاتے اور حیلہ بہانہ بناتے ہیں۔ یہ چند منافق جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے انہی کی طرف ان آیات میں روئے سخن ہے کہ یہ لوگ منہ سے تو ایمان وفرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں اور موقع پر آ کر منہ موڑ جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ مومن نہیں اور جب کسی باہمی فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو انکار کر جاتے ہیں اور اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو گا تو رسول کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں پھر کیا ان کے دل میں مرضِ نفاق ہے یا شک میں پڑے ہوئے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا؟ بلکہ وہی ظالم ہیں جو ایسی بدگمانی رسول اور اللہ کی طرف جائز رکھتے ہیں۔ ایمانداروں کی یہ شان نہیں بلکہ ان کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بلایا جاوے یعنی کوئی حکم دیا جاوے تو سمعنا واطعنا کے سوا اور کچھ نہ کہیں یعنی یہی کہیں کہ ہم حکم بردار ہیں۔ اس سرزنش کے بعد وہ منافق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر آپ ہمیں وطن سے نکل جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم تعمیل کریں گے یعنی ہم دل سے مطیع ہیں۔ فرمایا کہہ دو کیوں جھوٹی قسمیں کھاتے ہو وطن سے نکلنے کا کوئی حکم نہیں دیتا۔ دستور کے موافق طاعت کا اللہ اور رسول حکم دیتا ہے اسی پر قائم رہو اور اس پر بھی قائم نہ رہو گے تو رسول پر کچھ نہیں وہ پہنچا چکا اس کا بار تمہیں پر ہے۔

اب اس میں مختلف روایات ہیں کہ ان آیات میں کون منافق مراد ہیں اور کس خاص معاملہ کی طرف اشارہ ہے؟ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں بشر منافق مراد ہے اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا جس میں وہ حق پر نہ تھا اس لیے کہتا تھا کہ اس کا فیصلہ کعب بن اشرف سردار یہود کرے گا۔ یہودی جانتا تھا کہ وہ دغاباز ہے اس لیے وہ کہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف چلو۔ ضحاک کہتے ہیں مغیرہ بن وائل منافق اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں ایک زمین کی بابت نزاع تھی علی رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت ﷺ سے فیصلہ کراؤ اس نے انکار کیا واللہ اعلم۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵۷ ع

اللہ نے تم میں سے ایمانداروں اور اچھے کام کرنے والوں کے لیے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کو ضرور ملک کی خلافت (حکومت) عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور جس دین کو ان کے لیے اسی نے پسند کیا ہے ان کے لیے اس کو ضرور مستحکم کر دے گا اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ (باطمینان) میری عبادت کیا کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد بھی ناشکری کرے سو وہی فاسق ہیں۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (اے نبی!یہ) خیال بھی نہ کرنا کہ منکر ملک میں اپنی تدابیر سے ہم کو ہرا دیں گے اور ان کا ٹھکانا تو آگ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب : یَسْتَخْلِفَنَّھُمْ ہو جوابِ قسم مضمرای وعدھم واقسم لیستخلفنھم یعبدوننی حال من الذین اواستیناف، لایشرکون حال من الواوای یعبدوننی غیر مشرکین۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہی فلاح پاویں گے وہی کامیاب ہوں گے۔ آخرت کی کامیابی تو متعدد مقامات پر بیان ہو چکی تھی اب یہاں دنیا کی کامیابی بیان فرماتا ہے بقولہ وعداللہ الخ اور اس وعدہ کے بعد پھر ان مسلمانوں کو کہ جن کے لیے خلافت و امامت اور زمین پر حکومت و شوکت کا وعدہ کیا ہے واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ الخ کا حکم دیتا ہے کہ زمین پر اقتدار پا کر اور سلطنت و شوکت حاصل کر کے بنی اسرائیل کی طرح خدا اور اس کے رسول سے برگشتہ نہ ہو جانا بلکہ نماز و روزہ اور جمیع امور میں اس کے احکام کی پابندی کرنا جن کی طرف واطیعوا الرسول میں اجمالاً اشارہ ہے تاکہ تم پر رحم کیا جاوے ورنہ قہر الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے شوکت و سلطنت چھین لے جائے گی اور جو دنیا میں اقتدار پا کر خدا سے سرتابی کرتے ہیں اور تکبر میں آ کر دین کی پروا نہیں کرتے ان کو نہ یہ سمجھو کہ وہ خدا کے قبضے میں نہیں رہے۔ دنیا میں بھی وہ رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نیز اس فقرہ لاتحسبن الخ میں مسلمانوں کو تسلی دیتا اور اپنے وعدۂ خلافت کا وثوق ظاہر کرتا ہے کہ اے مسلمانو! آج جو تم کفار سے دبے ہوئے ہو اور تمہارے مقابلہ میں روم و ایران وغیرہ بڑی بڑی سلطنتیں ہیں یہ سب ہمارے بس میں ہیں ان کو ہم مغلوب و مقہور کرنے پر قادر ہیں۔

پیشین گوئی : حاکم نے بسندِ صحیح نیز طبرانی نے بھی ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے (اس آیت کے شانِ نزول میں) یوں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو تمام تر عرب دشمن ہو گیا۔ مسلمان ہر وقت خوف کی حالت میں ہتھیار بند رہا کرتے تھے اور آرزو کیا کرتے تھے کہ کبھی ایسے بھی دن آئیں گے کہ ہم بھی امن سے رات کو سویا کریں گے کہ بجز خوف خدا اور کسی کا خوف نہ ہوگا ایسی حالت میں ان کی تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ خصوصاً جنگِ احزاب میں تو مسلمانوں پر از حد تکلیف اور سخت خوف و ہراس تھا۔ ابوالعالیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی ایسا ہی کچھ نقل کیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس وقت کے مسلمانوں سے جو نیک تھے بطور پیشین گوئی یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم ان کو زمین پر اس طرح سے خلیفہ کریں گے یعنی سلطنت و حکومت دیں گے کہ جس طرح تم سے پہلوں کو دی تھی۔ حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام وغیرہ کو اور ان کے حق پسند دین پر ان کو قادر کر دیں گے کہ آزادی سے وہ اپنے مذہب کی پابندی کریں گے، کسی کی روک ٹوک نہ ہوگی ہر طرح سے اس مذہب کے پھیلانے پر قادر ہوں گے اور خوف جو ان کو دشمنوں کا رہتا ہے اس کو دور کر کے اس کے بدلہ میں دیں گے۔ کسی سے نہ ڈریں گے کہ دین کو مخفی کریں۔ یعبدوننی میری عبادت کیا کریں گے اور میرا کسی کو شریک نہ کریں گے یعنی بے کھٹک عبادت و توحید کو بجا لائیں گے اور نیک ہوں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا وہ فاسق ہے اس پر حمایتِ الٰہی کا ہاتھ نہ رہے گا۔ صدق اللہ العلی العظیم۔ اس نے یہ وعدہ پورا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگِ احزاب کے بعد غلبہ دیا اور پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے عہدِ خلافت میں تنہا عرب بلکہ روم و ایران وغیرہ سرسبز سلطنتیں بھی ان کے ہاتھ میں دیں اور نہایت امن کے ساتھ ان کے زمانوں میں دینِ اسلام کی اشاعت و ترقی ہوئی۔

خلافتِ خلفاءِ اربعہ کا ثبوت : اس آیت سے خلفاء اربعہ کی خلافت کا برحق ہونا صاف صاف ثابت ہوتا ہے۔ خوارج کا قول باطل ہے جو وہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو خارج کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ کا قول بھی غلط ہے جو وہ خلفاءِ ثلثہ کو خارج سمجھتے ہیں کیونکہ فتوحاتِ اسلام تو انہیں حضرات کے عہد میں ظہور میں آئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے عقیدہ کے موافق تقیہ کرتے تھے ان کو امن حاصل نہ ہوا وہ اس آیت کے مصداق ہو نہیں سکتے اور اسی طرح باقی آئمہ اطہار کو تو سرے سے حکومت ہی نہیں ملی اور وہ بھی خوف سے تقیہ کرتے رہے ان کے مہدی تو آج تک ڈر کے مارے کسی غار میں چھپے بیٹھے ہیں۔ افسوس بعد میں مسلمانوں نے فسق و فجور اختیار کیا وہ شوکت و قوت بھی ان کی نہ رہی

اور اب بھی باز نہیں آتے۔ مسلمانوں کی ترقی اور قومی شوکت کا یہی سبب ہے جس سے آج کل کے ریفارمر غافل ہو کر اور اسبابِ ترقی تلاش کر رہے ہیں۔ اللھم ارحم المسلمین واھدھم وسائھم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ایمان والو چاہیے کہ تمہارے غلام اور تمہارے وہ لڑکے جو حدِ بلوغ تک نہیں پہنچے تم سے ان تینوں وقتوں میں اجازت لے کر آیا جایا کریں صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہاری برہنگی کے ہیں ان کے بعد نہ تم پر کچھ گناہ ہے نہ ان پر کہ آپس میں ایک دوسرے کے پاس آیا جایا کریں۔ اللہ اپنے احکام اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور اللہ خبردار' حکمت والا ہے اور جب تمہارے لڑکے حدِ بلوغ کو پہنچ جاویں تو ان کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے (یعنی بڑی عمر) کے اجازت لے کر آتے ہیں۔ اللہ اس طرح کھول کر تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور وہ بڑی بوڑھی عورتیں کہ جو نکاح کی رغبت نہیں رکھتیں۔ ان پر بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ (اپنے گھروں میں) کپڑے اتار دیا کریں بشرطیکہ زینت کی جگہ نہ کھول دیا کریں[۲] اور اگر اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

ترکیب : ثلث مرات فی الاصل مصدر وقد استعملت ظرفا فعلی ھذا انصبھا علی الظرفیۃ والعامل لیستاذنکم والقواعد جمع قاعد عن النکاح وامن القعود فقاعدۃ۔

تفسیر : منجملہ اطاعتِ اللہ اور اس کے رسول کے ایک استیذان و اجازت کا مسئلہ بھی ہے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ادب سکھاتا ہے جو تدبیر المنزل کے متعلق ایک بڑا اہم مسئلہ تھا جس سے آج تک تمام کتبِ الٰہامیہ خالی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک بار

---

[۱] وحین معطوف علی موضع من قبل۔ ۱۲ التبیان

[۲] یعنی بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کے قابل نہ رہی ہوں اپنے گھروں میں اپنے بالائی کپڑے اتار کر بیٹھا کریں بشرطیکہ زینت یعنی وہ اعضاء جو عورتوں کی زینت ہے اور سینہ اور رانیں نہ کھول دیا کریں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ۱۲ منہ

آنحضرت ﷺ نے ایک انصاری کے لڑکے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلانے بھیجا۔ دو پہر کا وقت تھا عمر رضی اللہ عنہ سوتے تھے گھر میں گھس گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو بیدار کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑا کچھ کھل گیا تھا دل میں خیال آیا کہ ان کے آنے جانے کی بابت بھی کاش خدا تعالیٰ کوئی حکم نازل کرے۔ حضرت ﷺ کے پاس آئے تو آتے ہی حضرت ﷺ نے یہ آیت سنائی۔ شاید اس آیت کے سنانے کے لیے بلایا ہو۔ مقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اسماء بنت مرشد کا ایک بڑا لڑکا تھا وہ گھر میں ایک بار ایسے وقت آیا جوان کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تب یہ آیت نازل ہوئی (معالم)۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مرد اور اجانب جوان یا بالغوں کو تو اجازت لے کر آنے کا پہلے حکم ہو چکا تھا بقولہ تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا الآیۃ اب رہے تھے لڑکے بالے جو حدِ بلوغ تک نہیں پہنچے جن سے عادتاً پردہ نہیں کیا جاتا وہ اپنے گھر کے ہوں یا بیگانے اور اسی طرح اپنے غلام اور لونڈی سے بھی آنے جانے میں پردہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ خادم ہیں ہر وقت آقا کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اس بارہ میں کوئی حکم نہیں آیا تھا لیکن مسلمانوں کو بے وقت آنا ان کا بھی ناگوار معلوم ہوتا تھا اور ہونا بھی چاہیے۔ بھلا کس کا دل چاہتا ہے کہ سونے کے وقت جبکہ کپڑے اتار دیے ہوں کوئی ہوشیار لڑکا گو بالغ نہ ہو خواہ وہ اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو یا اپنا غلام ہو بے محابا چلا آوے؟ اس لیے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! چاہیے کہ تمہارے غلام اور نابالغ لڑکے تین وقتوں میں تم سے اجازت لے کر آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے اور دو پہر کے وقت جبکہ کپڑے اتار دیے جاتے ہیں (یہ گرمی میں گرم ملکوں میں عام عادت ہے) اور نمازِ عشاء کے بعد ان اوقات کے بعد پھر اور وقتوں میں بے اجازت اور بے اطلاع آنے جانے کی کچھ ممانعت نہیں اور وہ لڑکے جب بالغ ہو جاویں تب ان کو ہمہ وقت اس طرح سے اذن لے کر آنا چاہیے کہ جس طرح ان سے بڑے اور بالغ لوگ اذن لے کر آیا کرتے ہیں کَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ سے یہی مراد ہیں نہ کہ پہلی امتوں کے لوگ۔ ان خاص وقتوں کے علاوہ جبکہ اذن و بے اطلاع آنے کی غلاموں اور لڑکوں کو اجازت دی گئی تو اس کے ساتھ گھر میں عورتوں کو کس حال میں رہنا چاہیے؟ اس کی بھی تشریح کر دی۔ یہ نہیں کہ جوان عورت گھر میں ننگ دھڑنگ رہا کرے یا سترِ غلیظ ڈھانکنے کے لیے کوئی کپڑا باندھ کر باقی برہنہ رہا کرے جیسا کہ بعض قوموں میں دستور ہے بلکہ گھر میں بھی ستر پردہ کے کپڑے پہنے رہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الخ ہاں بڑی بوڑھی عورتوں کو اوڑھنا یا چادر اتار دینا کچھ مضائقہ نہیں اس طرح پر کہ چھپانے کے اعضاء نہ کھلیں اور اگر یہ بھی گھر میں سر کی اوڑھنی وغیرہ نہ اتارا کریں تو بہتر ہے عواقب امور کو اللہ جانتا ہے۔ یہ پہلے حکم کا تکملہ ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ
وَّلَا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ
اُمَّھٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ
اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِکُمْ اَوْ مَا مَلَکْتُمْ
مَّفَاتِحَہٗٓ اَوْ صَدِیْقِکُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ

مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

نہ تو اندھے ہی پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر اور خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے کہ جن کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہوں یا اپنے دوست کے گھروں سے تم پر کچھ گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر جب گھروں میں دخل ہونا چاہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرلیا کرو جو مبارک اور عمدہ دعا اللہ کی طرف سے ہے۔ اس طرح سے (کھول کھول کر) احکام فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

ترکیب : تحیۃً مصدر من معنی سلموا لان سلم وحیا بمعنی من عند اللہ ظرف مستقر صفۃ التحیہ۔

تفسیر : اجازت اور گھروں میں جانے کا ذکر آیا تھا اس لیے اس کے بعد باہم مواکلت اور مشاربت کے مسئلہ کو بھی طے فرمادیا بقولہ العظیم لیس علی الاعمیٰ حرج الخ عبدالرزاق نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں یہ دستور تھا کہ کسی اندھے یا لنگڑے یا بیمار کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے باپ وغیرہ اقارب مذکورہ فی الآیت کے گھر لے جا کر کھانا کھلا دیا کرتے تھے مگر وہ لوگ اپنے تقویٰ و دیانت سے اس میں تردد کرتے تھے کہ ہم کو بیگانہ گھروں میں لے جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ آیت نازل ہوئی کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں یعنی درست ہے اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ لوگ اندھے اور بیمار اور لنگڑے کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں تامل کرتے تھے اور نیز ان گھروں سے بھی کھانے میں تامل تھا۔ پھر اس کی چند وجہ بیان کی ہیں۔ اندھوں کے ساتھ اس لیے کہ اس کو کھانے میں امتیاز نہیں رہتا اور لنگڑے کے ساتھ اس لیے کہ مجلسِ طعام میں اس کی نشست جرح انداز خیال کی جاتی تھی اور بیمار سے تو تنافر طبعی ہوا ہی کرتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے رخصت دی۔ صاف معنی یہ ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً الخ تو تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے لوگوں میں یہ بات پیدا ہوگئی تھی اپنے ہی گھروں سے کھانا کھانا درست جانتے تھے۔ رشتہ داروں دوستوں کے گھروں سے کھانا ان کا ناحق مال کھانا سمجھتے تھے اور اسی احتیاط سے اندھے کے ساتھ اور بیمار اور لنگڑے کے ساتھ مشترک کر کے نہ کھاتے تھے کہ اندھے کو اچھا لقمہ نہ سوجھے اور میں کھا جاؤں اور بیمار اپنا پورا حصہ نہ کھا سکے گا اور لنگڑے کے آنے میں دیر ہونا معمولی بات ہے مبادا اس سے پیشتر کھا جاوے اور نیز وہ اچھی طرح بیٹھ بھی نہیں سکتا کہ پورا حصہ برابر کھاوے اور نیز چند آدمی باہم مل کر بھی اس خیال سے نہ کھاتے تھے کہ مبادا حصہ سے زیادہ کھایا جاوے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ حرج و دقت کی بات ہے شرع نے تم کو تنگ نہیں کیا ہے اس لیے اندھے اور بیمار اور لنگڑے کو اور خود تم کو اجازت ہے کہ حسبِ دستورِ قوم اپنے گھروں سے اور اپنے رشتہ داروں کے گھروں سے اور اپنے دوستوں کے گھروں سے اور نیز اس کے گھر سے کہ جس نے تم کو اپنی کنجیاں دے کر مختار کر دیا ہے باہم مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔ کس لیے کہ عرب میں عادت اور دستور ہے کہ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے کھانے سے خوش ہوا کرتے ہیں۔ سو یہ اجازت ہے اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جہاں دستور نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ ہمارے کھانے سے یہ ناخوش ہوگا تو ہرگز جائز نہیں کہ اس کی اجازت بغیر اس کے گھر سے کھائے۔ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْ بُیُوْتِکُمْ اپنے گھروں سے کھانے کی جو اجازت دی حالانکہ اجازت کی کوئی بھی ضرورت نہیں تو اس لیے کہ اپنے گھروں سے مراد اپنی بیویوں کے گھر میں یا اپنی اولاد کے گھر اور اس لیے بیویوں اور اولاد کے گھروں کا ذکر آیت میں نہیں آیا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بیوتا الخ پھر جب تم ان گھروں میں کھانا کھانے جاؤ تو اول سلام کہہ لیا کرو گویہ اجازت مانگنا ہے۔ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ سے مراد اپنے لوگ ہیں کیونکہ احباب رشتہ دار بمنزلہ ایک جان کے ہیں اور جو وہاں کوئی نہ ہو تو خود اپنے اوپر سلام کہو السلام علینا من قبل ربنا کیونکہ فرشتے جواب دیتے ہیں اور یہ سلام کہنا جن میں سلامتی کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ اللہ کا

نام ہے اور مذہب اسلام سے بھی خبر دیتا ہے تمہارے رب کی طرف سے مبارک دعا اور سلام ہے نہ کہ بندگی و کورنش وغیرہ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

ع ۹

مومن تو وہی ہیں کو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام میں ہوتے ہیں کہ جس میں ہونے کی ضرورت ہے تو جب تک رسول سے اجازت نہیں لے لیتے تو اٹھ کر نہیں جاتے۔ اے رسول! جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں وہ ہی دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اے نبی!) پھر جو وہ اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو ان میں سے جس کو آپ چاہیں اجازت بھی دے دیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (مسلمانو!) رسول کے بلانے کو آپس کے ایک دوسرے کے بلانے جیسا نہ سمجھو۔ اللہ ان کو بھی جانتا ہے کہ جو موقع پا کر سٹک جاتے ہیں پس جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کیا کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آ جائے یا ان پر اور کوئی عذاب دردناک نازل ہو۔ دیکھو اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے البتہ اللہ خوب جانتا ہے جس حال پر کہ تم ہو اور جس دن کہ وہ لوگ اس کے پاس پھر لائے جائیں گے تو وہ ان کو بتلائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور اللہ کو ہر بات معلوم ہے۔

ترکیب : دُعَآءَ الرَّسُوْلِ مصدر مضاف الی المفعول۔ ای دعائکم الرسول لواذا مصدر فی موضع الحال ویجوزان یکون منصوبا بیتسللون۔

تفسیر : یہاں سے رسول کی اطاعت کے بارہ میں مدینہ کے منافقوں کی مذمت بیان ہے جو وہ اس سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اس مناسبت کے لیے سورہ کا تتمہ اسی قسم کے آداب پر کر نا ان کے دل میں کیفیتِ نورانی کا پیدا کر دینا ہے اور ان سب امور کے مصالح اور حکمتوں کی طرف اللہ بکل شیء علیم میں اشارہ کر دیا اور علم چونکہ نور ہے اس لیے کلام کو اس کے ساتھ ختم کیا۔ ابن اسحاق اور بیہقی نے دلائل میں عروہ ومحمد بن کعب قرظی وغیرہما سے روایت کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے ایام میں ابوسفیان قریش کو لے کر چڑھ آیا اور دومۃ الجندل کنوئیں کے پاس آ اترا ادھر قبیلہ غطفان نے آ کر احد پہاڑ کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے حضرت ﷺ نے خبر پا کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خود بنفس نفیس اور مسلمان بھی اس میں شریک ہوئے مگر منافقوں نے پہلو تہی کی۔ ذرا سی بات کا بہانہ کر کے بغیر

اجازت واذنِ رسول کریم ﷺ کے چلے جایا کرتے تھے اور جو کسی مسلمان کو کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو آپ سے اجازت لے کر جاتا اور کام سے فارغ ہو کر پھر شریک ہو جاتا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کی مدح میں آیت نازل فرمائی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ الخ اور ضمناً اس میں منافقوں کی مذمت ہے کہ وہ جو اس کا خلاف کرتے ہیں حقیقی مومن نہیں ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ان کو ضروری کام میں اذن لے کر جانا گو جائز ہے مگر تب بھی معافی مانگنا چاہیے۔ اَمْرٍ جَامِعٍ یعنی وہ کام جو اجتماع کو واجب کرے امر کو جامع علی سبیل المجاز کہا گیا پھر اس امرِ جامع کی تفسیریں کی گئی ہے کہ ایسا کام جس میں مسلمانوں کا مجمع ضروری سمجھا جاوے جیسا کہ مخالفین سے لڑائی یا کوئی تعمیر وعمل کے متعلق ایسا کام کہ جس میں عام منفعت ہو یا کوئی مشورہ اس میں جمعہ اور عیدین بھی شامل ہیں۔ جب امرِ جامع میں سردار کی اطاعت کا حکم دیا اور مخالفت سے منع کیا تو سردار کے متعلق آداب کا بیان کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ سردار کی عظمت بغیر کسی امرِ جامع کا انتظام نہ ہوگا۔ فقال لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ الخ یہ گیارہواں حکم ہے اس آیت کے معنی میں تین قول ہیں: اول یہ کہ رسول جو تم کو پکارے بلائے تو ان کے بلانے کو آپس کے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح سرسری نہ سمجھا کرو بلکہ فی الفور حاضر ہوا کرو اور تعمیل حکم کیا کرو۔ دوم یہ کہ رسول کی دعا کو آپس کی دعاؤں کی طرح نہ سمجھا کرو رسول جس کام کے صلہ میں دعا دیں تو وہ دعا مستجاب ہے اور جس کو بددعا دیں تو وہ بھی مقبول ہے۔ برخلاف عام لوگوں کی دعائیں بددعاؤں کے۔ سوم وہ معنی ہیں جن کو ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریقِ ضحاک نقل کیا ہے کہ لوگ آنحضرت ﷺ کو یا محمد یا ابوالقاسم نام لے کر پکارا کرتے تھے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو اس کا نام لے کر پکارا کرتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس طرح نہ پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو اور اسی طرح اور بزرگانِ دین کے ساتھ بھی ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الخ یہاں تعلیم ادب و مومنوں کی مدح کے بعد منافقوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ آنکھ بچا کر نکل جانے والے ہم سے مخفی نہیں رہ سکتے۔ رسول کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ دنیا میں ان پر کوئی بلا نہ آپڑے۔ بیماری، تنگدستی، دشمن سے مقہور ہونا، مرگِ جانکاہ، زلزلہ وغیرہ اور آخرت میں دردناک عذاب میں نہ مبتلا ہو جاویں۔ اللہ کو تمہارا سب حال معلوم ہے مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ اس کے قبضۂ قدرت میں آسمان و زمین سے عذاب بھیجنے پر بھی قادر ہے۔ اب تم زبان سے جو چاہو لاف زنی کر و مگر جس روز مر کر اس کے پاس جاؤ گے وہ تم کو تمہاری سب کرتوت بتلاوے گا۔ واللہ بکل شیءٍ علیم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝۱ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳

اس کی بڑی بابرکت ذات کہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تا کہ تمام جہان کو ڈر سنایا کرے (وہ ذات) کہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس

نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں اس کا شریک رہا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک اندازہ پر قائم کر دیا اور لوگوں نے تو اس کے سوا اور معبود مقرر کر لیے ہیں وہ کہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نہ خود اپنی ذات کے لیے ضرر کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع کا اور نہ موت کا اور نہ زندگی کا اور نہ مر کر زندہ ہونے کا۔

ترکیب : لیکون کا اسم ضمیر جو عبد کی طرف راجع ہے یا فرقان کی طرف یا اللہ کی طرف پھرتی ہے لیکون کا لام نزل سے متعلق ہے الذین یا تو اول الذی سے بدل ہے یا خبر ہے مبتداء محذوف کی ولم یتخذ جملہ کلام سابق پر معطوف و واتخذوا جملہ مستانفہ۔

تفسیر : یہ سورہ مکہ میں ہجرت سے پہلے اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ مشرکین مکہ کا آنحضرت ﷺ پر ہجوم تھا اور وہ حضرت کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر طرح طرح کے شبہات کیا کرتے تھے اور بت پرستی کے دریا میں غرق تھے اور خدا تعالیٰ کو اور اس کی صفات کو غلط طور پر اپنے اوہام باطلہ کے موافق سمجھ رکھا تھا۔ اس سورۃ میں ان سب باتوں کا جواب ہے۔ سورہ نور کے آخیر میں یہ جملہ تھا قَدْ یَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَیْهِ الخ کہ اللہ کو معلوم ہے کہ جس حال میں تم ہو جس دن دنیا سے لوٹ کر تم اس کے پاس آؤ گے تو وہ تمہیں بتلائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اس کلام میں اول تو عرب کے ان اعمال فاسدہ کی طرف تنبیہ تھی جن میں وہ شب و روز غرق تھے اور ظلمات میں مبتلا تھے۔ اس کا تدارک تو اس سورہ کے آخر میں بیان فرمایا اور نیز سورۂ نور میں بھی حکمت عملیہ کے متعلق بہت کچھ ارشاد ہو چکا تھا مگر ان کاموں میں سے ہر ایک سے بدتر بت پرستی تھی۔ دوم اس جملہ میں مر کر خدا کے پاس جانے اور نیک و بد کی جزاء و سزا پانے کا اشارہ تھا مگر یہ دو باتیں عرب کے مشرکوں کے بالکل خلاف تھیں پھر جو ان باتوں کو رد کرنے والی چیز تھی تو وہ نبوت تھی کہ دنیا میں ایک شخص دعویٰ کر کے یہ کہے کہ میں خدا کی طرف سے تمہیں ان باتوں سے منع کرنے کو آیا ہوں یہ اور بھی ان کے نزدیک حیرت انگیز بات تھی اس لیے ان تینوں مسائل کا جو اصول مذہب ہیں اس سورہ کے اول میں ثابت کرنا ضروری ہوا۔ سب سے اول مسئلۂ نبوت شروع کیا کس لیے کہ اسی پر زیادہ توحید و معاد کے مسئلہ کی بنیاد ہے مشرکین کے مسئلۂ نبوت میں یہ شبہات تھے۔ اول شبہ ان کا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کو کیا غرض ہے جو اس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی؟ دوم اگر نازل ہی کرنا تھا تو اپنے کسی اس بابرکت شخص پر نازل کرنا تھا جس کو اس نے اپنی سلطنت کے اختیارات دے رکھے ہیں جیسا کہ ہمارے معبود لات، منات یا ملائکہ وغیرہ۔ سوم پھر اس قرآن سے کیا فائدہ ہے۔ پس ان سب باتوں کا جواب ان آیات میں کس لطف و خوبی کے ساتھ دیا جاتا ہے فقال تبارك الذی الخ یہ اول شبہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا برکت والا ہے (قال الزجاج تبارک تفاعل من البرکۃ والبرکۃ کثرۃ الخیر وزیادہ) بندوں کو خیر اور بھلائی پہنچانا اس کا کام ہے پس اس نے بندوں کو بھلائی پہنچانے اور سعادت دارین تک لے جانے کے لیے اپنے ایک بندے پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کیسی کتاب فرقان یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والی نازل کی اس میں ضرورت نزول قرآن کی طرف بھی اجمالی اشارہ کیا گیا کہ لوگوں کے عقائد اور افعال سلیمہ اور غیر سلیمہ میں توہمات باطلہ سے امتیاز نہیں رہا تھا یہی کتاب ہے جو ان میں فرق کرتی ہے۔ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا میں تیسرے شبہ کا تفصیلاً جواب ہے کہ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالمین یعنی سب جہان کے لوگوں کو تنبیہ کر دے کہ تمہارے ان عقائد اور ان افعال پر دنیا و آخرت میں یہ سب مصائب پیش آنے والے ہیں ان سے پرحذر رہو اس عہد میں عرب ہند روم شام سب ملکوں میں کفر و شرک و فسق کا دریا طغیانی پر تھا اس لیے سب کا نذیر آنحضرت ﷺ کو قرار دیا گیا۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کل عالم کے نبی ہیں۔ انسانوں کے علاوہ جنوں کے بھی۔ اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الخ میں دوسرے شبہ کا جواب اور ان کے عقائد باطلہ کا رد ہے کہ اس کے قبضہ میں آسمان و زمین ہیں اس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ اس کی سلطنت میں کسی کو کچھ حصہ ہے بلکہ ہر ایک شے اس کے ایک خاص اندازہ سے پیدا ہوئی ہے سب مخلوق کو اس سے رشتۂ عبودیت کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں پھر کیا وجہ کہ وہ اپنے ایک بندہ پر اپنا کلام نازل نہ کرے۔ اس میں ضمناً مسئلہ توحید کی طرف بھی اشارہ ہے

وَاتَّخَذُوْا الخ یہاں سے مسئلہ توحید شروع ہوتا ہے کہ لوگوں نے غلط توہمات سے خدا کے سوا اور معبود بنائے ہیں کہ جو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور خدا کے لیے یہ بات ضرور ہے کہ وہ پیدا کرتا ہے اس کو کسی نے پیدا نہ کیا اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خاص اپنے نفع و نقصان کا بھی تو انہیں اقتدار نہیں اور نہ کسی کو مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۴ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۶ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۷ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۸ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۹ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۱۰

اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ قرآن کچھ نہیں مگر جھوٹ کہ جس کو خود گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی اس پر اس کی مدد کی ہے۔ پس وہ منکر تو بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ (قرآن) اگلوں کی کہانیاں ہیں کہ جن کو اس نے کسی سے لکھوا لیا ہے۔ سو یہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں (سوائے نبی! آپ) کہہ دو کہ اس کو تو اس نے نازل کیا ہے کو جو آسمانوں اور زمین کی مخفی باتیں جانتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے (جو فوراً سزا نہیں دیتا) اور منکر یہ بھی کہتے ہیں اس رسول کو کیا ہوا جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا گیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی ڈرسنایا کرتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا کہ جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالموں نے (یہ بھی) کہہ دیا کہ تم تو بس ایک ایسے شخص کے تابع ہو گئے ہو کہ جس پر جادو کیا گیا ہے۔ (اے نبی!) دیکھو تو تمہارے لیے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ پس وہ تو ایسے گمراہ ہوئے رستہ بھی نہیں پا سکتے اس کی بڑی بابرکت ذات ہے اگر چاہے تو (دنیا میں) آپ کے لیے اس سے بھی بہتر ایسے باغ پیدا کر دے کہ جن میں پڑی نہریں بہا کریں اور آپ کے لیے محل بھی تیار کر دے۔

ترکیب : افتریٰ کا فاعل ضمیر جو عبد کی طرف راجع ضمیر فرقان کی طرف راجع اعانہ کی عبد کی طرف علیہ کی ضمیر افترا کی طرف قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ اعان کا فاعل ظُلْمًا وَّ زُوْرًا مفعول جاءو کا یا مصدر موضع حال میں ان شاء شرط جعل جوابہ وھولکونہ ماضیا یجوز ان یکون فی محل الرفع والجزم فما عطف علیہ یجوز ان یکون مرفوعا او مجزوما کما قرء الجمہور۔ ۱۲ منہ

تفسیر : ان آیات میں ان کے اور چند شبہات کا جواب ہے جو رسالت کی بابت تھے کہ محمد ﷺ نے قرآن کو از خود بنالیا ہے اور دیگر لوگ (جس سے ان کا اشارہ اہلِ کتاب کی طرف تھا) اس کے اس کام میں مددگار بن گئے ہیں۔ وہی لوگ انبیاءِ سابقین کے حالات اور ان کی شریعتوں کے احکام اس کو بتاتے ہیں۔ یہ اپنی فصیح عبارت میں جمع کر لیتے ہیں۔ آج کل بھی متعصب لوگ یہی کیا کرتے ہیں اس شبہ کو قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے شروع کیا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں اشارہ کر دیا کہ ایسی بے ہودہ باتیں کافر ہی بنایا کرتے ہیں۔ پہلے انبیاء کی نسبت بھی اس سے بڑھ بڑھ کر شبہات کیا کرتے تھے چونکہ یہ شبہ محض لچر، پوچ بدگمانی پر مبنی تھا اس لیے اس کے جواب میں یہی کہہ دینا کافی تھا کہ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا کہ یہ بڑی بے انصافی اور مکر کی بات ہے کونسا اہلِ کتاب ہے جو آپ کو تعلیم کرتا ہے؟ اور آپ قبل نبوت عرب بھر میں صداقت اور راستی سے موصوف تھے دنیا کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا' بھلا خدا کے معاملہ میں جھوٹ بول کر دنیا کو دشمن بناتے۔ وَقَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ الخ یہ ایک دوسرا شبہ ہے جو فی الحقیقت پہلے شبہ کا تتمہ ہے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون' عاد و ثمود وغیرہم لوگوں کے تذکروں کی طرف ان کا ایماء ہے جو قرآن مجید میں نصیحت و عبرت کے لیے ذکر ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ الخ کہ اس کو اس نے نازل کیا ہے کہ جو آسمانوں زمین کے اسرار اور مخفی باتوں سے واقف ہے یعنی جبکہ محمد ﷺ نہ پڑھے لکھے ہیں' نہ کسی کے شاگرد ہیں' نہ کہیں باہر کے ملکوں میں پھر کر آئے ہیں۔ پھر پہلے لوگوں کے حالات صحیح طور پر کہ جن کو اہلِ کتاب اور اہلِ تاریخ بھی اس کیفیت سے نہیں بیان کر سکتے کہاں سے معلوم ہو گئے اور تم کو معلوم نہ ہوئے۔ نہیں بلکہ اسی عالم الغیب نے حضرت ﷺ کو بتلائے ہیں وہ غفور رحیم ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے ورنہ اس انکار کا مزا دنیا ہی میں معلوم کرا دیتا (۲) شبہ یہ تھا کہ رسول فرشتہ خصال ہونا چاہیے کہ جو نہ کھاوے نہ دنیا کے کاروبار کے لیے بازاروں میں آوے جاوے یا شاہ مرفہ الحال سا ہو کہ جو ہمارے جیسا کھانا نہ کھاوے بلکہ اس کے پاس کوئی آسمانی خزانہ ہونا چاہیے۔ اَوْ یُلْقٰی الیه کنز الخ کہ جس کی وجہ سے عمدہ کھانا کھاوے اور اس کے نوکر جا کر بازاروں میں خرید و فروخت کیا کریں یا اس کے پاس کوئی ایسا باغ ہو کہ ہر طرح کے میوے وہاں سے کھایا کرے یہ شبہ و قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ سے یَاْكُلُ مِنْهَا تک ہے وَلَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ الخ اسی شبہ کی تائید میں ایک تیسرا شبہ تھا کہ اس کی تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نہ بھیجا گیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی پیغام پہنچاتا لوگوں کو یقین آ جاتا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ الخ یہ ان کا ایک اور طعن تھا کہ جب اس کے پاس نہ خزانہ غیبی ہے' نہ باغ تو دیوانہ ہے اس پر کسی نے سحر کر دیا۔ اس جادو کے مارے ہوئے دیوانہ کے لوگ تابع ہو گئے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ حضرت کی تسلی کرتا ہے کہ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا۔ دیکھو یہ بدبخت آپ کو کیا کیا کہتے ہیں گمراہ ہیں راہِ راست نہیں پا سکتے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا

مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ۭ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ؑ

ع ۱۱/۱۷

بلکہ انہوں نے تو قیامت کو جھوٹ سمجھ لیا ہے اور ہم نے بھی قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ ہی تیار کر رکھی ہے۔ جب وہ ان منکروں کو دور سے دیکھے گی (تو جوش میں آئے گی) یہ اس کے جوش وخروش کی آوازیں سنیں گے اور جبکہ وہ اس کے کسی تنگ مکان میں (ہاتھ پاؤں) جکڑ کر ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ (کہا جاوے گا) ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ (اے نبی! ان سے) پوچھو کیا یہ بہتر ہے یا وہ جنت کہ جس کا پرہیز گاروں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ اور ٹھکانا ہوگی؟ وہاں ان کو جو چاہیں گے ملے گا وہ اس میں سدا رہیں گے۔ (اے نبیؐ) اس کا تمہارے رب نے ایسا وعدہ کر لیا ہے کہ جو پوچھا جا سکتا ہے اور جس دن کہ اللہ ان کو اور ان کے ان معبودوں کو جمع کرے گا کہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے تو ان سے فرمائے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود راہ بھول گئے تھے؟ (تو ان کے معبود) کہیں گے تو پاک ذات ہے ہمیں یہ کب لائق تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو کارساز بناتے[1] لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا میں یہاں تک آسودگی دی تھی کہ وہ تجھے یاد کرنا بھول گئے تھے اور وہ تھی بھی غارت ہونے والی قوم۔ (اللہ فرمائے گا) سو تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا پس (اب تم پر سزا ثابت ہو چکی) جس کو نہ تم ٹال سکتے ہو اور نہ کسی سے مدد لے سکتے ہو اور جس نے تم میں سے ایسا ظلم کیا ہوگا اس کو ہم بڑا عذاب چکھائیں گے اور (اے نبی!) تم سے پہلے ہم نے ایسا کوئی بھی رسول نہیں بھیجا کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور بازاروں میں نہ پھرتے ہوں اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنا دیا ہے مسلمانو! کیا اب بھی صبر کرتے ہو اور آپ کا رب تو دیکھ ہی رہا ہے۔

یعنی بیہودہ بکتے ہیں آپ کچھ خیال نہ کریں۔ تَبَارَكَ الَّذِیْ اِنْ شَاءَ الخ وہ بڑی برکت والا ہے اگر چاہے تو اے نبی! دنیا میں تمہارے لیے اس سے بھی بہتر باغ بنا دے کہ جس کے نیچے نہریں چلا کریں اور آپ کے لیے عمدہ محل رہنے کے لیے تیار کر دیں۔ مگر دنیا چند روزہ ہے۔ مصنف میں ابن ابی شیبہ نے اور جریر و ابن ابی حاتم نے حلیمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا تھا اگر آپ کی خوشی ہو تو آپ کے ہاتھ میں زمین بھر کے خزانوں کی کنجیاں دی جاویں اور اس سے آخرت میں آپ کا کچھ بھی نقصان نہ ہو اور مرضی ہو تو یہ سب کچھ آخرت میں

---

[1] جب ہم نے تیرے سوا اور کسی کو کارساز نہ بنایا تو ہم اوروں کے کیونکر کارساز بنتے۔ ۱۲ منہ

دیا جاوے۔ آپ نے فرمایا آخرت ہی میں چاہتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بہت جگہ اسی قسم کا مضمون احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے چونکہ آپ کی نظر آخرت پر تھی اور ہونی بھی چاہیے اور کفار آخرت کے منکر تھے اُن کے نزدیک جو کچھ انعام وافضال ہوں یہیں ہوں تو ہوں نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ کہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔ پھر وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا سے لے کر عَذَابًا كَبِيْرًا تک مسئلہ معاد اور وہاں کی سزاء وجزا کا بیان ہے اور ان کے معبودوں کا ان بت پرستوں سے الگ ہونا بھی ظاہر کرتا ہے کہ جن کو وہاں کا ذریعہ سمجھ کر ان کی عبادت کیا کرتے ہیں وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہاں سے ان کے شبہ کا جواب شافی دیتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ سے پیشتر جس قدر دنیا میں رسول آئے ابراہیم واسحاق وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کسی کے پاس بھی نہ خزانہ تھا نہ ایسا باغ نہ ان کی تصدیق کے لیے ان کے ہمراہ فرشتہ رہتا تھا وہ دنیا میں کھانا بھی کھاتے تھے بازاروں میں خرید وفروخت کے لیے بھی جاتے تھے یعنی بشر اور غریب لوگ تھے۔ رہے دنیا کے تجملات اور امارت' سو یہ ایک فتنہ ہے یعنی آزمائش کہ دیکھیں امیر دولتمند شکر کرتا ہے یا کفرانِ نعمت اور غریب مفلس دنیا کی مصائب پر برداشت کرتا ہے کہ نہیں لہٰذا کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ عطا کیا۔ اس لیے مسلمانوں سے فرماتا ہے اَتَصْبِرُوْنَ کیا صبر کرتے ہو یعنی صبر کرنا چاہیے اور تمہارا رب دیکھ رہا ہے اور آخرت میں جزا دے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

(الجزء التاسع عشر ۱۹)

اور ان لوگوں نے جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہہ دیا (یہ ہی) کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ بھیجے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے (تب یقین آتا) البتہ انہوں نے تو اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا اور بہت ہی بڑی سرکشی کی ہے۔ جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی اور کہیں گے دور دور اور جو کچھ عمل انہوں نے کیا ہوگا ہم اس کی طرف توجہ کریں گے تو اس کو خاک دھول کر ڈالیں گے۔ جنت والوں ہی کا اس روز ٹھکانا بہتر ہوگا اور خواب گاہ بھی عمدہ

ہوگی۔ اور جس روز کہ بادلوں سے آسمان کھل[1] جاویں گے اور جوق در جوق فرشتے اترنے لگیں تو اس دن (حقیقی) سلطنت رحمٰن ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا ہی سخت ہوگا اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں بھی رسول کے ساتھ راہ چلا ہوتا۔ ہائے میری خرابی کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو نصیحت کے آئے بعد ہی مجھے بہکا دیا۔ اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہی تھا اور رسول کہے گا اے میرے رب! البتہ میری قوم نے تو اس قرآن کو زٹل سمجھ رکھا تھا۔

ترکیب: لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ الخ مقولہ ہے قَالَ الَّذِیۡنَ کا مستقرا تمیز خیر الحق الملک کی صفت۔ یوم کا نصب اذکر محذوف ہے۔

تفسیر: منکروں کا یہ ایک اور بھی شبہ تھا جس کو وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا سے شروع کرتا ہے کہ جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں یہ نہیں سمجھتے کہ مر کر اللہ کے سامنے جانا ہے وہ کہتے ہیں (کیونکہ ایسی باتیں وہی کہا کرتے ہیں ایمانداروں کی تو کیا مجال) کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ آئے محمد (ﷺ) کے پاس کیوں آتے ہیں یا ایسا ہوتا کہ ہم خدا کو دیکھ لیتے پھر اس سے آپ پوچھ لیتے کہ یہ تیرا بھیجا ہوا نبی ہے کہ نہیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لَقَدِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ الخ کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس لائق سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا دنیا میں خدا تعالیٰ کو دیکھیں یعنی یہ بڑی تکبر اور سرکشی کی بات ہے۔ ملائکہ مخصوص لوگوں کے پاس آتے ہیں جن کی روحانیت ان کے قریب قریب ہی پہنچی ہوتی ہے سو وہ انبیاء ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ لطیف الخبیر کو دنیا میں ہر ایک کب دیکھ سکتا ہے۔ خفاش کو تاب ہے کہ آفتاب کو دیکھے ہاں قیامت میں سب لوگ ملائکہ کو دیکھیں گے پھر اس روز کہ وہ ملائکہ کو دیکھیں گے ان کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی' عذاب کے فرشتہ سامنے آئیں گے جن کو دیکھ کر الحذر مانگیں گے۔ وَقَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ سے اخیر تک اسی مناسبت کے سبب قیامت کا حال اور ان منکروں کا وبال و نکال بیان شروع کر دیا جو ملائکہ کے دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں اور وہ بھی تکبر کی راہ سے کہ رسول کا کہنا ہم نہیں مانتے ہمارے پاس خود فرشتے آنے چاہییں قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا یعنی وہ جو دنیا میں بارادۂ ثواب یہ کفار کچھ عمل بھی کرتے ہیں ایمان و اعتقاد صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس دن هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا یعنی نیست و نابود ہو جائیں گے کچھ کام نہ آویں گے ہاں ایماندار نیکوکار اس روز اچھے مقام میں ہوں گے۔

اس کے بعد اس دن کے چند اور حالاتِ ہیبتناک بیان فرماتا ہے: (۱) یَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ ایک جگہ اور آیا ہے هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ ابر سفید اس ابر سے کیا مراد ہے؟ غالباً ملائکہ اور دیگر روحانیات کے انوار ہوں جو بصورتِ ابر سفید دکھائی دیں گے آسمان کھل کر اس ابر میں سے قیامت کو ملائکہ نمودار ہوں گے (۲) الملک الخ اس روز حقیقی بادشاہت اللہ کی ہوگی اگرچہ آج بھی اس کی حقیقی بادشاہت ہے مگر دنیا میں مجازی بادشاہتیں بھی ہیں اور اس روز کسی کی نہ ہوگی اس لیے ظہور کامل اس روز ہوگا۔ (۳) یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ قرینۂ عبارت تعمیم پر دلالت کرتا ہے یعنی ہر ظالم اس روز ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا' افسوس کرے گا کہ اے کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اس سے مراد اس کی وہ شخص ہوگا کہ جس نے اس کو دنیا میں ہدایت پانے کے بعد ہدایت سے دوستی کے پیرایہ میں باز رکھا تھا اور ایسا بہت ہوتا ہے۔

لیکن بعض مفسرین کہتے ہیں ان عام الفاظ میں کسی شخص خاص کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ ہوسکتا ہے پھر اس شخصِ خاص سے مراد وہ کہتے

[1] یہ قیامت برپا ہونے کے بعد حشر کے دربارِ عدالت کی کیفیت بیان ہورہی ہے اس کے بعد کی آیتیں یہی کہہ رہی ہیں تو اس وقت آسمان نہ پھٹنے کا بلکہ اس سے پہلے پھٹ چکے گا اور نیا آسمان' نئی زمین قائم ہوگی لیکن ہنوز اس پہلے حادثہ کے اثار میں سے دھواں اور بادل محیط ہوں ... یوم تشق السماء بالغمام اب وہ بادل اور بخارات آسمان سے دور کئے جائیں گے اور ملائکہ جوق در جوق اترنے شروع ہوں گے کیونکہ حساب و کتاب کے ... درباری اور کارکن جماعت آنے لگے گی تشق بمعنی باعداد بمعنی انکشف بالغمام ای عن الغمام۔ واللہ علم۔ ۱۲ منہ

ہیں عقبہ ابن ابی معیط ہے کہ جب وہ سفر سے آتا تھا تو دعوت دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک بار اس نے آنحضرت ﷺ کو بلایا آپ نے اس کے کفر کی وجہ سے انکار کیا۔ اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تب آپ تشریف لے گئے۔ اس کی خبر ابی بن خلف کو بھی ہوئی وہ اس کا بڑا دوست تھا اس نے اس کو بڑی ملامت کر کے اسلام سے برگشتہ کرا دیا اور حضرت ﷺ کی گستاخی پر آمادہ کیا (اس قصہ کو معالم التنزیل وجلالین وغیرہ کتابوں میں نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی نقل کیا ہے) اس تقدیر پر ظالم سے مراد عقبہ اور فلاں سے مراد ابی بن خلف کافر ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ الخ جب کفار نے آنحضرت ﷺ کو طرح طرح سے ستایا تو آپ نے بددعا تو نہ کی کیونکہ رحمۃ للعالمین تھے مگر خدا تعالیٰ سے شکایت کی جس کو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نقل کرتا ہے ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں یہاں قال بمعنی یقول ہے یعنی قیامت میں آنحضرت ﷺ ان لوگوں کی یوں شکایت کریں گے جیسا کہ آیا ہے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا مھجورا بمعنی متروک اور ہجر بمعنی ہذیان بھی ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کی بابت انہوں نے بے ہودہ اور لغو باتیں بنائیں کبھی وہ اس کو سحر کہتے تھے، کبھی ازخود بنایا ہوا، کبھی اگلے لوگوں کی کہانیاں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت کو آپ کی شکایت پر تسلی دیتا ہے اور صبر اور برداشت پر آمادہ کرتا ہے کہ یہ کچھ نئی بات نہیں ہمیشہ سے ہر ایک نبی کے کافر سخت دشمن ہوتے آئے ہیں آپ اطمینان رکھیں اللہ آپ کی مدد کرنے کے لیے اور آپ کی قوم کو ہدایت کرنے کو کافی ہے وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

اور ہم یونہی مجرموں کو ہر ایک نبی کا دشمن بناتے رہے ہیں۔ اور (لوگوں کی) رہنمائی کرنے کو (انبیاء) مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے اور کافروں نے (یہ بھی) کہہ دیا کہ اس پر یک بارگی[1] قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا۔ یوں ہی نازل ہونا چاہیے تھا تا کہ اس سے تمہارے دل کو ہم تسکین دیتے ہیں اس لیے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا۔ اور (اے نبی!) جو سوال یہ لوگ آپ پر پیش کریں گے ہم بھی تم کو اس کا بہت ٹھیک جواب اور بہت عمدہ توجیہ بتا دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو منہ کے بل گھسٹوا کر جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بہت ہی برا مقام ہے اور وہ بہت ہی بڑے گمراہ ہیں۔

ترکیب : جُمْلَةً وَّاحِدَةً حال من القرآن ای مجتمعا۔ کذلک ای انزل کذلک فالکاف فی موضع نصب علی الحال لِنُثَبِّتَ اللام تتعلق بالفعل المحذوف۔

قرآن دفعۃً نازل نہ ہونے کے اسباب : وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہ ان کا قرآن مجید پر ایک اور شبہ تھا کہ یہ تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہوتا ہے ایک ہی بار مجتمع ہو کر کیوں نہ نازل ہوا؟ پس معلوم ہوا کہ محمد ﷺ ازخود سوچ سوچ کر تصنیف کرتے ہیں۔ اس کا

[1] یعنی رسول پر۔ ۱۲ منہ

جواب دیتا ہے کَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا کہ اس کے اس طرح نازل کرنے میں چند حکمتیں ہیں جن کی طرف اجمالاً اس جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (۱) آنحضرت ﷺ اور اکثر صحابہ لکھے پڑھے نہ تھے اگر یک بارگی اتنی بڑی کتاب نازل ہوتی تو حفظ نہ رہتی اس لکھے پر اعتماد رہتا۔ سوا گلی کتابوں کی طرح سے اس میں بھی تحریف وتبدیل ہوتی یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جاتی پھر جب تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تو دلوں میں جمتا گیا لوحِ حافظہ پر ثابت ہوتا گیا۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کے یہی معنی ہیں۔ اس لیے اس میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہ آیا۔ (۲) یہ کہ تمام احکام جو یکبارگی نازل ہوتے تو قوم کو ان پر ثابت وقایم رہنا شاق ہو جاتا۔ (۳) وقتاً فوقتاً نئے نئے حوادث پیش آتے تھے اور جاہل قوم کی تربیت وتعلیم میں ایسی باتیں پیش آیا بھی کرتی ہیں پس ہر حادثہ میں جبرئیل کا کلامِ الٰہی لے کر آنا آپ کے لیے تقویتِ قلبی کا باعث تھا۔ (۴) یکبارگی قرآن نازل ہوتا تو کفار مقابلہ میں کہہ سکتے تھے کہ اتنی بڑی کتاب ہم کیونکر لا سکتے ہیں لیکن جب تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اور کسی ٹکڑے کا بھی جواب نہ بن سکا تو حضرت کا دل قوی ہو گیا ان کا عذر جاتا رہا۔ (۵) حالتِ الہامی ایک عجیب حالت ہے تھوڑے نازل ہونے میں اخیر عمر تک حضرت ﷺ کو حاصل رہی جو قلبی تقویت کا باعث ہوا۔ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ سب اعتراضات کے جواب کے بعد خاتمہ کے طور پر فرماتا ہے کہ آپ کے پاس وہ جو کوئی مثل لاتے ہیں یعنی اعتراض کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں آپ کو حق بات کھلی ہوئی بتلا دیتے ہیں اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ فرماتا ہے ایسے لوگ اوندھے منہ ہنکا کر جہنم میں ڈالے جائیں گے یہ لوگ بڑے شریر وگمراہ ہیں یہ ان کے اوندھے اعتراضات کا نتیجہ ہے۔ جس کی سزا جہنم میں اوندھا گرنا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

ع ۴

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو بھی وزیر بنا کر بھیجا تھا۔ سو اس نے کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ کہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔ (وہ گئے انہوں نے نہ مانا) تو ہم نے ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور قومِ نوح کو بھی (ہلاک کیا) جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو بھی غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لیے عبرت کی نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے اور عاد و ثمود اور کنوئیں والوں کو بھی (ہلاک کیا) اور بہت سے قرنوں کو بھی جو اس کے درمیان تھے اور اس میں سے ہر ایک کو مثالیں دے دے کر سمجھا دیا تھا (آخر) ہر ایک کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور بے شک (کفارِ مکہ) اس بستی پر سے بھی گزرے ہیں کہ جس پر بہت بری طرح سے (پتھر) برسائے گئے تھے۔ پھر کیا انہوں نے اس کو دیکھا نہ ہوگا بلکہ وہ مر کر زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے تھے (اس لیے ایمان نہیں لائے) اور (اے نبی!) یہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو ایسے تمسخر ہی کرتے ہیں کہ کیا یہ وہی ہے کہ جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے منحرف کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے اور ان کو جبکہ عذاب دیکھیں گے تو آپ معلوم ہو جائے گا کہ کون راہِ راست سے دور تھا (اے نبی!) تم نے اس کو بھی دیکھا کہ جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے پھر کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ (اے نبی!) کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہوں گے۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے مگر جیسا کہ چار پائے بلکہ وہ (تو ان سے بھی زیادہ) راہ بھولے ہوئے ہیں۔

ترکیب : ھارون بدل من اخاہ وزیرا مفعول ثان لجعلنا وقوم یجوزان یکون معطوفا علی دمرنا یا مفعول اذکر محذوف۔ علی ہذا القیاس عادا وثمودا الخ۔

تفسیر : جبکہ توحید و نفیِ انداد و اثباتِ نبوت میں کلام ہو چکا اور منکرین کے شبہات رد کر دیے گئے اور قیامت کا حال اور منکرین کا وبال بھی بیان ہو چکا تو مجملاً انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کے دشمنوں پر آخر کار کیا کیا بلائیں نازل ہوئیں کیونکہ آپ کی تسلی کے لیے پہلے فرمایا تھا وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا اور قرآن کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے موقعوں پر قصصِ انبیاء بیان ہوتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کے تذکرہ بار بار آتے ہیں۔ فقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى الخ سب سے پہلے موسیٰ کا ذکر کیا کیونکہ ان کی نبوت اور کتاب اہلِ کتاب میں بہت مشہور تھی کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا تھا اور ان کو کس قدر معجزات دیے گئے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے وزیر بھی تھے۔ آخر فرعونیوں نے نہ مانا ہلاک ہوئے اور ان سے پیشتر قومِ نوح کو دیکھو کہ انہوں نے نہ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی بلکہ عموماً رسولوں کے منکر تھے آخر غرق ہوئے۔ پھر قومِ عاد و ثمود کو دیکھو کہ حضرت ہود و صالح علیہما السلام کے انکار اور مقابلہ سے ان پر کیا ماجرا گزرا۔ پھر اصحاب الرس کو غور کرو۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی لغت میں دفن کے ہیں۔ یقال رس المیت اذا دفن (کبیر) ابو مسلم کہتے ہیں ایک ملک کا نام رس ہے اصحاب الرس اس ملک یا وادی کے رہنے والے یا کنوئیں والے اس وادی میں کنواں ہونا ان کے لیے اس عہد میں اس نام کے ساتھ منسوب ہونے کا سبب ہو گیا۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس نبی کی امت تھی؟ اکثر یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک بت پرست قوم تھی جن کے بہت سے کنوئیں تھے ان سے زراعت کرتے اور مواشی کو پانی پلایا کرتے تھے ان کی ہدایت کو حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے انہوں نے ان سے بہت سرکشی کی اور ایذائیں دیں آخر قہرِ آسمان سے ہلاک ہوئے۔ اس تقدیر پر یہ جگہ عرب کے شمال و مغرب میں شام سے ملحق ہے اور دیگر روایات بھی ہیں واللہ اعلم عند اللہ اس کے درمیان اور بہت سے قرن یعنی زمانہ گزر گئے ہیں جن میں انبیاء آئے اور لوگوں نے انکار کیا' بلا میں مبتلا ہوئے۔ پھر فرماتا ہے ولقد اتوا کہ یہ قریشِ مکہ اس گاؤں پر سفرِ شام میں گزر چکے ہیں کہ جس پر پتھر برسے تھے یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جھیل مردار کے کنارہ جوالٹی پڑی ہیں جن کو سفرِ شام میں آتے جاتے یہ لوگ دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں کرتے۔ جب کفار ان سب باتوں سے عاجز آ جاتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمسخر اور ٹھٹھا کرتے تھے کہ کیا اس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی کسی سردار دولت مند کو بنانا تھا اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے روک ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ فرماتا

ہے ان کو عذابِ الٰہی کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ وہ گمراہ تھے یا راہ پر۔ پھر فرماتا ہے ان کمبختوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو خواہش کہتی ہے اس پر چلتے ہیں۔ پھر ان کے آپ ذمہ دار نہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ سنتے سمجھتے ہیں؟ گو ظاہر میں یہ ہے مگر حسنِ باطن نہیں یہ تو چارپایوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾

(اے مخاطب) کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کیونکر سایہ کو بڑھاتا[1] اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھیرا رکھتا پھر اس کے آفتاب کو رہبر بنا دیا پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹتے ہیں اور اسی نے تو تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو راحت بنا دیا اور دن چلنے پھرنے کے لیے (بنایا) اور وہی تو ہے کہ جو اپنی رحمت (بارش) سے پیشتر خوشخبری لانے والی ہوائیں چلایا کرتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا تاکہ اس سے مرے ہوئے خشک شہر کو زندہ کریں اور اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو پلائیں اور ہم نے اس کو ان میں بانٹ دیا تاکہ سمجھیں پس بہت سے آدمی تو ناشکری کئے بغیر نہ رہے اور اگر ہم چاہتے تو ہر گاؤں میں ایک ڈر سنانے والا کھڑا کر دیتے پس (اے نبی) کافروں کا کہنا نہ مانو اور قرآن سے ان کا مقابلہ بڑے زور سے کرتے رہو۔

ترکیب : اناسی اصلہ اناسین جمع انسان کسرحان وسراحین ابدلت النون فیہ یاء وادغمت وقیل جمع انسی علی القیاس صرفناہ الضمیر للماء۔

تفسیر : ان کے شبہات رد کر کے اور اس کجروی کا نتیجہ امم گزشتہ کے حالات میں بیان فرما کر اب یہ چند دلائل توحید اور کمالِ قدرت پر بیان فرماتا ہے: فقال اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ الخ یہ (۱) دلیل ہے کہ اپنے خدا کی قدرت دیکھو کہ اس نے اس عالمِ حسی میں نورانی اجسام پیدا کیے۔ چاند، سورج، ستارے، آگ وغیرہ جن کی روشنی دوسری اشیاءِ مظلمہ پر پڑ کر ان کو بھی روشن کر دیتی ہے یہ ایک بات ہوئی جس میں قدرت کا کامل نمونہ ہے کس لیے کہ اگر صانعِ عالم کوئی قادر مختار نہیں اور طبائع یا مادہ ہی سب کچھ کرتا ہے تو پھر یہ ترجیح بلامرجح کیسی کہ بعض اجسام منور اور منور بھی ایسے کہ جن کے نور کا انعکاس دوسرے اجسام پر پڑتا ہے اور یہ ان کا ظل ہے اور بعض غیر منور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفارِ مکہ یا دیگر حسادِ نبوت پر یا آنحضرت ﷺ کی نبوت پر کلام کرتے ہیں کہ ان میں کیا خصوصیت تھی کہ ان کو نبی بنایا گیا اور پھر باغ یا دولت ثروت یا ملائکہ ساتھ رہنے کی ظاہری خصوصیت بھی نہیں دکھائی گئی ان کا یہ اعتراض بیجا ہے جب اجسام میں اس نے

---

[1] یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ظل سے مراد سایۂ الٰہی ہو وہ کسی قوم اور کسی شخص کے لیے خدا نے کیسا دراز کیا ہو؟ مگر بقاء اسی کو ہے اس کو ٹھہرا نہیں رکھتا وہ پھر ڈھلنے لگتا ہے اور آفتابِ عنایت و اقبال اس کی دلیل ہوتا ہے انسان کی عمر بھی ایک سایہ ہے باوجود درازی کے کس طرح سے ڈھلتی ہے اور یہ بے خبر غافل ہے۔ ۱۲ منہ

ایسی ایسی خصوصیات ممیّزہ پیدا کر دی ہیں تو نفوسِ بشریہ میں نورانی وظلمانی خصوصیات پیدا کرنے سے اس کو کون مانع ہے اور کون پوچھنے والا ہے۔ پھر اس ظل کو بھی ایک حالت پر نہیں رہنے دیا کما قال وَلَوْشَاءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا بلکہ اول مَدَّ الظِّلَّ اس کو پھیلاتا دراز کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہوئی ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا اگرچہ اور چیزوں کے بھی سائے اور ظل ہیں کیونکہ اس عالم میں اور بھی نورانی نیرات وجواہر ہیں مگر آفتاب سے سب کم ہیں سایہ کے بڑھنے گھٹنے کا نمونہ آفتاب ہے اس کے ظل میں یہ بات سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ یہ تیسری بات ہوئی یہ بھی اس کی قدرتِ کمال کا پورا نمونہ اور بڑی علامت ہے ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا پھر انبساط کے بعد جہاں تک اس کا بسط مقدر کر رکھا تھا اس ظل کو ہم تھوڑا تھوڑا کر کے نیست ونابود بھی کر دیتے ہیں۔ اس کو اس کی حدِ مقرر تک جو انتہا کی حد ہے پہنچا دیتے ہیں۔ جس طرح ہر شے کے وجود کا انبساط اس کی طرف سے ہے اس طرح انتہٰی اور زوال کا بھی وہی مرجع ہے۔ اس بات کے بتلانے کے لیے قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا فرمایا۔ یہ چوتھی بات بھی بڑی نشانی اس کے کمال وقدرت کی ہے جو عالم کے حدوث اور زوال پر دال ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام اشیاء کے وجود اور ان کے حقائق یہ سب اس کے وجودِ حقیقی کے ظل یعنی پرتوے ہیں پھر ان کا دراز کرنا عالمِ عدم سے فضاءِ وجودِ خارجی میں لانا ہے۔ سو یہ اسی کا فعل ہے اگر وہ چاہتا ہے تو ٹھہرا دیتا فضاءِ وجودِ خارجی میں نہ آنے دیتا یا آنے کے بعد ترقی اور کمال تک نہ پہنچنے دیتا۔ اس بات پر ہم نے آفتابِ عقل کو دلیل بنا دیا ہے وہی کہتی ہے کہ یہ اس کے اظلال ہیں۔ پھر ہر ایک کو رفتہ رفتہ فنا کرتے ہیں اور وہ دراصل معدومِ محض نہیں ہوتے بلکہ سایہ کی طرح سمٹ کر ہمارے پاس آتے ہیں جس طرح کہ سایہ سمٹ کر جس کا سایہ ہوتا ہے اس کے پاس آجاتا ہے لیکن اس مشاہدۂ ذات میں دو مرتبہ ہیں عارفین مقامِ مشاہدہ ونورِ عقل سے چل کر مشاہدۂ صفت کی طرف آتے ہیں پھر وہاں سے مشاہدۂ نورِ ذات کا کرتے ہیں یہ ایک مرتبہ ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اول ہی مرتبہ میں مشاہدۂ نورِ ذات کا حاصل ہو پھر اس کے بعد صفات کا پھر فعل کا مشاہدہ امت کے نفع کے لیے کیا جاوے سو یہ مرتبہ خاص خاتم النبیین کا ہے اس لیے حضرت ﷺ کو اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ میں مشاہدۂ ذات کی طرف پھر كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ سے مشاہدۂ افعال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ (۲) خدا نے تمہاری راحت کے لیے رات اور کام کاج کے لیے دن بنایا والسبات الراحۃ ومنہ یوم السبت ای یوم الراحۃ لفراغۃ فیہ من الاشغال۔ صاحبِ کشاف کہتے ہیں السبات الموت والمسبوت المیت۔ رات آتی ہے تو گویا قیامت آگئی سب سو جاتے ہیں گویا مر جاتے ہیں کوچہ وبازاروں میں سناٹا ہوتا ہے پھر صبح ہوتی ہے تو گویا حشر کا دن برپا ہو جاتا ہے۔ بستروں سے کیا اٹھتے ہیں گویا قبروں سے اٹھتے ہیں۔ اس لیے جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا فرمایا۔ (۳) هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا جمع بشیر رحمت سے مراد بارش یعنی اللہ وہ قدیر ومدبر ہے کہ بارش آنے سے پہلے ایک ایسی ہوا چلاتا ہے جو بارش کی خوشخبری دیا کرتی ہے وہ بادلوں کے آنے کا سبب ہوتی ہے پھر بادلوں سے پاک اور ستھرا پانی ہم اتارتے ہیں جس سے خشک زمین کو جو بمنزلہ مردہ کے ہوتی ہے شادابی سے حیات بخشتے ہیں اور اس پانی کو چارپائے اور انسان پیتے ہیں۔ یہ بھی ہمارا ہی فعل ہے ورنہ یہ باتیں ازخود تو ہو نہیں سکتیں اور کوئی کر نہیں سکتا وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ پھر اس پانی کو تم میں تقسیم کر دیتے ہیں ایک کے قبضے میں نہیں رکھتے تاکہ تم سمجھو لیکن اکثر لوگ ناشکری کیے بغیر نہیں رہتے وَلَوْ شِئْنَا الخ یعنی جس طرح ہم نے بارانِ رحمت کو عام کر دیا ہر جگہ برساتے ہیں اسی طرح نبوت کو بھی جو بارشِ روحانی ہے عام کر سکتے تھے ہمارے ہاں کچھ بات نہ تھی۔ ہر گاؤں میں رسول بھیج دیتے جیسا کہ منکرینِ نبوت اس کی استدعا کرتے ہیں مگر حکمتِ الٰہی کے خلاف تھا۔ انتظامِ عالم میں خلل آجاتا۔ پس اے نبی! ان کے کہنے پر التفات نہ کرو۔ جاھدھم بہ جھادًا کبیرًا جہاں تک ہو سکے ان کے سمجھانے میں کوشش کرو۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ مع الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ السجدۃ ع

اور وہی تو ہے کہ جس نے دو دریاؤں کو باہم ملایا یہ ایک تو (ان میں سے) شیریں خوشگوار ہے اور یہ ایک کھاری کڑوا اور ان دونوں میں ایک پردہ اور مستحکم آڑ بنا دی جو باہم ملنے نہیں دیتی اور اسی نے انسان کو پانی میں سے پیدا کیا پھر اس کے لیے رشتۂ نسب ودامادی قائم کیا اور آپ کا رب تو ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان معبودوں کو پوجتے ہیں کہ جو ان کو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ضرر اور کافر تو رب کے مقابلہ میں کمر باندھے ہوئے ہیں اور (اے نبی!) آپ کو تو ہم نے محض خوشخبری اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے۔ (ان سے) کہہ دو میں اس پر تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگتا مگر یہی کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف کا رستہ اختیار کر لے۔ اور (اے نبی!) تم اپنے اس زندہ خدا پر بھروسہ رکھو کہ جس کو کبھی موت نہیں اور اس کی ستایش کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونا بس کرتا ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ دن میں بنا دیا پھر تخت (حکومت) پر قائم ہوا وہ رحمٰن ہے پس اس کی شان تو کسی خبردار سے پوچھیے اور جب ان (منکرین) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ[1] کرو تو کہتے ہیں کیا ہے رحمٰن کیا تو جس کو کہے گا اس کو ہم سجدہ کریں گے اور یہ نام تو ان کو اور بھی بدکاتا[2] ہے۔

ترکیب : بینهما ظرف لجعل علی ربه متعلق ہے ظهیرًا سے خبر کان، الامن شاء استثنٰی من غیر الجنس الرحمٰن مبتداء فسئل به خبر۔

تفسیر : وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ الخ (۴) یہ دلیل ہے کہ اس نے دو قسم کے دریا رواں کئے۔ یا یوں کہو دو دریاؤں کو باہم ملایا۔ ایک ان میں سے نہایت شیریں، خوشگوار اور دوسرا کھاری تلخ اور باہم ملنے نہیں پاتے ان میں قدرتی حدِ فاصل رکھی ہوئی ہے۔ زمین کے دریا رواں جب سمندر میں گرتے ہیں اور یہ دریا شیریں ہوتے ہیں تو دور تک دونوں کی دو دو دھاریں نظر آتی ہیں باہم اختلاط پر امتیاز معلوم ہوتا ہے ان

---

[1] بعض کہتے ہیں کفار نہیں جانتے تھے کہ رحمٰن اللہ کا نام ہے مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ لفظ موتی ہے بلکہ تکبر اً خدا سے انکار کرتے تھے اور اس کے لیے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے تھے کیونکہ بت پرستی کی عادت تھی۔ ۱۲ منہ۔ اس مقام پر سجدہ واجب ہے۔

[2] ضحاک کہتے ہیں اس موقع پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء اربعہ وعثمان بن مظعون وعمر بن عبسہ رضی اللہ عنہم نے جو سجدہ کیا تو مشرکین مسجد کے کنارے جا کر ہنسنے لگے پس زادهم نفورا سے یہ مراد ہے۔ (ک) ۱۲ منہ

میں سمندر کی دھار کھاری اور زمین کے دریاء رواں کی دھار شیریں ہوتی ہے سمندر میں پڑنے سے دونوں سمندر ہو گئے اور سمندر کو عرب بحر کہتے ہیں۔ اصل المرج الارسال والخلط ومنہ قولہ تعالیٰ فَهُمْ فِيْ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ان دونوں دریاؤں سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ انسان مجمع البحرین ہے اس کے اندر دو دریا ایسے ہیں ایک قوائے ملکوتیہ کا دریا جو درحقیقت نہایت شیریں اور خوشگوار اور دوسرا قوائے حیوانیہ کا دریا جو تلخ ہے۔ ان دونوں کے درمیان حدِ فاصل عقلِ کامل ہے۔ (۵) وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ بَشَرًا کہ اس نے ایک پانی سے یعنی منی سے بشر پیدا کر دیا وہی مرد کی ایک منی ہے کہ اسی سے مرد پیدا کرتا ہے اور اسی سے عورتیں اور رب قادر ہے۔ نسبا اے ذونسب والمراد والذکور ینسب الیھم فیقال فلان بن فلان ذوات صھرا ای اناثا یصاھرون۔ یا یوں کہو انسان کو بنا کر اس کی قرابت و مودت کے دو طریقہ رکھے۔ ایک نسب دوسرا صہر یعنی دامادی فجعلہ ای فجعل لہ نسبا وصھرا۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ دلائلِ توحید کے بعد کفار کے اس طریقہ کی مذمت کرتا ہے جو بت پرستی کے لیے ان میں جاری تھا کہ ایسی نکمی چیزوں کو پوجتے ہیں کہ جو ان کو نہ کچھ نفع دے سکتی ہیں نہ ضرر اور (کافر جس سے مراد اکثر کے نزدیک ابوجہل ہے) اپنے رب سے پیٹھ پھیرے ہوئے ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ ابو مسلم کہتے ہیں ظہیرا اس جگہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے ظہر فلان بحاجتی اذا نبذھا وراء ظہرہ ومؤمن قولہ تعالیٰ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا یعنی اس کے معنی پیٹھ پیچھے ڈالنے اور پیٹھ پھیرنے کے ہیں گرچہ ظہیر بمعنی معاون بھی ہوسکتا ہے جس کے یہ معنی ہوں گے کہ کافر اپنے اس رب کا جس کو خدا کے سوا پوجتا ہے مددگار ہے خود اس کو گھڑ کر ہاتھ سے یا خیالات سے بناتا ہے ایسا خدا بھی کوئی خدا ہے جس کا مددگار اس کا عابد ہو۔ پھر فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ الخ یعنی اے نبی! اگر یہ ہدایت پر نہ آئیں تو آپ کا کچھ بھی ذمہ نہیں کیونکہ آپ کا کام خوشخبری اور خوف دلانا ہے سو آپ کر چکے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان حمقاء سے کہہ دو کہ میں تم سے اس بات میں کچھ مانگتا تو نہیں یہی چاہتا ہوں کہ تم کو راہِ راست نصیب ہو یعنی بے غرض خیر خواہ ہوں پھر ایسے شخص سے سرتابی کرنا کس عقل کا مقتضی ہے؟ اس لیے آپ کو تسلی دیتا ہے کہ آپ خدا حی لایزال پر توکل کریں اور اس کی ثناء وصفت کیا کریں۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے واقف ہے آپ سمجھ لے گا وہ کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بنا دیا پھر تختِ حکومت پر قائم ہوا یعنی مخلوقات کو پیدا کر کے ان پر حکمرانی شروع کی اور وہ کون ہے؟ رحمانِ خبیر یعنی بڑے خبردار سے پوچھو یا یوں کہو رحمٰن خبردار ہے اس سے پوچھو ان جملوں میں خدا تعالیٰ کی صفات اس طرز پر ثابت کیے کہ جس سے ضمناً ان کے بتوں کی خدائی بھی باطل ہو گئی کہ وہ نہ حی ہیں نہ موت سے بری ہیں نہ وہ بندوں کے گناہوں سے واقف ہیں نہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے اور چھ روز سے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ جلدی نہ کریں خدا نے باوجود قدرت کے چھ روز میں مخلوق پیدا کی آپ کا دین بھی بتدریج جاری ہوگا۔ واذاقیل لھم یعنی آپ سے کیا برگشتہ ہیں وہ رحمان سے بھی برگشتہ ہیں جو سجدہ نہیں کرتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَي الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَاۗءَتْ مُسْتَقَرًّا

وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ
قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا فَاُولٰٓئِكَ صَالِحًا
يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا
كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً
وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا
دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

اس کی ذات بڑی بابرکت ہے کہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں چراغ (آفتاب) اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔ اور وہ ہی تو ہے کہ جس نے رات اور دن بنائے جو ایک دوسرے کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ یہ اس کے لیے جو آیات پر غور کر کے سمجھنا یا شکر کرنے کا ارادہ کرے۔ اور رحمان کے (خاص) بندے تو وہی ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل مٹ بھیڑ ہو جاتے ہیں تو سلام کہتے (اور الگ ہو جاتے ہیں) اور وہ جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام ہی میں رات گزارتے ہیں اور وہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھیو کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی سخت آفت ہے۔ وہ تو بہت ہی برا ٹھکانا اور بہت برا مقام ہے اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگدلی اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں کہ جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے مگر حق سے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسا کرتا بھی ہے تو سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس کے لیے قیامت میں دوچند عذاب ہوگا اور اس میں وہ سدا خوار ہو کر پڑا رہے گا۔ مگر جو توبہ کرے اور ایمان لاوے اور اچھے کام بھی کرے سو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا کرتا ہے اور اللہ غفور الرحیم ہے اور جس نے توبہ کر لی اور نیک کام بھی کرنے لگا تو وہ (دراصل) اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو جھوٹی[1] گواہی نہیں دیتے۔ اور وہ جو کبھی بیہودہ جگہ پر گزر ہو جائے تو مونہہ پھیر کر گزر جائیں اور وہ جب ان کو ان کے رب کی آیات سے سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اندھے بن کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور کرتے ہیں) اور وہ جو دعا کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو ان کے صبر کے بدلہ میں جنت کے بالاخانے دے دیے جائیں گے اور ان کا وہاں دعا و سلام کے

[1] وہ جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔

ساتھ استقبال کیا جائے گا وہ وہاں سدا رہا کریں گے (جنت میں وہ) بہت عمدہ ٹھہرنے کی جگہ اور خوب ہی مقام ہے (اے نبی) کہہ دے میرے رب کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں اگر تم اس کو نہ پکارو البتہ تم جھٹلا تو چکے ہو (پھر دیکھو) ابھی سزا ہوتی ہے۔

تفسیر : تَبَارَكَ الَّذِیْ الخ یہ جواب ہے ان کے اس قول کا وما الرحمٰن کہ کیا ہے رحمٰن! وہ بابرکت ہے کہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں سراج یعنی آفتاب بنایا ہے جو تمام دنیا کا چراغ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اندھیرا ہو جاتا اور رات کے لیے بھی اس نے چاند چمکتا بنایا ہے۔ مطلب یہ کہ رحمان وہ ہے کہ جس نے دنیا کا گھر بنایا اور اس گھر میں آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں روشن کیں اور اس گھر میں تمہارے لیے ہر ایک قسم کا سامانِ معیشت بہم پہنچایا۔ پھر کہتے ہو کہ رحمان کون ہے اور اس کے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے ہو؟ اور اس پر بس نہ کیا بلکہ اس نے رات دن بنائے جو ایک کے بعد دوسرا آتا ہے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات یا یوں کہو ایک دوسرے کے مخالف ہے یہ مجاہد وقتادہ وکسائی کا قول ہے۔ یقال لکل شیءٍ اختلفا ھما خلفان فقولہ خلفۃ ای مختلفین ھذا اسود وھذا ابیض وھذا طویل وھذا قصیر اگر ہمیشہ رات یا دن ہوتا تو نظامِ عالم نہ رہتا۔ فرماتا ہے یہ شکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لیے ہے جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا آسماں میں تاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں کہیں شیر کی، کہیں ترازو کی کہیں بیل کی، کہیں مچھلی کی، وغیرہ اور آسمان کو حکماء نے بارہ حصوں میں خیالی طور پر اس طرح سے تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں اور ہر ایک حصہ کا نام برج رکھا ہے اور جن برج میں صور مذکورہ میں سے جو کسی کی صورت آگئی ہے اس کو اس کے نام سے نامزد کر دیا ہے۔ جس میں شیر کی صورت ہے اس کو برج اسد کہتے ہیں جس میں مچھلی کی اس کو برج حوت علیٰ ہذا القیاس اور یہ بات عرب میں ہمیشہ سے مسلم چلی آتی تھی وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الخ یہاں سے ان پر تعریض کرتا ہے کہ تم رحمان کو کیا جانتے ہو تم تو شیطان کے بندے بنے ہوئے ہو۔ دیکھو رحمان کے بندے یہ لوگ ہیں جن میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں یہاں سے پھر احکام اور قوتِ عملیہ کی تکمیل کا مسئلہ اس خوبی اور مناسبت سے شروع کرتا ہے۔

عباد الرحمٰن کے چند اوصافِ حمیدہ ذکر کرتا ہے جس سے عام مسلمانوں کو بھی ان اوصاف کو حاصل کرنے کی ترغیب دلانی مقصود ہے کہ خالی باتیں بنانے سے رحمان کا بندۂ خاص نہیں بنتا جب تک کہ ان باتوں کو اپنے میں پیدا نہ کرے اور یوں تو رحمان کے سبھی بندے ہیں مگر مراد خالص اور اچھے اور مقبول بندے ہیں۔ صفت اول (۱) الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ الخ کہ جو زمین پر اکڑتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے بلکہ تواضع اور فروتنی سے۔ (۲) وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ جب جاہلوں سے ہمکلامی کا اتفاق پڑتا ہے تو سلام کہتے ہیں یعنی تسلیم اختیار کرتے ہیں۔ یا یہ کہ سلامتی اور سکوت طلب کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں معاف کیجیے ان سے الجھتے جھگڑتے نہیں۔ کس لیے کہ سفہاء کی باتوں سے درگزر کرنا اور مقابلہ نہ کرنا عقلاً وشرعاً بہتر ہے اور اس میں سلامتی اور حفظِ آبرو بھی ہے۔ یا یہ کہ سلامِ تودیع کہتے ہیں یعنی سلام کر کے رخصت اور الگ ہو جاتے ہیں سب سے مطلب یہ ہے کہ جہل وفساد کے مقابلہ میں حلم اختیار کرتے ہیں۔ (۳) یہ کہ یہ تو ان کا دن کا اور باہمی تمدن کا برتاؤ تھا۔ اب خدا سے معاملہ اور شب کی کیفیت یہ ہے یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ الخ کہ تمام رات یا اس کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں صرف کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں جس میں سجدہ اور قیام بھی ہے۔ حسن کہتے ہیں اللہ کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور نیاز کے ساتھ اس کے آگے سر رکھ دیتے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں یہ نمازِ تہجد کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کا شیوہ خاص ہے۔ (۴) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ الخ یعنی اس عبادت پر ان کو غرور نہیں بلکہ عذابِ جہنم سے ڈرتے اور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے عذابِ جہنم کو دور رکھیو کیونکہ وہ دردناک عذاب ہے اور جہنم بری جگہ ہے۔ (۵) وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا الخ کہ خرچ کرنے میں درمیانہ روی کرتے ہیں نہ اسراف ہے نہ اقتار[1] کھانے پینے، لباس، مکان سب میں درمیانہ روی مستحسن ہے بعض کہتے ہیں گناہ کے کام میں صرف کرنا

---

[1] اقتار وقتور تنگ دلی، کنجوسی۔ ۱۲ منہ

اسراف ہے اور حق اللہ میں دست کشی کرنا اقتار یعنی تنگدلی ہے۔ (۶) وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ الخ کہ وہ ہر حال میں شرک سے بچتے ہیں خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے اور کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کرتے۔ جن مواقع میں قتل کی رخصت ہے جیسا کہ خون کے بدلہ میں خونی کا خون کرنا یا عین جنگ میں دشمن کا قتل کرنا وہاں تو وہ ہاتھ نہیں روکتے باقی دیگر مواضع میں جن کا خدا نے حکم نہیں دیا اور جان کا مارنا حرام کیا ہے وہاں ہاتھ روکتے ہیں یہ نہیں کہ آپس کی خانہ جنگیوں میں یا راہزنی اور چوری وغیرہ امور میں مار ڈالتے ہوں۔ رحم اور عدل دونوں کی رعایت رکھتے ہیں۔ (۷) اور نہ وہ زنا کرتے ہیں پھر فرماتا ہے وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا کہ جو ایسے کام کرے گا وہ اس کا برا بدلہ بھی پائے گا ان الاثام والاثم واحد و المراد ههنا جزاء الاثام ـ یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ان کو قیامت میں دو چند عذاب دیا جائے گا ایک شرک کا دوسرا ان گناہوں کا وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا اور اس عذاب میں ہمیشہ خوار و ذلیل ہو کر رہے گا۔

بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا گناہ بڑھ کر ہے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک بناوے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے کہا پھر کونسا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تو اپنے لڑکے کو اس خوف سے مار ڈالے کہ تجھے اس کو اپنے ساتھ کھلانا پڑے گا (عرب میں ایسا بھی ہوتا تھا) پھر عرض کیا پھر کونسا؟ فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا اس کی تصدیق میں خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ الآیہ یعنی یہ آیات حدیث کی تائید کرتی ہیں اور مواقع تائید میں آیات کا پیش کرنا متقدمین میں نزول سے تعبیر ہوتا ہے بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے بعد مشرکین نے کہا ہم نے تو اور معبودوں کو بھی پوجا اور ناحق قتل بھی کیا اور حرام کاری بھی کی ہے پس ہمارے لیے مغفرت کا کیا طریق؟ تب یہ آیت نازل ہوئی اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا کہ جس نے توبہ کی اور ایمان لا کر عمل صالح کئے فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ اللہ ان کے گناہانِ سابقہ کو مٹا کر یہ نیک کام ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دے گا اور ممکن ہے کہ اپنے فضل سے ان کی حقیقت بدل دے۔ ؎ ہر کہ در سایۂ حمایتِ اوست، گنہش طاعت است دشمن دوست ۔ (۷) وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ الخ زور کے معنی ہیں جھوٹی گواہی یعنی جھوٹی گواہی کے پاس بھی نہیں جاتے اور مواضع کذب بھی مراد ہو سکتی ہیں اور ہر ناز یبا مجلس بھی مراد ہو سکتی ہے جو خلافِ شرع شریف ہے جیسا کہ ناچ رنگ کی مجلسیں اور کھیل اور تماشوں کے مجامع۔ اس طرح کفار و مشرکین و مبتدعین کے میلے اور تیوہار ان سب سے اجتناب کرنا عباد الرحمٰن کی شان ہے، وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اور جو کہیں ایسے بیہودہ مواقع کے پاس سے گزرنے کا اتفاق بھی ہو تو اعراض کر کے گزر جاتے ہیں منہ ڈھانک کر آنکھ بند کر کے گزرنا ان کی طرف متوجہ نہ ہونا بزرگانہ گزرنا ہے۔ (۹) وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا الخ کہ جب ان کو آیاتِ الٰہی سنائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے جیسا کہ منافقین دکھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ بلکہ بصیرت اور سمجھنے اور سننے کی حالت میں ان پر گر پڑتے ہیں ان سے اعراض نہیں کرتے۔ (۹) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ الخ کہ اپنی اولاد اور ازواج کے لیے بھی دعا کیا کرتے ہیں کہ ان کو اصلاح و دینداری میں ایسا کر کہ ان سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوویں اور اپنے خاندان اور کنبے کے ہم بزرگ رہبر بن جاویں۔ یہ بڑی نعمت ہے کہ انسان کے زن و فرزند اس کے موافق ہوں اور دین میں معین یا یہ معنی کہ مر کر یہ ہم سے ملیں اور ہماری آنکھیں دار آخرت میں ان سے ٹھنڈی ہوں۔ اب عباد الرحمٰن کی جزا فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الخ کہ یہ لوگ جنت میں بلند محلوں کی کھڑکیوں میں بیٹھیں گے اور اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ وہ جو رحمان کے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے ہیں ان سے عتاب کیا جاتا ہے کہ کہہ دو کہ میرے رب کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں جو تم اس کو نہیں پکارتے تم تو جھٹلا چکے عنقریب تم پر عذاب آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۞ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۞ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۞ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحیم والا مہربان ہے

یہ آیتیں روشن کتاب کی۔ نبی شاید (اے نبی!) آپ اپنی جان کو گھونٹ کر ماردیں گے اس پر کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایک ایسی نشانی نازل کردیں کہ اس کے آگے ان کی گردنیں جھک پڑیں اور ان کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی نئی بات نصیحت کی ایسی نہیں آئی کہ وہ اس سے منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔ معلوم ہوئے جاوی گی کہ جس سے وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ بھلا کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ اس میں کس قدر ہم نے قسم قسم کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے بہت تو مانتے ہی نہیں۔ اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے (جو ان کے کفر پر جلد سزا نہیں دیتا)۔

ترکیب : اَنْ لَّا يَكُوْنَ مفعول لہ اے لئلا خاضعین والقیاس خاضعات انما جاء جمع المذکر لان المراد اصحاب الاعناق ولیس المراد الرقاب کم ابتدائی موضع نصب بانبتنا من ذکر ای قرآن من الرحمن صفۃ ذکر محدث صفۃ اخری۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں اسی وقت نازل ہوئی ہے جبکہ کافروں کا حضرت ﷺ پر اور مسلمانوں پر ہر طرف سے سخت ہجوم تھا اور اسلام کی روح افزا باتیں ان کو عجیب وغریب معلوم ہوتی تھیں۔ حضرت ﷺ کی نبوت پر وہ طرح طرح سے لغو شبہات وارد کیا کرتے تھے اور جب جواب سے عاجز آجاتے تھے تو اپنی خواہش کے موافق ہر شخص ایک عجیب وغریب معجزے کا طالب ہوتا تھا۔ کوئی کہتا تھا اس پہاڑ کو یہاں سے ہٹا دو تو جانوں، کوئی کہتا تھا کہ اس خشک اور پہاڑی جگہ میں نہر جاری کردو تو مانوں، علیٰ ہذا القیاس حضرت ﷺ کے دل میں قوم کی خراب حالت کی اصلاح کا جوش تھا دردمندی حد سے بڑھی ہوئی تھی ان کے نہ ماننے اور کج بحثیاں کرنے سے نہایت رنج ہوتا تھا اس سورہ میں آپ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں گے تو کیا آپ غم میں گھٹ کر اپنے آپ کو ہلاک کردیں گے۔ اور پھر اس کے بعد چند انبیاء و اولوالعزم اور ان کی سرکش امتوں کا تذکرہ کرکے یہ بتلا دیا کہ پہلے لوگ بھی اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کرتے آئے ہیں اور چونکہ عرب میں شاعری کا بڑا زور شور تھا اور عاجز ہو کر قرآن کو شعر کہہ دیا کرتے تھے اس لیے اخیر سورہ میں شعراء کی حقیقت بھی بیان کردی کہ وہ واہی تباہی باتیں اشعار میں جمع کیا کرتے ہیں ہر وادی سخن میں حیران و پریشان پھرا کرتے ہیں برخلاف قرآن مجید کے کہ جس میں سراسر راستی اور مکارم اخلاق اور توحید وغیرہ کے مضامین عالیہ ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام سورۂ شعراء ہوا اور نیز ان کو روحانی بلاغت کا اس میں ایک جداگانہ لطف دکھا کر

ان پر کوڑا سا مار دیا۔ سورہ فرقان کے اخیر میں یہ جملہ تھا کہ تم جھٹلا چکے اب دیکھو کیسی سزا ملتی ہے چنداں کی تکذیب کے مقابلہ میں بہت سے مواقع پر شہادتیں پیش کی گئیں تھیں کہ ان میں غور کرنے کے بعد عاقل کو تکذیب کی گنجائش نہیں رہتی مگر اس کے بعد دلائلِ اثباتِ نبوت بیان کرنا اور ساتھ ہی گزشتہ انبیاء اور ان کی نافرمان اور سرکش قوموں کے واقعات بیان کرنا اتمامِ حجت اور اپنے محبوب رسول کے دل کی تشفی اور دفعِ ملال مقصود تھا جو آپ کو اس بدنصیب قوم کی بے نصیبی اور آنے والی مصیبت سے تھا۔ اس لیے سورہ فرقان کے بعد اس سورہ کا آنا مناسب ہوا۔ طسم الم کی تفسیر میں حروف مقطعات کی بابت ہم بہت کچھ کہہ آئے ہیں۔ یہاں ط سے مراد طرب اور س سے سرورِ دائمی اور میم سے محمد (ﷺ) ہیں یعنی محمد (ﷺ) کو طرب و سرورِ ابدی مبارک ہو یہ غم چندروزہ ہے۔ واللہ اعلم تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ یہ آیتیں جو اے لوگو! تم کو سنائی جاتی ہیں روشن اور کھلی ہوئی کتاب یعنی قرآن کی ہیں جن میں عقلِ سلیم کو کچھ بھی تردد نہیں ہاں جو کوراز لی اور بدنصیبِ اصلی ہیں ان کو ان پر طرح طرح کے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مضمونِ الہامی ان کے دل میں نہیں اترتا اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے پھر جب وہ ایسے کور باطن ہیں تو اے نبی! آپ کو ان کے ایمان نہ لانے سے کچھ رنج نہ کرنا چاہیے۔ پھر آپ کیوں جی میں گھٹتے ہیں۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ الخ اب رہا ان کا یہ عذر کہ ہمارے سوال کے مطابق حضرت کیوں کوئی نشانی نہیں دکھاتے سو یہ بھی غلط ہے ان کو اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا ورنہ ہم قادر ہیں اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً الخ کہ آسمان سے ان پر کوئی ایسی نشانی اتاریں جس کے آگے ان کی گردنیں جھک جاویں مگر ان کا تو یہ حال ہے کہ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الخ کہ جب کوئی نئی بات نصیحت کی ان کے پاس خداتعالیٰ کی طرف سے آتی ہے تو اس سے انکار ہی کرتے ہیں فَقَدْ كَذَّبُوْا الخ یہ جھٹلا چکے نہ مانے ہیں نہ مانیں گے۔ اب عنقریب اس کی حقیقت ان کو معلوم ہو جائے گی۔ اور نشانی دیکھتے ہیں تو ہر وقت دیکھ سکتے ہیں۔ زمین کی جڑی بوٹیوں کو دیکھیں کہ کس صناع نے کس حکمت سے پیدا کیں ہیں؟ اس جڑی بوٹیوں کے اگانے میں چند نمونہ قدرت ہیں اول یہ کہ جس طرح ہر سال جڑی بوٹیاں برسات میں پیدا ہو جاتی ہیں اور موسم خزاں میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دوسرے سال پھر وہی اسی طرح سے برآمد ہوتی ہیں اس میں حشر اور قیامت اور انسانی بقاء کا پورا نمونہ ہے۔ دوم جب عالمِ حسی میں اس کا ایک بار نہیں بلکہ بار بار یہ فضل ہے کہ وہ آسمانی پانی سے حیوانات بالخصوص انسان کے لیے کیا کیا مفید چیزیں پیدا کرتا ہے تو پھر وہ رحیم و کریم اس کی دوسری حیات کے لیے ابرِ رحمت یعنی نبوت کے فیض سے کیوں محروم کرتا مگر اکثر جاہل ان باتوں پر ایمان نہیں لانے والے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝۱۱
قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ
فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝۱۳ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۱۴ قَالَ كَلَّا ۚ
فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝۱۵ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۱۷ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا
وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝۱۸ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ

فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ

اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا

تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ

اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ

اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى

عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ع

اور جبکہ آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ظالم قوم کے پاس جاؤ۔فرعون کی قوم پاس ڈرتے وہ کیوں نہیں۔موسیٰ نے عرض کیا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان نہ چلے پس ہارون کو پیغام دو اور مجھ پر ان کا ایک گناہ بھی ہے سو مجھے ڈر ہے کہ مار نہ ڈالیں۔فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔پس تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔فرعون نے کہا کیا تجھ کو ہم نے اپنے گھر میں بچہ سے نہیں پالا اور تو نے ہم میں اپنی عمر برسوں بھی گزاری ہے۔اور تو اپنی وہ حرکت کہ جو تو نے کی تھی کر چکا ہے۔حالانکہ تو ان کا برسوں بس سے ہے۔موسیٰ نے کہا جبکہ میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا پس میں تم سے تمہارے ڈر کے مارے بھاگ نکلا۔ تب مجھ کو میرے رب نے دانائی عطا کی اور مجھ کو رسول بنایا۔اور کیا یہ بھی کوئی احسان ہے کہ جس کو تو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔فرعون نے کہا رب العالمین کیا چیز ہے؟ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی سب چیزوں کا رب ہے۔اگر تم کو یقین آوے۔فرعون نے ان (درباریوں) سے جو اس کے اردگرد تھے کہا کہ تم موسیٰ کی باتیں سنتے ہو۔موسیٰ نے کہا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔فرعون نے کہا بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا اور کوئی معبود قرار دیا تو تجھے قید ہی میں تو ڈال دوں گا۔موسیٰ نے کہا اور جو تیرے پاس کھلی ہوئی بات لایا ہوں۔(تو بھی) فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اس کو پیش کر۔پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ فوراً ایک بڑا اژدہا بن کر ظاہر ہو گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو فوراً وہ ناظرین کو چمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى الخ اب یہاں سے انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ عبرت انگیز شروع ہوتے ہیں (ا) یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جس میں ان کا فرعون کے پاس جانا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور طرح طرح کے معجزات دکھانا اور اس کا نہ ماننا اور انجام کار دریاءِ قلزم میں مع لشکر غرق ہونا مذکور ہے۔

تفسیر: وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فرعون کے گھر جب موسیٰ علیہ السلام تھے اور ان کے فرزندوں کی طرح پرورش پاتے تھے ایک بار فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی۔

جس پر خفا ہو کر اس نے قتل کا حکم دیا اس کی بیوی نے سفارش کی کہ نادان بچہ ہے اس کے نزدیک آگ اور جواہرات برابر ہیں دونوں لا کر سامنے رکھے گئے تو آگ منہ میں ڈال لی تھی جب سے لکنت زبان پر تھی۔ بعض کہتے ہیں یوں ہی قدرتی طور پر لکنت تھی۔ بعض کہتے ہیں اس جملہ سے لکنت ثابت کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ میں گویا نہیں ہوں مزاج میں غصہ زیادہ تھا عذر کر دیا کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے میرا سینہ تنگ ہوگا زبان نہ چلے گی۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ یہ گناہ قبطی کو مکا مار کر مار ڈالنا ہے۔ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا کیا تو ہم میں لڑکپن سے ایک عمر تک نہیں پلا رہا۔ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ اور تو نے وہ کام کیا جو کیا یعنی قبطی کو جو ہماری قوم کا تھا مار ڈالا۔ یہ فرعون نے بطور طعن کے کہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ بے شک ایسا کام نادانستگی سے سرزد ہو گیا وَاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ کے یہی معنی کہ مجھے طریقہ فہمائش اس وقت نہ معلوم تھا نہ یہ کہ میں دراصل گمراہ بت پرست تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ ہم دونوں بھائی رب العالمین کے رسول ہیں مصر کے لوگ اور فرعون بھی بت پرست تھے ستاروں اور دیگر علویات کے بت بنا کر پوجا کرتے تھے اور نیز وہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو رب یعنی لوگوں کا پرورش کرنے والا سمجھتا تھا جیسا کہ ہندو راجہ کو ان داتا یعنی رزق دہندہ کہا کرتے ہیں۔ اس لفظ سے چونکا جیسا کہ مشرکین کہ رحمان کے لفظ سے چونکتے تھے۔ اس لیے پوچھا مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کہ کیا ہے رب العالمین؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے سب کا رب فرعون نے تعجب سے درباریوں سے کہا سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے یعنی ایک شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کا رب ہو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر تھا موسیٰ علیہ السلام نے کہا بلکہ تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب۔ اس پر اس کو تاب نہ رہی کہہ دیا یہ دیوانہ ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اور ترقی کی کہ مشرق اور مغرب کے لوگوں کا رب تمہارے باپ دادا کی کیا خصوصیت ہے اگر تمہیں عقل ہے سمجھو یعنی میں دیوانہ نہیں ہوں تم احمق ہو۔ اس پر فرعون نے کہہ دیا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو رب بنایا تو مقرر تجھے قید خانہ میں ڈال دوں گا۔ فرعون کا قید خانہ بھی معاذ اللہ برا قید خانہ تھا کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال دیا کرتے تھے اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر میں تجھے کوئی نشانی اپنی صداقت کی دکھاؤں تب بھی تو مجھے قید میں ڈالے گا۔ اس نے کہا وہ نشانی دکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کو بغل میں سے نکالا تو آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ ید بیضا پھر عصا یعنی اپنے ہاتھ کی لکڑی کو ڈالا تو اس کے دربار میں سانپ بن کر لہرانے لگا۔ فرعون اور درباری ڈر کے مارے بھاگ اٹھے اس کی خدائی کی قلعی تو وہیں کھل گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا پھر وہی لکڑی ہو گئی۔ بدنصیب یہ معجزے دیکھ کر ایمان تو نہ لایا کہہ دیا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اس کے زور سے تمہارا ملک لینا چاہتا ہے۔ فرعونیوں کے عہد میں جادو اور طلسم کا بڑا زور تھا چنانچہ اس عہد کے یادگار مسلمانوں کے ابتداء عہد تک موجود تھے جن کو اہل اسلام کے مؤرخین نے نقل کیا ہے دیکھو تاریخ مصر۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

فرعون نے اپنے درباریوں سے جواس کے پاس تھے کہا کہ بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے پھر تم کیا رائے دیتے ہو؟ وہ بولے اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ آپ پاس بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو حاضر کریں۔ پس سب جادوگر ایک دن معین پر جمع کئے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم بھی اکٹھے ہوتے ہو۔ شاید کہ ہم جادوگروں کے تبع ہو جاویں اگر وہی غالب رہے۔ پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہا بھلا ہم کو کچھ انعام بھی ہے اگر ہم ہی غالب آ جاویں۔ اس نے کہا ہاں بے شک جب تو تم مقربوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ ان سے موسیٰ نے کہا کہ ڈالو کیا ڈالتے ہو۔ پھر انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے بھی اپنا عصا ڈال دیا پھر تو وہ فوراً (ان کے ان شعبدوں کو جو بنا رہے تھے) لقمہ کرنے لگا۔ پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے؟ بے شک یہ تمہارا استاد ہے کہ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو تم کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوائے ڈالتا ہوں اور تم سب کو سولی پر چڑھائے دیتا ہوں۔ وہ بولے کچھ مضائقہ نہیں ہم کو تو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا اس سبب سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے۔

درباریوں نے صلاح دی کہ آپ بھی اپنے ملک میں سے نامور جادوگر ایک روز معین میں جمع کر کے اس کو عاجز کر دیجئے اور عید یا کوئی فرعونیوں کا میلہ ہوتا تھا جس میں سب لوگ شریک ہوتے تھے وہ روز قرار پایا تا کہ سب لوگ موسیٰ علیہ السلام کا عجز ملاحظہ کریں۔ چنانچہ اس روز وہ سب جادوگر اور طلسم کار آئے اور ایک میدان میں فرعون اور اس کے امراء اور عام لوگ جمع ہوئے۔ وہاں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی تشریف لائے مقابلہ کی ٹھیری۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ڈالو کیا ڈالتے ہو یعنی پہلے تم کچھ دکھاؤ انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں زمین پر ڈالیں۔ لوگوں کو سانپ بن کر پھرتی ہوئیں نظر آنے لگیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا وہ اژدہا بن گیا' سب کو کھا گیا۔ فرعون کے جادوگروں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کام سحر کی طاقت سے باہر

ہے یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نشان ہے فوراً ایمان لائے اور وہیں سجدے میں گر پڑے۔ فرعون بڑا خفا ہوا اور کہا میرے حکم سے پیشتر تم کیوں ایمان لائے۔ یہ موسیٰ تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے تمہاری باہم سازش پائی جاتی ہے تم کو اب سزا دیتا ہوں کہ ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کٹوا کر دار پر چڑھاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں دنیا کی تکلیف چند ساعت کی ہے گزر جاوے گی آخر ہم اپنے اللہ کے پاس جائیں گے ہم کو امید ہے کہ وہ ہمیں بخش دے گا کس لیے کہ سب سے پہلے ہم موسیٰ پر اور اس کے رب پر ایمان لائے۔ چنانچہ فرعون نے ایسا ہی کیا۔ رب العالمین کے بعد رب موسیٰ و ہارون اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اس وقت تک فرعونی جادوگروں کو بھی مذہبی امور میں قابل اتباع نہ جانتے تھے اگر وہ غالب آ گئے تو ہمیشہ ان کے کہنے پر چلا کریں گے سحرہ سے موسیٰ اور ہارون مراد نہیں ہو سکتے اول تو سحرہ جمع ساحر ہے جس سے مراد بہت سے دوم لفظ لعل یہ آرزو کرنا ان کی حالت کے خلاف ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

اور موسیٰ کو ہم نے حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل جاؤ کیونکہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ سو وہ نکلے پھر فرعون نے بھی شہروں میں ہرکارے دوڑوائے کہ یہ ایک تھوڑی سی جماعت ہے اور یہ ہمارے بڑے دشمن ہیں اور ہم سب ان سے خطرہ رکھتے ہیں۔ پس ہم نے فرعونیوں کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مقام سے نکال باہر کر دیا۔ یوں کیا اور ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو وارث[1] کر دیا۔ پھر فرعونیوں نے ان کو دن نکلتے ہی آ لیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں مقابل

[1] ان چیزوں کا یعنی باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں کا شام میں لا کر بنی اسرائیل کو مالک کر دیا ان چیزوں کے مالک کرنے سے یہ مراد نہیں کہ انہیں فرعونیوں کے باغوں کا مالک بنا دیا کس لیے کہ بنی اسرائیل کے بعد بھی فرعونیوں کی سلطنت ملک مصر پر قائم رہی ہے۔ کوئی بنی اسرائیل مصر کا بادشاہ نہیں ہوا خصوصاً وہ اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے وہ تو برسوں تیہ میں ٹکراتے پھرے ہیں جہاں من وسلویٰ اترا اور کیا کیا احکام فرض ہوئے اور کیا کیا واقعات گزرے جس نے خاص وہی فرعونی باغ سمجھ کر قرآن پر دروغ بیانی اور تاریخی واقعات کے خلاف ہونے کا الزام لگایا ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے اور جو کوئی ہمارا مفسر اس طرف گیا ہے تو یہ اس کی ناواقفیت۔ حقانی

ہوئیں تو موسیٰ کے لوگ کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ مجھے ابھی راہ بتلائے دیتا ہے۔ پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار (موسیٰ نے عصا مارا) سو دریا پھٹ گیا۔ اور پانی کا ہر ایک ٹکڑا ایسا ہو گیا جیسا کہ اونچا ٹیلا اور اس مقام پر ہم دوسروں (فرعونیوں) کو لے آئے (اور لا کر ڈبو دیا) اور ہم نے موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو بچا لیا۔ اور ان دوسروں کو غرق کر دیا۔ البتہ اس میں ایک (بڑی) نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو مانتے بھی نہ تھے۔ اور البتہ آپ کا رب تو زبردست[1] رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر : وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى باقی تمام قصہ کو حذف کر کے جو موسیٰ کی سرگزشتِ مصر سے تعلق رکھتا تھا صرف بنی اسرائیل کے مصر سے جانے کا تذکرہ شروع فرمایا کیونکہ نشانی قدرتِ کاملہ اور ان کے کفر و انکار کا نتیجہ ظاہر کرنا مقصودِ مقام تھا۔ موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرے بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو رات میں لے نکل۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مع زن و فرزند کسی عید کے بہانہ سے باجازت فرعون لے نکلے اور اسرائیلیوں نے فرعونیوں سے عید کے بہانہ سے زیورات بھی مستعار لیے تھے جب یہ سب نکل گئے تو فرعون کو خبر ملی کہ وہ نکل کر ملکِ شام میں جاتے ہیں۔ فرعون نے جا بجا ہرکارے بھیج دیے کہ لوگ کمک کو آویں اور کچھ خوف نہ کریں کیونکہ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ یہ تھوڑے لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو ناخوش کیا ہے ایک تو ہماری حکومت سے نکلے جاتے ہیں دوسرے ہمارے زیورات لے گئے۔ محض بنظرِ احتیاط تم کو کہلا بھیجا ہے کہ مدد کو آؤ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ کہ ہم کو ان سے خطرہ ہے۔

پس فرعون اور اس کے ساتھ بہت سے لوگ ان کے تعاقب میں نکلے اور صبح دن نکلتے ہوئے اسرائیلیوں کو دریائے قلزم کے قریب آ لیا۔ بنی اسرائیل ان کو دیکھ کر ڈر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا پر اپنا عصا مار اس کے مارنے سے دریا پھٹ گیا اور پانی کی باڑ پہاڑ کی طرح سے دونوں طرف کھڑی ہو گئی۔ بنی اسرائیل خشک زمین پر سلامت نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے اسی راستہ سے جب وہ یہاں آئے تو دریا باہم مل گیا وہ سب ڈوب کر مر گئے۔ یہ ایک اللہ کی طرف کی بڑی نشانی ہے لیکن وہ اکثر نہیں مانتے۔ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اس مقام پر اکثر لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہا کی ضمیر کو فرعونیوں کے خاص جنات و عیون و کنوز و مقامِ کریم کی طرف پھرایا ہے اور اس کی تفسیر میں کہہ دیا ہے کہ فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد ان کے باغوں اور عمدہ مقامات کے بنی اسرائیل پھر لوٹ کر آ کر مالک ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوئی کس لیے کہ تمام اہلِ تاریخ اس پر متفق ہیں کہ دریائے قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل چالیس برس تک تیہ میں ٹکراتے پھرے، مصر میں واپس نہ آئے اور نیز اس فرعون کے بعد دوسرا فرعون تختِ مصر پر بیٹھا ہے۔ ان کی سلطنت کا خاتمہ بابل کے بادشاہ کے ہاتھ سے سینکڑوں برس بعد ہوا۔ صحیح توجیہ جیسا کہ بیضاوی فرماتے ہیں یہ ہے او مثل ولک المقام الذی کان لھم علی انہ صفتہ مقام اس تقدیر پر معنی صاف ہو گئے کہ ایسے مقامات کا ہم نے بنی اسرائیل کو وارث یعنی مالک کر دیا یعنی ملکِ شام اور فلسطین میں ان کو بھی ہم نے ویسے ہی عمدہ مقامات اور باغ اور چشمے اور خزانے عطا کئے جیسا کہ فرعونیوں کے پاس تھے اور ان سے نکال کر ہم نے ان کو دریائے قلزم میں غرق کیا۔ خلاصہ یہ کہ ان عمدہ مقامات سے ان کو نکالا اور ایسے عمدہ مقامات بنی اسرائیل کو عطا کئے اور سورہ دخان میں بھی ایسا ہی آیا ہے كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا (وقف لازم)

[1] زبردست ایسا کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا رحیم ایسا کہ بیچارے بنی اسرائیل کو بچا لیا یا یہ کہ زبردست ہے سزا دینے پر آئے تو کوئی بچ نہیں سکتا مگر رحیم بھی ہے کہ فی الفور سزا نہیں دیتا درگزر کر جاتا ہے۔ ١٢ منہ

فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾

اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ

خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ

يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ

صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا

بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾

وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ

يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ

اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ

شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ ع

اوران کوابراہیم کا حال بھی پڑھ سناؤ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اوراپنی قوم سے کہا کہ تم کس کو پوجا کرتے ہو۔انہوں نے یہ کہا بتوں کو پوجتے ہیں۔سوانہیں کے گرد رہا کرتے ہیں۔ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جبکہ تم پکارتے ہو یا تم کو کچھ نفع یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔انہوں نے کہا (کچھ نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادکوایسا ہی کرتے پایا ہے ابراہیم نے کہا تم کو خبر کچھ بھی ہے کہ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا جس کو تم پوجتے تھے وہ تو سب میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین (کہ وہ بڑا زبردست ہے) وہ کہ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر مجھ کو رہنمائی کیا کرتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو مجھے شفا دیتا

ہے اور وہ جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔ اور وہ کہ جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کرے گا۔ اے رب! مجھے حکمت عطا کر اور مجھے شائستہ لوگوں میں ملا دے اور آیندہ آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھیو۔ اور مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں سے کر دے اور میرے باپ کو بھی بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے تھا اور مجھ کو جی اٹھنے کے دن رسوا نہ کرنا' جس دن کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر اس کو کہ جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا اور اس دن پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب لائی جائے گی اور جہنم سرکشوں کے لیے ظاہر کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے۔ (اب) کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا بدلہ لے سکتے ہیں۔ پھر وہ بھی [1] اور گمراہ لوگ بھی اور سب شیطانی لشکر جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے وہ وہاں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ کی قسم! ضرور ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ (اے جھوٹے معبودو!) تم کو ہم رب العالمین کے برابر کیا کرتے تھے اور ہم کو کسی نے گمراہ نہیں کیا تھا مگر ان بدکاروں نے پھر نہ ہمارا کوئی شفاعت کرنے والا ہے اور نہ کوئی دوست غمگسار ہے۔ کاش ایک بار پھر ہمیں دنیا میں جانا ملے۔ تو ہم ضرور ایمان والوں میں شامل ہو جاویں البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور بے شک آپ کا رب زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔

ترکیب : کذالك منصوب بہ یَفْعَلُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ انما افرد والقیاس اعداء لا نا العدو جنس یطلق علی الواحد والکثیر، المراد ذوعداوۃ الا رب العلمین استثنا جنس اور غیر جنس دونوں سے ہو سکتا ہے الذی مبتداء فھو مبتداء ثان یھدین اس کی خبر اور جملہ الذی کی خبر اور بعد کے الذی پہلے کی صفات ہیں اور صفات میں و کا داخل کرنا جائز ہے یوم لا ینفع بدل ہے اول یوم سے الامن استثناء متصل اور غیر متصل بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر : وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ الخ (۲) قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں حضرت ﷺ کو کامل تسلی دی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ اور ان کی تمام قوم بھی گمراہی میں مبتلا تھی بت پرست تھے پھر ابراہیم علیہ السلام کو اپنے باپ کے جہنمی ہونے کا کیا کچھ کم غم نہ تھا مگر بجز دعا کرنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ پھر آپ کیوں اے نبی! اس قدر غم کرتے ہیں؟ اور جب ابراہیم کے ساتھ ان بت پرستوں نے نہ صرف مقابلہ ہی کیا بلکہ آگ میں ڈالا اور وہاں سے سلامت آنے پر بھی دیس چھوڑنا پڑا۔ پس آپ پر یہ مصائب کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں جنت النعیم میں جانا اور قیامت کی رسوائی سے پناہ میں رہنا ذکر کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ اور مرنے کے بعد دوسری زندگانی کے اے قریش مکہ تمہارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام بھی معتقد تھے اس میں میں نے کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد اس مناسبت سے مسئلہ معاد یعنی حشر کی کیفیت بھی بیان فرمائی کہ اس روز جہنم بدکاروں کے جنت ابرار کے سامنے لائی جائے گی اس دن مال اور زر' اولاد کام نہ آئے گی مگر ان کے کہ جو خدا کے پاس کفر و معصیت' حبِ شہوات سے پاک دل لے کر آیا ہوگا اس کی اولادِ نیک کے اعمالِ صالحہ جو اس کی ہدایت کا نتیجہ ہیں اور اس طرح جو مال اس نے اللہ کی راہ میں صرف کیا ہے اس کے کام آئے گا اور اس روز بت پرستوں سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر کیا آج وہ تمہارے معبود کچھ تم کو نفع یا نقصان دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی اور ان کے وہ معبود خبیث یہی ارواحِ خبیثہ و شیاطین سب کے سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

اور جہنم میں آپس میں لڑیں گے اور مشرکین کہیں گے ہم بڑے سخت گمراہ تھے جو تم کو رب العالمین کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ ہائے آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ حمایتی' کاش دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت ملے تو ہم بھی ایمان لائیں۔ ایمان کے نتائج کا مشاہدہ ہو گیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ گو حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ بتوں کو پوجتے ہیں لیکن سوال اس غرض سے کیا تھا کہ ان کے بتوں کی کمزوری ثابت کریں تا کہ ان کو شرمندگی حاصل ہو اور پھر یہ ان کی پرستش چھوڑ دیں مگر وہ تو ایسے پختہ تھے کہ نَعْبُدُ اَصْنَامًا کہنے پر بس نہ کیا

---

[1] یعنی معبود اور ان کے پوجنے والے گمراہ لوگ اور ان کو بہکانے والے شیاطین سب کے سب جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ ۱۲ منہ

بلکہ فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ بھی کہہ دیا کہ ہم نہ صرف ان کی پرستش ہی کیا کرتے ہیں بلکہ ہم دن بھران کے گرد رہا کرتے ہیں (والعكوف الاقامة على الشيء وانما قالوا نظل لانهم كانوا يعبدونها بالنهار دون الليل۔ کبیر) ان کو بت پرستی پر تفاخر تھا اوراس کی وہ مسرت ظاہر کرنا چاہتے تھے (اللہ رے گمراہی!)

ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل اوراس کے اطراف میں تھی وہ لوگ مذہب صابی رکھتے تھے جو ستاروں اور دیگر نورانی اور آسمانی چیزوں کی پرستش کیا کرتے تھے پھران معبودوں کے نام سے طرح طرح کی مورتیں بنارکھیں تھیں۔ تخمیناً پچاس سال ہوئے ہوں گے کہ شہر نینوٰی کے بعض تودوں کو فرانس کی ایک جماعت نے بحکم حضرت سلطان عجائب قدیمہ دریافت کرنے کی غرض سے کھدوایا تو بہت نیچے سے سنگ مرمر کا ایک عجیب وغریب مکان برآمد ہوا جس کی دیواروں پر ہر طرف عجائب مورتیں ترشی ہوئی تھیں اور پھراس کے صدر مقام میں ایک بہت بلند بیل سنگ مرمر کا تھا جس کے پاؤں ہاتھی کے اور بازوؤں پر عقاب کے سے پر اوراس کی صورت انسان کی تھی دو قد آدم اونچا تھا جس کو اکھاڑ کر فرانس کے عجائب خانہ میں رکھا گیا اور دیواروں پر کچھ کتبہ بھی تھا جو آج تک کسی سے پڑھا نہیں گیا۔ غالباً یہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا بت تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر ان سے دریافت کیا هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ کہ بھلا جب تم ان کو پکارتے ہو کچھ تمہاری بات بھی سنتے ہیں یا تم کو کچھ نفع ونقصان بھی دیتے ہیں؟ اس کا وہ کیا جواب دیتے بجز اس کہنے کے کہ بل وجدنا اباء نا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے ان کی تقلید ہم کرتے ہیں ایسی تقلید حرام ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ۔ اب تم کو معلوم ہو گیا کہ تم اور تمہارے باپ دادا کس بے حقیقت چیز کی عبادت کیا کرتے تھے۔ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ یہ سب میرے دشمن ہیں یعنی مجھے ان سے نفرت اور عداوت ہے مگر رب العالمین سے نہیں۔ اس کے بعد رب العالمین کے چند اوصاف ذکر کرتے ہیں جن سے ان کو اس کی طرف رغبت پیدا ہو۔ پس فرمایا الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وہ کہ جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھ کو راہِ راست کی طرف رہنمائی کیا کرتا ہے وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ کہ صرف یہی نہیں کہ پیدا کر کے ہی اس نے چھوڑ دیا پھر اس نے کچھ کام نہیں پڑتا بلکہ جس طرح ابتداء میں اس کی طرف حاجت تھی حال میں بھی ادنیٰ اور اعلیٰ حاجت اسی سے وابستہ ہے يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ سے چھوٹی باتوں کی طرف وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ سے امورِ عظام کی طرف ایماء کیا گیا۔ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ زندگیِ دنیا کے بعد بھی اس سے تعلق ہے وہی موت دے گا پھر قیامت کو دوبارہ وہی زندہ کرے گا۔ اسی سے مجھے گناہوں کی معافی کی امید ہے (ہر چند حضرت ابراہیم علیہ السلام گنہگار نہ تھے مگر خاصانِ خدا بمقام عبدیت اپنی ذرا ذرا سی فروگذاشت کو بھی بہت بڑا گناہ سمجھا کرتے ہیں) یعنی تمہارے بت بیکار اور میرا معبود یہ یہ کیا کرتا ہے اب دیکھو کون قابلِ پرستش ہے یہ سب ان پر تعریض ہے اس کے بعد جو دارِ آخرت اور دنیا کی بہبودی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی اس کو نقل کرتا ہے رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ حکم سے مراد کمال قوتِ مدرکہ کا کہ جس سے ادراکِ حق حاصل ہو وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ سے مراد کمال قوتِ عملیہ کا کہ جس سے خیر کو عمل میں لاوے۔ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ اور مرنے کے بعد دنیا میں میرا سچائی اور ذکرِ خیر کے ساتھ تذکرہ باقی رہے یعنی توحید کا طریقہ جو مجھے نصیب ہوا ہے میرے بعد میں یہی رہے کہ وہ اس سبب سے مجھے ذکرِ خیر سے یاد کیا کریں جو اوروں کے لیے توحید کی طرف رغبت کا باعث ہو وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ اور مجھ کو جنتِ نعیم کا وارث کیجیو یہ سعادتِ آخرت کی دعا تھی جب سعادتِ دنیا وآخرت کے سوال سے فارغ ہوئے تو[1] باپ کے لیے بھی دعا کی کیونکہ وعدہ کر چکے تھے اور نیز اپنے حقداروں کو نعمت میں شریک کرنا عالی حوصلوں کا کام ہے

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب دعائیں قبول ہوئیں مگر باپ کے حق میں نہ قبول ہوئی۔ عبرت کا مقام ہے خدا کی بے نیازی سے ڈرنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

ولاتخزنی یوم یبعثون کہ قیامت کے روز مجھ سے کوئی باز پرس بھی نہ کرنا پھر اس کے بعد قیامت کا حال شروع کر دیا کہ اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نفع دے گی مگر قلبِ سلیم کہ جس میں توحید و اخلاص ہو پھر۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰۶﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۲﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿۱۲۰﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾

النصف

ع ۱۰

نوح کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے۔ میں تو تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ قوم نے کہا کیا ہم تجھے مانیں اور تیرے تابع تو کمینے لوگ ہو گئے ہیں۔ نوح نے کہا اور مجھے کیا خبر کہ وہ کیا کرتے تھے ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اے کاش! تمہیں اس کا شعور ہوتا اور میں تو ایمان داروں کو اپنے پاس سے کھدیڑنے کا نہیں۔ میں تو بس کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور سنگسار کیا جائے گا۔ نوح نے دعا کی اے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو ایماندار ہیں ان کو نجات دے۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بھی جو بھری کشتی میں تھے بچالیا۔ پھر بعد میں اور باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے ہی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست' مہربان ہے۔

ترکیب : اتَّبَعَكَ جملہ حال ہے ضمیر نؤمن سے اَرْذَلُوْنَ جمع ارذل بمعنی ذلیل مَاعِلْمِیْ ظاہر میں ما استفہامیہ سے محل رفع میں بسبب مبتدا ہونے کے و علمی اس کی خبر اور ممکن ہے کہ نافیہ ہو بما کی ب دونوں تقدیر پر علمی سے متعلق ہے دوسری تقدیر پر خبر کو مضمر ماننا پڑے گا بعد ای بعد انجائہ۔

تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا عبرتناک قصہ بیان فرماتا ہے۔ اگرچہ سورہ اعراف و سورہ

ھود میں یہ قصہ مشرحاً بیان ہو چکا ہے لیکن چونکہ اسلوبِ قرآن مؤرخانہ نہیں کہ جن کے نزدیک مکرر بیان کرنا عیب ہے بلکہ واعظانہ کہ جن کے نزدیک عبرتناک قصوں کو بمقتضائے مقام و حالاتِ قوم مکرر بیان فرمانا عین حکمت ہے۔ خصوصاً نئے نئے اسلوب سے اس لیے اس کا پھر یہاں اعادہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو برس تک ان میں وعظ و پند فرمانا اور پھر ان کا ہدایت پر نہ آنا آنحضرت ﷺ کے لیے کامل تسلی اور ان کے اخیر نتیجہ غرق ہونے سے حضرت ﷺ کے ہم وطنوں سرکش قریش کو کامل تحدید ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ اگرچہ قوم نوح کے صرف نوح علیہ السلام رسول تھے مگر جبکہ ان کو جھٹلایا تو سب نبیوں کو جھٹلایا کیونکہ دین کی باتوں میں سب ایک زبان تھے ایک کی تکذیب سب کی تکذیب۔ اس لیے المرسلین جمع کا صیغہ آیا کہ ان کے فعلِ بد کی پوری شناعت اور کامل قباحت ظاہر ہو جائے اور اس لیے بعد کے قصوں میں یہی صیغہ استعمال ہوا ہے اخوھم نوح نوح ان کے بھائی تھے کیونکہ ایک قوم کے تھے۔ نوح علیہ السلام نے اولاً یہی فرمایا الا تتقون کہ کیوں نہیں خدا سے ڈرتے جو بت پرستی کرتے ہو قومِ نوح میں بھی بت پرستی کا رواج تھا۔ یہ تو ان کا وصف تھا اب اپنی حالت ذکر کرتا ہے انی لکم رسول کہ میں تمہارے لیے خدا کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہوں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور میں امانت دار بھی ہوں یعنی اس پیغام رسانی میں کچھ کمی زیادتی نہیں کرتا ہوں جب یہ ہے تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اللہ سے ڈرو کہ اس کے احکام کی مخالفت کرنا اور میرا کہا مانو وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں تم سے اس پر کچھ مانگتا نہیں یعنی بے غرض ہوں کیونکہ غرض مند کی بات میں دغدغہ ہوتا ہے۔ البتہ مزدوری تو میری ہے مگر تم پر نہیں رب العالمین پر ہے۔ پھر اسی کلمہ کا اعادہ کیا تاکید کے لیے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ ان سب باتوں کے بعد ان بدبختوں نے یہ عذر کیا اَنُؤْمِنُ لَكَ الخ کہ ہم تجھ پر کیونکر ایمان لائیں تجھ پر تو پاجی لوگ ایمان لائے ہیں جو احمق اور بدعقل ہوتے ہیں اور کوئی دنیاوی لالچ ان کا مقصود ہوتا ہے یعنی دل سے نہیں۔ نوح علیہ السلام پر غریب غربا لوگ ایمان لے آئے تھے اور ہمیشہ ہر کار میں یہی پیشقدمی کیا کرتے ہیں کیونکہ راہِ حق میں مانع جاہ و حشم دنیاوی ہے۔ سو یہ ان کے ہاں نہیں ہوتا اس لیے نوح نے فرمایا وما علمی الخ کہ ان کی حقیقتِ حال سے اللہ آگاہ ہے مجھے ان کے باطن سے کیا کام بظاہر مومن ہیں مومنوں کو دور نہ کروں گا آخر کار نہ مانا غرق ہوئے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

(اسی طرح) قوم عاد نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ تم (اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے۔ البتہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول (ہوکر) آیا پس اللہ ہی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ مزدوری بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو رب العالمین پر ہے۔ کیا تم ہر ایک ٹیلہ پر کھیلنے کے لیے بلند عمارت بناتے ہو اور صنعت کے محل تیار کرتے ہو؟ (اس خیال سے کہ) تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر پنجہ مارتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس خدا سے ڈرو کہ جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی ہے کہ جن کو تم بھی جانتے ہو۔ تمہاری چار پایوں اور اولاد اور باغوں اور چشموں سے مدد کی ہے۔ میں تم پر ایک بڑے سخت روز کے عذاب (آ جانے) کا اندیشہ کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا تو نصیحت کر یا نہ کر ہم کو تو سب برابر ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں مگر اگلوں کی عادت[1] ہے اور ہم کو تو عذاب ہوگا نہیں سو وہ (ہود کو) جھٹلا کر رہے پھر تو ہم نے بھی ان کو ہلاک ہی کر دیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے بہت سے تو ایمان لانے والے بھی نہ تھے۔ اور البتہ آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

تفسیر : یہ حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ ہے اس کے شروع میں بھی وہی الفاظ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے ابتداء میں تھے اس لیے ان کی تفسیر کی بارِ دیگر ہم کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ صرف ان کلمات کی تفسیر کی جاتی ہے جو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے دعوت میں فرمائے تھے اور پھر قوم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟

قوم ہود کی عادت : (۱) اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ریع بلند جگہ آیۃ نشان[2]۔ قوم عاد عرب میں ایک بڑی مالدار قوم تھی ان میں سلطنت بھی تھی ایک زمانہ تو ان کی سلطنت وشوکت کا ایسا گزرا ہے کہ مصر سے لے کر ترکستان اور ہند تک ایشیاء کے اکثر ملکوں میں انہیں کا پھریرہ ہوا میں اڑتا تھا جب مال واقبال حد کو پہنچا تو اس کے ساتھ حرام کاری وغیرہ افعال زشت بھی حد کو پہنچے جس لیے خدا نے ان میں ہود علیہ السلام مبعوث کیے۔ منجملہ ان بے فائدہ اور نکمی باتوں کے ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کو نام آوری اور اپنے یادگار چھوڑ کر مرنے کا از حد شوق تھا جیسا کہ مالداروں کو ہوا کرتا ہے اس لیے وہ ایک بلند پہاڑی یا ٹیلے پر اپنی یادگار کے لیے بلند منارے بناتے تھے جو ان کے مقبرے خیال کئے جاتے تھے چنانچہ مصر کے بلند منار اب تک ان کے مناروں کی نظیر دنیا میں باقی ہیں[3] چونکہ یہ عبث کام ہے اس سے دین دنیا کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے سب سے اول ہود علیہ السلام نے اسی پر اعتراض کیا کہ کیا تم ایسا کرتے ہو؟ یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے مفسرین نے گرچہ اس کی تفسیر میں اور اور توجیہیں بھی لکھی ہیں مگر سیاق وسباق اور تاریخ کے بھی یہ توجیہ موافق ہے۔

(۲) وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ۔ مصانع پانی کے حوض۔ اور بلند محل جب مقبروں کی تعمیر میں ان کا یہ حال تھا تو مکانات کی تعمیر میں کیا کچھ اسراف نہ ہوگا؟ چنانچہ وہ عجائب غرائب بلند اور مضبوط محل بنواتے تھے اور ان کی تعمیر میں بیشمار روپیہ صرف کرتے تھے اس کو بھی بیجا خرچ اور دنیا فانی کو مقامِ جاودانی سمجھنے کے خیال سے منع فرمایا یعنی تم جو ایسے استحکام کرتے ہو کیا یہاں ہمیشہ رہو گے؟ دنیا چند روزہ کے لیے بقدرِ ضرورت مکان کافی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ پہلا کام ہے کہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا ثبوت دکھا دیں۔ (۳) وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ یعنی باوجود اس حبِّ دنیا اور حبِّ جاہ اور علو کے غیروں سے تمہارا جابرانہ معاملہ ہے عدل وانصاف کا نہیں جیسا کہ جبار قوم کی عادت ہوتی ہے جس کو چاہا بیکار میں پکڑ لیا ذرا سا انکار کیا پیٹ ڈالا مار ڈالا کسی کا کچھ دینا ہو دھمکا دیا یا مار کر نکال دیا یا کسی کی عورت یا عمدہ چیز

[1] خلق افتراء خلق عادت ۱۲ منہ

[2] چنانچہ قصر عمدان جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گرایا گیا اور دیگر آثار باقیہ اب تک ملک یمن میں اس قوم کی یادگار ہیں۔

[3] الریع بالکسر والفتح المرتفع من الارض قاموس مصانع المصنعۃ کالحوض یجمع فیہ ماء المطر والمصانع الجمع ، القری والابانی من المقصور والحصون قاموس ۱۲

کو زبردستی چھین لیا۔ یہ باتیں بھی بربادی کا سبب ہوتی ہیں اس لیے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ اللہ سے ڈرو میرا کہنا مانو مگر پھر ان کو خواب غفلت سے مجملاً تفصیلاً بیدار کر کے عذابِ الٰہی سے ڈرایا مجملاً وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ میں پھر اس کی تفصیل کی امدکم بانعام الخ مگر وہ کب مانتے تھے کہہ دیا آپ وعظ کریں یا نہ کریں ہم پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ یہ پہلوں کی عادت ہے وہ ہمیشہ یوں ہی وعظ کرتے آئے ہیں پس تکذیب کی تو تمام قوم عذابِ الٰہی سے غارت ہوئی۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

(اسی طرح) قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانتدار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت تو نہیں مانگتا ہوں۔ میری مزدوری تو رب العالمین پر ہے کیا تم یہاں کی نعمتوں میں امن سے چھوڑ دیے جاؤ گے؟ باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ایسی کھجوروں میں کہ جن کے خوشہ (بوجھ کے مارے) ٹوٹے پڑتے ہیں اور کیا تم پہاڑوں میں خوشی خوشی سے گھر تراشا کرتے ہو؟ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور ان بیہودہ لوگوں کی بات پر نہ چلو۔ وہ جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ وہ بولے تو تو جادو کا مارا ہے۔ تو ہے کیا مگر ہم سا ہی ایک آدمی پس کوئی نشانی لے آ اگر تو سچا ہے۔ صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کے پینے کا ایک دن ہے۔ اور ایک دن معین تمہارے پینے کے لیے ہے اور اس کو برائی سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم کو بڑے دن کی آفت پکڑ لے گی۔ سو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر تو وہ بھی پشیمان ہو کر رہ گئے۔ پس ان کو ایک آفت نے آلیا البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو ماننے والے بھی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب تو بڑا زبردست اور مہربان ہے۔

ترکیب : آمِنِیْنَ حال من ضمیر تترکون فی جنات الخ بدل من فیما ھھنا باعادۃ الجار ھضیم لطیف لین تَنْحِتُوْنَ نحت تراشیدن

فرھین حال۔

قوم ثمود کے عادات : یہ پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے یہ قوم عاد کے بعد عرب کے شمالی کنارہ میں تھی۔ان کے ہاں باغ اور کھیتی اور پانی کے جاری چشمے اور عمدہ کھجوریں پیدا ہوتی تھیں یہ ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا اس قوم کو بڑی فارغ البالی حاصل تھی باغوں اور کھیتوں میں عیش کیا کرتے تھے مگر بدبخت بت پرست تھے رہزنی اور غارتگری اور چوری اور دیگر فواحش میں سخت مبتلا تھے قیامت اور روز جزا کے منکر اور ان میں بیہودہ لوگ ان کے پیر تھے جن کی نسبت فرماتا ہے اَلَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا یُصۡلِحُوۡنَ انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اس قوم میں خدا تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ حضرت نے فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ کا ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈرو میں تم میں رسول ہوں میرے کہنے پر چلو۔ آخر مرنا ہے خدا سے کام پڑے گا اس لیے فرماتے ہیں (۱) اتترکون فیما ھھنا آمنین الخ کہ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ یہاں کی ان نعمتوں' باغوں' کھیتوں' چشموں' کھجوروں میں بحالتِ امن رہنے پاؤ گے ہمیشہ یہیں رہو گے امن سے مزے اوڑاتے رہو گے؟ آدمی جب لذاتِ دنیا میں مستغرق ہو جاتا ہے گو وہ زبان سے نہ کہے کہ میں سدا یہاں رہوں گا مگر اس کا برتاؤ اور زبانِ حال یہی کہا کرتی ہے جس لیے حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اس کام کے ساتھ مخاطب فرمایا۔ (۲) وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا فٰرِهِیۡنَ کہ تم کس امنگ کے ساتھ پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو گویا ہمیشہ یہیں رہنے کا سامان کر لیا ہے اس سے مراد دنیا سے نفرت اور دار القرار کی طرف رغبت دلانا تھا کس لیے کہ تمام گناہوں کی جڑ دنیا سے محبت ہے۔ (۳) فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ اللہ سے ڈرو بری باتوں کو چھوڑ دو جو میں تم کو ارشاد کروں اس پر عمل کرو نہ کہ بدمعاشوں' مفسدوں کے کہنے پر چلو۔ قوم نے جواب میں تین باتیں کہیں (۱) اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے یعنی تو دیوانہ ہے بھلا دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا اور ایک موہوم گھر کی طرف مونہہ موڑنا کس عاقل کا کام ہے؟ (۲) اگر یہی خدا کا حکم ہے تو تجھے کس طرح سے معلوم ہو گیا اگر تو نبی ہے تو تجھ میں اور ہم میں کیا فرق ہے جیسے ہم ویسا تو۔ (۳) اگر تو سچا ہے تو کوئی معجزہ دکھا۔ چنانچہ حضرت علیہ السلام کی دعا سے معجزہ کے طور پر ایک ناقہ یعنی اونٹنی پیدا ہوئی جس کے لیے پانی پینے کا ایک دن مقرر ہوا اور کہہ دیا کہ اس پر قصدِ بد بھی نہ کرنا آخر ایک نے اس کو زخمی کر دیا اور ذبح کر ڈالا تب ان پر آثارِ عذاب نمودار ہوئے۔ ندامت کرنے لگے مگر اس وقت کی ندامت سے کیا فائدہ تھا سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

كَذَّبَتۡ قَوۡمُ لُوۡطِ ۨالۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ لُوۡطٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاۡتُوۡنَ الذُّكۡرَانَ مِنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوۡنَ مَا خَلَقَ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ‌ؕ بَلۡ اَنۡـتُمۡ قَوۡمٌ عٰدُوۡنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوۡا لَـئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰلُوۡطُ لَـتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُخۡرَجِيۡنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّىۡ لِعَمَلِكُمۡ مِّنَ الۡقَالِيۡنَ ؕ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِىۡ وَاَهۡلِىۡ مِمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ‌ ۚ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ‌ ۚ ﴿۱۷۲﴾ وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا‌ ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ[1] الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾
وَمَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ
وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ
عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ[2] ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

(اسی طرح) قومِ لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا ہوں اس لیے کہ میری مزدوری تو رب العالمین ہی پر ہے۔ کیا تم دنیا میں لڑکوں ہی پر پلے پڑتے ہو۔ اور وہ جو تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے دیتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے لوط! اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو ضرور تو نکال دیا جائے گا۔ لوط نے کہا میں تو تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں (اور دعا کی) کہ اے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں اس کے وبال سے نجات دیجیے پھر ہم نے اس کو اور سب انُ کے کنبہ کو بچالیا مگر ایک بوڑھیا کہ جو پیچھے رہ گئی تھی پھر اور سب کو ہلاک کر دیا اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا۔ سو کیا ہی بری بارش تھی جو خوف دلائے گی ان پر برسی۔ البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو ماننے والے ہی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے۔ بن والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے شعیب نے کہا تھا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت تو نہیں مانگتا۔ میری اجرت تو رب العالمین پر ہے۔ پیمانہ بھر کر دیا کرو اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا کرو اور پوری ڈنڈی سے تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور نہ ملک میں فساد مچاتے پھرو اور اس سے ڈرو کہ جس نے تم

[1] ایکہ بن یا درختوں کا جھنڈ جو پانی اور نرم زمین پر ہوتا ہے اس سے وہ بن یا درختوں کے جھنڈ مراد ہیں جو مدین کے پاس تھے اور وہاں ایک بستی تھی جن کے رسول شعیب علیہ السلام تھے۔ ۱۲

[2] یوم الظلۃ ابر کے نمودار ہونے کے دن کو کہتے ہیں۔ ۱۲

کواور اگلی خلقت کو بنایا (در جواب اس کے) انہوں نے کہا تو تو جادو کے مارے ہوؤں میں سے ہے اور تو ہے کیا مگر ہم جیسا ایک آدمی اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ پھر تو ہم پر آسمان سے سلیں برسا دے اگر تو سچا ہے۔ رسول نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو سوانہوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ پس ان کو سایہ کے دن کے عذاب نے آلیا بے شک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور وہ تو اکثر ماننے والے نہیں تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے۔

تفسیر : چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور ان کے حکم سے اس سرزمین پر بھیجے گئے تھے جو شام کے جنوب و مشرق میں ہے۔ جھیل مردار کے قریب سدوم عمورہ وغیرہ اس جھیل کے قریب چند شہر تھے وہاں کے لوگ علاوہ بت پرست ہونے کے لونڈے باز بھی تھے' عورتوں سے رغبت نہ رکھتے' تھے لڑکوں پر مرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس فعلِ بد سے منع کیا۔ اس کے جواب میں کہنے لگے کہ اگر تو اس وعظ سے باز نہ آئے گا تو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا میں تو منع ہی کروں گا کس لیے کہ میں اس ناپاک کام سے بیزار ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے گھر کے لوگوں کو اس کی شامت سے بچائیو۔ مراد یہ کہ اس پر عذاب آنے والا ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ پس ایک روز ان پر عذاب آیا حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو حکم ہوا کہ بڑے تڑکے سے تم شہر چھوڑ کر چل دو پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا صبح کو یہ غارت ہوں گے۔ حضرت کی بیوی انہیں لوگوں میں کی تھیں ان کو اہلِ وطن سے تعلق تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بھی ہلاک ہوئیں تمام شہروں پر پتھر برسے' الٹ دیے گئے جن کے آثار حضرت نبی آخرالزماں علیہ السلام کے عہد تک باقی تھے۔ اب بھی کچھ کچھ سیاحوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ کَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡئَیۡکَۃِ یہ ساتواں قصہ بن والوں کا ہے مدین کے قریب کچھ کنوئیں آبپاشی کے لیے تھے وہاں درخت تھے وہاں کے لوگوں کو اصحاب الایکہ کہتے ہیں ان کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے یہ کمبخت بت پرست تھے اس پر کم تولتے تھے' لین دین میں فریب کرتے تھے' راہزن ڈاکو چور بدکار بھی تھے۔ حضرت نے ان سب باتوں سے منع کیا نہ مانے بلکہ کہنے لگے ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا گرا دے یا یہ معنی کہ سلیں برسا دے اگر تو سچا ہے۔ چنانچہ انجام کار ایسا ہی ہوا اور آسمان سے ایک سخت دھوئیں کا بادل سایہ کی طرح نمودار ہوا اور پہاڑ نے آتش فشانی کی جس کے صدمے سے سب مر گئے یہ ابر اس پہاڑ کا آتشیں دھواں تھا۔ واللہ اعلم۔

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ اٰيَةً اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰى بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِيۡنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيۡهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكۡنٰهُ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوۡلُوۡا هَلۡ نَحۡنُ مُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾

مع وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

اور یہ قرآن تو رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اس کو روح الامین صاف عربی زبان میں آپ کے دل پر لے کر آئے ہیں آپ یہی ڈر سنایا کریں۔ اور البتہ اس کی خبر تو پہلوں کی کتابوں میں بھی ہے۔ کیا ان کے لیے (یہ) نشانی کافی نہیں کہ اس (قرآن کی حقانیت) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں اور اگر ہم اس کو کسی عجمی[1] پر نازل کرتے پھر وہ اس کو ان کے سامنے پڑھتا تو اس پر وہ بھی کبھی ایمان نہ لاتے۔ اس طرح ہم نے یہ انکار گناہگاروں کے دل میں بٹھا دیا تھا کہ وہ اس پر عذاب الیم دیکھے بغیر ایمان نہ لاویں گے۔ پھر وہ ان پر دفعتاً آ جائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہو تو (اس وقت) کہنے لگیں کہ بھلا ہم کو کچھ مہلت بھی مل سکتی ہے۔ پھر کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ دیکھو تو سہی اگر ہم ان کو چند برس (دنیا کے) فائدے اٹھانے بھی دیں۔ پھر ان کے پاس وہ عذاب آ جائے کہ جس کا ان کو خوف دلایا جاتا ہے تو جو کچھ انہوں نے فائدے اٹھائے ہیں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور ہم نے ایسی کوئی بھی بستی ہلاک نہیں کی کہ جس کے لیے آگاہی دینے والے نہ آئے ہیں۔ یہ (قرآن) نصیحت ہے یاد دلانے کے لیے اور ہم نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔

ترکیب : بِلِسَانٍ نزل سے متعلق اور منذرین سے بھی ہوسکتا ہے۔ لم یکن کان تامہ ہے تو فاعل ٰایۃ ان یعلمہ بدل اور ناقصہ ہے تو آیۃ خبر مقدم ان یعلمہ الخ اسم۔

تفسیر : ان ساتوں قصوں کے بعد چند باتیں ثبوتِ نبوت ورد منکرین کے لیے ذکر فرماتا ہے۔ (۱) وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ لفظ رب العالمین دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فرمایا اول یہ کہ جس طرح ہم تمہاری جسمانی پرورش کرتے ہیں رزق روزی دیتے ہیں اسی طرح روحانی تربیت بھی ہمارا کام ہے اور روحانی تربیت کا ذریعہ وحی اور پیغمبر پر کتاب نازل کرنا ہے۔ دوم یہ کہ تم جو اس نعمتِ آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو اور پھر اب تک تم عذاب سے بچے ہوئے ہو یہی سبب ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کا شیوہ رحمتِ عام ہے ورنہ دیکھتے کیا ہوتا اور اس لیے قصصِ مذکورہ میں ہر ایک کا مقطع وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ پر کیا جس سے آنحضرت ﷺ کے مخاطبوں کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ ہم زبردست ہیں۔ دم بھر میں ہلاک کر سکتے ہیں لیکن رحیم بھی ہیں اور رب ہیں پرورش کرنے والے تم پر ترس کھانے والے۔

کیفِ نزولِ قرآن : (۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ اِلٰى عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ وہ جو فرمایا تھا کہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس پر یہ شبہ باقی رہتا تھا کہ رب العالمین نے اس کو کس طرح سے نازل کیا ہے۔ کیا لکھی لکھائی کتاب آسمان سے فرشتہ لے کر آیا ہے کیا حضرت کو غیب سے آواز آتی ہے یا آپ سے ہر وقت خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے کیا صورت ہے؟ اس کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کو روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر لے کر آیا ہے صاف عربی زبان میں۔ انکشافِ غیبی انسان کے دل پر لے کر آیا ہے صاف عربی زبان میں۔ انکشافِ غیبی انسان کے دل پر ہوا کرتے ہیں اور جبرئیل چونکہ روح ہیں ان کی سرایت دل تک بخوبی ہوتی ہے اور ایسی روحانی اور لطیف چیزیں اپنے الفاظ سے جو مضمون چاہتے ہیں بشر کے دل پر القاء کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں پر جن یا کسی روح ناپاک کا گزر ہوتا ہے باوجودیکہ وہ جس زبان سے واقف بھی نہیں ہوتے اس زبان میں ان کو وہ دور دراز کی باتیں اور دیگر مطالب القاء کر جاتے ہیں جس کا لوگوں کو

---

[1] العجم یا بالضم والتحرک خلاف العرب ۱۲۔ قاموس بہ اعجمی جمع اعجمین علی التخفیف ولذلک جمع جمع السلامۃ ۱۲ بیضاوی ای لیس جمع اعجم لانہ علی وزن افعل وافعل اذا کان انثاہ فعلاء کعجماء یکون من الصفات لا یجمع جمع السلامۃ۔ ۱۲ ابو محمد عبد الحق

بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔ چہ جائیکہ روحانیتِ مقدسہ اوران میں سے خاص حضرت جبرئیل امین جس کے اوپر القاء کریں۔ حواریوں پر بعد مسیح کے روح القدس اترا تھا جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال)۔ معلوم ہوا کہ حضرت روح الامین نہ صرف معانی بلکہ الفاظ کے ساتھ قرآن کا القاء حضرت کے دل پر کرتے تھے پھر اس کو حضرت جمع کرا دیتے تھے۔ یہ ہے نزولِ قرآن کی کیفیت۔ (۳) وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ نیز اس قرآن اور نبی علیہ السلام کا پہلوں کی کتاب میں بھی ذکر ہے۔ یہ بھی بڑی دلیل حقانیت کی ہے گرچہ کتبِ سابقہ بالفعل بعینھا موجود نہیں۔ ان میں بہت کچھ تحریف و تبدیل ہوگئی اور ہوتی ہے مگر تاہم جس قدر پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کی بابت ان میں اب تک پائی جاتی ہیں اور کسی کے لیے اتنی نہیں پائی جاتیں (۴) اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ علماء بنی اسرائیل میں بہت سے دینداروں نے آنحضرت ﷺ اور قرآن کی تصدیق کی اقرار کیا کہ ہماری کتب میں ان کا ذکر ہے اور وہ آپ کے منتظر تھے یہ بھی ایک بڑی علامت حق ہونے کی ہے عبداللہ بن سلام وغیرہ علماء یہود نے اقرار کیا۔ (۵) وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ الخ قرآن مجید پر ان کا یہ بھی شبہ تھا کہ یہ تو ہماری زبان میں ہے جس کو محمد (ﷺ) بخوبی جانتے ہیں اگر کسی اور زبان میں بنا کے لاتے تو جانتے اس کا جواب دیتا ہے اگر غیر عربی زبان میں آتا تو تم ہرگز نہ مانتے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱ / ۱۵

اور قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے اور نہ یہ ان کا کام ہے اور نہ وہ اس کو کر سکتے ہیں۔ وہ تو سننے کی جگہ سے بھی دور کر دیے گئے ہیں۔ پس (اے نبی!) اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو نہ پکارنا ورنہ آپ بھی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اپنے نزدیکی قرابت داروں کو بھی ڈراؤ اور جو ایمان والے آپ کے تابع ہیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھو (یعنی بتواضع پیش آیا کرو) پھر مشرک نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے افعال سے بری الذمہ ہوں اور (اے نبی!) خدائے

زبردست مہربان پر بھروسہ رکھو جو آپ کو نماز کے وقت اٹھتے دیکھا کرتا ہے اور آپ کا نمازیوں کی صف میں پھرنا بھی دیکھتا ہے۔ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔ میں (کہہ دو) تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترا کرتے ہیں۔ جن پر کہ شیاطین بے اصل باتیں لاکر ڈالا کرتے ہیں اور بہت تو ان میں سے سرکشی جھوٹی بھی ہوا کرتی ہیں اور شاعروں کی بات پر تو بدراہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر میدان (سخن) میں بھٹکتے پھرا کرتے ہیں اور وہ ایسی (باتیں) کہا کرتے ہیں جو کرتے نہیں مگر وہ شاعر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے اور (اپنے کلام میں) انہوں نے اللہ کا بہت ذکر کیا اور اپنے اوپر زیادتی ہونے کے بدلہ لیا کرتے ہیں[1] (تو وہ مستثنیٰ ہیں) اور ظالموں کو تو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کروٹ پر پڑتے ہیں[2]۔

ترکیب : یَهِیْمُوْنَ خبران کی اور حال بھی ہوسکتا ہے تب خبر فی کل واد ہوگی۔ منقلب صفت ہے مصدر محذوف کی والعامل ینقلبون ای ینقلبون انقلاب ای منقلب۔

تفسیر: قرآن پر شبہات کا جواب : مگر اس پر بھی وہ یہ شبہ کرتے تھے کہ جبرائیل نہیں بلکہ شیاطین آنحضرت ﷺ پر القاء کرتے ہیں اور ہر مخالف کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ القا کرنے والے جبرئیل امین ہیں کوئی شیطان نہیں۔ اس کا کیا ہی تسلی بخش جواب عطا کرتا ہے وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ کہ شیاطین نے تو اس کو نازل نہیں کیا ہے کیونکہ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ یہ ان کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ کس لیے کہ شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کو مضامینِ خبیثہ سے دلی رغبت ہے ناپاک باتیں ان کی خوراک ہیں۔ روحانی مضامین اور توحید و معرفت اور ترکِ حبِ دنیا اور آخرت سے محبت اور خدا تعالیٰ سے دلی رغبت اور شہواتِ لذاتِ فانیہ سے نفرت وغیرہ مضامینِ عالیہ قرآن مجید میں ہیں' ان سے ان کو دلی نفرت ہے پھر یہ مطلب شیاطین کو اول تو معلوم ہی نہیں ان کو تو وہی شہوات ولذات کی باتیں معلوم ہیں کہ جن سے نفس خوش ہوتا اور روح پر تاریکی آتی ہے اور جو معلوم بھی ہوں تو وہ کاہے کو ایسی باتیں تعلیم والقاء کرنے لگیں جن سے ان کو دلی نفرت ہو بلکہ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ان کو اس کی قدرت بھی نہیں کہ وہ کسی مقدس اور پاکبازوں کے دل تک پہنچیں اور پھر ایسی باتیں القاء کریں۔ گوہ کے کیڑے کو پھول تک کہاں رسائی' خفاش کو آفتاب تک کہاں دسترس اور بالفرض وہاں تک دسترس بھی ہو تو پھر ملاء اعلیٰ اور خطیرۃ القدس تک کہاں رسائی کہ جہاں سے یہ مضامینِ عالیہ آتے ہیں؟ اس لیے فرماتا ہے اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ترمذی نے سورۂ جن کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ پہلے جن آسمان تک چڑھ جایا کرتے تھے وہاں سے کوئی بات سن آتے تھے تو ساحروں کاہنوں کو اس میں سو جھوٹ ملا کر کہہ دیا کرتے تھے مگر جب سے آنحضرت ﷺ نبی کئے گئے ان کو وہاں تک جانے سے روک دیا گیا۔

جب ان کے تمام شبہات کا پورا پورا جواب دے دیا گیا اور قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ہونا ثابت کر دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان بت پرستوں کو شرک سے منع کرتا اور توحید کا حکم دیتا ہے۔ فقال فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ کہ اللہ کے ساتھ اور کسی کو خدا بنا کر نہ پکارنا اور جو ایسا کرے گا تو عذاب دیا جائے گا۔ قوم عرب بلکہ اس عہد کے تمام بنی آدم ہنود' روم' ایران و ترکستان والے' عیسائی' یہودی ایسی بلا میں مبتلا تھے اس لیے اس اصلی مقصد کا بیان کرنا مقدم ٹھہرا۔ اور اس کے بعد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۱) کہ اپنے قرابت داروں کو ڈرا کہ تمہارے ان برے افعال پر یہ آفت آنے والی ہے۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ جبلِ صفا پر چڑھ کر پکارے اور بعید کے قبائل سے شروع کیا اے بنی عدی یہاں تک کہ قریش کے تمام قبائل کا نام لیا اور وہ سب جمع ہوئے اور جو کوئی خود نہ آسکا تو اس نے اپنے کسی آدمی کو بھیج دیا پس قریش کے لوگ اور ابولہب سب آئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ کسی وادی میں تم پر چھاپہ مارنے کو کوئی لشکر جمع ہو رہا ہے تو

---

[1] یعنی جب ان کی کسی نے ہجو کر کے ستایا تب وہ کسی کو ستاتے ہجو کرتے بدلہ لیتے ہیں ابتداء نہیں کرتے جیسا کہ حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ ۱۲ منہ

[2] یعنی ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ بے شک کس لیے کہ ہم نے بارہا تجربہ کر لیا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی بات جھوٹی نہیں کہی۔ تب آپ نے فرمایا میں تمہیں مطلع کرتا ہوں کہ ایک سخت عذاب آنے والا ہے تب ابولہب نے کہا[1] تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لیے ہم کو جمع کیا تھا۔ بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی امر میں یہ بھی روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اے قریش! تم اپنا بندوبست آپ کر لو میں تمہارے اوپر سے خدا کا عذاب دور نہیں کرسکوں گا اے عبد مناف میں خدا کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں تیرے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ کارآمد نہ ہوں گا۔ اے صفیہ (رسول اللہ کی پھوپھی) میں تیرے لیے اللہ کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد تو جو چاہے میرے پاس سے مال مانگ لے لیکن خدا کے مقابلہ میں میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا (افسوس آج ہم کو خاندانوں پر ناز ہے اس کو آخرت کا سرمایہ سمجھے بیٹھے ہیں۔) جس طرح نافرمان اقارب کو ڈرانے کا حکم ہوا اسی طرح اس کے مقابلہ میں ایمانداروں کے آگے جھکنے اور تواضع اور مدارات کرنے کا حکم دیا بقولہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ دوسرا حکم تھا ایمان واطاعتِ رسول کا مرتبہ کہاں تک بلند ہے کہ اپنے رسول پاک کو ان کی تواضع کا حکم دیا اسی لیے ایمانداروں سے آپ یہ تواضع پیش آتے تھے پھر فرماتا ہے اگر ڈرسنانے پر بھی اے نبی آپ کا حکم نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں تم سے بری ہوں فان عصوك الخ اور ان کی اس مخالفت سے کچھ خوف نہ کیجئے بلکہ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ اللہ زبردست مہربان پر توکل کرو وہ زبردست ہے۔ اس کے آگے ان کا زور نہیں چلے گا اور مہربان بھی ہے اپنی مہربانی سے ہر وقت محفوظ رکھے گا الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جبکہ آپ نمازِ تہجد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور نیز نمازیوں میں آپ کا پھرنا بھی دیکھتا ہے کہ صفیں قائم کرتے ہو۔

تقلب فی الساجدین کے معنی : تقلب اٹھنا بیٹھنا بھی ہے کبھی رکوع کرتے ہو کبھی قیام کبھی سجود سب کو خدا دیکھتا ہے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حین تقوم سے مراد تنہا نماز کے لیے اٹھنا اور تقلب سے مراد جماعت میں نماز پڑھنا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ساجدین سے مراد مصلین ہے، مجاہد کہتے ہیں تقلبک سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں پیچھے سے نمازیوں کو دیکھنا ای تقلب بصرك فی المصلين کیونکہ موطا میں امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں پیچھے سے بھی دیکھا کرتا ہوں مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع مخفی نہیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مومنین تھے کیونکہ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے حضرت کی روح پاک کو ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف نقل کیا۔ اس بات کو امام صاحب نے رد کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کے ان افعالِ حمیدہ کو وہ دیکھتا ہے جو تم پر مہربانی اور محافظتِ الٰہی کا سبب ہیں یعنی آپ نیکوکار ہیں اور نیکوں کی حفاظت ہم ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ہیں واللہ اعلم۔ پھر ان کے شبہ کا رد کرتا ہے بقولہ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ کفار کہتے تھے کیا عجب ہے کہ محمد پر شیاطین نازل ہو کر اس کو قرآن کی تعلیم کرتے ہیں جیسا کہ کاہنوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتے ہیں اور شاعروں کو شعر کا مضمون القاء کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ دونوں میں فرق بتلاتا ہے کہ کاہنوں اور شاعروں کی اور حالت ہے پیغمبر کی اور۔ پہلے کاہنوں کا حال بیان کرتا ہے۔ بقولہ تعالیٰ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ کہ شیاطین تو بڑے جھوٹے بدکاروں پر نازل ہوا کرتے ہیں اور وہ کاہن ہیں جو يُلْقُوْنَ السَّمْعَ جن پر شیاطین کوئی بات لا ڈالتے ہیں۔ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ اور اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ سفلی عملیات کے عامل اکثر ناپاک اور گندے رہا کرتے ہیں تا کہ شیاطین ان کے پاس خوشی خوشی آویں۔ اب رہے شاعر ان کا یہ حال ہے وَالشُّعَرَآءُ الخ کہ ان کے پیچھے تو بدراہوں کی جماعت ہوا کرتی ہے یہ کوئی مضمون نظم کرتے وہ اس کو نقل کرتے پھرتے ہیں مگر اس سے مراد وہ شاعر ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے جیسا کہ ہبیرہ بن وہب وامیۃ بن ابی الصلت اور لوگوں کو جمع کر کے سناتے تھے

[1] یہ عرب کا محاورہ ہے بددعا کے لیے کہتے ہیں تبت یداك یعنی تو خراب ہو جائے اس لیے قرآن مجید میں ابولہب کو یہی جواب ملا جو اس نے حضرت سے کہا تھا۔ تبت یدا ابی لہب وتب۔ ۱۲ منہ

اور وہ لوگوں سے بیان کرتے پھرتے تھے۔ اَلَمْ تَرَ الخ یہ ان کی بدراہی کی دلیل ہے کہ ہر میدانِ سخن میں ٹکراتے پھرتے ہیں کیا کیا جھوٹی اور مبالغہ آمیز بندشیں باندھتے ہیں وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ منہ سے کہتے ہیں کرتے نہیں ہجر و وصالِ معشوق سب فرضی جھگڑے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مضامینِ قرآن اور شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہے اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مگر جو ان میں دیندار ایماندار ہیں وَ ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ اور اللہ کو اپنے اشعار میں یا خارجاً بہت یاد کرتے ہیں وَانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَاظُلِمُوْا اور جو کسی کی ہجو بھی کرتے ہیں تو ان پر ظلم ہو چکنے کے بعد کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ان جملوں میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کی ہجو جب کی کہ وہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی ہجو کر چکے تھے مگر یہ بھی سچی ہجو خلاصۃ یہ کہ جو شعر برا وہ برا ہے اور اچھا مضمون ہے خدا اور رسول کی مدح میں قوم و ملک کی اصلاح میں تو اچھا ہے وَسَیَعْلَمُ الخ ظالموں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ مر کر کہاں جاتے ہیں اور کس کروٹ پر پڑتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ① هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ② الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ③ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ⑥

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی جو ایمانداروں کے لیے ہدایت اور بشارت بھی ہے۔ (اور) ان کے لیے جو نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیا کرتے اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے بھلے کر دکھائے۔ پس وہ سرگردان پھرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو برا عذاب ہونا ہے اور وہ آخرت میں بڑے ہی خسارہ میں ہوں گے اور البتہ آپ کو قرآن خدائے دانا اور حکیم کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

ترکیب : وکتاب معطوف ہے قرآن مجرور مضاف الیہ پر ھدی و بشری دونوں محل حال میں ہیں آیات یا کتاب سے اور مبتدا محذوف کی خبر بھی ہو سکتے ہیں الذین یقیمون صفت ہے المؤمنین کی وھم بالآخرۃ الخ تتمہ صلہ کا ہے وحال یا عطف کی صورت میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف تغیر کرنا ان کے ثبات اور ایمان پر استمرار ثابت کرنے کے لیے ہے۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی توحید اور اثبات نبوت کے مباحث اور چند انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہیں اور ان پر جو کچھ انعامات ہوئے وہ بھی بیان ہوئے ہیں جو ان کی خدا پرستی کا نتیجہ تھا۔ فرماتا ہے طس ان دو حرفوں سے کسی خاص بات کی طرف اشارہ ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے۔ تلك یہ یعنی آیتیں جو اس سورہ میں ہیں قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں کسی شاعر کا کلام نہیں۔ کتاب مبین سے مراد بھی قرآن ہے مگر کتاب مبین کہنے سے یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بات بعید از عقل نہیں سب باتیں اس کی صاف اور ظاہر ہیں جن کو ہر ایک صاحبِ عقلِ سلیم تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کر سکتا مگر وہی کہ جس کے دل کی آنکھیں

روشن ہیں ورنہ عقل کے اندھوں اور جنم کے کور باطنوں کج طبعوں کو اس میں ہزار ہا قیل و قال ہیں۔ اس لیے فرماتا ہے ھُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ کہ یہ قرآن ہدایت ہے سب کے لیے مگر نفع اس سے وہی اٹھاتے ہیں جن میں راستی کا مادہ رکھا ہوا ہے اس لیے بشریٰ کو مومنین کے ساتھ مخصوص کیا۔ پھر آگے یہ بھی کھول دیا کہ زبان سے مومن کہنا کافی نہیں جب تک کہ اس میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں۔ (۱) اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کہ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی اہتمام سے اور اس کی ساری شرطوں اور قاعدوں سے نماز ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ جو نماز نہ ادا کرے وہ پورا اور کامل مومن نہیں۔ حیف ہے ان لوگوں پر جو خدا پرستی اور دین کی حمایت کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر نماز سے بے فکر ہیں۔ (۲) وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ شرع میں مال میں سے چالیسواں حصہ خدا کے نام دینا اور اس کے علاوہ ہر ایک قسم کی خیرات کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کو شامل کر لیا مگر سب کے ساتھ ایک بڑی قید بھی ہے وہ کیا؟ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ کہ وہ آخرت پر یقین بھی رکھتے ہوں۔ اس میں ایمان یعنی جملہ اعتقادیات کی طرف ایک اہم جز کے ذکر کرنے سے اشارہ کر دیا کیونکہ مکہ کے لوگ برائے نام خدا تعالیٰ کے اور کچھ کچھ صفاتِ باری تعالیٰ کے معتقد تھے مگر آخرت کے بالکل منکر تھے اور نہ صرف وہ بلکہ اس عہد میں استثناء بعض سب مذاہب آخرت کے منکر تھے اس لیے اس کی تصریح کی تاکہ قوتِ عملیہ اور نظریہ کی تکمیل ہو جائے اور اس کے بعد اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ الخ میں آخرت کے منکروں کا بدنتیجہ بھی بیان فرما دیا کہ لَھُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ کہ ان کو بہت ہی برا عذاب ہے اور آخرت میں وہی زیادہ نقصان اٹھائیں گے کیونکہ یہ جب اس کے منکر ہیں تو اس دن کے لیے کوئی توشہ کیوں جمع کرنے لگے؟ یہی خسارہ ہے اور آخرت کے انکار کی وجہ بھی بیان کر دی کہ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ کہ وہ کام جو لذات و شہوات و فراہمی مال و زر اور دنیا کے استحکام کے لیے کرتے ہیں وہ ان کو بھلے معلوم ہوتے ہیں قضاء و قدر نے ان کی نظروں میں زیبا کر دیے ہیں اس میں حیران و سرگردان ہیں' آخرت اور مرنے کا تصور بھی برا جانتے ہیں۔ جو دنیا میں اس طرح غرق ہے گویا آخرت کا منکر ہے۔ یہاں تک قرآن کا مبین ہونا ثابت کر کے یعنی دعویٰ کی دلیل پیش فرما کر پھر اس دعویٰ کو بطور نتیجہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ یعنی اے نبی! تم قرآن کو حکیم و علیم کی طرف سے پا رہے ہو، وہی حکیم و علیم جس کی کوئی بات حکمت و علم سے خالی نہیں قرآن وہی وقتاً فوقتاً تم پر نازل کر رہا ہے اس لیے اس جملہ کو ان اور لام تاکید سے صادر کیا اور نیز یہ جملہ اگلے بیان کے لیے تمہید بھی ہے اس کی حکمت کا ثبوت احکام سے جن میں تکمیلِ قوتِ نظریہ و عملیہ جس کو ہندی میں گیان و کرم کہتے ہیں جس پر نجات و مکش کا مدار ہے جس میں کوئی بات نہیں چھوڑی بخوبی ثابت ہے اور علم کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ واقعات سے جو بھی بیان ہوتے ہیں اچھی طرح ہو جائے گا۔ کس خوبی کے ساتھ توحید کے مسئلہ کو نبوت کے مسئلہ سے اور نبوت کے مسئلہ کو معاد کے مسئلہ سے اور پھر ان سب سے احکام کی پابندی نیک روی کو ثابت کیا ہے اور خلاف ورزی اور شہوات اور لذات کی پیروی کے قصص انبیاء سے کیا برے نتائج دکھائے ہیں یہ ہے وہ قرآن کا اعجاز[1] جس کا معارضہ ناممکن ہے نہ صرف مقفّٰی و مسجع عبارت۔ اب قصص انبیاء علیہم السلام شروع ہوتے ہیں فقال۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِہٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِھَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَھَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ

[1] یعنی اے نبی! اگر یہ قرآن حکیم و علیم کا دیا ہوا نہ ہوتا تو احکام اور اگلے انبیاء کے صحیح صحیح احوال تمہیں کیونکر معلوم ہوتے نہ آپ کے پاس کوئی تاریخ کی کتاب ہے نہ آپ نے فلسفہ اور حکمت پڑھی ہے۔ ۱۲ منہ

أَنَا اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

(یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ابھی میں تمہارے پاس وہاں کی خبر لاتا ہوں یا کوئی انگار اسلگا کر لاتا ہوں تا کہ تم تاپو۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے تو آواز آئی کہ جو آگ میں اور اس کے پاس ہے، وہ بابرکت ہے اور پاک ہے، اللہ جو تمام جہان کا رب ہے، اے موسیٰ میں جو ہوں تو اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہوں اور اپنی لاٹھی ڈال دو پھر جب اُس کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح چل رہی ہے تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے کہا) اے موسیٰ! ڈرومت کیونکہ میرے حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے لیکن جس نے ظلم کیا ہو پھر برائی کے بعد اُس نے نیکی سے بدل دیا ہو تو میں غفور رحیم ہوں اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو (پھر نکالو تو) وہ سفید نکلے گا، بے عیب یہ ایک نشانی ہے۔ منجملہ نو نشانیوں کے جو فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجی جاتی ہیں، کیونکہ وہ ایک بدکار قوم ہے۔ پھر جب اُن کے پاس آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں آئیں تو کہنے لگے کہ یہ تو صاف جادو ہے اور ان نشانیوں کا ظلم و تکبر سے انکار کر دیا، حالانکہ دل میں مان چکے تھے پھر دیکھو مفسدوں کا کیا برا انجام ہوا۔

ترکیب: اذ کا عامل اذکر محذوف اور میم سے بھی متعلق ہوسکتا ہے نودی کا مفعول مالم یسم فاعلہ یا تو ضمیر ہے جو موسیٰ کی طرف راجع ہے یا ان بورك علی الاول ان بمعنی ای تفسیر کے لیے من مرفوع ہے، بورک سے انہ ضمیر شان انا مبتدا اللہ خبر تھتز حال ہے ضمیر تھتز ہے، الامن ظلم استثناء منقطع موضع نصب میں اور ممکن ہے کہ محل رفع میں ہو فاعل سے بدل ہو کر بیضا، من غیر سوء فی تسع تینوں حال ہیں، الی محذوف سے متعلق تقدیرہ مرسلاً الی فرعون، مبصرۃ حال ہے، مبصرۃ بھی پڑھا ہے تب یہ مفعول لہ ہے ظلمًا و علوًا حال ہیں ضمیر جحدوا سے مفعول لہ بھی ہوسکتے ہیں۔

تفسیر: اِذْقَالَ مُوْسٰی الخ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے قصہ ہے کہ جب وہ اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں سے دس برس کے بعد اپنی بیوی کو لے کر پھر مصر میں جا رہے ہیں سردی کا موسم تھا رات کو رستہ میں دور سے آگ کی چمک نظر آئی، بیوی سے کہا تم ٹھہرو میں جا کر تمہارے تاپنے کے لیے آگ لاتا ہوں، ورنہ وہاں جو کوئی ہوگا اس سے رستہ کی خبر پوچھوں گا، کیونکہ رستہ بھی بھول گئے تھے پھر جب وہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سبز درخت آگ کا شعلہ ہو رہا ہے، یعنی منور ہے۔ وہ تجلی حق کی روشنی تھی جس کو حکیمانہ خیال کے لوگ گیاس کہتے ہیں کہ وہ ایک مادہ ہے جو رات کو چمکتا ہوا نظر آیا کرتا ہے، وہ گھاس میں بھی ہوتا ہے، جانوروں میں بھی ہوتا ہے، کرم شب تاج جس کو جگنو یا پٹ بیجنا کہتے ہیں، اسی مادہ سے چمکتا ہے، سمندر میں بھی رات کو آگ کی چنگاریاں نظر آیا کرتی ہیں، یہ کیا ضرور ہے کہ ہر جگہ وہی مادہ مان لیا جایا کرے، بغیر اس کے تجلی حق کی روشنی کیا محال بات ہے؟ الغرض اس کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے، تب وہاں سے آواز آئی کہ حیرت نہ

کر کہ اس آگ میں جو ہیں یعنی فرشتے اور جو اس کے اردگرد ہیں (وہ بھی فرشتے) بابرکت الٰہی کا یہ نور ہے اور اس کو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہ اللہ جو رب العالمین ہے جس کے تربیت یافتوں میں سے یہ نورانی ملائکہ بھی ہیں، وہ آگ میں نظر آنے سے پاک ہے، یعنی اس آگ یا روشنی کو اور اس کے آس پاس والوں کو اللہ نہ سمجھ لینا بلکہ یہ مقام اللہ کی تجلی گاہ ہے اور یہ ملائک اس کے جلو میں ہیں، خدا نہیں۔ یا موسیٰ اِنَّهٗ اَنَا اللّٰهُ خدا جو ہوں تو میں زبردست حکمت والا ہوں۔ پھر موسیٰ سے خدا تعالیٰ کا کلام شروع ہوا، یہ آواز کچھ معمولی آواز نہ تھی جس کے لیے حروف اور جہت تجویز کرنی پڑے بلکہ ایک روحانی ندا تھی جس کی حقیقت ہم نہیں جان سکتے اور وہی اس کی ذات پاک کے لائق ہے۔ واللہ اعلم پھر خدا نے فرمایا، اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا، موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے فرمایا ڈرومت میرے حضور میں انبیاء ڈرا نہیں کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اُن کے ہاتھ سے قبطی کے مارے جانے سے گناہ کا کھٹکا بھی تھا، اس کی صفائی کے لیے یہ بھی اطمینان دلایا کہ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ الخ لیکن جو کوئی گناہ کے بعد نیکوکاری کرتا ہے میں اس کے لیے غفور و رحیم بھی ہوں، یہ ایک معجزہ دیا دوسرے کے لیے فرمایا، وَاَدْخِلْ يَدَكَ کہ اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالو وہ بغیر اس کے کہ اس میں کوئی برص کی سفیدی پیدا ہو، چمکتا ہوا نکلے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر فرمایا کہ منجملہ نو نشانیوں یعنی معجزات کے یہ دو نشانیاں ہیں، ان کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ وہ بدکردار لوگ ہیں، حسب الحکم حضرت موسیٰ اُن کے پاس گئے، معجزات دکھائے، وہ دل میں تو قائل ہو گئے مگر اپنی سرکشی اور غرور سے انکار کیا۔ پھر دیکھوان کا کیا انجام ہوا غرق ہوئے قصہ کو یہاں مختصر کر دیا، یہاں اسی قدر کافی تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى
كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا
النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ
الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ
وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا تھا اور ان دونوں نے (خوش ہو کر) کہا سب تعریف، اُس اللہ ہی کو ہے کہ جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطاء کی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی اور ہم کو ہر ایک قسم کے ساز و سامان عطاء کیے گئے ہیں۔ بے شک یہ اُس کا صریح فضل ہے اور سلیمان کے لیے اُس کا شکر (ملاحظہ کے لیے) جمع کیا گیا جن اور آدمیوں اور پرندوں کے لشکر صف بستہ (بالترتیب) کھڑے

کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ لشکر چیونٹیوں کے جنگل میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم کو سلیمان اور اُس کا لشکر روند ڈالے اور اُن کو خبر بھی نہ ہو، پھر سلیمان چیونٹی کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کیا کروں کہ جو تو نے مجھے اور میرے باپ کو عطا کی تھیں اور ایسا اچھا کام کروں کہ جس کو تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے نیک بندوں میں داخل کر دے

ترکیب: ضاحکا حال موکدۃ وقیل مقدرۃ لان التبسم مبداء الضحک ویقرء ضحکا علی انہ مصدر والعامل فیہ تبسم لانہ بمعنی ضحک حشر کا مفعول مالم یسم فاعلہ جنودہ۔

تفسیر......سلیمان علیہ السلام کا قصہ: یہ دوسرا قصہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ہے جو اس تفصیل سے یہود و نصاریٰ کو بھی معلوم نہ تھا، اسی حکیم و علیم نے حضرت ﷺ کو بتلایا ہے، فرماتا ہے ہم نے داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو علم دیا، ان کا علم اور دانش مشہور اور ضرب المثل ہے جس کے شکریہ میں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ کہتے تھے۔ یہ مجمل تھا، پھر اس علم کی آگے تفصیل فرماتا ہے، بقولہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اس وراثت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، کوئی علم و دانش و نبوت کی وراثت کہتا ہے۔ یہ چیزیں ورثہ میں نہیں آتیں، مبداءِ غیب سے عطا ہوا کرتی ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کے یہ معنی کہ جو کمالات اُن کے باپ کو عطا ہوئے تھے وہی اس فرزند رشید کو بھی یعنی سلیمان کے کمالات نئے نہیں کہ اُنہی کو عطا ہوئے ہوں بلکہ خاندانی ہیں، خاندانی اہلِ کمال کی نسبت ان کے کمالات کا اپنے بزرگوں سے ورثہ پانا محاورہ میں آتا ہے اور بھی قولِ جمہور پسند ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ملک و سلطنت کا ورثہ ہے۔ وفیہ مافیہ وقال ای سلیمان یہ اس علم اور ورثہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے کہ سلیمانؑ نے کہا کہ ہم کو جانوروں کی بولی بھی خدا تعالیٰ نے سکھائی اور ہم کو ہر نعمت عطا کی ہے پھر ہر ایک نعمت کے مجموعہ میں سے بعض بعض خاص نعمتوں کا خدا تعالیٰ ذکر کرتا ہے۔ (۱) وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ الخ کہ سلیمان کے پاس تین قسم کا لشکر جمع تھا جنوں کا، آدمیوں کا، پرندوں کا جو تخت سلیمان کے اُوپر سایہ کرتے تھے، یہ کبوتر وغیرہ ہوں گے جو خطوط اور فرامین پہنچانے کا کام دیتے ہوں گے، جیسا کہ آگے ہدہد کا ذکر آتا ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر بلقیس شاہزادی کے پاس گیا تھا۔ (۲) حَتّٰی اِذَا الخ ایک بار سلیمان علیہ السلام کا لشکر کسی ایسے مقام پر سے گزرا کہ جہاں چیونٹیوں کے بل تھے اور وہ زمین پر چل رہی تھیں، ان میں سے ایک چیونٹی نے کہا کہ اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں بے خبری میں اُن کے پاؤں کی روندن میں نہ آ جاؤ۔ یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوگئی، کیونکہ خدا نے ان کو بہت سے علوم عطاء کئے تھے، اس پر آپ ہنسے اس لیے کہ چیونٹی سلیمان علیہ السلام کو بے خبری کا الزام لگاتی ہے، دوم اس لیے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت علیہ السلام کو کیا کیا علم دیے گئے ہیں۔ سوم خدا تعالیٰ کی عنایت اور رحمت پر خیال کر کے کہ اُس نے مجھے ایسا بلند مرتبہ کیا، اس لیے اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے خدا سے دعا کی کہ مجھے شکر گزاری کی توفیق دے اور اس جاہ و حشم پر مغرور و متکبر نہ کرنا بلکہ اس بلند اقبالی پر اچھے کام کیا کروں اور جماعت صالحین سے باہر نہ ہوں، یہ قصہ گو بائبل میں نہیں مگر اس کی تصدیق کرنے والی باتیں اول کتاب السلاطین کے چوتھے باب میں بہت کچھ ہیں جن میں سے بعض جملے یہ ہیں۔ ۲۹۔ اور خدا نے سلیمان علیہ السلام کو دانش اور خرد نہایت دی تھی اور دل کی وسعت بھی عنایت کی، ایسی جیسے سمندر کے کنارے کی ریت اور سلیمان کی دانش اہلِ مشرق اور اہلِ مصر کی دانش سے کہیں زیادہ تھی، اور اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی، سرو کے درخت سے لے کر جو لبنان میں تھا اس زوفہ تک جو دیواروں پر اُگتا ہے اور چار پایوں اور پرندوں اور رینگنے[1] والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا۔

منطق الطیر کے معنی: منطق الطیر بیضاوی کہتے ہیں نطق کے معنی عرف میں ان الفاظ کا استعمال کرنا جو دل کی بات کو ظاہر کر دیں، خواہ

[1] جیسا کہ چیونٹی وغیرہ جو زمین پر چلتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وہ مفرد ہوں، خواہ مرکب اور نطق کا مجازاً اطلاق کبھی اُس حالت پر بھی ہوتا ہے کہ جس سے کوئی بات ظاہر کی جاوے حیوانات کا نطق اسی طرح کا ہے کہ اُن کی آوازیں ان کے تخیلات کے تابع ہیں جو بمنزلہ عبارات کے ہوتی ہیں اور شاید سلیمان علیہ السلام قوتِ قدسیہ سے ہر حیوان کا وہ خیال دریافت کر لیتے تھے کہ جس خیال سے اُس نے وہ آواز نکالی ہے، انتھی ملخصاً۔ اب حکیمانہ خیال کو بھی کوئی توجیہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات اُن کے نزدیک ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت کو چیونٹی کا خیال معلوم ہو گیا ہوگا جو وہ اپنی جماعت کے آگے ظاہر کر رہی تھی۔ خدا نے حیوانات کو بھی علم اور ادراک دیا ہے، ان کے باہم ہمکلامی اور اطلاع دینے کے ذریعے پیدا کئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم نہیں جانتے اس تقدیر پر کیا ضرورت ہے کہ نملہ کسی قبیلہ کا نام رکھا جائے اور جن سے قوم عمالیق مراد لی جائے۔ ایسی توجیہیں دور از کار ہیں واللہ اعلم۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾

اور سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا کہ کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھتا ہوں، کیا وہ غیر حاضر ہے؟ (اگر ایسا ہے تو) میں اُس کو سخت سزا دوں گا یا اُس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس کوئی صاف وجہ (غیر حاضری کی) بیان کرے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہدہد حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں اور سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں (یعنی) ایک عورت کو دیکھا کہ اُن پر حکمرانی کر رہی ہے اور اُس کو ہر قسم سے ساز و سامان بھی دیے گئے ہیں اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت بھی ہے۔ میں نے اُس کو اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا آفتاب کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کے لیے آراستہ کر دکھایا ہے اور اُن کو راہِ راست سے روک دیا ہے۔ پھر اُن کو یہ بھی نہیں سوجھتا کہ اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں کہ جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو

آشکارا کیا کرتا ہے اور جو کچھ تم مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب کو جانتا ہے، اس اللہ کو کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا ہم ابھی دیکھتے ہیں تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ (جا) میرے اس خط کو لے جا کر اُن پر ڈال دے، پھر اُن سے الگ ہٹ جا پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں (اس کو پڑھ کر) بلقیس نے کہا کہ اے دربار والو یہ میری طرف ایک فرمانِ محترم ڈالا گیا ہے اور وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میرے سامنے تکبر نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلی آؤ۔

ترکیب : غیر بعید ای مکانا غیر بعید او وقتا غیر بعید او مکثا الا یسجد والا لیست زائدۃ وموضع الکلام نصب بدلا من اعمالھم والتحقیق دخل حرف التنبیہ علی الفعل من غیر تقدیر حذف۔ الخباء مصدر بمعنی المخبوء من المطر والنبات انہ من سلیمان بالکسر علی الاستیناف وبالفتح بدلا من کتاب او مرفوع بکریم الا تعلوا موضعہ رفع بدلا من کتاب۔

تفسیر : (۳) وتفقد الطیر کہ پرندوں کی حاضری لی تو ان میں ہدہد کو نہ پایا، فرمایا کہ اُس کو سزا دوں گا ورنہ کوئی عذر معقول بیان کرے، تھوڑی دیر کے بعد ہدہد بھی آ حاضر ہوا اور اس نے سبا[1] کی شہزادی بلقیس کا حال بیان کیا کہ اُس کے پاس سب ساز و سامانِ سلطنت حاصل ہیں اور ایک بڑا عمدہ تخت بھی ہے کہ جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ مگر بایں ہمہ آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ لوگ آفتاب پرست تھے یا تو صابی ہوں گے یا کوئی اور مذہب مروج ہوگا جو شیطانی مذہب تھا اور اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے، آسمان کی چھپے ہوئے ستارے آفتاب ماہتاب چھپ جاتے ہیں، پھر ان کو اللہ ہی ظاہر کرتا ہے، پھر ان کو کیا سجدہ کرنا چاہیے اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور اناج وغیرہ۔ اس میں ہدہد نے اپنی خواہش بھی ظاہر کر دی اور وہ اللہ جو دل کی مخفی اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے، وہ اللہ جو بڑے تخت کا مالک ہے، یعنی اس کے تخت کے آگے ان کے تخت کی کیا حقیقت ہے؟ یہاں تک ہدہد کی گفتگو تھی جو تمام ہوئی، اب سلیمان علیہ السلام اس کے جواب میں فرماتے ہیں، سننظر اصدقت الخ کہ ہم دیکھتے ہیں تو جھوٹا ہے کہ سچا ہے؟ جا تو میرا یہ نامہ لے جا اور جا کر اُوپر سے ڈال دینا، پھر چھپ کر دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا کہتے ہیں۔

قصہ بلقیس : سلیمان علیہ السلام نے نامہ لکھا جس کا یہ عنوان تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔ اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ تم میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہو جاؤ اور تکبر نہ کرو اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے بعینہٖ یہی لکھا ہو بلکہ ممکن ہے کچھ اور ہو جس کا خلاصہ خدا تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا، لیکن سرنامہ پر بسم اللہ لکھی تھی، یہ نامہ عبرانی زبان میں تھا۔ ہدہد نامہ لے کر گیا اور اُن پر جا کر ڈال دیا، یعنی بلقیس کے تخت پر اُس نے پڑھا اور اپنے ارکانِ دولت سے ذکر کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ سلیمان علیہ السلام کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔

---

[1] یشجب کا بیٹا اور وہ یعرب کا اور وہ قحطان کا جو تمام قبائل یمن کا باپ تھا، پھر سبا کی بہت سی اولاد تھی، پھر اسی کے نام سے یمن میں ایک شہر سبا بسا جو صنعا سے تین دن کے فاصلہ پر ہے، سباء سے مراد اگر قبیلہ ہے تو غیر منصرف ہے، ورنہ منصرف (ک) بلقیس الہدہاد کی بیٹی وہ شرجیل کا بیٹا وہ ذوی الاذغار کا وہ افریقن کا وہ ذوی المنار کا جس کو ابرہہ بھی کہتے تھے، وہ صعب کا جس کو ذوالقرنین کہتے تھے وہ حارث الرائش کا جس کو تبع اول کہتے تھے۔ کئی پشت آگے چل کر اس کا نسب نامہ حمیر سے ملتا ہے جو سباء مذکور کا بیٹا تھا، اسی سباء نے مآرب کی زمین پر ایک پختہ بند بندھوا کر تالاب کے طور پر پانی جمع کیا تھا، جس سے چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعہ سے ملک میں بڑی سرسبزی تھی۔ آخر لوگوں کی ناشکری سے وہ بند ٹوٹا اور ملک برباد ہوا، جیسا کہ سورۂ سباء میں مذکور ہے۔ شداد بن عاد بن الملطاط بن سباء بھی سباء کی نسل میں سے تھا۔ بلقیس ان ہی کے تخت پر بیٹھی تھی، اس قوم کی بڑی شان و شوکت کی سلطنت ہو چکی ہے، ان کے آثار اب تک ملکِ یمن میں پائے جاتے ہیں۔ از تاریخ ابوالفداء ناقلاً عن ابی سعید المغربی۔ ۱۲ منہ

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِىْ فِىْۤ اَمْرِىْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِىْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢبِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ ۖ لِيَبْلُوَنِىْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

بلقیس کہنے لگی کہ اے سردارو میرے معاملہ میں رائے دو میں کوئی بات تمہارے حاضر ہوئے بغیر طے نہیں کرتی، انہوں نے کہا ہم لوگ زورآور اور بڑے سخت لڑنے والے ہیں اور آگے سرکار کو اختیار ہے۔ جو کچھ حکم دیں اُس کو غور کرلیں۔ بلقیس نے کہا جب کسی شہر میں بادشاہ (بزور) داخل ہوا کرتے ہیں تو اُس کو اُجاڑ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں اور وہ یوں ہی کیا بھی کرتے ہیں اور میں (اول) اُن کے پاس کوئی تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ پس جب ایلچی سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کہ کیا تم میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو۔ سو جو کچھ مجھ کو اللہ نے دے رکھا ہے بلکہ ان سے بہت بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے، بلکہ تم ہی کچھ اپنے تحفہ سے خوش ہوتے ہوگے، اُن کی طرف واپس جاؤ، ہم اُن پر ایک ایسا لشکر بھیجتے ہیں کہ جس کا وہ مقابلہ نہ کرسکیں گے اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل وخوار کر کے نکال دیں گے۔ سلیمان نے کہا۔ اے سردارو تم میں ایسا کوئی ہے کہ اُس کے حاضر ہونے سے پہلے میرے پاس اس کا تخت لا حاضر کرے۔ ایک زورآور جن بول اُٹھا کہ آپ کے دربار سے اُٹھنے سے پہلے ہی میں اُس کو لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس پر قوی بھی ہوں (اور) امانت دار بھی۔ اور اُس شخص نے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا (یہ) عرض کیا کہ میں اُس کو حضور کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لا حاضر کرتا ہوں۔ پھر جب اُس تخت کو سلیمان نے اپنے پاس دھرا پایا تو کہنے لگے کہ (یہ) میرے رب کی عنایت سے ہے تاکہ مجھے آزماوے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے بھلے کو اور جو

کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی بے پرواعزت والا ہے۔

تفسیر: انہوں نے کہا ہم بڑے قوی اور بڑے لڑنے والے لوگ ہیں، سلیمان علیہ السلام سے کچھ خوف نہیں مگر تاہم جو آپ کی رائے ہو وہی ٹھیک بلقیس بڑی عقلمند عورت تھی، اس نے سوچا کہ لڑائی کا انجام برا ہے۔ اگر غالب آ گیا تو آ کر اُلٹ پلٹ دے گا، عزت داروں کو ذلیل کر دے گا اور بادشاہوں کا یہی دستور ہے، صلح کر لینی بہتر ہے۔ اول مرتبہ اُس کے پاس جانا تو مصلحت نہیں تحفہ تحائف دے کر ایلچیوں کو بھیجنا چاہیے، اس سے سلیمان علیہ السلام کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ یہ بات سب کو پسند آئی، بڑے بڑے بیش قیمت ہدیے دے کر ایلچیوں کو بھیجا تا کہ سلیمان اس مال کو دیکھ کر نرم ہو جائیں مگر سلیمان علیہ السلام کا مقصد اس بت پرست بادشاہزادی کو اسلام میں لانا اور برائی سے بچانا تھا، اس لیے ان تحفوں کو کچھ بھی خاطر میں نہ لا کر یہ فرمایا کہ اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے، ایسے ہدیوں سے تمہیں خوش ہو۔ جاؤ جا کر کہہ دو کہ حاضر ہوں ورنہ میں ایسا بھاری لشکر بھیجتا ہوں کہ جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا اور میں اُن کو وہاں سے ذلیل وخوار کر کے نکال دوں گا۔ ایلچی تو ادھر روانہ ہوئے، اُدھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کوئی ہے کہ اُس کے آنے سے پیشتر میرے پاس اُس کا تخت اُٹھا لاوے؟ ایک بڑے قوی جن نے کہا میں اُس کو حضور کے پاس آپ کے دربار کے رخصت ہونے سے پہلے لے آتا ہوں، میں قوی بھی ہوں امانت دار بھی ہوں اس میں کچھ خیانت نہ کروں گا، مگر اُس شخص نے کہ جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا، اسم اعظم جانتا تھا، یہ کہا کہ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں، چنانچہ اُس نے لا کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے اُس کو کھڑا کر دیا۔ سلیمان نے اس پر خدا کی عنایت کا بڑا شکر ادا کیا۔ ومن شکر فانما الخ بھی کہہ دیا کہ جو کوئی خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اپنے لیے یعنی اللہ کو اس کا کچھ فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بندے کو کہ وہ اور بھی نعمتیں اُس کو عطا کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو اللہ کو کچھ بھی پروا نہیں۔ (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو دولت وحکومت کا کچھ بھی نشہ نہیں چڑھتا) قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا الخ یہاں سے پھر اصل قصہ شروع ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ ایسا تغیر وتبدل کر دو کہ اس کی پہلی صورت بدل جاوے تا کہ میں جب بلقیس آوے اُس کی عقل کا امتحان کروں کہ۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

سلیمان نے حکم دیا کہ اُس کے تخت کو متغیر کر دو (اُس کے امتحان کے لیے) تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ راہ پر آتی ہے یا اُن میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب وہ آئی تو کہا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ ملکہ نے کہا گویا یہ (ہو بہو) وہی ہے اور ہم کو تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا (کہ آپ برگزیدہ نبی ہیں) اور ہم تو فرمانبردار

ہو چکے ہیں اور اسے خدا کے سوا جو غیر معبودوں کو پوجا کرتی تھی، اس سے اس کو باز رکھا تھا کیونکہ وہ کافروں میں کی تھی ملکہ سے کہا گیا کہ محل میں چلئے، پھر جب اُس نے اس کو دیکھا تو اس کے صحنِ بلوری کو پانی سمجھی اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھا دیا۔ سلیمان نے کہا کہ یہ تو ایک حوض ہے شیشوں سے پٹا ہوا وہ بولی کہ اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ کی حکم بردار ہوئی ہوں۔

ترکیب: ننظر بالجزم علی الجواب وبالرفع علی الاستیناف و صدھا۔ الفاعل اما الضمیر الراجع الی اللہ تعالیٰ او الی سلیمان ای و صدھا ما کانت الخ عبادتھا۔ الشمس عن التقدم الی الاسلام انھا بالکسر علی الاستیناف و بالفتح علی البدل من ما یکون ما علی ھذا مصدریۃ الصرح القصر و قیل عرصۃ الدار۔

تفسیر: دُنیاوی چیزوں کی پہچان میں جب یہ حال ہو تو خدا کی ذات وصفات کے پہچاننے میں تم نے کتنی غلطی نہ کی ہوگی؟ چنانچہ وہ آئی اور اُس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا ایسا ہی تخت ہے، اُس کو پہچان نہ سکی، دھوکے میں آگئی، کہا ایسا ہی میرا تخت ہے، اُس کو اس کے مشابہ بتلایا یہ نہیں کہا کہ یہ وہی ہے، مگر تھوڑی دیر بعد بلقیس کو معلوم کرایا گیا کہ یہ وہی تخت ہے، اس پر اُس نے بطور معذرت کر کے کہا وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ الخ کہ حضور ہم کو کیا آزماتے ہیں، ہم کو تو اس حالت سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ بڑے طاقتور[1] ہیں۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں، وَکُنَّا مُسْلِمِیْنَ اور ہم یہاں حاضر ہونے سے پہلے ہی آپ کے فرمانبردار ہو چکے ہیں جس لیے حاضر ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمانؑ کا کلام ہے کہ ہم کو پہلے ہی معلوم تھا کہ تو نہ بتلا سکے گی اور ہم ہمیشہ سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور بلقیس کو ایمان لانے سے آفتاب پرستی نے روک رکھا تھا اور یہ اس لیے کہ وہ بھی کافر قوم میں کی تھی، وصدھا الخ کے یہ معنی ہیں۔ یا یہ کہ سلیمان نے اُس کو عبادت غیر اللہ سے روک دیا۔

پھر دوسرا امتحان اور کیا گیا، قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ[3] الخ صرح قصر کو بھی کہتے ہیں، یعنی محل اور اُس کے صحن کو بھی کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ایسا محل بنایا تھا کہ اس کا صحن پانی کا حوض تھا جس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تھیں، مگر اُس کو اُوپر سے صاف بلور یا سفید شیشے سے پاٹ دیا تھا، اُس کے اُوپر سے آتے جاتے تھے، جب بلقیس کو دربار میں بلایا تو اُس محل کے صدر میں تخت بچھوا کر اُس پر بیٹھے اور بلقیس کو آنے کا حکم دیا جس کا راستہ اُسی حوض پر سے تھا، شیشہ و بلور میں پانی لہرانا اور مچھلیوں کا پھرنا دیکھ کر یہ سمجھی کہ حوض ہے، اس لیے پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھایا، وہ سمجھ گئی تھی کہ گھٹنے سے کم ہی کم پانی ہے، کپڑا اُٹھانا تھا کہ سلیمان نے فرمایا اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ یہ حوض پانی کا شیشوں سے پٹا ہوا ہے، کپڑا اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ عورت تھی اور اُس پر بادشاہِ ملک کے عین دربار میں اس کی بے تمیزی اور گنوار پن ثابت ہو جانے سے اُس کو سخت ندامت ہوئی اور سمجھ گئی کہ میری عقل خاک بھی نہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے روبرو صاف کہہ دیا۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ الخ کہ اے رب! اس وقت تک میں بڑی خطاوار تھی اب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لائی۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سے یہ مراد کہ سلیمان کی ہدایت اور رہنمائی سے یا یہ کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام لائے ہیں، اس طرح میں بھی، کیونکہ رب العالمین کے پہچاننے میں پہلے سے قاصر تھی۔

قصہ تمام ہوا، اب قرآن میں اس بات کا کچھ ذکر نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اُس نے شادی کی اور وہیں رہ گئی یا پھر یمن میں چلی گئی۔ نہ

---

۱ اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا۔

۲ کیونکہ تخت منگالیا اسی لیے ہم مطیع ہو کر آئے ہیں۔ ۱۲ منہ

۳ قال ابن قتیبۃ الصرح بلاط اتخذ لھا من قواریر وجعل تحتھاء وسمکا واصلہ من التصریح وھو الکیف۔ لجۃ ہی معظم الماء ممرد ای مسقف مسطح الممر دالحکوک الملمس ومنہ الامرو للملابسۃ وجہ والشجر المرد التی لا ورق لھا۔ ۱۲ منہ

یہ کہ اُس وقت تک اُس کی شادی ہو چکی تھی کہ نہیں اور پھر شادی یمن میں کس کے ساتھ ہوئی؟ ان باتوں کا ثبوت تو اریخ سے ہوگا، ہم کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ بلقیس پر سلیمان علیہ السلام غائبانہ عاشق تھے اور بلقیس کسی پری یا جنیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی، اس لیے مشہور تھا کہ اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں، اس بات کے دریافت کرنے کو سلیمان علیہ السلام نے یہ تدبیر کی تھی، یہ سب افسانے ہیں جو اپنے خیالات کے مطابق لوگوں نے قرآن واحادیث میں شامل کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فوائد: (۱) قرآن مجید سے صرف یہ ثابت ہوا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلقیس کی مفصل کیفیت بیان کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو نامہ دے کر بھیجا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ بلقیس مطیع ہو کر یہاں آوے، بلقیس کے آنے سے پیشتر سلیمان علیہ السلام نے اُس کا تخت منگا لیا جس کے لانے کی بابت عفریت جن نے یہ کہا تھا کہ میں آپ کے اُٹھنے سے پیشتر اُس کو لا سکتا ہوں، مگر ایک شخص نے کہ اُس کو کتاب کا علم تھا (نہ اُس کا قرآن میں نام بتلایا ہے، نہ یہ کہ کون سی کتاب کا اُس کو علم تھا نہ یہ کہ کتاب کے علم سے کیا مراد ہے؟ ہاں مفسروں نے اُس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور اُس کو سلیمان علیہ السلام کا وزیر کہا ہے اور علمِ کتاب سے مراد اسمِ اعظم کا علم بتلایا ہے) اُس کو لا موجود کیا۔ بلقیس آئی اور اسلام لائی

منکروں کے اعتراضات: (۲) ان باتوں پر عقلی قاعدہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، مگر تاہم مخالفوں نے دو قسم کے اعتراضات کئے ہیں، اول اہلِ کتاب نے کہ یہ قصہ ہماری کتابوں میں نہیں اس لیے غلط ہے۔

اس کا جواب ہم بارہا دے چکے ہیں کہ بہت سی کتابوں کے بائبل میں حوالے ہیں اور اب وہ کتابیں مفقود ہیں تو پھر اہلِ کتاب کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ اُن میں نہ ہوگا، ملاحظہ ہو اول سلاطین کا باب ۲۲ پھر سلیمان علیہ السلام کے جملہ حالات کا حصر صرف کتاب السلاطین وغیرہ کتب بائبل پر کیونکر سمجھ لیا؟ دوسرا اعتراض فلسفیانہ خیالات کا ہے۔ (۱) یہ کہ اگر ہدہد جانور ہے تو اول اُس کی رفتار میں ایسی سرعت کہاں کہ تھوڑی سی دیر میں شام کے ملک سے اُڑ کر یمن میں پہنچ جائے اور وہاں سے لوٹ کر آ جائے۔ دوم اُس جانور کو خدا پرستی اور آفتاب پرستی میں کیا فرق اور پھر اُس نے اس قدر لمبی چوڑی گفتگو سلیمان علیہ السلام سے کیونکر کی؟ یہ باتیں بعید از قیاس ہیں۔ (۲) سلیمان شام کے بادشاہ تھے کیا اُن کو بلقیس کا حال معلوم نہ ہوگا جو وہ بھی ایک بڑی سلطنت کی مالک تھی، باوجودیکہ تم کہتے ہو جن شیاطین اُن کے تابع تھے، پھر صرف ہدہد وغیرہ نے خبر دی؟ (۳) سینکڑوں کوسوں کے فاصلہ سے بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے سلیمان علیہ السلام کے پاس کیونکر آ گیا اور علم الکتاب سے یہ قدرت کب حاصل ہو سکتی ہے، کیا اب ایسے لوگ نہیں کہ ایک کتاب تو کیا سینکڑوں کتابوں کو دھوئے بیٹھے ہیں، وہ تو دو کوس سے بھی اتنی جلدی تخت تو کیا کوئی تختہ ہی نہیں لا سکتے۔ یہ باتیں پرانے افسانے ہیں۔

جواب: ان کے جواب معتزلہ اور اُن کے پیروان مریدان نے بذریعہ تاویل کے یوں دیے ہیں کہ الطیر جمع طائر پرند کو بھی کہتے ہیں اور تیز گھوڑے کے سوار کو بھی جیسا کہ کسی حدیث[1] میں آیا ہے کہ بہتر وہ شخص ہے کہ جو گھوڑے کی لگام کو اللہ کی راہ میں تھامے ہوئے تیار ہو، یہ طیر جہاں کھٹکا پائے اُڑ جائے الغرض کلامِ عرب میں طائر تیز گھوڑے کے سوار کو بھی کہتے ہیں۔ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ جمع طائر، یعنی سواروں کی فوج کو دیکھا، ان میں ہدہد کو نہ پایا، جوان کا سپہ سالار تھا اور ہدہد کا سپہ سالار ہونا کتاب السلاطین[2] سے ثابت ہے، وہ نمک حلالِ سلطنت تھا، بغیر اطلاع یمن کی طرف بلقیس کے حالات دریافت کرنے چلا گیا اور سلیمان علیہ السلام کو آ کر خبر دی۔ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ کے یہ معنی نہیں کہ اسی

---

[1] قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خیر معاش الناس لھم رجل ممسک عنان فرسہ فی سبیل اللہ یطیر علی تمنہ کلما سمع ھیعۃ او فزعۃ طار علیہ الخ رواہ مسلم۔ ۱۲ منہ

[2] اول کتاب السلاطین کے دسویں باب میں اور ۲ کتاب التواریخ کی ۹ باب میں سلیمان کے پاس سبا کی ملکہ کا حاضر ہونا لکھا ہے اول کتاب التواریخ کے خاتمہ میں داؤد کی دیگر حالات کا حوالہ سموئیل غیب بین کی تاریخ اور ناتن نبی اور جاد غیب بین کی تاریخ کا دیا ہے جو آج مفقود ہیں۔ ۱۲ منہ

وقت آموجود ہوا بلکہ بہت زمانہ نہیں گزرا معمولی زمانہ سفر سے بہت جلد آ گیا، لوگوں نے ہدہد کو سچ مچ کا ہدہد جانور سمجھ لیا اور تفصیلی خبر سلیمان علیہ السلام کو معلوم نہ تھی اور یہ ممکن ہے کیونکہ اس عہد میں تار اور ریل نہ ہونے کی وجہ سے غیر مملکتوں کے حال تفصیل سے بمشکل معلوم ہوتے تھے، اب رہا تخت کا طرفۃ العین میں، حاضر ہونا سو یہ قرآن مجید سے ثابت نہیں جو ثابت ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اُس کو اپنے روبرو دیکھا تو شکر کیا کہ ایک بادشاہ کا تخت میرے روبرو خدا کی عنایت سے موجود ہے، ہاں ایک عفریت بمعنی قوی جن یعنی عمالیقی آدمی نے یہ کہا تھا اور قوی اور سخت آدمیوں کو جن سے تعبیر کیا کرتے ہیں جس طرح نیک کو فرشتہ سے اور خوبصورت کو پری سے اور ایک اہل علم نے بھی کہا تھا کہ میں طرفۃ العین میں لا حاضر کرتا ہوں، اب یا تو وہ ان کی زیادہ گوئی تھی یا ایک محاورہ کی بات ہے جلدی کام کرنے کو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کام طرفۃ العین میں یا پلک جھپکنے میں ہو گیا یا کردوں گا، لیکن خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ پلک جھپکنے میں تخت آ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے لانے والے کا نام بھی نہیں بتلایا بلکہ یہ کہا ہے فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ ممکن ہے کہ یہ اہل علم کسی حکمت عملیہ سے تخت کو لایا ہو اور جلد لایا ہو۔ صحیح جواب یہ ہے کہ جانوروں کا خط لے جانا کچھ مشکل بات نہیں، طوطے اور مینا کی گفتگو اور مالک کو باتوں پر مطلع کر دینا بارہا مشاہدہ میں آیا ہے، پھر ہدہد نے ایسا کیا ہو تو کیا محال بات ہے؟ اور جب ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ جن ایک جداگانہ مخلوق ہے، اُس کے افعال وقویٰ انسانی افعال وقویٰ سے کہیں زیادہ قوی ہیں تو پھر اس سے ایسی بات کیا بعید ہے اسی طرح اسماءِ الٰہی اور روحانیات کی طاقتیں حد سے باہر ہیں جو اس زمانہ میں مفقود ہیں پھر سلیمان علیہ السلام کے پاس اگر کوئی ایسا شخص ہو تو کیا بعید ہے، انسان کی عادت ہے جس بات کو آنکھ سے نہیں دیکھتا اور وہ اُس کے نزدیک محال معلوم ہوتی ہے تو انکار کر دیتا ہے، تار برقی اور ریل کے جاری ہونے سے پیشتر جو کوئی ان کے حالات بیان کرتا تو مجنون شمار کیا جاتا، تمام عالم خدا کے عجائب اسرار کا مجموعہ ہے، اس وقت کے تعلیم یافتوں نے سمجھ لیا کہ ہم نے سب کا احاطہ کر لیا حالانکہ اسرار و روحانیات اور ان کی تاثیرات اور نفوسِ قدسیہ کی قوتیں جو کرامت یا معجزہ کہلاتی ہیں، ابھی تک ان کے ذہنِ بلید تک بھی نہیں، ان فنون سے نا آشنا محض ہیں، اس لیے انکار کرتے ہیں تمسخر سے پیش آتے ہیں، واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ

اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۵۸﴾ ع

اور البتہ قوم ثمود کی طرف بھی ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا (یہ حکم دے کر) کہ اللہ کی بندگی کیا کرو، پھر تو وہ دو فریق ہو کر باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ اے قوم! تم کس لیے نیکی سے پہلے برائی کے لیے جلدی کرتے ہو۔ تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے تا کہ تم پر رحم کیا جاوے۔ اُنہوں نے کہا ہم کو تو تجھ سے اور تیرے ساتھ والوں سے نحوست معلوم ہوئی، صالح نے کہا تمہاری نحوست خدا کی طرف سے ہے بلکہ تم ایک ایسی قوم ہو کہ جو آزمائش میں ڈالی گئی ہے اور وہ اس شہر میں نو شخص ایسے تھے کہ جو زمین پر فساد مچاتے پھرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا باہم اللہ کی قسم کھاؤ کہ صالح اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں، پھر اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اُس کے کنبہ کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے اور ہم بے شک سچے ہیں اور اُنہوں نے ایک داؤ کیا تھا اور ہم نے بھی ایسا داؤ کیا کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوئی، پھر دیکھو اُن کے مکر کا کیسا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور اُن کی تمام قوم کو غارت کر دیا، پھر یہ اُن کے گھر ہیں کہ خالی پڑے ہوئے ہیں، اُن کے ظلم سے۔ البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے، اُن کے لیے جو جانتے ہیں اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کیا کرتے تھے، ان کو بچا لیا اور ہم نے لوط کو بھی بھیجا تھا، دیکھ (بھال) کر یہی بے حیائی کے کام کرتے ہو، کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر خواہش کر کے آتے ہو۔ (کچھ نہیں) بلکہ تم جاہل قوم ہو، پھر اس کی قوم کا اور کوئی جواب نہ تھا۔ بجز اس کے کہ یہ کہہ دیا لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ بڑے ستھرے ہیں، پھر ہم نے لوط اور اُس کے گھرانے کو تو بچا لیا مگر اس کی بیوی کو (کیونکہ) ہم اُس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ٹھہرا چکے تھے اور (باقی) سب پر (پتھروں) کا مینہ برسا دیا، پھر ڈرائی ہوئی قوم کا کیا ہی برا مینہ تھا۔

تفسیر: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، اس کی شرح ہو چکی مگر اس جگہ عبارت کا حل کرنا ضروری ہے۔ فَاِذَا هُمْ الخ جب صالح علیہ السلام نے وعظ و دعوتِ اسلام شروع کی تو دو فریق ہو گئے، ایک اہلِ توحید کا دوسرا وہی گمراہوں کا اور باہم جھگڑنے لگے لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ حضرت صالح نے فرمایا تھا کہ اگر تم نہ مانو گے تو عذابِ الٰہی نازل ہوگا، وہ کہنے لگے عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس پر صالح نے فرمایا، خدا سے بدی کیوں مانگتے ہو، بھلائی خیر و برکت مانگو، ایمان لاؤ استغفار کرو۔ قَالُوا اطَّیَّرْنَا حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کے بعد اُن پر کچھ خشک سالی نمودار ہوئی تھی، اس پر وہ صالح سے کہنے لگے۔ یہ تو تجھ سے اور تیرے ساتھ والوں سے نحوست آئی ہے، صالح علیہ السلام نے فرمایا، یہ تمہارے اعمال کی نحوست خدا کے ہاں مقدر تھی اور تم کو اس سے آزمایا جاتا ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

تَفۡتَنُوۡنَ، شہر میں نو شخص بڑے بدمعاش تھے، باہم قسم کھائی کہ رات کو گھر میں گھس کر صالح علیہ السلام اور اُس کے کنبے کو قتل کر ڈالو اور پھر اس کے وارثوں سے کہہ دینا کہ وہاں ہم موجود نہ تھے۔ آخر خدا نے صالح علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور وہ تمام قوم آسمانی بلا سے ہلاک ہوئی اور اُن کے گھر خالی ہو گئے، ان کا داؤ غلط ہوا، خدا کی تدبیر صادق ہوئی، ان کے مکر اور فریب کی پاداش کو مکر و فریب سے تعبیر کرنا ایک محاورہ ہے۔ ع بدی رابدی سہل باشد جزا، حالانکہ بدی کی جزا بدنہیں مگر چونکہ دونوں فعل ایک قسم کے ہوتے ہیں، اس لیے علی سبیل المشاکلہ اس پر بھی وہی لفظ بولا جاتا ہے جو لوگ ایسے محاورات نہیں سمجھتے وہ قرآن پر الزام لگاتے ہیں کہ اس میں خدائے قدوس کو برے صفات سے متصف بنایا ہے، ولوطاً الخ یہ چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے، وانتم تبصرون یعنی تم جانتے ہو کہ یہ بے حیائی کا کام ہے، پھر اس کو کئے جاتے ہو، اس بات کا ان کی طرف سے یہی جواب تھا کہ لوط علیہ السلام کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ بڑی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں۔ واتاکم لتاتون استفہام انکار میں ہے یعنی تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے یعنی لڑکوں سے شہوت رانی کرو۔ قَدَّرۡنٰهَا مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ بڑی رات سے شہر چھوڑ کر چلے جانا جو پیچھے رہے گا ہلاک ہوگا۔ بیوی پیچھے رہ گئی تو وہ ہلاک ہوئی، فرماتا ہے کہ ازل میں ٹھہر گیا تھا کہ وہ پیچھے رہے گی۔

قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيۡرٌ اَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَـكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَـتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَـكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَـرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَـلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلۡمُهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ ۚ بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡهَا ۚ بَلۡ

امن خلق ۲۰

هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

کہو سب تعریف اللہ کو ہے اور سلام اُس کے برگزیدہ بندوں پر ہے۔ بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ کہ جن کو وہ شریک بناتے ہیں، بھلا کس نے آسمان وزمین بنائے اور (کس نے) تمہارے لیے آسمان سے پانی اُتارا ہے؟ پھر ہم نے ہی اُس سے تروتازہ باغ اُگائے، تمہیں کیا مقدور تھا کہ تم اُن کے درخت اُگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ بلکہ یہ وہی لوگ کجروی کر رہے ہیں، بھلا وہ کون ہے کہ جس نے زمین کو پھرنے کی جگہ بنایا اور اُس میں ندیاں جاری کیں اور زمین کے لیے (پہاڑ) لنگر بنائے اور دو دریاؤں میں پردہ رکھا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ بلکہ وہ اکثر بے علم ہیں۔ بھلا کون ہے جو بے قرار کی دُعا قبول کیا کرتا ہے اور برائی کو دُور کر دیتا ہے اور تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے؟ تم بہت ہی کم سمجھتے ہو، وہ کون ہے جو تم کو جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ بتلایا کرتا ہے اور کون خوش خبری کی ہوائیں چلایا کرتا ہے۔ اپنی رحمت[1] سے آگے کیا کوئی اور بھی معبود اللہ کے ساتھ ہے، اللہ ان کے شرک کرنے سے بالاتر ہے، بھلا وہ کون ہے جو از سرِ نو خلقت کو پیدا کرتا ہے، پھر اُس کو دوبارہ بنا دے گا اور کون ہے جو آسمان اور زمین سے روزی دیا کرتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ کہو اپنی سند تو لاؤ اگر تم سچے ہو، کہو اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کا کوئی بھی رہنے والا غیب کی بات نہیں جانتا اور اس کی بھی اُن کو کیا خبر کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کے باب میں تو اُن کی سمجھ گُم گزری ہے بلکہ وہ تو اس سے شک ہی میں ہیں بلکہ وہ تو اندھے ہی ہیں۔

حضرت انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر اور مخالفوں پر ہلاکت کا آنا ظاہر کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کرتا ہے کہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى کہہ دو کہ سب تعریف اللہ کو ہے کہ جس نے اپنے پاک باز بندوں کو بچالیا اور سرکشوں کو ہلاک کیا اور ان تمام برگزیدوں پر سلام وصلوٰۃ کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں مخالفوں کے کیسے کیسے جور و جفا اُٹھائے؟ یہ کلام گویا قصص سابقہ کا خاتمہ ہے، پر کس خوبی کا خاتمہ کہ جس کا بیان نہیں اور نیز یہ کلام آئندہ باتوں کے لیے تمہید بھی ہے کہ اللہ کی تعریف اور برگزیدوں پر سلام کر کے کوئی نصیحت یا عمدہ کام شروع کرنا چاہیے۔

دلائل توحید: اس کے بعد مشرکین کو اپنے عجائبِ قدرت ملاحظہ کراتا جاتا ہے اور پوچھتا جاتا ہے کہ بتلاؤ اللہ کے سوا یہ کس کے کام ہیں؟ اول تو مجملاً یہ فرما دیا کہ تمہارے معبود بہتر ہیں، یا اللہ۔ پھر اس کے بعد یہ چند دلائل اللہ کے بہتر اور قادرِ مطلق وحدہ لاشریک لہ ہونے پر بیان فرماتا ہے۔ (۱) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا پھر اُوپر سے پانی برسا کر اُس سے عمدہ عمدہ اور کارآمد باغ اور درخت اُگانا یعنی اُس نے تمہارے لیے آسمان وزمین کا گھر بنایا اور اُس میں تمہارے لیے روزی بھی پیدا کی۔ (۲) زمین کو ٹھہرنے کے لیے بنایا اور اُس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں۔ جو انسان کی راحت کے سامان ہیں، دو دریاؤں میں پردہ رکھا۔ (۳) بے قراری کے وقت انسان کی فریادرسی وہی کرتا ہے نہ کہ اور۔ تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے ایک کے بعد دوسرا وارث و مالک ہوتا آتا ہے یعنی اس کا احسان تم پر پشت در پشت ہے۔ (۴) تم کو جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ وہی بتاتا ہے جنگل میں درختوں کی اندھیری پھر رات کی' پھر ابر کی' اسی طرح سمندر کے سفر میں جب راستہ بھول جاتے ہیں وہاں وہی رہنمائی کرتا ہے۔ (۵) بارش کے آنے سے پیشتر خوش آیند ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ (۶) وہی ابتداً پیدا کرتا ہے وہی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا۔ مبدء و معاد کی طرف بھی معاش کے بعد اشارہ کر دیا۔ (۷) آسمان سے پانی کے ذریعہ سے اور زمین سے نباتات کے واسطے سے ہم ہی تم کو روزی دیا کرتے ہیں۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے یا کوئی اور یعنی اور کوئی معبود نہیں تمہارے بتوں کے معبود ہونے پر کیا دلیل ہے؟ آسمانوں اور زمین کی مخفی بات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، پھر وہ خدا کے شریک کس بات سے ہو گئے؟ بلکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مر کر کب زندہ ہوں گے۔ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ اے انتہی و تکامل یعنی باوجودیکہ مشرکین کو معلوم

[1] بارش۔ ۱۲ منہ

کرادیا گیا کہ آخرت برحق ہے مگر پھر اُس سے شک میں ہیں یا یہ معنی کہ ادرک بمعنی انتہی وفنی من قولک ادرکت الثمرۃ لان تلک غایتہا التی عندہا تعدم (ک) کہ ان کا علم آخرت کے بارہ میں نیست ہو گیا، جس لیے وہ شک میں ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہیں، ان تین باتوں کے لیے تین اضراب ہوئے کہ ان کو حشر کا وقت معلوم نہیں۔[1] بلکہ اس کو جان بھی نہیں سکتے بلکہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور منکروں نے کہہ دیا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہو گئے تو کیا ہم پھر زمین سے نکالے جائیں گے، اس کا تو ہم سے اور ہم سے پہلے باپ دادا سے بھی وعدہ ہوتا چلا آیا ہے، یہ تو صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ (سو اے رسول!) کہو تم زمین میں پھر چل کر دیکھو کہ کیا انجام ہوا، گنہگاروں کا اور (اے نبی!) تم نہ ان پر کچھ غم کھاؤ اور نہ ان کے مکر کرنے سے دل تنگ ہوا کرو اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ وہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہہ دو شاید بعض وہ چیزیں کہ جن کی تم جلدی مچا رہے ہو، تمہاری پیٹھ کے پیچھے آ گئی ہوں اور البتہ آپ کا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن ان میں سے اکثر شکر بھی نہیں کرتے اور البتہ آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے دلوں میں مخفی ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور آسمان و زمین میں ایسی کوئی بھی مخفی بات نہیں کہ جو کتاب مبین میں درج نہ ہو۔

ترکیب: اذا کا عامل لمخرجون کا مدلول وھو نخرج نہ خود لمخرجون کس لیے کہ ہمزہ وانّ ولام اس کے عمل کرنے سے مانع ہیں، ہمزہ کا مکرر آنا انکار کی تاکید کے لیے ردف لکم تبعکم ولحقکم لام تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا، بعض الذی ردف کا فاعل غائبۃ صفات غالبہ سے ہے ت مبالغہ کے لیے جیسا کہ راوی کو مبالغۃ راویہ کہتے ہیں یا اسم ہے ت ایسی ہے جیسے کہ عاقبۃ میں۔

تفسیر: اب ان کے قصورِ علم اور اندھے ہونے کا بیان کیا جاتا ہے اور اس مناسبت سے مبدء میں کلام کر کے معاد میں کلام واقع ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قیامت میں شک دو ہی بات پر مبنی ہے، ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ کو اس بات پر قادر نہ سمجھا جائے دوسرے یہ کہ ممکنات اور اُن کے حالات کے علم اور یادداشت میں اس کو عاری سمجھا جاوے کہ مرنے کے بعد ہر ایک جاندار کے اجزاء کو اُسی کے بدن میں جمع کرنا دشوار سمجھا جاوے، انہیں بنیادوں پر وہ حشر کے برپا ہونے میں کلام کرتے تھے۔ اپنا کمالِ قدرت تو آیاتِ گزشتہ میں ثابت کر دیا تھا کہ ہم نے آسمان و زمین اور سب چیزیں بنائیں اور تمہارے رزق کے کیسے کیسے سامان کئے، اس کے بعد اس کی قدرت میں شک کرنا کمال حماقت تھا، اس لیے ان کے احمقانہ شبہ کو اس کے بعد نقل کرتا ہے، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہ شبہ انہیں دونوں باتوں پر مبنی ہے کہ آیا جب ہم مر گئے اور

[1] یہاں سے اضرابات کا مضمون شروع ہوتا ہے۔

ریزہ ریزہ ہو گئے، پھر ان کو کیونکر جمع کیا جائے گا؟ گویا اس کی قدرت کا بھی انکار کیا اور علم کا بھی کہ ہر ایک بدن کے اجزاء اُس کو کیونکر معلوم ہوں گے؟ یہ تو اصلی شبہ تھا۔ وَلَقَدْ وَعَدْنَا هٰذَا اس پر ان کی فضول گفتگو تھی کہ یہ ناممکن اور غلط بات ہے نہ صرف ہم سے بلکہ ہمارے باپ دادا سے بھی پہلے انبیاء اور ان کے نائب ایسی باتیں کہتے چلے آئے ہیں، یہ کہانیاں اور افسانے ہیں۔ اس کے بعد قل سیروا سے اس انکار کا دنیاوی بدنتیجہ بتلاتا ہے کہ ملک میں پھر کر دیکھو ایسے منکروں کا کیا انجام ہوا، اُلٹی ہوئی بستیاں اوندھے گرے ہوئے قصور عالیہ اُن کے حالِ زار پر کیا کیا اشکِ حسرت بہا رہے ہیں۔ اس آنے والی مصیبت پر آنحضرت ﷺ کو قوم کا رنج و ملال ہونا ضروری تھا۔ آپ سراسر رحمتِ الٰہی تھے، اس پر آپ کو تسلی دی جاتی ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ کہ آپ ان ازلی بدنصیبوں پر کچھ رنج نہ کیجئے۔ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اور نہ ان کے مکر و فریب سے جو آپ کے ساتھ کرتے ہیں۔ تنگدل ہوں، اس چشمۂ الٰہی کو اپنی تدابیر کی ریتلی مٹی سے یہ بند نہ کر سکیں گے بلکہ اس سے تو وہ اور بھی چاروں طرف پھوٹ نکلے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اُس کے بعد وہ بےنصیب بجائے خوف کرنے اور ایمان لانے کے دلیرانہ یہ پوچھا کرتے تھے۔ هٰذَا الْوَعْدُ الخ اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ قیامت یا عذاب ہم پر کب آئے گا اس کا جواب دیتا ہے، قُلْ عَسٰى الخ کہ ان سے کہہ دو جس کی تم بہت جلدی کر رہے ہو، شاید تمہارے بہت ہی قریب آ لگا ہو، چنانچہ قحط اور بدر کا واقعہ بہت جلد پیش آیا اور یوں موت تو سر پر ہی کھڑی ہے، جو قیامت کا دروازہ ہے، مگر خدا کا فضل و کرم ہے جو جلد ہی سزائیں نہیں دیتا۔ اس پر شکر کرنا چاہیے نہ کہ دلیر ہونا مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ قدرت کی بابت تو پہلے کلام ہو چکا، گو وہاں سے علم کامل بھی سمجھا جاتا تھا، لیکن وہ لوگ بلید الذہن تھے، اس لیے علم کا اثبات صراحۃً کرنا پڑا، بقولہ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ کہ خدا ہی اُن کے دل کی باتوں کو جانتا ہے، یعنی جن کا وجود ذہنی ہے وہ باتیں بھی تو اس سے مخفی نہیں، چہ جائیکہ جن کا وجود خارج میں ہو اور اُن کے جمیع افعال و حرکات و حالات سے واقف ہے، یعنی اعراض کہ جو غیر قار ہیں ادھر موجود ہوئے۔ اُدھر مٹ گئے چہ جائیکہ وہ چیزیں جو عرصہ تک قائم رہتی ہیں۔ پھر تعمیم کرتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کہ ان پر کیا موقوف ہے جو چیزیں [1] آسمان و زمین میں مخفی ہیں، ابھی تک میدانِ ظہور میں نہیں آئی ہیں، وہ سب کتاب مبین یعنی علم الٰہی میں ہیں، جس کو کسی خاص اعتبار سے کتاب مبین اور کبھی لوح محفوظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں ان کے مکر اور مخفی تدابیر پر بھی تہدید ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا

[1] اگرچہ یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ ان چیزوں کو جانتا ہے مگر جبکہ اس کا خالق ہونا تسلیم کر لیا ہے تو خالق کو مخلوق کا علم ہونا ضروری ہے۔ ۱۲ منہ

بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۸۲ ع

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں سناتا ہے کہ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور البتہ یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے، ایمان داروں کے لیے بے شک آپ کا رب ان میں اپنے حکم سے آپ فیصلہ کردے گا اور وہ زبردست (اور) خبردار ہے۔ (اے نبی) پس اللہ پر توکل کئے رہو کیونکہ تم صریح حق پر ہو البتہ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہو۔ (خصوصاً) جب کہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی دُور کر کے ہدایت کرسکتے ہیں۔ آپ تو اُن ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، وہی مان بھی لیتے ہیں اور جب ان پر وعدہ پورا ہوگا تو اُن کے لیے ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا۔ (اس لیے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔

ترکیب: اکثر یقص کا مفعول ھادی العمی علی الاضافۃ وبالتنوین والنصب علی اعمال اسم الفاعل عن ضلالتھم ھادی سے متعلق اور ممکن ہے العمی سے متعلق والمعنی ان العمی صدر عن ضلالتھم تکلمھم من الکلام او من الکلم اذ اقری تکلمھم ان الناس بالفتح ای تکلم ان الناس و بالکسر علی الاستیناف۔

تفسیر...... دلائلِ حقانیتِ قرآنِ مجید مبدء ومعاد میں کلام کر کے پھر نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بڑی کامل اور روشن دلیل قرآن مجید ہے، اس لیے سب سے پیشتر قرآن مجید کے ان کمالات کا ذکر کرتا ہے جو اس کے الہامی اور کلام الٰہی ہونے کے صاف شواہد ہیں از انجملہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ کہ اہلِ کتاب کو شرائع و حالاتِ انبیاء ودیگر امورِ دینی کو جاننے کا بڑا دعویٰ تھا اور اب بھی ان کے بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو کچھ عمدہ مطالب ہیں، ہمارے ہاں سے لیے گئے ہیں اور عرب کے لوگ بھی ان کو علوم کا سرچشمہ جانتے تھے اور آنحضرت ﷺ باوجودیکہ علومِ رسمیہ نہیں جانتے تھے، لکھے پڑھے نہ تھے، پھر حضرت ﷺ پر وہ قرآن مجید نازل ہونا جو يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل کو بھی اُن مواقع میں (کہ جہاں وہ خود گردابِ اختلافِ باہمی میں غوطے کھا رہے ہیں اور ترددات گوناگوں اور شکوک وشبہاتِ بوقلموں میں گرفتار ہیں) رہنمائی کرتا ہے اور جو ٹھیک اور صحیح بات ہو وہی نپی تلی بتلا رہا ہے، اس کے الہامی ہونے کی صاف دلیل ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ جو قوم علوم کا سرچشمہ خیال کی جاتی تھی، جب قرآن اُن کو صحیح بات بتلاتا ہے تو بجز اس کے اور کیا خیال ہوسکتا ہے کہ قرآن اُس کا کلام ہے کہ جو تمام جاننے والوں سے زیادہ اور صحیح بات جاننے والا ہو اور وہ بجز اس کے اور کون ہے، پس قرآن اُسی کا کلام ہے۔

وہ مواقع کہ جہاں قرآن نے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا ہے: اب بطور نظیر کے میں چند وہ مقامات بتلاتا ہوں کہ جہاں قرآن مجید نے علماءِ بنی اسرائیل اور اُن کی کتب مقدسہ تورات وانا جیل کو اُن کی اغلاط فاحشہ پر متنبہ کیا ہے: (۱) خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے باب میں بہت سی غلطیاں ان میں تھیں، جن کی قرآن مجید نے اصلاح کی۔ اول یہ کہ تورات موجودہ میں ہے کہ خدا نے چھ روز میں آسمان وزمین کو بنایا اور ساتویں روز آرام کیا، حالانکہ یہ غلط بات ہے کیونکہ خدا تھکتا نہیں جو آرام کرے، اس لیے قرآن میں فرماتا ہے، وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کہ ہم کو آسمانوں اور زمین کے بنانے میں تکان نہیں ہوا۔ دوم یہ کہ توریت سفر پیدائش اول باب کے ۲۶ درس میں ہے، تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنادیں، حالانکہ خدا کا کوئی مانند نہیں ہوسکتا اور نہ اس کی کوئی صورت وشکل ہے۔ یہ باتیں جسمانی چیزوں کے لیے ہوتی ہیں، اس لیے قرآن نے اصلاح کردی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کہ اُس کے مشابہ اور اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ سوم حضرت آدم کے قصہ میں عجیب خلط ملط کیا ہے، سفر پیدائش کے باب میں لکھا ہے کہ خداوند نے عدن کے پورب طرف ایک باغ لگایا اور آدم کو وہاں رکھا اور اُس باغ کے بیچ میں ایک درخت لگایا جو حیات کا اور نیک وبد کی پہچان کا درخت تھا اور آدم کو اُس درخت سے

کھانے سے منع کر دیا۔ (بدیں خیال کہ ہمارے برابر نہ ہو جائے) اور پھر آدم نے اُس کو کھالیا تو اسی رشک و حسد میں آ کر باغ سے نکال دیا، جیسا کہ اسی سفر کے ۳ باب کے ۲۴ جملہ میں ہے اور خداوند خدا نے کہا دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔[1] اور اب ایسا نہ ہو کہ ہاتھ بڑھادے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ کھاوے اور ہمیشہ جیتا رہے، اس لیے خداوند نے اُس کو باغ عدن سے باہر کر دیا۔ اس قصہ کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کس خوبی کے ساتھ صحیح بیان کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے، پھر اسی سفر کے باب ۶ درس ۵۔۶ میں ہے، تب خداوند زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو کیا نا عاقبت اندیش اور جاہل[2] سمجھا۔ پھر کتاب خروج کے باب ۱۶ اور باب ۲۹ اور کتاب احبار کے باب ۲۶ دیگر مقامات میں ہے کہ خدا تعالیٰ بدلی میں اُترا اور خیمہ کے دروازہ پر کھڑا رہا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور وہ ایک کروبی پر سوار ہو کر اُڑا اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کے ساتھ میں خدا کو کرسی پر بیٹھے دیکھا اور کھایا اور پیا اور اُس کا لباس برف سا سفید اور اُس کے سر کے بال صاف اور ستھرے اُون کی مانند تھے اور نیز کتاب خروج کے باب ۲۰ درس ۵ اور باب ۳۴ درس ۷ اور کتاب یرمیاہ کے باب ۳۲ درس ۱۸ میں تصریح ہے کہ خدا تعالیٰ باپ دادوں کے گناہ کی سزا ان کی تیسری چوتھی پشت کو دیتا ہے۔ اس کا بھی خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فیصلہ کر دیا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کہ کوئی شخص کسی کا گناہ نہیں اُٹھاتا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اس کی نیکی بدی اُسی کے لیے ہے۔ (۲) ملائکہ کی بابت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بابت زنا کاری، بت پرستی، شراب خوری، دغا بازی، قتل وغیرہ کی سینکڑوں تہمتیں ان کی توریت و انا جیل[3] میں ہیں، چنانچہ انجیل میں مسیح علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ مجھ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے تھے چور و قزاق تھے۔ ان سب باتوں سے قرآن مجید میں انبیاء کو پاک اور مبرا بتلایا۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (۳) تاریخی واقعات میں سینکڑوں غلطیاں ہیں اور طرزِ بیان میں بدعنوانیاں ہیں کہ جن کو حسبِ موقع قرآن مجید نے درست کیا اور ٹھیک ٹھاک بات کو بتلا دیا۔

(۴) خود یہودیوں میں صدوقی اور فریسی وغیرہ کئی فرقے تھے، اس سبب سے کہ جب بارِ دیگر توریت بنائی گئی تو اس میں آخرت کا کچھ حال نہ لکھا گیا۔ صدوقی فرقہ آخرت کا منکر ہو گیا اور باہم بڑی قیل و قال جوتم پیزار ہوا کرتی تھی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہت صاف صاف بیان فرما دیا۔ (۵) باہم عیسائیوں کے فرقوں میں سخت اختلافات تھے۔ یعقوب حواری کہتے تھے کہ بغیر عمل کئے ایمان معتبر نہیں، جیسا کہ ان کے خط میں مذکور ہے برخلاف اس کے پولوس شریعت کی پابندی کو لعنت اور خدا کی ناراضی کا سبب بتلاتا تھا، جیسا کہ اس کے نامجات میں متعدد جگہ مذکور ہے اور اسی قسم کے صدہا اختلافات ہیں کہ جن کی قرآن مجید نے اصلاح کی اگر ہر ایک کو مفصل بیان کروں تو ایک دفتر کی حاجت پڑے، انشاء اللہ اگر فرصت ملی تو اسی ایک آیۃ کی تفسیر ایک ضخیم کتاب میں لکھوں۔

ازانجملہ یہ کہ قرآن ھدی و رحمة المومنین کہ قرآن ایمانداروں کے لیے ہدایت ہے، مبداء و معاد علم اخلاق و احکام قتل و قصاص و نماز و روزہ وغیرہا میں سے کوئی بات اس نے باقی نہیں چھوڑی اور دوسرا لطف یہ ہے کہ یہ رحمت بھی ہے، یعنی احکام میں جو سختیاں پہلے تھیں سب دور کر دی گئیں، سہولت کے لباس سے شریعت کو ملبوس کر دیا گیا۔ پھر ایسی کتاب دنیا میں کسی نبی کے بھی ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوئی، چہ جائیکہ اُمی کے ہاتھ پر ظاہر ہو، پھر اس کے الہامی اور اس کے خاتم النبیین ہونے میں کون سا شک ہے؟ پھر اُس پہلی بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ کہ ان کے باہمی اختلاف میں تیرا رب اپنے حکم سے فیصلہ کرتا ہے، نہ ان کی

---

[1] معلوم ہو کہ کئی خدا تھے۔ ۱۲ منہ

[2] ان سب باتوں کو آیاتِ تنزیہات رد کرتی ہیں۔

[3] انجیل یوحنا ۱۰ باب۔ ۱۲ منہ

خواہش اور رائے سے کیونکہ وہ زبردست ہے، کسی سے نہیں دبتا اور خبردار ہے ہر ایک بات اُس کو ٹھیک معلوم ہے، اے نبی فتوکل علی اللہ اللہ پر بھروسہ، رکھو جو فریق فیصلۂ الٰہی سے ناخوش ہوگا تو آپ کا کیا کرے گا؟ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ آپ تو صاف حق پر ہیں اور حق کا حامی اللہ ہے۔ ان دلائل کے بعد عرب کے ہٹ دھرم کفار کی نسبت فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الخ کہ یہ تو بوجہ نہ ہونے حسِ باطنی کے مردہ ہیں اور آپ مردوں اور بہروں کے سنانے کے لیے نہیں آئے ہو نہ تم ازلی اندھوں کو ہدایت کرنے آئے ہو، آپ تو انہی کو سنانے اور ہدایت کرنے آئے ہو کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت بھی ہے۔ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا سے یہی مراد ہے، اس آیت سے یہ ثابت کرتا ہے کہ مردے زندوں کی بات سن سکتے ہیں یا نہیں؟ تکلیف ہے اس کو اس مسئلہ سے کچھ بھی علاقہ نہیں کیونکہ موتیٰ سے مراد یہاں کفار ہیں۔

دابۃ الارض: وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ الخ یہ قرآن مجید کے لیے ایک اور دلیل ہے جس میں قریبِ قیامت ایک دابۃ یعنی جانور کے نکلنے اور کفار سے کلام کرنے کا ذکر ہے اور نیز اب یہاں سے پھر قیامت کا حال شروع کرتا ہے اور قیامت سے پیشتر اس کی بڑی علامت بیان فرماتا ہے کہ اِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ جب بات پوری ہو جائے گی یعنی ان کے گناہوں کا اخیر الزام قائم ہونے کا وقت آئے گا تو اس سے پہلے ہم لوگوں کے لیے زمین سے ایک ایسا جانور یا چارپایہ نکالیں گے کہ جو لوگوں سے کلام کرے گا، اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے، سو اب دیکھو خدا کی عجیب وغریب نشانی ظاہر ہوئی مگر اب کیا ہوتا ہے یا معنی کہ لوگوں سے وہ دابہ یہ کہے گا کہ یہ لوگ ہماری یعنی اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے یعنی ان پر الزام قائم کرے گا۔

دابۃ الارض: مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے، قیامت کی اول نشانیوں میں سے آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا اور دابۃ الارض کا لوگوں پر دن چڑھے ظاہر ہونا ہے اور ان میں سے جو کوئی پہلے ہو تو دوسری علامت اُس کے ساتھ ہی ساتھ ہوگی اور بھی احادیثِ صحیحہ میں اس کا ذکر آیا ہے، قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے صرف قریبِ قیامت کے ایک دابہ کا نکلنا ثابت ہوتا ہے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قدرتِ الٰہی کا نمونہ ہوگا، اب قرآن میں یہ نہیں کہ وہ دابۃ الارض کس شکل کا ہوگا، کوئی چارپایہ ہوگا یا دو پاؤں کا ہوگا۔ انسان کی صورت ہوگی یا کسی اور چیز کی؟ یہ باتیں علماء نے ثابت کی ہیں۔ معالم التنزیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ایسا جانور نہ ہوگا کہ جس کے دم ہو بلکہ ڈاڑھی ہوگی مراد آپ کی یہ کہ وہ ایک انسان ہوگا۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ جانور ہوگا کہ جو کوہِ صفاء کے زلزلہ آنے کے بعد اس کی کسی کھوہ میں سے نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا اور اُس کا عام چرچا ہوگا۔ دابۃ الارض کی حقیقت بوجہ اختلافِ اقوالِ علماءِ اسلام معلوم نہیں، مگر قربِ قیامت میں کوئی زمین پر چلنے والی چیز ایسی نمودار ہوگی کہ جو قدرتِ الٰہی کا نمونہ ہوگی۔ اب خواہ وہ کوئی انسان ہو جو ملک میں دورہ کر کے قدرت کے آثار دکھائے یا کوئی عجیب وغریب جانور ہو جو لوگوں سے باتیں کرے اور مشرکین اور منکرین کو الزام دے والعلم عند اللہ آمنا باللہ۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور (اس دن کو یاد دلاؤ) جس دن کہ ہر جماعت میں سے ان لوگوں کو جمع کریں گے کہ جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ سب صف بستہ کھڑے کردیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب سب حاضر ہوچکیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا، حالانکہ تم ان کو سمجھے بھی نہ تھے یا کیا کیا کرتے تھے اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہوجائے گا، پھر وہ بات بھی نہ کرسکیں گے، کیا انہوں نے دیکھا کہ ہم نے ان کے سکون کے لیے رات کو اور دیکھنے کے لیے دن کو بنایا ہے۔ البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں اور جس روز کہ صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے، سب ہی تو گھبرا اُٹھیں گے، مگر وہ کہ جس کو اللہ چاہے اور سب اُس کے پاس سرنگوں ہو کر چلے آویں گے اور اے مخاطب! تو جو پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھ رہا ہے یہ تو بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، اُس اللہ کی کاریگری سے کہ جس نے ہر شے کو ٹھیک کردیا۔ بے شک وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جو کوئی نیکی لاوے گا، سو اُس کو اُس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ لوگ اُس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں ہوں گے اور جو بدی لے کر آئیں گے سو وہ منہ کے بل آگ میں ڈالے جائیں گے۔ (کہا جاوے گا) تم کو وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ (اے نبی! کہہ دو) مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اُس رب کی عبادت کیا کروں کہ جس نے اُس کو محترم کیا ہے اور سب کچھ اسی کا ہے اور مجھے یہ بھی حکم ہوا کہ میں فرمانبردار ہو کر رہوں اور یہ بھی کہ قرآن سنایا کروں، پھر جو کوئی راہ پر آگیا تو وہ اپنے بھلے کو راہ پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو کہ بس میں بھی ڈرانے والوں میں سے ہوں اور کہو الحمدللہ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا، تم ان کو پہچان لوگے اور آپ کا رب اُن کے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔

ترکیب: یوم منصوب ہے اذکر محذوف سے من کل امة من تبعیض کے لیے ممن یکذب بیان ہے، فوجا مفعول نحشر کا ولم تحیطوا جملہ حال کے لیے ای کذبتم بھا بادی الرای غیر ناظرین فیھا نظر تعلق اما ذا ام ای شی کنتم تعلمونہ تحسبھا جملہ حال ہے، جبال سے یا ضمیر تری سے وھی تمر حال ہے، ضمیر منصوب سے جو تحسبھا میں ہے، ای تمر مرا مثل مر السحاب صنع اللہ مصدر مؤکد لنفسہ وھو مضمون الجملة المنقدمة کقولہ تعالیٰ وعد اللہ۔ وان اتلوا معطوف ہے ان اکون پر۔

علامتِ قیامت کے بعد حشر کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا کہ قیامت کے روز ہم ان لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ ہر ایک جماعت کو جمع کر کے پوچھیں گے کہ تم نے بے سمجھے بوجھے میری آیتوں کو کیوں جھٹلایا؟ ان کو وہاں کچھ جواب نہ آئے گا۔ اولم یروا الخ یہ منکرین کے لیے الزام دیا جاتا ہے کہ دُنیا میں ہم نے اپنی قدرت و کمال کے بہت سے نشان دکھائے

تھے۔ منجملہ اُن کے رات اور دن تھے جو کسی سے بھی مخفی نہ تھے، ان میں ہماری قدرت اور یکتائی کے بہت سے نمونہ تھے۔ اول یہ کہ زمانہ یعنی رات دن بھی کسی کے قبضۂ قدرت میں تھے جن میں جس طرح چاہتا ہے صرف کرتا ہے۔ زمانہ کا اور چیزوں پر اثر ہے۔ بڑھاپا' جوانی زمانے کے آثار ہیں مگر زمانہ اُسی کے بس میں ہے، برخلاف ان کے معبودوں کے کہ وہ زمانے کے بس میں ہیں۔ دوم یہ کہ دن اور رات قیامت اور فنا کا نمونہ ہے۔ رات کو سناٹا ہوتا ہے۔ دوست دشمن سب دوسرے عالم بے خودی میں ہوتے ہیں، پھر صبح ہوتے ہی بیدار اور شور وغل برپا ہو جاتا ہے۔ سوم یہ کہ رات میں ظلمت دن میں نور ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ دُنیا ظلمت کدہ ہے۔ شہوات کی اندھیریاں محیط ہیں، نیک و بد کچھ نہیں معلوم ہوتا صبح قیامت میں سب روشن ہو جائے گا اور اگر کچھ بھی نہ سمجھا تھا تو ادنیٰ بات یہ تو جانتے تھے کہ رات میں آرام اور دن میں کام ہوتا ہے، یہ کس کی طرف سے نشان ہیں۔ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ الخ یہاں سے پھر حشر اور اس کی ابتداء تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتا ہے، کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل خوب دل میں جم جاتی ہے۔ صور پھونکنے کا آلہ ترئی یا بگل کی مانند ہے۔ قیامت کی ابتداء یہیں سے ہوگی کہ اسرافیل فرشتہ اس کو منہ سے لگا کر بجا دے گا۔ اس کی آواز اس شدت کی ہوگی کہ اول حیوانات مر جائیں گے، پھر نباتات فنا ہوں گے، پھر جمادات اور اس کی ہیبت ناک آواز سے آسمان و زمین کے سب لوگ گھبرا اُٹھیں گے، مگر جن کو اللہ چاہے گا نہ گھبرائیں گے، وہ کون لوگ ہوں گے بعض کہتے ہیں ملائکہ حوران جنت بعض کہتے ہیں۔ اہل اللہ انبیاء اولیاء و شہداء حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی انہی میں ہوں گے وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ اور سب اللہ کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے، یہ جب ہوگا کہ مر کر زندہ کرنے کے لیے دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ اس لیے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ سے دوسری بار کا صور مراد ہے اور پہلے صور کا اثر ظاہر کرنے کے لیے یہ جملہ ہے۔ وَتَرَى الْجِبَالَ کہ یہ پہاڑ جو تم کو جمے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، اس پر جو وہم ہو کہ یہ کیونکر ہوگا تو فرماتا ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الخ کہ یہ کام اسی اللہ کا ہوگا کہ جس نے ہر شے کو مستحکم کیا ہے، پس جو مستحکم کرنا جانتا ہے وہ اس کو اُکھیڑنا بھی جانتا ہے، اُس کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔ یہ تمہید ہے، میدانِ حشر کے بیان کی۔ اس لیے فرماتا ہے کہ اُس روز اس قانون پر عمل ہوگا، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الخ کہ جو کوئی نیکی لے کر آوے گا (ایمان و عمل نیک) وہ اس کا اس سے بہتر بدلہ پاوے گا اور اس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں رہے گا اور جو برائی لے کر آوے گا کفر و شرک تو جہنم میں ڈال دیا جاوے گا۔ فرشتے کہیں گے یہ تمہارے عمل بد کی سزا ہے اور کچھ نہیں۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الخ مبدء و معاد و نبوت میں کلام کر کے سورہ کو کس عمدہ خاتمہ پر تمام کرتا ہے جو تمام اگلے مضمون کا خلاصہ ہے۔ اول یہ کہ لوگوں کو کہہ دو کہ مجھ کو صرف اس شہر کے رب کی عبادت کا حکم ہوا ہے۔ یعنی مکہ کے رب کی، صرف اللہ کی عبادت پر مامور ہوں توحید خالص میرا وظیفہ ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ صرف مکہ کا رب ہے، بلکہ تمام شہروں کا اور کل مخلوقات کا لیکن هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کہنے سے قریش کو انفعال دلانا مقصود تھا کہ وہ رب کہ جس نے تمہارے اس شہر کو متبرک کیا' حرمت دی' جس کی بدولت تم عرب کی مار دھاڑ سے امن میں ہو اور اسی پر کیا منحصر ہے وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اس کی اور بہت خوبیاں ہیں اور ہر شے اُس کے قبضہ میں ہے، پس وہی پرستش کے قابل ہے۔ دوم اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کہ توحید کے بعد خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری نیک باتوں کا بجالانا' بری باتوں سے بچنا یہی میرا فرض ہے۔ سوم وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ کہ تم کو قرآن سناؤں' تبلیغ احکام کروں، پھر جو ہدایت پر آوے گا اپنا بھلا کرے گا نہ مانے گا اپنا برا کرے گا۔ اس ترتیب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ اسی کا کام ہے جو خود توحید اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہو، اُسی کی بات اثر بھی کرتی ہے۔ پھر اس خاتمہ کو کس عمدہ جملہ سے تمام کرتا ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں، وہ تم کو اپنی وہ نشانیاں بھی دکھاتا ہے جس کی تم کو جلدی ہے، سو ان کو پہچان لو گے، چنانچہ بدر اور قحط کا دخان دیکھ لیا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں، ہر ایک عمل کا بدلہ دے گا۔ ولہ الحمد اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ المصطفین الاخیار خصوصاً علی محمد سید الابرار والا لاطہار واصحابہ الاخیار فقط۔

❀❀❀

حاشیہ ۳۳۷ متعلق بآیت و انہ لفی زبر الاولین

انہ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف بھی پھرتی ہے اور قرآن مجید کی طرف بھی۔ شق ثانی کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ قرآن یعنی اس کے مطالب بھی انوکھے نہیں اولین کے کتب کے موافق ہیں، ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ باستثناء اُن مواضع کے جہاں کتب اولین میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ اگر اس مطابقت کے لیے میں نظائر پیش کروں تو یہ تمام کتاب بھی بس نہ کرے، جو شخص قرآن مجید اور کتبِ سابقہ کو دیکھے گا اس بات کی پوری تصدیق کرے گا۔ عجب مشکل بات ہے، مخالف کے ہاتھ سے نجات نہیں اگر قرآن مجید کتبِ سابقہ کے مطابق ظاہر کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں اُن سے لیا گیا ہے، حالانکہ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اُمی تھے اور اُن کے ہاں بھی عرب میں کوئی کتب خانہ سابقہ کا نہ تھا، پھر کس نے وہاں سے نقل کیا اور کب کیا اور کس کی معرفت کیا؟ اسی شبہ کی بنیاد پر ایک پادری صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جو اُن باتوں کو دکھایا جاتا ہے کہ جہاں قرآن مجید نے ان کی غلط باتوں کو چھوڑ کر صحیح بات ذکر کی ہے تو کہتے ہیں لو صاحب قرآن کتبِ سابقہ کے خلاف کر رہا ہے۔

اول شق پر بھی معنی صاف ہیں، کیونکہ اب کتبِ سابقہ بلا تحریف میسر نہیں آتیں، ان کے اہلِ مذاہب نے اپنی خود غرضیوں سے بھی ان میں ایسی تحریف و تبدیل کی ہے کہ کچھ کا کچھ کر دکھایا، اس بات کو علماءِ اسلام نے کتبِ مناظرات میں بڑی خوبی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے، مگر تاہم اُن میں اب بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے دینِ متین کی بابت اس قدر بشارتیں پائی جاتی ہیں کہ اتنی اور کسی کے لیے نہیں پائی جاتیں۔ اس مقام پر بطور نظیر کے چند بشارات مختصراً نقل کرتا ہوں مفصلاً کتب مناظرات میں ہیں، وہاں دیکھو۔ (۱) توریت سفر استثنیٰ کے اٹھارہویں باب میں ۱۸ ورس یہ ہے، میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) ان کے بھائیوں میں سے (بنی اسماعیل میں سے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے بھائی ہیں) اے موسیٰ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ انتہٰی اس خبر کا مصداق نہ تو حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں جیسا کہ علماءِ یہود کہتے ہیں، کیونکہ وہ خود موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔ کتاب و شریعتِ جدید ان کے پاس نہ تھی، نہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ باعتقادِ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کبھی خدا کے بیٹے، کبھی خدا کے ٹکڑے بحکمِ تثلیث تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انسان تھے۔ خدا اور انسان میں کوئی بھی مماثلت نہیں اور نیز عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام باپ سے پیدا ہوئے تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مانند ہے نہ ان کا طرزِ نبوت اُن کے طرزِ نبوت سے ملتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت حکومت و شوکت کے ساتھ تھی برخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام کے عہد تک اس بشارت کے بموجب لوگوں کو اس نبی کا انتظار تھا اور یہ نبی موعود ان میں نہایت مشہور تھا، چنانچہ انجیل یوحنا کے اول باب میں ہے کہ لوگوں نے یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا تو الیاس ہے کیا تو مسیح ہے یا وہ نبی ہے۔ وہ نبی سے اشارہ ان کا اسی نبیِ موعود کی طرف تھا جس کو مسیح اور الیاس کے غیر سمجھتے تھے۔ رہی یہ بات کہ بعض حواریوں نے یہود کے مقابلہ میں اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ کو قرار دیا ہے، جیسا کہ کتاب اعمال سے پایا جاتا ہے تو یہ استدلال ہم پر کوئی عجب نہیں البتہ آنحضرت ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی مماثلت خود کہے دیتی ہے کہ اس کے مصداق آنحضرت ﷺ ہیں۔ آنحضرت ﷺ والدین سے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے رہا کیا۔ آنحضرت ﷺ نے عرب کو غیر قوموں کی حکومت سے ابد تک رہائی دی، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع ایک غیر شخص ان کا جانشین ہوا، اس طرح حضرت کے بعد

---

۱ بعد اس پیشین گوئی کے عرب کے ان پہاڑوں سے خدا کے آنے اور جلوہ گر ہونے کی بجز اس کے کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور مراد لیا جائے اور کوئی معنی قائم نہیں ہو سکتے کہ کہ شعیر مدینہ سے ملا ہوا پہاڑ ہے اور فاران مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں سردار ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طہارت، نجاست، حلت وحرمت، قصاص وغیرہ کے متعلق احکام تھے، اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی ہیں اور بہت سی باتیں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر علماءِ یہود بھی قائل تھے، ہاں الفتِ جاہ ومال سے بعض نے دینِ اسلام قبول نہ کیا، بعض نے کیا منجملہ ان کے مخیریق تھا جو جنگ احد میں شریک ہوا اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲) یشعیا نبی علیہ السلام کی کتاب میں جواب تک اہلِ کتاب کے نزدیک کلامِ الٰہی مانی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کا نہایت صراحت کے ساتھ ذکر ہے، چنانچہ اس کے ساٹھویں باب کے یہ جملے ہیں۔ اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے (یہ طلوعِ خداوندی اس پیشین گوئی کے بعد بجز قومِ عرب کے اور کسی پر اب تک نہیں ہوا) اور اسی طلوعِ خداوندی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد ہوا تھا، جیسا کہ توریت سفرِ استثنیٰ کے تینتیسویں باب میں ہے۔ جس کے یہ جملہ ہیں اور اسے کہا کہ خداوند سینا[1] سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لیے تھی۔ کوہِ سینا سے خدا تعالیٰ کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمانا اور توریت عطا کرنا مراد ہے، اب رہا کوہِ شعیر اور کوہِ فاران سے آنا جو عرب کے پہاڑوں کے نام ہیں اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنا یہ بجز اسی طلوعِ خداوندی کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے عرب پر ہوا اور فتح مکہ میں دس ہزار پاکباز تھے اور یوں بھی بدر وغیرہ میں ملائکہ کے لشکر مدد کو آئے اور ملائکہ قدوسی ہیں۔ یہ بات اور کسی پر صادق نہیں آتی۔ اشعیا نبی کے کلام میں تصریح ہے کہ اس وقت تمام قوموں پر ظلمت ہوگی اور دیگر قومیں اس باخدا جماعت کی روشنی میں آئیں گی اور شاہان اس کی تجلی میں آویں گے۔ یہ بات بھی بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اور کسی پر صادق نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تمام عالم پر تاریکی چھائی ہوئی تھی، غیر قومیں آپ کی روشنی میں آئیں، شاہان مطیعِ اسلام ہوئے، پھر آگے اور بھی تصریح ہے، کثرت سے اُونٹ آکے تجھے چھالیں گے (یہ شہر یروشلم کی طرف خطاب ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اہلِ اسلام نے اُونٹوں پر سوار ہو کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا) مدیان اور عیفہ کے جوان اُونٹ وہ جو سب سباء کے ہیں آویں گے۔ (سباء سے قبائلِ یمن مراد ہیں۔ بنو حمیر وغیرہ اس غزوہ میں وہی پیشتر شریک تھے) وے سونا اور لبان لاویں گے اور خداوند کی تعریف کی بشارتیں سنائیں گے۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جاویں گے۔ قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام ہے جس کی نسل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے قبائلِ عرب ہیں۔ ان سب کا جمع ہونا اور خدا کی منظوری کے لیے مذبح پر چڑھایا جانا یعنی شہید ہونا۔ بتلائیں، بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کس پر صادق آتا ہے؟ پھر آگے چل کر اس شہر اور ہیکل کا تعمیر کرنا اور بیت المقدس کی خدمت کرتے رہنا مذکور ہے۔ اب وہ کون سی قوم ہے جس نے طیطس کے ڈھائے ہوئے ہیکل اور یروشلم کی تعمیر کی اور اس کے بادشاہوں نے اس کی خدمت گزاری کی اور وہاں امن قائم کیا؟ یہ بجز اسلامیوں کے اور کس پر صادق آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کی پھر بعد میں شاہانِ اسلام اس کے اب تک خدمت گزار رہے، وہاں جب سے یہود کو امن ہو گیا۔

---

[1] بعد اس پیشین گوئی کے عرب کے ان پہاڑوں سے خدا کے آنے اور جلوہ گر ہونے کی بجز اس کے کہ آنحضرت کا ظہور مراد لیا جاوے اور کوئی معنی قائم نہیں ہوسکتے کہ وہ شہر مدینہ سے ملا ہوا پہاڑ ہے اور فاران مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا۔ ۱۲ منہ

پھر ۶۱ باب میں یہ ہے تب وے پرانے اجاڑ مکانوں کو تعمیر کریں گے۔ الخ اور انہیں دائمی شادمانی ہوگی۔ الخ اور ان کے ساتھ ایک ابدی عہد باندھوں گا اور ان کی نسل قوموں کے درمیان نامور ہوگی اور ان کی اولاد امتوں کے درمیان سب جو انہیں دیکھیں گے، اقرار کریں گے کہ یہ وہ نسل ہے جسے خداوند نے مبارک کیا ہے۔ عہدِ ابدی مسلمانوں سے باندھا گیا، اب تک یروشلم کے قابض ہیں اور شام کی سرزمین کے بھی پھر ۶۲ باب میں یروشلم کا نئے نام سے نامزد ہونا اور اس کی تعمیر کرنے والی قوم کا اس کو محترم جاننا مذکور ہے۔ اُجڑے ہوئے یروشلم کو محترم جان کر بجز مسلمانوں کے اور کس نے تعمیر کیا ہے؟ اور انہی کے عہد میں اس کا نیا نام بیت المقدس مشہور ہوا۔ پھر ۶۵ باب میں مسلمانوں کا یروشلم پر قبضہ پانا اور ان کا خدا کے نزدیک مبارک ہونا صراحتاً مذکور ہے، کیونکہ اس میں نئی قوم سے ابدی عہد باندھنا منظور ہے۔ پھر ۶۶ باب میں ان لڑائیوں کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیت المقدس کی بابت ہوئیں اور انجام مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ قولہ خداوند کی بات سنو اے تم جو اس کے کلام کے سبب کانپتے ہو (یعنی مسلمان جن کی نسبت آیا ہے۔ تَقْشَعِرُّ جُلُوْدُهُمْ) تمہارے بھائی جو تم سے کینہ رکھتے۔ (عیسائی لوگ) جو بہ نسبت اور قوموں کے مسلمانوں کے بھائی ہیں، کینہ بھی[1] رکھتے تھے اور میرے نام کے واسطے تمہیں خارج کردیتے ہیں، کہتے ہیں خداوند کی تمجید کی جائے گی۔ (عیسائی مسلمانوں سے دین کی لڑائی سمجھ کر لڑتے تھے کہ یہ برے لوگ خانۂ خدا کے کیوں مالک ہوگئے؟ آخر ایک بار غالب آکر مسلمانوں کو وہاں سے خارج کردیا۔ ستر برس کے قریب تک مسلمان خارج رہے پر وہ (اللہ) تمہاری خوشی کے لیے دکھائی دے گا اور پشیمان ہوں گے۔ شہر کی طرف سے غلغلے کی آواز اور ہیکل کی طرف سے بھی آواز یہ خداوند کی آواز ہے جو اپنے دشمنوں کو بدلہ دیتا[2] ہو۔ (پھر ایک جرار لشکر کے ساتھ صلاح الدین یوسف شاہ مصر نے بیت المقدس پر چاروں طرف سے حملہ کیا اور ہر طرف سے تکبیروں کے نعرے بلند تھے، جس سے خدا کے دشمن مغلوب ہو کر نکلے اور بھاگ گئے۔ شہر فتح ہوا جھنڈا کھڑا کیا گیا۔ ہزاروں دشمنِ خدا مارے گئے، پھر ۶۴ درس سے اخیر تک اور بھی تصریح ہے، اس کے سوا کتابِ دانیال اور زبور حضرت داؤد میں اور انجیل میں اور ان کی دیگر کتبِ مسلمہ میں کہیں بالا جمال کہیں بالتفصیل آنحضرت ﷺ کی بکثرت بشارتیں موجود ہیں جن کو غور کر کے بہت سے خدا ترس اہلِ کتاب حضرت پر ایمان لائے اور لاتے ہیں اور جن کے دلوں پر خدا تعالیٰ نے مہر کردی ہے، وہ کبھی نہیں مانتے سینکڑوں حجتیں پیش کیے جاتے ہیں۔ واللہ الہادی۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لہ۔

---

[1] خصوصاً حربِ صلیب کے وقت کہ کئی سو برس تک فرنگستان کے عیسائی حملہ کر کے مسلمانوں پر آئے۔

[2] یہاں سے معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب دشمن خدا ہے۔ ۱۲ منہ

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین
تفسیر فتح المنان
المشہور بہ
تفسیر حقانی
مع مقدمہ
عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبدالحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حصہ ششم
الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

الجلد السادس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی، ہم آپ کو ایمانداروں کے فائدہ کے لیے موسیٰ اور فرعون کا کچھ صحیح حال سناتے ہیں، البتہ فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر ڈالے تھے، اُن میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا کہ اُن کے لڑکوں کو مروا ڈالتا تھا اور لڑکیوں کو جیتا رکھتا تھا، البتہ وہ مفسدوں کا مفسد تھا اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جو ملک میں کمزور کئے گئے تھے، اُن پر احسان کریں اور اُن کو سردار بنادیں اور ان کو وارث کریں۔ (ملک شام کا) اور ان کو ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور اُن کی فوج کو وہ چیز دکھادیں کہ جس کا وہ خطرہ کرتے تھے۔

ترکیب : نتلوا کا مفعول محذوف ای شیئاً من نباء اس کی صفت جو اس پر دال ہے۔ اخفش کے نزدیک من زائد تب یہ نباء موسیٰ مفعول ہے، بالحق حال ہے نباء سے۔ نتلوا کے فاعل سے بھی حال ہوسکتا ہے۔ ای نتلوا متلبساً بالحق لقوم لام نتلوا سے متعلق ونری معطوف ہے، نمکن پر اور وہ اور نجعل لمن پر اَنْ کے نیچے فِرْعَوْنَ هَامَانُ وَ جُنُوْدَهُمَا نری کا اول مفعول مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ مفعول دوم منهم نُرِیَ سے متعلق اور بعض کہتے ہیں يَحْذَرُوْنَ سے وفیہ مافیہ لان الصلۃ لاتتقدم علی الموصول۔

تفسیر : اس سے پہلے سورۂ نمل کے خاتمہ میں یہ کہا وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ کہ مجھے قرآن سنانے کا حکم ہوا ہے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس لیے اس سورۃ کا ابتداء طسم حروف مقطعات سے کر کے جن میں ط سے طور اور س سے موسیٰ علیہ السلام اور م سے محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح کوہ طور پر ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی، اسی طرح مکہ میں محمد ﷺ پر تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ سے کلام شروع کیا کہ قرآن کتاب واضح ہے، اس کی یہ آیتیں ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ کتاب اپنی صداقت پر آپ گواہی دے رہی ہے۔ جیسا کہ آفتاب اپنے وجود کی آپ دلیل ہے، مبین یعنی ظاہر ہونے کے سبب۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ الخ سے اسی مناسبت سے موسیٰ اور فرعون کا حال شروع کیا کہ فرعون نے اپنی دولت و سلطنت کے غرور میں بنی اسرائیل کو پریشان کر رکھا تھا۔ شیعاً فرقاً یشیعو نہ علی مایرید و یطیعونہ وجعلھم اصنافًا فی استخدامہ فمن بان و حارث (نیشاپوری) یعنی مصر کے لوگوں کے مختلف گروہ کر دیے تھے، اپنی قوم قبط کو تو معزز خدمات پر کر رکھا تھا اور بنی اسرائیل کو محنت و ذلت میں ڈال دیا تھا، پھر ان میں بھی مختلف گروہ تھے، کوئی معماری پر کوئی کھیتی پر مامور تھا۔ يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ شِيَعًا کی تفصیل ہے اور ان کے جدا جدا گروہ کر دینے اور باہم پھوٹ ڈالنے کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے، تاکہ باہمی پھوٹ اور نفاق

سے اُن کا زور جاتا رہے اور ہمیشہ غلامی میں رہیں و مزید یہ ہے اُس کی تفصیل ہے کہ ان کے لڑکوں کو قتل کرڈالتا تھا، تا کہ ان کی نسل نہ بڑھے یا اس خوف ہے کہ کسی نجومی نے ان میں موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی، لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا کہ ان سے کچھ خوف نہیں اور تا کہ ان کی عورتوں کو اپنے کام میں لائیں، جس سے اُن کی اور بھی ذلت تھی۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ یعنی وہ بڑا شریر تھا، و نرید اور ہم کو یہ مقصود تھا کہ ان غریبوں پر احسان کریں اور ان کو ائمہ یعنی سردار بنادیں بادشاہ یا ہادیِ دین اور وارث یعنی ملک شام کا مالک اور قابض کریں اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان کو ان کے داؤ کو غلط کر دکھائیں اور جس بات سے وہ ڈرتے تھے کہ یہ لوگ کہیں آزاد ہو کر ترقی نہ کر جائیں وہی ان کے سامنے لاویں۔ اس کلام سے یہ مطلب کہ جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو مصیبت سے رہا کرنے کو موسیٰ بھیجا تھا، اسی طرح اے لوگو! تمہاری بہتری[۲] کو حضرت محمد ﷺ کو قرآن دے کر بھیجا اور جس طرح تکبر سے فرعون نہ مانا ہلاک ہوا خدا کے ارادہ کو نہ روک سکا، اسی طرح تم سے پیش آئے گا۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷﴾ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤی اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اُس کو دودھ پلا، پھر جب تجھے اُس کا خوف ہو تو اُس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف اور غم نہ کرنا، کیونکہ ہم اس کو تیرے پاس واپس پہنچادیں گے اور اس کو رسولوں میں سے ایک رسول بنائیں گے، پھر اس کو فرعون کے خاندان والوں نے دریا سے اُٹھالیا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور رنج

---

۱ یعنی یستضعف کی ۱۲۔

۲ عرب نہ صرف جہالت و گمراہی کے ظلمات میں مبتلا تھا بلکہ قوموں کی نظروں میں ذلیل بھی تھا قیصر و کسریٰ کے دبدبہ میں ماہوا تھا پس آنحضرت ﷺ نے نہ صرف ان کو ورطۂ ضلالت سے بچایا بلکہ ملکوں کا بادشاہ اور قوموں کا سردار بھی کردیا اور ابوجہل فرعون مکہ کا کچھ داؤ نہ چلا اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی انسان کو لازم ہے کہ مشیتِ الٰہی کا خلاف نہ کرے اور ارادۂ آسمانی کا مخالف نہ بنے ورنہ ہلاک ہوگا کیونکہ اللہ اپنی مخلوق پر ہمیشہ سے رحم کرتا آیا ہے۔ ۱۲ منہ

دینے والا بنے۔ بے شک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی بیوی نے کہا۔ یہ لڑکا میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو، شاید کہ وہ نفع دے یا اس کو ہم بیٹا بنالیویں اور اس انجام کی خبر نہ تھی (کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا) اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا، اس راز کو ظاہر ہی کر دیا ہوتا۔ اگر ہم اس کے دل کو صبر نہ دیتے تا کہ اس کو ہمارے وعدہ کا یقین رہے اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا، سو وہ اُس کو اجنبی بن کر دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے سے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا، سو اس کی بہن بولی کہو تو میں ایک ایسا گھرانہ بتاؤں کہ جو اس کی پرورش کرے اور وہ اس کے دردمند بھی ہوں۔ پس میں نے موسیٰ کو اُس کی ماں کے پاس پہنچا دیا کہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، وہ آزردہ خاطر نہ رہے اور وہ معلوم کر لے اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن بہت لوگ جانتے ہی نہیں۔

ترکیب : اَنْ اَرْضِعِیْهِ اگر ان مصدر یہ ہے تو یہ اوحینا کا مفعول اور اگر بمعنی ای تفسیر کے لیے تو یہ اوحینا کی تفسیر ہوگی، لیکون و اللام للصیر و ۃ لاللغرض فارغًا ای خالیا من الصبر او الخوف او مما سواہ یہ اَصْبَحَ کی خبر فؤاد ام موسیٰ اسم، ان کادت ان مخففہ ہے، ثقیلہ سے واسمہا محذوف ای انہا و قیل بمعنی ما جواب لولا محذوف دلّ علیہ ان کادت لتکون لام متعلقہ ربطنا عن جنب مَن مکان بعید اختلاسًا ہو فی موضع الحال من الفاعل فی بصرت و المراضع جمع مرضعۃ ویمکن ان یکون جمع مرضع بمعنی مصدر۔

تفسیر : واوحینا یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہم نے وحی کی یعنی اُس کے دل میں القاء کیا (کس لیے کہ یہاں وحی سے مراد وحیِ انبیاء نہیں) کہ تو بے کھٹکے موسیٰ کو دودھ پلائے جا جب فرعونی تلاش کرنے آویں جیسا کہ ان کا قانون اور دستور تھا کہ لڑکے کی خبر پا کر اُس محکمہ کے لوگ آتے اور اُس کو وہیں یا اور جگہ لے جا کر قتل کر ڈالتے تھے تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا صندوق میں رکھ کر اور اس بات۔ سے کچھ خوف نہ کرنا کیونکہ ہم اس کو پھر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ (یہ بات فرشتے نے ان کی ماں سے کہی یا ان کے دل میں القا کیا) آخر ڈال دیا اور وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس آیا۔ انہوں نے اُٹھایا کھولا تو ایک حسین بچہ زندہ معلوم ہوا، خدا نے فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کی تدبیر کو کس طرح سے غلط کیا کہ اس بچے کو اپنے گھر میں فرزند بنا کر پرورش کرنے لگے کہ انجام کار یہی بچہ ان کے خاندان کی ہلاکت کا باعث ہوا، مگر موسیٰ کی ماں نے اپنی بیٹی سے کہہ دیا تھا کہ تو اجنبی بن کر اس صندوق کے ساتھ دیکھتی جانا کہ کدھر جاتا ہے اور تجھ کو کوئی نہ پہچانے، پھر جب فرعون کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اور دودھ پلانے کے لیے انائیں بلائی گئیں تو حضرت نے کسی کا دودھ بھی نہیں پیا۔ حضرت پر ان کے دودھ حرام کر دیے تھے، تب ان کی بہن نے کہا کہو تو میں تم کو ایک انا بتاؤں جو اس کو اچھی طرح سے دودھ پلائے اور دل سے پرورش کرے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا اس نے اپنی ماں کو بلایا۔ انہوں نے دودھ پلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پینے لگے۔ آخر کار پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پاس آ گئے، خدا نے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں، رنج دور کر دیا اور بتلا دیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اگر جانتے تو اس کے عذاب سے ڈرتے اور رزق وغیرہ کی بابت جو اس نے وعدہ کیا ہو اس پر توکل کرتے، دربدر مارے مارے نہ پھرتے، دنیا کے لیے عقبیٰ برباد نہ کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے جب اُن کو دریا میں ڈالا تو بیٹے کی محبت میں دل بے اختیار ہو گیا، قریب تھا کہ چیخیں مار مار کر روتی مگر اللہ نے اس کے دل کو صبر اور مضبوطی عطاء کی۔ فالتقطہ التقاط برداشتن اُٹھانا ربودن لے جانا اُچک لینا اسی لیے پڑی ہوئی چیز کہ جس کو لوگ اُٹھا لیتے ہیں، لقطہ کہتے ہیں اور پڑے ہوئے لڑکے کو جو اُٹھا لیتے ہیں، یعنی لاوارث کو لقیط، لِیَکُوْنَ لَهُمْ یہ لام عربی میں لامِ عاقبت کہلاتا ہے نہ لامِ غرض یعنی موسیٰ کے اُٹھا لینے سے ان کی غرض اپنا دشمن پالنا اور رنج مول لینا نہ تھا، لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ کانو اخطئین ان کی یہ تدبیر غلط تھی، وقالت امرات فرعون یہ محل کے اندر کی گفتگو ہے، جبکہ بعض قیافے والوں نے یہ کہا کہ یہ بچہ کوئی بنی اسرائیل میں سے ہونہار معلوم ہوتا ہو، کہیں یہ وہی نہ ہو جس کی نجومیوں نے خبر دی ہو، اس کو مار ڈالو، تب فرعون کی بیوی نے کہا نہ مارو، اس کے دل میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی بے شمار محبت ڈال دی تھی۔ فرعون کے کوئی لڑکا نہ تھا، کہا یہ

میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، کسی شریف کا بچہ ہے، نفع پہنچا دے گا، ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے، اگر بیٹا نہ بنائیں گے تو بھی اس سے بھلائی کی توقع ہے۔ اگرچہ اس صندوق کو فرعون کی بیٹی نے اٹھوا منگایا تھا مگر سفارش بیوی نے کی اس لیے اس میں دونوں شریک تھے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ⑭ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ڭ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑯ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ⑰ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ⑱ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ڰ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ⑲ وَجَاۗءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ⑳ فَخَرَجَ مِنْهَا خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ㉑ ع

اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچا اور مستحکم ہوا تو ہم نے اُس کو حکمت و علم دیا اور ہم نیک بندوں کو اسی طرح سے بدلا دیا کرتے ہیں اور موسیٰ شہر میں لوگوں کی بے خبری کے وقت داخل ہوا، پھر اس نے وہاں دو شخصوں کو باہم لڑتے ہوئے پایا کہ یہ ایک اس کی جماعت کا تھا اور یہ دوسرا مخالفوں میں سے تھا، پھر اس نے جو موسیٰ کے گروہ کا تھا اپنے دشمن پر موسیٰ سے مدد چاہی، تب موسیٰ نے مخالف کے مکا مارا تو کام تمام کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے یہ تو شیطانی حرکت سرزد ہوگئی۔ بے شک شیطان صریح دشمن گمراہ کرنے والا ہے۔ موسیٰ نے دعا کی اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے، چنانچہ بخش دیا۔ البتہ وہ جو ہے تو بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا اے رب! جیسا کہ آپ نے مجھ پر کرم کیا ہے تو آیندہ میں بھی کسی شریر آدمی کا مددگار نہ ہوں گا۔ پھر موسیٰ نے شہر میں ڈرتے انتظار کرتے ہوئے صبح کی (پھر کیا دیکھتا ہے کہ) وہی شخص کہ جس نے کل موسیٰ سے فریاد کی تھی، اس کو پھر پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا، بے شک تو صریح کجرو ہے۔ پھر جب موسیٰ نے

قصد کیا کہ اپنے اور اُس کے دشمن پر ہاتھ دراز کرے تو یہ کہنے لگا۔ اے موسیٰ! تو مجھے بھی قتل کیا چاہتا ہے، جیسا کہ کل ایک کو قتل کر چکا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تو یہ نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو کر رہے اور ایک شخص نے جو شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا تھا۔ یہ کہا اے موسیٰ! دربار والے تیرے لیے مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کریں۔ سو تو نکل جا البتہ میں تیرا خیر خواہ ہوں، پھر موسیٰ شہر سے ڈرتے انتظار کرتے ہوئے نکلے۔ کہا اے رب! مجھ کو ظالم قوم سے بچا لے۔

ترکیب : اتینہ جواب لما علی حین غفلۃ حال من المدینۃ ویجوز ان یکون حالاً من الفاعل ای مختلساً۔ ھذا من الخ الجملتان فی موضع نصب صفۃ لرجلین بما انعمت الباء للقسم والجواب محذوف دل علیہ فلن اکون ویمکن ان یکون المعنی بحق انعامک علی اعصمنی خائفاً حال من فاعل اصبح یترقب بدل منہا او تاکید لہا یسعی صفۃ اخری الرجل او حال والایتمار التشاور لان کل واحد من المتشاورین یامر صاحبہ بشیء او یشیر علیہ بامر۔

تفسیر : الغرض موسیٰ علیہ السلام جب بھرپور جوان ہو گئے تو خدا نے ان کو حکم یعنی دانائی اور حکمت دی اور علم عطاء کیا۔ نیک وصالح اور باخدا اُٹھے، لیکن ہنوز نبوت نہیں عطا ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں اشد اور استویٰ کے ایک ہی معنی ہیں اور قوی یہی ہے کہ دونوں لفظوں کے جدا جدا معنی ہیں۔ اشد بلوغ اور استویٰ جہاں تک بڑھنے کی حد ہو بڑھ چکنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اشد کا اٹھارہ برس سے تیس تک کا زمانہ ہے اور استویٰ تیس سے لے کر چالیس تک کا (نیشاپوری)۔ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ الخ مدینہ سے کون سا شہر مراد ہے کہ جہاں لوگوں کو غافل پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے تھے اور غافل پا کر جانے کا کیا سبب تھا؟ اس بارہ میں علماءِ مفسرین نے کئی [1] قول لکھے ہیں، بہت لوگ کہتے ہیں کہ شہر مصر سے دو فرسخ کے فاصلہ پر فرعون نے اپنے رہنے کو ایک جدی بستی آباد کی تھی، وہاں موسیٰ علیہ السلام کے آنے کی ممانعت تھی، کس لیے کہ اپنے عالمانہ اور حکیمانہ خیالات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے طریقہ پر معترض ہوا کرتے تھے۔ نگہبانوں کی آنکھ بچا کر ایک روز آپ وہاں چلے گئے، پھر وہاں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مصری اور ایک اسرائیلی کو باہم لڑتے دیکھا، مصری اپنی قومی شوکت کے گھمنڈ پر زیادتی کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی آپ نے چھڑانے کی غرض سے مصری کے سینہ میں ایک ہاتھ مار کر دھکا دیا۔ شہ زور آدمی تھے، اُس کے دل پر کوئی صدمہ پہنچا مر گیا۔ اگرچہ موت ناگہانی تھی، اس میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہ تھا، مگر تاہم ایک آدمی ان کے ہاتھ سے ضائع ہوا، اس لیے افسوس کیا اور اس کو شیطانی کام کہا اور خدا سے استغفار کیا۔

عصمتِ موسیٰ علیہ السلام: اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طعن کرنا اور عصمتِ انبیاء میں کلام کرنا بے فائدہ بات ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا اس میں دراصل گناہ ہی کیا تھا، دوسرے اس وقت تک آپ نبی ہی کہاں ہوئے تھے۔ نبوت تو مدین سے واپس آتے وقت ملی جیسا کہ قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے۔ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا (شعراء) پس موسیٰ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ آئندہ مجرموں کی کبھی مدد نہ کروں گا۔ مدد تو اسرائیلی کی کی تھی، وہ مظلوم تھا مجرم نہ تھا، پھر یہ کیا فرمایا کہ آئندہ مجرموں کی مدد نہ کروں گا، پہلے کب مجرموں کی مدد کی تھی اور اگر وہ اسرائیلی مجرم تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے حمیتِ قومی سے اس کی مدد کی تھی تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے گناہ میں کیا کلام باقی رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند اسرائیلی مجرم نہ تھا زیادتی مصری کی تھی مگر مشہور ہے ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی، بہر حال بازاروں میں لڑنا لپاڈکی ہونا صالحین کی سیرت نہیں ان کو جو کوئی برا بھلا بھی کہتا ہے تو صبر ہی کر جاتے ہیں، آمادۂ جنگ نہیں ہوتے، اس لیے اس اسرائیلی کو

[1] ضحاک کہتے ہیں عین الشمس مراد ہے بعض کہتے ہیں مصر مراد ہے۔ حین غفلۃ سے بعض کہتے ہیں شام کا وقت بعض کہتے ہیں دوپہر کا وقت اس کا سبب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ لڑکپن میں جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑلی اور لکڑی کھیلتے ہوئے سر میں ماردی تو ناراض ہو کر حکم دیا کہ ہمارے محل میں نہ آئے نہ خاص شہر میں یہ ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر صاف بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شہزادوں کی طرح پرورش پاتے تھے ادھر ادھر جانے کا حکم نہ تھا لوگوں کو غافل پا کر نکل آئے ہوں واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

اگلے روز آپ نے اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ کہا، اس لحاظ سے حضرت علیہ السلام نے اس کو بھی مجرم ہی قرار دیا اور قصد کیا کہ آیندہ سے ایسے جھگڑوں میں نہ پڑوں گا، مگر خدا کی قدرت اگلے روز اُسی اسرائیل کا کسی اور شخص سے بازار میں جھگڑا ہو رہا تھا، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پھر اس نے فریاد کی، آپ نے خفا ہو کر اُس کو فرمایا کہ تو بڑا بے ہودہ ہے، ہر روز لوگوں سے لڑا کرتا ہے، ان کو چھوڑانا اور ہاتھ بڑھا کر الگ کر دینا چاہا تو اس بے ہودہ اسرائیلی نے اس پہلی خفگی کی بات سے یہ سمجھا کہ میرے مارنے کو ہاتھ بڑھایا ہے، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو کہا جس طرح سے کہ آپ نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا آج مجھے بھی مارنا چاہتے ہیں۔ اس کے اس کہنے سے رازِ قتل افشاء ہو گیا۔ یہ خبر فرعون کے دربار تک پہنچی، ان کے اعتراضات اور تنفر کی وجہ سے وہ پہلے ہی ان سے ناراض اور باغی سمجھتے تھے، اب تو اور بھی غضبناک ہو گئے اور انتقام میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیر کرنے لگے۔ فرعونیوں میں سے ایک نیک مرد موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ بھی تھا وہ دوڑا ہوا آیا اور موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی اور کہا آپ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی حالت میں نکل پڑے اور مدین کی طرف رُخ کیا۔ یہ ایک بستی قلزم کے پار فرعون کی عملداری سے باہر عرب میں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لوگوں کی تھی، حضرت شعیب علیہ السلام ایک پیر مرد اسی بستی میں رہتے تھے، ان کی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ بکریوں پر گزر اوقات تھی، کنوئیں سے ڈول کھینچ کر جب لوگ پانی پلا چکتے تو بچا ہوا یہ بھی پلاتیں اور اتنی دیر اپنی بکریوں کو روکے کھڑی رہتی تھیں۔ اتفاقاً حضرت علیہ السلام کئی دن کا سفر طے کر کے مدین آئے اور اُسی کنوئیں پر پہنچے، سایہ دار درخت کے تلے بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے، لڑکیوں سے پوچھا تم کیوں نہیں پلاتیں۔ اُنہوں نے کہا ہم سے ڈول نہیں کھنچ سکتا اور ہمارا باپ بوڑھا ہے، ان کو رحم آیا۔ قوی مرد تھے۔ تنہا چرس کھینچ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، گھر جا کر انہوں نے باپ سے کہا ایک نووارد مسافر آیا ہوا ہے اور بڑا نیک اور قوی ہے۔ آپ اُس کو نوکر رکھ لیجئے، باپ نے کہا اُس کو بلا لاؤ، ایک آئی مگر شرم و حیا کے ساتھ آ کر کہا میرے باپ آپ کو بلاتے ہیں کہ آپ کی اُجرت دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے اور سب قصہ بیان کیا۔ شعیب نے فرمایا خوف نہ کر خدا نے تجھ کو نجات دی۔

خدمات کا مہر ہونا : پھر کہا میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں، اس شرط پر کہ آپ آٹھ برس تک میرے ہاں کام کاج کریں اور دس پورے کر دیں تو آپ کی مہربانی اور میں آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔ آخر نکاح ہوا اور باہمی قول و قرار پر اللہ کو ضامن کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں رہنے لگے۔ یہ آٹھ برس کی نوکری گویا حضرت کا مہر تھا، اُس وقت بجائے مال کے خدمات بھی مہر قرار پاتی تھیں۔ بعض علماء نے اس سے اور نیز بعض احادیث سے کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھانا مہر قرار دیا ہے، آج کل بھی اس قسم کا مہر مقرر کرنا جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ظاہریہ کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مال ہی کو مہر قرار دیتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ اِبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ الآیۃ۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاۗءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ڬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ٽ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَي اسْـتِحْيَاۗءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ

لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٝ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا اُمید ہے کہ اللہ مجھے سیدھا رستہ بتادے گا اور جب کہ مدین کے پانی پر پہنچے تو لوگوں کا مجمع پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ دو عورتیں دیکھیں جو اپنے چار پایوں کو روکے ہوئے تھیں۔ موسیٰ نے اُن سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے، وہ بولیں جب تک چرواہے پلا کر نہیں ہٹ جاتے ہم اپنی بکریوں کو نہیں پلاتے اور ہمارا باپ بڈھا بڑی عمر کا ہے۔ پھر موسیٰ نے اُن کے جانوروں کو پلا دیا اور پلا کر چھاؤں کی طرف ہٹ آئے۔ پھر کہنے لگے اے رب! تو جو کچھ خیر میرے پاس بھیجے تو میں محتاج ہوں۔ پھر اُن دونوں میں سے ایک عورت موسیٰ کے پاس شرم سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی میرے باپ نے تم کو بلایا ہے کہ تم کو پلائی کی اُجرت دے۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے اور سب قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا خوف نہ کرو تم قومِ ظالم سے بچ آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا اے باپ اس کو نوکر رکھ لو، البتہ جس کو آپ نوکر رکھیں تو قوی امانت دار ہونا بہتر ہے۔ ان کے باپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ برس تک میری نوکری کرو۔ پھر اگر تم دس پورے کر دو تو تمہاری طرف سے احسان ہے اور میں تم پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا، تم مجھے انشاء اللہ اچھے ہی لوگوں میں سے پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان عہد ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جونسی بھی پوری کر دوں تو مجھ پر زیادتی نہ ہو اور اللہ ہمارے قول و اقرار پر گواہ ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام وہ میعاد پوری کر چکے تو بیوی کو لے کر وطن (مصر) کی طرف چلے، سردی کا موسم تھا۔ رستہ بھی رات میں بھول گئے تھے، گھر کے لوگوں سے کہا کہ وہ جو دُور سے جنگل میں آگ چمک رہی ہے، تم یہیں ٹھہرو، میں وہاں جا کر دریافت کرتا ہوں، یعنی رستہ کے لیے کہ اس آگ کے پاس کوئی ہوگا اور جو آگ زیادہ ہوئی تو اس میں سے ایک انگارا بھی تمہارے تاپنے کو لا دوں گا، جب موسیٰ علیہ السلام وہاں آئے تو رستہ کے دائیں جانب ایک جنگل کی پاک جگہ میں ایک درخت سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں ہوں ''اللہ رب العالمین'' یہ وادی کہ جہاں درخت میں سے دُور سے رات کو موسیٰ علیہ السلام کو آگ دکھائی دی تھی، کوہ طور کی وادی ہے۔ قلزم کے قریب اُس کی دونوں شاخوں کے درمیان مدین سے ایک دو روز کے فاصلہ پر مصر جاتے ہوئے یہ وادی ملتی ہے۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام نے جو دُور سے آگ کا شعلہ دیکھا تھا، دراصل وہ آگ نہ تھی، تجلیِ الٰہی کی روشنی تھی، چنانچہ جب وہاں آئے تو خدا سے ہمکلام ہوئے آگ لینے آئے تھے، نبوت مل گئی۔ وہیں عصا اور ید بیضا

۱؎ اسی لفظ کی مناسبت سے اس سورہ کو سورہ قصص کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کے دو معجزے ملے اور حکم ہوا کہ فرعون کو جا کر سمجھاؤ دُعا کی کہ میری زبان میں لکنت ہے، میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی مددگار کر دے، چنانچہ آئے اور فرعون سے ملے اور معجزے دکھائے، وہ کب مانتا تھا۔ آخر وہ اور اُس کا تمام لشکر قلزم میں غرق ہوا۔ یہ قصہ اور سورتوں میں مفصل ہے، یہاں اختصار کر دیا گیا، کیونکہ جس غرض سے بیان ہوا وہ اسی قدر میں حاصل ہوگئی۔ اب کلام اس میں ہے کہ درخت میں سے جو آواز آئی اور موسیٰ کو سنائی دی وہ کس کی آواز تھی؟ فرشتہ کی یا خود خدا تعالیٰ کی۔ اگر فرشتہ کی آواز تھی تو اُس نے کیونکر کہہ دیا کہ اللہ میں ہوں، اگر خدا تعالیٰ کی تھی تو اس کا کلام آواز اور حروف سے پاک ہے، جیسا کہ محققین کا مذہب ہے۔

ترکیب : عَلَی اسْتِحْیَاءٍ حال ماسقیت، مصدریۃ ان تاجرنی فی موضع الحال و ثمانی ظرف۔ فمن عندك یجوز ان یکون خبر مبتداء محذوف ای فالاتمام الرعاء اجمع راع تذودان تمنعان اغنامھما عن الماء۔ الزیاد منع۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ
قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ
مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ
فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ
اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ
یٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ
تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ
بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ
رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ
هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۫ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾
قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ
بِاٰیٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا
بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

غرض جب موسیٰ اپنی مدت پوری کر چکے اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے تو (رستہ میں) کوہ طور کی طرف سے ایک روشنی دیکھی، گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے ایک روشنی دکھائی دی ہے۔ شاید کہ وہاں سے تم کو (رستہ کی) خبر لا کر دوں یا آگ کا انگارا لاؤں تا کہ تم تاپو۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے تو اس مقدس وادی کے دائیں جانب سے ایک درخت میں سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ! تمام جہان کا پرورش کرنے والا اللہ میں ہوں اور یہ بھی کہ تم تو اپنا عصا ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو منہ پھیر کر اُلٹا بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا[1]۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! سامنے آؤ ڈرو نہیں (تم کو کچھ بھی خطرہ نہیں) اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالو کہ وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف سے اپنے دونوں بازو اپنی طرف ملا لو (یعنی اطمینان رکھو) پس یہ دو سند ہیں آپ کے رب کی طرف سے۔ فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس جانے کے لیے بے شک وہ بدکار قوم تھی۔ موسیٰ نے کہا اے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے، سو خوف ہے کہ (اُس کے بدلے میں) کہیں مجھے نہ مار ڈالیں اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے فصیح اللسان ہے، اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارا بازو قوی کرا دیتے ہیں اور تم کو غلبہ دیں گے۔ پھر وہ تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے، ہماری نشانیوں کے سبب تم اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔ پھر جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو لوگ بولے یہ ہے کیا، مگر جادو بنایا ہوا اور ہم نے تو اس کو اپنے اگلے باپ دادا میں سنا بھی نہ تھا اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب خوب جانتا ہے، جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے (اور اس کو بھی خوب جانتا ہے) کہ جس کے لیے دار آخرت کی خوبیاں ہوں گی۔ البتہ ستمگار فلاح نہیں پاتے اور فرعون نے کہا اے سردارو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور معبود ہے۔ پھر اے ہامان! تو میرے لیے گارا پکوا (یعنی پزاوا) پھر میرے لیے ایک بلند محل چنوا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو جھانکوں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔

ترکیب : شاطئ الوادی جانبہ ومن الاولی والثانیۃ کلتاھما لابتداء لغایۃ ای اتاہ النداء من شاطئ الوادی من قبل الشجرۃ فالثانیۃ بدل الاولی بدل الاشتمال لان الشجرۃ کانت نابتۃ علی الشاطئ۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

[1] ذکر جاء اللہ فی معنیین احدھما حقیقۃ وھوانہ لما قلب اللہ لعصاحیۃ فزع واضطرب فاتقاھا بیدہ کما یفعل الخائف من الشیء فقیل لہ ان اتقاءک بیدک فیہ نقصان تدرک عند الاحداء فان القیتھا فکما تنقلب حیۃ فادخل یدک تحت عضدک مکان اتقاءک بہا ثم اخرجھا بیضاء لیحصل الامران اجتناب النقص واظہار معجزۃ اخری وثانیھما مجاز وھوان یرد بضم الجناح التجلد وضبط النفس حتی لا یضطرب فیکون استعارۃ من فعل الطائر لانہ اذا اخاف ارخی جناحیہ والاضمہما ومعنی الرھب من اجل الخوف (نیشاپوری)

لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور فرعون اور اُس کے لشکروں نے ناحق کا ملک میں سر اُٹھایا تھا اور سمجھ لیا تھا کہ ہماری طرف لوٹ کر نہ لائے جائیں گے، پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا۔ پھر اُن کو دریا میں پھینک دیا سو دیکھیے ستمگاروں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے اُن کو پیشوا بنایا تھا (گمراہی میں)۔ وہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلایا کرتے تھے اور قیامت کے دن اُن کو مدد نہ پہنچے گی اور ہم نے اِس دُنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن تو اُن کی بہت بری گت ہوگی اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (تورات) بعد اس کے کہ ہم پہلے قرنوں کو ہلاک کر چکے تھے۔ وہ کتاب لوگوں کے لیے بینائی اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ لوگ سمجھیں (اور نصیحت پکڑیں) اور (اے محمد!) جبکہ ہم نے موسیٰ کے لیے نبوت کا حکم دیا تھا تو آپ (کوہ طور کے) غربی جانب موجود نہ تھے اور نہ آپ اُن کو دیکھ رہے تھے، لیکن ہم نے بہت سے ان کے بعد قرن پیدا کئے، مدتیں دراز گزر گئیں اور نہ تو آپ مدین کے لوگوں میں ہی رہا کرتے تھے۔ جو ان کو ہماری آیتیں سنایا کرتے تھے، لیکن ہم رسول بھیجتے رہے۔ (اسی طرح آپ کو بھیجا اور الہام سے یہ واقعات آپ کو معلوم ہوئے) لیکن آپ کے رب کی رحمت ہے کہ اُس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ آپ اس قوم کو تنبیہ کریں کہ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

تفسیر : کیونکہ یہ باتیں جسمانی چیزوں کے کلام میں ہوتی ہیں، اس کے جواب میں معتزلہ نے تو یہی کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کسی جسمانی چیز کے ذریعہ سے کلام کر سکتا ہے، یعنی اپنا کلام اس میں پیدا کر کے سنوار دیتا ہے۔ پتھر کی طرف توجہ کی تو پھر اس کی طرف سے زبان بن کر کلام کرنے لگا۔ درخت کی طرف کی تو وہ بولنے لگا۔ ماوراء النہر کے علماء اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ وہ کلامِ قدیم جو اللہ کی ذات سے قائم ہے، سنا نہیں جا سکتا اور جو درخت میں سے سنا گیا وہ ایک آواز اور حروف تھے، جو اس کے کلام پر دلالت کرتے تھے۔ اشعری فرماتے ہیں کہ وہ کلام کہ جو نہ آواز کے ذریعہ سے ہو نہ حروف کے وہ بھی ممکن ہے کہ سنائی دی جاوے، جیسا کہ ذاتِ الٰہی جو نہ جسم ہے نہ عرض ہے، ممکن ہے کہ دکھائی دی جاوے (نیشاپوری) خلاصہ جواب یہ کہ فرشتہ کی آواز نہ تھی۔

بات یہ تھی کہ اس درخت پر خدا کی تجلی ہوئی اور موسیٰ وہاں پہنچے تو وہاں ان کی روح کو انکشاف ہوا، روحانی طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، پس اس ندا کو آواز اور حروفِ ظاہری کی حاجت نہیں، ایسی باتوں کی پوری کیفیت حیطۂ بیان سے بھی باہر ہے۔

بعض فلسفیانہ خیالات کے مسلمان اس روشنی کو فاسفورس کے سبب سے بیان کرتے ہیں اور اس آواز کی اور پھر دونوں معجزوں کی بھی عجب عجب بے سروپا توجیہیں کرتے ہیں، جو محض بے فائدہ بات ہے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ تک فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تھا۔ اس کو تمام کر کے ولقد آتینا موسی الکتب الخ سے اس قصہ کے نتائج کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب پہلی قرن یعنی زمانے والے ہلاک ہو چکے تو خلق کی رہنمائی کے لیے ہم نے موسیٰ کو مبعوث کیا۔ اُس کو یہ یہ باتیں پیش آئیں، جنگل میں کلام کیا۔ معجزات دیے اور کتاب یعنی تورات عطا کی جو بصارت اور ہدایت اور رحمت تھی۔ سمجھداروں کے لیے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب گمراہی کا ایک زمانہ دراز گزر گیا۔ خلق کی ہدایت کے لیے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو مبعوث کیا اور تجھ پر قرآن نازل کیا جس میں گزشتہ انبیاء کے صحیح صحیح واقعات تجھ پر ظاہر کئے ورنہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو آپ جانب غربی میں تھے، یعنی اُس مکان میں جو غربی رُخ تھا، جہاں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ اس سے مراد کوہ طور کی وادی ہی ہے جو عرب میں غربی سمت پر واقع ہے، یا اسی وادی کے غربی جانب مراد ہے۔ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور نہ تو اس معاملہ کا دیکھنے والا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، یہ معنی ہوئے کہ نہ تو آپ اس جگہ موجود تھے اور جو موجود بھی ہوتے تو ان وقائع کو نہ دیکھتے۔ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا لیکن موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے لے کر تیرے زمانہ تک بہت سے قرن[1] پیدا کئے۔ فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ پس بُعدِ زمانہ کی وجہ سے علوم اور شرائع معدوم ہو گئے تھے تو ہم پر رسول بھیجنا ضرور ہوا، پھر تفصیل کرتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا ای مقیما فِیْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ کہ نہ تو مدین میں رہا کرتا تھا جو تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا تو ان مکہ والوں کو ان کے حالات بتا رہا ہے۔ (مقاتل) اور ضحاک کہتے ہیں تو مدین والوں کا رسول نہ تھا، بلکہ ان کا اور رسول تھا شعیب علیہ السلام۔ تو اور رسول ہے جو سب کے بعد آیا۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا اور نہ تو کوہ طور کے پاس تھا، جبکہ ہم نے موسیٰ کو پکارا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے کسی دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جبکہ ستر آدمیوں کو لے کر گئے تھے۔ وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ مگر تیرے رب نے اپنے فضل سے تجھ پر وحی کی اور یہ باتیں بتائیں اور تجھ کو رسول بنایا۔ لتنذر قوما کہ تو ان لوگوں کو متنبہ کرے کہ جن کے پاس رسول نہیں آیا وہ تیرے زمانہ کے لوگ ہیں، يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ وہ سمجھیں اور ہدایت پاویں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۗ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

[1] قرن سینگ کو بھی کہتے ہیں اور زمانہ کو بھی یہاں اخیر معنی مراد ہیں قرن میں اختلاف ہے کوئی بارہ برس کے زمانہ کو قرن کہتا ہے کوئی کہتا ہے اس سے زیادہ کو کہتے ہیں اس کا ہندی میں ٹھیٹھ ترجمہ جگ ہے کہتے ہیں کئی جگ بیت گئے یعنی کئی زمانے گزر گئے چونکہ آج کل خود قرن کا لفظ مستعمل ہے اس لیے ہم نے اسی کو رہنے دیا اور جہاں کہ آیا ہم نے بہت سے قرن ہلاک کیے وہاں مراد یہ ہے کہ بہت سے قرنوں کے لوگ ہلاک کیے۔ ۱۲ منہ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾

ع ۸

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اپنے ہی اعمالِ بد کے سبب سے ان پر مصیبت نازل ہو جائے (اس وقت) کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے پاس تو نے کس لیے رسول نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے (حکموں کو مانتے) اور ایمان لانے والوں میں سے ہوتے، پھر جب کہ اُن کے پاس ہماری طرف سے دینِ حق آ گیا تو یہ کہنے لگے کہ رسول کو ویسا (معجزہ) کیوں نہ دیا گیا۔ جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا، کیا جو معجزے موسیٰ کو دیے گئے تھے لوگوں نے اُن کا پہلے انکار نہیں کیا تھا۔ کہہ دیا تھا دونوں جادوگر (اور) دوسرے کا مددگار ہے اور (صاف صاف) کہتے تھے کہ ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔ (اے رسول!) آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو خدا کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بڑھ کر ہو کہ میں اُس پر چلوں، پھر اگر آپ کا کہنا نہ کریں (نہ مانیں) تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کے تابع ہیں اور اُن سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا کہ جو خدا کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو، بے شک اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (توفیق قبولِ ہدایت کی نہیں دیتا)

ترکیب : لولا کلمہ شرط ان تصیبھم ان مصدر یہ بما تصیبھم سے متعلق ای لولا اصابۃ المصیبۃ علیھم بسبب ما ای اعمال سیئۃ قدمت والعائد محذوف ای اعمال کسبوھا فیقولوا ف تفریع یا تعقیب کے لیے پورے جملہ مقدمہ سے یعنی لووقع علیھم المصیبۃ باعمالھم لقالوا ربنا الخ یہ سب جملہ حیز شرط میں ہے جواب محذوف ما ارسلناک الیھم رسولا۔ قالوا سحران جملہ بیان ہے۔ اولم یکفروا کاساحران بالالف ای موسیٰ وہارون وقیل موسیٰ ومحمد وبغیر الالف سحران القرآن والتوراۃ۔

تفسیر : لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ یہاں سے پھر اسی رسولوں کے بھیجنے کے مسئلہ کو مدلل کرتا ہے کہ ہم اس لیے بھی رسول بھیجا کرتے ہیں کہ لوگ جب ان پر ان کے اعمالِ بد کی شامت سے عذاب آوے یہ نہ کہنے لگیں کہ اگر اللہ ہمارے پاس رسول بھیجتا تو ہم آیاتِ الٰہی پر چلتے ایماندار ہو جاتے، اس مصیبت کو نہ دیکھتے، کس لیے کہ پھر برے کام ہی نہ کرتے۔ اس الزام کو دفع کرنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں انبیاء بھیجے تا کہ پھر کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے، لیکن فلمّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ الخ جب ان کے پاس دینِ حق آیا تو اس میں شبہات کرنے لگے کہ لَوْلَآ اُوْتِيَ مثل ما اوتی موسیٰ اس رسول کو ایسے معجزے کیوں نہ دیے گئے جو موسیٰ کو دیے گئے تھے۔ عصا کا سانپ بن جانا ید بیضا وغیرہ۔ خدا تعالیٰ ان کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے۔ اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا کہ کیا اگلے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا پہلے انکار نہیں کر دیا ہے اور کہہ دیا کہ دونوں بھائی جادوگر ہیں، ایک دوسرے کا مددگار بن گیا ہے۔ قریش نے یہود مدینہ کے کہنے سے یہ کہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند معجزات دکھاؤ، فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کب لوگوں نے مانا تھا اور یہ قریش اب بھی موسیٰ علیہ السلام کو کب مانتے ہیں، دونوں بھائیوں کو ساحر کہتے ہیں۔ جس نے ساحران پڑھا ہے تب تو معنی ظاہر اور جس نے سحران پڑھا ہے تب تو یہ مبالغہ پر محمول ہوگا۔ جیسا کہ زید عدل یا سحران بمعنی ذو سحران بعض مفسرین کہتے ہیں سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا سے ان کی مراد توریت وقرآن ہے جو اپنے مضامین کی مطابقت کی وجہ سے ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے اور یہی تظاہر یعنی باہم مدد کرتا ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ وقالوا انا بکل کفرون یہ بھی کہہ دیا کہ ہم سب کے منکر ہیں، نہ توریت کو مانتے ہیں نہ قرآن کو نہ موسیٰ وہارون کو نہ محمد علیہ السلام کو۔

ضرورتِ نبوت : اس کے جواب میں فرماتا ہے، یہ تو تم بھی مانتے ہو کہ اللہ اپنے بندوں پر لطف وکرم کرتا ہے۔ ان کی سخت ضرورتوں کو دفع کرتا ہے۔ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی بچہ کے لیے دودھ تیار کر دیتا ہے، وقت پر مینہ برساتا ہے۔ طیور کو پر اور درندوں کو دانت اور جنگل عطاء کرتا ہے۔ پھر انسان کی اس سے بڑھ کر اور کیا ضرورت ہے کہ اختلافِ عقول وعادات کے وقت دارِ آخرت اور راہِ راست بتانے کے

لیے اس کے پاس کوئی اس کا بھی دستور العمل آنا چاہیے کہ جس پر چلے قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اب تم کوئی کتاب الٰہی توریت اور قرآن سے بہتر بتلاؤ کہ میں بھی اس پر چلوں، اگر تم سچے ہو۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ پس اگر وہ کوئی ایسی کتاب نہ لاسکیں تو ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی کے پیرو ہیں، جھوٹی حجتیں کرتے ہیں۔ ومن اضل الخ اور جو ایسا کرتا ہے اس سے زیادہ کون گمراہ ہو؟ یہ ہٹ دھرم بے انصاف ہیں اور ہٹ دھرم بے انصافوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ رسول نہ آتا تو یوں عذر کرتے اور وہ بھی جبکہ ان پر عذاب آتا نہ کہ اپنے کفر پر آخرت میں آپ نادم ہوتے۔ (بل بے تمہارا کفر) اور جو رسول آیا تو یوں کہنے لگے۔ پھر ایسوں کو ہدایت کہاں؟ ازلی بدنصیب ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور البتہ ہم ان کے پاس ہدایت بھیجتے رہے تاکہ وہ سمجھیں (وہ جو منصف ہیں) جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کو یہ کلام الٰہی سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو اس کو پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کو دوگنا بدلہ ملے گا، اُن کے صبر کی وجہ سے اور یہ نیکی کے ساتھ بدی کو دفع کرتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال (دور ہی سے) تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔ (اے رسول!) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہی راہ پر آنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

ترکیب : لهم وصلنا سے ای متعلق بینا القول القرآن مفعول وصلنا۔ من قبله ای من قبل القران پس یہ آیتنا سے متعلق ہے۔

تفسیر : اہلِ مکہ کا ایک یہ بھی شبہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک ہی بار تمام کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ دی گئی؟ تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوتا ہے؟ اور نیز کیا موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کافی نہ تھی۔ پھر نئی کتاب کیوں نازل کی گئی؟ (آج کل کے بعض ناواقف پادریوں نے بھی یہی شبہ کیا ہے) اس کا جواب دیتا ہے، وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ کہ ہم جو پے درپے[1] قول یعنی ہدایت کی بات قرآن مجید اور اس کی آیات یکے بعد دیگرے اس لیے بھیجتے رہے کہ وہ سمجھیں ہر روز ایک نئے فائدے اور نئی حکمت سے فیض اُٹھانا اور تدریجاً یاد کرنا اور ہر ایک وقت اور زمانہ کی ضرورت کے موافق حکمتِ نو آمیسیہ اور اسرارِ شریعت سے واقف ہونا زیادہ تر مؤثر ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ اور تجربہ شاہد ہے۔

[1] قرآن ۱۲ امنہ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ تمہارے اس شبہ کی کچھ بنیاد نہیں، وہ لوگ کہ جن کو اس سے پہلے کتابیں دی گئی ہیں توریت، زبور و دیگر صحف انبیاء وانا جیل وہ قرآن مجید کے مضامینِ عالیہ پر نظر کر کے اس پر ایمان لاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مصلحتوں کے لحاظ سے ہر وقت میں یکے بعد دیگر خدا تعالیٰ انبیاء پر الہام کرتا آیا ہے۔ توریت کے بعد زبور اور پھر اور بہت سے نبیوں کی کتابیں اور ان کے بعد انجیلِ مقدس نازل ہوئی، ایک کتاب کافی نہ سمجھی گئی اور یہ بھی نہیں ہوا کہ ان کتابوں کو ایک ہی بار نازل کر دیا ہو اور نہ وہ صرف ایمان ہی لاتے ہیں بلکہ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ الخ وہ اس کے برحق ہونے کی گواہی بھی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر پہلے ہی سے ایمان لائے ہوئے ہیں، کیونکہ پہلی کتابوں میں انہوں نے اس کی بابت پیشین گوئیاں دیکھی تھیں، پس اعتبار ان اہلِ علم کی شہادت کا ہے جو کلامِ الٰہی کے پہچاننے کا ملکہ رکھتے ہیں نہ کہ تم جاہلوں کا کہ تم کلامِ الٰہی کے اسلوب ہی سے واقف نہیں۔ پھر تمہارے شبہ کی کیا وقعت ہو؟ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی نسبت ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے شریعتِ سابقہ پر عمل کرتے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ پر بھی ایمان لائے۔ منجملہ اُن کے سلمان اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں، چالیس عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں سے بتیس آدمی تو وہ ہیں کہ جو جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ شام سے آئے تھے اور رفاعہ بن قرظہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس آدمیوں کے بارے میں ہے کہ جن میں سے ایک میں بھی ہوں، مگر ان کی خصوصیت نہیں جس کسی میں یہ صفات پائے جاویں۔ (نیشاپوری)

خدا تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں خوشخبری دیتا ہے اور ان کے چند اوصاف بھی ذکر فرماتا ہے، خوشخبری یہ ہے اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ کہ ان کو دگنا ثواب ملے گا اور دو چند بدلہ دیا جائے گا، پہلی شریعت پر عمل کرنے کا بھی اور اس شریعت پر عمل کرنے کا بھی یا اُن کے ایمان لانے کا اور پھر شہادت دینے کا کیونکہ ان کو بڑی بڑی سختیاں پیش آئی ہیں جس پر انہوں نے صبر کیا۔ بما صبروا۔ یہ اول وصف تھا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ یہ دوسرا وصف ہے کہ جو کوئی ان سے برائی کرتا ہے وہ اس کے درجواب اس سے بھلائی سے پیش آتے ہیں۔ گالی کے بدلے دعا دیتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ کہ اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں۔ خیرات وصدقات بھی کرتے ہیں، صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ یہ تیسرا وصف تھا۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ اور جب جاہلوں کی کج بحثوں کی بے ہودہ باتیں اور رکیک حجتیں اور بدزبانیاں سنتے ہیں تو کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اچھا بھئی تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے، ہم تم سے لڑنا تکرار کرنا نہیں چاہتے۔ یہ چوتھا وصف ہے۔ فرماتا ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دور سے ان اجنبیوں کو کیوں ہدایت ہوگئی اور ان لوگوں کو کیوں نہ ہوئی کہ جن کی ہدایت کی تجھے بڑی کوشش ہے کس لیے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ من احببت الخ ہدایت تیرے قبضہ میں نہیں، اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ زجاج کہتے ہیں تمام اہلِ اسلام متفق ہیں کہ یہ آیت ابی طالب[2] کے بارے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت کچھ چاہا کہ ایمان لاویں پر وہ ایمان نہ لائے۔ اس آیت اور اس آیت میں کچھ منافات نہیں وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کیونکہ نفی جو ہے تو ایصال الی المقصود کی ہے اور اثبات جو ہے تو ارائۃ الطریق کا یعنی آپ رستہ بتاتے ہیں مگر اس پر چلنا اور مقصد تک پہنچنا اللہ کے

---

[1] اہلِ کتاب کے علماء کی طرف اشارہ ہے وہ اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر دیکھ کر حضرت ﷺ کے ظاہر ہونے سے پہلے اسلام کی طرف مائل تھے۔ ۱۲ منہ

[2] بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب ابی طالب کا وقتِ وفات قریب پہنچا۔ تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے آپ نے فرمایا اے چچا کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لے میں اس سے تیرے لیے اللہ کے ہاں سند پکڑوں گا۔ ان دونوں نے کہا اے ابی طالب کیا تو ملتِ عبدالمطلب سے پھرتا ہے حضرت بار بار وہی فرماتے تھے اور وہ بھی وہی اپنی کہتے تھے یہاں تک کہ آخر میں مطالب نے یہی کہہ دیا کہ میں تو عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں اور کلمۂ طیبہ نہ لیا۔ حضرت ﷺ کو رنج ہوا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱۲ منہ

بس میں ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶/۱۰

اور (کفار مکہ) کہتے ہیں۔اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت پر چلیں تو اپنے ملک سے اُچکا لیے جاویں۔کیا ہم نے اُن کو حرم میں امن سے جگہ نہیں دے رکھی ہے کہ جس کی طرف ہر قسم کے میوے کھنچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے روزی ہے،لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے اور ہم نے بہت ہی ایسی بستیاں ہلاک کر ڈالیں کہ جو معیشت میں حد سے بڑھ کر اترا گئی تھیں سو (دیکھو) پھر ان کے گھر ہیں (کہ اُجڑے پڑے ہیں) کہ جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد ہوئے ہیں اور آخر کار ہم ہی (ان کے) وارث بنے اور آپ کا رب ایسا بھی نہ تھا کہ بستیوں کو بغیر اس کے کہ ان کی بڑی بستی میں رسول بھیجے جو ان کو ہماری آیتیں سنائے (یوں ہی) غارت کر دے اور ہم بستیوں کو بغیر اس کے کہ وہاں کے لوگ نافرمان ہو جائیں۔ہلاک نہیں کیا کرتے اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے،سو وہ دنیا ہی کی زندگی کا اسباب اور اس کی آرائش ہے اور جو کچھ (نعمتیں) اللہ کے پاس (موجود) ہیں، وہ ان سے بہتر اور باقی رہنے والی ہیں۔پھر کیا تمہیں (اتنی بھی) عقل نہیں۔

ترکیب : معك نتبع سے متعلق نتخطف جواب شرط خطف ربودن اُچکنا تمکن بمعنی نجعل اس لیے حرما کی طرف بنفسہ متعدی ہوا۔ امنا بمعنی مؤمن او ذاامن صفت ہے حرما کی یجبیٰ جملہ صفت ہے ثانیہ رزقا یجبیٰ کے معنی سے مفعول مطلق وقیل حال و کم فی موضع نصب باھلکنا معیشتھا کا نصب بطرت ہے جس کا فاعل ضمیر قریۃ لان المعنی کفرت نعمھا اوجاوزت الحد۔لم تسکن حال والعامل فیہ الاشارۃ الاقلیلا اوزمانا قلیلا فمتاع الحیوۃ ای فالموتی متاع۔

تفسیر : مشرکین مکہ کا ایک اور شبہ تھا جس کو بعد وضوحِ دلائل کے پیش کیا کرتے تھے،اس کو خدا تعالیٰ یہاں نقل فرماتا ہے۔وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ کہ اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت پر آجاویں تو لوگ ہم کو اسی جگہ سے مار کر نکال دیں،روایت ہے کہ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف نے آنحضرت ﷺ سے کہا ہم جانتے ہیں جو کچھ آپ کہتے ہیں۔حق ہے لیکن کیا کریں ہم کو خوف ہے کہ ہم کو عرب جلدی نکال دیں گے۔ہمارے لیے جنگ پر یک بیک سب آمادہ ہو جائیں گے اور مکہ سے نکال دیں گے اور اکثر اہلِ دنیا حق معلوم ہو جانے پر بھی ایسے ایسے اغراضِ دنیاویہ نظر کر کے دینِ حق قبول نہیں کیا کرتے،اس کا جواب دیتا ہے اور لم نمکن لھم حرمًا امنا الخ کہ کیا ہم نے ان کو حرمِ مکہ میں امن سے نہیں بسایا ہے؟ عرب کی باہم مار دھاڑ ہوتی تھی،مگر حرم کے رہنے والوں کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔دوسرے باوجودیکہ خشک پہاڑوں میں واقع ہو مگر یُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ ہر قسم کے پھل اور میوے وہاں باہر سے کھنچے چلے آتے ہیں۔پھر جبکہ وہ مکہ میں

بت پرستی کر رہے ہیں، اس پر بھی ہم نے اسی جگہ کی بزرگی سے ان کو وہاں امن اور رزق دے رکھا ہے تو خدا پرستی میں یہ بات ان سے ہم کیوں دور کریں گے؟ اور جو خدا پرستی میں کوئی مصیبت آوے اس کی برداشت کر کے دار آخرت کی نعمتیں حاصل کرنا ابدی جہنم میں جانے سے بہتر ہے، مگر عرب کے جاہلوں کو اول ان کے مسلمات ہی سے ساکت کیا، یہ جواب بعد میں دیا۔ بقولہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا الخ کہ تم ناز و نعمت کے بھروسے پر بھی نہ رہنا کیونکہ ہم نے بہت سے ایسے شہر ان کے کفر اور بدکاری کی وجہ سے ہلاک کر دیے ہیں کہ جن کے سامانِ عیش حد سے زیادہ تھے اور وہ اس کی شکر گزاری نہ کرتے تھے، پھر ہلاک بھی ایسا کیا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ کہ ان کے مکانات خالی پڑے رہ گئے، پھر ان کے بعد ان میں کوئی آ کر نہ بسا مگر کم مسافر یا کوئی وارد و صادر عارضی طور پر بابل اور نینویٰ کے خرابات' کسریٰ کی عمارات' صور و صیدا کے کھنڈر' یمن میں عاد کے بلند محل عبرت کی نشانیاں ہیں، وہ سب مر گئے۔ آخر ہم ہی مالک رہے، کیونکہ فناءِ خلق کے بعد ہم ہی باقی رہتے ہیں۔ شبہ ہوتا تھا کہ اگر خدا کو یوں ہی شہروں کو غارت کر دینا تھا تو نبی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ دوم بہت سے ایسے شہر ہیں اور تھے کہ جو ہر طرح کی بدکاری میں مبتلا تھے۔ باوجودیکہ غارت نہ ہوئے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا کہ ہماری شان یہ نہیں کہ کسی شہر یا گاؤں کو یونہی ہلاک[1] و برباد کر دیں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس ہمارا رسول آ کر ان کو ہماری آیتیں سنائے۔ یعنی حجت تمام کیے بغیر ہلاک نہیں کرتے۔ رسول اللہ بھیج کر اپنے احکام سے مطلع کر دیتے ہیں، اس پر بھی جب وہ نہیں مانتے تب غارت ہوتے ہیں، تاکہ بے خبری کا عذر باقی نہ رہے، اس لیے رسول بھیجے اور جہاں جب تک رسول نہیں آئے وہ لوگ غارت نہیں کیے گئے اور ہم ناحق کسی کو برباد نہیں کرتے۔ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ہم جب ہی کسی بستی کو غارت کرتے ہیں کہ جب وہاں کے لوگ ظلم پر کمر باندھتے ہیں اس لیے حجت تمام کرنے کے لیے اہل مکہ میں رسول بھیجا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ نیک شہر برباد نہیں ہوتے اور وہ بربادی جب ہوتی ہے کہ جب رسول یا اس کا نائب احکام پہنچا دیتا ہے۔ پھر وہ نہیں مانتے، پھر تیسرا جواب اور دیتا ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ کہ جس دنیا اور اس کے لذائذ کے لیے تم دین قبول نہیں کرتے وہ بے حقیقت اور فانی ہے، ہاں وہ جو اللہ کے پاس ہے، بہتر اور باقی ہے۔ سرورِ جاودانی اسی عالم میں نصیب ہے، پھر جو کوئی بے بنیاد چیز کے لیے دائمی نعمت کو چھوڑے اس سے زیادہ کون بے عقل ہے؟ اس لیے اخیر میں فرمایا۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہ تم کیوں عقل نہیں پکڑتے۔ بس عاقل وہی ہیں کہ دنیا کی بے ثبات لذتوں سے منہ پھیر کر دارِ آخرت اور یادِ الٰہی کی طرف متوجہ ہیں۔ متاع برتنے کی ضروری چیزیں کھانا کپڑا مکان بیوی اور زینت اوپر کی آرائش اور تکلفات۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

[1] حیف ہے اول ان لوگوں کی عقل پر جو دنیا فانی کے لالچ میں آ کر دین چھوڑ دیتے ہیں یا کسی گناہ اور بدکاری کو اختیار کر لیتے ہیں ہائے کے دن اور کے سال اس کو کھائیں پئیں گے نہیں دیکھتے کہ ان کے روبرو کیسے کیسے ناز و نعم والے بادشاہ اور والیانِ ملک خاک میں مل گئے نہ آج ان کے وہ رنگ محل ہیں نہ ہاتھی گھوڑے نہ زر و نقد نہ وہ عیش کے سامان نہ وہ حکومت و شوکت نہ وہ شراب اور اس کے طلائی گلاس نہ وہ مہر دیاں تبہکار فقط ایک خاک کا ڈھیر ہے اور اس کے ارد گرد حسرتوں کا انبار اور جہنم کی نار ہے۔ عبرت عبرت ١٢ منہ

رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ۚ اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا ۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ ۫ مَا كَانُوْۤا
اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ قِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا
الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اَجَبْتُمُ
الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ یَوْمَىٕذٍ فَهُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾
فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿۶۷﴾
وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ
وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ رَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

پھر کیا وہ شخص کہ جس کو ہم نے (جنت کا) وعدہ دیا ہو، سو وہ اس کو پانے والا بھی ہو، اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس کو ہم نے دُنیا کی چند روزہ زندگی کے اسباب سے بہرہ مند کیا، پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آوے اور جس روز اُن کو پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں ہمارے وہ شریک کہ جن کا تمہیں گھمنڈ تھا، وہ لوگ کہ جن پر الزام قائم ہو چکے گا، کہیں گے اے ہمارے رب! یہی ہیں وہ کہ جن کو ہم نے بہکایا تھا (اور) ان کو ہم نے گمراہ کیا تھا، جیسا کہ ہم خود گمراہ ہوئے تھے، اُن کی ذمہ داری سے آپ کے حضور میں دست برداری کرتے ہیں۔ یہ ہم کو نہیں پوجا کرتے تھے اور مشرکوں سے کہا جائے گا، تم اپنے معبودوں کو پکارو (کہ تمہاری مدد کریں) سو وہ اُن کو پکاریں گے۔ پھر وہ اُن کو جواب بھی نہ دیں گے اور عذاب دیکھیں گے۔ آرزو کریں گے۔ اے کاش! یہ لوگ ہدایت پر ہوتے اور جب ان کو پکار کر پوچھے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ پھر اُس روز اُن کو کوئی بات بھی نہ سوجھے گی۔ پھر وہ باہم بھی پوچھ گچھ نہ کر سکیں گے، پھر جس نے (دُنیا میں) توبہ کی ہوگی اور ایمان بھی لایا ہوگا اور نیک عمل بھی کیا ہوگا پس اُمید ہے کہ وہ شخص فلاح کو پہنچے (کامیاب ہو) اور (اے رسول!) آپ کا رب جیسا چاہتا پیدا کرتا اور جس کو چاہتا منتخب کر لیتا ہے۔ ان کو اس میں کچھ اختیار نہیں، اللہ پاک اور برتر ہے ان کے شریک کرنے سے اور آپ کا رب خوب جانتا ہے، جو کچھ اُن کے سینوں میں مخفی ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

ترکیب : ھولاء مبتداء، موصوف الذی صلہ موصول صفت اَغْوَیْنٰهُمْ خبر کما غوینا صفت ویمکن ھولاء مبتداء الذین الخ خبر اغوینھم جملہ مستانفہ لو انھم کلمہ تسحر۔ اگر شرط ہو تو بارادہ جواب محذوف۔

تفسیر : پھر دنیا کی نعمت اور آخرت کی مصیبت والے کا اس سے مقابلہ کر کے دکھاتا ہے کہ جس کے لیے حیات جاودانی اور سرورِ ابدی تیار رکھا ہے، اس کے جانے ہی کی دیر ہے، بقولہ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ الخ کہ کیا دونوں شخص برابر ہو گئے؟ ہرگز نہیں، بھلا کہاں وہ کہ اس کے لیے اس عالم میں بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہوں اور وہ اس کو ملنے والی ہیں، اُس کے برابر ہے کہ جس کو دُنیا کی زندگانی کا اسباب عطا ہوا، لیکن قیامت کے روز اس کے لیے عذاب تیار ہے۔ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ اور ابی جہل کے بارے میں ہے اور دوسرے طریق سے منقول ہے کہ اس میں حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کی طرف اشارہ ہے، افمن وعدنہ سے حمزہ رضی اللہ عنہ کمن مَتَّعْنٰهُ سے ابوجہل۔ چونکہ تمثیل کے طور پر آخرت کا ذکر آیا تھا، اس لیے مسئلہ نبوت کو تمام کر کے مسئلہ آخرت ذکر فرمایا کہ وہاں مشرکوں سے یوں سوال ہوگا، من المفلحین تک۔ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اب یہاں سے وہ قیامت کی باز پرس شروع کرتا ہے کہ ان سے کہا جائے گا بتاؤ کہاں ہیں وہ کہ جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا؟ اس کا جواب ان سے کچھ نہ بن آئے گا مگر وہ لوگ کہ جن کے گمراہ کرنے سے یہ بہکے تھے

اوراس عدالت میں ان پر جرم ثابت ہو کر سزائے جہنم کا حکم ہو چکے گا اپنی برأت کے لیے یوں کہیں گے۔ یہ لوگ اُن کو ہم نے گمراہ کیا، ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، جس طرح باتوں باتوں میں پہلوں نے ہم کو بہکایا تھا، اسی طرح ویسی ہی باتیں ان سے ہم نے بھی کیں، یہ آپ بہک گئے، ہم ان سے بری ہیں۔ یہ لوگ ہرگز ہم کو نہیں پوجتے تھے۔ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ سے لے کر مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ تک کے یہی معنی ہیں۔ غرض یہ کہ جن کی تقلید کر کے آج یہ ان کو پوجتے ہیں، کل میدانِ قیامت میں ان کا ساتھ دینا تو درکنار ان سے بیزاری ظاہر کریں گے۔ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ الخ یہاں سے ایک دوسرے عتاب کا بیان ہے کہ ان سے کہا جاوے گا اپنے معبودوں کو بلاؤ کہ وہ تمہاری فریاد رسی کریں، پھر وہ ان کے معبود انہیں، کچھ جواب نہ دیں گے۔ کقولہ تعالیٰ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ یہ اس لیے کہ ان کو اپنے معبودوں کی بے قدرتی اور بیزاری ثابت ہو کہ جن کو یہ آج پوج رہے ہیں، یعنی برے وقت وہ کچھ کام نہ آئیں گے، بلکہ وہ مصیبت دیکھیں گے۔ ورا وا العذاب پھر حسرت کریں گے۔ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ کہ کاش ہدایت پر ہوتے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں لو شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے۔ ضحاک و مقاتل کہتے ہیں، یعنی المتبوع، والتابع یرون العذاب ولوانہم کانوا یھتدون فی الدنیا ماابصروہ فی الآخرۃ یہ تو ان پر توحید اختیار نہ کرنے سے الزام قائم ہوگا کہ جس کو رسولوں بغیر عقلِ سلیم بھی منواتی تھی، باقی دیگر احکامِ حلال وحرام جو رسولوں کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں ان پر عمل نہ کرنے پر خاص رسولوں کی بابت سوال ہوگا کہ تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الخ یعنی ہمارے ایلچیوں کو کیوں نہیں مانا، فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ ان کو کچھ بھی جواب نہ آئے گا۔ فھم لایتساء لون کہ آپس میں پوچھ بھی نہ سکیں گے کہ پوچھ کر بتا دیں، سخت ہیبت اور دہشت ہوگی۔ فاما من تاب الخ یہاں سے حشر کا فیصلہ بیان فرماتا ہے کہ جس نے کفر و شرک اور بدکاری سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے ان کو فلاح اور نجات ہوگی۔ کلمہ عسٰی امید دلانے کے لیے ہے، حشر کا حال بیان کر کے مناسب ہوا کہ کفار کے اس شبہ کا بھی جواب دے کہ جو ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت میں تھا اس لیے کہ ابھی حشر میں انبیاء کے ماننے کی بابت سوال ہونے کا ذکر تھا جس کا یہ مطلب کہ آج تم نبوت میں یہ شبہ کرتے ہو، کل میدانِ حشر میں تمہارا نبوت کے نہ ماننے پر یہ حال ہوگا۔ شبہ یہ تھا کہ یہ قرآن کسی بڑے سردار پر کیوں نہ اُترا ایسے غریب آدمی کو کیوں نبی کیا۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ، اس کا جواب دیتا ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ[1] کہ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے پیدا کرے، جس کو چاہے برگزیدہ کرے، ان کا کچھ اختیار نہیں اور نہ ان کے معبودوں کا کہ جن کو وہ خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ اللہ ان کے شریک کرنے سے پاک ہے وہ سب کچھ جانتا ہے، ظاہر کی باتیں بھی دل کے خیالات بھی، جب وہ علام الغیوب ہے تو اس مصلحت کو بھی وہی جانتا ہے کہ فلاں کو کیوں نبی کیا؟

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝۷۱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

[1] اور ممکن ہے کہ یہ جملہ وربك یخلق الخ ایک جدی دلیل ہو وہ شرک کے لیے کہ تیرا رب قادر و عالم و متصرف ہے بہ خلاف ان کے معبودوں کے کہ وہ نہ اختیار رکھتے ہیں نہ قدرت نہ علم حشر میں خود ہوں گے اور کا کیا بھلا کر سکیں گے اور وربك بہ تعریض بھی ہے کہ تیرا رب ایسا ہے بہ خلاف ان کے معبودوں کے اور اس وہم کے دفع کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا نے کسی کو نبی کسی کو کافر کسی کو جنتی کسی کو دوزخی کیوں بنایا۔ حشر کے ذکر پہ یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا اس کا جواب دیا کہ وہ قادر و خالق و علیم ہے۔ ۱۲ منہ

إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا أَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور وہی اللہ ہے اُس کے سوا کوئی (اور) معبود نہیں، اُسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اُسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اُسی کے پاس تم کو پھر کر جانا ہوگا، کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر رات کو قیامت تک دراز کر دے تو کوئی اللہ کے سوا (اور) معبود ہے جو تم کو روشنی میں لائے، پھر کیا تم سنتے بھی نہیں۔ کہو دیکھو تو (سہی) اگر تم پر اللہ قیامت تک دن کو دراز کر دے تو کون معبود ہے، اللہ کے سوا جو تم کو رات میں لا دے جس میں تم آرام پاؤ۔ پھر کیا تم اس نعمت کو دیکھتے بھی نہیں اور اپنی رحمت ہی سے اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم اس میں آرام پاؤ اور اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور جس دن ان سے پکار کر پوچھے گا کہ جن کو تم میرا شریک جانتے تھے وہ کہاں ہیں اور ہر گروہ میں سے ہم گواہی دینے والا الگ کر لیں گے، پھر ہم کہیں گے تم اپنی دلیل لاؤ تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ وہ ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے گئے گزرے ہو جائیں گے۔

ترکیب : سرمدًا یجوز ان یکون حالاً من اللیل وان یکون مفعولاً ثانیاً لجعل والی یتعلق بسرمدًا من الہ الخ جواب ہے ان جعل اللہ کا۔

تفسیر : وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سے مبدء میں گفتگو شروع ہوگئی تھی، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اس لیے وَهُوَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سے اس کی تکمیل کی جاتی ہے گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے اور قرآن مجید کی عادت ہے کہ کبھی مبدء میں گفتگو کرتا ہے۔ کبھی معاد میں، کبھی نبوات وشرائع میں اور یہی باتیں مقصود بالذات بھی تھیں۔ فرمایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں دنیا وآخرت میں اپنی نعمتوں کے سبب وہی ستائش کا مستحق ہے اور فرمانروائی اسی کے لیے ہے اور اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور کون ہے کہ جس میں یہ اوصاف ہیں؟ مشرکین گرچہ دوسرے خدا کے قائل نہ تھے، مگر چونکہ اور چیزوں کو بھی خدائی میں شریک جانتے تھے اور نافع وضار سمجھ کر ان کو پکارتے تھے اور نذر و نیاز کرتے تھے، اس لیے ان سے یہ کلام کیا گیا کہ خدا کی جو باتیں ہیں وہ تو اللہ ہی میں ہیں۔ ذکی کے لیے تو اسی قدر بس تھا مگر وہ پشت در پشت ایسے ناپاک اور ظلمانی خیالات کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے، وہ اتنی بات سے کب سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے معبودوں سے قدرت واختیار نفع وضرر پہنچانے کی نفی کی گئی اور سب سے پہلے ایک ایسی بات میں عاجزی ثابت کی کہ جس کی طرف انسان کو اشد ضرورت ہے اور بغیر اس کے کسی طرح چارہ نہیں۔ وہ کیا رات دن کا اپنے اندازہ خاص پر ہونا اور ان سے آرام اُٹھانا؟ پس فرماتا ہے قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الخ کہ ان سے پوچھو اگر خدا تم پر رات کو اس قدر دراز کر دے کہ قیامت تک صبح نہ ہو تو پھر تمہارے معبودوں سے کوئی ایسا ہے کہ صبح کر دے؟ اسی طرح اگر دن کو اس قدر بڑا کر دے کہ قیامت تک شام نہ ہو تو پھر تمہارے معبودوں میں سے وہ

کون سا ہے جو تمہارے آرام کے لیے رات پیدا کرے؟ رات میں آرام پانا سکونِ طبع ہونا ایک طبعی بات ہے۔ رات کی درازی میں تو افلا تسمعون فرمایا تھا کیونکہ رات میں اندھیرا ہوتا ہے، دکھائی کم دیتا ہے، کانوں سے کام لیا جاتا ہے، اندھیرے میں آدمی سن سکتا ہے، دیکھ نہیں سکتا اور دن میں دیکھنا ہو سکتا ہے اور روشنی میں آنکھ زیادہ کام دیتی ہے، اس لیے یہاں افلا تبصرون فرمایا۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ فرماتا ہے اس کی عنایت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا۔ لتسکنوا تا کہ آرام پاؤ۔ سکون ملے، یہ رات کا فائدہ ہے۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ کہ اس کے فضل یعنی روزی کی تلاش کرو تجارت، زراعت وغیرہ اسباب معاش میں مصروف ہو۔ یہ دن کا فائدہ ہے، کیونکہ دن میں انسان کاروبار کرتا ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ دونوں سے متعلق ہے۔ یہ چیزیں اس لیے بنائیں کہ تم شکر کرو۔ اب روزمرہ کی نعمت کی بے قدری اور ناشکری کو دیکھئے۔

اس برہان کے بعد حشر کے دن کا عجز بیان کرتا ہے۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الخ کہ ان سے پکار کر کہا جاوے گا تا کہ ہر کوئی سنے اور ان کی رسوائی سب پر ظاہر ہو کہ وہ تمہارے معبود کہاں ہیں؟ اور اس عدالت میں ہم ہر ایک اُمت میں سے گواہی دینے والا نبی یا اس کا نائب بلائیں گے جو گواہی دے گا کہ میں نے ان کو حکم پہنچا دیا تھا۔ پھر خدا تعالیٰ ان مجرموں سے کہے گا کہ اب کوئی دلیل یا سند پیش کرو کیا خاک پیش کریں گے۔ پس ان پر ظاہر ہو جاوے گا کہ اللہ کا فرمان برحق ہے اور ہمارے جھوٹے ڈھکوسلے تھے کہ فلاں دیوی قیامت میں یہ کرے گی، دیوتا یوں کام آوے گا۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ
الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ
قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ
الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ
اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾ قَالَ اِنَّمَآ
اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ
مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ
عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ
عَظِيْمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ

وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۟ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر وہاں سے اکڑنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ اس کی کنجیاں چند زور آور مرد بمشکل اُٹھاتے تھے (قارون کے اکڑنے پر) جب اس کو اس کی قوم نے کہا کہ اترا مت کیونکہ اللہ کو اترانے والے نہیں بھاتے اور جو کچھ تجھ کو اللہ نے دیا ہے، اُس سے آخرت کا گھر حاصل کر، اور اپنا حصہ دُنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تجھ سے بھلائی کی اور ملک میں خرابی ڈالنا نہ چاہ کس لیے کہ اللہ کو مفسد لوگ پسند نہیں آتے۔ اُس نے کہا مجھے تو یہ ایک ہنر سے ملا ہے جو مجھے حاصل ہے۔ کیا اُس نے معلوم نہیں کیا کہ اللہ نے اُس سے پہلے ایسے ایسے قرن ہلاک کر دیے ہیں جو قوت اور مال میں اس سے بھی زیادہ تھے اور گناہ گاروں کے گناہوں سے پرسش نہیں کی جاتی ہے، پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی تیاری سے نکلا تو دُنیا کی زندگی کے طالب کہنے لگے کہ اے کاش! ہمارے لیے بھی ویسا ہی ہوتا جیسا کہ قارون کو دیا گیا ہے، وہ تو بڑا نصیبے والا ہے اور علم والوں نے کہا کم بختو اللہ کا ثواب بہتر ہے، اس کے لیے جو ایمان لایا اور نیک کام کیا اور یہ نہیں ملتا مگر صبر کرنے والوں کو۔ پھر ہم نے قارون اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر اس کی ایسی کوئی بھی جماعت نہ تھی جو اس کو (عذاب) اللہ سے بچا لیتی اور نہ وہ خود بچ سکا اور وہ لوگ جو کل اُس کے مرتبہ کی تمنا کرتے تھے آج صبح کو کہنے لگے کہ ہائے رے! اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ اگر خدا کی ہم پر مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیا ہوتا، ہائے کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

ترکیب : مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ، بمعنی الذی فی موضع نصب باٰتینا وان واسمها وخبرها صلة الذی ولهذا کسرت ان، تنوء ا الخ ای تثقلهم فالباء للتعدیة وقد یقال اناء ته ونوءت، بہ وقیل هو علی القلب ای لتنوء به العصبة و من الکنوز متعلق باٰتیناه واذ قال له ظرف لاٰتیناه والا وجه ان یقال اذکر اذ قال له قومه۔ فیما اٰتاك، مصدریة او بمعنی الذی وهی فی موضع الحال ای واطلب منقلبا فیما اٰتاك الله اجر الاٰخرة ویجوز ان یکون ظرفا فالابتغ علی علم فی موضع الحال وعندی صفة لعلم من قبله ظرف لاهلکنا من هو مفعول۔

تفسیر : کلام اس میں آ گیا تھا کہ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى کہ دنیا کے ناز و نعم بے ثبات ہیں۔ نعماءِ باقیہ دارِ آخرت کی ہیں، پھر اس کے سبب دارِ آخرت کو چھوڑنا پوری بدنصیبی اور بے عقلی ہے، اس کے بعد اسی کے متعلق کلام رہا،

قارون کا قصہ : اب اس کی توضیح و تمثیل کے لیے ایک بڑے مالدار کا قصہ بیان کرتا ہے کہ جس نے مال کے غرور میں دارِ آخرت کی محرومی حاصل کی اور نبی سے سرکش ہو گیا، جس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ پھر یہ دولت دُنیا ہی میں جاتی رہتی ہے اور بلائے آسمانی نازل ہو جاتی ہے، یعنی دارِ آخرت کا عذاب تو کچھ ہوگا سو ہوگا مگر جس دولت پر پھولا ہوا ہے وہ بھی دُنیا میں سدا اس کے پاس نہیں رہتی اور وہ مالدار

ایک شخص بنی اسرائیل کا تھا جس کا نام قارون تھا، فَقَالَ اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْھِمْ الخ فبغیٰ علیھم سو اس نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل کے فرمانبردار سرداروں سے سرکشی اور مقابلہ کیا اور حالانکہ اس کو خدا نے اس قدر خزانے دیے تھے کہ ان مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ اس کی کنجیوں کے اُٹھانے سے چند زور آور آدمی تھک جاتے تھے۔ والمفاتح جمع مفتح بکسر المیم وھو ما یفتح بہ الباب یعنی مفتح کنجی مفاتح اس کی جمع کنجیاں، او جمع مفتح بالفتح وھو الخزانۃ، مفتح بالفتح خزانہ اگر مفاتح اس کی جمع ہوگی تو اس کے معنی بہت سے خزانے۔ (نیشاپوری)۔ بعض مفسرین پہلے معنی پر طعن کر کے دوسرے ہی کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قدر مال ہو نہیں سکتا کہ جس کی کنجیوں کے بوجھ سے ایک جماعت تھک جاوے اور اگر ہم ایک شہر سونے سے بھرا ہوا بھی فرض کرلیں تو اس کے لیے بھی ایک کنجی کافی ہے، اسی لیے ابورزین کہتے ہیں کہ تمام کوفہ کو ایک کنجی کافی ہوسکتی ہے اور نیز کنوز دفینہ کو کہتے ہیں، اس کے لیے کنجیوں کی کیا ضرورت ہے؟ پس معنی یہ ہوئے کہ اس کے پاس اس قدر خزانے تھے کہ جن کو اُٹھانے سے چند قوی آدمی تھک جاتے تھے اور یہ ممکن ہے لیکن جو لوگ مفاتح کو کنجیاں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں وہ زمانہ اور طور کا تھا، آج کل کے عمدہ قفلوں اور باریک اور نازک کنجیوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ موٹی موٹی بھاری بھاری کنجیاں ہوں گی، جیسا کہ اب بھی بنیوں کی دکانوں کی ہوتی ہیں۔ خصوصاً دیہات میں اور پھر اس کنجوس نے ہر ہر چیز کو ایک صندوق میں مقفل کر رکھا تھا، کسی میں کپڑے، کسی میں برتن، کسی میں کچھ، کسی میں کچھ۔ اس طرح کئی سو صندوق ہوں تو پھر ایسی کنجیوں کے اُٹھانے کے لیے ضرور کئی آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہوگی اور کئی خچروں پر لاتے ہوں گے، پس یہ ممکن ہے اور اسی کو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن نے اختیار کیا ہے۔ ابومسلم کہتے ہیں مفاتح سے مراد علم کے مفاتح ہیں جن کا احاطہ جماعتِ ذی قوت پر دشوار ہے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور ابومسلم کو شاید کتب اہلِ کتاب کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اِذْ قَالَ قومه لاتفرح ان الله لایحب الفرحین کہ اترا نہیں خدا کو اترانا نہیں بھاتا۔ وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ کہ جو کچھ اللہ نے تجھ کو دیا ہے، مال و عزت اس سے دارِ آخرت حاصل کر وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اور جو کچھ دنیا میں تیرا حصہ ہے، کھانے پینے میں اس کو فراموش نہ کر، یعنی دولت سے نفع اُٹھا، کیونکہ وہ بڑا بخیل تھا یہ اس لیے کہا مطلب یہ کہ اللہ کی راہ میں دے اور خود بھی کھا پی اور تکبر اور سرکشی نہ کر قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ کہ میں نے یہ جو کچھ حاصل کیا ہے تو اپنی دانائی اور ہوشیاری سے حاصل کیا ہے، جیسا کہ آج کل نئی روشنی والے جب کامیاب ہوجاتے ہیں تو اس کو اللہ کا فضل نہیں سمجھتے، اپنی ہی لیاقت اور دانائی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے بڑھ کر استعداد اور علم کے لوگ کیسے نامراد پھرتے ہیں؟ اَوَلَمْ يَعْلَمْ میں اللہ تعالیٰ اس کی اس ناشکری پر تہدید ظاہر فرماتا ہے کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے کیسے کیسے مالداروں زور آوروں کو غارت کردیا ہے اور پھر جب وقت آجاتا ہے تو مجرموں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا، یعنی ان کا کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ایک روز بڑی آرائش سے قوم کے ساتھ آیا اور ممکن ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ اپنی زینت میں قوم سے مقابل و مخالف ہوا بولتے ہیں خرج علی فلاں ای بغی علیہ۔ جس کو دنیاداروں نے دیکھ کر بڑی حسرت کی، آخر وہ مال کے ساتھ زمین میں غرق کردیا گیا، اس پر لوگوں کو متنبہ کیا۔ یہ قصہ توریت کے سفر عدد کے سولہویں باب میں بالتصریح مذکور ہے۔ جس کے مختصر جملے یہ ہیں۔ ''اور قارح (یعنی قارون) بن اظہار بن قہات بن لاوی نے لوگ لیے الخ اڑھائی سو شخص جو سرگروہ اور نامی اور جماعت کے مشہور تھے۔ موسیٰ کے مقابلے میں اُٹھے اور وہ موسیٰ اور ہارون کی مخالفت پر جمع ہوئے اور انہیں کہا۔ الخ، تم کیوں آپ کو خداوند کی جماعت سے بڑا جانتے ہو، الخ پھر موسیٰ نے قارح کو کہا اے بنی لاوی سن رکھو الخ اب تم کہانت (امامت) کو بھی چاہتے ہو سو تو اور سب تیرے گروہ خداوند کی مخالفت پر اکٹھے ہوئے اور ہارون کون ہے جو تم اس کی شکایت کرتے ہو۔ (قارون چاہتا تھا کہ موسیٰ اور ہارون کے برخلاف لوگوں کو اُکسا کر سرداری آپ لے اور خصوصاً کہانت کے عہدہ کا اس کو بڑا رشک تھا کہ یہ اپنے بھائی ہارون کو کیوں دیا، مجھے کیوں نہ دیا) تب موسیٰ کا غصہ بھڑکا اور

خداوند سے یوں بولا ان کے ہدیئے کی طرف توجہ مت کر۔ میں نے ان سے ایک گدھا بھی نہیں لیا نہ ان میں سے کسی کو دُکھ دیا۔ پھر موسیٰ نے قارح کو کہا کہ تو اپنے سارے گروہ سمیت تو اور وے اور ہارون بھی خداوند کے حضور کل کے دن حاضر ہوں اور ہر ایک شخص اپنا اپنا عود سوز لیوے اور اس میں بخور ڈالے، الخ سو ہر ایک آدمی نے اپنا اپنا عود سوز لیا اور اس میں آگ بھری اور اس پر بخور ڈالا اور جماعت کے خیمے کے دروازے پر موسیٰ اور ہارون سمیت آ کھڑے ہوئے اور قارح نے اس سارے گروہ کو ان کی مخالفت پر جماعت کے خیمے کے دروازہ پر جمع کیا''۔(فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ کے یہی معنی ہیں)''تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا، تم آپ کو اس گروہ میں سے جدا کرو تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کروں۔ الخ تب موسیٰ نے کہا تم اس سے جانیو کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے الخ۔ اگر یہ آدمی اس موت سے مریں جس موت سے سب مرتے ہیں یا ان پر کوئی حادثہ ایسا ہووے جو سب پر ہوتا ہے تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں پر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منہ پھیلا دے اور ان کو اس سب سمیت جو ان کا ہے نگل جاوے اور جیتے جی گور میں جاویں تو تم جانیو کہ ان لوگوں نے خداوند کی اہانت کی اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسیٰ یہ سب باتیں کہہ چکا تو زمین جو ان کے نیچے تھی پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قارح کے تھے اور ان کے سب مال کو نگل گئی۔ سو وہ اور سب جو ان کے تھے جیتے جی گور میں گئے اور زمین نے انہیں چھپالیا اور جماعت کے درمیان سے فنا ہو گئے''(فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ کے یہی معنی ہیں)''اور سارے بنی اسرائیل جو ان کے پاس تھے، ان کے چلانا سن کے بھاگے کہ انہوں نے کہا ایسا نہ ہو کہ زمین ہم کو بھی نگل جاوے''، انتہی ملخصاً وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ (دنیا کی مالداری کچھ مقبولیت کی دلیل نہیں) لَوْلَاۗ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ[1] لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ کے یہی معنی ہیں، یعنی اس کی دولت دیکھ کر جو ہم حسرت کرتے تھے اور اس کو بڑا شخص جانتے تھے، اگر اور لوگوں کی طرح ہم بھی ان کے ساتھ ہو جاتے تو ہلاک ہو جاتے۔ کافروں یعنی پیغمبروں سے مقابلہ کرنے والوں کو فلاح نہیں ہوتی۔

قارون[2] کی دولت کا توریت میں کچھ ذکر نہیں مگر قرآن سے اس کا مالدار ہونا معلوم ہوتا ہے اور اپنی قوم میں بڑا مالدار تھا یہ مال اس نے مصر میں تجارت یا فرعون کی نوکری سے حاصل کیا تھا، باقی اس کی کیمیا گری اور فسوں سازی کے جو افسانے لوگوں نے لکھے ہیں، بے سند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ قصہ گو تھوڑی سی بات کو بڑا کر لیتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۴ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵

[1] ویکانہ ویک عند الکوفیین بمعنی ویلک وجوز جار اللہ ان یکون الکاف کاف الخطاب مضمومة ای فی می ۱۲ منہ

[2] گو یہ قصہ توریت میں بھی ہے مگر قرآن مجید نے کن الفاظ میں ادا کیا اور کس خوبی کے ساتھ جو عبرت دلاتا اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

(دنیا تو عام ہے) یہ آخرت کا گھر ہم خاص ان کو ہی دیتے ہیں جو نہ زمین میں گردن کشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام تو پرہیزگاروں کا ہی اچھا ہے جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو اُس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو کوئی بدی لائے گا سو بدی کرنے والوں کو اسی قدر سزا دی جائے گی، جو وہ کرتے تھے۔ (اے نبی!) جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور آپ کو معاد کی طرف پھیرلائے گا۔ (اے نبی!) کہہ دو میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون دین حق لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور آپ کو توقع بھی نہ تھی کہ آپ پر کتاب اُتاری جائے گی، مگر آپ کے رب کی آپ پر مہربانی ہوئی (جو کتاب اُتاری) پھر کافروں کی طرف داری نہ کرنا اور ایسا نہ ہو کہ اللہ کی آیتیں نازل ہو چکنے کے بعد آپ کو ان سے کوئی باز رکھے اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے چلے جایئے اور ہرگز مشرکین میں شامل نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو نہ پکارنا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز مٹ جانے والی ہے، مگر اُس کی ذات اسی کی بادشاہی ہے، اُسی کے پاس تم کو پھر کر جانا ہے۔

ترکیب : تلك مبتداء والدار نعت و نجعلها خبر من موضع نصب میں ہے۔ اعلم سے ومن یہ معطوف ہے، من اول پر۔ الا رحمة ای ولکن القی رحمة الاوجهه استثناء من الجنس ای الا ایاه۔

تفسیر : قارون کی بربادی کا حال بیان فرما کر اور یہ بات ثابت کر کے کہ دارِ آخرت کی نعماء باقی اور بہتر ہیں۔ یہ بات بتلاتا ہے کہ اس دارِ آخرت کا کون مستحق ہے اور کن کن باتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ فقال تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا کہ یہ دارِ آخرت ہم اس کو دیں گے کہ جو دنیا میں سرکشی اور فساد کرنے کا قصد بھی نہ کرے گا۔ علو گردن کشی، تکبر اس کی ضد اسلام گردن نہادن یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے آگے گردن جھکائے ان کی سب باتوں کو مانے، اس میں تمام عقائد آ گئے۔ یعنی قوتِ نظریہ کی تکمیل اور فساد کی ضد اصلاح ہے، اس میں اعمالِ صالحہ آ گئے، یعنی نیک کام کرے۔ اب یہ خیال کرنا کہ دارِ آخرت کے لیے ایمان اور عملِ صالح کی کوئی شرط نہیں تکبر اور فساد نہ کرنا ہی کافی ہے، محض غلط خیال ہے۔ ان اعتقادیات اور عملیات کو ترکِ تکبر اور فساد کے الفاظ سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ فرعون اور قارون کہ جن کا اس سورہ میں ذکر ہے، وہ کمبخت اسی تکبر اور فساد سے ہلاک ہوئے ہیں۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ اس کی تصریح ہے کہ ترکِ تکبر اور ترکِ فساد سے ایمان اور عملِ صالح مراد ہیں، کیونکہ بغیر اس کے متقی نہیں ہوتے اور عاقبت یعنی آخرت اور اس کی خوبیاں متقیوں کے لیے ہیں۔ یہ جملہ کلامِ سابق کی تفسیر یا تاکید ہے، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الخ میں اور بھی تصریح و تفصیل ہے کہ جو کوئی نیکی کرے گا اس سے بھی بہتر بدلہ پاوے گا اور جو بدی کرے گا اُس کی سزا پاوے گا۔ یہ دارِ آخرت کا قانون ہے۔ کفار اور بت پرست دارِ آخرت کا ذکر سن کر کہتے تھے کہ دراصل ہم ہی دارِ آخرت کے مستحق ہیں جو کام ہم کر رہے ہیں، وہی ہدایت اور سعادت کے کام اور دارِ آخرت

کے وسائل ہیں۔ (اور تمام مذاہب باطلہ کو یہی خبط ہے کہ وہ اپنے اعتقادِ بد اور عملِ فاسد کو موجب نجات جانتے ہیں، دوسرے کو محروم) اور اسی لیے آنحضرت ﷺ کو کہتے تھے کہ تجھے دارِ آخرت نصیب نہیں اور نہ تو ہدایت پر ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ کہ جس نے تجھ پر قرآن کا پڑھنا اور لوگوں کو سنانا فرض کیا جو راہ راست اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، ضرور تجھے معاد یعنی دارِ آخرت میں پہنچاوے گا۔ یعنی وہاں کی خوبیاں نصیب کرے گا۔ معاد جائے بازگشت۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ کفار جو تجھے مکہ سے نکالتے ہیں ہم پھر تجھے یہاں لاویں گے، چنانچہ بعد ہجرت کے آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف لائے اور یہاں کے قابض ہوئے، خدا تعالیٰ نے اس پیشین گوئی کو صادق کر دیا اور حضرت کا اعجاز پورا ہوا۔ ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ جب آپ مکہ سے نکلے اور جحفہ تک پہنچے تو مکہ کا شوق ہوا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ معاد سے مکہ مراد ہے۔

اور ان سے کہہ دے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہی صریح میں کون پڑا ہوا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو تسکین دیتا ہے، وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْا الخ کہ اس وحی کی تجھے تو امید بھی نہ تھی، پھر خود ہم نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا، پھر تو خاموشی اختیار کر کے کافروں کا مددگار نہ بن اور ان کے شبہات سے اللہ کی آیتوں سے نہ رُک۔ تو شوق سے اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلا اور مشرکوں میں شامل نہ ہو اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا جو کوئی ہو تو فنا ہونے والا ہے، دنیا سے[1] یا ممکن الوجود ہے، مگر وہ وجہ سے اس کی ذات تعبیر کی گئی ہے اور اس کی بادشاہی ہے اور سب کو اسی کے پاس پھر کر آنا ہے۔ یہ تین علامتیں معبودِ برحق کی ہیں، باقی اور ابدی ہونا۔ بادشاہی ہونا، اس کے پاس سب کو پھر کر آنا۔ یہ باتیں اور کسی میں نہیں، پس وہ معبود بھی نہیں، اس لیے ان کے پکارنے سے منع کیا۔ حاصل یہ کہ تو راہِ راست پر ہے اور لوگوں کو توحید کی تعلیم کر ان کے کہنے کا کچھ بھی خیال نہ کر۔ سبحان اللہ سورہ کو کن عمدہ مقاصد پر کس لطف کے ساتھ تمام کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۵﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم آمنا کہہ کر چھوٹ جاویں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جاوے گی اور بے شک ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمایا ہے، پھر اللہ ضہ

[1] اس قید سے وہ تعارض اٹھ گیا جو نعماءِ جنت کے لیے دائمی اور باقی رہنے والا فرمایا ہے کس لیے کہ اس نعماء اور ہلاک سے مراد فنا ۱۲ نے ہالک کے معنی ممکن الوجود کے لیے ہیں اس کے نزدیک تو سرے سے تعارض ہی نہیں۔ ۱۲ منہ

معلوم کر کے رہے گا کہ کون سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ کیا بدی کرنے والوں نے (یہ) سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہم سے بھاگ کر آگے نکل جائیں گے۔ وہ بہت ہی بری تجویز کیا کرتے ہیں، جس کسی کو (مرکر) اللہ سے ملنے کی توقع ہو تو اس کو ضرور تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ اس کی مقرر کردہ اجل ضرور آنے والی ہے اور وہ ہر کچھ سنتا جانتا ہے اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔ البتہ اللہ تو تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

ترکیب : ان یترکوا ان وما عملت فیہ یسد مسد المفعولین۔ ان یقولوا ای بان یقولوا ویجوز ان یکون بدلا من ان یترکوا من کان شرط والجواب فان اجل اللہ والتقدیر لآیۃ۔

تفسیر : پہلی سورہ کے خاتمہ میں فرمایا تھا کہ ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الیٰ معاد اور معاد دارِ آخرت کی طرف کامیابی کے ساتھ جانا آسان بات نہیں، اس میں بڑی بڑی جانفشانیاں کرنی پڑتی ہیں اور بڑی سختیوں کی برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے اس سورہ میں الم سے ایک خاص[1] مطلب کی طرف اشارہ کر کے، یہ فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ کہ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دینا اور صرف ایمان لا کے بیٹھ رہنا کافی ہے اور ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی کس لیے کہ ان سے پہلے بھی ایمانداروں نے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ آزمائے گئے ہیں گھر بار لوٹے گئے ہیں، ماریں پڑی ہیں، دیس سے نکالے گئے ہیں۔ اس سے اہلِ اسلام کو مضبوط کیا جاتا ہے کہ اسلام میں تکالیف دیکھ کر نہ گھبرائیں، ایسی ہی آزمائشوں میں سچے جھوٹے کا امتیاز ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں خصوصاً ہجرت سے پیشتر ایمانداروں کو بڑی بڑی مصیبتوں کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ برادری کا چھوٹنا، کافروں سے مار کھانا، جلاوطن ہونا، مارا جانا، جورو بچے چھٹنا، مال واسباب سے دست بردار ہونا وغیرہ وغیرہ، چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بعض صحابہ نے مشرکین کے ظلم وستم کی شکایت کی کہ ہم یوں یوں ستائے جارہے ہیں۔ آپ دعا نہیں کرتے۔ خفا ہو کر فرمایا تم سے پہلے دیندار آرے سے چیرے گئے ہیں، پر وہ دین سے نہ ہٹے' لوہے کے کنگھے ان کے سر میں کئے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈی تک پہنچ گئے، پر وہ تب بھی اپنے دین سے نہ ہٹے اور قسم ہے اللہ کی یہ دین تو پھیلے گا یہاں تک کہ صنعا سے لے کر حضر موت تک سوار امن سے جاوے گا، لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔ رواہ البخاری مفسرین متفق ہیں کہ یہ ان اہل اسلام کی شان میں نازل ہوا ہے کہ جن کو کفار سے تکلیفیں پہنچ رہی تھیں۔ جیسا کہ عمار بن یاسر اور ولید بن الولید وسلمہ بن ہاشم رضی اللہ عنہم، فتنہ جان اور مال اور آبرو پر مصیبت آنا۔ الغرض مسلمانوں کو تسلی اور ثابت قدمی دی گئی کہ راہِ حق میں جو تکالیف پیش آویں ان کی برداشت کرو زبانی دعویٰ کافی نہیں۔ یہ آزمائش ہے جو ثابت قدم رہا، صادقوں میں لکھا گیا ورنہ کاذب قرار دیا گیا اور یہ کچھ نئی بات نہیں تم سے پہلے بھی دینداروں کو بڑی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب ان کے حواری یا اُن کے مرید روم میں پہنچے تو روم کے بادشاہوں نے کسی کو لوہے کے ستونوں سے گرم کر کے بندھوا دیا۔ کسی کو آگ میں ڈلوا دیا۔ کسی کو درندوں سے پھڑوا دیا مگر وہ ثابت قدم رہے۔

---

[1] الم یہ حروف مقطعات مخاطب کو تنبیہ کرنے کے لیے شروع کلام میں آتے ہیں جیسا کہ سنو۔ دیکھو تا کہ یہ معلوم ہو کہ اس کے بعد کوئی بڑی بات کہی جائے گی اس لیے بجز تین صورتوں کے اس کلمہ کے بعد کتاب یا تنزیل یا قرآن کا ذکر آیا ہے جو بڑی بھاری بات ہے مگر ان تین سورتوں میں بھی اور دوسری بھاری بات بیان ہوئی کھیعص۔ الم۔ غلبت الروم الم احسب الناس سو یہ بھی ایک بڑی بات تھی کہ لوگ زبان سے آمنا کہنا کافی سمجھتے تھے اور ان حروف میں اور بھی اشارات ہوتے ہیں جیسا کہ یہاں الف ہے اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی نے سب کو بنایا اور وہی باقی رہے گا علم مبدء آ گیا ل سے رسول کہ اس نے دنیا کی رہنمائی کو رسول بھیجے۔ علم بالواسطہ آ گیا م سے معاد یعنی دار آخرت اور وہاں کی خوبیاں اس میں علم معاد آ گیا اور لطف یہ ہے کہ پہلے اللہ کا حرف اول لیا بیچ میں رسول کا حرف اخیر پر معاد کا حرف اول تا کہ معلوم رہے کہ رسولوں کا بھیجنا ہدایت کا ذریعہ ہے اور مقصد ومبدء معاد ہے اور رسول کا اخیر حرف لینا یہ ہی بتلاتا ہے کہ اب رسولوں کا بھیجنا آخر ہوا۔ ۱۲ منہ

اس کے بعد ان تکلیف دینے والوں کو بھی آگاہ کرتا ہے، بقولہ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ الخ یہ برائی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم سے بڑھ جاویں گے، یعنی ہمارے قابو میں نہ آویں گے۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم بہت جلد اپنے نبی کی مدد کریں گے۔ سرکشوں کے سرتوڑ ڈالیں گے، چنانچہ چند روز کے بعد ایسا ہی ہوا۔ پھر دینداروں کی طرف روئے سخن کر کے فرماتا ہے کہ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰہِ الخ کہ جو کوئی دارِ آخرت کا طالب اور اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے کہ اس کے پاس جاؤں اور حیات ابدی پاؤں تو اللہ کا وعدہ آنے والا ہے، یعنی موت چلی آرہی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ کچھ ملے گا کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، نہ دل میں گزرا پس اس کو چاہیے کہ سرگرمی سے ایمان اور نیکوکاری میں مصروف رہے۔ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اور تمہاری یہ کوشش ایسی نہیں کہ جو اس کو معلوم نہ ہو کیونکہ وہ سمیع ہے، منہ کی بات سنتا ہے۔ علیم ہے، دل کے بھید جانتا ہے، وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ الخ اور یہ بھی یاد رہے کہ جو کوئی نیکی میں کوشش اور سرگرمی کرتا ہے تو اپنے فائدہ کے لیے کیونکہ اللہ کو کسی کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ اصولِ دین تین ہیں، مبداء کا پہچاننا اس کی طرف امنا میں اشارہ کیا اور وسط کا جاننا وہ رسولوں کا بھیجنا اور شریعت کا قائم کرنا اسی کی طرف وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ میں اشارہ کیا۔ معاد سے واقف ہونا اس کی طرف من کان یرجوا میں اشارہ کیا۔ اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ مرنے کے بعد روح جاتی رہتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑦ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ⑨ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ⑩

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو ضرور ہم اُن سے ان کی برائیاں مٹا ڈالیں گے اور ہم اُن کو اُن کے کام کا بہت ہی اچھا بدلہ بھی دیں گے اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ سے نیکی کرے اور (ہاں) اگر وہ اس بات پر اصرار کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کرے کہ جس کو تو جانتا بھی نہ ہو تو پھر ان کا کہنا نہ مان تم سب کو پھر کر میرے ہی پاس آنا ہے، تب میں تم کو بتلا دوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل بھی کیے ان کو ہم ضرور نیک بختوں میں داخل کریں گے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ (زبان سے) جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے لوگوں کی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں اور اگر آپ کے رب کے پاس سے آجائے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے اور کیا خدا دنیا جہان کے دلوں کی باتیں نہیں جانتا؟

ترکیب: حسنا منصوب بوصینا وقیل محمول علی المعنی والتقدیر الزمناہ حسنا۔ والذین امنوا مبتداء لندخلنهم خبر من یقول مبتداء من الناس خبر۔

تفسیر : اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ میں فی الجملہ ایک تہدید سی تھی جس سے کم سمجھ لوگوں کے دل پر شبہ ہوتا تھا کہ پھر نیک کام کیا ہے؟ اس لیے اس خیال کو رد کر کے فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے۔ ہم بار ہا بیان کر آئے ہیں کہ ایمان شروع میں جو کچھ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، اس کو سچا جاننا اور ماننا ہے، جن میں سے اللہ کی ذات پاک اور اس کی صفات اور ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لانا یعنی تصدیق کرنا از حد ضروری ہے۔ اور عملِ صالح وہ کام ہے کہ جس کی رغبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دلائی اور عملِ فاسد وہ کہ جس سے منع کیا۔ عمل ایک عرض غیر قار ہے باقی نہیں رہتا، مگر نیت اور خلوص سے۔ ان دونوں کے انعام میں دو چیزیں عطاء فرمانے کا وعدہ کیا لَنُکَفِّرَنَّ ایمان کے بدلے میں کہ ہم اُن کی پہلی برائیاں مٹا دیں گے۔ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ کہ ان کے اعمالِ خیر کا عمدہ بدلہ دیں گے۔ جنت اور وہاں کے نعماء اور نیز دنیا میں بھی کبھی بدلہ مل جاتا ہے۔

چونکہ اعمالِ صالحہ کا ذکر تھا، اس لیے ان میں سے بعض ان عملوں کا ذکر کرتا ہے کہ جن کے صالح ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں اور اس کی کس لطف کے ساتھ فرضیت ثابت کرتا ہے، بقولہ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا کہ ہم نے انسان کو حکم دے دیا ہے (اس کو بلفظ وصیت تاکید کے لیے فرمایا) کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کیا کرے، کیونکہ یہ اس کے بڑے محسن ہیں۔ لڑکپن میں جبکہ یہ کچھ بھی کما نہیں سکتا تھا، اس کو پالا پرورش کیا، علم و تہذیب سکھائی، مگر وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ الخ وہ اس بات کی اگر کوشش کریں کہ تو میرا کسی کو شریک کرے تو ان کا کہنا اس بات میں نہ ماننا کس لیے کہ سب سے زیادہ میں محسن ہوں، ماں باپ سے بھی زیادہ میرے احسانات ہیں، اس لیے میری بے ادبی نہ کرنا کہ کسی کو میرا شریک ٹھہرانے لگے۔ وہ پڑے جھگڑا کریں تو مانیو ہی نہیں۔ تم سب میرے پاس آؤ گے، میں تم کو وہاں بتا دوں گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی اس بارے میں تیرے ماں باپ کے اور تیرے جھگڑے کا میں فیصلہ کر دوں گا اور ممکن ہے کہ یہ جملہ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ خلوصِ نیت کے لیے تاکید ہو۔ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کہ جس کو تو جانتا نہیں اس کو بھی میرا شریک نہ کرنا اور جس کو تو جانتا ہے اس کو تو بدرجۂ اولیٰ نہ کرنا کس لیے کہ جب تجھے خود معلوم ہے کہ فلاں شے مخلوق اور حادث ہے، اس کو کیا شریک کرے گا، ہاں جس کو جانتا بھی نہیں جہاں وسوسہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شخص خدائی میں شریک ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ پس اس لیے مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کی قید لگائی۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ پہلے کلام کی تاکید ہے کہ جو اچھے کام کرے گا ہم اس کو صالحین کے زمرہ میں داخل کر دیں گے۔ وہ کہ جن کے لیے کون و فساد نہیں۔ اس میں علویات بھی آ گئے۔ یہ حکماء کا قول ہے۔ پھر اسی پہلی بات کی طرف دوسرے عنوان سے رجوع کرتا ہے۔ فقال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ زبان سے تو کہتے ہیں۔ امنا کہ ہم ایمان لائے، مگر فَاِذَا اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ جب اس کو اللہ کی راہ میں کوئی ایذا پہنچتی ہے تو اس کے ڈر سے دین سے اس طرح رُک جاتا ہے کہ جس طرح اللہ کے عذاب کے ڈر سے لوگ گناہوں سے رُکتے ہیں اور اس تکلیف کی وہ کچھ بھی برداشت نہیں کرتا اور لطف یہ ہے وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ کہ اللہ کی طرف سے کوئی فتح نصیب ہو جاوے تو کہنے لگیں اِنَّا مَعَكُمْ کہ ہم تو پہلے سے تمہارے ساتھ تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اَوَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ کہ کیا خدا لوگوں کے دلوں کی بات نہیں جانتا۔ پس ہم ان کے دلی راز سے واقف ہیں، یعنی ان کا یہ جھوٹ ہم سے نہیں چل سکتا۔ **مسائل:** ماں باپ کی اطاعت فرض ہے مگر گناہ کے کام میں نہیں۔ انسان کو کبھی تکلیف سے یا کسی کے خوف سے دین یا اس کی کسی بات کو ترک کرنا حرام ہے۔ دین پر سختی اور نرمی میں ثابت قدم رہنا فرض ہے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮

اور البتہ اللہ ایمان داروں کو جانچ لے گا اور منافقوں کو بھی اور کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریق پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھا لیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اُٹھانے والے نہیں، وہ بالکل جھوٹے ہیں اور (ہاں) البتہ وہ اپنے بارِ گناہ اُٹھاویں گے اور بار بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ اُٹھاویں گے۔ اور قیامت کے دن ان کی فتنہ پردازیوں کا ضرور پوچھا جائے گا اور البتہ ہم نے نوح کو ان کے قوم کی طرف بھیجا پھر وہ اس میں پچاس کم ہزار (ساڑھے نو سو برس) تک رہے پھر ان لوگوں کو طوفان نے آلیا، حالانکہ وہ بدکاری میں مصروف تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچا لیا اور کشتی کو دنیا کے لیے نشانی بنا دیا۔

ترکیب : الذین امنوا یعلمن کا مفعول اتبعوا الخ مقولہ ہے قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا ولنحمل عطف علی اتبعوا وارادوا تجمع بذان الامران فی الحصول ان تتبعوا طریقتنا وان نحمل خطایا کم نظیرہ لیکن منک العطاء ولیکن منی الدعا انھم لکاذبون فی اخبار حمل الخطایا وان صدرہ فلک بلفظ الامر۔ وعندی اذا کان الوعد من غیر صمیم القلب الیٰ سمی ھذا فی العرف بالکذب فعلی ھذا الا ینحصر الکذب فی الاخبار بل قد یکون فی الانشاء وھم ظلمون حال من ضمیرھم فی اخذھم۔

تفسیر : وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ یہ کلام سابق کا تتمہ ہے کہ وہ جو ایسی باتیں بناتے ہیں اللہ پر کوئی بات مخفی نہیں، وہ دلوں کے راز جانتا ہے اور آئندہ مومن اور منافق کا پورا امتیاز ہو جاوے گا۔ اللہ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے، پھر یہ جو قرآن میں آیا کرتا ہے تاکہ اللہ جان جاوے اور اللہ جان جاوے گا وغیرہ تو اس سے علم تفصیلی مراد ہے؟ ایک حادثہ اور تجربہ کے بعد اس شخص کو بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ جس کا یہ معاملہ ہے اور لوگ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کے الزام کے لیے بھی اس پر حجت ہوا کرتا ہے۔ یہاں یہ کلام ہو سکتا ہے کہ یہ سورۂ مکیہ ہے اور مکہ میں یا کافر تھے یا مومن منافق کہاں تھے؟ منافق یعنی دل میں کافر ظاہر میں مومن یا کسی لالچ پر ہوتے ہیں یا کسی خوف سے اور مکہ میں تو اہلِ اسلام کی طرف سے کوئی توقع نفع کی تھی اور نہ کچھ خوف تھا، کیونکہ خود مسلمان مصیبت میں تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کسی شخص کا واقعہ نہیں بلکہ ایک تمثیل ہے کہ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں اور لوگوں کی تکلیف سے ایسا ڈرتے ہیں کہ جیسا اللہ کے عذاب[1] سے ڈرتے ہیں اور راحت کے وقت ایمانداروں کے ساتھ رہنا بیان کرتے ہیں، یا یوں کہو کہ یہ پیشین گوئی ہے کہ ایسے لوگ بھی اسلام میں آویں گے چنانچہ مدینہ میں آکر یہ بات پیش آئی اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اسلام میں

[1] جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جب اس کو دنیا میں اسلام پر کوئی تکلیف پہنچتی ہے کسی ظالم کی طرف سے تو اس کو وہ اللہ کی طرف کا عذاب سمجھ کر اسلام سے پھر جاتا ہے یعنی اسلام کو نامبارک سمجھتا ہے۔ ۱۲ منہ

فتوحات پیش آویں گی، حال کی مصیبت سے نہ ڈرو۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے ان ظالم کافروں کی ایک اور ڈھٹائی بیان فرماتا ہے۔ وہ کمبخت کافر بے کس مسلمانوں کو از حد ستاتے تھے، اس پر ان سے یہ کہتے تھے کہ تم یہ تکالیف کس لیے اٹھاتے ہو، کس لیے اسلام نہیں چھوڑ دیتے؟ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے اس گناہ سے ڈرتے ہیں، آخرت کا خوف ہے، اس کے جواب میں وہ کہتے تھے اجی تم چھوڑ دو دنیا کے مزے اُڑاؤ تمہارے گناہ ہم اُٹھالیں گے (چنانچہ آج کل فساق ایک دوسرے کو یہی کہہ کر گناہ پر آمادہ کیا کرتے ہیں کہ میری قسم شراب کی پیالی پی لو تمہارا گناہ ہمارے سر پر، تمہارے عوض ہم عذاب اُٹھالیں گے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَمَا هُمْ بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ کہ وہ ان کا کوئی گناہ بھی نہ اُٹھاسکیں گے وہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں، اول تو دارِ آخرت کی تکلیف پر کوئی اپنی تکلیف کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ دوسرے کی تکلیف اور خدا تعالیٰ کا عدل کب مقتضی ہے کہ کسی کے گناہوں پر کسی اور سے مطالبہ کرے، البتہ وہ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ اپنے گناہوں کا بار اُٹھاویں گے وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ اور اس کے ساتھ اپنی اس دلیری اور ان کے بہکانے کا بھی بار گناہ اُٹھاویں گے اور ان کی اس افتراء پردازی سے قیامت کو باز پرس ہوگی کہ تم کس جرأت اور بے باکی سے ایسی باتیں بناتے تھے؟

اول سورہ میں فرمایا تھا کہ تم سے پہلے لوگ بھی دینداری کے سبب بہت کچھ ستائے گئے ہیں۔ اب اس کی تصدیق کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کا حال بیان فرماتا ہے، فقال تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ الخ کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پھر وہ اس میں ساڑھے نو سو برس[1] تک رہا، بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر نہ مانا اور نوح علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ چند ایمانداروں کو وہ وہ تکلیفیں دیں کہ جو بیان سے باہر ہیں۔ آخر کار فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ الخ ان کو طوفان نے آلیا اور وہ اس وقت تک ویسے ہی بدکار تھے اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اور اس کے ساتھ جو کشتی میں تھے بیوی بیٹے اور چند دینداروں کو بچالیا اور قرنوں تک اس کشتی کو اپنی قدرت کا نمونہ دکھانے کے لیے باقی رہنے دیا کہ دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور اس عہد کو یاد کریں اور اپنی سرکشی سے باز آویں، اس میں کفارِ مکہ کی طرف روئے سخن ہے کہ غرہ نہ ہونا جس طرح قوم نوح کو ہلاک کیا تم بھی ایک روز گرداب بلا میں آجاؤ گے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

[1] توریت سفر الخلیقہ کے پانچویں اور چھٹے باب میں یوں لکھا ہے کہ آدم کی عمر ایک سو تیس برس کی ہوئی تو اس کے ہاں سیت (شیث) پیدا ہوا۔ آدم کی کل عمر نو سو تیس برس کی ہوئی اور سیت کے ایک سو پانچ برس کی عمر میں انوس پیدا ہوا اور اس کی کل عمر نو سو بارہ برس کی ہوئی اور انوس کی جب نوے برس کی عمر ہوئی تو اس سے قینان پیدا ہوا اور انوس کی کل عمر نو سو پانچ برس کی ہوئی اور قینان کی ستر برس کی عمر میں محلل ایل پیدا ہوا اور قینان کی کل عمر نو سو دس برس کی اور محلل ایل کی پینسٹھ برس کی عمر میں اس سے یارد پیدا ہوا اور محلل ایل کی کل عمر آٹھ سو پچانوے برس کی ہوئی اور یارد کی ایک سو باسٹھ برس کی عمر میں اس سے حنوک پیدا ہوا۔ اور بارد کی کل عمر نو سو باسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک کی پینسٹھ برس کی عمر میں اس سے متوسلح پیدا ہوا اور حنوک کی کل عمر تین سو پینسٹھ برس کی تھی کہ اس کو خدا نے لیا اور غائب ہوگیا اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور متوسلح ایک سو ستاسی برس کا ہوا اس سے ملک پیدا ہوا اور متوسلح کی کل عمر نو سو انہتر برس کی ہوئی اور ملک ایک سو بیاسی برس کا تھا کہ اس سے نوح پیدا ہوا اور ملک کی کل عمر سات سو ستتر برس کی ہوئی اور نوح پانچ سو برس کا تھا کہ اس سے سام، حام، یافث ہوئے نوح کی عمر جب چھ سو برس کی ہوئی تب طوفان آیا اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا۔ اور نوح کی ساری عمر نو سو پچاس برس کی ہوئی لبث فیھم کی ضمیر خاص اس کافر قوم کی طرف راجع نہیں جو طوفان سے ہلاک ہوئے بلکہ ان کی طرف اور ان کے بعد والوں کی طرف یعنی قوم کی طرف راجع ہے اور بعث کے معنی یہ ہوں گے کہ ان میں ساڑھے نو سو برس کی عمر تک جیتے رہے۔ ۱۲ منہ

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع

اور ابراہیم (کے حالات بھی بیان کرو) جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور اُس سے ڈرا کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر خبر رکھتے ہو۔ تم اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے اور جھوٹی باتیں بناتے ہو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں، پس تم روزی بھی اللہ ہی سے مانگو اور اُس کی عبادت بھی کیا کرو اور اُس کا شکریہ کیا کرو، اُسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پیشتر بہت سے لوگ (رسولوں کو) جھٹلا چکے ہیں اور رسول پر تو یہی ہے کہ کھول کر پیغام پہنچا دے یہ کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ اول بار کیونکر پیدا کیا کرتا ہے، پھر اُس کو بارِ دگر لوٹاتا ہے۔ بے شک یہ کام اللہ پر آسان ہے۔ کہہ دو زمین پر (چل) پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح سے ابتداءً پیدا کیا، پھر اللہ آخرت کا جی اُٹھنا بھی پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے، جس کو چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور تم اُس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور تم نہ زمین میں (چھپ کر) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور نہ تمہارا اللہ کے سوا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار۔

ترکیب: و ابراھیم معطوف علی المفعول فی انجیناہ وعلی تقدیر واذکروا وعلی ارسلنا النشاۃ الآخرۃ بالمد والقصر لغتان اوثانا مفعول تعبدون جمع وثن ای صنم و تخلقون معطوف علی تعبدون ای تقولون۔ افکا ای کذبا تمیز من ضمیر تخلقون او مفعول مطلق الذی اسم ان تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ صلتہ لہ والعائد محذوف لا یملکون خبر کیف ھو والجملہ مفعول اولم یروا کیف بمعنی الکیفیۃ ابداء الخلق، یبدء بضم اولہ وقرء ت بفتحہ من بدا وابدء بمعنی واحد ای تخلقھم ابتداء فی الارض متعلق بمعجزین والمفعول ربکم۔

تفسیر: و ابراھیم یہ دوسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت نوح کے علیہ السلام بیٹے سام کی نسل سے ہیں ان کے اور نوح علیہ السلام کے بیچ میں آٹھ پشت ہوتی ہیں۔ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ایشیاء کو چک سے پورب رخ عراق عرب میں آ رہی تھی اور اسی جگہ انہوں نے شہر بابل اور ایک بلند برج آیندہ طوفان سے بچنے کے لیے بنایا تھا۔ پھر نوح کی اولادیں یہیں سے تمام دنیا میں پھیلیں۔ گویا سب کا قدیم وطن یہی دیس ہے۔ جیسا کہ توریت سفر الخلیقۃ کے گیارہویں باب سے ثابت ہے۔

[1] حکایۃ کلام اللہ تعالیٰ لابراھیم او محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ بیضاوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک جو حضرت نوح علیہ السلام سے سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے لوگوں میں بت پرستی از حد ہوگئی تھی۔ یہ لوگ صابی مذہب کے تھے، عناصر اور کواکب اور دیگر روحانیات کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے اور ان کو اپنے رزق اور دنیا کی راحت کا مالک جانتے تھے اور دار آخرت کے قائل نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے۔ انہوں نے وعظ کیا کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور جن کو تم پوجتے ہو ان کو تمہاری روزی کا کچھ بھی اختیار نہیں، یہ جھوٹے خیالات ہیں کہ وہ روزی دیتے ہیں۔ روزی اللہ دیتا ہے، اسی سے طلب کرو، اس کی عبادت کرو، اس کا شکریہ کرو، تم کو اُس کے پاس پھر کر جانا ہے، اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ الخ اور اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو کوئی جدید بات نہیں، تم سے پہلے بہت سے گروہ اور فرقے پہلے انبیاء کو جھٹلا چکے ہیں۔ نوح اور شیث اور ادریس علیہم السلام کو ان کے لوگوں نے جھٹلایا تھا۔ رسول کا کام صاف صاف حکم پہنچا دینا ہے، اب تم مانو یا نہ مانو۔

اس مسئلہ کو دو دلیلوں سے مدلل کیا۔ فقال اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ کہ کیا وہ عقلی برہان سے نہیں دیکھتے جو قائم مقام آنکھوں کے دیکھنے کے ہے کہ اللہ نئے سرے سے کیونکر پیدا کرتا ہے، ہر حجر و شجر و حیوانات کو دیکھو کہ پہلے کب تھے از خود تو بنے نہیں کیونکہ کوئی شے جو حادث ہو از خود نہیں، اگر از خود ہوتی ہو تو پہلے ہی کیوں نہ تھی، کسی نے تو اس کو روک رکھا تھا، پھر جس نے روک رکھا تھا وہی تو اس کا خالق ہے۔ وہ اللہ ہے جو تم کو حس سے محسوس نہیں ہوتا اور جو ابتداءً پیدا کرتا ہو (اور اس کو تو تم بھی مانتے ہو، اس لیے استفہام کے طور پر اَوَلَمْ يَرَوْا فرمایا) اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے، اس کو قیاس عقل چاہتا ہے اور اس لیے آیت کو اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ پر ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسری دلیل ذکر فرماتا ہو، قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ الخ اگر تم کو علم یقینی اور حدس مذکور حاصل نہ ہو تو اقطار الارض میں یعنی ملکوں میں پھر کر دیکھو اور موالید ثلٰثہ معادن نبات حیوان کے پیدا ہونے کی کیفیت ملاحظہ کرو کہ ان کو کس طرح سے پیدا کیا ہے، تاکہ یہ فکر مشاہدہ تک پہنچا دے اور اسی لیے اس جگہ کیف بدء الخلق

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ
اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ
وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ
مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ

وقف لازم

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور جو اللہ کی آیتوں اور اُس کے ملنے کے منکر ہوئے وہی میری رحمت سے بھی ناامید ہو گئے ہیں اور اُنہی کے لیے عذاب الیم ہے، پھر اُس کی قوم کے پاس بغیر اس کے اور کچھ جواب ہی نہ تھا۔ کہنے لگے کہ اس کو یا تو مار ڈالو یا جلا دو، پھر ابراہیم کو اللہ نے آگ سے بچا لیا۔ البتہ اس میں بھی ایمان لانے والی قوم کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ابراہیم نے (اپنی قوم سے) کہا تم نے جو اللہ کے سوا بت بنا رکھے ہیں تو آپس کی محبت کے لیے جو دُنیا کی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن تو ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور (اُس وقت) تمہارا ٹھکانا آگ ہوگا اور تمہارے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔ پس ابراہیم کو لوط نے مانا اور کہا میں اپنے رب کی طرف وہ وطن چھوڑ کر جاتا ہوں۔ بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم کی اور ہم نے دُنیا میں بھی اُس کا بدلہ اُس کو دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک بختوں میں سے ہوں گے۔

ترکیب : قال جار اللہ الزمخشری مودة بالنصب اما باضافة او بغیر اضافة فعلی الاول التعلیل لتوددوا بینکم وعلی الثانی یکون مفعولاً ثانیا علی حذف المضاف اوعلی ان المصدر بمعنی بمفعول ای اتخذتم الاوثان سبب المودة بینکم واتخذتموها مودودة بینکم وقری بالرفع ایضاً باضافة فعلی الوجہین یکون خبراالان علی ان ما موصلہ والتقدیر ان التی اتخذتموها اوثانا ھی سبب مودة بینکم او موذة بینکم۔

تفسیر : بلفظ ماضی ذکر کیا کہ اگر آیندہ اول بار پیدا کرنے اور بار دگر پیدا کرنے میں شک ہو تو پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھو انسان کو ایک قطرۂ منی سے بنایا، درختوں کو ایک ذرا سے تخم سے بلند و بالا کیا، پھر اس سے سمجھ لو کہ وہ بارِ دگر یعنی مرنے کے بعد پھر دوبارہ تم کو پیدا کرے گا۔ پس دونوں جملوں میں ایک جملہ کا دوسرے پر معنی کے لحاظ سے عطف ہے۔ پھر ثم اللہ ینشیء میں بجائے ضمیر کے لفظ اللہ کے لانے میں یہ نکتہ ہے کہ یہ تمہارے معبودوں کا کام نہیں، دلائل الانفس والا فاق کے بعد نتیجہ ثابت کرتا ہے، اللہ علی کل شیء قدیر کہ وہ اول بھی پیدا کر سکتا ہے، پھر مٹا کر اس کو بارِ دگر بھی بنا سکتا ہے دارِ آخرت قائم کر کے یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ جس کو چاہے گا سزا دے گا جس پر چاہے گا مہربانی کرے گا۔ اسی طرح دُنیا میں بھی تم کہیں مرو کہیں دفن ہو یا جلائے جاؤ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ سب اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔ ہم سے نہ زمین میں کہیں بھاگ کر جا سکتے ہو نہ آسمان میں چڑھ سکتے ہو۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ اور نہ کسی معبود کی مدد سے سامنے ہو کر مقابلہ کر سکتے ہو، کس کے لیے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ اس کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار، پھر جب مجبوراً ہمارے دربارِ عدالت میں لائے جاؤ گے تو وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ وہ جو اللہ کی آیتوں اور اس کے پاس جانے کے منکر ہو گئے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِىْ وہ درحقیقت میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں۔ پس اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ان کو سخت سزا ملے گی، یہ آخرت کا فیصلہ ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا سے لے کر اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تک بقرینہ قولہ تعالیٰ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں جملہ معترضہ ہے، جس میں قریش مکہ سے کلام ہے۔ اس لیے کہ عرب کی حالتِ کفر و شرک وانکارِ حشر میں بعینہٖ قومِ ابراہیم کی حالت تھی فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ سے پھر ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ اس کی قوم کو بجز اس کے اور کچھ جواب نہ آیا کہ جل کر یہ کہہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا دو۔ چنانچہ آگ میں ڈال دیا۔ اللہ نے حضرت کو سلامت وہاں سے نکالا۔ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس میں ایمانداروں کے لیے

ل نوح کی کشتی کے لیے آیۃ للعالمین آیا ہے اور یہاں آیات بقوم یؤمنون آیا اس سبب سے کہ وہ کشتی صرف ایک ہی نشانی تھی اور جہان کے لیے بھی کے قرنوں وہ باقی رہی ہر ایک شخص کافر و مومن اس کو دیکھتا تھا برخلاف ابراہیم کے آگ سے نکلنے کے اس کو تو وحی کے سبب ایمان والے ہی مانتے ہیں اور اس میں چند نشانیاں ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ ۱۲ منہ

بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ اللہ ایسا قادر ہے کہ آگ میں ڈال کر سلامت نکال لیتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ دینداروں پر ہمیشہ اس کی عنایت رہتی ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ امتِ محمدیہ ملتِ ابراہیمیہ کی پابند ہے۔ جس طرح ان کو آگ سے نجات دی اس کے پیرووں کو جہنم کی آگ سے بھی نجات دے گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وعظ شروع کیا کہ آج دُنیا میں تم نے باہمی محبت سے بت پرستی کر رکھی ہے، باپ دادا کی محبت سے اُن کے غلط طریق پر چلتے ہو اور برادری کی محبت سے غلط بات کو نہیں ترک کرتے قیامت میں وہ محبت بھی جاتی رہے گی، وہی تم پر لعنت کریں گے اور تم جہنم میں جاؤ گے کوئی نہ بچائے گا۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ پس اس قوم میں سے حضرت کا بھتیجا لوط علیہ السلام ایمان لایا اور وہ وطن چھوڑ کر پہلے حران اطراف کوفہ میں آئے، پھر وہاں سے ملکِ شام میں گئے، مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ یعنی رب کے حکم سے ہجرت کرتا ہوں، جہاں وہ لے جاتا ہے جاتا ہوں، وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ یہاں سے حضرت ابراہیم پر جو کچھ انعامِ الٰہی ہوا، اس کو بیان فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو ایسا بلند اقبال بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب علیہما السلام عطا کیا اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم کی گئی توریت زبور انجیل قرآن اسی کی اولاد کو ملی اور دنیا میں بھی اس کو بدلہ دیا مال واسباب واولاد وعزت اور آخرت میں بھی وہ کاملین میں ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ۚۖ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ٚ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ٚ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور (بیان کرو) لوط کا (حال) جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تو وہ بے حیائی کرتے ہو کہ جو تم سے پہلے دُنیا میں کسی نے بھی نہیں کی، کیا تم لڑکوں کے پاس جاتے ہو اور راہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلس میں برا کام کرتے ہو۔ پھر اُس کی قوم کے پاس بجز اس کے کچھ جواب نہ تھا کہ تو ہم پر اللہ کا عذاب لے کر آ اگر تو سچا ہے۔ لوط

نے کہا کہ اے رب! (ان) بدمعاش لوگوں پر مجھے غالب کر اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اسی بستی کے لوگوں کو غارت کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا اس بستی میں تو لوط بھی ہے۔ وہ بولے ہم خوب جانتے ہیں جو اس میں ہے، ہم لوط کو اور اُس کے کنبے کو بچالیں گے، مگر اُس کی بیوی کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو لوط کو اُن کا آنا برا معلوم ہوا اور اُن سے دل میں تنگ ہوئے اور فرشتوں نے کہا اب کچھ خوف نہ کیجیے اور نہ غم کھائیے۔ بے شک ہم آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا گھر والوں کو بچالیں گے، کیونکہ وہ تو پیچھے رہ جانے والوں میں قرار پا چکی۔ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے ایک آفت اُتارنے والے ہیں، اس سبب کے کہ وہ بدکاری کرتے ہیں اور البتہ اس بستی کے کچھ کھلے ہوئے نشان تو عقلمندوں کے لیے باقی رکھ چھوڑے ہیں۔

ترکیب : وَلُوطًا معطوف علی نوح وابراہیم۔ المنکر مفعول تاتون، منجوک و اھلک الکاف فی الموضع خبر عند سیبویہ۔ من الغابرین الباقین فی العذاب او من الماضین ذکرہم او من مضٰی زمانہ ویفنی، سیء بھم حزن بسببہم وضاق بھم ذرعًا صدرا۔ او ضاق بشانہم و تدبیر امرھم ذرعہ ای طاقتہ ان جات ان صلۃ لتاکید الفعلین۔

تفسیر : یہ تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے جو ان کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ شام میں پہنچ کر یہ قرار پایا کہ دونوں صاحب جدا جدا رہیں، کیونکہ دونوں کے چار پائے اور مویشی بکثرت تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو کنعان میں رہے اور لوط علیہ السلام نے دریائے یردن کی ساری ترائی اپنے لیے پسند کی اور شہر سدوم کے پاس آ کر مقام کیا۔ یہ شہر اس شور جھیل کے کنارے پر آباد تھا کہ جس کو بحر المیت کہتے ہیں، کنعان سے پورب اور جنوب میں یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور فاسق تھے، مردوں سے بدفعلی کرتے تھے اور راہ گیر کو بھی پکڑ کر اس سے ایسی بدفعلی کرتے تھے، اس لیے اس طرف کا رستہ بند ہو گیا تھا اور رہزنی بھی کرتے تھے اور مجلس میں بیٹھ کر بے حیائی کے کام کرتے تھے، لوط علیہ السلام نے منع کیا وہ کب مانتے تھے، تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ اللہ کے عذاب کو لے آ اگر سچا ہے، لوط نے دُعا کی کہ مجھے ان بدمعاشوں پر فتح یاب کر یعنی ان کو سزا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوپہر کے وقت بلوطوں میں اپنے خیمے میں بیٹھے تھے کہ ان کو تین شخص نظر آئے۔ ابراہیم نے ان کی ضیافت کے لیے کچھ روٹیاں اور تلا ہوا بچھڑا تیار کروایا، اُنہوں نے کھانے سے ہاتھ روکا ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے کیونکہ اس وقت جو کوئی کسی کے پاس بدارادہ سے جاتا تھا تو اس کے ہاں کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ فرشتوں نے کہا خوف نہ کر ہم تجھ کو بشارت دینے آئے ہیں کہ تیری بیوی سارہ کے ہاں فرزند پیدا ہوگا اور جب چلنے لگے تو کہا ہم سدوم کو غارت کرنے جاتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وہاں تو لوط بھی ہے۔ انہوں نے کہا ہم کو معلوم ہے، اُس کو اور اُس کے کنبے کو بچالیں گے مگر اُس کی بیوی نہ بچے گی، کیونکہ وہ پیچھے اس بستی کو مڑ کر دیکھے گی، ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوگی۔ شام کو وہ لوگ سدوم آئے اور لوط علیہ السلام سدوم کے دروازہ پر بیٹھے تھے، اُن کو مسافر سمجھ کر اپنے گھر لے گئے مگر دل میں ناخوش ہوئے اور بہت تنگ ہوئے، اس لیے کہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں تھے۔ شہر کی حالت معلوم تھی، مگر مہمان نوازی ضروری تھی، یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ان کو گھر میں نہ لاتے، خاطر مدارات نہ کرتے، ابھی وہ سونے کے لیے نہ لیٹے تھے کہ شہر کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک نے ان کا گھر آ گھیرا اور کہنے لگے، ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کر کہ ان سے بدفعلی کریں۔ لوط علیہ السلام کواڑ کھول کر باہر ان کے پاس گئے اور بہت سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں، وہ بولے پرے ہٹ کیا تو یہاں گزر کرنے آیا ہے یا حکومت کرنے، تب وہ کواڑ توڑ کر اندر کو لپکے فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کے لوط علیہ السلام کو تو اندر کھینچ لیا اور وہ دروازہ بند کر دیا اور ان کو اندھا کر دیا کہ وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے، تب ان مہمانوں نے لوط علیہ السلام سے کہا۔ سنو جی ہم فرشتے ہیں، آپ کچھ خوف و غم نہ کیجیے، ہم اس شہر کو غارت کرنے آئے ہیں۔ آپ صبح ہونے سے پیشتر اپنے لوگوں کو لے کر باہر نکل جائیے، چنانچہ لوط علیہ السلام باہر نکلے اور سورج کے نکلنے کے وقت خدا تعالیٰ نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور

آگ برسائی، بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا، وہ نمک کا کھمبا بن گئی اور اس شہر کے کچھ نشان عبرت کے لیے باقی رہ گئے۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا تب اُس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کی توقع رکھو اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو، سو انہوں نے اُس کو جھٹلا دیا، تب تو اُن کو زلزلہ نے آلیا، پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور ہم نے ہی عاد اور ثمود کو (غارت کیا) اور البتہ تم کو ان کے کچھ مکانات بھی دکھائی دیتے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال (بد) پر اُن کو رجھا دیا تھا، پھر ان کو رستہ سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ سمجھ بوجھ بھی رکھتے تھے اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کیا) اور البتہ اُن کے پاس موسیٰ نشانیاں بھی لے کر آئے تھے (باوجود اس کے) پھر انہوں نے زمین میں سرکشی کی اور وہ بھاگ کر نہ جا سکے۔ پھر ہم نے ہر ایک کو اُس کے گناہ پر پکڑ لیا، پھر کسی پر تو ان میں سے ہم نے سخت آندھی بھیجی اور ان میں سے کسی کو کڑک نے آلیا اور کسی کو ان میں سے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو غرق کر دیا اور اللہ تو ان پر کیوں ظلم کرنے لگا تھا، لیکن خود وہی اپنے اُوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : شعیبًا مفعول لارسلنا بدل من اخاهم مفسدین حال موکدۃ لعاملها من عثی بکسر المثلثۃ افسد۔ الرجفۃ الزلزلۃ الشدیدۃ۔ جاثمین بارکین علی الرکب میتین۔ وعادا وثمودا ای اهلکنا ثمود بصرف ثمود وترکہ بمعنی الحی والقبیلۃ مُسْتَبْصِرِیْنَ ذوی بصائر۔ قارون ای اهلکنا فکلا منصوب باخذنا۔

تفسیر : وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا۔ یہ چوتھا قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا قتورہ کے شکم سے تھا۔ عرب کے شمال و غرب میں قلزم کے اس پار آرہے تھے، انہی کے نام سے اس بستی کو مدین کہنے لگے، انہی کی اولاد وہاں بستی تھی اور حضرت شعیب علیہ السلام بھی انہی میں سے تھے جو اس گروہ کے نبی کر کے بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور قیامت کے منکر اور لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے تین باتوں کی نصیحت کی فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو نہ پوجو، یہ توحید کی تعلیم تھی۔ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ اور قیامت پر ایمان لاؤ۔ یہ ایمان بالبعث کی تعلیم تھی۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو، یہ اصلاحِ معاش کی بابت تعلیم تھی، مگر فَکَذَّبُوْہُ وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر نہ مانا پھر ان پر بلائے آسمانی نازل ہوئی، زلزلہ نے آلیا، سب مر کر وہیں پڑے رہ گئے۔

وعادا و ثمودا الخ پانچواں قصہ مجملاً عاد و ثمود کا ہے۔ قومِ عاد عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں رہتی تھی اور قومِ ثمود ان کے بعد اُٹھی جو عرب کے شمالی حصہ میں آباد تھی۔ ان قوموں کی بڑی سلطنت اور حشمت ہو چکی ہے، ان کا حال کئی جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ ان کے غارت ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے عہد تک ان کے مکانات کے آثارِ قدیمہ باقی تھے جن کو سفر میں آتے جاتے اہلِ مکہ دیکھا کرتے تھے، اس لیے فرماتا ہے۔ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِھِمْ، ان کا حال کیا تھا وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ کہ ان کے برے کام ان کو عمدہ معلوم ہوتے تھے، اس لیے راہِ راست سے رُک گئے۔ باوجودیکہ کَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔ دُنیاوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے۔ معاذ اللہ جب انسان اپنی برائی کو بھلائی اور برے کام کو اچھا سمجھنے لگتا ہو تو اس مرضِ لا دوا کا کوئی علاج ہی نہیں بجز موتِ روحانی کے۔ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ چھٹا تذکرہ موسیٰ کے ہم زمانہ تین سرکش لوگوں کا ہے۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ ہامان اس کا وزیر قارون موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا، بڑا مالدار۔ تینوں کے رسول موسیٰ علیہ السلام تھے۔ معجزات بھی دکھائے لیکن فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ زمین میں تکبر اور سرکشی اور غرور نے ان کو مطیع نہ ہونے دیا، پھر اللہ سے کہاں جا سکتے تھے؟ وما کانوا سابقین۔ بعض معترضین کہا کرتے ہیں کہ ہامان تو اخسویرس شاہِ ایران کا وزیر تھا نہ کہ فرعون کا، یہ ان کا اعتراض بیجا ہے۔ کس لیے کہ ایک نام کے کیا دو شخص نہیں ہوتے، فرعون کے وزیر کا نام بھی ہامان تھا۔ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِہٖ عاد اور ثمود و قارون و فرعون و ہامان کا ذکر کر کے سب کی ایک جملہ میں سزا بیان فرماتا ہے۔ پہلے تو اجمالاً یہی کہہ دیا کہ ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا، پھر تفصیل کرتا ہے۔ فَمِنْھُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِ حَاصِبًا کہ ان میں سے بعض پر سخت آندھی بھیجی کہ جس میں کنکریاں تھیں۔ (حاصبا ریحا عاصفا فیھا حصباء جلالین) اس سے قومِ عاد مراد ہے، ان پر بھی عذاب آیا تھا۔ وَمِنْھُمْ مَّنْ اَخَذَتْہُ الصَّیْحَۃُ جیسا کہ قومِ ثمود وَمِنْھُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ جیسا کہ قارون وَمِنْھُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا۔ جیسا کہ فرعون و ہامان زجر کے طور پر یہ آیت بلاغت و فصاحت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ پھر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ نے اپنی مخلوق پر ظلم کیا، اس لیے بعد میں فرما دیا۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ کہ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا نہ یہ اس کی شان ہے، ہاں وہی خود اپنے اُوپر ظلم کر کے برباد ہوئے، بری بات کا برا نتیجہ بھگتا۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾

وقف لازم

ع ۴

ان کے لوگوں کی مثال کہ جنہوں نے اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھے ہیں۔ مکڑی کی سی مثال ہے کہ جس نے گھر بنایا اور البتہ سب گھروں سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔ کاش وہ جانتے، البتہ اللہ جانتا ہے جس کو کہ وہ اس کے سوا پکارتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اور یہ مثالیں ہیں کہ جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو درستی سے بنایا۔ البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : مثل الذین صلہ و موصول مبتداء کَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ خبر اتخذت بیتا جملہ مستانفہ یا وصف والعنکبوت تقع علی الواحد والجمع والمذکر والمونث والتاء فیہ زائدۃ کتاء طاغوت وتجمع علی عناکیب وعناکب وعکاب وعکبۃ واعکب (بیضاوی) مایدعون من دونہ من شیء ما استفہامیۃ منصوبۃ بیدعون بالتاء والیاء ویعلم معلقۃ عنہا (لان من خواص افعال القلوب التعلیق ای ابطال العمل لفظا فقط) ومن للتنبیین او نافیۃ ومن مزیدۃ وشیء مفعول یدعون او موصولہ مفعول لیعلم ومفعول یدعون محذوف وھو العائد والخبر الامثال و نضربھا حال عنھا ویجوز ان یکون خبرا والامثال لغت بالحق حال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اب یہاں ان کے اس ظلم کی جو وہ اپنی جانوں پر کرتے تھے، تشریح فرماتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ کہ اس سے بڑھ کر اپنی جان پر اور کیا ظلم ہوگا، خدا نے تو ان کو بزرگی دی، علم و ہنر ہوش و ادراک عطا کیا، لیکن انہوں نے اس عزتِ خداداد کو کیسا غارت کیا کہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کو سجدہ کرنے لگے جو نہایت مبتذل چیز ہے جس کو نہ حس و حرکت نہ عقل و شعور، ان کا یہ کام كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا مکڑی کے جالے کی طرح بے بنیاد ہے، سب چیزوں کے گھروں کو دیکھیے، ان سب میں بے بنیاد مکڑی کا گھر ہے جس سے نہ دھوپ کا آرام نہ بارش سے امن، اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ہاں وہ مکڑی اس میں مکھی مچھر کا شکار کر لیتی ہے، اسی طرح جو ان بت پرستوں کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچ جاوے تو وہ بھی ایسا ہی بے بنیاد ہے، اس طرح ان کو اس مذہب سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر وہ جانتے تو ایسا نہ کرتے یا یہ معنی کاش ان کو علم ہوتا۔

اس مثل پر شاید چالاک بت پرست یہ گفتگو کرتے ہوں گے جیسا کہ آج کل کیا کرتے ہیں کہ ہم ان بتوں کو نہیں پوجتے بلکہ ان کو کہ جن کے یہ بت ہیں اور وہ دیوتا اوتار ملائک روحانیات اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام ہیں جو اس کی بارگاہ کے مختار اور داروغہ ہیں جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں اور نیز اُن سے جو ہم مانگتے ہیں پاتے ہیں، اس کا جواب دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ کہ جن کو وہ اُس کے سوا پکارتے ہیں، ہم کو معلوم ہیں۔ یہ کلام بطور تہدید کے ہے، یعنی وہ بھی پرستش کے قابل نہیں، ہمارے گھر کا کوئی مالک و مختار نہیں، سب ہمارے دست نگر ہیں۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ہم سب پر غالب ہیں اور نیز ہم کو کسی داروغہ یا اہل کار کی حاجت کیا ہے، کیونکہ الحکیم ہم حکیم ہیں، ہر شے کی تدبیر و تصرف آپ کیا کرتے ہیں۔ اس میں اس دوسری بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم جو کہتے ہو، ہم جو ان سے مانگتے ہیں، پاتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ دینا دلانا زبردست کا کام ہے، سو زبردست تو ہم ہیں جو تم کو دُنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ سب اپنی حکمت سے تم کو ہم دیتے ہیں، تم سمجھتے ہو کہ فلاں دیوی دیوتا نے ہم کو اولاد دی، مال دیا اور نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ مانگتے غیروں سے ہو، دیتے ہم ہیں۔ غصہ دنیا میں ظاہر نہیں کرتے کہ تمہارے کاربند کر دیں نظام عالم میں خلل آوے۔ جواز لی جہنمی ہے، اُس کے گمراہ ہونے کے یہ اسباب اس کی حکمتِ بالغہ کا اثر ہے اور نیز هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قابلِ پرستش وہ ہے جو غالب اور حکیم ہو، سو یہ دونوں وصف ہم کو حاصل ہیں نہ اور کو یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ جب مایدعون کے ما کو موصولہ مانا جاوے اور اگر اس کو نافیہ یا استفہامیہ سمجھا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ کچھ بھی نہیں یا وہ کیا چیز ہیں؟ اور بعض جہال اس مثال پر یہ بھی طعن کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مکڑی کا کیوں ذکر کیا، وہ تو ایک ذلیل چیز ہے، کوئی اور ہی مثال دینی تھی۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ کہ ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سمجھانے کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ یہ

سمجھتے وہی ہیں جو ذی علم ہیں، وہ جان جاتے ہیں کہ مکڑی خواہ کیسی ہی ذلیل چیز ہو مگر غرض تو مشرکوں کے مذہب کو اس ذلیل چیز کے ذلیل گھر سے تشبیہ دینا ہے۔ سو وہ بخوبی حاصل ہے، اگرچہ العزیز الحکیم سے ان کے معبودوں کی قلعی کھول دی تھی مگر اس بات کو پھر ایک بڑی بھاری دلیل سے ثابت فرماتا ہے۔ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ کہ اللہ نے تو آسمانوں اور زمین کو نہایت درستی سے بنایا ہے، کوئی ان میں بیکار نہیں نہ کوئی کارآمد بات رہ گئی ہے۔ پھر بتلاؤ تمہارے معبودوں نے کیا بنایا ہے، خواہ وہ بت ہوں یا وہ کہ جن کے یہ بت ہیں، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ، اس میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانی اور کامل حجت اور پوری اطمینان دینے والی سند ہے کہ وہی پرستش کے قابل ہے کہ جس نے آسمان زمین بنائے، باقی کا کیا حق ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ۚ وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

(اے رسول!) وہ جو آپ کی طرف کتاب وحی کی گئی ہے، اُس کو پڑھا کرو اور نماز کو (سرگرمی سے) ادا کرتے رہو، البتہ نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے اور اللہ کی بات سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور اے مسلمانو! اہلِ کتاب سے نہ جھگڑو مگر اُسی طریقہ سے کہ جو عمدہ ہو، مگر اُن میں سے جو ظالم ہیں (اُن سے پورا مقابلہ کرو) اور کہو ہم ایمان لائے، اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور (اس پر بھی) جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں اور اسی طرح کی ہم نے آپ کی طرف بھی کتاب نازل کی ہے۔ پھر جن کو کہ ہم نے کتاب دی تھی وہ تو اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں سے بھی کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا کافر ہی انکار کیا کرتے ہیں اور اس سے پہلے آپ اے نبی! نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اُس کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، اب یہ بدکیش شبہ میں پڑ گئے بلکہ (یہ) قرآن کھلی ہوئی آیتیں ہیں، ان کے دلوں میں کہ جن کو علم دیا گیا ہے اور ہماری آیتوں کا (کوئی) انکار نہیں کرتے ہیں مگر ظالم۔

ترکیب : اِلَّا بِالَّتِیْ ای المجادلۃ التی ھی احسن کالدعاء الی اللہ بآیۃ ولتنبیہ علی حجہ الا الذین ظلموا ھو استثناء من الجنس و فی المعنی وجہان احدھما اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فلا تجادلوھم بالحسنی بل بالغلظۃ والثانی لاتجادلوھم البتہ۔

تفسیر : اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ تک انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور شرک کی برائی اور مشرکین کے ساتھ مناظرہ اور ان کی بت پرستی کی

تحقیر تھی اور یہ ایک خاص مقصد تبلیغ رسالت سے متعلق تھا، جس میں روح پر تکان آنا اور طبیعت کا سست ہو جانا ایک جبلی بات ہے، اس لیے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تلاوتِ قرآن اور نماز اور ذکرِ الٰہی کا حکم دے کر پھر تازہ دم کیا جاتا ہے۔ فقال اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ الخ کہ اگر یہ جاہل وسرکش نہ مانیں تو آپ کتاب الٰہی کی جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے، یعنی قرآن مجید تلاوت کیجیے، کیونکہ اس میں نوح وابراہیم ولوط وموسیٰ علیہم السلام کی امتوں کا پورا بیان ہے، آپ کے دل کو تسکین ہو جائے گی کہ پہلے بھی کافر اور بت پرستوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ یہ کچھ کیا تھا، جس پر برباد ہوئے، یہ کوئی نئی بات نہیں اور اسی لیے اتل فرمایا۔ اُتْلُ عَلَیْهِمْ نہیں فرمایا اور نیز قرآن میں دُنیا کی بے ثباتی ودارِ آخرت کی ترغیب ہے، اس کے پڑھنے سے خواہ مخواہ دل کو تسلی اور رُوح کو روشنی حاصل ہو جاتی ہے اور دُنیا کو بے ثبات سمجھنے لگتا ہے، پھر کوئی رنج رنج نہیں معلوم ہوتا ہے اور اب تک قرآن مجید کی تلاوت میں بھی برکت رکھی ہوئی ہے اور تلاوت کا پہلے اس لیے حکم دیا کہ اس کو سننے والا بھی مستفیض ہوتا ہے اور اسی لیے اوسط درجہ کا جہر اولیٰ قرار دیا گیا، پس اگر اس سے بھی ان کو فیض نصیب نہ ہو تو اَقِمِ الصَّلٰوةَ نماز پڑھ کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ نماز برے اور بے حیائی کے کاموں سے روک دیتی ہے۔ اول تو اس میں ہر رکعت میں سورۃ الحمد پڑھی جاتی ہے جس کا ہر ہر جملہ انسان کی روحانی قوتوں کو اُبھارنے والا ہے، پھر اُس کا کھڑا ہونا حمد وثناء کرنا اُس کے آگے سر رکھ کر اُس کی حمد وثناء کرنا روح کو تازہ کرتا ہے اور جب روح پر تازگی آتی ہے تو نفسانی قوتیں گھٹ جاتی ہیں جو بے حیائی اور برے کاموں کی محرک تھیں اور ذکرِ الٰہی نماز کے باہر بھی کر کیونکہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ خواہ ذکرِ قلبی ہو خواہ لسانی جہری ہو، خواہ سری، یہ بڑی چیز ہے۔ اس میں اللہ جل شانہ سے نزدیکی ہوتی ہے اور اس کی صحبت سے بڑھ کر ہے۔ یہ تین قسم کی عبادت ہے۔ تلاوت، نماز، ذکر، اگرچہ نماز میں تینوں کیا پاکیزہ حرف ہیں مگر جداگانہ بھی ہر ایک جدا اثر رکھتی ہے۔ اس لیے ہر ایک کو جداگانہ ذکر کیا اور اس ترتیب میں ایک نکتہ ہے۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ میں اشارہ ہے کہ خلوص سے یہ کام کرو۔ وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے، یہ تعلیم باطنی تھی کہ تم ایسے ہو جاؤ، تمہارے نورِ باطن سے لوگ خود بخود ہدایت پر آ دیں گے، اس لیے اس کے بعد اہلِ کتاب کے مناظرے اور جھگڑے سے بھی روک دیا جو وہ بسا اوقات مسلمانوں سے اُلجھا کرتے تھے۔ فقال وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر عمدہ طور سے ہو تو مضائقہ نہیں جس میں نرم کلامی اور اظہارِ حق مدنظر ہو اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر جو ان میں ہٹ دھرم ہیں، بعض سخن پرور ضدی متعصب زبان دراز ہوتو ان سے مناظرہ نہ کرو، ان کو اس وقت کے لیے چھوڑ دو کہ آسمانی سلطنت کا بادشاہ اپنی تلوار اپنی ران پر لٹکائے اور اس کا دایاں ہاتھ مہیب کام دکھائے۔ اس کے بعد اہل کتاب کے لیے کیا ساکت کرنے والا کلام فرماتا ہے۔ وقولوا امنا الخ کہ بھائیو الہام اور نبوت کا دروازہ بند نہیں ہو گیا، ہم جو ہمارے نبی پر الہام ہوا اُس کو بھی مانتے ہیں اور جو تمہاری طرف انبیاءِ سابقین کی طرف الہام ہوا ہے کہ جن کو تم بھی جانتے ہو، اس کو بھی ہم مانتے ہیں توریت، زبور، انجیل سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہمارا تمہارا ایک ہی خدا ہے، پھر جس نے پہلی کتابیں اور نبی بھیجے اسی نے یہ نبی اور کتاب بھیجی۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ
وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ
شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور کہتے ہیں اس پراس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ نازل کی گئیں۔ کہہ دونشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں جو ہوں تو کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی، جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے، البتہ اس میں رحمت اور نصیحت ہے، اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین کے اندر ہے اور وہ جو جھوٹ پر ایمان لائے اور اللہ سے منکر ہوئے، وہی زیاں کار ہیں اور وہ آپ سے جلدی عذاب مانگ رہے ہیں اور اگر وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو پھر اُن پر عذاب آ چکتا اور البتہ وہ اُن پر دفعۃً آ... تاکہ اُن کو خبر بھی نہ ہوگی، آپ سے جلدی کر رہے ہیں، عذاب کے لیے اور البتہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس دن کہ عذاب ان پر چھا جائے گا ان کے اُوپر سے اور اُن کے پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا چکھو جو کچھ کہ تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : انا انزلنا جملہ یکفھم کا فاعل یُتْلٰی عَلَیْھِمْ کتاب کی صفت کفی کا فاعل الله اور ب زائد ہے شھیدا مفعول لہ کفی سے یا تمیز اور ممکن ہے کہ حال بھی ہو جائے یوم یغشھم ظرف ہے اس کا عامل محیط ای سیحیط بھم یوم کذا۔

تفسیر : وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ پھر اب تم کو ہمارے اہلِ حق ہونے میں کیا کلام باقی ہے، صاف بات ہے ہم پر نبی یا کتاب نہ ماننے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا، ہاں تم پر ہے اس لیے خدا ترس اہلِ کتاب جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور عرب کے بھی باانصاف لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ الخ پھر جو اس کا منکر ہے تو وہی ہے جو ازلی کافر ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ اس کے بعد ایک اور دلیل تسلی بخش ذکر کر کے فرماتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ کہ اس دن سے پہلے آپ نہ کبھی کوئی کتاب پڑھتے تھے، نہ لکھتے تھے یعنی ظاہری علم نہیں تھا، اگر اگلی کتابیں لکھے پڑھے ہوتے تو ان کے لیے شک کرنے کی گنجائش تھی کہ ان میں سے دیکھ کر کتاب لکھ لی ہوگی۔ پھر جب یہ نہیں تو بجز الہامِ الٰہی کے اور کوئی وجہ نہیں، پھر یہ مبطل جھوٹا کرنے والے یا تباہ کار کے لیے شک کرتے ہیں، بلکہ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یہ قرآن کھلی کھلی آیتیں ہیں جو حفاظ کے سینوں میں لکھی ہوئی ہیں نہ کہ کاغذوں پر محمد ﷺ نے لکھ کر دی ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں واضح اور روشن ہیں، یعنی ان کے مطالب الہامی ہیں۔ اہلِ علم کے دلوں میں پیوست ہیں، وہ اہلِ علم دل سے تصدیق کرتے ہیں، یعنی کچھ اسی معجزہ پر بس نہیں کہ ایک اُمی سے ایسی کتاب ظاہر ہوئی بلکہ نفسِ مضامینِ قرآن اپنے لیے آفتاب کی طرح اہلِ علم کے نزدیک آپ دلیل ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ قرآن عالم بالا کے اہلِ علم ملائکہ کے دلوں میں لکھا ہوا ہے۔ وہاں سے دُنیا میں آیا نہ کہ محمد ﷺ نے فرمایا ہے، پھر جو کوئی ایسی آیتوں کا انکار کرے تو بڑا بے انصاف ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ یہاں تک اہلِ کتاب کے ساتھ احسن طریق پر مناظرہ تھا۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ جب آنحضرت ﷺ کی نبوت دلائل سے ثابت کی گئی اور یہ بتلایا گیا کہ جس طرح پہلے نبیوں پر کتاب نازل کی گئی تھی، اس طرح آپ پر بھی اللہ نے نازل کی ہے، اس پر کفار قریش نے از خود یا بعض اہلِ کتاب کے سکھانے سے یہ شبہ کیا کہ اس کو یعنی محمد ﷺ کو وہ معجزات کیوں نہ دیئے گئے تھے۔ نافع و ابن عامر و بصریوں و حفص کی قرأت میں

آیات جمع کا لفظ ہے اور یہی راجح ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَاللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ کہہ معجزات تو اللہ کے اختیار میں ہیں، جب چاہے منکروں کے الزام کے واسطے ظاہر کرے اور میں رسول ہوں، رسول کے لیے مخالفین کی خواہش کے موافق معجزات کا دیا جانا کوئی شرطِ رسالت نہیں، رسول کے بھیجنے سے غرض لوگوں کا تنبیہ کردینا ہے۔ سو میں کھلم کھلا تم کو متنبہ کرنے والا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہودیوں نے صلیب پر چڑھاتے وقت معجزات طلب کیے، مگر جب دیکھا گیا کہ نہ مانیں گے نہ دکھائے گئے اور اگر تم کو کوئی معجزہ تصدیق کے لیے درکار ہو تو قرآن سے زیادہ اور کون سا معجزہ ہے، جو تم کو سنایا جاتا ہے، کیونکہ اُمی شخص سے ایسی کتاب کا ظاہر ہونا کہ جس کی دس آیتوں کے برابر بھی کسی سے نہیں بن سکتیں بڑا معجزہ ہے اور نیز قرآن صرف معجزہ ہی نہیں بلکہ نصیحت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیے۔ فَقَالَ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ الی قولہ يُؤْمِنُوْنَ دوسری دلیل نبوت کی اللہ کی شہادت ہے جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے، اس کی شہادت بس ہے۔ فَقَالَ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ الخ پس جو غلط باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں وہ نہیں مانتے نہ مانیں وہ خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ الخ اس پر بھی کفار کو بس نہ تھی کہتے تھے کہ جب عذاب کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے، اگر سچا ہے تو ابھی اس کو لا۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ فرماتا ہے، اس کے لیے ایک خاص وقت مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے مقرر نہ ہوا ہوتا تو ابھی آتا اور وہاں وہ یکا یک اُن پر آوے گا۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ښ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

اے میرے ایماندار بندو! جب تک میری زمین فراخ ہے، پھر میری ہی عبادت کرو (اور غیر کے آگے نہ جھکو) ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہمارے ہی پاس پھر کر آؤ گے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے، البتہ ہم اُن کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اُن کا کہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بہت سے ایسے جانور ہیں کہ جو اپنی روزی

نہیں اُٹھاتے ہیں۔ اللہ اُن کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سنتا جانتا ہے اور اے رسول! اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (کس نے) سورج اور چاند کو محکوم کر دیا تو کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ اللہ ہر شے سے خبردار ہے اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان سے کس نے پانی اُتارا کہ جس سے خشک ہو جانے کے بعد زمین کو سرسبز کیا تو کہیں گے، اللہ نے۔ کہو الحمد للہ۔ بلکہ اکثر ان میں سے نہیں سمجھتے۔

تفسیر : بدر کا واقعہ اور ایک قحطِ عظیم چنانچہ آیا، پھر تعجب کے طور پر اسی کلمہ کا اعادہ کرتا ہے۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ کہ کیا جلدی کرتے ہو؟ جہنم کے گھیرے میں تو پڑے ہوئے ہو، جبکہ کفار و مشرکین مکہ اور نیز اہل کتاب کا حال اور اُن کے نامحمود طریقے کی برائی اور آخرت کا حال صاف صاف بیان ہوا تو شدہ شدہ کفارِ مکہ کو نہایت جوش و تعصب ہوا کہ دینداروں کو نہایت تکلیفیں دینی شروع کر دیں جن کو مسلمان نہایت استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرتے رہے، مگر جب اداءِ ارکانِ دینی سے بھی سخت مانع آئے تو وطن چھوڑ کر باہر جانے کی اجازت ہی نہ دی بلکہ رغبت دلائی گئی، اس لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ہجرت کی ترغیب ہے، جس سے مسلمان ملکِ حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگے۔ فقال يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کہ اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ اور کشادہ ہے، کس لیے یہاں پڑے ہو باہر جاؤ اور اطمینان سے میری عبادت کرو، وطن چھوڑنا یوں بھی ایک آسان بات نہیں، اس پر مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کی جدائی اور اپنے دینی بھائیوں کا فراق شاق گزرتا تھا اور تنگدستی اور سفر کی غربت کا بھی خیال گزرتا تھا، اُن دونوں باتوں سے تسکین و اطمینان کامل دلاتا ہوا اول بات کا اطمینان اس آیت میں دلاتا ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ کہ ہر ایک شخص کو ایک روز موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر بہتر یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مرے اور مر کر سب ہمارے پاس آ جاویں گے۔ پھر وہاں جدائی نہیں دنیا میں چند روزہ جدائی ہوئی تو کیا اور نیز اگر ہجرت نہ کی تو بھی مرنا ہے، جدائی تو پھر بھی تمہارے خیال کے مطابق ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ تکلیف جو ہے چند روزہ ہے اور تمہارے مخالفوں کا زور شور بھی چند دن کے لیے ہے۔ دوسری بات کے اطمینان کے لیے یہ آیت ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کہ ہم ایمانداروں، نیک کام کرنے والوں کو جنت کی کھڑکیوں اور جھروکوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے، یعنی تمہارے اس ایمان اور وطن چھوڑنے کے بدلے میں ہم تم کو ایسا عمدہ وطن دیں گے (لنبوئنهم ای لننزلنهم من الجنۃ عوالی وانتصاب غرفا جمع الغرافة امابنزع الخافض ای فی غرف فحذف فی واما بکونہ مفعولاً ثانیا البوئ الاقامۃ) اور عملوا الصلحت میں کی دو عمدہ نیکیوں کو بیان فرماتا ہے۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ کہ وہ جو سفر کرتے ہیں اور ہجرت کی تکلیف گوارا کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ گھر پر بھی تو بغیر مددِ الٰہی کے کچھ کام نہیں چلتا، پھر سفر میں بھی وہی انیس ہے۔ ان کے رزق کا اطمینان دلاتا ہے، وکاین من دابة الخ کہ بہت سے زمین پر جانور ہیں کہ اپنی روزی کا آپ بندوبست نہیں کر سکتے، ہوا کے پرندوں اور زمین کے سوراخوں میں رہنے والوں کو وہی روزی دیتا ہے، پھر کیا تم کو نہ دے گا یا تم کو بھول جاوے گا نہیں ہرگز نہیں هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وہ سننے جاننے والا ہے۔ پھر اس توکل کو ان تین آیتوں میں اور بھی مستحکم کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مشرکوں پر تعریض بھی کرتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب بارش وغیرہ انقلابِ دہر اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اے مہاجرین تم کو زبردست اور مخالفوں کو زیر کر دے گا۔ اول آیت سالتهم الخ کہ ان سے پوچھے گا تو اقرار کریں گے کہ آسمان و زمین چاند اور سورج اللہ نے بنائے ہیں۔ پھر کیا وہ تمہاری روزی کے اسباب پیدا نہ کرے گا؟ اس میں مشرکوں پر طعن بھی ہے کہ پھر غیر کو کیوں پوجتے ہو؟ دوسری آیت اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ الخ کہ تنگدستی فراخ دستی اللہ کے ہاتھ ہے، تیسری آیت وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ الخ کہ وہی مینہ برسا کر اس سے زمین کو ہرا بھرا کرتا ہے، ان آیتوں میں مہاجرین کے اطمینان اور مشرکوں پر تعریض اور اللہ تعالیٰ کے

خالق وفادار ہونے کا ثبوت وحشر بالا جساد و بالا رواح کا بیان ہے۔ فائدہ: اب بھی جہاں فرائض دینی ادا کرنے سے کوئی مانع ہو تو ہجرت واجب ہے اور اس جگہ کی کہ جہاں ہجرت کر کے جاوے کوئی خصوصیت نہیں کہ مکہ معظمہ ہو یا مدینہ منورہ طیبہ یا کوئی دوسری جگہ کہ جہاں آزادی سے ارکان اسلام ادا کر سکے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۴

اور کیا ہے اس دُنیا کی زندگی مگر کھیل اور کود اور البتہ دارِ آخرت ہی زندگی (کی جگہ) ہے کاش وہ جانتے۔

ترکیب : والحیوان مصدر حی سمی بہ ذوالحیوۃ۔ واصلہ حییان فقلب الیاء الثانیۃ واوالئلا تلتبس بالتثنیۃ ولم تقلب الفالئلا بحذف احد الالفین والحیوۃ۔ ایضاً مصدر لکن الحیوان ابلغ لان من بناء فعلان من معنی الحرکۃ والاضطراب الازم للحیوۃ۔ بیضاوی وغیرہ۔

تفسیر : اس وقت صحابہ حبشہ بھی ہجرت کر کے گئے تھے اور مدینہ تو دارالہجرت ہی تھا۔ فتح مکہ سے پیشتر ہجرت ضروری بات تھی پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اب ہجرت کرنا ضرور نہیں مگر جہاں کہیں مسلمانوں کی وہی حالت ہو جاوے جو ابتداءِ اسلام میں مکہ میں تھی تو پھر ہجرت کا وہی حکم ہے۔

ان آیتوں کے بعد (کہ جن میں توکل کی ترغیب تھی اور جن میں اپنی قدرتِ کاملہ کے آثار ظاہر فرمائے تھے کہ ہم نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، پھر آسمان سے مینہ برسا کر روزی رزق پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی بے بس جانوروں کو روزی دیتے ہیں، ہم ہی تنگی وفراغت دیتے ہیں تاکہ بندہ اسی پر توکل کرے اور دین کی حفاظت میں جو کچھ مصیبت آوے اُس سے نہ ڈرے) ایک ایسا جملہ ارشاد فرماتا ہے کہ جس سے دُنیا سے دل سرد ہو جاوے اور یہاں کا عیش و آرام اور دُکھ درد سب گرد ہو جاوے فقال وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اس آیت میں تین باتیں ارشاد فرمائیں۔ اول یہ کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل کود ہے، یعنی اس چیز کے مانند بے حقیقت ہے کہ جس سے لڑکے تھوڑی دیر تک مل کر کھیل کود لیتے ہیں۔ پھر تھک کر الگ الگ ہو جاتے ہیں، اس طرح عالمِ وجود میں لوگ آتے ہیں۔ دُنیا کی چیزوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اپنے اصلی رستہ کو کہ جہاں جانا ہے اور اپنے اصلی کام کو کہ جو یہاں کرنا تھا بھول جاتے ہیں، اتنے میں جامِ عمر لبریز ہوا دنیا سے بڑی تلخ کلامی کے ساتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ایسے گئے کہ پھر کسی نے ادھر آ کر بھی نہ جھانکا۔ غرض یہ کہ جس طرح کھیل کود بے بنیاد ہے اس طرح دُنیا کی زندگی ہے، کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے۔

دلا تا کے دریں کاخِ مجازی | کنی مانند طفلاں خاکبازی
بیفشاں بال و پر زآمیزشِ خاک | پرتا کنگرۂ ایوانِ افلاک

مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ایک بکری کے کن کٹے مردہ بچے کے پاس سے ہو کر نکلے، لوگوں سے فرمایا۔ اس کو کوئی ایک درہم سے خریدنا چاہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم تو اس کو مفت بھی نہیں لیتے، فرمایا بخدا اللہ کے نزدیک تمہارے لیے دُنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ خبردار دنیا ملعون ہے، جو کچھ اس میں ہے سب پر لعنت ہے، مگر اللہ کا ذکر اور اُس کی پسند کا کام اور عالم اور طالب العلم رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔ سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اگر اللہ کے نزدیک دُنیا مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کسی منکر کو پانی بھی نہ پینے دیتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ

خطبہ میں فرماتے تھے کہ شراب گناہ کا گھر ہے اور عورت شیطان کی رسی ہے۔ (اس سے باندھ لیتا ہے) اور دُنیا کی محبت سب گناہوں کی جڑ ہے۔ مشکوۃ۔

ایامِ بقا چو بادِ سحر بگذشت   تلخی وخوشی وزشت و دیبا بگذشت

لہو ولعب سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دُنیا میں لہو ولعب کرنا چاہیے، بعض کہتے ہیں لہو اور لعب کے ایک ہی معنی ہیں۔ دوسرا لفظ پہلے کی تاکید کے لیے آیا کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں لعب لڑکپن کے زمانہ میں کھیلنے کو کہتے ہیں اور لہو جوانی میں کھیلنا۔ کھیل کود اس کا ترجمہ ہے۔

دوسری بات وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کہ آخرت کا گھر ہی زندگی کی جگہ ہے، یعنی فنا نہیں حیاتِ ابدی ہے، پھر جس جگہ ہر وقت کوچ کا نقارہ بج رہا ہو، عاقل کو وہاں دل لگانے، مکان بنانے، قصے قضیئے کرنے سے کیا کام اور اس رواروی کے اسبابِ عیش سے کیا آرام۔ ؎

مرادِ منزلِ جاناں چہ امن وعیش چوں ہردم   جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

اقارب واحباب کی موت، بدن کے تغیرات زمانہ کا انقلاب اس غافل کے کوچ اور سفر کے لیے گھنٹیاں ہیں۔ ؎

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں   یاد ہے موت قتیل و مُردنِ انشاء مجھے

؎ کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں   بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

تیسری بات لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اگر لوگ جانتے تو دنیا پر نہ مرتے، یا یہ معنی کاش ان کو اس بات کا علم ہوتا گرچہ دُنیا کی بے ثباتی اور اپنی موت کا سب کو علم ہے، مگر جبکہ اس علم پر عمل نہیں تو وہ بمنزلہ جہل کے ہے، اس لیے یہ کلمہ فرمایا اور سچ بھی ہے کہ اس جاننے پر دُنیا اور اس کے اسبابِ تفاخر میں یہ محویت ہے کہ مرنا بھی بھول گئے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۗ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، خاص اُسی کے لیے نیاز کر کے، پھر جب اُن کو خشکی کی طرف بچا کر لے جاتا ہے تو جبھی شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کا انکار کریں اور برت لیں، پھر جلد معلوم کر لیں گے، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور لوگ ہیں کہ ان کے آس پاس سے اُچکے جاتے ہیں۔ پھر کیا جھوٹ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اُس سے کون بڑھ کر ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے، جبکہ اُس کے پاس آوے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں۔

ترکیب: اذا رکبوا شرط دعوا جواب۔ مخلصین کا الدین مفعول اور فاعل اس کا ضمیر۔ یہ جملہ حال ہے، فاعل دعوا سے حرمًا موصوف امنا اھلہ من القتل اوالسبی صفت مجموعہ جعلنا کا مفعول ثانی اول بلدھم محذوف اور کل جملہ لم یروا کا مفعول۔ ویتخطف الخ

جملہ حال مفعول جعلنا سے یا مستانفہ الخطف ربودن لے جانا۔

تفسیر : فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ یہاں پھر اس حیاتِ دُنیا کے ایک بڑے اثر کو بیان فرماتا ہے کہ جب یہ مشرکین جو حیاتِ دُنیا میں محو ہو رہے ہیں، کشتی پر سوار ہو کر دریا کا سفر کرتے ہیں اور وہاں پہاڑ جیسی دریا کی موجیں اُٹھتی اور کشتی کو تہ و بالا کرتی ہیں تو اس حیاتِ دنیا کا نشہ اُتر جاتا ہے اور موت سامنے دکھائی دیتی ہے، ان کی فطری حالت عود کر آتی ہے تو پھر خاص اللہ ہی پکارنے لگتے ہیں۔ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ الدین بمعنی الطاعۃ ای مخلصین الطاعۃ لاغیرہ ویمکن ان یکون بمعنی الملۃ فالمعنی کائنین فی صورۃ من اخلص دینہ من المؤمنین حیث لا یذکرون الا اللہ تعالیٰ ولا یدعون سواہ۔ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ پھر جب ان کو وہ خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اپنی اُسی حالت پر آ جاتے ہیں، اپنے اُنہیں معبودوں کی طرف دُنیاوی طمع سے جس کو وہ اُن کی طرف سے سمجھتے ہیں، ان کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں۔ لیکفروا بما اتینھم تاکہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کریں۔ (واللام لام کے ای یشرکون لیکونوا کافرین بشرکھم نعمۃ النجاۃ او لام الامر علی التہدید بیضاوی) یعنی اُن کو اس نعمت کا شکر کرنا چاہیے تھا مگر حیاتِ دُنیا کے نشہ میں اس کے بدلہ میں وہ ناشکری کرتے ہیں۔ غیروں کی طرف طمع میں آکر جھک جاتے ہیں۔ وَلِيَتَمَتَّعُوْا اور اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے ہم دُنیا میں شاد بامراد رہیں گے، پھلیں پھولیں گے۔ دُنیا کو برتیں گے، اگر ایسا نہ کریں تو یہ معبود ہم کو برتنے نہ دیں گے۔ چنانچہ اب بھی مشرکوں کا اپنے بتوں کی طرف یہی خیال ہے کہ اگر ہم ان کو نہ پوجیں، نذر نیاز نہ کریں، تو بیمار ہو جاویں، مفلسی آ جاوے، اولاد مر جاوے۔ دوسری تقدیر پر یعنی جبکہ لام امر لیا جاوے گا تو یہ معنی ہوں گے۔ اچھا برت لیں فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ پھر ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ نعمتیں کس نے دی تھیں، اور اب اس کی ناشکری میں کون سزا دے رہا ہے؟ یہ بات مرنے کے بعد بخوبی معلوم ہوگی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا الخ اب یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ سب نعمتیں ہماری دی ہوئی ہیں، اس میں ان کے معبودوں کا کچھ بھی دخل نہیں، ان نعمتوں میں سے ایک ایسی نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ جس کو وہ بھی خاص اللہ ہی کی طرف سے سمجھتے تھے۔ وہ کیا حرم مکہ کا امن کی جگہ ہونا۔ عرب کے تمام قبائل حرم مکہ کی تعظیم ہمیشہ سے کیا کرتے تھے، حرمِ مکہ میں یعنی اس کے پاس ایک خاص مدت تک (جس کو ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں) نہ کسی کو مارتے تھے، نہ لوٹتے تھے، اس لیے مکہ کے لوگ امن و عافیت سے زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے اردگرد حرم کی حد سے باہر لوگ اُچک لیے جاتے تھے، یعنی جس طرح شکاری پرند چیل، باز وغیرہ زمین پر سے کسی کو اُچک لیتے ہیں، یعنی اُٹھا کر لے بھاگتے ہیں، اس طرح لوگوں کا حال تھا۔ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ فرماتا ہے کہ پھر کیا غلط اور جھوٹی باتوں پر ایمان لاتے ہیں کہ فلاں بت نے اولاد دی، فلاں نے فلاں کام کر دیا اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں، اس کو نہیں مانتے۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

کافر و مشرکین اس حیاتِ دُنیا کے نشے میں دو کام کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ بتوں کے لیے افسانے اور قصے گھڑ رکھتے تھے کہ اُس نے فلاں کو یہ نعمت دی تھی اور فلاں نے جو نذر و نیاز نہ کی تھی اس کو برباد کر دیا تھا۔ اللہ نے ان کو اپنے گھر کا مختار کیا ہے۔
دوسرا یہ کہ سچی باتوں کو جو رسول لے کر آیا تھا، جھٹلاتے تھے اور درحقیقت یہ دونوں باتیں عقلاء کے نزدیک از حد بری اور صریح ظلم ہیں، اس لیے فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ الخ کہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر کوئی ظالم اور بے انصاف ہے کہ جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنائیں اور سچی بات کو نہ مانیں۔ پھر کیا ان کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا، یعنی ان کا جہنم میں گھر ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

اور جنہوں نے ہمارے معاملہ میں محنت کی البتہ اُن کو ہم اپنے رستے بتا دیں گے اور البتہ اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

ترکیب : والذین موصول جاھدوا فینا جملہ صلہ مجموعہ مبتدا لنھدینھم ھم مفعول اول نھدی کا سبلنا مفعول ثانی جملہ خبر مع مضاف المحسنین مضاف الیہ خبر ان۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا۔ اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ کہ کیا جہنم میں کافروں کا مقام نہیں؟ یعنی جس رستہ پر یہ چلے جا رہے ہیں، یہی رستہ جہنم کا ہے، کیونکہ جب رستہ تمام ہو جاتا ہے تو وہی مقام ملتا ہے کہ جس کا یہ رستہ ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسری سیدھی سڑک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو خاص اس کی بارگاہِ کبریائی تک پہنچی ہے۔ فقال وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا کہ وہ جو ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم اُن کو اپنے پاس پہنچنے کے رستے بتلا دیں گے اور جب وہ اُن رستوں پر چل پڑیں گے تو پھر کچھ غم کسی رستہ میں پیش آنے والی مصیبت کا نہیں کیونکہ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ نیک بختوں کے ساتھ ہے، پھر جب ہم ساتھ ہیں تو کیا غم ہے نعم الطریق ونعم الرفیق۔

فوائد : (۱) جاھدوا فینا ای فی حقنا ومن اجل رضاءنا خالصا یعنی ہمارے دربارِ فیض آثار کا در بند نہیں جو کوئی قصد کرے اور قصد بھی جھوٹا قصد نہ ہو بلکہ جہاد یعنی پوری کوشش اور خوب جد و جہد ہو تو خود ہم ہی اُس کو رستوں پر چراغ لے کر آ ملتے ہیں، وہ جو پہلے فرمایا تھا۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ اب اس دارِ خلد کا آپ ہادی بن گیا۔ مطلب یہ کہ بندہ کا کام صرف کوشش کرنا ہے، پھر منزلِ مقصود تک تو ہم آپ پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) یہ ایک ایسا کثیر المعنی جملہ ہے کہ جس کی تفسیر کے لیے ایک اتنی ہی بڑی اور تفسیر لکھی جاوے تو بس نہ ہو، اس میں ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقاصد کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی نیک کام کرنا چاہے کہ ہم مدرسہ یا مسجد بنا دیں یا مسافروں، یتیموں کے لیے کوئی آرام گاہ تیار کریں یا کوئی دینی تصنیف کریں یا گمراہوں کو وعظ و پند سنا کر راستی پر لا دیں یا دُنیا میں شریر اور سرکشوں کو زیر کر کے راست بازوں کے لیے امن قائم کریں جیسا کہ جہاد میں ہوتا ہے تو سب کاموں میں جو یہ کوشش ہوگی تو اللہ ہی کے لیے ہوگی، ان سب کاموں میں اللہ اس کی مدد کر کے اس کو کامیاب کرے گا اور یہ سب نیک رستے اُس کے پاس پہنچنے کی سڑکیں ہیں، ان میں سے ہر ایک رستہ کی وہی رہنمائی کر کے اپنے دربار تک پہنچا دے گا، جو دار الخلد ہے۔ اسی لیے ان سب طریقوں کے لحاظ سے سبلنا جمع کا صیغہ آیا، کیونکہ سبیل کی جمع سبل ہے اور اسی لیے پھر سبل کو نا کی طرف مضاف کر کے سب کو اپنا رستہ کہہ دیا۔

اسی طرح جو کوئی معرفت و حقیقت کے لیے کوشش کرے گا، ذکر و فکر و مراقبہ وغیرہ رستوں سے اللہ اس کو اپنے تک پہنچا دے گا۔ بندہ کوشش تو کرے پھر تو اس کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس میں جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ بندے کی کوشش کی دیر ہے فیض تو ہر وقت کھلا ہوا ہے، جہاں اس نے اُدھر کے لیے کوشش کی فوراً مبداءِ فیاض سے اس پر تجلی پڑی۔ ہائے رے غفلت! یار خود بلا رہا ہے راستہ دکھا رہا ہے، ہم ہیں کہ دنیا کے مال و اسباب جمع کرنے میں محو ہو رہے ہیں، جن کو تھوڑی دیر کے بعد چھوڑ دینا پڑے گا۔ الٰہی اس کوشش کی بھی تو ہی توفیق عطا کر۔ آمین۔

(۳) سورہ کے خاتمہ میں تین فرقوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے، فرقہ ناقصین کی طرف وَمَنْ اَظْلَمُ میں کہ یہ بد بخت اپنی استعداد کو نکمی باتوں میں صرف کر کے جہاں کہیں جانا ہے، وہاں جانا چاہتے ہیں، یعنی جہنم میں۔ فرقہ متوسطین کی طرف وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا میں یہ لوگ سیدھے رستے کے لیے محنت کرتے ہیں، ان کی جدوجہد پر توفیقِ الٰہی ان کی رہنما ہوتی ہے اور فرقہ کاملین کی طرف وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ میں کہ یہ لوگ طبقہ علیا کے ہیں پیدا ہوتے ہی اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اول فرقہ کے لوگ کفار و بت پرست جن کو اصحاب

الشمال کہتے ہیں اور دوسرے فرقہ کے صالحین و مومنین جن کو اصحاب الیمین کہتے ہیں، تیسرے فرقہ کے اولیاءِ کرام و انبیاء علیہم السلام جن کو السابقون الاولون کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦

روم والے قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے اور وہ چند سال میں مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے۔ (فتح شکست کا اختیار) اس سے پہلے بھی اللہ ہی کو تھا اور اُس کے بعد بھی اور اُس روز (جس روز رومی غالب ہوں گے) مسلمان بھی اللہ کی فتح سے خوش ہو جائیں گے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ زبردست رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر آدمی جانتے ہی نہیں، کچھ دُنیا کی زندگی کی ظاہر باتیں جانتے ہیں اور آخرت سے تو وہ غافل ہی ہیں۔

ترکیب : فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ فی غلبت سے متعلق ھم مبتدا سیغلبون خبر من بعد غلبھم اس سے متعلق غلبھم میں اول قرأت یعنی غلبت کو مجہول مانا جاوے تو مصدر مفعول کی طرف اور دوسری تقدیر میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔ فی بضع متعلق ہے۔ سَيَغْلِبُوْنَ سے بنصر اللہ متعلق ہے۔ یفرح المؤمنون سے وعد اللہ مصدر مؤکد ای وعد اللہ وعدا دول ما تقدم علی فعل المحذوف لانہ وعد۔ وعدہ مفعول لایخلف۔

تفسیر : اگلی سورۃ میں اہلِ کتاب کو مشرکین پر ترجیح دی تھی، بقولہ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ الی قولہ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ کہ اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر نرمی سے اور یہ کہہ دو جو کچھ تمہارے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا ہے، ہم اس کو مانتے ہیں اور ہمارا تمہارا ایک ہی خدا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بہ نسبت مشرکوں کے اہلِ اسلام کو اہلِ کتاب سے ایک خاص برادرانہ تعلق ہے، اِن کی اُن کی صد ہا باتیں ملتی ہیں۔ اس پر مشرکوں کو اہلِ کتاب سے بھی نفرت ہو گئی۔ اب ان کے پاس آنا جانا بھی چھوڑ دیا۔ اس عرصہ میں شاہِ ایران خسرو اور شاہِ روم ہرکلیوس کی لڑائی ہوئی اور ہمیشہ ان دونوں سلطنتوں میں لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ خدا کی قدرت اب کے بادشاہِ روم جو اہل کتاب یعنی عیسائی تھا۔ شاہِ ایران سے مغلوب ہو گیا اور شاہِ ایران کے ہاں بت پرستی کے اصول کو زندہ کرنے والی آتش پرستی مروج تھی، اس لیے مشرکین کو اس سے جانب داری اور شاہِ روم سے منافرت تھی، اس موقع پر مشرکوں نے بڑی خوشی منائی اور مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ لو تمہارے بھائی جو اہل کتاب ہیں اور ان کا اور تمہارا خدا ایک ہے، مغلوب ہو گئے۔ تمہارے خدا سے کچھ بھی نہ ہو سکا، اس پر یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی، مسلمانوں کی تسلی کے لیے جس میں شاہِ روم[1] کے پھر غالب ہونے کی اور نیز مسلمانوں کو فتح نصیب ہونے کی بشارت ہے۔

[1] روم تو دراصل اٹالیہ کو شہر رومۃ کے سبب سے کہتے ہیں مگر ایشیائے کوچک سے لے کر قسطنطنیہ تک اور اس کے آگے تک بہت سے ملکوں کو عرب روم ہی ←

الٓمّٓ ہم بارہا بیان کر آئے ہیں کہ اوائل سورت میں یہ حروف مفردات آیندہ مضمون کے مہتم بالشان ہونے پر دلالت کرنے کے لیے آیا کرتے ہیں اور ان میں مخاطب کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی بڑی بات بیان ہوگی تا کہ متوجہ ہو کر سنے اور نیز ان میں کسی خاص امر کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ اس جگہ الف سے اسلام کی طرف اور ل سے اہلِ کتاب کی طرف م سے مغلوب ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ گو اہلِ کتاب ایرانیوں پر غالب ہوں گے، مگر اخیر میں اہلِ اسلام کے ہاتھ سے مغلوب ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کو وہ قرأت بھی مؤید ہے کہ جس میں غلبت کو معروف اور سَيَغْلِبُوْنَ کو مجہول پڑھا ہے کہ اہلِ کتاب یعنی رومی غالب آئے، مگر اس غالب آنے کے بعد پھر مغلوب ہوں گے اور اگر حرف سَيَغْلِبُوْنَ کو ہی مجہول کا صیغہ لیا جاوے تو بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے کہ رومی اب دب گئے مگر من بعد غلبھم اپنے غلبہ پانے کے بعد پھر مغلوب ہوں گے، اس میں ایک بار ان کے غالب ہونے کی بشارت ہے، پھر مغلوب ہونے کی بھی پیشین گوئی ہے، چنانچہ دونوں باتیں وقوع میں آئیں اور رومی ایرانیوں پر فتحِ بدر کے روز غالب آئے، پھر چند برس کے بعد خلافتِ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں مغلوب ہو گئے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ کہ بالفعل رومی لوگ ہرکلیوس کہ جس کو اہل اسلام ہرقل[1] کہتے ہیں۔ قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ ادنیٰ الارض کے معنی ہیں قریب کی زمین، اس کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ عرب کے قریب کی زمین اطراف شام باذرعات و بصری اور یہیں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو کر روم مغلوب ہوا تھا اور یہی جگہ شام کے ملک باعتبارِ عرب کے قریب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اردن اور فلسطین مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ ارض جزیرہ مراد ہے اور یہی ملک روم کی سرحد میں سے فارس کے قریب ہے۔ فقیر کہتا ہے۔ ہجرت سے تخمیناً چھ برس پہلے روم کے بادشاہ ہرکلیوس اور شاہ ایران خسرو میں جنگ شروع ہوئی اور طرفین سے سخت لڑائیاں ہوئیں۔ ایرانی لشکر بصرہ کی طرف سے بڑھا اور رومیوں کو دباتا ہوا چلا شام کے ملک میں پہنچا اور خاص بیت المقدس کو بھی فتح کر لیا، ایشیائے کوچک کے تمام علاقہ دبالئے، آخر قسطنطنیہ کے محاصرہ تک نوبت پہنچی تھی۔ ہزاروں رومی اس جنگ میں مارے گئے۔ بڑی شکست فاش ہوئی۔ (اب سب کے قول ٹھیک ہو گئے) جب یہ خبریں مکہ میں پہنچیں تو مشرکین بڑے خوش ہوئے اور مسلمانوں کو طعنہ دینے لگے، تب مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک باوجود ان کے مغلوب ہونے کے رومیوں کا ایرانیوں پر غالب آنا، دوم پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہونا۔ سوم اس پر مسلمانوں کا فتح پانا۔ بحمد اللہ یہ تینوں باتیں بہت جلد چند سال کے بعد واقع ہوئیں۔ فقال اللہ تعالیٰ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ اور وہ رومی ایرانیوں کے غلبہ کے بعد ان پر غالب آئیں گے۔ فی بضع سنین[2] چند برس اور ان کی شکستہ حالی پر کوئی نہ جائے کیونکہ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ اللہ ہی کے ہاتھ میں زمامِ حکومت ہے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ دوسری قرآت پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ رومی اپنے اس غلبہ کے بعد جو چند برس میں ہونے والا ہے

← کہتے تھے جو ان ملکوں میں رہتا ہے اور جو وہاں کا بادشاہ سب کو روم یا رومی کہتے ہیں جس طرح کہ ایشیائے کوچک کے جنوبی ملکوں کو شام کہتے ہیں ہرکلیوس عیسائی مذہب کا بادشاہ تھا۔ ۱۲ منہ

[1] کسریٰ شاہ فارس اور ہرقل شاہ روم کی غرب قریب کے ملک یعنی عراق میں آنحضرت ﷺ کے عہد میں فتح مکہ سے پہلے لڑائی ہوئی تھی جس میں وہ مغلوب ہو گئے تھے قریش کہ عناصر پرستی وغیرہ کے رشتے سے ایرانیوں سے خوش اور اہل کتاب ہونے کے سبب رومیوں سے ناخوش تھے اور ان کو مسلمانوں سے منسوب کرتے تھے اس آیت میں رومیوں کے غالب ہونے کی اور اسی روز مسلمانوں کے غالب ہونے کی پیش خبری ہے چنانچہ اس واقعہ کے چند سال کے بعد پھر لڑائی ہوئی اور رومی غالب آ گئے اور اسی روز بدر کی لڑائی میں قریش مکہ پر مسلمانوں نے بھی بڑی فتح پائی اور خوشی ہوئی حقانی۔

[2] اور نیز بضع کے لفظ میں مخالف کے غلط افواہ کی بھی روک ہے اگر ایک معین سال کا نام لیا جاتا تو تکذیب کرنے کے لیے اس سے پہلے ہی مخالف فتح یابی کی افواہ اڑا دیتے۔ ۱۲ منہ

عنقریب مسلمانوں کے ہاتھوں سے مغلوب ہوں گے، چنانچہ اس شکست کے سات برس بعد ہجرت کے دوسرے سال روم نے پھر اپنا ساز وسامان تیار کر کے ایرانیوں سے جنگ شروع کی اور اب کے ان کو اس پیشین گوئی کے مطابق ایرانیوں پر وہ غلبہ ہوا کہ اپنا تمام ملک مقبوضہ ان کے ہاتھ سے چھڑا کر ان کے ملک میں بھی گھس آئے۔ یہاں تک کہ مدائن تک پہنچ گئے اور وہاں اپنی فتح کی یادگاری میں ایک عمارت بنوائی، جس کو رومیہ کہتے ہیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو ایک تیسری (بھی) پیشین گوئی سناتا ہے وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ کہ اس روز مسلمان بھی اللہ کی فتح دینے سے خوش ہوں گے، چنانچہ ادھر رومیوں کی فتح کی خبر آئی، اسی دن بدر کی لڑائی میں جو کفارِ قریش سے تھی، مسلمانوں کو بڑی فتح نصیب ہوئی۔ بضع کے معنی چند کے ہیں جو تین سے لے کر نو تک کے عدد کو شامل ہے۔ اس آیۃ پر کفار قریش نے بڑا تمسخر کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تعداد قائم کرو کہ یہ بات کتنے برس میں واقع ہوگی، کیونکہ لفظ بضع میں ابہام تھا، اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابی بن خلف کافر میں بحث ہو کر ایک شرط ٹھہری ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نو برس کے اندر اگر روم غالب آ گیا تو میں تجھ سے سو اُونٹ لے لوں گا، ورنہ تجھ کو سو اُونٹ دوں گا۔ جب پیشین گوئی پوری ہوئی۔ ابی بن خلف مر چکا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی کے وارثوں سے سو اُونٹ لیے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لائے، آپ نے فرمایا ان کو للہ دے دو۔ انہوں نے دے دیے۔ (نیشاپوری) اس عہد تک شاید اس قسم کی شرط جائز ہوگی۔ پھر جب قمار کی حرمت آئی، ایسی شرطیں بھی قمار میں شامل ہو کر ممنوع ہو گئیں۔ ہاں اگر ایک طرف سے شرط ہو تو مضائقہ نہیں۔ حنفیہ اس واقعہ سے اس بات پر دلیل لاتے ہیں کہ دار الحرب میں اگر مسلمان کفار سے اس قسم کے معاملات[1] قائم کریں تو جائز ہے۔ (بیضاوی)

پیشین گوئیاں: یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے دلیل واضح ہیں۔ اب بضع کے لفظ پر شبہ کرنا عبث ہے، کس لیے کہ اکثر پیشین گوئیوں کی مدتوں میں قدرے ابہام ہوا کرتا ہے۔ کتاب دانیال وغیرہ ملاحظہ کرو اور دراصل ابہام بھی جاتا رہا، جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے مدت معین کر دی۔ پھر بضع کا لفظ ایک محاورہ کے لیے آیا اور یہ شبہ بھی بعید از عقل ہے کہ کچھ قرآئن دیکھ کر یہ پیشین گوئی کر دی ہوگی، کس لیے کہ اس وقت ہرکلیوس کی فتح کا کوئی بھی قرینہ باقی نہ رہا تھا نہ مسلمانوں کی فتح بدر کا قرینہ تھا، نہ اہلِ کتاب پر فتح یابی کا کوئی قرینہ تھا بلکہ اس وقت یہ پیشین گوئیاں ایسی خلافِ قیاس معلوم ہوتی تھیں کہ جن پر کفارِ قریش مضحکہ کرتے تھے، جن کے جواب میں خدا تعالیٰ بھی قدرت اور اسبابِ ظاہر پر تکیہ کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ فَقَالَ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ کہ وہ جس کو چاہے فتح دے۔ زبردست ہے رحمت کرنے والا ہے۔ جس پر چاہے رحم کر کے غالب کر دے۔ وَعْدَ اللّٰهِ لا یخلف اللہ کا وعدہ ہو چکا وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وہ دنیا کی زندگی کے ظاہری اسباب کو جانتے ہیں اور انہیں پر ان کو تکیہ ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ پیچھے آنے والی بات سے کہ جس کو وہ ظاہر نہیں دیکھتے۔ غافل ہیں پیچھے آنے والی بات میں یہ پیشین گوئیاں اور دیگر امور اور قوموں کے ادبار و اقبال اور ان کی موت اور عالم آخرت حشر و نشر جنت دوزخ، سب آ گئے۔ ہرقل کی[2] فتح کے سولہویں برس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو مغلوب کیا۔ بیت المقدس کو لیا۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ الْاَرْضَ وَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

[1] ای عقودِ فاسدہ۔ ۱۲ منہ

[2] چڑھائی تو نویں برس میں ہوئی مگر سولہویں میں بہت کچھ روم مغلوب ہو گئی۔ ۱۲ منہ

إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ ﴿٨﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١٠﴾

کیا وہ اپنے دل میں (یہ بھی) خیال نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے عمدگی سے اور وقتِ مقرر تک کے لیے بنایا ہے اور البتہ بہت سے لوگ تو اپنے رب سے ملنے کے منکر ہی ہیں، کیا انہوں نے زمین پر پھر کر نہیں دیکھ لیا کہ اُن سے پہلوں کا کیسا انجام ہوا وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور ان سے بہت زیادہ آباد کیا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر بھی آئے[1] تھے۔ پھر اللہ تو ان پر کا ہے کو ظلم کرنے لگا تھا، پر وہی اپنے اوپر آپ ظلم ڈھاتے تھے، پھر برا کرنے والوں کا انجام بھی برا ہوا اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اُن کی ہنسی اُڑاتے رہے۔

ترکیب : ماخلق مانافیۃ وفی التقدیر وجہان احدھما ھو مستانف لاموضع لہ والکلام تام قبلہ والثانی موضعہ نصب یتفکروا والنفی لایمنع ذلک کمالم یمنع فی قولہ وظنوا مالھم من محیص عاقبۃ فمن رفعہ جعلہ اسم کان وفی الخبر وجہان احدھما السوئ ان کذبوا فی موضع نصب مفعولا لہ ای لان کذبوا وبان کذبوا والثانی ان کذبوا والسوائی علی ھذا صفۃ مصدر ومن نصب جعلھا خبر کان والاسم السوی اوان کذبوا والسوی تانیث الاسوء وھو الاقبح۔

تفسیر : ان لوگوں کو کہ جو ظاہر دُنیا پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں، ان آیات میں اپنی قدرت اور جبروت کا مشاہدہ کراتا ہے، فقال اولم یتفکروا الخ کہ وہ اپنے دل میں نہیں سوچتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر جو کچھ چیزیں ہیں سب کو کس عمدگی کے ساتھ بنایا ہے، کوئی بات نکمی نہیں اور ہر ایک کی ایک عمر مقرر کر دی ہے۔ نباتات، حیوان، انسان کی چونکہ تھوڑی عمر ہے، اس لیے اس کے فانی ہونے میں تو کسی کو شبہ نہیں مگر پتھر اور عناصر اور آسمان اور کواکب کی عمریں بہت ہیں، اس لیے بہت سے کم عقلوں کو گمان ہو گیا ہے کہ یہ چیزیں فنا نہ ہوں گی، ہمیشہ رہیں گی اور جب ہمیشہ کا رہنا مان لیا تو لاچار ہو کر یہ بھی کہنا پڑا کہ ان کی ابتداء بھی نہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں، پھر جب یہ ہوا تو حشر کا خواہ مخواہ انکار کرنا پڑا، جیسا کہ حکماء کے بعض فریق اور ہنود کے بعض گروہ قائل ہیں مگر یہ نہ سوچا کہ جو چیز ازلی اور ابدی ہے وہ اللہ کی ذات ہے اور کوئی نہیں مگر عرب کے مشرک اس بات کے قائل تھے کہ ان سب چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اس لیے ان پر تو حجت جلد قائم ہو گئی کہ جس کی ابتداء ہے اُس کی انتہا بھی ضرور ہو گی، اس لیے اللہ نے خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ میں ان چیزوں کا حادث اور مخلوق ہونا بیان فرما دیا اور اِلَّا بِالْحَقِّ میں یہ کہ اُس نے ان کو اضطراراً نہیں بنایا ہے، جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں بلکہ قصداً اور ان میں ہر ایک مصلحت رکھی ہے، بے اختیاری بنانے میں یہ کب ہوتا ہے؟ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى میں یہ بیان کر دیا کہ ان کی انتہا بھی ہے، پھر جب یہ ہے تو حشر اور قیامت اور خدا کے پاس جانے میں کیا شبہ باقی رہا؟ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ بہت سے لوگ خدا کے

[1] پر انہوں نے نہ مانا آخر اپنے کیے کی سزا کو پہنچے ہلاک ہوئے۔۱۲ منہ

پاس جانے کا انکار کرتے ہیں اور یہ انکار ان کا چونکہ غفلت اور دُنیا کے غرور اور محبت سے تھا، اس لیے ان سے پہلوں کا حال بیان فرمایا کہ وہ سب جو تم سے زیادہ قوی اور مالدار اور زمین میں بسنے والے تھے، اسی سبب سے برباد ہوئے۔ ذرا دنیا میں پھر کر دیکھو ان کے آثارِ قدیمہ تمہیں دکھائی دیں گے۔ فقال اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ کیا انہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وہ ان سے بھی زیادہ قوی تھے اور زمین کو جوتتے تھے اور آباد کرتے تھے، ان سے زیادہ اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ الخ پھر ان پر اللہ کا عذاب آیا لیکن اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وہ خود اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے جو رسولوں سے بمقابلہ پیش آئے۔ ثم کان الخ پھر ان کا برا انجام ہوا، اس سبب سے کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن سے تمسخر کرتے تھے۔

ان آیات میں اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرما کر یہ بھی بتلا دیا کہ ہم نے جو فتح کی خبر دی ہے وہ بھی سچ ہے، ہماری قدرت سے بعید نہیں اور آخرت سے جو ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا، اس کو بھی اُٹھا دیا کہ ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے، یہ عالم فنا ہوگا۔ تم کو اس کے پاس جانا ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ پہلے لوگوں نے دُنیا کے غرور میں ان باتوں کو نہیں مانا۔ وہ ہلاک ہوئے، دیکھو دنیا فانی ہے وہ کہاں گئے؟

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اللہ ہی مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر وہ اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، پھر اُس کے پاس لوٹ کر آوے گی اور جس دن قیامت برپا ہوگی گناہ گار نا اُمید ہو جائیں گے اور ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور یہ بھی اپنے معبودوں سے منکر ہو جاویں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز لوگ جدا جدا ہو جاویں گے۔ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے سو وہ بہشت میں چین کریں گے اور وہ جو منکر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا۔ سو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آویں گے۔

ترکیب: يبلس المجرمون یسکتون متحرین آیسین یقال ناظرتہ فابلس اذا سکت وایس من ان یحتج و کانوا بشرکاءهم کفرین ای یکفرون بالٰھتھم حین یئسوا منھم۔ وقیل کانوا فی الدنیا کافرین بسببھم، یوم کا ناصب یبلس، شفعاء جمع شفیع اسم لم یکن ولھم خبر مقدم۔ من شرکائھم بیان لشفعاء، یوم یقوم کا عامل۔ یتفرقون یومئذ یوم کی تاکید، ولقاء الآخرۃ مصدر مضاف ہے، مفعول کی طرف یہ آیتنا پر معطوف تحت میں باجار کی مفعول ہے۔ کذبوا کا۔

تفسیر: اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یہاں سے معاد یعنی حشر شروع ہوتا ہے اور اس بات کو مدلل کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ مخلوق کو شروع سے پیدا کرتا ہے، یہ بات نہیں کہ پیدا کر کے فارغ ہو گیا، اگرچہ بھاری بھاری چیزیں اس عالم کی تو پیدا کر دیں۔ جیسا کہ آسمان و زمین، کواکب و عناصر۔ اب ان کے علاوہ انسان نباتات حیوان ہر روز لاکھوں چیزیں پیدا کیا کرتا ہے کہ ان کا اول میں کچھ نام و نشان بھی نہیں ہوتا ہے۔ پھر جو سرے سے پیدا کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے بلکہ اُس کا وعدہ ہے کہ وہ اس عالم کے فنا ہونے کے

بعد ہر چیز کو بارِ دگر پیدا کرے گا اور پھر لوگ عدالت کے دربار میں خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ یہاں سے اس روز کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی نافرمان و مجرم نا اُمید ہو جاویں گے۔ مجرم کون ہیں، کافر و مشرک اور اہلِ اسلام میں سے فاسق و بدکار، مگر آیت میں کافر و مشرک مراد ہیں، ان کے وہ دلی منصوبے سب جاتے رہیں گے۔ بعض کہا کرتے تھے کہ ہم کو گنگا مائی بچالے گی، بعض کہتے تھے کہ گائے کی دم پکڑ کے بحرِ عذاب سے پار ہو جاویں گے اور برہمن نے اس مسئلہ کو اپنے معتقدوں کے دل میں خوب جما رکھا تھا، اس لیے دھرماتما گائے دان کیا کرتے تھے۔ بعض مہاراجہ یہ سمجھتے تھے کہ بیل پر سوار ہو کر پار ہو جاویں گے۔ بعض کہتے تھے ہنومان جی بچالیں گے، بعض کہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ مسیح تو ہمارے تمام گناہ خواہ وہ کیسے ہی ہوں، اپنے اُوپر اُٹھا کے لے گئے۔ اب کیا ہے، جس نے بپتسمہ یعنی اصطباغ[1] پایا مرتے ہی خدا تعالیٰ کے دائیں طرف تخت رب العالمین کا کنارہ دبا کر بیٹھ جاویں گے، اس طرح مکہ بلکہ عرب کے بت پرست کہیں لات منات پر تکیہ کئے ہوئے تھے، کہیں ملائکہ عناصر اور آفتاب کو قاضی الحاجات دافع المشکلات جانتے تھے۔ جیسا کہ آج کل جہال مسلمان تعزیہ اور اسپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرضی نعل کو کہیں کسی جھنڈے اور تھان کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔ وہاں دیکھیں گے تو کچھ بھی نہیں وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی کھڑا نہ ہوگا، بلکہ وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ۔ اپنے ان معبودوں سے منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ ہم تو ان کو نہیں پوجتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ۔

ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین اور اُن کے پیرو کاملین اُن ایمانداروں کے لیے ضرور سفارش کریں گے کہ جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا دُنیا میں ہوگئی ہے، کیونکہ وہ درگاہِ کبریائی کے باغی نہ تھے کہ جو اُس کے سوا انہوں نے کسی کو معبود بنالیا ہو اور آیت میں صاف اشارہ ہے کہ جو کوئی ان انبیاء علیہم السلام کو معبود بنالے گا، اُس کی وہ سفارش نہ کریں گے۔ پھر انجام کار وہاں کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل فرماتا ہے، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ کہ اُس روز قیامت برپا ہوگی۔ خدا تعالیٰ کے مجرموں کو فرمانبرداروں سے الگ کر دیا جاوے گا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ بہشتوں میں چین کریں گے۔ مدار نجات کا ایمان اور نیک کام کرنے پر رکھا ہے، خواہ اس میں کوئی غریب ہو یا امیر، وضیع ہو یا شریف وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ اور جس نے کہ کفر اختیار کیا۔ اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور قیامت کے منکر ہوئے۔ اس میں شرک اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ بھی آگئے، جن کو كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ میں اجمالاً بیان کر دیا کس لیے کہ کفار جو شرک کرتے ہیں۔ وہ آیاتِ توحید کی تکذیب کرتے ہیں اور معصیت کو حلال جان کر کرتے ہیں، اس میں تکذیب آیاتِ قیامت ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ پس وہ عذاب میں پکڑے ہوئے لائے جاویں گے۔ یحبرون یسرون بانواع المسار لحظۃ فلحظۃ جرہ اذا سرہ (نیشاپوری)

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ

ع

[1] عیسائیوں کے ہاں جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا یا نیا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو ایک حوض میں غوطہ دیتے ہیں بعض صرف پانی کے چھینٹے ہی دیتے ہیں بعض رنگ کے چھینٹے دیا کرتے تھے اس کو اصطباغ یا بپتسمہ کہتے ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ اصطباغ لینے میں سب گناہوں سے پاک ہو گیا جیسا کہ ہندو گنگا میں نہانا سب گناہوں کا معاف ہونا جانتے ہیں پھر جس طرح ہندو برھما بشن مہیش تینوں کو خدا سمجھتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک البشر یعنی خدا ہے اسی طرح عیسائی۔ باپ۔ بیٹا۔ روح القدس کو خدا سمجھتے ہیں۔ پھر تینوں کو کہتے ہیں کہ ایک خدا ہے۔ عیسائی مذہب کا اسی عقیدہ پر مدار ہے پر اس کو روحانی تعلیم ہی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ کی تسبیح کیا کرو، جبکہ تم شام کرو اور جبکہ تم صبح کرو اور اُسی کی ستائش[1] ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے پہر کو اور دن ڈھلے کو۔ زندہ کو مردہ سے پیدا کر کے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زندہ کرتا ہے، زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور اسی طرح سے تم بھی زندہ کئے جاؤ گے اور اُس کی قدرت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ تم کو خاک سے پیدا کیا، پھر تو تم انسان بن کر پھیل رہے ہو اور اُس کی قدرت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ تمہارے لیے تمہی میں سے بیویاں پیدا کیں کہ اُن کے پاس تم کو قرار آوے اور تم میں باہم محبت و مہربانی پیدا کی، البتہ یہ بڑی نشانیاں ہیں، غور کرنے والوں کے لیے اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا بھی ہے، البتہ اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اُس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا اور اُس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا بھی ہے، البتہ اس میں سننے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب تم کو زمین میں سے یکبارگی بلاوے گا تو تم نکل آؤ گے اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اُس کے آگے گردن جھکائے ہوئے ہیں اور وہی ابتداءً پیدا کرے گا اور یہ اُس کے نزدیک بہت آسان ہے اور اُس کی شان بلند ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور وہ (بڑا) زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب : فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ قدمر وجہ الاعراب فی سورۃ الاسراو حین تمسون الجمہور علی الاضافۃ والعامل فیہ سبحان وقرئ منونا علی ان تجعل

---

[1] ای الصفۃ العلیا وھو انہ لا الہ الا ھو ۱۲ منہ

تمسون صفۃ لہ والعائد محذوف ای تمسون فیہ وعشیا معطوف علی حین فکلہا داخل التسبیح ولہ الحمد معترض و فی السموات حال من الحمد ویمکن ان یکون عشیا معطوفا علی فی السموات۔

تفسیر : وعدہ وعید کے بعد یہ بتلانا مناسب تھا کہ وہ کون سی باتیں ہیں کہ جن سے وعدہ انعام کا مستحق ٹھہرے اور کون سی باتیں ہیں کہ جن سے وعید جہنم سے بچے؟ اس لیے فرمایا فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ[1] الخ کہ ان اوقات مذکورہ میں اس کی تسبیح وتحمید کرنا گرچہ یہ ظاہر میں جملہ خبریہ ہے۔ پر معناً امر ہے کہ ایسا کرو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اول آیات میں قیامت اور وہاں کے وعدہ وعید بیان فرمائے تھے جس سے کسی کوتاہ فہم کو خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی فرمانبرداری کرانے کا محتاج ہے۔ جیسا کہ دُنیا میں بادشاہوں کو اطاعت وتندہیِ رعیت کی حاجت پڑتی ہے، پھر جب کوئی اطاعت نہیں کرتا سزا پاتا ہے۔ اطاعت پر انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ اس خیال کے غلط کرنے کو یہ فرمایا فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ الخ کہ اُس کو تمہاری بندگی وطاعت کی کچھ ضرورت نہیں، وہ جو کچھ فرماتا ہے۔ تمہارے بھلے کو آسمانوں کے فرشتے اور ہر ممکن کا حال اوقات مذکورہ میں اُس کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے۔ اس صورت میں جملہ خبریہ ہی مانا جاوے تو ہوسکتا ہے، مگر جمہور اس کو بمعنی امر لیتے ہیں، یعنی ان اوقات مذکورہ پر اُس کی تسبیح وتحمید کرنی چاہیے۔

اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کی تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور ظہر وعصر کے وقت (اس صورت میں وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ایک درمیانی جملہ مانا جاوے گا) اس بات کے بتلانے کے لیے کہ آسمانوں اور زمین میں اس کی ستائش ہو رہی ہے، تم بھی اوقاتِ مذکورہ میں اس کی تسبیح بیان کرو، یعنی سبحان اللہ کہو کہ اللہ پاک اور منزہ ہے اور جب اس کو جملہ معترضہ نہ مانا جاوے وعشیا کا فی السموات پر عطف قرار دیا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ صبح اور شام تو اُس کی تسبیح بیان کرو اور ظہر وعصر کے وقت اُس کی حمد کرو۔ الحمد للہ کہو جس کے معنی اُس کی خوبیاں بیان کرنا اور اسی کے انعام والطاف کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی ہر صبح وشام سو بار سبحان اللہ وبحمدہ کہے گا اس روز اس کے برابر کسی کی نیکیاں نہ ہوں گی مگر اس کی جو اس قدر کہے یا اس سے زائد متفق علیہ۔ علماءِ اسلام کی ایک جماعت یہی کہتی ہے کہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ اُس وقت تک نمازِ پنجگانہ فرض نہ تھی اوقاتِ مذکورہ میں اللہ کی تسبیح وتحمید کر لینا کافی تھا اور اس کی کوئی تعداد نہ تھی کہ کتنے بار تسبیح وتحمید کی جاوے۔

مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے مراد پنجگانہ نماز ہے۔ قرآن کی عادت ہے کہ وہ نماز کو اُس کے اجزاء کے ساتھ تعبیر کیا کرتا ہے، نماز میں تسبیح بھی ہے، تحمید بھی ہے۔ رکوع بھی، سجدہ بھی، پھر کبھی اس کو تسبیح سے کبھی تحمید سے کبھی رکوع سے کبھی سجدہ سے بیان کیا کرتا ہے، حِیْنَ تُمْسُوْنَ سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز اور حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ سے صبح کی نماز اور عشیا سے عصر کی نماز اور تُظْہِرُوْنَ سے ظہر کی نماز مراد ہے اور مکہ میں ہر وقت کے لیے دو دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھیں، پھر مدینہ میں آ کر اور زیادہ ہوگئیں۔ (چنانچہ حضرت عائشہ[2] صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث کہ جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے، اس کی مؤید ہے)۔

ان اوقات کی خصوصیت چند اسرار کی وجہ سے ہے۔ (۱) یہ کہ یہ وقت غفلت اور دنیاوی کاروبار کے ہیں، ان میں اللہ کو یاد کرنا ضروری ہے۔ (۲) یہی اوقات تجددِ نعماءِ الٰہی کے ہیں۔ (۳) عالمِ غیب میں یہ اوقات اہل زمین کی عبادت ودعاء واستغفار کے لیے اجابت کے واسطے مخصوص ہیں۔

اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ جن سے خاص اُسی کا اس تسبیح وتحمید کے لیے مستحق ہونا ثابت ہوتا ہے اور بت پرستی کی قباحت

---

[1] حین تمسون وحین تصبحون ۔۱۲منہ

[2] عن عائشۃ قالت فرضت الصلوۃ رکعتین ثم ہاجر رسول اللہ ﷺ ففرضت اربعا وترکت صلوۃ السفر علی الفریضۃ الاولی متفق علیہ ۱۲منہ

ثابت ہوتی ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ان دلائل میں اپنے انعام واکرام ذکر فرماتا ہے کہ جو اس کی طرف سے اُس کے بندوں کو پہنچتے ہیں اور جن پر اس کی زندگی اور آرام کا مدار ہے، پھر جس کے انعام ونعماء ہیں، اس کی ستائش وتسبیح بھی ہونی چاہیے۔ فقال یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ یہ پہلی دلیل ہے کہ وہ مردہ سے یعنی نطفہ سے زندہ آدمی پیدا کرتا ہے۔ پھر زندہ عورت سے مردہ بچہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کے معنی متعدد کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور مری ہوئی زمین کو زندہ کرتا ہے، یعنی خشک کو جڑی بوٹیوں سے جو اگلے موسم میں مرچکی تھیں تروتازہ کر کے زندہ کرتا ہے۔ اس میں زندگی بعد موت اور موت کے بعد زندگی عطا کرنا ثابت کیا گیا، اس لیے بعد میں فرمایا۔ وَکَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ کہ اسی طرح مرنے کے بعد جڑی بوٹیوں کی طرح قیامت میں تم کو بھی زندہ کر دے گا اور زمین سے اُوپر نکالے گا، حشر کا مسئلہ بھی ثابت کر دیا۔ (۲) وَمِنْ آیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ الخ کہ تم کو مٹی سے بنایا۔ آدم کو اول مٹی سے بنایا، پھر اس سے اُس کی تمام نسل بنی یا کہو نطفہ سے انسان بنتا ہے، وہ خاکی غذاؤں سے جو دراصل خاک تھیں اور خاک ہو جاویں گی۔

(۳) وَمِنْ آیٰتِهٖ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا الخ کہ تمہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کیے۔ مرد کا جوڑا عورت، عورت کا جوڑ مرد جنس کے اگر غیر جنس ہوتے تو بڑی خرابی ہوتی۔ الفت نہ ہوتی اور پھر باہم باوجود غیر غیر ہونے کے میاں بیوی میں وہ محبت والفت دی کہ ایک کو دوسرے بغیر چین نہیں۔ (۴) وَمِنْ آیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ کہ اس نے آسمان وزمین بنائے اور زمین کے مختلف قطعات پر تم کو بسایا جس سے تمہاری زبانیں اور رنگتیں جدا جدا ہو گئیں۔ باوجودیکہ ایک شخص کی نسل پر کوئی گورا کوئی کالا کسی کی کچھ زبان کسی کی کچھ، یہ اس کی کیسی قدرت ہے؟ (۵) وَمِنْ آیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ الخ کہ رات تمہارے سونے آرام کرنے کو بنائی دن تمہارے کاروبار روزی کے سامان مہیا کرنے کو اگر سدا رات ہی رہتی یا رات ہی نہ ہوتی تو کیسی خرابی تھی؟ اس میں ہر روز مرنے اور جی اُٹھنے کا بھی نمونہ ہے، اس لیے اس کے بعد فرمایا لِقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ کہ اس کو سن رکھیں، حشر بھی ہوگا۔ یہاں تک دلائل الانفس تھے، اس کے بعد دلائل الآفاق ذکر کرتا ہے۔ (۶) وَمِنْ آیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ الخ کہ وہ تم کو بجلی چمکا کر دکھاتا ہے جس سے جان کا خوف اور بارش کی امید ہے۔ پھر مینہ برساتا ہے، اس سے خشک زمین کو تروتازہ کرتا ہے۔ (۷) وَمِنْ آیٰتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، آسمان کا کوئی ستون نہیں کسی چیز کے اُوپر دھری ہوئی نہیں، اس کے بعد پھر حشر کے مسئلہ کا اعادہ کرتا ہے، ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ الخ کہ وہ قادرِ مطلق جب تم کو زمین سے بلاوے گا، سب نکل کر چلے آؤ گے۔ وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الخ کیونکہ آسمان وزمین کی ہر چیز اُس کے بس میں ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ الخ اور وہی اول بار بناتا ہے، بارِ دیگر بنانا اس کو کیا مشکل ہے بلکہ تمہارے خیال کے بموجب بارِ دگر بنانا اول بار بنانے سے آسان تر ہے، اس کی آسمانوں اور زمین میں بلند شان ہے، اُس پر کوئی چیز مشکل نہیں، وہ زبردست ہے، حکیم ہے۔ ہر ایک تدبیر جانتا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ

لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

اللہ نے تمہارے لیے تمہارے حال سے ایک مثال بیان کی ہے کہ بھلا تمہارے غلاموں میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں، تمہارا اس چیز میں کہ جو ہم نے تم کو دی ہے، کوئی بھی حصہ دار ہے کہ تم اُس میں برابر ہو جاؤ، ان سے ویسا ہی خطرہ رکھو کہ جیسا اپنے برابر کے لوگوں سے رکھتے ہو۔ عقلمندوں کے لیے ہم یوں آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں بلکہ بے انصاف بے سمجھے بوجھے اپنی خواہش پر چلنے لگے ہیں۔ پھر کون ہدایت کر سکتا ہے جس کو کہ اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں، پھر آپ تو دین پر یک طرفہ ہو کر قائم ہو جاؤ' فطرتِ الٰہی پر کہ جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی بناوٹ میں رد و بدل نہیں۔ یہ ہے سیدھا طریقہ لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں، (فطرتِ الٰہی پر قائم رہو) اُس کی طرف رجوع ہو کر اور اس سے ڈرا کرو اور نماز ادا کرتے رہو اور شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ ان میں کہ جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈال دی اور مختلف فرقے ہو گئے۔ ہر فرقہ اُس پر جو اُن کے پاس ہے خوش ہے۔

ترکیب : من انفسکم فمن للابتداء وفی قولہ من ما ملکت للتبعیض والثالثۃ مزید لتاکید الاستفہام الجاری مجری النفی۔ ومعنی من انفسکم انہ اخذ مثلاً وانتزعہ من اقرب شیء منکم وھی انفسکم فالمعنی ھل ترضون لانفسکم ان یکون لکم شرکاء من بعض عبیدکم یشاءکونکم فیما رزقکم فانتم ایھا السادات والعبید فی ذلک المرزوق سواء تخافون العبید ان یستعبدوا بالتصرف کخیفتکم انفسکم ای کما یخاف بعضکم بعضا من الاحرار فانتم فیہ سواء والجملۃ فی موضع نصب جواب الاستفہام ای ھل لکم۔ فطرۃ اللہ الزموھا او علیکم بھا منیبین الیہ راجعین الیہ من اناب اذا رجع مرۃ بعد اخریٰ وھو حال من الضمیر فی الناصب المقدر لفطرۃ اللہ او فی اقم لان الایۃ خطاب للرسول والامۃ لقولہ واتقوہ من الذین فرقوا بدل من المشرکین باعادۃ الجار۔

تفسیر : اس سے پہلے چند دلائل اس کے خالق و رازق و قابلِ ستائش ہونے پر بیان ہوئے تھے۔ ہر چند وہ ردِّ شرک کے لیے بھی کافی تھے کہ عالم میں اور کوئی اس کے برابر نہیں، مگر زیادہ واضح کرنے کے لیے ایک مثال بیان کی جس سے شرک کی برائی اور بھی ظاہر ہو جاوے۔ فقال ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہی حالت سے تم کو ایک مثال سناتا ہے، وہ یہ کہ بھلا تم اپنے غلاموں سے کسی کو اپنے برابر ہونا پسند کرتے ہو کہ برابر ہو کر مال میں تصرف کرنے لگیں اور تم اُن سے ایسے ڈرنے لگو کہ جیسا باہم کے شریک سے ڈرا کرتے ہو کہ ایک دوسرے کے پوچھے بغیر کوئی تصرف کرنا کبھی پسند نہ کرو گے۔ پھر غور کرو کہ جب غلام کو جو تمہارا بنایا ہوا نہیں وہ بھی اللہ کا بندہ ہے، تم اپنے مال میں کہ تم کو اللہ نے دیا ہے۔ تمہارا بنایا ہوا نہیں شریک اور برابر ہونا پسند نہیں کرتے تو پھر خدا تعالیٰ کو (کہ جس نے یہ کیا جس کا بیان اُوپر کی آیتوں میں آیا) کب پسند ہوگا کہ تم اس کی مخلوق کو خواہ وہ اشرف ہو خواہ ارذل، اُس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں اس کا شریک بناؤ اور عبادت کرنے اور پکارنے اور نذر و نیاز کرنے میں یا اُن کی تعظیم و تکریم میں اس کی برابری کرو ان کے بھی حصہ لگاؤ؟ نہیں ہرگز نہیں۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ، ہم اپنی آیتوں کو یعنی کلام کو تفصیل سے مثال دے کر عقل والوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر حمقاء کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا اور انہوں نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل و سند نہیں بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَهْوَاءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ الخ بلکہ ستمگاروں نے جہالت سے اپنی دلی خواہشوں کی پیروی کرنی اختیار کر لی ہے۔ ان کو تقدیرِ ازلی نے ہدایت

میں حصہ ہی نہیں دیا۔ فَمَنْ یَّھْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰہُ پھر ایسے ازلی گمراہ کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟ ان کا دردمند خیر خواہ ان کو لاکھ سمجھائے وہ کب مانتے ہیں؟ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ کے یہ معنی ہیں۔

مشرکین کو الزام دے کر اور اُن سے مایوسی ظاہر فرما کر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے دینداروں کو حکم دیتا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا کہ تم اِدھر اُدھر نہ ڈگمگاؤ ایک طرفہ ہو کر دین پر قائم ہو جاؤ۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا فطرتِ الٰہی پر قائم ہو جاؤ کہ جس پر اُس نے بنی آدم کو بنایا ہے، یعنی فطرتِ انسان کی ایک اصلی حالت ہے کہ جس پر قائم رہنا انسان کا کمال ہے۔ کبھی توہماتِ باطلہ اور رسم و عادات فطرت سے باز رکھ کر اُس کو ناموزوں حالت پر ڈال دیتے ہیں جو اس پر پھر قائم کرنے کے لیے دُنیا میں حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں۔ وہی آ کر بتلاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں فطرت کے مطابق نہیں، عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ومامن مولود الایولد علٰی فطرة فابواہ یھودانہ اوینصرانہ ویمجسانہ کما تنتج البھیمة بھیمة جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء ثم یقول فطرة اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ذلك الدین القیم، متفق علیہ۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے، پھر بعد میں اُس کے ماں باپ کہیں اُس کو یہودی بنا لیتے، کہیں نصرانی، کہیں مجوسی جیسا کہ حیوانات میں بچہ جو پیدا ہوتا ہے تو بے عیب ہوتا ہے، کسی کا کان کٹا ہوا نہیں ہوتا، بعد میں لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں، پھر اُس کی سند میں حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی، فطرت اللہ التی الخ یعنی بدء الخلقت میں جس طرح کہ حیوانات کے بچے اپنی اصلی حالت اور صورت پر پیدا ہوتے ہیں، اس طرح ہر ایک بچہ انسان کا اخلاق و عادات و خیالات میں بھی اپنی اصلی حالت پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُس پر کوئی اثر بیرونی نہ پڑے تو وہ جوان ہو کر بھی اسی حالت پر رہے۔ اللہ کو وحدہ لاشریک جانے اپنے خالق و محسن کی تابعداری کرے۔ یہ اجمالی حالت ہے۔ تفصیلی طور پر ہر ہر بات میں اُس کی مرکزِ طبعی وہی باتیں ہوویں کہ جو انسان کے لیے ہونی چاہییں۔ راست بازی، رحمدلی، ہمدردی، مگر بعد میں جب اُس پر اور اثر پڑتے ہیں تو یہ اُس اصلی حالت سے بدل جاتا ہے۔ چالاکی، فریب دہی، ظلم و ستم، بدکاری، بت پرستی وغیرہ اوصافِ رذیلہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی جملہ کی طرف سید الانبیاء نے فابواہ یھودانہ سے ایماء فرمایا کہ ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کر لیتے ہیں اور اس اصلی حالت کا نام دینِ قیم ہے اور اسی کو اسلام بھی کہتے ہیں۔ فرماتا ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ یا تو یہی ہے کہ تم خلق اللہ یعنی فطرتِ الٰہی کو نہ بدلو، اسی پر قائم رہو۔ یا جملہ خبریہ ہے کہ فطرتِ الٰہی بدلتی نہیں۔ تمام انبیاء کا اس میں ایک ہی رستہ ہے۔ اس کو ہم منسوخ نہیں کیا کرتے۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں، وہ اپنے توہماتِ باطلہ اور عادات و اخلاقِ باطلہ کو دین اور فطرت سمجھ بیٹھے ہیں اور پھر جب یہ باطل طریقہ پشت در پشت چلا آتا ہے تو معاذ اللہ پھر اس کو فطرت کیا فطرت کی بھی جان سمجھنے لگتے ہیں۔

اس کے بعد فطرتِ الٰہی کی قدرے شرح کرتا ہے کہ اس کی چند باتیں بتلا کر اُن کی پابندی کا حکم دیتا ہے، فقال مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ اسی کی طرف رجوع کرتے رہو، ہر امر میں گو وہ رحیم و کریم ہے۔ وَاتَّقُوْہُ اس سے ڈرتے بھی رہا کرو نافرمانی پر سزا بھی دیا کرتا ہے۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز قائم کیا کرو۔ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو، یعنی اس جماعت میں داخل نہ ہو، شرک نہ کرو۔ پھر ان کا حال بیان فرماتا ہے۔ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا وہ لوگ ہیں مشرک کہ جنھوں نے اپنے اصلی دین میں یعنی فطرت اللہ میں پھوٹ ڈالی، اس سے الگ راہ نکالی اور ہر ایک جگہ کے لوگوں نے جدا جدا معبود بنائے اور جدا جدا رسمیں قائم کیں اور ان کا حسن باطنی جاتا رہا، کھرے کھوٹے پرکھنے کا امتیاز باقی نہ رہا۔ ہر ایک گروہ اپنے عقائد و رسوم پر کہ جس کو انہوں نے مذہب سمجھ رکھا ہے، خوش و خرم ہیں، اسی کو بہتر جانتے ہیں۔ فطرت: دانائی زیرکی۔ ابداءِ اختراع حالت یہاں اخیر معنی حالت والے معتبر ہیں، یعنی

اصلی حالت ہر چیز کی ایک اصلی حالت ہوتی ہے، پانی میں روانگی، ہوا میں خفت وغیرہ وغیرہ اگر ان میں کوئی آمیزش یا تغیر نہ ہو تو یہ چیزیں اپنی حالتِ طبعی پر رہیں۔ انسان کی اصلی حالت کو شروع میں فطرت اللہ کہتے ہیں، جو ایک عمدہ اور کمالی حالت ہے اور اسی کو اسلام اور اسی کو دینِ قیم کہتے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء ﷺ کا طریقہ ہے، نہ اور کسی کا۔ واللہ الهادی وبیدہ المقاصد المبادی۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۳۶﴾

اور لوگوں کو جب کوئی دُکھ پہنچتا ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں، اُس کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اُن کو اپنی عنایت کا مزہ چکھاتا ہے تو جب ہی کوئی ایک فرقہ اُن میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک پیدا کرنے لگتا ہے، تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں، پھر (دُنیا کے چندروزہ) فائدے اُٹھالو۔ پھر تو تم کو معلوم ہی ہو جائے گا، کیا ہم نے ان کے لیے کوئی سند بھیجی ہے کہ وہ اُن کو شرک کرنا بتا رہی ہے اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور جو ان کو ان کی شامتِ اعمال سے کچھ دکھ پہنچتا ہے تو فوراً نا اُمید ہو جاتے ہیں۔

ترکیب : وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ شرط دعوا جواب منیبین حال من الضمیر الفاعل فی دعوا اذا فریق اذا مکانیۃ للمفاجاۃ نائب عن الفاء فی جواب الشرط فتمتعوا فیہ التفات عن الغیبۃ سلطنا یذکر لانہ بمعنی الدلیل ویونث لانہ بمعنی الحجۃ۔ وقیل ھو جمع سلیط کرغیف درغفان۔ واسناد التکلم الیہ مجاز کما تقول نطقت الحال بکذا ای یتکلم تکلم دلالۃ بما کانوا ما مصدریۃ والضمیر فی بہ اللہ۔ او موصولۃ والضمیر لھا ای بالامر الذی بسببہ یشرکون۔

تفسیر : وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ الخ یہاں سے انسانی جذبات میں فطرتِ الٰہیہ کا ثبوت کیا جاتا ہے کہ جب انسان پر کوئی سخت مصیبت آپڑتی ہے جو اس کے بیرونی آثار سے اس کو قدرے بے خبر کر ڈالتی ہے تو یہ پھر اسی فطرت اور اصلی حالت پر آ کر کمالِ اخلاص سے اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے۔ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ پھر وہ جب اُن کی مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور اپنی رحمت کا کچھ بھی مزہ چکھاتا ہے، سب تو نہیں پر بعض لوگ کہ جن پر پھر وہی بیرونی آثار و تعلیماتِ باطلہ و توہماتِ فاسدہ کا دیو آ کر سوار ہوتا ہے تو اپنے رب کے ساتھ اوروں کو بھی اس دفعِ مصیبت میں شریک کرنے لگتے ہیں۔ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ تاکہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کریں، یعنی ان کا یہ کام خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے، اس کے بدلے میں شکر کرنا چاہیے تھا نہ کہ ناشکری کہ اب اوروں کو بھی اُس میں شریک کرنے لگے۔ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ اب تم اے ناقدرو! اپنے نزدیک امن و راحت کی حالت میں آگئے ہو، کچھ دنوں دُنیا کا مزہ اُٹھالو، پھر مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا، کیونکہ اُس وقت حس و ادراک کامل عود کر آوے گا، اب یہ نشہ تم کو معلوم ہونے نہیں دیتا، مرنے کے بعد یہ نشہ اُتر جاوے گا یا یہ کلمہ تہدید ہے جو عذاب کی خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے محاورہ میں مجرم کو کہا کرتے ہیں کہ معلوم ہو جاوے گا، یعنی سزا ملے گی۔ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ یہاں سے یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ وہ جو شریک بناتے ہیں

انہیں تو ہماتِ باطلہ کا اثر ہے ورنہ ان کے پاس اس بات کی ہم نے کوئی سند نہیں اُتاری ہے کہ وہ ان کو شرک کرنے کا حکم دیتی ہو۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ یہاں سے ایک اور جذبہ انسانی بتلایا جاتا ہے جو اس میں بیرونی آثار سے پیدا ہوا کرتا ہے، وہ کیا خدا تعالیٰ کی جب رحمت اور نعمت ملے تو اُس پر اترانا شکر گزاری نہ کرنا، اس کو اپنی کوشش اور عقل کا ثمرہ قرار دینا اور اس پر کوئی مصیبت آوے اور وہ بھی اسی کے کردار سے تو اس وقت خدا تعالیٰ سے مایوس ہو جانا، روٹھ بیٹھنا یعنی نعمت کا شکر نہ کرنا، مصیبت پر صبر نہ کرنا یہ نالائقی اس کی اس خارجی اثر کا نتیجہ ہے جو پیدا ہونے کے بعد اس کو نادان ماں باپ کی تعلیم سے یا اور کسی کی صحبتِ بد سے حاصل ہوا ہے۔

ان آیات میں انسان کے دونوں جذبات کا حال بیان کر دیا۔ جذبہ فطرت اللہ کا بھی کہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچ لاتی ہے، جو اس کی روحِ نورانی کا ایک کچھ ذرا سا اثر باقی تھا۔ دوسرا جذبہ اس کی کایا پلٹ کر شرافتِ انسانی سے باہر ہو جانے کا جو اس کے قوائے بہیمیہ اور توہماتِ فاسدہ اور تخیلاتِ باطلہ کا نتیجہ ہے، جس پر یہ بے شعور بڑا مسرور ہے۔ کما قال كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ یہ وہ حالت ہے جس سے طبقہ انسانِ کامل سے نکل کر ارذل طبقہ میں جا ملتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ع

ل (۱) وما اتیتم من ربا یربوا فی اموال الناس تفصیل المقام یا موصولہ آتیتم اس کا صلہ اور عائد محذوف مفرد ربا کا بیان کہلانا منصوب ہے۔ اتیتم سے اور قراءت وہ مدِ نظر ہے کہ جس میں اتیتم کو مد کے ساتھ پڑھا ہے (مکی) اور لیربوا کو صیغہ مفرد جو لام کی وجہ سے مفتوح ہے من ربا یربوا کے متعلق ہے یربوا کے متعلق ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ ربا سے مراد ربا محرم نہیں ہدیہ بان یعطی شیئا ہدیۃ اوھبۃ یطلب اکثر منہ فر اسم المطلوب من الزیادۃ فی المعاملۃ (جلالین) اس سورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم ہدیہ دے رہے ہو کہ جو ہدیہ بڑھے اور دو چند سہ چند ہو جائے لوگوں کے مال میں سے کیونکہ لوگوں کی عادت تھی اور اب بھی ہے کہ ہدیہ کے طور پر کوئی کسی کو اس لیے دیا کرتے ہیں کہ وہ اس کے صلہ میں اس کو اس سے زیادہ دے فلا یربوا عند اللہ اس ہدیہ دینے کا عند اللہ کچھ ثواب نہیں کیونکہ لوجہ اللہ نہ تھا یعنی اللہ کے واسطے نہ دیا تھا (۲) دوسری صورت میں کہ الفاظ اور ترکیب تو یہی رہے مگر ربا سے مراد ربا حرام لیا جاوے جس کو سود کہتے ہیں تو یہ معنی ہوں گے وہ جو تم نے سود پر روپیہ دیا ہے (سود سے مراد سود ہے۔ روپیہ مجازاً اطلاق المسبب علی السبب) یعنی دیا کرتے ہوتا کہ لوگوں کے اموال میں پڑ کر یہ بھی بڑھتا رہے مثلاً سو روپیہ کسی کو سود پر دیے روپیہ سینکڑے پر اور لینے والے نے اس کو کسی بیوپار میں ←

کیا یہ وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے نشانیاں ہیں۔ پھر (اے مخاطب!) قرابت دار کو اُس کا حق دیتا رہ اور فقیر اور مسافر کو بھی یہ بہتر ہے، ان کے لیے جو اللہ کے طالب ہیں اور یہی فلاح بھی پانے والے ہیں اور جو کچھ کہ تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو۔ سو اللہ کے نزدیک تو افزائش ہوتی نہیں اور وہ جو کچھ کہ تم خدا کی رضا جوئی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو۔ سو وہی بڑھا بھی رہے ہیں، اللہ وہ ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے کہ جو ان (چار) کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ وہ پاک اور بلند ہے ان کے شرک کرنے سے۔

ترکیب : وما اتیتم مائی موضع نصب باتیتم بالمد بمعنی اعطیتم والقصر بمعنی جئتم وقصدتم۔ لیربوا ای الربا۔ اس تقدیر پر لیربوا صیغہ واحد غائب کا ہے، اس کا فاعل الربا فالمعنی لیزید الربا ویزکوا فی اموال الناس فاولئک فیہ التفات حسن کانہ قال ذلک لخواصہ وللملائکۃ وھو مدح لھم من ان یقول فانتم المضعفون کشاف۔ ھل من الخ من الاولی للتبعیض کانہ اقام فعل البعض مقام فعل الکل توسعۃ علی الخصم والثالثۃ لتاکید الاستفہام والمتوسطۃ للابتداء۔

تفسیر : انسان کی اس حالتِ قنوط یعنی نا اُمیدی کے جذبہ کی دوا بتلاتا ہے، فقال اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ کہ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تنگدستی اور فراخ دستی اللہ کی طرف سے ہے۔ محقق کی نظر دونوں حالتوں میں اللہ ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ فراخ دستی میں شکر کرنا چاہیے نہ اترانا، حق داروں کی دستگیری سے ہاتھ روکنا مناسب نہیں اور تنگدستی میں صبر کرنا چاہیے۔ اللہ سے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے۔ یہ نہ خیال کرے کہ اللہ میری فراخ دستی پر قادر نہیں یا اُس کی ادھر عنایت کی نظر نہیں بلکہ اپنے قصور کا تازیانہ خیال کر کے توبہ و استغفار کرے اور اللہ کی طرف رجوع کرے۔ یہ حالت فطرت اللہ ہے اور پہلی حالتیں اس کی برخلاف تھیں اور فطرت اللہ پر قائم رہنا مومن کی شان ہے۔ اس لیے اخیر میں فرما دیا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ چونکہ یہ بات (کہ ہر چیز کی تنگی فراخی اللہ ہی کی طرف سے ہے) ایک بدیہی بات تھی۔ گو انسان اپنے جذبہ میں اس سے اندھا ہو رہا تھا، اس لیے اَوَلَمْ یَرَوْا فرمایا۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ جب مومن کو یہ بتلایا گیا کہ تنگی، فراخ دستی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس کو یہ بھی فطری حکم سنایا گیا کہ تو قرابت دار اور مسکین اور مسافر کے حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کر اور اس لیے فات پر ف کا آنا مستحسن ہوا۔ (علماءِ احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں آیت عام ہے اس میں زکوٰۃ اور دیگر صدقات بھی آ گئے، اس طرح ذی القربیٰ کا لفظ بھی عام ہے۔ ذی الفروض اور عصبات اور اولی الارحام بھی آ گئے، اس لیے جو ان میں سے

← لگا دیا اب جس طرح اس کا مال بڑھ رہا ہے اس کا سودی روپیہ بھی جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے فلا یربوا پس یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا (۳) تیسری ایک صورت ہے وہ یہ کہ لیربو کو جمع کا صیغہ مانا جاوے نیز اس کی یہی دو صورت ہیں ایک یہ کہ جمع مذکر غائب جیسا کہ نیشاپوری میں ہے بضم ایسا ء وسکون الراء علی الجمع ابوجعفر ونافع وسہل ویعقوب یعنی ان قراء نے اس کو صیغہ جمع پڑھا ہے یہ اصل اس میں یربون تھا لام کے کی وجہ سے نون جمع ساقط ہو گیا اس تقصیر پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم نے سود کی غرض سے دیا ہے کہ لوگ اور لوگوں کے مال سے بڑھ جاویں یعنی اس سودی روپیہ سے مال میں نفع حاصل کر کے بڑھیں فی اموال الناس ای بسبب اموال الناس المطعین فلا یربوا عند اللہ پس ہرگز نفع عند اللہ نہ ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ یربو کو تربو اجمع حاضر کا صیغہ مانا جاوے وقرء نافع ویعقوب لتربوا ای التزیدوا وتصیروا اذ ربوا۔ بیضاوی اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم سود پر دیتے ہو تا کہ تم لوگوں کے مال میں ٹھہراؤ یعنی اور لوگوں کے مال سے تم کو نفع حاصل ہو پس عند اللہ نفع حاصل نہ ہوگا (۴) چوتھی یہ ہے ایک صورت ہے کہ اتیتم کو بالقصر پڑھا جاوے جس کے معنی یہ ہے کہ وہ جو رقم ربا یعنی سود لے کر آتی ہوای ما جئتم بہ من ربا یعنی وہ جو تم نے سود حاصل کیا ہے اور سود ی لینے والے نے تم کو دنیاوی غرض سے دیا ہے۔ (۵) اس پانچویں صورت میں یربوا کو مفرد مانا جائے یا جمع غائب یا حاضر کا صیغہ لیا جاوے ہو سکتا ہے اسی طرح ہر ایک معنی سود یا ہدیہ کو مختلف قرأتوں کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو متعدد معنی حاصل ہوں گے اور یہی احتمالات ہیں کیا ہی بلیغ کلام ہے۔ ۱۲ منہ

ایسا محتاج ہو کہ خود نہ کما سکے اقارب اہل استطاعت پر اُس کا خرچ واجب ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ذوی الارحام کا نفقہ واجب نہیں)۔

فرماتا ہے ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ کہ یہ حق ادا کرنا ان کے حق میں بہتر ہے کہ جو اللہ کے طالب ہیں۔ وجہ اللہ سے مراد اس کی ذات اور اس لفظ کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اس کے طالب دیدار ہیں اور اس کے عاشقِ صادق ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہی لوگ فلاح پانے والے دُنیا سے کامیاب ہو کر جانے والے ہیں، یعنی اس میں نقصان نہیں بلکہ فلاح ہے، چونکہ اللہ کے لیے دینے کا ذکر تھا کہ جو فطرت اللہ کا ایک جذبہ ہے، اس مناسبت سے اس کے برخلاف ایک دوسرے جذبۂ انسانی کا بھی ذکر کرنا مناسب ہوا۔ فقال وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ کہ وہ جو تم سود دیتے ہو کہ اس سے لینے والا سمجھتا ہے کہ جس طرح اور اموال تجارت سے بڑھتے ہیں، اس سے بھی بڑھے گا تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، یعنی اس میں خیر و برکت نہیں۔ سود خوروں کا آخر کار بہت برا دیکھا گیا ہے۔ دیوالہ نکل جانا' رقم ڈوب جانا تو معمولی بات ہے اور بے مروتی' تنگ دلی اس کا بدیہی نتیجہ ہے، جو شخصی اور قومی ترقی کے لیے سخت حارج ہے۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ من زکوٰۃ الخ برخلاف زکوٰۃ یعنی صدقہ وخیرات اور مقرر، زکوٰۃ کے کہ ان کے مال میں بھی خیر و برکت ہوتی ہے۔ آخرت میں بھی دو چند اجر ملے گا۔ مضعفون کا لفظ کہ جس کے معنی ہیں بڑھانے والے زیادہ کرنے والے کے ہر قسم کے اضافہ کو شامل دنیاوی واخروی سب کو اس کے بعد انسانی فطرت کو توحید کے بارے میں ابھارتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ الَّذِيْ الخ کہ اللہ وہ ہے کہ جس میں یہ اوصاف ہیں۔ پیدا کرنا، روزی دینا، مارنا، پھر جلانا، پھر بتاؤ کہ تمہارے معبود میں سے کون ہے جو ایسا کر سکتا ہے۔ پھر تمہارا یہ فعل محض بے سود ہے اور تمہارے یہ خیالات محض غلط ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

خشکی اور تری میں انسانوں کے کرتوتوں ہی سے خرابیاں نمودار ہو گئی ہیں تا کہ خدا لوگوں کو ان کے عملِ بد کا کچھ مزا چکھائے تا کہ وہ باز آ جائیں، کہہ دو ملک میں پھر کر تو دیکھو کہ تم سے پہلوں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے بیشتر تو مشرک ہی تھے، پھر آپ اُس دن کے آنے سے پہلے کہ جو ٹالے نہ ٹلے گا، اپنا رُخ سیدھے دین کی طرف قائم رکھیے، اُس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے، جس نے کفر کیا سو اُس کے کفر کا وبال اُسی پر ہے اور جو اچھے کام کرتے ہیں سو وہ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں تا کہ جو ایمان لائے اور اُنہوں نے اچھے کام بھی کیے اللہ اُن کو اپنے فضل سے بدلہ عطا کرے، البتہ اللہ ناشکروں (متکبروں) کو پسند نہیں کرتا۔

ترکیب : لِيُذِيْقَهُمْ متعلق یظہر ای لیصیر حالھم الیٰ ذلک وقیل التقدیر عاقبھم لیذیقھم، کان اکثرھم استینات من اللہ متعلق بیاتی۔

یجوز ان یتعلق بمرد لانہ مصدر علیٰ معنی لا یردہ لتعلق ارادتہ القدیمۃ بمجیئہ۔ یومئذ، بدل من یوم والناصب یصدعون ای یتفرقون فریق فی الجنۃ وفریق فی النار کما یقول من کفر فعلیہ کفرہ ای علیہ وبال کفرہ یمہدون یستوون منزلاً فی الجنۃ لیجزی علۃ لیمہدون او یصدعون۔ والاقتصار علیٰ جزاء المؤمنین۔ للاکتفاء علیٰ فحوی قولہ انہ لا یحب الکفرین۔

تفسیر : ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ردِّ شرک کے قوی دلائل بیان فرما کر اب اس جگہ یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ فطرت اللہ کے ترک کرنے سے اور کفر وشرک اور ہر ایک قسم کی بدکاری سے جس کا مرتکب ہوتا ہے، صرف یہی نتیجہ نہیں کہ دارِ آخرت کی سعادت سے محرومی نصیب ہوتی ہے بلکہ اور طرح طرح کی عقوبات میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ دُنیا میں بھی فساد وفتن اور ہر طرح کا رنج ومحن دیکھنا پڑتا ہے اور خیر وبرکات اُٹھ جاتے ہیں۔

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کے معانی میں علماء کا اختلاف ہے لفظوں کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ جنگل اور دریا میں انسان کی بدکاری سے خرابی ظاہر ہوگئی۔ وہ کیا کہ انسان پر ان جگہوں میں انواع واقسام کے مصائب پڑنے لگے۔ جنگل یعنی خشکی میں عام ہے کہ شہر کی زمین ہو یا باہر کی یا بیابان' موقع پر بارش نہ ہونا قحط پڑنا' باغ اور کھیتوں کے پھل پھولوں پر آفت آنا' آندھی اولوں کا آنا، سیلاب کا پھیلنا یا پیداوار کم اور ناقص ہونا' یہاں تک کہ مزے میں بھی کم ہونا' شیرہ والی چیزوں میں سے کم شیرہ برآمد ہونا' مواشی میں مری پڑنا' ان کی نسل کم پھیلنا، دودھ، گھی کم دینا، تجارت اور کاروبار میں نفع کم آنا' مصارف کا بڑھ جانا، ہر چیز کا گراں ہو جانا' حاکم کا ظالم وطماع ہونا' قانون اور انصاف کے پیرایہ میں رعایا کو تباہ کر دینا، باہم بادشاہوں اور قوموں میں جنگ قائم ہو کر ہزاروں کا بے خانماں ہو جانا' صدہا کا مارا جانا، بیماریوں کی کثرت' ہیضہ کا زور، خاردار درختوں اور موذی جانوروں کا بکثرت پیدا ہو کر انسان کو تکلیف پہنچانا' باہمی اُلفت ومحبت واتفاق کی جگہ عداوت وبغض ونفاق پھیلنا' حیاء وشرم کا اُٹھ جانا، بے حیائی اور فحش کی ترقی ہونا، چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب وگستاخ ہو جانا' باہم چوری اور زناکاری اور خون ریزی اور بدامنی پھیلنا، یہ ہیں وہ بلائیں کہ جو انسان کے کرتوت سے پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح دریا کی بلاؤں کو سمجھ لیجئے بعض کہتے ہیں کہ بحر سے مراد شہر ہے۔ قال عکرمہ العرب تسمی الامصار بحارا۔ نیشاپوری

فرماتا ہے لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا الخ یہ خرابیاں اس لیے ظاہر ہوئیں کہ انسان اپنے کئے کا کچھ دنیا میں بھی تو مزہ اُٹھائے تاکہ اس فعل بد سے باز آئے، توبہ کرے مگر افسوس ہے کہ آج کل کے زمانہ میں سب خرابیاں ظاہر ہو رہی ہیں، مگر بجائے توبہ واستغفار کے الحاد اور بے دینی اور بدکاری کا دریا موج زن ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک مذکورہ خرابیوں کا باعث انسانی بدکاری نہیں ہوسکتی، بلکہ ان کے دیگر اسباب ہوتے ہیں۔ ہم اس کو مانتے ہے، مگر وہ دیگر اسباب بھی تو کسی علۃ یا علۃ العلل ہی کا فعل قرار دیں گے جو انسانی بدعملی سے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ قُلْ سِيرُوا الخ یہاں سے ان غافلوں کو یہ بتلاتا ہے کہ اگر تم اپنی صنعت اور ہر قسم کی صناعی ودستکاری وشہ زوری ودولت مندی پر گھمنڈ کر کے یہ کہتے ہو کہ ہم خود ان مصائب کو اپنی تدابیر سے دفع کر دیں گے تو ملک میں پھر کر تو دیکھو کہ تم سے پہلوں کا کیا حال ہوا۔ وہ بھی یہی دعوے کیا کرتے تھے اور اکثر شرک میں مبتلا تھے۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ الخ یہاں سے حجت تمام کر کے یہ بات فرماتا ہے، اگر کوئی مانے یا نہ مانے تم اے نبی دینِ قیم یعنی فطرت اللہ پر مستقیم ہو جاؤ، ایسے صیغوں سے مراد اور عام لوگ ہوتے ہیں، مگر حسنِ بلاغت کے لیے خطاب پیغمبر علیہ السلام سے کیا جاتا ہے۔ خواہ اُس دن سے قیامت کا دن مراد ہو اور کوئی برا دن جو ایسی بدکاری کی سزا دینے کے لیے آیا کرتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٦﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ

قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خوشی دینے والی ہوائیں چلایا کرتا ہے اور تا کہ تم کو اپنی رحمت کا کچھ مزا چکھائے اور تا کہ اُس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اُس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور البتہ آپ سے پہلے بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ پھر وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے مجرموں سے بدلہ لے کر چھوڑا اور ہم پر ایمانداروں کی مدد کرنا ضرور تھا۔ وہ اللہ وہ ہے کہ جو ہوائیں چلاتا ہے، پھر وہ بادل اُٹھاتی ہیں، پھر وہ اُس کو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے اور اُس کو گھنگھور گھٹا بناتا ہے پھر تو (اے مخاطب!) تو دیکھتا ہے کہ اُس میں سے مینہ برستا ہے۔ پھر جب اُس کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے تو جب ہی وہ خوش ہونے لگتے ہیں اور اگرچہ ان پر برسنے سے پیشتر وہ نا اُمید تھے۔ پھر (اے مخاطب!) تو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو تو دیکھ کہ خشک ہونے کے بعد کس طرح سے زمین کو سرسبز کرتا ہے۔ بے شک وہی مردوں کو پھر زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے اور اگر ہم ہوا کا کوئی ایسا جھونکا چلا دیں کہ جس سے وہ اپنی کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔

ترکیب : وَكَانَ حَقًّا خبر کان مقدم و نصر اسمها ویجوزان یکون حقا مصدر او علینا الخبر ویجوزان یکون فی کان ضمیر الشان و حقا مصدر او علینا الخبر ویجوزان یکون نصر مبتداء وخبر فی موضع وخبر کان کسفا بفتح السین علی انہ جمع کسفۃ وسکونہا علی ھذا المعنی تخفیفاً قطعاً متفرقہ الودق المطر۔

تفسیر : بر و بحر میں انسان کی بدکاری کی وجہ سے خرابی ظاہر ہونے کا بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے، اس پر بھی ہم رحیم و کریم نظام عالم کو باقی رکھتے ہیں۔ ہوائیں چلاتے ہیں، الخ فقال ومن آیتہ ہواؤں کے چند فوائد بیان فرماتا ہے کہ جن پر بقاءِ انسانی موقوف ہے۔ (۱) مبشرات کہ وہ خوشی دیتی ہیں، انسان کے بدن پر جب ہوا لگتی ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے اور نیز بارش سے پہلے جب سرد ہوا چلتی ہے تو گویا مینہ کا مژدہ لاتی ہے۔ (۲) وَلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ہواؤں کی وجہ سے انسان زندہ رہ کر دنیا میں اُس کی رحمت اور نعمت کے مزے لیتا ہے اور انہی سے پھل، پھول، کھیتی باڑی تیار ہوتی ہے۔ یہی ہیں جو تعفنات کو دور کرتی ہیں۔ یہ دونوں باتیں بر یعنی خشکی کے متعلق ہیں۔ (۳) ولتجری الفلک اس سے دریا میں کشتیاں چلتی ہیں۔ (۴) وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ الخ کہ تم دریائی سفروں کی وجہ سے روزی

تلاش کرتے ہو، مچھلیوں کا شکار کرتے ہو۔ یہ دونوں باتیں بحر سے متعلق ہیں۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کہ تم شکر کرو سب سے متعلق ہے اور من آیتہ کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہواؤں کا چلانا جس پر مدارِ زندگی ہے، اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانی ہے، تمہارے معبودوں میں سے کون کر سکتا ہے؟ یہ دلیل تو حید و جودِ باری ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا الخ یہاں سے مسئلہ نبوت کو کس لطف کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ جس طرح نظامِ عالمِ جسمانی کے لیے ہوائیں چلاتے ہیں، اس طرح نظامِ عالمِ روحانی کے لیے اپنے فضل سے انبیاء بھیجتے چلے آئے ہیں۔ (کچھ آپ ہی کو نیا نبی نہیں بنایا، جس پر وہ بدکتے ہیں) جو اپنی قوموں کے پاس آیات و معجزات لے کر آئے تھے، پھر جس نے نہ مانا ہم نے اس سے انتقام لیا اور ایمانداروں کی مدد کی، کیونکہ یہ ہم پر لازم تھا کہ ہم اُن کی مدد کرتے۔ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں نہ کوئی بات لازم ہے مگر اپنے فضل سے وہ لازم کر لیتا ہے۔ اس جملہ میں نہایت اختصار کے ساتھ رسولوں کا بھیجنا اور اُن کی اُمتوں پر سرکشی سے عذاب آنا' ایمان والوں کا نجات پانا بیان فرمادیا اور مخاطبین کو اسرارِ نبوت سمجھا کر متنبہ کر دیا۔ مسئلہ اثباتِ وجودِ باری و توحید اور مسئلہ نبوت کو کس لطف کے ساتھ ثابت کر دیا۔ اس کے بعد مسئلہ معاد کو ثابت کرتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ الخ یہاں سے اور دوسری نعمت ظاہر فرماتا ہے کہ جس پر نظامِ عالم منحصر ہے، وہ کیا؟ بارش کا بھیجنا پھر اس سے زمین کا شاداب کرنا، پھر اس نعمت کے بیان میں کیا کیا اشاراتِ لطیفہ ہیں۔ (۱) الذی سے شروع کیا کہ یہ کام جس کا ہے وہ اللہ ہے نہ کہ تمہارے خیالی معبود (۲) يُرْسِلُ الرِّيٰحَ کو مقدم ذکر کیا کہ مینہ سے پہلے ہم کیسی ہوائیں چلاتے ہیں، پھر وہ ہوائیں بدلیاں اُٹھالاتی ہیں، پھر اُس کو آسمان پر ابر بنا کر کس طرح پھیلاتی ہیں۔ کیف یشاء[1] مگر جس طرح اللہ چاہتا ہے کہیں کم' کہیں زیادہ، کبھی ہر جگہ مساوی' کبھی سیاہ رنگ کے بادل، کبھی اور رنگ کے پھر سب کو گھنگھور گھٹا کر دیتا ہے، پھر اُس میں سے مینہ برساتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اُس سے بہرہ مند کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے، محروم رکھتا ہے، پھر اُس سے بندے کیسے خوش ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے کہ جہان میں گرد و غبار اور گرمی بے شمار تھی کیسے نااُمید تھے۔ (۳) یرسل کو بلفظ مضارع بیان فرمایا کہ ایک بار نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہم یوں ہی کیا کرتے ہیں۔ (۴) پھر اس نعمت سے مسئلہ معاد کو کس لطف کے ساتھ ثابت کیا کہ جس طرح ہم زمین کو زندہ کر دیتے ہیں، جس کا ہر سال تم معائنہ کرتے ہو، اس طرح لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے۔ ہم ہر بات پر قادر ہیں، اس کے بعد انسان کی ناشکری کرنے کی عادت بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا الخ کہ اگر ہم ایسی ہوا چلا دیں کہ جس سے کھیتی خشک ہو جاوے تو پھر کیسے ناشکر ہو جاتے ہیں اور کیا کیا منہ سے بکنے لگتے ہیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر آپ تو نہ مردوں کو اور نہ بہروں کو آواز سناتے ہیں۔ (خصوصاً) جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں اور نہ آپ اندھوں کو گمراہی سے ہدایت کر سکتے ہیں۔ آپ تو صرف انہی کو سناتے ہیں۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔

---

[1] کیف یشاء فی الاطوار المختلفۃ والمقادیر المتنوعۃ والاشکال العجیبۃ وذلک اشارۃ الی بطلان القول بالصیغۃ المستقلۃ کما توھم الطبیعیون وذلک اظہر دلیل علی وجود الصانع العلیم القدیر السمیع البصیر۔ حقانی

ترکیب : لاتسمع خبران اذا متعلق بتسمع ۔مدبرین حال من فاعل ولوا انت اسم ما بھٰد، اعمی خبرہ والباء زائدۃ۔

تفسیر : یہاں تک تو حید و نبوت و معاد کے مسائل کو براہینِ قاطعہ وحججِ ساطعہ سے ایسا ثابت کیا تھا کہ جو کوئی ذرا بھی عقلِ سلیم رکھے تو خود سمجھ لے اور جو اس سے بھی بلید الذہن ہو تو ان کی کیفیت کسی سے سن کر مان لے، مگر کفارِ مکہ اپنی بدقسمتی اور ازلی محرومی سے اس مرتبہ میں بھی نہ تھے، اس پر بھی ان کا وہی اصرار، وہی انکار چلا جاتا تھا۔ تو اب ان کی نسبت یہی صادق آ گیا تھا کہ وہ حیاتِ انسانی سے بہرہ ور نہیں۔ گویا مرے ہیں اور نہ ان کے حواسِ سلیمہ بجا ہیں۔ اندھے، بہرے بھی ہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ یہ مردے ہیں۔ آپ مردوں کو سنانے نہیں آئے اور بہرے ہیں، ایسے بہروں کو جو پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھیں تو آپ انہیں بھی نہیں سنا سکتے۔ کاش بہرے ہوتے اور سامنے آتے ہاتھوں کے اشارے سے ہی سمجھ جاتے مگر جبکہ انہوں نے یہ قصدِ مصمم کر لیا کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے تو گویا پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھے اور یہ ازلی اندھے ہیں۔ آپ ان کو کیونکر رہنمائی کر سکتے ہو۔ آپ صرف اُن لوگوں کے سنانے کو آئے ہیں کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت ہے، جس کو الامن یؤمن بآتینا کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا، ان کی قابلیت واستعداد فعلیت کے مرتبہ کے پاس آ گئی ہے۔ پس وہی مانتے ہیں۔ فَهُمْ مُسْلِمُوْنَ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے لے کر فَهُمْ مُسْلِمُوْنَ تک یہ مطلب ہوا۔

فانك میں جو ف آئی ہے، وہ اس لیے کہ وہ مردے ہیں۔ حیاتِ انسانی ان میں نہیں، بس آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ الموتی سے مراد وہی کفار ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور الصم سے مراد بھی وہی لوگ ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور العمی سے بھی وہی مراد ہیں کہ جن کو اندھوں سے تشبیہ دی گئی۔ میت، صم، عمی کے الفاظ کا اطلاق حقیقتِ عرفی کے مطابق اسی متعارف مردے، بہرے، اندھے پر ہوتا ہے جو ظاہری جان نہ رکھے نہ ظاہری کان نہ ظاہری آنکھ مگر کنایہ کے طور پر یا مجاز بعلاقۃ تشبیہ ایسے لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ کی قید کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو بھاگ اُٹھے تو پھر کسی طرح بھی سمجھ نہیں سکتا، سننا تو درکنار اور اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ جن میں ایمان کی قابلیت ہے، پس اب یہ اعتراض بھی اُٹھ گیا کہ جو اللہ کی آیتوں پر خود ایمان لاتے ہیں اُن کو سنانے کی کیا ضرورت؟ تحصیلِ حاصل ہے۔

سماعِ موتی کی بحث : ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماعِ موتی باہمی قیل و قال کا بڑا میدان ہو رہا ہے، اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدمِ سماعِ موتیٰ کا اشارہ تک بھی نہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے، رہے احادیث و اقوال ان سے بھی صاف نہیں معلوم ہوتا کہ میت سن نہیں سکتے، بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ ازانجملہ وہ احادیث جو زیارتِ قبور کی بابت وارد ہیں جن میں مردوں سے خطاب کر کے کلام کیا۔ جیسا کہ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان پر سے گزرے تو یہ فرمایا۔ السلام علیکم یا اہل قبور اور اسی طرح مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع[1] میں جا کر یہ فرمایا۔ السلام علیکم دار قوم مومنین الخ اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔ ازانجملہ احادیثِ عذابِ قبر میں جیسا کہ بخاری و مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر اس کے لوگ واپس پھرتے ہیں تو اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قرع نعالهم وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ الخ ازانجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفارِ قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا حضرت یہ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دیتے، اس کو بھی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ نقلی دلائل کے جواب

[1] مدینہ کے باہر شرقی رخ ایک قبرستان ہے۔

ہو چکے، اب رہی بحث عقلی سو عقلِ سلیم یہی کہتی ہے کہ مر کر جسم سے روح کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ جو حواس کے ذریعہ سے کام لیتا تھا، اب تجرد کی وجہ سے ان کے بغیر کام لیتا ہے، خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان کے ادراک کا تو کیا ٹھکانا ہے؟ رہی یہ بات کہ ان کو قاضی الحاجات مستقل بنا کر پوجا جاوے جیسا کہ جہلاء کا دستور ہے وہ ان کی ممات پر کیا موقوف ہے، حیات میں بھی منع ہے، ان کے مقابرِ مقدسہ سے فیوض و برکات بے شک جاری ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

قرء حفص بضم الضاد وفتحها فی الثلاثۃ لکن الضم مختار ۱۲

اللہ ہی ہے کہ جس نے تم کو کمزوری کی حالت سے پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم قدرت والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گنہگار قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے، ایسے ہی (دنیا میں بھی) بہکے ہوئے تھے اور علم اور ایمان والے کہیں گے کہ تحقیق اللہ کے دفتر میں تم قیامت تک ٹھہرے رہے ہو، سو یہ ہے قیامت کا دن، لیکن تم تو اس کو جانتے ہی نہ تھے۔ پس اس دن ظالموں کا عذر کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔

ترکیب : الضعف بالفتح والضم لغتان، من ضعف من للابتدائے ابتداء کم ضعفاء واساس الانسان الضعف کما قال خلق الانسان من عجل ای من العجلۃ ویمکن ان یقال خلقکم من اصل ضعیف وہو النطفہ علی ان یاول المصدر باسم الفاعل او علی التقدیر المضاف ویوم تقوم الساعۃ والعامل فیہ یقسم ای یحلف مالبثوا فی الدنیا او فی القبور۔ فی کتاب اللہ ای فی علمہ او اللوح المحفوظ، فیومئذ ای یوم کان کذا لاینفع المعذرۃ۔ الذین مفعول لئلا ینفع معذرتھم مصدر مضاف الی الفاعل والمجموع فاعلہ ولاھم یستعتبون ای لایدعون الی مایزیل عنھم عتبھم ای غضبھم۔

تفسیر : اللہ الذی الخ یہاں سے پھر دلائلِ توحید شروع ہوتے ہیں، پہلے دلائلِ آفاق تھے۔ یہ دلائل الانفس ہیں کہ جو انسان کی ذات اور اس کے حالات سے متعلق ہیں، فرماتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے تم کو کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، یعنی تمہاری ابتداء نہایت کمزوری کے ساتھ تھی۔ تمہاری بنیاد کمزور تھی، جیسا کہ فرمایا۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یا یوں کہو تم کو ایک کمزور چیز سے بنایا وہ کیا؟ منی جو ایک قطرۂ آب ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً پھر کمزوری کے بعد تم کو توانائی عطا کی۔ بالغ ہونے کے بعد یا تمہاری ابدان سے روح متعین ہونے کے بعد ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً یہ تیسری حالت ہے کہ قوت کے بعد پھر تم کو کمزور اور بوڑھا کر دیتا ہے۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ وہ جو چاہتا ہے بناتا ہے، اپنے احوالِ مختلفہ ہی میں غور کر لو کہ تمہاری کیسی صورتیں مختلف بنائیں پھر تم کو قوت اور ضعف کے میدان میں کیسی اُلٹی پلٹیاں دیں۔ پھر اس کے علیم و قدیر ہونے میں کیا شک؟ ایسے علیم و قدیر کے نزدیک قیامت قائم کر کے مردوں کو زندہ کرنا اور اُن سے حساب و کتاب لینا، کیا بعید ہے؟ اس لیے فرماتا ہے وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ اس جگہ قیامت کی قدرے کیفیت بیان فرماتا

ہے اور قرآن کی عادت ہے کہ مبدء کے بعد معاد ذکر فرمایا کرتا ہے۔ وہ کیفیت یہ ہے کہ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ گنہگار قسم کھا کر کہیں گے : دُنیا میں ہم ایک ساعۃ سے زائد نہیں رہے تھے۔ قیامت کے شدائد کے مقابلہ میں دُنیا کی زندگی اور سالہا سال کی عیش و کامرانی ایک گھڑی بھر کی معلوم ہوگی، وہاں یہ غلط پنداری جاوے گی۔ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ دُنیا میں بھی ایسے ہی خیال غلط اور اوہام باطلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے تھے، دُنیا کی چند روزہ کامرانی کو عیش جاودانی سمجھے ہوئے تھے۔ آخرت سے غافل ہو کر اسی کے فکر میں لگے ہوئے تھے۔ پس جس طرح دُنیا میں ان کی غلط پنداری کو اہل علم انبیاء علیہم السلام یا ان کے نائب ظاہر کر کے راہِ حق بتلانے کی کوشش کرتے تھے، پر یہ اُس سچ کو جھوٹ جانتے تھے۔ اسی طرح دارِ آخرت میں اصلی بات بتلا دیں گے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ الخ کہ تم دفترِ الٰہی میں لکھے کے موافق قیامت تک ٹھہرے تھے، پس یہ قیامت موجود ہے جسے تم بھولے ہوئے تھے۔ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مالبثوا غیر ساعۃ میں مرنے کے بعد عالم برزخ میں ٹھہرنے کی بابت کفار کہیں گے۔ جیسا کہ آیا ہے، مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہ کس نے ہم کو ہمارے خواب گاہ سے بیدار کر دیا۔ اس تقدیر پر اہل علم و ایمان کا جواب بہت ٹھیک ہو جاوے گا کہ تم یوم البعث تک ٹھہرے ہو۔ اول قول یعنی قیامِ دُنیا مراد لینے کی صورت پر بھی یہ جواب ٹھیک ہو سکتا ہے، کس لیے کہ ان کا کلام جماعتِ کفار کے مقابلہ میں ہوگا اور گو ہر شخص نہیں جماعتِ کفار تو دُنیا میں یوم البعث تک ٹھہری تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالمِ برزخ کا قیام بھی دُنیا کے قیام کا اثر ہے۔ واللہ اعلم۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الخ فرماتا ہے، اُس روز ظالموں کا کوئی عذر نہ قبول ہوگا۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ لایطلب منہم العتبیٰ ای الرجوع الی ما یرضی اللہ جلالین یعنی کسی نیک کام کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی مہلت نہ ملے گی۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ
لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝۵۸ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ
عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۹ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا
يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰

ع ۶

اور البتہ اس قرآن میں ہم نے لوگوں کے لیے ہر ایک قسم کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر آپ اُن کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں تو جو منکر ہو گئے ہیں، یہی کہیں گے کہ تم (اے مسلمانو!) محض فریبی ہو۔ اللہ نادانوں کے دلوں پر اس طرح سے مہر کر دیا کرتا ہے پس (اے نبی!) صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور یقین نہ کرنے والے آپ کو خفیف نہ کرنے پائیں۔

ترکیب : من کل مثل فی محل النصب لکونہ مفعولا بضربنا ای بینا لہ للناس متعلق بضربنا ای ان القرآن مشحون بقصص واخبار کلھا کالمثل السائر فی غرابتھا وحسن مواقعھا فصار القرآن فی کل ما جاء بہ کالامثال السائرۃ حتی لاتمجھا الطبائع الصافیۃ کذا لک اے مثل ذلک الطبع۔

تفسیر : مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ رسالت پر کس لطف کے ساتھ کلام تمام کرتا ہے۔ فقال وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ مسئلہ رسالت کی بابت دو باتیں ہیں۔ اول سب سے بڑھ کر اس کتاب کی خوبی پر نظر کی جاتی ہے کہ جس کو رسول اللہ کا دستور العمل بتلا کر عالم کو اس پر چلنے کا حکم دیتا ہے اور جس کو اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کہتا ہے، کیونکہ اس کتاب میں اگر یہ خوبی نہ ہو تو وہ بندوں کی حاجات کو کافی نہ ہو اور انسانی جذبات یا اُس کی طبعی جزر و مد میں پوری رہبر نہ ہو، پس وہ کتاب اللہ نہیں، ہر شخص کا کلام خود کہہ دیتا ہے کہ میں کس کا کلام

ہوں؟ بادشاہوں کی بات چیت میں سے وہی شاہی رعب و داب ٹپکتا ہے، حکیم کا کلام حکمت سے پر ہوتا ہے۔ شہوت پرست کے کلام میں شہوانی خیالات ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ کا کلام اُس کے حوصلہ کے موافق ہوتا ہے۔ (دیکھو آج کل جو کتابیں اہلِ کتاب کے ہاتھ میں ہیں یا اور لوگ جن کو کتابِ الٰہی کہتے ہیں، ان کے مطالب پر غور کرو، صاف معلوم ہو جائے گا۔ یہ کلام اللہ کے لائق نہیں بلکہ کسی مؤرخ یا خیالاتِ باطلہ کے پابند کا کلام معلوم ہوتا ہے) اس سے پہلی بات کے لیے یہ جملہ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا ارشاد فرمایا کہ قرآن میں لوگوں کے لیے ہر حاجت کا پورا کرنے والا کلام ہے اور کلام بھی فلسفیانہ اینچ وپیچ میں نہیں بلکہ ایسا کہ جیسے مثالیں ہوتی ہیں کہ جن کو طبائعِ بشریہ بہت جلد قبول کرتی ہیں۔

دوسری بات جو نبوت اور رسالت کے متعلق ہے۔ معجزات ہیں، جن کو آیات کہتے ہیں اس کی بابت فرماتا ہو۔ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ الخ کہ ان کفار مکہ کا انکار اور ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر آپ اُن کے پاس کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی لائیں یا کسی قسم کی کوئی نشانی دکھادیں تو وہ ہرگز نہ مانیں گے، بلکہ آپ کو جھوٹا بتلادیں گے۔ انسان کی جب یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس کو دلوں پر خدا کی مہر کرنے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہو تو اس کی نسبت صاف یہی کہا جاتا ہے کہ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کہ ان نادانوں سرکش جاہلوں کے دلوں پر خدا نے[1] مہر کردی اور وہ ایسا ہی کردیا کرتا ہے، یعنی تقدیرِ ازلی نے ان کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ وہ نبی کی بات مانیں، ایسی حالت میں خداتعالیٰ کا دستور یوں جاری ہے، ان کے لیے گو وہ ہزار درخواست کریں، معجزہ نہیں دکھایا جاتا کیونکہ اگر معجزہ دکھایا جاوے اور نہ مانیں تو اور بھی عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوں[2] خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے موقع پر معجزات دکھانے سے انکار کیا ہے، دیکھو انجیل متی کے سولہویں باب کے شروع میں یہ ہے۔ فریسیوں اور صدوقیوں نے آکے آزمائش کے لیے اس سے چاہا کہ ایک آسمانی نشان ہمیں دکھا، اُس نے جواب میں اُن سے کہا الخ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈھتے ہیں، پر یونس متی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھایا نہ جائے گا اور اسی طرح انجیل مرقس کے آٹھویں باب کے گیارہویں ورس میں یہ ہے۔ تب فریسی نکلے اور اس سے حجت کر کے اس کے امتحان کے لیے آسمان سے کوئی نشان چاہا، اس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا اور اسی طرح قرنتیون کے اول باب ۲۲ ورس میں ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں معجزہ دکھانے سے انکار آیا ہے وہ اسی قسم کا ہے۔ پادری آنکھ بند کر کے اعتراض جمادیا کرتے ہیں۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ جب مخالف کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس سے سینکڑوں تکالیف اور بدکلامی کی برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، اس لیے آنحضرت ﷺ اور ایمانداروں کو صبر کا حکم ہوا اور تسلی دی گئی کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ان پر ضرور عذاب آوے گا اور ایماندار دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ اور اے نبی! آپ ان کے تمسخر سے دل میں خفیف نہ ہونا یا یہ معنی کہ ان کے مقابلہ میں آکر آپ کوئی خفیف بات نہ کریں جو شانِ نبوت کے برخلاف ہو۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③

[1] آریہ عیسائی وغیرہ قرآن مجید پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ قرآن خداتعالیٰ کی ذات میں عیب ثابت کرتا ہے جیسا کہ دلوں پر مہر کردینا گمراہ کرنا وغیرہ باوجود دعوئ ہدایت کے ایسا فرمانا اور یہی اس کی شان سے بعید ہے۔ اس اعتراض کا جواب ہم بارہا دے چکے ہیں کہ ہر کتاب ہر زبان میں ہر متکلم کے محاورات مخصوص ہوتے ہیں جب تک ان کو نہیں معلوم کیا جاتا ایک سرسری نظر کا شخص حیرت میں پڑ جاتا ہے دلوں پر مہر کردینا آگے پیچھے گمراہی کی دیوار کھینچ دینا ان کی ازلی کوری اور اس پر ان کے افعال ارادیہ سے اسباب گمراہی پیدا کرلینا مراد ہے جس کو بطور سرزنش کے بیان فرمایا جاتا ہے اور اعتراضات کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ ۱۲ منہ

[2] معجزات نہ دکھانے کا ثبوت انجیل سے۔ ۱۲ منہ

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ

مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ

وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا

وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ

اَلِيْمٍ ۝۷

یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی جو ہدایت و رحمت ہے، نیک بختوں کے لیے وہ جو نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح بھی پانے والے ہیں اور کچھ ایسے آدمی بھی ہیں جو کھیل کی باتیں (قصہ کہانیاں) خریدا کرتے ہیں تاکہ بے سمجھے بوجھے لوگوں کو اللہ کے رستے سے بہکائیں اور اللہ کی آیتوں کی ہنسی اُڑائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ذلت کی سزا ہوتی ہے اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتا ہے، گویا کہ ان کو سنا ہی نہیں، گویا اس کے کانوں میں ٹینٹیاں ہیں۔ پس (اے نبی!) اس کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دو۔

ترکیب : ھدی و رحمۃ حالان عن الآیات والعامل فیھما معنی الاشارۃ وتکریر ضمیر ھم للتوکید ولما فصل بینہ خبرہ۔ الذین مبتداء اولئک الخ الجملۃ خبرہ ویتخذھا بالنصب عطفاعلی لیضل والرفع عطف علی یشتری والضمیر یعود الی السبیل وقیل الی الحدیث لانہ یراد بہ الاحادیث وقیل الی الایات کان لم یسمعھا موضوعہ حال والعامل ولی کان بدل منھا۔

تفسیر : چونکہ اخیر سورۂ روم میں وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فرمایا تھا، جس میں اعجازِ قرآن کی طرف اشارہ تھا اور اس کے بعد قوم کی سرکشی بیان ہوئی تھی۔ ان دونوں باتوں کی تاکید اس سورہ کے اوائل میں فرماتا ہے اور سورہ کو انہیں مفردات الم کے ساتھ شروع کیا۔ اس رمز کے لیے کہ جس کا ہم سورۂ عنکبوت کے ابتداء میں ذکر آئے ہیں۔ اس جگہ الف سے اشارہ اللہ کی طرف اور ل سے جبریل علیہ السلام کی طرف اور م سے محمد ﷺ کی طرف ہے جس کے یہ معنی کہ یہ کتاب اللہ نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے محمد ﷺ پر نازل فرمائی، پھر اُس کی تصریح تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ میں کر دی کہ یہ آیات کتابِ پُرحکمت کی ہیں۔

پہلی بات کی تاکید الْمُفْلِحُوْنَ تک ہے، ان جملوں میں بظاہر تو کتاب یعنی قرآن مجید کی مدح ہے کہ یہ کتاب پُرحکمت ہے جو کچھ اس میں ہے وہ بندوں کے لیے عین حکمت ہے۔ نیک بختوں کے لیے ہدایت ہے، ان کو مقاصدِ دینی و دنیاوی میں راہِ راست دکھاتی ہے اور نیز رحمت بھی ہے کہ بہ نسبت اممِ سابقہ کے اس اُمت کے لیے اس میں نہایت سہل احکام ہیں اور نیز یہ بھی ہے کہ اُس کے ماننے والے تلاوت کرنے والے پر خدا کی رحمت ہوتی ہے اور نیز قرآن پر عمل کرنے والے کے دل میں رحمت یعنی نرم دلی پیدا ہوتی ہے۔ یہ کتاب رحم دلی کا برتاؤ سکھاتی ہے، اگر میں اُن آیات اور احادیث کو اس بارے میں نمونہ کے طور پر بھی لکھوں تو ایک جداگانہ کتاب تیار ہو جاوے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے محسنین کا بیان ہوتا ہے کہ محسنین یعنی نیک بخت لوگ کون ہیں؟ وہ ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، اس میں حکمتِ عملیہ کے دونوں جزو بدنی اور مالی عبادت آ گئی۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور آخرت پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ یہ

حکمت نظریہ کے جمیع اجزاء کو شامل ہے کس لیے کہ جو دارِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ضرور اللہ تعالیٰ پر بجمیع صفاتہ بھی ایمان رکھتا ہے جو دارِ آخرت میں جزاء وسزا کا دینے والا ہے اور اسی طرح ملائکہ اور انبیاء اور کتب منزلہ پر بھی ایمان رکھتا ہے جو دارِ آخرت کے لیے سعادت کے ہادی اور شقاوت سے مانع ہیں۔اب ایمان اور عمل صالح دونوں کا ہونا نیک بختی میں ضروری ہے اور ایمان میں دارِ آخرت کا ذکر اس لیے ہوا کہ یہی مسئلہ اہم تھا، مخالف زیادہ تر اس کے منکر تھے اور اعمالِ صالحہ کے بعد اس کا ذکر اس لیے آیا تھا کہ معلوم رہے کہ اعمالِ صالحہ نماز و خیرات آخرت کا توشہ ہے، سورۂ بقرہ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ آیا تھا اور یہاں هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ آیا، ایک تو ہدایت کے بعد رحمت کا لفظ زیادہ ہوا، اس لیے محسنین کا لفظ بھی آیا، کس لیے کہ احسان کا مرتبہ تقویٰ سے بالا ہے کیونکہ حدیث جبریل علیہ السلام میں کہ جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، اسلام وایمان کے بعد احسان سے سوال ہوا ہے، جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائے۔

تعبد الله الخ کہ اللہ کی یہ سمجھ کر عبادت کرو کہ گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔پس جس طرح کتاب کے حق میں ازدیاد کیا گیا تو اسی طرح کتاب سے نفع اُٹھانے والے کے حق میں اور زیادہ مدح کا لفظ آیا۔ولطفه مما لا يخفى على ارباب البصيرة۔ پھر ان کے لیے دو باتیں انعام میں عطاء کرتا ہے۔اول اولئك على هدى من ربهم کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہدایت پر قائم ہیں نہ وہ کہ جو دیگر اعمالِ بد کر کے ان کو سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔گویا ان کے ہدایت پر ہونے کی اللہ نے شہادت ادا کر دی، پورا اطمینان دلا دیا۔دوسری وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہ یہی فلاح پانے والے ہیں۔دُنیا میں بھی آخرت میں بھی نہ ان کے برخلاف لوگ، نجات کا بھی پورا اطمینان کر دیا اور میں نے نیک بندوں کو بھی بتلا دیا۔اس کے بعد اس طریقۂ فلاح کے برخلاف لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔وہ لوگ کہ جن کا ذکر وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ الخ میں آیا تھا کہ جو آیاتِ الٰہی کے منکر ہیں۔پس فرماتا ہے ومن الناس الخ کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو بے ہودہ باتیں لوگوں کو اللہ کے رستہ سے بہکانے کے لیے خریدا کرتے ہیں۔لهو الحديث الاضافة بمعنى من اى الحديث الذى هو لهو ومنكر (نیشاپوری) مايلهى عما يعنى كالاحاديث التى لا اصل لها والاساطير التى لا اعتبار فيها والمضاحيك وفضول الكلام (بیضاوی) کہ لهو الحديث لایعنی اور بے فائدہ کلام جیسا کہ وہ باتیں کہ جن کی اصل نہ ہو اور وہ قصے کہ جن میں کچھ عبرت نہ ہو اور ہنسانے والی باتیں اور فضول کلام۔ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے کہ لهو الحديث راگ ہے۔(مدارک) قرطبی کہتے ہیں۔لهو الحديث کی تفسیر میں جو عمدہ بات کہی گئی ہے، یہ ہے کہ اس سے مراد راگ ہے اور یہی صحابہ اور تابعین کا قول ہے اور بخاری نے الادب المفرد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد غنا یعنی راگ ہے۔اس کو وہ قسم کھا کر کہتے تھے۔طبری کہتے ہیں کہ علماءِ امصار راگ کے ممنوع اور مکروہ ہونے پر متفق ہیں، مگر ابراہیم بن سعد و عبداللہ عنبری جماعت کے مخالف ہیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لهوالحدیث میں بے فائدہ باتیں اور لغو قصے کہانیاں اور ہنسی مسخرے پن کی باتیں داخل ہیں۔جن سے محفلیں گرم کی جاتی ہیں، اس میں وہ اشعار بھی داخل ہیں کہ جن میں معشوقوں کے خدوخال اور اعضاءِ مستورہ کی توصیف اور دیگر شہوت انگیز باتیں ہوتی ہیں اور بہت سے علماء کے نزدیک راگ بھی مطلقاً اُس میں داخل ہے اور ستار، سارنگی وغیرہ تو بالاتفاق حرام ہیں۔فقہاء ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ باجوں میں طبل غازی اور عیدین اور شادیوں میں دف بجانا مستثنیٰ ہے، مگر نفسِ راگ میں قدرے کلام ہے۔وہ کہ شہوت انگیز مضامین کا گانا حرام ہے۔رہے وہ اشعار کہ جن میں دُنیا کی نفرت اور خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔پس جس طرح ان اشعار کا تصنیف کرنا ممنوع نہیں، اسی طرح کسی خاص وقت میں ان کا سننا بھی ممنوع نہیں، خواہ وہ خوش آوازی کے ساتھ ہو یا بغیر اس کے ان احادیث واقوال پر نظر کر کے جو اس کی اباحت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔عوارف المعارف اور احیاء العلوم میں اس کا بخوبی فیصلہ کر دیا ہے اور اس کی بھی اباحت اہل اللہ کے لیے مخصوص کی ہے۔جن پر غلبۂ حال اور شوق ہے، پھر اس کے لیے مکان اور زمان اور اہلِ مجلس کے اہل ہونے کی قید لگائی ہے۔بعض صوفیۂ کرام جو راگ سنتے تھے انہیں احتیاطوں سے نہ اس طور سے کہ جیسا آج کل مروج ہے اس کے ممنوع ہونے میں کسی اہلِ علم کو کلام نہیں۔تفسیر احمدی وغیرہ۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک قریشی کے بابت نازل ہوئی ہے جو ایک گانے والی چھوکری خرید کر لایا تھا اور جو سر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی ہے جو گانے والی چھوکریاں خرید کر لایا تھا، جس کو سنتا تھا کہ وہ اسلام لانا چاہتا ہے، اُس کے پاس بھیجتا تھا اور گانا سنواتا اور شراب پلاتا تھا اور کہتا تھا، یہ بہتر ہے یا وہ باتیں کہ جن کی طرف تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتا ہے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، جہاد کرو، بعض کہتے ہیں کہ وہ رستم و اسفندیار کے قصے بھی لایا تھا جن کو لوگوں کو سنا کر قرآن سے روکتا اور یہ کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عاد و ثمود کے قصے سناتا ہے، میں رستم و اسفندیار کے۔ (مدارک)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ[1] كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع

بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے، اُن کے لیے نعمت کے باغ ہیں۔ جہاں ہمیشہ رہا کریں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہو چکا اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اُس نے آسمانوں کو بے ستونوں کے بنایا جن کو کہ تم دیکھتے ہو اور زمین میں ثقل پیدا کیا (پہاڑوں کا لنگر ڈالا) تاکہ تم کو لے کر اِدھر اُدھر نہ جھکے اور اس میں ہر ایک قسم کے جاندار پھیلا دیے اور ہم نے آسمان سے مینہ برسایا۔ پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگائیں۔ یہ (سب کچھ) تو اللہ کا بنایا ہوا ہے، پھر مجھے دکھاؤ کہ اُس کے سوا غیر نے کیا پیدا کیا۔ بلکہ ظالم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب : وَيَتَّخِذَهَا والضمیر یعود الی السبیل وقیل الی الحدیث لانہ یراد بہ الاحادیث وقیل الی الآیات (تبیان)

تفسیر : کہ وہ آیاتِ الٰہی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے۔ اس کجرو کے دو فعل بیان ہوئے۔ اول یہ کہ وہ لہو الحدیث اللہ کے رستہ سے روکنے کے لیے خریدتا ہے کہ لوگ اس طرف متوجہ ہوں، اُس کو چھوڑ دیں۔ دوسرا یہ کہ وہ اللہ کے رستہ یا اُس کی آیات سے تمسخر کرتا ہے یا ان لہو الحدیث کو مسخری کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس تمسخر کی سزا بیان فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کہ ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ عذاب بمقابلہ لہو الحدیث خرید کر گمراہ کریں گے۔ ذلتِ تمسخر کے سبب اور تمسخر کا نتیجہ ذلت ہے، ٹھٹھے باز آدمی کا رعب نہیں رہا کرتا۔ نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا الخ یہ اس بدکردار کی تیسری حرکت ناشائستہ ہے کہ جب اس کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منہ موڑ کر اس طرح سے چل دیتا ہے کہ گویا سنا ہی نہیں اور گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے، یعنی بہرا ہے، اس کی سزا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کہ اس کو دردناک یعنی بڑے دُکھ دینے والے عذاب کا مژدہ سناؤ کہ تجھ کو عذابِ الیم ہے، اگرچہ آیات مذکورہ میں ایک شخص کی طرف روئے سخن ہے، مگر اس کی کچھ خصوصیت نہیں جو کوئی ایسا ہو۔ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اسلام اور کارِ خیر سے روکنے کی سینکڑوں تدبیریں کیا کرتے ہیں، کہیں اسلام پر جھوٹے اعتراضات کرتے ہیں، کبھی اہلِ اسلام کے نماز روزہ پر تمسخر کیا جاتا ہے، کہیں ناچ و رنگ کی محفلیں کر کے صدہا

[1] زوج من کل جنس جمعہ ازواج لان النبات اما یکون شجرا او غیر شجر والشجر اما مثمر او غیر مثمر والمثمر کذالک ینقسم قمیس کریم وذی کرم لانہ یاتی کثیرا من غیر حساب او کرم مثل سمین للبعض من الکبیر حسن حقانی

بندگانِ خدا کو آلودہ کیا جاتا ہے، کہیں علوم اسلام اور علماءِ کرام کی توہین کر کے علم دین سے روکا جاتا اور کفار کے لایعنی علوم کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔ انَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ قرآن کی عادت ہے کہ جب اہلِ شقاوت کا ذکر اور اُن کی سزا کا بیان ہوتا ہے تو اہلِ سعادت اور ان کے انعام واکرام کا بھی ذکر آتا ہے، اس لیے یہاں اہلِ سعادت کا ذکر کرتا ہے کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے، ان کے لیے جنات النعیم ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے، مسخرے پڑے تمسخر کیا کریں، لیکن وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ ھُوَ الْعَزِیْزُ وہ زبردست ہے اس کو وعدہ پورا کرنے میں کوئی عجز لاحق نہیں ہوتا۔ الْحَکِیْمُ حکمت والا ہے۔ ان کے تمسخر پر جو حلم ہے اور مومنوں کو جلدی بدلہ نہیں ملتا، اُس کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ یہاں العزیز الحکیم ہونے پر ایک دلیل لاتا ہے کہ اُس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا جن کو تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ آسمانوں کو کروی الشکل بنایا یعنی گول' ستونوں سے بے پروا کر دینا ہے۔ والقی فی الارض رواسی اور زمین میں ثقل یعنی بوجھ ڈال دیا کہ تم کو لے کر ادھر اُدھر نہ ہلے۔ وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ آسمانوں اور زمین کو تیار کر کے زمین پر گوناں گوں جانور پھیلائے، دو پاؤں پر چلنے والے' بغیر پاؤں کے چلنے والے اور پاؤں سے چلنے والے پھر چار پاؤں سے پھر اس سے بھی زیادہ پاؤں سے چلنے والے جن کی صدہا اقسام ہیں، پھر ان کی روزی کا یہ بندوبست کیا۔ وانزلنا من السماء الخ کہ آسمان سے پانی برسایا اور اُس سے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں اناج اور گھاس اُگائیں۔ پھر ایسے شخص سے زیادہ کون عزیز ہے اور کون حکیم ہے۔

اس موقعہ پر مسئلہ توحید کے بیان کرنے کا بھی عمدہ قرینہ نکل آیا، اس لیے فرماتا ہے ھذا خلق اللہ یہ سب کچھ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ فارونی مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اُس کے سوا کسی اور نے کیا بنایا ہے؟ کسی نے کچھ بھی نہیں پھر جب کچھ بھی نہیں بنایا تو ان کی خدائی کیسی اور ان کی عبادت کیا؟ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ کمبخت بدنصیب صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، جو کسی اور کو اس کا شریک کرتے ہیں۔

ردِ شرک کے لیے کیا عمدہ برہان ہے، جس کو حکیم سے لے کر جاہل تک برابر سمجھ سکتا ہے۔ نقل ہے کہ ایک پادری برسرِ راہ بڑے زور وشور سے کہہ رہے تھے کہ عیسیٰ مسیح خدا ہے اور خدا کا بیٹا ہے، اتفاقاً وہاں ایک دہقانی گنوار بھی موجود تھا، اُس نے کہا پادری صاحب اگر عیسیٰ خدا کا سپوت یعنی لائق بیٹا ہے تو کوئی آسمان وزمین اس کا بنایا ہوا بھی دکھاؤ اور جو اُس نے باپ کی طرح کوئی چیز نہیں بنائی تو کپوت یعنی نالائق بیٹے کا ذکر کیا ہے؟ پادری صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ؕ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ ۚ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاھَدٰکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲ ع

اور ہم نے لقمان کو دانائی عطاء کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اللہ کا شکر کیا کرو اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی سو اللہ بھی بے نیاز سزاوارِ حمد وثناء ہے اور (یاد کرو) جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے (یہ) کہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شریک نہ کیجو بے شک شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کی بابت (نیکی کا) حکم دیا، اُس کی ماں نے اُس کو دُکھ پر دُکھ اُٹھا کے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ بڑھایا (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گزار رہ میری ہی طرف پھر کر آنا ہے اور اگر وہ تجھ ہی سے اس بات پر اڑیں کہ تو میرے ساتھ شریک بناوے کہ جس کو تو جانتا بھی نہ ہو تو اُن کا کہنا نہ ماننا اور (ہاں) دُنیا میں اُن کے ساتھ نیکی سے پیش آ اور ان لوگوں کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع ہوگئے۔ پھر لوٹ کر تو تم کو میرے ہی پاس آنا ہے۔ پھر ہم تم کو بتائیں گے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ بیٹا اگر کوئی (عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو پھر وہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں بھی ہو تو اُس کو بھی اللہ لا حاضر کرے گا۔ (قیامت کے دن)' بے شک اللہ باریک بیں خبردار ہے۔ بیٹا نماز قائم کیا کر اور نیک بات کی نصیحت کیا کر اور بری بات سے منع کیا کر اور جو کچھ تجھ پر آ پڑے تو اس پر صبر کیا کر۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور لوگوں سے بے رُخائی نہ کیا کر اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل، کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا اور درمیانی چال چل اور دھیمی آواز (سے) بات کر کیونکہ آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔

ترکیب : اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ تفسیر للحکمۃ لان لایتاء الحکمۃ فی معنی القول یا بنی بیاء التصغیر و یاء ہی لام الکلمۃ والیاء الثالثۃ یاء التکلم ولکنہا حذفت لدلالۃ الکسرۃ علیہا فرارا من توالی الیایات ویقرء بالفتح وفیہ وجہان احدہما انہ ابدال الکسرۃ فتحۃ فانقلبت یاء الاضافۃ الفاثم حذفت الالف کما حذفت الیاء مع الکسرۃ لانہا اصلہا والثانی ان الالف حذفت من اللفظ لالتقاء الساکنین۔ وھنا المصدر حال من الام بتقدیر مضاف ای ذات وھن اوھو مفعول مطلق لفعل محذف ای تھن وھنا معروفا صفۃ لمصدر محذوف ای صحابا معروفا وقیل التقدیر بمعروف۔ انہا الضمیر للقصۃ۔

تفسیر : شروع میں فرمایا تھا کہ یہ آیات پر حکمت کتاب کی ہیں، اس جگہ بعض اہلِ حکمت کے اقوال نقل فرماتا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی توحید کا اعتقاد ان حکیموں کا بھی قول ہے کہ جن کی حکمت کے تم بھی قائل ہو اور جن کے اقوال دلائلِ عقلیہ پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ قرآن مجید کس قدر حکیم ہے؟ اس لیے یہاں لقمان حکیم کا ذکر کرتا ہے، فقال وَلَقَدْ آتَيْنَا

لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطاء کی تھی، حکمت کے معنی طبابت کے نہیں بلکہ (الحکمۃ فی عرف الحکماء استکمال النفس الانسانیۃ باقتباس العلوم النظریۃ واکتساب الملکۃ التامۃ علی الافعال الفاضلۃ علی قدر طاقتھا، بیضاوی) حکمت حکماء کے ہاں بقدرِ طاقت علوم نظریہ حاصل کرنے کے بعد عمدہ افعال عمل میں لانے کا ملکۂ تامہ حاصل کر کے نفس انسانیہ کے کامل کرنے کا نام ہے بعض کہتے ہیں، ھی الاصابۃ فی القول والعمل (مدارک) کہ بات اور عمل کرنے میں راہِ صواب پر ہونا حکمت ہے۔

لقمان کا حال: لقمان ایک شخص بڑا حکیم اور باخدا شخص تھا، عرب میں بھی اس کی حکمت اور دانائی نزولِ قرآن کے عہد تک ضرب المثل تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لقمان نہ کوئی نبی تھا نہ فرشتہ تھا، ایک سیاہ رنگ کا چرواہا تھا لیکن اللہ نے اُس کو علم و حکمت عطاء کر دیا تھا۔ اس روایت کے موافق اکثر علماء اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ لقمان نبی نہ تھا بلکہ شخصِ باخدا اہلِ علم و حکمت تھا، مگر عکرمہ اور شعبی کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا۔ نیشاپوری، و مدارک، و بیضاوی۔

اب ہم کو یہ تحقیق کرنا ہے کہ وہ کس ملک کے رہنے والے اور کس زمانے میں تھے؟ افسوس ہے کہ اس بارے میں ہم کو آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث نہ ملی، ناچار کتبِ تاریخ سے پتا لگانا پڑا۔ مؤرخوں کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ کتبِ تفاسیر میں یہ ہے کہ باعور کا بیٹا ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کا بھانجا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آذر کی اولاد میں سے تھا، ان کی عمر ہزار برس کی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ تھے۔ عرب میں بھی رہے ہیں اور شام میں بھی اور یونان وغیرہ دوسرے ملکوں میں بھی گئے تھے، اس لیے بعض مورخوں نے کہہ دیا کہ وہ ایک یونانی حکیم تھے، حکیم انبذقلس کے اُستاد تھے۔ حکماءِ یونان کی تاریخ میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں، یہ لقمان کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے، یمن کا بادشاہ تھا۔ لقمان بن عاد شداد کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ برخلاف شداد کے یہ بڑا نیک اور حکیم تھا، اس کے بعد اس کا بھائی ذوسدد بادشاہ ہوا اس کے بعد ذوسدد کا بیٹا حارث الرائش تخت نشین ہوا۔ یہی تبع اول ہے جو لقمان کا بھتیجا ہے اور تبع کے بعد اس کا بیٹا صعب تخت نشین ہوا، یہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ ذوالقرنین لقمان کے بھتیجے کا بیٹا ہے۔ شداد کے بعد اس خاندان میں لقمان کی دینداری کے سبب تبع اور ذوالقرنین بھی باخدا ہوئے ہیں۔ انہی کے تذکرے عرب میں خورد و کلاں کے زبان زد تھے۔ واللہ اعلم۔

اس باخدا حکیم کی بہت سی دل پسند نصیحتیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں کہ جن کو خدا تعالیٰ اس جگہ بیان فرماتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اگر کتابِ الٰہی میں کسی حکیم کی یوں ہی نصیحتیں نقل کر دی جاویں تو اس کتابِ الٰہی پر دھبہ لگتا ہے کہ گویا خدا حکیموں سے نصیحتیں سیکھ کر بیان فرماتا ہے اس لیے اسی جگہ یہ اسلوب بدل دیا اور کلام اللہ ہونے کی اس میں بھی شان دکھا دی، پس اول یہ فرما دیا۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ کہ ہم نے لقمان کو حکمت سکھائی تھی، تا کہ ناظرین کو یہ معلوم رہے کہ لقمان کی یہ نصیحتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام کی ہوئی ہیں، اس کے بعد اس حکمت کی تفصیل کرتا ہے۔ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ الخ کہ اللہ کی شکر گزاری کیا کر۔ دُنیا میں کوئی ایسا بشر نہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں نہ ملی ہوں۔ تندرستی، ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، قوائے ظاہریہ و باطنیہ اس کے بعد عقل و ادراک معاش پیدا کرنے کی تدابیر کا علم، پھر دولت اولاد و زن و فرزند کس کس کو کوئی بیان کرے اور نعمت کے مقابلہ میں منعم کا شکر کرنا چاہیے۔ شکر کیا ہے، زبان سے اُس کی ثناء و صفت بیان کرنا، دل میں احسان ماننا ہاتھ پاؤں کو یا دیگر اعضاء کو اور مال کو اُس کی خوشنودی کے کاموں میں لگانا، پھر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تو ان کے شکر کی کچھ بھی حاجت نہیں کیونکہ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ کہ جو کوئی شکر کرتا ہو تو اُس میں اُسی کا فائدہ ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی کسی نعمت پر شکر کرے گا، ہم اور زیادہ دیں گے۔ شکر کرنے سے بندے کی لائق مندی اور سعادت مندی کا اظہار ہوتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور جو کوئی ناشکری کرتا ہو تو خود اُس کی نالائقی ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تو بے پرواہ ہے اس کا کوئی اس میں حرج نہیں اور وہ اُس

کی ثناء وصفت کا محتاج نہیں کیونکہ وہ حمید ہے وہ خود بخود لائقِ ثناء وصفت۔ بے شمار قدوسی آسمانوں میں شب و روز اس کی حمد وثناء کرتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اس کے بعد لقمان کی وہ نصیحتیں بیان کرتا ہے جو اُس نے بوقتِ فہمایش اپنے پیارے فرزند سے کی تھیں۔ کما قال اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ اور یہ اس لیے کہا تھا کہ ناظرین کو معلوم ہو کہ نصائح مذکورہ ذیل کچھ ایسے ویسے نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو اس نے اپنے فرزند دلبند سے بیان کی تھیں۔ غیر کو جو کوئی نصیحت کرتا ہو تو اس میں یہ بھی گمان ہوسکتا ہے کہ شاید ان میں نفع نہ ہو، بہکا دیا ہو مگر اپنے فرزندِ دلبند کو جو کوئی حکیم نصیحت کرتا ہو تو وہاں یہ گمان نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً جبکہ وہ بوقتِ نصیحت بیان کرے تو اُس کا تو اور بھی زیادہ اعتبار کرنا چاہیے، گویا یہ ایسے درِ نفیس اور جواہرِ بے بہا ہیں جو بغیر فرزندِ دلبند کے کسی اور کو انسان طبعاً نہیں دیتا (حکیم اور نبی میں یہ بھی فرق ہے کہ وہ تمام مخلوقِ الٰہی کو فرزند سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے، کوئی بات دریغ نہیں کرتا) پھر ان نصائح کا ذکر فرماتا ہے یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ کہ اے میرے پیارے فرزند اللہ کے ساتھ کسی اور کو شامل نہ کیجو کہ اُس کو بھی خدائی میں یا اُس کے کاروبار یا دیگر اوصاف میں اُس کے ساتھ ملانے لگے، کس لیے کہ شرک بڑا ہی ظلم ہے۔ خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا ذکر تھا اور شرک کرنا بڑی ناشکری ہے، اس لیے اُس کے بعد اس کا ذکر آیا، کیونکہ نعمت تو کوئی اور دے منسوب کسی اور کی طرف کی جاوے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنا: حضرت لقمان کے نصائح میں ماں باپ کی شکر گزاری کا ذکر نہ آیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے لقمان کی نصیحت کو کامل بنانے کے واسطے اُس کے نصائح میں بطور جملہ معترضہ ماں باپ کی شکر گزاری کا کس تاکیدِ شدید کے ساتھ حکم دیا۔ فقال وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ سے نیکی سے پیش آئے۔ باپ کے احسانات تو ہوش وحواس کے زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں، کھلاتا پہناتا ہے، ماں کے احسانات اس کی عالمِ بے خبری میں اس سے بھی بڑھ کر تھے، اس لیے ان کو یاد دلاتا ہے۔ فقال حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ ای تضعف ضعفا فوق ضعف فانھا لاتزال یتضاعف ضعفھا، بیضاوی کہ اُس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا۔ ضعف پر ضعف اُٹھائے، کس لیے کہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے، ضعف زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد وَفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اور دو برس تک اُس کے پاس رہا۔ جدا نہ ہوا، دودھ پلاتی اور ساتھ سلاتی رہی۔ اس کے بعد جدا ہوا۔ اس زمانہ میں بھی جو کچھ ماں بے چاری پر تکلیفیں پہنچتی ہیں، اُن کا بیان نہیں ہوسکتا۔ سردی کی راتوں میں ہگ دیتا ہے، رات بھر میں کئی کئی بار پیشاب کرتا ہے، اس کو سوکھے میں سلاتی ہے، آپ گیلے میں سونا گوارا کرتی ہے، پھر اُس کی ذرا سی تکلیف دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ فصالہٗ فی عامین میں سب باتیں آ گئیں۔

اس آیت سے امام شافعی وابو یوسف و محمد ؒ نے استدلال کر کے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دودھ پینے کی مدت جس کو مدتِ رضاعت کہتے ہیں۔ دو برس تک ہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کہتے ہیں کہ یہ مدت اڑھائی برس تک ہے، کیونکہ ایک آیت میں آ گیا ہے۔ حملہ وفصالہ ثلثون شھرا اور یہاں جو دو برس بیان ہوئے ہیں تو کثیر الوقوع معاملات پر نظر کی گئی ہے، کس لیے کہ اکثر بچوں کا دودھ اس عرصہ میں بڑھ جاتا ہے، یہ کوئی حکم نہیں ہے نہ غایتِ مدت بیان ہوئی ہے۔ اس کی پوری بحث کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

ان کے احسانات جتلا کر فرماتا ہے، اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر کیا کر۔ اپنا شکر اس لیے بیان کیا کہ ان سے بھی زیادہ محسن میں ہوں اور نیز اس میں یہ بھی رمز ہے کہ خدا تعالیٰ کے بعد دنیا میں ماں باپ کا بڑا حق ہے۔ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ میرے پاس پھر کر آنا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نہایت سرگرمی اور تن دہی سے حقوق اللہ اور حقوقِ والدین ادا کیا کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ اب خدا سے کیا کام پڑے گا؟ نہیں پھر مجھ سے کام پڑنا ہے، میرے پاس آنا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ خدمت اور سلوک کا زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تیری

ماں اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ پھر عرض کیا پھر فرمایا تیرا باپ (متفق علیہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کی خوشنودی میں خدا کی خوشنودی ہے اوران کی ناراضگی میں خدا کی ناراضی ہے۔ (رواہ الترمذی)

اس اطاعت کے حکم پر یہ خیال ہوسکتا تھا کہ ماں باپ خواہ بری بات کا حکم دیں، خواہ بھلی کا بہرحال ان کی اطاعت فرض ہے، حالانکہ ان سے زیادہ ایک اور بھی قابلِ ادب واطاعت موجود ہے، یعنی خدا تعالیٰ اگر ماں باپ اس کے ساتھ شریک کرنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ اس لیے اس کا حکم بھی بیان فرمادیا۔ فقال وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا کہ ایسی صورت میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہیے، وہ ہزار زور ڈالیں اوراڑ جاویں کہ تو خدا کے ساتھ اور کو بھی شریک کر کہ جس کو تو جانتا بھی نہیں جہاں گمان ہوسکتا ہے کہ شاید یہ شخص اس قابل ہے کہ اس میں شریک ہونے کا وصف ہو تو اس بات کو نہ ماننا چہ جائیکہ جس کو تو جانتا ہے کہ مخلوق الٰہی ہے اور کسی طرح شریک نہیں ہوسکتا۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ماں باپ کی اطاعت فرض نہیں بلکہ اس وقت ان کا حکم ہرگز نہ ماننا چاہیے لیکن ایسی حالت میں بھی وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا کہ دُنیا میں ان سے سعادت مندانہ طریقہ سے پیش آ۔ گو وہ مشرک و کافر ہی کیوں نہ ہوں، مگر تاہم ان کا ادب کر' کھانے پینے کی تکلیف نہ دے۔

اسماء بنت ابی بکر ؓ کہتی ہیں کہ زمانۂ معاہدۂ قریشِ مکہ میں میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ اُس وقت مشرکہ تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میری ماں آئی ہے اور وہ اسلام سے نفرت رکھتی ہے، پھر کیا میں اُس سے کچھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں اُس سے سلوک کر (متفق علیہ)

مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے کہ سعد بن ابی وقاص ؓ جب مسلمان ہوئے تو اُن کی ماں نے قسم کھائی کہ نہ تو میں دھوپ میں سے اُٹھوں گی نہ کھانا کھاؤں گی جب تک کہ سعد اسلام ترک نہ کرے گا اور سعد نے کہا میں ہرگز اسلام ترک نہ کروں گا، اس حالت میں اُس پر تین روز گزر گئے، آنحضرت ﷺ کو خبر کی گئی، تب یہ آیت ان جاهداك الخ نازل ہوئی کہ اس امر میں اطاعت نہ کر۔

اور ایسی حالت میں کہ ماں باپ گمراہ ہوں تو اُن کی پیروی نہ کرنا چاہیے۔ وَ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ان کے رشتہ پر چلنا چاہیے کہ میری طرف رجوع ہوئے ہیں، یعنی باخدا لوگوں کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جس میں حضرات انبیاء ؑ واولیاءِ کرام وعلماءِ عظام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ روحانی باپ دادا ہیں اور اپنے اصلی بزرگ بھی ہیں، پھران سب باتوں کی تاکید کے لیے یہ جملہ ارشاد ہوا۔ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ تم سب کو میرے پاس واپس آنا ہے۔ پھر میں تم کو بتلادوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے؟ ظاہر داری اور خلوصِ نیت سب کا حال معلوم ہوجاوے گا۔

اصولِ سعادت کی تعلیم : وَصَّیْنَا سے یہاں تک جملہ معترضہ تمام ہوا، اس کے بعد پھر نصائح لقمان شروع ہوئے یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ الخ خدا تعالیٰ کی شکرگزاری کا اول ذکر کر کے جو اصل اصولِ حکمت ہے اور مابعد کے احکام کے لیے ایک بڑا محرک ہے، اس کے اوصافِ حمیدہ ذکر فرماتے ہیں۔ خصوصاً وہ وصف کہ جس کو اگر انسان پیشِ نظر رکھے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر کبھی جرأت نہ کرے اور نیکی کرنے میں بڑا سرگرم رہے، وہ کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے۔ نہایت باریک بین ہے خبیر ہے، کوئی شے اُس سے مخفی نہیں، یہاں تک کہ رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہو، یعنی ذرہ کی مانند ہو کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔ (رائی کے دانہ کے برابر ایک محاورہ کی بات ہے، قلت بیان کرنے کے لیے اس فقرہ کو استعمال کرتے ہیں) پھر وہ زمین میں خصوصاً پتھر کے پردوں میں یا زمین پر کسی جگہ ہو یا آسمانوں میں ہو، اللہ سے مخفی نہیں اور صرف یہی بات نہیں کہ اللہ کو اس کا علم ہے، بلکہ وہ حاضر کرنے پر بھی قادر ہے، وہ اُس کو ہر جگہ سے نکال دے گا، قیامت میں سامنے کردے گا۔ پھر جب وہ ایسا ہے تو اس بھروسہ پر چھپ کر گناہ کرنے میں جرأت نہ کیجیو کہ اللہ تعالیٰ کو خبر نہ ہوگی اور اسی

طرح تیری کوئی نیکی بھی رائیگاں نہ جاوے گی۔ یہ خیال نہ کیجیو کہ دُنیا کے بادشاہوں کی طرح شاید اُس کو اس کی خبر نہ ہو پس یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اے فرزند نماز ادا کرتا رہ۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت لقمان کے عہد میں نماز کا کیا دستور تھا، رکوع و سجود قیام و سلام کے ساتھ تھی یا کسی اور طرح سے؟ نماز اُس کے آگے عجز و نیاز کرنے کا نام ہے، اس کے طریقے ہر نبی اور ہر زمانہ کے موافق مختلف رہے ہیں، کہیں صرف دعا و گریہ وزاری تھا، کہیں سجدہ کرنا، کہیں اس کی تسبیح و تقدیس و استغفار کرنا، ہمارے حضرت ﷺ کے عہد میں وہ طریقہ قائم ہوا کہ جس میں یہ سب باتیں آگئیں۔ تکمیل نفس کے بعد تکمیلِ غیر کا بھی حکم دیتا ہے، کس لیے کہ کامل حکیم کے لیے دونوں باتیں ضرور ہیں۔ آپ اچھا ہونا اور لوگوں کو راستی کی طرف لانا، اس لیے فرمایا وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ نیک باتوں کی تعلیم کر اور بری باتوں سے روک، کسی کام کے نیک یا بد قرار دینے میں بھی طبائع بشریہ یکساں نہیں، ایک بات ہے کہ اُس کو بعض نیک کام سمجھتے ہیں اور بعض اُس کو برا جانتے ہیں، اس لیے نیک کام کو معروف سے اور برے کو منکر سے تعبیر فرمایا کیونکہ اگر کوئی لوثِ شیطانی نہیں لگا ہے تو فطرتِ انسانیہ خود مفتی ہے۔ اچھی باتیں اعلانیہ کرنے میں دل کو شرمندگی نہیں ہوتی، ان کو سب کے سامنے کر سکتا ہے یا ظاہر کر سکتا ہے، بخلاف بری بات کے کہ اُس کو مخفی کیا کرتا ہے۔ اس لیے نیکی معروف اور بدی منکر اُوپری بات قرار پائی۔

حسنِ معاشرت کی تعلیم: اس کے بعد حسن معاشرت کا طریقہ بتلاتا ہے۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ کہ تجھ پر اگر خدا کی طرف سے یا لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے، کیونکہ جو خلقِ خدا کی خیر خواہی کا بیڑا اُٹھاتا ہے، ناعاقبت اندیش اُس کی ایذا کے درپے ہوا کرتے ہیں، اُس پر کوئی تکلیف پہنچنا بڑی بات نہیں۔ گالی، سخت کلامی تو معمولی بات ہے، پس صبر کرنا چاہیے۔ اول شکر کی تعلیم تھی جو نعمتوں کی طرف اشارہ کرتی تھی اور حقیقت میں انسان کو نعمتیں بے شمار دی گئی ہیں اور مصائب کم۔ اس لیے اس کے بعد صبر کی تعلیم کی۔ فرمایا کہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے، اس کے بعد تین باتیں اور تعلیم ہیں۔ اول وَلَا تُصَعِّرْ الخ کہ لوگوں سے تکبر سے پیش نہ آنا، بے رحمی نہ کرنا۔ متکبر کے لوگ دشمن ہو جاتے ہیں۔ دوم وَلَا تَمْشِ اترا کر نہ چلنا بلکہ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ درمیانی چال چل۔ اس میں جملہ معاملاتِ دُنیاوی کی طرف بھی اشارہ ہے نہ لکھ لٹ قلندر بن نہ کنجوس بن۔ وَاغْضُضْ الخ کہ بات چیت دھیمی آواز کے ساتھ کیا کر یہ مہذب لوگوں کا دستور ہے۔ چیخ چلا کر بات نہ کر، جو گدھے کی آواز کے مشابہ ہو جاوے کیونکہ آوازوں میں گدھے کی آواز مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ

اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُہُمۡ قَلِیۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّہُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۲۴﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض وہ بھی آدمی ہیں کہ اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں نہ اُن کو علم ہے اور نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی بخشنے والی کتاب ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس پر چلو کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریق پر چلیں گے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، بھلا تب بھی چلیں گے۔ جو ان کو شیطان دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو اور (اے نبی!) جس نے نیک ہو کر اپنا منہ اللہ کے سامنے جھکا دیا تو اُس نے مضبوط رسی کو تھام لیا اور آخر کار ہر معاملہ تو اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے اور جس نے انکار کیا سو اُس کے انکار سے (اے نبی!) آپ کو رنج نہ کرنا چاہیے۔ (انجام کار) ان کو ہمارے پاس آنا ہے، پھر ہم ان کو بتلا دیں گے کہ انہوں نے کیا کیا ہے۔ بے شک اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ دُنیا میں ہم ان کو تھوڑا سا عیش دے رہے ہیں، پھر تو ہم سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کر لے جاویں گے۔

ترکیب : ان اللہ جملہ قایم مقام دو مفعولوں کے کہ جن کو تروا چاہتا ہے واسبغ الاسباغ الاکمال ہو معطوف علی سخر نعمہ بالجمع والاضافۃ وابو عمرو وحفص وقری نعمۃً مفردًا ظاھرۃ وباطنۃً یمکن ان یکون حالاً من النعمۃ ای حال کونھا ظاھرۃً و باطنۃً محسوسۃً معقولۃً تعرفونہ ومالاتعرفونہ وقد مر شرح النعمۃ وتفصیلھا فی الفاتحہ ویمکن ان یکون نعتامن یجادل من مبتداء ومن الناس خبرہ المقدم اولو الھمزۃ للاستفہام و الواو للعطف ولو شرطیۃ وجوابھا محذوف مثل لااتبعوہ الاستفہام للانکار والتعجب والجملۃ معطوف علی الکلام السابق۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ لقمان نے شرک کی ممانعت کی تھی اور یہ حکمت کا بڑا خزانہ ہے، اب اس آیت اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الخ سے یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ کچھ لقمان کے کہنے ہی پر موقوف نہیں، ہر شخص دلائل وشواہدِ آفاقیہ وانفسیہ میں غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا، یعنی ان کے کام میں لگا دیا اور انسان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بھرپور کر دیا۔ ہاتھ پاؤں تندرستی وغیرہ ظاہری نعمتیں ہیں جو محسوس میں عقلِ سلیم ادراک اور دیگر قوائے باطنیہ غیر محسوس نعماءِ باطنیہ ہیں، وَمِنَ النَّاسِ یہاں سے یہ بتلاتا ہے کہ دُنیا میں ایسے ہی کوڑھ مغز لوگ ہیں جو اللہ کے معاملہ میں یعنی اُس کی ذات وصفات کی بابت یا احکامِ دینیہ کی بابت دلائل کو پس پشت ڈال کر انبیاء اور اُن کے نائبوں سے جھگڑتے ہیں، کوئی اس کو دُنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے امیروں، وزیروں کا محتاج ثابت کرتا ہے اور پھر اس کے امیر وزیر کہیں ملائکہ کہیں انبیاء وصلحا قرار دیے جاتے ہیں، کہیں عناصر وکواکب اس لیے اُن کی پرستش جائز بلکہ واجب بتاتے ہیں۔ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا ہُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ نہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی دلیلِ عقلی ہے نہ کسی بزرگ باخدا کا قول ہے نہ کسی کتابِ الٰہی سے ثابت ہے، یعنی نہ عقل سے کہتے ہیں نہ نقل سے صرف تقلیدِ آبائی پر بھروسہ ہے کہ بڑے بزرگوں سے یوں ہی سنتے چلے آئے ہیں، اس پر جو اُن سے کہا جاتا ہے، اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے، اُس پر چلو تو کہتے ہیں بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ہم تو اپنے باپ دادا کی لکیر کے فقیر ہیں۔ اَوَلَوۡ کَانَ الشَّیۡطٰنُ یَدۡعُوۡہُمۡ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ کہ کیا تب بھی ان کے رستہ پر چلیں گے جب آپ کو معلوم کرا دیا گیا کہ شیطان ان کو جہنم کی طرف لیے جا رہا ہے، یعنی آبائی طریقہ کی قباحت ظاہر ہونے کے بعد بھی کیا اُس پر چلیں گے؟ اب کہاں لقمان کی نصیحت اور کہاں برہانِ عقلی اور کہاں ان کی یہ جہالت۔

وَمَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡہَہٗۤ اِلَی اللّٰہِ یہاں سے سلامت روی کا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے، ان کجرووں کے مقابلہ میں کہ جو کوئی اللہ کے آگے اپنا منہ جھکا دے یعنی اُس کا دل سے فرمانبردار ہو جاوے اور اس کے بعد اس دلی ارادت کے مطابق نیک کام بھی کرے تو اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا، یعنی نجات کا بڑا قوی ذریعہ اس کے ہاتھ آ گیا، جس طرح کوئی پستی سے بلندی کی طرف چڑھنے والا مستحکم رسی کو تھام کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہی حال اُس کا ہے اور اُس کا انجام اللہ اچھا کرے گا۔ بیچ میں رسی کو نہ ٹوٹنے دے گا، ہر چیز کا انجام اُسی کے ہاتھ میں ہے یا یوں کہو ہر معاملہ اُسی کے حضور میں پیش ہوتا ہے، وَمَنۡ کَفَرَ اور جو اُس کے برخلاف ہوگا، کفر اختیار کرے گا۔ اے نبی آپ اُس سے کچھ غم نہ کریں،

انجام کار ہمارے پاس آنا ہے، وہاں اس کو معلوم ہو جاوے گا اب دُنیا میں چند روز کھا پی لے پھر تو جہنم ہے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾ مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾

اور (اے رسول!) اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (ان سے) کہہ دو الحمد للہ، بلکہ ان میں سے اکثر (اتنا بھی) نہیں جانتے۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اللہ بے نیاز (اور) خوبیوں والا ہے اور اگر وہ جو زمین میں درخت ہیں، سب قلم ہو جاویں اور دریا سیاہی (اور) اس کے بعد اس دریا میں سات اور دریا[2] سیاہی کے آملیں تو بھی اللہ کی باتیں نہ تمام ہوں۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے، تم سب کا پیدا کرنا اور مر کر زندہ کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسا ایک شخص کا، بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک وقتِ معین تک چلتا ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے کام سے خبردار ہے، یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور اُس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں بے اصل ہے اور اللہ ہی سب کے اُوپر بالا دست بڑا ہے۔

ترکیب : اقلام جمع قلم خبر ان، ما موصولہ فی الارض صلتہا والجملۃ اسم ان من شجرۃ بیان ما والبحر رفعہ للعطف علی محل ان ومعمولہا ویمدہ سبعۃ ابحر الجملۃ مع الفعل یمد وفاعلہ سبعۃ ابحر حال او یقال والبحر المبتداء ویمدہ الجملۃ خبرہ۔

[1] یقال مد الدواۃ وامدہا ای زاد فی مادہا راو سیاہی ای بعیر البحر المحیط مدا امدہ السبعۃ ابحر آخر حیث تصب فیہ البحار السبع مادا۔ ۱۲ منہ

[2] سات یا یعنی سات سمندر سمندر تو تمام زمین کے اردگرد ایک ہی ہے مگر اہل جغرافیہ نے اس کے احاطہ کے اعتبار سے اس کے سات حصہ پر تقسیم کی ہے۔ بحر احمر بحر فلاں جیسا کہ کتب جغرافیہ میں مصرحاً مذکور ہے اس لیے لوگوں کی زبان پر سات سمندر کا لفظ جاری ہونے لگا اور بحر عرب کی زبان میں سمندر ہی کو کہتے ہیں چلتے اور بہتے ہوئے دریاؤں کو جیسا کہ دجلہ فرات نیل ان کو نہر کہتے ہیں یہاں کلام بطور تمثیل کے ہے کچھ سات سمندروں سے کام نہیں کہ وہ کون سی ہیں اور کہاں سے کہاں تک یعنی سمندر سیاہی ہو جاوے اور اسی طرح کے اور سات اس کی مدد کریں سیاہی بن کر تب بھی کلمات اللہ نہ تمام ہوں گے یہ خشک ہو جائیں گے اور کلمات باقی رہ جائیں گے۔ ۱۲ منہ

تفسیر : وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ یعنی گو وہ دلائل پر غور وفکر نہیں کرتے محض تقلیدِ آبائی میں گرفتار ہیں، لیکن با ایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور خالق ہونے کا اور نیز قادر و مالکِ آسمان وزمین ہونے کا فطری طور پر ایسا علم ہے کہ اگر تو ان سے دریافت کرے گا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے اس میں کسی کی بھی شرکت نہ بتلائیں گے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تو کہہ الحمد للہ کہ وہ ملزم تو ہوئے اور لاچار ہو کر ایسی بات کے قائل ہو گئے کہ ان کے اعتقادِ فاسد کے برخلاف ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نادان ہیں نہیں جانتے کہ ان کا اقرار ان کے اعتقاد کو باطل کر رہا ہے یا کہو کہ اکثر تو ان میں سے اتنا بھی نہیں جانتے جاہلِ محض ہیں۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں تو ان کا حصہ ہے ہی نہیں آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزیں بھی اللہ کی ہیں، ان میں بھی کوئی حصہ نہیں، پھر اللہ کی عبادت وستائش نہیں کرتے۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اللہ کو کچھ پروا نہیں اس کی تعریف خود بخود ہو رہی ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ اس کی قدرت و کبریائی کا حال تو معلوم ہو گیا، اب اس کے علم اور دیگر صفات وشیون کا حال سنو کہ دنیا بھر کے تمام درختوں کے قلم بنائے جائیں اور سات سمندروں کی سیاہی بنا کر اس کے اوصاف اور شیون اور معلومات کو لکھا جاوے تو وہ کم ہو جاویں گے، مگر وہ کلمات کہ جن سے اس کے معلومات اور شیون کو تعبیر کیا جاوے ہرگز کم نہ ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کس لیے کہ اللہ زبردست ہے، اس کے عجائباتِ قدرت اس حد تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے بعد پھر وہ کچھ اور عجائبِ قدرت پیدا نہ کر سکے۔ حکیم ہے کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں نہ اس کے اسرارِ حکمت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ الغرض بے انتہا علم وقدرت رکھتا ہے اور قلم اور دوات متناہی ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس لیے اس جملہ کو غَنِيٌّ حَمِيْدٌ کے بعد لایا کہ اس کے غنی اور حمید ہونے کے لیے دلیل ہو جاوے۔ ابن جریر نے عکرمہ سے اور ابن اسحاق نے عطاء بن یسار سے روایت کی ہے کہ جب مکہ میں یہ نازل ہوا کہ مَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور پھر حضرت رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو احبارِ یہود نے آکر پوچھا کہ یہ کس کی بابت ہے، آپ کی قوم کی نسبت یا سب کی؟ اگر ہماری نسبت ہے تو غلط ہے، کس لیے کہ ہم کو توریت ملی ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے، پھر ہماری نسبت کیونکر صادق آسکتا ہے کہ تم کو کم علم دیا گیا؟ حضرت ﷺ نے فرمایا سب کی نسبت کس لیے کہ علمِ الٰہی کی نسبت یہ بھی قلیل ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی ان کے اس اعتراض کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے سورۂ لقمان کی یہ آیت پڑھی جو پہلے نازل ہو چکی تھی، جس کو راوی نے نازل ہونا بیان کیا۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ الخ یہاں سے اپنے بعض عجائبِ قدرت کا اظہار اس لیے فرماتا ہے کہ اس کے منکرین سخت منکر تھے۔ فرماتا ہے سب کا پیدا کرنا اور پھر زندہ کرنا اس کے نزدیک ایک شخص کے پیدا کرنے اور زندہ کرنے کے برابر ہے، کس لیے کہ جس طرح ایک سے علم وقدرت کا تعلق ہے، اسی طرح سب سے پھر کیوں تعجب کرتے ہو کہ تمام خلائق کی یادداشت کس طرح کر سکے گا؟ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ وہ ہر ایک کی بات سنتا دلی ارادت سے خبر رکھتا ہے، بصیر ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ الم تر ان اللہ یہاں سے اپنی قدرت کاملہ اور علم پر اور دلیل قائم کرتا ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں گھسا دیتا ہے۔ آفتاب اور ماہتاب اس کے حکم پر چلتے ہیں اور وہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے، ذلک یہ کہ وہ ایسا قادر اور ایسا عالم ہے اس لیے ہے بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ اللہ ہی برحق اور واجب الوجود ہے۔ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلَ اور اس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں وہ غلط ہے۔ فانی الذات ہے، وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اور یہ کہ اللہ ہی سب سے بالادست اور سب سے بڑا ہے، اس کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ یہ دلائل کا نتیجہ ہے، جس پر مخاطبین کو متنبہ کیا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا
يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ
شَيْــًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ
مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ
نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

(اے مخاطب!) کیا تونہیں دیکھتا کہ اللہ ہی کی عنایت سے دریا میں کشتیاں چلا کرتی ہیں تا کہ تم کو کچھ اپنی قدرت دکھاوے، البتہ اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے (قدرت کی) نشانیاں ہیں اور جب پہاڑ جیسے دریا کی موج ان کو ڈھانک لیتی ہے تو اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں۔ اُسی کے ہو کر پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو ان میں سے کچھ ہی تو راہِ راست پر رہتے ہیں اور ہماری نشانیوں کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر ہر دغاباز ناشکرا۔ لوگو اپنے رب کا خوف کرو اور اُس دن سے ڈرو کہ جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آوے گا نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آوے گا۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، پھر دُنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تم کو اللہ سے دھوکے میں رکھے۔ بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُس کو وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا، البتہ اللہ علیم (اور) خبیر ہے۔

ترکیب : بنعمت الله الباء متعلق تجری ای بسبب نعمۃ ویجوز ان یکون حالا من ضمیر فی تجری فیکون الظرف مستقرا ای مصحوبۃ بنعمۃ اللہ، لیریکم علۃ لتجری من آیتہ الی بعض ایتہ الدالۃ علی قدرتہ کالظلل جمع الظلۃ وھی ما اظلک من جبل او سحاب ولا مولود عطف علی والد ویکون مابعدہ صفۃ لہ ویجوز ان یکون مبتدأ وان کان نکرۃ لانہ فی سیاق النفی وما بعدہ الخبر وعلی الثانی فایراد الجملۃ الاسمیۃ للتوکید وقد انضم الی ذلک قولہ ھو وقولہ مولود دون ان یقول ولا ولد لان الوالد یقع علی ولد الولد ایضا بخلاف المولود لانہ یطلق علی الابن خاصۃ ومن شانہ ان یکون جازیا عن والدہ لما علیہ من الحقوق۔ لایجزی لایقضی عنہ مالزمہ من الغرامۃ۔ وقری لایجزی من اجزی اذا اغنی۔ والراجع الی الموصوف محذوف ای لایجزی فیہ۔

تفسیر : اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ یہ ایک دوسری دلیل ہے جو اس کی کمالِ قدرت اور حکمت اور شمولِ انعام پر دلالت کرتی ہے کہ دریا میں کشتیوں کا اُس کی رحمت سے چلنا اس کی قدرت کی نشانی ہے، بِنِعْمَتِ اللّٰهِ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کشتی اس کی نعمت کو لے کر دریا میں چلتی ہے، اناج وغیرہ ہزاروں نعمتیں ایک ملک سے دوسرے ملک میں کشتیوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔ فیکون الباء للتعدیہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ البتہ اس کشتی کے چلنے میں ایک نشانی نہیں بلکہ لایت بہت سی نشانیاں ہیں، ایک تو یہ کہ پانی پر اس قدر بھاری بوجھ چلتا ہے، ڈوبتا نہیں۔ دوسری یہ کہ جدھر چاہتے ہو لے جاتے ہو، پانی کو تو مسخر کیا ہی تھا، ہوا کو بھی کیا، تیسری یہ کہ تم کو کیسی نافع چیز کی تعلیم کی اور عناصر کے متعلق کیسے کیسے کارآمد علوم سکھائے۔ یہاں تک کہ کشتی کو انجن کے زور سے بھی چلانا سکھا دیا اور اس کے ساتھ برقی چیزیں اس کی حفاظت کے لیے استعمال کرنے کا علم

سکھایا، چوتھی بااین ہمہ جب چاہتا ہے طوفان کے گرداب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سب کاری گری دھری رہ جاتی ہے، لیکن پھر تم کو اس خوفناک رستے سے صحیح وسلامت لے آتا ہے۔ یہ نشانیاں ہر ایک شہوت پرست غافل کے لیے نہیں وہ تو اس کو معمولی بات سمجھتا ہے بلکہ لِکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ہر ایک صبر وشکر کرنے والے کے لیے جو گناہوں سے نفس کو روکتا اور اس کے حملوں پر صبر کرتا ہے اور پھر جو اس کو نعمت الٰہی ملتی ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں نفس کی کدورتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اس آئینہ میں نظر وتامل کر کے ان دلائل کو دیکھ سکتا ہے اور انسان کی حالتیں بھی دو ہیں، مصیبت کی یا راحت کی پھر جو ان دونوں حالتوں میں ثابت قدم رہتا ہے وہ صابر بھی ہے، شاکر بھی ہے اور جس کو ان دونوں حالتوں میں استقامت حاصل ہوگئی وہ کامل اور حکیم ہوگیا۔ اُس پر ایسی باتوں کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں، اسی لیے آیا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں صبر اور شکر۔ الغرض انسان کے کمال کی یہ دو حالت ہیں، انہی میں مرتاض اور پختہ کار ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اسرار حکمت منکشف ہوتے ہیں۔ وللہ در من قال۔

گنجِ صبر اختیارِ لقمان ست ہرکز صبر نیست حکمت نیست

وقال قطعہ

گہ اندر نعمتے مغرور و غافل گہ اندر تنگدستی خستہ وریش

چو درسرا وضرا حالت اینست ندانم کے بحق پردازی از خویش

اس میں اور بھی لطیفہ ہے کہ دریائی سفر میں طوفان وغیرہ کی تکلیفیں اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راحتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس کو صبر وشکر سے زیادہ کام پڑتا ہے، اس لیے صبار شکور فرمایا اور بھی لطائف ہیں کہ جن کے ذکر کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ یہ بھی اس سفرِ دریائی کی ایک حالت ہے جس میں اور بھی زیادہ خدا تعالیٰ کی قدرت ورحمت کے نشان معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ مصائب کے وقت خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح سے دستگیری کرتا ہے اور کس جلدی سے انسان کی دلی حالت پر متنبہ ہوتا ہے اور انسان مصیبت کے وقت اپنی اس فطری حالت پر آجاتا ہے۔ عوارض اُٹھ جاتے ہیں، مگر نجات پانے کے بعد بعض تو پھر بھی اسی راہِ راست پر رہتے ہیں، بعض پھر اسی ناراستی پر آجاتے ہیں۔ خدا کو بھول جاتے ہیں، اس میں صبر وشکر کی پوری آزمائش ہے، فرماتا ہے کہ سفر دریائی میں جب ان کو پہاڑ جیسی موجیں ڈھانک لیتی ہیں اور ہر طرف سے ان پر سائبان کی طرح محیط ہو جاتی ہیں تو دَعَوُا اللّٰهَ اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، کس طرح سے مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ خاص اُسی کی طرف اخلاص اور نیاز پیدا کر کے فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو بعض ان میں سے درمیانی رستہ پر رہ جاتے ہیں اور وہ توحید اور شکر گزاری کا طریقہ ہے۔ (ای مقیم علی طریق القصد الذی ھو التوحید او متوسط فی الکفر لانزجارہ بعض الانزجار، بیضاوی) مقتصد کے بیضاوی نے دوسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ درمیانی رستہ سے مراد کفر کا درمیانی رستہ ہے، یعنی اس جوش وخروش سے کفر پر نہیں رہتے، کس لیے کہ اس کو کچھ تو نصیحت ہوگئی ہے۔

وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَا اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ اس حالت میں جس نے ناشکری کی تو اللہ کی آیتوں کا انکار کر دیا اور آیتوں سے انکار ختار یعنی غدار عہد شکن ہی کیا کرتے ہیں، جو عہدِ فطری کو توڑ دیتے ہیں۔ کفور ناشکر یہ پورا مقابلہ ہے۔ صبار شکور کا صبار کے مقابلہ میں ختار اور شکور کے مقابلہ میں کفور آیا۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا ربکم یہاں سے حجت تمام کر کے ایک ایسا حکم دیتا ہے جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے، وہ کیا اتقوا ربکم کہ اپنے رب سے ڈرا کرو، جو اپنے رب سے ڈرے گا کسی مصیبت کے پاس نہ جائے گا اور کسی [illegible] بجالانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اوصیکم بتقوی اللہ الحدیث رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ کہ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، یعنی بتاکید حکم دیتا ہوں، چونکہ خدا سے ڈرنا بغیر یاد دلانے کسی آنے والی بلائے عظیم کے جو اللہ کے ہاں سے آنے والی ہو مشکل ہے، اس لیے اس آنے والی بلا کا ذکر فرماتا ہے۔ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ ھُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا کہ اس روز سے ڈرو یعنی قیامت کے دن سے کہ جس دن باوجود شفقتِ پدری کے کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آوے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آوے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، بغیر ایمان اور عملِ صالح کے کچھ چارہ نہ ہوگا، جب باپ بیٹے کا یہ حال ہوگا تو اور کسی کی قرابت یا محبت کا تو کیا ذکر ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اے قریش! اپنی خلاصی ڈھونڈو میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے عباس میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے صفیہ محمد (ﷺ) کی پھوپھی میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ محمد (ﷺ) کی بیٹی مجھ سے جو مال چاہے لے لے اللہ کے معاملہ میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا، یعنی اعمال و ایمان چھوڑ کر یہ تکیہ نہ کر بیٹھو کہ ہم پیغمبر کے اقارب ہیں۔ جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے کفارہ ہونے پر تکیہ کر کے اعمالِ صالحہ کو بے فائدہ ٹھہرا دیا اور ضمناً ہر قسم کی بدکاری کی اجازت دے دی، اس سے شفاعت کا انکار نہیں نکلتا، کیونکہ وہ ایمانداروں خدا کے فرمانبرداروں کے لیے اُن کے رفعِ درجات یا قصوروں کی بابت ہوگی۔ سو یہ اور بات ہے، کفار سمجھتے تھے کہ ایسا دن کبھی نہیں آئے گا، کیونکہ وہ قیامت کے منکر تھے، اس لیے فرماتا ہے، اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور وہ دن آئے گا فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا پھر تم دُنیا کی زندگی پر دھوکا نہ کھاؤ، سدا کوئی نہیں جئے گا، وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ اور اسی طرح اللہ کے معاملہ میں بھی دھوکے میں نہ رہو کہ ہم کو دُنیا میں سرداری دی ہے، وہاں بھی دے گا اور جس طرح یہاں ہمارے اقارب اور اعزہ حمایت کر کے چھڑا لیتے ہیں، چھڑا لیں گے یا ہمارے معبود جو اللہ کے گھر کے مختار ہیں، ہمیں بچا لیں گے۔ الغرور فریب یا فریب دہندہ الشیطان کہ شیطان تم کو فریب نہ دے۔ اس کے بعد کفار یہ پوچھتے ہوں گے کہ وہ کب آوے گی، اس کی مدت بیان کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰہَ[1] عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ کہ اس گھڑی کا علم اللہ ہی کو ہے، اس کو اس مصلحت سے مخفی رکھا ہے کہ بندوں کے دل کو ہر وقت کھٹکا رہے، لیکن اس کے قائم ہونے پر دو دلیلیں بیان فرمائیں۔ اول وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ کہ وہ مینہ برساتا ہے، جس سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ دوم وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ اور رحم میں بچہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کی کیفیت سے وہی آگاہ ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ نر ہے یا مادہ کس شکل کا ہوگا۔ پس جو ابتداء پر قادر ہے وہ اعادہ پر بھی بطریقِ اولیٰ۔ دیکھو ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے، اس کا تم کو مفصل علم نہیں، پھر کیا وہ ظہور میں نہیں آتا، اسی طرح قیامت کا معاملہ ہے اور تم تو اپنی معاش اور حیات کے متعلق بھی علم نہیں رکھتے۔ پھر اگر قیامت کا تم کو علم نہ دیا گیا تو کیا ہوا۔ فقال وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا کوئی نہیں جانتا، کل کیا کرے گا، کیا پیش آوے گا۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اور یہ بھی نہیں کہ کہاں جا کر مرے گا، پھر باوجود اس علم نہ ہونے کے ضرور کچھ نہ کچھ کل

---

[1] اس جگہ ان پر علم کا اقتصاص ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارے فرضی معبود اور چیزوں کو تو کیا جان سکتے ہیں یہ پانچ چیزیں جن سے ہر ایک کا تعلق ہے ان کو بھی تو کوئی یقینی طور پر نہیں جانتا نجوم وغیرہ کو جاننا علم یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے اسی لیے بارہا اس کے احکام غلط ثابت ہوئے ہیں وہ پانچ چیزیں یہ ہیں۔ (۱) قیامت کا علم کہ کب آئے گی (۲) بارش کا علم قرائن والات سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے (۳) ماؤں کے رحم کا حال کہ بچہ ہے یا خالی مادہ فاسد ہے پھر نر ہے یا مادہ مادہ نیک ہے یا بد اور پیدا ہو کر کیسا ہوگا۔ اگر آلہ عکسی سے کسی نے دکھا دیا تو ان باتوں میں سے کوئی بات بھی معلوم نہیں ہو سکتی یہ دکھا دینا ایسا ہے کہ جیسا کہ پیٹ چیر کر دکھا دے۔ (۴) کل کیا پیش آئے گا (۵) کہاں مرے گا۔ نقل ہے کہ خلیفہ عباس اپنی زندگی کا حال دریافت کیا کرتا تھا کہ کب تک ہے کسی نے ۵ برس کسی نے ۵ مہینے کسی نے ۵ روز عمر بتلائی ایک شب خواب میں دیکھا کہ دجلہ سے ایک سوار نے اپنا پنجہ پانی سے نکال کر دکھا دیا آخر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا گیا آپ نے فرمایا فرشتہ نے یہ بتایا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا سوائے باری تعالیٰ کے اور کسی کو علم نہیں۔ حقانی

کرتا ہے اور کہیں نہ کہیں جا کر مرتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ خدا ہی کو ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی خبر ہے اس میں ان کے معبودوں کی عاجزی اور دُنیا بھر کے حکماء کے علم و دانش کی بھی حقیقت بیان کردی کہ وہ یہ ضروری باتیں بھی نہیں جانتے۔ بخاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ غیب کے پانچ خزانے ہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ (یہ) کتاب پروردگار کی طرف سے اُتری ہے۔ کیا وہ (یہ) کہیں گے کہ اُس کو از خود بنالیا ہے بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے (یہ اس لیے نازل کی گئی) تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنادیں کہ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ پر آ دیں۔ اللہ وہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ روز میں بنادیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ سفارشی، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ ہر ایک کا خدا ہی انتظام کرتا ہے، آسمان سے لے کر زمین تک پھر اس دن بھی کہ جس کی مقدار تمہاری گنتی سے ہزار برس کی ہوگی۔ وہ انتظام اس کی طرف رجوع کرے گا، وہ ہی

چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا، زبردست مہربان ہے، جس نے عمدگی سے ہر شے کو بنایا اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی۔ پھر اس کی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنائی۔ پھر انسان کو ٹھیک کیا اور اس میں اپنے پاس سے رُوح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنایا۔ اس پر بھی تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور کافر کہتے ہیں کیا جب ہم زمین میں مل جل گئے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں۔ کہہ دو (ایک روز) تمہاری جان موت کا وہ فرشتہ قبض کرے گا کہ جو تم پر معین کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔

ترکیب : الم یجوز ان یکون مبتدء و تنزیل خبرہ والتنزیل بمعنی المنزل۔ ھذا اذا جعل الم اسماً للسورۃ او القرآن فعلی ھذا لاریب فیہ حال من الکتاب والعامل تنزیل و من رب متعلق بتنزیل و لاریب ھھنا مبنی۔ وان جعل تعدید الحروف فقط کان تنزیل خبر مبتدء محذوف او مبتدء خبرہ لاریب فیہ فیکون من رب العالمین حالاً من الضمیر فی فیہ ویمکن ان یکون خبراً بعد خبر وَ لَا رَيْبَ فِيْهِ حال من الکتاب او اعتراض۔ ام منقطعۃ بمعنی بل ما اتھم ما نافیۃ والجملۃ صفۃ لقوم من السماء الی الارض الجار متعلق بیدبر علی تضمین معنی النزول[1] ویمکن ان یکون حالاً من الامر۔ مما تعدون یجوز ان یکون صفۃ لالف اولسنۃ الذی احسن خبر مبتدء[2] محذوف۔

تفسیر : اس سے پہلی سورۃ میں توحید اور حشر کے دلائل بیان فرمائے تھے اور وہ دو طرف ہیں، اس لیے اس سورۃ میں امر اوسط یعنی اس رسالت کا ذکر کرتا ہے کہ جس پر قرآن کی برہان قائم ہے۔ فقال تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ کتاب یعنی قرآن (کہ جس کے برحق ہونے میں عاقل کو غور و تامل کے بعد کوئی بھی شبہ نہیں رہتا) رب العالمین کی طرف سے ہے۔ رب العالمین کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے، روحانی پرورش بھی اسی کا خاص حصہ ہے، اس لیے اس نے دُنیا کی شائستگی کے لیے ایک ایسی کتاب نازل کی جو آفتاب کی طرح سے اپنے لیے آپ گواہ ہے، مگر کوڑھ مغزی اور تیرہ باطنی بھی عجب بدبلا ہے، ایسے لوگ یہ کہہ دیتے تھے کہ اس کو محمد (ﷺ) نے از خود بنالیا ہے، خدا نے نازل نہیں کیا ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کہ یہ قرآن برحق ہے تیرے رب کے ہاں سے آیا ہے، اس کی شانِ ربوبیت کا مقتضی ہے۔ یہ کس لیے نازل ہوا؟ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ تاکہ تو اے محمد (ﷺ) خصوصاً ان لوگوں کو پرحذر کرے اور ان کو آنے والے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا پیغمبر نہیں آیا ہے۔ اس قوم کی خصوصیت نہیں کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے، ان کا نام اس لیے آگیا کہ سب سے اول انہی سے کلام تھا، کس لیے کہ دوسری جگہ آگیا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا اور آنحضرت ﷺ نے بھی فرمادیا ہے کہ میں تمام عالم کے لیے نبی کیا گیا ہوں۔ پس اس جملہ سے یہ سمجھ لینا کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب کی قوم کے لیے مبعوث ہوئے تھے بڑی غلطی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ایک عرصہ دراز تک عرب میں کوئی نبی مبعوث ہو کر نہیں آیا تھا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے گمراہ ہونے کے بعد بجز حضرت کے ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ اس میں سب آگئے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ یہاں سے وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کا پہنچانا رسول پر فرض ہے، جیسا کہ پہلے رسالت اور اس کی ضرورت بیان کی تھی، یعنی اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا نہ وہ لوگ کہ جن کو مشرکین اس کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ، اس میں اس بات کا بھی رد ہے کہ جن

[1] اے یدبر امر الدنیا باسباب سماویۃ کالملائکۃ واشعۃ الکواکب نازلۃ اثارہا الی الارض۔ ۱۲ منہ

[2] اے ھو الذی او خبر بعد خبر۔ او العزیز مبتداء والرحیم صفۃ الذی احسن خبرہ۔ وخلقہ بسکون اللام بدل من کل بدل الاشتمال ای احسن خلق کل شی ویمکن ان یکون مفعولاً ثانیاً وکل شی مفعولاً اولاً واحسن بمعنی عرف ای علم کیف یخلقہ کما قال علی ﷺ قیمۃ المرء ما یحسنہ ای یحسن معرفتہ وقرأ نافع والکوفیون بفتح اللام علی انہ فعل ماض فیکون صفۃ لکل او لشی، من روحہ اضافہ الی نفسہ تشریفاً او اشعاراً بانہ خلق عجیب ولہ شان یناسب الربوبیۃ۔ ۱۲ منہ ابو محمد عبدالحق عفا اللہ عنہ۔

کو تم اس کا شریک سمجھ رہے ہو، وہ خدا تو کیا اس کی اجازت بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے' نہ کسی کے حامی و مددگار بن سکتے ہیں، جس خیال سے کہ مشرکین غیر اللہ کو اس کا شریک سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں جس طرح اس کی اجازت بغیر اوروں کی ولایت و شفاعت کی نفی ہے، اسی طرح اس کی طرف سے ولایت و شفاعت یعنی حمایت کا ثبوت ہے۔ اس میں بت پرستوں کی تجہیل ہے، وہ جو یہ اقرار کر کے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں' یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کریں گے، جب خلق کو بیان فرما چکا تو اس کے بعد امر کو بیان فرماتا ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ کہ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر ایک کام کی آپ ہی تدبیر کرتا ہے، اس میں اس کا کوئی مشیر وزیر نہیں۔ آسمانوں یعنی علویات کی کل تدبیر و تصرف آسمانوں کی حرکت' ستاروں کی حسب موقع گردش' ان کے انوار کا تحفظ' پھر وہاں کے رہنے والوں ملائکہ اور روحانیات کے متعلق سب کام وہ آپ ہی کیا کرتا ہے اور اسی طرح زمین یعنی عالم سفلی کے متعلق سب کام آپ ہی کرتا ہے۔ مینہ کا بروقت برسانا' ہواؤں کا چلانا' نباتات کا اُگانا' حیوان اور انسان کی بیماری و تندرستی' موت و حیات سب باتیں وہی کیا کرتا ہے، یا یوں کہو ہر ایک کام کی تدبیر اسباب سماویہ کے ساتھ جو آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوا کرتے ہیں، وہی کیا کرتا ہے یہ تو دُنیا کے بقاء تک کا معاملہ تھا ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ اس کے بعد جب کہ یہ عالم فنا ہو چکے گا اور نیا عالم پیدا ہوگا، جس کو عالم آخرت یا عالم حشر کہتے ہیں، اس روز بھی یہ سب تدبیر و تصرف یعرج الیه ای یرجع الیہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔

الف سنة کا بیان: مگر اس عالم کو فی یوم کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کے ساتھ تعبیر فرمایا، ہول دلانے کے لیے اور وہ عالم لایزال ہے، اس کے دنوں کا کوئی شمار نہیں لیکن اس عالم کے پہلے روز کو ذکر کر دیا، یعنی قیامت کو، یعنی اس عالم کے پہلے دن ہی سے کہ جس کی مقدار تمہارے ہزار برس کے برابر ہے، سب کام وہاں کے اسی کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اب یہ بات رہی کہ کہیں تو اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس کی فرمائی ہے، جیسا کہ سورۂ معارج میں ہے، خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اور کہیں ہزار برس جیسا کہ یہاں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اُس روز بڑی سختی ہوگی اور نہایت دہشت و ہیبت۔ سو یہ ہر ہر شخص کی نسبت جداگانہ ہوگی، کیونکہ جیسا جرم ویسی دہشت اور مصیبت کے دن کی درازی بمقدار مصیبت ہوا کرتی ہے۔ وہ دن تو ایک معمولی دن ہوگا، مگر کفار کو پچاس ہزار برس کے برابر معلوم ہوگا اور گنہگاروں کو ہزار برس کے برابر اور نیکوں کو فریضۂ نماز کے وقت کے برابر۔ پس اس لیے کبھی اس کو پچاس ہزار برس کے برابر کہہ دیا کبھی ہزار برس کے کبھی صلوٰۃ مکتوبہ کے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دن البتہ دراز معلوم ہوگا، تکلیف کے سبب سے اور اس کی درازی کو اعدادِ مختلفہ کے ساتھ تعبیر کر دیا۔ جیسا کہ جب ہم کو انکار محض منظور ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں تو سو بار بھی کہے گا تو یہ کام نہ کروں گا، پھر تھوڑی دیر بعد اس کے جواب میں کہہ دیتے ہیں تو ہزار بار بھی کہے گا تو نہ کروں گا۔ یہ بات ایک محاورہ کے متعلق ہے یعنی محض کثرت مراد ہے۔

یدبر الامر کا بیان: عالم خلق و عالم امر کا مالک و مختار ہونا (اور وہ بھی دنیا و آخرت دونوں عالموں میں) بیان فرما کر کس زور کے ساتھ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ یہی غیب اور ظاہر کا جاننے والا جو تمام کائنات کا خالق اور مدبر ہے۔ دارین میں نہ وہ کہ جن کو تم پوجتے ہو، چونکہ دنیا اور آخرت اور خلق اور امر کا ذکر آیا تھا، ان کے مناسب دو لفظ آئے۔ غیب تو آخرت کے لیے کیونکہ وہ اور وہاں کے سب کام ہماری آنکھوں سے غائب ہیں اور اسی طرح عالم امر کے لیے بھی کیونکہ وہ بھی محسوس نہیں اور شہادۃ دنیا اور خلق کے لحاظ سے اور اسی طرح العزیز الرحیم بھی دونوں کے لحاظ سے آیا بلکہ ہر ایک کے لحاظ سے کس لیے کہ خلق اور امر اور دُنیا اور آخرت میں جس طرح عزیز یعنی غالب و قادر ہونے کی ضرورت ہے اسی طرح رحیم ہونے کی بھی ہے، پھر عزیز و رحیم ہونے کا ثبوت دنیا میں عالم خلق کی ایک اعلیٰ اور عمدہ قسم کے پیدا کرنے کے بیان سے کرتا ہے، یعنی حضرتِ انسان کی پیدائش سے جس سے کلام ہو رہا ہے کہ اس کو کس طرح سے بنایا۔

فَقَالَ الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ کہ اس نے ہر شے کو عمدہ طور سے بنایا ہے، جس چیز کو بغور دیکھے گا تو وہ آپ ثابت کر دے گی کہ

میرے خالق کو اس امر میں وہ کمال ہے کہ جس کو کسی کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دی جاسکتی۔ اُونٹ کو ملاحظہ کیجئے، اگر اس کی گردن دراز نہ ہوتی تو محض بیکار ہو جاتے۔ ہاتھی کو سونڈھ نہ ملتی تو بڑا اپاہج تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس ہر درند پرند چرند کے ایک ایک عضو اور اُس کے بال اور کھال کو غور کرو گے تو ہر ایک منہ سے یہی بول اُٹھے گا۔

ففی کل شیء لہ شاہد یدل علیٰ انہ واحد

یہ تو ایک تعمیم تھی، اس کے بعد ان میں سے حضرتِ انسان کی پیدائش کا حیرت انگیز حال بیان فرماتا ہے۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ کہ انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی یعنی اس نوع کا جو اول فرد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اُس کو کسی کے نطفہ سے نہیں بنایا، بلکہ اس کو خاک سے بنایا۔ گرچہ خاک کے ساتھ پانی وغیرہ اور بھی اجزاءِ عنصری تھے، مگر چونکہ یہ زیادہ تھا، اس لیے اسی کا لحاظ کیا گیا اور کل کو جزءِ غالب سے تعبیر کرنا محاورہ کی بات ہے۔ ہم اس مقام پر اس ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں کہ خاک سے کیونکر بنایا اور کہاں بنایا؟ لفظ بداء نے یہ بھی بتلا دیا کہ انواع قدیم نہیں جیسا کہ حکماءِ یونان کا خیال تھا، چنانچہ ان کا رد علمِ کلام کی بڑی کتابوں میں بڑے زور سے کر دیا گیا ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ پھر اس کی نسل جاری کرنے کا دستور بتلاتا ہے کہ ہم نے اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے جاری کیا، یعنی منی سے جو تمام انسانی اخلاط کا نچوڑ یا عطر ہوتا ہے اور باوجود اس کے بے قدر ہوتا ہے۔ انسان اس کو چھپاتا ہے۔ بدن یا کپڑے پر لگ جاتی ہے تو دھو ڈالتا ہے۔ نسل کو اس لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ جس کی نسل ہوتی ہے اس سے نکلتی ہے، نسل الصوف نسولا سقط (قاموس) نسلہ ذریتہ سمیت بہ لانھا تنسل منہ ای تنفصل (بیضاوی) سلالۃ سل سے ہے، جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ سیف مسلول۔ سلالۃ ای ما استخرج من منی آدم علیہ السلام مجمع بحار الانوار۔ منی کو سلالہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کے جسم میں سے کھنچتی ہے۔ مھین المھین الضعیف والحقیر والقلیل۔ (قاموس)

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اس کے ماں کے پیٹ میں اس کو ٹھیک کیا، سر کی جگہ اس گوشت کے لوتھڑے میں سے سر بنایا، کان کی جگہ کان، آنکھ کی جگہ آنکھ، ناک کی جگہ ناک ہڈی، پٹھے، بال، کھال ایک تناسب طبعی سے بنائیں اور ہر چیز کو اس اندازہ سے بنایا کہ علمِ تشریح کے واقف ہونے کے بعد عاقل کو اس بات کا اقرار ہی کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی بڑے مدبر حکیم کا فعل اور بڑے باکمال کی کاریگری ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ اور اس کو ٹھیک کر کے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونکی زندہ کر دیا۔ من روحہ کے یہ معنی نہیں کہ اللہ نے اپنی روح یعنی اپنی جان کا کوئی ٹکڑا اس میں ڈال دیا، بلکہ یہ معنی وہ روح کہ جو اللہ کی عمدہ اور لطیف چیزوں میں کی ایک چیز ہے۔ وہ اس میں ڈال دی اور روح کو اپنی طرف اس کی خوبی و لطافت و شرافت کے لیے مضاف کر دیا، جیسا کہ بادشاہ اپنے خاص نوکر کو عزت دینے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا نوکر ہمارا غلام۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی و بینائی یعنی حواسِ ظاہرہ عطاء کئے۔ وَالْاَفْئِدَةَ دل دیا، یعنی قوائے باطنیہ و مدرکات باطنیہ عطاء کئے، مگر اس پر بھی قلیلا ما تشکرون تم بہت ہی کم خدا کا شکر یہ ادا کرتے ہو۔ ان باتوں کو اپنے گھر کی باتیں خیال کرتے ہو۔ روح پھونکنے سے پہلے تک تو غائب کے صیغوں سے تعبیر کیا۔ ثم سواہ فرمایا اور روح پھونکنے کے بعد جعل لکم خطاب کے صیغہ لایا، کیونکہ اب قابل خطاب کے ہو گیا۔

مشرکینِ مکہ ان چند توہمات باطلہ[1] میں مبتلا تھے۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری کہتے تھے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور چیزوں کو

---

[1] کفارِ مکہ دو غلطیوں میں مبتلا تھے چونکہ خدا کو مخلوق و محسوس اشیا پر قیاس کر کے خدا کے ساتھ اور چیزوں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اس کا رد تو آیات بالا میں نہایت واضح طریق پر کر دیا دوسری غلطی یہ تھی کہ وہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا عذاب و ثواب پانا حق نہیں جانتے تھے قیامت کے قابل نہ تھے یہ ایک ایسا خیال ہے کہ انسانوں کو اکتسابِ سعادت سے روکنا اور لذات و شہوات اور طرح طرح کی بدکاری میں مبتلا کر دینا ہے اس کا رد ان آیات میں کیا جاتا ہے

بھی شریک کرتے تھے، ان دونوں باتوں کا یہاں تک جواب شافی دے دیا گیا۔ (۳) حشر ممکن نہیں، اس کا جواب ان کے شبہ کو نقل کر کے دیتا ہے۔ وَقَالُوْا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ کہ وہ کہتے ہیں، کیا ہم جب مر کر زمین میں گم ہو جاویں گے، یعنی بدن کے اجزاء متفرق ہو کر نیست و نابود ہو جاویں گے تو پھر کیا زندہ ہو جاویں گے؟ جواب سے پہلے فرماتا ہے۔ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ کہ ان کا زمین میں ملنے کے بعد زندہ ہونے ہی پر تعجب نہیں بلکہ وہ دراصل اپنے رب کے پاس جانے کے منکر ہیں، اب جواب دیتا ہے۔ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ کہ ان سے کہہ دے ایک روز وہ فرشتہ جو تمہاری جان قبض کرنے پر معین کیا گیا ہے۔ تمہاری جان قبض کرے گا۔ مرنے پر تو تمہارا بھی یقین ہے، اب رہا بار دگر زندہ ہونا، سو جس نے نیست سے ہست کر دیا کیا وہ بار دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ کر سکتا ہے اور کرے گا۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ۩ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور جو آپ کبھی دیکھیں جبکہ گناہ گار اپنے رب کے آگے سر جھکائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ اے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا میں پھر بھیج کہ اچھے کام کریں، ہم کو یقین آ گیا اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت پر لے آتے لیکن ہماری بات پوری ہو کر رہی کہ ہم جنوں اور آدمیوں سب سے جہنم بھر کر رہیں گے، پھر تم بھی (مزہ) چکھو اس لیے کہ تم آج کے دن پیش آنے کو بھول بیٹھے تھے۔ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا (لواب) اور عذاب دائمی چکھو، اپنے کیے کے بدلہ میں۔ ہماری

← ہے کہ تمہاری جانوں کو ملک الموت قبض کر کے خدا کے پاس لے جاتا ہے مرنے سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کے زمانہ میں بھی انسان نیک و بد اعمال کا بدلہ پاتا ہے جس کو عذاب و ثواب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر قیامت کا حال اگلی آیات میں بیان فرماتا ہے۔ اذا المجرمون ناکسوا از سم غدر بم کہ مجرم خدا کے سامنے سرنگوں کھڑے ہوں گے اور بادیگر دنیا میں آئے آئے گی آرزو کریں گے یہ بات عالم برزخ کو عذاب پر بھی صادق آتی ہے پس یہ خیال غلط ہے کہ مر کر نیست ہو جاتا ہے یا کسی اور جسم میں جاتا ہے۔ حقانی

۲ فرشتہ اللہ کی طرف سے موکل ہے اس کا قبض کرنا اللہ ہی کا قبض کرنا ہے دونوں باتوں میں تعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

آیتوں پر تو وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان سے سمجھایا جاتا ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی ستائش کرتے ہیں، اس کی خوبیاں بیان کر کے اور وہ تکبر نہیں کرتے، (شب کو) اپنے بستروں سے اُٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیتے بھی ہیں۔ پھر کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ ان کے لیے ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے، ان کے عمل کے بدلے میں۔

ترکیب : ولو تریٰ ھو من رؤیۃ العین والمفعول محذوف ای ولو تری المجرمین۔ واغنیٰ عن ذکرہ المبتداء۔ واذ ھنا یراد بھا المستقبل والتقدیر یقولون ربنا وموضع المحذوف حال والعامل فیھا ناکسوا۔ فذوقوا بما ای فذوقوا العذاب ویجوز ان یکون مفعول فذوقوا اللقاء علی مذہب الکوفیین فی اعمال الاول۔ ویجوز ان یکون ھذا۔ تتجافیٰ موضع الحال وجواب لومحذوف ای لرایت امرا فظیعا ویکن ان یکون لو للتمنی خَوْفًا وَّطَمَعًا مفعول لہ والعامل یدعون۔ ما بمعنی الذی ویجوز ان یکون للاستفہام۔

تفسیر : ولو تری یہاں سے وہ حال بیان کرتا ہے جو خدا کے پاس رجوع ہونے کے بعد یعنی اُس کے پاس جانے کے بعد ظہور میں آئے گا کہ اے محمد (ﷺ) یا اے ہر شخصِ مخاطب! اگر تو ان کافروں کو اُس وقت دیکھے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے شرمندگی اور خوف سے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اے رب! اب ہم نے آنکھ سے حشر کا معاملہ دیکھ لیا اور تجھ سے رسولوں کا برحق ہونا سن لیا یا یہ معنی کہ وہ وہاں جا کر اپنے جرم کا اقرار کریں گے کہ ہم نے رسولوں اور ان کے معجزات کو دُنیا میں دیکھ لیا تھا اور ان کے کلام کو سن لیا تھا۔ جیسا کہ آیا ہے قدجاء نا نذیر اب ہم کو بارِ دگر دنیا میں بھیج کہ وہاں جا کر اپنے کام کریں۔ اب ہم کو یقین آ گیا، مگر اب کیا ہوتا ہے، کیونکہ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا الخ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کرتے۔ ایماندار نیک کردار کر دیتے، مگر ان میں صلاحیت نہ تھی، ان کو رسولوں نے بہت کچھ سمجھایا پر نہ مانا، کس لیے کہ اللہ کا نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم میں جاویں گے۔ مطلب یہ کہ اگر بارِ دگر بھی دنیا میں جاویں تو کبھی راہ پر نہ آویں، پس حکم ہوگا کہ آج کے دن فراموش کرنے کا مزہ چکھو، اب ہم نے تم کو بھلا دیا، یعنی ہمارے دل میں تمہاری جگہ باقی نہیں رہی۔ یہ محاورہ کی بات ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو بھول جاوے گا، کس لیے کہ وہ سہو ونسیان سے پاک ہے وَذُوْقُوْا اب عذاب دائمی کا مزہ چکھو اپنے اعمالِ بد کے سبب۔ تم دائم ان میں گرفتار تھے، اس لیے عذابِ دائمی میں گرفتار ہوئے۔ انما یؤمن الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ بدنصیب کیا ایمان لاویں گے۔ ایمان لانا آیاتِ الٰہی پر تو ازلی نیک بختوں کا کام ہے، پھر ان کے علامات اور عاداتِ حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ (۱) کہ جب ان کو آیاتِ الٰہی سنا کر سمجھایا جاتا ہے تو خوفِ الٰہی کے مارے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اُس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ بِحَمْدِهٖ کہتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے، نہ تو دنیا میں کسی سے بتکبر پیش آتے ہیں نہ اللہ کے رسولوں اور اُس کے احکام سے تکبر کر کے سرتابی کرتے ہیں، یعنی ان میں کمالِ صلاحیت ہے۔ اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا لازم ہے۔

(۲) نمازِ تہجد : تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ای ترتفع وتتنحی لحن الفرش وموضع النوم (بیضاوی) کہ وہ رات کو اپنے بستروں اور خواب گاہوں سے اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، اس میں خوف اور اُمید کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں دعا کرتے ہیں، مناجات میں مشغول ہوتے ہیں۔

احادیثِ صحیحہ میں نمازِ تہجد کی تاکید اور فضائل بہت کچھ وارد ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ اور صالحینِ اُمت کا قدیم دستور ہے کہ وہ نصف شب کے بعد اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ بارہ رکعت میں دو دو کی نیت سے حضرتؐ پر یہ نماز فرض تھی، تمام اُمت کے لیے مسنون ہے۔ ابی امامہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ رات کا اُٹھنا لازم کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کی عادت ہے، اس سے تمہارے رب کی نزدیکی پیدا ہوتی ہے۔ یہ گناہوں کو مٹاتا ہے، گناہوں سے روکتا ہے۔ رواہ الترمذی اور فرمایا کہ یہ بڑا قبولیت کا وقت ہے۔ (۳) ومما رزقناھم ینفقون کہ اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں، یعنی خیرات بھی کرتے ہیں۔ پھر ان کے اجر کی بابت فرماتا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ

مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ الخ کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی فرحت و سرور کی چیزیں جو کچھ ہم نے چھپا رکھی ہیں، ان کی پوری تعداد اور کیفیت کوئی نہیں جانتا ہے، یعنی وہ بے حساب چیزیں ہیں اور یہ ٹھیک ہے، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم جنت اور اُس کی کسی نعمت سے واقف نہیں۔ خصوصاً وہ کہ جن کو قرآن اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے بتا دیا۔ جس نے یہ مطلب سمجھ کر نعماءِ جنت اور حور و قصور کا انکار کیا بڑی غلطی کی ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۖ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا
وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ
مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ
مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

تو کیا مومن اس کے برابر ہو جائے گا جو بدکاری کر رہا ہو۔ وہ برابر نہیں ہو سکتے، لیکن وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو اُن کے ان کاموں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے مہمانی میں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں اور جنہوں نے بدکاریاں کیں، سو ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ جب چاہیں گے کہ وہاں سے نکلیں تو اس میں پھر داخل کر دیے جاویں گے اور اُن کو کہا جاوے گا آگ کا وہ عذاب چکھو کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور البتہ (دنیا میں بھی) ہم اُن کو تھوڑا سا عذاب چکھا دیں گے، بڑے عذاب سے پہلے تا کہ وہ رجوع کریں اور بھلا اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جس کو اُس کے رب کی آیتوں سے سمجھایا جاوے، پھر وہ اُن سے منہ موڑے، ہم کو تو گناہ گاروں سے ضرور بدلہ لینا ہے۔

ترکیب : افمن الاستفہام للانکار ای لیس المومن کالکافر، لایستون تاکید لما تضمنہ الاستفہام والجمع لرعایۃ معنیٰ من وھو مفرد لفظا جمع معنی۔ اما الذین الخ ھذا التفصیل تقریر لایستون جنت الماوی ای التی فیھا المساکن والدور والغرف العالیۃ (ابن کثیر) الماویٰ ما یاوی الیہ وقیل الماوی اسم للجنۃ۔

تفسیر : مومنوں کے درجاتِ آخرت سن کر ایک خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اللہ کے مومن و کافر نیک و بد سب بندے برابر ہیں۔ اُس کو نہ نیک سے فائدہ نہ بد سے نقصان پھر نیکوں کے لیے یہ کچھ درجات' بدوں کے واسطے یہ مصائب اُس کے عدل و انصاف کے خلاف ہے اور کچھ عجیب نہیں کہ کفار بھی اپنی بت پرستی اور دیگر کوششوں پر اپنے تیئں ان نعمتوں کے مستحق سمجھتے ہوں، اس کا جواب اس آیت میں دیتا ہے۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ کہ بھلا مومن اور فاسق دونوں برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر اس کی اور بھی توضیح کرتا ہے۔ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ وہ جو ایمان لائے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں۔ نیک کاموں کی شرح پہلی آیتوں

میں آ چکی ہے۔ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى کہ ان کا مقام جنت میں ہے۔ وہی ان کا اصلی مقام ہے، دُنیا ایک کوچ کر جانے کی منزل ہے۔ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ مقام قدس اُن کی مہمانی میں دیا جاوے گا، ان کے ان کاموں کے بدلہ میں جو وہ دُنیا میں کیا کرتے تھے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اور وہ جو فاسق ہو گئے یعنی خدا کے حکم سے نافرمان ہو گئے۔ یہ عام ہے کفر و معصیت دونوں فسق ہیں۔ فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ ان کا گھر ہے۔ یہ دُنیا کے عمدہ محل اور نفیس باغ تو چند روز کے لیے ہیں۔ دُنیا میں شہوت کی آگ میں مبتلا تھے، وہی آتشِ شہوت نارِ جہنم بن جائے گی۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا جب وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر وہیں دھکے دے کر پہنچا دیے جائیں گی، یعنی نکلنے نہ پاویں گے کس لیے کہ وہ دنیا میں اس آگ سے نہ نکلتے تھے۔ وَقِيْلَ لَهُمْ الخ اور اُن سے کہہ دیا جاوے گا کہ آج اس آتش کے عذاب کا مزہ چکھو کہ جس کو تم دُنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ جب کوئی کہتا تھا کہ اس فعلِ بد کی سزا جہنم ہے تو کہہ دیتے تھے، یہ جنت اور جہنم سب فرضی باتیں ہیں۔ بے وقوفوں کے ڈرانے کے لیے اس پر وہ اپنی دولت و حشمت کے گھمنڈ پر قہقہے لگایا کرتے تھے، چنانچہ کسی بدکردار شاعر نے اس پر بہت کچھ مضحکہ کیا ہے اور آج کل عیاش' ملحد منش اپنی محفلوں میں بہت کچھ قہقہے اڑایا کرتے ہیں، وہاں ان کو کہا جاوے گا۔ یہ وہ آگ ہے کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى الخ اب یہ بات ارشاد فرماتا ہے کہ اس خیال میں نہ رہنا کہ آخرت ہی میں عذاب آوے گا۔ دنیا میں تو مزے سے گزرتی ہے بلکہ آخرت کے عذاب سے پہلے دُنیا میں بھی ہم ان کو عذاب دیں گے، گو یا وہ کتنا ہی بڑا ہو مگر عذابِ آخرت کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے، چنانچہ اس پیشین گوئی کے موافق اہلِ مکہ پر عذابِ ادنیٰ آیا سات برس تک وہ قحط[1] پڑا کہ مردار اور کتوں کے کھانے کی نوبت آ گئی۔ اگرچہ آیت میں روئے سخن اہلِ مکہ کی طرف ہے، مگر سب فاسقوں کی طرف اشارہ ہے۔

کتبِ تواریخ شاہد ہیں کہ دُنیا میں جس قوم نے بدکاری' شہوت پرستی اختیار کی وہ دُنیا ہی میں برباد اور تباہ کئے گئے۔ سلطنتیں چھین لی گئیں، لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ ان کی جورو اور بیٹیوں کو بے حرمت کیا گیا۔ یہ عذاب ان کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ کہ کاش وہ خدا کی طرف رجوع کریں تو بہ کر کے صلاحیت اختیار کریں، مگر افسوس کہ جو اس کے بعد بھی رجوع نہیں کرتے۔ جان لو کہ وہ خدا کی بارگاہ سے راندے ہوئے ہیں، ان کو کبھی خوش وقتی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اہلِ اسلام کے امراء کو عبرت کرنا چاہیے۔ ومن اظلم الخ میں یہی بات بتلاتا ہے کہ اس سے زیادہ کون بدبخت ظالم ہے کہ جس کو اللہ کی آیتوں سے سمجھایا جاتا ہے، پھر وہ اُس سے اعراض کرتا ہو، پھر ہم ایسے مجرموں سے کیوں نہ انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

[1] نسائی نے عذاب الادنیٰ کی تفسیر میں بھی روایت کی ہے اور ابن عباس کہتے ہیں اس سے مصائب دنیا مراد ہیں ابن کثیر۔ ۱۲ منہ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور البتہ موسیٰ کو بھی ہم نے کتاب دی تھی، پھر تو اس کے ملنے میں شبہ نہ کریں اور ہم نے ہی اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما بنایا تھا اور ہم نے اُن میں سے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا تھا۔ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا کہ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، کیا ان کو اس سے بھی رہنمائی نہ ہوئی کہ اُن سے پہلے ہم نے کتنے قرن غارت کردیے کہ لوگ جن کے گھروں میں (چلتے) پھرتے ہیں، البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ پھر کیا وہ سنتے بھی نہیں، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف رواں کر کے اُس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ جس کو ان کے چارپائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، پھر کیا وہ دیکھتے بھی نہیں اور کافر کہتے ہیں کب ہے یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو، کہہ دو فیصلہ کے دن تو کافروں کو ایمان لانا کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ اُن کو مہلت ہی دی جائے گی۔ پس ان سے کنارہ کرو اور انتظار کرتے رہو۔ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

ترکیب: من لقائہ یجوز ان یرجع الضمیر فی لقاء الی اللہ ای من لقاء موسیٰ اللہ فالمصدر مضاف الی المفعول۔ وان یرجع الی موسیٰ ای من لقاء موسی الکتاب او الشدۃ والانکار من قومہ فیکون المصدر مضافا الی الفاعل۔ وقیل یرجع الی الکتاب ای فلا تکن فی شک من لقاء الکتاب من اللہ تعالیٰ کما قال، انک لتلقی القرآن وقیل من لقاءک موسیٰ۔ کما وقع فی لیلۃ المعراج او فی القیامۃ لما بالتشدید ظرف والعامل یھدون او جعلنا۔ وبالتخفیف مصدریۃ۔

تفسیر: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ الخ یہاں سے پھر مسئلہ رسالت کا ثبوت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دی تھی، پھر اے محمد (ﷺ) آپ کتاب کے ملنے میں شبہ نہ کریں کیونکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں گمراہی بڑھ گئی تھی، بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے توریت نازل کی گئی، اسی طرح آپ کے عہد میں تمام عالم گمراہ ہوگیا تھا، ان کی ہدایت کے لیے تم کو نبی بنانا اور تم کو کتاب دینا ضرور رہوا۔ آنحضرت ﷺ کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا۔ کتاب یعنی قرآن پاچکے تھے، بلکہ یہ اور لوگوں کے لیے فرمایا کہ تم اس میں شبہ نہ کرو بعض مفسرین کہتے ہیں۔ جیسا کہ مجاہد وکلبی وسدی کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد (ﷺ) ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے، چنانچہ شب معراج میں آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے بیت المقدس یا آسمان میں ملاقات کی۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج میں ملاقات کی ہے، وہ بلند قامت گھنگر والے بالوں والے تھے۔ جیسا کہ شنوءۃ کے آدمی ہوتے ہیں، اسی طرح بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو سرخ ڈھیر کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، بعض کہتے ہیں یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے تکلیف پائی، آپ بھی پاویں گے۔ اس میں شک نہ کرنا چاہیے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی ہم نے یہ سلسلہ جاری رکھا کہ انہی سے پیشوا لوگوں کی ہدایت کے لیے قائم کیے، وہ برداشت کر کے ہدایت کیے جاتے تھے، پھر محمد (ﷺ) کا رسول بنانا اور اُس پر قرآن نازل کرنا کون سی نئی بات

ہوگئی، جس پر کفار اس قدر تعجب وانکار کرتے ہیں؟ ان ربك مگر موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے آنے پر بھی لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا، دین اور کتاب میں تحریف شروع ہوئی جس کا فیصلہ ہم کر دیں گے کہ کون حق پر تھا؟ کون ناحق پر؟ اس جملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ضرورت کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کے طریقہ میں اختلاف پڑ جانے کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح کے لیے نبی کر کے بھیجا گیا۔

اَوَلَمۡ یَھۡدِ لَھُمۡ یہاں سے اپنی قدرتِ کاملہ اور دُنیا کے بے ثبات ہونے پر دو دلیلیں پیش کر کے یوم الفتح کے آنے کا وعدہ دیتا ہے اور حضرت کو اس دن کے انتظار کا متوقع کر کے سورہ[1] کو تمام کرتا ہے۔ اول تو یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے سے پہلوں کے مکاناتِ شکستہ پر سے گزرتے ہیں جو عبرت کا نمونہ ہیں، پھر کیا اس سے ان کو ہدایت نہیں ہوتی۔ غور نہیں کرتے کہ ان کے بنانے والے کون تھے، کہاں گئے، ان کے دل میں کیا کیا امیدیں ہوں گی؟ اسی طرح ایک دن تمہارے لیے ہے۔ دوسری دلیل اَوَلَمۡ یَرَوۡا کہ خشک زمین کو نہیں دیکھتے کہ اس کو ہم پانی سے کس طرح شاداب کرتے ہیں۔ ان کی اور ان کے چارپایوں کی روزی پیدا کرتے ہیں۔ اناج گھانس پھر کیا ہم بار دگر پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ پہلی دلیل میں افنا، دوسری میں ایجاد کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی دلیل کے بعد اَفَلَا یَسۡمَعُوۡنَ فرمایا تھا۔ کس لیے کہ گزشتہ لوگوں کا حال سننے سے علاقہ رکھتا ہے، دوسری کے اخیر میں اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ کس لیے کہ زمین کا خشک ہونے کے بعد شاداب دیکھنا بصارت سے متعلق ہے۔ اہلِ اسلام ان کے انکار پر آیندہ بلاؤں کا آنا ایک دن پر محول کرتے تھے، جس پر کفار نے پوچھا مَتٰی ھٰذَا الۡفَتۡحُ کہ وہ فیصلہ کا دن کب ہے، اس سے مراد قیامت[2] کا دن ہے (مجاہد) قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ جواب دیتا ہے کہ اس کی تعیین دریافت کرنے سے تم کو فائدہ۔ اگر یہ غرض ہے کہ اُس دن ایمان لے آویں گے تو اُس دن ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا نہ ان کو مہلت ملے گی، پس اے نبی! ان سے کنارہ کرو بحث نہ کرو اور منتظر رہو وہ بھی منتظر ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ‏ ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۙ‏ ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا‏ ﴿۳﴾

اے نبی اللہ سے ڈرا کرو اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا البتہ اللہ جو ہے سو خبردار حکیم ہے اور جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے اسی پر چلا کرو، البتہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کیا کرتے ہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کارسازی کے لیے بس ہے۔

ترکیب : من ربك متعلق بیوحیٰ وکیلا تمیز للکفیٰ باللہ فاعلہ والباء زائدۃ۔

[1] بخاری نے کتاب الجمعہ میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ ھل اتی پڑھا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں بھی یہی آیا ہے۔ احمد دارمی و ترمذی ونسائی وحاکم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سورہ سجدہ اور سورہ تبارک الذی کے پڑھے نہ سویا کرتے تھے ان کے فضائل میں اور بھی احادیث ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] فراء وقتیبی کہتے ہیں فتح مکہ سدی کہتے ہیں بدر کا دن۔ ۱۲ منہ

تفسیر : احزاب حزب کی جمع جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں، اس سورہ میں ان جماعتوں کا بھی تذکرہ ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر چڑھ کر آئی تھیں اور چاروں طرف سے مدینہ طیبہ کو گھیر لیا تھا، جس کی مدافعت کے لیے حضرت ﷺ نے شہر کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا تھا، اس واقعہ کو غزوۂ خندق کہتے ہیں جو شوال کے مہینے میں اُحد کی لڑائی کے ایک برس بعد ہجرت کے پانچویں سال میں واقع ہوا تھا، اس لیے اس سورہ کا نام سورۂ احزاب ہو گیا۔

یہ سورہ بقول ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم مدینہ میں نازل ہوئی ہے، بعض روایتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ اس سورہ میں سے بعض آیات آنحضرت ﷺ کے عہد میں منسوخ التلاوۃ ہوگئی ہیں۔ گو اس سے بھی قرآن مجید پر تحریف کا الزام قائم نہیں ہوسکتا، کس لیے کہ تحریف جب ہوتی ہے کہ جب آپ کے بعد قرآن میں کمی کی جاتی ...... یا آپ کے بغیر اجازت اور جبکہ مُنزّلِ قرآن ہی نے کسی قدر اجزاء کو کسی حکمت سے کم کر دیا تو پھر کسی کو کیا مجالِ گفتگو ہے، اس بحث کو ہم تعریف القرآن جواب تحریف القرآن میں خوب بیان کر چکے ہیں، مگر ابو مسلم وغیرہ محققین اس کے سرے سے قائل ہی نہیں، وہ ان آیاتِ منسوخ التلاوۃ کو قرآنی آیات نہیں کہتے بلکہ وہ جملہ بطور تفسیر کے آنحضرت ﷺ نے پڑھے تھے، جس کو لوگوں نے آیت سمجھ کر اپنے مصاحف میں لکھ لیا، مگر جب قرآن اصلی حالت پر لکھوایا گیا عرضہ اخیرہ کے مطابق اس میں درج نہ ہونے دیا۔

سورہ سجدہ کے اخیر میں آنحضرت ﷺ کو انتظار کا حکم دیا گیا تھا اور نصرت کا وعدہ بھی تھا، ایسی حالت میں کچھ عجب نہیں کہ کفار و منافقین نے آنحضرت ﷺ کو اپنی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا ہو کہ آپ فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ کے دین میں آجاتے ہیں، ورنہ ہم آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو ستائیں گے۔ گو آپ سے یہ بات متوقع نہ تھی مگر ایسی خطرناک حالتوں میں طبیعتِ انسانی کا مائل ہو جانا کچھ بعید نہیں، اس لیے بنظرِ احتیاط آنحضرت ﷺ کو اول ہی آگاہ کر دیا۔ فقال یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی! اس میں آنحضرت ﷺ کی کمال عزت ہے کہ قرآن مجید میں کسی جگہ آپ کا اسم مبارک لے کر نہیں پکارا گیا، بلکہ بلقبِ نبی یا رسول یا مزمل یا مدثر یاد فرمایا گیا اتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈرا کرو اور کسی سے نہ ڈرو۔ اگرچہ آپ اللہ ہی سے ڈرتے تھے مگر یا اس پر دوام کے لیے یا ازدیاد کے لیے یہ حکم دیا کہ تقویٰ کا بے نہایت میدان ہے۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا۔ واحدی کہتے ہیں کافروں میں سے ابوسفیان و عکرمہ و ابوالاعور اور منافقوں میں سے عبداللہ بن ابی و عبداللہ بن ابی سرح آپ سے طرح طرح کی باتیں دھمکی دے کر کہا کرتے تھے کہ ایسا کر ایسا کر۔ ان کا کہنا اس لیے نہ مان کہ وہ یہ باتیں کہتے ہیں جس کو مصلحتِ الٰہی نہیں چاہتی تھی، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا البتہ اللہ عالم ہے۔ ہر بات کی ابتداء و انتہاء شروع و انجام جانتا ہے، اس نے جو کچھ حکم دیا ہے اس میں سراسر حکمت ہے۔ پس وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اللہ نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی ہے اسی پر چلو اور نہایت استحکام اور صدقِ دل سے وحی کا اتباع کرو، کس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے، اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔ ان سرکشوں کی دھمکیوں سے نہ ڈرو وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اللہ پر بھروسہ رکھو، وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا وہ کافی ہے، سب کار وہی کر دے گا، کوئی دشمن تم پر غلبہ نہ پاوے گا۔

حاصلِ کلام جب قومیں ورطۂ ضلالت میں غرق ہوں اور جہالت کی تاریک اندھیریوں میں بند ہوں، اس وقت خدا کے ہادی کو جو قوانینِ ملیہ و احکامِ سیاسیہ کا سرچشمہ اس کا الہام ہو بڑا مستقل رہنا چاہیے، لوگوں کی بے ہودہ خواہشوں کی تعمیل اور خلاف ایذاء و تکلیف کی کچھ بھی پروا نہ کرنا چاہیے۔ قرآن نے لوگوں کو ہمیشہ[1] کے لیے کیا عمدہ قانون بتلا دیا ہے۔

---

[1] یعنی کلام بھی اور خطاب بھی ہے۔ لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥

اور اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور نہ اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو کہ جن سے تم ظہار کر بیٹھے ہو تمہاری ماں بنایا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے۔ یہ تمہارے منہ کی بات ہے اور اللہ سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ بتاتا ہے، ان کو ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے، اگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں اور بھول چوک میں تم پر کچھ گناہ بھی نہیں ہاں دل سے قصد کر کے کہنے میں (گناہ ہے) اور اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ نبی ایمانداروں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ اقرب ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور اہلِ قرابت آپس میں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں، ایمانداروں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ تم اپنے رفیقوں سے (کچھ) احسان کرو۔ یہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔

تفسیر......کسی کے دو دل نہیں: پہلے فرمایا تھا کہ خلوص کے ساتھ وحی کا اتباع کرو، اب ماجعل اللہ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ مقتضائے خلوص یہی ہے کہ ایک طرف کا ہو جائے، دو دلی اچھی نہیں۔ اس دو دلی کو اس جملہ میں رد کیا۔ دو دلی یا دو رنگی کے باطل کرنے کے لیے یہ جملہ ضرب المثل ہے۔ محاورۂ عرب میں اس محل پر یہی جملہ بولا کرتے ہیں کہ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے ہیں، دل ایک ہی ہوتا ہے، اب اس میں محبت واطاعت بھر لو یا بغض و نافرمانی۔ یہ نفاق کی قطع و برید کے لیے بڑا پر اثر جملہ ہے، عرب کے شاطر وفہیم تفاخراً یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہمارے دو دل ہیں اور اسی لیے ابی عرب جمیل بن معمر کا یہ لقب ہو گیا تھا، اسی چالاکی پر مدینہ کے منافق دو طرفہ باتیں کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اسی پر متفرع کر کے دو باتیں اور ارشاد فرماتا ہے جو احکامِ آئندہ کے لیے تمہید ہیں اور جن سے مخالفوں کے طعن اٹھانے منظور ہیں۔ اول وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ الخ کہ تم جن بیویوں کو غصہ میں ماں کہہ بیٹھتے ہو، وہ تمہاری مائیں نہیں بن جاتیں۔ جاہلیت میں عرب کا

دستور تھا کہ وہ خفا ہو کر بیوی کو کہہ دیتے تھے۔ انت کظہر امی تو مجھ پر اس طرح حرام ہے کہ جیسی میری ماں کی ظہر یعنی پشت مجھ پر حرام ہے۔ پشت کے نام سے کنایہ سترِ خاص کی طرف ہوتا تھا، مگر شرم و تہذیب کے سبب سترِ خاص کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ یہ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھی۔ اسلام میں ایسی تشبیہات کو ظہار کہتے ہیں، اس کا حکم مفصل سورۂ مجادلہ میں آوے گا۔

اسلام میں متبنیٰ کوئی چیز نہیں : دوسری بات وَمَاجَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ کہ جن کو تم خوشی میں بیٹا کہہ لیتے ہو وہ درحقیقت تمہارے بیٹے نہیں بن جاتے، جس طرح وہ غصہ کی بات بیوی کو ماں نہیں کر دیتی اسی طرح خوشی کی بات کہ کسی کو بیٹا کہہ لو یا بیٹا بنا لو غیر کو بیٹا نہیں بنا دیتی۔ جاہلیت میں دستور تھا کہ کوئی کسی کو بیٹا بنا لیتا تھا، یعنی متبنیٰ کر لیتا تھا جس طرح کہ ہنود گود لے لیتے ہیں، پھر وہ شخص اصلی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور اسی کی میراث بھی پاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی وحی سے پہلے زید بن حارثہ کلبی کو بیٹا کر لیا تھا، لوگ اس کو زید بن محمد کہا کرتے تھے، چنانچہ بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ ہم زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن میں آ گیا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ انتہی۔ تب آنحضرت ﷺ نے خود کہہ دیا کہ تو زید بن حارثہ بن شراجیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس الحاق اور اس نسبتِ جاہلیت کو بھی رد کر دیا، اب اسلام میں متبنیٰ بنانا کوئی چیز نہیں رہا۔ فَقَالَ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ یہ صرف تمہاری منہ کی باتیں ہیں۔ عنداللہ ان کی کچھ بھی اصل نہیں نہ کسی کے لیے دو دل ہیں، نہ کوئی بیوی کسی کی ماں ہے، نہ کوئی غیر کا بیٹا بیٹا ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ سچی بات اللہ کہتا ہے اور وہی سیدھا رستہ بتاتا ہے نہ وہ کہ جو تم کہتے ہو۔

تیسری بات کی بابت سیدھا رستہ بتانے کے لیے یہ حکم دیتا ہے۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ الخ کہ ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہتر اور انصاف کی بات ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو بھائی یا مولیٰ فلاں کہہ کے پکارا کرو۔ قال الزجاج موالیکم ای اولیاء وکم فی الدین اور بعض کہتے ہیں اگر آزاد ہے اور اس کے باپ کا نام معلوم نہیں تو بھائی کہہ کے پکارو اور اگر غلام ہو تو مولیٰ فلاں اس کے آقا کے نام سے پکارو۔ موالی مولیٰ کی جمع ہے جو ولاء سے مشتق ہے جس کے معنی قرابت اور نزدیکی کے ہیں۔ قرابتِ نسبی کے علاوہ اسلام میں قرابت سببی بھی معتبر ہے، پھر اس کی دو قسم ہیں۔ ایک موالاۃ و مواخاۃ کہ باہم دو شخصوں کا ایسا عقد دوستی مستحکم ہو جاوے کہ ایک دوسرے کے نیک و بد میں شریک ہونا لازمی سمجھے۔ ابتداءً اسلام میں اس سے وراثت بھی دلائی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ مدینہ میں اسی طرح سے ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیتے تھے جو ایک دوسرے کے رنج و راحت کا شریک ہوتا تھا۔ خصوصاً پردیسیوں کے لیے اس سے بڑا فائدہ تھا، اب بھی گو توریث نہ ہو، مگر اس قسم کی موالاۃ بڑی عمدہ بات ہے اور اسی طرح قبائلِ عرب میں موالاۃ ہوا کرتی تھی۔ خصوصاً پردیس اور غیر برادری کے لوگ کسی قبیلہ کے ساتھ ایسی برادری قائم کر کے بڑی عافیت سے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ وہ شخص انہی کی طرف منسوب ہوا کرتا تھا، کہتے تھے مولیٰ فلاں، دوسری ولاءِ عتاقت کہ جو کوئی کسی کو آزاد کرتا تھا تو آزاد کردہ اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ اس کو بھی مولیٰ فلاں کہتے تھے، اسی طرح جو کوئی کسی کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا وہ بھی اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا، اس کو بھی مولیٰ فلاں کہتے تھی۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ عجمی لوگوں کے بزرگ جب اسلام لائے اپنے مرشدوں کے مولا کہلائے، جس کو بعض نے غلطی سے غلام ہونا سمجھ لیا۔ حاصل کلام یہ کہ جس قسم کی موالاۃ پائی جائے تو جس کے حق میں وہ موالاۃ ثابت ہو اس کی طرف منسوب کر دو یہ بات عرب میں تحقیر کا سبب نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس قسم کا انتساب باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ ہاں اس اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام دور دراز ملکوں میں پھیل گیا اور بزرگوں کی طرف موالاۃ کا جو انتساب چلا آتا تھا، وہ نسب کی طرف رجوع کر گیا۔ پچھلوں نے اپنے آپ کو انہی کی اولاد مشہور کر دیا۔ سینکڑوں سید سینکڑوں صدیقی، سینکڑوں فاروقی ہزاروں عثمانی، ہندوستان میں اسی قسم کے ملیں گے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی غیر باپ کو باپ جان کر بناوے تو کافر ہے اور اسی وجہ سے طعن فی الانساب کا دستور آج ہندوستان میں ہو گیا اور نئی قومیں جو

اسلام میں داخل ہوتی ہیں خواہ دورِ جاہلیت میں شریف ہی کیوں نہ ہوں، ان کو یہ نالائق طعن کرنے لگے جو اسلام کے لیے ایک بدنما دھبہ بن گیا، فرماتا ہے۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اگر غلطی[1] سے تمہارے منہ سے نکل جاوے اور غیر کی طرف اس کو منسوب کر دیا جاوے تو تم پر کچھ گناہ نہیں، ہاں عمداً کرو گے تو گنہگار ہو گے، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

چونکہ اخوت فی الدین اور ولایت کا ذکر تھا اور ضمناً زید بن حارثہ کا بیٹا ہونا بھی باطل کر دیا گیا تھا جس سے وہم گزرتا تھا کہ نبی کو اب کسی امتی سے کوئی تعلق نہیں رہا، اس لیے اس آیت اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں نبی ﷺ کا رشتہ بتلا کر اس وہم کو دفع کر دیا گیا کہ نبی کا رشتہ قرابت مسلمانوں کے لیے ان کی ذات سے بھی زیادہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ہر ایک مومن کے لیے میں سب سے زیادہ ولی ہوں، دُنیا اور آخرت میں اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ دیکھو، اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى الآیۃ جو کوئی مسلمان مال چھوڑ کر مرے تو اس کو اس کے قرابت دار لیویں جو کوئی ہوں، اگر قرض چھوڑے یا عیال چھوڑے تو میرے پاس قرض خواہ آوے کہ میں اس کا متولی اور کارکن اور متکفل ہوں اور اسی طرح اس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بابِ استقراض میں روایت کیا ہے اور اسی کے معنی میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ ابومسعود کی قرأت میں اس کے بعد وھواب لھم بھی آیا ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کا باپ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ ہر نبی اُمت کا باپ ہے اور اسی لیے سب اہل ایمان بھائی ہیں، ایک روحانی باپ کے بیٹے آگے جو آئے گا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الآیۃ کہ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں تو وہ اس کے مخالف نہیں ہے، کس لیے کہ یہاں باپ ہونے سے اور اسی طرح حضرت کی بیویوں کے ماں ہونے سے روحانی ماں باپ ہونا مراد ہے اور اس آیت میں جو باپ ہونے کا انکار ہے تو جسمانی باپ ہونے کا انکار ہے، جس کو عرف میں باپ کہتے ہیں۔

اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ نبی روحانی باپ ہے۔ عرفی باپ کے سبب دنیا کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور اس باپ کے طفیل کہ جس پر سینکڑوں ماں باپ کو قربان کر دیا جاوے حیاتِ ابدی نصیب ہوتی ہے۔ پس عرفی باپ کا جس قدر ادب اور اس کی اطاعت فرض ہے، اس سے لاکھ درجے بڑھ کر اس روحانی باپ کی اطاعت و محبت فرض ہے اور ہر طرح سے ادب واجب ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ الخ کہ تیرے رب کی قسم وہ ایماندار نہ ہوں گے، جب تک کہ دل سے تیرے فیصلہ کو تسلیم نہ کریں گے۔ صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بخدا تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے جان اور مال اور اولاد سب لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور روحانی باپ کی جب تک اس قدر محبت نہ ہوگی، کبھی سعادت نصیب نہ ہوگی، اس محبت سے مومن اس کے مقابلہ میں ماں باپ امیر غریب کسی کی پروا نہیں کرتا۔ نفسی فداک یا محمد (ﷺ) باوجود اس نصِ قطعی جاننے کے آنحضرت فداہ ابی و امی کو بڑے بھائی سے تشبیہ دینا گستاخی اور بدنصیبی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی ماں ہیں، یعنی جس طرح ماں کا ادب اور تعظیم واجب ہے اسی طرح ان کا بھی اور جس طرح ماں سے نکاح حرام ہے، ان سے بھی مگر اس میں نبی کی بیویوں کی بیٹیاں شامل نہیں، کس لیے کہ ان سے نکاح درست ہے۔ حیف ہے، ان لوگوں پر کہ جو حضرت ﷺ کی بیوی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے گستاخی کرتے ہیں، اسی طرح حضرت ﷺ کی اولاد اور خاندان کی محبت و تعظیم لازم ہے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ ابن عباس و سعید بن جبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم سلف سے خلف تک یہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں جبکہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آتے تھے، ان کے خویش و اقارب کفر کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے تو مہاجرین و انصار میں ایک دوسرے کا اسلام و ہجرت اور باہمی بھائی چارہ کی وجہ سے وارث قرار دیا جاتا تھا۔ پھر جب لوگوں کے اقارب بھی اسلام میں داخل ہوئے تو یہ حکم اس آیت سے منسوخ

---

[1] یہ جناح کا ترجمہ ہے جو بفتح معجمہ ہے۔

ہو گیا۔ اس آیت میں صاف حکم ہو گیا کہ ایماندار و مہاجرا قارب زیادہ تر ولی ہیں اور مہاجروں، ایمانداروں سے کہ جن سے مواخاۃ قائم ہوئی تھی۔ یہی وارث ہوں گے۔ اِلَّآ اَنۡ تَفۡعَلُوۡٓا اِلٰٓی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تم اپنے ان انصار و مہاجرین بھائیوں سے اور کوئی نیکی کرو، ہمدردی محبت اور مرتے وقت وصیت کر جاؤ کَانَ ذٰلِکَ الخ یہ حکم اس کتاب ازل میں مندرج ہو چکا جو کبھی نہ بدلے نہ متغیر ہو، یعنی کتاب قضاء و قدر میں۔

ابحاث: اول: من قلبین مفعول لجعل ومن زائدۃ۔ فی جوفہ متعلق بجعل اوصفۃ لقلبین۔ لرجل متعلق بجعل اومفعول[1] اول ویمکن ان یکون المعنی ما جمع قلبین فی جوف رجل۔ ازواجکم موصوف الئی جمع التی والاصل اثبات الیاء ویجوز حذفہا اجتزاءً بالکسرۃ مضارع ظاہر وقرئ مضارع تظاہر والاصل تظاہرون وقرئ تظہرون والاصل تتظہرون فادغمت التاء الثانیۃ فی الظاء بعد ابدالہا طاء والجملۃ مع الموصول والصلۃ صفۃ لازواجکم وہی مفعول اول لجعل امہتکم مفعول ثان۔ وکذا ادعیاء کم مفعول اول وابناءکم مفعول ثان لہ ادعیاء، جمع دعی فعیل بمعنی مفعول من الدعوۃ بالکسر۔ فی القاموس الدعوۃ بالکسر الادعاء فی النسب وھذا الجمع علی خلاف القیاس لان القیاس ان یکون جمع الفعیل المعتل اللام اذا کان بمعنی فاعل افعلاء کتقی واتقیاء وغنی واغنیاء وھھنا وان کان فعیل معتل اللام لان اصلہ دعیو فادغم لکنہ لیس بمعنی فاعل بل انہ بمعنی مفعول فکان القیاس جمعہ علی فعلی کقتیل وقتلی وجریح وجرحیٰ، مریض ومرضیٰ، فکانہ شبہ بفعیل بمعنی فاعل فجاء جمعہ شذوذا علی افعلاء کاسیر واساریٰ۔ کذا قیل ھو اقسط الضمیر المصدر ادعوا فاخوانکم بالرفع ای فھم اخوانکم وبالنصب ای فادعوھم اخوانکم ولکن ما مانی موضع جر عطفا علی ما ویمکن ان یکون فی موضع رفع علی الابتداء والخبر محذوف بعضھم یجوز ان یکون بدلا وان یکون مبتداء فی کتب اللہ یتعلق باولیٰ وافعل یعمل فی الجار والجر وھو یجوز ان یکون حالا والعامل فیہ معنی اولیٰ۔ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُھٰجِرِیۡنَ، یجوز ان یکون متصلا باولی الارحام فینتصب علی التبیین ای اعنی فیکون المعنی واولوا الارحام من المؤمنین والمہاجرین اولیٰ بالمیراث من الاجانب ویجوز ان یکون صلۃ لاولی فیکون المعنی اولوا الارحام بحق القرابۃ اولیٰ بالمیراث من المؤمنین والمہاجرین بحق الدین والہجرۃ۔ الا ان تفعلوا استثناء اما متصل من اعم العام والتقدیر اولیٰ ببعض فی کل شیءٍ من الارث وغیرہ الا فی فعل المعروف من صدقۃ اووصیۃ فان ذلک جائز للاولیاء واما منقطع والتقدیر لکن فعل المعروف للاولیاء لاباس بہ۔

دوم: ان آیات میں علاوہ کمال بلاغت وفصاحت کے امور سیاسیہ واسرارِ حکمت کی نہایت رعایت کی گئی ہے۔ اول یہ کہ امورِ قدرت میں عادت اللہ کو کس محل پر بیان فرمایا کہ وہ ایک ظرف میں دو دل نہیں بناتا، کس لیے کہ قلب معدن ہے روحِ حیوانی کا' جو نفسِ انسانی سے سب سے اول متعلق ہوتی ہے اور منبع ہے تمام قویٰ کا اگر جسم میں دو دل ہوں تو تناقض پیدا ہو جاوے، کیونکہ اگر ایک کو ان سب باتوں کے لیے کارآمد قرار دیں گے تو دوسرا بیکار ہو جاوے گا۔ انسان قدرتِ الٰہیہ کا آئینہ ہے، اس میں ایسی چیز کا بیکار رہنا حکیمِ مطلق کی حکمت کے خلاف ہے۔

دوم یہ کہ قدرتی باتوں کے علاوہ عادی اور عرفی باتوں میں بھی اس نے اپنے ہی قانون قدرت کو غالب رکھا ہے۔ انسان کے نام بدل دینے سے امورِ واقعیہ کی حقیقت نہیں بدل سکتی، اس کی نظیر میں دو باتیں پیش کیں۔ بیوی کو ماں کہنے سے ماں نہیں ہو جاتی، غیر کا بیٹا بیٹا کہنے سے اپنا بیٹا نہیں ہو جاتا، اس کے بعد بول چال میں ادب کی تعلیم فرمائی۔ واقعات کا لحاظ رکھ کر اور محبت کا برتاوا بتلایا کہ یہ کہہ کر پکارو اور اس میں بنی آدم کے باہمی سچے رابطے بھی بیان کر دیے، وہ کیا دینی برادری، قرابتِ نسبی، موالاۃ، مواخاۃ، پھر اُمت سے جو رسول کو رابطہ ہے وہ بتلایا کہ وہ دینی باپ ہے۔ تمہارے حال پر عرفی باپ سے زیادہ مہربان ہے، نہ صرف وہی بلکہ اس کی بیویاں بھی تم پر تمہاری ماؤں سے زیادہ شفیق ہیں، یعنی اس کا پاک خاندان بھی اُمت کے لیے رحمتِ الٰہی ہے ان کی ذاتِ بابرکات سے بھی بے شمار فوائد اُمت کو پہنچتے ہیں اور اسی

---

[1] ای ما جعل اللہ لرجل من قلبین ۱۲ منہ

لیے نبی ﷺ نے اپنی اہلِ بیت کو نوح علیہ السلام کی کشتی سے تشبیہ دی ہے۔ اُمت کو ان سے محبت و ادب ہی کرنا واجب نہیں بلکہ ان کے طریقے کی سچی پیروی بھی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۙ﴿۷﴾ لِّیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۸﴾

اد .(یاد کرو) جبکہ ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام سے بھی اور ان سے ہم نے پکا عہد لیا تھا تاکہ (قیامت کے دن) اللہ سچوں سے ان کے سچ کی بابت پوچھے اور کافروں کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : واذ مقدر باذکر میثاقھم مفعول لاخذنا ومن النبیین متعلق بہ و منك معطوف علی النبیین عطف الخاص علی العام ومن نوح وکذا مابعدہ عطف علیٰ منك باعادۃ الجار لیصح العطف علی الضمیر المتصل واخذنا منھم الخ الجملۃ معطوف علی الجملۃ السابقۃ لبیان ہذا الوصف واعد عطف علی اخذنا اوعلیٰ ماول علیہ لیسئل کانہ قال فاثاب المؤمنین واعد للکافرین۔ بیضاوی

تفسیر : اتباعِ وحی کے حکم کو اول مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ سے مؤکد کیا تھا کہ دل ایک ہے دو نہیں جو دو طرف لگاؤ پس خاص اللہ ہی کی طرف لگانا چاہیے۔ اب اسی حکم کو وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ سے مؤکد کرتا ہے کہ تم کو وحی کا اتباع کرنا پر ضرور ہے، کس لیے کہ تم اے محمد (ﷺ) اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے سب نبیوں سے عہد لیا خصوصاً آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے اور عہد بھی کیسا بڑا مستحکم عہد لیا۔

اب گفتگو اس میں ہے کہ وہ کیا عہد تھا اور کب لیا تھا؟ دوسری بات کی بابت ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انہوں نے ابوالعالیہ سے اور انہوں نے کعب سے یوں نقل کیا ہے کہ یہ عہد اس وقت لیا تھا کہ جب روزِ میثاق میں لوگوں کو آدم کی پشت سے باہر نکالا تھا اور تمام بنی آدم سے عہد لیا تھا جیسا کہ فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ الآیۃ اور وہاں انبیاء سے بالخصوص عہدِ مؤثق لیا تھا اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ اور جگہ بھی اس عہد کا ذکر آیا ہے۔ کما قال اللہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ، مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ عہد انبیاء سے دُنیا میں رسول بنا کر بھیجے جانے کے بعد لیا تھا۔

اول بات کی بابت مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ انبیاء سے جو عہد لیا گیا تھا وہ اس بات کا تھا کہ دینِ الٰہی کو قائم رکھیں، احکامِ الٰہی لوگوں کو سناویں۔ خداتعالیٰ کی رضامندی ہر بات میں مقدم رکھیں اور باہم اتفاق رکھیں اور ایک دوسرے کی مدد کرے۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا یہ دوسرا جملہ کوئی جدا جملہ نہیں کہ جس سے دوسرا عہد سمجھا جاوے بلکہ یہ پہلے جملہ کی تاکید اور اس کا بیان ہے کہ وہ عہد ایسا ویسا نہیں بلکہ بڑا سخت عہد لیا تھا۔ نبی کو جب اسرارِ غیب کا رازداں بنایا جاتا ہے تو اس سے اس قسم کا سخت عہد بھی لیا جاتا ہے۔

فائدہ: اول تو جمیع انبیاء کا ذکر عام طور سے کیا کہ ہم نے ان سے عہد لیا تھا، پھر ان میں سے پانچ نبیوں کا نام لیا جو بڑے اولوالعزم اور صاحبِ شریعت تھے، اگرچہ دُنیا میں حضرت ﷺ کا ظہور سب نبیوں کے بعد ہو کر آپ ہی پر سلسلۂ نبوت تمام کر دیا گیا، مگر آپ عالمِ ازلی میں سب سے پہلے نبی ہیں، چنانچہ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی شرح میں فرمایا ہے کہ میں سب نبیوں سے

پیدا ہونے میں اول ہوں اور بھیجے جانے میں سب سے اخیر ہوں، اس لیے سب سے اول اللہ نے میرا ذکر کیا۔ اس روایت کے سلسلہ میں سعید بن بشیر راوی ضعیف ہے، مگر اس کی مؤید اور بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ اس عہد لینے کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ یہ اس لیے لیا گیا کہ قیامت کے دن انبیاء سے سوال کرے جو اپنے عہد کے پورا کرنے میں صادق تھے کہ تم نے اپنے کام کو پورا اور عہد کو سچا کر دیا۔ لوگوں کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ اس سے منکرین کا الزام دینا مقصود ہوگا اور ممکن ہے کہ صادقین سے انبیاء کی تصدیق کرنے والے لوگ مراد ہوں کیونکہ صادق کا مصدق بھی صادق ہے اور مومنین بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جنھوں نے دنیا میں اپنا عہد سچا کر دیا اور منکروں کو دردناک عذاب ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾
اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

ایمان والو اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہوا جبکہ تم پر لشکر چڑھ آیا، پھر ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا کہ جس کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ دیکھ رہا تھا، جبکہ وہ لوگ تم پر تمہارے اُوپر کی جانب اور نیچے کی جانب سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے تھے اور اللہ سے تم طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس موقع پر ایماندار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیے گئے اور جبکہ منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا صرف دھوکا ہی تھا۔

ترکیب : علیکم صفت لنعمة اللہ۔ اذ جاء تکم ھو مثل اذ کنتم اعداء وقد ذکر فی آل عمران اذ جاء وکم بدل من اذ الاولی وجنود معطوف علی ریحا لم تروھا صفة الجنود الظنونا بالالف فی المصاحف ووجھہ انہ راس ایة فشبہ باواخر الایات ویقرء بغیر الالف علی الاصل۔

تفسیر : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا یہاں سے اپنی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے۔ اپنا احسان اور فضل یاد دلا کر کہ اے ایماندارو اس سخت وقت کو یاد کرو، جبکہ تمہارے اُوپر لشکر چڑھ آئے اور تمہاری سخت حالت ہوگئی تھی، ہم نے ان کو ہزیمت دے کر تم سے ٹال دیا۔

غزوۂ خندق کا واقعہ : یہ غزوۂ خندق کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو موافق قول[1] صحیح کے شوال کے مہینے میں ہجرت کے پانچویں سال واقع ہوا تھا اور اس کا باعث یہ ہوا تھا کہ مدینہ کے پاس یہود کا ایک قبیلہ بنی النضیر رہتا تھا۔ ان کی بدعہدی اور شرارت کی وجہ سے نبی ﷺ نے ان کو وہاں سے نکال دیا تھا، ان میں سے بہت لوگ خیبر[2] جا رہے تھے ان لوگوں میں سے سلام بن ابی الحقیق و سلام بن مشکم و

---

[1] لیکن موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کہتے ہیں۔ چوتھے سال ہوا تھا۔ ۱۲ ابن کثیر

[2] یہ ایک پہاڑی سلسلہ میں مدینہ سے کئی منزل جنوب و شمال کے رخ ایک گڑھی ہے اور چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں باغات اور چشمے بھی ہیں۔ ۱۲ منہ

کنانہ بن الربیع مکہ میں آئے اور قریش کو حضرت ﷺ کے اوپر چڑھائی کے لیے آمادہ کیا اور ان کی مدد کا وعدہ کیا، پھر وہاں سے نکل کر غطفان[1] کے قبیلہ کو بہکایا۔ یہ لوگ اول ہی سے حضرت سے بھرے بیٹھے تھے، لڑائی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان صخر بن حرب اور غطفان کا عیینہ ابن حصن تھا۔ سب کا مجمع قریب دس ہزار کے تھا۔ جب حضرت ﷺ کو خبر ہوئی کہ یہ لوگ آتے ہیں تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کے شرقی جانب میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودنے میں لوگوں نے بہت سے معجزات اور آیاتِ بینات کا مشاہدہ کیا۔ پس مخالفین میں سے کچھ تو مدینہ سے شرقی جانب میں اُحد پہاڑ کے قریب آ اُترے اور کچھ مدینہ سے بلندی کے رُخ اتر پڑے کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ، مدینہ کے ایک رخ بلند سطح ہے، ایک رخ نشیب ہے، بلند سطح پر اترنے سے مراد اُوپر سے آنا ہے۔ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے مراد نشیب کے سطح میں اترنا ہے۔ مدینہ کے لوگ چاروں طرف سے سخت محاصرہ میں آ گئے، ہر طرح کی تکلیف اور ہر وقت کے خوف سے لوگوں کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جس کو اللہ تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں جیسا کہ ڈر کے وقت ہوا کرتا ہے۔ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور دل گلوں تک پہنچ گئے تھے۔ یہ ایک محاورہ عرب کی بات ہے۔ شدت خوف کے وقت یہ کہا کرتے ہیں، جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں۔ ناک میں دم آ گیا تھا یا کہا کرتے ہیں دل باہر نکل پڑے تھے۔ کلیجہ پانی ہو گیا تھا، اس پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے۔ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور تم اللہ سے طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، بس سچے ایماندار تو یہی کہتے تھے هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور اسلام فتح یاب ہوگا اور منافق کہتے ہم مصیبت میں پڑ گئے اور برے گمان دل میں پیدا کرتے تھے۔

الغرض ایسا سخت وقت تھا کہ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا کہ ایماندار آزمائے گئے اور سخت زلزلہ میں پڑے پر کھرے اور مخلص نکلے اور منافق لوگ کہ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا یہ کہنے لگے مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا سب جھوٹ تھا۔ القصہ یہ کفار قریب ایک مہینے کے محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے۔ باہم کوئی صف بستہ ہو کر لڑائی نہیں ہوئی، البتہ تیر باری اور سنگ باری ہوتی رہی، البتہ ایک بار عمرو بن عبدود[1] عامری چند سواروں کو لے کر خندق سے نکل کر مسلمانوں کے قریب آ گیا تھا، اس کے مقابلہ کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نکلے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ آخر کار اللہ نے فضل کیا اور آسمانی لشکر بھیجا، ایک سخت آندھی چلائی اور سردی کے ایام تھے، اس میں سردی بھی نہایت تھی۔ کما قال فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا اس سے وہ نہایت پریشان ہو گئے۔ وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ملائکہ کا لشکر بھی بھیجا جو مسلمانوں کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آخر سب ہراساں ہو کر بھاگے، یہاں تک کہ طلیحہ بن خویلد اسدی نے کہا محمد (ﷺ) نے تم کو سحر میں گرفتار کر لیا، ہوا کے سوا گھوڑوں اور سواروں کی آہٹ ہر طرف سے معلوم ہوتی ہے۔ بھاگو بھاگو پس سب بھاگ گئے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

---

[1] عرب میں بڑا قبیلہ تھا۔ ۱۲ منہ

[2] فان الریۃ تنتفخ من شدۃ الروع فترتفع بارتفاعہا الی راس الحنجرۃ وھی مدخل الطعام والشراب بیضاوی اس تقدیر پر بھی کچھ اعتراض نہیں پڑتا، کیونکہ سخت خوف میں پھیپھڑا پھول کر گلے تک آ جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ
قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ⑮ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ
اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ
ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا
يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ
مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑱ اَشِحَّةً
عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ
كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ
حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ⑲

اور جبکہ ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی کہ مدینہ والو تم (مقابلہ میں) ٹھہر نہ سکو گے سو ہٹ چلو اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے رخصت مانگنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور حالانکہ وہ اکیلے نہ تھے۔ وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے اور اگر کسی طرف سے کوئی ان پر گھس آتا پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاتی تو فساد پر آمادہ ہو جاتے اور دیر نہ کرتے مگر بہت ہی کم۔ حالانکہ اس سے پہلے اللہ سے عہد بھی کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے عہد کرنے کی پرسش ہوتی رہے گی، کہہ دو اگر تم موت یا قتل (کے خوف) سے بھاگو گے تو یہ تم کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور اگر بھاگ کر بچو گے بھی تو چند روز اور دُنیا میں رس بس لو گے۔ اے نبی! ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہارے ساتھ بدی کرنا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے (تو کون منع کر سکتا ہے) اور ان کو اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی نہ حمایتی ملے گا اور نہ مددگار، البتہ اللہ جانتا ہے تم میں سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائی بندوں سے (یہ) کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور وہ خود جنگ میں حاضر نہیں ہوتے مگر بہت ہی کم تمہاری بخیلی سے پھر جب خوف کا وقت آجائے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ آپ ہی کی طرف تکنے لگتے ہیں، ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح پھر رہی ہیں کہ جس پر سکراتِ موت طاری ہو، پھر جب خوف دور ہو جاوے تو تم سے زبان تیز کر کے ملیں گے۔ مال کے لالچ میں، یہ لوگ ایمان بھی نہیں لائے، سو اللہ نے ان کے اعمال حبط کر ڈالے اور یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے۔

ترکیب : یثرب غیر منصرف للتعریف ووزن الفعل وفیہ التانیث، یقولون حال اوتفسیر لیستاذن عورۃ ای ذات عورۃ ویقرء بکسر الواو والفعل منہ عور فھو اسم فاعل، لاتوھا بالقصر جاءوھا وبالمد اعطوھا ماعندھم من القوۃ الایسیرا لبثا یسیرا اوزمانا یسیرا ای قلیلا۔ لایولون الادبار جواب القسم لان عاھدوا بمعنی اقسموا اھلم ذکر فی الانعام الا انہ ھھنا متعد وھذا لازم اشحۃ جمع شحیح بمعنی بخیل ونصبھا علی الحال من فاعل یاتون اوعلی الذم واشحۃ الثانی حال من الضمیر فی سلقوکم ینظرون حال من رایتھم بمعنی البصر تھم تدور حال من فاعل ینظرون۔

تفسیر : ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں کے ظنونِ فاسدہ اور اقوالِ کاذبہ کو نقل کرتا ہے جو اس حادثہ میں بجائے صبر و استقلال کے ان سے ظہور میں آئے اور اس واقعہ میں ان کی لاف زنی کا امتحان ہو گیا۔ تاکہ وقتِ مصائب اہلِ اسلام ایسے خیالاتِ فاسدہ دل میں نہ لائیں۔ آیات میں کوئی بات چنداں تفسیر کرنے کے لائق نہیں، صاف ہیں۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یعنی منافقون کی ایک جماعت نے یہ کہا مقاتل کہتے ہیں وہ بنو سالم کے منافق تھے۔ سدی کہتے ہیں عبداللہ بن ابی اور اس کے یاروں نے کہا تھا، بعض کہتے ہیں بن قیظی اور اس کے دوستوں نے کہا تھا کہ یا اہلِ یثرب لا مقام لکم کہ اے مدینہ والو تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں یا تم دشمن کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔ میدانِ جنگ چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلو یا تم دینِ اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے، دین چھوڑ کر کفر کی طرف رجوع کرو کہ دشمنوں سے پناہ پاؤ۔ یثرب ابو عبیدہ کہتے ہیں یثرب زمین کے ایک قطعہ کا نام ہے اور مدینہ اس کے ایک گوشہ میں آباد ہے، بعض کہتے ہیں خاص مدینہ کا پہلا نام یثرب ہے، بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا مجھے ایسے شہر میں رہنے کا حکم ہوا جو اور شہروں کو کھا جاوے، اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے۔ الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ یثرب مدینہ ہے اور آپ نے پھر یثرب نام لینے سے منع کیا، جیسا کہ امام احمد نے روایت کیا ہے تو اس لیے کہ یثرب کے نام میں سرزنش کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لیے مدینہ نام لینا بہتر ٹھہرایا۔ وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ اور ایک جماعت منافقون کی آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگتی تھی کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں، اجازت دیجیے کہ میدان چھوڑ کر گھر جاویں۔ یہ لوگ بنو حارثہ و بنو سلمہ کے تھے۔ خدا تعالیٰ ان کے عذر کو باطل کرتا ہے کہ یہ صرف انہوں نے بھاگنے کے لیے بہانہ بنایا ہے۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ یعنی ان کے گھروں میں یا مدینہ میں مخالف داخل کیے جاتے۔ مِّنْ اَقْطَارِهَا ای جوانبھا یعنی ہر طرف سے آ جاویں۔

یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ؗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ

ع ۱۸

---

۱ یحسبون حال من احد الضمائر السابقة بادون جمع باد اسوة بالکسر والضم مصدر بمعنی التاسی ہو اسم کان ولکم خبرہ وفی رسول اللہ حال او ظرف ویتعلق بالاستقرار لا باسوہ لمن کان بدل من ضمیر المخاطب باعادة الجاء ومنعہ الاکثر فعلی ھذا یجوز ان یتعلق بحسنة او یکون نعتا لعظیم یجوز ان یکون مفعولا او حالا ولم ینالوا حال من اھل الکتاب حال من ضمیر الفاعل فی ظاہرو ہم ومن صیاصیہم متعلق بانزال فرقة منصوب بتقتلون ۱۲ ابو محمد عبدالحق

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

سمجھتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر (پھر) فوجیں آجائیں تو آرزو کریں کہ کاش ہم باہر گاؤں میں جا رہیں (دور سے) تمہاری خبریں پوچھا کریں اور اگر (کسی مجبوری سے) تم میں بھی رہنا پڑے تو بہت ہی کم لڑیں، البتہ تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہتر تھی، اس کے لیے جو اللہ اور قیامت کی اُمید رکھتا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے اور جب (اے نبی!) ایمان داروں نے فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے کہ جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور فرمانبرداری اور زیادہ ہوگئی۔ ایمان والوں میں سے ایسے بھی آدمی ہیں کہ جنہوں نے جس کا اللہ سے عہد کیا تھا، پھر ان میں سے کچھ تو اپنا کام پورا کر چکے اور کچھ منتظر ہیں اور انہوں نے عہد میں کچھ بھی خلاف نہیں کیا تا کہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو اور منافقوں کو عذاب دے یا ان کو توبہ نصیب کرے، بے شک اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا لوٹا دیا ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اور اللہ مسلمانوں کی طرف سے جنگ کے لیے آپ کافی ہوگیا اور اللہ قوی زبردست ہے اور جن اہلِ کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کی گڑھیوں سے اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کرنے لگے اور ایک فریق کو قید اور تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں میں اور ان کے مالوں اور اس زمین کا وارث کر دیا کہ جس پر تمہارے قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

تفسیر: ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ پھر ایسی حالت میں ان سے دین سے پھر جانے کی یا مسلمانوں سے لڑنے کی درخواست کی جاوے تو آمادہ ہو جاویں، پھر گھروں کے اکیلے ہونے کا کچھ بھی عذر نہ کریں وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ حالانکہ اس سے پہلے یعنی غزوۂ خندق سے پیشتر بدر کی لڑائی کے بعد جبکہ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہوئے اور مسلمانوں کو اللہ نے کامیاب کیا تو اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ اب کبھی پیٹھ نہ دیں گے دل سے لڑیں گے۔ اس کے بعد قضاء وقدر کے مسئلہ سے متنبہ کرتا ہے۔ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمْ کہ اگر تقدیر میں مرنا اور قتل ہونا لکھا ہے تو اس بھاگنے سے کچھ فائدہ نہیں اور بالفرض اگر بھاگ کر بچے بھی تو کب تک؟ اور اللہ کے سوا دنیا میں کوئی مددگار کارساز نہیں، اگر وہ بھلائی یا برائی دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ تعویق ٹالنا دیر کرنا کچھ منافق ایسے ہی تھے جو جنگ میں شریک ہونے سے حیلے بہانے کرتے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ اپنے بھائیوں سے بھی کہتے تھے کہ ہماری طرف آؤ جنگ میں نہ جاؤ۔ یہ ان کا شریک نہ ہونا اور تم کو روکنا ان کی بخالت کی وجہ سے ہے جو اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں اور خوف کی حالت میں ان پر غشی سی طاری ہو جاتی ہے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اے محمد (ﷺ) تمہاری طرف دیکھتے ہیں، یعنی آپ ہی کو ماویٰ و ملجا جانتے ہیں اور جب خوف کا وقت جاتا رہتا ہے تو بھلائی میں شریک ہونے کے لیے بڑی چرب زبانی کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کے عمل برباد کر دیے وہ بے ایمان ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ یہاں سے ان کی اور بزدلی بیان کرتا ہے کہ لشکروں کے چلے جانے پر بھی ان بزدلوں کو یقین نہیں ہوتا کہ کفار کے لشکر بھاگ گئے ہیں، جانتے ہیں کہ ابھی گھرے ہوئے پڑے ہیں اور اگر بارِ دگر کفار کے لشکر چڑھ آئیں تو یہ نامردے یہ آرزو کریں کہ اس

وقت ہم مدینہ سے نکل کر باہر جنگلوں میں چلے جاویں اور وہاں سے تمہارا حال دریافت کیا کریں اور اگر وہ تمہارے پاس بھی رہیں تو بہت کم مخالف سے لڑیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یہاں سے منافقوں پر تعریض کر کے ان کے مقابلہ میں مخلصین کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ اس واقعہ میں ایسے ثابت قدم رہے۔ اسوۃ خصلۃ حسنۃ (بیضاوی) بکسر الہمزۃ وضمہا اقتداء بہ فی القتال والثبات فی مواطنہ ، (جلالین) یعنی تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنی عمدہ بات تھی، دیکھو وہ ان مواقع میں کیسے ثابت قدم رہے ہیں وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ الآیۃ یہاں سے لے کر غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تک انہیں کا حال ہے۔فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ نذرہ کہ بعض تو ان سچے دین داروں میں سے وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں شہید ہو چکے ہیں۔ اور بعض منتظر ہیں اور عہد جوانہوں نے کیا تھا پورا کر دیا، اس میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہاں سے اپنی عنایت اور فضل کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ان کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا رد کر دیا، ہزیمت دے کر ان کو فائدہ نہ پہنچا، سب نوک دم بھاگے اور اللہ آپ اس جنگ کا کارساز ہو گیا۔ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ ان کفار کے جو مددگار اہل کتاب تھے، یعنی بنی قریظہ جو مدینہ کے پاس رہتے تھے اور حضرت ﷺ سے عہد تھا، پھر عہد توڑ کر اس واقعہ میں کفار کے شریک ہو گئے تھے، ان کو ان کی گڑھیوں میں بند کر دیا۔ صَيَاصِيْ جمع صیصۃ وھی الحصون جب ابوسفیان وغیرہ بھاگ گئے تو یہ یہود مسلمانوں کے ڈر سے اپنی گڑھیوں میں جا بیٹھے۔ پندرہ دن تک ان کا محاصرہ مسلمانوں نے کیا، ان کے دل میں خدا نے رعب ڈال دیا۔ آخر کار گڑھیوں سے باہر نکلے جوان مرد قتل کئے گئے اور عورتیں اور بچے غلام بنائے گئے اور ان کی جائیداد و املاک بے تکلف مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، یہ اس کی قدرت کاملہ کا ایک کرشمہ تھا۔ کما قال وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ۔ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا اور اس کے سوا تم کو اے مسلمانو! اور زمین کا بھی وارث کیا جو تمہارے پاؤں تلے ابھی تک نہیں آئی۔ اس زمین کا وارث ہونا بطور پیشین گوئی کے فرمایا ہے چنانچہ اس کے مطابق خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سے ملکوں کا مالک کیا جیسا کہ فارس اور روم اور خیبر اور مکہ بلکہ کل عرب کا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک بختوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے گی تو اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

ترکیب : ان شرطیۃ وجوابہا فتعالین امتعکن و اسرحکن بالجزم علی انہ جواب للامر فتعالین وبالرفع علی الاستیناف للمحسنات متعلق باعد منکن حال من المحسنات او بیان لا تبعیض اجراء عظیما مفعول لاعد یضاعف جواب من یات۔

تفسیر : اس سورہ میں پیشتر اخلاقِ انسانی کی اصلاح ہے اور اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ معاشرت کے متعلق سب سے اول بات احکامِ الٰہیہ کا اتباع ہے۔ کس لیے کہ عقولِ عالیہ جو مؤید بالالہام ہیں، معاشرت وتمدن میں رسم ورواج سے جو تغیرات واقع ہوتے ہیں ان کا فیصلہ انہی کے ہاتھ ہے، اس لیے سب سے اول خود آنحضرت ﷺ کو اتباعِ وحی کا حکم بڑی تاکید سے دیا، اس کے بعد ان لوگوں کی سرزنش کی جو سخت حوادث میں احکامِ الہامیہ کی مخالفت کر بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ غزوۂ احزاب میں منافقوں سے ظہور میں آیا، جن کی مذمت پچھلی آیتوں میں کی گئی۔ کس لیے کہ رسولِ الٰہی کی مخالفت سخت محرومی کا باعث ہے۔ اب ایک بات اور اخلاق کے متعلق رہ گئی تھی، جن کو ان آیات یٰاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ الخ میں ارشاد فرماتا ہے۔ وہ مسئلہ معاشرتِ ازواج کا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ایلاء : منافقوں کی تکلیف آنحضرت ﷺ کو دلی عداوت اور پوشیدہ کفر کی وجہ سے تھی، مگر حضرات اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی طرف سے دُنیاوی تجمل اور مرفہ الحالی کے سامانِ طلب کرنے سے بھی آنحضرت ﷺ کو سخت تکلیف پہنچتی تھی، گو دل سے محبت اور ایمان رکھتی تھیں اور آپ کو اللہ کا رسولِ برحق جانتی تھیں، لیکن باایں ہمہ اپنا شوہر بھی سمجھتی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کی جبلت اور طینت ہے، آپ سے دنیاوی معاملات میں وہی برتاو برتتی تھیں کہ جو معمولی عورتیں اپنے خاندانوں سے برتا کرتی ہیں، یہ لاؤ وہ لاؤ ہمارے پاس فلاں چیز نہیں فلاں کے پاس یہ کچھ ہے، اس پر متعدد بیویوں کی باہمی رقابت اور رشک اور بھی افروختگی کا باعث ہوتا تھا، اس لیے ایک بار آنحضرت ﷺ سب سے خفا ہو کر ایک مہینے تک الگ مکان میں بیٹھ گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی تشریف نہ لائے، تب یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ازواجِ مطہرات کو تعلیم وتہدید وترغیب دی گئی۔ اس آیت میں ازواجِ مطہرات کو دو باتوں میں اختیار دیا گیا اور اس لیے اس آیت کو آیتِ تخییر کہتے ہیں کہ اگر تم کو حیات دُنیا اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے[1] کر بالکل چھوڑ دوں، طریق سنت پر طلاق دے دوں، پھر تم جہاں چاہو جا کر دُنیا حاصل کرو اور اگر تم کو اللہ اور اس کا رسول اور دارِ آخرت منظور ہے تو اللہ نے تم نیک بخت بیویوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس آیت کے بعد ازواجِ مطہرات نے طلاق لینا منظور نہ کیا اور آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور عہد کیا کہ آئندہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کے سوال نہ کریں گی۔ بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب سے اول حضرت ﷺ نے مجھے فرمایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا اپنے ماں باپ سے صلاح لے کر کرنا، میں نے کہا وہ کیا ہے، فرمایا تو مجھے اختیار کرتی ہے اور آخرت کو یا دُنیا کو۔ میں نے کہا، اس بارے میں اُن سے کیا پوچھوں گی، میں نے اللہ اور اُس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔ اسی طرح سب بیویوں نے کہا، اسی مضمون کو مسلم نے اور ابن جریر اور احمد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِہَآ اَجْرَہَا مَرَّتَیْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَہَا رِزْقًا کَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا

[1] متعہ طلاق جو مہر کی جگہ دیا جاتا ہے۔ کپڑوں کا جوڑا ۱۲ منہ

مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اور جو تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو دوبار اس کا بدلہ دیں گے اور اس کے لیے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم کسی عام عورتوں جیسی نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو دبی زبان سے بات نہ کہا کرو، کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا اور (بے رکاوٹ) دستور کے موافق کلام کیا کرو اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو اور (بناؤ سنگھار) دکھاتی نہ پھرا کرو جیسا کہ اگلے جاہلیت کے زمانہ میں دکھاتی پھرا کرتی تھیں اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کیا کرو۔ اللہ بھی چاہتا ہے کہ اے گھر والو تم میں سے ناپاکی دُور کردے اور تم کو خوب پاک کردے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو بے شک اللہ جو ہے تو بھید جاننے والا خبردار ہے۔

ترکیب : ومن شرطیۃ یقنت بالیاء رعایۃ للفظ من وبالتاء رعایۃ لمعناھا۔ تعمل معطوف علی یقنت نؤتھا، جوابھا، واعتدنا، معطوف علی نؤتھا کاحد اصل احد وحد بمعنی الواحد ثم وضع فی النفی ء العام مستوھا فیہ المذکر والمونث والواحد والکثیر والمغنی لستن کجماعۃ واحدۃ من جماعات النساء فی الفضل، اھل البیت منصوبا علی النداء والمدح من آیات بیان لما یتقی والحکمۃ معطوف علی آیات اللہ۔

تفسیر : اس آیت کے متعلق یہ بات باقی رہ گئی، وہ یہ کہ علماء کی اس بارے میں بحث ہے کہ یہ اختیار کیا، تفویضِ طلاق تھی کہ نفس اختیار سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ حسن اور قتادہ اور اکثر اہلِ علم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ بات نہ تھی، بلکہ اس بات میں اختیار دیا تھا کہ دُنیا کو اختیار کرتی ہو تو آؤ طلاق لے لو یا آخرت کو منظور کرتی ہو، خود طلاق لے لینے میں بھی اختیار نہ دیا تھا۔ بدلیل قولہ تعالیٰ فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا اور عائشہ رضی اللہ عنہا و مجاہد و عکرمہ و شعبی و زہری و ربیعہ وغیرہم علماء کہتے ہیں کہ ان کو از خود طلاق لے لینے میں بھی اختیار دے دیا تھا۔ یہاں تک کہ جو بیوی یہ کہہ دیتی کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو بغیر آپ کے طلاق دینے کے اس پر طلاق پڑ جاتی۔ پہلا قول بہت ٹھیک ہے۔ مسئلہ جو کوئی اپنی بیوی کو اختیار دے دے کہ خواہ تو مجھے اختیار کرلے، خواہ طلاق لے لے، پس اگر وہ اپنے خاوند کو اختیار کرلے تو جمہور کے نزدیک طلاق نہیں پڑتی، مگر زید بن ثابت اور علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ زوج کے اختیار کر لینے پر بھی ایک طلاق بائن پڑ جاوے گی اور یہی قول حسن اور لیث اور خطابی اور نقاش کا ہے جو اس نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے۔ قوی اول بات ہے، کیونکہ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا لیکن ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرلیا، پھر اس سے ہم پر کوئی طلاق نہ واقع ہوئی اور قیاس بھی اسی کو چاہتا ہے کہ محض اختیار دینے سے طلاق واقع ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو جمہور کے نزدیک طلاق پڑ جاوے گی، مگر عمر و ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم و ابن ابی لیلیٰ اور ثوری اور شافعی رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ایک طلاق بائن پڑے گی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔

اس کے بعد ازواجِ مطہرات کے لیے اور حکم سناتا ہے يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ الخ کہ اے نبیؐ کی بیویو! جو کوئی تم میں سے صریح گناہ کرے گی تو دو چند عذاب دی جاوے گی اور یہ بات اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ فاحشہ مبینۃ زنا اللہ تعالیٰ نے نبیوں

کی بیویوں کو اس سے محفوظ و معصوم رکھا ہے اور ان کو پاک اور طاہر کیا تھا، پس یہ صرف تہدید ہے۔ جیسا کہ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ہے۔ یہ شرط ہے اور شرط وقوع کی مقتضی نہیں۔ بعض کہتے ہیں فاحشہ کا لفظ جب معرفہ ہو کر مستعمل ہوگا تو اس سے مراد زنا ہوگی یا لواطت اور جب نکرہ ہو کر مستعمل ہوگا تو اس سے مراد ہر ایک قسم کا گناہ اور جو اس کی نعت بھی آوے گی۔ جیسا کہ اس جگہ تو اس سے مراد خاوند کی نافرمانی اور سرکشی۔ يُضَاعَفُ لَهَا الْعَذَابُ گناہ کوئی کرے، گناہ ہے، مگر پھر بھی فرق ہے ایک عالم اس کی برائی سے واقف ہو کر کرے، ایک جاہل کرے دونوں میں فرق ہے۔ نبی ﷺ کی بیویاں بڑے رتبہ کی تھیں اور جو کوئی بلند مرتبہ ایسا کام کرے، اس کو دو چند سزا ہے۔ اس سزائے دو چند سے مراد عذاب آخرت ہے کہ وہاں دو چند عذاب ہوگا (مقاتل) ابن جریر کہتے ہیں۔ معاذ اللہ اگر ان سے یہ خطا سرزد ہوتی تو دو بار حد ماری جاتی، جیسا کہ لونڈی کی بہ نسبت آزاد عورت کو زیادہ حد ماری جاتی ہے اور عذاب سے مراد حد ہے۔ کما قال ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین ومن یقنت منکن الخ القنوت الطاعۃ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گی اور نیکی کرے گی تو اس طرح اُس کو دو چند اجر ملے گا، کیونکہ وہ تمام عورتوں سے اشرف ہے، چنانچہ خود اللہ اُن کی بزرگی بیان فرماتا ہے يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ کہ اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو، تمہارا مرتبہ بلند ہے۔ آنحضرت ﷺ پر اس موقع میں مخالفینِ اسلام یہ اعتراض کیا کرتے ہیں اور حضرت ﷺ کی سیرت پاک پر دھبہ لگایا کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے کثرتِ ازواج پر اعتراض اور اس کا جواب : **قولھم** محمد باوجود اس دعوے کے کہ میں خاتم المرسلین ﷺ ہوں عورتوں کی طرف بڑے حریص تھے۔ قانونِ قدرت کے مطابق ہر مرد کو ایک عورت کافی ہے جو علاوہ حاجتِ انسانی پورا کرنے کے لیے اس کی ضروریات خانہ داری کو بھی بخوبی انجام دے سکتی ہے، پھر متعدد عورتیں رکھنا ایک قسم کی شہوت پرستی ہے جو اولوالعزم لوگوں کی شان کے بالکل مخالف ہے۔ محمد (ﷺ) نے اور مسلمانوں کے لیے تو چار عورتوں کی حد لگادی اور اپنے لیے کوئی حد ہی نہیں رکھی اور ایک وقت نو بیویاں اور کئی ایک حرمین موجود تھیں اور ان کے لیے تو نکاح کرنے کی بھی قید تھی اور اپنے لیے تو یہ بھی قید نہ رکھی بلکہ جیسا کہ اگلی آیتوں میں آتا ہے جو کوئی عورت نبی کو اپنا نفس بخش دے[1] تو وہ نبی کو حلال ہے۔ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اور خود زید کی بیوی کو بغیر نکاح کے رکھ لیا اور کہہ دیا کہ میرا نکاح آسمان پر فرشتوں نے پڑھا دیا ہے اور بھی ایسے واقعات گزرے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کا شہرۂ حسن سن کر کسی کو بھیج کر اُس کو بلایا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ڈر سے اُس کو باہر باغ میں اُتارا اور جب آپ نے اُس پر ہاتھ دراز کیا تو اُس نے کہا، میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، یعنی آپ کو پسند نہیں کیا۔ پھر آپ کو برا معلوم ہوا، جس لیے اس سے صحبت نہ کی، اس کے علاوہ اور مسلمانوں کو تو عورتوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا کہ باری سے ہر ایک کے پاس رہا کریں اور اپنے لیے یہ بھی فرض نہ تھا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ اسی لیے عائشہ جل کر کہتی ہیں کہ کیا کوئی عورت اپنا نفس بھی ہبہ کرتی ہے اور جب یہ آیت ترجی اتری تو کہا کہ اللہ اے محمد! تیری خواہشوں کو بہت جلد پوری کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اس لیے محمد ﷺ کی بیویوں میں بڑا جھگڑا رہا کرتا تھا، چنانچہ ایک بار سب عورتیں آپ سے چمٹ گئیں، ایک کہتی تھی مجھ سے صحبت کر، دوسری کہتی تھی مجھ سے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور حجروں کے باہر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کی یہ بے ہودہ باتیں سن کر کہا کہ اے محمد! نماز کو آیئے اور ان کے منہ میں خاک ڈالئے۔ اس بات کو بھی بخاری نے نقل کیا ہے توبہ توبہ یہ شہوت پرستی اور یہ دعویٰ اور لطف یہ کہ اتنی تو بیویاں کیں اور اس قدر ان پر سخت احکام مقرر کئے، اس پر روٹی کپڑا مانگنے سے منع کردیا۔ پہلے انبیاء نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت مسیح نے تو سرے سے کوئی بھی عورت نہیں کی اور دُنیا میں جس قدر باکمال لوگ آئے ہیں وہ عورتوں سے نفرت ہی کرتے آئے ہیں۔ ان کو شہوت پرستی سے کیا علاقہ؟

---

[1] بغیر گواہ اور مہر کے وہ نبی کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

جوابِ تحقیقی : اس کا جواب اگر منصف مزاج ذرا بھی انصاف کرے تو سب اعتراض اُٹھ جاویں۔ یہ بات تمام اہلِ تاریخ کے نزدیک مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں عین جوشِ جوانی کے وقت جو انسانی قویٰ کے موجیں مارنے کا زمانہ ہوتا ہے، ایک بڑھیا عورت سے نکاح کیا، یعنی خدیجۃ الکبری ؓ سے جو حضرت سے عمر میں بہت زیادہ تھیں، وہی پاک باز عورت آپ کو غارِ حرا کے خلوت خانہ میں دو چار روز کا کھانا پانی دے آیا کرتی تھیں، اُن کے انتقال کے بعد ایک اور عورت عمر رسیدہ سیاہ فام سے نکاح کیا جن کا نام حضرت سودہ ؓ تھا۔ باون برس کی عمر تک جو انتہاءِ جوشِ جوانی کا موقع تھا یکے بعد دیگرا نہیں بیویوں کے ساتھ زندگانی بسر کی، باوجود یکہ آپ خاندانی تھے۔ نہایت خوبصورت بھی تھے اور قریش آپ کو حسین مہ جبین عورتوں کا لالچ بھی دیتے تھے اور عرب کے دستور کے موافق مکہ جو آپ کا وطن تھا، متعدد حسین نوجوان عورتوں کا میسر آ جانا کچھ بھی مشکل نہ تھا، کم مرتبہ کے آدمیوں کے پاس مکہ میں متعدد عورتیں رہتی تھیں اور یہ بات عرب کے نزدیک کچھ معیوب بھی نہ تھی، مگر آپ نے مطلق توجہ بھی نہ فرمائی۔ ہجرت سے کچھ دنوں آگے صدیق اکبر ؓ نے بڑی التجا کے ساتھ اپنی دختر نیک اختر عائشہ ؓ سے جو چھ برس کی لڑکی تھی، صرف نکاح کر دیا تھا۔ جو بمنزلہ منگنی کے تھا، رخصت نہ کی تھی اور کرتے بھی تو یہ نہایت صغیر سن تھیں۔ مدینہ میں آ کر جہاں ہر طرف سے مصیبت کے دروازے کھل گئے اور تمام عرب دشمن ہو گیا۔ ادھر مہاجروں کی فکر بھی آپ ہی کے سر پر پڑ گئی تھی۔ عائشہ ؓ کو جوان ہونے پر رُخصت کیا، اب اس پردیس میں اور اس مصیبت کے زمانہ میں اور اس تنگدستی میں کہ ہفتے کے ہفتے بے روٹی کے گزر جاتے تھے، کھجور کے چند دانوں اور پانی پر بسر اوقات ہوتی تھی اور اس عمر میں کہ پچاس سے تجاوز ہو گئی، جوانی کے زور جاتے رہے۔ بڑھاپا آ گیا، کون دانشمند کہہ سکتا ہے کہ آپ نے اتنی بیویاں شہوت پرستی کے لیے کی تھیں؟ اور معاشرت کا طریقہ نفرت انگیز اختیار کیا تھا؟ پردیس میں تو اپنی عزت بڑھانے کے لیے خصوصاً اس قوم میں جا کر جو مددگار اور خاص مرید ہوں، کوئی نفرت کی بات ہو تو لوگ چھوڑ دیا کرتے ہیں کہ مبادا لوگ بداعتقاد نہ ہو جاویں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ سے کوئی انصار و مہاجر بداعتقاد نہ ہوں، پس عقلِ سلیم تاریخی واقعات پر نظر کر کے صاف صاف کہہ دے گی کہ اتنی بیویاں اور ان کے ساتھ یہ برتاؤ شہوت پر مبنی نہ تھا اور جو ہوتا بھی تو یہاں آ کر اس قدر عورتوں نے کیوں ازواجِ مطہرات میں داخل ہونے کی رغبت کی، مکہ میں جوانی کے وقت نہ کی؟ معلوم ہوا کہ یہ اور بات تھی وہ یہ کہ حضرت ﷺ جس طرح خاتم المرسلین بنائے گئے تھے، اسی طرح آپ کے دین میں حلت و حرمت' طہارت و نجاست' مرد و عورت کے سب احکام تھے۔ مردوں میں سے تو علم دین سیکھنے کے لیے ایک جماعت اس کام کی ہو کر درِ دولت پر آ پڑی تھی، جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے، اسی طرح عورتوں کی جماعت بھی اس کام کے لیے پُر ضرور تھی کہ وہ عورتوں کو تعلیم دیا کریں۔ خصوصاً وہ مسائل جو عورتوں سے متعلق ہیں اور جن کا ذکر غیر مرد سے سننا شرم کی بات ہے۔ اب یہ جماعتِ نساء اگر محض شاگردوں کے سلسلہ میں ہوتی۔ اول تو آپ ان اجنبی عورتوں سے وہ شرم کے متعلق مسائل حیض و نفاس غسل و جنابت بیان کرتے شرم کرتے اور وہ بھی ان کے دریافت کرنے سے شرم کرتیں۔ مقصود فوت ہو جاتا۔ دوم شاگردوں کا خلوت و جلوت میں رہنا ضروری بات ہے۔ جو قولاً و فعلاً ہر قسم کی تعلیم پا سکیں اور اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو اجنبی عورتوں کے ساتھ رہنے سے بدگمانی پیدا ہوتی۔ سوم مردوں کی جماعت تعلیم پانے کے وقت صبر اور محنت کشی سے اپنے رزق کا فی الجملہ آپ بندوبست کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو لکڑیوں کا گٹھا لا کر بیچ سکتے ہیں۔ بخلاف عورتوں ضعیف البنیان کے اس لیے ان کا بندوبست رزق و حاجات بھی حضرت ﷺ ہی کے ذمہ ٹھہرا اس لیے ان تلامذہ کو سلسلۂ نکاح میں داخل کرنا پڑا۔ اگر غیر کی بیویاں ہوتیں تو ان کے خاوند ان کو اس قدر مہلت کیوں دیتے اور نیز اس میں یہ بھی مقصود تھا کہ آپ لوگوں کو صفتِ توکل تعلیم کریں کہ عورتوں کی کج خلقی پر برداشت کرنے کے عرب عادی ہو جاویں جو بے رحمانہ برتاؤ کیا کرتے تھے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ آنحضرت ﷺ اس عیالداری پر کسی کی بھی پروانہ کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک بیوی کر کے سو کا غلام بننا پڑتا ہے اور بہت سی باتوں میں حق سے چشم پوشی کرنی پڑتی ہے، لہٰذا اس لیے اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نیک بیویوں کو جو دینی مدرسہ کی طالب علم تھیں اور وجوہِ مذکورہ سے بضرورت ان کو سلسلۂ زوجیت میں لایا گیا تھا۔ یہ سنادیا یا نساء النبی لستن کاحدٍ من النساء کہ تم اور عورتوں جیسی عورتیں نہیں ہو، تم خالص دین کے لیے اس بیت العلوم میں داخل کی گئی ہو اور اسی لیے وہ زوجیت معمولی سمجھ کر اور عورتوں کی طرح آرائش و تجمل کے سوالات کر کے حضرت ﷺ کو تکلیف دیتی تھیں، ان کو اختیار دیا گیا۔ جس پر وہ سمجھ گئیں، جب یہ بات تھی تو پھر آپ کے اس مدرسہ یا بیت العلم میں داخل ہونے کے لیے کس لیے تعداد مقرر ہوتی؟ پھر کسی قدر کیوں نہ آویں، بشرطِ صلاحیت لینا ہی پڑتا تھا اور اسی لیے اس داخلہ کے لیے نکاح کا لفظ خاص نہ ہوا، النفس کے بخشنے اور دیگر امور مقررہ ان کی توسیع کے لیے جائز قرار پانے ضرور ہوئے اور اسی لیے پھر اور گواہوں کی بھی وہبت نفسی میں ضرورت نہ ہوئی اور اس لیے بیویوں کی طرح باری کے ساتھ ان کے پاس رہنا ضروری نہ ہوا، گو آپ اس پر بھی باری سے رہتے تھے اور اُن کی اطمینانِ قلبی کی باتیں ملحوظ رکھتے تھے اور اگر کوئی عورت دُور سے آئی ہو اور پھر اُس کو مصائبِ دُنیا دیکھ کر اس بیت العلم میں داخل ہونا منظور نہ ہوا تو آپ نے داخل نہ کیا اور باغ میں اُتارنا کوئی عیب کی بات نہیں۔ رہا عورتوں کا باہمی جھگڑا سو یہ ان کی جبلی بات ہے اور معاذ اللہ اس شب میں وہ پاک باز بیویاں امرِ خاص کے لیے آپ سے خواستگار نہ تھیں۔ بات یہ تھی کہ آپ ایک کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ﷺ کے انفاسِ متبرکہ کو ہر ایک غنیمت جانتی تھیں اور بھی آ گئیں، گھر والے کو ناگوار گزرا جو ایک طبعی بات ہے، اس پر باہم کچھ قیل و قال تھی۔ جس کو سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے کہ اُن کی صاحبزادی بھی ان میں شامل تھیں۔ عورتوں پر بزرگانہ طور پر خفا ہوئے۔ اصل بات یہ تھی، اب مخالف اس کو جس پیرایہ میں چاہے ڈھالے۔

جوابِ الزامی : حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام کی بیویاں اور حرمین تو سینکڑوں تھیں، پھر عیسائی اور یہودی ان کی کتابوں کو الہامی مانتے ہیں، اسی طرح ہنود کے ہاں کرشن جی کے چودہ سو گوپیاں ناچا گایا کرتی تھیں، اب خواہ اُس کو آریہ لوگ بھجن کہیں یا کچھ اور ہم کچھ نہیں کہتے۔

رہا تعددِ ازواج کا اعتراض سو اس کا جواب کئی بار ہو چکا کہ انسانی ضرورتیں بعض اوقات ایک بیوی سے پوری نہیں ہو سکتیں اور پہلی کا بغیر قصور چھوڑ دینا انسانی مروت کے خلاف ہے اور فرض کرو مرض یا کسی وجہ سے اولاد جننے کی اس میں صلاحیت نہیں، پس اسلام نے بضرورت تعددِ ازواج کی اجازت اور وہ بھی مشروط دی کہ عدل پورا ہو۔ آمدم برسرِ مطلب، اس تمہید کے بعد پھر ازواجِ مطہرات کو چند احکام کی تعلیم دیتا ہے، ان اتقیتن اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو۔ یہ جملہ اس لیے فرمایا کہ صرف اسی بات پر بھروسہ نہ کر لینا کہ ہم نبی کی بیویاں ہیں، بلکہ یہ فضیلت تقویٰ کی وجہ سے ہے، چنانچہ ازواجِ مطہرات ہمیشہ زیورِ تقویٰ سے آراستہ تھیں۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ
وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ
وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ
لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ﴿۳۶﴾

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾

بے شک اللہ نے مسلمان مردوں اور عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے لیے اور فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتوں کے لیے اور راست باز مردوں اور عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں کے لیے اور خدا سے ڈرنے والے مردوں اور عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں اور پاک دامن مردوں اور پاک دامن عورتوں کے لیے اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں اور بہت یاد کرنے والی عورتوں کے لیے بخشش کا (صلہ) اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے نہ کسی ایماندار مرد اور نہ کسی ایماندار عورت کو یہ لائق ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو اُن کو اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا اور (یاد کرو) جبکہ آپ اس کو کہ جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اب اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اپنے دل میں وہ بات مخفی رکھتے تھے کہ جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور لوگوں سے ڈر رہے تھے اور ڈرنا تو زیادہ اللہ ہی سے چاہیے، پھر جب زید اُس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا تو اس کا ہم نے آپ سے نکاح کر دیا تا کہ ایمانداروں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں ممانعت نہ رہے، جبکہ وہ ان سے بے تعلقی کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔ نبی پر اس بات میں کچھ بھی ممانعت نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے۔ جیسا کہ اللہ کا پہلے لوگوں میں دستور تھا (ان پر نکاح کرنے میں کوئی ممانعت نہ تھی) اور اللہ کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔ وہ پہلے لوگ جو اللہ کا پیام پہنچاتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتے تھے اور کافی ہے، اللہ حساب لینے کو۔

ترکیب : اعد اللہ الجملہ خبر ان۔ والخیرۃ ما یتخیر وجمع الضمیر الاول لعموم مومن ومومنۃ لانھما فی حیز النفی وجمع الضمیر فی من امرھم للتعظیم واللہ والواو للحال سنۃ اللہ نصبہ علی المصدر ای سن ذلک سنۃ الذین یبلغون وصفۃ للذین خلوا ومدح لھم منصوب او مرفوع۔

الوطر الحاجۃ۔

تفسیر...... پہلا حکم : حضرت ﷺ کی حیات میں بھی اور آپ کے بعد بھی، جواب شرط کا محذوف ہے، فَلَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا جواب فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ لوگوں سے جو بات چیت کرنے کا اتفاق ہو تو بات میں نرمی اور لگاوٹ نہ کرو۔ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ تا کہ ناپاک آدمی کہ جس کے دل میں شہوت اور بدکاری کا مرض ہے طمع نہ کرے۔ وقلن قولا معروفا کھری بات کہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو عورتیں مہین مہین باتیں اور بڑے اخلاق سے اور ہنس ہنس کر کیا کرتی ہیں خواہ وہ پاک اور صاف دل ہی کیوں نہ ہوں، مگر ناپاک آدمی کے دل میں گدگداہٹ اور تحریک باطل پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ ایک حکم تھا۔

دوسرا حکم : دوسرا حکم وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔ وقرن اہل مدینہ اور عاصم نے وقرن بفتح قاف پڑھا ہے اور لوگوں نے بکسرِ قاف پہلی قرأت کے موافق یہ معنی ہوں گے۔ افترن ای الزمن بیوتکن من قوھم قررت بالمکان قرارا فحذفت الراء الاولی ھی عین الفعل لثقل التضعیف ونقلت حرکتھا الی القاف کما فی ظللت ظلت وعلی الثانی فقیل ھو من قررت اقررت اقر معناہ اقررن بکسر الراء فحذفت الاولی ونقلت حرکتھا الی القاف وقیل ھو من الوقار من قولھم وقر فلان یقر وقوراً اذا اسکن واطمئن فھو امر کعدن من الوعد وصلن من الوصل یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو، بغیر ضرورت باہر نہ جایا کرو۔

پردہ کا حکم : یہاں سے پردہ فرض ہوا۔ سامنے ہونے کی جیسا کہ پہلے جاہلیت میں دستور تھا۔ ممانعت ہوگئی، جیسا کہ اخیر جملہ میں فرماتا ہے۔ وَلَاتَبَرَّجْنَ تبرج اظہارِ زینت اور مواقعِ زینت، مجاہد کہتے ہیں کہ پہلے عورتیں لوگوں کے سامنے آیا جایا کرتی تھیں۔ پس یہی تبرج جاہلیت ہے۔ (ابن کثیر) جاہلیتِ اولیٰ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ کے زمانہ کو جاہلیتِ اولیٰ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ نوح وابراہیم علیہما السلام کا درمیانی زمانہ بعض کہتے ہیں۔ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا، مگر ابن عطیہ کا قول بہت صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ سے اسلام سے پہلے کا زمانہ مراد ہے اور اُس کو اولیٰ زمانہ اسلام کے لحاظ سے کہا نہ اس لیے کہ کوئی جاہلیتِ آخری اسلام کا وہ زمانہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ جس میں فسق وفجور رواج پایا گیا۔

ان آیات سے نبی ﷺ کی بیویوں کے لیے بلاضرورت باہر جانا حرام ہوگیا تھا، ضرورتِ شرعیہ میں سے حج وعمرہ ہے۔ اُمت کی بیویوں پر گھر میں رہنا باہر نہ نکلنا، اس آیت سے بعض کے نزدیک واجب ہے، قوی تر یہی ہے کہ پردہ میں رہنا مستحب ہے اور اگر بضرورت باہر جاویں تو برقعہ میں یا ایسے چادرے میں کہ جس سے کوئی ستر کی چیز دکھائی نہ دے۔ یہ پردہ فرض ہے۔ اس میں جو کچھ حکمتیں ہیں، غیر قوموں کی بے پردہ عورتوں کے بیجا حالات دیکھ کر بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

تیسرا حکم : تیسرا حکم واقمن الصلوٰۃ نماز ادا کریں۔

چوتھا حکم : چوتھا حکم واتین الزکوٰۃ زکوٰۃ دیں، اس میں صدقہ وخیرات بھی داخل ہے۔

پانچواں حکم : اس کے سوا اور جس قدر احکام شرعیہ ہیں، اُن کو بھی بجالاویں۔ کما قال وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یہ پانچواں حکم جمیع احکام کو شامل ہے، اس میں حج اور رمضان کے روزے بھی آگئے، مگر نماز اور زکوٰۃ کو تاکید واہتمام کے لیے جداگانہ بیان کردیا۔ یہ وہ احکام ہیں جو تدبیر المنزل واخلاق اور معاد اور حسنِ معاشرت کے اصل الاصول ہیں اور تہذیب وشائستگی کا عطر اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا کہ اے اہل بیت النبی کے گھر والو یعنی بیویو ان احکام سے اللہ تم کو پاک کرنا اور تمہاری ناپاکی دُور کرنا چاہتا ہے۔ الرجس الاثم والذنب، میل کچیل ظاہری کے سواء انسان کی اخلاقی بھی میل کچیل ہوتی ہے، جو مکارمِ اخلاق اختیار کرنے اور ذکرِ الٰہی اور اُس کے احکام پر عمل کرنے سے دُور ہوتی ہے، وہ کسی دریا یا کنویں کے پانی یا کسی مصالح یا صابن سے دُور نہیں ہوتی۔

اہلِ بیت کی تحقیق : اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں اور اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے، گو گھر میں بیٹا، بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر خادم بھی اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ یہی اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے۔ اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اور عرب بولتے ہیں، کیف اھلک یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہلِ خانہ گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔ اس

لیے علماءِ اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں، جس کو قرآنی مذاق کچھ بھی ہے۔ وہ سیاق وسباق میں نظر کر کے اس بات کو جلد تسلیم کرسکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وعکرمہ وعطاء وکلبی ومقاتل وسعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں، میں اس بات پر مباہلہ کرسکتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں، اول میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے۔ کما قال قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اور یہاں تک انہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں بھی انہی کی طرف خطاب ہے۔ وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ اور بیت سے مراد آنحضرت ﷺ کا گھر ہے، جو حضرت ﷺ کی بیویوں کی رہنے کی جگہ ہے، جہاں آپ شب باش ہوتے تھے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ومجاہد وقتادہ اور کل اہل شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد اس جگہ علی وفاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم ہیں، ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عنکم ویطھر کم مذکر کے صیغہ ہیں جو ازواج مطہرات پر اطلاق نہیں کیے جاتے۔ اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ لفظ اہل کی رعایت سے تذکیر کے صیغے کلام میں آ جایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُس آیت میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر اہل البیت کا اطلاق ہوا ہے، وہاں بھی علیکم مذکر کا صیغہ ہے۔

اب فریقین کے وہ دلائل کہ جن سے ہر ایک نے اپنے مطلب کو ثابت کیا ہے، روایات واحادیث واقوال ہیں، جن کا ہر ایک فریق نے ڈھیر لگا دیا ہے۔ پھر ہر ایک نے دوسرے کے راویوں میں کلام کیا ہے اور پھر ہر ایک فریق نے اس کا جواب دیا ہے، اگر اس سب کو نقل کروں تو یہ جلد بھی کافی نہ ہو، اس لیے سب کو ترک کرتا ہوں، مگر فریق ثانی کی ایک حدیث بڑی زور آور ہے۔ جس کو ام سلمہ وعائشہ وواثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بطرق مختلفہ ترمذی وابن المنذر وحاکم وابن مردویہ بیہقی وابن ابی حاتم وطبرانی وابن ابی شیبہ واحمد ومسلم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، گو اس کے بعض طرق محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کو ایک سیاہ کمبلی میں لپٹا کر کہ جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے۔ یہ آیت پڑھی اور پھر یہ کہا اللھم ھو لاء اھل بیتی اللھم اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا کہ اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ ان کی ناپاکی دُور کر دے اور ان کو پاک کر دے اور ایک حدیث انہی لوگوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی نماز کو جب مسجد میں جاتے تھے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر کھڑے ہو کر یا اہل البیت الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر یہ آیت پڑھتے تھے اور مسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ میں تم کو اپنے اہل بیت کے حق میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں، یعنی ان کی مراعات رکھنا زید سے کسی نے پوچھا۔ اہل بیت کون ہیں، کیا حضرت ﷺ کی بیویوں میں ان کے اہل بیت نہیں ہیں؟ کہا آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت ہیں، لیکن آپ کے اہل بیت وہ لوگ ہیں کہ جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی اور عقیل اور جعفر اور عباس کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ ان تینوں حدیثوں کو صحیح مان لینا چاہیے، مگر ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ خاص علی وفاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم ہی اہل بیت ہیں اور حضرت کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں، بلکہ پہلی حدیث تو یہی کہہ رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فاطمہ وعلی، وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بھی کمبلی میں لے کر اہل بیت میں شامل فرمایا اور ان کے لیے دعا کی ورنہ کیا اللہ کو معلوم نہ تھا کہ یہی لوگ اہل بیت ہیں؟ پھر ھؤلاء اہل بیتی کہنے کی کیا حاجت تھی؟ اور اسی طرح دوسری حدیث سے پایا جاتا ہے اور تیسری حدیث تو ان دونوں کے مخالف ہے، اس کے علاوہ یہ قول زید کا ہے جو جعفر وعقیل علی وعباس کی اولاد رضی اللہ عنہم کو اہل بیت کہہ رہے ہیں۔

قولِ فیصل: یہ ہے کہ دراصل اہل بیت تو ازواجِ مطہرات ہی ہیں اور ان میں حضرت ﷺ نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرمالیا اور کیوں نہیں بال بچے اور بہت قریب کے عزیز واقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ پس اعتقادِ صحیح اور محبتِ خالص یہی ہے کہ ازواجِ مطہرات اور ان پاک باز لوگوں کو بھی اہل بیت سمجھ کر ان کا تہ دل سے ادب کرے، جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور فاطمہ زہرا اور

حسنین بھی داخل ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

فائدہ: کیا حضرت علی وجعفر وعقیل وعباس کی اولاد بھی جو سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئی اور ہوگی، سب اہلِ بیت ہیں؟ حقیقت میں اہلِ بیت اور آل وہی لوگ تھے جو حضرت ﷺ کے سامنے موجود تھے اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کو جو اہل بیت اور آلِ نبی کہا جاتا ہے تو مجازاً اور ادباً کس لیے کہ نہ یہ حضرت ﷺ کے گھر میں کبھی رہے ہیں نہ حضرت ﷺ ان کی عیالت کرتے تھے۔ حق بات یہی ہے باقی افراط و تفریط ہے جو تعصب یا فرطِ محبت پر مبنی ہے۔

چھٹا حکم: وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا۔ یہ چھٹا حکم ہے کہ اے نبی کی بیویو! وہ جو تمہارے گھروں میں آیات اللہ اور حکمتِ الٰہیہ کا درس ہوتا ہے۔ اس کو خوب یاد رکھو لوگوں کو سمجھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزاءِ خیر دے گا، کیونکہ وہ لطیف یعنی مہربان لطف کرنے والا خبردار ہے۔ اس پر تمہاری کوشش مخفی نہیں۔ یہ وہی اصلی حکم ہے کہ جس کے لیے یہ پاک بانہ باخدا بیویاں مدرسہ علم دینیہ میں داخل کی گئیں اور ان کو نبی کی زوجیت کا شرف عطاء کیا گیا۔ پہلے احکام تو خود اُن کی تہذیب و شائستگی اور ادب صحبت اور حسنِ معاشرت کے لیے تھے اور یہ اُس خاص مقصد کے لیے کہ جس کے لیے یہ بیویاں بنائی گئیں۔ آیات اللہ قرآن کی آیات اور حکمت سنت، یہ قرطبی کا قول ہے اور ممکن ہے کہ حکمت سے بھی قرآن ہی مراد ہو یا اسرارِ شریعت و رموزِ طریقت جو نبی ﷺ کی صحبت سے وقتاً فوقتاً ان کو حاصل ہوتے تھے اور یہ حاصل ہونا گویا ان پر پڑھا جانا یعنی پڑھ کر سنایا جانا ہے، چنانچہ ازواجِ مطہرات شب و روز اسی میں مصروف تھیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بالخصوص اور بھی مرد اور نیک عورتیں ایسے تھے کہ جو دین کی اشاعت میں بڑے سرگرم تھے۔ گویا انہوں نے اپنی جان و مال کو اسی کام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جیسا کہ عشرہ مبشرہ اور اصحاب الصفہ اور ابو ہریرہ وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں سے انصار و مہاجرین کی بہت سی عورتیں۔ ان آیاتِ مذکورہ سے شاید ان کے دل میں یہ خطرہ گزرتا ہوگا کہ ازواجِ مطہرات ہی کی مساعیِ جمیلہ خدا کے ہاں پسند ہیں، جن کا آیاتِ مذکورہ میں بیان ہوا اور ہماری کوشش چنداں قابلِ التفات نہیں، پس ان کی تسلی کے لیے یہ آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ نازل ہوئی اور اسی کی مؤید یہ روایت ہے کہ جس کو عبداللہ بن حمید وطبرانی نے روایت کیا ہے کہ ام عمارۃ انصاریہ نے حضرت ﷺ کے پاس آ کر یہ عرض کیا کہ مردوں ہی کا قرآن میں ذکر ہے، عورتوں کا کچھ بھی نہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی اور اسی طرح اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے احمد ونسائی وابن جریر وابن المنذر وطبرانی نے روایت کیا ہے اور ایسا ہی طبرانی وابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جس کے اسناد کو سیوطی نے حسن کہا ہے۔ اس آیت میں مسلمان اور ایماندار مرد اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے اور ان کے لیے یہ چند اوصاف اس وعدہ کے لیے شرط قرار پائے ہیں۔ اسلام، ایمان، گرچہ عرف علماء میں دونوں لفظوں کا مصداق ایک ہی ہے مگر قرآن واحادیث میں مقاماتِ متعددہ میں لغوی معنی کا لحاظ کر کے اسلام سے مراد انقیاد یعنی احکامِ ضروریہ کا بجالانا مراد لیا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ جبرئیل سے ثابت ہے، جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ ان تشھد ان لا الہ الا اللہ و تقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ و تحج البیت و تصوم رمضان اور ایمان میں اعمال کا ذکر نہیں، صرف اللہ اور رسول اور ملائکہ اور کتب الٰہیہ اور اُس کے رسولوں اور تقدیر کی تصدیق کرنا اور یقین کرنا، اسی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ قنوت یعنی عبادت واطاعت، صبر یعنی شہوات و دیگر تکالیف کی برداشت کرنا۔ اس میں اشاعتِ دین کی تکالیف بھی آ گئیں۔ خشوع اللہ سے عاجزی کرنا' سرنگوں دنیا میں رہنا تکبر اور سرکشی نہ کرنا۔ صدقہ دینا، زکوٰۃ و خیرات اور دیگر نیک کاموں میں مال صرف کرنا، صوم روزہ رکھنا، عفاف پاک دامن رہنا۔ ذکرِ الٰہی کرنا اور بہت کرنا کسی وقت اس کو دل سے نہ بھلانا، یہاں تک کہ دست بکار دل بیار رہے۔

اس کے بعد علی العموم مرشد برحق یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ فقال وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا کہ کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور رسول کے حکم دینے کے بعد یہ مجاز باقی نہیں رہتا کہ اس کو عمل میں نہ لاوے اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو صریح گمراہی میں پڑتا ہے، کیونکہ مرشد کامل اور ہادیِ برحق کے خلاف کرنا گمراہی میں پڑنا ہے۔ یہ ایک عام حکم ہے جو احکامِ سابقہ کے لیے سربمہر ہے، نہ اس میں زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ذکر ہے نہ کسی اور کا، مگر مفسرین نے اپنی عادت کے موافق (کہ وہ آیت کے معنی سے چسپاں کرنے کے لیے کوئی قصہ یا واقعہ خواہ مخواہ گھڑ کر اس آیت کو اُسی پر ڈھال دیا کرتے ہیں۔ گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے نازل ہوئی ہے) یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنے کے لیے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے پیغام دیا جو حضرت ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا نے زید کو حقیر جان کر انکار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب زینب نے زید سے نکاح کرنا منظور کرلیا اور ان کی باہم شادی ہوگئی، مگر مؤرخین کہتے ہیں کہ زید سے زینب کا نکاح ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہو چکا تھا اور یہ سورہ ہجرت کے پانچویں برس نازل ہوئی ہے، پھر اس میں زینب کے نکاح کی طرف کیونکر اشارہ ہو سکتا ہے؟ نبی کی نافرمانی یا کہو اللہ اور رسول کی کسی بات میں نافرمانی اگر انکار کے طور پر ہے تو کفر ہے اور اگر قبول ہے، مگر سستی سے یا خواہشِ نفسانی سے ہے تو فسق ہے۔

لوگوں کی ہدایت کا دارومدار نبی علیہ السلام کی عظمت پر ہے، اس لیے مخالفوں کے بعض مطاعن کو جو حضرت ﷺ پر کیا کرتے تھے (اور ایسا ہوتا ہی آیا ہے کس لیے کہ کوئی شخص دُنیا میں ایسا نہیں آیا ہے کہ جس کی کسی بات پر بھی لوگوں نے اپنی کجرائی بد باطنی کی وجہ سے انکار نہیں کیا ہے) دفع کرتا ہے۔ منجملہ اُن مطاعن کے ایک طعن زید کی بیوی زینب سے نکاح کر لینے کے بارے میں تھا جو حضرت ﷺ نے زید کے طلاق دینے اور عدت گزر جانے کے بعد ایک حکمِ آسمانی اور مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے کیا تھا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِیْ يُصَلِّیْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰۤئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ
سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ
لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

محمد تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں (زید کے بھی نہیں) لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔ ایمان دار و اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور اُس

کی صبح وشام پاکی بیان کیا کرو۔ وہی ہے جوتم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لائے اور وہ ایمان والوں پر بڑا مہربان ہے۔ جس دن مومنین خدا سے ملیں گے ان کے لیے سلام کا تحفہ ہوگا اور ان کے لیے عزت کا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے اور خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اُس کی طرف لوگوں کو بلانے کو اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے اور نبی خوشخبری دو ایمانداروں کو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا اور اُن کی ایذا سے درگزر کرتے رہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ کافی ہے کارسازی کو۔

ترکیب : ولکن بالتشدید فخبرہ محذوف ای ولکن رسول اللہ اب من غیر وراثۃ۔ او یقال ولکن کان رسول اللہ، بکرۃ واصیلا ظرفان للتسبیح تحیتھم اضافۃ المصدر الی المفعول مبتداء و سلام خبرہ یوم یلقونہ ظرف لہ۔ ای تحیون یوم لقائہ تعالیٰ عند الموت او الخروج من القبر او دخول الجنۃ بالسلام یقال لھم السلام علیکم او یخبر بالسلامۃ من کل مکروہ وآفۃ فضلا کبیرا اسم ان لھم خبرہ ومن اللہ صفۃ والجملۃ معطوف علی محذوف مثل فواقب احوال امتک۔

تفسیر......زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ کی تحقیق اور مخالفوں کا جواب : فقال اذ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ، اس آیت میں ضرور ایک واقعہ گزشتہ کی طرف اشارہ ہے اور باتفاق مفسرین وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور اُس کی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جھگڑے کی طرف اشارہ اور اسی پر آیت کے الفاظ چسپاں ہیں۔ وہ قصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت وکفالت اور بڑی کوشش سے زینب کا نکاح زید سے ہوا تھا۔ زینب قوم کی قریش اور اس پر تندخو تھیں، اکثر معاملات میں میاں بیوی کی تو تو میں میں رہتی تھی۔ آخر ناچار ہو کر زید نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور بجز آپ کے اس کا تھا کون اور یہ بھی ظاہر کیا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں، اس کی بدمزاجی سے میرا اس کا نباہ ہو نہیں سکتا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو کہ جس پر اللہ نے انعام کیا، اس کو مشرف با اسلام کیا اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر انعام کیا کہ اس کو آزاد کیا۔ منع کیا اور کہا طلاق نہ دے، کیونکہ جانتے تھے کہ پھوپھی کی بیٹی ہے، میں نے ہی اس کا نکاح کروایا ہے۔ آخر پھر مجھ کو ہی اس کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جاوے گا اور میں جو اس سے نکاح کروں گا تو لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بات تھی کہ جس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل میں مخفی رکھتے تھے۔ یعنی سوچے ہوئے تھے اور اسی سبب سے لوگوں کی طعنہ زنی سے ڈرتے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو تنبیہ کرتا ہے کہ لوگوں سے کیا ڈرتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ لوگوں سے ڈرنا اور ایک ناجائز رسم کے توڑنے میں رسول کو دل میں لوگوں کے طعنہ کا خوف کرنا، خدا کے نزدیک ناپسند بات تھی کہ جس کی نسبت فرماتا ہے۔ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ تو اپنے دل میں جو بات سوچ کر چھپاتا اور لوگوں سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کو ظاہر ہی کر کے رہے گا، چنانچہ خدا نے اس کو ظاہر کر دیا۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا کہ جب زید رضی اللہ عنہ اس عورت یعنی زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی حاجت پوری کر چکا، نکاح کر کے گھر میں رکھ کے طلاق دے دی تو اس کا نکاح ہم نے اے نبی تجھ سے کر دیا، یعنی ہم نے اس کے نکاح کرنے کا تجھ کو حکم دیا۔ بخاری وترمذی واحمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ زید بن حارثہ زینب کی شکایت لے کر آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو یہی سمجھایا کہ نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر اس پر یہ آیت وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ الخ نازل ہوئی، پھر اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا اور اس کا ایسا ولیمہ کیا کہ جو کسی بیوی کا ولیمہ نہیں کیا۔ سب لوگوں کو گوشت اور روٹی کی دعوت کھلائی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ خود خدا نے یا آسمان پر فرشتے نے نکاح پڑھا دیا تھا اور چپ چاپ زینب کے پاس چلے گئے تھے۔ جیسا کہ معترض روایات میں غور نہ کرنے سے سمجھتا ہے۔ زوجنا کا فرمانا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی خوف کا اظہار کر دینا ہے کہ جس کو آپ دل میں لوگوں کے ڈر سے مخفی رکھتے تھے اور اے نبی! تجھ سے اس کا نکاح ہم نے کیوں کر دیا۔ لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِھِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْھُنَّ وَطَرًا وَ کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا کہ مسلمانوں کے لیے منہ بولے بیٹوں کی

بیویوں سے نکاح کرنے میں جبکہ وہ ان کو طلاق دے چکیں کوئی ممانعت نہ رہے۔یعنی یہ عورت اسلام میں محرمات میں سے نہیں ہے اور ایک رسم کی وجہ سے لوگ اس کو حرام جانتے ہیں۔یہ رسم اور الحاقِ جاہلیت مٹ جاوے۔درحقیقت ایسے رسوم کے توڑنے میں لوگوں پر بڑے حملے ہوا کرتے ہیں۔ہمارے ملک میں چچی اور ممانی سے نکاح کرنا بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے۔اگر کوئی اس رسم کے توڑنے کے لیے کر لیتا ہے تو دیکھئے اس پر کیسے کیسے بہتان باندھے جاتے ہیں اور کیسے حملے ہوتے ہیں؟ فرماتا ہے یہ بات ہو کر رہنے والی تھی، خدا کو اس کا مٹانا منظور تھا۔ مَاكَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ کوئی اگر شبہ کرے کہ اس رسم کو نبی ﷺ سے کیوں مٹوایا، کسی اور کا نکاح کر کے اس کو توڑ دینا تھا، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبی پر کیا عیب ہے اور کیا تنگی اور ممانعت ہے اس کام کے کر لینے میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا اس کو اس پر مامور کر دیا۔سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اگلے انبیاء اور صلحاء میں بھی اللہ کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ سے رسومِ جاہلیت کو تڑوایا کرتا ہے، انہی کو اس کے توڑنے پر مامور کیا کرتا ہے، کیونکہ نشانۂ ملامت بننا انہیں مردانِ خدا کا کام ہے۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور اللہ کی بات مقرر ٹھہرائی گئی ہوئی ہوتی ہے۔وہ ٹلتی نہیں ہو کر رہتی ہے اور یہ دستور رسم شکنی کن لوگوں کا ہے؟ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ان کا جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، کسی کے طعن و تشنیع اور برا بھلا کہنے کی ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی ہے۔وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو، جو ان پاک بازوں پر طعن کرتے ہیں۔ان سے وہ ضرور حساب لے گا، باز پرس کرے گا۔یہ ہیں ان آیات کے صاف صاف معنی جن پر کوئی بھی خدشہ کسی مخالف کا وارد نہیں ہو سکتا۔واضح ہو کہ اسلام میں ظاہر ہو کر مخالف ہمیشہ سے اپنی کاریگری کرتے آئے ہیں۔انہوں نے بہت سی جھوٹی حدیثیں بھی گھڑی ہیں، جن سے اسلام اور پیغمبر پر بدنما دھبہ لگانا مقصود ہوتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں بھی وہ ایسی روایات شامل کر دیتے ہیں کہ جن سے آیات کا مطلب اُلٹ پلٹ ہو جائے اور اسلام پر کوئی عیب لگے۔قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر انہوں نے ایسا کیا ہے۔منجملہ ان کے یہاں بھی عجیب و غریب روایات گھڑی ہیں۔کسی نے کہہ دیا کہ زینب رضی اللہ عنہا اچھے کپڑے پہنے کھڑی تھی۔پیغمبر ﷺ جو زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے، زینب کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور اللّٰھم مقلب القلوب پڑھ کر چلے آئے۔زینب رضی اللہ عنہا اس لگاوٹ کو سمجھ گئی، اس نے زید سے کہہ دیا، زید کو غیرت آئی طلاق دے دی آپ نے جھٹ پٹ نکاح کر لیا، بلکہ بے نکاح کئے شوق میں آ کر اس کے گھر میں گھس گئے اور اُس سے ہم بستر ہوئے اور جو کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ میرا نکاح اس سے آسمان پر ہو چکا ہے۔ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ کے معنی زینب کی محبت اور اس کا عشق مراد لیا ہے اور بعض نے کہا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دل میں تو یہ تھا کہ زید اس کو چھوڑ دے، لیکن اس کو لوگوں سے ڈر کر ظاہر نہیں کرتے تھے اور بظاہر زید کو کہتے تھے کہ اس کو طلاق نہ دے۔معاذ اللہ معاذ اللہ نبی علیہ السلام پر کیا کیا بہتان باندھتے ہیں۔زینب تو آپ کی پھوپھی زاد بہن تھی، لڑکپن سے آپ کے سامنے ہوتی تھی اور کون عورت تھی کہ جو حضرت ﷺ سے پردہ کرتی تھی، پھر کیا آج ہی حضرت ﷺ نے زینب کو دیکھا تھا اور اگر ابتداء سے محبت تھی تو زید سے کیوں نکاح کروایا، جو بمشکل اس کے ورثاء راضی ہوئے تھے۔آپ ہی کیوں نہ کر لیا جو بڑی خوشی سے اس کے وارث منظور کرتے۔ان بے دینوں سے تو یہ بہتان بندی کچھ بھی تعجب نہیں مگر تعجب تو اپنے بعض[۱] سیدھے سادھے بھولے بھالے مفسرین سے ہے کہ جنہوں نے ان کی روایات کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا اور ان کے اس کہنے سے دھوکے میں آ گئے۔حدثنا فلان عن فلان۔یہ حضرات تو بس اس حدثنا پر غش ہیں، پھر نہیں دیکھتے کہ اس کے راوی کیسے ہیں اور یہ روایت کیسی ہے؟ جو مخالفینِ اسلام ان روایات یا ان سادہ لوح مفسرین کے اقوال سے آنحضرت ﷺ پر عیب لگاتے ہیں، وہ عیب دراصل آنحضرت ﷺ پر کچھ

---

[۱] برخلاف محققین مفسرین کے اللہ ان کو جزاءِ خیر دے انہوں نے اس مقام پر ہمارے موافق معنی لکھے ہیں ابن کثیر نے ان روایات پر ذرا بھی توجہ نہ کی اور کہہ دیا کہ یہ چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

بھی نہیں لگتا، بلکہ اُن راویوں پر۔ نہ ہم ان بے ہودہ روایات کی صحت کے قائل ہیں نہ ان پر جو اعتراضات پڑتے ہیں، ان کے جواب کے ذمہ دار ہیں۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اب ان کے اس طعن کا جواب دیتا ہے کہ محمد ﷺ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ ہی نہیں کیونکہ اس وقت فاطمہ زہرا ؓ اور بعض صاحبزادیاں تھیں، وہ مرد نہیں اور صاحبزادے قاسم وطیب وغیرہ لڑکپن میں انتقال کر چکے تھے، رہے حسن وحسین ؓ گو وہ حقیقی بیٹے نہ تھے بلکہ نواسے مگر مرد یعنی بالغ جوان وہ بھی اس وقت نہ تھے، بچے تھے۔ مطلب یہ کہ زید کے آپ باپ نہیں پھر کس وجہ سے طعن کرتے ہو؟ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے پچھلے ان کی نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں۔ ابن عامر و عاصم نے خاتم کو بفتح تا پڑھا ہے۔ جس کے معنی ہیں مہر کے کہ آپ سب نبیوں کی مہر ہیں۔ جب کسی چیز پر بند کر کے مہر لگا دیتے ہیں تو اس میں اور نہیں داخل ہوتی۔ اسی طرح آپ سے سلسلہ نبوت کو تمام کر کے اس پر مہر کر دی گئی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا اور دوسرے قراء نے بکسر تاء اسم فاعل کا صیغہ قرار دیا ہے، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

خاتم النبیین پر دلیلِ عقلی : احادیث صحیحہ میں بھی تصریح آ گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ قصر نبوت میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی، سو وہ اینٹ آپ ہیں۔ اس کو بخاری و مسلم واحمد و ترمذی وغیرہ نے مختلف صحابیوں سے روایت کیا ہے، مختلف عبارات میں اور اسی پر تمام اُمت کا اتفاق ہے اور اجماع اور دلیلِ عقلی اس پر یہ ہے کہ آپ سے پہلے سینکڑوں انبیاء دُنیا میں آئے اور گمراہی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، طرح بطرح احکام کے تبدیل وتغیر کرنے سے اصلاحیں ہوتی رہیں، آخر جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے عہد میں پوری کر دی گئی، رہی نئی پیش آنے والی ضرورتیں ان کی تدبیر بھی کتاب وسنت میں رکھ دی گئی ہے، وقتاً فوقتاً مجدد یا مجتہد یا حکیم اُمت کتاب وسنت سے وہ حاجت برآری کر سکتے ہیں۔ نئے نبی بھیجنے میں سیاست ملیہ میں بڑا انقلاب واقع ہوتا ہے جس میں ہزاروں گمراہ ہو جاتے ہیں، اس لیے اس مشقت اور زحمت کو اپنے بندوں سے دُور کر دیا، جس کی طرف وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا میں اشارہ ہے کہ عواقب امور اللہ کی نظر میں ہیں، اس کی مصلحت وہ خوب جانتا ہے اور نیز آیندہ آیات میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت ﷺ کے بعد قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آویں گے، جیسا کہ اہلِ اسلام بلکہ عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے، پھر آپ خاتم کیونکر ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نئے نبی نہیں ہیں، بلکہ آپ سے پہلے ہو چکے ہیں اور زمین پر آ کر حضرت ﷺ کے دین کی اشاعت کریں گے۔ آپ کے نائب ہو کر بندوں پر خدا نے ایسے نبی کے بھیجنے سے بڑا احسان کیا ہے، اس لیے اس نعمت کے شکریہ میں حکم دیتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا کہ اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور بعثتِ انبیاء سے مقصود بھی یہی ہے کہ بندے اپنے اللہ کو یاد کیا کریں وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو۔ سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العظیم کہو۔ بری باتوں سے اُس کی پاکی بیان کرو کہ وہ سب عیبوں سے پاک ہے، بعض علماء نے اس سے صبح اور عصر کی نماز مراد لی ہے، ذکرِ الٰہی اور تسبیح وتہلیل کے بہت کچھ فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ انسان کا دُنیا کی کمائی میں سے یہی بڑا حصہ ہے، پھر جس کو خدا نصیب کرے۔ هُوَ الَّذِیْ يُصَلِّیْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ صَلٰوۃ کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور جب ملائکہ کی طرف تو استغفار مگر یہاں مراد معنی مشترک ہیں، وہ عنایت وتوجہ بطرف اصلاح کار بندگان یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ اللہ اور عالم بالا کو تمہارے حال پر مہربانی ہے، اس لیے اس نے رسول بھیجا۔ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ تم کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لاوے۔ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا وہ مومنین پر نہایت مہربان ہے، یہ دُنیا کی رحمت ہے اور آخرت میں تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جس دن ملیں گے یا مرنے کے بعد وہ ان سے السلام علیکم کہے گا جس کے معنی یہ کہ تم پر سلامتی ہو۔ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا اور ایمانداروں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی شرح کرتا ہے کہ نبی کریم کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ

نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا کہ اے نبی! ہم نے (یہ نہیں کہ از خود بن گیا) تجھ کو بھیجا ہے شاہد اور مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر۔ شاہد نبی ہے عقول و آراء لوگوں کے تعارض میں اور عادات و رسوم کے اختلاف میں اور تجارب کی کشمکش میں کہ جہاں کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ رائے لگاتا ہے، خدا کی طرف سے اصلی اور سچی بات کے حق ہونے کی شہادت یعنی گواہی دیتا ہے، اس کی شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے۔ وہی لوگوں کو نیک کاموں کے عمدہ نتیجہ کا مژدہ اور بشارت دے کر کمر ہمت بندھوا دیتا ہے۔ سعادت حاصل کرنے میں سرگرم کر دیتا ہے۔ وہی بارگاہِ کبریائی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، اس کے حکم سے اس کے گھر میں جا کر نعمتیں حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ صلائے عام پکارتا ہے، ادھر آؤ شہنشاہِ حقیقی کی بارگاہ میں تم کو میں لے چلوں میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ، کوئی مانع نہ ہوگا۔ وہی سراج منیر چراغ روشن ہے۔ (سراج منیر محاورہ عرب میں آفتاب کو کہتے ہیں، تمام دُنیا ظلمات اور اندھیروں میں ٹکراتی پھرتی تھی، جب اللہ تعالیٰ کا یہ جہاں آفتاب مکہ کے پہاڑوں پر جلوہ گر ہوا اس نے مشرق سے مغرب تک کو منور کر دیا، جس نبی میں یہ اوصاف ہوں اور اس نے دُنیا کو منور کر دیا ہو، اس کے بعد اور نبی آ کر کیا کرے گا، ایک آفتاب کے بعد دوسرے کی کیا ضرورت؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

ایماندارو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت[1] نہیں کہ جس کی تم کو گنتی پوری کرنی پڑے، بس ان کو کچھ دے دو اور خوش اسلوبی سے چھوڑ دو۔ اے نبی، ہم نے آپ کے لیے وہ بیویاں حلال کر دیں کہ جن کو آپ نے ان کا مہر دے دیا اور وہ عورتیں بھی جو آپ کے ہاتھ لگیں، اس غنیمت سے جو اللہ نے تم کو عنایت کی ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی وہ جو آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں اور وہ ایماندار عورت بھی جو اپنی جان نبی کو بخش دے، بشرطیکہ نبی بھی اُس سے نکاح کرنا چاہے (یہ) خالص آپ کے لیے ہے اور مسلمانوں کے لیے نہیں۔ ہم کو معلوم ہے جو کچھ ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں مقرر کر دیا ہے تاکہ آپ پر کوئی دقت نہ رہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

---

[1] والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء۔ وقوله تعالىٰ واللائي يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر ان آیتوں میں جو طلاق دی ہوئی عورت کے لیے تین حیض یا تین مہینے کی عدت بیان فرمائی ہے۔ ان سے مراد وہ عورت ہے کہ جس سے صحبت نہ کی ہو اس لیے صحبت نہ کی ہوئی عورت کی عدت کا حال اس آیت میں بیان کر دیا کہ اس کے لیے کوئی عدت نہیں۔ ابن التمری کہتے ہیں یہ آیت پہلی ←

ترکیب : وامراۃ منصوب بفعل محذوف یفسرہ ماقبلہ ای حللنا لک امراۃ مؤمنۃ ویمکن ان یکون معطوفا علی ماسبق ولا یمنعہ ان التی للاستقلال فی قولہ ان وھبت لان المراد بالاحلال الاعلام بالحل اذا وقع الفعل علی ذلک کما یقال ابحت لک الکلام بزید ان سلم علیك خالصۃ یمکن ان یکون حالا من الضمیر فی وھبت وان یکون صفۃ المصدر ای ھبۃ ویجوز ان یکون مصدرا ای اخلصنا لک ذلک اخلاصا وقد جاءت فاعلہ مصدرا مثل العاقبۃ۔

تفسیر......اول حکم : اس کے بعد خود اس صلائے عام کا نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے۔ فقال وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ ایمانداروں کو خوشخبری دے کہ اللہ کا ان پر بڑا فضل ہے۔ دُنیا میں ان کو ہر طرح سے سرفرازی دے گا۔ آخرت میں اجرِ عظیم دے گا۔ اب رہے کافر و منافق جو تصدیق نہیں کرتے اور طرح بطرح کے بہتان باندھتے اور طعن کرتے ہیں اور آپ کو اپنی مرضی کے موافق کرنا چاہتے ہیں۔ پس وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ ان کا کہنا نہ مان ودع اذاھم اور ان کی تکلیف اور ایذا سے درگزر کرو وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ پر بھروسہ رکھو یہ تمہارا کیا کر سکتے ہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ کارسازی کے لیے بس ہے۔ آپ کو ان کی کیا احتیاج ہے جو نہیں مانتا نہ مانے، زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا حضرت سے پچھلی آیتوں میں تذکرہ تھا، اس لیے کچھ احکام نکاح و طلاق و عدت کے متعلق بیان فرماتا ہے۔ فقال يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ یہ ایک حکم ہے کہ جس ایماندار عورت سے نکاح ہوا، پھر اس کے پاس جانے سے پہلے اُس کو طلاق دینے کی ضرورت پڑ جاوے تو اُس عورت کے لیے کوئی عدت نہیں کہ جس کو تم گنو۔ اس کو اختیار ہے کہ طلاق کے بعد فوراً اور سے نکاح کرلے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ہاتھ لگانے سے پہلے، اگر اس کے معنی صحبت کرنا لیا جاوے تو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دینے میں عدت نہیں، اس سے یہ بات پیدا ہوگی اگر صحبت نہیں کی اور خلوت ہوئی تب بھی عدت نہیں، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اور اگر اس لفظ کو عام لیا جاوے کہ جس میں خلوت بھی آ گئی، تو یہ معنی ہوں گے کہ صحبت اور خلوت سے پیشتر طلاق دینے میں عدت نہیں، پس اگر خلوت کا اتفاق ہوا اور صحبت نہ کی اور طلاق دے دی تو عدت بھی لازم ہوگی اور مرد کو پورا مہر بھی دینا پڑے گا، کیونکہ خلوت بمنزلہ صحبت کے ہے اور اس بات کا امتیاز کہ خلوت کے بعد صحبت کی یا نہیں مشکل ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور قرطبی اور ابن کثیر نے اس بات پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ مسئلہ اجماعی ہے۔ عدت تین حیض تک نکاح کرنے سے رُکا رہنا اس عرصہ میں عورت اور سے نکاح نہ کرے اور جو حیض نہیں آتا تو تین مہینے تک بندر ہے۔

المؤمنٰت کا لفظ یہ کہتا ہے کہ حکم مسلمان عورت کے لیے ہے، مگر حکم عام ہے۔ اگر اہلِ کتاب کی عورت سے نکاح کر کے صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو اس کے لیے بھی عدت نہیں، مگر مومنات کا لفظ اس لیے آیا کہ مسلمان کو بہتر یہی ہے کہ مسلمان ہی عورت سے نکاح کرے اور ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ پس یہ قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے کہ یونہی اتفاق ہوا کرتا ہے۔ نکاح کے لغوی معنی صحبت کرنے کے ہیں، مگر قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے تو اس سے مراد عقد ہے، خواہ بطور حقیقت خواہ بطور مجاز فما لکم کا لفظ یہ کہہ رہا ہے کہ عدت میں عورت کو رکھنا مرد کا حق ہے، اگر وہ عدت میں نکاح کرنا چاہے تو یہ اُس کو روک سکتا ہے، تعتدونہا من عددت الدراھم اس کے معنی گنتی کے ہیں اور بعض نے اس کو بالتخفیف بھی پڑھا ہے تو یہ اعتداء بمعنی ظلم سے ہوگا، جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اس صورت میں عدت نہیں کہ جس کے اندر تم ان پر زیادتی کرو۔ والاول اقویٰ۔

شریعت نے عورت کے لیے عدت اس لیے مقرر کی ہے کہ حمل کا حال معلوم ہو جائے۔ اگر فوراً نکاح کرلے یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے خاوند کا حمل ہے یا دوسرے کا، جب صحبت نہیں تو پھر عدت سے کیا فائدہ؟

← دونوں آیتوں کے عموم کی مخصص ہے۔ ۱۲ منہ

دوسرا حکم : فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یہ دوسرا حکم ہے کہ ان کو متعہ دو اور صاف طور سے چھوڑ دو، پھر ان سے کوئی دعویٰ نہ رکھو، یہ نہ ہو کہ اُدھر میں لٹکائے رکھو۔

متعہ : اس عطیہ کا نام ہے جو خاوند کی طرف سے طلاق کے بعد بیوی کو دیا جایا کرتا ہے، جس کی تعیین میں علماء کا کسی قدر اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک تین کپڑے ہیں اور وہ کس قیمت کے ہوں؟ یہ غنی اور تنگدست کے حال پر چھوڑا گیا ہے۔ کما قال عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ، سورہ بقرہ، مگر اس کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مقدار حاکم کی رائے پر ٹھہرائی ہے۔ اب کلام ہے تو اس میں ہے کہ ایسی عورت کو کہ جس کو صحبت سے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کو متعہ دینے سے کیا مراد ہے؟ کیا واجب ہے یا مستحب اور اس کے سوا اس کو اور بھی کچھ ملنا چاہیے یا نہیں؟ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے۔ کماقال وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ الآیۃ ان دونوں آیتوں پر نظر کر کے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر اس عورت کے لیے مہر معین نہیں ہوا اور صحبت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو اُس کے لیے صرف متعہ دینا واجب ہے، مہر کچھ نہ ملے گا۔ اس آیتِ احزاب میں غالباً یہی مراد ہے اور اگر مہر[1] معین ہو چکا ہے تو نصف مہر ملے گا، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں ہے اور متعہ دینا اس صورت میں مستحب ہے نہ واجب، یہ اس لیے واجب ہوا کہ آخر اس عورت سے نکاح ہوا ہے۔ گو صحبت نہیں کی اور اس بیچاری کا مہر بھی معین نہیں اور اس پر طلاق کی عار عائد ہوتی ہے، ضرور اس کو کچھ دینا شرط مودت ہے۔ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ یہاں سے وہ احکام بیان فرماتا ہے جو خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی بابت متعلق ہیں، ہم کہہ چکے ہیں بلکہ ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ متعدد نکاح جو مدینہ میں آ کر ہوئے، ان سے غرض یہی تھی کہ اپنی بیویوں کی ایک جماعت بنا کے ان کو دینیات کے سیکھنے پر مامور کریں۔ دراصل یہ بیویاں دینی مدرسہ کے طالب العلم تھیں اور اسی نیت سے ان کو زوجیت میں لیا جاتا تھا تاکہ ان کو نان ونفقہ سے فراغ بالی ہو جائے اور خلوت وجلوت میں آپ سے مسائل سیکھیں، اس لیے ان کے اقسام اور اس مدرسہ کے داخلہ کے دستور اور پھر ان کے اسی غرض کے لحاظ پر حقوق بیان فرمانا ہے۔ ان بیویوں کی کئی قسم تھیں، یعنی کئی ایک طور سے آپ کے زنانہ مدرسہ میں ان کا داخلہ ہوا تھا۔

قسم اول: وہ بیویاں ہیں کہ جن کا معمولی طور پر نکاح ہوا اور آپ نے اُن کا مہر ادا کر دیا، جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ **اجور** جمع اجر بمعنی مہر۔ اٰتیت کے یہ معنی نہیں کہ جن کے مہر ادا کئے گئے، وہی آپ کو حلال تھیں اور جن کے ادا نہ ہوئے وہ حلال نہ تھیں، کیونکہ اگر سرے سے مہر کا ذکر بھی بوقتِ نکاح نہ آوے یا ادا نہ کیا جاوے یا مؤجل قرار پاوے سب صورتوں میں بیوی بالاتفاق حلال ہے بلکہ قید اتفاقی ہے، کس لیے کہ عرب میں مہر کم ہوتے تھے اور شوہر ان کو پہلے سے ادا کر ہی دیا کرتا تھا۔ یہ لاکھوں اور ہزاروں کے مہر نہ تھے، جو محض فخراً باندھے جاتے ہیں، جن کا میاں تو کیا اُس کے خاندان سے بھی ادا ہونا مشکل ہے۔ اس آیت کی بابت ابن زید وضحاک یہ کہتے ہیں کہ اس میں عام اجازت ہے کہ آپ محارم کے سوا جس سے چاہیں بلاتعداد نکاح کر لیں۔ مہر ادا کر دیں، وہ مباح ہیں، جمہور کا یہ قول ہے کہ یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ بیویاں کی حلت بیان کی گئی ہے کہ جن کا آپ مہر ادا کر چکے تھے۔ اگر تعمیم ہوتی تو بنات عمك الخ جو آگے آتا ہے بیکار ہو جاتا ہے۔

قسم دوم وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وہ عورتیں جو آپ کے ہاتھ کا مال تھیں، غنیمت میں ہاتھ آئی تھیں، جیسا کہ صفیہ و

---

[1] توریت سفر خروج کے بائیسویں باب ۱۶۔ ۱۷ اور اس میں عورتوں کو مہر دینے کا ذکر ہے۔ جس کے بعض جملے یہ ہیں۔ قولہ البتہ وہ مہر دے کہ اس سے نکاح کرے۔ وقولہ وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقد دے یعنی مہر مثل یہ وطی بالشبہ وغیرہ کے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مہر دینا ضروری بات تھی۔ ۱۲ منہ

جویریہ جن کو آپ نے آزاد کر کے اُن سے نکاح کیا اور اسی طرح ماریہ تھیں کہ جن کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ یہ بھی آپ کے مکارمِ اخلاق میں سے تھا کہ لونڈیوں کو اس مرتبۂ علیا پر پہنچا دیا۔ مما افاء اللہ کی قید بھی اتفاقی ہے، ورنہ جو لونڈی خریدی جاوے یا ہبہ سے حاصل ہو وہ بھی حلال ہے۔

قسم سوم: وَ بَنَاتِ عَمِّكَ وَ بَنَاتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنَاتِ خَالِكَ وَ بَنَاتِ خٰلٰتِكَ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں بھی حلال ہیں۔ اگر آپ ان سے چاہیں نکاح کریں، مگر اس میں یہ شرط تھی۔ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ کہ وہ ہجرت کر کے تیرے ساتھ بھی آئی ہوں، کیونکہ اگر ہجرت میں شریک نہیں۔ گو مومنہ ہوں، اُن سے آپ کا نکاح درست نہ تھا۔ ترمذی و ابن جریر و طبرانی نے اُم ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کی درخواست کی مگر میں نے ہجرت نہ کی تھی، اس لیے آپ کو منع کر دیا گیا۔

قسم چہارم: وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ وہ عورت جو اپنا نفس نبی کو بخش دے یعنی وھبت لک نفسی کے صیغہ سے نکاح میں آئے، وہ بھی آپ کے لیے حلال تھی مگر صرف اس کا یہ کہہ دینا آپ کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا تھا کہ آپ اس کو خواہ مخواہ اپنی زوجیت میں داخل ہی کر لیں، بلکہ آپ کی مرضی پر منحصر تھا۔ کما قال اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا بشرطیکہ نبی کو اس سے نکاح کرنا بھی منظور ہو۔ تب اس کا وھبت نفسی کہنا ایجابِ نکاح تھا اور آپ کا قبلت فرمانا قبول انہیں لفظوں سے عقد ہو جاتا تھا، مگر اس میں بھی یہ شرط تھی کہ وہ عورت مومنہ ہو، یعنی مسلمان۔ کتابیہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہیں آتی تھی۔ گو اُمت کے لیے کتابیہ سے نکاح درست ہے، مگر آپ کے بلند مرتبہ کے لائق یہ ناپاک باطن درست نہ تھی۔ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ نکاح بلفظ ہبہ و بغیر مہر و شہود خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درست تھا نہ کہ اور کسی مسلمان کے لیے۔ بعض علماء نے جیسا کہ سعید بن المسیب و زہری و مجاہد و عطاء و ابن ربیعۃ و شافعی و مالک ہیں۔ خَالِصَةً لَّكَ میں نکاح بلفظ ہبہ کو بھی لیا ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ یہ خصوصیت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، مگر اور علماء خصوصاً کوفہ کے علماء جن میں ابراہیم نخعی و ابو حنیفہ رحمہما اللہ ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اوروں کا نکاح بھی ہبہ اور تملیک کے لفظ سے ہو سکتا ہے اور آپ کی اس میں خصوصیت نہ تھی۔ خصوصیت صرف مہر اور گواہ نہ ہونے میں تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی نکاح بلفظ ہبہ نہیں ہوا، کس لیے کہ موہوبہ عورت کے بارہ میں اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا کا لفظ وارد ہے، جو کوئی عورت یہ لفظ کہتی تھی تو گویا اپنا منشاء ظاہر کرتی تھی کہ میں نے اپنی جان کو دینی کاموں کے لیے نبی کی خدمت گزاری کے واسطے ہبہ کر دیا، اس کے بعد آپ اُس میں صلاحیت دیکھ کر اس کو زوجیت میں داخل کرتے تھے۔ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایسی کوئی عورت نہ تھی کہ جو صرف نفس کو ہبہ کر کے آئی ہو، بلکہ جس قدر عورتیں آپ کے پاس تھیں یہ وہی تھیں کہ جن سے نکاح کیا تھا اور یہ بات بطور شرط و جزاء کے آیت میں ہے کہ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو جائز ہے نہ یہ کہ ایسا کسی نے کیا بھی تھا اور علماء کہتے ہیں ہاں ایسی عورتیں تھیں، پھر کسی نے کہا ہے وہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہلالیہ تھی، جس کو اُم المساکین کہتے تھے۔ عروہ کہتے ہیں وہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھی۔ قبیلہ بنی سلیم کی۔

بحث قد علمنا ما فرضنا: چوتھی قسم کے سوا ان احکامِ نبویہ میں اور مسلمان بھی شریک ہیں، البتہ تعداد میں شریک نہیں، یہ چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے۔ اس لیے فرماتا ہے، قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ کہ ان باتوں میں اور مومنین بجمیع وجوہ شریک نہیں ہیں۔ نہ چار سے زیادہ جمع کر سکتے ہیں، نہ بغیر مہر کے نکاح باندھ سکتے ہیں۔ ان کے اوپر جو کچھ حقوقِ زوجیت ہم نے مقرر کئے ہیں، وہ ہم کو معلوم ہیں، ہم ان کو بھول نہیں گئے ہیں کہ ان کو بھی ان کے حقوقِ مقررہ کو نسیاً منسیاً کر کے نبی کے ساتھ شریک کر دیا جاوے اور نہ صرف بیویوں ہی کے حق بلکہ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ان کی لونڈیوں کے بارہ میں جو حقوق ان پر مقرر ہیں۔ اہل الذمہ کی عورت لونڈی نہیں ہو سکتی حربی کی ہو سکتی ہے اور ان کے کھانے پینے کے رعایات اور حسنِ سلوک وغیرہ وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے، درمیان خالصۃ لک من دون

المؤمنین کے اور درمیان لکیلا یکون علیك حرج کے اور کیلا بیان سابق سے متعلق ہے کہ یہ احکامِ مذکورہ بالا ہم نے تیرے لیے اے نبی اس لیے نافذ کئے کہ تجھ پر تنگی نہ ہو اور کوئی حرج واقع نہ ہو، بلکہ سہولت اور وسعت ہو جاوے۔ و کان اللّٰہ غفورا رحیما اور اللہ جو ہے تو بخشنے والا مہربان ہے۔ بندوں سے جو احکام کی تعمیل میں کوئی قصور ہو جاوے تو اس پر بھی ہم معاف کر دیتے ہیں۔ مہربانی کرتے ہیں اور ہماری مہربانی تھی جو تم پر سہل احکام نازل کئے۔ اس مقام پر کتبِ اصولِ فقہ میں ایک دلچسپ بحث کی ہے جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار شرع نے قائم نہیں کی، زیادہ سے زیادہ کہیں تک ہو اور کم سے کم پیسے دو پیسے تک کا ہو سکتا ہے، جو چیز معاملات بیع وشراء میں قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ مہر ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ اہلِ ظواہر کے نزدیک قرآن مجید کی تعلیم بھی مہر ہو سکتی ہے اور ایسی قسم کی خدمات بھی، ان کے دلائل بہت سی صحیح احادیث واقوالِ صحابہ ہیں مگر علماء کا ایک فریق کہ جن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، مہر کی مقدار کمی کی جانب میں شارع کی طرف سے دس درہم ٹھہراتے ہیں کہ زیادہ کا شوہر کو اختیار ہے، مگر کم دس درہم سے نہ ہو، کیونکہ یہ کمی کی حد شرع نے مقرر کر دی ہے، ان کے پاس بھی بہت سے دلائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے۔ فرض کے لغت میں معنی قطع کے ہیں، اس کا استعمال کبھی بمعنی ایجاب ہوا ہے اور کبھی بمعنی تقدیر یعنی اندازہ کرنا اور عرفِ شرع میں اس کا اخیر معنی میں اس قدر استعمال ہوا ہے کہ منقول ہونے کے بعد گویا حقیقتِ عرفیہ ہے، فرض کے معنی اندازہ کرنا اور جب اس کو متکلم کی طرف مستند کیا تو یہ معنی ہو گئے کہ ازواج کے بارہ میں جو کچھ ہم نے ٹھہرا دیا ہے، یعنی اُس کا اندازہ مقرر کر دیا ہے، وہ ہم کو معلوم ہے اور کلام مہر میں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مہر اللہ نے ٹھہرا دیا اور اس کی حد مقرر کر دی، زیادہ کی حد کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، البتہ کم سے کم کی حد مقرر کی اور یہ مہر ایک عضوِ مخصوص کا عوض ہے اور شرع نے کم سے کم اعضاء کے قطع میں جو مقدار قائم کی ہے وہ دس درہم ہے۔ دس درہم سے کم پر چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کٹتا، معلوم ہوا کہ اس عضو کی قیمت یہ ہے، پس اس عضو کو اس پر قیاس کر لیا۔ اس کی بھی دس درہم سے کم قیمت نہ ہونی چاہیے اور آثارِ صحیحہ میں بھی اس کا بیان آ گیا ہے اور صحابہ اور تابعین میں سے بھی اس طرف لوگ گئے ہیں، مگر اس دلیل میں فریقِ ثانی کو بہت کچھ کلام ہے۔

دوسری بحث: لونڈی غلاموں کی بابت : اس وقت کے نوتعلیم یافتہ یہ کہتے ہیں، غلام لونڈی رکھنا انسانی ہمدردی کے برخلاف اور نہایت مکروہ کام ہے، پھر تعجب ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو روا رکھا اور بہائم کی طرح سے لونڈی غلاموں کو خدمات پر مامور کرنے کی اجازت دی، لونڈیوں سے مباشرت کرنا جائز سمجھا۔ یہ بات پہلے انبیاء کے بھی برخلاف ہے۔ اس کا جواب بعض آزاد لوگوں نے قرآن و احادیث میں تاویل و تحریف کر کے یہ دیا ہے کہ اسلام میں یہ فعل ہرگز درست نہیں ہے، مگر عقلاء کے نزدیک یہ جواب ہو نہیں سکتا کس لیے کہ وہ کہاں تک قرآن واحادیث کی اُلٹ پلٹ کریں گے، پھر بھی یہ فعل اسلام میں ثابت ہی رہے گا۔ خصوصاً یہ آیات بہ آواز بلند کہہ رہی ہیں کہ اسلام نے لونڈیوں کی معاشرت کی بابت کچھ حقوق مقرر کر دیے ہیں اور لونڈیوں سے صحبت کرنا جائز ہے، کما قال تعالیٰ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ اور اس سے پہلے کی یہ آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ الخ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک آسمانی سلطنت قائم کی ہے جس کا وعدہ اگلے انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوا تھا۔ اس سلطنت کا بادشاہ یا دُنیا میں قائم کرنے والا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دُنیاوی سلطنتیں خاص جہانداری اور حقوقِ عباد کے لیے ہیں۔ اس سے بڑھ کر خداوندی حقوق کا وہ مطالبہ نہیں کرتیں بلکہ آج کل کی شائستہ سلطنتیں ایسے حقوق کے مطالبہ کو برا جانتی ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی خدا تعالیٰ کو اور اُس کے جمیع برگزیدہ انبیاء واولیاء کو برا کہے بت کو پوجے اُس کا انکار کرے، کچھ پروا نہیں لیکن آسمانی سلطنت سب سے اول انہیں، حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، اس کا فرض ہے کہ ایسے جرموں کی سزائیں دے اور خصوصاً کفر وشرک کے جرم کا مطالبہ سخت کرے مگر رحم دلی کے ساتھ اس سلطنت میں برتاوا کیا گیا ہے۔ اول ان لوگوں کو سمجھایا جاتا

ہے اگر نہ مانیں تو اس سلطنت کے خلاف میں ہونے سے ممانعت کی جاتی ہے اور ماتحتی پر مامور کیا جاتا ہے، اگر پھر بھی وہ مقابلہ پر آویں تو جنگ ہوتی ہے جس میں بجز قتل طرفین کے اور کیا ہوا کرتا ہے مگر عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو اس جوش کے وقت میں بھی اس سے محفوظ رکھا ہے، پھر جو لوگ کہ قتل سے آزاد کئے جاتے ہیں، ان کو لونڈی غلام بنایا جاتا ہے۔ پھر ان کے آزاد کرنے کی یہاں تک تاکید اور ثواب بتلایا گیا ہے کہ بہت کو آزادی دلادی جاتی ہے اور غلامی کی حالت میں ان کے وہ حقوق قائم کئے ہیں کہ جو اور قوموں میں آزاد لوگوں کے لیے بھی نہیں، یہ داغ غلامی صرف اس جرم آسمانی کی یادگاری ہے۔ اب بتلاؤ اس میں بے رحمی ہے یا ان کے قتل کر ڈالنے میں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہوا، کیا اس میں دُنیاوی جرائم کے قیدوں سے زیادہ بے رحمی ہے؟ موسیٰؑ کی شریعت میں بھی غلام لونڈی رکھے جاتے تھے۔ دیکھو توریت[1] سفر احبار ۲۵ باب ورس ۴۴۔

تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابۡتَغَیۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ وَلَا یَحۡزَنَّ وَیَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِیۡبًا ﴿۵۲﴾

آپ ان بیویوں میں سے جس کو چاہیں الگ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا، اپنے پاس بلاؤ تو بس اس پر کچھ بھی گناہ نہیں یہ اس لیے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ رنج نہ کریں گی اور جو کچھ بھی آپ اُن کو دیں اُس پر سب خوش رہیں اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا تحمل والا ہے، نہ اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال ہیں اور نہ یہ کہ اُن کو بدل کر اور عورتیں کر لو، گو آپ کو ان کی صورت بھلی معلوم ہو، مگر آپ کے ہاتھ کا مال (لونڈیاں درست ہیں) اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

ترکیب: مَنِ ابۡتَغَیۡتَ من موضع نصب بابتغیت وھی شرطیۃ والجواب فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ویمکن ان یکون مبتداء والعائد محذوف ای والتی ابتغیتھا والخبر فلا جناح کلھن منصوب علی توکید الضمیر فی اتیتھن والرفع علی توکید الضمیر فی یرضین من ازواج من مزیدۃ لتاکید الاستغراق و لو اعجبك حال من فاعل تبدل والتقدیر مفروضا اعجابک بھن اِلَّا مَا مَلَكَتۡ استثناء من النساء وھو فی موضع رفع بدلا من النساء او فی موضع نصب علی اصلہ۔

تفسیر: ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو ان بیویوں کی بابت معاشرت کے متعلق احکام سناتا ہے اور ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بیویاں دراصل مدرسہ دینیہ کی طالب علم تھیں جو بوجہ مذکورہ ان کو ازواج میں داخل کیا گیا تھا، احکام آئندہ کے لیے اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ فقال تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ترجی مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح سے آیا ہے۔ ارجا تاخیر ارجہ اخرۃ اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت شب باشی کے بارہ میں ہے کہ آپ کو اختیار ہے جس کو چاہے مؤخر

[1] توریت سفر احبار کے ۲۴ باب ۱۶ ورس میں کفر بکنے والے کو ضرور مار ڈالنے کا حکم ہے۔ ۱۲ منہ

کیجئے، ساتھ نہ سوئیے اور جس کو چاہے اپنے پاس بلائیے۔

ایک حکم : یہ ایک حکم خاص آنحضرت ﷺ کے لیے تھا، آپ پر شب باشی میں برابری رکھنا واجب نہ تھا، بلکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں، جس کے پاس چاہیں نہ رہیں۔ بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ان عورتوں پر جو اپنے نفس کو ہبہ کر دیتی تھیں، عیب رکھتی تھی، پھر جب یہ آیت ترجی الخ نازل ہوئی تو میں نے کہہ دیا کہ یا حضرت اللہ تعالیٰ تیری خاطر رکھنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔ یسارع فی ھواك کے یہ معنی ہیں کہ جو بات تجھ پر شاق گزرتی ہے، اللہ اُس کو تجھ سے دُور کر دیتا ہے، اُس کو تیری خاطر بہت منظور ہے۔ ابن رزین کہتے ہیں کہ جب امہات المومنین نے حضرت ﷺ کو نان نفقہ کے بارہ میں تنگ کرنا شروع کیا اور آپ خفاء ہو کر ایک مہینے تک سب سے الگ ہوئے، تب آیت تخییر نازل ہوئی اور آپ نے سب کو کہہ دیا، اگر دارِ آخرت منظور ہے (کہ جس کے لیے تم کو بیوی بنایا گیا) تو جس حال میں رکھا جاوے اُس پر رہنا منظور کرو اور جو دُنیا مقصود ہو تو آؤ تم کو طلاق دے دوں سب بیویوں نے دارِ آخرت کو منظور کیا، تب باری سے رہنا بھی واجب نہ رہا یہ آیت اس بارہ میں ہے، کیونکہ جب ان کو سمجھا دیا گیا کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو تم خاص ایک دینی کام کے لیے بیویوں میں شامل کی گئی ہو، بیویوں نے بھی سمجھ لیا کہ ہم اسی لیے ہیں، تب سب اس بات پر راضی ہو گئیں اور ایسا ہی ہونا چاہیے، کیونکہ اگر یہ آزادی پیغمبر ﷺ کو حاصل نہ ہو تو اور سینکڑوں اہم مقاصدِ دینی میں فرق آجاوے، رات دن بیویوں ہی کے جھگڑے سے فرصت و مہلت نہ ملے، مگر اس کے بعد بھی حتی المقدور آنحضرت ﷺ ان کے حقوق میں اپنی طرف سے برابری رکھتے تھے، جیسا کہ ابن العربی وغیرہ علماء کہتے ہیں اور اسی پر سب کا اتفاق ہے اور اُس حدیث سے کہ جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے، یہی سمجھا جاتا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ہماری باری کے دن جو آپ اور بیوی کے پاس رہنا چاہتے تھے تو ہم سے اجازت لیتے تھے۔ اس آیت نازل ہونے کے بعد۔

شعبی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاق کے بارہ میں ہے کہ جس کو آپ چاہیں طلاق دیں، جس کو چاہیں رکھیں، آپ کو اختیار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

اور حسن کہتے ہیں کہ یہ آیت نکاح کے لیے ہے کہ جس سے چاہیں آپ نکاح کریں جس سے چاہیں نہ کریں، آپ کو نکاح کی عام اجازت دی گئی ہے، اس تقدیر پر علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت ناسخ ہے، اگلی آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کے وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ اور تو جس کو چاہے پاس بلالیوے ان میں سے کہ جن کو الگ کر چکا ہے، ساتھ سونے سے یعنی جن کے ساتھ سونا ترک کر دیا ہے، ان میں سے اگر کسی کو بلاوے اور ساتھ سلاوے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ تتمہ ہے، ترجی من تشاء کا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ یہ اختیار اور تفویض تجھ کو اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں اور جو کچھ آپ ان کو دیویں اس سے ہر ایک خوش رہے۔ کس لیے کہ جب ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارا شب باشی میں کوئی حق مقرر نہیں ہے، پھر جس قدر آپ جس سے التفات کریں گے وہ اس کو احسان سمجھے گی، مگر آپ نے اس پر بھی برابری رکھی، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور تمہارے دلوں کے حالات کو اللہ خوب جانتا ہے کہ کس طرف زیادہ رغبت ہے، کس کی طرف کم وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا اور اللہ خبردار ہے ہر چیز کا ظاہر و باطن اور ہر چیز کی حکمت و علت اس کو معلوم ہے، جو حکم دیتا ہے اس میں مصلحت دیکھ کر دیتا ہے۔ علیم بھی ہے کہ جو بندوں سے احکام کی بجا آوری میں تقصیر ہوتی ہے تو وہ اس پر جلد عتاب نہیں کرتا۔

دوسرا حکم : لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ یہ حضرت ﷺ کو دوسرا حکم ہے کہ آپ کو اور کوئی عورت حلال نہیں۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و ضحاک و قتادہ و حسن و ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کو ان موجودہ نو بیویوں کے سواء جو آپ

کے پاس تھیں جنہوں نے اللہ اور رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا تھا اور بیویوں سے نکاح کرنا منع ہو گیا تھا، ان کی اس نیکی کے بدلے میں اور وہ نو بیویاں یہ تھیں۔ عائشہ، حفصہ بنت عمر، اُم حبیبہ بنت ابی سفیان، سودہ بنت زمعہ، اُم سلمہ بنت ابی امیہ، صفیہ بنت حی بن اخطب، جو خیبر کی رئیس یہودی کی بیٹی تھیں۔ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ، زینب بنت جحش اسدیہ، جویریہ بنت حارثہ مصطلقیہ، رضی اللہ عنہن حضرت ﷺ کی وفات تک یہی موجود رہیں۔ ان کے بعد اور کی اجازت تو در کنار ان کی جگہ اور عورت کا قائم کرنا ممنوع تھا کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ اور دوسری کو لاویں اور نو کے عدد کو پورا رکھیں۔ کما قال وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ مگر لونڈی رکھنے کی اجازت تھی۔ کما قال الا ما ملکت یمینك مگر وہ جو تیرے قبضہ میں لونڈی آجاوے۔ یہ آیت محکمہ ہے اسی پر اخیر تک حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل درآمد رہا اور اس کے بعد ایک لونڈی آپ کے پاس آئی جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ مقوقش بادشاہِ مصر نے ہدیۃً آپ کی خدمت میں بھیجی تھی اس سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ آٹھویں سال ہجری میں ذی الحجہ کے مہینہ میں جو شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال کر گئے، انہی کی وفات پر حضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔ وانی بفراقك یا ابراھیم لمحزون کہ میں تیری جدائی سے اے ابراہیم غمگین ہوں۔

بعض علماء اس تقدیر پر اس آیت کو منسوخ کہتے ہیں۔ سنت سے اور آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ سے چنانچہ احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ کو اجازت عام ہو گئی تھی اور ابی بن کعب و عکرمہ ابورزین وغیرہ کہتے ہیں کہ النساء سے مراد وہ نو بیویاں نہیں بلکہ وہ چاروں اقسام جو پہلے مذکور ہوئے ان کے سوا اور کسی سے آپ کو نکاح کی ممانعت تھی اور تعداد اور تبدل میں آپ مختار تھے اور اقسامِ اربعہ ہی کے تبدل سے منع کئے گئے تھے اور انہی کی تائید کرتا ہے وہ قول کہ النساء سے مراد کتابیات و مشرکات ہیں کہ آپ کو شرک اور اہل کتاب یعنی غیر مذہب والی عورتیں درست نہیں، ہاں غیر مذہب والی لونڈیوں کا مضائقہ نہیں کس لیے کہ ام المومنین ہونے کا شرف مسلمان عورت ہی کو ہے اور یہی قوی ہے کس لیے کہ مدرسہ دینیہ کے لائق کافر نہیں ان کو نکاح میں لانے سے کیا فائدہ؟ اس صورت میں آیت کو منسوخ کہنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا اللہ ہر شے پر محافظ ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے جو کام کرو اس بات کا خیال رکھو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تمہیں کھانے کھانے کے لیے اجازت دی جائے، بغیر اس کے کہ اس کے پکنے کا انتظار کرو، لیکن جب بلائے جاؤ تو

داخل ہو جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ جایا کرو اور باتوں کے لیے جم کر نہ بیٹھا کرو، کیونکہ اس سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے اور حق بات کہنے سے اللہ شرم نہیں کرتا اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے اور تم کو زیبا نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ لائق ہے کہ اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، البتہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔ اگر تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ تو ہر بات جانتا ہے۔

ترکیب : الا ان یؤذن فی موضع الحال ای لا تدخلوا الا ماذونا لکم الی طعام متعلق بیؤذن لانہ فی معنی یدعو غیر ناظرین بالنصب علی الحال من الفاعل فی یدخلوا او من المجرور فی لکم ویقرء بالجر علی الصفۃ للطعام وھو غیر جائز عند البصریین لانہ جری علی غیر ماھولہ فیجب ان یبرز الفاعل فیکون غیر ناظرین انتم۔ ولا مُسْتَانِسِیْنَ معطوف علیٰ ناظرین اومقدر بفعل ای ولا تدخلوا او لا تمکثو امستانسین۔

تفسیر : ازواجِ مطہرات کے حقوق جو نبی علیہ السلام پر تھے، ان کو بیان فرما کر اب وہ حقوق بیان فرماتا ہے جو لوگوں پر ہیں اور نیز بزرگوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کا کیا طریقہ ہے۔

ایک حکم : فقال یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نَاظِرِیْنَ اِنٰہُ الخ یہ ایک حکم ہے، اس میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے۔

دوسرا حکم : کھانے کی قید بھی اتفاقی ہے، کس لیے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہی سبب تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر لوگوں کی دعوتِ ولیمہ کی، لوگ کھا پی کر باتوں میں مشغول ہو گئے، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ چلے جاویں، شرم کے مارے کہہ نہ سکے، کئی بار اُٹھے کہ لوگ اُٹھ جاویں مگر تین آدمی پھر بھی باتوں میں مصروف ہی رہے، جب وہ اُٹھ گئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آرام کے لیے تشریف لائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے تو جاؤ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ پہلے ہی سے جا کر پکنے کے انتظار میں نہ بیٹھ جایا کرو۔ (اناہ نضجہ وادراکہ یقال انی یانی اذاحان وادرک) جیسا کہ عرب کا دستور تھا، ہاں جب تم کو بلایا جاوے تو جاؤ پھر جب کھا چکو تو اُٹھ جاؤ، باتیں کرنے کو نہ بیٹھ جایا کرو۔ (یہ دوسرا حکم ہے) کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ شرم کے مارے نہیں کہتے، لیکن اللہ کو حق بات بیان کرنے سے کوئی شرم نہیں، عام مسلمانوں کے گھروں کی بابت بھی یہی حکم ہے۔

تیسرا حکم : وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْھَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِھِنَّ یہ تیسرا حکم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے جو کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے باہر سے آواز دے کر مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی صفائی کے لیے عمدہ بات ہے۔ کس لیے کہ جوان عورت کے آمنے سامنے ہونے میں خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس آیت کو آیتِ حجاب کہتے ہیں۔

حجاب کا حکم : ابن جریر وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ شب کے وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حاجتِ ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں اور عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کرنے کے بارے میں عرض کیا کرتے تھے۔ ایک بار سودہ رضی اللہ عنہا بھی نکلیں، لمبے قد کی عورت تھیں، عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا اے سودہ! ہم نے پہچان لیا، اس غرض سے کہ پردہ کا حکم نازل ہو، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن سعد نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پانچویں سال ہجری میں پردہ کا حکم ہوا اور میں اس وقت پندرہ برس کا تھا۔ بخاری نے بھی نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کئی بار عرض کیا کہ آپ کے پاس نیک و بدسب طرح کے آدمی آتے ہیں، اگر امہات المومنین کو پردہ کا حکم ہو جاوے تو بہتر ہے۔ پس یہ آیت حجاب نازل ہوئی اور سودہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں جو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ بخاری کی کتاب التفسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت حجاب کے بعد سودہ رضی اللہ عنہا باہر نکلی تھیں اور یہی حدیث اس اسناد سے کتاب الطھارۃ باب خروج النساء میں موجود ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

حجاب سے پہلے کا معاملہ ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ اس حدیث میں جو آیا ہے خرجت سودۃ بعد ما ضرب الحجاب اس حجاب سے مراد بدن ڈھانکنا ہے جس کا ذکر سورۂ نور میں آ چکا ہے، اس کے بعد کسی غیر قوم نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو نہیں دیکھا اور یہ حکم گو وقرن فی بیوتکن سے بھی سمجھا جاتا تھا جو اس سے پہلی آیتوں میں آیا تھا مگر یہاں بالکل تصریح ہوگئی۔

اور یہی حکم سب مسلمانوں کی عورتوں کے لیے ہو گیا اور اس وقت سے مسلمانوں میں پردہ کا رواج ہوا۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی عمدہ بات ہے کہ جس کو غیرت مند لوگ ہی جانتے ہیں۔ ہاں جن قوموں میں یہ رسم نہیں۔ (اور بجز اسلامیوں کے اور قوموں میں نہیں اور ہے تو انہی کی صحبت سے اور عہدِ آدم سے لے کر اب تک کسی قوم میں مروج نہیں) ان کی آزاد طبیعتیں جو چاہیں اس پر طعن کریں اور عورتوں کو قید میں ڈالنا یا اور کچھ کہیں مگر غیرت اور عصمت پسند طبائع اس کو بہت عمدہ رسم کہتی ہیں۔

چوتھا حکم : وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ چوتھا حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی قسم کی ایذا اور دُکھ دینا مسلمانوں پر حرام ہے، خواہ زبان سے ایذاء دی جاوے یا آپ سے مخالفت کی جاوے اور آپ کے دینِ پاک میں کوئی بدعت ایجاد کی جاوے یا آپ کی یا آپ کے اقارب خصوصاً اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی توہین کی جاوے حضرت ﷺ کے ازواجِ مطہرات پر کوئی عیب لگایا جاوے، سب حرام ہے، جس کی سزا جہنم ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔

پانچواں حکم : وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا یہ پانچواں حکم ہے کہ نبی کے بعد یا آپ کے طلاق دینے کے بعد کسی مسلمان کو آپ کی بیویوں سے نکاح کرنا ابداً حرام ہے، ایک تو اس لیے کہ وہ مسلمانوں کی دینی مائیں ہیں جو حقیقی ماؤں سے بھی تعظیم و تکریم میں بڑھ کر ہیں اور ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، دوسرا یہ کہ بیوی مرد کا فراش اور محکوم ہوتی ہے۔ اس کی خدمت کے لیے اس کو آمادہ رہنا پڑتا ہے، اگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کیا جاوے تو یہی ذلت ان کے لیے بھی ظہور میں آوے اور یہ شانِ نبوت کی پوری توہین، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا کہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے اور بڑا گناہ ہے۔

اور وجہ : اگر کوئی کہے اس میں بیویوں کی بڑی حق تلفی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی حق تلفی نہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کے بعد ان کا نان ونفقہ تو بیت المال کے ذمہ کر دیا تھا اور آپ نے بھی اپنی حیات میں ان کو اس سے مطمئن فرما دیا تھا، اب رہی خواہشِ نفسانی سو اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو مستغنی فرما دیا تھا، انہی کے دل میں یہ ہوس باقی نہیں رکھی تھی۔ حضرت ﷺ کے بعد خود ان کو کسی کی بیوی بننا گوارا نہ تھا، اس صحبت کے بعد ان کو کس کی صحبت پسند آ سکتی تھی۔

ذوقِ الطاف تو اے کاش نمی یافت دلم یاد ہر لحظہ تو اکنوں سبب صد الم ست

اور وجہ : اور سب سے بڑھ کر ازواجِ مطہرات سے نکاح حرام ہونے کی ایک اور وجہ ہے وہ یہ ہے کہ جس کام کے لیے یہ حضرت نبی علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھیں، یعنی علومِ دینیہ سیکھنے اور پھر اس کو پھیلانے کے لیے یہ کام ان سے فوت ہو جاتا، کس لیے کہ یہ خانہ داری کے جھگڑوں میں اور بال بچوں کے جنجال میں پھنس کر اور دوسرے مرد کی پابند اور محکوم رہ کر کبھی اس کام کو سرانجام نہ دے سکتی تھیں اور ایک وجہ اور بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گو موتِ عرفی عارض ہوئی انك میت و انهم میتون، مگر اس پر بھی ایک ایسی حیاتِ ابدی حاصل تھی اور ہے کہ جو شہیدوں سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے، اس ہادیِ برحق کا تعلق اب بھی دنیا میں امت سے وہی ہے اور اسی لیے جسمِ اطہر کو خاک نہیں کھا سکتی اور اسی لیے بہت سے آثارِ غریب لوگوں نے مشاہدہ کئے ہیں۔ ان لحاظات سے آپ زندہ ہیں اور حیات النبی مشہور ہیں، پس زندہ کی بیوی کسی سے کیونکر نکاح کر سکتی ہے؟

اور وجہ : ایک اور بھی وجہ ہے کہ بزرگوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنا ان کی گستاخی ہے، اس کو طبائع سلیمہ برا جانتی ہیں اور اسی لیے ہندوؤں میں یہ مسئلہ مہاراجوں اور پیشواؤں کے لیے ایجاد ہوا تھا جو ان کے دیکھا دیکھی اور شرفاءِ اہلِ ہند میں بھی رواج پایا گیا۔ غلط فہمی سے برہمنوں نے ازواجِ ثانی کو حرام کہہ دیا، مگر اسلام نے یہ بات خاص ازواجِ مطہرات ہی کے لیے رکھی ہے اور کے لیے نہیں ہاں طبیعت کا اختیار ہے، کچھ نکاحِ ثانی کے لیے مجبور بھی نہیں کیا ہے، مگر رسم ہنود اس کو ترک کرنا بھی ممنوع ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ جو بیوی آپ کے نکاح میں آ گئی، اس کا نکاح غیر سے حرام ہو گیا۔ خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو...... بعض کہتے ہیں، اگر صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو درست ہے کیونکہ اس مستعیذہ نے کہ جس کو صحبت سے پہلے آپ نے طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اشعث بن قیس سے نکاح کیا جس کے سنگسار کرنے کا قصد کیا گیا، مگر جب یہ معلوم ہوا تو چھوڑ دیا گیا۔ (بیضاوی) اور لونڈیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر حضرت ﷺ نے ان سے صحبت کی تو ان سے نکاح حرام ہے ورنہ نہیں، اس بارہ میں خطراتِ قلبی سے دل پاک رکھنے کے لیے فرماتا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

ع

ان عورتوں پر کچھ گناہ نہیں، اپنے باپ کے سامنے ہونے میں نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے ہاتھوں کے مال کے (یعنی غلاموں سے) اور اللہ سے ڈرتی رہا کرو۔ بے شک اللہ کے سامنے ہر چیز (موجود) ہے، البتہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ ایمان والو! تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجا کرو اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو ایماندار مرد اور عورتوں کو ناکردہ گناہوں پر ستاتے ہیں تو انہوں نے بہتان اور بڑا گناہ اُٹھایا۔

ترکیب : لا جناح استیناف، فی اباء هن متعلق بمحذوف ای الدخول او مثله ماینا سب المقام، واتقین الله استیناف او معطوف علی الکلام السابق لانه فی معنی الانشاء وان ترکناه علی ظاهره فیجوز عطف الجملة الانشائیة علی الجملة الخبریة عند الفصحاء، تسلیما مصدر موکد۔

تفسیر: کن مردوں سے پردہ نہیں : آیتِ حجاب بظاہر عموم الفاظ کے لحاظ سے یہ کہتی تھی کہ ازواجِ مطہرات کے باپ بھائیوں، دیگر محارم سے بھی پردہ ہے اور اس میں بڑی دقت تھی، اس لیے اس آیت لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ الخ میں اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں

سے پردہ نہیں۔اس آیت میں ہے کہ ازواجِ مطہرات کے باپوں اور ان کے بیٹوں سے عام ہے کہ حضرت سے ہوں یا ان کے پہلے خاوندوں سے ہوں اور ان کے بھائیوں سے عام ہے کہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی اور ان کے بھتیجوں سے اور ان کے بھانجوں سے اور ان کی خدمت گار عورتوں سے اور ان کے مملوک لونڈی غلاموں سے پردہ نہیں۔خدمت گار عورتوں سے مراد علماء نے مسلمان عورتیں کی ہیں۔بقرینۂ اضافت نسائهن اور کافر عورتیں جو ازواجِ مطہرات کے سامنے جاتی تھیں تو ازواجِ مطہرات ان سے بجز منہ اور ضروری اعضاء کے سب بدن چھپاتی تھیں اور ماملکت میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، صرف لونڈیاں مراد ہیں۔بعض کہتے ہیں لونڈی اور غلام دونوں بعض نے فیصلہ کیا ہے کہ نابالغ غلاموں کو اندر جانے کی اجازت تھی، اس مسئلہ کی کامل شرح سورۂ نور میں ہو چکی۔

اب کلام اس میں ہے کہ چچا اور ماموں کا کیوں ذکر آیت میں نہیں آیا، حالانکہ ان سے بھی پردہ نہیں؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ ابائهن میں داخل ہیں، یعنی یہ بھی باپ عرف میں شمار کیے جاتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمیع محارم کا ذکر سورۂ نور میں آچکا ہے۔یہاں بعض کا ذکر کیا گیا۔اس حکم کی تائید کے لیے فرماتا ہے۔واتقین اللہ اور اللہ سے ڈرتی رہو۔سب باتوں میں خصوصاً پردہ کے امر میں کیونکہ ان اللہ کان علی کل شیءٍ شهیدا اللہ کے نزدیک ہر شے حاضر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں، درحقیقت احکامِ الٰہی پر سرگرمی سے عمل جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب انسان اس کو ہر وقت حاضر و ناظر سمجھے گا۔

اس حکم میں بھی اور عورتیں شریک ہیں، ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ پردہ میں رہا کریں اور بجز محرموں کے اور کوئی اندر نہ جایا کرے اور یہ بھی آواز دے کر۔آنحضرت ﷺ کے ازواجِ مطہرات واہلِ بیتِ اطہار کی تعظیم آنحضرت ﷺ کی تعظیم پر مبنی ہے، اس لیے اس کے بعد آنحضرت علیہ السلام کی عزت وعظمت کا حال بیان فرما کر مسلمانوں کو اس کی رغبت دلاتا ہے۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی کا بیان : فقال اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجا کرتے ہیں۔بخاری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد ملائکہ کے روبرو آپ کی ثناء وصفت کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مراد دعا کرنا ہے اور ترمذی نے اپنی سنن میں سفیان ثوری وغیرہ بہت سے اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے استغفار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ مرتبہ بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اور ملاءِ اعلیٰ میں ہے کہ اللہ اس کی ثناء وصفت ملاءِ اعلیٰ میں بیان کرتا ہے اور آپ پر رحمت بھیجا کرتا ہے اور ملائکہ آپ کے لیے دعائے خیر کیا کرتے ہیں۔پس مسلمانوں کو بھی یہی کرنا چاہیے۔

مقصد یہ کہ حضرت ﷺ کے ازواج اور ان کے متعلق احکام اور مخالفوں کے طعن سے یہ نہ سمجھ لینا کہ حضرت ﷺ بھی ایک معمولی آدمی ہیں، ہماری طرح سے آپ کے ساتھ بھی دُنیاوی جھگڑے لگے ہوئے ہیں۔نبی کو دنیاوی باتوں زن وفرزند سب سے الگ تھلگ رہ کر ملائکہ کی طرح رہنا چاہیے۔یہ خیال نہ کرنا یہ باتیں بشریت کے لوازمات میں سے ہیں، روحانی طور پر آپ ملائکہ سے بھی بڑھ کر ہیں، کیونکہ عالمِ ملکوت کے بادشاہ اور اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ وہ ملائکہ کے بھرے دربار میں آپ کی ثناء وصفت کرتا ہے اور دربار کے ملائکہ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اور مدح میں شریک ہوتے ہیں۔

ابحاث (۱) صلوٰۃ کے معنی بلحاظ اللہ اور ملائکہ کے مختلف ہیں اور کتبِ اصول فقہ میں اس بات کو بڑے زور سے ثابت کیا ہے کہ ایک لفظ بول کر ایک ہی استعمال میں نہ تو حقیقی ومجازی دونوں معنی مراد لے سکتے ہیں، نہ ایک لفظ مشترک المعانی کے ایک سے زیادہ معنی مراد لے سکتے ہیں اور اس لفظ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شریک ہیں اور لامحالہ دو معنی لینے پڑتے ہیں۔پس اس کا جواب صاحب توضیح وغیرہ نے یہ

دیا ہے کہ اس مقام پر ایک معنی مجازی ایسے وسیع مراد ہیں کہ جو حقیقی اور مجازی دونوں معنی کو شامل ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں اور یہی حقیقت لغوی ہے اور اس کے علاوہ مجازی اور وہ معنی مجازی ارادۂ خیر ہیں جو رحمتِ الٰہی اور استغفار و دعا، ملائکہ کو بھی شامل ہیں اور اسی معنی میں مسلمانوں کو اقتداء کرنے کا حکم ہوا ہے اور بعض[1] نے دوسرا لفظ یصلون محذوف مانا ہے۔ وفیہ و مافیہ۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ ضمیر واحد اور کلام واحد میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو ملانا جائز نہیں، مگر محققین کہتے ہیں اگر ملانا اس طور سے ہو کہ جس سے دونوں کی برابری سمجھی جاوے تو ممنوع ہے، جیسا کہ آپ نے اس خطیب کو کہ جس نے ومن یعصھما کہا تھا۔ بئس الخطیب فرمایا کہ برا خطیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا۔ ومن یعص اللہ ورسولہ اور اس طرح سے نہیں تو جمع کرنا جائز ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ صیغہ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شامل ہیں اور نیز صحیح بخاری میں آیا ہے کہ خیبر کے مقام پر آپ نے منادی سے کہا کہ یہ پکار دے ان اللہ و رسولہ ینھیانکم عن لحوم الحمر الاھلیۃ۔

یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ جب اللہ اور ملائکہ آپ کی تعظیم کرتے ہیں تو ایماندارو تم بھی حضرت ﷺ پر درود بھیجو اور سلام۔ بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ پر سلام کہنا تو ہم کو[2] معلوم ہو گیا ہے۔ صلوٰۃ تم پر کس طرح سے پہنچنی چاہیے، آپ نے فرمایا یوں کہو اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید اور ابن ابی شیبہ و عبداللہ بن حمید و احمد و نسائی نے طلحہ بن عبیداللہ سے آلِ ابراہیم بھی دونوں فقروں میں نقل کیا ہے اور دیگر احادیث صحیحہ میں اور طور سے بھی صلوٰۃ کا کہنا آیا ہے اور اسی طرح حضرت ﷺ کے صفاتِ مختلفہ کو بھی اس میں شامل کیا ہے، مگر اکثر احادیث میں حضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ﷺ کے آل پر بھی درود بھیجنے کا ذکر ہے۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں صلوا امرِ وجوب کے لیے آیا ہے، اس لیے سب کے نزدیک حضرت ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، مگر اس کے اوقات و تعداد میں اختلاف ہے۔ مالک و طحاوی کے نزدیک عمر بھر میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اور باقی مندوب اور بعض کہتے ہیں جس مجلس میں حضرت ﷺ کا ذکر آوے درود بھیجنا لازم ہے اور کرخی فرماتے ہیں، جب آپ کا نام سنے درود بھیجے اور اس میں احتیاط ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے (مدارک) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھنا واجب ہے، اول میں سنت ہے۔ درود کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ گو حضرت ﷺ کو اس کی کچھ احتیاج نہیں بلکہ لوگوں کے فائدے کے لیے اس کا حکم دیا، خدا کے برگزیدہ لوگوں پر رحمت بھیجنے اور دعا کرنے سے اللہ اس دعا کرنے والے پر رحمت و برکت نازل کرتا ہے۔

دیکھو توریت سفر الخلیقہ کے بارہویں باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔ قولہ ''اور میں تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت ہو گا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتا ہے لعنتی کروں گا''۔ الحمدللہ کہ یہ امت پنجگانہ نماز میں ابراہیم علیہ السلام پر بھی برکت دیتی ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ صلوٰۃ و سلام کا لفظ خاص آنحضرت ﷺ کے لیے ہے۔ تبعاً غیر پر بھی درست ہے، جیسا کہ عزوجل کا لفظ اللہ کے لیے مخصوص ہے اور رضی اللہ عنہ صحابہ اور اہل بیت کے لیے اور رحمہ اللہ اوروں کے لیے۔

---

[1] اور ہمارے نزدیک آیت میں دو معنی مراد نہیں بلکہ ایک کیونکہ اللہ صلوٰۃ بھیج رہا ہے جو اس کے مناسب ہے یعنی ثنا و صفت کرتا ہے اور ملائکہ اس بھرے دربار میں ہاں ہاں اور بجا بجا کرتے ہیں گویا دونوں مل کر ثناء و صفت کرتے ہیں ۱۲ منہ

[2] وہ تشہد میں آپ نے تعلیم فرمایا ہے یعنی التحیات میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ابن کثیر) ۱۲ منہ

اس کے بعد حضرت ﷺ کو ایذا دینے والوں کی سزا بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ الخ کہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کو آخرت میں ذلت کا عذاب ہوگا اور آپ کے ساتھ متبعین کا بھی رتبہ بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ کہ وہ جو ناحق مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں، ان پر بہتان لگتے ہیں اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے مونہوں پر نقاب ڈالا کریں، اس میں یہ ہوگا کہ وہ پہچانا جایا کریں گی، پھر ستائی نہ جاویں گی اور اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں غلط خبریں اڑانے والے باز نہ آئیں گے تو آپ کو ہم ان کے پیچھے لگا دیں گے[1]، پھر وہ اس شہر میں تیرے پاس نہ رہ سکیں گے، مگر بہت کم۔ پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مارے گئے۔ جیسا کہ اللہ کا دستور چلا آیا ہے، پہلی اُمتوں میں اور اللہ کے دستور کو تو کبھی بدلا ہوا نہ پاوے گا۔

ترکیب: یدنین ہو مثل قولہ قل لعبادی یقیموا الصلوٰۃ فی ابراھیم فتذکرہ من جلا بیبھن للتبعیض فان المرأۃ ترخی بعض جلبابھا والبعض علی راسھا ثم لایجاورونک عطف علی نغرینک وثم للدلالۃ علی ان الجلاء اشد علیھم من سائر المصائب۔ الاقلیلا زمانا او جوارا قلیلا، ملعونین نصب علی الحال والاستثناء یتناولہ لا یجاورون الا ملعونین۔

تفسیر: پیغمبر علیہ السلام اور مومنین کی ایذاء کی برائی کے بعد ایذاء کے بعض اسباب دور کرنے کی تدبیر بتلاتا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ ابن سعد نے طبقات میں ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ کی بیویاں حاجتِ ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں۔ (جب تک گھروں میں پاخانے نہ بنے تھے) اور منافق لوگ رستہ میں ان پر آوازے کستے تھے، یعنی چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، اس کی بیویوں نے شکایت کی تو ان لوگوں سے کہا گیا کہنے لگے کہ ہم تو لونڈیوں کو چھیڑا کرتے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی، پردہ کے بعد بھی حاجتِ ضروریہ شرعیہ کے لیے پردہ کے ساتھ عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ جیسا کہ بخاری کی اس حدیث سے سمجھا جاتا ہے کہ جس میں شب کو سودہ رضی اللہ عنہا کے باہر جانے اور عمر رضی اللہ عنہ کے باہر جانے کا ذکر ہے۔ پائخانے کو بھی جاتی تھیں، شب کے وقت نماز میں بھی شریک ہوتی تھیں، رستہ میں منافق چھیڑا کرتے تھے۔ یہ بھی بڑی ایذاء تھی۔

---

[1] ان پر ابھار دیں گے۔

اس آیت میں حکم دیا گیا کہ نبی کی بیویاں اور بیٹیاں اور مسلمانوں کی عورتیں جو بضرورت باہر نکلیں تو چادر میں چھپ کر نکلیں، تاکہ معلوم ہوجاوے کہ لونڈیاں نہیں بیویاں ہیں، کیونکہ لونڈیوں کا لباس اور ہوتا ہے، وہ کپڑا اس طرح سے اوڑھ کر نہیں نکلتی ہیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی لونڈی کو چادرے میں لپٹے ہوئے جاتے دیکھ کر فرمایا کہ کمبخت بیویوں کے مشابہ ہوا چاہتی ہے، اس کپڑے کو اتار۔ پھر بیوی سمجھ کر کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ جلابیب جمع جلباب بڑا کپڑا اوڑھنا وغیرہ کہ جس سے تمام بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جاوے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور جو پردہ کے بارہ میں کچھ قصور ہوجاوے بشریت سے تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ منافقوں کی ایک اور بھی ایذا رسانی تھی، وہ یہ کہ مدینہ میں طرح طرح کی خوفناک خبریں اُڑا کر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے کہ فلاں بادشاہ چڑھ کر آتا ہے وہ آکر یوں قتل عام کرے گا۔ فلاں قوم آتی ہے، ان سب کی نسبت فرماتا ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ کہ اگر یہ منافق اور وہ لوگ کہ جن کے دل میں مرض ہے، شک وشبہ یا مرضِ زنا کاری ہے اور وہ جو افواہیں اڑایا کرتے ہیں، باز نہ آویں گے تو لنغرينك بهم تو اے نبی! تجھ کو ہم ان پر ابھاریں گے اور مسلط کریں گے۔ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلًا کہ پھر وہ تیرے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔ مَلْعُوْنِيْنَ أَيْنَمَا ثُقِفُوْا أُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا اور مدینہ سے باہر نکل کر بھی خوش حال نہ رہیں گے، بلکہ ذلیل وخوار ہو کر جہاں کہیں پاویں پکڑے جاویں اور قتل کئے جاویں۔ یہ جملہ بطور تہدید کے ہے کہ اگر منافق اس بات سے باز نہ آویں گے تو جہاں پائے جاویں گے قتل کئے جاویں گے۔ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اور اس کے بعد جو جملے بطور عطف کے آئے ہیں، ان سے منافق ہی مراد ہیں۔ واؤ زائد ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں۔

الی الملک القرم و ابن الہمام   ولیث الکتیبۃ فی المزدحم

بعض کہتے ہیں کہ منافق کئی قسم کے مدینہ میں تھے۔ بعض وہ تھے کہ جن کے دل میں مرض تھا زنا کاری کا وہ اسی لیے رستہ میں آتے جاتے عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور بعض غلط افواہیں اڑایا کرتے تھے۔ الارجاف من الرجفۃ وھی الزلزلۃ سمی الاخبار الکاذب لکونہ متزلزلاً غیر ثابت۔ بیضاوی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ کہ ہمیشہ سے اللہ کا دستور یوں ہی چلا آتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو غارت ہی کرتا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور اللہ کا یہ دستور کبھی نہیں پلٹے گا، اس کے بعد منافق اپنی اس حرکتِ بد سے باز آ گئے تھے۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

لوگ آپ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہی آلگی ہو۔ اللہ نے کافروں پر لعنت کردی ہے اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا، جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ کوئی حمایتی پاویں گے اور نہ مددگار، اس دن کہ آگ میں ان کے منہ اُلٹ جاویں گے، کہنے لگیں

گے، اے کاش! ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے اے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہم کو گمراہ کر دیا۔ اے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

ترکیب: قریبا[1] ای شیئا قریبا وانتصابہ علی انہ خبر کان، قریب فعیل وھواذا کان فی معنی المفعول کمافی ھذہ الآیۃ فیستوی فیہ المذکر والمؤنث کمافی قولہ تعالیٰ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ فلا یقال قریبۃ۔ وقیل المعنی تکون الساعۃ عن قریب ای فی زمان قریب وانتصابہ علی الظرفیۃ والتذکیر لکون الساعۃ فی معنی الیوم اوالوقت مع ان الساعۃ لیس موئثا حقیقیا، یوم ظرف فیقولون الرسولا لرعایۃ الفواصل۔

تفسیر: آنحضرت ﷺ دنیاوی عذاب کے سواء قیامت کے عذاب سے بھی ان بدکاروں، سرکشوں کو خوف دلایا کرتے تھے، لیکن وہ بدبخت اس بات کو کب باور کرتے تھے۔ ہنسی اور تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے کہ وہ قیامت کب آوے گی، چنانچہ ان آیتوں میں انہی باتوں کا تذکرہ ہے۔ فقال یسئلك النّاس عن الساعۃ کہ لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ وہ کب ہو؟ یہ سوال کرنے والے وہی بدکردار منافق تھے اور ان کے ساتھ اور کافر بھی شریک تھے۔ اس طرح سے سوال کرنے کا قرآن مجید میں بہت جگہ ذکر آیا ہے، کیونکہ منکر نظامِ عالم کا بگڑنا محال جانتے تھے اور قدم دہری کے قائل تھے اور پھر اس کو ابدی بھی جانتے تھے۔ جیسا کہ آج کل ہنود کے فرقے قائل ہیں اور مشرکوں میں یہ عقیدہ مدت سے چلا آتا ہے۔ قیامت کا وقت ایک مصلحتِ سماویہ کی وجہ سے مخفی رکھا گیا ہے، اس لیے اس کا تو کچھ بھی جواب نہیں دیا نہ یہاں نہ قرآن مجید میں اور کسی جگہ مگر اس آنے والی مصیبت کا حال بیان کر دیا اور یہی مواقع انذار میں مناسب تھا اور اس جگہ گو وقتِ معین تو نہ بتلایا مگر یہ بات بتلا دی کہ اس کا وقت بہت دور نہیں بلکہ قریب ہے، فقال اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا۔

حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ (متفق علیہ) یعنی جس طرح سے یہ دونوں ملی ہوئی ہیں، اسی طرح قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ غرض یہ کہ نزدیک زمانہ آگیا ہے۔ واضح ہو کہ احادیثِ صحیحہ میں موت کو بھی قیامت کہا ہے اور یہ قیامتِ صغریٰ ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ اور کبھی انقراضِ قرن کو بھی قیامت کہا ہے، اس کو قیامتِ وسطیٰ کہتے ہیں۔ اگر قیامتِ صغریٰ و وسطیٰ ہی مراد ہوں تو اس کا قرب آنکھوں کے سامنے ہے۔ انسان کی زندگی حباب کی بقاء سے کمتر ہے، مرتے ہی اس پر دارو گیرِ آخرت شروع ہو جاتی ہے۔ خود ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے، اس کا وقت کیا پوچھنا؟

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ الخ یہاں سے ان غفلت شعار لوگوں کا وہ معاملہ بیان فرماتا ہے جو آخرت میں بہت جلد ان کے سامنے آنے والا ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ان کو اس بلا سے وہاں کوئی نہ چھڑا سکے گا، اس روز آگ میں ان کے منہ اُلٹے پلٹے جاویں گے۔ منہ سے مراد ان کی ذات ہے، یعنی وہ اُلٹے پلٹے جاویں گے کہ جس طرح کباب کو بھونتے وقت اُلٹا پلٹا کرتے ہیں، یہ دُنیا میں ان کے اُلٹنے پلٹنے کی سزا ہے کہ کبھی کچھ کبھی کچھ کرتے تھے جو نفاق کی شان ہے اور وہاں ان کو اپنے مذہب اور اس کے پیشواؤں کا حال معلوم ہوگا کہ انہوں نے ہم کو مفت بدراہ کیا، اس لیے جل کر کہیں گے کہ خداوندا ان کو دوگنا عذاب دے، ایک ان کی گمراہی کا دوسرا ہمارے گمراہ کرنے کا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا

---

[1] ولا حاجۃ ای التقدیر الشئ الموصوف۔

سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ کہ جنہوں نے موسیٰ کو ستایا، پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کی باتوں سے بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک عزت دار تھے۔ ایمان والو اللہ سے ڈرا کرو اور راستی کی بات کہا کرو، تاکہ وہ تمہارے اعمال کو درست کر دے اور تمہارے گناہ معاف کر دے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا سو وہ بڑی مراد کو پہنچا۔

ترکیب : کالذین خبر کان، مما متعلق ببرأہ و کان الجملۃ معطوفۃ علی فبراہ اللہ ویمکن ان تکون حالا من الضمیر فی فبراہ یُصْلِحْ وَیَغْفِرْ مجزوم جواب للامر وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ شرط۔ فقد فاز جوابہ سدیدا قاصدا ای مستقیما صالحا صوابا من سد یسد سدودا وجیھا ذا وجاھۃ۔

تفسیر : منافقوں کو تو تہدید کی ہی تھی جو رسول کریم ﷺ کو طرح طرح ایذائیں دیا کرتے تھے، مگر کچھ نادان مسلمان بھی بعض مواقع میں بے سوچے سمجھے بے ہودہ باتیں کہہ گزرتے تھے، جن کو ان آیات میں منع کیا گیا اور حکم دیا کہ منہ سے اچھی باتیں کہا کرو تاکہ تمہارے اعمال درست ہوں، یعنی مقبول ہوں اور تمہارے گناہ بخشے جاویں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس لیے ان آیتوں میں اسی بات کا تذکرہ کرتا ہے۔ فقال یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا کہ ایمان والو تم ان نادان لوگوں جیسے نہ ہو جایا کرو کہ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی لیکن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے الزامات سے بری کیا اور وہ اللہ کے نزدیک ذی مرتبہ تھے، یعنی ان الزامات کے قابل نہ تھے۔

ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت مشابہت تھی۔ شریعت میں احکامِ الٰہی کے جاری کرنے، قوم کو ورطہ ضلالت سے نکال کر سرفرازی بخشنے میں۔ پس بعض نادان مسلمانوں نے بھی حضرت ﷺ پر ایسے ہی الزام لگائے کہ جو موسیٰ علیہ السلام پر ان کے لوگوں نے لگائے تھے۔ اب اس آیت کی تفسیر میں دو باتوں کی تشریح ضرور ہوئی۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو کیا ایذا دی تھی؟ دوم یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیا ایذا دی تھی؟ پہلی بات کی بابت محدثین کی ایک جماعت نے کہ جن میں امام احمد اور بخاری اور مسلم اور داؤد ترمذی ہیں، مختلف راویوں اور مختلف اسناد سے یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے مال آیا تھا، جس کو آپ نے لوگوں کو تقسیم کر دیا، لیکن کسی انصاری نے اپنے کسی دوست سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے یہ تقسیم اللہ کے لیے نہیں کی، یعنی اس میں رورعایت کی ہے، یہ خبر آپ کو پہنچی سن کر فرمایا کہ چھوڑ و موسیٰ علیہ السلام کو اس کی قوم نے اس سے زیادہ ایذا دی جس پر انہوں نے صبر کیا۔

دوسری بات کی بابت بھی ہمارے راویوں نے یہ نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شرم کے آدمی تھے، نہاتے تو پردہ کر کے اس پر بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ موسیٰ کو نہانی کوئی عارضہ ہے جس کو وہ چھپاتا ہے، جس کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کو رنج ہوا۔ ایک بار موسیٰ علیہ السلام پتھر پر کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے کہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا اور جہاں بنی اسرائیل کا مجمع تھا، وہاں لایا لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ دیکھ کر یقین کر لیا کہ کوئی عارضہ نہیں ہے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ روایت ہے کہ ہارونؑ جو موسیٰ کے ساتھ پہاڑ پر گئے تھے اور وہیں مر گئے، ان کے کپڑے لا کر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے بیٹے کو دیے، اسرائیلیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپ بھائی کو مار ڈالا جس سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت صدمہ ہوا لیکن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس اتہام سے بری کر دیا۔

پچھلی بات کا تو کسی قدر توریت سے پتا لگتا ہے مگر پہلی بات کا کچھ بھی پتا نہیں لگتا، اس لیے ہم کو توریت کو دیکھنا پڑا۔ اس کو جو دیکھا تو ایسے بہت سے واقعات ملے کہ جن میں بنی اسرائیل نے حملے کیے اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برأت کی منجملہ ان کے ایک قادح یعنی

قارون کا حملہ ہے جس کی پوری تفصیل ہم اسی جلد میں کر آئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک واقعہ توریت سفر عدد کے بارہویں باب میں مذکور ہے، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک حبشی عورت لی تھی جس کی نسبت آپ کی بہن مریم اور ہارون علیہ السلام نے کوئی الزام لگایا، اس میں اس سبب سے کہ ہارون علیہ السلام کو کوئی سزا نہ ملی، صرف مریم کو کہ وہ مبروص ہوگئی۔ ہارون علیہ السلام کی شرکت نہیں معلوم ہوتی ممکن ہے کہ اور بنی اسرائیل بھی اس میں شریک ہوں جس سے خدا تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور خدا کا جلال بدلی میں سے نمودار ہوا، مریم کو برص ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا، وہ میرے سارے گھر میں امانت دار ہے۔ و کان عند اللہ وجیہا اس کے قریب قریب ہے اور یہی قصہ زیادہ تر چسپاں ہے کیونکہ اسی سورہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی زینب سے نکاح کرنے میں لوگوں نے طعن کیا تھا اور الزام لگایا تھا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِينَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٣﴾

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی، پھر اس کے اُٹھانے سے انہوں نے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اس کو انسان نے اُٹھالیا، البتہ وہ بڑا ظالم جاہل تھا تاکہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: الامانۃ مفعول لعرضنا علی السموات متعلق بہ ان یحملنہا ان مصدر یہ والجملۃ بتاویل المصدر مفعول لابین من ابی یابی بمعنی انکر لیعذب اللام متعلق بحملہا ویتوب معطوف علی یعذب منصوب لدخول لام کی۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کو دارین میں کامیابی حاصل ہوئی، اس جگہ اس طاعتِ باعثِ کامیابی کا حال بیان فرماتا ہے کہ یہ اس امانت کے ادا کرنے کے لیے ہے جو انسان کو سپرد ہوئی اور زمین و آسمان اس کو نہ لے سکے۔ پس جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو اس امانتِ الٰہی کو ادا کرتا ہے۔ فقال إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کہ ہم نے وہ امانت آسمانوں اور زمین کے آگے پیش کی روز ازل میں فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا ان میں اس کے لینے اور اُٹھانے کا مادہ نہ تھا، اس لیے وہ اس سے ڈر گئے اور لینے سے انکار کیا، مگر حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ انسان نے اس کو اُٹھالیا، إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا کیونکہ یہ اس کے انجامِ کار سے بے خبر اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ کہ جس نے اس امانت کو ادا نہ کیا۔ نفاق اور شرک وغیرہ قبائح میں مبتلا ہوا اس کو اللہ اس خیانت کی سزا دے گا۔ عذاب کرے گا، وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور جس نے اس امانت کو ادا کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت کہ وہ صدق دل سے ایمان لا کر متبعِ شریعت ہوا تو اس پر مہربانی کرے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا اور اللہ تعالیٰ کی صفت مہربانی کرنا اور معاف کرنا ہے۔

یہ آیت کے معنی ہیں جو ظاہر الفاظ قرآن مجید سے سمجھے جاتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق چند بحثیں ناظرین کے افادہ کے لیے درج کرتے ہیں۔

امانت کے معنی : (بحث اول) امانت کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ قیل وقال کی ہے۔ عوفی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اطاعت ہے اور مجاہد وسعید بن جبیر وضحاک وحسن بصری وغیرہم یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرائض اور طاعت کرنا ہے کہ جس کے بجالانے اور ادا کرنے پر ثواب اور ترک کرنے اور خیانت کرنے پر عذاب ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ جمہور کا یہی قول ہے پھر اداءِ فرائض کو بنظرِ اہتمام شان مختلف اقوال میں امانت سے تعبیر کیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ پنجگانہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور روزہ رکھنا اور حج کرنا، سچ بولنا، قرض ادا کردینا، انصاف کرنا، ماپ تول میں کمی نہ کرنا۔ یہ سب امانتِ الٰہی ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے، اس سے باز رہنا اور جس کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بجالانا امانت ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سب سے اول خدا نے انسان کی پیشاب گاہ بنائی ہے اور یہ اس کی امانت ہے، پس اگر اس کو بدکاری سے محفوظ رکھا تو امانت ادا کردی، پس شرمگاہ امانت ہے، کان امانت ہیں، آنکھ امانت ہیں، زبان امانت ہے، پیٹ امانت ہے۔ ہاتھ امانت ہیں ان کو کسی بری بات میں نہ لگاوے۔ الغرض یہ سب اقوال اور فرائض وطاعت کی تفاصیل ہیں۔ یہ مذہب ہے قدماء کا۔

آسمان وزمین کو ان فرائض کے ادا کرنے پر مامور نہیں کیا، ان میں مادہ افعالِ اختیاریہ کے بجالانے کا نہیں تھا۔ یہ مادہ نہ ہونا زبانِ حال سے گویا اس کی ذمہ داری سے انکار کردینا ہے اور انسان میں اس کا مادہ ہونا گویا اقرار کرنا ہے اور یہ اقرار اس کے مادہ کی وجہ سے ہوا کہ جس میں قوتِ غضبیہ وشہوانیہ بھی ہیں کہ جو ظلم وجہل کی جڑ ہیں۔

(۲) بیضاوی ونیشاپوری نے اس آیت کے معنی یوں بیان کئے ہیں کہ طاعت جو بندوں پر فرض کی گئی، اس کو واجب الادا ہونے کی وجہ سے امانت کہا گیا ہے، اب یہ معنی ہوئے کہ عظیم الشان ہونے کی وجہ سے اگر ایسے ایسے بھاری اجرام پر بھی دھرے جاتے اور ان کو عقل وشعور ہوتا تو وہ اس کے اُٹھانے سے انکار کرتے اور ڈر جاتے۔ کس لیے کہ عبادت وطاعت ایک تکلیف ہے اور تکلیف خلافِ طبیعت کام پر مامور ہونے میں ہوتی ہے۔ پس اس قسم کی تکلیف اٹھانے کی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں میں طاقت نہیں ہے، کیونکہ آسمانوں سے خلافِ طبع کام جو ہبوط ہے، ہو نہیں سکتا اسی طرح زمین سے صعود اور پہاڑوں سے حرکت بھی سرزد نہیں ہوتی، یہ جس کام پر قضاء وقدر نے لگا دیے ہیں، اسی پر لگے ہوئے ہیں اور اسی طرح ملائکہ سے بجز تسبیح وتقدیس کے اور کوئی خلاف بات سرزد نہیں ہوسکتی، لیکن باوجود ضعیف البنیان ہونے کے انسان نے اس کو اٹھالیا، پس جو اس کو بجالایا امانت ادا کردی۔ دارین میں فلاح کو پہنچا اور جس نے اس کو ادا نہ کیا وہ ظلوم وجہول ہے۔ پس امانت کے پیش کرنے کے ان اجرام پر یہ معنی ہیں اور ان کا اس اٹھانے سے انکار کرنا یہ ہے کہ ان میں اس کی صلاحیت نہیں اور کلام میں حقیقی معنی سے گفتگو نہیں بلکہ ایک تصویر وتمثیل ہے، یعنی استعارہ تمثیلیہ ہے انسان کی حالت اور اس کی ہیئتِ تکلیفیہ کو ایک حالتِ مفروضہ سے تشبیہ دی گئی کہ اگر وہ ان اجرام پر پیش کی جاتی تو اس سے انکار کر بیٹھتے کما قال وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ ظاہر تو یہی بات ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے کہ جس پر ہر ایک مخلوق مجبول کی گئی اور حملِ امانت سے مراد خیانت کرنا اور نہ کرنا۔ کما یقال فلان رکب علیہ الدین، پس جس نے اس کو قوت کے مرتبہ پر پہنچا دیا، اس نے ادا کردی ورنہ وہ اس کے ذمہ پر باقی ہے اور وہ اس کا حامل ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ آسمان اور ستارے امرِ الٰہی کے ہر وقت مسخر ہیں۔ کما قال اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ وَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى وقال تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ وقال وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالدَّوَآبُّ الآیۃ اور اسی طرح ملائکہ کا حال ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم اسی طرح قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں۔ برخلاف حضرتِ انسان کے یہ ثابت قدم نہ رہا، اس

لیے ظلوم یعنی ظالم اور جہول نادان ٹھہرا۔ ظلوم اس لیے کہ اس نے استعداد کو خلاف بات میں صرف کیا اور جہول اس لیے کہ اس نے استعداد کے برباد کرنے کا نتیجہ نہ جانا یا اپنے علم پر عمل نہ کیا، اس سے کچھ ثمرہ نہ اٹھایا کیا خوب کہا ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ میں لام جنس کے لیے ہے جو اس کے بعض افراد پر صادق آنے کی وجہ سے جنس پر صادق آ گیا اور وہ بعض افراد فاسق و منافق و کفار و مشرکین ہیں۔ نیشاپوری وغیرہ۔

(۴) اس آیت کے متعلق کاتب الحروف کے دل پر بھی ایک معنی القاء ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں، جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ عالم علوی سے لے کر سفلی تک ذرہ سے آفتاب تک اسی کے ہاتھ کی کاریگری ہے، اسی کے جمالِ جہاں آراء کا آئینہ ہے، اس نے اس عالم میں کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔ ہر ایک شے کو اپنی ایک صفت کا مظہر بنایا اور ہر ایک کو ایک خاص کام پر لگایا ہے۔ یہ نظام عالم اس بات کا مقتضی تھا کہ اس میں ایک شخص ایسا بھی ہو جو تمام عالم کا مجموعہ بن کر خدا تعالیٰ کی جمیع صفات کا مظہر اور اس کے جمالِ باکمال کا کامل آئینہ صافی ہو جاوے۔ پس وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اسی لیے صحیح بخاری میں ایک حدیث شریف آئی ہے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا، صورت سے مراد سیرت ہے اور اس معنی میں یہ لفظ زبانِ عرب اور ان کے اسلوبِ کلام میں بہت وارد ہے، ورنہ خدا تعالیٰ صورت و شکل سے پاک ہے۔ آیات تنزیہات اس بات کی صاف گواہی دے رہی ہیں اور اسی لیے قرآن مجید میں جیسا کہ آیاتِ الٰہی کے ملاحظہ کے لیے آفاق کے صحیفہ کے مطالعہ کا حکم دیا ہے، اسی طرح انسان کو اپنے نفس میں غور و تامل کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں معنی سے انسان کو عالمِ کبیر کہا جاتا ہے، پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم میں ہر ایک طرح کی قوت ودیعت رکھی ہے۔ قوتِ ادراکیہ، قوتِ غضبیہ، قوتِ رحمانیہ وغیرہا اور ان قویٰ کی ترکیب اور ان کی اصلاح سے اس میں وہ وہ صفات پیدا ہوئے کہ جو نہ آسمان و زمین کو حاصل ہیں نہ جن کو نہ فرشتہ کو منجملہ ان کے ایک دردِ دل اور محبت اور جذب ہے جو کسی میں نہیں۔ یہی سوزِ نہانی ہے جو شب بیداروں کو رات بھر جگاتا اور صبح کو سجدہ میں سر رکھوا کر پھوٹ پھوٹ کر رلواتا ہے اور اسی لیے شیطان نے بہت سی عبادت کر کے ایک گناہ کیا بخشا نہ گیا، برخلاف آدم علیہ السلام کے کہ اس قدر عبادت بھی نہ کی تھی، اس کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا۔ دار الخلد میں بسایا گیا، ان انعامات پر گناہ کر لیا جس کی جس قدر سزا ہوتی تھوڑی ہوتی اور ابد تک بخشی نہ جاتی تو بجا تھا مگر آدم علیہ السلام کے دردِ دل نے جب اس کو جوش دلایا اور ابر کی طرح رلایا اور منہ سے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ نکلوایا تو فوراً دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آیا۔ ایک گناہ تو کیا اگر ایسے ہزار گناہ ہوتے اور زمین بھر کے ہوتے تو سب معاف ہو جاتے۔

واہ رے شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک استخوان میرے ہما کس کس مزے سے کھائے ہے

ملائکہ نے صرف قوتِ غضبیہ و شہوانیہ پر نظر کر کے بارگاہِ کبریائی میں عرض کیا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا چونکہ اس مجموعۂ خوبی و گلدستۂ محبوبی کے اسرار کی خبر نہ تھی جواب ملا اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہ تم وہ کچھ نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں۔

پس وہ امانتِ الٰہی یہی دردِ دل ہے اور یہی اس کے قوائے مودوعہ ہیں، جن کے قابل نہ آسمان و زمین تھے نہ حجر شجر نہ ملائکہ نہ کوئی اور اسی کو ازل میں سب کے سامنے کر کے دکھایا گیا کہ کون ہے جو ہماری اس امانت کو لیتا ہے؟ پھر کسی میں کیا قابلیت تھی جو اس کو لیتا اور اس بارِ گراں کو اٹھاتا۔ یہ خلیفۃ اللہ ہی کے حصہ میں آیا اسی نے اس کو اُٹھایا اور کیوں نہ اُٹھاتا، یہ اسی لیے پیدا ہوا تھا، سب سے اول اسی نے سر جھکا دیا اور عرض کیا۔ مجھے دیجیے آپ دیں اور میں نہ لوں۔

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ملائکہ و دیگر لوگوں پر تعریض ہے کہ یہ وہی ہے کہ جس کو تم ظالم و جاہل سمجھتے تھے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے بارگراں کا اٹھانا اور اس بلاومحنت کو گلے میں ڈالنا دانشمند اور دور اندیش سے کب ہوسکتا ہے۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جو اپنی جان پر مصیبت گوارا کرلیں اور دوراندیشی نہ کریں۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

ان آیتوں میں خدا تعالیٰ بنی آدم کو اس سرِنہانی کو یاد دلا کر طاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس امانت کے پورا نہ کرنے کی صورت میں عتاب اور پورا کرنے میں ثواب کا وعدہ وعید فرماتا ہے اور اس سورہ میں بیشتر احکام ہیں، ان کے خاتمہ میں یہ ذکر ایک نمک ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۱ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۳ۙ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝۴ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝۵

سب خوبیاں اللہ ہی کو ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے اور آخر بھی اسی کی ستائش ہے اور وہ حکمت والا خبردار ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر آتا ہے اور وہ جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھ جاتا ہے، سب کو جانتا ہے اور وہی مہربان بخشنے والا بھی ہے اور منکر کہہ چکے کہ ہم پر وہ گھڑی (قیامت میں) نہ آئے گی کہہ دو ضرور آئے گی، مجھے اپنے اس رب کی قسم جو غیب کا جاننے والا ہے جس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز ذرہ کے برابر بھی غائب نہیں ذرہ سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو لوحِ محفوظ میں نہ ہو، قیامت اس لیے آئے گی تاکہ خدا ان لوگوں کو کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے۔ یہی وہ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی تیار ہے اور جو ہماری آیتوں کے رد کرنے میں کوشش کرتے پھرتے ہیں، ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ترکیب : فی السمٰوٰت متعلق یثبت فی الآخرۃ یجوز ان یتعلق بالحمد یعلم مستانف وقیل حال موکدۃ عالم الغیب بالجر صفۃ لربی او بدل ویقرء بالرفع ای ھو عالم اصغر بالرفع عطفاً علی مثقال، وبالجر عطفاً علی ذرۃ، لیجزی متعلق بمعنی لایعزب فکانہ قال یحصی ذلک لیجزی، الیم بالجر صفۃ لرجز وبالرفع صفۃ لعذاب۔ والرجز مطلق العذاب۔

تفسیر : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس قسم کی سورتیں کہ جن کے اول میں الحمد للہ ہے، پانچ ہیں ان

میں سے دو نصف اول میں ہیں۔ انعام و کہف اور دو اخیر قرآن میں ہیں۔ ایک یہ دوسری ملائکہ، پانچویں الحمد کہ جس کو چاہو نصف اول میں شمار کرو خواہ نصف اخیر میں اور سر اس میں یہ ہے کہ خدا کی بے شمار نعمتیں دو قسم کی ہیں، ایک نعمتِ ایجاد ہے کہ اس نے معدوم سے ہم کو موجود کر دیا، دوسری نعمتِ بقاء ہے کہ ہم کو باقی رکھا اور زندہ رہنے کے سامان عطاء کئے اور بندہ کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ابتداء جو اس عالم سے علاقہ رکھتی ہے دوسری اعادہ کہ بار دگر ہم کو زندہ کر کے وہاں کے سامان عطا کرے گا۔ پس ان پانچوں سورتوں میں کہیں ایجاد کی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ کہیں بقاء کی پھر کہیں اس عالم کی کہیں اس عالم کی، اس سورہ میں بھی مَا فِی الْاَرْضِ تک تو نعمتِ بقاء کا ذکر ہے کہ جو اس عالم میں آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو پیدا کرنے میں ہے، کیونکہ اگر آسمان و زمین کے اندر کی چیزیں بارش' ہوا' زرق وغیرہ نہ ہوں تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ میں آخرت کی جمیع نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عالم کی یہ نعمتیں کہ جن کو لوگ معمولی باتیں سمجھے ہیں، خود بخود پیدا نہیں ہوگئی ہیں نہ ان کو بے سوچے سمجھے خدا نے پیدا کیا ہے بلکہ ہر ایک کو حکمت و علم سے بنایا ہے۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ الخ میں اپنے علم و حکمت کو دکھاتا ہے کہ جو کچھ زمین میں گھستا ہے پانی' اموات' تخم وغیرہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو اشیاءِ زمین سے پھر باہر نکلتی ہیں جڑی بوٹیاں اور پانی چشموں کا اور جواہر اور معدنیات جو اسی کی اس اندھیرے میں کاری گریاں ہیں، ان کو بھی خوب جانتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے۔ پانی اور ملائکہ اور وحی و دیگر برکات ان کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ پھر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ اعمالِ صالحہ اور ملائکہ سب کو جانتا ہے، یہ سب تدبیر و تصرف اسی کی رحمت سے ہے اور اسی کی مغفرت ہے کہ گناہوں سے ان چیزوں کو بند نہیں کرتا، اس میں اس کی کمالِ قدرت کا ثبوت ہے۔

اس کے بعد مشرکینِ مکہ کا قول نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں قیامت برپا نہ ہوگی، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ کہہ دو خدا کی قسم وہ ضرور آوے گی اور پھر اس کے برپا کرنے کی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس سے آسمان و زمین کی کوئی چیز اور کوئی ذرہ غائب نہیں وہ تمہارے اجزاءِ بدن اور اس کے ذرات کو جمع کر دے گا، پھر قیامت کے برپا کرنے کی دلیل بیان فرماتا ہے کہ دنیا تو دارِ تکلیف ہے دارِ جزاء نہیں اور جزاء نیک و بد کی دینی اس کی خدائی کا لازمہ ہے۔ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے لے کر مِنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٍ تک میں یہی ذکر ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝

اور جن[1] کو وہ علم دیا گیا ہے جو آپ کی طرف اس کے رب کے ہاں سے نازل ہوا ہے تو وہ اس کو برحق جانتے ہیں اور وہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ (کہو تو) ہم تم کو ایک ایسا شخص بتلائیں جو تم کو کہتا ہے کہ جب تم مر کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ بنا لیا ہے یا اس کو جنون ہے (یہ کچھ بھی نہیں) بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں (خود) مصیبت اور بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں، کیا وہ آسمان اور زمین کو جو ان کے آگے اور پیچھے سے محیط ہے نہیں دیکھتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں خدا کی طرف رجوع کرنے والے بندے کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : ویری معطوف علی لیجزی ویمکن ان یکون مستانفا الذی انزل مفعول اول الحق مفعول ثانی ھو الضمیر للفصل، وقری الحق بالرفع علی الابتداء والخبر، ویھدی فاعلہ الضمیر یرجع الی الذی انزل والمراد بہ القرآن ای القرآن یھدی، ویمکن ان یرجع الی اللہ ویمکن ان یعطف علی موضع الحق بتقدیر ان اذا مزقتم عاملہ محذوف دل علیہ مابعدہ ای تبعثون ممزق مصدر بمعنی تمزیق ویحتمل ان یکون مکانا، جدید بمعنی فاعل من جد، افتری الھمزۃ للاستفہام وھمزۃ الوصل حذفت استغناء، افلم یروا والمعنی افلم ینظروا الی ما احاطہ بجوانبھم من السماء والارض ولم یتفکروا اھم اشد خلقا ام ھی وانا اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ قطعۃ من السماء لکذبھم الآیات۔

تفسیر : ویری الذین اس جملہ کو اگر لیجزی پر معطوف کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ قیامت برپا کرنے میں، ایک اور حکمت ہے۔ وہ یہ کہ اہلِ علم جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی باتوں کو صدقِ دل سے مانتے ہیں۔ جب قیامت کو برپا ہوتے دیکھیں گے تو ان کو اور بھی یقین کامل ہو جاوے گا اور عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جاوے گا۔ جیسا کہ آیا ہے۔ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ، هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ، ویھدی کا عطف یری پر ہو کر یہ معنی ہوں گے کہ قیامت اس لیے برپا کریں گے کہ وہ (ایمانداروں کو معقول محذوف) خدا زبردست کا رستہ دکھا دے گا۔ یقین کامل پیدا کرے گا۔ پہلے جملہ کی تاکید ہے اور اگر اس کو جملہ مستانفہ کہیں تو یہ معنی ہوں گے کہ جو اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا علم رکھتے ہیں ان کو اللہ نے علم کتاب اللہ دیا ہے، وہ اس بات کو یعنی اللہ کے کلام کو برحق جانتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ کلام اللہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے، کسی کے شبہ سے ان کے دل میں شبہ نہیں پڑتا۔ مطلب یہ کہ کفار تو آیاتِ الٰہی کے مٹانے میں ساعی ہیں اور ایماندار اہلِ علم صحابہ و تابعین یا جو کوئی ہو ان کو برحق اور ہادیِ راہِ خدا جانتے ہیں۔

وقال الذین کفروا اس جگہ ان اہل علم و ایمان کے برخلاف احمق لوگوں کا قول نقل کرتا ہے کہ منکر یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص بھی دیکھا ہے کہ جو مرنے کے بعد جبکہ جسم کے ریزے ریزے ہو جاویں گے، دوبارہ زندگی ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ایسے شخص سے ان کا اشارہ حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف تھا، هَلْ نَدُلُّكُمْ کہو تو ہم بتلا دیں۔ یہ عرب کے محاورہ میں ایسی بات ہے کہ جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی ہے؟ یعنی وہ اس بات کے خبر دینے سے کہ مر کر زندہ ہوں گے، سخت تعجب کرتے ہیں اور رسول کو جھوٹا یا دیوانہ کہتے ہیں۔ افتراء بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے، یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور ایک بات بنا لینا، کوئی نئی قسم نہیں جس سے جھوٹ اور سچ میں کوئی واسطہ یعنی تیسری چیز اور ثابت ہو جاوے، ہر کلام کہ جس میں کسی بات کی خبر دی جاوے، اگر واقع کے مطابق ہے تو سچا کلام ہے ورنہ جھوٹا، کفار کا مقصد یہ تھا کہ یا تو یہ شخص جھوٹا ہے اور بڑا جھوٹا ہے جو عمداً جھوٹی بات کہتا ہے یا دیوانہ ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ وہ تو ایسا نہیں بلکہ کافر عذاب دینے والی بات اور بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امکانِ حشر پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے۔ افلم یروا کہ وہ آسمان و زمین میں غور کر کے نہیں دیکھتے کہ جس نے ایسی چیزیں

---

[1] اور جن کو اس چیز کا علم دیا گیا ہے جو تیرے رب کے ہاں سے بھیجی گئی۔

بنائی ہیں، کیا وہ قیامت برپا کرنے پر قادر نہیں؟ ان کے انکار پر ہم صبر کرتے ہیں، اگر چاہیں تو ان کو زمین میں غرق کردیں یا کوئی آسمانی چیز ان پر ڈال کر ہلاک کردیں جو ان کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝

اور البتہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بزرگی دی تھی (ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑو ان کی تسبیح کی آواز کا جواب دیا کرو اور پرندوں کو مسخر کردیا تھا اور ان کے لیے لوہا نرم کردیا تھا کہ فراخ زرہیں بنائے اور اندازہ سے کڑیاں جوڑا کرو اور ان کے خاندان کو ہم نے حکم دیا تھا کہ اچھے کام کیا کرو ہم جو کچھ تم کررہے ہو دیکھ رہے ہیں اور ہوا کو سلیمان کے تابع کردیا تھا کہ جس کی صبح کی منزل مہینے بھر کی راہ اور شام کی منزل مہینے بھر کی راہ تھی اور ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور کچھ جن اس کے آگے کام کیا کرتے تھے، اس کے رب کے حکم سے تھا اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تھا تو ہم اس کو آگ کا عذاب چکھاتے تھے اور وہ جو چاہتا تھا محرابیں اور صورتیں اور لگن حوض جیسے بنایا کرتے تھے اور بڑی بھاری دیگیں بھی (جو ایک جا جمی رہتی تھیں ہلتی نہ تھیں اور ہم نے کہہ دیا تھا) کہ اے داؤد کے لوگو! شکر کیا کرو اور میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں، پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم دیا تو ان کو اس کی موت کسی نے نہ بتائی مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا رہا پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر وہ غیب کی باتیں جانتے تو ذلت کی مشقت میں نہ پڑے رہتے۔

ترکیب : داؤد مفعول اول فضلا مفعول ثانی لاٰتینا یاجبال تفسیر للفضل والطیر بالنصب لانہ معطوف علی محل جبال وفیہ وجوہ اخریٰ، وبالرفع عطفا علی لفظہا ای جعلنا الجبال والطیور منقادین لامرہ فی نفاذ مشتیہ فیہما، ان اعمل ای امرناہ ان اعمل وان مفسرۃ و مصدریۃ۔ الریح بالنصب ای سخرنا الریح وبالرفع علی الابتداء غدوّہا الغد ومصدر ولیس بزمان ای سیرہا من الغد بمعنی الصباح ای الزوال شہر والجملۃ فی موضع الحال من الریح، من یعمل من فی موضع نصب، منسأتہٗ والمنساء العصی علی مفعالۃ کمیضاۃ من نسات البعیر اذطردتہ لانہا تطرد بہا۔

تفسیر...... داؤد علیہ السلام کا تذکرہ : پہلے فرمایا تھا، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ اب اس جگہ بعض رجوع کرنے والوں بندوں کا ذکر کرتا ہے، جن کو عبدِ منیب کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتلاتا ہے کہ ایسے بندوں پر ہمارے انعام و افضال بھی بے حد ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے

ایک حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ فرماتا ہے کہ داؤد علیہ السلام پر ہم نے بڑا فضل کیا تھا کہ پہاڑ اور پرند اس کے تسبیح کرنے میں شریک ہوتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ و مجاہد وغیرہ علماء کہتے ہیں۔ اوبی کے معنی ہیں، سبحی کہ اس کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ لغت میں تاویب کے معنی ترجیع کے ہیں۔ اٹھارہویں زبور کے شروع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے، میں نے تنگی کے وقت خداوند کو پکارا اور اپنے خدا کے آگے چلایا، اس نے میری آواز اپنے ہیکل میں سے سنی اور میری فریاد اس کے سامنے اس کے کانوں تک پہنچی، تب زمین کانپی اور لرزی سارے پہاڑ جڑ مول سے ہل گئے۔ الخ قرآن مجید میں داؤد علیہ السلام کی مناجات کا بیان ہے کہ اس کی مناجات کے وقت پہاڑ اور طیور موافقت کرتے تھے۔

بیضاوی فرماتے ہیں۔ وذلک اما بخلق صوت مثل صوتہ فیہا او بحملہا ایاہ علی التسبیح اذا تامل مافیہا کہ یا تو پہاڑوں میں بھی داؤد کی تسبیح کی آواز جیسی آواز پیدا ہوا کرتی تھی (یعنی پہاڑ گونج اُٹھتے تھے) جیسا کہ کنویں یا گنبد میں آواز دینے سے ویسی ہی آواز سنائی دیا کرتی ہے، یا پہاڑوں میں غور کرنے سے داؤد علیہ السلام تسبیح کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔

اول بات قوی ہے کہ اس وقت پرندوں اور پہاڑوں پر بھی ایک حالت طاری ہو جاتی تھی۔ داؤد علیہ السلام کی تسبیح اور سوز درونی کا ان پر بھی اثر پڑتا تھا، وہ بھی اس کے ساتھ اس میں شریک ہو جاتے تھے، اس سے داؤد علیہ السلام کا کمال اور خلوص اور تصرفِ باطنی ثابت ہوا اور اسی لیے اس کے فضائل میں یہ بات بیان ہوئی ورنہ پہاڑ تو ہر ایک بلند آواز سے گونج اٹھا کرتے ہیں۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ یہ داؤد کی دوسری فضیلت ہے کہ اس کے لیے لوہا نرم ہو گیا تھا، اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ دروعاً سعات کہ بڑی لمبی چوڑی زرہیں، بناؤ وقدر فی السرد سرد درزد و ختن اوہم تسرید مثلہ وزرہ بافتن، والسرد اسم جامع للدروع وسائر الحلق، صراح کہ زرہ کے حلقے ایک اندازہ سے جوڑ، مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم دیا تھا، یعنی سامانِ جنگ بھی عطاء کیے تھے۔ جیسا کہ اسی زبور کے ۲۳ ورس میں آیا ہے، جس طرح ان کو کمالاتِ درویشی عطا ہوئے تھے، اسی طرح شاہی اور جنگی قوت بھی دی گئی تھی۔ ان دونوں نعمتوں پر ان کو یہ حکم ہوا تھا۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا کہ نیک کام کیا کرو، کیونکہ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ہم تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں، قوت وسلطنت پا کر شرارت اور بدکرداری نہ کرنا اور یہی نعمت کا شکر یہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ : وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ یہ دوسرے بندۂ خالص حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے اور جانشین تھے۔ خداتعالیٰ نے جس طرح ان کے باپ کے لیے لوہا مسخر کر دیا تھا، ان کے لیے ہوا مسخر کر دی تھی کہ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ کہ وہ ہوا صبح سے لے کر دوپہر تک ایک مہینے بھر کی راہ طے کرتی تھی اور شام کو یعنی پچھلے پہر کو بھی مہینے بھر کا رستہ طے کرتی تھی۔

تختِ سلیمان : دوم کتاب التواریخ کے نویں باب ۱۷ ورس میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہاتھی دانت کا ایسا تخت بنایا تھا کہ جو زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا تھا، پھر کچھ اس کے حالات لکھے ہیں۔ اگرچہ عہدِ عتیق وجدید سے نہیں ثابت ہوتا کہ یہ تختِ سلیمان علیہ السلام ہوا پر چلا کرتا تھا اور اول دن میں مہینے بھر کی راہ اور آخر میں مہینے بھر کی راہ طے کرتا تھا، مگر اہلِ اسلام کے اکثر مؤرخ اس بات کے قائل ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں، زیل کے جاری ہونے سے پہلے ریل کی یہ تیزروی اور اس قدر بارکشی اور بے بیل اور گھوڑوں کے روانگی نہایت عجیب بات معلوم ہوتی تھی۔ اب چند روز سے غبارہ اُڑانے کا فن جاری ہوا ہے، اگر ترقی کر جاوے تو کیا کچھ ہو جاوے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہ کرنا چاہیے کہ زمانہ نے بھی عجیب عجیب رنگ پلٹے ہیں، اس کا جزر ومد تواریخ اور زمین کے نیچے سے عجائب آلات اور مکانات برآمد ہونے سے بخوبی ثابت ہے، پھر کیا تعجب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ایسے صناع لوگ پیدا ہوئے ہوں کہ تخت کو غبارہ کی طرح سے ہوا پر اڑا لے جانے کا علم جانتے ہوں، پھر جس طرح اور صدہا چیزیں اور سینکڑوں علوم وفنون مٹ گئے یہ بھی جاتا رہا اور کتاب التواریخ سے جو اہلِ کتاب کے نزدیک الہامی کتاب ہے یہ ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد میں عمدہ صناعی اور دیگر فنون کا رواج تھا۔

ہمارے بعض[1] معاصر جو اپنی فہم شریف کے تابع تمام عجائب صنع باری کو کرتے ہیں، ان آیات کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہوا کے مسخر ہونے سے اور اس قدر جلد جلد چلنے سے جہازوں کے بیڑے کی طرف اشارہ ہے جو سلیمان علیہ السلام کے لیے دور سے لکڑیاں وغیرہ چیزیں لاد کر لایا کرتے تھے۔ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ، قطر بالکسر مس[2] صراح یہ دوسرا انعام ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب بادشاہوں پر حکمران کیا تو ہیکل کی تعمیر شروع کی اور بڑے بڑے پیتل کے حوض اور ستون اور دیگر ظروف ڈھلوائے جیسا کہ دوسری کتاب التواریخ کے چوتھے باب میں مشروحاً مذکور ہے اور ان چیزوں کے ڈھالنے والے شہر صور کے کاریگر آئے تھے، جن کو شاہ حورام نے بھیجا تھا اور پھر ایک ڈھلا ہوا بحر بنایا جو اردگرد گول تھا۔ غرض ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک دس ہاتھ تھا اور بلندی پانچ ہاتھ اور اس کا گھیر تیس ہاتھ اور اردگرد اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں تھیں، وہ بارہ بیل ڈھلے ہوئے تھے جن پر وہ بحر قائم تھا اور اسی کتاب کے تیسرے باب میں ہے اور اس نے پاک ترین مکان میں دو کروبیوں کو تراش کر بنایا اور ہیکل بھی بنائی جس میں محرابیں اور پھاٹک اور کواڑ اور بڑی صناعی خرچ کی تھی اور سلیمان علیہ السلام نے اسرائیل کے ملک میں پردیسیوں کو گنوایا تو ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو تھے، ان میں سے ستر ہزار کو بار برداری پر اور اسی ہزار کو سنگتراشی پر مقرر کیا اور تین ہزار ان کے افسر مقرر کئے کہ ان سے کام لیتے تھے۔

پیتل یا تانبے کے چشمے جاری کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ پیتل اس کے لیے اتنا فراہم ہوا اور ڈھالا گیا کہ گویا اس کا چشمہ جاری ہو کر بہہ نکلا یہ ایک محاورہ کی بات ہے اور ممکن ہے کہ کسی پہاڑ میں سے یہ مادہ ان دنوں بہہ نکلا ہو جس کو سلیمان علیہ السلام کے کاری گروں نے لے کر صرف کیا۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ یہ ایک اور نعمت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے آگے جن کام کرتے تھے۔ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ اور باوجود سرکشی کے کوئی نافرمانی نہ کرتا تھا اور جو کرتا تھا تو سخت سزا پاتا تھا۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ، مَحاریب جمع محراب لغتِ عرب میں بلند مکان کو کہتے ہیں۔ ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں، محاریب سے مراد بیت المقدس ہے۔ وتماثیل جمع تمثال یعنی مورتیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ کروبیوں اور بیلوں وغیرہ کی مورتیں پیتل کی ڈھالی گئی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں ان کا ڈھالنا اور زینت کے لیے مکان میں رکھنا ممنوع نہ تھا۔ شریعتِ مصطفوی میں بت پرستی کی جڑ مٹانے کے لیے منع ہو گیا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ وَجِفَانٍ جمع جفنۃ لگن، کالجواب جمع جابتہ وھو حفیرۃ وقیل الحوض الکبیر، یہ ان حوضوں اور بحر کے طرف اشارہ ہے۔ وقدور جمع قدر راسیات ثابتات اور بڑی بڑی دیگیں بھی بنائیں جو ایک ہی جگہ دھری رہتی تھیں، بڑی ہونے کی وجہ سے ہلتی نہ تھیں۔ ان نعمتوں پر ان کو حکم ہوا تھا۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا اے داؤد کے گھرانے اس کے شکریہ میں نیک کام کر دیا یہ معنی کہ اس کا شکر کرو وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ مگر میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔

من الجن کے ظاہری معنی یہی بتلا رہے ہیں کہ قومِ جن کے لوگ سلیمان علیہ السلام کے آگے یہ کام کرتے تھے۔ وجودِ جن تسلیم کرنے کے بعد اس بات میں کچھ بھی تعجب نہیں رہتا کہ جن سلیمان علیہ السلام کے مسخر تھے اور جو لوگ وجود نہیں مانتے وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ شہ زوری اور غیرت کے اعتبار سے ان پردیسیوں کو جن سے تعبیر کیا ہے جو ان کاموں پر مامور تھے اور سخت اور قوی آدمی کو جن کہہ دینا ایک محاورہ کی بات ہے۔ مقدمہ تفسیر میں یہ بحث آ چکی ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ

---

[1] صور کے بادشاہ حورام کی طرف سے صنوبر اور سرو اور صندل کے ٹھے لبنان پہاڑ سے مسجد کی تعمیر کے لیے جہازوں میں لاد کر بحر شام سے آیا کرتے تھے اور یافہ میں بیڑا اترتا تھا وہاں سے یروشلم پہنچاتے تھے۔ ۱۲ منہ

[2] مجاہد کہتے ہیں قطر سے مراد صفر یعنی پیتل ہے۔ ۱۲ منہ

مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ یہاں سے دنیا کی بے ثباتی بیان کرنے کے لیے سلیمان علیہ السلام کی موت اور اس کے جاہ وحشم کا اختتام بیان کرتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام مر گیا اور اس کی موت کا حال ایک کیڑے نے ظاہر کیا جو اس کے عصا کو کھاتا تھا، پھر جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو سب کو معلوم ہو گیا اور جنوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ ہم غیب نہیں جانتے، اگر جانتے تو اب تک سلیمان علیہ السلام کی قید میں نہ پڑے رہتے۔

مفسرین کے اس میں دو قول ہیں۔ اول عام مفسرین کا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت کے لیے مہینوں تخلیہ میں بیٹھا کرتے تھے، اخیر بار جو بیٹھے تو ٹھوڑی کے نیچے عصا لگا ہوا تھا۔ عبادت ہی میں روح نکل گئی، خدا تعالیٰ کی اس میں چند مصلحتیں تھیں کہ سلیمان علیہ السلام کے جسم پر آثار موت ظاہر نہ ہونے دیے۔ از انجملہ یہ کہ لوگ جنوں کو غیب دان سمجھا کرتے تھے، ان کی غیب دانی پر پتھر پڑ گئے۔ از انجملہ کچھ انتظام مملکت بنی اسرائیل سے تمام کرانا مقصود تھا۔ لوگ یہی سمجھا کیے کہ سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں، اندر کوئی جانے نہیں پاتا تھا، باہر سے بیٹھا ہوا آنکھ بند کیے لکڑی پر سہارا دیے بیٹھا ہوا مشغول بحق دیکھتے تھے، کئی مہینوں کے بعد جب خدا کو اس بات کا اظہار منظور ہوا تو دیمک یا گھن نے لکڑی کو کاٹ ڈالا، سلیمان علیہ السلام گر پڑے سب کو معلوم ہو گیا، مگر سلیمان علیہ السلام کی موت کی بابت یہ بیان اہلِ کتاب کی کتب موجود میں نہیں۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت مقرر کر دی تھی کہ فلاں وقت مریں گے، اس بات کو کوئی نہیں جانتا تھا مگر دابة الارض دیمک یا گھن سے معلوم ہوا جو سلیمان علیہ السلام کے عصائے حیات کو کھا رہا تھا، پھر جب وقت خاص آ گیا اور وہ عصائے حیات کٹ گیا۔ سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو سب نے جان لیا اور جنوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم غیب دان نہیں، اگر سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت معلوم ہوتا تو اس کی اطاعت میں نہ پڑے رہتے۔ دابة الارض سے مراد بطور استعارہ کے انقراضِ عمر ہے اور منساته سے اس کی عمر و اقبال جس کے زور پر حکومت کرتے تھے۔ افسوس ہر ایک کے عصائے حیات کو دیمک یا گھن لگ رہا ہو مگر عصا کٹ جانے سے پہلے ہم بے خبروں کو معلوم نہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ؕ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ

بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِىۡ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ﴿۲۱﴾ ع

البتہ قوم سبا کے لیے ان کے وطن میں دو باغ دائیں اور بائیں قدرت کی نشانی تھی (اور حکم دیا تھا) کہ اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کیا کرو، پاکیزہ شہر رہنے کو اور رب معاف کرنے والا۔ پس انہوں نے نافرمانی کی، پھر ہم نے ان پر بند کا پانی چھوڑ دیا اور ان کے ان دو باغوں کے بالعوض اور دو باغ بدمزہ پھل کے اور جھاؤ کے اور کچھ تھوڑی سی بیریوں کے بدل دیے یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم ناشکروں ہی کو برا بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہم نے ان بستیوں میں کہ جن میں برکت رکھی تھی (یعنی شام کے قریات) دکھلائی دینے والی بستیاں قائم کی تھیں اور ان میں منزلیں مقرر کی تھیں۔ (حکم دیا تھا) کہ رات دن امن سے پڑے پھرا کرو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہماری منزلوں کو دُور دُور کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ستم کیا، پھر تو ہم نے ان کو افسانہ ہی بنا دیا اور ان کو تباہ (پریشان) کر دیا، البتہ اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے عبرت ہے اور البتہ شیطان نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا، سوائے ایمانداروں کے ایک فریق کے سب اس کے تابع ہو گئے، حالانکہ اس کا ان پر کچھ زور بھی نہ تھا، مگر یہی کہ ہم کو معلوم کرنا تھا کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس سے شک میں پڑا ہوا ہے اور آپ کا رب ہر شے کا نگہبان ہے۔

ترکیب : آیۃ اسم کان و جنتان بدل منہا او خبر مبتداء محذوف وقری بالنصب علی المدح، والمراد جماعتان من البساتین بلدۃ ای ھذہ بلدۃ و رب اے و ربکم رب غفور وقد یقرء بلدۃ و ربا بالالف شاذا علی انہ مفعول اشکروا، العرم جمع عرمۃ وھو مایسک الماء من بناء وغیرہ ای وقت حاجتہ (بند) خمط فی الصراح خمط نوعے از اراک کہ میوہ دارد۔ والتقدیر اکل اکل خمط فحذف المضاف ای الاکل الثانی لان الخمط شجرو الاکل ثمرۃ واقیم المضاف الیہ مقامہ ای خمط فی کونہ بدلا من الاکل الاول او عطف بیان للاکل الاول ویقرء بالاضافۃ ھو ظاہر باعد و بعد علی السوال و یقرء بعد علی لفظ الماضی ممزق مصدر او مکان صدق بالتخفیف والتشدید ابلیس فاعلہ وظنہ مفعول من بمعنی الذی فینصب بنعلم ویجوز ان یکون استفہاما فی موضع رفع علی الابتداء منہا اما للتبیین ای الشک منہا واما للحال من شک۔

تفسیر قصہ سباء: شکر کرنے والے بندوں کے ذکر کے بعد ناشکری کرنے والوں اور ان کی مصیبت کا ذکر کرتا ہے، اس لیے سباء کا ذکر کرتا ہے۔ فقال لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ الخ ان آیات کی تفسیر ایک تاریخی واقعہ کے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ یمن کے ملک میں جو عرب کا جنوبی حصہ سمندر سے ملا ہوا ہے۔ قحطان بن عامر بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا یعرب ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا یشجب ہوا۔ ابن سعید مغربی کہتے ہیں، اسی کو سباء کہتے ہیں اور مورخین کے نزدیک سباء اس کے بیٹے کا نام ہے، اسی کے نام سے اس کی اولاد نامزد ہو گئی، اس تمام خاندان یا قبیلہ کو سباء کہتے تھے۔ یہ لوگ متعدد مقامات میں بستے تھے، ان کی بستیوں کو اب مآرب کہتے ہیں۔ شہر صنعاء سے تین دن کے فاصلہ پر، احمد و عبد بن حمید و طبرانی و حاکم و ابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کسی نے پوچھا سباء ملک ہے یا کسی عورت کا نام ہے؟ فرمایا نہ ملک کا نام ہے، نہ عورت کا بلکہ وہ ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ تو ان میں سے ملک یمن میں رہے اور چار شام میں جا رہے۔ یمن میں جو بسے ان کے یہ نام ہیں۔ ازد' اشعر' حمیر' کندہ' مذحج' انما اور شام والوں کے یہ نام ہیں۔ لخم، جذام، غسان، عاملہ ہر ایک کی اولاد اسی کے نام سے مشہور ہے اور ان کے قبیلوں کے یہی نام ہو گئے۔

بخاری و مسلم میں اسی طرح آیا ہے۔ حمیر کے خاندان میں ملک یمن کی سلطنت رہی۔ شداد بن الماطاطہ بن سباء بھی اس ملک کا بادشاہ ہوا جو بڑا جبار تھا، اس کے بعد اس کا بھائی لقمان بن عاد ہوا۔ (بعض نے اسی کو وہ لقمان کہا جس کا سورۂ لقمان میں ذکر ہے) اس کے بعد اس کا دوسرا بھائی ذوسدد تخت نشین ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا حارث الرائش بادشاہ ہوا، یہی تبع اول ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا صعب ہوا، یہی ذوالقرنین ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقن بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاغار اس کے

بعد اس کا بھائی شرحبیل اس کے بعد اس کا بیٹا الہدہاد ہوا، اس کے بعد اس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی تھی۔ ابو الفداء۔

سباء کی اولاد میں سے جو یہ سلاطین گزرے ہیں، ان میں بعض خدا پرست اور نیک بھی تھے۔ جیسا کہ تبع اور ذوالقرنین اور بعض بت پرست اور بعض کی سلطنت عرب سے تجاوز کر کے مصر اور شام اور ایران اور ہند تک پھیلی تھی، ان شاہانِ تبع کے یادگار عمارات غمدان وغیرہ اب تک باقی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بند ہے جس کی مفصل کیفیت مسلمانوں کی کتبِ جغرافیہ میں موجود ہے۔ کتاب المسالک والممالک اور کتاب البلدان اور احسن التقسیم فی معرفۃ الاقالیم اور مسالک الممالک وغیرہ کو دیکھو۔

اسی بند کی مجمل کیفیت یہ ہے کہ انہیں سلاطین میں سے کسی نے (کہ جس کو بعض بلقیس کہتے ہیں، بعض ذوالقرنین) برسات کا پانی روکنے کے لیے ایک مستحکم بند[1] تیار کیا، تمام برساتی نالوں کا پانی یہاں سال بھر جمع رہتا تھا، پھر اس میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالیں جن سے ملک میں کھیتیاں اور باغ سیراب ہوتے تھے اور سیدھے راستوں کے دوطرفہ باغ تھے اور پاس پاس بستیاں آباد تھیں اور یہ آبادی اور شادابی منزلوں تک تھی۔ سفر بھی ان بستیوں کی وجہ سے بڑے آرام سے ہوتا تھا اور امن عام بھی تھا، اس نعمت کو لوگوں نے ایک معمولی بات سمجھنا شروع کیا اور بدکاری اور کفر بکنے میں دلیر ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے انتقام کا وقت آ گیا، ایک بار اس بند سے پانی ٹوٹا اور تمام آبادیوں اور باغوں اور کھیتیوں کو غرق کر دیا یا سب باغ برباد ہو گئے اور یہ حادثہ حضرت عیسیٰ اور محمد ﷺ کے درمیان کے زمانہ میں گزرا ہے، پھر بجائے باغوں کے جھاؤ کے دیگر نکمے جھاڑ جھنکار درخت رہ گئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ آیۃ کہ قوم سباء کے لیے ان کے مسکن یعنی وطن یا بستیوں میں اللہ کی طرف سے ایک بڑی نشانی تھی، وہ کیا جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ کہ ان کے رستوں کے دائیں اور بائیں باغوں کی دو قطاریں تھیں، اس لیے ان کو اجازت تھی۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اپنے رب کی عطاء کی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو، بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ شہر کہ جس میں تم رہتے ہو۔ پاک ہے نہ اس میں کوئی بیماری ہے نہ اور کوئی پسو کھٹمل دشمن وباء وغیرہ کی مصیبت ہے اور رب تمہارا معاف کرنے والا ہے، تمہاری خطاؤں اور قصوروں پر تم پر کوئی بلا نہیں بھیجتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ اس عہد میں کون نبی وہاں تھا اور کس شریعت پر عمل تھا؟ فاعرضوا پھر انہوں نے شکر گزاری سے انکار کیا، بجائے طاعت و نیکوکاری کے کفر و بدکاری میں مبتلا ہو گئے۔ کمبخت انسان کی عادت ہے کہ جب سختی کے بعد ان پر کوئی راحت آتی ہے تو چند روز کے بعد بھول جاتے ہیں۔ اس عیش و آرام میں پڑ کر بدکاری کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس نعمت کو ایک معمولی بات اور اپنے باپ دادا کی میراث سمجھ لیتے ہیں۔

ہندوستان کے امراء اور ان کی بدکاری کو دیکھ لو، اس پر جو برباد ہو گئے ہیں اس سے عبرت نہیں بلکہ اور بھی غفلت ہے توبہ توبہ۔

جب ان کا یہ حال ہوا تو فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ[2] الْعَرِمِ ان پر ہم نے بند کا پانی چھوڑا اور بند کو توڑ کر سخت رو آئی جس سے سینکڑوں ڈوب گئے اور باغ جن میں انگور اور طرح طرح کے میوے تھے برباد ہو گئے۔ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ

---

1. جس کا نام عرم ہے جو اب تک بے مرمت موجود ہے بڑے مربع ترشے ہوئے پتھروں سے بنا ہے چونے اور لوہے کی میخوں سے پتھروں کو جمایا ہے کئی میل تک طول اور تخمیناً اسی ہاتھ بلند ہے اور پندرہ بیس گز کا عرض ہے اس میں کھڑکیاں اوپر نیچے رکھیں ہوئی ہیں کہ پانی کے اتار چڑھاؤ سے وہ کھولی جاتی تھیں۔ ۱۲ منہ۔ ابو عبدالحق

2. قال السدے العرم السد وقال عطاء العرم اسم لوادی قال ابن الاعرابی العرم السیل الذی لایطاق وروی عنہ العرم من اسماء الفاء قال مجاہد العرم ماء احمر ارسلہ اللہ فی السد فہدمہ وشققہ ۱۲ منہ۔

وَشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ اوران کے ان دورویہ باغوں کے بدلہ میں ہم نے اُن کو اور دورویہ کڑوے بے مزہ اور جھاؤ اور کچھ بیریوں کے درخت دیے، یعنی ایسے نکمے درخت اُگے اور ان پیڑوں کو باغ تہکم اور مشاکلت کے طریق پر فرمایا۔ جیسا ہمارے محاورے میں کہتے ہیں، پلاؤ قورمے کی دعوت کے بدلے جوتیوں اور لکڑیوں کی دعوت کی۔ اثل جھاؤ' بعض کہتے ہیں۔ فراش، سدر بیری اور اس کی دو قسم ہیں، ایک بیری جو باغوں میں لگائی جاتی ہے، اس کے بیر عمدہ چیز ہوتے ہیں۔ ایک جنگلی بیری جس کو جھاڑی بوٹی یا جھڑ بیری کہتے ہیں، اس کے بیر کسیلے اور بے مزہ ہوتے ہیں، اس جگہ یہی مراد ہے اور اسی لیے سدرہ کے بعد قلیل کا لفظ آیا۔ ذٰلِکَ جَزَیۡنٰھُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ہم نے یہ سزا ان کو ان کے کفر اور ناشکری کے بدلہ میں دی، وَھَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ اور ہم کافروں اور ناشکروں ہی کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں۔ اس بات کا تجربہ ہوگیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کی ناشکری کی گئی وہ نعمت اس سے چھین لی گئی، خواہ جلدی' خواہ دیر میں، تاریخ کھول کر دیکھ جاؤ کہ اس ناشکری اور بدکاری کے سبب دُنیا میں کتنے خاندان برباد ہوئے، حال میں شاہانِ دہلی اور ان کے عیاش امراء کو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا؟ جن محلوں میں رقص اور زنا کاری اور شراب خوری کی محفلیں ہوتی تھیں، اُن کو اُکھیڑ کر بنیادوں سمیت گرا دیا گیا اور اُن کی نحوست سے اور بھی برباد ہوگئے۔ اُن کے ننگ و ناموس برباد ہوئے، نانِ شبینہ سے محتاج ہوئے، بے رحمی سے مارے گئے۔

اس کے بعد ان کی آبادی اور سیر اور امن کی کیفیت بیان فرماتا ہے اور اس پر ان کی سرکشی سے جو بلا نازل ہوئی، اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔ فقال وَجَعَلۡنَا بَیۡنَھُمۡ وَ بَیۡنَ الۡقُرَی الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡھَا قُرًی ظَاھِرَۃً کہ ہم نے ان کے وطن سے لے کر اُن بستیوں تک کہ جن میں میوؤں اور باغوں کی وجہ سے برکت دے رکھی تھی، درمیان میں ظاہر بستیاں آباد کردی تھیں یعنی یہاں سے لے کر وہاں تک درمیان میں آباد گاؤں تھے جو ایک گاؤں سے دوسرا گاؤں دکھائی دیتا تھا۔ آس پاس اور کثرتِ آبادی کی وجہ سے۔

اکثر مفسرین اَلۡقُرَی الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡھَا سے مراد شام کی بستیاں لیتے ہیں کہ یمن سے شام تک جو وہ تجارت کے لیے جاتے تھے تو رستہ میں قریب قریب گاؤں پڑتے تھے، مگر عرب کا نقشہ اور جغرافیہ سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیچ میں ریگستان کے جنگل اور خشک پہاڑ بھی منزلوں تک ہیں، جہاں آبادی کے نام و نشان بھی نہیں اور نہ وہاں آبادی ہوسکتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں آب پاشی کی وجہ سے وہاں ایسی آبادی ہوگئی ہو مگر القری سے شام ہی کے قرا مراد لینا ایک رائے ہے ممکن ہے کہ اس سے مسقط وغیرہ کے وہ گاؤں مراد لیے جاویں جہاں کثرت سے باغات اور شادابی ہے۔ پس مآرب سے لے کر وہاں تک ایسی آبادی کا ہونا قرین قیاس ہے۔

ان کو زبانِ حال سے حکم ہوا تھا۔ سِیۡرُوۡا فِیۡھَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ کہ ان بستیوں میں رات دن بے خوف پھرا کرو، کسی رہزن قزاق کا خطرہ نہ تھا، مگر انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا وَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ تو کہنے لگے اے رب! ہمارے سفروں میں درازی کردے۔ سفر کا مزہ نہیں ملتا، سفر میں دھوپ' پیاس' منزلوں' بیابان' دشمن اور درندے کا خوف نہ ہو تو کیا لطفِ سفر ہے اور طرح طرح کی بدکاری بھی شروع کی، فَجَعَلۡنٰھُمۡ اَحَادِیۡثَ وَ مَزَّقۡنٰھُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ[1] پھر ہم نے ان کو غارت کردیا کہ صرف ان کے تذکرے افسانے اور قصے کہانیاں ہی لوگوں کے زبان پر باقی رہ گئیں اور اُن کو پریشان کردیا۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ اس میں صبر کرنے والوں شکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں اور عبرت ہے۔ وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَیۡھِمۡ اِبۡلِیۡسُ ظَنَّہٗ الخ کہ شیطان کو جو اُن کی نسبت ظن تھا کہ میں بہکاؤں گا تو میرے بہکانے میں آجاویں گے تو اُس نے اپنے گمان کے مطابق پایا اِلَّا فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مگر ایمانداروں کی جماعت اس کے داؤ میں نہ آئی۔ وَمَا کَانَ لَہٗ عَلَیۡھِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اور شیطان کی ان پر کچھ زبردستی نہ تھی، اس کو صرف امتحان کے لیے چھوڑا گیا کہ کون آخرت پر ایمان لا کر ثابت رہتا ہے اور کون شک کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا محافظ ہے۔

---

[1] مزق جامہ پارہ کردن مزقناھم کل ممزق محاورہ ہے کہ ہم نے تباہ و پریشان کرنے والوں کو تباہ و برباد کردیا۔ حقانی

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰۤي اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

اے رسول! کہہ دو جن کا اللہ کے سوا تم کو گھمنڈ ہے ان کو پکارو، وہ نہ تو آسمان ہی میں ذرہ بھر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں بھی اور اُن کا ان میں کچھ حصہ ہے اور نہ اُن میں سے خدا کا کوئی مددگار ہے اور اس کے نزدیک کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہیں دیتی مگر اُس کو کہ جس کے لیے اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب اُن کے دل سے گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، وہ کہتے ہیں سچی بات فرمائی اور وہ بڑا بلند مرتبہ ہے۔ پوچھو وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیا کرتا ہے، کہہ دو اللہ اور ہم یا تم (دونوں میں سے) ضرور ایک نہ ایک یا تو راہِ راست پر ہے یا صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ کہہ دو ہمارے گناہوں سے تم نہ پوچھے جاؤ گے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے ہم بھی نہ پوچھے جائیں گے۔ کہہ دو ہم کو ہمارا رب جمع کرے گا، پھر ہم میں انصاف سے فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ کرنے والا خبردار ہے۔ کہو جن کو تم نے اس سے ملا رکھا ہے (شریک بنا کر) ایسے مجھے بھی تو دکھاؤ، بلکہ وہی اللہ زبردست' حکمت والا ہے اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے لیکن اکثر لوگ جانتے بھی نہیں اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ کہہ دو تمہارے لیے ایک دن کا وعدہ ہے کہ جسے نہ ایک ساعت تم پیچھے ہو سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔

ترکیب : زَعَمْتُمْ ای زعمتموھم آلھۃ وھما مفعولا زعم حذف الاول لطول الموصول بصلۃ والثانی لقیام صفتہ مقامہ، قالوا قال القول الحق، لمن اذن یتعلق بالشفاعۃ فزع مالم یسم فاعلہ عن قلوبھم قائم مقام الفاعل۔ اَوْ اِیَّاکُمْ معطوف علی اسم ان واما الخبر فیجب ان یکون[1] مکررا کقولک ان زیدا وعمرا قائم۔

تفسیر : شکر اور ناشکری کے نتائج بیان فرما کر عرب خصوصاً اہلِ مکہ کی ناشکری کا رد کرتا ہے۔ انسان کے لیے اس سے زیادہ اور کیا ناشکری

---

[1] تقدیرہ ان زیدا قائم او ان عمرا قائم فعلی ھذا العلی ہدی خبر الاول واو فی ضلال معطوف علیہ خبر الثانی وخبر ان محذوف دل علیہ المذکور ۱۲ ابو محمد عبدالحق

ہے کہ وہ اپنے معبودِ حقیقی اور منعم کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرے، فقال قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ کہ بت پرستوں سے کہو کہ جن کو تم اُس کا شریک سمجھتے ہو، ان کو پکارو، دیکھیں وہ تمہاری کہاں تک مدد کر سکتے ہیں؟

اقسام شرک : مشرکوں کے اپنے معبودوں کی نسبت کئی طرح کے خیال تھے: (۱) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا تو اللہ ہی نے کیا ہے، مگر اُن میں تصرفات کے اختیارات ہمارے معبودوں کو دے رکھے ہیں، اس لیے ہم ان کی دہائی دیتے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ عموماً مشرکین اسی خیالِ باطل میں مبتلا ہیں، اس کے رد میں فرماتا ہے۔ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ ان کا آسمانوں اور زمین میں کچھ بھی اختیار نہیں۔ (۲) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمان تو خدا تعالیٰ نے خود بنائے ہیں اور زمین اور وہاں کی چیزیں کواکب اور حرکات وطوالع کے وسیلہ سے بنائے ہیں اور اسی کے قریب قریب حکماءِ یونان کا خیال ہے کہ اُس نے عقلِ اول کو بنایا، پھر اسی کے وسیلہ سے اور چیزیں اُس کے رد میں فرماتا ہے۔ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ سوا ان کا ان میں کچھ بھی حصہ نہیں۔ (۳) بعض یہ خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اور علویات اور ارواحِ عالیہ خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اور روزی دینے اور مارنے وغیرہ حوادث میں مددگار ہیں، ان کی اعانت کی اس کو حاجت پڑتی ہے، اس لیے ان چیزوں کے نام سے تانبے اور پیتل اور پتھر اور دیگر فلزات کے بت بنا رکھے تھے اور اُن کی پرستش اور نذر و نیاز کے دستورات بھی قائم کر رکھے تھے، ان کے رد میں فرماتا ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ ظَهِيْرٍ کہ اس کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے، سب کچھ آپ ہی کرتا ہے۔ (۴) بعض یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ بلند مرتبہ ہیں۔ خدا تعالیٰ سے کہہ کر ہماری حاجات کو روا کروا دیتے ہیں، اس لیے ان کی نذر و نیاز اور پکارنا ضروری ہے، اس کے رد میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ کہ اُس کی اجازت بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ نبی ﷺ کو قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ کی اجازت ہو چکی ہے اور وہاں پھر بھی ہوگی۔ فرماتا ہے کہ جن ملائکہ اور روحانیات کو تم اُس کے گھر کا مختار سمجھتے ہو، ان کی خود خوف کے مارے یہ حالت ہے کہ وہ جب کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔ اذن کے منتظر رہتے ہیں، جب وہ گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتا ہے کیا حکم صادر ہوا ان میں سے بعض بتلاتے ہیں کہ حق بات کا حکم ہوا یعنی فلاں حکم۔ بخاری وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو ڈر کے مارے فرشتے پر جھاڑنے لگتے ہیں، جب گھبراہٹ دُور ہوتی ہو تو پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا، فرشتے کہتے ہیں۔ حق، اکثر مفسرین اس بات کو ملاءِ اعلیٰ اور ملائکہ کے بارہ میں کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں شافع ومشفوع کے بارے میں ہے۔ قیامت کے روز قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ یہاں سے یہ بات سب مشرکوں کو بتاتا ہے کہ کسی کی عبادت اور نذر و نیاز کا کمتر فائدہ یہ ہے کہ رزق دے۔ سو یہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس قدر روزی کے اسباب آسمانی یا زمینی ہیں سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں، بارش کا برسانا' گرمی وسردی کا بدلنا۔ حجت تمام کر کے جاہل مخاطبوں کو قائل کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ مخاطب کو اگر یوں کہا جاوے کہ تو غلطی میں ہے تو اُس کو جوش آ جاوے اور حق بات کی تحقیق چھوڑ کر مقابلہ کو آمادہ ہو جاوے۔ برخلاف اس کے جب اُس کو یوں کہا جائے کہ ہم میں سے ایک نہ ایک تو ضرور غلطی پر ہے اور ہمیشہ غلطی میں پڑا رہنا اچھا نہیں، اس لیے غور کرنا چاہیے ایسی بات سے وہ اُمید ہے کہ غور کرے اور حق پر آ جائے اس کو حسنِ کلام کہتے ہیں۔ اس بات پر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مامور کیا کہ اُن سے یوں کہو باوجودیکہ حضرت ﷺ کو اپنے ہادی ومہتدی ہونے میں کوئی بھی شبہ نہ تھا۔ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو نرم کرتا ہے، اس لیے جرم کو اپنی طرف منسوب کیا۔

اور یہ کہہ دیا کہ ہر ایک کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی، پس حق کے تلاش کرنے میں اور بھی کوشش کرنی چاہیے۔ قُلْ يَجْمَعُ

بَیْنَنَا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو حق کی طلب پر آمادہ کرتا ہے، صرف غلطی سے بچنا ہی مقصود نہیں جو ایک عمدہ بات ہے بلکہ قیامت کے دن خدا کے سامنے فیصلہ بھی ہونا ہے۔ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ الخ پھر اصل مدعا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ غیر اللہ کو یا دفع ضرر کے لیے پوجتے ہیں، سواس کارد پہلے کر دیا تھا۔ بقولہ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ کہ کوئی ضرر دور نہیں کر سکتا یا امید نفع کے لیے سواس کا ابطال بھی کر دیا۔ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ کہ کوئی نافع نہیں اور بعض لوگ محض مستحق عبادت ہونے کی وجہ سے پوجتے ہیں۔ سوان کا رد اس جگہ کرتا ہے کہ مجھے دکھا ناوہ کون مستحقِ عبادت ہے؟

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ توحید کا مسئلہ تمام کر کے یہاں سے مسئلہ رسالت شروع کرتا ہے۔ آپ کو ہم نے برائی بھلائی بتلانے کو بھیجا ہے، پھر جو آپ سے الجھتا ہے نادان ہے۔ کافۃ ای ارسالۃ کافۃ عامۃ لجمیع الناس، او یقال کافۃ تکف الناس انت من الکفر والمعاصی والھاء للمبالغۃ مسئلہ رسالت کے بعد مسئلہ حشر کا بیان کرتا ہے۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ الخ کہ وہ جو اس دن کو پوچھتے اور جلدی کرتے ہیں، کہہ دیجیے وہ وقت مقرر ہے۔ ضرور آوے گا، پھر جلدی کرنا بے فائدہ ہے، اس کے لیے کچھ تیاری کرو۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓی
اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚۖ یَرْجِعُ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضِ نِ الْقَوْلَ ۚ
یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَکُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾
قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰکُمْ عَنِ الْھُدٰی
بَعْدَ اِذْ جَآءَکُمْ بَلْ کُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا
بَلْ مَکْرُ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّکْفُرَ بِاللّٰہِ وَنَجْعَلَ لَہٗٓ اَنْدَادًا ؕ
وَاَسَرُّوا النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ
ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْھَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

اور کافروں نے کہہ دیا کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس پر جو اس سے پہلے تھا اور اگر آپ دیکھیں جب کہ ظالم اپنے رب کے پاس کھڑے کیے جائیں گے، ایک دوسرے کی بات کا جواب دے رہا ہوگا کمزور سرکشوں سے کہیں گے، اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہو جاتے۔ متکبر (جواب میں) کمزوروں سے کہیں گے کیا جبکہ تمہارے پاس ہدایت آئی، اس کے بعد ہم نے تم کو اس سے روکا تھا بلکہ تم خود ہی مجرم تھے اور کمزور متکبروں سے کہیں گے، جبکہ تم ہم کو اللہ کا انکار کرنے اور

اُس کے لیے شریک بنانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ دل میں بڑے پشیمان ہوں گے جب یہ عذاب کو سامنے دیکھیں گے اور منکروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اسی کا تو بدلہ پا رہے ہیں اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا ایسا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر آئے ہو ہم تو مانتے ہی نہیں اور یہ بھی کہا کہ ہم تم سے مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم کو (آخرت میں بھی) عذاب نہیں۔ کہہ دو میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) اندازے سے دیتا ہے، لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں۔

تفسیر: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ تیاری اور زادِ آخرت حاصل کرنا تو درکنار وہ اس کی جگہ کفر بکتے ہیں کہ قرآن تو کیا ہم اس سے پہلی کسی کتاب کو بھی نہیں مانتے۔ یہ مشرکین کا قول تھا، جہالت اور جوش میں آکر کہتے تھے۔ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الخ سے حشر کے دن پیش آنے والی مصیبت کا بیان کرتا ہے۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ الخ سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ انکار کوئی نئی بات نہیں، ہر نبی سے پیٹ بھرے ایسا ہی کرتے آئے ہیں جو اپنے حق پر ہونے کی دلیل دُنیاوی جاہ و حشم بیان کرتے ہیں۔ کہہ دے یہ قبولیت کی دلیل نہیں یہ کم زیادہ مصلحت سے ہر ایک کو ملتا ہے اور مال و اولاد کہ جس پر تم کو تفاخر ہے، اللہ کے نزدیک اس سے تمہارا کوئی مرتبہ بلند نہیں ہو جاتا ہے۔ ایماندار اس دُنیا میں مسافر ہے، اس کا گھر اُوپر ہے، اس کا عیش و آرام اور اس کی زینت و تجمل کی ہمیشہ رہنے والی چیزیں وہیں ہیں، اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ فرماتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ اور وہ اس غرور میں آکر يَسْعَوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ ہماری آیات کے ابطال میں کوشش کرتے ہیں، وہ وہاں عذابِ دائمی میں گرفتار رہیں گے۔ یہ مال و اولاد کچھ کام نہ آوے گا اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ کفر کرنے سے دُنیا ملتی ہے اور نیکوں کو یہاں کچھ ملتا ہی نہیں بلکہ کہہ دیجئے اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ الخ میرا رب جس کو چاہتا ہے، دُنیا میں روزی رزق زیادہ دیتا ہے، جس کو چاہے کم۔ اس میں کافروں کی کوئی خصوصیت نہیں، بہت سے ایمانداروں کو دُنیا میں وہ کچھ دیا ہے کہ جس کا حساب نہیں داؤد و سلیمان ﷣ کو دیکھو اور برخلاف تمہارے ایماندار جو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ وہ اس کے بدلہ انہیں دنیا میں بھی اور زیادہ دیتا ہے۔ صحیح بخاری میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم! خرچ کر کہ تجھ پر خرچ کیا جاوے گا، یعنی دے تجھے اور ملے گا اور صحیح بخاری میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں۔ ہر صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے۔ یا اللہ دینے والے کو دے، دوسرا کہتا ہے۔ یا اللہ ہاتھ روکنے والے کو برباد کر۔ اس بات کا بارہا تجربہ راقم الحروف نے بھی کیا ہے کہ جب تنگدستی آئی اور اللہ کی راہ میں کچھ دیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے اُس کو دفع کر دیا۔ یہ میرا عمل مجرب ہے، جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ یہاں سے لے کر تُكَذِّبُوْنَ تک حشر کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ دُنیا میں ملائکہ کو شفاعت کی غرض سے پوجتے ہیں، وہ وہاں صاف انکار کر جائیں گے اور کہیں گے ہم کو نہیں بلکہ جنوں یا ارواحِ خبیثہ کو پوجتے تھے اور انہی پر اکثر کا ایمان تھا۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ یہاں سے مشرکینِ عرب کی ہٹ دھرمی اور حماقت کا اظہار کرتا ہے کہ جب ان کو آیاتِ بینات سنائی جاتی ہیں کہ جن میں ذرا سے غور کرنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ برحق باتیں ہیں تو اس کے جواب میں نہ کوئی دلیلِ عقلی پیش کرتے ہیں بلکہ جاہلانہ طور سے یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول ہم کو ہمارے باپ دادا کے طریقہ سے روکنا چاہتا ہے اور یہ جھوٹا ہے اور یہ قرآن اور اس نبی کے معجزات صریح سحر ہیں اور نہ کوئی دلیلِ نقلی ان کے پاس ہے۔ کس لیے کہ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ کوئی رسول آیا ہے اور نقلی دلیل کتاب اللہ یا رسول کے قول پر مبنی ہوا کرتی ہے۔ ایسے معاملات میں وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ کہ یہ ان کا انکار کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی جھٹلائے جا چکے ہیں، حالانکہ ان کو اس قدر ثروت و عمر ملی تھی کہ اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہیں ملا، پھر ان پر رسولوں کے جھٹلانے سے کیا بلا آئی، پھر یہ تو کیا چیز ہیں؟ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان مشرکینِ عرب کو قرآن و معجزات ایسے دلائل دیے گئے ہیں جو اگلوں کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا تھا، پھر انکار سے اُن پر بلا آئی ان پر تو بدرجۂ اولیٰ آئے گی۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ز فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ط وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ج وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ج اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ج وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ط وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ لا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ط ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ لا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ قف فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ع ﴿۴۵﴾

ع ۵

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ جو ہمارے نزدیک ہمارے لیے تقرب کا درجہ بڑھا دیں، مگر وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک کام بھی کئے۔ سو انہی کو ان کے عمل کا دو چند بدلہ ہے اور وہی بہشت کے دریچوں میں اطمینان سے بیٹھے ہوں گے اور وہ جو ہماری آیتوں کے رد کرنے میں کوشش کرتے پھرتے ہیں وہ عذاب میں پکڑ کر حاضر کئے جاویں گے، کہو میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) اندازے سے دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو (زیادہ مقدار میں) اُس کے بدلہ میں وہ اور دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے اور جس دن کہ وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہی کو پوجا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ وہ لوگ، بلکہ وہ جنوں کو پوجا کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہیں۔ پھر آج تم میں سے کوئی کسی کے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور ہم ظالموں سے کہیں گے تم اُس آگ کا عذاب چکھو کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور جب ان کو ہماری کھلی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ ہے کیا، مگر ایک ایسا شخص کہ جو تم کو اس کی عبادت سے روکنا چاہتا ہے کہ جس کی تمہارے باپ دادا پوجا کرتے تھے اور یہ بھی کیا ہے یہ قرآن مگر جھوٹ بنایا ہوا اور کافروں نے جب کہ حق اُن کے پاس آ گیا تو کہہ دیا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو۔ اور ہم نے اُن

(مشرکینِ عرب) کو کتابیں نہیں دیں کہ جن کو وہ پڑھتے اور نہ آپ سے پہلے اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تھا اور ان سے پہلے لوگ جھٹلا چکے ہیں، حالانکہ ان کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا گیا جو ہم نے اُن کو دیا تھا، پھر انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا پھر کیسا عذاب ہوا۔

تفسیر: دلائل قائم کر کے ہٹ دھرم مخاطبوں کو اب ایک اور طریقہ سے ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ فقال قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ کہ میں تم کو ایک ہی بات کہتا ہوں، نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ان کو صرف ایک ہی حکم پر مامور کرتے تھے۔ توحید وغیرہ کہ پھر باقی شاخیں قرار دی جاویں، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے۔ جیسا کہ کہا کرتے ہیں۔ لو اب تم ایک کام کرو۔ ان تقوموا للّٰہ کہ ایک ایک تنہا ہو کر اور باہم مل کر خدا کے لیے یہ تو سوچو کہ تمہارے صاحب کو یعنی مجھے کچھ جنون تو نہیں ہے۔ یہ رسالت کے اثبات میں کلام ہے کہ خوب غور کرو کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔ جب دیوانہ نہیں تو کون عاقل ایسی جھوٹی بات کا مدعی بن سکتا ہے کہ جس کے سبب دُنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ سینکڑوں مصائب کا سامنا ہو، پس یہی ہے کہ میں نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ تم کو ایک سخت عذاب آنے والے سے خبردار کرنے والا ہوں۔ انسان کی دو حالت ہیں، ایک تنہا فکر کرنا دوسرے چند اشخاص کا باہم مجتمع ہو کر فکر کرنا اس لیے ان دونوں باتوں کا ذکر کیا۔ ان تقوموا سے مراد یہ نہیں کہ کھڑے ہو کر فکر کرو بلکہ یہ کہ آمادہ ہو جاؤ یہ بھی ایک محاورہ کی بات ہے، قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ جب تم کو غور کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ میں دیوانہ نہیں اور یہ بھی ہے کہ میں تم سے کچھ مانگتا نہیں کہ میرا وعظ و پند کسی طمع دُنیاوی پر محمول کیا جاوے بلکہ میری اُجرت اللہ کے ذمہ ہے جو ہر بات کو دیکھ رہا ہے، پھر ایسے شخص کو جھوٹا کہنا اور اس سے نفرت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾ ع ۱۲

کہو میں تو تم کو صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خدا کے لیے دو دو ایک ایک کھڑے ہو کر فکر تو کرو کہ تمہارے اس دوست کو کچھ جنون تو نہیں۔ یہ تو صرف تم

کو ایک بڑی آفت کے آنے سے پہلے متنبہ کرنے والا ہے، لہٰذا اس پر جو کچھ میں نے تم سے اُجرت مانگ لی ہو تو وہ تمہارے ہی پاس رہے۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ کہو میرا رب تو سچ کو ظاہر کر رہا ہے (اور) وہ غیب کی باتیں خوب جانتا ہے۔ کہو حق ظاہر ہو گیا اور جھوٹے دین سے نہ تو اول ہی سے کچھ کُشود کار ہوا ہے نہ آیندہ ہوگا۔ کہو اگر میں گمراہ ہو گیا تو محض اپنے نقصان کے لیے اور اگر میں راہ راست پر ہوں تو اس سبب سے کہ میرا رب میری طرف وحی بھیجتا ہے، بے شک وہ سننے والا نزدیک ہے اور کاش آپ اس وقت دیکھیں کہ جب وہ گھبرائے گھبرائے پھریں گے اور بھاگ کر نہ جا سکیں گے اور پاس ہی سے پکڑ لیے آئیں گے اور کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے اور اس دور دراز سے ایمان کو کہاں حاصل کریں گے، حالانکہ پہلے سے تو اس کا انکار کرتے رہے اور دُور سے غیب کے گولے پھینکتے رہے اور ان میں اور ان کی خواہش میں آڑ کر دی جاوے گی جیسا کہ اُن کے ہم جنسوں کے ساتھ پہلے کیا گیا، کیونکہ وہ بڑے قوی شک میں پڑے ہوئے تھے۔

حقیقت میں جب کوئی واعظ محض دردمندی سے وعظ کرتا ہے اور دُنیاوی طمع بھی نہیں کرتا، اس کا وعظ ضرور اثر کرتا ہے۔ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ اب اگر کوئی کہے کہ محمد (ﷺ) تجھے اس خیر خواہی اور دردمندی سے کیا غرض؟ اُس کا جواب دیتا ہے کہ میں مامورِ الٰہی ہوں۔ عالمِ بالا اور حق سبحانہ کا ہی یہ منشاء ہے کہ حق بات کو ظاہر کرے۔ اندھوں کی آنکھیں کھولے بیماروں کو شفا دے، وہ علام الغیوب ہے۔ جس قدر پیش آنے والی باتوں کی خبر دی ہے، بجا ہے۔ انبیاءِ سابقین بھی خبریں دیتے چلے آئے ہیں کہ اخیر زمانہ تاریک ہو جائے گا۔ اللہ ایک نبی کو برپا کرے گا، وہ عالم کو منور کر دے گا، اب وہی زمانہ آ گیا ہے، اُن سے کہہ دے جَآءَ الْحَقُّ حق ظاہر ہو گیا۔ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ بہت دنوں دُنیا میں بت پرستی ہو چکی۔ اب نہ سرے سے شروع ہوگی نہ وہ زمانہ لوٹ کر آوے گا، پھر ان کو تسلی دیتا ہے کہ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ اگر میں تمہارے خیال کے بموجب گمراہی پر ہوں تو تمہارا کیا حرج اس کا وبال مجھ پر ہے، وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ اور اگر میں راہ راست پر ہوں (اور ضرور ہوں) تو یہ وحی الٰہی کا سبب ہے وہ مجھ سے قریب ہے، میری بات سنتا ہے۔ مجھے مطلع فرماتا ہے۔

مسئلۂ رسالت کے بعد پھر حشر کا مسئلہ بیان کرتا ہے کہ بوقت مرگ یا قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا، جبکہ وہ گھبراویں گے، فلافوت پھر کہاں جا سکتے ہیں۔ واخذوا من مکان قریب اور دُور نہیں جا سکیں گے، وہیں سے پکڑے جاویں گے اور کہیں گے ہم ایمان لائے و انی لھم التناوش اور اس بات کو کہاں حاصل کر سکیں گے۔ التناوش من النوش الذی ھو التناول من مکان بعید ایمان لانے کی جگہ جو دُنیا تھی بہت دُور رہ گئی، اس دُور دراز جگہ میں یہ مراد کہاں ملتی ہے۔ دُنیا میں کفر اختیار کر چکے اور یہ عالم وہاں سے بہت دُور تھا۔ یہاں کی بابت غیب کی باتیں بے تک کیا کرتے تھے۔ اب یہ مراد نہیں حاصل ہو سکتی، جیسا کہ ان سے پہلوں کو حاصل نہ ہوگی اور نہ ہوئی دُنیا میں وہ شک میں تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ②

سب تعریف اللہ کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ فرشتوں کو پیغامبر بنانے والا ہے، جن کے دو دو تین تین چار چار بازو ہیں۔ مخلوق کی بناوٹ میں جو

چاہے زیادہ کرسکتا ہے۔ بے شک اللہ ہر بات پر (بڑا) قادر ہے اللہ بندوں کے لیے جو رحمت کھولتا ہے تو کوئی اُس کو بند نہیں کرسکتا اور جس کو وہ بند کرے تو اس کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب : فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ الاضافة معنویة لانہ بمعنی الماضی فصح وقوع فاطر صفة للہ، وکذلک جاعل الملائکة قال الطیبی ان جاعل باعتبارانہ یدل علی المضی یصلح کونہ صفة للمعرفة وباعتبارانہ یدل علی الحال والاستقبال، یصلح للعمل فرسلاً مفعول ثانٍ۔ واولی بدل من رسل او لغت لہ ویجوزان یکون جاعل بمعنی خالق فیکون رسلا حالا مقدرة ومثنی لغت لِاُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ یزید فی الخلق مستانف مَایَفْتَحِ اللّٰهُ ماشرطیة موضع نصب وَ مِنْ رَّحْمَةٍ بیان لذلک۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں، سب کے نزدیک یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بخاری وغیرہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے اور جو سورتیں الحمد کے ساتھ شروع ہوئی ہیں، یہ ان کا خاتمہ ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ حمد بیشتر کسی نعمت پر ہوا کرتی ہے اور نعماءِ الٰہی دو قسم پر ہیں، ایک عاجلہ دوسری آجلہ یعنی بعد میں آنے والی، پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پیدا کرنا، دوسرا اس کو باقی رکھنا اور وقتاً فوقتاً اُس کے ضروریات کو بہم پہنچا دینا۔ اس سورہ میں ہر ایک قسم کی نعمت پر حمد ہے۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ایجاد اور بقاءِ اول کی طرف اشارہ ہے، کس لیے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا جس طرح اس کے یعنی حضرتِ انسان کے ایجاد کے لیے ہے۔ اگر آسمان و زمین پہلے سے نہ ہوتے تو انسان بھی موجود نہ ہوتا، اسی طرح اس کے بقاء اور عیش و آرام کا بھی یہی چیزیں باعث ہیں، اس کی زندگی کے سب سامان یہیں سے بہم پہنچتے ہیں۔ فطر کے لغت میں معنی ابتداء و اختراع کے ہیں۔ فاطر السمٰوٰت آسمانوں کا بنانے والا بغیر کسی نمونہ اور بغیر مادہ کے۔

وَجَاعِلُ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اس سے نعمتِ بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ بقاءِ دنیوی و بقاءِ اخروی۔ بقاءِ دنیاوی اس لیے کہ ملائکہ کا رسول بنانا اور اُن کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی بھیجنا اور تمام قوانینِ انتظامی کا جاری کرنا نوعِ انسانی کے قیام و تحفظ کے لحاظ سے بڑی نعمت قابلِ حمد و شکر ہے اور پھر انہی کے ذریعہ سے دارِ آخرت اور سعادت اور حیاتِ ابدی کے متعلق باتیں تلقین فرمانا بقاءِ اُخروی کے اعتبار سے بڑی نعمت ہے۔ سب ملائکہ کو رسول نہیں بنایا گیا، بلکہ بعض کو، ملائکہ میں سے رسول جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام ہیں۔ اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ جمع جناح یہ ملائکہ کی صفت ہے کہ وہ بازو رکھتے ہیں، کسی کے دو ہیں کسی کے تین، کسی کے چار اور اسی میں حصر نہیں بلکہ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ بعض کے چھ سو تک بھی ہیں، وہ جو چاہے پیدا کرسکتا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ملائکہ کسی کبوتر یا اور کسی پرند کے مانند نہیں ہیں جو اُن کے لیے بھی اسی طرح بازو اور پر ہیں، بلکہ جناح سے مراد جہت ہے، پھر کوئی ذوجہتین ہے کہ ایک جہت اللہ سے نعماء حاصل کرنے کی ہے، دوسری مخلوق میں پہنچانے کی جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ، وَعَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى وَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا اور بعض جو اور ملائکہ کے واسطے سے کار کرتے ہیں، اُن کے متعدد جہات ہیں یا یہ ملائکہ کے صفاتِ متعددہ کی طرف اشارہ ہے اور مدبرات امر کے لیے ضروری بات ہے۔ واللہ اعلم۔

ملائکہ کے رسل اور واسطہ بنانے میں وہم جاسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ بغیر اُن کے کچھ نہیں کرسکتا، اس کا دفع کرنا ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ عاجز نہیں۔ ان نعمتوں کے بعد عام طور سے بتلاتا ہے کہ ہم بندوں پر نعمت کے دروازے کھولتے ہیں تو ان کو کوئی بند نہیں کرسکتا۔ منجملہ ان کے کتاب اور رسول کا بھیجنا ہے اور جو بند کرتے ہیں تو کوئی کھول نہیں سکتا، وہ زبردست حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶ۭ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ۧ

لوگو تم اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جو تم پر ہے۔ بھلا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تم کو آسمان وزمین سے روزی دیتا ہو۔ اُس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو اور اگر وہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہر بات رجوع کرتی ہے۔ (اُس کے بس میں ہے) لوگو اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر ایسا نہ ہو کہ دُنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں ڈال دے اور ایسا نہ ہو کہ شیطان دھوکا باز تم کو اللہ سے دھوکے میں ڈال دے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم اُس کو دشمن ہی سمجھو۔ اپنی جماعت کو وہ اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جاویں جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

ترکیب: غیر اللہ یقرء بالرفع وفیہ وجہان احدھما ھو صفۃ لخالق علی الموضع و خالق مبتداء والخبر محذوف تقدیرہ لکم اولا شیاء والثانی ان یکون فاعل خالق ای ھل یخلق غیر اللہ شیئا ویقرء بالجر علی الصفۃ لفظا یرزقکم یجوز ان یکون مستانفا ویجوز ان یکون صفۃ لخالق الذین کفروا یجوز ان یکون مبتداء وما بعدہ الخبر وان یکون صفۃ لحزبہ او بدلا منہ وان یکون فی موضع جر صفۃ لاصحاب السعیر من التبیان۔

تفسیر: اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی نعماء کو یاد دلاتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کہ لوگو میری نعمتوں کو یاد کرو، پھر ان نعمتوں کی تفصیل کرتا ہے۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی پیدا کرنے والا ہے؟ اس میں نعمتِ ایجادِ ابتدائی کے طرف اشارہ ہے۔ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیوے؟ آسمان سے روزی دینا مینہ برسانا زمین سے روزی دینا میوے اور غلہ پیدا کرنا، اس میں نعمتِ بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ اس استفہام کے بعد آپ ہی جواب دیتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں فانی تؤفکون پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو اور اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے ہو۔ الافك بالفتح الصرف پھرنا بہکنا وبالکسر الکذب لانہ مصروف عن الصدق۔

اصلِ اول توحید کے بعد دوسری اصل رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ فقال وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ کہ اے نبی! اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو اس سے رنج نہ کر آپ سے پہلے بھی انبیاء جھٹلائے گئے ہیں۔ رسالت اللہ کی نعمت ہے اور نعمت کی ناشکری انسان کی عادت ہے، وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور ہر بات اللہ ہی کے طرف رجوع کرتی ہے۔ اس کا فیصلہ بھی اسی کے پاس ہے، پس اس نے ان منکروں کا برا انجام کیا۔ اس کے بعد تیسری اصل کو ثابت کرتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ لوگو اللہ کا وعدہ مرنے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور جنت و دوزخ میں جانے کا برحق ہے اور دنیا کی زندگانی پر فریفتہ ہو کر حق سے غافل نہ بنو۔ انسان موت کو بالطبع مکروہ سمجھتا ہے، لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر مرنا مرنا کہتا ہے، مگر دُنیاوی لذات وشہوات کے نشہ میں اس کو اپنے مرنے کا خیال بھی نہیں آتا، اس لیے آخرت سے غافل ہو کر شب و روز دُنیا اور اُس کے لذائذ کی طلب

میں رہتا ہے۔ یہ ہے دھوکا کھانا، بعض کم عقل ضعیف الذہن بدرائے ہوتے ہیں۔ ادنیٰ سی بات میں دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعض اس سے ذرا بہتر ہوتے ہیں، وہ دوسرے کے فریب میں ڈالنے سے فریب میں آجاتے ہیں۔ اس لیے اول مرتبہ کے لحاظ سے فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا فرمایا اور دوسرے کے لحاظ سے لا یغرنکم باللہ الغرور ارشاد ہوا۔ وقریٔ بضم الغین قال ابن السکیت الغرور بالضم مااغتر من متاع الدنیا وقیل مصدر غرہ کاللزوم۔ پھر فرماتا ہے۔ ان الشیطن لکم عدو الخ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، تم کو فریب دیا کرتا ہے۔ سو اس کو دشمن ہی جان کر اس کا کہنا نہ مانو اور جو اس کا کہا مانتا ہے تو پھر جہنم کی طرف لے جاتا ہے، منکر بنا دیتا ہے، پھر منکروں کو سخت عذاب ہے اور جو اس کے فریب میں نہیں آتے، ایمان لاتے اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے دارِ آخرت ہے۔ بخشش اور بہتر بدلہ حیاتِ ابدی اور سرورِ جاودانی۔

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ
یَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ⑨
وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ
جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ
یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓىِٕكَ هُوَ یَبُوْرُ ⑩ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ⑪

بھلا جس کے برے کام بھلے کر دکھائے گئے ہوں پھر وہ ان کو اچھا بھی جانتا ہو (نیک کے برابر ہو سکتا ہے) پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ پھر آپ ان پر افسوس کھا کھا کر ہلاک نہ ہو جائیں، کیونکہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کر رہے ہیں اور اللہ ہی وہ ہے جو ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر وہ بادل اُٹھاتی ہیں، پھر ہم اس کو مرے[1] ہوئے شہروں کی طرف رواں کرتے ہیں، پھر ہم اُس سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اُس کو مرنے کے بعد اسی طرح مر کر جی اُٹھنا ہے، جو کوئی عزت چاہتا ہے (تو اللہ کی طرف رجوع کرے) کیونکہ عزت تو سب اللہ ہی کے پاس ہے۔ کلمۂ طیب (عمدہ باتیں) اسی کی طرف چڑھ کر جاتا ہے اور نیک کام اُس کو بلند کرتا ہے اور وہ جو برائیوں کے لیے داؤ کرتے ہیں تو اُن کو سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر بھی برباد ہو جائے گا اور اللہ نے تم کو خاک سے بنایا، پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑی جوڑی کر دیا اور کوئی مادہ بھی بغیر اُس کے خبر کے نہ پیٹ رکھتی ہے نہ جنتی ہے اور نہ کوئی معمر عمر پاتا ہے اور نہ کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے، مگر سب کتاب میں لکھا ہوتا ہے، البتہ یہ بات اللہ پر آسان ہے۔

---

[1] خشک زمین کی۔

ترکیب : افمن الخ ہذہ الجملۃ مستانفۃ لتقریر ماسبق من ذکر التفاوت بین عاقب فی الفریقین، ومن فی موضع دفع بالابتداء وخبرہ محذوف، قال الزجاج تقدیرہ کمن ہداہ وقیل کمن لم یزین لہ،فلا تذھب نفسک علیھم حسرات، تذھب بضم التاء وکسر الہا من الاذہاب ونصب نفسک علیھم حسرات مفعول لہ وعلیھم صلۃ تذھب کما یقال ھلک علیہ حبا ومات علیہ حزنا۔ ویجوزان ینصب حسرات علی الحال کماروی عن سیبویہ وقال المبرد انہا تمیز وقری تذھب بفتح التاء والہا من الذہاب ونفسک مرفوعا ومعناہ فلاتھلک نفسک علیھم للحسرات علی غیھم یرفعہ الفاعل ضمیر العمل والھاء للکلم ای العمل الصالح یرفع الکلم و مکر اولئک مبتداء والخبر یبور وھوفصل اوتوکید ویجوزان یکون مبتداء ویبور الخبر والجملۃ خبر مکر۔

تفسیر : یہاں سے شیطان کے فریب کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے فریب دیے ہوئے ایسے بھی ہیں کہ بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بت پرستی کو نجات کا باعث جانتے ہیں۔ پیغمبر کی عداوت کو ثواب سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ انسان جب ایسا تیرہ باطن ہوجاتا ہے تو اس پر تاریکی و ضلالت کے بڑے گہرے پردے پڑجاتے ہیں۔ فرماتا ہے بھلا ایسا شخص اس کے برابر ہوسکتا ہے کہ جس کو خدا اُن اندھیریوں کی موجوں سے نکال کر روشنی میں لایا ہو، اس کو نیک و بد میں کامل تمیز ہو؟ ہرگز دونوں برابر نہیں، پس ایسی حالت میں بجز مایوسی کے اور کچھ نہیں، اس لیے فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاۗءُ الخ کہ اللہ ہی اگر چاہے تو ہدایت ہوسکتی اور اگر وہ نہ چاہے تو اُسی گمراہی میں پڑا رہنے دے، اس پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ جب ان کی یہ حالت ہے تو آپ ان پر افسوس و رنج نہ کھاویں۔

وَاللّٰہُ الَّذِیْ الخ یہاں سے پھر اصل مطلب یعنی اثباتِ حشر میں کلام شروع ہوتا ہے اور ہوائیں چلانا اور ان سے بادلوں کا اُٹھانا پھر بادلوں کو بلدِ میت یعنی خشک شہر یا زمین کی طرف روانہ کر کے مینہ برسانا اور اُس کو شاداب کردینا اپنے عجائبِ قدرت ذکر فرما کر اس کو قیامت برپا کرنے کا نمونہ بتلاتا ہے، چند وجوہ سے اول یہ کہ جس طرح وہ مُردہ زمین نے اپنے قابلِ حیات قبول کرلی، اسی طرح اعضاء بھی قبول کریں گے۔ دوم یہ کہ جو قادرِ مطلق ہوا سے ابر کو جمع کرلیتا ہے اسی طرح اعضاءِ انسانیہ کو بھی۔ سوم یہ کہ اسی طرح سے ہم روح کو جسم کی طرف رواں کریں گے۔

مشرکین اپنے بتوں کو اس لیے بھی پوجتے ہیں کہ عزت و حرمت حاصل ہو، یعنی ہر بات میں اُن کی پرستش سے کامیاب رہیں، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ الخ کہ جو عزت کا طالب ہے تو عزت بھی اللہ ہی کے ہاں ہر طرح کی موجود ہے، پھر اس عزت حاصل کرنے کی ترکیب بتلاتا ہے۔ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ کہ اچھی باتیں یعنی کلمۂ توحید و تمجید و تہلیل امر بالمعروف و نہی عن المنکر اللہ کی طرف بلند ہو کر جاتے ہیں، یعنی مقبول ہوتے ہیں اور عزت حاصل کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بندے کو بھی عزت ہوتی ہے، یعنی نیک بات سے انسان کا بول بالا ہوتا ہے۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ اور نیک کام بندے کو بلند مرتبہ کرتا ہے۔ یا یہ معنی کہ نیک کام سے کلمۂ طیب بلند ہوتا ہے، کوئی نیک بات بغیر نیک کام کے مقبول نہیں ہوتی۔ زبانی جمع خرچ کچھ کام نہیں آتا۔ حسن، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، ابوالعالیہ ضحاک۔ وَالَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ الخ اور جو برے کام کرتے ہیں اور بری تدبیر کرتے ہیں، وہ سب تدبیریں رد ہوجاتی ہیں۔ ذلت دلاتی ہیں۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ الخ یہاں سے پھر دلائلِ توحید شروع کرتا ہے۔ وَلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖ کی ضمیر معمر کی طرف نہیں پھرتی، اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر انسان کی عمر کا دراز ہونا اور کسی کی عمر کا طبعی عمر سے کم ہونا سب علم ازلی میں ہے۔

وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ ۖ ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُہٗ وَھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ

وَمِنْ کُلٍّ تَاْکُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا ۚ وَتَرَی الْفُلْکَ

فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿۱۳﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿۱۴﴾

اور دو دریا برابر نہیں کہ یہ ایک تو شیریں اُس کا پانی خوشگوار ہے اور یہ ایک دوسرا کھاری کڑوا ہے، حالانکہ ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت (مچھلیاں) بھی کھاتے ہو اور زیور (موتی) مونگا بھی نکالتے ہو کہ جس کو پہنا کرتے ہو اور (اے مخاطب!) تو دریا میں پانی کو پھاڑتے ہوئے جہاز بھی چلتے دیکھتا ہے تاکہ تم اس کی عنایت کردہ روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو، وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب اور ماہتاب کو بس میں رکھا ہے کہ ہر ایک بندھے ہوئے وقتوں پر چلتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور جن کو تم اُس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہارے پکارنے کو بھی نہیں سنتے اور جو سنیں بھی تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تو تمہارے شرک کا انکار ہی کر دیں گے اور (اے مخاطب!) تجھ کو اللہ خبردار کی طرح تو اور کوئی بتائے گا بھی نہیں۔

ترکیب : سائغ علی فاعل شرابہ مرفوع لاعتمادہ علی ماقبلہ لتبتغوا اللام متعلقۃ بمواخر و یجوزان یتعلق بمادل علیہ الافعال المذکورۃ یولج جملۃ مستانفۃ ذٰلکم مبتداء اللہ خبرہ ربکم خبر ثان لہ الملک الجملۃ خبر ثالث والذین مبتداء مَایَمْلِکُوْنَ خبر مِنْ قِطْمِيْرٍ بیان لمفعول مایملکون ای لایملکون شیئا من قطمیر۔

تفسیر : مَایَسْتَوِی الْبَحْرَانِ یہاں سے اُن دونوں شخصوں کی تمثیل بیان کرتا ہے، یعنی اس کی کہ جس کو شیطان نے اندھا کیا، بلکہ برعکس میں کر دیا اور اس کی جو سیدھے رستہ پر چلا جاتا ہے کہ جس طرح شیریں اور کھاری دریا برابر نہیں گو دونوں میں سے تازہ گوشت مچھلیاں اور زیور پہننے کا موتی اور مونگا نکالتے ہیں اور ہر ایک میں کشتیاں بھی جاری ہیں کہ جن سے روزی حاصل ہوتی ہے۔ تجارت کے ذریعہ سے اور یہ شکر گزاری کا موقع بھی ہے اور نیز اس تفاوت میں قادر مختار کی قدرت کا بھی اظہار ہے، اسی طرح مومن و کافر بھی برابر نہیں، گو بہت سے اوصاف میں دونوں مشترک ہیں اور دو دریاؤں کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسانی خیالات دریا کی طرح رواں ہیں، پر دونوں میں فرق ہے۔ مومن کا دریا جو موج زن ہے تو اُس میں شیرینی ہے، کافر کے دریا میں انجام کار تلخی۔

یُوْلِجُ الَّيْلَ الخ یہاں سے اختلاف زمانہ سے اپنے قادر ہونے پر استدلال کر کے یہ فرماتا ہے۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ یہ ہے اللہ تمہارا رب اُسی کے قبضہ میں زمین و آسمان، رات دن، چاند اور سورج ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ اور جن کو کہ تم اس کے سوا پکارتے ہو، اُن کا رب اور خالق ہونا تو درکنار اُن کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ اے شیطان کے فریب میں ڈالے ہوؤ! تم ان بتوں سے کیا عزت ڈھونڈتے ہو، اول تو ان کو کچھ اختیار ہی نہیں۔ دوم اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَایَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے، کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔ سوم وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ اگر فرض کیا جاوے کہ سنتے ہیں تو بھی کچھ فائدہ نہیں کس لیے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے اور تمہارا کہا نہیں کر سکتے وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کرنے کا انکار کریں گے اور کہیں

گے۔ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ اور ممکن ہے کہ اس جملہ میں ملائکہ اور جن اور شیاطین اور انبیاء علیہم السلام مراد ہوں کہ جن کو لوگ دُنیا میں پوجتے اور پکارتے ہیں۔ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ پھر پیش آنے والی باتیں کہ قیامت کو وہ اُن کے برخلاف ہوجاویں گے۔ غیب کی باتیں ہیں، تجھ کو اللہ خبردار نے بتلائیں اور اس خبردار کے برابر کون بتلا سکتا ہے۔

فائدہ: فرات بالضم آبِ خوش یقال ماء فرات ومیاہ فرات، سائغ سوغ آساں بگلو فروشدنِ آب وفرو بردن، ملح بالکسر نمک ماءِ ملیح لغت منہ ولا یقال مالح الا فی لغۃ رویۃ، ماءُ اُجاج بالضم آبِ شور اُجوج بالضم مصدر منہ، طرو، طری تازہ طراوۃ وطراءۃ تازگی، قطمیر بالکسر پوستک تنک دانہ خرما یا نقطہ سپید بر پشتِ دانہ کہ خرما از وے روید۔ صراح

يَآيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾

لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے پروا سب خوبیوں والا ہے، اگر چاہے تو تم کو مٹا کر اور نئی مخلوق لے آوے اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں اور (قیامت کے دن) کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھاوے گا اور اگر جس پر بارِ گناہ ہو وہ کسی کو اپنا بوجھ اُٹھانے کو بلاوے تو اُس کا کچھ بھی بوجھ نہ بٹایا جاوے گا۔ گو وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ آپ تو صرف انہی کو ڈرسناتے ہو جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کوئی سدھرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو سدھرتا ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا ہے اور برابر نہیں ہو سکتے اندھا اور آنکھوں والا اور نہ اندھیریاں اور نہ روشنی (برابر ہیں) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (برابر ہیں) اور برابر نہیں زندے اور مردے اللہ جس کو چاہتا ہے سنواتا ہے اور قبر کے مردوں کو تو آپ سنا نہیں سکتے۔ آپ تو صرف ایک ڈرسنانے والے ہیں۔

ترکیب: ان شرطیۃ یشاء شرط مفعولہ محذوف یذہبکم جواب الشرط ویات معطوف علیہ ولذا قرء مجزومین، وزر اخریٰ مفعول ولا تزر مثقلۃ قال الفراء ای نفس مثقلۃ بالذنوب قال وھذا یقع للمذکر والمؤنث الحمل بالکسر ما تحمل علی الظھر ونحوہ والجمع احمال وحمول۔ والحمل بالفتح ما کان فی البطن وعلی راس شجرۃ، یقال امرءۃ حامل وحاملۃ اذا کانت حبلی، قال الازھری، ولو وصلیۃ تتعلق بلا یحمل انما تنذر مستانفۃ، ولا الحرور فعول من الحر غلب علی السموم وقیل السموم ما یھب نہارا والحرور ما یکون باللیل خاصۃ وقیل عکسہ، ولا التاکید نفی الاستواء وتکریرھا لمزید التاکید۔

تفسیر : جبکہ نبی ﷺ کی طرف سے کفار کو ہدایت پر بلانے میں اصرار ہوا اور مخالفوں کی طرف سے سخت انکار ہوا تو کفار کہنے لگے۔ شاید خدا کو ہماری طاعت وعبادت کی سخت ضرورت ہے کہ جس پر مامور کرتا ہے اور ترک کرنے پر عذاب سے ڈراتا ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ الخ کہ اے لوگو تمہیں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ جو ہے تو بے پروا ہے اور سب خوبیوں والا ہے۔ اُس کو کسی کی عبادت وطاعت کی کچھ پروا نہیں، تمہارے ہی بھلے کو تم کو عبادت کا حکم دیا جاتا ہے، جس پر تم کو اس قدر غرور اور سرکشی ہے اور تم کیا غرور کرتے ہو۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ اگر اللہ چاہے تو تم کو نیست ونابود کر کے اور نئی خلق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں اور نبی علیہ السلام کو بھی تم سے کوئی غرض ومطلب نہیں ہے، کس لیے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی الخ قیامت کو کوئی کسی کا بارِ گناہ نہ اُٹھاوے گا، تم جو کرو گے آپ بھگتو گے اور قیامت کے دن کوئی گناہ گار اپنے بارِ گناہ کے اُٹھانے کو کسی سے کہے گا تو کوئی نہ اُٹھاوے گا، گو وہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں۔ نفسی نفسی کا بازار گرم ہوگا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی اپنی برادری اور کسی فرضی معبود پر گھمنڈ نہ کرے، وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آوے گا۔ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہمارے گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُٹھالے گئے اور ہمارے عوض آپ معاذ اللہ تین روز جہنم میں رہے، اس کا بھی ابطال کر دیا کہ یہ خیال غلط ہے، کسی کے جرم میں کوئی کیوں پکڑا جاوے؟ اور یہ آیت اس آیت کے مخالف نہیں۔ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَھُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِھِمْ کیونکہ اس میں جو اوروں کا بوجھ اُٹھانا آیا ہے تو وہ بھی دراصل انہی کا بوجھ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ الخ فرماتا ہے۔ اے نبی (علیک السلام) آپ کا وعظ و پند اور ڈرسنانا انہی کو نافع اور کارآمد ہے جو غائبانہ اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ مَنْ تَزَکّٰی الخ جو کوئی اصلاح پذیر ہوتا ہے اور نیک بختی اختیار کرتا ہے تو اس کا فائدہ اُسی کے لیے ہے۔ اللہ اور نبی کو کوئی فائدہ نہیں، وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ اور اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ وہاں پاوے گا اور یہ گمراہ اپنی گمراہی پر کیا نازاں ہیں۔ کافر ومومن برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ اندھا اور آنکھوں والا اور روشنی اور اندھیرا اور سایہ اور دھوپ اور مردہ اور زندہ برابر نہیں۔ یہ کافر ومومن کی مثالیں ہیں۔

پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ الخ کہ یہ ہدایت اور گمراہی اللہ کی طرف سے ہے، اللہ جس کو چاہے سنا دے، یعنی ہدایت دے اور اے نبی! تو مردوں کو نہیں سنا سکتا، یعنی کفار بمنزلہ مردوں کے ہیں۔ ان میں ہدایت کا مادہ ہی نہیں مگر اتمامِ حجت کے لیے تیرا کام ہر ایک کو متنبہ کر دینا ہے۔ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۲۶﴾ ع

(اے رسول!) ہم نے آپ کو دینِ حق دے کر خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے اور کوئی فرقہ ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو اور اگر وہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو اُن سے پہلے بھی جھٹلا چکے ہیں۔ ان کے پاس بھی ان کے رسول نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے، پھر ہم نے منکروں کو پکڑ لیا، پھر ہماری ناراضی کا

۱؎ البینت معجزات زبر صحیفے جیسا کہ ادریس وابراہیم ودیگر انبیاء علیہم السلام کو چھوٹی چھوٹی کتابیں حسب ضرورت دی گئیں الکتب المنیر بڑی کتاب جس میں شریعت ہی ہو۔ جیسا کہ توریت تھی۔ ۱۲ منہ

انجام (دیکھا) کیسا ہوا میرا عذاب۔

ترکیب : بالحق متعلق بارسلنا ویمکن ان یکون حالا اے متلبسا بالحق، وکذا بشیرا و نذیرا حالان ویمکن ان یکونا مفعولا لا جلہ۔ وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ شرط وجواب محذوف ای فاصبر کما صبر الانبیاء فقد کذب الخ دلیل لہ، زبر جمع زبور بالفتح، قال فی الصراح زبر بالکسر نبشتہ زبور بضم ج و بالفتح نبشتہ وھو فعول بمعنی مفعول و کتاب داؤد علیہ السلام انتہی۔

تفسیر ہر ملک میں نبی آئے ہیں : جبکہ یہ فرمایا تھا کہ ان انت الا نذیر اس کے بعد یہ بھی فرمایا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا کہ اے نبی آپ اپنی طرف سے نذیر نہیں بن گئے ہیں بلکہ ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ایسا کوئی گروہ اور کوئی قوم نہیں کہ جس میں نذیر یعنی نبی بنا کر نہ بھیجا ہو، وہ قومیں بھی اپنے انبیاء سے اسی طرح سے پیش آئی ہیں۔ جلالین میں ہے۔ نذیر نبی ینذر رہا۔ بیضاوی فرماتے ہیں۔ من نبی او عالم ینذر عنہ والا کتفاء بذکرہ للعلم بان النذارۃ قرینۃ البشارۃ اور کئی جگہ قرآن مجید میں اسی مضمون کی آیتیں آئی ہیں۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ان آیات اور باعثِ ارسال رسل پر نظر کر کے اہلِ حق قاطبۃً اس بات کے قائل ہیں کہ بنی اسرائیل اور ملک شام کی کچھ خصوصیت نہیں ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے داعی موجود رہا ہے یا وہ خود نبی ہو یا اس کے جانشین اور علماء اور کتاب ہو۔ عام ہے کہ وہ نبی کے پیرو اس کے مذہب کے داعی اسی خاص طریقہ پر ہوں یا زمانہ کے انقلابات سے ان میں کچھ افراط و تفریط ہوگئی ہو جس کو تحریف و تبدیل کہتے ہیں۔ ہاں جب وہ تحریف و تبدیل اس درجہ کو پہنچ گئی ہو کہ اصل منشاءِ نبوت کو پورا کرنے سے قاصر ہوگئی، تب دوسرا نبی یا کوئی مجدد بھی خدا کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے اور ایسے ہی انتظار کے وقت کو زمانہ فترت کہتے ہیں، یعنی وحی بند ہو جانے کا زمانہ، کل امۃ و کل قوم کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ ایک زمانہ میں ایک ملک میں ہر ہر قوم کا ایک ایک جدا نبی ہو گو ایسا بھی ہوا ہو اور اسی لیے ایک قوم میں ایک زمانہ میں کئی کئی نبی پائے گئے ہیں، مگر نذیر اور ہاد کا لفظ خاص نبی ہی کے لیے مختص نہیں، جیسا کہ بیضاوی نے تعمیم کر دی ہے بلکہ اس کے پیرووں کو بھی شامل ہے، البتہ اس بات سے یہ ماننا پڑے گا کہ گو نبی صاحب شریعت و کتاب صدہا برسوں تک اور بہت سی قوموں اور ملکوں کے لیے ایک ہی ہو، مگر ہر قوم میں اس کے پیرو داعی ضرور بھیجے گئے ہیں، ان کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو، بس جس قدر انبیاء علیہم السلام کا قرآن و احادیث میں ذکر آ گیا ہے، ان کی تصدیق تو یقینی و تعینی طور پر واجب ہے اور باقی کو اجمالاً برحق کہنا شیوۂ اسلام ہے۔ اس میں ہند، فارس، روم، عرب کوئی ملک کیوں نہ ہو۔ اب رہے ان ملکوں کے مشاہیر اکابر ان کی نسبت ان کے طریقہ کو دیکھ کر بشرطیکہ وہ انہی کا مروج طریقہ ہو، ہم خیال ظاہر کریں گے ورنہ علمِ الٰہی کے سپرد کریں گے، ہاں ان کے اس طریقہ میں جو مروج ہو رہا ہے اور ان کے پیرو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر کچھ خرابی ہے تو ضرور کہیں گے کہ یہ طریقہ منجانب اللہ نہیں خواہ محرف ہو جانے کے سبب سے یا اس سبب سے کہ اصل ہی خود تراشیدہ ہے مگر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ صرف آپ کے مجدد ہی نذیر اور ہر قوم کے ہادی اور داعی رہیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ الخ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور منکروں کو تہدید ہے کہ پہلے لوگوں کے پاس بھی ان کے انبیاء معجزات اور صحیفے اور بڑی کتابیں لے کر آئے لوگوں نے جھٹلایا، اس سے ان پر عذاب آیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾

اے بندے! کیا تو نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اُس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے کچھ تو

سفید اور کچھ سرخ اور کالے بھجنگ[1] ہیں اور اسی طرح آدمیوں اور زمین پر چلنے والے جانوروں اور چارپایوں کی بھی مختلف رنگتیں ہیں۔ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف علم والے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست معاف کرنے والا ہے جو لوگ کہ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز ادا کرتے اور ہمارے دیے میں سے چھپا کر اور ظاہر کر کے دیتے ہیں، وہ ایک ایسے سودے کی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ جس میں کبھی گھاٹا ہی نہیں کیونکہ اللہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے اور بھی بڑھ کر دے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا قدر دان ہے اور (اے رسول!) وہ کتاب کہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے وہ سر تا سر ٹھیک ہے۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ البتہ اللہ اپنے بندوں کے حال سے خبردار ہے (اور) ان کو دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم نے اپنی کتاب کا ان کو وارث کیا کہ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کر لیا، پھر ان میں سے کچھ تو اپنے لیے برا کرنے والے ہیں۔ (یعنی گنہگار) اور کچھ ان میں سے درمیانی حال پر ہیں اور کچھ اُن میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں کے کرنے میں پیش قدمی کرنے والے بھی۔ یہی تو خدا کا بڑا فضل ہے۔ (ان کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جن میں وہ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی دیے جائیں گے اور وہاں اُن کی ریشمی پوشاک ہوگی اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا کہ جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ بے شک ہمارا رب معاف کرنے والا قدر دان ہے، وہ کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو سدا رہنے کی جگہ میں اُتارا کہ جہاں ہم کو نہ کوئی رنج پہنچتا ہے اور نہ کوئی تکلیف اور وہ جو منکر ہو گئے ہیں ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ان پر قضا آئے گی کہ مر چکیں اور نہ ان کے عذاب ہی میں کچھ کمی کی جائے گی۔ ہم ہر ایک ناشکر کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں اور وہ دوزخ میں پڑے چلائیں گے کہ اے رب ہم کو یہاں سے نکال تا کہ ہم (دنیا میں جا کر) جو کچھ کیا کرتے تھے اس کے سوا اور اچھے کام کریں (ہم کہیں گے کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرسنانے والا آیا۔ پھر مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

ترکیب: الوانہا مرفوع۔ بمختلف وجدد بفتح الدال جمع جدۃ وھی الطریقۃ ویقراء بضمھا وھو جمع جدید کسریر وسرر قال الجوھری الجدۃ الخطۃ التی فی ظھر الحمار تخالف لونہ والجدۃ الطریق والجمع جدود جدائد، قال المبرد وطرائق وخطوط و غرابیب سود عطف علی بیض وعلی جدد کانہ قیل ومن الجبال ذوجدد مختلفۃ اللون ومنہا غرابیب متحدۃ اللون، وغرابیب جمع غربیب ھو الشدید السواد الذی یشبہ لونہ لون الغراب والغرابیب تابع وتاکید لسود وحق التاکید التاخیر فقیل فی جوابہ ھو تاکید مضمر بفسرہ سود کما جاء فی قول النابغہ

المؤمن[2] العائذات الطیر مسحھا ۔۔۔ الطیر عطف بیان للعائذات وھو الشاھد

ومن الجبال مستانفۃ کانہ قال واخرجنا بالماء ثمرات مختلفۃ الالوان وفی الاشیاء الکائنات من الجبال جدد دالۃ علی قدرۃ ویمکن ان یکون معطوفا کذلک فی موضع نصب ای اختلافا مثل ذلک العلماء مرفوع لکونہ فاعلا لیخشی۔ یرجون خبر ان الذین لیوفیھم یتعلق بیرجون۔

تفسیر: یہ ایک اور دلیل اس کی وحدانیت پر ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ کَذٰلِکَ تک اُوپر سے پانی برسنا اور اُس سے مختلف رنگتوں کے پھل پیدا ہونا مخاطبین کے نزدیک ایک یقینی اور ظاہر بات تھی، جس لیے الم تر ا استفہام تقریری کے ساتھ کلام شروع کیا۔ ایک پانی سے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے، مختلف رنگتوں کے میوے ہونا صریح دلیل ہے کہ یہ کسی قادرِ مطلق کی گلکاری ہے، ورنہ طبیعت اور مادہ سب میں یکساں ہے اور علتِ فاعلیہ بھی ایک ہے، پھر یہ اختلاف کیوں ہو گیا؟ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اختلاف زمین کی وجہ سے ہے، دیکھو کہیں نباتات پیدا نہیں ہوتے اور کہیں بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے، وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا[3] وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ کہ اچھا یہ زمین میں اختلاف کس کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کس نے زمین کے ٹکڑوں میں مختلف تاثیریں

---

[1] بہت سیاہ بھی ہیں۔

[2] ترجمہ: قسم اس دینے والی پناہ مانگنے والے پرندوں کو شاعر عذر کرتا ہے کہ مجھے اس اللہ کی قسم جو مکہ میں کبوتروں کو پناہ دیتا ہے جو حرم میں سواروں کے پاس رہتے ہیں میں نے فلاں جرم نہیں کیا اور اس کا اخیر مصرعہ یہ ہے رُکبان مکۃ بین الغیل والسند ۱۲ ابومحمد عبدالحق

[3] حکماء کا قوسِ قزح کے اختلاف الوان بیان کرنے میں ہی ناطقہ بند ہے پھر دیکھیں وہ ایک ہی پھول میں مختلف الوان کی کوئی شافی وجہ تو بیان کر دیں۔ ۱۲ منہ

بخشیں؟ زمین کے ایک بڑے سخت حصہ پہاڑوں کو دیکھو جو اپنی صلابت کی وجہ سے دوسرے کے اثر کو بمشکل قبول کرتے ہیں۔

وہ کس کا یدِ قدرت ہے کہ جس نے رنگ برنگ کے ان بلند پہاڑوں میں دھاریاں ڈالی ہیں کہ کہیں ایک سفید دھاری چلی آتی ہے اُوپر سے لے کر نیچے تک سفید پتھروں کی تہہ چنی ہوئی ہے، جہاں تک کھودتے چلے جاؤ گے، وہی سفید نکلتا چلا آوے گا اور اُس کے آس پاس اور رنگ کا پہاڑ ہے، اسی طرح سے کہیں سرخ رنگ ہے اور کہیں نہایت سیاہ پھر یہ اختلاف کس نے کیا؟ اور جمادات اور نباتات پر کیا موقوف ہے، حیوانات میں بھی یہی اختلافات ہیں۔

حیوانات میں اشرف المخلوقات انسان کو دیکھو، دو بھائی ایک ماں ایک باپ ایک ملک پھر ایک کالا ایک گورا و الدّٰو اب اور زمین پر چلنے والوں کو یعنی کیڑے مکوڑے سانپ وغیرہ کو دیکھو کہ ایک ہی قسم کے جانوروں کی کیسی مختلف رنگتیں ہیں، کوئی سانپ سیاہ ہے، کوئی زرد کوئی کوڑیالا ایک ہی میں کئی رنگتیں اور کئی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں اور اسی طرح الانعام چارپایوں کا حال ہے، کوئی بیل سفید کوئی سرخ، کوئی سیاہ پھر ایک ہی میں کئی رنگتیں، کان سفید تو باقی تمام سیاہ کسی کی کمر سرخ باقی سیاہ علیٰ ہذا القیاس۔ وہ کون ہے کہ جس نے ان پر مختلف رنگوں کی کوچیں پھیری ہیں، پس جو ان باتوں میں غور کرتے ہیں تو وہ خدا تعالیٰ ہی کا یدِ قدرت دیکھتے ہیں اور اُس کی قدرت و جبروت کا خیال کر کے ڈرتے ہیں۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا کے یہ معنی ہیں جو اُس کو قادر مختار جانتے ہیں، وہ اس سے ڈرتے اور اُس کا احسان مانتے ہیں کہ اُس نے ہم کو انسان بنایا اور ایسا بنایا چاہتا تو گدھا بنا دیتا اور انسان ہی بناتا تو لولا لنگڑا کر دیتا یا ناسمجھ پیدا کر دیتا اور وہ جو چاہے کر دے۔ پھر جو اللہ سے ڈرتے ہیں اللہ ان پر فضل کرتا ہے، کس لیے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ۔

وہ کون لوگ ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ وہ ہیں جو اللہ کی کتاب قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور منجملہ اعمال کے بدنی عبادات میں سے سب کا اصل الاصول نماز ہے، اس کو دل سے ادا کرتے ہیں اور ایک مالی عبادت بھی ادا کرتے ہیں، سب مال نہیں بلکہ اس میں سے ایک حصہ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ چھپا کر بھی اور ظاہر کر کے بھی۔ چھپا کر دینا بہتر ہے اور اگر ریاکاری کا اندیشہ نہیں تو ظاہر کر کے دینے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور ممکن ہے کہ چھپا کر دینے سے اشارہ صدقۂ نافلہ کی طرف ہو اور ظاہر کر کے دینے سے مراد زکوٰۃ ہو، کیونکہ یہ ظاہر کر کے دی جاتی ہے۔ (کرخی) یہ لوگ ایک ایسا سودا یا تجارت کر رہے ہیں کہ جس میں کبھی نقصان نہ ہوگا کیونکہ ایسے اعمال کی جزاءِ خیر کا اللہ نے قطعی وعدہ کر لیا ہے۔ کما قال تعالیٰ لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ یہ اس لیے کہ اللہ ان کو ان کے کاموں کا پورا بدلہ دے گا، بلکہ وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ اپنے فضل و کرم سے اور بھی بڑھ کر دے گا۔ محنت سے زیادہ اجر دے گا کس لیے اِنَّہٗ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ وہ بخشنے والا ہے اور بڑا قدردان ہے، کوئی اخلاص کے ساتھ نیکی کرتا ہے، اس کا نہ صرف اس کو بلکہ اس کے متعلقین کو بھی بدلہ دیتا ہے۔ بڑی غریب پرور قدردان سرکار ہے، جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں کوششیں کی ہیں، آج تک اُن کو تو کیا اُن کی ذریت کو بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

دونوں آیتوں میں بڑی حکمت رکھی گئی ہے۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ میں عملِ قلب کے طرف اشارہ ہے جو جمیع حسنات کا اصل الاصول ہے اور اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ میں عملِ زبان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی زبان ذکرِ الٰہی سے تر رہتی ہے اور اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ میں عبادت بدنی کے طرف اشارہ ہے جس میں تمام اعضاء اور روح بھی شریک ہے اور انفقوا میں مالی عبادت کے طرف اشارہ ہے اور تمام حسنات کے دو ہی جانب ہیں۔ ایک اللہ کی تعظیم دوسری خلقِ خدا پر احسان کرنا سو ان جملوں میں دونوں آگئیں۔

اس کے بعد مسئلۂ رسالت کو ثابت کرتا ہے اور رسالت کی عمدہ تر چیز کتاب اللہ ہے، اس لیے فرماتا ہے۔ وَ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ ہُوَ الۡحَقُّ کہ وہ کتاب جو ہم نے تیرے پاس اے محمد (ﷺ) بھیجی ہے، یعنی قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے پھر جو اس میں وعدے

کیے گئے ہیں، وہ بھی برحق ہیں۔ اُس سے اس تجارت کے نافع ہونے کا بھی وثوق دلایا گیا ہے۔ الحق کا لفظ ایک بڑی قوی دلیل کی طرف اشارہ ہے جو قرآن کے کتاب آسمانی ہونے پر قائم کی جاتی ہے کہ اس کے تمام مطالبِ عالیہ پر غور کر جاؤ، پھر اس کی خوبی آپ ظاہر ہو جاوے گی۔ ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ بھی دوسری دلیل ہے کہ اگلی کتابوں کے کوئی بات برخلاف نہیں، پھر اُمی شخص جو اگلی کتابیں نہ پڑھا ہو، بغیر الہامِ الٰہی کے اُن کے مطابق کلام کر سکتا ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں جلد کے صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں۔ وجواب عن سوال الکفار وھو انھم کانوا یقولون بان التوراۃ ذرہ فیھا کذا والانجیل ذکر فیہ کذا وکانوا یفترون من التثلیث وغیرہ وکانوا یقولون بان القرآن فیہ خلاف ذلک فقال التوراۃ والانجیل لم یبق بھما وثوق بسبب تغیر کم فھذا القرآن ما ذروفیہ ان کان فی التوراۃ فھو حق وباق علی ما نزل وان لم یکن فیہ او یکون فیہ خلافہ فھو لیس من التوراۃ فالقرآن مصدق للتوراۃ، خلاصہ یہ کہ موجودہ انجیل وتورات قابلِ اعتبار نہیں، اگر قرآن کے موافق ہے تو ٹھیک ہے اور جہاں مخالف ہے وہ غلط ہے، محرف ہے اسی پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے، پس وہ جو جواب تفسیرِ حقانی میں ایک مخفی عیسائی یہ کہتا ہے کہ توریت وانجیل موجودہ حرفاً حرفاً برحق ہے اور اس بات کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ محض غلط اور سخت[1] دھوکا ہے۔

کتاب اللہ کی خوبی بیان کر کے جو لوگ نبی کے بعد اس کتاب کے وارث ہوئے، اُن کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو قرآن کا وارث کیا، یعنی ایمانداروں کو بے شک ایمان لانے والے کافروں کے لحاظ سے برگزیدہ ہوتے ہیں، پھر ان ایمانداروں کی تین قسم ہیں: بعض گنہگار ہیں، اپنی جان پر کبائر وصغائر کر کے ظلم کر رہے ہیں، یعنی اس کتاب پر ایمان تو ہے۔ عمل نہیں کرتے بعض ان میں سے درمیانی حالت میں ہیں۔ عامل تو ہیں مگر پورے عامل نہیں اور بعض کامل ہیں، ایمان بھی ہے اور عمل بھی پورا ہے۔ ہر ایک نیک کام میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ مقاتل اور نسفی اور ابو یوسف اور جمہور کا یہی قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی شرح میں فرمایا کہ یہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے اسناد میں دو راوی مجہول ہیں اور احمد وابن ابی حاتم وطبرانی وحاکم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ وہ لوگ ہیں کہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے اور مقتصد وہ ہیں جو کسی قدر حساب دے کر جاویں گے اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وہ ہیں جو محشر میں روک دیے جاویں گے، پھر اللہ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں لے جاوے گا اور بھی روایات ہیں اور لغوی معنی کے لحاظ سے مفسرین کے اور بھی اقوال ان تینوں کے بیان میں آئے ہیں۔

مگر بعض مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد جنسِ کتاب ہے اور الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا سے مراد انبیاء اور فمنھم سے مراد ان کی اُمت دعوت ہے کہ ان میں سے ظالم یعنی کافر بھی ہوئے اور مُّقْتَصِدٌ نیک بھی اور سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی تھے، لیکن قوی تر اول قول ہے اور سیاقِ کلام اسی کو ترجیح دیتا ہے۔

فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ کہ یہ کتاب کا وارث ہونا اور نیک ہونا بڑا فضلِ الٰہی ہے۔ پھر اس فضلِ کبیر کا نتیجہ بیان فرماتا ہے۔ جنات عدن الخ قولہ تعالیٰ لغوب کہ ان کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جہاں وہ آرائش اور تجمل کے ساتھ رہا کریں گے، عمدہ لباس پہنیں گے اور اللہ کی تعریف کریں گے کہ اس نے ہماری دُنیاوی تکالیف کو دُور کر دیا، ہمارا رب معاف کرنے والا قدردان ہے۔ اس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کی جگہ یعنی جنت میں جگہ دی کہ جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف ہے نہ مشقت نہ وہاں بیماری اور بڑھاپے کا ڈر نہ موت کا خطر نہ معیشت کا فکر، نہ کوئی رنج وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ یہاں سے منکرین کا حال بیان فرماتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جاویں گے،

---

[1] امام رازی توریت وانجیل موجودہ کو غیر معتبر کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

جہاں نہ ان کو موت آوے گی کہ مر کر چھوٹ جاویں نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی، وہ وہاں روئیں گے، چلاویں گے، دانت پیسیں گے اور کہیں گے اے رب! اب کے ہم کو یہاں سے نکال دے، دُنیا میں بھیج دے کہ وہاں جا کر نیک کام کریں گے۔ اس کے جواب میں ملائکہ کہیں گے کہ کیا تم کو سمجھنے کے قابل عمر نہ دی تھی، پھر اتنی عمر تک وہاں رہ کر نہ سمجھے اور اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ تمہارے پاس خوف دلانے والے بھی بھیجے پھر اب تم ان کا مزہ چکھو تمہارا کوئی حمایتی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں جانتا ہے، البتہ وہ دلوں کی باتیں بھی (خوب) جانتا ہے۔ وہی ہے کہ جس نے تم کو ملک میں اگلوں کا جانشین کیا۔ پھر (اس پر بھی) جس نے ناشکری کی سو اُس ناشکری کا وبال اُسی پر ہے اور کافروں کا کفران کے رب کے نزدیک ناراضی کے سوا اور کچھ نہیں زیادہ کرتا اور کافروں کا کفر بجز نقصان کے اور کچھ نہیں زیادہ کرتا۔ کہو بھلا تم نے اپنے ان معبودوں کو بھی دیکھا کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ مجھے دکھلاؤ کہ اُنہوں نے زمین میں کیا کچھ پیدا کیا ہے یا ان کا کچھ حصہ آسمانوں میں بھی ہے یا ان کو ہم نے کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اُس کی سند رکھتے ہیں، (کچھ بھی نہیں) بلکہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کو محض فریب دیا کرتے ہیں۔ بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھام رہا ہے کہ ٹل نہ جاویں اور اگر وہ ٹل جاویں تو اُس کے بعد اور کوئی تھام نہیں سکتا، البتہ وہ تحمل والا معاف کرنے والا ہے۔

ترکیب: عالم غیب قرء الجمهور بالاضافة وقرئ بالتنوين ونصب غيب خلائف جمع خليفة ويقال للمستخلف خليفة وخليف ويجمع الاول على خلائف والثانی علی خلفاء ارونی بدل اشتمال من أرأيتم اروني ای شئ خلقوا من الارض وقيل أرأيتم واروني تنازعا في الفعل وقد اعمل الثانی علی قول البصريين، ام لهم و ام اتيناهم الضمير يعود الى الشركاء وام في الموضعين منقطعة بمعنى بل والهمزة فهو اضراب عن استفهام و شروع فی استفهام آخر ان تزولا ای عن ان تزولا ويجوز ان يكون مفعولا له ای مخالفة ان تزولا۔

تفسیر: کافر جو دوزخ میں کہیں گے، ہم کو بارِ دگر دنیا میں بھیج دے کہ اچھے کام کریں گے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ الخ خدا تعالیٰ آسمان و زمین کے اندر کی سب چیزیں جانتا ہے۔ دلوں کے حالات و خیالات سے بھی بخوبی واقف ہے، یعنی وہ ہر بات کو خوب جانتا ہے۔ اگر تم بارِ دگر دنیا میں جاؤ گے تو پھر بھی وہی بد کام کرو گے، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے۔ ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه اور اس میں اُس شبہ یا اعتراض کا بھی جواب ہے کہ جرم کا ارتکاب تو دُنیا کی عمر تک ہوا جو پچاس ساٹھ برس یا کم زیادہ کی تھی، پھر ہمیشہ جہنم میں رکھ

کر سزا دینا جزاء و سیئۃ مثلھا کے برخلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ اگر تم ہمیشہ زندہ رہتے تو ہمیشہ اسی کفر پر رہتے هو الذی جعلکم سے خسارًا تک یہ بات بیان فرماتا ہے کہ دنیا میں کون سی بات تم کو نہیں دی گئی تھی؟ تم کو خلیفہ بنایا گیا۔ تمام خلق پر تم کو حکومت دی گئی تھی۔ دُنیا کے کاروبار خوب سمجھتے تھے۔ صنائع و حرفت و دیگر فنون میں بڑے استاد اور عقلِ کل تھے، پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت اور دارِ آخرت کا مسئلہ سمجھ میں نہ آیا، نفسِ امارہ پر حکومت نہ کی گئی اس کو بدخواہشوں سے نہ روکا گیا؟ اب تمہارے کفر کا وبال تمہی پر ہے اور تمہارے کفر نے تمہارا ہی نقصان کیا ہمارا کیا بگاڑا؟

قل ارئیتم شرکاء الخ یہاں سے پھر توحید کا مسئلہ شروع کرتا ہے اور مشرکوں کو صریح الزام دیتا ہے کہ اُن سے دریافت کرو کہ تمہارے ان معبودوں نے آسمانوں اور زمین میں سے کون سی چیز بنائی ہے؟ یا ان کا کوئی حصہ ہے یا تمہارے پاس کوئی آسمانی سند ہے کہ اللہ نے کتابِ آسمانی میں یہ بات بتلا دی ہو؟ صرف تمہارے ڈھکوسلے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے، بلکہ خدا یا مہادیو اور بشن اور برہما دنیا کے پیدا کرنے میں شریک تھے یا یہ کہ رزق روزی فلاں دیتا ہے۔ بیماری فلاں دفع کرتا ہے بلکہ اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ الخ اللہ ہی اپنے یدِ قدرت سے آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور اگر وہ بگڑ جاویں یا اپنی جگہ سے ٹل جاویں تو پھر کون ان کو قائم کر سکتا ہے۔ وہ حلیم ہے، تمہاری ان باتوں پر صبر برداشت کرتا ہے اور تمہاری بے ہودہ باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ اِحۡدَی
الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا زَادَہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ﴿۴۲﴾ اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَمَکۡرَ
السَّیِّیٴِ ؕ وَلَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیٴُ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ؕ فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ
فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۬ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا
فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَکَانُوۡۤا اَشَدَّ
مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ
کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی
ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّلٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ
فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾ ع

اور وہ اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی بھی ڈرسنانے والا آیا تو ہر ایک اُمت سے زیادہ ہدایت پر ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرسنانے والا آیا تو اس سے ان کو اور بھی نفرت بڑھ گئی کہ ملک میں سرکشی اور بری بری تدبیریں کرنے لگ گئے اور بری تدبیر تو تدبیر کرنے والے ہی پر اُلٹ پڑا کرتی ہے۔ پھر کیا وہ اس (برتاؤ) کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں سے برتا گیا۔ اب خدا کے برتاؤ میں کبھی بھی تغیر نہ آئے گا اور اب اللہ کے دستور میں کبھی کوئی رد و بدل نہ

پائیں گے، کیا وہ ملک میں پھر کر نہیں دیکھتے کہ اُن سے پہلوں کا کیا انجام ہوا، حالانکہ وہ اُن سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور اللہ کچھ ایسا بھی نہیں کہ اس کو آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز ہرا سکے کیونکہ وہ خبردار قدرت والا ہے اور اگر اللہ ان کو ان کے کرتوتوں پر پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ ان کو ایک وقتِ مقرر تک مہلت دے رہا ہے، پھر جب ان کا وقت آئے گا تو اللہ کی نظروں میں اس کا ہر ایک بندہ ہے (ہر ایک کے عمل کے موافق برتاؤ کرے گا)۔

ترکیب : استکبار مفعولا لہ وکذا مکر السیء ای لاجل الاستکبار ولاجل مکر العمل السیء وقولہ تعالیٰ مازادھم جواب لما وقیل مکر السیء اصلہ ان مکر والمکر السیء فحذف الموصوف ای المکر استغناء بوصفہ ای السیء ثم بدل ان مع الفصل بالمصدر ثم اضیف بیضاوی۔

تفسیر : توحید کے بعد انکارِ رسالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ وہاں تو یوں کہیں گے اور یہاں توحید میں بھی ناقص ہیں اور رسالت کے اس درجہ منکر ہیں، فقال وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ الخ ابن ابی حاتم نے ابن ابی ہلال سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قریش کہا کرتے تھے اگر اللہ ہم میں سے کسی نبی کو بھیجے گا تو ہم اُس کی اور اس کی کتاب کی ایسی اطاعت اور پابندی کریں گے کہ کسی اُمت نے کسی نبی کی ایسی نہ کی ہوگی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ ظاہر ہوئے تو سخت منکر ہو گئے اور دشمنی پر کمر باندھ لی، اسی بات کو قرآن مجید میں کئی جگہ یاد دلاتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ایک جگہ آیا ہے۔ وَلَوْ اَنَّا نُزِّلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّا اَهْدٰى مِنْهُمْ اور یہاں یہ آیا ہے کہ پہلے سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آیا تو ہم اُس کا اتباع کر کے ہر ایک گروہ یہود و نصاریٰ سے اچھے اور ہدایت والے ہو جاویں گے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ الخ پھر جب اُن کے پاس نذیر آیا، یعنی محمد ﷺ تو تکبر اور مکاری کے سبب اس سے نفرت کرنے لگے اور اس مکاری کا انجام بد اُنہی پر پڑے گا۔ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ پھر کیا وہ پہلوں کے دستور کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جاوے، کیونکہ خدا کا دستور بدلتا نہیں۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا الخ پھر کیا انہوں نے شام اور عراق اور یمن میں جا کر نہیں دیکھا کہ عاد و ثمود کے ساتھ کیا معاملہ گزرا ہے، حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ قوی اور مالدار تھے۔ پھر خدا تعالیٰ پر کون غالب آسکتا ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

کوتاہ اندیش کہتے تھے کہ اگر یہی اللہ کا دستور ہے کہ وہ منکروں کو غارت کر دیا کرتا ہے تو ہم کو کس لیے غارت نہیں کر دیتا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ الخ کہ اگر اللہ بندوں کے گناہوں پر جاوے اور ادنیٰ گناہ پر پکڑ لے یا جلدی سزا دینے پر آمادہ ہو جاوے تو مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ تو روئے زمین پر کسی چلنے والے جاندار کو بھی زندہ نہ چھوڑے، انسان کی نحوست اوروں پر بھی اثر کر جاوے۔ مثلاً بارش بند کرے۔ نباتات پیدا نہ ہوں، کوئی جانور بھی نہ بچے جو انسان کے کارآمد ہیں۔ بعض کہتے ہیں دآبۃ سے مراد انسان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو دُنیا آباد رکھنی منظور ہے، ایک وقتِ مقرر تک چھوڑ رکھا ہے۔ پھر جب اجل آجاوے گی تو اللہ جانتا بوجھتا ہے، مجرموں کو کامل سزا دے گا۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۞ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۞ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ

مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۗ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

یٰس ۔قسم ہے قرآنِ پُرحکمت کی کہ بے شک اے (محمد) آپ بھی رسولوں میں سے سیدھے رستہ پر ہو۔قرآن زبردست مہربان کی طرف سے اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ آپ اس قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں کہ جن کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے ۔سو وہ غافل ہیں۔ان میں اکثر پر تو فرمودۂ خدا پورا ہو چکا اس لیے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں، سو وہ ٹھوڑیوں تک اڑ گئے جس لیے ان کے سر اوپر کو اُٹھے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار قائم کر دی ہے، پھر ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانک بھی دیا ہے، اس لیے وہ دیکھ بھی نہیں سکتے اور ان کو تیرا ڈرسنانا یا نہ سنانا دونوں برابر ہیں، وہ ایمان نہ لاویں گے تو تو اُسی کو ڈرسناتا ہے کہ جو سمجھانے پر چلے اور بے دیکھے رحمان سے ڈرے۔سو اس کو معافی اور عمدہ بدلہ کا مژدہ سنا ہم ہیں جو مردوں کو زندہ کریں گے اور جو اُنہوں نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا اس کو لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کھلی کتاب میں شمار کر رکھا ہے۔

ترکیب : یٰس کالم فی الاعراب واختلف فی معناہ فقال ابن عباس یا انسان بلغۃ طی اقتصر علی شطرہ لکثرۃ النداء والمراد بہ محمد ﷺ وقال ابوبکر الوراق معناہ یا سید البشر، وقیل ھو اسم من اسماء النبی ﷺ وقیل حروف اختصرت من الفاظ معدودۃ ابتدأت بھا فی مفاتح السور لرموز یعلمھا اللہ تعالیٰ وقد مر الکلام فی سورۃ البقرۃ، قرء الجمور بسکون النون والقرآن الحکیم بالجر علی انہ مقسم بہ ابتداء وقیل ھو معطوف علی یٰس علی تقدیر کونہ مجرورا باضمار القسم والاصح ان الواو للقسم، انک الخ جواب القسم علی صراط خبر آخر ان تنزیل قرء ابن عامر وحفص والکسائی بالنصب باضمار اعنی او علی انہ مفعول مطلق ای نزل اللہ ذلک تنزیل العزیز وقری بالرفع علی انہ خبر مبتداء محذوف بالجر علی البدل من القرآن۔

تفسیر : اس سورہ میں بیاسی یا تراسی آیتیں ہیں۔قرطبی کہتے ہیں بالاتفاق یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

فضائل : دارمی و ترمذی و محمد بن نصر و بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہر شے کا دل ہوتا ہے۔قرآن کا دل یٰس ہے، جو کوئی ایک بار اس کو پڑھے گا، دس بار قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ترمذی نے اس کے اسناد میں کلام کیا ہے، مگر اسی حدیث کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوبکر بزار نے اور دوسری سند سے روایت کیا ہے اور حافظ ابویعلی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شب کے وقت اللہ کے لیے اس سورۃ کو پڑھے گا صبح کو گناہوں سے پاک ہو کر اُٹھے گا، یعنی اس کے گناہ معاف ہو جاویں گے، اس کی برکت سے، امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو اور اسی طرح نسائی نے فی الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور ابوداؤد و ابن ماجہ نے بھی۔اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ ہر سختی کے وقت یٰس پڑھنا چاہیے، اس کی برکت سے وہ سختی دفع ہوتی ہے۔حاجت پوری ہوتی ہے اور موت کے وقت پڑھنے سے میت کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان نصیب ہوتا ہے اور بہت سے مہمات کے لیے اس سورۃ

مبارکہ کا پڑھنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ بارہا تجربہ میں آیا ہے، جب کلماتِ سحر میں اثر ہو تو اس میں ہونا کیا تعجب کی بات ہے؟ خصوصاً اس کے مطالبِ عالیہ نفس خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور دنیا اور اس کے مزخرفات سے بیزار کرنے اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت یاد دلانے میں عجب اثر پیدا کرتے ہیں۔

عرب کے سخت منکروں کو مختلف دلائل و براہین سے قائل کیا مگر اس پر بھی وہ انکار و اصرار سے پیش آتے رہے، لیکن یہ جانتے تھے کہ جھوٹی قسم کھانے والا فلاح نہیں پاتا بلکہ برباد ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب قسم کے ساتھ کلام شروع کیا اور طرزِ سخن کو بدل دیا، اس لیے یٰسٓ کہہ کر قسم کھاتا ہے کہ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ کہ ہم کو اپنے اس حکمت سے مالا مال قرآن کی قسم ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو ضرور ہمارے رسولوں میں ایک رسول ہے۔ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھے رستہ پر ہے۔ یٰسٓ سے اگر آنحضرت ﷺ مراد ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے، خواہ اس وجہ سے کہ یہ انسان کا مخفف ہے اور انسان سے انسانِ کامل مراد ہے جس کا مصداق آپ ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ آپ کا نام ہے تو عبارت کے یہ معنی ہوئے۔ اے محمد (ﷺ) ہم کو قرآن حکیم کی قسم آپ رسول ہیں اور سیدھے رستہ پر ہیں اور قرآن کی قسم اس لیے کھائی کہ متکلم کے نزدیک جو چیز عزیز و قابلِ قدر ہوتی ہے، جب تک اُس کی قسم نہیں کھائی جاتی مخاطب کو اعتبار نہیں ہوتا اور لطف یہ ہے کہ یہ کلام بظاہر تو قسم ہے مگر یہ بھی ایک برہان ہے جو لفظِ حکیم سے سمجھی جاتی ہے، جو کتاب حکمتِ الٰہیہ سے پر ہو تہذیب و اخلاق و سیاستِ مدن، تزکیۂ نفس، معاد و معاش کی اصلاح سب کچھ اُس میں ہو، ایسے شخص سے ایسے ملک میں ظاہر ہونا دلیلِ قوی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے اس کے بعد میں اس کی تشریح فرماتا ہے۔ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ یہ قرآن زبردست کا اُتارا ہوا ہے، جو تمام بنی آدم کو اپنے اس قانون پر چلنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے اور نہ صرف تحکم و جابرانہ طور پر بلکہ رحیم کا نازل کیا ہوا ہے، اس میں سراسر بہتری رکھی ہے جس طرح حکیم مشفق یا مادرِ مہربان مریض کو دوا پینے پر مجبور کرتے ہیں اسی طرح اس کی رحمت تم سے چمٹ رہی ہے۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ تاکہ اے محمد (ﷺ) تو ان عرب کی جاہل قوموں کو متنبہ کرے، جن کے باپ دادا بھی متنبہ نہیں کئے گئے تھے۔ کس لیے کہ مدت سے نبی برپا نہیں ہوا تھا۔ تاریکیٔ جہالت میں ٹکراتے پھرتے تھے اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ صرف عرب ہی کے لیے رسول تھے، کس لیے کہ ایک قوم کا ذکر کرنا جو مخاطب بالذات تھے، دوسرے کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ دوم اس میں بھی تمام دنیا شریک تھی، کیونکہ گو اول ان کے پاس انبیاء آئے۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ مگر گمراہ ہونے کے بعد ان کے پاس یا اُن کے باپ دادا کے پاس کوئی ہادی نہیں آیا تھا، اس میں اشارہ ہے کہ عرصہ سے عالم میں تاریکی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی، جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ سوم عموم بعثت کے لیے بہت سی آیات و احادیث آئی ہیں، جیسا کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا پھر جو اس شمعِ ہدایت یا آفتابِ رہنمائی کی روشنی میں نہیں آتا اور اس سے فیض نہیں اُٹھاتا تو جان لو کہ وہ جنم کا اندھا اور ازلی بدنصیب ہے۔ اسی بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے۔ فقال لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ ان پر ازلی نوشتہ پورا ہو گیا جس لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ازلی دفتر میں لکھا گیا تھا کہ وہ ایمان نہ لاویں گے سو اس لیے نہیں لاتے اور عالم اسباب میں اس کا یہ باعث ہوا اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ کہ ہم نے ان کی گردن میں ازلی بدبختی کے طوق ڈال دیے جو ٹھوڑیوں تک اڑے ہوئے ہیں، اس لیے ان کی آنکھیں اُوپر کو رہ گئیں، راہِ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اقماح سر اٹھانا آنکھ بند کر لینا۔ دراصل ان کے گلوں میں طوق نہیں پہنائے گئے تھے، بلکہ یہ کلام بطور تشبیہ کے ہے، ان کے حال کو تشبیہ دی گئی ہے، اس کے حال کے ساتھ کہ جس کے گلے میں طوق ڈال دیا ہو۔ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا یعنی آگے اور پیچھے ہر طرف سے بدبختی اور ازلی گمراہی کی دیواریں کھڑی ہیں۔ فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ کہ جنہوں نے ان کو چاروں طرف سے ڈھانک لیا جس لیے وہ کچھ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے۔ یہ بھی بطور تمثیل کے ہے۔

محاورہ کی بات ہے۔ کہا کرتے ہیں ہمارے اس کے درمیان دیواریں کھڑی ہو گئیں، یعنی آڑ اور حجاب رنج پیدا ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ الخ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا وعظ کرنا نہ کرنا ان کے حق میں یکساں ہے، ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ان آیات میں مکہ کے سخت بدکیش اور سرکش کفار کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ ابو جہل و ابی بن خلف تھا اور یہ طوق اور یہ دیواریں ازلی بدبختی اور گمراہی اور توہمات باطلہ و شہوات ولذات فاسدہ، حب جاہ و مال کی دیواریں اور طوق ہیں۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ الخ تیرا وعظ خدا ترس لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ سو آپ ان کو مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ سنا دیں۔ اس مژدہ کے مطابق بدلہ پانے کی جگہ کا بیان فرماتا ہے کہ وہاں یا یہاں کس جگہ اجر کریم ملے گا اور کیونکر؟ فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی الخ کہ کامل بدلہ پانے کا گھر دار آخرت ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔ نیک بد اعمال ان کو ہم دفتر غیب میں لکھتے ہیں اور جو کچھ مرنے کے بعد وہ دنیا میں نیک و بد بات برا بھلا اثر پہنچانے والی چھوڑ کر جاتے ہیں اس کو بھی ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہمارے دفتر میں ہر ہر بات لکھی ہوتی ہے، پس اس کے مطابق وہاں بدلہ دیں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسْرَةً عَلَی

الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا

قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِنْ كُلٌّ لَمَّا جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

يَأْكُلُونَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ

الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ سُبْحَانَ

الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي

لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ

عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ

النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۴۰﴾ وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي

الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا

صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿۴۳﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۴۴﴾

اوران سے بستی والوں کا حال مثال کے طور پر بیان کردو، جبکہ اُن کے پاس رسول آئے۔ جب کہ ان کے پاس ہم نے دو کو بھیجا تو اُن کو اُنہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے تیسرے سے مدد کی پھر تینوں رسولوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں وہ کہنے لگے تم ہو کیا چیز مگر ہمارے جیسے آدمی اور رحمان نے تو کچھ بھی نہیں نازل کیا ہے۔ تم تو بڑا جھوٹ بولتے ہو۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ہم پر کچھ نہیں مگر صاف حکم پہنچا دینا ہے اور بس وہ کہنے لگے ہم نے تو تم کو منحوس پایا۔ اگر تم (وعظ و پند سے) باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر ڈالیں گے اور ہماری طرف سے تم پر بڑی مار پڑے گی۔ انہوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے۔ کیا اس سے نحوست آئی کہ تم کو سمجھایا جاتا ہے۔ کچھ نہیں بلکہ خود تم بے ہودہ لوگ ہو اور شہر کے پرلے کنارہ سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا (آکر) کہنے لگا اے قوم! رسولوں کے کہے پر چلو ان کا کہنا مانو جو تم سے کچھ بھی اُجرت نہیں مانگتے اور وہ خود ہدایت یافتہ ہیں اور مجھے کیا ہوا جو اُس کی بندگی نہ کروں کہ جس نے مجھ کو بنایا حالانکہ اسی کے پاس لوٹا کر لائے جاؤ گے (مرنے کے بعد)۔ کیا میں اُس کے سوا اور معبودوں کو اختیار کروں، اگر رحمان مجھ کو کچھ ضرر دینا چاہے تو اُن کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آوے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں، تب تو میں صریح گمراہی میں جا پڑوں۔ میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا سو مجھ سے سن لو۔ (آخر کار اس کو شہید کر ڈالا اس کو) حکم ہوا کہ بہشت میں جا داخل ہو، اُس نے کہا اے کاش میری قوم بھی جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا (کن کاموں کے سبب) اور مجھ کو عزت داروں میں سے کر دیا اور اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم بھیجنے والے تھے (اور

ہم کیوں بھیجتے)۔ صرف ایک ہی چیخ تھی کہ جس سے وہ بجھ کر رہ گئے۔ اے افسوس ہے بندوں پر ان کے پاس ایسا کوئی بھی رسول نہیں آیا کہ جس سے انہوں نے ہنسی نہ کی ہو۔ کیا یہ نہیں دیکھ چکے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو غارت کر دیا، وہ ان کے پاس پھر کر نہیں آئے اور سب کے سب ہمارے پاس حاضر ہیں۔ اور ان کے لیے خشک زمین بھی ایک نشانی ہے جس کو ہم نے زندہ کیا اور اُس سے اناج نکالا کہ جس کو وہ کھاتے ہیں اور اُس میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے اور اُن میں چشمے جاری کیے کہ اُس کے پھل کھائیں اور یہ چیزیں ان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی تو ہیں نہیں پھر کیوں شکر نہیں کرتے۔ پاک ذات ہے وہ کہ جس نے زمین سے اُگنے والی چیزوں کو گونا گوں بنایا اور خود اُن میں سے بھی اور اُن چیزوں میں سے بھی کہ جن کو وہ جانتے بھی نہیں اور اُن کے لیے رات بھی ایک نشانی ہے کہ ہم اس میں سے دن کو کھینچ لیتے ہیں پھر تب ہی وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے پر چلا کرتا ہے۔ یہ اندازہ کیا ہوا ہے، زبردست خبردار کا اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ پرانی شاخ کی طرح سے پھر نکل آتا ہے، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک ایک آسمان میں تیرتا پھرتا ہے اور ان کے لیے یہ بھی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں سوار کیا اور ان کے لیے اسی طرح کی اور بھی چیزیں بنا دی ہیں کہ جن پر وہ چڑھے پھرتے ہیں، ہم چاہتے تو ان کو ڈبو دیتے پھر نہ ان کا کوئی فریاد رس ہوتا اور نہ وہ بچائے جاتے، مگر ہم نے اپنی مہربانی سے اور ایک وقت تک برتنے کے لیے بچایا۔

ترکیب : اَصۡحٰبُ الۡقَرۡیَۃِ معناہ واضرب لہم مثلاً مثل اصحاب القریۃ فترک المثل واقیم الاصحاب مقامہ فی الاعراب کقولہ واسئل القریۃ کشاف وقیل المعنی اجعل اصحاب القریۃ لہم مثلاً علی ان یکون مثلاً و اصحٰب القریۃ مفعولین لاضرب او یکون اصحاب القریۃ بدلا من مثلا فعلی ھذا اضرب بمعنی مثل وھو یتعدی الی مفعولین لتضمنہ معنی الجعل وھما مثلا اصحٰب القریۃ علی حذف مضاف اذ جاء بدل من اصحٰب القریۃ بدل الاشتمال اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ شرط وجوابہ محذوف مثل تطیرتم لما جمیع قریٔ مشددا ومخففا قال الفراء من شدد وجعل لما بمعنی الا و ان بمعنی ما۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا۔ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اور اُس کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ ازلی گمراہ رسولوں کو نہیں مانتے، ان کے آگے اور پیچھے دیواریں حائل ہیں، اس جگہ بطور مثال کے اَصۡحٰبُ الۡقَرۡیَۃِ کا قصہ بیان کرتا ہے جس سے یہ غرض ہے کہ رسولوں کا آنا اور منکروں کا انکار کوئی نئی بات نہیں، اس سے پیشتر بھی ایسا ہو چکا ہے۔

قریہ سے مراد باتفاق جمہور مفسرین شہر انطاکیہ ہے جس کو سکندر رومی کے بعد انٹیوکس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر کے لوگ بت پرست تھے اور جو پڑ دیوی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ رومی لوگوں کا مدت سے یہی مذہب تھا۔ یہ شہر ایشیاءِ کوچک میں ہے، آج کل سلطان روم کی عملداری میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے خرابات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بڑی شان و شوکت کا شہر ہوگا۔ اس قصہ کا مختصر اً بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے حواری دین پھیلانے کو اطراف و جوانب میں پہنچے تو دو حواری اس شہر میں بھی آئے۔ خدا تعالیٰ کی توحید کا بیان کیا، خرقِ عادت دکھائے۔ لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے مارنے کے درپے ہو گئے۔ اُن دونوں کے بعد ایک اور تیسرا حواری بھی آکر شامل ہو گیا، اسی عرصہ میں ایک شخص اور بھی آیا اور اُن کی تصدیق کرنے لگا اور لوگوں سے بڑی خوبی کے ساتھ کلام کیا، اس کو لوگوں نے شہید کر ڈالا، مرنے کے بعد اُس نے آرزو کی کہ کاش میری بخشش کا حال اور نعمت کا میری قوم کو بھی معلوم ہو جاتا۔

اب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ دو[1] حواری کون تھے اور تیسرا ان کے بعد کون آیا تھا اور وہ شخص جو شہر کے پرلے کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا، جس کو شہید کر ڈالا کون تھا؟ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ سے مفسرین نے یہ بات سمجھی ہے کہ اُس کو شہید کر دیا

---

[1] بعض نے دو رسولوں سے مراد شمعون پطرس اور یوحنا اور تیسری سے پولس لیا ہے مگر پولس غلطی ہے وہ فیلبوس ہے کے لیے کہ پولس باتفاق محققینِ اسلام حواری نہ تھا بلکہ دینِ عیسوی کا محرف کر دینے والا تھا۔ ۱۲ منہ

تھا۔ بعض کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اپنی موت سے مرا ہو اور مرکر اس نے یہ آرزو کی ہو۔ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں ان باتوں کی کچھ بھی تفصیل نہیں، صرف مؤرخین کے اقوال ہیں، جن کو ہم نقل کرتے ہیں۔ قریہ کا نام بھی احادیث میں نہیں آیا۔ اب ہم عیسائیوں کی کتاب کو دیکھتے ہیں، اس میں بھی اس قصہ کا کچھ پتا ملتا ہے؟ کتاب اعمال کو جو دیکھا تو اس میں یہ قصہ مذکور ہے، کمی بیشی کے ساتھ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کتاب التواریخ و کتاب سموئیل و توریت سفر پیدائش و کتاب السلاطین کو کسی خاص تذکرہ میں ملا کر دیکھو، بہت کچھ کمی بیشی پاؤ گے۔

کتاب اعمال کے گیارہویں باب ۲۷ ورس میں لکھا ہے۔ ''انہی دنوں کئی ایک نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے'' وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ مرسلون سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ حواری رسول تھے، مگر یہ استدلال رسالت نہیں ثابت کرتا کس لیے کہ مرسلون کا اطلاق بھیجے ہوؤں پر ہوا کرتا ہے۔ عام ہے کہ وہ رسول ہوں یا رسول کے نائب جو اس کی طرف سے یا اُس کے حکم سے بھیجے گئے ہوں یا فرشتے ہوں جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ فرشتے دکھائی دیئے جو قوم لوط کو غارت کرنے آئے تھے، ان کو بھی مرسلون کہا ہے۔ قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ اور سلیمان علیہ السلام کے پاس جانے والے ایلچیوں پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے جو بلقیس کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ وَاِنِّىۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَيۡهِمۡ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ (سورہ نمل) اس شہر میں پہلے دو حواری آئے تھے، جیسا کہ کتاب اعمال کے آٹھویں باب سے ثابت ہے کہ فیلبوس اور شمعون پطرس اسنیفان کی شہادت کے بعد سامریہ میں وعظ کہنے کو گئے اور باب کے اخیر جملہ سے پایا جاتا ہے کہ وہ قیصریہ تک پہنچے تھے اور گزرتے ہوئے سب شہروں میں جب تک قیصریہ میں نہ آیا خوشخبری دیتا رہا اور پطرس کا ساتھ میں ہونا اسی باب سے پایا جاتا ہے۔ وَاِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا اور کتاب اعمال کے گیارہویں باب میں اسی مضمون کی پوری تصدیق ہے۔ قولہ ''پھرتے پھرتے فینکی و کپرس اور انطاکیہ میں پہنچے'' الخ ۲۰۔ اور ان میں سے کئی ایک کپرسی اور قرینی تھے جنہوں نے انطاکیہ میں آ کے'' الخ ''تب ان لوگوں کی خبر یروشلم کے کلیسر کے کان میں پہنچی اور انہوں نے برنباس کو بھیجا کہ انطاکیہ کو جاوے'' (فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ) ''وہ پہنچ کے اور خدا کا فضل دیکھ کے خوش ہوا اور ان سب کو نصیحت کی''۔ پھر جو ان کی باہم قیل و قال ہوئی ہے۔ اس کو قرآن مجید نے مفصل بیان کر دیا۔ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ الٰی قولہ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ حواریوں کے آنے کے بعد اُس شہر میں سخت قحط پڑا، جیسا کہ اسی باب کے ۲۷ ورس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں نے خبر دی تھی کہ سخت قحط پڑے گا۔ اس پر وہاں کے لوگ کہنے لگے۔ اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ تمہارا آنا بڑا نحس ہوا، اگر اب بھی تم اپنی نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو تم پر پتھراؤ کر دیا جاوے گا۔ رسولوں نے کہا یہ قحط تمہارے گناہوں کی نحوست سے پڑا ہے۔ قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ ہم تم کو نصیحت کرنے اور سدھارنے آئے ہیں، نہ بگاڑنے۔ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ نصیحت کرنے کا یہی بدلہ ہے۔ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ تم برے بدکار لوگ ہو۔ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ[1] يَّسۡعٰى اکثر مفسرین کے نزدیک یہ شخص جو شہر کے کنارہ سے دوڑتا ہوا رسولوں کی مدد کو آیا تھا، حبیب نجار تھا۔ یہ ایک جذامی تھا۔ حواریوں کی دعاء سے تندرست ہوا تھا اور ایمان لایا تھا، اس نے رسولوں کی تائید میں یہ تقریر پُر اثر بیان کی جس پر ان کو غصہ آیا اور اُن کو مار ڈالا، مرنے کے بعد اس کو اللہ نے جنت میں داخل کیا، وہاں بھی اس نے قوم کی ہدایت کی خواہش ظاہر کی، مگر کتابِ اعمال میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض کہتے ہیں وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ سے مراد کوئی چوتھا شخص نہیں بلکہ وہ تیسرا ہی شخص ہے جو ان دونوں حواریوں کی مدد کو آیا تھا، اس کے قصہ کو جداگانہ اس کے پُر اثر وعظ کے سبب بیان فرما دیا کہ باہر سے آ کر تو یوں کہے اور شہر والے ایسے بدنصیب کہ انکار کریں اور قرآن مجید سے اس کا

---

[1] بعض کہتے ہیں کہ رجل سے مراد استیفان ہے جس کو یہود نے یروشلم میں شہید کیا اور قریہ سے یروشلم مراد ہے اور پہلے دو رسول شمعون اور یوحنا اگر وعظ کہنے لگے تیسرا ان کی مدد کو برنباس قائم ہوا یہ شہر شہزادہ طیطس کے حادثہ میں برباد ہوا اور یہی صحیح ہے جو جواں مردوں کی للکار تھی۔ جب اس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ۱۲ منہ

شہید ہونا ثابت نہیں ہوتا، کس لیے کہ فَاسْمَعُوْنَ سے اس نے حواریوں سے خطاب کیا کہ تم گواہ رہو، میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ بھی فن وعظ کے متعلق ایک عمدہ بات ہے۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ یہ اس کے لیے دخولِ جنت کی بشارت ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ لیس المراد القول فی وجہہ بل ھو الفعل یعنی وہ اس شہادت سے جنت کا مستحق ہوگیا اور اسی طرح اس کا قول یٰلَیْتَ قَوْمِیْ ہے۔ گویا اس کی تمنا ہے کہ اس شہادت سے سرور اور قلبی نور جو موجبِ غفران واکرام ہے مجھے حاصل ہوا ہے، کاش میری قوم کو بھی ہوتا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ الخ فرماتا ہے، اس شخص کے بعد ہم کو اس کی سرکش قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمانی لشکر کی حاجت اور ضرورت نہ پڑی اور نہ پڑنی چاہیے، صرف چیخ اُن کے ہلاک کرنے کو بس ہوگئی۔ اس شہر پر آفت آئی، لوگ برباد ہوئے، فرماتا ہے یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ بندوں پر افسوس ہے، ان کے پاس جب کوئی رسول آیا تو اس کے ساتھ تمسخر سے پیش آئے اور یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں سدا کوئی نہیں رہا ہے۔ پہلے لوگ کہاں گئے، کوئی پھر کر نہیں آتا، پس وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہوجاتے ہیں اور وہاں اپنے کیے کا بدلہ پاتے ہیں۔

بعض مفسرین جیسا کہ ابن کثیر میں ہے، اس تفسیر پر معترض ہیں۔ بچند وجوہ: (۱) یوں کہ اگر قریۃ سے مراد انطاکیہ اور مرسلون سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ خود کہتے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رسول ہو کر آئے ہیں اور خدا تعالیٰ اذ ارسلنا نہ فرماتا۔ (۲) انطاکیہ عیسائیوں کے چار کلیسا میں سے ایک عمدہ کلیسا ہے، جہاں ان کے اسقوف رہا کرتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ایمان لائے، کبھی یہ شہر فرشتے کی آواز یا چنگھاڑ سے ہلاک نہیں ہوا بلکہ قریۃ سے مراد کوئی اور شہر ہے جہاں اول بار خدا تعالیٰ کے دو رسول آئے، پھر ان کی مدد کو تیسرا آیا، پھر شہر کے کنارہ سے ایک ایماندار دوڑتا ہوا ان کی مدد کو آیا اور بہت عمدہ تقریر کی جس پر لوگوں نے خفا ہو کر اس کو مار ڈالا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی اور جنت میں جگہ دی، اس کے بعد یہ شہر بلائے آسمانی سے ہلاک ہوا۔ زمانِ گزشتہ میں کسی جگہ یہ واقعہ گزرا ہے جس کی مفصل خبر ہم کو نہیں دی گئی۔ تنبیہ کے لیے اسی قدر بیان کافی تھا۔

اول اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجا جانا خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جانا ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بلاءِ ناگہانی اس شہر پر آئی ہے، اس کے خرابات شاہد عدل ہیں۔ کتبِ تاریخ دیکھ لو۔ عَلٰی قَوْمِهٖ کی ضمیر خاص اہلِ انطاکیہ کی طرف نہ پھرے بلکہ عموماً منکرین مراد ہوں اور صیحۃ سے مراد بلاءِ آسمانی۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖۗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَاۤ اِلٰۤی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۳

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اپنے سامنے اور پیچھے آنے والے عذاب سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (تو ہنسی اُڑاتے ہیں) اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے ایسی کوئی بھی نشانی نہیں آتی کہ جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیے میں سے کچھ خرچ کیا کرو تو کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اس کو کھلاویں کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ اس کو کھلا سکتا تھا تم جو ہو تو صاف گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ وہ صرف ایک چیخ ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کو آلے گی اور وہ جھگڑتے ہی رہیں گے، پھر ان کو نہ کچھ کہہ مرنے کی قدرت ہوگی اور نہ اپنے گھروں میں واپس آسکیں گے۔

ترکیب : واٰیۃ مبتداء لھم الخبر والارض مبتداء احییناھا الخبر والجملۃ تفسیر للاٰیۃ وقیل الارض مبتداء اٰیۃ خبر مقدم و احییناھا تفسیر الاٰیۃ ولھم صفۃ الاٰیۃ من العیون علیٰ قول الاخفش من زائدۃ و ما عملتہ ما بمعنی الذی اونکرۃ موصوفۃ وعلی الوجھین ھی فی موضع جر عطفا علی ثمرۃ وامانافیۃ والقمر بالرفع مبتداقدرناہ الخبر و بالنصب علی فعل مضمر ای قدرنا القمر العرجون فعلول فالنون اصل وقیل زائدۃ یَخِصِّمُوْنَ بالتشدید اصلہ یختصمون نقلت حرکۃ التاء الی الخاء وادغمت فی الصاد۔

تفسیر : وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ اُمم ماضیہ کے سرکش لوگوں کا حال بیان فرما کر جو توحید کے انکار سے برباد ہوئے تھے۔ توحید کے دلائل بیان فرماتا ہے، اُن میں سے پہلی دلیل خشک زمین ہے۔ اس کا حال بیان فرماتا ہے کہ خشک زمین کو خدا تروتازہ کرتا ہے، اس میں کھیتیاں اور باغ اور چشمے پیدا کرتا ہے۔ تمہارے لیے اور یہ چیزیں تمہاری بنائی ہوئی تھیں نہ تمہارے معبودوں کی پھر بھی تم شکر نہیں کرتے۔ خاص اللہ کی عبادت نہیں کرتے، اللہ کے ساتھ اوروں کو ملاتے ہو، حالانکہ وہ پاک ہے، اُس نے زمین کے نباتات ہر قسم کے پیدا کئے اور تمہارے جوڑے بنائے۔ مرد وعورت اور بہت سی چیزوں کے جوڑے کہ جن کو تم نہیں جانتے، یعنی خدا کے سوا جو کچھ ہے، اس کا مثل اور جوڑا ہے مگر اس کا کوئی مثل اور جوڑا نہیں پس پرستش کے لائق وہی ہے۔

وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الَّیْلُ یہ دوسری دلیل ہے کہ رات اندھیری ہوتی ہے۔ اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ یعنی دن میں سے رات پیدا کر کے دُنیا کو اندھیری کر دیتے ہیں۔ آفتاب اپنی خاص چال پر چلتا ہے، جو اُس کی چال مقرر کر دی ہے، اس کے خلاف نہیں کر سکتا اور اسی طرح چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ مہینے بھر میں دورہ تمام کر کے پھر پتلی سوکھی خمدار ٹہنی کے طرح برآمد ہوتا ہے۔ عرجون بالضم درخت کژ شدہ وشاخہائے بریدہ صراح، چاند کو کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی سے تشبیہ دی ہے، اس کے باریک ہونے اور ٹیڑھے ہونے میں آفتاب ماہتاب کو نہیں پکڑ سکتا نہ وہ اس کو نہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ سکتا ہے، نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، ہر ایک ستارہ اپنی اپنی جگہ پر اس طرح سے حرکت کرتا ہے کہ گویا دریا میں مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آسمان بمنزلہ دریا کے ہے، یہ بھی اسی کا کام ہے، اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ وَاٰیَۃٌ لَّھُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ یہ تیسری دلیل ہے کہ پانی کی سطح پر جو سینکڑوں گز گہرا ہے، ہم تم کو کس طرح سے کشتی میں سوار کر کے پھراتے ہیں۔ ذُرِّیَّتَھُمْ کی ضمیر عباد کی طرف پھرتی ہے اور ذریت سے مراد بچے ہیں۔ یہ زیادہ تعجب کی بات ہے کہ کمزور بچے یوں پانی پر سفر کریں۔ واحدی کہتے ہیں ذریت کا اطلاق آباد پر بھی ہوتا ہے، تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کے باپ دادا کو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا اور اس کے بعد اور اسی طرح کی کشتیاں بنانی سکھائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بھری کشتیوں سے مراد حاملہ عورتوں کے پیٹ ہیں تشبیہ کے طور سے اور ان میں بنی آدم کی ذریت یعنی بچوں کو خدا سوار کرتا ہے اور تلف سے حفاظت کرتا ہے۔ وَخَلَقْنَا لَھُمْ مِّنْ مِّثْلِہٖ مَا یَرْکَبُوْنَ سے بعض کے نزدیک اُونٹ وغیرہ دیگر بارکش چیزیں ہیں، جن کو خشکی کی کشتی کہنا چاہیے، جس میں چھکڑے اور ریل گاڑی بھی آگئی۔ یہ سب اس کی عنایت ورحمت ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ یہاں سے ان کی سرکشی بیان ہوتی ہے۔ مَابَیْنَ اَیْدِیْکُمْ سے مراد دنیاوی مصائب جو سرکشوں پر آیا کرتی ہیں۔ وَمَاخَلْفَکُمْ سے دار آخرت کے مصائب (یہ سفیان کا قول

ہے)۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا سَكْتَة هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

اور صور پھونکا جائے گا تو وہ فوراً اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑے چلے آئیں گے، کہیں گے ہائے کمبختی! ہم کو کس نے ہماری خوابگاہوں سے اُٹھا دیا؟ (فرشتے کہیں گے) یہ وہی وقت ہے کہ جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسول سچ کہتے تھے، وہ تو صرف ایک ہی زور کی آواز ہوگی، پھر تو وہ سب ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ پس اس دن کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تم اُسی کا بدلہ پاؤ گے، جو کیا کرتے تھے۔ بے شک بہشت کے لوگ اس دن مزہ سے دل بہلا رہے ہوں گے۔ وہ اور اُن کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے، وہاں اُن کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ وہ طلب کریں گے وہ بھی موجود ہوگا۔ خدا رحیم کی طرف سے سلام کہا جائے گا اور (دوزخیوں سے کہا جائے گا) آج اے مجرمو! (جنتیوں سے) الگ ہو جاؤ۔ اے اولاد آدم! کیا ہم نے تم سے یہ تاکید نہ کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا (کیونکہ) یہ سیدھا راستہ ہے۔

ترکیب : هذا مبتداء وَعَدَ الرَّحْمٰنُ خبره وما مصدرية اوموصوله محذوفة العائد ويمكن ان يكون بهذا صفة لمرقدنا وما وعد خبر مبتداء محذوف اويكون مبتداء وخبره حق محذوف هم مبتداء و ازواجهم معطوف على هم للمشاركة فى النعماء فى ظلال حال من المعطوف عليه متكئون خبر عَلَى الْأَرَآئِكِ صلة له ما يدعون من باب الافتعال من الدعاء وما موصولة اوموصوفة بالابتداء ولهم خبرها سلام بدل منها اوصفة اُخرىٰ قولا منصوب على انه مصدر لفعل محذوف اى قال لهم الله ذلك قولا۔

تفسیر : وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا یہ ان کی دوسری بدخاصیت بیان ہے کہ جب ان سے اللہ کی راہ میں دینے کو کہا جاتا ہے تو طعن کی راہ سے کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی نے نہ دیا تو ہم کیوں دیں، اگر دینا ہوتا تو وہ خود نہ دیتا یعنی ان میں نہ تقویٰ ہے جو تعظیم امر اللہ ہے نہ رحم بر خلق اللہ ہے باایں ہمہ دلیری یہ ہے کہ پوچھتے ہیں۔ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کہ قیامت کب آوے گی؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ مَا يَنْظُرُوْنَ الخ وہ

جب آوے گی تو کچھ دیر نہ لگے گی، صرف اسرافیل علیہ السلام کی ایک ہی چیخ ہوگی۔ نفخہ اولیٰ جس میں بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، نہ کچھ اپنے دل کی کہہ سکیں گے نہ گھر تک جا سکیں گے جو کوئی جس حال میں ہوگا، اس آواز کے سنتے ہی بے ہوش ہو کر مر جاوے گا، پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا فنا ہو جاوے گی۔

کس لطف کے ساتھ مبدء کے بعد مسئلہ معاد کا ذکر کیا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ یہاں سے نفخہ ثانیہ کا ذکر ہے کہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد پھر اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، جس کی آواز سے ہر ایک مردہ قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں حساب کی جگہ تخت رب العالمین کی طرف دوڑتا ہوا چلا آوے گا۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا عذاب دیکھ کر حیران ہوں گے اور کہیں گے کس نے ہم کو خواب گاہوں سے بیدار کر دیا۔ کفار کو مرنے کے بعد حشر تک قبر میں عذاب ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور اسی پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے، پھر خواب سے جگا دینا جو کفار کہیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان کے حواس پریشان ہوں گے، اس بدحواسی میں وہ قبروں میں رہنے کو خواب سمجھیں گے۔ یا عذابِ حشر کے مقابلہ میں قبر کا عذاب راحت اور خواب معلوم ہوگا۔ ابی بن کعب و ابن عباس رضی اللہ عنہم و مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ نفخہ اولیٰ سے لے کر نفخہ ثانیہ کے زمانہ میں ان سے عذاب دور کر دیا جاوے گا، تب وہ آرام سے سوتے ہوں گے، پھر جب حشر برپا ہونے کا صور پھونکے گا تو یہ کہیں گے فرشتے یا اہل نجات کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یہ وہ دن ہے کہ جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور اپنی رحمت سے بتلا دیا تھا اور اس خبر میں رسول سچے تھے۔ فرماتا ہے۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً الخ کہ قیامت برپا ہونے میں کچھ بھی دیر نہ لگے گی، صرف اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنا ہوگا کہ برپا ہو جاوے گی اور سب حاضر ہو جاویں گے۔ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ الخ اس دن کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اپنے کئے کا پورا بدلہ پاوے گا۔ آگے بدلہ کا بیان ہے اور سب سے پہلے نیک لوگوں کا بدلہ ذکر کرتا ہے۔ فقال اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الخ کہ نیک لوگ بہشت میں عیش و آرام کریں گے۔ یہ جنتِ جسمانی کی طرف اشارہ تھا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو سلام پہنچے گا۔ ان پر تجلی ہوگی اور دیدار سے سرفرازی بخشی جاوے گی جو سرورِ ابدی ہے۔ اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ کہ مجرموں کو سزا دینے کے لیے جماعت سے الگ کر دینے کا حکم ہوگا اور ان کو ملامت کی جاوے گی کہ دیکھو ہم نے تم سے کہلا بھیجا تھا کہ شیطان کا کہنا نہ ماننا، وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور خاص میری عبادت کرنا یہ سیدھا رستہ ہے، مگر تم نے نہ مانا، آج اس بلا میں گرفتار ہوئے۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ

لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور البتہ اس نے تو تم میں سے بہت مخلوق کو گمراہ کیا تھا۔ پھر کیا تم کو عقل نہ تھی، یہ ہے وہ دوزخ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس میں بیٹھو اس سبب سے کہ تم انکار کیا کرتے تھے، آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں جو کچھ یہ کیا کرتے تھے، اس کی گواہی دیں گے اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں پٹ کر ڈالتے پھر وہ راستہ کو ٹٹولتے پھرتے۔ سو کہاں دیکھ سکتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھروں ہی پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے کہ پھر وہ نہ آگے بڑھ سکتے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے۔ اور جس کی ہم بڑی عمر کرتے ہیں تو اس کو دُنیا میں اُلٹا کر دیتے ہیں، پھر وہ کیوں نہیں سمجھتے اور نہ ہم نے نبی کو شعر سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہی تھے۔ یہ تو صرف نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے تا کہ جو زندہ ہے اس کو ڈر سنائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے لیے اپنے ہاتھوں سے چار پائے بنائے کہ جن کے وہ مالک بن رہے ہیں اور ان کو ان کے بس میں کر دیا ہے، پھر اُن میں سے کسی پر چڑھتے ہیں اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے لیے اُن میں اور بہت سے فائدے ہیں اور خاص کر پینے کی چیز پھر کیوں نہیں شکر کرتے اور اللہ کے سوا اُنہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کی مدد کیا کریں، وہ خود تو اپنی مدد کر نہیں سکتے (اور ان کی کیا کریں گے) اور یہ ان کا لشکر حاضر کیا جائے گا۔ پھر آپ اُن کی بات سے برا نہ مانیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

ترکیب : اللام موطئۃ للقسم والجملۃ مستانفۃ للتوبیخ ای واللہ لقد اضل جبلا فیہا لغات متعددۃ وھی جمع جبلۃ بمعنی الخلق وقیل الجبلۃ والجبل واحد افلم الھمزۃ للتوبیخ والفاء للعطف علی مقدر ای کنتم تشاہدون اما کنتم تعقلون ولو کلمۃ الشرط نشاء شرط مفعولہ محذوف ای ان نطمس لَطَمَسْنَا جوابہ ای اذھبنا اعینھم ای اعیناھم فَاسْتَبَقُوا معطوف علی لَطَمَسْنَا وکذا قولہ تعالیٰ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ وسیظہر لک المعنی فی التفسیر۔

تفسیر : وَلَقَدْ اَضَلَّ سے لے کر یَکْسِبُوْنَ تک اسی گفتگو کا تتمہ ہے جو قیامت کے روز منکرین سے بطور الزام کے کی جاوے گی کہ تم میں سے یہ شیطان بہت خلق کو گمراہ کر چکا تھا، جن کی گمراہی اور بدکاری سے دُنیا میں بھی ان پر بلا آئی، پھر بھی تم نہ سمجھے، اب تمہارے لیے یہ جہنم تیار ہے، اس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور تم جھوٹ جانتے تھے۔ آج اپنے اعمال کے سبب اس میں گرو۔

منکرینِ آخرت میں بھی اس الزام کے بعد خدا تعالیٰ سے جھوٹ بولیں گے اور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے، اس بات پر خدا تعالیٰ فرماوے گا۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ کہ اس روز ہم تمہارے منہ پر مہر کر دیں گے، یعنی بند کر دیں گے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے، یعنی ان کے ہاتھ پاؤں گواہ ہو جاویں گے۔ اس گواہی کی حقیقت اور ہاتھ پاؤں کی گویائی اسی کو معلوم ہے اور یہ

سب اُس کی قدرت میں ہے، کوئی مشکل بات نہیں، سنتِ مطہرہ میں بھی اس کی تشریح ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ سے شبہ ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر ہاتھ پاؤں کی شہادت لے کر سزا دی اور آپ ہی یہ بھی فرما دیا تھا کہ ہم نے ان کے آگے اور پیچھے گمراہی کی دیواریں کھڑی کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آپ عذاب کے لیے مجبور کر دیا تھا، اُن کو ہدایت پانے کا کچھ اختیار نہیں دیا تھا، اس آیت میں اس بات کا جواب ایک عجیب برہان قائم کر کے دے دیا کہ اگر ہم یوں چاہتے تو ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے، پھر وہ رستہ کو ٹٹولتے اور رستہ نہ پاتے، حالانکہ ہم نے ایسا نہیں کیا، ان کی ظاہری آنکھیں اور رستہ ظاہری پانا اس کی دلیل ہے جس طرح ہم نے ظاہری آنکھیں دی ہیں ہر ایک کو باطنی آنکھیں بھی عطاء کی ہیں لیکن وہ نہیں دیکھتے شیطان نے ان کی آنکھوں پر شہوات ولذات فانیہ کے حجاب ڈال رکھے ہیں۔

پھر اس کی اور بھی تائید کرتا ہے۔ فقال وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ اس کو جانے دو اپنے چلنے پھرنے کی قوت کو دیکھو تم کو ہر طرح سے چلنے پھرنے پر قادر کیا ہے، اسی طرح قوائے باطنیہ بھی ہر قسم کے تم کو عطا کئے ہیں، لیکن تم نے ان کو معطل کر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہتے تو تم کو اپنی جگہ پتھر کی طرح بے حس و حرکت کر کے ڈال دیتے، پھر تم آنے جانے سے عاجز ہو جاتے، حالانکہ ایسا نہیں کیا، پھر جب تم کو یہ قوتیں عطا کی ہیں اور تم آپ گمراہی میں گرتے ہو پھر کیا وجہ کہ جہنم تمہارے سامنے نہ آئے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تم پر گواہی نہ دیں، جن کے تم حاکم بنے ہوئے تھے؟

مُضِيًّا بضم المیم وفتحہا وکسرہا والمعنی لا یستطیعون رجوعا یقال معنی یمضی مضیا اذا ذھب فی الارض ورجع یرجع رجوعا اذا عاد من حیث جاء جبر وقدر کے باریک راز کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

ولو نشاء الخ آیات میں یہ بات ثابت کی گئی تھی کہ ہم نے ہر ایک بات سمجھنے کی قوت دی تھی، اس پر یہ خیال گزرتا تھا کہ ہم کو غور کرنے کا بھی مَوقع دینا چاہیے تھا، بڑی عمر عطا کرنی تھی کہ تجربہ ہوتے ہوتے اسرار پر بھی آگاہی ہو جاتی۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ کہ بڑی عمر سے کیا زیادہ سمجھ آ جاوے گی، سمجھنے کے لیے تو عمر کا ایک معتد بہ حصہ کافی ہے، جیسا کہ پہلے فرمایا تھا۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ اور زیادہ عمر ہونے کی آرزو بیکار ہے، کس لیے کہ جب عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اعضاء انسانی اور قوائے مدرکہ بھی ضعیف ہو جاتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں اس کے یہ معنی کہ جس کی ہم عمر زیادہ کرتے ہیں تو اس کو پیدائشی باتوں میں اُلٹا کر دیتے ہیں۔ قوت کے بعد ضعف جوانی کے بعد بڑھاپا آ جاتا ہے۔ سیدھا قد ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ اس پر بھی وہ عقل نہیں کرتے، اس جملہ میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دُنیا میں ممکنات کے جس قدر کمالات ہیں، طاقت وقوت حسن و جمال علم و دانش حتی کہ ہستی سب ہماری دی ہوئی ہے اور اس دُنیا میں چند روز کے لیے ہے، آخر فنا ہے۔ چند روز بہار ہے جس پر تم اس قدر پھولے ہوئے ہو اور محسنِ اصلی اور منزلِ اصلی کو بھولے ہوئے ہو، اپنے ہی آپ کو دیکھو عمر زیادہ ہونے میں وہ جوانی کہاں رہتی ہے، کہاں گئی وہ قوتِ حافظہ اور کس جگہ چلی گئی وہ قوتِ ہاضمہ کہاں ہے وہ قوتِ باصرہ وسامعہ کہاں ہے وہ رنگ وروغن، حسن و جمالِ قد جو سروِ رواں تھا، جھک گیا، سب چیزیں تم سے لی جاتی ہیں، ایک یہ ہستی بھی چھین لی جاوے گی، اس پر بھی تم عقل نہیں کرتے۔

ان باتوں کو سن کر کفار عرب کہتے تھے کہ یہ نصیحت آمیز باتیں محمد (ﷺ) جو سناتا ہے تو شاعر ہے، شاعر بھی ایسا کلام کیا کرتے ہیں، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کہ ہم نے محمد کو شعر نہیں سکھایا۔ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ اور نہ یہ کہ آپ کے لائق ہے۔ یہ اس لیے کہ الہام اور وحی تو خداوند تعالیٰ کا ایک خاص فیضان ہے جو جبرئیل علیہ السلام کے وسیلہ سے روح پر نازل ہوتا ہے۔ قوائے ملکوتیہ کو اُبھارتا اور بہیمیہ کو پست کرتا ہے اور شعر تخیلات کی روانی اور زبان کی لفاظی ہے، اس میں کہیں عمدہ باتیں بھی ہوتی ہیں اور بیشتر تو توہمات وتخیلات ہوتے ہیں جو

قوائے شہوانیہ کو جوش میں لاتے ہیں اور اسی لیے شعر کی بابت علماءِ اسلام نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حمد وثناء وعظ و پند کے شعر اچھے ہیں اور برے مضامین کے برے ہیں اور آنحضرت ﷺ سے اتفاقیہ کوئی شعر موزوں ہو گیا تو اس سے شاعر نہیں کہے جا سکتے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ کہ یہ قرآن ہے جو سراسر نصیحتِ آسمانی ہے۔ لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا یہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو زندہ دل ہیں، ان کو خوف دلائے اور منکروں پر خدا کی حجت پوری ہو جاوے یہ نہ کہیں کہ دُنیا میں ہم کو کسی نے نہیں سمجھایا۔ اَوَلَمْ یَرَوْا سے بت پرستوں کو اپنی نعمتیں یاد دلاتا ہے کہ ہم نے ان کے لیے چار پائے پیدا کئے اور ان کو بس میں کر دیا، جس لیے اُن سے طرح طرح کے فائدے اُٹھاتے ہیں، سوار ہوتے ہیں، ذبح کر کے کھاتے ہیں، ان کے بچوں اور بالوں سے نفع لیتے ہیں۔ دودھ پیتے ہیں، پھر بھی شکر نہیں کرتے۔ اللہ کے تابع نہیں ہوتے بلکہ منعمِ حقیقی کو چھوڑ کر اور معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں حالانکہ وہ ایسے بے بس ہیں کہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے بلکہ قیامت کو پکڑے ہوئے آویں گے یا یہ معنی کہ کفار ان بتوں کا لشکر بن کر ان کے آگے حاضر رہتے ہیں، ان کی مدد کر رہے ہیں یا یہ معنی کہ کفار ان کو اپنی مدد کے لیے لشکر جانتے ہیں۔ فلا یحزنك قولھم نبی کو تسلی دیتا ہے کہ ان کی باتوں سے برا نہ مانو۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿۷۹﴾ لا الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

وقف غفران ۱۲ ع ۵

کیا آدمی نہیں جانتا کہ ہم نے اُس کو منی کے ایک قطرہ سے بنایا ہے، پھر وہ کھلم کھلا دشمن بن کر جھگڑنے لگا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنا پیدا ہونا بھول گیا۔ کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے، کہہ دو ان کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے۔ وہ کہ جس نے تمہارے لیے سبز درخت میں سے آگ پیدا کر دی کہ تم جھٹ پٹ اُس سے آگ سلگانے لگتے ہو، کیا وہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور بنائے کیوں نہیں، وہ بہت کچھ بنانے والا ماہر ہے۔ اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو۔ سو وہ ہو جاتی ہے، پس پاک ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا کامل اختیار ہے اور اُسی کے پاس پھر تم لائے جاؤ گے۔

ترکیب : فاذا ھو الجملة معطوفة علی الجملة المنفیة قبلھا داخلة معھا فی حیز الانکار المفھوم من الاستفھام والمعنی العجب من ھذا الخاصم الدنی یجادل الجبار القھار ونسی اصله وخلقه من ای شیء خلق وکیف صار اولیس الھمزہ للانکار والواو للعطف علی مقدر من نظائرہ رمیم فعیل بمعنی مفعول یستوی فیه المذکر والمؤنث۔

تفسیر : اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ الخ یہاں سے ثبوتِ حشر پر دلائل قائم کرتا ہے اور منکرینِ حشر کو انہی کی ذات میں اپنی قدرت و کمال کا نمونہ

دکھاتا ہے کہ انسان یقیناً جانتا ہے کہ خدا نے مجھ کو ایک قطرۂ پانی سے پیدا کیا ہے، جو متشابہ الاجزاء متحد الحقیقۃ والاسم ہے، پھر اس میں سے ہڈی اور گوشت اور پوست اور سر، پاؤں، دل و دماغ، آنکھ ناک کیسے مختلف الاسم والحقیقۃ اجزاء پیدا کر دیے اور ہر ایک میں جداگانہ قوت و تاثیر رکھی اور اس کے تمام کیل و پرزے جوڑ کر اس کو بڑا گویا اور فہیم بنا دیا، یہ گویا ہوتے ہی بڑے دشمن، بڑے مقرر منکرِ حشر بن گئے، طرح طرح کی حجتیں نبیوں اور اُس کے کلام کے مقابلہ میں کرنے لگے، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ اور ہمارے لیے دُنیا کے لوگوں کی مثال بیان کی کہ جس طرح دُنیا کے لوگ بعض اشد کاموں میں عاجز ہیں، وہ بھی ہے، یعنی مخلوق کی قدرتوں اور طاقتوں پر قیاس کر کے ہماری قدرت کو بھی محدود سمجھ لیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا اور طرفہ یہ ہے کہ ہماری قدرتِ غیر محدود کا نمونہ اُسی کے پیدا کرنے میں موجود ہے، اُس کو بھول گیا، یعنی اس میں غور نہیں کرتا، پھر اُس مثل کا بیان کرتا ہے۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ کہ انسان کہتا ہے۔ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوئی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ انسان سے مراد عموماً منکرینِ حشر ہیں، گو یہ بات جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے، عاص بن وائل نے حضرت ﷺ سے کہی تھی۔ ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے اس کو ابن مجم میں نقل کیا ہے۔

خدا تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے۔ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ اے محمد (ﷺ) کہہ دے ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار بنایا تھا اور ان کا کچھ بھی وجود نہ تھا، پھر بارِ دگر بنانا اس کو کیا نہیں آتا؟ وھو بکل خلق علیم حالانکہ وہ ہر ہر چیز مخلوقات کی جانتا ہے، کوئی ذرہ اجزاءِ بدن کا اس سے مخفی نہیں، بارِ دگر سب کو ملا دے گا اور روح ڈال دے گا یا یوں کہو وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے، کوئی ذرہ اجزاءِ بدن کا اس سے مخفی نہیں۔ بارِ دگر سب کو ملا دے گا اور روح ڈال دے گا یا یوں کہو وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ فالخلق مصدر و علی الاول بمعنی المخلوق۔ اس کے بعد اور دلیل بیان فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا الخ کہ اللہ تو وہ قادرِ مطلق ہے کہ سبز درخت میں سے آگ نکال دیتا ہے۔ بن میں جب بانس کی ٹہنیاں ہوا سے آپس میں رگڑ کھاتی ہیں تو اُس سے آگ نکلتی ہے جس سے بن میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے اور عرب میں وہ درخت ہیں، ایک کو مرخ دوسرے کو عفار کہتے ہیں اور زند اور زندہ بھی جب آگ سلگانی منظور ہوتی ہے تو دونوں کی ہری ٹہنیاں توڑ کر ایک کو دوسرے پر مارتے ہیں، آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر آگ اور سبز درخت کو دیکھیے جو پانی اور رطوبت کی پوٹ ہے، دونوں ضدوں کو جمع کر دیا، پھر جس نے اضداد کو جمع کر دیا، کیا وہ اجزاءِ بدنِ انسانی کو جمع نہیں کر سکتا؟ بے شک کر سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کرتا ہے۔ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کہ کیا وہ شخص کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو بارِ دگر پیدا کرے؟ بے شک پیدا کر سکتا ہے۔ مثلھم ای مثل ھؤلاء الاناسی الذین ماتوا والمراد ھم علی سبیل الکنایۃ نحو مثلک لا یبخل والمراد انت آپ ہی اس استفہام کا جواب دیتا ہے۔ بلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ کیوں نہیں وہ خلاق ہر چیز پیدا کر سکتا ہے اور علیم بھی ہے، ہر قسم کے علوم اس کے آگے حاضر ہیں۔ قدرت بھی ثابت کی گئی علم بھی۔

اب کلام میں کوئی جگہ مخالف کے لیے باقی نہیں۔ کس لیے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے اور اس کو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا بھی جانتا ہے تو اس بات کا ماننا اس کو ضرور ہے کہ وہ بارِ دگر بھی پیدا کر سکتا ہے، کیونکہ بارِ دگر پیدا کرنا اول بار کے پیدا کرنے سے عقلاً کوئی زیادہ بات نہیں اور مشرکین کہ جن کے مقابلہ میں یہ کلام ہو رہا ہے۔ خدا کے بھی قائل تھے اور اُس کو خالقِ آسمان و زمین بھی جانتے تھے۔ حشر کے منکر تھے۔ یہود میں بھی ایک فرقہ منکرِ حشر کا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دلیل بیان فرماتا ہے۔ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اس میں ان کی تمثیل کا بھی بطلان ہے کہ وہ کہتے تھے کوئی بھی حشر پر قادر نہیں، غائب کا حاضر پر قیاس کرتے تھے، فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس نہ کرو کس لیے کہ مخلوق میں سے جو کوئی کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو وہ چند باتوں کا محتاج ہوتا ہے۔ (اول)

اپنی قوت وطاقت کا ہونا۔ (دوم) آلاتِ بدنیہ۔ (سوم) دیگر آلات۔ (چہارم) اس چیز کا مادہ موجود ہونا۔ (پنجم) زمانہ کا درمیان آنا۔ (ششم) مواقع کا دور ہونا، مثلاً کوئی معمار کسی مکان بنانے کا ارادہ کرے تو اُس میں قوت وطاقت فنِ معماری کا علم ہونا چاہیے، پھر اس کے ہاتھ پاؤں، اعضاءِ بدنیہ بھی درست ہونے چاہییں، پھر اس کے اوزار' آلات بھی ضرور ہیں، پھر اس مکان کا مادہ اینٹ پتھر لکڑی گارا چونا، لوہا وغیرہ بھی کہ جن سے وہ مکان بنے گا۔ پھر یہ بھی ضرور ہے کہ وہ مکان دفعۃً نہیں بنے گا، زمانہ میں تیار ہوگا۔ ایک ساعت سے لے کر دس برس بیس برس کا کسی قدر وہ زمانہ ضرور ہوگا، ان سب کے بعد یہ بھی کہ کوئی مانع پیش نہ آوے، اگر کسی زبردست نے بننے سے روک دیا تو رُک جاوے گا یا بارش آندھی کوئی بات پیش آ جاوے، تب بھی رُک جاوے گا۔ برخلاف خدا تعالیٰ کے کہ وہ ان چیزوں میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں۔ ہمہ وقت اس کے لیے سب سامان مہیا ہیں، پھر اُس کو مخلوق پر قیاس کرنا کیسی بے عقلی ہے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اس آیت میں بیان کرتا ہے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی بات ہوتی ہے کہ اُس کو کہتا ہے کن یعنی ہو جا سو وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ امر سے مراد امرِ تکوینی ہے اور قول اور کن سے بھی قول اور کنِ تکوینی مراد ہے تو یہ کہ اس معدوم چیز سے خطاب کیا جاتا ہے کہ تو ہو جا کس لیے کہ وہ تو اُس وقت معدوم ہوتی ہے۔ قابلِ خطاب ہی نہیں ہوتی اور جو موجود ہو تو پھر موجود کو موجود کرنے کے کیا معنی؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کے علم میں ہر شے ہے، خواہ وہ خارج میں موجود ہو یا معدوم اور یہ علم اس کا علمِ ازلی ہے، جب سے وہ ہے اُسی کے ساتھ اُس کی ذاتِ بابرکات میں تمام چیزوں کا علم ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پیشتر ہی رکھا ہوا ہے، پھر جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس موجودِ علمی سے یہ فرما دیتا ہے، یعنی ارادہ کر لیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔

اس تقریر سے معتزلہ اور کرامیہ کا خیال بھی باطل ہو گیا کہ معدوم کو بھی شے کہتے ہیں اور یہ کہ اُس کا ارادہ حادث ہے۔ اس آیت میں اس نے اپنی بے انتہا قدرت کا ثبوت کر دیا اور راسخ الاعتقاد اور سلیم الطبع کو کامل یقین دلایا اور دعویٰ کو دلیل کر دکھایا۔

اس لیے اس کے بعد اس بحث کے نتیجہ کو کس عمدہ پیرائے اور اسلوب سے بیان فرماتا ہے کہ جو اصل الاصول مطالب کو گھیرے ہوئے ہے۔ فقال فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ اور اس تمام سورہ میں اصل الاصول تین ہی باتیں ہیں، توحید، اقرارِ رسالت اعتقادِ حشر رسالت کو تو کئی مقام پر اس سورہ میں ثابت کر دیا ہے۔ ایک بار اول ہی میں فرمایا۔ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اور اس کو سب سے اول اس لیے ذکر کیا کہ جب تک انسان رسولوں پر ایمان نہیں لاوے گا، اس کے کہنے سے حشر اور اُس کے صفات کا کب قائل ہوگا، کس لیے کہ یہ باتیں تجربہ اور حس سے باہر ہیں اور براہینِ عقلیہ میں باہم تعارض ہو جاتا ہے اور وہم خلل اندازی کرتا ہے۔ ان باتوں کا کامل یقین تو اُس کے فرستادہ یعنی رسول کے کہنے سے ہو سکتا ہے اور ایک بار اخیر رکوع میں ثابت کیا۔ بقولہ وَمَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ الخ اب رہیں دو باتیں توحید اور حشر پر ایمان لانا سو اٰیۃ لھم سے شروع کر کے چند دلائل سے اس کو ثابت کر دیا اور حشر کے مسئلہ کو اخیر میں بڑے زور سے اُن کا انکار نقل کر کے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَہٗ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَہِیَ رَمِیۡمٌ ثابت کیا اور اخیر میں اس لیے کہ حشر بھی دُنیا کا اخیر ہی ہوتا ہے اور اس بات کے اثبات میں اپنی قدرت غیر متناہی کے جتلانے کے لیے دلائل بیان کرتا چلا آتا ہے۔ اس لیے ختم کلام کے موقع پر ان دونوں باتوں کو نتیجہ کے طور پر ثابت کرتا ہے۔ فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ میں توحید کو ثابت کیا۔ اول تو لفظ سبحان ہی اُس کی تنزیہ و تقدیس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شریک وسہیم و مثل و نظیر اور عجز و حدوث والد و مولود سب نقصان کی چیزوں سے پاک ہے نہ اُس کو جورو کی حاجت' نہ بیٹے کی ضرورت' نہ کسی جسم میں حلول کرنے کی احتیاج نہ کسی مددگار کی پروا۔ کس لیے کہ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ اس کے ہاتھ میں یعنی قبضہ میں ہر شے کی حکومت ہے۔ یہ جملہ تنزیہ کے لیے بھی دلیل ہے اور آئندہ

دوسری بات حشر برپا کرنے کے لیے بھی دلیل ہے، کیونکہ جب اس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے تو مر کر بار دگر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے، اس لیے اس کے بعد وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ فرمایا کہ اسی کے پاس پھر جاؤ گے، یعنی حشر برپا ہوگا، مر کر زندہ ہو کے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا۔

اور الیہ جار کو مقدم کیا جس میں اشارہ ہے کہ اس کے پاس پھر جانا ہے نہ کہ کسی اور کے پاس کہ جس کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے اور اس کی خدائی کا حصہ دار یا کارِ مختار سمجھتے ہو، اس پر اور لطف بھی ہے کہ ترجعون مضارع کا صیغہ استعمال ہوا، اس میں اشارہ ہے کہ حشر قائم ہونے کے بعد تو خدا کے پاس جانا ہی ہے۔ جیسا کہ معنی استقبال مضارع میں پائے جاتے ہیں۔ حال میں بھی تم اسی کے پاس چلے جا رہے ہو، یہ عمر تمہارا ایک سفر ہی ہے جس قدر برس گزرتے ہیں یا جس قدر دن گزرتے ہیں۔ گویا تمہارے سفر کی اسی قدر منزلیں طے ہوتی ہیں۔ آخر ایک روز یہ سفر تمام ہوگا۔ موت آوے گی، کیا بلکہ سامنے کھڑی ہے۔ پس تمہاری رُوح کو اُس کے سامنے جانا ہوگا، اب ہر وقت تم اُسی کے پاس سفر طے کر کے جا رہے ہو اور اس پر لطف یہ کہ مضارع مجہول کا صیغہ آیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ تم از خود نہیں بلکہ کوئی اور تم کو لیے جا رہا ہے اور سچ بھی ہے کہ ہم بے اختیار منازلِ عمر طے کر رہے ہیں، اسی بات کو کئی ایک جگہ قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ یٰس قرآن مجید کا دل ہے جو کوئی اس کو خالصتاً لوجہ اللہ پڑھے گا، اس کو خدا بخش دے گا۔ اس کو دل اسی لیے کہا کہ اس سورہ میں اعتقادیات ہی ہیں جو دل میں رہا کرتے ہیں یا یوں کہو قرآن مجید کے امہات المطالب یہی تین باتیں ہیں اور ان کے مہتمم یا محافظ یا فروع ہیں اور یہی باتیں لب لباب ہیں اور اعلیٰ تر ہیں اور عمدہ اور اعلیٰ چیز کو انسان کے دل سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے کہ وہ بھی بدن میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ اور سردار ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ [1] ؕ﴿۵﴾ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ِۣالْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ ۪﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ۪﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ۪﴿۱۴﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

المنزل السادس ۶

[1] آفتاب برس دن تک ایک جگہ خاص سے طلوع کرتا ہے دوسری خاص جگہ سے غروب ہر روز نیا مطلع ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کہتے ہیں اور گرمی و سردی کے دو مطلع قرار دے کر رب المشرقین و رب المغربین بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی پھر ڈانٹنے والوں کی دھمکا کر، پھر ذکرالٰہی میں تلاوت کرنے والوں کی، البتہ تمہارا معبود تو ایک ہی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین اور اُس کے اندر کی سب چیزوں کا اور مشرقوں کا رب ہم نے نیچے کے آسمانوں کو ستاروں سے سجایا ہے اور اس کو ہر ایک شیطان سرکش سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ عالم بالا کے لوگوں کی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ان پر ہر طرف سے کھدیڑنے کے لیے انگارے شہاب پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے،مگر جو کوئی بات لے بھاگتا (اچک لیتا) ہے تو اُس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا پڑتا ہے۔پس (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا بڑی بات ہے یا ان چیزوں کا کہ جس کو ہم نے لیس دار گارے سے بنایا ہے، بلکہ آپ تو (ان کی احمقانہ باتوں پر) تعجب کرتے ہیں اور یہ ہنسی اڑاتے ہیں اور جب سمجھائے جاتے ہیں تو سمجھتے نہیں اور جب کوئی قدرت کی نشانی دیکھتے ہیں تو ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو محض صریح جادو ہے۔

ترکیب : وَالصَّافَّاتِ الواو للقسم وجوابہ اِنَّ اِلٰھَکُمْ رب السمٰوٰت بدل من واحد بزینۃ الکواکب من اضافۃ النوع الی الجنس کقولک باب جدید والزینۃ کواکب حفظا ای حفظناھا حفظا ومن یتعلق بالفعل المحذوف، لایسمعون الجملۃ فی موضع الجر علی الصفۃ اومستانف وجوارا یجوزان یکون مصدرا من معنی یقذفون اومفعولا لہ الا استثناء من الجنس ای لایسمعون الملائکۃ الامخالسۃ ثم یتبعون بالشھب فی خطف۔

تفسیر : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی جمعہ کے روز یٰسٓ اور صافات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرے گا اللہ اُس کی حاجت روا کرے۔ رواہ ابو ... د فی فضائل القرآن۔ مشرکین مکہ بت پرستی کرتے تھے۔ستاروں کو بھی قضاء وقدر میں شریک جانتے تھے،جس پر وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے اور اُن شیاطین کی قدر و نیاز کروایا کرتے تھے اور قیامت کے بھی منکر تھے،ان سب باتوں کا رد اس سورۃ میں کرتا ہے اور پہلے دلائل سے رد کر چکا تھا،مگر مخاطبین کو وثوق دلانے کے لیے کلام کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے۔فقال وَالصَّافَّاتِ صَفًّا الخ تین چیزوں کی قسم کھاتا ہے۔اول صافات یعنی صف باندھنے والے دوسرے زاجرات زجر کرنے والے ڈانٹنے اور روکنے والے تیسرے تالیات ذکرا اذکار کرنے والے۔ اب یا تو ان تینوں چیزوں سے ایک شے مراد ہے، یہ تینوں اس کے وصف ہیں یا تین چیزیں جدا جدا اول صورت میں علماء کے کئی قول ہیں۔اول یہ کہ ملائکہ مراد ہیں، کیونکہ وہ آسمانوں میں عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے یا حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے صف بستہ رہتے ہیں اور ملائکہ ہی بادلوں کو ہانکتے اور ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ شیاطین کو بنی آدم کے تکلیف دینے سے ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ الہامات کے طور پر ملائکہ کو قلوب بنی آدم تک تاثیرات ہیں، وہ ان کو معاصی سے روکتے ہیں جس طرح کہ شیاطین آمادہ کرتے ہیں اور وہی ذکرالٰہی میں مصروف رہا کرتے ہیں یا اس سے نیک لوگ مراد ہیں جو جہاد و جماعت میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور کفار کو گمراہی سے روکتے اور مخالفین کو ڈانٹتے ہیں اور تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں بھی کئی احتمال ہیں۔ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ اِنَّ اِلٰھَکُمْ لَوَاحِدٌ الخ کہ تمہارا ایک ہی رب ہے،وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ستارے رب نہیں بلکہ انا زینا ان کو تو ہم نے آسمان کی زینت بنا دیا ہے اور وہ شیاطین کے لیے اُوپر جانے سے محافظ بھی ہیں،اسی قسم کا مضمون قرآن مجید میں کئی ایک جگہ آیا ہے۔ایک جگہ آیا ہے۔وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ ایک جگہ ہے۔وَحَفِظْنٰھَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَہٗ شِھَابٌ مُّبِیْنٌ سورہ جن میں آیا ہے۔وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰھَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُھُبًا وَّ اَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْھَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْلَہٗ شِھَابًا رَّصَدًا۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فَاِذَا ھُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا ھٰذَا

يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ
الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾
فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ
وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾

(کہتے ہیں) کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم پھر اُٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی، کہہ ضرور اور (اس وقت) تم بے بس ہو گے۔ پھر قیامت تو ایک ہی کڑک ہو گی، پھر تو فوراً زندہ ہو کر راہ تکیں گے اور کہیں گے ہائے کمبختی! یہ تو جزا کا دن ہے۔ یہ ہے فیصلہ کا دن کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (حکم ہو گا) ظالموں کو اور اُن کی بیبیوں[1] کو اور ان سب کو بھی کہ جس کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے حاضر کرو۔ پھر ان کو جہنم کے رستہ کی طرف ہانک کر لے جاؤ اور ان کو کھڑا کرو کہ ان سے دریافت کرنا ہے۔ تم کو کیا ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ آج کے دن وہ سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھے گا، کہیں گے تم ہی تو ہم پر پل پل کر دائیں[2] طرف سے آیا کرتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ تم خود ہی ایمان نہیں لاتے تھے اور ہمارا تم پر کوئی زور بھی نہ تھا، بلکہ خود تم ایک گمراہ قوم تھے۔ پھر ہم سب ہی پر ہمارے رب کا قول[3] پورا ہو گیا کہ ہم سب کو عذاب چکھنا ہے۔ پھر ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا، ہم خود بھی گمراہ تھے، پھر اُس روز عذاب میں وہ سب یکساں ہوں گے۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کیا کرتے ہیں، کیونکہ جب ان کا سے لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا تھا تو اکڑا کرتے تھے اور کہتے تھے، کیا ہم ایک شاعر[4] دیوانہ کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے، بلکہ (نہ وہ شاعر ہے نہ دیوانہ) دین حق لے کر آیا ہے اور

---

[1] وہ بیویاں جو اپنے مشرک خاوندوں کے مذہب پر تھیں۔ ۱۲ منہ

[2] یمین یعنی حق دین میں سدِ راہ ہوتے تھے (زجاج) واحدی کہتے ہیں کہ ان کے گمراہ کرنے والوں نے قسمیں کھائیں تھیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ حق ہے یعنی تم قسم کے سبب سے کہتے تھے اور دائیں طرف سے آنا عرب میں عزت کے ساتھ آنے سے محاورہ ہے یعنی زور میں آتے تھے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی قسمت کا لکھا ہوا پیش آیا ہم کیا کریں۔ ۱۲ منہ

[4] شاعر دیوانہ جاہل کو کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

خدا کے رسولوں کی تصدیق کی، البتہ تم کو عذاب الیم چکھنا ہے اور تم کو وہی بدلہ دیا جاوے گا کہ جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر : اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی مضمون منقول ہے۔ بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم ہوتا ہے تو خوف کے مارے ملائکہ تھرا جاتے ہیں، پھر ایک دوسرے سے دریافت کرتا ہے۔ پھر اُوپر کے طبقہ سے لے کر نیچے کے طبقے والے ملائکہ تک درجہ بدرجہ وہ بات پہنچتی ہے، نیچے کے طبقہ والوں سے شیاطین کوئی بات اڑا لے جاتے ہیں اور اُس کو جادوگروں یا بھتنیوں والوں کو پہنچاتے ہیں، وہ ایک میں سو جھوٹی باتیں ملا کر مشہور کرتے ہیں، پھر کبھی یا اکثر ستارہ اُن کے پیچھے دوڑتا ہے اور جلا دیتا ہے اور کبھی وہ کلمہ جادوگروں کو پہنچا دیتا ہے اور اسی کے قریب قریب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسلم نے روایت کیا ہے اور جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں اور اہلِ سنت کا یہی اعتقاد ہے۔

اُوپر رات کو جو کچھ چمکتا ہوا نظر آتا ہے، اُس کو عرف میں بجز نیزین کے ستارا کہتے ہیں کہ وہ ثوابت ہوں یا تھوڑی دیر کے بعد مٹ جاویں۔ جیسا کہ کرۂ ارض سے اوخنہ جو اُوپر کو صعود کرتے ہیں اور کرۂ نار میں پہنچنے کے بعد ان میں آگ لگ جاتی ہے، پھر وہ مادہ مشتعل رات کو مختلف صورتوں میں روشن ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کبھی دُمدار ستارہ معلوم ہوتا ہے اور جس قدر وہ مادہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کو قیام رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مہینوں تک خدا تعالیٰ بندوں کو اپنے عجائب مخلوقات میں قدرتیں دکھاتا ہے کہ یہ جو اُوپر رات کو تمہیں ستارے معلوم ہوتے ہیں، ان سے آسمان کی زینت ہوتی ہے۔ اندھیرے میں نورانی قندیلیں مختلف صورتوں میں لٹکی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ یہ تو ثوابت ہیں اور بعض جو تم کو تارے معلوم ہوتے ہیں۔ (جس کو تم شہابِ ثاقب کہتے ہو، یعنی اوخنہ ارضیہ اور جس کو تم دیکھتے ہو کہ آسمان سے ٹوٹتا ہے یا کوئی پھینک کر دوسری طرف مارتا ہے) ان سے ملائکہ سماوات کام لے رہے ہیں کہ شیاطین اُوپر یعنی عالم بالا کی باتیں اور وہاں کے روزمرہ جاری ہونے والے حوادث کی خبریں سننے جاتے ہیں، ان کو اُن سے مارتے ہیں اور گو شیاطین اور جن بھی ناری ہیں، ان کا غالب مادہ آتش ہے، مگر آگ کے درجے متفاوت ہیں۔ قوی ضعیف میں اثر کرتی ہے، اسی لیے ان کو جلا دیتی ہے۔ جیسا کہ انسان کا قالب مادہ خاک ہے مگر پتھر کے مارنے سے جو وہ بھی خاکی ہے مر جاتا ہے، اس تقریر پر تمام شبہات دُور ہو گئے۔ عقل و نقل میں موافقت ہو گئی۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنتُم مُّطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللَّهِ

اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾

لیکن اللہ کے خاص بندے کہ ان کے لیے خوان مقرر ہیں۔ میووں کے اور وہ نعمت کے باغوں میں ان کے سامنے تختوں پر عزت واحترام سے بیٹھے ہوں گے، ان میں صاف شراب کا دور چل رہا ہوگا جو سفید پینے والوں کے لیے مزہ دے گی نہ اس میں بہکنا ہوگا اور نہ اُن کو اُس سے نشہ ہوگا اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔ گویا کہ وہ ڈبے میں چھپے ہوئے موتی ہیں۔ پھر اُن میں سے ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر باتیں پیش کرے گا، اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ دُنیا میں میرا ایک ساتھی تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان میں سے ہے جو رسول کو سچ جانتا ہے کہ کیا جب ہم مرجاویں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاویں گے، کیا ہم کو جزا ملے گی۔ وہ کہے گا کہ کیا تم بھی دیکھنا چاہتے ہو، پھر وہ جھانک کر دیکھے گا تو اُس کو دوزخ کے بیچوں بیچ پڑا دیکھے گا، وہ کہے گا بخدا کہ تو نے تو مجھے ہلاک ہی کیا ہوتا اور اگر میرے رب کی عنایت نہ ہوتی تو میں بھی (گرفتار عذاب ہو کر) حاضر کیا جاتا، پھر کیا ہم جنتی ایسے ہیں کہ جو ایک بار مرنا تھا سو مر چکے۔ اب نہ ہم کو موت ہے اور نہ ہم کو کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ بے شک یہ بڑی کامیابی کی بات ہے، ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھور (سینڈھ) کا درخت۔

تفسیر : اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ یہ جن وشیاطین کہ جن کو تم پوجتے اور غیب داں جانتے ہو، ان کی تو عالم بالا تک رسائی بھی نہیں اور جو کوئی وہاں تک جانے کا قصد کرتا ہے تو ملائکہ ہر طرف سے اُن پر کھدیڑنے کے لیے ستاروں کے انگارے مارتے ہیں اور جو کوئی بات سن کر بھاگتا ہے تو اُس کو شہاب ثاقب جالیتا ہے۔ فَاسْتَفْتِهِمْ یہاں سے منکرینِ حشر کا رد کرتا ہے کہ ہم نے ان کو طِيْنٍ لَّازِبٍ یعنی چپکتے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے، کیونکہ انسان کا غالب مادہ مٹی ہے جو تر ہو کر اس کے اعضاء بنانے میں کام آئی ہے نہ صرف تر بلکہ اُس کے کئی خمیر ہوتے ہیں، پھر خمیروں کا عطر لیا گیا ہے۔ پھر حشر برپا کرنا ہمیں کیا مشکل ہے؟ بل عجبت اے محمد (ﷺ) تو اس جہل وانکار سے تعجب کرتا ہے اور وہ ہیں کہ تمسخر کر رہے ہیں اور سمجھانے سے سمجھتے نہیں، جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹھٹھوں میں اُڑاتے اور اُس کو جادو بتاتے ہیں۔ تمسخر حمقاء کا کام ہے۔ وَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا یہاں سے پھر منکرینِ حشر کا قول نقل کر کے اُس کا رد کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کیا جب ہم مرجاویں گے اور مرکر خاک ہو جاویں گے، ہم اور ہمارے باپ دادا زندہ ہوں گے؟ اس بات کو وہ اپنے نزدیک خدا تعالیٰ کی قدرت سے باہر جانتے ہوں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ نَعَمْ کہہ دے ہاں زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کفر و بدکاری کی وجہ سے تم ذلیل ہوگے اور اسی لیے جرم کی سزا سے بچنے کے لیے تم انکار کرتے ہو۔ پھر حشر برپا ہونے کی کیفیت اور حشر کے بعد جرموں کی سزا پانے کی کیفیت اور وہاں بتوں سے ناامیدی اور اس بت پرستی کی باز پرس اور آپس میں گمراہ کرنے والوں اور اُن کے مریدوں کی تھکا فضیحتی کا وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تک ذکر کرتا ہے۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ سے خالص بندوں اہلِ توحید وطاعت کی جزاء دار آخرت بیان فرماتا ہے کہ وہاں ان کو ہر قسم کی نعیم وناز اور طرح طرح کی ابدی نعمتیں ملیں گی۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ سے یہ بات بیان فرماتا ہے کہ ایک جنتی اپنے کسی دوسرے دوست سے دُنیا کا تذکرہ کرے گا کہ دُنیا میں میرا ایک دوست آخرت کا منکر تھا تو پھر وہ اپنے احباب اہلِ جنت سے کہے گا کہ کیا آپ اُس کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اب وہ کس حال میں ہے؟ پس جھانک کر دیکھے گا تو اُس کو جہنم میں پڑا ہوا پاوے گا اور

اُس سے کہے گا کہ اگر میں تیرے کہنے میں آجاتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہوتا، اللہ نے اپنے فضل سے بچالیا، اب دیکھ ہم کو وہی ایک موت تھی جو ہو چکی، اب حیاتِ ابدی ہے اور سرور دائمی یہ بڑی کامیابی ہے۔ لِمِثْلِ ھٰذَا سے لے کر آخر تک اسی کا کلام ہے، بعض کہتے ہیں۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ لوگوں کو ایسا کام کرنا چاہیے، کیونکہ اس نیک کام کا بدلہ جنت ہے اور اُس کا جہنم جو دونوں برابر نہیں۔ قَالَ قَائِلٌ سے بعض کے نزدیک ایک خاص مومن مراد ہے اور بعض کہتے ہیں، عام ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بارِ دگر جینا کوئی زندگی نہ ہوگی، بلکہ اسی زندگی کا اعادہ ہوگا، گویا یہ زندگی خواب ہے۔ وہ بیداری اور اسی لیے مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۷۴﴾ ع

ہم نے اس تھور (سینڈھ) کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے، وہ ایک درخت ہے کہ جو دوزخ کے قعر میں سے اُگتا ہے، اُس کا خوشہ ایسا ہے کہ جیسے شیطانوں کے سر، پھر وہ اُس میں سے کھائیں گے، پھر وہ اُس سے پیٹ بھریں گے، پھر اس پر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ وغیرہ سے) ملا ملا کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دوزخ کی طرف لوٹ کر آئیں گے، کس لیے کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا، پھر وہ اُن کے پیچھے دوڑتے چلے گئے اور البتہ ان سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور البتہ ہم نے ان میں ڈرسنانے والے بھیجے تھے۔ پھر دیکھو جن کو ڈرسنایا گیا تھا، ان کا کیا انجام ہوا، مگر اللہ کے خالص بندے (محفوظ رہے)

تفسیر: اہلِ جنت کے درجات ولذات بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ عمل کرنے والوں کو ایسا عمل کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا تھا کہ دیکھو یہ درجات و نعماء بہتر ہیں یا تھور (سینڈھ) کا پیڑ؟ اب اس تھور کے پیڑ کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ کہ ہم نے اس کو ظالموں کے لیے فتنہ بنایا ہے۔ فتنہ کے معنی آزمائش کے بھی ہیں اور تکلیف کے بھی پہلے معنی کے لحاظ سے بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ کفار کو یہ بات سن کر اور بھی تعجب ہوا کہ جہنم میں پیڑ ہوگا، آگ تو پیڑ کو کھا جایا کرتی ہے نہ کہ پیڑ اُگاتی ہے۔ (ابن جریر عن قتادہ) اب فتنہ ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ دیکھیں کون باور کرتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ اور اس معنی کی تائید یہ آیت بھی کرتی ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا اور بعض کہتے ہیں، معنی ثانی مراد ہے کہ جہنمیوں کے کھانے میں بجائے عمدہ چیزوں کے یہ پیڑ آوے گا جو سخت تکلیف دینے والی چیز ہے۔ ترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے کہ اگر اُس کا ایک قطرہ دُنیا کے دریاؤں میں ملجاوے تو لوگوں کو جینا مشکل پڑ جاوے، پھر اسی پیڑ کی اور بھی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ وہ

[1] والشوب الخلط قال الفراء یقال شاب طعامہ وشرابہ اذا خلطھما بشئی ۱۲ منہ

جہنم کی تہ میں سے اُگے گا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ جس طرح جنت میں طوبیٰ کا سایہ ہر ایک گھر میں ہوگا۔ اسی طرح تمام اہلِ جہنم کے لیے یہ ایک درخت کافی ہوگا۔ ہر جگہ اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں آگ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے، جس کو سمندر کہتے ہیں اور آگ ہی اس کی غذا ہے، اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے، پھر وہ تو حیوان ہو کر آگ میں رہتا ہے۔ پس پیڑ جو جسمِ نباتی ہے، اُس کی نسبت سخت ہے۔ بدرجۂ اولیٰ رہ سکتا ہے، اس کی قدرت کی عجائب رنگینیاں ہیں، حیوان کی زندگی تنفس یعنی سانس لینے پر ہے سینکڑوں کیڑے مٹی میں ایسے دبے ہوئے رہتے ہیں جہاں ہوا کا گزر بھی نہیں اور ہزاروں جانور پانی میں رہتے ہیں، جہاں ہوا کا وجود نہیں۔ ہم ایک اور بات سناتے ہیں جس سے اُس پیڑ کی کیفیت پوری سمجھ میں آجاوے گی۔ بحرِ شور یعنی سمندر میں جہاں پانی صاف ہوتا ہے تہ میں عمدہ عمدہ جھاڑ ہوتے ہیں۔ پتھر کی اُن کی شاخیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں، جیسا کہ زمین کے جھاڑوں کی ہوتی ہیں، ان میں نمو بھی ہے اور باہر لائی جاتی ہیں تو حجریت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اس شجرۂ زقوم کو جہنم کی آگ سے مناسبت ہو تو کیا تعجب ہے؟ ہاں ابوجہل جیسا کوئی بدعقل اور کوڑھ مغز تعجب کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ طلع شگوفہ نخستیں بر درختِ خرما (صراح) اس کا گابھا ایسا ہوگا کہ جیسا شیطان کا سر، عرف میں بری چیز کو شیطان سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، اس لیے کہ اذہانِ بنی آدم میں شیطان نہایت مکروہ چیز ہے، یعنی اس پیڑ کی صورت بھی نہایت مکروہ ہوگی، جہنم میں جب کھانے کو اور کچھ نہ ملے گا تو بھوکا مرتا کیا نہ کرتا، اسی کو کھاویں گے۔ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا اور بھوک کے مارے ایسا کھاویں گے کہ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ کہ پیٹ بھر لیں گے، پھر اس کی سوزش سے پانی کے لیے محتاج ہوں گے۔ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ تو کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا، اس کے بعد پھر جہنم کی کوٹھڑیوں میں بند کر دیے جاویں گے۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ یہ ان کے اعمالِ بد ہیں، جن کو وہ رات دن عمل میں لاتے تھے اور باز نہ آتے تھے، جس کی تفصیل خدا تعالیٰ آپ کرتا ہے۔ انهم الفوا الخ کہ بے سوچے سمجھے اپنے باپ دادا کے خراب طریقے پر دُنیا میں چلا کرتے تھے۔ رسولوں کا کہنا نہ مانتے تھے۔ الاهراع الاسراع الشديد۔ فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ ضَلَّ، الخ ان سے پہلے بھی بہت لوگ گمراہ ہو چکے تھے جن کی ہدایت کو ہم نے رسول بھیجے تھے، پھر دیکھو دنیا میں بھی ان کا کیا انجام ہوا، لیکن اچھے لوگ بچے رہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا

وقف لازم

ل روغ رغان میل کردن کما یقال فراغ الی اہلہ و روئے آوردن سرکشی قولہ تعالیٰ فراغ علیہم ضربا بالیمین ای اقبل ۱۲ منہ

تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور البتہ نوح نے ہم کو (مدد کے لئے) پکارا تو (ہم نے ان کی مدد کی) ہم عمدہ فریادرس ہیں کہ ہم نے اُن کو اور اُن کے کنبے کو بڑی بے چینی سے بچا لیا اور اس کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا اور آنے والی نسلوں کو نوح پر دُنیا بھر میں سلام بھیجنے والا کر دیا، ہم نیکوں کو یوں بدلا دیا کرتے ہیں۔ بے شک نوح ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے۔ پھر ہم نے اوروں کو غرق کر دیا اور البتہ نوح کے طریق پر چلنے والوں میں سے ابراہیم بھی تھے، جبکہ وہ پاک دل سے اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے۔ جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ کیا ہے جس کو تم پوجتے ہو۔ کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہ رہے ہو۔ تم نے دُنیا بھر کے پروردگار کو کیا سمجھ رکھا ہے، پھر اُس نے ستاروں میں ایک نگاہ کر کے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ پھر وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چل دیے، پھر ابراہیم ان کے بت خانہ میں جا بیٹھے (اور بتوں سے) کہنے لگے تم (اس چڑھاوے کو) کھاتے کیوں نہیں ہو، تمہیں کیا ہوا جو بولتے بھی نہیں۔ پھر تو ابراہیم بڑے زور سے ان کے توڑنے پر پل پڑے، پھر جب بت پرست ابراہیم کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم نے کہا کیا تم اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کو پوجتے ہو، حالانکہ اللہ نے تم کو اور تمہارے بنائے ہوئے بتوں کو بنایا ہے۔ (بت پرست خجل ہو کر) کہنے لگے ابراہیم کے لیے ایک بھٹی چنو پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ پھر انہوں نے ان سے داؤ کرنا چاہا۔ (مگر) ہم نے انہی کو زیر کر دیا اور ابراہیم نے (جبکہ ان کے باپ نے گھر سے نکال دیا تھا) یہ کہا کہ میں خدا کی طرف جاتا ہوں وہ مجھے عنقریب رستہ بتا دے گا۔ (اور یہ دعا کی) اے رب! مجھ کو نیک (فرزند) عطاء کر پھر ہم نے اس کو بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔

تفسیر: فرمایا تھا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اب اس جگہ بعض اولوالعزم منذرین کی تشریح کرتا ہے تا کہ ان کی اُمتوں کی سرکشی اور اُن پر بلا نازل ہونے اور دُنیا و آخرت میں برباد ہونے کا حال سن کر نبی علیہ السلام کے زمانہ کے سرکش کفار کو عبرت حاصل ہو اور ان کے حادثہ کو پیش نظر رکھیں۔ ان منذرین میں سے دو شخص بڑے اولوالعزم کا حال بیان فرماتا ہے۔ اول حضرت نوح علیہ السلام کا ان کے قصہ کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے یہ مناسبت ہے کہ جس طرح نوح علیہ السلام کے عہد میں عالم میں گمراہی پھیلی ہوئی تھی جس کے علاج کے لیے نوح علیہ السلام مبعوث کئے گئے اور جب لوگوں نے نہ مانا تو غرق ہوئے، صرف چند ایماندار کشتی میں بچ رہے اور پھر اُسی کی نسل باقی ہے اور نوح علیہ السلام کو ہمیشہ لوگ نیکی سے یاد کریں گے۔ سلام بھیجیں گے، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت میں تمام عالم کفر و بت پرستی اور ہر ایک طرح کی بدکاری سے پر تھا' توہماتِ باطلہ کی پرستش ہوا کرتی تھی، ان کے علاج کو ایک ایسا زبردست حکیم بھیجا کہ جس کے علاج نے بہت جلد اثر کیا۔ نوح علیہ السلام کے عہد میں عالم غرق ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غرق سے بچا کر منور کر دیا گیا۔ نوح علیہ السلام کا فیض کشتی میں سوار ہونے والوں کو پہنچا۔ آپ کا تمام عالم

[1] وافکا منصوب بتریدون الہۃ بدل منہ والتقدیر عبادۃ الہۃ وقیل افکا مفعول لہ ۱ لہۃ مفعول تریدون ضربا مصدر من فراغ لان معناہ ضرب یزفون بالتشدید الکسر وفیہ لغات آخر ماضیۃ وزف مثل وعد والمعنی سواء کان مخففا او مشددا الاسراع تنحتون من النحت بمعنی تراشیدن الجحیم من الجحمۃ وہی شدۃ تلہب النار۔ ۱۲ منہ

کو۔ اسی طرح آپ کے عہد کے سرکش بھی ہلاک ہوئے اور آپ اور آپ کے تصدیق کرنے والے جلد سرسبز ہوئے۔ نوح علیہ السلام کی کشتی لکڑیوں کی تھی، آپ کی کشتی عترتِ پاک اور قرآن مجید ہے جو قیامت تک رہے گا۔ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، جو بوجوہ متعددہ آپ کے حال سے نہایت مناسب ہے اور دونوں قصوں کو ایک اور بھی مناسبت ہے کہ اے قریش اور اے سرکش عرب ونصاریٰ و یہود تم ذرا اپنے جد امجد کو تو دیکھو، یعنی ابراہیم کو کہ وہ کیسے موحد اور بت شکن تھے۔ تم اُلٹے ان کی اولاد اور متبع کہلا کر بت پرست بن گئے اور یہی الزام تمام عالم پر خدا تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب سے عائد ہوتا ہے۔ نوح علیہ السلام پہلے تھے اس لیے ان کا قصہ پہلے بیان ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد ہوئے ان کا قصہ بعد میں بیان فرمایا کہ ان کی قوم اور ان کا خاندان باپ تک بت پرست تھے اور ستاروں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کس حجت سے اُن کو ملزم کیا، مگر بجائے اس کے کہ خدا پرستی اختیار کرتے، ان کی ایذاء کو درپے ہو گئے۔ آگ میں ڈالنے کا سامان کیا، اللہ نے اس کو بچالیا، اس کے اُوپر انہوں نے وہ وطن چھوڑ دیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع

پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹا خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں، پھر تو کہہ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا ابا جان جو کچھ حکم ہوا ہے اس کو بجالایئے۔ آپ مجھ کو انشاء اللہ صابر ہی پائیں گے، پھر جب دونوں تیار ہو گئے اور اس کو ابراہیم نے منہ کے بل گرایا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیک بختوں کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں، البتہ یہ صریح آزمائش ہے اور ہم نے بڑی قربانی کو اس کا ذریعہ بنا دیا اور ہم نے آنے والی نسلوں میں ان کا ذکرِ خیر باقی رکھا (کہ سب خدا پرست کہتے ہیں) ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیک بندوں کو ایسا ہی نیک بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے اور ہم نے اس کو (دوسرے فرزند) اسحاق کی بھی خوشخبری دی کہ وہ نبی (اور) نیک لوگوں میں سے ہوگا اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور اُن دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ ابراہیم پر صریح ظلم بھی کر رہے ہیں۔

ترکیب: فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا جوابہ محذوف ظھر صبرھما اوصدقھما اونحوھذا عند البصریین وعند الکوفیین جوابہ نَادَيْنٰهُ والواو زائدۃ و تلہ صرعہ و اسقطہ فی القاموس تلہ تلا من باب قتل فھو متلول وتلیل صرعہ یقال تللت الرجل اذا القیتہ والتسل الصرع۔

تفسیر : شام کی طرف آئے پردیس میں آ کر انسان کو قوت اعوانیہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اس لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ اللہ نے آپ کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا۔ حلیم کے لفظ میں یہ بات بھی بتلائی گئی کہ وہ جوان بھی ہوگا، یعنی عمر بھی اچھی ہوگی، کس لیے کہ بچے کو حلیم نہیں کہتے۔ آخر خدا تعالیٰ کے فضل سے فرزند ارجمند پیدا ہوا۔

اِن آیات میں قابلِ بحث دو ہی بات ہیں۔ **اول** یہ کہ یہ بیٹے کے ذبح کرنے کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کس طرح سے پیش آیا؟ اس کی بابت ہمارے مفسروں کا یہ بیان ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھیاسی برس کی عمر میں ہاجرہ مصری کے پیٹ سے ان کی بڑی منت والتجا کے بعد پہلوٹھا بیٹا اسماعیل علیہ السلام عطا کیا جس کی نسبت یوں فرماتا ہے اور اسماعیل علیہ السلام کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس سے بڑی قوم بناؤں گا'' (توریت سفر پیدائش ۱۷ باب ۲۰ درس) خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور طرح طرح سے امتحان کیا۔ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ سب باتوں میں پورے نکلے۔ ایک بڑی آزمائش یہ تھی کہ خواب میں الہام کے طور پر فرمایا کہ اگر ہماری محبت میں تو صادق ہے تو اپنے پیارے فرزند کی قربانی کر حضرت علیہ السلام نے اُس کی تعمیل کی، اُس خواب سے جو بیدار ہوئے تو سمجھے کہ امتحان مقصود ہے، خیال کیا کہ اگر یوں ہی بیٹے کو قربانی کرتا ہوں تو خاص اپنے ہی فرضِ منصبی سے ادا ہوتا ہوں، بیٹے سے بھی پوچھ کر آزمانا چاہیے کہ وہ میرا سچا جانشین ہے کہ نہیں، اگر اُس نے بھی اس حکم کو مان لیا تو میرا پورا نمونہ ہے، دونوں خدا تعالیٰ کے عاشقوں میں داخل ہوئے، وہ بھی اس سعادت میں شریک ہو ورنہ خیر میں تو حاضر ہوں اور یہ بھی مصلحت ہوگی کہ کوئی حضرت علیہ السلام پر قتل فرزند کا الزام نہ لگادے، اس لیے اُن سے خواب کا معاملہ بیان کر کے پوچھا فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی کہ اب تیری کیا مرضی ہے؟ آخر وہ بھی مقبول کبریا اور ایسے باپ کے خلف الصدق تھے۔ فوراً کہہ دیا یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کہ آپ اس حکم کو بجا لائیے میں حاضر ہوں، صبر کروں گا شکوہ بھی زبان پر نہ لاؤں گا۔ بیٹے کو ساتھ لے کر قربان گاہ میں ذبح کرنے چلے، وہاں جا کر فرزند دلبند کو ذبح کے لیے زمین پر ڈالا چاہتے تھے کہ چھری پھیر دیں، خداوند تعالیٰ نے آواز دی اے ابراہیم! اے ابراہیم! بس بس خواب تیرا سچا ہوگیا، تو نے قربانی کر دی، اس کے صلہ میں دونوں کو دارین کی سعادت و برکات عطا ہوئیں۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اور ہم نیکوں اور صادقوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، درحقیقت ان هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ یہ بڑی ہی آزمائش تھی۔

بیٹا تو بڑی چیز ہے اور وہ بھی بڑھاپے کا بیٹا اور اکلوتا بیٹا اور ایسا لائق اور خوبصورت بیٹا مال و آبرو بھی اس کے لیے قربان کرنا بڑے جوانمردوں کا کام ہے، مگر وہ بھی بڑی سرکار عالی ہے، کسی کی جان اور مال لیتے نہیں، صرف دیکھتے ہیں۔ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ اس کی جگہ خدا نے ایک مینڈھا موٹا تازہ دکھا کر حکم دیا کہ اس کو ذبح کر دو، چنانچہ اس کو کیا اور فرزند سلامت آیا، آخرت کے درجات دُنیا کی ابد تک نیک نامی ذکرِ جمیل اس کے بدلہ میں حاصل کیا۔ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ پچھلی اُمتوں کے لوگ ہمیشہ اُن پر سلام بھیجتے ہیں اور قیامت تک بھیجا کریں گے اور کچھ ان پر موقوف نہیں۔ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ہم ہمیشہ نیکوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

ایک بیٹے کو ذبح کرنے چلے تھے، اُس کو بھی خدا نے سلامت رکھا اور ان کے خلوص کے بدلہ میں وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ اور دوسرے بیٹے اسحاق کا مژدہ بھی دیا جو نبی اور نیک بختوں میں سے تھے، چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے، جس کی نسل سے سینکڑوں بادشاہ اور ہزاروں نبی نکلے اور اُن کو خدا نے برکت دی۔ یہ ہے توحید و اخلاص و ایمان کا نتیجہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت نبی ﷺ کے ہم زمانہ لوگوں عرب و یہود و نصاریٰ وغیرہم کو جوان کی ذریت کہلانے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔ یہ سناتا ہے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِيْنٌ کہ اُن کی نسل کے لوگوں میں سے نیک بھی ہیں، جیسا کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور اُن کے پیرو اور ظالم بھی ہیں اور وہ ظلم انہی کے لیے ہے، اس کا وبال انہی پر پڑے گا، بت پرستی، بدکاری کا وہی نتیجہ پاویں گے۔ اس جملہ میں تعریض ہے کہ جو ابراہیم و اسحاق و اسماعیل علیہم السلام کے طریقے پر نہیں، وہ ان کی نسل سے ہونے کے فخر کو محض بیکار جانے۔ نہ وہ اس برکت کے وعدہ کا شریک ہے، ان کے بیٹے نے تو باپ کی (راہِ حق میں) یہاں تک اطاعت کی کہ جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ پھر یہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات بھی نہیں مانتے (کہ خدا پرستی اختیار کریں بدکاری کو چھوڑیں، اس کی نسل کے مقدس رسول آخر الزمان علیہ السلام کے کہنے پر چلیں) تو کیسے فرزند ہیں؟ یہی مقصود ہے، اس قصہ سے **دوسری بات** قابل بحث یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں میں سے کون سے کے لیے ذبح کا حکم ہوا تھا؟ عمر و علی و عباس بن عبدالمطلب و ابن مسعود و کعب احبار و قتادہ و سعید بن جبیر و مسروق و عکرمہ و زہری و سدی و مقاتل رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور یہود و نصاریٰ بھی اسی کے قائل ہیں اور توریت سفرِ پیدائش کے بائیسویں باب میں بھی یہی ہے۔

اور ابن عباس و ابن عمر و سعید ابن المسیب و حسن بصری و شعبی و مجاہد و کلبی وغیرہم علماء کا ایک جم غفیر یہ کہتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا۔ مفسرین نے فریقین کے دلائل کو نقل کیا ہے، ابن جریر مفسر نے پہلے قول کی تائید کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں دوسرے قول کی بڑی تائید کی ہے۔

فریقین نے دلائل میں قرآن مجید کے قرائن اور احادیث و اقوالِ سلف کو پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی بابت ہماری یہ رائے ہے کہ ان سے دوسرے قول کی تائید نکلتی ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم بیان کریں گے اور احادیث کی بابت ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ جہاں تک ہم نے فریقین کی احادیث پیش کردہ پر نظر ڈالی، یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی صحیح حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔

اب ہم وہ دلائل بیان کرتے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

اوّل یہی آیات ثابت کر رہی ہیں، کس لیے کہ یہاں یہ ہے۔ وَهَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کہ الٰہی مجھے نیک لڑکا عطا کر جس کے بعد فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ کہ ہم نے اُس کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا، پھر اُسی حلیم لڑکے کا یہ تذکرہ ہے کہ فلما بلغ معه السعی الخ کہ وہ ہوشیار ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے اُس سے خواب بیان کیا کہ میں نے تجھ کو خواب میں ذبح ہوتے دیکھا ہے، پھر سب قصہ اُسی غلام حلیم کا ہے اور اُس کے بعد فرمایا۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ کہ ہم نے اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کا مژدہ دیا اور اسحاق کو نبی صالح کے وصف سے یاد کیا، جیسا کہ اُس کو حلیم کے وصف سے یاد کیا تھا۔ یہ صاف **قرینہ** ہے کہ وہ غلام حلیم کوئی اور لڑکا تھا، اسحاق کے سوا ورنہ پھر بارِ دگر اس کے اعادہ کی کیا ضرورت تھی اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اسحاق علیہ السلام سے پہلے بجز اسماعیل علیہ السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ یہی بڑے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے تخمیناً چودہ برس بڑے تھے، ہم اسی پر بس کرتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے اس پر ایک بڑا قوی شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ توریت سفر پیدائش کے ۲۲ باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نہیں بلکہ اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور موریہ پہاڑ پر قربان گاہ میں ذبح کر کے آگ میں جلانے لے گئے تھے، اس کا جواب بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ بارہا دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس جو بالفعل ایک کتاب توریت کے نام سے موجود ہے۔ یہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی توریت نہیں بلکہ ایک مجموعہ ہے، اس کے مضامین و دیگر قصص و حکایات و دستورات کا پھر یہ بھی تحریف سے خالی نہیں ہے، اس کے بھی اہلِ کتاب کے محققین مقر ہیں، پھر اس کتاب پر خصوصاً اُن مواقع میں جہاں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اسماعیل علیہ السلام کی فوقیت

ثابت ہو، کسی طرح سے اعتبار نہیں ہو سکتا اور جبکہ ہم بہت سے تاریخی واقعات میں غلطی دیکھتے ہیں، پھر کیونکر وثوق کریں؟

موابی لوگوں کا بنی اسرائیل سے جھگڑا رہا کرتا تھا، ان کو ولد الحرام بنانے کے لیے توریت میں یہ بھی لکھ مارا کہ لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا، اس سے یہ لوگ پیدا ہوئے۔ (معاذ اللہ)

اسی طرح حضرت خاتون ہاجرہ کو جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ لونڈی لکھ دیا، حالانکہ نہ ان کی کہیں بیع ثابت ہے نہ ان کا جہاد میں آنا۔ شاہ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا تھا، ان کی بزرگی کا معتقد ہو کر اور دراصل وہ شاہ مذکور کی بیٹی تھی۔ قدیم زمانہ میں ہند کے راجوں میں بھی یہی دستور تھا، اب اس سے ان کو لونڈی سمجھ لیا، حالانکہ قطورہ لونڈی کی اولاد کے لیے کوئی بھی توریت میں برکت کا وعدہ نہیں اور طرہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین میں دونوں بھائی اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کا شریک ہونا بھی لکھا ہے۔

اب غور کرو کہ انہیں یہود میں سے ایک فریق سامری ہے، ان کے پاس بھی ایک توریت ہے اور بیت المقدس کے مقابلہ میں انہوں نے بھی اپنی ایک ہیکل تعمیر کی تھی اور اپنی توریت میں اپنی ہی ہیکل کے لیے الفاظ بنائے جس پر وہ یہود کو ملزم کرتے ہیں۔

قرائن کے مطابق یہی ہے کہ یہ ذبح کا واقعہ حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا، کیونکہ یہ بڑے بیٹے تھے اور برکت کا ان سے وعدہ بھی تھا اور بڑے کا حق ہمیشہ سے ملحوظ رہا ہے اور اُس وقت تک یہی بیٹے تھے اور کوئی نہ تھا۔ رہی یہ بات کہ ان کو مکہ میں آ کر ذبح کرنا چاہا تھا، سو یہ ظاہر ہے کہ آپ یہیں تشریف لائے تھے اور بارہا آمد و رفت رہتی تھی۔ اسماعیل علیہ السلام بھی شام میں آتے جاتے تھے۔ یہ ذبح کا واقعہ بمقام منیٰ مکہ کے پاس ہوا ہے جس کی یادگار قربانی چلی آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر (بار بار) احسان کیا اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی مدد کی پھر تو وہی غالب رہے اور ان دونوں کو واضح کتاب دی (توریت) اور ان کو سیدھا راستہ دکھایا اور ان کے لیے آئندہ نسلوں میں یہ باقی رکھا (کہ لوگ کہتے ہیں) موسیٰ اور ہارون پر سلام اور ہم نیکوں کو ایسا

ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں (اے نبی!) اور بے شک الیاس بھی رسولوں میں سے ہیں، جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو۔ اللہ کو جو کہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے۔ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا تو وہ عذاب میں گرفتار کئے گئے، مگر اللہ کے خالص بندے (محفوظ رہے) اور پچھلی اُمتوں میں ہم نے ان پر یہ چھوڑا کہ الیاس پر سلام ہو۔ ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ : یہ **تیسرا قصہ** حضرت موسیٰ و ہارون علی نبینا وعلیہما السلام کا ہے جو آنحضرت ﷺ کے حال سے نہایت مناسبت رکھتا ہے، اس جگہ ان دونوں بھائیوں کی نسبت صرف یہی مقصود تھا کہ ان دونوں کو اور ان کی برکت سے ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے رہائی دی۔ شاہِ مصر کی قید اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے اور نہ صرف بلا سے بچایا بلکہ فرعونیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے غالب کر دیا کہ ان کا داؤ نہ چلا، صاف ملکِ مصر سے مصریوں کا مال و زیورات لے کر نکل آئے اور اے عرب! تمہاری بہتری بھی محمد ﷺ کی اتباع میں ہے، تم بھی انہی کی برکت سے ملکوں کے مالک ہو جاؤ گے اور ان دونوں کو روشن کتاب یعنی توریت دی تھی، جس طرح محمد ﷺ کو قرآن دیا اور ان کو راہِ راست کی ہدایت کی جس طرح کہ حضرت کو اور دُنیا میں ابد تک ان کا ذکر جمیل باقی چھوڑا پچھلی اُمتیں ان پر سلام بھیجتی ہیں اور نیکوں کا یہی بدلہ ہوا کرتا ہے۔

الیاس کا قصہ : وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ **چوتھا قصہ** حضرت الیاس علیہ السلام کا ہے۔ کتاب السلاطین کے سترہویں باب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جلعاء شہر کے رہنے والے تھے جو ملک شام میں ہے اور اخی اب بادشاہ بنی اسرائیل والی شہر سمرون کے عہد میں تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً نو سو دس برس پیشتر، یہ یاہو نبی کے بعد مبعوث ہوئے تھے۔ دوسری کتاب السلاطین کے پہلے باب میں یہ ہے۔ اخیز ماہ اخی آب کے بیٹے نے چند قاصد بھیجے کہ جاؤ عقرون کے معبود بعل زبوب سے پوچھو کہ میں اس بیماری سے چنگا ہوں گا کہ نہیں اُس دم خدا نے حضرت الیاس علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ اُن قاصدوں سے کہہ دے کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر بعل سے پوچھا تو اپنے بستر پر مرے گا، قاصد بادشاہ پاس آئے اور کہا ایک شخص نے ہمیں یہ کہہ کر واپس بھیجا ہے، بادشاہ نے اُس کی شکل پوچھی تو اُنہوں نے کہا کہ وہ بہت بالوں والا آدمی تھا اور چمڑے کے تسمے سے اپنی کمر کسے ہوئے تب اُس نے کہا وہ تسبیی ایلیاہ تھا۔

ان حضرت نے اخی اب کے عہد میں ایک سخت قحط پڑنے کی خبر بھی دی تھی اور ان کو وادی کریب میں رہنے کا حکم ہوا تھا جو یردن ندی کے سامنے ہے اور صبح و شام کوئی ان کے لیے گوشت و روٹی لاتے تھے اور نالہ کا پانی پیتے تھے، جب نالہ بھی خشک ہوا تو اُن کو حکم ہوا کہ اُٹھ اور شہر صیدا کے ساریپت کو جا وہاں ایک بیوہ تیری پرورش کرے گی۔ سو یہ آئے اور بیوہ سے کھانے پینے کو کچھ مانگا، اُس نے کہا مٹکے میں تھوڑا سا آٹا اور لوٹے میں کچھ تیل ہے جس سے ایک ٹکیا تلی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا، میرے پاس لا وہ لائی آپ کی برکت سے قحط کے دنوں تک وہ آٹا اور تیل کم نہ ہوا، پھر اس بیوہ کا بیٹا مر گیا تھا، ان کی دعا سے زندہ ہوا (کتاب السلاطین ۱۷۔ باب) اخی اب شاہ سمرون نے سینکڑوں نبی قتل کروا ڈالے تھے، عبدیاہ دیوان نیک تھا، صرف اس نے چند کو بچایا۔ ایلیاس کی تلاش تھی خدا کا حکم ہوا کہ اخی اب سے مل۔ یہ ملے اور باہم گفتگو ہوئی، آخر ان میں اور بعل کے کئی سو پجاریوں میں امتحان کی ٹھہری کہ دیکھیں کس کا معبود قدرت دکھاتا ہے؟ آخر حضرت ایلیاہ علیہ السلام غالب آئے۔ یہ معرکہ کرمل پہاڑ کی چوٹی پر گزرا تھا اور اُن پجاریوں کو ایلیاہ نے وادی قیسون میں لا کر قتل کیا اور بارش کی دُعا مانگی۔ خدا تعالیٰ نے قحط دُور کیا، مگر اس پر بھی ایزبل اس شاہ کے شریر اور بت پرست وزیر نے ایلیاہ علیہ السلام کی ہلاکت کا قصد کیا۔ ایلیاہ وہاں سے بیر سبع آئے، پھر وہاں سے جنگل میں چلے گئے، پھر حورب پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے، وہاں کچھ دنوں کے بعد اُن کو حکم ہوا کہ دمشق کو جا اور حزئیل کو مسوح کر کہ وہ اِرآم کا بادشاہ ہووے اور نمسی کے بیٹے یاہو کو مسوح کر کہ اسرائیل کا بادشاہ ہووے اور سقط کے بیٹے الیسیع کو مسوح کر کہ

تیری جگہ نبی ہووے، چنانچہ ایسا ہی کیا۔ پھر الیسع کو ساتھ لے کر یردن پار اُترے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آتشی رتھ آتشین گھوڑے جوتے ہوئے نمودار ہوا، اُس پر سوار ہو کر ایلیاہ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔ (۲ کتاب السلاطین، ۲ باب)

ان کو ایلیاہ بھی کہتے ہیں اور الیاس علیہ السلام بھی اور عرب کے لوگ الیاسین بھی کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ کوہ سینا، کوہ سینین، بعض کہتے ہیں جب ان کے اتباع کا لحاظ کرتے ہیں تو الیاسین کہتے ہیں ورنہ الیاس۔

اُس زمانہ میں بعل[1] ایک بت تھا، کسی عورت یا کسی اور چیز کے نام کا بہت لوگ اُسی کی پرستش کیا کرتے تھے، اسرائیل کا بے ایمان بادشاہ بھی اسی بلا میں گرفتار تھا۔ بعلبک شہر جو اب تک موجود ہے، اسی کے نام سے نامزد ہے۔

وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٤﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٣٦﴾ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ﴿١٣٧﴾ وَبِاللَّيْلِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٨﴾ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٩﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿١٤٥﴾ وَأَنبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ ﴿١٤٦﴾ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿١٤٧﴾ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٤٨﴾

(ع، النصف)

اور البتہ لوط بھی رسولوں میں سے ہے، جبکہ ہم نے اُس کو اور اُس کے سب کنبہ کو بچالیا، مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی، پھر اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا اور البتہ تم ان کی بستیوں پر سے صبح ہوتے اور رات کو بھی گزرتے ہو، پھر کیوں نہیں سمجھتے اور البتہ یونس رسولوں میں سے ہے، جبکہ وہ بھاگ کر بھری کشتی کی طرف آیا، پھر ان کے نام کا قرعہ نکلا تو دریا میں پھینک دیے گئے۔ پھر اُن کو مچھلی نگل گئی اور وہ بہت ہی شرمندہ تھے، پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو اُس کے پیٹ میں حشر تک پڑے رہتے۔ پھر ہم نے اُس کو چٹیل میدان میں لا ڈالا اور وہ بیمار تھے اور اس پر ہم نے کدو کا ایک پیڑ اُگا دیا اور اُس کو لاکھ آدمیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کی طرف بھیجا۔ پھر وہ ایمان لائے تو اُن کو ایک وقت تک رسایا بسایا۔

تفسیر: وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ یہ پانچواں قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے، بحیرہ مردار کے پاس چند بستیاں تھیں۔ سدوم عمورہ وغیرہ وہاں حضرت رہتے تھے، ان لوگوں کو بدفعلی کی عادت تھی، لڑکوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے۔ حضرت نے بہت کچھ سمجھایا۔ آخر نہ مانے خدا نے اُن کو ہلاک کیا۔ لوط علیہ السلام اور اُس کا خاندان بجز بیوی کے سب بچے باقی سب برباد ہو گئے، وہ

[1] یہ بائیس ہاتھ کا بت سونے کا یا کسی عمدہ دھات کا تھا۔ چار سو پچاس پجاری تھے۔ جو نبی کہلاتے تھے لوگوں کو غیب کی خبریں دیا کرتے تھے خلقت ان سے مدد مانگنے آتی تھی نذریں چڑھاتی تھی ایک بڑی پر تکلف درگاہ بنا رکھی تھی اور اس کی تعظیم ادب کے قاعدے مقرر کر رکھے تھے یہ بدبخت مجاور نئی نئی اس کی کرامات و حکایات لوگوں کو سناتے تھے کہ فلاں کی یہ مراد بعل نے دی فلاں نے نذرانہ ادا نہ کیا تھا اس کو یوں برباد کیا سجدہ کیا کرتے تھے اس کے آگے قربانی ہوتی تھی باجے بجا کرتے تھے ایک عجب ٹھاٹھ بنا رکھا تھا جو حضرت الیاس علیہ السلام کے ہاتھ سے مدھم ہو گیا۔ ۱۲ منہ

بستیاں اُلٹی گئیں۔ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ قریش شام کے ملک میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے تھے، یہ اُلٹی ہوئی بستیاں اُن کو رستے میں ملتی تھیں، کبھی قافلہ کو رات وہاں پڑتی تھی، کبھی صبح ہوتے قافلہ وہاں سے نکلتا تھا۔ یہ ہیں معنی مُصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ کے فرماتا ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تم پھر بھی عبرت نہیں کرتے۔ پیغمبر کی مخالفت سے باز نہیں آتے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ یہ چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے جس کا مفصل بیان ہم سورۂ یونس میں کر آئے ہیں۔ یہ حضرت بھی بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ عبرانی میں اُن کو یونہ کہتے ہیں۔ متی ان کے والد کا نام ہے۔ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو باسٹھ برس آگے ان کو حکم ہوا کہ شہر نینوہ میں جا کر منادی کرے۔ انہوں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ حلیم وغفار ہے جس عذاب کا میں ان سے وعدہ کروں گا، اُس کے موافق شاید ان پر بلا نہ پہنچے، میں جھوٹا پڑوں اس لیے وہاں سے بھاگ کر شہر ترسیس کو چلے اور یافہ سے جو جہاز ترسیس جانے کو تھا، اُس میں سوار ہو گئے۔ رستہ میں سخت طوفان آیا، قرعہ ڈالا گیا کہ کس کے سبب سے یہ بلا آئی ہے؟ انہی کا نام نکلا۔ ملاحوں نے ان کو سمندر میں ڈال دیا، مچھلی نے لقمہ کر لیا، اُس کے پیٹ میں جا کر خدا تعالیٰ سے دعا کی اور تسبیح وتقدیس کی جس کے سبب ان کو مچھلی نے کنارہ پر اُگل دیا، اگر یہ دُعا وتسبیح نہ کرتے، وہیں مرکر[1] رہ جاتے، قیامت تک سمندر ہی میں رہتے۔ مچھلی کے اندر تین رات دن رہنے سے بیمار ہو گئے تھے، بدن کی کھال گل گئی تھی، خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس پر چھاؤں کرنے کو کدو کی قسم سے ایک پیڑ اُگا دیا، یقطین یفعیل من قطن بالمکان اذ قام بہ والا کثر علی انھا کانت الدباء غطتہ باوراقھا عن الذباب (بیضاوی)

پھر ان کو حکم ہوا کہ اُٹھ اس بڑے شہر نینوہ کو جا اور وہاں اس بات کی منادی کر جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں، تب یونس علیہ السلام نینوہ[2] گئے۔ نینوہ کا احاطہ یا شہر پناہ تین دن کی راہ تھی، اس میں لاکھ آدمی[3] سے زیادہ رہتے تھے۔ مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ یہ تخمینہ دیکھنے والے کے محاورہ کے مطابق ہے کہ اس کو دیکھنے والا یہ خیال کرتا تھا، ورنہ خدا کو اصلی تعداد معلوم تھی اور ہے۔ شہر میں جا کر وعظ کیا اور بت پرستی کی سزا میں عذاب الٰہی نازل ہونے کی خبر دی، لوگوں نے اور وہاں کے بادشاہ نے توبہ کی اور سب نے روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ حیوان کے بچوں کو بھی کھانے پینے سے باز رکھا اور سب گریہ وزاری میں مصروف ہو گئے۔ خدا نے عذاب ٹال دیا، مگر یونس علیہ السلام سخت رنجیدہ ہوئے کہ میں لوگوں کی نظروں میں جھوٹا ٹھہرا اور عرض کی کہ خداوندا میں تجھے پہلے ہی سے جانتا تھا کہ تو رحیم وکریم ہے۔ غصہ کرنے میں بڑا دھیما ہے، اس لیے میں نینوہ آنا پسند نہیں کرتا تھا اور ترسیس کو بھاگا تھا۔

یونس علیہ السلام شہر کے باہر ایک جھونپڑی بنا کر شہر کا حال دیکھنے کے لیے بیٹھ گئے، ان پر سایہ کرنے کو ایک ارنڈی کا پیڑ اُگا۔ اگلے دن اُس کو کیڑے نے کاٹ دیا، وہ سوکھ گیا جس سے یونس علیہ السلام کو رنج ہوا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا، تجھے ایک درخت پر رحم آیا جو تیری محنت[4] سے نہ پیدا ہوا تھا، پھر میں ایسے شہر پر کیوں رحم نہ کرتا؟ یہ بھاگنا اور نینوہ آنے سے انکار کرنا اور عذاب نہ آنے سے رنجیدہ ہونا خدا تعالیٰ اور اُس کے نبی میں راز ونیاز کی باتیں ہیں۔ یہ معصیت نہیں۔ اگر یہ گناہ ہے تو انہی کی شان کے خلاف بات ہونے کے لحاظ سے گناہ ہے۔ جس پر وہ استغفار کرتے اور معافی چاہتے تھے۔ قانونِ شریعت کے برخلافی کے گناہ نہ تھے۔

---

[1] ای لصار بطن الحوت لہ قبرا الی یوم البعث ۱۲ منہ

[2] شہر موصل کے قریب یہ شہر آباد تھا۔ ۱۲ منہ

[3] ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ کتاب یونہ باب ۵ ودرس ۱۱ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اویزیدون کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا بیس ہزار (ترمذی) بعض روایات میں آیا ہے تیس ہزار ایک لاکھ۔ ۱۲ منہ

[4] بعض کہتے ہیں او بمعنی و یعنی لاکھ اور اس سے زیادہ۔ ۱۲ منہ

فَسَاهَمَ المساہمۃ الاقتراع قرعہ انداختن، المُدحَضِيْنَ المغلوبین یقال دحضت حجتہ داوحضہا اللہ واصلہ الزلق من مقام الظفر، ملیم نادم، شرمندۃ من الملامۃ العراء الصحراء میدان جنگل چٹیل، بحر روم کا کنارہ جہاں بجز ریت کے اور کچھ نہیں تھا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

پس (اے نبی!) اُن سے پوچھو کہ کیا آپ کے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ دیکھ بھی تو رہے تھے۔ دیکھو یہ جھوٹ کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی ہے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹیوں کو بیٹوں سے زیادہ پسند کیا ہے۔ تمہیں کیا ہوا تم کیسا حکم لگاتے ہو۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی کھلی ہوئی سند ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب تو پیش کرو اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ قائم کیا ہے۔ حالانکہ جن خود جان چکے ہیں کہ یہ پکڑ کر لائے جائیں گے (قیامت کے دن) اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں، مگر اللہ کے خالص بندے (جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں) پھر تم اور جن کو تم پوجتے ہو خدا سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اُسی کو جو خود جہنم میں جانے والا ہے۔

تفسیر: فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر مذاہب مشرکین اور اُس کے قبح کی طرف پھر رجوع کرتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ عرب خصوصاً قریش کے چند قبائل سلیم، خزاعہ، جہینہ، فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر ان سے مدد مانگتے تھے اور ان کے نام کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے، ان کے رد میں فرماتا ہے کہ ان سے یہ تو پوچھو کہ بیٹیوں کا ہونا تم پسند نہیں کرتے ہو، بیٹوں کے مقابلہ میں پھر خدا کیوں پسند کرنے لگا؟

دوم خود فرشتوں کا اناث ہونا ان کو یا تو حس سے معلوم ہوا، سو وہ بھی غلط ہے کس لیے کہ ان لوگوں نے ان کو دیکھا نہیں۔ چہ جائیکہ پیدا ہونے کے وقت دیکھا ہو، اس بات کو اس آیت میں بیان فرماتا ہے۔ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ یا کسی کی خبر سے کہ کسی مخبر صادق نے ان کو اس بات کی خبر دی ہو، سو یہ بھی نہیں اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ اَلَا اِنَّهُمْ مِنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ کہ وہ محض جھوٹ کہتے ہیں۔ از خود گھڑ کر کسی نے ان کو یہ خبر نہیں دی ہے، یعنی تو ہم باطل و خیالِ فاسد ہے یا کسی دلیلِ عقلی سے ثابت ہوا ہو، سو یہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات میں اکمل ہے اور اکمل خسیس کو نہیں پسند کیا کرتا ہے بلکہ اپنے لیے عمدہ چیز پسند کرتا ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ یہ تو ان کے خلاف میں دلیلِ عقلی تھی۔ اب ان سے دلیل عقلی ان کے مطلب پر طلب کرتا ہے، اَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ الخ کہ اب تم کوئی دلیل

صحیح ہوتو لاؤ، اگر سچے ہو اور دلیل ان کے پاس کوئی بھی نہیں، پس ثابت ہوا کہ وہ صریح غلطی میں ہیں۔

مجوس کے مذہب کے بھی بعض قبائل عرب معتقد تھے، ان کا مذہب ہے کہ شیطان خدا کا بھائی ہے، پس جو نور و خیر محض ہے وہ اللہ ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور جو ظلمت و شر ہے، اُس کا نام اہرمن ہے، یعنی شیطان جو از قسم جن ہے۔ اس بات کو اس آیت میں رد کرتا ہے۔ وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا الخ کہ ان لوگوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ برادری قائم کیا ہے، حالانکہ جنوں کو خود معلوم ہے کہ اس بات کے کہنے والے محضرون پکڑے جاویں گے، یعنی جن بھی ان کو جھوٹا جانتے ہیں یا یہ معنی کہ جن جانتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے رشتہ دار نہیں بلکہ محکوم و مخلوق ہیں، اس کے آگے یا اس کے حکم قضاء وقدر کے آگے وہ محضرون ہیں، عاجز ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الجنۃ سے مراد فرشتے ہیں، عرب کے بعض قبائل یہ خیال کرتے تھے کہ خدا نے جنیوں کو جورو بنایا اور ان سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ ہنود بھی دیوی اور دیوتاؤں کی نسبت ایسے ہی خیالاتِ فاسدہ پکائے ہوئے ہیں اور غیر محسوس چیزوں کی نسبت خیالات عامہ ایسی ہی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اُن کے خیالاتِ فاسدہ سے اپنی پاکیزگی اور برأت بیان فرماتا ہے۔ فقال سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ اُن کی باتوں سے جو وہ بناتے ہیں کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں، وغیرہ پاک ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ استثناء منقطع ہے۔ یہ معنی لیکن اللہ کے مخلص یعنی خاص اور خالص بندے ایسی باتیں نہیں بناتے، اس کے بعد کفار کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ کہ تم اور تمہارے معبود کہ جن کو تم خیر و شر کا مالک جان کر پوجتے ہو، ان بے ہودہ باتوں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اُسی کو کہ جس کی تقدیر میں دوزخ لکھا ہے۔ فاتنین مضلین یقال فتنت الرجل وافتنتہ ویقال فتنۃ علی الشیء و بالشیء یقال فتن فلان علی فلان امراتہ ای افسدھا علیہ فالفتنۃ ھھنا بمعنی الاضلال والافساد، صالِ جمہور نے بکسر لام پڑھا ہے، کیونکہ ناقص اور مضاف ہے، ی التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾

(فرشتے کہتے ہیں) اور ہم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس کے لیے ایک درجہ معین نہ ہو اور ہم ہی ہیں جو عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور ہم اس کی

تسبیح کیا کرتے ہیں اور البتہ عرب کے کافر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کا کوئی تذکرہ ہوتا تو ہم اللہ کے خالص بندے ہو جاتے۔ پھر وہ اس سے منکر ہو گئے، پھر ابھی معلوم کر لیں گے اور البتہ ہمارے بندوں کے لیے ہمارا حکم پہلے سے ہو چکا ہے کہ انہی کی مدد کی جاوے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔ پھر آپ ان سے ایک وقت تک منہ موڑے رہو اور ان کو دیکھتے رہو۔ سو وہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ پھر کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں، پھر جب وہ ان کے میدان میں اُترے گا تو جن کو ڈر سنایا جا چکا ہے ان کی کیا ہی منحوس صبح ہوگی اور ان سے ایک وقت تک منہ موڑے رہئے اور دیکھتے رہئے سو وہ بھی دیکھ لیں گے (کیا نتیجہ ملتا ہے)۔ آپ کا رب جو رب العزت ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں ان سے پاک ہے اور رسولوں پر سلام اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ملائکہ کے وہ صفات اُن کی زبانی اقرار کے موافق بیان فرماتا ہے کہ جن سے اُن کا بندہ اور اُس کی مخلوق ہونا ثابت ہو جاوے اور مشرکین کا خیال رد ہو جاوے فقال (۱) وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ (۲) وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ، (۳) وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یہ تین صفت ملائکہ کی ہیں کہ وہ یہ تین باتیں آپ کہتے ہیں، ان کا اقرار کرتے ہیں۔ پہلی صفت یہ کہ ہر ایک فرشتہ کا ایک درجہ معین ہے، اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ عام ہے کہ وہ درجہ تصرفاتِ عالمِ سفلی وعلوی کا ہو یا عبادت وتقرب کا ہو جو کام جس کو اور جو مرتبہ جس کو دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتا۔ دوسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ حکم الٰہی بجالانے کے لیے یا عبادت کے لیے ہر گھڑی صف بستہ کھڑے رہتے ہیں، کسی بات میں کچھ بھی سرتابی نہیں کر سکتے۔ پھر جب ان کا یہ حال ہے تو وہ بیٹی اور بیٹے کیونکر ہوئے؟ اور کسی کو بغیر حکم الٰہی کے کیا نفع ونقصان دے سکتے ہیں؟ تیسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کا بری باتوں سے پاک ہونا بیان کرنا اور دل میں اس کا عقیدہ رکھنا۔ اگر ان تینوں صفتوں کو ملایا جاوے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ہر ایک فرشتہ کے لیے بارگاہِ رب العزت میں ایک مقام معین ہے، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اُسی حد پر صف باندھے ہوئے تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ کلماتِ حصر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ملائکہ کی تسبیح وتہلیل عبادت ومعرفت کے مقابلہ میں بندوں کی معرفت وعبادت محدود بلکہ کالعدم ہے۔ (تفسیر کبیر)

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ الخ مشرکین کے خیالاتِ باطلہ کا رد کر کے ان کی نبی علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے جو تمنا تھی، اُس کو بیان کر کے اُن کو نادم کرتا ہے کہ پہلے تو وہ یہود ونصاریٰ کی سرکشی وہلاکت کا حال سن کر یہ کہتے تھے کہ اگر پہلوں کی کتابوں میں کی کوئی کتاب توراۃ وانجیل جیسی ہمارے پاس ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے ہو جاتے، اُس پر خوب عمل کرتے، پھر جب وہ کتاب یعنی قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ ان کے پاس آئے تو اُس کے منکر ہو گئے، اب اس انکار کا نتیجہ ان کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا، جو کچھ ہم نے رسولوں کی معرفت فرمایا ہے۔ وہ سچ ہو کر رہے گا اور ہمارا گروہ غالب رہے گا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ وہ کس لیے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور ہمارا عذاب جب کسی قوم پر آتا ہے تو اُن کا برا دن اور اُن کی صبح بری صبح ہوتی ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو تھوڑے زمانہ تک ان سے اعراض کر اور صبر کر اور دیکھتا رہ وہ آپ دیکھ لیں گے، اس میں فتح بدر ودیگر فتوحات کی طرف بھی اشارہ ہے اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ بلا پیش آنے والی ہے اُس کی طرف بھی۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ سورہ کو کن عمدہ مطالب کی طرف اشارہ کر کے تمام کرتا ہے۔ فقال سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، عاقل کے لیے تین باتوں کی معرفت اور علم اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔ (۱) خدا تعالیٰ اور اُس کے صفات کا جاننا حتی المقدور اور اُس کے صفات تین قسم کے ہیں۔ اول تمام عیوب ونقص سے اُس کو پاک جاننا اس کے لیے لفظ سبحان آیا۔ دوم اس کے لائق صفاتِ الوہیۃ سے واقف ہونا اس کے لیے رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ آیا۔ ربوبیت، حکمت ورحمت، علم وقدرت پر دال ہے۔ عِزَّۃِ کمالِ قدرت وجبروت پر۔ سوم یہ کہ وہ اپنی خدائی میں شریک ہونے سے پاک ہے، اس کے لیے عَمَّا يَصِفُوْنَ آیا۔ (۲) یہ کہ دُنیا

میں کن لوگوں کا طریقہ ایسا ہے کہ جس کے اختیار کرنے سے سعادتِ دارین حاصل ہو اور سلامتی اور ذکرِ جمیل کے قابل ٹھہرے؟ سو وہ رسولوں کا طریقہ ہے، اس کی طرف وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ میں اشارہ ہوا کہ ان پر سلامتی ہے۔ (۳) مرنے کے بعد کیا ہوگا اور کیا پیش آوے گا؟ اس بات کی طرف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں اشارہ کیا کہ جو شخص ہر ایک ستائش کے قابل ہے اور وہ تمام عالم کا مربی اور خیر محض ہے، مرنے کے بعد رسولوں کے مطیع کو اُس کی ربوبیت و رحمت حیاتِ ابدی و سرورِ سرمدی عطا کرے گی۔ الٰہی ہم کو بھی نصیب کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ① بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ③ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ

قسم ہے قرآن کی جو سراسر نصیحت ہے (ہمارا نازل کیا ہوا ہے) پر منکر سرکشی اور مقابلہ میں پڑتے ہیں، ان سے پیشتر ہم بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، پھر وہ چلانے لگے مگر بے سود) کیونکہ رہائی کا وقت نہ رہا تھا اور منکر تعجب کرنے لگے کہ انہی میں سے ایک شخص ڈرانے والا آیا اور منکر کہہ اُٹھے کہ یہ تو جادوگر بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود کر دیا، البتہ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے اور اُن میں سے سردار یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ اٹھ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ یہ تو ایک فریب کی بات ہے۔ یہ بات تو ہم نے پچھلے دین میں بھی نہیں سنی تھی۔ یہ تو ایک بنائی ہوئی بات ہے۔ کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت اتاری گئی۔

ترکیب : ص قرء الجمهور باسکان الدال وقرئ بکسر بالالتقاء الساکنین اولکونہ امرا من صادی الشیء قابلہ وعارضہ ای عارض بعملک القرآن وقرئ بالفتح للتحریک و القرآن الواو للقسم وقیل معطوف علی القسم وهو صاد وجواب القسم محذوف لقد جاءکم الحق او ما یناسب المقام، ولات التاء زیدت علی لا کما تزاد علی رب وثم ربۃ وثمۃ واکثر العرب تحرک هذه التاء بالفتح واما فی حالۃ الوقف فبعضهم یقف بالتاء لان الحروف لیست موضع تغیر وبعضهم بالهاء حین علی مذهب سیبویہ خبر لات واسمها محذوف لانها عملت عمل لیس ای الحین حین هرب وعند الاخفش هی العاملۃ فی باب النفی فحین اسمها وخبرها محذوف ای لاحین مناص لهم والجملۃ حال من فاعل نادوا ای استغاثوا والحال انہ لم یبق وقت الهرب۔

تفسیر : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (وقالہ القرطبی) ترمذی و نسائی و احمد و ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و حاکم و بیہقی و ابن جریر و ابن المنذر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے تو کفارِ قریش کہ جن میں ابوجہل بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرنے آئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے معبودوں کی ہجو کیا کرتے ہیں۔ ابوطالب نے ان کے سامنے آپ سے پوچھا، آپ نے

[1] مناص مصدر من ناص ینوص نیوص ادمناصا ای فر وراغ یقال ناص عن قرنہ۔ ۱۲ منہ اصلہ نوص من ناص ینوص معناہ گریختن وخویشتن باز کشیدن ولات عین مناص ای الیس وقت تاخر وفرار۔

فرمایا کہ میں ایک ہی بات ان سے کہتا ہوں۔ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جاوے اور عجم جزیہ دیوے لوگوں نے کہا ایک کیا دس بات ایسی ہوں تو مان لیتے ہیں۔ فرمایئے، وہ ایک بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ لا الہ الا اللہ یہ سنناتھا کہ کپڑے جھاڑتے ہوئے خفا ہو کر یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ سب معبودوں کا ایک معبود کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے، اس پر یہ سورہ ص نازل ہوئی، بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ تک۔

ص حروفِ مقطعات میں سے ہے، ان کے متعلق ہم کئی جگہ بحث کر چکے ہیں۔ قرآن مجید کی قسم کھا کر اور اُس کا معزز اور نصیحت ہونا (ذی الذکر) ثابت کر کے یہ فرماتا ہے کہ توحید ہی کا مسئلہ برحق ہے۔ بت پرستی باطل ہے۔ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ توحید وخدا پرستی میں کوئی شک وتردد کی گنجائش نہیں بلکہ منکر لوگ تکبر اور ضد کی راہ سے نہیں مانتے اور تکبر اور ضد ہمارے مقابلہ میں کیا وجود رکھتی ہے۔ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ان سے پہلے ہم بہت سی قوموں کو غارت کر چکے ہیں، جنہوں نے رسولوں سے مقابلہ کیا تھا۔ زور میں آ کر پھر جب اُن پر بلا آئی تو نادوا الغیاث الغیاث کے نعرے بلند کرنے لگے، چیخنے چلانے لگے مگر کیا فائدہ کوئی بھاگنے کا وقت نہ رہا تھا۔ آخر غارت ہوئے عاد وثمود وقوم لوط وغیرہم۔

وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَ الخ یہ کفار اس بات سے تعجب کرتے ہیں کہ انہی کی قوم اور جنس میں سے ایک شخص خدا کا رسول کیونکر ہو گیا۔ (یعنی محمد ﷺ) اور اُس کو جادوگر اور جھوٹا بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود یعنی اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے، ان بہت سے معبودوں کے مقابلہ میں اور ان کی جگہ ایک کو قائم کرتا ہے۔ یہ تعجب کی بات ہے، ایک شخص تمام کاروبار مخلوق کی نگرانی کاربراری کیونکر کر سکتا ہے؟ یہ کہہ کر کفار کی جماعت اُٹھ کھڑی ہوئی کہ اُٹھ چلو اور اپنے معبودوں کو پوجے جاؤ، یہ ایک نئی بات ہے۔ پہلے ہم نے کسی سے نہیں سنی نہ کوئی پہلوں میں سے کہتا تھا اور کیا وجہ کہ ہم میں سے ذکر یعنی پیغمبری اور قرآن اسی ایک پر نازل ہوا؟

بَلْ هُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ﴿۹﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ ع وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

بلکہ اُن کو تو میری نصیحت میں بھی شک ہے، بلکہ انہوں نے ابھی میرا عذاب بھی نہیں چکھا، کیا اُن کے پاس خدائے غالب وفیاض کے خزانے ہیں۔ کیا آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے، حکومت ہے پھر تو ان کو سیڑھیاں لگا کر اُوپر چڑھ جانا چاہیے (کہ جا کر خدا سے لڑیں) وہاں ان کے لشکر شکست پائیں گے۔ ان سے پہلے قوم نوح اور عاد میخوں والا فرعون اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والے بھی جھٹلا چکے ہیں، یہ ہیں وہ (شکست یافتہ) لشکر۔ ہر ایک ہی نے تو رسولوں کو

لے اوتاد جمع وتد میخ یہ استعارہ ہے عزت اور ملک کے لیے عرب اس کلمہ کو بڑے ذی عزت پر اطلاق کرتے ہیں بعض کہتے ہیں مجرموں کو جو میخا کیا کرتا تھا اس لیے ذوالاوتاد کہلایا بعض کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے گھوڑوں کی سونے کی میخیں تھیں ۱۲ منہ فواق سکون یا رجوع۔ ۱۲ منہ

جھٹلایا تھا، پھر تو میرا عذاب آموجود ہوا اور یہ (کفارِ مکہ) ایک ہی چیخ کے منتظر ہیں (آوازِ صور) جس کو کچھ دیر نہ لگے گی۔

ترکیب : جند مبتدءو مالللا بہام کقولہ جئت لامرماومن الاحزاب صفت لجند و مھزوم خبر ھنالك یجوزان یکون صفۃ لجند ای جند ثابت ھنا لک ویجوزان یکون متعلقا بمھزوم معناہ ان الجند من الاحزاب مھزوم ھنا لک اٰی فی ذلک الموضع۔

تفسیر : کفار نے جو آنحضرت ﷺ کو کاذب بلکہ کذاب ٹھہرایا تھا، ان کا تین شبہات پر مدار تھا، جن کو اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ (۱) الوہیت کی بابت تھا وہ کہتے ہے، اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ یہ شبہ اُن کو دو وجہ سے تھا۔ اول یوں کہ اُن کو نظر و استدلال کی عادت نہ تھی، صرف اُن کے اوہام محسوسات کے تابع تھے، محسوسات میں دیکھا کہ ایک شخص کی قدرت بہت سی خلقت کی محافظت وعلم کے لیے کافی نہیں، اس پر اُنہوں نے اس کو بھی قیاس کرلیا جواُن کے حواس سے پرے اور اوہام سے باہر ہے۔ دوسرے یوں کہ اُن کے اسلاف باوجودیکہ عاقل تھے اور ایک دو نہیں سینکڑوں تھے، سب شرک میں مبتلا تھے، پھر اُن کے مقابلہ میں یہ ایک شخص کیونکر صادق ہوسکتا ہے، عجاب میں عجیب سے زیادہ مبالغہ ہے، جیسا کہ طوال میں طویل سے زیادہ مبالغہ ہے، اس طرح عریض وعراض وکبیر وکبار (۲) نبوت کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ الخ یہ شبہ کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ یہ قوم صالح نے کہا تھا۔ وَلَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ یہ حضرت کی نسبت کہا گیا۔

اس شبہ کا جواب خدا تعالیٰ کئی طرح سے دیتا ہے۔ اول بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ذکری سے مراد دلائل کہ اُنہوں نے دلائلِ نبوت میں غور وفکر نہ کیا۔ ورنہ یہ شبہ زائل ہوجاتا اور غور وتامل نہ کرنا یوں ہی شک کرلینا، اُن کو اس لیے ہوا کہ ابھی میرا عذاب نہیں چکھا یعنی دنیا میں کوئی اس کی سزا اُن کو نہیں ملی، اگر ایسا ہو تو شک جاتا رہے۔ انسان یونہی بیجا حجتیں کیا کرتا ہے، مگر جب اس کو شاہی شوکت اور مار پیٹ دکھائی جاتی ہے تو ٹھیک ہوجاتا ہے یا کہو ذکر سے مراد وہ نصیحت ہے جو آنحضرت ﷺ اُن کو کرتے تھے، وہ اس میں غور نہ کرتے تھے اور عذابِ الٰہی سے بھی ڈراتے تھے، جب دُنیا میں وہ اُن پر ابھی نہیں آیا تو اور بھی دلیر ہوگئے، اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ یہ دوسرا جواب ہے کہ خدا زبردست بڑے بخشنے والے کے خزائنِ رحمت ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں کہ جس کو وہ دنیاوی مال واسباب کی وجہ سے معزز جانیں، اسی کو نبوت کا مرتبہ جلیلہ دیویں بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو اُس کے لائق دیکھتا ہے عطا کرتا ہے۔ خواہ غنی ہو خواہ فقیر، بلفظ وہاب اور عزیز اس کی خود اختیاری اور بے انتہاء بخشش کی طرف اشارہ کرکے یہ بتلا رہا ہے کہ دُنیا کی عزت اس کی بخشش کو احاطہ نہیں کرسکتی۔ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ یہ تیسرا جواب ہے کہ خزائن اگر ان کے پاس نہیں تو آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی حکومت بھی ان کو نہیں کہ جس کو ان کی مرضی ہو یہ عہدہ ملے، اگر اُن کو یہ بات حاصل ہے تو فلیرتقوا فی الاسباب تو ان سیڑھیوں پر چڑھ کر کہ جن کے ذریعہ سے پہنچنا ممکن ہو چڑھیں اور عرش تک پہنچیں اور تدبیرِ عالم اور ملکوت کریں اور جس کے پاس چاہیں وہاں سے وحی بھجوا دیں بلکہ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ الخ ان کے لشکروں کو شکست ہے۔ سلطنتِ آسمانی تو کیسی فتح مکہ یا فتح بدر کی طرف اشارہ ہے۔ كَذَّبَتْ الخ اس کے بعد اگلے لوگوں کی شکست اور اُن کے انکارِ رسل سے پستی وہلاکت یہاں فرماتا ہے، وَمَا یَنْظُرُ کہ یہ لوگ بھی عذاب اور ہلاکت کے منتظر ہیں، صیحۃ سے مراد ناگہانی ہلاکت کوئی شاعر کہتا ہے۔

صلاح الزمان بال برمک صیحۃ | خروا شد تھا علی الاذقان

بعض کہتے ہیں قیامت کے دن نفخ صور کی چیخ کے منتظر ہیں۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ

عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ

وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ

الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ

فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ

تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ

لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ

اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ

عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ

بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع

اور (تمسخر سے) کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارا حصہ ہم کو حساب کے دن سے پہلے ہی دے چک۔ (اے نبی!) ان کی ان باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجو جو باوجود قدرت وحشمت سے ہماری طرف بڑے رجوع تھے، ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو تابع کر دیا تھا جو اُس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) جو پرا باندھے رہتے تھے۔ ہر ایک اس کے تابع تھا اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والا سلیقہ بھی عطاء کیا تھا اور (اے نبی) کیا آپ کو دو جھگڑنے والوں کی خبر بھی پہنچی، جب کہ وہ دیوار پھاند کر آئے جبکہ وہ داؤد کے پاس داخل ہوئے تو وہ اُن سے گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا مت ڈرو، ہم دو جھگڑنے والے ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس اب انصاف سے ہم میں فیصلہ کر دیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہم کو سیدھا رستہ بتا دیں۔ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ اس کو بھی میرے حوالے کر دے اور مجھے کلام میں بدزبانی بھی کی ہے، داؤد نے کہا البتہ اس نے تجھ پر ظلم کیا جو تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا سوال کیا اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں، مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے (زیادتی بھی کرتے) اور وہ بہت ہی کم ہیں اور داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے اُن کو آزمایا ہے، پھر اُس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی، پھر ہم نے ان کو وہ معاف کر دیا اور البتہ ان کے لیے

ہمارے پاس مرتبہ اور اچھی منزلت ہے۔(ہم نے کہا) اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں بادشاہ بنایا، پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش نفس پر نہ چلنا کہ وہ تم کو اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دے گی جو لوگ اللہ کے رستہ سے بہکتے ہیں تو اُن کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے ہیں۔

ترکیب : القط النصیب و الحظ، حصہ والطیر معطوف علی الجبال محشورہ حال من الطیر الخصم فی الاصل مصدر فلذ الاثنین ولا یجمع وجمع الضمیر فی تسوروا اللاثنین جائزو اذا لاولی ظرف لنبا والثانیۃ بدل منھا الا الذین استثناء متصل۔

تفسیر : (۳) شبہ معاد کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ نقل کرتا ہے۔ وقالوا ربنا عجل لنا الخ کہ وہ قیامت کے قائم ہونے کو نہایت مستعد سمجھ کر پیغمبر علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ جو کچھ قیامت کے روز عذاب وثواب کا آپ ہمارے لیے وعدہ کرتے ہیں، وہ ہمارا حصہ جلد ہم کو دنیا ہی میں دے دیجئے، اس پر آپ کو تسلی دی جاتی ہے کہ اِصْبِرْ عَلٰی مَایَقُوْلُوْنَ ان کی ان بے ہودہ باتوں پر صبر کرو اور آپ کی تسلی کے لیے چند انبیاءِ اولوالعزم کا تذکرہ کرتا ہے کہ دُنیا میں غموم و ہموم و مصائب پر وہ بھی برداشت کرتے آئے ہیں اور ان کو بھی اپنی اُمت کے بے سمجھ اور جاہلوں سے سابقہ پڑا ہے۔ منجملہ اُن کے حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرماتا ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ کہ ہمارے بندے داؤد کو یاد کر جس کو یہ فضیلتیں حاصل تھیں۔ (۱) وہ قوت والا تھا جسمانی قوت کے سوا سلطنت کی بھی قوت دی گئی تھی اور اس پر روحانی قوت بھی تھی۔ (۲) باایں ہمہ وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے، ان لوگوں جیسے نہ تھے جو ذرا سی دولت وقوت میں بے ہوش ہو گئے۔ (۳) پہاڑ اور پرند صبح وشام اس کے ساتھ تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اس کی شرح پہلے ہو چکی ہے۔ (۴) اس کی حکومت وسلطنت کو بھی ہم نے مستحکم کیا تھا، بہت سے بادشاہ فرات سے لے کر مصر تک اس کے مطیع تھے۔ (۵) اس کو حکمت عطاء ہوئی تھی، ہر ایک قسم کے علوم نظریہ وعملیہ۔ (۶) اس کو گویائی بھی بڑی دی گئی تھی۔ فَصْلَ الْخِطَابِ بڑے فصیح وبلیغ اور پرگو تھے۔ اس کے بعد ان پر جو ایک عجیب وغریب واقعہ گزرا ہے۔ اس کو بطور استفہام کے شوق دلانے کے لیے بیان فرماتا ہے۔ فقال وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ یہ واقع موافق عبارت قرآنیہ کے یوں ہے کہ دو شخص داؤد کے پاس محراب یعنی خلوت خانہ میں دیوار پھاند کر آئے۔ ای قال تسورت تسورًا اذا علوته ای اتوه من سورة و هو اعلاه و المحراب المرادمنه البيت الذى كان داؤد يدخل فيه و يشتغل بطاعةربه وسمى بالمحراب لاشتماله على المحراب كما يسمى الشيء باشرف اجزائه (كبير ۲) ففزع منهم داؤد گھبرائے۔ یہ اس لیے کہ یہ دن کسی کے آنے کا نہ تھا دروازہ پر پاسبان تھے، اس سے سمجھے کہ دشمن نہ ہوں کیونکہ ان دنوں داؤد علیہ السلام سے فلسطانیوں کی لڑائی جاری تھی، اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ہم دو شخص اہلِ مقدمہ ہیں، فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ لاتخف آپ ہم کو دشمن جان کر نہ ڈریں، اس کے بعد مقدمہ شروع کیا چونکہ فرصت کا وقت جان کر خلاف قاعدۂ شاہی دیوار پھاند کر آئے تھے، جس پر داؤد کے دل میں خطرہ پیدا ہوا اور غصہ بھی آیا ہو، جس پر انہوں نے تسلی دی۔ تب ایک نے کہا میں اور یہ میرا دوست جھگڑتے ہوئے آئے ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے..... فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ آپ غصہ کو جانے دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے، یہ بات انہوں نے یا تو داؤد کا غصہ دیکھ کر کہی یا جس طرح عام جاہل لوگ حکام سے مقدمات کے وقت اپنے خیالات کے بھروسہ پر ایسے بے باکانہ الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ظلم نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اب قضیہ بیان کرنے لگے، اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ الخ کہ اس بھائی کے پاس ننانویں دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک۔ پھر یہ اُس کو بھی مجھ سے مانگتا ہے۔ وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ اور سخت گوئی اور بدزبانی بھی کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے سن کر کہا اس نے تجھ پر اس خواہش میں ظلم کیا اور اکثر باہمی شریک ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں باہم شریک ہوں گے، اس ایک والے کا حصہ بہت کم ہوگا یا کوئی ایسی شرط ہوگی کہ جس سے بڑا حصہ دار اس کو ایک دنبی کا بھی مالک نہ خیال کرتا ہوگا، نوکر جانتا ہوگا۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور داؤد سمجھ گئے کہ اس میں خدا نے میرے حلم وانصاف کا امتحان کیا ہے کہ ان دو شخصوں کے بے قاعدہ آنے اور سخت زبانی کرنے پر بھی انصاف کرتا ہوں یا شاہی زور

میں غصہ کر کے ان کو نکلوا دیتا ہوں اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ جو بے موقع اور گستاخانہ ان سے دادخواہی کے لیے آتا ہے تو گستاخی کی سزا دیتے ہیں۔ (کوئی شخص لاٹ صاحب کی بگھی تھام کر دیکھ لے) فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ اس پر داؤد نے اپنے رب سے معافی مانگی اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ معافی اس پر مانگی کہ دل میں بے قاعدہ آنے اور بے باکانہ بات چیت کرنے پر کچھ جوش آیا ہوگا جو مقتضائے بشریت و حکومت ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ہم نے داؤد کی یہ بات معاف کر دی۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ اور اُن کے لیے ہمارے نزدیک مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے کہ ذرا سی بات پر بھی سجدہ میں گر پڑے اور اُس کو بڑا گناہ سمجھ کر خدا سے معافی مانگی اور روئے۔ اچھے لوگ ذرا سی بات کو بھی پہاڑ سمجھا کرتے ہیں۔ اس امتحان میں پورا نکلنے کے سبب داؤد علیہ السلام نے ثابت کر دیا کہ میں خلافت اور انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو اس عہدہ کے لیے ممتاز فرمایا اور کہہ دیا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ کہ ہم نے تم کو زمین پر اپنی طرف سے خلیفہ حاکم یا نائب کیا ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ پس آپ لوگوں کے انصاف سے فیصلے کیا کیجئے۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى الخ اور اپنی خواہش پر نہ چلیے جو لازمۂ سلطنت ہے، کیونکہ جو اپنی مرضی پر چلتے ہیں، قانونِ الٰہی کا اتباع نہیں کرتے، اُن کو قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا۔ یہ ہے وہ واقعہ اور قرآن مجید کے الفاظ اسی پر چسپاں ہیں اور اسی کے تمام اہلِ حق قائل ہیں۔ امام رازی و بیضاوی و صاحبِ شرح مواقف وغیرہ جمہور مفسرین اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ آپ ان جاہلوں، سرکشوں کی بدزبانی اور بے ہودہ گوئی کا خیال نہ کریں جو آپ کو ساحر کذاب وغیرہ کہتے ہیں۔ داؤد کو دیکھو کہ باوجود سلطنت و شوکت کے ان سے جاہلوں نے کیا معاملہ کیا، جس پر انہوں نے صبر کیا، مگر دوسری کتاب صموئیل کے گیارہویں باب میں یوں لکھا ہے کہ ایک روز داؤد بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلتے تھے۔ انہوں نے ایک نہایت خوبصورت عورت کو نہاتے دیکھا، اس کا نام بنت سبع انعام کی بیٹی اور حتی اوریاہ کی جورو تھی، اُس کو بلوایا اور اُس سے صحبت کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی اور گھر چلے گئے، اس عرصہ میں اس کا خاوند بھی جنگ سے یروشلم میں آیا اور داؤد نے اس کے ہاتھ اس کے افسر یواب کے لیے خط دے کر پھر لشکر میں بھیج دیا، اس میں یواب کو لکھ دیا تھا کہ اوریاہ کو جنگ میں ایسے موقع پر آگے کرنا کہ مخالف سے بچ کر نہ آوے، چنانچہ یواب نے ایسا ہی کیا اور یاہ قتل ہوگیا۔ اس کی خبر داؤد کو ملی چند روز عدت کے گزر جانے کے بعد داؤد نے اس عورت کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔ پھر اس کتاب کے بارہویں باب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ناتن نبی کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اُنہوں نے جا کر داؤد سے پوچھا کہ ایک شہر میں دو شخص تھے، ایک بڑا مالدار بے شمار بھیڑ بکری رکھتا تھا، دوسرا کنگال کہ جس کے پاس بجز ایک بھیڑ کے اور کچھ نہ تھا جو اس نے پالی تھی اور اس کی گود میں سوتی تھی، اس مالدار نے اپنے مہمان کے لیے اس کی بھیڑ کو لے کر ذبح کر ڈالا، داؤد نے سن کر کہا وہ شخص واجب القتل ہے، تب ناتن نے کہا، وہ شخص تو ہی تو ہے۔ خدا فرماتا ہے، میں نے تجھ کو سب کچھ دیا اور بھی دیتا مگر تو نے اوریاہ کو قتل کر دیا اور اس کی جورو کو لے لیا، خدا فرماتا ہے تیرے گھر پر سے تلوار نہ اُٹھے گی اور تیری جوروؤں کو تیرے سامنے کھلے میدان میں تمام بنی اسرائیل کے سامنے تیرے ہمسایوں سے خراب کراؤں گا۔ اس کے بعد داؤد اپنے گناہ کے مقر ہوئے ناتن نے کہا تیرا گناہ خدا نے بخش دیا، پھر وہ لڑکا جو زنا سے پیدا ہوا تھا مر گیا اور اس کے بعد اس سے سلیمان پیدا ہوا انتہٰی ملخصًا۔

بعض بے ہودہ گو قصہ خوانوں نے اس قصہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفسیر میں چسپاں کر دیا کہ جو آیات مذکورہ میں تھا مگر قدماءِ اسلام اس کے سخت منکر تھے اور ہیں، چنانچہ سعید بن المسیب و حارث اعور نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص داؤد علیہ السلام کی نسبت اس قصہ کو نقل کرے گا، میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔ (ابن کثیر) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ نہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے، نہ کسی صحیح حدیث میں۔ مؤرخین کی باتیں ہیں جن کو بعض مفسرین نے تفسیر میں لکھ دیا۔ انتہٰی

امام رازی فرماتے ہیں کہ آیات میں واقعہ کے اول بھی داؤد علیہ السلام کی مدح ہے اور بعد میں بھی پھر کیونکر عقل میں آسکتا ہے کہ جس نے ناحق ایک دیندار کو قتل کرایا اور اس کی جورو چھین لی جس سے بڑھ کر شرک کے بعد اور کیا گناہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کی مدح کرے۔

اور اس پر طرہ یہ ہے کہ جو لوگ خصمان سے مراد دو فرشتے لیتے ہیں کہ وہ آدمیوں کی صورت میں آئے تھے، وہ معاذ اللہ فرشتوں کو بھی جھوٹ بولنے کا مرتکب بناتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے ایسی باتوں کا ظہور میں آنا خلافِ عقل ونقل ہے، وہ پاک دامن اور معصوم تھے۔ رہی کتاب صموئیل جس کی تقلید بعض حمقاءِ اسلام نے کی ہے، سو آج تک پورا پتا اہلِ کتاب کو بھی نہیں ملتا کہ اس کا کون مصنف ہے؟ وہ ایک تاریخ کی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود ونصاریٰ نے خواہ مخواہ الہامی فرض کرلیا۔

اس کے علاوہ خود انہی کی کتابوں میں کہ جن کو وہ الہامی مانتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت مواضع میں مدح اور پاکیزگی اور باخدا ہونا اور ان پر برکت نازل ہونا وغیرہ باتیں لکھی ہیں۔ پھر نہیں معلوم کہ ایسے شخص کی مدح کس نے لکھ دی اور جو مدح ٹھیک ہے تو قطعاً یہ قصہ کسی دشمن نے لکھ دیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے نکما تو پیدا کیا ہی نہیں۔ یہ گمان تو ان کا ہے جو کافر ہیں، پھر کافروں کی خرابی ہے جو آگ ہے۔ کیا ہم جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے، ہم ان کو برابر کردیں گے جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے (نہیں یہ قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے ان کی طرف نازل کیا تاکہ عقلمند اس کی آیتوں میں غور کریں اور سمجھیں اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطاء کیا۔ اچھا بندہ خدا کی طرف رجوع ہونے والا تھا، جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو گھوڑے حاضر کیے گئے۔ (یہاں تک کہ ان کے معائنہ میں نماز سے غافل ہوگئے) تو کہنے لگے کہ میں نے مال کی محبت کو یادِ الٰہی سے عزیز سمجھا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ (حکم دیا) کہ ان گھوڑوں کو میرے پاس لوٹا لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردن پر ہاتھ پھرانے لگا۔

تفسیر: کفار نے استہزاء وتمسخر کے طور پر کہا تھا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا ان کی غرض اس سے حشر کا انکار تھا، مگر یہ گفتگو جاہلانہ تھی، اس لیے حضرت ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ کی تسلی کے لیے داؤد علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جس سے داؤد علیہ السلام کا باوجود فضائلِ مذکورہ کے جاہلوں کی بے باکی پر برداشت کرنا ثابت ہوتا تھا، اس کے بعد حشر کا اثبات ایک اور طریقہ سے کرنا شروع کیا اور یہ کمال حسن بلاغت ہے۔ فقال وَمَا خَلَقْنَا

السَّمَآءَ الیٰ قولہ کالفجار۔

پہلے بطور تمہید کے یہ بیان کیا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے اندر کی چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے، اس بات کو ہر ذی عقلِ سلیم تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ قادر، فعل مختار، حکیم ہے۔ حکیم کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا مگر جو کور باطن ہیں جن کو کافر کہا جاتا ہے۔ وہ ایسا گمان کرتے ہیں تو اُن کی اس کوڑھ مغزی پر پھٹکار اور جہنم کی مار ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا تو دریافت کرنا چاہیے کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے سے اس نے کیا غایۃ ٹھہرائی ہے وہ یہ کہ انسان جو عقل و ادراک کے لحاظ سے سب مخلوق میں اشرف ہے اور آسمان و زمین اس کے قیام و نفع کے لیے ہیں، اس کے بنانے سے یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچان کرے اور اطاعت کرے۔ بری باتوں سے ڈرے اور یہ عالم نیکی اور بدی کی جزاء وسزاءِ کامل کا گھر نہیں ہے، یہ بھی ظاہر ہے، کس لیے کہ سینکڑوں کفار خالق کے منکر بدکردار اور بدذات ظالم فریبی عمر بھر دنیا میں عیش و آرام سے رہے ہیں اور بہت سے نیک ہر قسم کی تکالیف میں مبتلا رہے ہیں، پھر اگر کوئی دوسری جگہ دار الجزانہ ہو تو دونوں برابر ہو جاویں، بلکہ برے فائدہ میں رہیں اور ایسا کام اس حکیم کی شان سے بعید ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ ہر ایک کو نہایت حکمت اور مصلحتیں ملحوظ کہہ کر بنایا، پس ثابت ہوا کہ ایک اور جگہ دار الجزاء ہے اور وہ عالم آخرت ہے۔ ام نجعل الذین آمنوا الخ میں خدا تعالیٰ اسی مطلب کو نہایت اختصار اور بلاغت کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ اس لیے اس قرآن مجید کی کہ جس میں ان خوبیوں کے ساتھ یہ مطالب نفیسہ بیان کئے گئے ہیں، خوبی بیان فرماتا ہے۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ الخ کہ یہ کتاب جو ہم نے اے محمد (ﷺ) تجھ پر نازل کی ہے، بڑی بابرکت کتاب ہے، سمجھنے اور غور کرنے کے لیے بھیجی کہ دانشمند غور کر کے ہدایت پاویں۔ اس میں مسئلہ نبوت کو بھی دوسرے پہلو سے ثابت کر دیا اور قرآن کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دکھایا، اس کی خوبیوں سے۔

اُولُوا الْاَلْبَابِ کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ ایسے سمجھ اور عقل والوں پر خدا دنیا میں بھی فضل و کرم کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام جو بڑی عقلِ کامل رکھتے تھے جس کے سبب خدا پرستی کرتے تھے، اُن کو فرزند بھی ایسا ہی لائق اور عقلمند عطاء کیا، یعنی سلیمان علیہ السلام جو خدا کی طرف رجوع رہتے تھے۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اولوا الالباب ہیں اور اُمتِ محمدیہ کے اولوا الالباب قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں اور داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کی تکمیل بھی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو اوّاب فرمایا تھا۔ اب اس کا ایک تذکرہ بھی کرتا ہے جس سے اُن کا اوّاب ہونا پایا جاوے۔ فقال اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الخ عشی عصر کے وقت سے لے کر غروب تک کے زمانے کو کہتے ہیں۔ صافن اسپ بر سہ پائے استادہ سرِ ہم چہارم بر زمین نہادہ۔ والیضاً القائم الذی یصف قدمیہ صفون بالضم مصدر منہ (صراح) قال المبرد الجیاد جمع جواد تیز رو گھوڑا یعنی وہ گھوڑے جو کھڑے ہوں تو بانکپن اور نزاکت اور خوبی سے اور چلیں تو ہوا سے باتیں کریں۔ توارت کی ضمیر شمس کی طرف پھرتی ہے جو العشی سے سمجھا جاتا ہے اور رُدُّوْهَا کی الصّٰفِنٰتُ کی طرف یعنی میں ان گھوڑوں کے ملاحظہ میں یہاں تک مصروف ہوا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ یادِ الٰہی سے اس وقت غافل ہو گیا۔ اُن گھوڑوں کو میرے سامنے پھر لاؤ اور ذبح کر ڈالو۔ عام مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ ان کو ذبح کروا ڈالا، کونچیں کاٹ ڈالیں۔ صلوٰۃ عصر فوت ہونے کے بدلہ میں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَاۤؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور اس کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا، پھر وہ رجوع بخدا ہوئے (اور) دعا کی کہ اے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ جو میرے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہو۔ بے شک تو جو ہے تو بہت دینے والا، پھر ہم نے اُن کے لیے ہوا کو تابع کر دیا جو اُن کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے نرم نرم چلا کرتی تھی اور شیطان کو بھی (تابع کیا) جو ہر ایک عمارت بنانے والا غوطہ لگانے والا تھا اور بھی تابع کر دیے تھے جو بیڑیوں میں جکڑے رہا کرتے تھے (اور ہم نے کہا) یہ ہے ہماری بے حساب بخشش خواہ آپ کسی کو دیں یا نہ دیں اور البتہ سلیمان کے لیے ہمارے پاس مرتبہ اور عمدہ مقام ہے۔

مگر صحیح تر بیان اس واقعہ کا الفاظ قرآنیہ کے مطابق یہ ہے اور اس کو تفسیر سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ گھوڑوں کا پالنا اور تیار کرنا دشمنوں کے مقابلہ اور جہاد کے لیے جیسا کہ دینِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عمدہ اور افضل کام ہے، ایسا ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں تھا کیونکہ فلسطی اور مصری اور بابل کے بت پرست بادشاہوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیٹھ کر ایک بار اُن کا جائزہ لینا چاہا اور پہلے یہ فرما دیا۔ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ کہ میں اُن کو دُنیا کے لیے نہیں دوست رکھتا ہوں بلکہ ذکرِ رب اور دین کے لیے ان کو پسند اور محبوب رکھتا ہوں۔ عن ذکر ربی لاجل ذکر ربی پھر سامنے لانے کا حکم دیا اور اُن کے سامنے سے وہ گھوڑے جن پر لوگ سوار تھے۔ دوڑاتے ہوئے نکلے، حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ (التواری الاستتار عن الابصار والحجاب یحجبها عن الابصار) پھر حکم دیا ردوها علی کہ ان کو پھر لوٹ کر لاؤ، میرے پاس۔ گھوڑی کی روانگی دیکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ ایک بار دوڑاتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ بارِ دگر پھر لاتے ہیں، تاکہ آنے جانے میں سب حسن و قبح معلوم ہو جاوے۔ گھوڑے آپ کے پسند آئے۔ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (قال ابو عبیدۃ طفق یفعل لان خبر طفق لا یکون الا فعلا مضارعا وانتصاب مسحا علی المصدریۃ بفعل مقدر ای یمسح مسحًا) والسوق جمع ساق ٹانگ۔ والاعناق جمع عنق (گردن) تو آپ پیار کی راہ سے ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر ہاتھ پھرانے لگے۔ گردن اور پٹھے پر ہاتھ پھرانے کا عام طریقہ ہے یا ان کے عیوب دیکھتے ہوں گے۔ اکثر ہاتھ پھرا کر دیکھا کرتے ہیں، جس طرح دوڑا کر دیکھا کرتے ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو خصوصاً سلیمان علیہ السلام کے دشمنوں کو معلوم ہو جاوے کہ سلیمان کو لشکر اور سواروں کے بارے میں بڑی مستعدی ہے، یہ بھی دشمن پر اثر ڈالا کرتا ہے کہ وہ غافل نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی مسح کے یہی معنی بیان کئے ہیں، جیسا کہ اپنی تفسیر میں ابن جریر نے بروایت علی بن طلحہ نقل کیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے انہیں معنی کو جو ہم نے آیات کے بیان کئے ہیں، پسند کیا ہے اور یہ بھی فرما دیا کہ یہی معنی آیات کے الفاظ کے نہایت مطابق ہیں اور خوب موافق ہیں اور اس تقریر پر کوئی الزام بھی عائد نہیں ہوتا اور مجھ کو لوگوں سے سخت تعجب آتا ہے کہ کس لیے انہوں نے ان بے ہودہ باتوں کو مان لیا کہ جن کو عقل و نقل رد کرتی ہے۔ انتہی

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ پھر اس آزمائش کی قدرے تفصیل کرتا ہے۔ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ اور اس کی کرسی یعنی تخت پر ہم نے ایک جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع ہوا، بعض کہتے ہیں یہ دو واقعہ ہیں۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا ایک اور اَلْقَيْنَا دوسرا۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں جہاں تک کہ محدثین نے تلاش کیا ان دونوں واقعوں کی کوئی بھی تفصیل نہیں کہ آزمائش سلیمان علیہ السلام کی کس بات میں تھی اور ان کے تخت پر جسم ڈالنے اور سلیمان علیہ السلام

کے رجوع ہونے سے کیا مراد ہے۔ ہاں مفسروں نے بعض اہلِ کتاب کے قصہ گوؤں سے دو قصہ ضرور نقل کئے ہیں، گو ان قصوں کو اُن اہلِ کتاب کے قصہ گوؤں سے بعض محدثین نے احتیاط اور سند متصل سے نقل کیا ہے، جس لیے بعض ناواقف مفسر اس کو صحیح حدیث سمجھ گئے، مگر پھر بھی وہ قصے ہی رہے جو قصہ گوؤں کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں نہ کہ مشکوٰۃ نبوت سے ظاہر ہوئے۔ پہلا قصہ یہ ہے کہ سلیمان کے محل میں شاہِ مصر وغیرہ بت پرست قوموں کی بیٹیاں تھیں، جن کو بیویاں بنا رکھا تھا اور اُن پر عاشق تھے۔ ان کی خاطر سے ان کی پرستش کے لیے بت خانہ بھی تعمیر کرا دیے تھے اور آپ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پر خدا نے ان کی سرزنش کی۔ یہ بات اول کتاب السلاطین کے گیارہویں باب میں لکھی ہوئی ہے۔ دوسرے قصہ کی بابت یوں نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے سبب اس کی سلطنت قائم تھی، حمام میں جاتے وقت اس کو اتار کر کسی خادمہ کو دے دیتے تھے جس کا نام بعض نے امینہ بتلایا ہے، ایک بار جو حمام میں گئے اور انگوٹھی اس کو دی تو ایک جن جس کو صخر کہتے تھے، سلیمان علیہ السلام کی شکل میں نمودار ہوا اور امینہ سے انگوٹھی لے کر تخت پر آ بیٹھا، سلیمان علیہ السلام کو لوگوں نے دھکے دے کر نکال دیا پھر جو چند روز بعد اس کی کمینی باتوں سے پہچانا کہ یہ سلیمان علیہ السلام نہیں تو وہ بھاگا اور سمندر میں انگوٹھی پھینک گیا ادھر سلیمان علیہ السلام ماہی گیروں کے ہاں نوکر ہو گئے۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے وہ انگوٹھی برآمد ہوئی، اس کو پہننا تھا کہ پھر اقبال لوٹ آیا، سب لوگ مطیع ہو گئے۔

اس خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے، اگر یوں ہی جن و شیاطین انبیاء علیہم السلام تو کیا اور بھی کسی کی شکل میں ظاہر ہوا کریں تو دُنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جاویں اور کچھ بھی کسی کا اعتبار نہ رہے۔ ہمارے نزدیک یہ دو قصے نہیں ہیں، ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہر چند اہلِ کتاب کی الہامی کتابیں صحیح و غلط کا مجموعہ ہیں، مگر تاہم غور کرنے سے ان میں سے اصل بات بھی نکل آتی ہے۔ اصل بات اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کے بے شمار سامان و اسباب عطاء کئے تھے اور ان کی سلطنت کا زمانہ بنی اسرائیل اور آس پاس کے بادشاہوں کے لیے بڑے امن و چین کا زمانہ تھا، اُن کے عہد میں جنگ و جدل کی بھی بہت کم نوبت آتی تھی، سونا چاندی اور گھوڑے اور جواہرات بکثرت تھے۔ بادشاہوں کی بیٹیاں بھی آپ کے پاس آئیں۔ سباء کی شہزادی اور شاہ مصر کی بیٹی وغیرہ اور یہ عورتیں سب ایک مذہب کی نہ تھیں، ان میں سے بعض بت پرست بھی ہوں گی اور اسی مصلحت کے لیے خدا نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو غیر قوموں کی عورتوں کے رکھنے کی ممانعت کر دی تھی، کچھ عجب نہیں کہ ان میں سے کسی نے کوئی بت ہی بنا لیا ہو جس کی سلیمان علیہ السلام کو بعد میں خبر ہوئی اور انہوں نے توڑ ڈالنے کا حکم دیا مگر ان کے گھر میں گو ان کی بے خبری سے ہوا ہو، ایسا ہونا بھی ان کی شانِ نبوت کے برخلاف ہے، البتہ یہ باتیں سلیمان کے حق میں آزمائش کی تھیں اور حقیقت میں کثرتِ مال و اسباب زن و فرزند انسان کے لیے بڑی آزمائش ہے اور بڑا فتنہ کما قال تعالیٰ۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ سلیمان کی ذرا سی غفلت ان کے لیے بڑی قابلِ عتاب بات تھی، جس پر متنبہ کرنے کے لیے خدا نے رودمی ہدہد کو سلیمان کے مقابلہ میں اُبھارا جس نے شاہِ مصر کی مدد سے سلیمان کا مقابلہ کیا اور خوب لڑتا رہا اور اسی طرح الیدع کے بیٹے رزوں کو اُبھارا وہ بھی مخالفِ تخت ہو گیا۔ تیسرا شخص یربعام مخالف کھڑا ہو گیا جو سلیمان کا نوکر تھا۔ (الکتاب السلاطین الاسباب) تخت کے برخلاف ایسے شخصوں کا کھڑا ہونا جنہوں نے ملک کو تہ و بالا کر دیا ہو گا۔ بے شک تخت پر جسم یعنی بوجھ پڑ جانے کا باعث ہے۔ جسم ڈالنا محاورہ ہے، اس کے بوجھل اور کمزور ہونے سے ثُمَّ اَنَابَ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام متنبہ ہوئے، خدا کے آگے گریہ وزاری کی خدا نے اس کے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبِّ اغْفِرْلِیْ کہ میری غفلت کو معاف کر دے۔ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

تفسیر کہ مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد جو میرے جانشین ہوں ان سب سے بڑھ کر ہو اور ایسا ہوا بھی کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد پھر کوئی بنی اسرائیل میں سے ایسا بادشاہ نہ ہوا بلکہ سب عہدِ سلیمانی کو یاد کرتے رہے۔ یہ حسد کے طور پر نہیں کہ مجھے ایسا دے اور کو نہ دے بلکہ آپ سمجھ گئے کہ اس قسم کی سلطنت کا میرے بعد کوئی متحمل نہ ہوگا یا یہ معنی کہ میرے بعد اور کوئی اُس پر دستِ تطاول دراز نہ کرے، یعنی پھر کوئی معارض نہ کھڑا ہو (ابوالسعود) امام رازی اس واقعہ کے متعلق یوں تفسیر کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے اور تخت پر گویا اُن کا دھڑ بے جان کے بٹھایا جاتا اور عرب ضعیف کو کہتے ہیں۔ لحم علی وضم وجسم بلا روح یہ اُن کی آزمائش تھی اور تخت پر جسم ڈالنے کے یہ معنی ہیں۔ ثم اناب ای رجع الی حال الصحۃ کہ پھر تندرست ہو گئے۔ تندرست ہو کر سمجھ گئے کہ دُنیا سدا کسی کے پاس نہیں رہتی، ایک دوسری جگہ جاتا ہے، اس لیے مغفرت کی دُعا کی اور پھر سلطنتِ ابدی کی دُعا مانگی۔ مُلْكًا لَّا يَنۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِىْ ای مُلْكًا لَّا یُمْکِنُ ان ینتقل عنی الی غیری کہ وہ سلطنت جو مجھ سے کبھی غیر کی طرف منتقل ہو کر نہ جاوے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ الہام کے طور پر آپ کو وہ حوادث جو ان کے بعد غیروں سے پیش آنے والے تھے۔ بتلائے گئے جیسا کہ یربعام کا ان کے بعد ملک کے اکثر حصوں پر قابض ہونا اس لیے آپ نے دعا کی کہ کسی اور غیر کو میری سلطنت سزاوار نہ ہو وہ ملک عطا کر۔

فرماتا ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ کہ ہم نے درحقیقت اس کو ایسی سلطنت عطا کی جو پھر اس کے بعد اور کو نہ دی ہوا کو بھی اس کے تابع کر دیا تھا اور شیاطین اس کے حکم کے مسخر تھے کہ کچھ ان میں سے کارِ تعمیر میں مصروف تھے اور کچھ غوطہ لگا کر موتی نکالا کرتے تھے اور باقی قید میں پڑے ہوئے تھے۔ اصفاد جمع صفد طوق هٰذَا عَطَآؤُنَا سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا تھا، یہ ہماری بے حساب نعمت ہے، خواہ آپ کسی کو دیں یا نہ دیں، ہر طرح سے آپ کو مختار کیا گیا اور اس پر موقوف نہیں، آخرت میں بھی سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے پاس بلند مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے، یعنی جنتِ جسمانی و روحانی۔

جو لوگ وجودِ جن اور خرقِ عادات کے قائل نہیں وہ ہوا کے مسخر ہونے کے یہ معنے کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے دریاءِ قلزم کے کنارے پر جو ادوم کی سرزمین ہے، جہازوں کی بحر بنائی اور حیرام نے اس بحر میں اپنے جا کر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے، ان کے ساتھ بھجوائے، وہ اوفیر جا کر سونا لاتے تھے۔ جہاز ہوا سے چلا کرتے تھے اور ہوا سلیمان علیہ السلام کے ارادے کے موافق جہازوں کو لے کر آتی جاتی تھی اور شیاطین وجن وہ غیر قوموں کے لوگ جو تعمیر وغیرہ کاموں میں لگے ہوئے تھے اور سرکش قید میں پڑے تھے۔ استعارہ کے طور ان کی بد دینی و سرکشی کی وجہ سے ان کو شیاطین وجن سے تعبیر کیا گیا۔ وفیہ ضعف ظاہر۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۗ نِعْمَ الْعَبْدُ ۗ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری اور تکلیف دینے کے لیے شیطان نے چھولیا[1] ہے۔ (ہم نے حکم دیا) کہ

[1] شیطان کی طرف نسبت کرنے کا یہ باعث کہ ایوب کے امتحان کا وہی باعث ہوا تھا کہ ایوب کا خالص بندہ ہونا جب معلوم ہو کہ اس پر بلا آوے اور نیز ←

(زمین پر) لات مارو (جس سے چشمہ نکل آیا ہم نے فرمایا) تمہارے نہانے اور پینے کے لیے یہ سرد چشمہ بہہ رہا ہے۔ (جس میں نہانے سے ان کو شفا ہوئی) اور ہم نے اُن کے اہل وعیال اور اتنے ہی اور بھی اپنی مہربانی سے عنایت فرمائے (تا کہ) عقلمندوں کے لیے یادگار رہے اور (حکم دیا کہ) اپنے ہاتھ میں جھاڑ دکا مٹھا لے کر مارو اور قسم[1] میں جھوٹے نہ بنو اور ہم نے ایوب کو صابر پایا وہ بڑے اچھے بندے خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

ترکیب : واذکر جملۃ مستانفۃ بنصب قرء الجمہور بضم النون وسکون الصاد فقیل ھو جمع نصب بفتحتین کاسدو اسد وقیل لا وقال ابوعبیدۃ ان النصب بفتحتین التعب والاعیاء وعلی بقیۃ القرأت الشر والبلاء۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ یہ تیسرا قصہ صبر دلانے کے لیے حضرت ایوب علیہ السلام کا ہے۔ جب وہ زیادہ بیمار ہوئے تو شیطان نے ان کی بیوی سے کہا میں طبیب ہوں، اگر ایوب کو شفا ہو جائے تو کہنا میں نے شفا دی۔ (احمد) اس بات کی ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہیں کہ اس نے مجھے دکھ دیا۔ حکم ہوا کہ پاؤں مار اس کے مارنے سے سرد چشمہ نمودار ہوا جس میں نہانے سے وہ تندرست ہو گئے اور ان کی مردہ اولاد کہ تندرست ہو کر اس بیوی کو سو کوڑے[2] مارو‌ں گا، کس لیے اس نے شیطان کی بات سنی خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو قسم میں بھی جھوٹا نہ ہو اور عورت بھی بے خطا ہے، تیری خدمت گزار ہے، جھاڑو لے کہ جس میں سو تیلیاں ہوں، وہ مار دو قسم پوری ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ ایوب کے صبر کی تعریف کرتا ہے اور اُن کی مدح کرتا ہے کہ بڑے صابر تھے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ۚ

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو بھی یاد کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے، ہم نے ان کو ایک خاص بات کے لیے جو دار آخرت کا یاد کرنا ہے منتخب کر لیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ (اور) نیک لوگوں میں سے تھے اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کرو اور (یہ) سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ نصیحت ہے اور البتہ پرہیزگاروں کے لیے عمدہ مقام ہے جنت عدن جس کے دروازے (پہلے ہی سے) ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے وہ وہاں تکیہ لگا کر بیٹھیں گے، وہاں بہت سے میوے اور شراب طلب کریں گے اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ (مسلمانو!) جس کا تم سے قیامت کے لیے وعدہ کیا جاتا ہے یہ نعمتیں ہیں جو کبھی نبڑنے ہی کی نہیں یہ بات ہے۔

تفسیر: وَ اذْكُرْ عِبَادَنَآ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ جمہور نے عبادنا جمع کے صیغہ سے پڑھا ہے، تب ابراہیم واسحاق ویعقوب عطف بیان

← شیطان نے بحکم ربی ان کو چاہا بھی تھا جو ان کے جذام کا باعث ہو گیا۔۱۲

[1] امام شافعی کے نزدیک اور بھی جو کوئی اسی طرح کی قسم کھائے تو اس کے لیے ہی سو کوڑے کی جگہ تیلیوں کی جھاڑو مار دینا کافی ہے اور علماء کہتے ہیں یہ ایوب کے ساتھ مخلص تھا۔۱۲ منہ

ہوگا اور بعض نے مفرد کا صیغہ پڑھا ہے، تب ابراہیم عطف بیان اور مابعد کا عبدنا پر عطف ہوگا نہ ابراہیم پر یہ ان تین بزرگوار انبیاء اولوالعزم کا ذکر ہے کہ وہ بڑے قوت والے تھے۔ عبادت ونصیحت کے لیے ان کے دل بڑے قوی تھے اور بڑے بینائی والے بھی تھے۔ ہر بات سے عمدہ نتائج نکالتے تھے۔ آیاتِ الٰہی میں غور وفکر کرتے تھے۔ علمی اور عملی دونوں قوتیں ان کو حاصل تھیں۔ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ہم نے ان کو خالصہ یعنی اخلاص کے لیے خاص کرلیا تھا۔ (علی انہا مصدر بمعنی الاخلاص فیکون ذکری منصوبا بہ او بمعنی الخلوص فیکون ذکری مرفوعا بہ) یا یہ معنی کہ ان کو خالصہ خاص بات کے لیے مخصوص کیا تھا۔ (علی انہا اسم فاعل علی بابہ وذکری مصدر الدار مفعول بہ اوظرف علی الاتساع او علی اسقاط الخافض، ذکری الدار بدل من خالصۃ) وہ خاص بات کیا ہے یہ کہ وہ دارِ آخرت کو یاد رکھتے تھے، دنیا پر ان کی نظر نہ تھی۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا الخ اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک تھے۔ باایں ہمہ ان پر قوم سے کیا کیا تکلیفیں پڑیں اور انہوں نے صبر کیا' دل میں تنگی پیدا نہ ہوئی، اس جملہ سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء معصوم تھے، پس وہ جو بے ہودہ قصے ان کی طرف منسوب ہیں، محض جھوٹ ہیں۔ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ پھر ان تین اور بزرگوار انبیاء کا ذکر کرتا ہے، اول حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرے الیسع علیہ السلام کا تیسرے ذی الکفل علیہ السلام کا ان کا بھی سورہ انبیاء میں ذکر ہو چکا ہے۔ کفار مکہ نے انکار حشر میں رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا تمسخر کے طور پر کہا تھا، اس کے بعد خدا تعالیٰ نے چند انبیاء اولوالعزم کا ذکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے صبر کا حال سن کر تسلی ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ لوگ دارِ آخرت کے مستحق اور مشتاق تھے اور باوجود عقل وعلم وثروت کے وہ دارِ آخرت کے نہایت طالب رہے، پھر وہ کوئی احمق یا بے وقوف تو نہ تھے جو دارِ آخرت نہ ہو اور وہ اس کا فرضی شوق پیدا کر کے اس کے لیے دنیا میں بے شمار مصائب اٹھاویں۔ نہیں نہیں دارِ آخرت برحق ہے۔ گویا یہ دلیل نقلی تھی۔ اس کے بعد وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ سے لے کر مِنْ نَّفَادٍ تک صاف صاف دارِ آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اور ذکر کو تمام کرنے کے لیے عرب میں ھذا کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس بات کو یاد رکھو یا یہ کہ اصل بات یہ ہے یا یہ کہ نیکوں کا انجام یہ ہے۔

وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۚ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

اور سرکشوں کا برا ٹھکانا ہے، جہنم کہ جس میں ان کو گرنا ہوگا۔ پھر کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ یہ ہے پھر وہ اس کو چکھیں جو کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے اور اس شکل کی اور بھی طرح طرح کی چیزیں ہوں گی۔ یہ (فرشتے کفار کے سرغناؤں سے کہیں گے تمہیں اکیلے نہیں بلکہ) تمہارے ساتھ تمہارے پیرووں کا ایک گروہ ہے، ان پر خدا کی مار جو تمہارے ساتھ جہنم میں گھسنے والا ہے (ان کے پیرو سرغناؤں سے) کہیں گے بلکہ تمہی پر خدا کی مار تمہیں تو اس بلا کو ہمارے سامنے لائے ہو جو بہت ہی برا ٹھکانا

ہے۔ پیرو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! جو اس بلا کو ہمارے آگے لایا اُس کو آگ میں دو گنا عذاب دے اور (دوزخی جہنم میں جا کر) کہیں گے کہ جن لوگوں کو ہم دُنیا میں برا سمجھا کرتے تھے، ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ کیا ان کو ہم نے (ناحق) ذلیل سمجھ رکھا تھا (جو جہنم میں نہیں آئے) یا ہماری آنکھیں ہی چوندھیا گئی ہیں (جو ان کو دیکھ نہیں سکتیں) بے شک جہنمیوں کا باہم جھگڑا ہونا برحق ہے۔

ترکیب : جهنم بدل من شر و یصلونها حال والعامل الاستقرار فی قوله للطاغین هذا ابتداء فی الخبر و جهان احدهما فلیذوقوه وفیه یا فیه الثانی عذاب و قیل حمیم وآخر علی الجمع فهو مبتدء ومن شکله لغت ازواج خبره وعلی الافراد هو معطوف علی حمیم۔

تفسیر : جبکہ فرمانبرداروں کا ثواب ذکر کیا تو نافرمانوں کا عذاب بھی ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ ترہیب کے بعد ترغیب اور وعدہ کے بعد وعید مذکور ہو کر دار الجزاء کا پورا بیان ہو جاوے۔ یہاں دوزخیوں کے حق میں چند باتیں بیان فرمائیں۔ (۱) وَاِنَّ لِلطَّاغِیْنَ الخ کہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانا ہے۔ یعنی جہنم کہ جس میں وہ داخل ہوں گے، جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دوزخ کی زمین کو بچھونے کے ساتھ تشبیہ دے کر مہاد فرمایا کہ وہ آگ کے بستر پر بیٹھیں گے۔ دُنیا کی سرکشی اور شہوات آگ ہو کر سامنے آویں گے۔ (۲) هٰذَا فَلْیَذُوْقُوْهُ الخ حمیم گرم کھولتا ہوا پانی غساق بالتشدید والتخفیف یقال غسقت العین اذا سال دمعها، ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ یہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ ہوگی جو گرم پانی کے ساتھ دوزخیوں کی غذا ہوگی۔ جیسا کہ مکان تھا ویسی ہی غذا۔ کہا جاوے گا کہ لو اس کو چکھو (۳) شَکْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ جمہور نے آخر کو مفرد کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے اُس کو اخری کی جمع سمجھ کر آخر بضم ہمزہ پڑھا ہے، یعنی اس قسم کی یا ان اقسام کی اُن کو اور بھی چیزیں ملیں گی جن کے کھانے پینے میں سخت تکلیف ہوگی۔ بدمزہ، بدبو، بداثر سب کچھ ہوگا۔ یہاں تک تو ان کے مکان اور کھانے پینے کا ذکر تھا، اب ان کے دُنیاوی رفیقوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ (۴) هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَکُمْ ملائکہ دوزخ کے ان لوگوں سے کہیں گے جو دُنیا میں گمراہوں کے سردار اور پیشوا تھے کہ تمہیں اکیلے نہیں تمہارے ساتھ یہ تمہاری فوج بھی داخل ہو رہی ہے۔ الاقتحام درافگندن بسختی دھکا پیل ہو کر آنا۔ یہ سن کر وہ کہیں گے۔ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ان کو خوش وقتی نصیب نہ ہو یعنی یہ سردار اپنے تبعین کے لیے ناخوش ہو کر یہ بدعا کا کلمہ کہیں گے۔ محاورۂ عرب میں یہ کوسنا ہے، جس طرح ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں۔ خدا کی مار اور اچھے اور خوشی کے موقع پر مرحبا کہتے ہیں۔ برے موقع پر لا مرحبا کہتے ہیں یا فرشتہ ہی کہیں گے۔ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ یہ کمبخت بھی آگ میں آ رہے ہیں۔ ان سرداروں کی یہ دلخراش بات سن کر ان کے پیرو جواب میں کہیں گے۔ بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِکُمْ الخ کہ تمہیں پر خدا کی مار تمہیں نے تو ہم کو اس بری جگہ پہنچایا، دُنیا میں بری باتیں الحاد و کفر کی تعلیم کرتے تھے، اس کے بعد خدا تعالیٰ سے التجا کر کے کہیں گے۔ مَنْ قَدَّمَ لَنَا کہ خدایا جس نے ہم کو یہاں پہنچایا، اس کو دو چند عذاب دے۔ ایک اس کے گمراہ کرنے کا ایک خود اس کی گمراہی کا۔

(۵) وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا یہ ایک اور بڑی حسرت کی بات ہوگی کہ جن غریب مسلمانوں سے یہ متکبر ملحد تمسخر کیا کرتے اور اُن کو احمق اور بدراہ کہتے تھے، ان کو اپنے ساتھ جہنم میں نہ دیکھیں گے تو آپس میں کہیں گے، وہ کہاں ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے، وہ جنت میں ہوں گے۔ ان کو کیوں نظر آنے لگے تھے، تب اور بھی رنج ہوگا۔ یہ روحانی جہنم ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ کہ جہنم میں ان کا باہم جھگڑنا برحق ہے، قطعاً ہوگا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۶۹ اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۰

اے نبی! کہہ دو میں جو ہوں تو ایک ڈر سنانے والا ہوں (اور اعلان کرنے والا) کہ خدا واحد قہار کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا زبردست بخشنے والا پروردگار ہے، کہہ دو یہ ایک بڑی خبر ہے۔ تم ہو کہ اس سے منہ پھیرے لیتے ہو، جبکہ عالم بالا کے لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے تو مجھے ان کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ مجھے تو یہی وحی کیا گیا ہے کہ میں تم کو صاف صاف ڈر سناؤں۔

ترکیب : انما قرء الجمہور بفتح ھمزۃ انما علی انھا وما فی حیزھا فی محل رفع لقیامھا مقام الفاعل ای ما یوحی الی الا انذار او الا کونی نذیرا مبینا وقرء ابو جعفر بکسر الھمزۃ لان فی الوحی معنی القول۔۱۲ منہ

تفسیر : اب یہاں سے پھر اصل مطالب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کلام کا دوسرا اسلوب بدل کر اول سورہ میں تین باتوں کا اثبات شروع کیا تھا اور انہی کی تائید میں انبیاء علیہم السلام کے مختصراً تذکرے آ گئے تھے، اس کے بعد دارِ آخرت کی کچھ کیفیت بیان کر دی تھی کہ نیکوں کے لیے وہاں یہ ہے اور بدوں کے لیے یہ تاکہ نفوسِ بشریہ میں اثر پیدا ہو اور وہ تین باتیں یہ ہیں۔ توحید، رسالت، حشر۔ اس لیے فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ ان سے کہہ دو کہ میں تو صرف خبردار کر دینے والا ہوں، آگے تم کو اختیار ہے جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے، اس میں اثباتِ نبوت ہے اور اسی کے ضمن میں حشر کا بھی ثبوت ہے کہ جس دن کے لیے میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں وہ دن سر پر آنے والا ہے، رہی توحید اس کے لیے فرماتا ہے۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ کہ اس ایک اللہ کے سوا جو اکیلا اور زبردست ہے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ ہر ایک اس کے حکم و قدرت کے آگے سرنگوں ہے، پھر جب یہ ہے تو اور کوئی خدا بھی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے واحد ہونے پر اور نہ صرف وہ واحد قہار ہے بلکہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور خود آسمانوں اور زمین کا بھی وہی رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔ موجودات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کی ہر وقت دست نگر نہ ہو۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اور کوئی خالق نہیں نہ کوئی مربی و حاجت روا ہے کہ خدا تعالیٰ زبردستی سے اس کے ملک پر قبضہ کر بیٹھا ہو بلکہ وہی مالک و خالق اور پرورش کرنے والا بھی ہے، اس کی شان قہر و جبروت ہے۔ اسی کی صفتِ ربوبیت ہے کہ سامع کو ہیبت کے بعد اس کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔

برخلاف ادیانِ باطلہ کے کہ اُنہوں نے ان صفات کا ایک ذات میں مجتمع ہونا محال خیال کر کے تین شخص جدا جدا بنائے، برہما پیدا کرنے والا، بشن پرورش کرنے والا، مہیش مہادیو، قہار۔ یہ عام ہنود کا خیال ہے۔ خاص خاص فریق کا نہ ہو نہ سہی۔ عیسائیوں نے بھی تین اقنوم گھڑ کر ایک خدا بنایا ہے، اب ابن روح القدس بلکہ وہی عزیز اور غفار ہے۔ ستر برس بھی کوئی نافرمانی کر کے رجوع کرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے۔

اس کے بعد پھر دوسری طرح سے کلام شروع کرتا ہے۔ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ان سے کہہ دو کہ یہ کوئی ہلکی اور ذرا سی بات نہیں ہے بلکہ بڑی بھاری بات غور طلب ہے، یعنی نبوت و توحید و حشر کی خبر اور تم اس سے انکار کرتے ہو، کچھ بھی فکر و تامل نہیں کرتے۔

---

۱ یختصمون کے یہ معنی نہیں کہ عالم بالا کے لوگ یعنی ملائکہ مقربین آپس میں جھگڑا کرتے ہیں تو تو میں میں ہوا کرتی ہے، جیسا کہ بعض حمقاءِ معترضین سمجھ گئے بلکہ باہمی گفتگو اس کے اسرار و اسباب کے متعلق اور تنفیذِ احکام کی بابت گفتگو امرِ الٰہی کے موافق ہے، امر کے لیے پہلے وہاں گفتگو ہو لیتی ہے، تب وہ بات دنیا میں ظہور کرتی ہے، چنانچہ ترمذی و طبرانی و عبدالرزاق و حاکم و احمد نے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ شب کو خواب میں اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ ملاءِ اعلیٰ کس بات میں گفتگو کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا تو عرض کیا کفارات میں یعنی ان باتوں میں کہ جن سے بندوں کے گناہ مٹ جاویں وہ جماعت کے لیے آنا، نماز کا منتظر رہنا، اچھا وضو کرنا۔۱۲ منہ

تقلیدِ آبائی میں لکیر کے فقیر بنے ہوئے انکار اور تکرار کرتے ہو۔ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ الخ اب بتلاتا ہے کہ یہ بڑی خبریں میں نے تم کو آپ سے بنا کر نہیں دی ہے بلکہ مجھے وحی نے خبر دینے پر مجبور کیا ہے، کس لیے کہ جب ملاءِ اعلیٰ یعنی عالمِ بالا کے ملائکہ میں جو کچھ انسان کے بعد ہونے کی بابت اور اس کے اسبابِ سعادت وشقاوت کی بابت خصوصاً دُنیا میں نبی آخر الزمان بھیجنے کی بابت جو کچھ گفتگو ہوئی تھی یا آیندہ امور پر ہونی ہے، اس کی مجھے کیا خبر ہے، البتہ مجھے وہاں سے وحی ہوتی ہے کہ میں لوگوں کو کہہ دوں کہ میں خبر دار کرنے والا نبی ہوں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ز وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع ۵

جبکہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک انسان مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں، پھر جب میں اُس کو پورے طور سے بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (ڈال دوں) تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا، پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس[1] نے نہ کیا۔ غرور کیا اور منکروں میں سے تھا۔ فرمایا! اے ابلیس تجھ کو کس نے منع کیا، اس کے سجدہ کرنے سے کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے غرور کیا تو بلند مرتبہ تھا، اس نے عرض کیا میں اس سے بہتر ہوں، مجھ کو تو نے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا۔ فرمایا پھر تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو راندہ گیا اور تجھ پر میری لعنت ہے۔ روزِ جزاء تک۔ اس نے عرض کیا کہ اے رب! پس مجھے مہلت دے مردوں کے زندہ ہونے کے دن تک۔ فرمایا، پس تجھ کو مہلت ہے۔ وقتِ معین کے دن تک۔ عرض کیا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، مگر ان میں سے تیرے خالص بندے۔ فرمایا حق بات یہ ہے اور میں حق بات ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے اُن سے[2] جو تیرے تابع ہوئے ہوں گے جہنم

[1] ابلاس نومید شدن از رحمتِ حق مسمی ابلیس واندوہگین وشکستہ گردیدن صراح۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی آدم کی اولاد میں سے

بھردوں گا سب سے۔ اور (اے رسول!) کہہ دو میں اس پر تم سے کچھ مزدوری تو نہیں مانگتا اور نہ میں جھوٹ بات بنانے والا ہوں۔ یہ قرآن تو تمام جہان کے لیے نصیحت ہے اور اس کا حال تم کو تھوڑے زمانہ کے بعد آپ معلوم ہو جائے گا۔

ترکیب : فقعوا امر من وقع یقع الا ابلیس استثناء متصل علی تقدیر انہ کان متصفا بصفات الملائکۃ فغلبوا علیہ او منقطع لما ما مصدریۃ او موصولۃ وقری لما بالتشدید مع فتح الام استکبرت استفہام توبیخ وانکار ام کنت ام متصلۃ ای اترکت السجود لاستکبار الحادث ام لاستکبار القدیم فالحق والحق قرء الجمہور بنصب الحق فی الموضعین علی انہ مقسم بہ حذف حرف الجر وقرء برفعھا۔

تفسیر : اب اس جگہ ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ کی وہ گفتگو بیان فرماتا ہے جو آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پیشتر کی تھی۔ اس ذکر سے یہاں یہ چند باتیں بتلانی مقصود ہیں۔ (۱) یہ کہ آدم کو ہم نے زمین کا خلیفہ بنانے کے لیے فرشتوں سے کہا، اُنہوں نے آدم کی سرشت کو دیکھ کر یہ کہا کہ اس کو بنانے میں بجز اس کے کہ دُنیا میں فساد پھیلا دے گا اور کیا حکمت ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کو وہ حکمت معلوم تھی، اس کو بنایا۔ اس سے بنی آدم کو شرم دلائی جاتی ہے کہ تم نیکی اختیار کرو تا کہ ملاءِ اعلیٰ کا تم پر اعتراض صحیح نہ ہو۔ (۲) یہ کہ ملائکہ نے باوجود اس کہنے کے پھر بھی حکم الٰہی کو مانا آدم کو سجدہ کرنے پر آمادہ ہو گئے مگر تمرد و سرکشی سے ابلیس نے نہ مانا راندۂ درگاہ ہوا اس میں بھی بندوں کو غیرت دلائی جاتی ہے کہ تم کس باپ کے بیٹے ہو کہ جس کو فرشتوں نے بھی سجدہ کیا مگر پھر بھی تم ہمارے احسان کو نہیں مانتے۔ سرکشی کرتے ہو، کیسے ناخلف ہو۔ (۳) جو کوئی منشاءِ الٰہی و حکمِ آسمانی کے برخلاف کرتا ہے، وہ خود رسوا ہوتا ہے، مگر آسمانی حکم جاری ہو کر رہتا ہے۔ جیسا کہ شیطان نے خلاف کیا۔ راندۂ درگاہ ہوا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کو مبعوث کر کے دُنیا میں توحید و مکارمِ اخلاق شائع کرنا منشاءِ الٰہی ہے جو کوئی سرتابی کرے گا۔ آپ رسوا ہو گا، اس کا حسد و تکبر شیطان کی طرح خود اسی کو برباد کرے گا۔

(۴) شیطان بنی آدم کا دشمن ہے اور اُس نے اُن کے برباد کرنے پر بیڑا اُٹھایا ہے، مگر بنی آدم کے حال پر افسوس ہے کہ پھر اسی دشمن کے کہنے پر چلتے ہیں۔

یہ قصہ سورۂ بقر میں کمال توضیح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، اُن ابحاث کا اعادہ بیکار ہے۔ اس جگہ صرف بعض الفاظ کی تفسیر کی جاتی ہے۔ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ اور وہ علمِ الٰہی میں کافر ٹھہر چکا تھا، یعنی ہم جانتے تھے کہ یہ انکار کرے گا یا یہ معنی کہ دراصل تو جن کی قوم سے تھا جو کافر تھے۔ عبادت کر کے فرشتوں میں جا ملا تھا۔ آخر اپنی رذالت پر آ گیا۔ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ خدا تعالیٰ ہاتھ پاؤں اعضاء بدن سے پاک ہے۔ بیدی سے مراد قدرتِ کاملہ ہے، یعنی بغیر ماں باپ کے قدرتِ کاملہ سے اُس کو ہم نے بنایا اور اس کے بنانے کو اپنی طرف تعظیم کے لیے مضاف کیا، جیسا کہ روحی کو کما قال من روحی اور جیسا کہ ناقۃ اللہ و مساجد اللہ و بیت اللہ و روح اللہ شیطان نے بجائے معذرت کے یہ کہا خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ کہ مجھے آپ نے آگ سے بنایا جو جوہر نورانی ہے۔ شیطان کا غالب مادہ بھی ہے اور آدم کو گارے سے بنایا جو ظلماتی چیز ہے۔ شیطان نے اپنی ذات پر فخر کیا وہاں سے عتاب ہوا۔ فَاخْرُجْ مِنْهَا جنت یا زمرۂ ملائکہ سے نکل جا تجھ پر قیامت تک میری پھٹکار پڑے گی۔ دُنیا میں ہمیشہ لعنت پڑے گی۔ آخرت میں عذاب ہو گا۔ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ عرض کیا کہ اُس دن تک کہ لوگ مر کر حساب کے لیے زندہ ہوں، مجھے مہلت دے غرض یہ تھی کہ پھر تو موت ہے ہی نہیں موت سے بچ جاؤں گا اور خوب گمراہ بھی کر لوں گا۔ خدا تعالیٰ پر کوئی بات مخفی نہیں۔ فرمایا اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ کہ وقت معلوم کے دن تک تجھے مہلت ہے، یعنی نفخِ صور تک پھر شیطان نے بڑے دعوئ سے کہا تیری عزت کی قسم! میں سب کو گمراہ ہی کر کے رہوں گا، مگر تیرے خالص بندے مجھ سے گمراہ نہ ہوں گے، یعنی ایماندار، نیک کردار۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ کہ یہ حق بات ہے اور میں حق ہی بات کہا بھی کرتا ہوں کہ تجھ سے اور جو تیرا کہا مانے گا، اُن سب سے جہنم بھر دوں گا، مجھے کیا پروا ہے؟

اس میں بنی آدم کو سنایا جاتا ہے کہ تمہارے دشمن نے تمہارے بہکانے کی قسم کھالی ہے اور میں جہنم کا وعدہ کر چکا ہوں۔ خبردار ہوشیار اس کے کہنے میں نہ آنا۔ نبیوں کے کہے پر چلنا، شیطان کا پیدا کرنا اور اُس کو مہلت دینا بندے کے اختیارات کی آزمائش کے لیے ہے۔ اس سے خداتعالیٰ کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض ہو نہیں سکتا کہ آپ ہی گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو چھوڑا اور آپ ہی گمراہ ہونے کی سزا دے گا۔

شیطان ایک قسم کا جن ہے اور اُس کی ذریات بھی بہت ہے، وہ کبھی متشکل ہو کر بھی بہکانے آتا ہے اور طمع کر کے دکھاتا ہے اور بنی آدم میں سے بھی بہت سے اُس کے جانشین اور چیلے چانٹے ہیں، وہ بھی بہکاتے اور ہر رنگ میں آتے ہیں۔ فقیروں میں، مولویوں میں، زندوں میں، عورتوں میں، شہوات میں، غصے میں اور بیشتر تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اور قوتِ بہیمیہ اس کا بدنِ انسانی میں گھوڑا غصہ اور شہوات کوڑا ہے۔

اس تذکرے کے بعد آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے کہ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کہ کہہ دو کاروبارِ نبوت پر میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا ہوں، یعنی اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں، پھر تم کو کیوں بدگمانی ہے۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ اور نہ میں تصنع اور بناوٹ کرنے والا ہوں کہ تم کو جھوٹ کا شبہ ہو۔ ہر بات میں بناوٹ اور تکلف و تصنع ممنوع ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یہ قرآن صرف جہان کے سمجھانے اور بھلائی کے لیے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ اور اُس کی صداقت تم کو موت کے بعد معلوم ہو جاوے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۞

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہے، ہم نے آپ کی طرف کتاب برحق نازل کی ہے۔ پس اب اللہ کی عبادت خاص اسی کی طرف جھک کر کیے جاؤ۔ دیکھو اللہ ہی کے واسطے خالص عبادت ہے اور جنہوں نے کہ اللہ کے سواء اور حمایتی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں گے۔ بے شک جن باتوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ آپ ان کا فیصلہ کر دے گا، بے شک جھوٹا ناشکرا ہے، اللہ اس کو ہدایت نہیں کرتا۔

ترکیب : قال الفراء والزجاج تنزیل مبتدا من اللہ الخ خبرہ الدین منصوب بمخلص ومخلصا حال الذین اتخذوا مبتدء خبرہ محذوف ای یقولون زلفی مصدر وحال موکدۃ والجملۃ مَانَعْبُدُهُمْ فی محل النصب بتقدیر یقولون۔

تفسیر : حسن وعکرمہ وجابر بن زید وغیرہم کہتے ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، مگر بعض کہتے ہیں کہ قل یاعبادی تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لیکن یہ قول معتبر نہیں کیونکہ بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکوں نے آنحضرت ﷺ نے آکر عرض کیا کہ ہم نے زنا و قتل کیا ہے، اب اس کی کیا صورت ہوگی۔ الخ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے

ثابت ہوا کہ مکہ میں نازل ہوئی اور مدینہ میں وحشی کا قصہ پیش آیا، اس پر یہ آیت نازل شدہ پڑھی گئی جس سے راوی نے نازل ہونا سمجھ لیا۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ دو باتوں کا اثبات کرتا ہے۔ اول قرآن مجید کا کلامِ الٰہی اور منزل من اللہ ہونا سو اُس کو سب سے اول تنزیل الکتاب الخ میں بیان فرماتا ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے از خود نہیں بنالیا ہے، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اللہ کی یہ دو صفت ہیں ایک یہ کہ وہ عزیز یعنی زبردست و قادر ہے، اپنا فرمان اپنے بندوں کے پاس محمد ﷺ کی معرفت بھیجتا ہے۔ اُس کو تمہارے انکار واصرار کی کچھ پروا نہیں، اُس کی دُنیا میں ضرور اشاعت ہوگی۔ کسی کے بند کرنے سے بند نہ ہوگی۔ (اس میں تہدید شاہانہ ہے) دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے، قرآن مجید میں سراسر حکمت ہے۔ اگر غور و نظر ہے تو دیکھ لو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اس میں طرز حکیمانہ ہے۔

پھر اسی بات کو دوسرے پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ کہ ہم نے اے محمد (ﷺ) آپ کی طرف قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے، اس میں جو کچھ ہے حق اور مطابقِ واقع ہے۔ پھر جب یہ ہے تو پہلا حکم یہ ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ کہ خالص اللہ کی عبادت کرو۔ دین کے معنی طاعت و عبادت کے ہیں نہ اس میں شرک ہو نہ ریا کاری یا کوئی دُنیاوی غرض۔ قتادہ کہتے ہیں، دینِ خالص کلمۂ شہادت ہے، یہ وہ دوسری بات ہے جس کا اثبات ان آیات میں مقصود ہے۔ فرماتا ہے کہ اخلاص کی عبادت کا مستحق بھی اللہ ہی ہے مگر جو مشرک ہیں اور اللہ کے سوائے انہوں نے اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ الخ اُن کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارا مرتبہ پیدا کر دیں گے، یعنی اُن کو وسیلہ حاجات سمجھتے ہیں۔ اس بات کو رد کرتا ہے، ان اللہ کہ اس بات کا قیامت کے دن وہ آپ فیصلہ کر دے گا۔ یعنی اُن کا یہ کہنا غلط ہے اور ایسے عذرات کرنے والوں کو جو ازلی بدبخت ہوتے ہیں۔ اللہ سیدھا راستہ نصیب نہیں کرتا۔ وہ عمر بھر اسی گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ
وَ یُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ؕ یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ
خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

اگر اللہ بیٹا ہی بنانا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کر لیتا (لیکن) وہ پاک ہے۔ وہ اکیلا خدا زبردست ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا، رات کو دن پر لپیٹ لیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور آفتاب اور چاند کو محکوم کر دیا۔ ہر ایک اپنے اندازہ سے چلتا ہے۔ سنو وہی ہے زبردست معاف کرنے والا، تم کو ایک شخص (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور چار پایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ جوڑے اُتارے۔ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح تین اندھیریوں میں بناتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ تم کو پرورش کرنے والا اسی کے لیے بادشاہی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں،

پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔

ترکیب : اَنْ یَّتَّخِذَ مفعول ارا دلا صطفٰی جواب الشرط مایشاء مفعول لا صطفٰی مما یخلق حال سبحانہ جملہ معترضہ بالحق حال من فاعل خلق۔

تفسیر : لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ ان آیات میں خدا تعالیٰ اُس زلفی کا رد کرتا ہے۔ کفار، مشرکین جو غیر اللہ کو پوجتے تھے تو اُن کو وسیلہ جانتے تھے اور وجہ وسیلہ ہونے کی یہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود خدا کے بیٹے ہیں اور باپ بیٹے میں بڑا رابطہ ہوتا ہے۔ بیٹا باپ سے کہہ کر ہماری حاجتیں روا کروا دیتا ہے۔ مکہ کے مشرک فرشتوں کو پوجتے اور اُن کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اسی طرح جنوں کو بھی اور رومن کیتھولک عیسائی بلکہ آج کل کے پراٹسٹنٹ بھی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کو ایک دوسرے کا خاوند اور بیوی اور اولاد بناتے بناتے خدا تعالیٰ سے نسب نامہ ملا دیتے تھے۔ ہنود میں بھی اس کے قریب قریب خیالاتِ فاسدہ ہیں اور پہلے بھی تھے۔

اس بات کو اللہ تعالیٰ رد کرتا ہے کہ اگر اللہ کو بیٹا ہی بنانا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے عمدہ اور بہتر ہی کو نہ پسند کر لیتا، تمہارے معبودوں میں کیا بات ہے۔ سبحانہ لیکن وہ ان باتوں سے پاک ہے، وہ اکیلا ہے زبردست ہے۔ بیٹا ہو تو اُس کے ساتھ جنس قریب یا بعید یا نوع میں شریک ہو اور بیٹے کا محتاج سمجھا جاوے حالانکہ اس کے ساتھ کسی کو کسی بات میں بھی شرکت نہیں، نہ اُس کو کسی کی کسی بات میں حاجت ہے۔ خلق السمٰوٰت آسمان و زمین چاند اور سورج اور سب ستارے اور جملہ مخلوقات اُس کی پیدا کی ہوئی ہے اور تمام عالم میں اسی کا یدِ قدرت تصرفات کرتا ہے۔ وہی رات دن کی الٹی پلٹی کیا کرتا ہے۔ ہر ایک ستارہ اسی کے حکم کا پابند، اُسی اندازہ سے حرکت کرتا ہے کہ جس پر اُس نے اس کو معین کر دیا ہے۔ وہی زبردست ہے، وہی گناہ معاف کرتا ہے، یعنی اُس کے تمام کاروبار اسی کے ہاتھ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بیٹا تو وہ چاہتا ہے کہ جو پیری و ضعف میں اُس کو کار آمد یا اپنے بعد وارث سمجھتا ہو، اللہ ان سب باتوں سے مبرا ہے۔

اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ پر اور اس بات پر کہ توالد و تناسل کا سلسلہ تم انسانوں اور حیوانات میں ہے اور وہ بھی ہمارے حکم سے جاری ہے نہ خدا تعالیٰ میں۔ فقال خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ الخ کہ تم سب کو ایک شخص یعنی آدم سے بنایا اور اسی سے اس کا جوڑا یعنی بیوی بھی بنائی اور حیوانات میں سے بھی تمہارے لیے بھیڑ، بکری اُونٹ، گائے کے آٹھ جوڑے نر و مادہ پیدا کئے اور تمہاری شکلیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے۔ تین اندھیریوں میں ایک پیٹ کی دوسری رحم کی تیسری جھلی کی جس کو مشیمہ کہتے ہیں (مجاہد و عکرمہ) پس تمہارا معبود تو یہ ہے کہ اسی کی بادشاہی ہے، اُس کو چھوڑ کر تم کہاں بہکے جاتے ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ﴿٨﴾

اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ کو بھی تمہاری پروانہیں اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ تم سے خوش ہوگا اور کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھاوے گا۔ پھر تم کو اپنے رب کے پاس جانا ہے، پھر وہ تم کو بتلادے گا جو تم کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے، اسی کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اس کو اپنی نعمت عطا کرتا ہے تو جس کے لیے پہلے پکارتا تھا، اُس کو بھول جاتا ہے اور اُس کے لیے شریک بناتا ہے تاکہ لوگوں کو بھی اس کے رستہ سے بہکائے، کہہ دو اپنے کفر کے اور چند روز مزے اڑا لے (پھر) تو آگ میں رہے گا۔

تفسیر: دلائلِ توحید بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ اَنّٰی تُصْرَفُوْنَ کہاں بہکے جارہے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کیوں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اس پر ایسے لوگوں کا گمان جا سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری بڑی ضرورت اور ہمارے ایمان و شکر گزاری کی بڑی حاجت ہے جو ہم کو بلاتا ہے، اس کا دفعیہ کرتا ہے، ان تکفروا الخ کہ اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا اور اس کو تمہاری شکر گزاری کی حاجت بھی نہیں، ہاں یہ ہے کہ اگر بندے اس کی ناشکری و کفرانِ نعمت کرتے ہیں تو وہ اُس کو پسند نہیں کرتا، ناخوش ہوتا ہے اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اُس کو پسند کرتا ہے خوش ہوتا ہے۔

اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ بدی کا بندہ خالق ہے، کوئی بدی خدا کی خواہش اور ارادے سے نہیں نہ خدا کسی کا گمراہ کرنا چاہتا ہے، مگر اہلِ سنت و جماعت اس میں فرق کرتے ہیں کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا نیک و بد سب کا اللہ کو ازل میں علم تھا کہ فلاں وقت فلاں شخص یہ کرے گا، پھر دُنیا میں بھی گو بندہ کو اُس کے افعال میں اختیار و قدرت عطاء کی ہے، جس پر برے کاموں سے مؤاخذہ ہوتا ہے، مگر ان قدرتوں اور قلبی خطرات کا سلسلہ جو اُس کے محرک ہیں، اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کے ارادے سے وابستہ ہے، کیونکہ وہ عالم پیدا کر کے نکما اور بے اختیار نہیں ہو بیٹھا ہے۔ جیسا کہ بعض ہنود کا وہم ہے پس اس لیے جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے۔ نیک یا بد سب اس کے ارادے اور مشیت سے علمِ ازلی کے مطابق ہو رہا ہے اور اس آیت میں کفر پر نارضامندی ظاہر کی ہے۔ رضامندی اور چیز ہے ارادہ اور مشیت اور چیز ہے۔ رضامندی نہ ہونے سے ارادہ کا نہ ہونا نہیں ثابت ہوتا۔

مگر اس پر بھی ناسمجھ یہ کہا کرتے ہیں کہ جب سب کچھ اُسی کی قدرت و مشیت سے ہے تو اول دن سے جس طرح اس نے ہمارے باپ دادا کے لیے طریقہ اور مذہب بنا دیا ہے، ہم اسی کے پابند ہیں، ہمارا کیا گناہ ہے، ہماری گمراہی کے بھی وہی ذمہ دار ہیں، اس کا جواب دیتا[1] ولا تزر وازرۃ وزر اخری کہ جب ہم نے ہر ایک کو عقل و شعور، نیک و بد کی شناخت، ارادہ و قدرت دے دی ہے تو پھر اپنی نیکی بدی کا ہر شخص آپ ہی ذمہ دار ہے۔ باپ دادا نہیں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھاوے گا۔ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ایک روز تم کو خدا کے پاس پھر جانا ہے، وہ تمہارے کاموں کا نیک و بد نتیجہ تمہیں بتادے گا، اُس سے کوئی کام مخفی نہیں کام تو کیا وہ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ دلی خطرات بھی تو جانتا ہے، نیت کا حال معلوم ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ کہ اس بت پرستی کا بوجھ جو تم اپنے باپ دادا پر دھرتے اور یہ عذر کرتے ہو، سو یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو بے اختیار ہو کر اللہ ہی کو پکارتے ہو اور جب عیش و آرام تم کو دیتا ہے تو اُس وقت اُس کو بھول جاتے ہو اور اپنے

[1] اس سے بعض نے ثابت کیا ہے کہ عاقلہ پر دیت نہیں کیونکہ جو کرے وہی بھرے اگر کسی نے خطاءً کسی کو مار ڈالا تو عاقلہ (اس کی قوم و کنبہ) کیوں ذمہ دار کیے جانے لگے۔ ۱۲ منہ

فرضی معبودوں کی طرف اس نعمت کو منسوب کرنے لگتے ہو، آپ تو برباد ہوتے ہو اوروں کو بھی رغبت دلا کر گمراہ کرتے ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بت پرستی و بدکاری تمہاری خرمستی ہے، اب چندروز دُنیا کے مزے لے لو خرمستیاں کرلو، انجام تو جہنم ہے جو برے کاموں کا لازمی اثر ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٩﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾

(کیا وہ ناشکرا منکر بہتر ہے) یا وہ کہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کر کے عبادت کرتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید کرتا ہے۔ کہہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں، سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ (اے رسول! میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے ایماندار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جنہوں نے نیکی کی ہے، اس دُنیا میں اُن کے لیے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔ صبر کرنے والوں ہی کو ان کا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔

ترکیب : امن بالتشدید ام متصلة دخلت علی من الموصولة وادغمت المیم فی المیم، واتصالھا بمحذوف تقدیرہ آالکافر خیر امن هو قانت وقیل ام منقطعة مقدرة ببل والھمزة ای بل امن ھو قانت کالکافر۔ وقرء بالتخفیف فالھمزة الاستفھام امن ھو قانت للہ کمن ھو کافر والخبر محذوف لدلالة قولہ قل هل یستوی۔ وقال الفراء الھمزة للنداء ومن منادی ای یا من ھو قانت قل هل الخ سَاجِدًا اَوْ قَآئِمًا حالان۔

تفسیر : اشرار و کفار کی سیرت بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں ابرار و اخیار کی صفت بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں، ایک وہ بھی نیک بندے ہیں جو رات کے وقتوں میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ سجدہ و قیام کے ساتھ اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں، کیا یہ دونوں برابر ہیں، آپ ہی حکم دیتا ہے کہ وہ علم والے اور جاہل کہیں برابر ہو سکتے ہیں، یعنی وہ جاہل ہیں۔ یہ عالم ہیں۔ القنوت الطاعة عبادت اٰنَآءَ الَّيْلِ جمع انی بکسر الھمزة کمعی وامعاء وقیل واحدھا اناء الیل سے مراد رات کی گھڑیاں اور اُس کے اوقات بعض کہتے ہیں، مغرب سے عشاء تک کا زمانہ، بعض کہتے ہیں اول وقت اور درمیانی اور آخر اس میں تہجد کی نماز بھی آگئی۔ رات میں ریاکاری بھی نہیں تخلیہ بھی ہوتا ہے۔ شور و شغب بھی نہیں ہوتا اور نیز آرام کا وقت ہے، نفس پر اس وقت عبادت کرنا شاق گزرتا ہے۔ اس لیے رات کی عبادت افضل قرار پائی، انبیاء و صالحین رات میں زیادہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ، ان باتوں کو اس آیت میں عجائب اسرار ہیں۔ عمل سے شروع کیا سَاجِدًا وَّقَآئِمًا سے اشارہ کر کے اور علم پر ختم کیا۔ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ سے اشارہ کر کے اور قَانِتًا اور اٰنَآءَ الَّيْلِ اور سَاجِدًا اَوْقَآئِمًا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کام پر اوقات مختلف میں مداومت کرنا چاہیے، اس سے اول مرتبہ میں مقامِ قہر منکشف ہوتا ہے، جیسا کہ يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ میں اشارہ ہے اور بعد میں اس پر مقامِ رحمت و اُنس منکشف ہوتا ہے، جیسا کہ یرجوا رحمة ربه اس پر دال ہے، پھر اقسام اقسام کے مکاشفات حاصل ہوتے ہیں، جیسا کہ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد جانداروں کے لیے اپنے رسول کو چند نافع باتیں تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (۱) قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الخ کہ میرے ایماندار بندوں سے کہہ دو کہ اپنے رب سے ہمیشہ ڈرتے رہا کریں، یعنی ایمان کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری بھی ضرور ہے، پھر اس تقویٰ کے منافع بیان کرتا ہے۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا کہ جو اس دنیا میں نیکی کرتا ہے اس کے لیے حسنۃ آخرت میں نیکی اور بھلائی ہے۔ یعنی جنت، بعض کہتے ہیں فی ہذہ حسنۃ سے متعلق ہے، یعنی نیکوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔ عافیت، صحت، فراغبالی، دشمنوں پر غلبہ برکت وراحت وعزت، پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہارے وطن میں کوئی نیکی کرنے سے مانع ہو تو اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ خدا کی زمین فراخ ہے اور کہیں چلے جاؤ۔ اس میں اہلِ مکہ کو ہجرت کی ترغیب ہے۔ ہجرت میں جو تکالیف پیش آویں ان پر صبر کرو، صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

(اور یہ بھی کہو) مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں خالص اسی کا ہو کر اللہ کی عبادت کیا کروں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے فرمانبرداری کروں، کہو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں (اور) کہو میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ خالص اللہ ہی کا ہو کر پھر تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔ کہو نقصان میں تو وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان اور گھر اہل وعیال کو قیامت کے روز خسارہ میں ڈال دیا۔ دیکھو یہی صریح نقصان ہے۔ ان کے اوپر بھی آگ کی تہیں ہوں گی اور اُن کے نیچے بھی یہ ہے کہ جس کا اللہ اپنے بندوں کو خوف دلایا کرتا ہے اے میرے بندو مجھ سے ڈرو۔

ترکیب: ان اعبد اللّٰہ مفعول لامرت مخلصًا حال من الضمیر الفاعل فی اعبد الذین منصوب بمخلص لان اللام زائدۃ والجملۃ مفعول مالم یسم فاعلہ لامرت ویمکن ان یکون المفعول ضمیرا فی امرت ای انا ولان متعلق بامرت وَاَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ خبرا کون عذاب الخ مفعول لاخاف اِنْ عَصَیْتُ ربی شرط وجوابہ محذوف الذین خسروا خبر ان یوم القیامۃ منصوب بخسر واظلل جمع ظلۃ مبتدء لھم خبرہ من فوقھم حال من ظلل ای کائنۃ من فوقھم من النار لغت لھا۔

تفسیر: (۲) دوسری بات جس کے کہنے کا رسول کو حکم دیا۔ یہ ہے، قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ، اول تو انسان کی درستی کے لیے نازیبا باتوں کا ترک لازم ہے تاکہ آئینۂ دل اور نقش ونگار سے صاف ہو جاوے، تب اس پر مرغوب نقش ہوگا۔ اس لیے اول تقویٰ کا حکم دیا تھا، اس کے بعد عمدہ باتوں کا عمل میں لانا ہے۔ ایمان واسلام کے معنی عمدہ باتوں میں سب سے مقدم عبادت ہے، پھر اس کے دو رکن ہیں، ایک عملِ قلب یعنی اخلاص وحسنِ عقیدت جس میں ریاکاری وشرک کی بو بھی نہ ہو اس لیے اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا کہ کہہ دے مجھے عبادتِ الٰہی کا

نہ اور کسی کا حکم ہوا اور وہ بھی اخلاص کے ساتھ، اُس کو ایمان بھی کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ رکن ہے، اس لیے اُس کو مقدم کیا۔ دوسرا رکن ہاتھ پاؤں، اعضاء کو کام میں لانا، اُس کو بعد میں بیان کیا، فقال وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ کہ مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں سب سے اول اور امرِالٰہی کو بجالاؤں۔

ایمان واسلام کے معنی: الاسلام گردن نہادن، یعنی فرمانبرداری کرنا۔ شرع میں گو ایمان واسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی بات سمجھی جایا کرتی ہے، مگر لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے، ایمان اعتقادِ صحیح' اللہ اور رسول اور قیامت اور ملائکہ و کتابوں کو برحق جاننا اور اسلام نماز وزکوٰۃ وحج وروزہ ادا کرنا' زبان سے توحید ورسالت کا اقرار کرنا۔ جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے لوگوں کے سکھانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان واسلام کے معنی پوچھے اور آپ نے یہی جواب دیا۔

(۳) ان احکام میں اس بات کا بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ایسا کرنا بھی بہتر ہے، اگر نہ کرے تو کوئی حرج بھی نہیں، اس بات کو اس جملہ میں کہلوادیا قل انی اخاف الخ کہ ان سے کہہ دے کچھ تمہارے لیے نہیں بلکہ مجھے بھی خوف ہے کہ اگر میں ان احکام میں نافرمانی کروں گا تو بڑے دن یعنی قیامت میں عذاب ہوگا، یعنی یہ امر وجوب کے لیے ہے۔

فائدہ: رسول کو ان باتوں میں مامور کرنے سے یہ بات بتلائی گئی کہ بادشاہوں کی طرح سے معاملہ نہیں کہ اوروں کے لیے حکم دیں اور آپ عمل نہ کریں اور یہ بھی ہے کہ جو آپ عمل نہیں کرتا اور ان کو کہتا ہے، اس کی بات کی تاثیر نہیں ہوتی اور نیز مخاطب کو دغدغہ باقی رہتا ہے اور خود کرنے میں اور سب سے پہلے کرنے میں اطمینان ہوجاتا ہے اور نیز اس میں ادنیٰ واعلیٰ کا فرق بھی اُٹھادیا گیا۔ (۴) حکم دینے کے بعد رسول کی زبان سے اس کے اقرار کرنے کا بھی حکم دیا کہ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ الخ میں تو خالص اللہ کی عبادت کرتا ہوں بموجب حکمِ الٰہی تمہیں اختیار ہے جس کی چاہو کرو' نیک و بد بتلادیا گیا۔ (۵) قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ ان سے کہہ دے ان باتوں پر عمل کرنے سے کوئی خرابی و نقصان نہیں بلکہ نقصان اور خسارہ اُن کو ہے کہ جنہوں نے اس پر نہ آپ عمل کیا نہ اپنے لوگوں کو کرنے دیا، قیامت کے دن آپ بھی نقصان میں پڑا اور اپنے اہل وعیال کو بھی ڈالا، یہ بڑا خسارہ ہے، اُن پر اس روز آگ چاروں طرف سے محیط ہوکر سایہ کرے گی، یہی تو وہ بات ہے کہ جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو ڈرو اور بچو۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ
الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ
عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ وَعْدَ
اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

اور جو لوگ بتوں کی عبادت کرنے سے بچ گئے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اُن کو خوشخبری ہے۔ پھر میرے اُن بندوں کو خوشخبری سنادو کہ جو بات سنتے ہیں، پھر

اس میں سے اچھی بات پر چلتے بھی ہیں۔ یہی ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل والے ہی ہیں، پھر کیا جس کو عذاب کا حکم ہو چکا نجات پانے والے کے برابر ہے پھر کیا آپ اس کو آگ میں پڑے ہوئے کو نکال لیں گے، لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرے اُن کے لیے جنت میں جھروکے ہیں کہ جن پر اور جھروکے بنائے گئے ہیں اُن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ترکیب : الطاغوت کالرحموت والعظموت بناء مبالغۃ فی المصدر، ویونث قبیل اعجمی کطالوت وجالوت وقیل عربی من الطغیان الان فیہا قلبا بتقدیم اللام علی العین، والمراد بہا الاوثان والشیطان وقیل الکاھن، ان یعبد وھا فی محل نصب علی البدل من الطاغوت بدل اشتمال و انابوا معطوف علی اجتنبوا لَهُمُ الْبُشْرٰى الجملۃ خبر والذین فَمَن من موصولۃ فی محل رفع بالا ابتداء والخبر محذوف ای کمن یخاف اوشرطیۃ افانت جوابہ۔

تفسیر : بت پرستوں کی برائی اور اُن پر پیش آنے والی مصیبت کے ذکر کے بعد اُن سے بچنے والوں اور خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کے خصائل اور اُن کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ کہ جو لوگ بتوں اور شیطانی طریقہ اور اُن کی پرستش سے بچتے ہیں اور صرف یہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ انابوا الخ اللہ کی طرف بھی رجوع ہوتے ہیں، اُن کے لیے خوشخبری ہے۔ موت کے وقت اور قبر میں اور وہاں سے نکلنے کے وقت اور میدانِ حشر میں ملائکہ اُن کو جنت اور مغفرت کا مژدہ دیں گے بلکہ دُنیا میں بھی خدا پرستوں کو نہ صرف مصائب کے وقت بلکہ ہر لحظہ روحانی طور پر مژدہ اور خوشحالی حاصل رہتی ہے، پھر اس خوشخبری کو اپنی رحمتِ عامہ سے عام کرنے کے لیے اپنے رسول کو حکم دیتا ہے۔ فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِيْنَ کہ میرے ان بندوں کو خوشخبری اور مژدہ دے جو بات سنتے ہیں اور جو اچھی بات ہوتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ وہ قرآن وسنت' نبی کی باتیں سنتے ہیں، پھر جو محکم ہے، اس پر عمل کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القول سے مراد عام ہے کہ اچھی بری سب باتیں سنتے ہیں مگر بری باتوں پر نہیں بلکہ اچھی باتوں پر چلتے ہیں اور انصاف وعقل کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جو کوئی نیک بات کہے اس پر عمل کرے۔

ایسے لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں نہ وہ کہ حق بات کو ہرگز نہیں مانتے، کوئی لاکھ سمجھائے مگر دل پر اثر ہی نہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے لیے تقدیرِ الٰہی میں عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ کے یہ معنی ہیں، پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا ہے، کیا آپ کسی کو جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں کہ جو ازلی نوشتہ سے جہنمی ہو چکا ہے، اس کے بعد ان نیک لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے جو مرنے کے بعد اُن کو ملے گی۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت میں وہ بالا خانہ عطا ہوں گے کہ جو ایک کے اُوپر دوسرا بنتا چلا گیا ہے اور ان میں کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں اور ان مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، آبِ رواں پر ایسے خوش قطعہ مکانات کا عجب لطف ہوتا ہے۔ فرماتا ہے وعد اللہ ان باتوں کا اللہ نے وعدہ کرلیا ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ

ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر اُس کو زمین کے چشموں سے بہایا، پھر اُس سے رنگ برنگ کی کھیتی نکالتا ہے، پھر جب وہ پک جاتی ہے تو اُس کو زرد ہوئی دیکھتا ہے، پھر اُس کو چورا چورا کر ڈالتا ہے، البتہ اس میں عقلمندوں کے واسطے بڑی عبرت ہے۔ پھر کیا وہ شخص کہ جس کا اللہ نے اسلام کے لیے سینہ کھول دیا، پھر وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر بھی ہو (اس کے برابر ہے کہ جس کے دل پر گمراہی کی مہر ہے) پھر خرابی ہے، اُن کو کہ جن کے دل یادِ الٰہی سے سخت ہیں، وہی صریح گمراہی میں ہیں۔

ترکیب : ان اللہ الخ الجملۃ سد مسد المفولین ینابیع جمع ینبوع وھو یفعول من نبع ینبع وھی منصوب بنزع الخافض لان التقدیر فسلکہ فی ینابیع یھیج ای یجف ویبیس یقال ھاج النبت یھیج ھیجا اذا تم جفافہ او تخضر۔ ولاحطام ماتفتت ویکسر۔

تفسیر : جبکہ خدا تعالیٰ اور آخرت کے وہ صفات بیان فرما چکا کہ جن سے اس کی طرف رغبت ہو تو اس کے بعد دُنیا کی بے ثباتی بیان کر کے اُس سے نفرت دلاتا اور اسی بات کو حشر برپا ہونے کا نمونہ بتاتا ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ ان اللہ انزل من السماء ماء کہ اے نبی! یا اے ہر مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ اُوپر سے پانی بارش کا برساتا ہے، پھر اُس کو زمین میں پیوست کر دیتا ہے۔ زمین اُس کو پی جاتی ہے، پھر اس سے مختلف رنگتوں کی کھیتیاں اُگتی ہیں۔ زرد، سبز، سفیدی مائل یا گیہوں دھان وغیرہ پھر وہ پک کر تیار اور خشک ہو جاتے، پھر زرد نظر آنے لگتی ہے۔ پھر کٹ کر روندے جاتے ہیں اور چورا چورا ہو جاتے ہیں، اس میں عقلمندوں کے لیے بڑی سمجھ کی جگہ ہے۔ وہ یہ کہ اسی طرح آدمی کا حال ہے پانی کے قطرہ سے پیدا ہوتا ہے، مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی گورا کوئی کالا کوئی خوبصورت، کوئی بدصورت مگر اُٹھتی اور لہلہاتی جوانی اور اُس کی اُمنگیں بڑی دلفریب اور خوش آیند ہوتی ہیں جس میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پھر بوڑھا ہو جاتا ہے۔ زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ تمام خوبیاں اور اچھل کود رخصت ہو کر بدمنظر ہو جاتا ہے اور اپنی جان بھی وبال ہو جاتی ہے نہ وہ آنکھوں کی روشنی اور دانتوں کی چمک چہرے کی دمک ہاتھ پاؤں کا کس بل باقی رہتا ہے نہ وہ حوصلہ پھر ایک روز مر جاتا ہے، پھر چند روز کے بعد تمام جسم چور چور ہو کر ہوا میں ذرے ہو کر اڑتا پھرتا ہے۔ وہ چند روزہ عیش و نشاط' جاہ و عزت' شادی و غم خواب و خیال ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح وہ قادرِ مطلق اگلے سال پھر انہی کھیتیوں میں کھیتیاں اُگاتا ہے اور پھر وہی بہار دکھاتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد انسان قیامت میں پھر اسی بدن سے کھڑا ہو کر اس چند روزہ زیست کے اعمالِ نیک و بد کا نتیجہ بھگتے گا۔ عبرت عبرت۔

ان بیانات کے بعد جو اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دنیا سے نفرت کرنے پر دلالت کرتے ہیں، اس آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ الخ میں یہ بات بتاتا ہے کہ ان بیانات سے وہی لوگ نفع اُٹھاتے اور ہدایت پاتے ہیں کہ جن کے اللہ نے سینے کھول دیے اور دل روشن کر دیے ہیں۔

شرح صدر، خدا نے جواہر نفوس کو مختلف الماہیۃ پیدا کیا پس بعض تو نورانی' شریف' الٰہیات سے مائل' روحانیات میں ملنے کے راغب ہیں اور بعض خسیس ظلماتی جسمانیات کی طرف مائل ہیں۔ لذاتِ حسیہ کی طرف حریص۔ پس یہ اعلیٰ درجہ کی استعداد جو ادنیٰ محرک سے قوۃ کے مرتبہ سے فعلیت کی طرف آنے کے لیے آمادہ ہے۔ اسی کا نام شرحِ صدر ہے۔ جیسا کہ گندھک یا بارود ذرا سی آگ سے بھڑک اُٹھنے کے لیے تیار ہے۔ برخلاف گیلی لکڑیوں کے پس جن میں یہ استعداد ہے، انہی کو نورِ الٰہی نصیب ہے اور صحتِ روحانیہ کے لیے ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی دوا نہیں، پس جس کو اس سے بھی شفا نہیں تو اب اُس کے علاج کی کوئی توقع نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اس جملہ میں اس کو ذکر کرتا ہے۔ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، ترمذی و بیہقی نے نقل کیا ہے کہ بغیر ذکر اللہ کے بہت کلام نہ کیا کرو کیونکہ

اس سے دل سخت ہوتا ہے اور جو سخت دل ہے وہ اللہ سے بہت دُور ہے۔ اس معنی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دل زبر گفتن بمیر د در بدن گر چہ گفتارش بود دُرّ عدن

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ نے عمدہ کلام نازل کیا جو ملتے جلتے ہوئے (مضامین میں) دوہری کتاب ہے جس سے خدا ترس لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے رونگٹے اور دل یادِ الٰہی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے راہِ راست دکھاتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر تو اس کے لیے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ پھر کیا وہ شخص جو اپنے چہرہ کو قیامت کے دن کے برے عذاب سے روکتا ہے (نجات پانے والے کے برابر ہے) اور ظالموں سے کہا جاوے گا جو کچھ تم کیا کرتے ہو اس کا مزہ چکھو۔

ترکیب : اللہ مبتدا نزل خبرہ۔ کتابا بدل من احسن الحدیث او حال منہ۔ متشابھًا صفۃ للکتاب ای یشبہ بعضہ بعضا فی الحسن والاحکام مثانی صفۃ اخری لکتاب وھو جمع مثنی او مثنی من التثنیۃ بمعنی التکریر تَقْشَعِرُّ صفۃ لکتاب او حال منہ۔ اقشعر ار موئے برتن خاستن، پھریری۔

تفسیر : چونکہ قرآن مجید بھی اُس خبیث مرض سے شفا حاصل ہونے کا بڑا قوی نسخہ ہے اور دل میں نور پیدا کرنے کے لیے نہایت روشن شمع ہے، اس نے قرآن مجید کے بعض فضائل اور اس کا منزل من اللہ ہونا بیان فرماتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ یعنی قرآن مجید کو جو سب کلاموں سے عمدہ ہے، اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کلام میں ایک شان ہوتی ہے جو خود بتلا دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے، اسی لیے یہ مقولہ مشہور ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔ اب قرآن مجید کو بغور دیکھو کہ وہ کیا بتلاتا ہے۔ کلام میں دو حسن ہوا کرتے ہیں، ایک ظاہری وہ کیا فصاحت و بلاغت جو طبائع بشریہ کو اپنے مقناطیسی جذب سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دوسرا معنی وہ کیا اس کے مطالب کی عمدگی جو انسانی حالات اور اس کے جذبات اور اس کے تمام مقاصد کو جو دارِ آخرت سے تعلق رکھتے ہوں، حاوی ہو۔ انہیں طریقوں سے جو شاہنشاہوں کے کلام میں ہونے چاہییں۔ پس یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں اس خوبی کے ساتھ ہیں کہ جس کا نظیر نہیں اور اس کا ثبوت ہم متعدد مقامات میں کر آئے ہیں، اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی یہاں ایک ہی لفظ میں اشارہ کر دیا، یعنی اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ میں۔ دوسرا وصف اس کا ایک یہ ہے کہ وہ متشابھًا ہے کہ جس آیت کو دیکھیے ایک دوسرے سے اس خوبی میں مشابہ ہے، یہ نہیں کہ دس پانچ مقامات میں تو الٰہیات کا جلو نمودار ہو اور دوسرے مقامات میں شہوت انگیز اور سلف میں عیب لگانے والے قصے اور بے سود افسانے اور توہمات کی شاعرانہ طور پر بندشیں جیسا کہ توریت و اناجیل موجودہ اور وید و دساتیر کے ملاحظہ سے ظاہر ہے اور نیز یہ بھی ہے کہ احکام و تذکیر میں کتبِ سابقہ منزل من اللہ کے مشابہ ہے۔ پہلے جو احسن القول کا ذکر تھا۔ یہاں بتلایا گیا کہ وہ قرآن مجید ہے۔ تیسرے مثانی اس میں قصص و مواعیظ و احکام لوگوں کے

سمجھانے کے لیے مکرر یعنی بار بار نئے نئے اسلوب سے مذکور ہوئے ہیں، مگر پھر بھی کمالِ بلاغت ہے یا یہ مراد کہ قرآن بار بار پڑھا جاتا ہے۔ اس کی حلاوت مکرر پڑھنے کی طرف مجبور کرتی ہے اور دل پر گراں نہیں گزرتا اور کلاموں میں یہ بات نہیں، ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، برخلاف قرآن مجید کے یا یہ مراد کہ قرآن میں ہر بیان دوہرا ہے امر ہے تو نہی بھی، جنت کا ذکر ہے تو دوزخ کا بھی ہے۔ وقس علیہ۔ چوتھے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ اس کے پڑھنے سے دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔ بدن پر خدا ترسوں کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قوت بہیمیہ پست ہوتی ہے، ملکیت کو غلبہ ہوتا ہے، ایسے وقت میں انقلاب کا اثر جسم پر بھی ہوتا ہے۔ یہ روحانی اور معنوی صفت ہے جو کلام الٰہی کو لازم ہے۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ اس کے بعد ذکر الٰہی اور اس کے اُنس سے ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔ یعنی اطمینان ہوتا ہے۔ جلال کے مشاہدہ سے جس طرح خوف تھا اسی طرح جمال کے مشاہدہ سے سکون پیدا ہوتا ہے۔ فرماتا ہے ذٰلِكَ یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے، اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو اس سے بدنصیبی ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ جو قرآن سے نفع اُٹھاتا ہے۔ آتش جہنم کو اپنے منہ سے روکتا ہے، یعنی دُور کرتا ہے۔ قیامت کے روز پھر کیا وہ اس کے برابر ہے جو عذاب میں گرفتار ہو گا اور ان ظالموں کو کہا جاوے گا کہ اپنے بدعمل کا مزہ چکھو۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾

اُن سے پہلوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر ان پر اس طرح عذاب آیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی، پھر ان کو اللہ نے دُنیا کی زندگی ہی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اور بھی زیادہ ہے، اگر وہ جانتے اور البتہ لوگوں کے لیے ہم نے اس قرآن میں ہر ایک طرح کی مثال بیان کر دی تا کہ وہ سمجھیں۔ وہ عربی زبان کا بے عیب قرآن ہے تا کہ وہ پرہیزگاری کریں۔ اللہ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص (غلام) تو ایسا ہے کہ جس میں اور بھی برابر حصہ دار ہوں اور ایک غلام خالص ایک ہی شخص کا ہو کیا دونوں کی حالت برابر ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر جانتے بھی نہیں۔ بے شک تم کو بھی مرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے۔ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے آپس میں جھگڑلو گے۔

ترکیب: قرآناً حال مؤکدة من هذا وتسمى حالاً موطئة لان الحال فی الاصل هو عربیا و قرآنا توطئة له نحو جاء نی زید رجلا صالحا هذا قول الاخفش ویمکن ان ینتصب علی المدح رجلا قال الکسائی منصوب لکونه تفسیر المثل وقیل منصوب بنزع الخافض ای ضرب الله مثلا برجل

---

۱ اس جگہ سے عذاب آیا جس کو جانتے نہ تھے۔

وقیل رجلا مفعول اول و مثلا مفعول ثان فیہ شرکاء الجملۃ صفۃ لرجل، وفی تتعلق بمتشاکسون سلما بفتح السین وکسرھا وسالما مصدر وصف بہ للمبالغۃ والتشاکس التخالف۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ قاسی القلب لوگوں کے عذاب آخرت کی کیفیت بیان فرما چکا تو دُنیا میں بھی ان پر عذاب نازل ہونے کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال کَذَّبَ الَّذِیْنَ کہ ان سے پہلے لوگوں نے جو بڑے سخت دل تھے۔ ہمارے انبیاء اور آیات کو جھٹلایا تھا، پھر ان پر اس طرح سے عذاب آیا کہ اُن کو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ آرام سے پڑے سوتے تھے۔ بلا آگئی، پھر یہی نہیں کہ وہ ہلاک ہوگئے، بلکہ فَاَذَاقَھُمُ اللّٰہُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ان کو دُنیا میں رسوائی اور ذلت کا بھی خوب مزا چکھایا اور مطلب اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پورا عذاب اور کامل بلا وہ ہے کہ جس میں رسوائی اور ذلت اور رنج وغم بھی ہو اور غرض اس سے یہ ہے کہ مخاطبین بھی سن کر خبردار رہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ دُنیا ہی کی رسوائی اور عذاب پر بس نہیں بلکہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ان کے لیے آیا ہے۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ اگر وہ اس بات کو خوب جانتے اور عمل کرتے تو ایمان لاتے، مگر ان کو کب باور ہوتا تھا۔ تمسخر ہی کرتے رہ گئے کہ بلا میں گرفتار ہوگئے۔

ان بیاناتِ شافیہ اور فوائدِ متکاثرہ اور مطالب نفیسہ کے بیان کے بعد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیانات حدِ کمال کو پہنچ گئے۔ فقال وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ کہ قرآن میں ان باتوں کو ہم نے خوب کھول دیا ہے، ہر ایک بیان کو مثال کی طرح واضح کر دیا ہے۔ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ تاکہ لوگ سمجھیں اور خوب کریں پھر جو اس پر بھی نہ سمجھے تو یہ سمجھو کہ اس سے خدا ہی سمجھے گا وہ ازلی بدبخت ہے۔

اور جبکہ یہ بیان کیا کہ قرآن میں ایسے ایسے نفیس بیانات ہیں تو ضرور ہوا کہ کچھ اوصاف قرآن مجید کے بھی بیان کئے جاویں۔ فقال قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا کہ یہ کتاب قرآن ہے، یعنی پڑھا جاتا ہے۔ طبائع بشریہ سلیمہ اس کی تلاوت سے لذت اُٹھاتے ہیں اور عجب لطف پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو اُس کے معنی بھی نہیں سمجھتے وہ بھی ایک کیفیت پاتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک یہ کتاب لوگوں کی زبان پر ہوگی، سو ایسا ہی ہے۔ برخلاف اور ادیان اور اُن کی کتابوں کے۔

دوسری صفت یہ کہ عربیًا عرب کی شیریں اور نہایت فصیح بول چال میں اتارا گیا ہے، کسی اور ملک کی سخت اور پیچیدہ زبان نہیں جو زبان پر ثقیل ہو۔ اگرچہ ہر ملک کے لوگ اپنی زبان پر قادر ہوتے ہیں اور اسی کے کلمات ان پر سہل ہوتے ہیں، مگر اس سے قطع نظر فی نفسہٖ بھی زبانوں میں تفاوت ہے کہ کوئی نہایت سلیس اور شیریں اور سہل الوصول ہوتی ہے اور کوئی لٹھ یا سنگِ خارا۔ تیسری صفت غیر ذی عوج کہ قرآن میں کوئی کجی نہیں کوئی مضمون اور کوئی مطلب ایسا نہیں کہ جس سے طبیعتِ سلیمہ انکار کرے اور اس کو مستبعد جانے اور نہ الفاظ وعبارت میں کوئی کجی ہے۔ کتابِ الٰہی کے لیے یہ دونوں باتیں پر ضرور ہیں اور انہیں لحاظ سے کلام اپنے قائل کی شان بتایا کرتا ہے۔

لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ لوگ خدا سے ڈریں، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں۔ پہلے یَتَذَکَّرُوْنَ فرمایا تھا کہ سمجھنے کے بعد تقویٰ حاصل ہوا کرتا ہے۔

منکرین پر آنے والی بلاؤں کے بیان کرنے کے بعد مناسب ہوا کہ کچھ اُن کے طریقے کی بھی برائی بیان کرے کہ جس کے سبب ان پر یہ بلائیں دُنیا و آخرت میں آنے والی ہیں۔ فقال ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشَاکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ الخ کہ اللہ تعالیٰ تم سے ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص کے تو چند باہمی ضدی اور مساوی شریک ہیں، ان میں سے اگر ایک کسی کام کو کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف حکم دیتا ہے یا ایک اس کے لیے کوئی چیز دینا چاہتا ہے تو دوسرا روک لیتا ہے اور ایک شخص ایک ہی کا ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ پہلا بڑی حیرانی وسرگردانی میں ہے، دوسرا نہیں، یہی حال مشرک کا ہے کہ جو کئی معبودوں کا بندہ بنا ہوا ہے اور موحد ایک ہی معبود کو مانتا ہے، یعنی اللہ کو۔ یہ شرک اور مشرکوں کی برائی میں مثال بیان ہوئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جب اور کوئی معبود نہیں تو سب انعامات وافضال جو بندے پر ہیں، ایک ہی شخص کی طرف سے ہیں، یعنی اللہ کی طرف سے، پس جس کے انعام ونعماء ہیں وہی حمد وستائش کا مستحق ہے اور کوئی نہیں پس اسی کی حمد اور اسی کا شکر کرنا چاہیے۔ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر وہ مشرک اس بات کو جانتے نہیں۔

اور ممکن ہے کہ جس طرح مطالب ثابت کرنے کے بعد کلماتِ حمد وثناء مستدل زبان پر اظہار مسرت کے لیے اور دشمنوں پر فتح یابی ظاہر کرنے کے لیے لایا کرتا ہے۔ اس طرح الحمد للہ یہاں آیا ہو۔

ان بیانات کو تمام کر کے اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی اور اطمینان دیتا ہے۔ فقال اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کہ دنیا چند روزہ ہے، ایک روز اے نبی علیک السلام تجھے بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ مر کر خدا تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ پھر تم وہاں اللہ کے پاس جھگڑو گے۔ حق وباطل وہاں ظاہر ہو جاوے گا، گو اب دنیا میں یہ انکار کرتے ہیں اور دلائلِ حقہ میں غور نہیں کرتے، نہ کریں مرنے کے بعد سب حال معلوم ہو جاوے گا۔

آنحضرت ﷺ کی نسبت جو مرنے کا لفظ اطلاق ہوا حالانکہ آپ شہیدوں سے رتبہ میں کہیں بڑھ کر ہیں اور شہیدوں کی نسبت فرمایا تھا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا کہ ان کو مردہ نہ سمجھ بل احیاء بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی کھایا کرتے ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں کس لیے کہ وہ حیات اور ہے جس کو حیاتِ ابدی کہنا چاہیے اور یہ موتِ عرفی ہے۔ جسم سے روح کی مفارقت، اس مسئلہ کی ہم اس آیت کی تفسیر میں تشریح کر چکے ہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ وَکَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَہٗ اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾ لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور سچی[1] بات کو جب اس کے پاس پہنچی جھٹلا دیا۔ کیا دوزخ میں منکروں کا ٹھکانا نہیں اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچا جانا وہی پرہیزگار ہیں۔ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہوگا۔ یہ بدلہ ہے نیک بختوں کا تا کہ اللہ ان کے برے عملوں کو ان سے مٹا دے اور ان کو ان اچھے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے بدلہ دے۔

ترکیب : اذ جاء ظرف لکذب بالصدق ای کذب القرآن فی وقت مجیئہ ای من غیر تدبر وتفکر مثوی المقام من ثوی یثوی ثواء وثویا مثل مضی مضاء ومضیا اذا اقام بہ۔ الذی جاء الموصول فی موضع رفع بالابتداء اولئک الجملۃ خبرہ والمبتداء وان کان مفرد اللفظ ولکنہ فی معنی الجمع لانہ یراد بہ الجنس لیکفر اللام متعلقۃ بمحذوف اسوء اسم تفضیل وقیل بمعنی اسئی ویجزی معطوف علی یکفر باحسن اضافۃ الشئی الی بعضہ للتوضیح۔

تفسیر : قیامت میں خصوصیت اور فیصلہ ہونے کا بیان فرما کر نیک وبد دونوں فریقوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ کون حق پر اور مستحق نجات و درجات ہے اور کون ناحق پر اور قابلِ عذاب ہے؟ فقال فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم اور ناحق پرست ہے کہ جو اللہ

[1] دینِ حق۔ ۱۲ منہ

پر جھوٹ باندھے کہ اس کے بیٹا ہے اور جورو ہے اور فرشتے اور جن بیٹیاں ہیں اور فلاں فلاں کو اس نے اپنے کارخانۂ قضاء وقدر کا اختیار دے کر ان کی پرستش کی اجازت دی ہے یا فلاں باتیں حرام اور فلاں حلال کی ہیں، حالانکہ اس نے ایسا حکم نہیں دیا۔ (یہ مشرکوں کی عادت کا بیان ہے) وَکَذَّبَ بِالصِّدْقِ اور سچی بات کو جھٹلاوے کتاب اللہ اور اُس کے رسول کا انکار کرے اور وہ بھی بے سوچے سمجھے جیسا کہ کفارِ مکہ کی عادت تھی یا اور جہلاء اباء واجداد و رسم و رواج کے بندے ایسا کرتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ جس کی یہ صفت ہے وہ ناحق پر ہے، اس کی سزا جہنم ہے۔ اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ استفہام کے طور پر سزا کا بیان کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ مخاطب کے نزدیک بھی ایسے نالائقوں کے جہنمی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ گویا ان کے منہ سے اقرار کرا دیا۔ الزام اس کو کہتے ہیں۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ الخ یہاں سے دوسرے فریق یعنی اہلِ حق کا بیان کرتا ہے، کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ انہیں اوصاف کا ذکر کر کے کہ جن کی بابت منکرین کو کلام تھا کہ جو حق بات لایا اور حق کی تصدیق کی، بعض مفسرین کہتے ہیں، ان الفاظ میں خاص خاص شخصوں کی طرف اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد نبی علیہ السلام ہیں کہ وہ حق بات دینِ اسلام اور قرآن دنیا میں خدا کی طرف سے لائے وَصَدَّقَ بِهٖ سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ یا تمام اہلِ اسلام یا حضرت علی ہیں، مگر صحیح تر یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ گو اس میں یہ حضرات بھی بطریقِ اولیٰ داخل ہیں بلکہ جو کوئی کلمۂ توحید کی طرف بلاوے اور احکامِ الٰہی بتاوے اور جو کوئی اس کو قبول کرے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ وہی لوگ پرہیزگار خداترس ہیں۔ یہ صاف صاف ان کے اہلِ حق ہونے کی شہادت دی گئی اور اس طرح پر کہ جس کو ہر صاحبِ طبعِ سلیم مان سکتا ہے۔ آیت میں صرف اعتقادیات کی درستی پر متقی ہونے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس میں عملیات بھی داخل ہیں، کس لیے کہ کامل تصدیق اور پورا حق کا لانا بغیر اس کے نہیں کہ ان باتوں پر عمل بھی کرے۔ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ الخ یہ اُن کی جزاء بیان ہوتی ہے جو مرنے کے بعد ملے گی کہ وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے یہاں پاویں گے، اس میں سب چیزیں آ گئیں۔ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ یہ بدلہ ہے، نیکوں کا اور یہ بدلہ اس لیے دیا کہ لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ اللہ ان سے جو کچھ بشریت سے خطائیں ہو گئیں، معاف کرے اور لفظ اَسْوَاَ اشارہ کرتا ہے کہ بڑے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اُن کے اچھے کاموں کا بدلہ دے گا، ان کو برباد نہ کرے گا۔ یہ قطعی فیصلہ سنا دے گا۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ؕ وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ ؕ قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍّ ھَلْ ھُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَۃٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِہٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ ؕ عَلَیْہِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ یَّاْتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ وَیَحِلُّ عَلَیْہِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۴۰﴾

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں اور آپ کو ان معبودوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے سوا ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی بھی ہدایت کرنے

والا نہیں اور جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی بھی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست' بدلہ لینے والا نہیں اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، کہو بھلا دیکھو تو سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اس کی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں یا وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اُس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں، کہو مجھ کو اللہ کافی ہے۔ اُس پر توکل کرنے والے توکل کیا کرتے ہیں۔ کہو اے قوم تم اپنی جگہ پر کام کئے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں، پھر تم کو آپ معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے، اس کے رسوا کرنے کو اور کس پر دائمی عذاب اُترتا ہے۔

تفسیر : کفارِ مکہ کا اپنے معبودوں کی نسبت اعتقاد بڑھا ہوا تھا، ان کو نافع وضار جانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو ان کو نہیں مانتا اس کو برباد کر دیں گے۔ عامہ ہنود کا بھی کالی بھوانی وغیرہما کی نسبت اب تک یہی اعتقاد ہے، اس لیے وہ اپنے معبودوں کی برائی سن کر نبی ﷺ کو ڈرایا کرتے تھے، چنانچہ عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے حضرت ﷺ سے کہا تھا یا تو ہمارے معبودوں کی برائی سے باز آؤ ورنہ ہم اُن سے کہہ دیں گے وہ تم کو سڑی کر دیں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ اس خیال کے غلط کرنے کو اول اپنی مدد اور حمایت کا بھروسہ دلاتا ہے۔ فقال الیس اللہ بکاف عبدہ کہ کیا خدا اپنے بندے کی مدد کو کافی نہیں؟ یعنی کافی ہے۔ ہر مہمات اور ہر بات میں وہی بس کرتا ہے، اس پر بھروسہ کرنا چاہیے، اس کے بعد ان کی تخویف کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ کہ اے نبی! تجھ کو اللہ کے سوا اور معبودوں سے ڈراتے ہیں، حالانکہ یہ ڈرانا ان کی گمراہی اور خیالاتِ فاسدہ کا نتیجہ ہے جو خدا کی تقدیر ازلی سے اُن کو دی گئی ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ کہ جن کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے۔ پھر کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اہل ایمان کو اللہ نے ہدایت دی ہے، وہ اپنے حقیقی معبود پر بھروسہ رکھتے ہیں، اس کو نافع وضار سمجھتے ہیں۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اور اللہ جس کو ہدایت دے اُس کو کون گمراہ کر سکتا ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ کیا اللہ زبردست' بدلہ لینے والا نہیں ہے، کیوں نہیں پھر اس کے دوستوں کو کوئی کیا تکلیف دے سکتا ہے وہ انہی کو غارت کر دے گا۔

اس کے بعد ان کے اس اعتقادِ فاسد کی خرابی بیان کرتا ہے۔ فقال وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ اگر تو اے نبی یا اے مخاطب! ان سے یہ پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ (یہ اس لیے کہ اس بات کا علم اُن کی فطرت میں تھا) اس بات سے اُن کو سمجھایا گیا ہے کہ جب اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے تو اُس کے سوا اور کون ہے جو نفع ونقصان دے سکے۔ پھر ان سے کیوں ڈرتے اور کیوں ڈراتے ہو؟ **دوسری دلیل** اس بات پر ان کے روزمرہ کے حالات سے بیان فرماتا ہے۔ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ الخ کہ ان سے یہ پوچھ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے کوئی ضرر دینا چاہے تو تمہارے معبودوں میں سے وہ کون ہے جو اس کو دُور کر دے گا؟ کس لیے کہ وہ سب پر غالب اور سب پر اسی کا حکم نافذ ہے یا وہ مجھے کوئی بھلائی دینی چاہے تو کون اُس کو روک سکتا ہے۔ حجت تمام کر کے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ کہہ دے مجھے اللہ بس کرتا ہے۔ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ اسی پر توکل کرنے والے توکل یعنی بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں۔ **توکل** اللہ پر بھروسہ کرنا اسی کو کارساز جاننا عام ہے کہ اسباب کو عمل میں لایا جاوے یا نہیں، اس کے بعد قوم کو آیندہ آنے والی مصیبت سے متنبہ کرتا ہے۔ قُلْ يٰقَوْمِ کہ کہہ دو اے قوم! اپنی جگہ پر جو کرتے ہو کرو میں بھی جو کرتا ہوں کر رہا ہوں، تم کو ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ کس پر دنیا میں رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے، (چنانچہ کفار پر قحط اور بدر کا واقعہ آیا) اور کس پر مرنے کے بعد عذابِ دائمی اُترتا ہے؟

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا

يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

ہم نے آپ پر لوگوں کے لیے برحق کتاب نازل کی ہے۔ پھر جو کوئی راہ پر آیا تو اپنے بھلے کے لیے اور جو کوئی گمراہ ہوا تو وہ صرف اپنے خراب ہونے کے لیے گمراہ ہوتا ہے۔ اے رسول! آپ کچھ ان کے ذمہ دار نہیں۔

ترکیب : للناس متعلق بانزلنا بالحق حال من الفاعل اوالمفعول بہ ای متلبسا بالحق فمن شرطیۃ و جوابہ فلنفسہ و من موصولۃ مبتدء فانما یضل الجملۃ خبرہ و ما انت جملۃ مستانفۃ ویمکن ان یکون حالا من فاعل یضل۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے مشرکین کے مذہب کو کبھی تو دلائلِ دینیات سے باطل کیا کبھی امثال بیان کر کے اس کی خرابی ظاہر فرمائی اور کبھی دنیا و آخرت میں بلائیں اور عذاب کی سزا سے ڈرایا مگر اس پر بھی وہ کور باطن نہ مانتے تھے اور نبی کو ہمدردی کا جوش جو اُن کو جہنم میں گرتے دیکھتا تھا اور آپ کو سخت رنج ہوتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال انا انزلنا الخ کہ ہم نے اے نبی! آپ پر لوگوں کی رہنمائی کے لیے دنیا میں کتاب نازل کر دی ہے۔ یعنی قرآن مجید جو سعادت وشقاوت بیان کرنے میں صاف صاف ہے اور جمیع ضروریات کے لیے دستور العملِ آسمانی ہے اور قرآن بھی کیسا نازل کیا۔ بالحق سچائی اور خوبی کے ساتھ ہر عقلمند غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور تمام اگلے نوشتوں کا لب لباب ہے، اب اس کے بعد جو کوئی رستے پر آوے اور نیک روی اختیار کرے تو اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو کوئی نہ مانے گمراہی اور کجروی اختیار کرے تو اپنے لیے آپ برباد ہوگا۔ وما انت علیھم بوکیل اور اے نبی! آپ اُن کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔ سو آپ بخوبی کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں، اسی قسم کے مضامین اور کئی جگہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا۔ وَقَالَ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ وَقَالَ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ۔

فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں۔ یہ آیت منسوخ ہے، آیت سیف سے کیونکہ آیت سیف میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ جب تک لوگ توحید و رسالت کا اقرار نہ کریں یعنی دنیا میں آسمانی سلطنت قائم کرلیں، تلوار سے کام لیں یعنی حقوقِ الٰہی کا مطالبہ بالجبر کریں، مگر تحقیق یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں، پھر خواہ مخواہ نسخ کا قائل ہونا ایک بیکار خیال ہے، کس لیے کہ آیتِ سیف میں قتال کا حکم بجائے خود ہے اور یہاں اُس کی ممانعت نہیں، صرف آپ کی تسلی ہے اور اُن کی بدبختی کا اظہار ہے۔

پہلے آیا تھا وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اور یہاں آیا ہے جو کوئی آپ گمراہ ہوتا ہے، اس کا جواب ہم کئی جگہ مفصلاً دے چکے ہیں کہ اللہ کی طرف ہدایت وضلالت کی نسبت کرنا باعتبارِ حکمِ ازلی ونوشتۂ قضاء وقدر کے ہے اور بندے کی طرف اس کے کسب اور اسبابِ ہدایت وضلالت کے عمل میں لانے کی وجہ سے اور اسی طرح ہدایت وضلالت کبھی اس کے اسباب کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے، کہتے ہیں قرآن یا نبی یا فلاں عالم نے ہدایت دی شیطان یا فلاں ملحد و کافر نے گمراہ کر دیا۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

اللہ ہی موت کے وقت روحوں کو قبضہ میں کر لیتا ہے اور جو مرتے نہیں ان کی روحوں کو خواب میں قبضہ میں کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم ہو چکتا ہے تو ان کو روک رکھتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے، ایک مقررہ وقت تک بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

تفسیر : ہدایت کو حیات سے مشابہت ہے اور گمراہی کو موت سے اب اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حکم قضاء وقدر کے ہاتھ میں ہدایت و ضلالت ہے، جیسا کہ موت وحیات ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نفوس کو موت کے وقت ورنہ خواب کے وقت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر جس کو چاہتا ہے بیدار کرتا ہے۔ حیات دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے سوتے ہی میں موت دیتا ہے، اسی طرح ہدایت بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لیے ان آیات میں اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الخ فرمایا یا یوں کہو جس طرح اور دلائل سے اپنی خداوندی و جبروت کا ثبوت کیا تھا، اس جگہ انسان کی روز مرہ حالت خواب و بیداری سے اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت کرتا ہے اور اس میں حشر ونشر کا نمونہ اور دنیا کا خواب وخیال ہونا بتلاتا ہے۔

فقال اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا کہ موت کے وقت اللہ ہی روحوں کو قبض کرتا ہے اور بدن سے نکالتا ہے، والتی لم تمت اور جو مرے نہیں اُن کو فی منامہا ان کے خواب کے وقت قبض کرتا ہے۔ تصرفِ ظاہری نہیں کرنے پاتے، کھانا پینا' دیکھنا' چلنا' لینا دینا کچھ ان سے نہیں ہوتا، مردے کی طرح پڑے رہتے ہیں۔ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے، اُن کو روک لیتا ہے، پھر اس بدن کی طرف دنیا میں آنے نہیں پاتے۔ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰیٓ اِلٰیٓ اَجَلٍ مُّسَمًّی اور دوسروں کو (یعنی جن کو خواب میں قبض کیا تھا) ایک وقتِ معین تک چھوڑ تا ہے۔ یعنی بدن سے تصرفات کرنے لگتے ہیں۔ بیدار ہو کر وقتِ خاص تک یعنی موت تک۔

واضح ہو کہ نفسِ انسانی ایک جوہر نورانی روحانی ہے۔ جب ان کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن کے اجزاء میں پھیلتی ہے اور اُس کو زندگی یا حیات کہتے ہیں اور جب اس کا بدن سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے، ظاہر اور باطن سے تو وہ نورانیت جمیع اجزاءِ بدن سے منقطع ہو جاتی ہے، اس کو موت کہتے ہیں اور خواب کے وقت اُس کی روشنی صرف ظاہر بدن سے منقطع ہو جاتی ہے، مگر باطن میں رہتی ہے۔ صرف موت اور خواب میں اتنا فرق ہے کہ موت میں انقطاعِ کلی ہو جاتا ہے اور خواب میں انقطاعِ ناقص ہوتا ہے۔ بعض وجوہ سے اس لیے کہتے ہیں کہ سویا مرا برابر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس قادر' عالم' حکیم نے نفس کا بدن کے ساتھ تین طرح پر تعلق قائم کیا ہے۔ (۱) یہ کہ اس کی روشنی ظاہر و باطن میں برابر پہنچے، اس کو بیداری کہتے ہیں۔ (۲) یہ کہ صرف ظاہر میں بعض وجوہ کی روشنی نہ ہوئی اُس کو نوم یا خواب کہتے ہیں۔ (۳) یہ کہ اس کی روشنی بالکل منقطع ہو جاوے اس کو موت کہتے ہیں اور ایسی تدبیرِ عجیب کا صدور بجز قادر علیم حکیم کے اور سے ناممکن ہے اور یہی مراد ہے اس قول سے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ پس ایسے کی پرستش کرنی چاہیے نہ اُس کی کہ جو خود بے حس و بے قدرت ہو۔

لایاتٍ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شب کو سناٹا ہو جاتا ہے۔ گویا تمام شہر مر گیا، جدھر دیکھو سنسان ہے، صبح کو صبحِ حشر کی طرح پھر وہی ہاہو، شور ہو جاتا ہے اور نیز اس طرف بھی کہ انسان اپنے مرنے کے وقت کو ایسا سمجھے کہ جیسا خواب میں باتیں کرتے کرتے آنکھ بند ہو جاتی ہے، اسی طرح جن اشغال میں ہوتا ہے انہی میں موت آ جاتی ہے اور نیز احادیثِ صحیحہ میں ان دُعاؤں کا پڑھنا آیا ہے جو اُس کی موت کو یاد دلاتے ہیں اور توبہ واستغفار بھی ضروری ہے اور اس طرف بھی کہ یہ زندگی ایک خواب سا ہے۔

وائے محرومی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا　　　خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا ۭ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا

ا اور کبھی مجازاً یہ توفی ملائکہ کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے، جیسا قل یتوفاکم ملک الموت کیونکہ یہ تدبیر وتصرف عالم کے لیے موکل ہیں، اس علاقہ سے ان کی طرف اسناد مجازی ہوا۔ ۱۲ منہ

ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

کیاانہوں نے اللہ کے سوااور حمایتی بنار کھے ہیں۔ کہوا گر وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی عقل نہ رکھتے ہوں تو بھی (حمایتی بناؤ گے) کہو ہر طرح کی حمایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اس کے لیے بادشاہت ہے۔ پھر تم اس کے پاس لوٹا کر لائے جاؤ گے اور جب اکیلے اس کا نام لیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو ان کے دل بھچنے (نفرت کرنے) لگتے ہیں اور جب اس کے سوااوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔ کہواے اللہ! آسمانوں اور زمین کے بنانے والے چھپے اور کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کی ان باتوں کا کہ جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں فیصلہ کر دے گا اور اگر ظالموں کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سب ہو اور اسی قدر اس کے ساتھ اور بھی ہو تو قیامت کے بڑے عذاب کے معاوضہ میں دے کر چھوٹنا چاہیں گے اور اللہ کی طرف سے اُن کو وہ پیش آئے گا کہ جن کا اُن کو گمان بھی نہ تھا اور برے کاموں کی برائی ان پر ظاہر ہو جاوے گی اور ان کو وہ عذاب کہ جن پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے پکڑے گا۔

ترکیب : ام منقطعة بمعنی بل۔ اولو کان الھمزة للانکار والواو للعطف علی محذوف مقدر ای یشفعون ولو کانوا الخ وجواب لو محذوف ای وان کانوا بھذہ الصفة تتخذونھم۔ جمیعًا حال من الشفاعة مصدر یطلق علی الواحد والکثیر ولھذا اصح وقوع الحال بجمیع منہ وحدہ انتصابہ علی الحال عند یونس وعلی المصدر عند الخلیل وسیبویہ۔ اشمأزّت الاشمئزاز النفور والانقباض۔ فاطر السمٰوٰت منصوب علی النداء عالم الغیب بدل منہ اوصفة للذین خبران ما فی الارض اسمھا جمیعًا حال منہ ومثلہ معطوف علی ما ولذا الانصب لافتدوا جواب لو۔

تفسیر : بیان سابق کے بعد مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو یاوہ کہ جن کے نام کے بت ہیں، خدا اور خالق و مالک سمجھ کر نہیں پوجتے بلکہ اُن کو شفیع اور کارکن جان کر اور اکثر مشرکوں کا مخلوق پرستی کے لیے یہی حیلہ ہوا کرتا ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ الخ کہ کیا اُن کو شفیع سمجھ لیا ہے کہ اگر وہ ذی روح ہیں تو لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا ان کے بس میں کچھ بھی نہیں، اس کی اجازت بغیر کوئی کچھ بول بھی نہیں سکتا اور اگر وہ بت ہیں تو لَا یَعْقِلُوْنَ وہ بے حس و حرکت و بے عقل ہیں اور ہر قسم کی شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اور حمایت بھی اسی کے بس میں ہے، اسی کے بس میں اور قبضہ اور ملک میں آسمان و زمین ہے اور سب کو اسی کے پاس جانا ہے، پھر اسی کو پکارو پوجو۔ وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ یہ مشرکوں کی بدعادت اور بے انصافی کا بیان ہے کہ جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت کے منکر نفرت کرتے ہیں اور رُکتے ہیں اور جب اوروں کا یعنی اُن کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُسی وقت خوش ہو جاتے ہیں، اُن کے اس اصرار و جہل پر آنحضرت ﷺ کو یہ معاملہ خدا کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ دُعا اور اس کے اوصافِ حمیدہ کے پیرایہ میں فقال قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ کہ کہہ دے اے اللہ تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ دلوں کے راز تجھ پر آشکارا ہیں۔ آج جس

بات میں تیرے بندے جھگڑتے ہیں ان کا تو فیصلہ کردے گا کہ موحد برحق ہے یا مشرک۔اس میں بھی مخالف کے دل پر اپنے وثوق جتلانے کے ذریعہ سے بڑا اثر ہوتا ہے۔آخرت کے فیصلہ کا حوالہ دینے کے بعد وہاں جو کچھ ان پر پیش آوے گا اس کا ذکر کرتا ہے۔وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ الخ کہ ظالموں کے پاس اگر تمام دُنیا کی نعمتیں ہوں اور اُن کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوں تو ان سب کو دے کر عذابِ قیامت سے چھٹنا غنیمت جانیں گے۔وَبَدَا لَهُمْ اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے وہ مصیبت ظاہر ہوگی کہ جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا۔وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ اور اُن کے حرکات ناشائستہ کی برائی ان کے پیش آوے گی اور جس عذاب جہنم اور آخرت کے معاملات پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہوگا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ز ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۲

پھر جب آدمی پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔پھر جب ہم اُس کو اپنی نعمت عطاء کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھ کو میری عقل سے ملی ہے، بلکہ یہ نعمت آزمائش ہے۔لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں یہی بات ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہی تھی۔پھر جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔پھر اُن پر اُن کے اعمال کی برائی آپڑی اور جو اُن لوگوں میں سے ظالم ہیں اُن پر بھی ابھی اُن کے اعمال کی برائی آپڑتی ہے اور وہ ہم کو کچھ بھی ہرا نہ سکیں گے۔کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔بے شک اس میں ایمان داروں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب : نعمة نصبھا علی الحال ای نعمة کائنة منا اوتیته الضمیر یرجع الی النعمة وھی مونث لفظا ولکن یراد بھا الشیء ھذا علی ان تکون ما فی انما کافة وعلی علم حال من المرفوع او المنصوب وان جعلت ماموصولة فالضمیر الی ما الموصولة و علی علم خبرہ قد قالھا الضمیر الی الجملة وھی قولہ انما الخ۔

تفسیر : یہاں سے مشرکین کی ایک اور عادت بیان فرماتا ہے۔فقال فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے بیماری یا رزق کی تنگی وغیرہ تو خدائے تعالیٰ کو پکارتا ہے اور جب خدا اُس پر فضل کرتا ہے اور راحت اور آسائش دیتا ہے تو اُس کو اپنی دانائی یا تدابیر اور کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے فرماتا ہے۔بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ بلکہ یہ اُس کے حق میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے لیکن اکثر جانتے نہیں۔فرماتا ہے۔قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے لوگ بھی جو نعمت دیے گئے تھے اور خدا تعالیٰ سے تکبر کرتے اور ناشکری میں مبتلا تھے۔ایسا کہہ چکے ہیں۔قارون فرعون وغیرہ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ پھر اُن پر اُن کی ناشکری سے بلا نازل ہوئی جس کا دفعیہ اُن کی تدبیر و دانش کہ جس کی طرف وہ نعمت کو منسوب کیا کرتے تھے، کچھ بھی نہ کرسکی، آخر فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ان کے بدکام کا برا نتیجہ اُن کے سامنے آیا نہ وہ رہے اور نہ اُن کا ملک و مال نہ جاہ و سلطنت برے کام اور بدکاری مصیبتوں کے لباس میں پیش آئی، اُن کی سب تدبیریں اُلٹ گئیں۔

اور زمانۂ حال کے لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن پہلے لوگوں کے لیے ہوا اور اُن کے قصوں کو افسانے سمجھ کر غافل ہو جاویں بلکہ والذین

ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ ان میں سے جو بدکار ستمگار ہیں، اُن پر بھی اُن کے اعمال بد کا بڑا اثر پڑے گا اور اُن کا کوئی زور نہ چلے گا۔

انسان جو کام کرتا ہے اُس کا ضرور ایک اثر ہوتا ہے، خواہ نیک خواہ بد اگر اس نے بدکام کو توبہ وندامت واستغفار کے صابن سے نہ دھویا یا اُس کی مکافات میں کوئی عمدہ اور خدا پسند کام نہیں کیا جو اُس برے کام کے اثر کو روکے تو ضرور اُس پر اُس کام کا برا نتیجہ کسی مصیبت کی شکل میں ظہور کرے گا، کسی قدر دنیا میں اور زیادہ تر آخرت میں یہ بڑی مجرب بات ہے، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْا الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ ناسپاس جو اس نعمت کو جو دراصل اُن کے حق میں فتنہ ہے، اپنی تدبیر اور دانش کا نتیجہ اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانتے ہیں، غلط خیال ہے کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ رزق و دولت کی کشائش ان باتوں پر موقوف نہیں ہے، بہت سے عاقل اور صاحب کمالات اور بہت سے باخدا دُنیا میں عسرت کے ساتھ زندگی بسر کر گئے ہیں اور بہت سے حمقاء اور بے علموں اور بدکاروں کو مال و دولت و سلطنت و ثروت دی گئی ہے۔

اگر روزی بدانش برفزودی ز ناداں تنگ تر روزی نبودی

اس میں ایمانداروں کے لیے اُس کی قدرت کے بڑے نشان ہیں۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

(اے نبی! میری طرف سے) کہہ دے کہ اے میرے گناہ گار بندو اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا (اور) مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اُس کی اس سے پہلے فرمانبرداری کرو کہ تم پر عذاب آ جائے۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اور اس عمدہ بات پر چلو جو تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے۔ اُس دن سے پہلے کہ تم پر یکا یک عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (یہ اس لیے کہ کل کوئی نہ کہے کہ اے افسوس! میں نے اللہ کی طرف سے بڑی کوتاہی کی اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہ گیا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگار ہو جاتا یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہنے لگے کہ اے کاش! مجھے بار دیگر دُنیا میں بھیجا جائے تو پھر میں بھی نیک ہو جاؤں (جواب ملے گا) ہاں تیرے پاس میری آیتیں آئیں پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور منکر ہو گیا۔

ترکیب : ان تقول. مفعول لہ ای کراہتہ ان تقول۔ وقال الکوفیون لئلا تقول۔ حسرتی الالف مبدل من یاء المتکلم و ان کنت ان مخففۃ من الثقیلۃ ای انی۔

تفسیر : وعید کے بعد اپنے بندوں سے مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی عادت ہے۔ فقال قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ کہ اے محمد (ﷺ) میرے ان بندوں سے کہہ دے کہ جنہوں نے اپنے لیے زیادتی کی ہے۔ یعنی گناہ کیے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہوویں کیونکہ وہ سب گناہ بخش دیتا ہے، وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں، اس کے یہ معنی ہیں کہ گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ اب کسی طرح سے ہمارے گناہوں کی خدا تعالیٰ کے یہاں معافی ہی نہیں بلکہ وہ غفار ہے جو کوئی گناہ کر چکا صغیرہ یا کبیرہ کفر و شرک سب کو توبہ کے بعد وہ معاف کر دیتا ہے۔

بعض کہتے ہیں عبادی سے مراد ایماندار ہیں، اُن کے گناہوں کو خدا بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا یا تو بالکل سزا نہ دے نہ دنیا میں نہ آخرت میں یا کچھ سزا دے کر پھر گناہوں سے مراد کبائر ہیں۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ چند مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے زنا و قتل کیا اور بہت کچھ کیا، پھر تیرے دین کو اختیار کر لیتے، اگر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوتا تب یہ آیت وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ الخ اور یہ آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الخ نازل ہوئی۔

اس لیے اس کے بعد ان کو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور فرمان بردار ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ الخ کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اُس کا حکم مانو، عذاب آنے سے پہلے اور قرآن کی عمدہ باتوں اور احکامِ محکمہ پر چلو، اُس دن سے پہلے کہ دفعتاً تم پر عذاب آ جاوے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اور پھر حسرت و ندامت کرنے لگو کہ افسوس میں نے اللہ کی طرف سے بڑی کوتاہی کی اور میں تمسخر ہی کرتا رہا۔ (الجنب والجانب بمعنی جہۃ الشیء واطلاقہ علی الطاقۃ مجاز) یا یہ کہنے لگے کہ اگر مجھے اللہ ہدایت کرتا تو پرہیزگار ہو جاتا یا قیامت کے دن اور مرنے کے بعد عذاب دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر مجھے بار دگر دنیا میں بھیجا جائے تو نیکی کروں اور اس کے جواب میں اس کو یہ کہا جائے بَلٰی قَدْ جَآءَتْکَ کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے اُن کو جھٹلایا اور سرکشی کی اور انکار کیا۔ کفر کا اب تیرا کوئی عذر مسموع نہیں نہ تجھ کو کوئی عذر کرنے کی جا ہے۔

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۶۰﴾ وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور (اے مخاطب!) جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے ہیں تو ان کو قیامت کے دن روسیاہ دیکھے گا۔ کیا جہنم میں غرور کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں؟ اور اللہ ان کی پرہیزگاری کے سبب نجات دے گا کہ کوئی اُن کو تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہوئے وہی نقصان میں پڑے ہیں۔

ترکیب : وجوههم مبتدء مُسْوَدَّةٌ خبر والجملۃ فی موضع الحال هذا قول الاخفش هذا علی تقدیر ان تکون تری من الرؤیۃ البصریۃ وان کانت قلبیۃ فهی مفعول ثان بِمَفَازَتِهِمْ قرا الجمهور علی الافراد قال المبرد والمفازۃ مفعلۃ من الفوز وهو السعادۃ مصدر میمی من الفوز وهو الظفر وقرئ

بمفازاتھم جمع مفازۃ کسعادۃ وسعادات لاعتبار الانواع والمعنی ینجیھم یفوزھم ای بنجاتھم من النار وفوزھم بالجنۃ لَا یَمَسُّھُمُ الجملۃ مفسرۃ بمفازتھم او منصوبۃ علی الحال من الذین اتقوا۔ لَہٗ مَقَالِیْدُ جملۃ۔ مستانفۃ قال الجوہری الاقلید المفاتح والمقالید جمع وقیل لا واحد لہ۔

تفسیر: یہ اُن کی ایک اور سزا بیان فرماتا ہے۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الخ کہ اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کا قیامت میں منہ سیاہ ہوگا۔ کذب کہتے ہیں، خلافِ واقع کوئی خبر دینا بعض کہتے ہیں، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ قصداً ہو۔ اللہ پر جھوٹ بولنے سے مراد خدا کی مرضی اور اصل واقعہ کے برخلاف اُس کی نسبت کوئی خبر دینا کہ اُس کے بیٹا ہے یا جورو ہے یا اس نے فلاں چیز حلال فلاں حرام کی ہے، حالانکہ ایسا نہیں کیا جیسا کہ اہلِ ادیانِ باطلہ ومشرکین کہا کرتے تھے اور کہتے ہیں، پھر فرماتا ہے۔ اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ الخ کہ روسیاہی پر بس نہیں بلکہ اُن کا جہنم ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَیُنَجِّی اللّٰہُ الخ کہ پرہیز گاروں کو اللہ ان کی فلاح کاری اور سعادت کے سبب نجات دے گا کہ لَا یَمَسُّھُمُ السُّوْٓءُ کہ نہ اُن کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ اُن کو کوئی رنج وغم پیش آئے گا۔ ہمیشہ شادان وفرحان رہیں گے۔ اتقوا سے مراد شرک ومعاصی سے بچنے والے جو شرک وکبائر سے بچے متقی ہے اور جو صغائر سے بھی بچے وہ تو کامل متقی ہے۔ بعض کہتے ہیں، اس جگہ پر صرف اللہ پر جھوٹ بولنے سے بچنا مراد ہے۔ مشرکین بڑا اللہ پر جھوٹ یہ بولتے تھے کہ اُس کے بیٹا اور بیوی ہے اور فلاں فلاں اُس کے کارخانۂ قدرت کے مختار ہیں، اس لیے اس خیال کے رد کرنے کے لیے فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور بیٹے جورو مالک ومختار اُس کے پیدا کیے نہیں ہوئے کہ جس کے وہ بیٹے یا جورو یا مختار ہیں، پھر اگر وہ اللہ کے پیدا کیے ہیں تو بیٹے جورو نہیں اور اگر از خود پیدا ہوئے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ پھر تو وہ برابر کے خدا ہیں اور جورو اور مختار بن کر کم مرتبہ ہونے کی کیا وجہ؟ اور نہیں تو بتلاؤ کہ وہ اور کون ہے؟ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا عمدہ دلیل ہے، اس آیت سے اہلِ سنت معتزلہ کے مقابلہ میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ بندے کے افعال نیک وبد کا بھی اللہ خالق ہے۔ کل شیء میں وہ بھی داخل ہیں۔ ہاں بندہ کا سبب ہے اور مباشر جو فی الجملہ اختیارِ خداداد کی وجہ سے سزا اور جزا کا مستوجب ٹھہرتا ہے، بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ بیٹے جورو تو نہیں پر اُس نے اپنے سب معاملات اُن کے سپرد کر دیے ہیں اور آپ کچھ نہیں کرتا، اس کی رد میں فرماتا ہے۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ کہ سب کاروبار و ہر چیز اُسی کی سپردگی میں ہے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ہماری روزی رزق اُن کے ہاتھ ہے، اُس کے رد میں فرماتا ہے۔ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ اُس کے ہاتھ آسمان اور زمین کی کنجیاں یا خزانے ہیں۔ مقالید کنایہ ہے، تصرفات وتدبیر سے کہ سب رزق وروزی اور سب سامان اُس کے قبضہ میں ہیں۔ والذین کفروا فرماتا ہے، جو آیاتِ الٰہیہ کے منکر ہیں اور ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے، وہی نقصان میں ہیں۔ دُنیا میں حیرانی وتشویش اور مفت کی غلامی آخرت میں عذاب ہے۔

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِکَ ۚ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ
وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ
الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِہٖ ۭ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۶۷﴾

ل اخفش کہتے ہیں کلام عرب میں یمین کے معنی قدرت وقبضہ کے بھی آتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں او ماملکت ایمانکم وقولہ لاخذنا منہ بالیمین ای بالقدرۃ والقوۃ والطی ضد النشر اور مراد اس سے فنا کرنا ہے کہتے ہیں الطوی عنا ما کنا فیہ وجاء نا غیرہ الطوی عنا بمعنی المعنی والذہاب۔ ۱۲ منہ

کہوائے جاہلو! کیا مجھے اللہ کے سوا اور کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہو، حالانکہ آپ کو بھی اور آپ سے پہلے ان (انبیاء) کو بھی وحی کے ذریعے سے مطلع کر دیا گیا ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو ضرور آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپ خسارہ میں پڑ جائیں گے بلکہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور شکر کرنے والوں میں ہو کر رہو اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی، جیسا کہ اُس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور (وہ ایسا بھی ہے) کہ زمین قیامت کے روز اُس کی ایک مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور بلند ہے اُن کے شرک کرنے سے۔

ترکیب : الاستفہام لانکار والفاء للعطف علی مقدر افغیر اللہ منصوب اعبد وتامرونی اعتراض ومعناہ افغیر اللہ اعبد بامرکم۔ ویمکن ان یکون منصوبا بتامرونی و اعبد بدلا منہ والتقدیر قل افتامرونی بعبادۃ غیر اللہ ھذا من بدل الاشتمال ومن باب امرتک الخیر ویجوز ان یکون منصوبا بفعل محذوف ای افتلزمونی غیر اللہ وفسرہ مابعدہ۔ ولقد اللام دالۃ علی قسم مقدر لئن جواب القسم وھذا اللام ایضا دالۃ علی قسم لیحبطن ولتکونن وہاتان اللامان واقعۃ فی جواب القسم الثانی والثانی جوابہ جواب الاول وجواب الشرط محذوف لدلالۃ جواب القسم علیہ والارض مبتدءٌ وَ قَبۡضَتُهٗ الخبر وجمیعا حال من الارض قبضتہ مقبوضۃ لای فی ملکہ وتصرفہ والسمٰوٰت الخ مبتدا وخبر بیمینہ متعلق بالخبر ویجوز ان یکون حالا من الضمیر فی الخبر وان یکون خبرا ثانیا۔

تفسیر : دلائلِ توحید بیان کرنے کے بعد بھی جب وہ ہٹ دھرم اپنی کج بحثی سے باز نہ آئے اور بت پرستی کو ترجیح دینے لگے تو اب اور طرح سے آنحضرت ﷺ کو کلام کرنے کا حکم دیا۔ فقال قُلۡ اَفَغَيۡرَ اللّٰهِ تَاۡمُرُوۡٓنِّىۡۤ الخ کہ اے نادانو کیا تم مجھے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم کرتے ہو۔ یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا اور پھر اس حکم کو مؤکد کرتا ہے۔ وَلَقَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ الخ کہ اے محمد (ﷺ) تیری طرف اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف ہم یہ حکم بھیج چکے ہیں کہ اگر تو اے محمد (ﷺ) بالفرض یا تجھ سے پہلے انبیاء فرضاً شرک کریں تو اُن کے نیک کام اکارت ہو جائیں اور بڑی بربادی میں پڑیں۔ یہ کلام جلالی اور شاہنشاہی رعب کے قاعدہ پر ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اگلے انبیاء سے شرک سرزد ہونا محال تھا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، مگر مخاطب کے سنانے کو ایسا پر زور حکم سنا دیا کہ یہ مذموم کام کسی کو بھی معاف نہیں۔ بَلِ اللّٰهَ فَاعۡبُدۡ وَكُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِيۡنَ بلکہ خاص اللہ ہی کی عبادت کرو اور تمام نعماء اُسی کی طرف سے سمجھ کر شکر کیا کرو۔ وماقدروا اللہ حق قدرہ اب پھر بندوں کی ناسپاسی کا شکوہ کرتا ہے کہ افسوس اُنہوں نے جیسا کہ اللہ کی قدر و منزلت، عزت و عظمت کرنی چاہیے تھی ویسی نہ کی کہ اس کے سوا اُس کی مخلوق کو بھی اُس کے ساتھ ملانے اور نافع اور ضار سمجھنے لگے اور نالائق اوصاف سے اُس کو متصف بتانے لگے۔ حقیقت میں اللہ کی قدر دانی جیسا کہ چاہیے تھی، ہم بندوں سے نہ ہو سکی۔ سینکڑوں راحتوں اور نعمتوں پر ذرا بھی کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو کلمات شکوے کے منہ پر آجاتے ہیں اور ہم اپنی اوقاتِ عزیز کو اُس کی یاد سے غافل ہو کر دنیائے فانی اور خواہشِ نفسانی کے حاصل کرنے میں جوانی جو فانی ہے، کس طرح سے صرف کر رہے ہیں۔ یہ پوری قدر دانی صاحبانِ خدا کا کام ہے۔ اس کے بعد اپنی عظمت و جلالِ کبریائی ظاہر فرماتا ہے۔ وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ الخ کہ قیامت کے روز تمام زمین اُس کے قبضۂ قدرت میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ معتزلہ آیت کے یہ معنی لیتے ہیں کہ قبضہ سے مراد تصرف ہے نہ مٹھی میں ہونا اور دائیں ہاتھ میں آسمانوں کے لپٹنے سے مراد اُس کی قدرت میں ہونا۔ اہلِ سنت کا یہ مذہب ہے کہ ید اور یمین کے حقیقی معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتے، کس لیے کہ وہ اعضاءِ جسمانی سے پاک ہے، پس اُس کے الفاظ پر ایمان ہے اور اُن کی حقیقت وہی جانتا ہے جو یمین اور قبضہ اُس کی ذات کے لائق ہے نہ یہ کہ جو جسمانیت کے لائق ہو اور تائید کرتی ہے، اس کی وہ حدیث کہ جس کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ زمین کو ایک مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو دائیں ہاتھ میں اور کہے گا کہاں گئے جبار و متکبر کہاں گئے زمین کے بادشاہ، میں بادشاہ ہوں، مطلب یہ کہ اُس روز قدرت کا اظہار کرے گا۔

وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ

نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ﴿٦٨﴾ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾

اور صور پھونکا جاوے گا، پھر آسمانوں اور زمین کے رہنے والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا، پھر تو سب کھڑے ہوئے دیکھتے راہ تکیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور نامۂ اعمال (لاکر) رکھے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو بلایا جاوے گا اور اُن کا انصاف سے فیصلہ ہوگا اور (کچھ بھی) اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو جو کچھ اُس نے کیا تھا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تفسیر : آسمانوں کے لپیٹنے یعنی فنا کرنے کا ذکر آ گیا تھا، اس طرح پر کہ اللہ کی قدر نہ کی اور اللہ ایسا جلیل و جبار ہے کہ آسمانوں و زمین دنیا کو فنا کر دے گا۔ قیامت کے روز اس مناسبت سے اور حشر کی مجملہ کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ کہ صور پھونکا جائے گا۔ صور تُرہی یا بگل کی قطع کی ایک چیز ہوگی کہ جس کو زور سے اسرافیل بجاویں گے، اُس میں پھونک مار کر بعض کہتے ہیں، اُن کے ساتھ جبرئیل بھی ہوں گے، جیسا کہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد سے پایا جاتا ہے۔ صور کئی بار پھونکے گا یہ اول بار پھونکنے کا ذکر ہے فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ اس کے پھونکنے سے آواز کی کڑک اور تیزی ہوگی جس سے آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے جاندار بے ہوش ہو جاویں گے، مگر وہ نہ ہوں گے جن کو اللہ چاہے گا۔ حسن کہتے ہیں جبرئیل و میکائیل اور رضوان اور حورانِ جنت اور حاملانِ عرش بے ہوش نہ ہوں گے، بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش نہ ہوں گے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سب سے اول میں قیامت کو اُٹھوں گا، پھر دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ مجھے علم نہ ہوگا کہ وہ مجھ سے پہلے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں شہداء بھی بے ہوش نہ ہوں گے، جیسا کہ بیہقی اور سعید بن منصور و ابویعلی و دارقطنی و حاکم نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اس پر اشکال وارد کیا ہے کہ یہ استثناء نفخۂ صعق کے بعد ہوگا اور یہ پہلا نفخہ ہے کہ جس میں سب مر جاویں گے، اس کے جواب میں بعض مفسرین نے بڑی قیل و قال کی ہے مگر مطلب صاف ہے کس لیے کہ صعقۂ اول میں خدا تعالیٰ بعضوں کا بے ہوشی سے محفوظ رہنا بیان فرماتا ہے۔ پس ملائکہ اور روحانیات پر خصوصاً ارواحِ طیبات پر جو دوسرے عالم میں ہوں گی فناءِ دنیا کے صور سے کوئی بے ہوشی نہ ہوگی۔ ان میں حضرت موسیٰ اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام بھی شریک ہیں۔ یہ بے ہوشی اہلِ دُنیا پر طاری ہوگی اور آسمانوں کے ملائکہ پر بھی کس لیے کہ آسمان بھی تو فنا ہوں گے، مگر وہاں کے بعض ملائکہ جو تجرد اور نورانیت میں عالم قدس میں ملحق ہیں، محفوظ رہیں گے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے اور انتظار کرتے ہوں گے کہ فیصلہ کب ہوگا؟ یہ دوسرا نفخہ ہے۔ قرآن شریف سے دو ہی بار صور پھونکنا ثابت ہے اور ان دونوں میں چالیس روز یا مہینوں یا برسوں کا فاصلہ ہوگا، جیسا کہ بخاری و مسلم کی اس حدیث سے پایا جاتا ہے۔ جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ تین بار صور پھونکا جائے گا۔ اول گھبراہٹ اور بے ہوشی کا کما قال وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ دوسرا موت کا تیسرا بار دیگر زندہ ہونے کا۔ وَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا اور زمین نورِ رب سے منور ہو جائے گی۔ اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا۔ کما قال تعالیٰ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ الخ تختِ رب العالمین رکھا جائے گا، چونکہ وہ نور ہے اُس کا وہاں جلوہ اور تجلی ہوگی نہ یہ کہ خدا انسانوں کی طرح مجسم ہو کر تخت پر بیٹھے گا۔ وَوُضِعَ الْكِتَابُ اور نامۂ اعمال رکھے جائیں گے اور انبیاء اور گواہ لائے جاویں گے اور کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو اُس کے اعمال کا

پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کو لوگوں کے اعمال خوب معلوم ہیں، یعنی کامل انصاف ہوگا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾

اور منکر گروہ کے گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہاں آویں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جاویں گے اور اُس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہاری قوم کے رسول نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے اور آج کے دن کے پیش آنے سے تمہیں خوف دلایا کرتے تھے، وہ کہیں گے ہاں لیکن عذاب کا حکم (علم ازلی میں) منکروں پر ہو چکا تھا، کہا جائے گا جہنم کے دروازہ میں گھسو جس میں تم کو سدا رہنا ہوگا، پھر کیا بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی اور جو اپنے رب سے ڈرا کرتے تھے، ان کے غول کے غول جنت کی طرف روانہ کئے جاویں گے۔ یہاں تک کہ وہ جب وہاں پہنچیں گے اور اُس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کے پاسبان اُن سے کہیں گے تم پر سلام تم اچھے لوگ ہو، چلو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا کہ جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا مالک بنا دیا۔ اس بہشت میں جہاں چاہیں رہا کریں، پھر کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اور (اے رسول!) آپ فرشتوں کو عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے دیکھیں، تسبیح کرتے ہوں گے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ان میں انصاف سے فیصلہ ہوگا اور کہا جائے گا الحمد للہ رب العالمین۔

ترکیب : زمرا جمع زمرۃ وھی الجماعۃ، حال فی الموضعین و فُتِحَتْ الواو زائدۃ عند قوم لان الکلام جواب حتی اذا ولیست زائدۃ عند قوم فالجواب محذوف ای دخلوھا نتبوا حال من الفاعل او المفعول وحیث مفعول بہ حافین حال من الملائکۃ یُسَبِّحُوْنَ حال منھا۔

تفسیر : فیصلہ ہونے کے بعد کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ کفار کی جماعتیں جہنم کی طرف ہانکی جاویں گی، وہاں فرشتے اُن سے ملامت کے طور پر پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس دُنیا میں رسول نہ آئے تھے جو آیاتِ الٰہی سنایا کرتے اور اُس روز کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں آئے تھے مگر تقدیر میں یہی تھا، فرشتے کہیں گے تو جہنم میں گرو کہ ہمیشہ وہاں رہا کرو گے جو بری جگہ ہے اور پرہیزگاروں کو جنت کی طرف روانہ کریں گے، جب وہاں آویں گے تو اُس کے دروازے کھلے پاویں گے اور فرشتے اُن سے سلام کہیں گے اور اُن کو ہمیشہ

رہنے کا مژدہ دیں گے اور جنتی وہاں خدائے تعالیٰ کی حمد کریں گے کہ اُس نے ہم سے وعدہ سچ کر دکھایا اور جنت کی زمین کا مالک کیا جہاں چاہیں رہیں۔ اللہ فرماتا ہے پھر کیا عمدہ اجر ہے، عمل کرنے والوں کا یعنی جس نے دُنیا میں اچھے عمل کئے، اُن کا اجر وہاں بہت عمدہ ہے۔

اس کے بعد پھر عرصات کا بیان فرماتا ہے۔ وتری الملائکۃ کہ اے محمد (ﷺ)! تو دیکھے گا کہ تختِ رب العالمین کے اردگرد فرشتے حلقہ باندھے ہوئے، اُس کی حمد و تقدیس و تسبیح کرتے ہوں گے اور لوگوں کا انصاف کے ساتھ وہ فیصلہ کر دے گا اور فیصلہ کے بعد ایماندار اور ملائکہ مل کر کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور دربار برخاست ہوگا۔ یہ ایسا ہے کہ جیسا کسی عمدہ کام کرنے والے کو تمام کرنے پر کلماتِ تحسین سے یاد کیا جاتا اور اُس کا آوازہ بلند کیا جاتا ہے۔

بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، پہلی جماعت جو جنت میں جاوے گی، اُن کے چودھویں رات کے چاند جیسے منہ روشن ہوں گے اور جو اُن کے بعد والے ہیں، وہ روشن ستارے کے مانند ہوں گے۔

اس مختصر سے بیان میں حشر سے پہلی کیفیت کہ صور پھنکے گا، لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، پھر مر جائیں گے، پھر دوبارہ صور پھنکے گا تو میدانِ عدالت میں حاضر ہوں گے اور وہاں تختِ رب العالمین اس شان سے رکھا جائے گا اور نیکوں کا یہ اور بدکاروں کا یہ انجام ہوگا۔ حقیقت میں اعجاز اسی کا نام ہے۔ والحمد للہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

حم کتاب کا نازل کرنا اللہ زبردست دانا کی طرف سے ہے جو گناہ کا معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت سزا دینے والا مقدور والا ہے، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اُس کے پاس پھر جانا ہے۔ اللہ کی آیتوں میں تو وہی جھگڑا کیا کرتے ہیں جو منکر ہیں، پھر آپ کو اُن کے شہروں میں (اترا کر) پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے ان سے پہلے نوح کی قوم اور اُن کے بعد اور فرقے بھی جھٹلا چکے ہیں اور ہر ایک اُمت نے اپنے رسول کے پکڑنے کا ارادہ کیا تھا اور غلط باتوں کے ساتھ بحث کرتے تھے تاکہ اس سے دین حق کو مٹا دیں، پھر ہم نے اُن کو پکڑ لیا، پھر کیسی سزا ہوئی اور اسی طرح منکروں پر اللہ کا کلام پورا ہوا کہ وہ جہنمی ہیں۔

ترکیب : حم تنزیل الکتاب مثل الم تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ صفۃ قال الاخفش التوب جمع توبۃ کدوم ودومۃ وادخال الواو فی ہذا الوصف لافادۃ الجمع للمذنب التائب بین قبول توبتہ ومحو حوبتہ اولتغائر الوصفین اذ ربما یتوہم الاتحاد، بیضاوی، شَدِيْدِ الْعِقَابِ نکرۃ لان التقدیر شدید عقابہ فیکون بدلا ویجوز ان یکون شدید بمعنی مشدد فیتعرف ذی الطّول بالفتح المن (الجوہری) صفۃ لا

اله الخ صفة ويمكن ان تكون مستانفا۔

تفسیر : اس سورہ کا نام سورۂ غافر اور سورۂ مومن بھی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی قول عطاو جابر وعکرمہ کا ہے۔ حسن کہتے ہیں، مگر یہ قول وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کس لیے کہ نماز مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں۔ یہ دو آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ الخ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سب حوامیم مکہ میں نازل ہوئیں اور یہی بات ٹھیک ہے۔ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں تو ہر دروازہ پر سورۂ حم ہوگی، کہے گی یا اللہ جس نے مجھ کو پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اُس کو اس دروازہ سے نہ داخل کریو۔

اس سورہ کا منجانب اللہ ہونا بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے چند اوصاف بیان فرمائے تا کہ ناظرین کو واضح ہو جائے کہ یہ زبردست علم والے کا ایسا کلام ہے کہ جس میں بندوں کی تمام مصلحتیں رکھی گئی ہیں اور نہ صرف علم والا بلکہ زبردست بھی ہے جو نہ ماننے تو اُس کو سزا بھی دے سکتا ہے اور عمل کرنے پر انعام واکرام بھی بے حد کر سکتا ہے۔ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، پھر اُس کے پاس پھر کر بھی جانا ہے، بارِ دگر بھی اُس سے کام پڑنا ہے۔ پس ان صفات کے لحاظ سے عاقل کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی بھی خطرہ باقی نہیں رہتا، وہ صفات یہ ہیں۔ (۱) عزیز زبردست۔ (۲) علیم تمام علوم اور حکمتیں اُس کے آگے حاضر ہیں۔ (۳) غَافِرِ الذَّنْبِ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے اہلِ سنت کے نزدیک بے توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے۔ (۴) قَابِلِ التَّوْبِ توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے۔ (۵) شَدِيْدِ الْعِقَابِ مگر سرکشوں کو سخت سزا بھی دے دیا کرتا ہے، گردن کشوں کی گردنیں توڑ ڈالتا ہے۔ (۶) ذِی الطَّوْلِ بڑی بخشش بھی کیا کرتا ہے، اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ (۷) لا اله الخ کہ وہ خدا یکتا ہے، کوئی اُس کا شریک نہیں جو اُس کو کسی بات سے روک سکے۔ (۸) اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اُس کے پاس پھر بھی جانا ہے، مرکر بھی اُس کی طرف حاجت باقی رہتی ہے۔ ایسی کتاب اور ایسے نازل کرنے والے کا جو انکار و تکرار کرتے ہیں، سو وہ کافر ہیں۔ دُنیا میں وہ جو پھرتے اور مکہ سے شام تک تجارت کے لیے شہروں میں پھرتے ہیں، اس سے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ ہمارے قابو سے نکل گئے، ان سے پہلے نوح کی قوم اور دیگر اقوام نے اپنے انبیاء سے ایسا کیا تھا، برباد ہوئے، یہی حال ان کا ہونا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾

وہ ملائکہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے آس پاس ہیں، اپنے رب کے لیے تعریف کے ساتھ تسبیح (وتقدیس) کرتے رہتے ہیں اور ایمانداروں کے

لیے بخشش کی دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اُس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم سب پر حاوی ہے۔ پھر جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے رستہ پر چلتے ہیں، ان کو بخش دے اور اُن کو دوزخ کے عذاب سے بچالے اور اے رب! اُن کو اس جنت عدن میں داخل کر کہ جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں جو کوئی نیک ہوگیا ہو اُن کو بھی کیونکہ تو جو ہے تو زبردست حکمت والا ہے اور اُن کو برائیوں سے بچا اور جس کو تو نے اُس دن برائیوں سے بچایا تو اُس پر مہربانی کی اور یہ ہے وہ بڑی کامیابی۔

ترکیب : الذین مبتدء و من مرفوع عطفا علی الذین یسبحون خبرہ یُؤْمِنُوْنَ، وَیَسْتَغْفِرُوْنَ معطوف علیہ ربنا وسعت صدرہ محذوف ای یقولون والجملۃ حال رحمۃ و علما تمیز والاصل وسع کل شیء علمک وَ مَنْ صَلَحَ معطوف علی الضمیر فی ادخلھم ای وادخل من صلح و قیل معطوف علی الضمیر فی وعدتھم فھی فی محل النصب من آباء ھم بیان لمن صلح وازواجھم وذریاتھم علی الجمع عطف علی آباھم۔

تفسیر : پہلے بیان ہوا تھا کہ ایسی کتاب میں (جو ایسے زبردست علیم کی نازل کی ہوئی ہے) کافر ناحق کو جھگڑے مچاتے ہیں تاکہ اُس کو پست کریں اور اس آفتاب کی شعاعوں کو روکیں، سو یہ اُن کی رذالت و دناءتِ جبلی کا مقتضی ہے، اب یہاں بیان فرماتا ہے کہ دیکھو ملائکہ اور اُن میں سے بھی وہ جو تختِ رب العالمین کو اُٹھائے رہتے ہیں اور وہ جو اُس کے آس پاس ہیں، یعنی اعلیٰ رتبہ کے ملائکہ وہ خدا کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور وہ باوجودیکہ تخت کے پاس ہیں اور تخت پر کسی مجسم چیز کو بیٹھے ہوئے نہیں دیکھتے، پھر بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ اُن کو جنتِ عدن میں داخل کر اور جہنم سے بچا۔ فقال اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ الخ اُس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اراذل جو ایمانداروں کی عداوت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں کہ کچھ ٹھکانا نہیں، ان کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے۔ حاملانِ عرش اور حاضرانِ بارگاہِ قدس دل سے اظہارِ مسرت و محبت کررہے ہیں اور اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے مٹائے سے یہ کتاب و دین کیا مٹ سکتا ہے۔ بارگاہِ اقدس کا منشاء اُس کے پھیلانے کا ہے اور اس طرف بھی کہ انسان کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی فائدہ بخش چیز کا دشمن ہو رہا ہے۔ باوجودیکہ سخت محتاج ہے اور اُس پر اس کی سرتابی سے بلا نازل ہونے والی ہے اور حاملانِ عرش کہ جو گناہوں سے پاک ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں اور اس طرف بھی کہ وہ ملائکہ جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت یہ کہتے تھے کہ یہ دُنیا میں فساد و گناہ کرے گا، اب اُس کے لیے استغفار و معافی کے خواستگار ہیں انسان کو شرم چاہیے۔

فائدہ: (۱) تسبیح اللہ تعالیٰ کو جو اُس کے لائق نہیں اُن سے بری ثابت کرنا۔ تحمید اُس کے منعمِ حقیقی اور محسن علی الاطلاق ہونے کا اقرار کرنا پس تسبیح جلال کی طرف اور تحمید کمال کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) ملائکہ کے حال میں تسبیح و تحمید کے بعد یہ فرمایا۔ ویؤمنون بہ کہ وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ تسبیح و تحمید وہی کیا کرتا ہے جو اُس پر ایمان لایا ہوتا ہے، پھر اس لفظ کے ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر اُن کو عیاناً و مشاہدۃً بیٹھا ہوا دکھائی دیتا تو اُن کا ایمان لانا اُس پر چنداں مدح و ثناء کی بات نہ ہوتی، کس لیے کہ حاضر و مشاہدہ اور معائنہ کی چیز کا اقرار کرنا کوئی قابلِ تعریف بات نہیں، اگر کوئی آفتاب کو دیکھ کر اُس کے روشن اور نورانی ہونے کا اقرار کرے تو کیا تعریف کی بات ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ نے خدائے تعالیٰ کو تخت پر بیٹھے نہیں دیکھا، غائبانہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ صاحبِ کشاف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے اور امام رازی نے اس کو ازحد پسند کیا ہے۔

(۳) اس سے یہ شبہ بھی اُٹھ گیا کہ خدا تعالیٰ کے تخت کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور وہ تخت پر بیٹھا ہے تو خدا تعالیٰ کے وہ محافظ قرار پائے اور خدائے تعالیٰ محدود مانا جاتا حالانکہ ان باتوں سے پاک ہے اور شبہ یوں اُٹھ گیا کہ خدا تعالیٰ عرش پر اس طرح نہیں بیٹھا ہے کہ جس سے یہ شبہات پیدا ہوں بلکہ جس کو تختِ رب العالمین کہتے ہیں، اُس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے مگر وہ اُس کی تجلی کی جگہ ہے، جس کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے اور یہی مذہب تمام اہلِ سنت والجماعت کے سلف و خلف محدثین و فقہاء و متکلمین کا ہے اور اس بارہ میں جو احادیث

صحیحہ وارد ہیں، اُن سے یہی مراد ہے نہ وہ کہ جو ظاہر الفاظ سے بعض نے سمجھ کر مجسمہ کا مذہب اختیار کر کے اس کو اہلِ حدیث کا مذہب قرار دیا ہے اور لوگوں کو خطرہ میں ڈالا ہے اور اسلام کو موردِ طعنِ ملاعین بنایا ہے۔ ایا ک ثم ایا ک۔

(۴) ملائکہ کے حق میں یہ بھی فرمایا۔ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا یہ بھی اُن کی ایک خوبی ہے، کس لیے کہ کمالِ سعادت دو باتوں ہے، ایک تعظیم امر اللہ دوسرے شفقت بر خلقِ خدا۔ پس یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ میں تو پہلی بات ثابت کی وَیَسْتَغْفِرُوْنَ میں دوسری لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا کی قید اس لیے لگائی کہ خدا کے دشمنوں پر قہر الٰہی ہے، ایسے موقع پر مالک کے مخالفوں کی کون خیر خواہی کر سکتا ہے؟ اب ملائکہ کی استغفار کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ مسلمان بندے کو توبہ کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ یا اللہ اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور عام ہے کہ عموماً ایمانداروں کے لیے معافی مانگتے ہیں یا خاص خاص نیک بندوں کا نام بھی لیتے ہوں، اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کفار جو ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پوجتے ہیں تو وہ اُن کے لیے 'دُنیا لینا' مراد برلانا تو درکنار خدا تعالیٰ سے اُن کے حق میں معافی بھی نہیں مانگتے۔ معافی بھی مانگتے ہیں تو صرف ایمان والوں کے لیے اور دعا بھی کرتے ہیں تو اُنہی کے لئے۔

(۵) رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا یہ اُن کی خدا تعالیٰ سے دُعا ہے، ایمانداروں کے لیے مگر دُعا سے پہلے اُس کی تسبیح و تحمید کرنا جو دعا کے لیے نورانیت اور اجابت کا مستحق ثابت کرتی ہے اور جس سے وہ کی جاتی ہے، اُس کو متوجہ کرتی ہے اور پھر اُس کو بلفظ ربنا سے شروع کرنا اور مقصود سے پہلے بھی اُس کی رحمت کا ذکر کرنا اور اُس کے علم کا ذکر کرنا جو اپنی حاجت اور اخلاص کا یاد دلانا ہے، دُعا کے لیے رکن یا شرط یا عمدہ وصف ہے۔ گویا بندوں کو یہ بتلا دیا کہ وہ مانگنے کا یہ طریقہ ہے اور حاملانِ عرش یوں مانگا کرتے ہیں۔ گستاخانہ سوال رد ہو جایا کرتا ہے۔ دُعا سے پہلے کوئی عملِ خیر' ذکر الٰہی وغیرہ باعثِ قبولیت دُعا ہے۔ رحمت کو علم سے مقدم اس لیے کیا غرضِ اصلی تو اُس کی رحمت کا اظہار ہے جو مدعا بر آری کا باعث ہے اور علم کا بعد میں ذکر محض اس لیے آیا ہے کہ آپ ہر حاجت مند کی حاجت اور درد مند کے درد سے واقف ہیں۔ سو یہ عارضی بات ہے، اس لیے موخر ہوئی۔

(۶) فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ اول وہ اُن لوگوں کے لیے کہ جو شرک و کفر سے تائب ہو کر دینِ الٰہی کے تابع ہو گئے ہیں، اُن کے بعض افعال پر جواز قسم معاصی بمقتضائے بشریت اُن سے صادر ہو گئے ہیں۔ مغفرت مانگتے ہیں، یہ اُس یَسْتَغْفِرُوْنَ کا بیان ہے پھر اُن کے لیے عذابِ جہنم سے رستگاری چاہتے ہیں جو اُن کے معاصی پر ہونے والا تھا، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی کہتے وَ اَدْخِلْھُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الخ کہ اُن کو اس جنتِ عدن میں داخل کر کہ جس کا تو نے انبیاء کی معرفت ان سے وعدہ کیا تھا اور انہی پر بس نہیں بلکہ و من صلح کہ ان کے بزرگوں اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں ان کو بھی ان سے ملا کہ مل کر نہایت محظوظ رہیں، جدائی احباء کا بھی غم نہ رہے۔ باپ اور بیوی اور اولاد کا ذکر اہتمامِ شان کے لیے آیا ہے، ورنہ مراد عموماً اہلِ قرابت و محبت ہیں۔ بشرطیکہ وہ نیک ہوں۔

وَقِھِمُ السَّیِّاٰتِ اور دیگر تکالیف سے بھی اُن کو بچا اور جس کو تو نے اُن برائیوں اور تکلیفوں سے اُس روز بچا دیا تو اس پر بڑی مہربانی فرمائی اور یہ بڑی مراد پانا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی الْاِیْمَانِ فَتَکْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِکُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

كَفَرْتُمْ ۚ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫

(قیامت کے دن) کافروں کو پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح (آج) اللہ کو تم سے بیزاری ہے (دنیا میں) اس سے بڑھ کر خود تم کو بیزاری تھی، جب تم کو ایمان کے لیے بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو ہم کو دوبار مار چکا اور دوبار زندہ کر چکا پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا۔ پھر اب بھی کوئی نکلنے کی راہ ہے (کہا جائے گا) عذاب اس لیے ہوا کہ جب تم کو اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور جب اُس کے ساتھ اور ملایا جاتا تھا تو ایمان لاتے تھے، پھر اب حکم اللہ ہی کے ہاتھ ہے جو بلند (شان) اور بہت بڑا ہے۔

ترکیب: مِنْ مَّقْتِكُمْ مصدر مضاف الی الفاعل و اَنْفُسَكُمْ منصوب بہ اِذْ تُدْعَوْنَ ظرف لفعل محذوف تقدیرہ مقتکم اذ تدعون المقت دشمن گرفتن یقال مقتہ فھو مقیت وممقوت (صراح) اثنتین اثنتان لمصدر محذوف ای امتنا اماتتین اثنتین واحییتنا احیاء تین اثنتین ذلکم مبتدء خبرہ محذوف العذاب بانہ ای بسبب انہ وحدہ مصدر فی موضع الحال من اللہ ای دعی مفرداً۔

تفسیر: ایمانداروں کی حالت بیان کرنے کے بعد کہ اُن کے لیے آخرت کے امر میں ملائکہ یوں دُعا کرتے ہیں جو مستجاب ہوگی اور وہاں جنتِ عدن میں اپنے صلحاء اقارب کے ساتھ جاویں گے۔ مصائب آخرت سے محفوظ رہیں گے۔ کفار کا حال بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ کہ قیامت کے روز کفار کو پکار کر سنا دیا جاوے گا، جبکہ وہ جہنم اور وہاں کی سختیاں دیکھ کر ناخوش اور ناراض اور غصہ ہوں گے کہ دُنیا میں جب کہ تم کو ایمان لانے کے لیے کہا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے، اس وقت خدا تعالیٰ کو تم پر غصہ اور ناخوشی ہوتی تھی۔ سو وہ غصہ اس کا تمہارے آج کے غصہ سے جو تم کو اپنے اُوپر آ رہا ہے بڑھ کر تھا، تم نے اُس کے غصہ کی پروا نہ کی اب وہ تمہاری ناراضگی اور دل تنگی اور غصہ کی بھی کچھ پروا نہیں کرتا۔

یہ سن کر کفار عذر کریں گے، قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا کہ اے رب! تو نے ہم کو دوبار موت اور دوبار زندگی دی اس سے ہم کو تیری قدرت اور حشر پر یقین آ گیا۔ دُنیا میں نہ آیا تھا، اب ہم اپنے گناہوں کے مقر ہو گئے، پھر اب بھی کوئی رستگاری کا رستہ اور چھٹکارے اور رہائی کی کوئی صورت ہے۔

اول موت سے مراد عدم کا زمانہ ہے کہ جس میں انسان نہ تھا یا وہ تھا مگر ماں کے پیٹ میں گوشت و پوست کا ایک پتلا تھا، اس میں جب تک روح نہ پڑی تھی اور ماں کا پیٹ اس کی گور تھا، کیونکہ اماتت کے معنی کسی شے کا معدوم الحیات کر دینا ہے، عام ہے کہ ابتداء ہو یا بعد میں کر دیا جاوے۔ اس لیے کہتے ہیں سبحان من صغر البعوض و کبر الفیل، اس کے یہ معنی نہیں کہ مچھر پہلے بڑا تھا، پھر اس کو چھوٹا کر دیا بلکہ ابتداءً چھوٹا پیدا کیا اور دوسری موت بھی عرفی موت ہے کہ جس وقت انسان کی روح اُس کے بدن سے الگ ہو جاتی ہے، اسی طرح پہلی زندگی سے مراد دنیا کی زندگی دوسری بار زندہ کرنے سے مراد آخرت کی زندگی کہ جس کی ابتداء قبر سے ہے، جیسا کہ جمہور اہلِ سنت کا مذہب ہے اور احادیثِ صحیحہ اس پر دال ہیں اور عذاب و ثوابِ قبر پر یہ شبہ کرنا (کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا ہے) غلط ہے، کس لیے کہ انسان کچھ اس ہیکلِ مخصوص ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ جسمِ نورانی کا نام ہے جو اس بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس وہ تم کو نظر نہیں آتا نہ اُس کا عذاب و ثواب۔ یہ دو موت اور دو زندگی سب کے لیے ہیں اور سورۂ صافات میں جو مومنین کا قول نقل ہے اس کے منافی نہیں اور وہ یہ ہے۔ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى کس لیے کہ اُن کی مراد موت یا اماتت سے وہ ہے جو زندہ ہونے کے بعد طاری ہوئی تھی، سو وہ ایک ہی تھی اور اُس کے بعد سے اُن کو حیاتِ ابدی نصیب ہو گئی اور جگہ بھی یہ مضمون آیا ہے۔ فقال فی سورۃ البقرۃ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔

کفار کو جواب ملے گا۔ ذلکم بانہ الخ کہ تمہاری یہ سزا تمہارے شرک کی وجہ سے ہے۔ پس ہر حکم اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ تم کو بارِ دگر دُنیا میں نہیں بھیجے گا جو دوبارہ مرنے اور جینے سے تم نے اُس کی خواہش کی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰

وہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے روزی اُتارتا ہے اور سمجھتا وہی ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے، پھر اللہ کو پکارو خاص اسی کے لیے عبادت کو مخصوص کر کے گو منکر برا مانیں وہ بلند مراتب تخت کا مالک ہے، اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے، تاکہ وہ ملاقات (قیامت) کے دن سے ڈراوے جس دن کہ لوگ قبروں سے باہر آویں گے۔ اللہ پر کوئی بات اُن کی مخفی نہ رہے گی۔ کس کی حکومت ہوگی، آج کے روز؟ ایک اللہ زبردست کی آج کے روز ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ پاوے گا۔ آج کے روز کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

ترکیب: ھو الذی مبتدء یریکم خبرہ و ینزل خبر ثان ولو وصلیۃ متعلق بادعوا اللہ رَفِیْعُ الدَّرَجَات خبر ثالث ذُو الْعَرْش خبر رابع یلقی الروح خبر خامس من امرہ متعلق بیلقی من عبادہ بیان لمن یشاء لینذر فاعلہ الضمیر یرجع الی اللہ والمفعول محذوف العذاب یوم التلاق مفعول فیہ للعذاب ویمکن ان یکون مفعولا بہ یوم ھم بدل منہ۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ناخوش ہوتے ہیں اور جو اُس کے ساتھ اوروں کو بھی ملایا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں، اب یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ اُس کے ساتھ کون شریک ہو سکتا، تمام کاروبار اور جمیع منافع انسانیہ دینیہ و دنیویہ اُسی کے ہاتھ ہیں۔ فقال ھُوَ الَّذِیْ الخ انسان کے درجات ہیں، ایک روحانی کہ اُس کی روح کو دلائلِ دینیات کے سبب ورطۂ جہالت سے نکالا جائے، اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ یُرِیْکُمْ آیَاتِہٖ کہ وہ تم کو ہر وقت اپنی قدرت کی نشانیاں دکھایا کرتا ہے۔ دوسری حاجت بدنی ہے۔ رزق و روزی تندرستی وغیرہ چیزیں عطاء کرنا اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا کہ وہ آسمان سے تمہارے لیے روزی بھیجتا ہے، پانی برسانا اُوپر سے اور آفتاب و ماہتاب و دیگر ستاروں کی تاثیرات سے کھیتی، غلہ، میوہ جات پکانا، ہواؤں کا بدلنا سب کام جو صحت و رزق کے اسباب میں سے ہے، آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ یتذکر الا من ینیب مگر ان باتوں کو ہر کوئی نہیں سمجھتا بلکہ وہی جو خدا کی طرف دھیان رکھتے ہیں، پس جب تمہارے معبودوں میں سے کوئی بھی ان باتوں میں شریک نہیں تو فَادْعُوا اللّٰہَ الخ خاص اللہ ہی کو پکارا کرو، نیازمندی اور اخلاص سے گو کافر ناخوش ہوں ہوا کریں۔ اس کے بعد اپنے اور چند اوصاف ذکر کرتا ہے، جو اُس کی شانِ الوہیت کی دلیل ہیں۔ اول رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ رفیع بمعنی رافع اور بمعنی مرتفع بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ انبیاء و اولیاء کے دنیا

میں درجے بلند کرتا ہے یا مخلوق کے علم و دولت، عقل و صورت، سعادت و شقاوت میں درجے بلند کیا کرتا ہے، ایک کو ایک سے بالا کرتا ہے نہ کہ تمہارے معبود کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جمیع صفات کمال و جلال میں تمام موجودات سے بلند رتبہ ہے۔ اُس کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا نہ کسی کی حیات اُس کی حیات کے برابر ہے نہ قدرت و علم اُس کے برابر ہے نہ کوئی واجب الوجود ہے بلکہ سب اُس کی ذات و صفات میں محتاج ہیں، وہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں۔ دوم ذُوالْعَرْشِ وہ تخت کا مالک ہے۔ تختِ حکومت اُسی کے لیے ہے اور جو کوئی ہے اُس کی رعیت و مطیع ہے، وہی انصاف کرتا ہے، وہی دیتا لیتا ہے۔ پہلی صفت مراتبِ دنیا کی طرف دوسری آخرت کے مراتب پست و بالا کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سوم یُلْقِی الرُّوْحَ کہ اپنے بندوں میں سے وہ جس پر چاہتا ہے روح کا القا کرتا ہے۔ روح سے مراد وحی ہے کہ جس طرح روح سے ابدان کو حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔ کما قال وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور بعض کہتے ہیں۔ جبرئیل مراد ہیں کما قال نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ مقصد یہ ہے کہ رفعِ درجات کے لیے یا بندوں کی تدبیرِ آخرت کے لیے اللہ جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے، اس میں تمہارا اختیار نہیں اور وحی کیوں نازل کرتا ہے۔ لینذر الخ کہ اللہ یا اُس کا رسول بندوں کو ملنے کے دن سے ڈراوے کہ ایک دن خدا سے ملنے اور جزاء و سزا ملنے کا بھی دن آنا ہے۔ وہ کون سا دن ہوگا۔ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ کہ جس روز بندے قبروں سے نکل کر ظاہر ہوں گے یا کسی ٹیلے یا پردے کی آڑ نہ ہوگی یا کوئی اور اُس کے اعمال نہ چھپیں گے، لاتخفی الخ اللہ پر اُن کی کوئی بات مخفی نہ ہوگی، اُس دن کہا جائے گا کہ آج کس کی حکومت ہے؟ سب کہیں گے اللہ کی جو اکیلا اور زبردست ہے، اُس روز کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ ہر ایک اپنے کئے کا بدلہ جلد پاوے گا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

اور اُن کو قریب آنے والے دن سے ڈرا جس دن کہ دل گھٹ گھٹ کر گلوں تک آجاویں گے (اس دن) ظالموں کا نہ کوئی بچانے والا ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جاوے، وہ آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے اور اللہ انصاف سے فیصلہ کرے گا اور اُس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں، کچھ بھی فیصلہ نہ کرسکیں گے، البتہ اللہ جو ہے تو سنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب : کاظمین حال من القلوب وجمع جمع العقلاء للاسناد الیہا مایسند الی العقلاء وقیل باعتبار اہل القلوب لان المعنی اذ قلوب الناس لدی حناجرھم فیکون حالا منھم والخائنۃ مصدر کالعافیۃ والکاذبۃ والجملۃ خبر آخر عن المبتدأ او ھو الذی وفیہ تقدیم وتاخیر ای یعلم الاعین الخائنۃ وقیل الاضافۃ بمعنی من ای الغاینۃ من الاعین۔

تفسیر : اس جگہ قیامت کا دوسرا وصف بیان فرمایا کہ اُس سے ہول دلاتا ہے۔ فقال وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ کہ لوگوں کو اُس قریب آنے والے دن سے ڈرا آزفۃ بروزن فاعلۃ من ازف الامر اذا ادنا وحضر، یہی لفظ اسی معنی میں ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ کوئی شاعر کہتا ہے۔

ازف الترحل غیر ان رکابنا لمانزل برحالنا وکاءن قد

یہ محذوف کی صفت ہے ای یوم القیامۃ الازفۃ اس سے مراد قیامت کا دن ہے، لوگوں کی نظروں میں بعید ہے، مگر یقیناً آنے والی چیز ہے اور آنے والی چیز بہت قریب سمجھی جاتی ہے۔ عقلاء کے نزدیک وہ سوکوس پرے کی بلا کو آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد موت کا دن ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ یہ ابو مسلم کا قول ہے، پھر اُس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ کہ وہ بڑی مصیبت اور رنج ومحن کا دن ہے کہ دل گھٹ کر گلوں تک آ جاویں گے، یہ کنایہ ہے شدتِ خوف سے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں ناک میں دم آ گیا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ شدتِ غم والم کے وقت پھیپھڑا پھول کر اُوپر کو اُٹھ آتا ہے اور اسی میں دل بھی۔ یہ ایک محاورہ کی بات ہے، اس پر اعتراض کرنا جہالت ہے۔

کاظم اُس ساکت اور چپ کرنے والے کو کہتے ہیں جو دل میں تو جوش یا رنج بھرا ہو مگر منہ سے کچھ نہ کہے۔ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ کہ اُس روز ظالموں کا نہ کوئی حمایتی و مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات ضرور مانی جاوے، جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کی طرف گمان کرتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں ہر کبیرہ ظلم ہے اور ظالم کا کوئی شفیع نہیں، پس ثابت ہوا کہ اہلِ کبائر کے لیے شفاعت نہ ہوگی بلکہ اہلِ صغائر کے لیے بھی کیونکہ یہ بھی ظلم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم سے مراد کفر و شرک ہے اور کفار ومشرکین کو ظالمین کہا گیا، جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے، البتہ اُن کے لیے کوئی سفارشی نہ ہوگا نہ مطاع نہ غیر مطاع۔ یَعْلَمُ الخ یہ ایک اور دہشت ناک بات بیان فرماتا ہے کہ جس حاکم کے سامنے اُس روز ہونا ہوگا وہ ایسا ہے کہ آنکھ کی چوری (چھپا کر بدنظری کرنا جس کا دیکھنا جائز نہیں، اُس کو چوری سے یا کن انکھیوں سے دیکھنا) اور دل کے خطرات اور ارادات بھی جانتا ہے، کوئی عمل اُس سے مخفی نہیں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کا نہ دل کا اور دوسری بات یہ ہے وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ کہ اُس روز اللہ ہی فیصلہ وانصاف کرے گا نہ اور کوئی اور انصاف بھی کس طرح سے بے لاگ نہ کسی سے رشوت لے گا نہ کسی سے دبے گا، عدل کرے گا نہ شریف کی شرافت نہ رذیل کی رذالت کو دیکھا جائے گا۔ امیر وغریب، شاہ وگدا برابر ہوں گے اور تیسری بات یہ ہوگی کہ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ اُس دن کی اُمید پر پکارتے ہیں، کچھ بھی فیصلہ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے، چوتھی بات یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ اللہ ہر بات سنتا، ہر کام دیکھتا ہے، کوئی بات اُس سے مخفی نہیں، برخلاف اُن کے معبودوں کے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا

كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

پھر کہا اُنہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلوں کا کیا انجام ہوا، جو اُن سے زیادہ قوت والے اور ملک میں زیادہ نشانیاں باقی چھوڑنے والے تھے، پھر اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں سے پکڑ لیا اور اُن کو (عذاب) اللہ سے کوئی نہ بچاسکا، یہ اس لیے کہ اُن کے پاس رسول نشانیاں لے کر آیا کرتے تھے۔ سو اُنہوں نے انکار کیا، پھر اللہ نے اُن کو پکڑ لیا، کیونکہ وہ زبردست' سخت سزا دینے والا ہے اور البتہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور ظاہر حجت دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا تو اُنہوں نے کہہ دیا کہ جادوگر نرا جھوٹا ہے (الغرض) جب ان کے پاس موسیٰ ہمارے ہاں سے حق لے کر آئے تو کہہ دیا کہ جو لوگ اُس پر ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو مار ڈالو اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کے داؤ تو محض غلط ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر : منکرین کو عذابِ آخرت سے متنبہ کر کے دُنیاوی مصیبتوں کا خوف دلاتا ہے، اس لیے کہ وہ سنگدل آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پھر وہاں کے عذاب سن کر اور بھی تمسخر کرتے تھے، اس لیے اب اُن کو دُنیا کی بلاؤں سے ڈراتا اور اُس کا کامل یقین دلاتا ہے۔ ان سے پہلوں کی ہلاکت اور اُن کے آثارِ باقیہ کو یاد دلا کر جو اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے۔ اس لیے فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا کہ کیا اُن کفارِ قریش نے جو یمن و شام میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے ہیں، پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے منکروں کا کیا انجام ہوا جو اُن سے زیادہ طاقتور تھے اور بڑے بڑے نشان دُنیا میں چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے مکانات اور نشانوں سے زیادہ اُن کے نشان تھے۔ اب تک مستحکم قلعے اور اُن کے آثار شکستہ اُن کے یادگار ہیں، پھر اُن کو اللہ نے اُن کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اُن کو کوئی نہ بچا سکا، جیسا کہ قوم عاد و ثمود و قومِ لوط۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ یہ مصیبت اُن پر صرف اس لیے آئی کہ اُن کے رسول اُن کے پاس نشانیاں معجزات و آیات لے کر آئے تھے۔ اُنہوں نے اُن کا انکار کیا اور بدی سے باز نہ آئے۔ پس اللہ نے ان کو پکڑ لیا اور وہ بڑا زبردست اور سخت سزا دینے والا ہے۔

عذابِ دُنیوی سے کفار زیادہ ڈرتے ہیں، کس لیے کہ اُن کا مقصودِ اصلی دُنیا اور اُس کے تجملات ہی ہوتے ہیں، اُن پر مصیبت آنے کا تصور بھی اُن پر شاق ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وہ ایک اجمالی بیان تھا، اُس کے بعد تفصیل شروع کرتا ہے اور اُن سے طاقت ور فرعون کی حقیقت بیان کرتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ سے کھلی تھی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف نشانیاں نو معجزے اور کھلی ہوئی حجت اور صداقت کی دلیل دے کر بھیجا تھا۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سب قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، مگر یہ اُن کے سردار تھے، اس لیے ان کا بالتخصیص نام لیا گیا۔ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ تو سب نے جھوٹا جادوگر بتایا۔ قارون گو بنی اسرائیل میں سے تھا اور بظاہر اُس نے یہ نہ کہا تھا مگر اُس کا مقابلہ کرنا جیسا کہ پہلے بیان ہوا، گویا زبانِ حال سے یہ کہہ دینا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ الخ جب قومِ فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام دینِ حق لے کر آئے تو بجائے اس کے کہ مانتے فرعون نے یہ حکم دے دیا کہ ان بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرو جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں، اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو کہ فرعونیوں کے کام میں آویں، یہ دوبارہ حکم تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے دینِ حق لے کر آنے کے بعد ایمان داروں کے برباد و خراب کرنے کے لیے اُس لعین نے دیا تھا، مگر اُس سے کیا ہوتا کس لیے کہ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ کفار کے سب داؤ اور کل تدبیریں خدا تعالیٰ کی مشیت کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتیں۔ سب بیکار اور ضائع جاتی ہیں، آخر کار وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ فرعون اور اُس کے سردار اور لشکر غارت ہوا، موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سلامت چلے گئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ

وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ع

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ

بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ

بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ

لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ

جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ

قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ و کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں اور اپنے رب کو بلاتا رہے (چونکہ) مجھے خوف ہے کہ تمہارا دین بدل دے یا زمین میں فساد برپا کردے اور موسیٰ نے کہا میں تو اپنے اور تمہارے رب کی ہر ایک متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا پناہ لے چکا ہوں اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایماندار مرد نے جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا (یہ) کہا کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو اُس کی ان، باتوں میں سے کہ جس کا تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر کوئی نہ کوئی تو آ ہی پڑے گی، بے شک اللہ اُس کو جو بے ہودہ جھوٹا ہو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اے قوم! آج تو تمہاری حکومت ہے، تم ملک میں غالب ہو رہے ہو، ہماری کون مدد کر سکے گا۔ اگر ہم پر خدا کا عذاب آ پڑے۔ فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی سوجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور میں تو تم کو سیدھا ہی رستہ بتاتا ہوں اور اس شخص نے جو ایمان لایا تھا (یہ) کہا کہ اے قوم! مجھے تو تمہاری نسبت (اگلی) امتوں جیسے دن کا اندیشہ ہو رہا ہے، جیسا کہ قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان سے پچھلوں کا حال ہوا (تمہارا بھی ہو) اور اللہ تو بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

تفسیر : یہ اُسی قصہ کا تتمہ ہے کہ فرعون نے لوگوں کی تسلی اور اپنی شوکت جتلانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مجھے چھوڑ و کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو بلاوے، دیکھیں، وہ کیا کرتا ہے اور کیونکر بچاتا ہے۔ (جانتا تھا کہ قتل کروں گا تو بلا آ جاوے گی کس لیے کہ معجزات دیکھ چکا تھا، گویا لوگوں نے اُس کو قتل سے روک رکھا تھا) یہ اس لیے کہ اگر قتل نہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے گا' بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی پر لگا دے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا کہ وہ سرغنہ ہے، بہت لوگ اُس کے تابع ہو کر سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا اِنِّيْ عُذْتُ الخ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں، ہر ایک متکبر سے جو حساب کے دن سے نہیں ڈرتا، مطلب یہ کہ میرا محافظ اللہ ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ الخ اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایماندار مرد نے جو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا، مگر فرعون کے ڈر سے اُس کو مخفی رکھتا تھا۔ یہ کہا کہ تم ایک شخص کو کیا اس جرم پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا

ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس معجزات ونشانیاں لے کر ہی اپنی صداقت پر آیا ہے، یعنی یہ جرم نہیں کہ جس پر قتل کیا جاوے۔ پس اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اُس پر پڑے گا۔ آپ خراب ہو جاوے گا، کس لیے کہ جھوٹے کو فلاح نہیں اور اگر وہ سچا ہے تو فرض کرو کہ کل باتیں نہیں مگر بعض تو ضرور تم پر پڑیں گی کہ جن کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے، وہ شخص دل میں موسیٰ علیہ السلام کو سچا جانتا تھا، مگر اُن کے سمجھانے کے لیے اس طریق پر مصلحت آمیز کلام کرتا تھا کہ جو اُن کے دل میں اثر کرے بشرطیکہ کچھ عقلِ سلیم بھی ہو، پھر کہا یا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ کہ آج کے دن تمہاری حکومت اور تم کو غلبہ ہے، مگر اس پر گھمنڈ نہ کرنا، اگر اللہ کی طرف سے ہم پر اس کے مقابلہ سے کوئی بلا آ گئی تو کوئی بھی ہماری مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ فرعون نے کہا جو میری رائے ہے، تم پر ظاہر کرتا ہوں اور تم کو اچھی اور عمدہ بات اور سیدھا رستہ بتاتا ہوں، اُس مردِ خدا نے کہا اِنِّیْ اَخَافُ کہ اگلی قوموں نے جیسا کہ قوم نوح وعاد وثمود اور اُن کے بعد تھیں برے کام کئے تھے، برباد ہو گئیں۔ ویسا ہی حال تمہارا ہوتا معلوم ہوتا ہے، اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، انسان آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے۔

وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اور اے قوم! میں تم پر پکار کے دن سے خوف کھاتا ہوں، جس دن کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے (اور) اللہ سے تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو کہ اللہ گمراہ کرتا ہے، پھر اُس کو کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے، پھر جو کچھ کہ وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے تم اس میں (ہمیشہ) شک ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ مر گئے تو تم نے کہہ دیا کہ اُس کے بعد اللہ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا جو بے ہودہ شکی ہوتا ہے، اللہ اس کو یوں ہی گمراہ کیا کرتا ہے کہ ان کے پاس کوئی سند تو آئی ہوئی ہوتی نہیں (یوں ہی) اللہ کی آیتوں میں جھگڑا مچایا کرتے ہیں۔ اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک (یہ) بڑی ناز یبا بات ہے اور ہر ایک متکبر سرکش کے دل پر اسی طرح سے مہر کر دیا کرتا ہے۔

تفسیر : یہ اُس مومن کا ایک اور قول ہے یا قَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ تناد کو جمہور نے تخفیفِ دال وحذفِ یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی اصل تنادی ہے، باب تفاعل ہے۔ نادیٰ ینادی نداء بمعنی آواز سے مشتق ہے کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت آواز دینے کے دن سے ڈر ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ ملائکہ پکاریں گے اور اہلِ جنت کو اُن کے مقامات کی طرف آنے کو کہیں گے یا ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکارے گا، جس طرح کہ مصیبت کے وقت پکارا کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ اُس سے غرض اُس کی دُنیا میں مصیبت اور ہزیمت کا دن ہو، جس کے آنے کی خبر اُس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی یا اُس کو خود سنت اللہ دیکھ کر معلوم ہو گیا ہو کہ انبیاء علیہم السلام سے مقابلہ کرنے والے ایک روز آسمانی بلا میں گرفتار ہوتے ہیں اور اُس مصیبت کے وقت اپنے یار وانصار کو پکارا کرتے ہیں، اُن پر بھی وہ دن آنے والا ہے وہ کون سا

دن ہے۔ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ وہ کہ جس روز تم پیٹھ دے کر بھاگو گے اور خدا کے قہر سے تم کو کوئی نہ بچاوے گا چنانچہ یہ معاملہ بحرِ قلزم میں غرق ہونے کے دن پیش آیا۔

نصیحت تمام کر کے یہ بھی فرمادیا۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا، یعنی اگر تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا اور نہ کرو گے تمہاری حالت سے معلوم ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ تم کو خدا ہی نے گمراہ کر دیا۔ پھر میری ہدایت کیا نفع دے سکتی ہے۔ یہ مایوسی کا کلمہ ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ الخ یہ بھی اُسی مومن کا کلام ہے، بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہ موسیٰ کا نبی ہو کر تمہارے پاس آنا کوئی نئی بات نہیں، ان سے کئی سو برس پہلے فرعون سابق کے عہد میں حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس دلائل و معجزات لے کر آئے تھے، انہوں نے بھی مصریوں کو بہت کچھ سمجھایا، بت پرستی سے منع کیا مگر نہ مانا۔ آخر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو کہنے لگے کہ اب اُن کے بعد خدا تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا، اُن کی زندگی میں تو اُن کے منکر رہے اور اُن کے بعد اور آیندہ آنے والے رسولوں کے منکر ہو گئے اور سلسلۂ رسالت کا ہی انقطاع کر بیٹھے۔ یہ بڑی گمراہی اور سخت سرکشی ہے اور ان پر کیا موقوف ہے۔ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ بلکہ ہر بے ہودہ اور حد سے باہر ہونے والے اور شک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ یوں ہی گمراہ کر دیا کرتا ہے۔ ان کو جو یُجَادِلُوْنَ الخ اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند اور دلیل کے ناحق جھگڑا کیا کرتے ہیں جو عند اللہ اور عند المومنین بڑی ناز یبا بات ہے اور اس طرح سے ان کے دلوں پر مہر بھی کر دیا کرتا ہے، پھر اُن کے دلوں میں حق بات نہیں جاتی، یہ اُن کی سرکشی اور تکبر سے ہوتا ہے۔ اس میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ فرعونیوں پر کیا موقوف ہے، تمہارا بھی یہی حال ہے، پھر جو اُن کا انجام ہوا تمہارا بھی ہوگا۔ گو قریش بحرِ قلزم میں نہ ڈوبے مگر قحط اور قتلِ بدر کی بلا کے بحرِ عمیق میں ایسے غرق کئے گئے کہ الٰہی توبہ!

وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ؗ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا

تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک محل تو تیار کرتا کہ میں اُن رستوں سے جو آسمان کے رستے ہیں، پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ آؤں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے برے کام اُس کی آنکھوں میں بھلے معلوم ہو رہے تھے اور وہ رستہ سے روکا گیا تھا اور فرعون کی تدبیریں تو سراسر بربادی بخش تھیں اور اُس ایمان والے نے کہا اے قوم! میری پیروی کرو کہ میں تم کو سیدھے رستہ پر لے چلوں، اے قوم یہ دُنیا کی زندگانی جو ہے تو کچھ برتنے کے لیے ہے اور آخرت کا گھر ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے، جس نے برا کام کیا تو اتنی ہی سزا پاوے گا اور جس نے نیک کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایماندار بھی ہو سو وہ جنت میں داخل ہوں گے، جہاں اُن کو بے حساب روزی ملے گی اور اے قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھ کو آگ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کا منکر ہو جاؤں اور اُس کے ساتھ اُس کو شریک کروں کہ جس کو میں جانتا بھی نہیں ہوں اور میں تم کو زبردست، بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ بلاشک تم مجھ کو جس کی طرف بلاتے ہو وہ تو نہ دنیا میں بلانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں اور بے شک ہم کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور بے شک بے ہودہ لوگ ہی دوزخی ہیں، پھر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ بدل مما قبلہ فَاَطَّلِعَ بالنصب علی جواب الامر وبالرفع عطفا علی ابلغ و تدعوننی الجملة وما یتصل بھا بدل او تبیین لتدعوننی الاولی۔ وافوض الجملة حال من الضمیر فی اقول.

تفسیر : فرعون نے پہلے کہا تھا وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ اب اس جگہ اُس کی عقل وفہم کی کوتاہی بیان کی جاتی ہے کہ اپنے وزیر یا مصاحب ہامان سے کہا کہ میرے لیے کوئی ایسا بلند مکان بنا کہ جس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی جانتا ہوں۔ حماقت اس میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس کہنے سے کہ اللہ رب السماوات ہے، وہ یہ سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر رہتا ہے۔ جیسا کہ طبائع عامہ فوقیت کے لحاظ سے اُس کو آسمانوں پر بتاتے ہیں اور فرقہ مشبہ ومجسمہ فرعون کے قول کو سند میں لاتے ہیں۔ دوسری حماقت یہ تھی کہ اگر ہامان کوئی ایسا بلند مکان بھی بناتا تو غایۃ الامر بڑے سے بڑے پہاڑ کے برابر بناتا۔ پھر اس احمق کو یہ نہ سوجھا کہ پہاڑ پر چڑھنے سے بھی تو یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ تیسری حماقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محسوس نہیں، وہ بلندی پر چڑھ کر کیونکر دکھائی دے سکتا ہے؟ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ وہ چیزیں کہ جن سے استمداد لی جاتی ہے۔ رسا وغیرہ۔ ہامان کی بابت اہل کتاب کا یہ اعتراض کرنا کہ فرعون کے عہد کے سینکڑوں برس بعد میں ہوا ہے، محض غلط ہے کس لیے کہ یہ اور ہامان ہے۔ اب یہ بات ہے کہ تورات میں اس کا ذکر نہیں۔ سو یہ بھی بیکار ہے تورات میں سینکڑوں باتیں مذکور نہیں، پھر کیا ان کا انکار ہوسکتا ہے؟ اور تورات محرف بھی ہو تو پھر اُس پر کیونکر اعتماد ہوسکتا ہے؟ ہامان نے کوئی ایسا محل اس احمق کے کہنے سے بنایا نہ تھا، وہ تو اُس کی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے لوگوں کے سنانے کو ایک بات تھی۔ وَكَذٰلِكَ الخ خدا تعالیٰ فرماتا ہے، اس پر کیا بس ہے اور بہت سی باتیں غلط اور اعمالِ فاسدہ فرعون کے نزدیک عمدہ سمجھے جاتے تھے۔ وصد جمہور نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے، ای صد فرعون الناس عن سبیل اللہ اور کوفیوں نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ صُدَّ اس کا عطف زین پر ہوگا اور بعض نے مصدر پڑھا ہے، اس کا عطف سوء عملہ پر ہوگا، اس کے بعد اخیر تک اُس مردِ مومن کی گفتگو نقل ہے جو اُس نے فرعونیوں کے مقابلہ میں کی تھی، جس میں دُنیا کی بے ثباتی اور دارِ آخرت کا ذکر اور اپنی نصیحت کا وثوق بیان ہوا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع ۵

پھر اللہ نے اُس کو تو اُن کے فریبوں کی برائی سے بچایا اور خود فرعونیوں پر سخت عذاب آپڑا وہ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن کہ قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا) فرعونیوں کو سخت عذاب میں لے جاؤ اور جبکہ دوزخی دوزخ میں باہم جھگڑیں گے پھر کمزور سرکشوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے پیرو تھے، پھر کیا تم ہم سے کچھ بھی آگ دور کر سکتے ہو۔ سرکش کہیں گے ہم تم سبھی اس میں پڑے ہوئے ہیں، البتہ اللہ اپنے بندوں میں فیصلہ کر چکا اور دوزخی جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے عرض کرو کہ وہ ہم سے کسی روز تو عذاب ہلکا کر دیا کرے، وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہ آئے تھے وہ کہیں گے ہاں (لاتے رہے) فرشتے کہیں گے تو پڑے پکارا کرو اور کافروں کا پکارنا محض رائیگاں ہوگا۔

تفسیر : اس کے بعد خدا تعالیٰ اُس مومن کے ایمان کا نتیجہ بیان کرتا ہے جو دُنیا میں بھی اُس کے سامنے آیا اور فرعونیوں کا انجامِ کار بیان فرماتا ہے۔ فقال فَوَقٰىهُ اللّٰهُ کہ اللہ نے اس مومن کو فرعونیوں کے فریب وایذاء سے جو اُس کو مومن سمجھ کر دینا چاہتے تھے بچالیا اور خود فرعونیوں پر بڑا عذاب آپڑا کہ وہ اول تو طرح طرح کی مصیبتوں میں جو موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اُن پر آئیں، مبتلا ہوئے، پھر بحرِ قلزم میں غرق ہوئے اور مرنے کے بعد اُن کا یہ حال ہوا۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ الخ کہ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے کئے جاتے ہیں۔ صبح و شام[۱] سے مراد خاص یہی دو وقت نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔ اُس کو محاورہ میں صبح و شام سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور آگ کے سامنے لائے جانے سے مراد اُس کا دکھایا جانا ہے، یا کمتر عذاب ہونا بہ نسبت آخرت کے بعض کہتے ہیں۔ آگ میں داخل ہونا مراد ہے بولتے ہیں۔ عرضھم علی السیف اذا قتلھم، بخاری و مسلم وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر میت کو صبح و شام اُس کا اصلی ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اگر جہنمی ہے تو جہنم اور جنتی ہے تو جنت اور کہہ دیا جاتا ہے قیامت کے روز تیرا یہ ٹھکانا ہوگا۔ یہ عالم برزخ کی سزاء و جزا ہے جو ارواح کو ہوتی ہے اور یہ سزا بہ نسبت اصلی سزا کے جو قیامت کے روز ہوگی، کم ہوتی ہے۔ جیسا کہ قید سے پہلے حوالات ہوتی ہے۔ یہ آیت صاف دلیل ہے کہ مرنے کے بعد عذابِ قبر ہوگا اور ثواب بھی جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ برخلاف معتزلہ کے وہ حشر کے روز جزاء و سزا ہونا کہتے

[۱] عذاب قبر کا ثبوت

ہیں اور اس درمیانی زمانہ کو خالی قرار دیتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا اس کو خواب کا زمانہ کہتے ہیں۔ مرقدنا کے معنی ہم سورہ یٰسٓ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں، علاوہ اس آیت کے اہلِ سنت کے عقیدہ کے اثبات کے لیے بے شمار صحیح حدیثیں بھی وارد ہیں اور عذاب و ثواب قبر پر جو نظر نہ آنے کا اعتراض ہے، اُس کا جواب ہم دے چکے ہیں اور عالمِ آخرت میں یہ ہوگا۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ اور جس دن قیامت برپا ہوگی حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو پوری سزا اور سخت عذاب میں لے جاؤ۔ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ یہاں سے دوزخ میں اُن کی باہم تکرار ہونا بیان فرماتا ہے کہ جو دنیا میں کمزور اور تابع تھے اپنے سرداروں سے کہیں گے ایک دن کے لیے تو ہمارے عذاب کو دفع کر دو تمہاری فرمان برداری کرنا کیا کام آ دے گی، وہ کہیں گے ہم خود اس میں مبتلا ہیں اور جہنم کے فرشتوں سے ناچار ہو کر تخفیف کی درخواست کریں گے، وہ کہیں گے کیا دنیا میں رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر نہ آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے فرشتے کہیں گے اب تم پڑے پکارا کرو تمہاری شنوائی نہیں۔ کافروں کی پکار نہیں سنی جاتی۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دُنیا میں کافروں کی دُعا نہیں سنی جاتی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

ہم اپنے رسولوں اور ایمان داروں کے دُنیا کی زندگی میں بھی مددگار ہیں اور اُس روز بھی جبکہ گواہ کھڑے ہوں گے، جس روز کہ ظالموں کو اُن کا عذر کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور ان پر پھٹکار پڑے گی اور اُن کے لیے برا گھر ہوگا اور البتہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت نامہ (توریت) دیا تھا اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا تھا، جس میں عقلمندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ پس صبر کرو کیونکہ وعدہ اللہ کا سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے رہو۔ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو جھگڑتے ہیں اور کچھ نہیں بس ان کے دل میں غرور ہے[1] کہ برائی کی ہوس ہے جس کو وہ نہ پہنچیں گے، سو اللہ سے پناہ مانگو کیونکہ وہ سنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب: والذین فی محل نصب عطفا علی رسلنا ای لننصر رسلنا بعصر الذین آمنوا معھم، فی الحیوۃ الجار متعلق بعصر و یوم معطوف علی فی الحیوۃ ای بعصرھم فی الدنیا و فی الاخرۃ، یوم بدل من یَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ولھم اللعنۃ الجملۃ الاسمیۃ معطوف علی لاینفع ھدی حال من الکتاب قال الزجاج الاشھاد جمع شاھد کصاحب واصحاب وقال النحاس لایجی جمع فاعل علی افعال بل ھی جمع شھید کشریف واشراف۔

تفسیر: فرعونیوں کی بربادی اور بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کی سلامتی کا ذکر کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ کچھ موسیٰ علیہ السلام اور اُس کی قوم ہی پر

[1] کہ ہم پیغمبر پر غالب آ جائیں گے۔ ۱۲ منہ

سلامتی اور امدادِ غیبی موقوف نہیں، ہم اپنے سب رسولوں اور اُن کے ماننے والوں کو دُنیا میں اور آخرت میں (کہ جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی عدالت کا تخت بچھے گا اور جس دن کہ ظالموں کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور اُن پر لعنت یعنی خدا کی ناراضگی اور برا گھر یعنی جہنم ہوگا) فتح دیں گے کامیاب کریں گے۔ دُنیا میں بھی فتح غلبہ پانے اور لوگوں میں ہمیشہ کے لیے بول بالا رہنے اور نیکی سے یاد کئے جانے اور اُن کے دل میں سرور اور فرحت و نور عطا ہونے اور بلاؤں سے نجات پانے اور مخالفوں کے دل میں رعب و وقار پیدا کرنے سے ہوتی ہے اور آخرت میں مغفرت اور جنت اور دوسروں کی سفارش کرنے کا اختیار دینے سے ہوگی۔ اس میں نبی ﷺ کو مژدہ دیا جاتا ہے اور کفارِ قریش کے کان کھولے جاتے ہیں، خبردار رہو تمہارا زور و شوکت، حشمت و دولت فرعونیوں کی حشمت و دولت سے بہت کم ہے، دیکھو ان کا انجام کیا ہوا۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ نصرت اور مددِ انبیاء کی ایک خاص بات بیان فرماتا ہے کہ فرعونیوں کو ہلاک کر کے ہم نے موسیٰ کو ہدایت یعنی ہدایت کرنے والی کتاب توراۃ دی جو اُس کے دین کے استحکام کی ایک رکنِ اعظم تھی اور اُن کے بعد بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث کیا جو عقلمندوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔ اس تذکرہ کے بعد جو آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے ان کو سنایا گیا۔ رسول کریم ﷺ کو اُن کی چندروزہ تکالیف پر برداشت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ کہ صبر کرو اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ عنقریب تجھ کو اور تیرے رب کے ماننے والوں کو غلبہ ہوتا ہے اور صبر کر کے بیکار نہ بیٹھو نہ اپنی زبان کو اُن کے برا بھلا کہنے میں مستعمل کرو بلکہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ خود اپنے خدا تعالیٰ کے روبرو اپنی خطاؤں سے معافی مانگو، کیونکہ اگر بشریت سے ان کی ایذاؤں کے مقابلہ میں کوئی بات خلافِ اولیٰ سرزد ہو گئی ہو تو خدا تعالیٰ سے اُس کی معافی مانگو تا کہ اب بالکل بے الزام رہیں۔ بندہ گو کیسا ہی نیکوکار و ابرار ہو اور معصوم بھی ہو مگر مقتضائے عبدیت یہی ہے کہ اپنی نیکی پر گھمنڈ نہ کرے، دوسری بات یہ ہے کہ انبیاءِ اولوالعزم ہرچند صغائر و کبائر سے پاک تھے، مگر بشر تھے محبت کے طریقے میں ذرا ذرا سی بات جو خلافِ اولیٰ ہو اُن کے نفوسِ قدسیہ کے لیے ایک بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے استغفار کا حکم ہوا اور بے گناہی پر بھی استغفار کرنا رفعِ درجات کا باعث ہے اور صرف استغفار ہی نہیں بلکہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ صبح و شام اپنے رب کی مدح و ثناء تسبیح و حمد کیا کرو تا کہ فضلِ الٰہی جلد فتح یاب کرے۔ ان الذین یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر سند کے جاہلانہ حجت کیا کرتے ہیں، یہ صرف اُن کے دلی غرور کا باعث ہے جو وہ آپ سردار بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ یہ اُن کو حاصل نہ ہوگا۔ پس اب ان کے مکائد و غرور سے اللہ کی پناہ چاہو وہ سمیع و بصیر ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع

البتہ آسمانوں اور زمین کا بنانا آدمیوں کے بنانے سے بڑھ کر ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ ایمان والے اچھے کام کرنے والے بدکاروں کے برابر ہیں۔ تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ بے شک قیامت تو ضرور آنے والی ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور تمہارے

رب نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، البتہ وہ جو ہماری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

تفسیر: ترغیب وترہیب کے بعد پھر دلائلِ توحید و اثباتِ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ فقال لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ الخ کہ یہ منکرینِ حشر اس بات سے کیا تعجب کرتے ہیں کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ بندوں کو بارِ دگر پیدا کرے گا اور اس بات کو کیا محال جانتے ہیں؟ کس لیے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جو انسانوں کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ آسمانوں کی وسعت اور اُن میں ایسے ایسے بڑے اجرامِ نورانی یعنی آفتاب و مہتاب اور ستارے کہ جو زمین سے ہزاروں حصہ بڑے ہیں، عاقل کے لیے اُس کی قدرتِ کاملہ پر دلیل بیّن ہیں۔

فیثا غورث حکیم اور اُس کے متبعین جو آسمانوں کا وجود ہمارے خیال کے موافق تسلیم نہیں کرتے اور آسمان فضاء کو کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اور زیادہ اُس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت ہے۔ وہ کہتے ہیں زمین بھی ایک چھوٹا سا تارا ہے جس میں یہ کچھ کائنات ہے اور دیگر ستاروں کی طرح آفتاب کے گرد لاکھوں کوس کے فاصلہ سے گھومتی ہے، اسی طرح زہرہ و مشتری وغیرہ ستارے اس سے بھی بڑے ہیں اور وہ بھی دورہ کرتے ہیں اور آفتاب بھی ایک بڑا اجرم ہے، وہ بھی دورہ کرتا ہے جو ہم کو نہایت چھوٹے چھوٹے تارے رات کو دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بُعد کی وجہ سے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں، ورنہ وہ زمین سے لاکھوں حصے بڑے ہیں، پھر حکماءِ حال نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان میں بھی انسان کی طرح سے حیوانات بستے ہیں اور وہاں روشنی آفتاب یا کسی اور ستارے سے پہنچتی ہے۔ آفتاب کے رہنے والوں کو کسی اور نیر سے آفتاب و ماہتاب کی طرح سے روشنی پہنچتی ہے، ان میں رہنے والوں کو زمین بھی ایک چھوٹا سا تارا معلوم ہوتا ہے اور ان لاکھوں کروڑوں ستاروں میں کہ جن میں سے ایک زمین بھی ہے۔ بعض آفتاب سے منور ہیں، بعض کسی اور سے پھر ان کی نورانیت اور ظلمت بھی مختلف ہے، پھر اُس کی قدرت کو دیکھو کہ یہ سب ایک فضاءِ غیر محدود میں کس انداز سے دورہ کر رہے ہیں۔ آپس میں ٹکرا ٹکرا نہیں جاتے نہ ان کے انتظام میں فرق آتا ہے۔ پس ایسے حکیم و قدیر کے نزدیک آدمی کا بارِ دگر پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ مگر اس بات کو آنکھوں والے یعنی علم و عقل والے جانتے ہیں نہ اندھے۔ اس لیے فرماتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى الخ اندھا اور آنکھوں والا یعنی جاہل و عالم برابر نہیں اور نہ مومن نیک کام کرنے والا اور بدکار برابر ہو سکتے ہیں، لیکن اے لوگو! تم کم سمجھتے ہو، اس کے بعد پھر قیامت کے برپا ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ان الساعة لاتية الخ کہ قیامت ضرور آوے گی اس میں کچھ بھی شبہ نہیں یعنی یقیناً آوے گی لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔[1]

قیامت دارِ آخرت میں جانے اور سرورِ ابدی پانے کا وسیلہ ہے، اس لیے جو باتیں اس عالم میں نافع ہیں، ان کی تعلیم دیتا ہے۔ فقال و قَالَ رَبُّكُمُ الخ تمہارا رب فرماتا ہے مجھے پکارو میری عبادت کرو میں تم سے غائب نہیں ہوں، میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں۔ عبادت قبول کرتا ہوں جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ

[1] بعض نے اسی بات سے یہ خیال پیدا کیا ہے کہ ان اجرام میں سے جنت بھی ایک ایسا ہی جرم سماوی ہے جو بُعد کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ وہاں آرام [illegible] دائمی ہے، کیونکہ سب اجرام کے مادے یکساں نہیں، وہ سب میں زیادہ عافیت اور خلو و سرور کی جگہ ہے۔ ارواحِ بشریہ جو نیک ہیں مرنے کے بعد یا قیامت برپا ہونے کے بعد وہاں بھیجی جاتی ہیں اور اُس میں آرام سے رہتی ہیں اور جہنم ان میں سے ایک بدتر جرم ہے۔ جو ظلمانی ہے [illegible] سے پہنچتے [illegible] وہاں بے شمار تکلیفیں ہیں، مشرکین و کفار و گناہ گاروں کی روحیں وہاں جا کر عذاب میں رہتی ہیں اور جہنم اسی کرۂ ارضی میں رہ جاتا ہے۔ [illegible]

شَیۡءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤۡفَكُ الَّذِیۡنَ كَانُوۡا بِاٰیٰتِ
اللّٰهِ یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً
وَّ صَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ وَ رَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚۖ فَتَبٰرَكَ
اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ؕ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۵﴾

اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام کے لیے رات بنائی اور دیکھنے کو دن بنایا[1]۔ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو، اس طرح وہ لوگ بھی بہک گئے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے ٹھہرنے کو زمین بنائی اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں، پھر تمہاری اچھی صورتیں بنائیں اور پاکیزہ چیزوں سے تم کو روزی دی وہ اللہ تمام جہان کا پالنے والا بڑا بابرکت ہے، وہ ہی ہے زندہ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، پھر اُسی کو پکارو خاص اُسی کی بندگی کرتے ہوئے سب خوبیاں اللہ کو ہیں جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔

تفسیر : جبکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کو پکارا کرو کہ وہ تمہارا کہنا سنتا ہے، تمہاری مرادیں دیتا ہے تو مناسب ہوا کہ ان مشرکین کو کہ جن کے مقابلہ میں کلام ہو رہا ہے اور جو اوہام باطلہ کی پرستش صرف دنیاوی کامیابیوں کے لیے کرتے تھے، دو باتیں بتلائی جائیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ موجود و قادرِ مطلق بھی ہے کہ نہیں کس لیے کہ اوہامِ عامہ اُس کے محسوس نہ ہونے سے پیشتر تردد میں پڑ جاتے ہیں اور اس لیے اپنے تراشیدہ معبودوں کو جو اُن کے سامنے موجود دکھائی دیتے ہیں، پوجتے ہیں پس اَللّٰهُ الَّذِیۡ الخ ان آیات میں دلائل و براہین سے خدا تعالیٰ کا وجود اور متصف بصفاتِ معبودیت ہونا ثابت کیا گیا اور خدا تعالیٰ کے آثار و علامات سے جو کسی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے، اس کا موجود ہونا بتایا گیا ہے کیونکہ پاؤں کے نشانوں سے چلنے والا اور کسی کار سے اُس کا کاریگر یقیناً ثابت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ثابت کرنی تھی کہ آیا وہ دیتا اور فیض بخشی بھی کرتا ہے؟ سو اُس کا بھی انہیں آیات میں ثبوت کیا گیا۔

اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے چند دلائل بیان فرمائے۔ اول اَللّٰهُ الَّذِیۡ الخ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام و سکون کے لیے رات بنائی اور دیکھنے کے لیے دن بنایا، اگر زمین و آفتاب ایک ہی حالت پر رہتے تو یا ہمیشہ رات رہتی یا دن۔ یہ دونوں باتیں انسان کی معاش میں خلل انداز تھیں بلکہ اُس کی زندگی بھی مشکل ہو جاتی، یہ اُس کی بڑی نعمت اور عنایت ہے۔ اس سے ثابت ہوا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ کہ اللہ لوگوں پر بڑی عنایت اور مہربانی کرتا ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یشکرون لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے یا تو اس لیے کہ اس نعمت کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں یا اُس کو کسی اور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ یہ اللہ ہے، تمہارا رب خالق کل شیء ہر چیز کا پیدا کرنے والا نہ اور کوئی۔ ذلک اشارہ کا لفظ لا کر اور اُس سے پہلے اپنی روزمرہ کی نشانی دکھا کر گویا آنکھ سے خدا تعالیٰ کو دکھا دیا کہ اے اندھو! آنکھیں کھولو اور دیکھو یہ اللہ ہے اور وہ ایسا بخشنے والا ہے۔ فانی توفکون پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو اوروں کو پکارتے ہو۔ اُن کی عبادت کرتے ہو، اُن کو نافع اور ضار سمجھتے ہو اور یہ بہکنا کچھ انہی پر

---

[1] کہ اس کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھتا ہے۔

منحصر نہیں بلکہ کَذٰلِکَ یُؤْفَکُ ان سے پہلے بھی لوگ بہکے ہوئے تھے وہ جو اللہ کی ایسی نشانیوں کا انکار کرتے تھے، یعنی یہ بھی اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

دوم اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارا قرار گاہ بنایا کہ اُس پر بستے ہو چلتے پھرتے ہو اور آسمان کو چھت بنا دیا کہ تم کو گھیرے ہوئے ہے، صدہا نعمتیں چھت پر سے بے مشقت تمہارے گھر میں آ رہی ہیں۔ سوم وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ تمہاری صورت اُس نے بنائی پھر کیا خوب بنائی اس خوبی کو دیکھو تو معلوم ہو کہ کیسی نعمت تم کو عطاء ہوئی ہے۔ تشریحِ ابدان کے جاننے والے اس کو جانتے ہیں۔ چہارم وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ یہی نہیں کہ تم کو عمدہ بنا کر بھوکا مارا بلکہ عمدہ سے عمدہ روزی دی نفیس چیزیں کھلائیں۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ یہ ہے اللہ تمہارا رب فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ پھر کیا بابرکت رب ہے جو تمام عالم کا رب ہے۔ ھُوَ الْحَیُّ الخ وہ زندہ معبود ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں جب یہ ثابت ہوا تو فَادْعُوْہُ اُسی کو پکارو اُسی کی عبادت کرو، مگر کس طرح سے مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ اُسی کے ہو کر مدعا ثابت کر کے کلام ختم کرتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ ہر قسم کی ستائش کا وہی منعم حقیقی ہے نہ کوئی اور۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ؗ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

ع ۸ ۱۲

کہہ دو مجھ کو تو ان چیزوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے، جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جبکہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس کھلی کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر جھکاؤں، وہی کہ جس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے پھر خون کی پھٹکی سے، پھر تم کو بچہ بنا کے نکالتا ہے۔ پھر باقی رکھتا ہے تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر یہاں تک (باقی رکھتا ہے) کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو کچھ تم میں اس سے پہلے مر جاتے ہیں (تم کو اور زندہ رکھتا ہے) تا کہ تم وقتِ مقررہ تک پہنچو اور تا کہ تم سمجھو وہی زندہ کرتا اور مارتا بھی ہے، پھر جب وہ کسی کام کا حکم کرتا ہے تو صرف کن کہتا ہے۔ سو وہ ہو جاتا ہے۔

ترکیب : لما ظرف لاعبد طفلا حال من ضمیر فی یخرجکم ای المنصوب المحصل اعنی کم۔ والتوحید لارادۃ الجنس اوعلی تاویل کل واحدہ المراد اطفالا لتبلغوا اللام متعلقہ بمحذوف ای ثم یبقیکم لتبلغوا و کذا فی قولہ ثم لتکونوا شیوخا جمع الشیخ والشیوخ بضم الشین وبکسرہا ولتبلغوا ذلک لتبلغوا اجلا مسمی۔

تفسیر : دلائل توحید بیان فرما کر شرک کی برائی مؤکد کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے۔ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ کہ ان سے کہہ دو مجھ کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقینِ کامل ہو گیا ہے اور شرک کی قباحت منکشف ہو گئی ہے۔ میں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہوں

کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کیونکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات یعنی دلائلِ یقینیہ آ چکے ہیں اور مجھ کو رب العالمین کے آگے سر جھکانے کا حکم ہوا ہے۔ھُوَ الَّذِیْ الخ سے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی توضیح کی جاتی ہے کہ اُس کی ربوبیت کی ایک یہ شان ہے کہ اُس نے تم کو بذریعہ تمہارے باپ آدم کے خاک سے بنایا، کیونکہ انسان کا غالب مادہ خاک ہے، پھر اُس کے بعد تمہارے توالدو تناسل کا سلسلہ اس طور پر قائم کیا کہ تم کو منی کے قطرہ سے پیدا کرتا ہے۔ پھر وہ قطرۂ منی علقہ ہو جاتی ہے، پھر اُس میں ہاتھ پاؤں اعضاء نمودار ہو کر جان پڑ جاتی ہے، پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں سے بچہ بنا کر باہر نکالتا ہے۔ پھر تم کو باقی رہنے دیتا ہے، تمہاری پرورش کرتا ہے تا کہ تم جوان ہو جاؤ پھر اس عمرِ طبعی میں اور ماں کے پیٹ میں دیکھو اُس نے کیا کیا احسان تمہارے ساتھ کئے ہیں۔ حواسِ خمسہ، صحت و عافیت، رزق و دیگر سامان دیے۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی اور بعض تم میں سے اس حد سے پہلے مر جاتے ہیں اور اُن کو ان کی اجلِ مقرر تک باقی رکھتا ہے تا کہ تم سمجھو کہ کون معبود برحق ہے، کون رب ہے؟ ھُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ انسان جو کسی کی اطاعت و عبادت کرتا ہے یا تو احسانات سابقہ اور موجودہ کے لحاظ سے سو یہ بھی استحقاق خالص اللہ ہی کا ہے۔ اس بات کو ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ الخ میں بیان فرما دیا، اس لیے کہ اس سے جان کا خوف اور جان باقی رہنے کی اُمید ہوتی ہے۔ سو یہ بات بھی اُسی کے لیے ہے، وہی مارتا ہے۔ وہی زندہ رکھتا ہے، اس میں اُس کے سواء کسی کو دخل نہیں یا کسی کار براری کی اُمید ہے کہ وہ انسان کی اڑی حاجت کو روا کر دیتا ہے۔ سو یہ بھی اسی کا کام ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا الخ کہ جب وہ کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی، اس کے کہنے سے فوراً ہو جاتا ہے، جس کو فوراً کرنا چاہتا ہے اور جس کو بتدریج کرنا چاہتا ہے، اُس کو بتدریج کرتا ہے، مگر اُس کو بھی اگر فوراً کرنا چاہے تو فوراً ہو سکتا ہے، یعنی وہ ایسا قادرِ مطلق ہے، پھر جب یہ ساری باتیں اسی کو حاصل ہیں تو پھر اور کسی کے پکارنے اور پوجنے کی کیا حاجت اور کون ضرورت پھر ایسے محسن و قادرِ مطلق کے سوا اور کو پکارنا اگر نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے اس نمک حرامی کی ممانعت کر دی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ﴿٧١﴾ فِی الْحَمِیْمِ ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿٧٦﴾

کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا مچایا کرتے ہیں، کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے کتاب کو اور جو کچھ ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا سب کو جھٹلا دیا۔ پھر ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، جبکہ طوق اور زنجیریں اُن کے گلوں میں ڈال کر کھولتے پانی میں گھسیٹے جائیں گے۔ پھر آگ میں

جھوکے جائیں گے، پھراُن سے کہا جائے گا جن کوتم اللہ کے سواشریک بناتے تھے کہاں ہیں، وہ کہیں گے وہ ہمارے پاس سے کھوئے گئے، بلکہ ہم پہلے تو کسی کوبھی پکارانہیں کرتے تھے۔اللہ یوں کافروں کوبچلادے گا (بدحواس کرے گا) یہ عذاب تم کواس لیے ہوا کہ تم ملک میں ناحق کی خوشیاں منایا کرتے تھے اوراس لیے بھی کہ تم اترایا کرتے تھے۔جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے گھسو، پھرکیا ہی بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی۔

ترکیب : اذا الاغلال ظرف لیعلمون والمراد معنی الاستقبال والسلاسل جمع سلسلۃ معطوف علی الاغلال والخبر فی اعناقھم اومبتداء خبرہ یسبحون والعائد محذوف ای یسحبون بھاوھو علی الاول حال وقرئ بالنصب و یسبحون بفتح الیاء ای یسحبون السلاسل۔

تفسیر : آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والوں کی پھر مذمت بیان کی جاتی ہے۔فقال اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ الخ خدا تعالیٰ تعجب کے طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو آیاتِ الٰہیہ میں ناحق حجت کیا کرتے ہیں، وہ کہاں بہکے جاتے ہیں؟ پھر فرماتا ہے وہ کون ہیں۔اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وہ ہیں کہ جنہوں نے کتاب اللہ کو جھٹلایا، عام ہے کہ قرآن مجید ہو یا اگلی کتابیں یا ان میں سے کسی کتاب کا انکار کیا ہو اور رسول جس چیز کو لائے اُس کا بھی انکار کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو جھٹلانا کفر ہے۔خواہ صراحۃً یا کنایۃً۔پھر آخرت میں جو سزا اُن کو ہوگی اُس کو بیان کرتا ہے۔اِذِ الْاَغْلٰلُ الخ اُن کے گلوں میں طوق و زنجیر ڈال کر گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا۔پھر آگ میں ڈالے جائیں گے، یعنی طرح طرح سے عذاب ہوگا۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں تسلسل الشیء اضطراب اس کے معنی میں حرکت و اضطراب پایا جاتا ہے۔زنجیر کو بھی اسی لیے سلسلہ کہتے ہیں کہ اُس کی کڑیوں میں حرکت ہوتی ہے اور پانی کو بھی بوجہ روانگی کے ماء سلسل کہتے ہیں۔اغلال جمع غل بمعنی طوق السحب زور سے کھینچنا اور بادل کو بھی اسی لیے سحاب کہتے ہیں کہ اُس کو ہوا دھکیلتے ہوئی لے جاتی ہے۔حمیم گرم کھولتا ہوا پانی بعض کہتے ہیں، پیپ مراد ہے۔سجر تنور گرم کرنا اور نہر کو پانی سے بھرنا اس لیے کہتے ہیں، بحر مسجور ای مملوًاماء۔

پھر ان سے سوال ہوگا کہ جن کو تم شریک بناتے تھے وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے ضلوا عنا کہ ہم سے کھوئے گئے، ہم کو نظر نہیں آتے۔ پھر کہیں گے بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْئًا کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں پکارا کرتے تھے، جس طرح کوئی شخص کچھ برا کام کرے اور سزا کے وقت انکار کرے کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا تا کہ سزا نہ ہو۔

فرماتا ہے کَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ کہ جس طرح اس روز بکیں گے، کئے کام کا انکار کریں گے، اسی طرح دُنیا میں اللہ اُن کو گمراہ کر رہا ہے جو وہ آیات اللہ میں جھگڑتے ہیں یا یہ معنی کہ اس طرح سے اُن کو آخرت میں مبہوت و بدحواس کرے گا۔اُن سے وہاں کہا جائے گا ذٰلِكُمْ یہ عذاب تم کو اس لیے ہوا کہ تم دُنیا میں گناہوں اور شرک اور طرح طرح کی بدکاری کر کے خوش ہوا کرتے تھے۔مال و عیال میں مست تھے اور اس لیے بھی کہ تم تکبر کیا کرتے تھے۔تکبر سے اہل اللہ کی بات نہیں سنتے تھے۔لو اب اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ دوزخ کے دروازوں میں گھسو ہمیشہ رہنے کے لیے یہ بری جگہ متکبروں کی ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا

بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِذَا جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾ ع

پھر (اے محمد) صبر کرو کیونکہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، پھر اگر ان چیزوں میں سے کہ جن کا ہم اُن سے وعدہ کرتے ہیں کیا آپ کو دکھائیں یا آپ کو (اس سے پہلے ہی) موت دیں تو پھر وہ تو سب ہمارے ہی پاس آویں گے اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں کہ ان میں سے کسی کا حال تو آپ کو سنا دیا اور کسی کا حال اُن میں سے آپ کو نہیں سنایا اور کسی رسول کا بھی مقدور نہ تھا کہ اللہ کی بے اجازت کوئی نشانی لے آتا۔ پھر جب حکم الٰہی آیا تو انصاف سے فیصلہ کیا گیا اور جو لوگ برسر باطل تھے اس وقت وہی نقصان میں رہے۔

ترکیب : فاما ان شرطیۃ و ما مزیدۃ لتاکید الشرط فالینا یرجعون جواب نَتَوَفَّيَنَّكَ و جواب نُرِيَنَّكَ محذوف مثل فذاک ویمکن ان یکون جوابا لھما بمعنی ان نعذبھم فی حیاتک اولم نعذبھم فانا نعذبھم فی الآخرۃ اشد العذاب ویدل علیٰ شدتہ الاقتصار بذکر الرجوع فی ھذا المعرض بیضاوی۔

تفسیر : اول اس سورہ سے لے کر یہاں تک آیات اللہ میں جھگڑنے والوں کی برائی اور اُن کے طریقہ کی مذمت تھی، اس جگہ اپنے رسول کو اُن کی ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم دیتا ہے اور منکروں کو ایک آنے والی مصیبت سے خبردار کرتا ہے کہ آپ صبر کیجئے، کیونکہ اگر آپ کی زندگی میں کفار کو بعض آنے والی مصیبت دکھاویں جیسا کہ بدر کے روز کا معاملہ تو فھو المراد آپ بھی دیکھ لیں گے اور اگر آپ مر گئے تو بھی یہ لوگ ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ ان کو سخت عذاب ہوگا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے۔ فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ اور نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ۔

غرض یہ کہ صبر کر خدا کا وعدہ برحق ہے، ان پر بلا آنے والی ہے۔ خواہ آپ کی حیات میں آوے یا بعد میں بہرحال ان نانجاروں پر وبال آئے گا اور سخت آوے گا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو اور بھی تسلی دی جاتی ہے۔ فقال وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ کہ آپ سے پیشتر بھی ہم بہت سے رسول دُنیا میں بھیج چکے ہیں۔ جن کی تعداد بموجب بعض روایات ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تین سو پندرہ رسول تھے۔ (اخرجہ احمد) مگر قوی تر یہی ہے کہ ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اجمالاً سب کو برحق ماننا ضرور ہے اور وہ ہر ملک و ہر قوم میں آئے تھے۔ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ ان میں سے بعض کا حال آپ سے بیان کیا ہے، یعنی پچیس کا ذکر آیا اوروں کا ذکر آپ سے نہیں کیا مگر سب رسولوں کے ساتھ یہ بات پیش آئی ہے کہ ہر ایک قوم نے ان کی باتوں میں مجادلہ اور ناحق کا جھگڑا مچایا ہے۔ اگرچہ اُنہوں نے معجزات بھی دکھائے۔ نشانیاں بھی پیش کیں مگر پھر بھی وہ سرکشی کی راہ سے بغیر ضرورت معجزات کی خواستگاری کرتے رہے۔ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ حالانکہ کسی رسول کی بھی طاقت نہ تھی کہ بغیر حکم الٰہی کے ان کی خواہش پورا کرنے کو کوئی معجزہ دکھا سکے۔ پس ان کی خواہش پوری نہ کی گئی اُن کا انکار و اصرار بڑھتا گیا۔ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ پھر جب امر الٰہی یعنی عذاب کا وقت موعود آیا تو انصاف سے فیصلہ ہوگیا۔ بدکاروں، شریروں نے اپنے جرم کی سزا پائی ایمانداروں کو نجات دی گئی۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ اور اُس وقت باطل کا اتباع کرنے والے آیات اللہ کو باطل ٹھہرانے والے برباد ہو گئے دنیا میں نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

یہ نبی ﷺ کے ہمعصر مشرکوں کو سنایا جاتا ہے کہ تم اسی طرح معجزات طلب کرتے ہو۔ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ

تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۹

اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے چار پائے بنائے تا کہ اُن میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کو کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں اور بھی فائدے ہیں اور یہ بھی کہ ان پر سوار ہو کر اپنے اُس مقصد تک پہنچو جو تمہارے دل میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، پھر تم اللہ کی کس کس آیت کا انکار کرو گے۔ پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے تعداد میں زیادہ اور ان سے بھی زیادہ زور آور اوروں سے زیادہ تر زمین پر نشانیاں چھوڑ جانے والے تھے۔ پھر اُن کی کارروائی اُن کے کچھ بھی کام نہ آئی۔ پھر جب اُن کے پاس (ہمارے) رسول نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے علم و دانش پر اترانے لگے اور جس پر وہ ہنسی کرتے تھے وہ اُن پر اُلٹ پڑا۔ پھر جب اُنہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور جس کو اس کا شریک کرتے تھے اُس کے ہم منکر ہو گئے، پھر اُن کا ایمان اُن کو (اس وقت) کیا نفع دیتا جبکہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا اُس کے بندوں میں قدیم سے یہی دستور چلا آ رہا ہے اور اس جگہ منکر گھاٹے میں رہیں گے۔

تفسیر : خوف دلانے کے بعد پھر وہ دلائل بیان فرماتا ہے کہ جو اللہ حکیم رحیم کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور جن سے اس کا بندوں پر انعام و احسان ثابت ہوتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ الَّذِيْ الخ کہ اللہ وہ محسن و رحیم و کریم و قادر ہے کہ جس نے تم سے بڑے زور آور جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا کہ ان میں سے تم کسی پر سوار ہوتے ہو۔ جیسا کہ اُونٹ، گھوڑا، گدھا بعض ملکوں میں بیل ہاتھی بھی یہی کام دیتے ہیں اور بعض کو تم ذبح کر کے کھاتے ہو گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ۔

اور اسی پر بس نہیں بلکہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اس کے علاوہ تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں، اُن سے نفع لیتے ہو۔ دودھ، گھی فروخت کرتے ہو کھاتے پیتے ہو ہل جوتتے ہو، اُن کی نسل بڑھا کر فروخت کرتے ہو، ان کی کھالوں سے فوائد اُٹھاتے ہو، اُن کی ہڈیوں اور سینگوں کو کام میں لاتے ہو۔ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ اور نیز اُن پر چڑھ کر اپنی حاجاتِ دلی کو پورا کرتے ہو، سفر کرتے ہو، اسباب لاد کر لے جاتے ہو، دشمنوں پر چڑھائی کرتے ہو اور یہ سوار ہونا کچھ انہی پر موقوف نہیں بلکہ عَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ان پر اور کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہو۔ وَيُرِيْكُمْ آيَاتِهٖ اور وہ تم کو اپنی اور بہت سی نشانیاں دکھاتا ہے۔ فَاَيَّ آيَاتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ، پس کون کون سی نشانیوں کو جھٹلاؤ گے۔

افلم یسیروا فی الارض یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی اس کے ہاں سخت سزا دنیا میں بھی ملا کرتی

ہے۔اگر یقین نہیں تو ملک میں پھر کر اپنے سے پہلے لوگوں کا حال کیا اُنہوں نے نہیں دیکھ لیا ہے کہ اُن کا کیا انجام ہوا؟ اور ہمارے مقابلہ میں اُن کی کوئی تدبیر اور کوئی زور کار آمد نہ ہوا۔ پھر ان موجودہ لوگوں کا کیا کار آمد ہوگا، حالانکہ وہ ان سے زور آور بڑے نشان باقی چھوڑنے والے تھے۔قلعہ اور عماراتِ بلند اور کنوئیں اُن کی یادگار موجود ہیں۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الخ یہاں سے ان کی بربادی کے اسباب بیان فرماتا ہے کہ ان کے پاس رسول نشانیاں معجزات لے کر آئے۔انہوں نے اپنے خیالاتِ فاسدہ پر خوشی ظاہر کی اور نبیوں کی بات نہ مانی اور اُن پر ٹھٹھا کرنے لگے۔وَحَاقَ بِهِمْ پس اُن پر وہ بلا کہ جس کے آنے کا ذکر سن کر اُس پر ہنسی کرتے تھے، اُلٹ پڑی۔فلما راوا پھر جب بلا آتی دیکھی تو دولتِ دُنیا کا نشہ اُتر گیا کہنے لگے۔اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ کہ ہم خالص ایک اللہ پر ایمان لائے اور اپنے معبودوں کے منکر ہو گئے، مگر اُس وقت کا ایمان لانا کیا فائدہ دیتا تھا، کس لیے کہ اللہ کا دستور ہمیشہ سے یوں ہی چلا آیا ہے کہ ہلاکت کے وقت کا ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔سو وہ زیاں کار برباد ہو گئے۔

فوائد : (۱) لام جو غرض کے لیے آتا ہے۔لِتَرْكَبُوْا وَلِتَبْلُغُوْا پر داخل ہوا اور باقی پر نہ داخل ہوا اُس کا کیا سبب ہے؟ صاحب کشاف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چار پایوں پر چڑھنا حج اور جہاد میں واجب یا مستحب ہے۔پس یہ دونوں دینی اغراض ہیں، اس لیے ان پر لازم آیا لیکن کھانا اور منافع حاصل کرنا سو یہ جس مباحات سے ہیں، اس لیے ان پر لام نہیں داخل ہوا اور نظیر اُس کی یہ آیت ہے۔وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً دیکھو یہاں رکوب پر لام آیا زینت پر نہ آیا، یعنی رکوب مقصدِ اصلی ہے اور باقی فرعی ہیں۔

(۲) اى ايات الله فرمایا مذکر کا صیغہ آیاتٌ مؤنث کے لیے آیا اور آیۃٌ نہ فرمایا۔صاحب کشاف اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہی فصیح اور مستعمل ہے۔آیۃٌ نہیں کس لیے کہ اسماءِ غیر صفات میں جیسا کہ حمار و حمارۃ مونث اور مذکر میں تفرقہ بہت ہی کم ہوتا ہے، چہ جائیکہ ایّ کیونکہ یہ مبہم ہے۔

(۳) فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ فرحوا کی ضمیر یا تو کفار کی طرف راجع ہے۔پس اُن کے اس علم سے کہ جس سے خوش وقت تھے، کیا مراد ہے؟ یا تو اُن کے وہ خیالاتِ فاسدہ کہ جو متوارث چلے آتے تھے یا اُن کی جہل پسند طبیعت اور آزادی پسند فطرت اور بے باکی نے ازخود گھڑ لیے تھے۔جیسا کہ يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا، وَمَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ وَمَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى وغیر ذلک یعنی دہریے دہر ہی کو محی و ممیت کہتے تھے اور مشرک اپنے مذموم افعال کی صحت پر خدا کی مشیت کو دلیل بناتے تھے کہ ہمارے یہ کار برے ہوتے تو خدا اُن کو نہ ہونے دیتا یا وہ قیامت کے روز زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یا اپنے معبودوں کو اللہ کے تقرب کا وسیلہ جانتے تھے، ایسے ایسے ہی اقوالِ فاسدہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں پیش کر کے بغلیں بجایا کرتے تھے یا اُن کے علوم سے مراد فلاسفہ کے علوم ہیں۔ریاضیات و عنصریات کے سوا الٰہیات میں بھی اُن کو اُن کے اقوال پر بڑا زعم تھا اور آج کل بھی صدہا انسان فلسفہ کے حال پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔بظاہر اسلام کا ترک کرنا اپنی بدنامی اور حریصانہ کوششِ دُنیاوی کے منافی جان کر اسلام کا ترک کرنا تو مناسب نہیں جانتے، اس لیے قرآن کے مطالبِ نفیسہ کی تاویلِ بعید کر کے یعنی تکین ملا کر اقوالِ حکماء کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور اس کوشش بیکار کا جملہ مسلمانوں کو ممنونِ منت بتاتے ہیں اور ایسی تاویلاتِ رکیکہ کا نام انہوں نے تفسیر الکلام با فعال اللہ و بقدرت اللہ رکھا ہے۔ان علومِ فلسفیہ سے وہ انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا کرتے تھے اور اب بھی بت پرست اپنے جاہلانہ خیالات کو قرآن مجید کے مقابلہ میں لایا کرتے ہیں یا اُن کے علم سے مراد امورِ دُنیاوی یہ کا علم ہے کہ اسی پر وہ شاداں و فرحاں رہتے تھے انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر جو دنیا کی بے ثباتی اور خدا کے پاس جانے کی بابت تھیں، کان بھی نہ دھرتے تھے۔

اور یا یہ ضمیر حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف راجع ہے۔اس صورت میں یا تو فرحت رسولوں کی مراد ہوگی کہ حضرات انبیاء اُن کے انکار و

جاہلانہ مکابرہ سے دل تنگ نہ ہوتے تھے بلکہ جو علوم اُن کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوئے تھے، اُن پر شاداں وفرحاں تھے، اور یہ ان کے یقین کی برکت تھی۔ یا یہ معنی کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے علم پر جو اُن کو دیا گیا تھا۔ خوش ہوتے تھے، یعنی ہنسی اور تمسخر کرتے تھے، جیسا کہ آج کل نئے تعلیم یافتہ دینی باتوں پر ہنسی کیا کرتے ہیں، مگر نتیجہ ان کا خسران و حرمان ہوا۔ برباد ہوئے۔ آخرت میں مبتلاء عذاب ہوئے۔ الٰہی بطفیل نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم کو خسارۂ دارین سے پناہ میں رکھیو یہ خسران و حرمان ہمارے پاس نہ آوے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٨﴾ ع

(یہ کتاب) بڑے مہربان، نہایت رحم والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے کہ جس کی آیتیں عربی زبان میں علم والوں کے لیے واضح ہیں۔ (یہ) خوشخبری اور ڈرسنانے والی ہے، پھر اُن میں سے اکثر نے تو منہ ہی پھیر لیا، پھر وہ سنتے بھی نہیں اور کہتے ہیں ہمارے دل اُس بات سے کہ جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے، پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ٹیٹیاں ہیں اور ہمارے اور تیرے بیچ پردہ پڑا ہوا ہے۔ پھر تو اپنا کام کیے جا ہم بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہی ہوں، میری طرف یہی حکم آتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ پھر اُسی کی طرف سیدھے چلے جاؤ اور اس سے معافی مانگو اور مشرکوں پر افسوس ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بے شک وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

ترکیب: حم ان جعلتہ مبتداء فخبرہ تنزیل الکتاب الخ وان جعلت تعدید الحروف فتنزیل خبر محذوف او مبتداء التخصیصہ بالصفۃ وخبرہ کتاب وھو علی الاولین بدل منہ او خبر اخر او خبر محذوف۔ قراٰناً نصب علی المدح او حال من فصلت لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ صفۃ اخریٰ لقراٰناً او صلۃ لتنزیل او بفصلت بشیراً و نذیراً صفتان اخریان لقراٰناً او حالان من کتاب وقرء بالرفع علی انھما صفۃ لکتاب او خبر محذوف وھم بالآخرۃ الخ معطوف علی لایؤتون الزکوٰۃ داخل معہ فی خیر الصلۃ والمجئی بضمیر الفصل لقصد الحصر۔

تفسیر: اس سورۃ کو سورۂ سجدہ بھی کہتے ہیں اور سورۂ فصلت بھی اس کا نام ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابو یعلیٰ وبیہقی وغیرہ محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو جو عرب میں بڑا گویا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اُس نے کہا اگر آپ کو مال منظور ہو تو وہ لیجیے اور اگر عورتوں سے رغبت ہے تو قریش میں سے جو عورت پسند ہو وہ آپ کی

نذر ہے، آنحضرت ﷺ نے اس سورہ کی کچھ آیات پڑھ کر اُس کو سنائیں، اُس نے کہا بس بس پھر قریش کے پاس آ کر کہا کہ واللہ عمر بھر ایسا کلام میں نے نہیں سنا اور اُس کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔

حم سے کسی خاص بات کی طرف اشارہ کر کے قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا بیان فرماتا ہے کہ بندوں کی حاجت روائی کے لیے اس رحمان رحیم نے یہ کتاب نازل کی ہے جس میں یہ صفتیں ہیں کہ یہ ایسی کتاب ہے، جس کی آیات میں تفصیل ہے۔ ابہام نہیں کہیں وعظ و پند ہے، کہیں مسائلِ حلت و حرمت وغیرہا ہیں، کہیں آخرت کا ذکر ہے۔ کہیں پہلوں کا عبرت انگیز نصیحت خیز حال ہے۔ عربی زبان میں عرب کی سہولت کے لیے بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ہے۔ کتاب کی خوبی اور اس کی ضرورت کے بعد کفار کی اس سے نفرت و اعراض بیان کر کے ان کی بدبختی و حماقت ثابت کرتا ہے۔ فاعرض سے عاملون تک پھر قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ نفرت فضول ہے۔ میں بھی تو تمہاری مانند ایک آدمی ہوں، کوئی فرشتہ نہیں جن نہیں جس سے غیر جنس ہونے کے سبب تمہیں نفرت ہو صرف یہ ہے کہ مجھ کو خدا نے وحی سے مشرف کیا ہے اور یہ ضروری باتیں جو تمام حسنات کا اصل اصول ہیں، میری طرف لوگوں کے بتانے کو وحی کی گئی ہیں۔ حسنات میں سے توحید اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ سو اس پر قائم ہو۔ اس کے بعد واستغفروہ اپنے مالک سے معافی مانگو، اعتقادی و عملی دونوں باتیں آ گئیں اور اس کے برخلاف کرنے والے مشرک ہیں۔ توحید کے مقابلہ میں شرک کرتے ہیں۔ لوگوں سے نیکی کرنے کے بدلہ میں زکوٰۃ تک نہیں دیتے، حبِ دُنیا کی وجہ سے آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے کہ اُس کی امید پر نیکی و خیرات کرتے پس ان کے لیے خرابی ہے اور جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں، اُن کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ
لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا
وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾
ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا
اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ
يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

کہو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے دو روز میں زمین بنائی اور اُس کے ساتھ اوروں کو برابر کرتے ہو وہ تو تمام جہان کا رب ہے اور اس نے زمین میں اُوپر سے پہاڑ رکھے اور اُس میں برکت رکھی اور اس کی پیداوار کا اندازہ کیا چار دن میں برابر کر دیا۔ سوال کرنے والوں کے لیے۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور وہ دھواں ہو رہا تھا پھر اس کو اور زمین کو فرمایا کہ تم خوش ہو کر یا ناخوش ہو کر حاضر ہو۔ انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں، پھر دو روز میں سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان کی طرف اس کا حکم بھیجا اور نیچے کے آسمان کو ہم نے ستاروں سے سجایا اور نگہبانی کے لیے بھی (یہ ستارے بنائے) یہ تدبیر ہے خدائے زبردست دانا کی۔

ترکیب: قرء الجمهور بهمزتين للاستفهام بالهمزة وان واللام بعدها التاكيد الانكار والتشنيع و تجعلون له اندادا الجملة معطوفة على تكفرون

داخلة تحت الاستفهام وجعل فیھا معطوف علی خلق وقیل مستانف لوقوع الفصل بینھما بالاجنبی فی اربعة ایام ای فی تتمة اربعة ایام۔ سواءً منصوب علی انہ مصدر موکد لفعل محذوف ھو صفة لایام ای استوت الاربعة سواء للسائلین متعلق بہ محذوف تقدیرہ ای قدر فیھا الاقوات للطالبین طوعا او کرھا مصدران فی موضع الحال اتینا بالقصر بمعنی جئنا وبالمد بمعنی اعطینا الطاعة طائعین حال و حفظا مصدر۔

تفسیر : پہلے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرمایا تھا کہ کہہ دو یُوحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کہ میری طرف یہ وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا اللہ واحد ہے، مگر مشرکین اوروں کو بھی اس کے ساتھ خدائی میں شریک کرتے تھے اور یہ اُس کی کمالِ قدرت کا کفر وانکار تھا، اس لیے اسی جگہ اپنی قدرت واستقلالِ الوہیت کا بیان کر کے اُن کے کفر پر تعجب وانکار ظاہر فرماتا ہے۔ فقال قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ کہ ان سے کہہ دو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے دوروز میں زمین بنائی اور اُس کے لیے شریک بناتے ہو؟ تمہارے معبود خدا نہیں خدا تو رب العالمین ہے کہ جس نے ایسا کر دیا اور زمین پیدا کرنے کے بعد اس کے اُوپر پہاڑ قائم کئے اور اس میں برکت اور منافع رکھے اور اُس کی پیداوار کا اندازہ کیا اور اُن کو قائم کیا، دوروز میں جو سب مل کر چار روز میں یہ کام تمام ہوا، یہ سب کچھ سائلوں کے لیے برابر کیا جو کچھ بندے مانگتے ہیں انہیں پیدا کیا اور باندازہ دیتا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ پھر آسمان بنانے کی طرف متوجہ ہوا اور یہ ایک دھواں یعنی ابخرات تھے، تب اُن کو اور زمین کو حکم دیا کہ تیار ہو جاؤ۔ وہ تیار ہو گئے، پس ان دھوؤں کو سات آسمان بنا دیا۔ دوروز میں اور ہر ایک آسمان میں اس کے مناسب احکام جاری کئے اور نیچے کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اُن کو شیاطین سے محفوظ کیا، یہ تدبیر ہے۔ خدا زبردست دانا کی یہ مطلب آیات کا صاف صاف ہے، غرض اس سے یہ ہے کہ خدائی کے لائق یہ ہے کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین اور ان کے متعلق چیزوں کو بنایا نہ وہ جن کو اُس کی خدائی میں تم شریک اور حصہ دار بناتے ہو، وہ تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت یا خیالی ڈھکوسلے ہیں یا اُن کو عالم کے پیدائش وانتظام میں کچھ بھی نہ دخل ہے نہ اختیار ہے۔

فوائد : (۱) دن تو آفتاب کی یا زمین کی حرکتِ مخصوصہ تمام کرنے سے ہوتا ہے۔ پھر زمین وآسمان پیدا کرنے سے پہلے دو دن میں بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن سے مراد اُس کی مقدار ہے، یعنی دو دن کا جس قدر وقت یا زمانہ ہے، اُتنی دیر میں بنایا گیا۔ گرچہ وہ دفعۃً بنا سکتا تھا، اس قدر عرصہ میں بنانے سے یہ بات دکھائی گئی ہے کہ یہ حادث ہیں اور ان کے بننے میں اس قدر زمانہ لگا ہے۔ پس قدم باطل ہے اور نیز اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ بڑے کاموں کے کرنے میں جلدی نہ کرنا۔

(۲) توریت سفر الخلیقۃ کے پہلے باب میں بھی آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا بیان کسی قدر تغیر کے ساتھ مندرج ہے، اس میں یوں آیا ہے کہ ابتداء میں خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور زمین ویران وسنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا اجالا ہو اور اُجالا ہو گیا اور خدا نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جدا کیا اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا۔ سو صبح وشام پہلا دن ہوا اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضاء ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے، تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اُوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا اور خدا نے فضا کو آسمان کہا، سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا۔ پھر تیسرے دن پانی کو جدا کر کے زمین بنانا اور اُس میں نباتات کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور چوتھے دن میں ستارے اور چاند اور سورج بنانا لکھا ہے اور پانچویں دن میں زمین کے حیوانات پرند چرند پیدا کرنا بیان ہوا ہے اور چھٹے دن آدم کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور ساتویں دن آرام کرنا۔

توریت اور قرآن مجید دونوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آسمان سے پیشتر زمین بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنایا مگر قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا کہ اس کے بعد زمین کو درست کیا، اس سے معلوم ہوا کہ زمین آسمانوں کے بعد بنی مگر اس کا

جواب یہ ہے کہ زمین کا بنانا اور چیز ہے اور اس کا درست کرنا نباتات اور پہاڑ اور دریاؤں کو موقع بہ موقع قائم کرنا اور بات ہے۔ زمین آسمانوں سے پہلے بنی اور آسمانوں کے بعد پھر اس کو ٹھیک کیا، اب کچھ بھی تعارض نہیں۔

اب جو کچھ مخالفت قرآن مجید اور اس توریت کی عبارت میں پائی جاتی ہے یا تو اس کی توجیہ کر دی جائے، ورنہ توریت کی تحریف گنی جاوے گی۔

(۳) حکماء کے تکوینِ عالم کے باب میں مختلف اقوال ہیں جن کی کسی قدر تشریح ہم جلد دوم میں کر آئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول یہ ہے کہ تمام عالم کی اصل آگ ہے۔ بعض ہوا کو کہتے ہیں، مگر قوی تر جو توریت سے سمجھا جاتا ہے اور شریعتِ مصطفویہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وکان عرشه علی الماء کہ وہ یہ ہے سب سے اول خداوند عالم نے پانیوں کو پیدا کیا، وہی اُس کی حکومت کی کرسی تھی، پانیوں کو جنبش ہوئی تو حرکت سے حرارت پیدا ہوئی۔ اجزاءِ لطیفہ بن کر ہوا بن گئی اور ابخرات اُٹھ کر اُوپر کو گئے اور جھاگ جو تھے وہ منجمد ہو کر زمین بنے اور پھر خدا نے آسمانوں کو بنانا چاہا۔ سو وہ تو ابخرات ہی تھے، وہی دخان۔ تو اس کو آسمان کر دیا اور اس منجمد مادہ کو کسی قدر ہٹایا، اس کا نام زمین رکھا، سو زمین بھی بن گئی اور آسمان بھی اور یہی معنی ہیں اس کے فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ پھر ان ادخنہ کو سات آسمان بنایا۔ کما قال فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ اور پھر آسمان میں نیرین اور دیگر ستارے بنائے۔ باقی اس کی کیفیت وہی خوب جانتا ہے۔ فلسفۂ قدیم و جدید اپنی وہمی روشنی سے اُس پر کچھ بھی حملہ نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقتِ حقہ یوں ہی رہے گی۔ فلسفہ بدلتا رہے گا۔ پچھلا فلسفہ پہلے فلسفہ کے رد کو کافی ہے اور آیندہ آنے والا موجود کے غلط کرنے کو بس ہے۔

(۴) ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ یہ استویٰ بمعنی توجہ و قصد ہے، بولتے ہیں استویٰ الی مکان کذا اذا توجہ الیہ توجھا لا یلتفت معہ الیٰ عمل آخر وھو من الاستوی الذی ھو ضد الاعوجاج ومنہ قولہ تعالیٰ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ (من الکبیر للرازی رحمۃ اللہ) مطلب یہ کہ زمین بنانے کے بعد آسمان بنانے کا قصد کیا اور یہ ایک دھواں تھا، اجزاءِ لاتجزّی تھے جن میں ضو نہیں پیدا کی گئی تھی۔

(۵) ہیئتِ جدیدہ جو آسمانوں کو فضاء محض قرار دیتی ہے اور نیرین اور دیگر ثوابت و سیارات کو اپنے مدارِ خاص پر متحرک مانتی ہے اور زمین کو بھی ایک سیارہ بلکہ چھوٹا سا تارا کہتی ہے، اس کے نزدیک بھی کتبِ سماویہ کے بیان سے کچھ محال لازم نہیں آتا، کیونکہ سبع سمٰوٰت کے بنانے کی تو وہ یہ تاویل کر لیں گے کہ سات فضائیں بنائیں جو سات مشہور ستاروں کے بعد ارتفاعی کے لحاظ سے سات گنی جاتی ہیں۔ باقی زمین کی تکوین کا مادہ پانی ہونا اور اُس میں سے حرکت عنیفہ پیدا ہونا اور جھاگ اُٹھنا اور ابخرات کا مرتفع ہونا' جھاگ کا منجمد ہو کر زمین بن جانا اور ابخرات مرتفعہ سے دیگر ستارے و نیرین بننا، اگر وہ اس تمام موجودات کا کوئی خالق با اختیار و قدرت مانتے ہیں تو کچھ بھی محال نہیں نہ اس کو کوئی آلۂ رصد یہ باطل کر سکتا ہے، نہ کوئی دور بین خورد بین غلط بتا سکتی ہے، نہ کوئی مشاہدہ رد کر سکتا ہے، لیکن کاتب الحروف کا وہ ایمان کہ جو نبی ہاشمی ﷺ کے ذریعہ سے حقائقِ موجودات کے ساتھ متعلق ہے۔ نبی علیہ السلام کے فرمودہ کے مقابلہ میں سب کو توہماتِ باطلہ اور دماغ کی تبخیر اور حواس کا قصور اور طبیعتِ دہریت پسند کا قارورہ سمجھتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

(۶) ائتیا۔ واتینا سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موافق مراد کے ہونا جیسا کہ کہتے ہیں۔ اتی عملہ مرضیاء و جاء مقبولا۔ اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آسمان و زمین ذوی العقول نہیں۔ طائعین مذکور ذوی العقول کا صیغہ ان کے لیے کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے اُن کے وجود علمی کو مخاطب کیا تو اُس جل و علیٰ کے خطاب سے ان کی عزت و منزلت بڑھ گئی تو ان کو ذوی العقول اور مذکرون میں شمار کر کے اُن کے امتثال امر کو انہی الفاظ سے تعبیر کیا جو ذوی العقول کے لیے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ فصحاء و بلغا کے کلام میں کبھی غیر ذی روح و غیر ذوی العقول کی طرف خطاب اور اُن کی زبانِ حال سے سوال و جواب کیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ اُن کی گفتگو اور حیات جو اُن کو عطاء کی گئی

ہے۔ باری عزاسمہ سے خطاب اور جواب کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ولا تخفی ھذا علی من لہ ذوق صحیح بادراک اسرار الموجودات وتجلت علی روحہ حقائق الکائنات فسبحانہ من خلق الموجودات علی ما ینبغی۔

(۷) آیت میں زمین کا پیدا کرنا دو روز میں فرمایا اور اُس کے اقوات وازراق کی تدبیر و درستی کرنا چار روز میں فرمایا۔ یہ چھ روز ہوئے پھر آسمانوں کا بنانا دو روز میں ذکر ہوا، فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ اس حساب سے یہ آٹھ روز ہوتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں اکثر جائے ان سب کا چھ روز میں پیدا ہونا بیان کیا ہے۔ ستۃ ایام کا لفظ آیا ہے۔ پس ان دونوں کلاموں میں تعارض پایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اربعۃ ایام جداگانہ نہیں جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ پہلے دو روز مل کر کہ جن میں زمین کا پیدا ہونا بیان ہوا ہے اور محاورۂ عرب میں پہلے کام کی مدت کو اُس کے بعد کے دوسرے کام کی مدت میں جو اسی جنس کی شامل کر کے مجموعی مدت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس مثال میں سرت من البصرۃ الی بغداد فی عشرۃ ایام وسرت الی الکوفۃ فی خمسۃ عشر یوما کہ میں نے بصرہ سے بغداد تک کی منزل کو دس روز میں تمام کیا اور کوفہ تک پندرہ روز میں پہنچا، یعنی کل پندرہ روز میں پہنچا، یعنی کل پندرہ روز میں جو بصرہ کے سفر سے شمار کئے جاتے ہیں نہ یہ کہ بغداد سے کوفہ کی منزل کو پندرہ دن میں تمام کیا، چونکہ متصل ایک ہی قسم کا سفر تھا، اس لیے مجموعی مدت لگائی گئی زبان نہ جاننے سے ایسے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۸) سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ اس کے معنی یہ ہیں کہ مدتِ مذکورہ میں ان چیزوں کو پوچھنے والوں کے لیے برابر اور ٹھیک جواب دینے کے لیے بنایا، ان اشیاء کی مدتِ پیدائش سے اکثر سوال کیا کرتے ہیں۔ اس بیان سے ان کا برابر اور پورا جواب ملے یا یہ معنی کہ انسان خواہ زبانِ مقال سے خواہ زبانِ حال سے معاش کے متعلق خدا سے سوال کرتا رہتا ہے۔ اس نے اپنی نعمت کا دسترخوان ایسا وسیع اور عام کر دیا ہے کہ مانگنے والوں اور غیر مانگنے والوں سب کے لیے برابر ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

ع ۲ / ۱۹

پھر بھی اگر وہ نہ آئیں تو کہہ دو کہ میں تم کو عاد اور ثمود کی کڑک جیسی کڑک سے خبردار کر چکا ہوں، جبکہ اُن کے آگے اور پیچھے سے رسول[1] آئے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا۔ انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا تو فرشتے بھیج دیتا، پھر جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے، پس وہ جو قوم عاد تھی تو انہوں نے ملک میں ناحق کا تکبر کیا اور کہا ہم سے زیادہ کون زور آور ہے اور کیا اُن کو یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ اللہ کہ جس نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ اُن سے بھی زیادہ زور آور ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے، پھر تو ہم نے اُن پر منحوس دنوں میں آندھی بھیجی، تا کہ ہم اُن کو رسوائی کے عذاب کا مزہ دُنیا کی زندگانی میں چکھادیں اور آخرت کا عذاب تو اور بھی رسوائی کا ہے اور اُن کی مدد نہ کی جاوے گی اور وہ جو قوم ثمود تھی تو ہم نے اس کو رستہ بتایا تھا، پھر ان کو ہدایت سے گمراہی اچھی معلوم ہوئی، پھر تو ان کو ذلیل کرنے والے عذاب نے آلیا۔ اُن کے اعمال کے سبب سے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہتے تھے ہم نے اُن کو بچالیا۔

ترکیب: اِذْ جَآءَتْھُمُ یجوز ان یکون ظرفا لانذرتکم ویجوز ان یکون صفۃ لصاعقۃ او مالا منہ نَحِسَاتٍ بکسر الحاء فھی اما اسم فاعل مثل نصب ونصبات او مصدر مثل الکلمۃ ویقرء بالسکون فھی بمعنی المکسورۃ وسکن لعارض او اسم فاعل وسکن تخفیفاً ثمود مبتدء و ھدینا خبرہ۔

تفسیر: ابتداءِ کلام اس بات سے تھی کہ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ پھر اُس پر دلیل پیش کی گئی۔ قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ الخ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مخالف دلیل سے بھی نہیں مانتا تو اُس کو اور دوسری طرح سے سمجھایا جاتا ہے، یعنی کسی سزا سے ڈرایا جاتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَۃً کہ اگر وہ نہ مانیں تو اُن سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک عذاب اور مصیبت کی خبر دیتا ہوں، وہ عذاب قومِ عاد و ثمود کے عذاب جیسا ہوگا، یعنی ہلاکت اور بربادی کے لیے تیار رہو، جیسا کہ عاد و ثمود برباد ہوئے۔ جمہور نے صاعقہ بالالف پڑھا ہے، اس کے معنی بجلی کے ہیں جو آواز کے ساتھ اُوپر سے گرتی ہے۔ کڑک اور اُس کے ساتھ جلانے والی آگ یعنی وہ ہلاکت بجلی کی طرح سے تم پر آوے گی۔ کلامِ عرب میں سخت حوادث کو جو ناگہاں آپڑتے ہیں۔ صاعقہ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ ہماری زبان میں بجلی پڑنا کہتے ہیں اور بعض قرأت میں صعقہ آیا ہے۔ بغیر الف کے اس کے معنی کڑک کے ہیں۔ وصعق کسمع بمعنی بے ہوشی۔ اس سے بھی آنے والی مصیبت مراد ہے۔ پھر عاد و ثمود کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے۔ اِذْ جَآءَتْھُمُ الرُّسُلُ کہ ان کے پاس ہر طرف سے ان کے رسول آئے اور ان سے کہا کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے یہ حجت پیش کی کہ اگر خدا کو رسول ہی بھیجنے تھے تو فرشتوں کو کیوں نہ بھیج دیا، معلوم ہوا کہ تم رسول نہیں۔ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ، ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ یہ تو دونوں قوموں کی مشترک حالت تھی، پھر ہر ایک کی جداگانہ بیان فرماتا ہے۔ فَاَمَّا عَادٌ الخ کہ قومِ عاد نے تکبر کیا اور اپنی قوت پر گھمنڈ کیا اور یہ نہ جانا کہ وہ اللہ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اُن سے بھی بڑھ کر قوت والا ہے، اُن کو اپنی قد آوری اور بہادری پر ناز تھا۔ یہ گناہ تو ان کا خلقِ خدا پر احسان نہ کرنے کے بدلہ تھا۔ وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ اور خدا سے بھی اچھے نہ تھے کہ اُس کی آیتوں کا سخت انکار کرتے تھے۔ فارسلنا پس ان کو ہم نے سخت آندھی سے غارت کیا، جو نحس دنوں میں اُن پر چلی دنوں کی نحوست نجومی طور پر نہ تھی۔ ایامِ مصیبت کو نحس ہی کہا کرتے ہیں۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ الخ ثمود کو رسولوں کے ذریعہ سے ہم نے ہدایت کا رستہ دکھایا، مگر اُس کو اختیار نہ کیا گمراہی پر رہنا پسند کیا، پس اُن پر عذاب آیا اور ایمانداروں، پرہیزگاروں کو بچالیا۔ عاد و ثمود کا حال قریش کو یمن و شام جانے سے بہت پہلے معلوم تھا، اس لیے ان کا قصہ سنایا اور قریش

[1] یعنی کثرت سے رسول آئے۔ ۱۲ منہ

کے کفار پر بھی بلا آئی۔ جیسا کہ کتبِ سیرت میں مذکور ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾

اور جس روز کہ اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف گھیر کر لایا جائے گا، پھر اُن کی قطار باندھی جائے گی۔ جب جہنم کے پاس آویں گے تو اُن پر ان کے کان اور آنکھیں اور جلد جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، اس کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کس لیے گواہی دی۔ وہ کہیں گے ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا کہ جس نے ہر چیز کو گویا کیا اور اُسی نے تم کو اول بار پیدا کیا اور اُسی کے پاس پھر جاؤ گے اور تم اپنے کانوں اور آنکھوں اور چمڑوں کی اپنے اُوپر گواہی دینے سے پردہ نہ کرتے تھے، لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ نہیں جانتا اور تمہارے اسی خیال (بد) نے جو تم نے اپنے رب کے حق میں کیا تھا تم کو برباد کیا، پھر تم خسارہ میں پڑ گئے پھر اگر وہ صبر کریں گے (تو کیا) پھر آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ عذر کریں گے تو عذر بھی قبول نہ ہوگا۔

ترکیب : یوم ظرف لمادل علیہ مابعدہ وھو قولہ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ان یشھد ای من ان یشھد لان یستتر لایتعدی بنفسہ و ذلکم مبتداء و ظنکم خبرہ الذی لغت للخبر او خبر بعد خبر وارد کم خبر آخر و یجوزان یکون الجمیع صفت او بدلاء و ارادکم الخبر و یجوزان یکون حالا یستعتبوا یطلب العتبیٰ۔

تفسیر : دُنیا کی سزا بیان کر کے آخرت کی سزا اور اُس عالم کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ بیان کامل ہو جاوے فقال وَيَوْمَ يُحْشَرُ کہ جس روز دشمنانِ خدا آتشِ جہنم کی طرف جمع کر کے لائے جائیں گے، اُن کو ٹھہرا دیں گے۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو جاویں گے، پھر اُن کے اعمالِ قبیحہ پر اُن کی آنکھیں اور کان جلدیں گواہی دیں گے۔ حواس گو پانچ ہیں، مگر قوتِ شامہ سے کوئی تعلق نہیں اور ذائقہ بھی لامسہ کے متعلق ہے، اس لیے تین حواس کی گواہی دلائی جائے گی جو اعمال کا ذریعہ ہیں۔ سماعت بصارت لمس چھونا، بعض کہتے ہیں جیسا کہ سدی وعبید اللہ بن ابی جعفر وفراء کہ جلود سے بطور کنایہ کے فروج مراد ہیں، یعنی شرمگاہ کہ جس سے وہ زنا کرتے تھے اور وہ زبان کہ جس سے بری باتیں بکتے تھے۔ وہ کان کہ جن سے بری باتیں یا مزامیر سنتے تھے، وہ آنکھیں کہ جن سے ناجائز چیزیں دیکھتے تھے۔ سب گواہی دیں گے۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ تب وہ اپنی چمڑی سے کہیں گے۔ مراد تمام اعضاء ہیں یا شرم گاہ سے کہ تم نے کس لیے ہم پر گواہی دی، کیونکہ تم ہی تو دُنیا میں گناہ صادر ہونے

کا ذریعہ تھے، وہ کہیں گے اَنْطَقَنَا اللّٰہُ ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا جو مخلوقات میں سے ہر گویا کو گویائی دیتا ہے اور دے چکا ہے۔ عقلاً یہ کچھ بھی محال نہیں۔ کس لیے کہ جس نے زبان کے مضغہ گوشت میں یہ گویائی کی طاقت رکھ دی ہے، وہ اُس کو اور عضو میں بھی رکھ سکتا ہے یا وہ گویائی جو اُن کے مناسب ہے اور جس سے وہ شہادت ادا ہو سکے۔ وَھُوَ خَلَقَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ یہ بھی اعضاء کا کلام ہے اور ممکن ہے کہ یہ جملہ اللہ کی طرف سے ہو اور اس طرح مابعد کا کلام سمجھنا چاہیے۔ وَمَا کُنْتُمْ کہ تم اُن اعضاء کے گواہ ہونے سے کچھ پردہ نہ کرتے تھے اور لوگوں سے پردہ میں گناہ کرتے تھے، کیونکہ تمہارا خیال تھا کہ اللہ پردہ کی باتیں نہیں جانتا۔ بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں کعبہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا کہ تین آدمی آئے۔ ثقفی اور ایک قریشی تھا۔ کچھ باتیں کرنے لگے، مخفی طور پر ایک نے کہا کہ کیا اللہ ہماری یہ باتیں بھی سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا، اگر بلند آواز سے بولیں گے تو سنے گا، ورنہ نہیں تیسرے نے کہا اگر کچھ بھی سنتا ہے تو سب سنتا ہے، اس کا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی فرماتا ہے۔ وَذٰلِکُمْ ظَنُّکُمْ کہ تمہارے اسی خیال نے تو تم کو برباد کیا ہے، اب صبر کرو تو یہی جہنم تمہارا ٹھکانا ہے، نہ کرو تو بھی تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں، یہ بھی اُس حشر کی گفتگو کا بقیہ ہے جو اُن سے اُن کے اعضاء کریں گے۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سنایا جائے گا۔ خدا سے بدگمانی کرنا بری بات ہے۔

وَقَیَّضْنَا لَھُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَھُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَحَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّھُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِکَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰہِ النَّارُ ۚ لَھُمْ فِیْھَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءً ۢ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْھُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِیَکُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور ہم نے کفار کے لیے (برے) رفیق معین کر دیے کہ انہوں نے ان کی اگلی اور پچھلی باتوں کو اُن کی نظر میں بھلا کر دکھایا اور منجملہ ان جن وانسان کے گروہوں کے کہ جو اُن سے پہلے ہو چکے ہیں، اُن پر بھی اللہ کا کلام پورا ہوا، بے شک وہ خسارے میں پڑے ہوئے تھے اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو سنو بھی نہیں اور (سنو تو) اس میں غل مچاؤ تا کہ تم غالب ہو جاؤ، پھر کافروں کو ہم ضرور سخت عذاب چکھادیں گے اور اُن کو اُن برے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے کہ وہ جو کیا کرتے تھے یہ آگ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی اُن کا اس میں سدا گھر ہوگا، اس کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو وہ جن اور وہ آدمی تو دکھادے کہ جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا کہ ہم اُن کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالیں تا کہ وہ بہت ہی ذلیل ہوں۔

ترکیب : النار عطفا بیان للجزاء او خبر محذوف جزاء تجزون جزاء مفعول مطلق۔ الذین تثنیۃ فی حالۃ النصب لکونہ مفعولا ثانیا لارنا من

الجن والانس بیان لہ نجعلھما بالسکون لکونہ جواب الامر وھوارنا بکسر الراء عند الجمھور۔

تفسیر : کفار کے کفر پر جہنم کی سخت سزا بیان فرما کر اُن کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال وَ قَیَّضْنَا لَھُمْ قُرَنَاءَ الخ تقییض کے معنی ہیں آسان کرنا اور آمادہ کرنا، صاحب صحاح کہتے ہیں یقال قاضیت الرجل مقایضۃ ای عاوضتہ بمتاع و بما قیضان، قرنا جمع قرین ساتھی۔ یعنی ہم نے اُن کفار کا شیاطین کو یار و مددگار بنا دیا تھا، پس شیاطین نے اُن کی نظروں میں اُن کے سامنے یا آگے جو باتیں ہیں اُمورِ دنیا اور اُس کی شہوات و لذات مرغوب کر دکھائیں انہی پر ریجھ گئے۔ زجاج کہتے ہیں مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وہ اعمال جو کر چکے ہیں۔ وَمَا خَلْفَھُمْ وہ اعمال کہ جن کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ سے مراد دُنیا وَ مَا خَلْفَھُمْ سے مراد آخرت بعض کہتے ہیں برعکس...... کیونکہ آخرت سامنے ہے اور دُنیا پیچھے چھوٹی جا رہی ہے، یعنی اُن کے رفیقوں نے اُن کے دل میں بری باتیں رچھا اور کھبا دیں، پس حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ ان پر نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا۔ فی امم اُن پر وہی بات پوری ہوئی، جیسا کہ اُن سے اگلوں پر ہوئی تھی۔ فی امم ای کائنین فی جملۃ امم سابقہ یعنی یہ بھی ان پہلے گروہوں کے غول میں شامل ہو گئے، کس لیے کہ یہ زیاں کار تھے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ان کفار کی ایک اور حرکتِ ناشائستہ نقل کرتا ہے جو وہ دینِ حق کے ستانے اور چراغ ہدایت کے بجھانے کے لیے کرتے تھے۔ فقال وَقَالَ الَّذِیْنَ کہ کفار کہتے ہیں، اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور جب پڑھا جایا کرے تو غل مچا دیا کرو، اس سبب سے ہم غالب رہیں گے، لوگ اس طرف آنے نہ پائیں گے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں قرآن مجید کی منادی کرتے تھے اور لوگ سننے کے لیے جمع ہوتے تو کفار کہتے تھے، مت سنو اور غل مچا دو، چنانچہ لوگ ایسا کرتے تھے۔ الغوا جمہور نے بفتح غین پڑھا ہے، لغا سے ہے جس کے معنی ہیں بے ہودہ گوئی کے اور بعض نے بضمہ غین پڑھا ہے۔ لغا یلغو دعا یدعو سے اور اسی سے ہے لغوت اُن کے اس فعلِ بد کی سزا بیان فرماتا ہے۔ فَلَنُذِیْقَنَّ کہ ہم ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب چکھا دیں گے اور ان کے برے کاموں کی آخرت میں بھی سزا دیں گے۔ ذٰلک الخ فرماتا ہے، خدا کے دشمنوں کی سزا یہ جہنم ہے۔ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہ اُن کے انکار کی سزا ہے اور جہنم میں پڑ کر کفار یہ کہیں گے کہ ہمارے شیاطینِ جن و انس کو کہ جنہوں نے ہم کو دُنیا میں گمراہ کیا تھا۔ یا رب اُنہیں دکھا کہ ہم اُن کو جہنم میں اپنے پاؤں تلے روندیں اور ذلیل کریں کہ کیوں تم نے گمراہ کیا تھا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ شیطان دو قسم کے ہیں، ایک جن دوسرے انسان، شیطان جنی ابلیس اور اُس کی ذریت جو دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور شیاطین انسی بہت سے دکھائی دیتے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں جو طرح طرح کے لباس میں آ کر کام کر جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الآیۃ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿۳۲﴾ ع ۷ | ۱۸

بے شک وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اُسی پر قائم رہے، اُن پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے) تم نہ ڈرو اور نہ کچھ رنج کرو اور اُس بہشت کا مژدہ

سنو کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے دُنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم کو جو مانگو گے وہاں ملے گا۔ یہ مہمانی ہے غفور ورحیم کی طرف سے۔

ترکیب : الذین اسم ان تتنزل خبرھا الا اصلہ ان لا وان مفسرۃ ای قائلین لا تخافوا۔ او مصدریۃ او مخففۃ مقدرۃ بالباء ماتشتھی موصولۃ ھی مع صلتھا مبتداء لکم خبرھا فیہا متعلق بتشتھی او بالمحذوف، نزلا حال من الموصول او من عائدہ۔

تفسیر : وعید کے بعد وعدہ ذکر کرتا ہے اور یہ عمدہ ترتیب ہے۔ واضح ہو کہ کمالات تین قسم پر ہیں۔ نفسانیہ بدنیہ، خارجیہ ان میں سب سے بڑھ کر نفسانیہ ہیں اور اوسط بدنیہ اور کمتر مرتبہ میں خارجیہ۔ پھر کمالاتِ نفسانیہ کی دو قسم ہیں۔ ایک علم یقینی دوسرا عملِ صالح، علم یقینی میں کمالات کی بات اللہ جل جلالہ کی معرفت اور اُس کی توحید کا اقرار کرنا ہے، اُس کی طرف اس جملے میں اشارہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ اور اعمالِ صالحہ میں سب سے بڑھ کر وسط پر استقامت ہے۔ افراط وتفریط کی طرف میلان نہ ہو جیسا کہ سورہ فاتحہ میں آیا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اور ایک جگہ آیا ہے۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ترمذی نسائی و ابویعلی وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کلمۂ توحید پر مرتے دم تک ثابت رہا ہے، اُس نے اس پر استقامت حاصل کر لی۔ احمد و دارمی و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان اور بخاری نے اپنی تاریخ میں سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ کسی نے نبی ﷺ سے آ کر عرض کیا کہ یا حضرت مجھے اسلام میں ایسی بات بتلایئے کہ آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہہ ایمان لایا، میں اللہ پر پھر قائم رہ پھر عرض کیا کس چیز سے بچوں آپ نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اس استقامت میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ استقامت سے دین و توحید و معرفت پر قائم رہنا مراد ہے۔ دوم یہ کہ عبادات و اعمالِ صالحہ پر قائم رہنا مراد ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ ایمانداروں پر ملائکہ مژدہ لے کر اترتے ہیں۔ پھر اس کے بدلہ میں جو کچھ مرحمت ہو گا اس کا ذکر فرماتا ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا کہ اُن پر ملائکہ اُترتے ہیں۔ یہ مژدہ دیتے ہوئے کہ تم خوف وغم نہ کرو اور ہم تمہارے دُنیا و آخرت میں رفیق ہیں اور تمہارے لیے جنت کا مژدہ ہے، وہاں تم کو ہر چیز ملے گی، یہ کفار کا مقابلہ ہے کہ اُن کے پاس شیاطین آتے ہیں، گمراہی میں پھنسا لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے اللہ پر ایمان لانے والے نیک بختوں کو فرشتے آ کر تسلی دیتے ہیں۔ یہ ملائکہ موت کے وقت اُترتے ہیں اور قبر میں بھی آویں گے اور حشر کے دن بھی، بلکہ آیت عام ہے دنیا میں بھی بوقتِ مصیبت و ضرورت ملائکہ ایمانداروں کے دل کو سرورِ جاودانی کا بطور الہام کے مژدہ دیتے ہیں۔ کس لیے کہ ملائکہ کی ارواحِ بشریہ پر الہامات و مکاشفات یقینیہ و مقاماتِ حقیقہ کے بارے میں تاثیرات ہیں، جیسا کہ شیاطین کو وسواس و تخیلاتِ باطلہ دل میں ڈالنے کے لیے تاثیرات ہیں۔ حاصل کلام ارواحِ طیبہ کو ملائکہ کی طرف سے طرح طرح سے ولایت و حمایت ہے۔ اہلِ مکاشفہ اور مشاہدہ کو بخوبی معلوم ہے اور یہ دُنیا میں حاصل ہے، مرنے کے بعد باقی رہے گی بلکہ اور بڑھ جائے گی۔ کس لیے کہ حجابِ جسمانی دور ہو جاتا ہے، پس یہ معنی ہیں اس قول ملائکہ کے نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ میں جنت جسمانی کی طرف اشارہ ہے، وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ میں جنتِ روحانی کی طرف اشارہ ہے اور یہ سب کچھ جلبِ منفعت کے متعلق ہے جو دفعِ مضرت کے بعد رعایتِ مصالح میں شمار ہوتا ہے اور دفعِ مضرت مقدم ہے، اس لیے سب سے پہلے دفعِ مضرت کا مژدہ دیا اور مضرت میں بھی بڑی مضرت آنے والی چیز سے ہوتی ہے جس کے فکر کو خوف کہتے ہیں، اس لیے اَلَّا تَخَافُوْا کو مقدم کیا۔ اس کے بعد گزشتہ باتوں کا رنج ہوتا ہے، جس کو حزن کہتے ہیں۔ جیسا کہ اولاد کی مفارقت' مال کی جدائی' احبا کا فراق وغیرہ ان سب باتوں کی بابت تسلی کریں گے۔

فائدہ: احادیث میں آیا ہے کہ بوقتِ مرگ جب ادھر سے پردہ پڑ جاتا ہے تو دوسرا عالم منکشف ہوتا ہے، اس وقت فرشتے آ کر یہ کہتے

ہیں اور یہ مژدہ دیتے ہیں جس سے مرنے والے کو بے حد سرور ہوتا ہے اور دُنیا کی مفارقت کا رنج وغم مٹ جاتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اُس سے بہتر کس کی بات ہے کہ جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور خود بھی اچھے کام کئے اور کہہ دیا میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کا دفعیہ نیکی سے کر، پھر تو وہ شخص کہ اُس میں اور تجھ میں عداوت تھی، گویا وہ دوست حمایتی ہے اور یہ بات اُنہی کو نصیب ہوتی ہے کہ جو صبر کرنے والے ہیں اور یہ اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا ہی نصیبہ والا ہے اور جو کبھی تجھے کوئی شیطانی وسوسہ گدگدائے تو اللہ سے پناہ مانگو، کیونکہ وہ (بڑا) سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

ترکیب: ومن استفہامیۃ ومحلہا الرفع بالابتداء والخبر احسن قولا تمیز لاحسن ممن متعلق باحسن ولا السیئۃ لا زائدۃ جاءت لتاکید النفی اِدْفَعْ بِالَّتِيْ ای ادفع السیئۃ حیث اصابتک من احد بالتی ھی احسن ای بالحسنۃ۔

تفسیر: کمالِ انسانی دو قسم پر ہیں، ایک تام دوسرا اُس سے بھی بڑھ کر کمالِ تام۔ اپنے تئیں صفاتِ حمیدہ سے مزین کرنا اُس کا ذکر اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ میں آچکا، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اپنی تکمیل کے بعد ناقصوں کی تکمیل کی طرف متوجہ ہونا، اُس کی طرف ان آیات میں اشارہ کرتا ہے۔ فقال وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ اور نیز اس میں مخاطبین پر ایک ملائم طور پر حجت قائم کی جاتی ہے کہ تم کس لیے قرآن میں غل مچاتے، سننے سے منع کرتے ہو، اصل بات کو تو دیکھو کہ نبی کیا کہتا ہے اور بذاتِ خود کیسا ہے اور اُس کا کیا دعویٰ ہے؟ کہہ سکتے تھے کہ نبی کوئی بری بات نہیں کہتا، برے کام کے لیے نہیں بلاتا اور خود را فضیحت دیگرے را نصیحت کا بھی مصداق نہیں، بلکہ نیکوکار ہے اور کسی سلطنت یا حکومت یا شیخی کی بات کا بھی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو خداوند کا فرمانبردار کہتا ہے۔ اسی کا دعویٰ ہے مگر یوں نہ کہا۔ کس لیے کہ اُن بدبختوں کو نبی ﷺ سے سخت نفرت تھی، بلکہ عام طور پر فرمایا کہ اس سے بات کہنے میں کون بہتر ہے کہ جو اللہ کی طرف بلاوے اور خود بھی نیک ہو اور فرماں برداری کا اظہار کرے، اس سے اشارہ آنحضرت ﷺ کی طرف ہے مگر ایک عجیب لطف سے اشارہ کیا۔

مکارمِ اخلاق کی تعلیم: مگر اللہ کی طرف بلانے میں جو تکمیلِ ناقصاں ہے اور یہ خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے یا اُن کے نائبوں کا جو علماء اور اُمراء ہیں، مخالفوں کی طرف سے ایذائیں بھی پہنچا کرتی ہیں، دُنیا میں کون سا نبی آیا ہے کہ لوگوں نے اُس کی راہ میں کانٹوں کی جگہ پھول بچھائے ہوں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کہ بدی کو نیکی کے ساتھ دفع کرو کیونکہ نیکی جو ہے نیکی ہے اور بدی جو ہے تو بدی ہے۔ اس لیے اس جملہ سے پیشتر بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے، وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ کہ نیکی اور بدی برابر نہیں، نیکی کا مرتبہ بدی سے بڑھ کر ہے، پس واعظِ حق کے مقابلہ میں جو کوئی بدی کرے، اُس کو لازم ہے کہ اُس کے درجواب نیکی کرے، اگر وہ سخت کلامی کرے تو یہ نرمی کرے۔ اگر وہ بددعا دیوے تو یہ دعا دیوے، اگر وہ گالی دے تو یہ اللہ سے دعا کرے کہ اُس کی اصلاح کرے۔ واعظانِ دین کے لیے یہ عمدہ قانون ہے جو کبھی منسوخ نہیں ہوا اور جہاد و سیف کا حکم اور موقع پر ہے۔ یہ کمالِ مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے، پھر

اس کا فائدہ بیان فرماتا ہے۔ فَاِذَا الَّذِیْ الخ کہ پھر تیرا دشمن دوست خالص ہو جائے گا، کس لیے کہ طبیعت انسانیہ کا بشرطیکہ سلیمہ ہو، خاصہ ہے کہ بدی کے مقابلہ میں جو اُس سے نیکی کی جاتی ہے تو بدی کرنے والا خود شرمندہ ہو کر اُس کو اچھا اور عمدہ شخص جاننے لگتا ہے اور دل میں محبت ہو جاتی ہے، مگر مَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا یہ بڑے بڑوں کا کام ہے، وہی اس کو حاصل کر سکتے ہیں اور بڑے خوش نصیبوں کو یہ بات حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اُن کے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں۔ دوسرے کی برائی سے متغیر اور متاثر نہیں ہوتے، ان کی ہمدردی وخوبی کے پہاڑ کو اس برائی کی ہوا ہلا نہیں سکتی۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ

رسول اللہ ﷺ و صحابہ کبار و اہلِ بیتِ اطہار نے کچھ ایذائیں پا کر مخالفوں سے نیکیاں کی ہیں، کتب سیرت میں مشرحاً مذکور ہیں۔ واما ینزغنك اور جو بشریت سے اور شیطانی تحریک سے دل میں ولولہ آ جاوے تو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کہنا چاہیے، اس کی مدد سے وہ شیطانی خیال دور ہو جاتا ہے، کس لیے کہ اللہ سنتا ہے۔ فریادرسی کو موجود ہے خبردار ہے، دلی حالات پر واقف ہے۔

اور اُس کی نشانیوں میں رات دن اور سورج اور چاند بھی ہے۔ تم نہ سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو کہ جس نے اُن کو بنایا ہے۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدۃ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

ہو، پھر اگر وہ تکبر کریں تو پھر وہ لوگ کہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں رات دن اُس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ (اے مخاطب!) تو زمین کو پژمردہ دیکھتا ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ بے شک جس نے اُس کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا وہی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: جبکہ پہلی آیات میں یہ بیان فرمایا کہ احسن اعمال و اقوال اللہ کی طرف بلانا ہے تو اُس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اُس کے وجود و قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے کہ اللہ کی طرف بلانا دلائل بیان کرنا ہے اور یہ کہ اللہ کی طرف بلانا کسی مجہول چیز کی طرف بلانا نہیں بلکہ وہ ایسا متجلی ہے کہ ہر چیز میں اُس کے پرتوے نظر آ رہے ہیں۔ کما قال وَمِنْ آیَاتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ کہ اُس کی نشانیوں میں سے یہ چار چیزیں تمہارے سامنے ہیں، رات، دن، سورج، چاند رات عدمی چیز ہے، اس لیے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ یہ چاروں چیزیں اپنے انقلابات کی نیرنگیوں میں ثابت کر رہی ہیں کہ کوئی قادر مختار ہے جو اُن کو یوں اُلٹا پلٹتا

ا ہز بز الرتع یعنی وزیدن باد و جنبانیدن درخت

ہے، اس کی تشریح متعدد مقامات پر ہم کر آئے ہیں۔ رات سے چاند کا اور دن سے سورج کا تعلق خاص ہے۔ جب یہ ثابت کر دیا گیا کہ چاند اور سورج اُس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اُس کی دو مشعلیں روشن کی ہوئی ہیں تو یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ لَاتَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ تم نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو جیسا کہ کواکب پرست قومیں ان کو نورانی پیکر جان کر پوجتی تھیں۔ مجوس و ہنود و بعض عرب بلکہ اب بھی پوجتے ہیں، ان مخلوق کو کیا سجدہ کرتے ہو، ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو یعنی اللہ کو اگر تم کو اللہ کا پوجنا منظور ہے۔ اس جملہ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ جو کواکب پرست ان کے سجدہ کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور سجدہ سمجھتے ہیں، غلط بات ہے۔ عاقل و نادان میں بھی تو فرق ہے کہ نادان تصویر پر شیدا ہوتا ہے۔ دانا تصویر دیکھ کر اُس پر مفتون ہوتا ہے کہ جس کی یہ تصویر ہے۔

پھر فرماتا ہے فَاِنِ اسۡتَكۡبَرُوۡا اگر یہ منکرین اے محمد (ﷺ)! تیرا کہنا نہ مانیں اور خدا کی طرف نہ آئیں، تکبر سے اڑے رہیں تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں کس لیے کہ جو اللہ کے پاس ہیں یعنی اُس کی بارگاہِ عزت میں حاضر ہیں۔ ملائکہ مقربین رات دن اُس کو سجدہ کرتے ہیں اور تھکتے نہیں کس لیے کہ وہ انوارِ مجردہ ہیں، خدا کی عبادت و تسبیح و تقدیس اُن کی روزی ہے اور بمنزلہ نفسِ انسانی کے جو اُن کو اور کسی تدبیر اور تصرف سے مانع نہیں آتا۔

یہ تو بالاتفاق ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے مگر امام شافعی کے نزدیک تعبدون پر سجدہ ہے، کیونکہ وَ اسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ سے متعلق ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک لا یسئمون پر کس لیے کہ کلام یہاں تمام ہوتا ہے۔ آیاتِ فلکیہ کے بعد آیاتِ ارضیہ بیان فرماتا ہے، وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً کہ اُس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو زمین کو خشک دیکھتا ہے۔ الخشوع التصاغر والتذلل واستعیر لحال الارض حال خلوھا عن المطر والنبات، پھر جب اس پر پانی خدا برساتا ہے تو اہتزت حرکت کرتی ہے۔ یعنی اگنے کی طرف آتی ہے، وربت اور پھول جاتی ہے تر ہونے سے اور خصوصاً جبکہ اگنے کو کوئی چیز ہوتی ہے، اُبھر جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تر و تازہ اور زندہ ہو جاتی ہے، پھر جو اُس کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ ایک دوسرا مطلب ہے جو دعوۃ الی اللہ کے لیے اصل اصول ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخۡفَوۡنَ عَلَيۡنَا ؕ اَفَمَنۡ يُّلۡقٰى فِى النَّارِ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ يَّاۡتِىۡۤ اٰمِنًا يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالذِّكۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّهٗ لَـكِتٰبٌ عَزِيۡزٌ ۝۴۱ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ ۝۴۲ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدۡ قِيۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ وَّذُوۡ عِقَابٍ اَلِيۡمٍ ۝۴۳ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا لَّقَالُوۡا لَوۡلَا فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعۡجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ ؕ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع

وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں، ہم پر مخفی نہیں ہیں۔ بھلا وہ جو آگ میں ڈالا جاوے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آوے گا جو چاہو کرو وہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے نصیحت سے انکار کیا، جبکہ وہ ان کے پاس آ چکی۔ (ہم کو معلوم ہیں) اور بے شک یہ ایسی معزز کتاب ہے کہ جس میں نہ آگے اور نہ پیچھے سے غلطی کا دخل ہے، وہ خوبیوں والے حکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ آپ سے بھی وہی بات کہی جاتی ہے جو آپ سے اگلے رسولوں سے کہی گئی تھی۔ بے شک آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سخت سزا بھی دیا کرتا ہے اور اگر ہم اُس کو عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے تو کہتے کس لیے اس کی آیتیں واضح نہیں کی گئیں۔ کیا عجمی کتاب اور عربی لوگوں کے لیے۔ کہہ دو یہ ایمانداروں کے لیے ہدایت وشفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اس سے اُن کے کان بہرے ہیں اور یہ کتاب اُن کو سوجھتی بھی نہیں وہ قرآن سے اتنے غافل ہیں کہ گویا دور سے پکارے جاتے ہیں۔

تفسیر: دعوت الی اللہ اور اُس کے طرق اقامۃ الدلائل کے بعد یہ بیان کرتا ہے کہ جو آیاتِ الٰہیہ میں کجروی کرتے ہیں۔ وہ ہم پر مخفی نہیں، یعنی دُنیا وآخرت میں سزایاب ہوں گے، آخرت میں آگ میں ڈالے جائیں گے، پھر جو آگ میں ڈالا جائے گا، اُس کے برابر ہو سکتا ہے، جو امن سے آوے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ دونوں طریقوں کی برائی بھلائی تم کو خوب معلوم ہوگئی۔ اللہ کے رستہ کی بھی اور آیات اللہ میں کجروی کی بھی۔ اب تم کو اختیار ہے جو چاہو سو کرو، کیونکہ وہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ الالحاد المیل والعدول ومنہ اللحد فی القبر لانہ المیل الی ناحیۃ منہ یقال الحد فی دین اللہ ای مال عنہ۔ الالحاد فی الآیات کے معنی ہیں ان میں تحریف کرنا اور ہیر پھیر کر ان سے غلط مطلب ثابت کرنا۔ متبادر معنی کو بلاضرورت چھوڑ دینا۔ حقیقت میں یہ بڑا عیب ہے۔ خصوصاً کلام اللہ میں ایسا کرنا۔ مکہ کے کفار بھی ایسا کیا کرتے تھے، یہ تحریف و ہیر پھیر دراصل معنی کا انکار ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ الخ ان کی خبر بعض کے نزدیک محذوف ہے، جیسا کہ اور جگہ بھی قرآن مجید میں سامع کی سمجھ پر چھوڑ کر جملے عبارت میں محذوف کر دیے گئے ہیں، اس کی خبر یجازون۔ بعض کہتے ہیں اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ خبر ہے کہ وہ جو قرآن کا جس میں آیات اللہ ہیں، ان کے پاس پہنچنے کے بعد بھی انکار کرتے ہیں، اپنے انکار کی سزا پائیں گے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی صفت بیان کرتا ہے جس کا وہ انکار کرتے ہیں۔ وانہ الکتاب الخ (۱) یہ کہ قرآن کتاب ہے۔ (۲) کیسی کتاب عزیز زبردست یا بے نظیر جس کے مطالب کی خوبی اس کے بے نظیر ہونے کی آپ سند ہے۔ (۳) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ الخ کہ اس میں غلط کو دخل نہیں، نہ بالفعل نہ اس کے بعد کوئی اس کو غلط ثابت کر سکے گا، نہ اس میں غلطی ملا سکے گا، نہ کوئی پہلی کتاب اس کو منسوخ کر سکتی ہے نہ آیندہ کوئی منسوخ کرنے والی آئے گی، نہ اس میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ نقصان۔ (۴) تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ حکیم اور حمید کی نازل کی ہوئی جس کی کوئی بات بھی حکمت کے خلاف نہیں۔ حکیم بھی کیسا کہ حمید بھی ہے، اُس کی حکمت جابرانہ نہیں بلکہ قابلِ تعریف۔ اُس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور اسی جملہ میں کفار کا بھی اطمینان کرتا ہے۔ فقال مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کو جو کچھ یہ کفار کہتے ہیں، نئی بات نہیں پہلے رسولوں کو بھی ایسا ہی کہا گیا ہے۔ جھوٹا جادوگر وغیرہ، یا یہ معنی کہ آپ کو توحید ومکارمِ اخلاق کا کوئی نیا حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہی جو ہمیشہ سے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ نوح، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، موسیٰ علیہم السلام بھی اپنی اُمتوں سے یہی کہا کرتے تھے، جو تم کہتے ہو اور آپ کو اور اگلے انبیاء کو یہ احکام کیوں دیے گئے اس لیے کہ ان ربک الخ کہ آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ عمدہ باتوں سے خوش اور بری باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ اس لیے اُس نے انبیاء علیہم السلام کی معرفت اپنی پسند اور ناپسند باتوں سے لوگوں کو خبردار کر دیا تاکہ موجباتِ سزاء وانعام سے واقف ہو جائیں، یہ وجہ ہے قرآن کے نازل

کرنے کی اور انبیاء کے بھیجنے کی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی، پھر اُس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات صادر نہ ہو چکی ہوتی تو اُس کا فیصلہ ہی ہو چکا ہوتا اور ان کو تو قرآن میں قوی شک ہے جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے لیے اور برائی کرتا ہے تو اپنے سر پر اور آپ کا رب تو بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر : اس کے بعد اُن کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے۔ قُلُوْبُنَا فِیْ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْہِ ہمارے دلوں پر غلاف ہے اور یہ قرآن مجید کس لیے عربی زبان میں آیا، ایسی زبان تو ہم بھی بول سکتے ہیں۔ فقال وَلَوْ جَعَلْنٰہُ یعنی اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں اُتارتے تو یہ عذر کرتے کہ عربی شخص عجمی زبان بولتا ہے، کلامِ عجمی و رسولِ عربی عربی و عجمی میں یاء مبالغہ کے لیے ہے، جیسا کہ احمری میں عجم اُس کو کہتے ہیں جو اچھی طرح بول نہ سکے اور اس لیے حیوانات کو عجماء کہتے ہیں اور عرب کے مقابلہ میں غیر زبان والے فصیح نہیں سمجھے جاتے اس لیے عرب کے سواسب کو عجم کہتے ہیں اور کبھی ان میں خاص اہلِ ایران پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حمزہ و کسائی و عاصم نے آ اعجمی کو دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، ایک استفہام انکاری کے لیے اور بعض نے ایک ہمزہ سے بطور اخبار کے، پھر جواب پہلی بات کا دیتا ہے۔ قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّ شِفَآءٌ کہ کہہ دے قرآن مجید ایمان والوں کے لیے ہدایت اور امراضِ قلبیہ کے واسطے شفاء ہے، ان کے دلوں پر اُس سے غلاف نہیں۔ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ الخ ہاں جو ایمان اس پر نہیں لاتے، اُن کے دلوں میں حسد و عداوت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جس لیے فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرٌ ان کے کان بھی اس سے بہرے ہیں، سنتے ہی نہیں اور جو کوئی سنانا چاہے تو کان بند کر لیتے ہیں۔ وَّھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی اور آنکھوں پر اس سے پردہ پڑا ہوا خود بھی نہیں دیکھتے۔ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ اب اُن کی ایسی حالت ہے کہ جیسا کسی کو دُور سے آواز دے کر پکارا جاتا ہے، جس طرح بہائم کو پکارتے ہیں۔ گائے بھینس وغیرہ کہ آواز سنتے ہیں، بات نہیں سمجھتے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید میں کوئی عیب نہیں، تمہارے دلوں اور دیگر حواس میں فتور ہے۔ جس لیے قرآن سے دلوں اور آنکھوں اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس میں اختلاف کرتے ہو، پھر یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، یعنی توراۃ سو اُس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا، کسی نے مانا کسی نے انکار کیا۔ اب غضبِ الٰہی تو یہی چاہتا تھا کہ اس سرکشی پر ہلاک کر دیے جائیں مگر اُس کی رحمت سے اُن کے ہلاک ہونے کا ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے اور کسی کے لیے ایک وقت میں آ کر ایماندار ہونا لکھ دیا ہے اور کسی کے ہلاک نہ ہونے کی وجہ کوئی خاص مصلحت رکھی ہوئی ہے کہ یتیم اُس کے ساتھ متعلق ہیں یا کوئی اور بات ہے، اس لیے اُن کا ابھی فیصلہ نہیں ہوتا، اس سے وہ اور بھی قرآن مجید سے بڑے شک میں پڑ گئے کہ اگر یہ کلام الٰہی تھا تو اس کے انکار سے ہم پر بلا کیوں نہ آئی؟ اور قرآن اور نبی اُن کو اپنے کام کے لیے نہیں بلاتا جو وہ کھنچتے ہیں وہ ان ہی کو بھلائی برائی کا رستہ بتاتا ہے۔ پھر مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اپنے لیے' اُس کا فائدہ دنیا و آخرت میں اُسی کو ہے، کسی پر کیا احسان ہے؟ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا اور جو کوئی برائی کرتا ہے تو اپنے اُوپر اُس کا بدنتیجہ آپ ہی پاوے گا۔ وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ کڑوے پھل دُنیا کی

مصیبت، آخرت کا عذاب اُسی کے ہاتھ کے بوئے ہوئے درخت کے ہیں۔ سبحان اللہ کیا پر اثر کلام اور کیا موعظت بلیغہ ہے کہ جس کے سننے سے سنگدل بھی نرم ہوجاتے ہیں، مگر شقیِ ازلی بے بہرہ رہتے ہیں۔ ظلام بروزن فعال نسبت کا صیغہ ہے، جیسا کہ تمار و بقال چھوارے بیچنے والا اور ترکاری بیچنے والا ظلام ظلم کرنے والا، بعض کہتے ہیں۔ مبالغہ کا صیغہ ہے، مگر نفس ظلم مراد ہے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بہت ظلم کرنے والا نہیں، تھوڑا اسا روا رکھتا ہے۔ (سبحان اللہ عما یصفون)۔

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ز وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ز وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

اُس کی طرف قیامت کی خبر کا حوالہ دیا جاتا ہے (وہی جانتا ہے) اور نہ کوئی ایسا پھل جو اپنے گابھے سے نکلتا ہے اور نہ کوئی مادہ جو حاملہ ہوتی اور جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس روز اُن سے پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک تو کہیں گے آپ سے عرض تو کر دیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں اور جن کو وہ پہلے پکارا کرتے تھے سب گئے گزرے ہوجائیں گے اور یہ یقین کرلیں گے کہ ان کو کسی طرح بھی چھٹکارا نہیں انسان بھلائی مانگنے سے تھکتا نہیں اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو آس توڑ کر ناامید ہوجاتا ہے اور اگر ہم اُس کو اس مصیبت کے بعد جو اُس پر آئی تھی اپنی کچھ رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہنے لگتا ہے یہ میرا حق تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو میرے لیے اُس کے پاس بہتری ہے، ہم کافروں کو ضرور بتائیں گے کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور ہم ضرور اُن کو سخت عذاب بھی چکھائیں گے۔

ترکیب : وَمَا تَخْرُجُ مانافیۃ و من الاولی للاستغراق والثانیۃ للابتداء وقیل ما موصولۃ فی محل جر عطفا علی الساعۃ ای علم الساعۃ وعلم التی تخرج۔

تفسیر : جبکہ کفار کے مقابلے میں یہ کہا گیا تھا کہ جو نیکی کرتا ہے اپنے لیے اور بدی جو کرتا ہے تو اپنے لیے۔ جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پوری جزاء وسزا قیامت کو ملے گی، اس پر سامع کا خیال جاسکتا تھا کہ قیامت کب ہوگی، اس بات کا جواب دیتا ہے، اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ کہ قیامت کی خبر اُس کے پاس ہے، یعنی جب کوئی کسی سے اُس کے تعین وقت سے سوال کرتا ہے تو اُس کی خبر اللہ ہی کے سپرد کی جاتی ہے کہ وہی جانتا ہے اور اس پر کیا موقوف ہے جو کچھ عالم غیب سے دُنیا میں ظہور کرتا ہے، جیسا کہ گابھے کے اندر پھل اور مادہ کے پیٹ میں بچہ سب

کی خبر اسی کو ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں۔ اکمام کم یا کمہ کی جمع ہے۔ میوے یا پھل کے اوپر جو چیز لپٹی ہوئی ہوتی ہے، اُس کو کم کہتے ہیں اور اس لیے آستین کو بھی۔ مغیبات پر رمل یا نجوم یا تعبیرِ خواب سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ ظن ہوتا ہے، علم یقینی نہیں اور جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کو الہام یا مکاشفہ سے کچھ بتایا جاتا ہے تو اللہ ہی کے بحرِ علم کا ایک قطرہ ہوتا ہے اور وہ بھی اُسی قدر کہ جس قدر اُس نے اُن کو بتا دیا، وہی علام الغیوب ہے۔

اس کے بعد کچھ قیامت کے احوال بیان فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ الخ کہ اُس روز مشرکین سے پکار کر پوچھا جائے گا کہ میرے شریک جو تم نے دُنیا میں بنا رکھے تھے کہاں ہیں؟ کہیں گے ہم نے بتا تو دیا یعنی آپ کو خود علم ہے کہ ہم میں سے ان کو کوئی بھی دیکھنے والا نہیں، یعنی نظر نہیں آتے یا یہ معنی کہ ہم میں سے کوئی بھی شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کا کوئی شریک ہے، یعنی انکار کریں گے، جیسا کہ ملزم سزا کے وقت ارتکابِ جرم کا انکار کیا کرتے ہیں۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ الخ اور دُنیا میں جن کو پہلے پوجتے تھے وہ اُن سے غائب ہو جاویں گے اور جان لیں گے کہ ہماری خلاصی نہیں۔ انسان کو یہ تبدل و تغیر کچھ آخرت ہی میں پیش نہ آئے گا کہ جن بتوں اور خیالی معبودوں کو دُنیا میں پکارا کرتے تھے اُن سے عذاب دیکھ کر برأت کریں گے بلکہ دُنیا میں بھی اُس کی ایسی حالت ہے کہ لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ اپنے لیے بھلائی مانگنے میں تھکتا نہیں۔ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ اور جو دکھ پہنچتا ہے تو نا اُمید اور ہراساں ہو جاتا ہے۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا اور جو اس مصیبت کے بعد ہم پھر راحت عطا کرتے ہیں، اپنی مہربانی سے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق اور اسی کے لائق ہوں اور پھر اسی عیش و کامرانی میں ایسے پھولتے ہیں اور یہاں کے رہنے کو ایسا پسند کرتے ہیں کہ قیامت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً اور اگر بالفرض میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو مجھے وہاں بہتری ہوگی، کیونکہ دُنیا میں بھی میں معزز تھا، وہاں بھی معزز رہوں گا۔ دُنیا پر آخرت کا قیاس کرتا ہے، یہ معلوم نہیں وہاں کے اور ہی حالات ہیں۔ یہ قول بطورِ حسنِ ظن کے نہ تھا جو باخدا لوگوں کو اللہ سے ہوتا ہے بلکہ بطور تکبر و سرکشی کے اس لیے فرماتا ہے۔ فلننبئن الذین کہ ہم کافروں کو اُن کے اعمال پر متنبہ کریں گے اور سخت عذاب چکھائیں گے، یعنی اُن کے لیے اُس جہاں میں بہتری تو کیا ہے عذابِ شدید ہے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ﴿٥١﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ﴿٥٤﴾

اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور اکڑنے لگتا ہے اور جب اُس کو دکھ پہنچتا ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے تو کہو بھلا دیکھو تو سہی اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوا پھر تم اُس کا انکار کر بیٹھے تو ایسے پرلے درجہ کے ضدی سے کون زیادہ گمراہ ہوگا، ہم اُن کو اپنی نشانیاں ملک (کے اطراف) میں اور خود ان

میں بھی یہاں تک دکھائیں گے کہ اُن کو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ برحق ہے۔ کیا ان کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ دیکھو تو ان کو اپنے رب کے پاس حاضر ہونے میں شک ہے، دیکھو وہ ہر چیز کو قابو میں کیے ہوئے ہے۔

تفسیر : وَاِذَا اَنْعَمْنَا اور جب ہم انسان پر عنایت کرتے ہیں تو سرکشی کرتا ہے۔ (والجانب مجاز عن النفس ونائی بمعنی بعد یقال نائت وتنایت ای بعدت وتباعدت والمتنائی الموضع البعید) اور جب اُس پر بلا آتی ہے تو بڑی دُعا کرتا ہے۔ (العرض والطول یستعمل فی الکثرۃ مجازا فی کلام العرب) یہ انسان کی جبلی بات ہے، غرض یہ کہ یہ تمام سرکشی خدا تعالیٰ کی عطاء کی ہوئی نعمت کی بدہضمی سے ہے۔

اس کے بعد پھر کفار کے شبہات دفعہ کرتا ہے۔ فقال اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الخ ان سے کہہ دے تم جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہو اچھا یہ بھی تو خیال کرلو (کیونکہ تمہارے انکار پر کوئی حجت قوی نہیں ہے صرف توہمات ہیں) کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا، پھر تم سے زیادہ کون گمراہ اور ضدی ہے؟ (ممن هو صلۃ منکم وضع مَنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍ موضع الضمیر لبیان حالھم فی الشاقۃ) یہ ایک الزامی گفتگو ہے، مخاطب کو قائل کرنے کے لیے جبکہ وہ خلافِ حق ہو کر اپنے توہمات پر اصرار کرے۔

اس کے بعد ایک پیشین گوئی فرماتا ہے۔ اسلام اور قرآن کے برحق ہونے پر فقال سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ الخ آفاق جمع اُفق کاعناق وعُنُق اس کے معنی ہیں کنارے کے۔ آیت کی تفسیر میں علماءِ کرام نے متعدد وجوہ بیان فرمائے ہیں، مگر صاف یہ ہے اور یہی سیاقِ کلام سے چسپاں زیادہ ہے کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ وہ دو قسم کی ہوں گی، ایک آفاق یعنی بلاد وممالک کے متعلق اور دوسری وہ جو اُن کی ذات سے علاقہ رکھتی ہوں گی۔ وہ جو آفاق سے علاقہ رکھتی ہیں، بہت سی نشانیاں ہیں کہ جن کی رسول کریم ﷺ نے خبر دی تھی، جن کا لوگوں نے معائنہ کیا اور یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اور اُن پر حق ظاہر ہو گیا جیسا کہ تھوڑے سے دنوں میں اسلام کا دور دراز ملکوں میں ظہور کرنا کسریٰ و قیصر کا مقہور ہونا' عرب کا کایا پلٹ ہو جانا' سب میں ایک نئی زندگانی کا پیدا ہونا وغیرہ ذلک۔ اس طرح زلزلوں کا آنا' بڑے بڑے حوادث کا ظہور کرنا حجاز میں مہینوں تک ایک عجیب وغریب آگ کا مشتعل ہونا وغیر ذلک جن کی تفصیل کے لیے ایک بڑی مجلد کتاب بھی کافی نہیں اور آیاتِ انفس بھی بہت لوگوں نے دیکھیں۔ مکہ میں ہجرت سے پہلے ایک انقلاب شروع ہوا اور ہجرت کے بعد سے ترقی کرتا گیا، سنگدل سفاک رحم دل ہو گئے۔ بت پرستوں کو خدا پرستی سوجھنے لگی، وحشی اور جاہلوں کو قیصر وکسریٰ کے ملک کے انتظام کا علم آ گیا۔ دغا بازی کی جگہ راست بازی کی طرف طبائع مائل ہو گئے۔ نفاق کی جگہ دلوں میں اتفاق نے گھر بنایا، پست حوصلگی کی جگہ بلند حوصلگی پیدا ہوئی۔ اُن کے سینے علوم وحکمت کے چشمہ بن گئے۔ پھر ان آیات کے دکھانے پر وثوق دلاتا ہے۔ فقال اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّكَ الخ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شہید ہے، کوئی بات اُس کی قدرت وعلم سے باہر نہیں، پھر وہ کیا ان آیات کے دکھانے پر قادر نہیں؟ یہ سب کچھ ہے، مگر اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ وہ اپنے رب کے ملنے سے شک میں ہیں، جانتے ہیں کہ مرکر مٹی ہو جاویں گے، خدا کے پاس کیا جانا ہے، جس لیے وہ یہ باتیں کرتے ہیں مگر وہ کہاں جاسکتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ہوشیار وہ ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے، کوئی اُس کی قدرت سے باہر نہیں، سب کو گھیر کر اپنے پاس دربارِ عدالت میں حاضر کرے گا۔ سبحان اللہ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے اور اثنائے کلام میں کیا کیا باریکیاں رکھی ہیں۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② کَذٰلِكَ یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

اسی طرح سے اللہ زبردست حکمت والا آپ کی طرف وحی کیا کرتا ہے اور ان کی طرف بھی (کیا کرتا تھا) جو تم سے پہلے تھے اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب سے بڑا بالادست ہے (اس کی ہیبت کے مارے) قریب ہے کہ اوپر سے آسمان پھٹ پڑیں اور فرشتے ہیں کہ اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں اس کی خوبیوں کے ساتھ اور زمین والوں کے لیے معافی مانگتے ہیں دیکھو اللہ ہی معاف کرنے والا مہربان ہے وہ لوگ کہ جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں وہ اللہ کی نظر میں ہیں اور آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔

ترکیب : اللہ فاعل لیوحی وما بعدہ لغت والکاف فی موضع نصب بیوحی والذین مبتدا اللہ حفیظ الجملۃ خبر۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وابن الزبیر وحسن وعکرمہ وجابر کا قول ہے۔اس سورہ کا نام سورہ شوریٰ اور سورہ حم عسق ہے حٰمٓ عٓسٓقٓ سے جو کچھ خدا پاک نے اپنے کلام میں مراد لیا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے۔مکہ میں قریش کو اس بات سے بڑا تعجب تھا کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات ان کے نزدیک نئی تھی۔ان کے اس تعجب کو چند حروف میں ایک سرّ نہانی کی طرف اشارہ کر کے دور کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ کذالک یوحی الخ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام پر یوں ہی وحی کرتا چلا آیا ہے اور تیری طرف بھی وحی کرتا ہے۔ کذلک میں اشتراک نفس وحی کی طرف ہے اور یوحی جو مضارع کا صیغہ ہے حال ماضی کے لیے ہے اللہ کے بعد العزیز الحکیم دو وصف بیان فرمائے تاکہ یہ استعجاب بالکل دور ہو جائے۔عزیز بمعنی زبردست غالب اس میں اس کی شاہنشاہی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شاہنشاہ اپنے بندوں پر فرمان بھیجتا ہے۔یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جب دنیا کے بادشاہ رعیت کے حال سے غافل نہیں اور ان کے تمرد کی پروا نہیں کرتے کسی کو فرمان دے کر احکام جاری کرنے کے لیے بھیجتے ہیں پھر وہ کیوں نہ بھیجے الحکیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی حکمت بندوں کی اصلاح کے لیے انبیاء پر احکام وحی کرنا ضروری سمجھتی ہے اس کے بعد اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جو اس کی جلالت وعظمت پر دلالت کرتے ہیں (۱) لَہٗ مَافِی السَّمَاوَات وَمَافِی الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی اسی کی بادشاہی ہے اور اس کی بادشاہی اور بادشاہوں کی طرح نہیں بلکہ وہ العلی ہے برتر اور عظیم ہے۔ (۲) تَکَادُ السَّمٰوٰتُ الخ اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کی ہیبت وعظمت سے آسمان پھٹے جاتے ہیں۔مِنْ فَوْقِهِنَّ کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ان کے اوپر جو آسمان ہیں ان کا یہ حال ہے تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں؟ (۳) وَالْمَلَائِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ اور ملائکہ جو اہر نورانی اور بڑی قوت وطاقت والے ہیں اس کی تسبیح اور تحمید کیا کرتے ہیں۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہتے ہیں اور اس کے سوا یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ زمین والوں کے لیے خدا سے بخشش مانگتے ہیں' اہل ایمان کے لیے بعض کہتے ہیں سب کے لیے کفار ومشرکین کے لیے بھی کہ الٰہی تو ان پر مہربانی کر راہِ راست سمجھا کہ یہ اپنی بدی سے باز آویں اور بخشے جاویں۔ (۴) اَلَا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ دیکھو اللہ جو ہے بڑا معاف کرنے والا

مہربانی کرنے والا ہے۔ اس نے بخشنے اور مہربانی کے لیے دنیا میں انبیاء بھیجے اوران پر وحی کی۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا الخ مگر بندوں کو دیکھئے کہ اللہ کے سوا انہوں نے اور بھی حمایتی اور معبود بنا رکھے ہیں اَللّٰہُ حَفِیْظٌ عَلَیْہِمْ اللہ ان کو دیکھ رہا ہے وہ کہاں جا سکتے ہیں وَمَا اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ اے محمد (ﷺ) آپ ان کے ذمہ دار نہیں اس میں ایک شان استغنائی ہے اور توحید کی طرف تہدید کے پیرائے میں ترغیب ہے اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ کیا لطائف آیات میں رکھے ہوئے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُـحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹ۧ

اور اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان کا قرآن نازل کیا تاکہ آپ مکہ والوں اور ان کے پاس والوں کو ڈر سنادیں اور قیامت کے دن سے بھی ڈرادیں کہ جس میں کوئی شبہ نہیں (اس روز) ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت جہنم میں ہوگی اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی گروہ کر دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی مددگار بنا رکھے ہیں پھر اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب : قرآنا مفعول لاَوْحَیْنَا لِتُنْذِرَ متعلق باوحینا فریق خبر مبتدء محذوف ای بعضھم فریق فی الجنۃ و الظالمون مبتدء ومابعدہ خبرہ اولیاء بالنصب علی انہ مفعول لاَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ حال منہ ای حال کون الاولیاء غیر اللہ الولی خبر فاللہ ھو ضمیر الفصل للتاکید۔

تفسیر : پھر مسئلۂ نبوت کا ذکر کرتا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا الخ کہ جس طرح انبیاءِ سابقین پر وحی کی گئی تھی اسی طرح اے محمد (ﷺ)! ہم نے تیری طرف عربی زبان میں قرآن وحی کیا کس لیے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى تاکہ تو اہلِ مکہ کو اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کر دے ڈرادے کہ تم پر اگر باز نہ آؤ گے بلا آنے والی ہے اور ان کو قیامت کے دن سے بھی ڈرادے کہ جس میں کوئی شک نہیں کہ اس روز ایک جماعت جنت میں اور ایک دوزخ میں ہوگی۔ یعنی جس طرح اور انبیاء اپنی امتوں کے ڈرانے کے لیے آئے اسی طرح آپ اہلِ مکہ اور ان کے آس پاس والوں کے لیے۔ نبوت قائم کرنے کی وجہ لوگوں کا ڈرانا اکثر قرآن میں آیا ہے اور بشارت اس کے ساتھ میں آئی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب بنی آدم کی حالت خراب ہوجاتی ہے فلسفہ وعلومِ عقلیہ اس کی اصلاح سے عاجز آ کر کسی گوشہ میں منہ چھپا کر بیٹھ جاتے ہیں اگر اس وقت خدا تعالیٰ کا داعی وہادی نہ آوے تو اس بدکاری وغیرہ امراضِ روحانیہ میں مبتلا ہو کر نہ صرف آخرت میں جہنم کے ایندھن بن جائیں بلکہ معاش بھی بگڑ جاوے جس سے کسی دنیاوی بلا کا بھی سخت اندیشہ ہوتا ہے ایسے وقت میں خدا رحیم و کریم اپنے کسی بندے کو نبی اور مؤید من اللہ بنا کر بھیجتا ہے اس کا پہلا کام ان لوگوں کو آنے والی بلا سے ڈرانا ہوتا ہے تاکہ افعالِ بد سے باز آویں اس لیے

لتنذر فرمایا۔ اور منہیات ترک کرنے کے بعد اگر اچھے کام کرنے لگیں تو ان کو انعام واکرام الٰہیہ کی بشارت دی جاتی ہے اور نبی کا مبعوث کرنا اتمامِ حجت کے لیے ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں تمام عالم ہر قسم کی گمراہی و بدکاری سے تاریک ہو گیا تھا اور آپ کو مصلحتِ الٰہی نے مکہ میں سے مبعوث کیا جس کو عرب ام القریٰ کہتے تھے اس لیے ام القریٰ اور اس کے آس پاس والوں کا زیادہ استحقاق تھا لہٰذا ان کی تخصیص کی گئی اور نیز سب سے پیشتر نبی اپنی قوم اور شہر اور وطن سے تبلیغ شروع کیا کرتا ہے پھر دور تک یا تمام عالم تک پہنچتا ہے اپنے نائبوں کے ذریعہ سے اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا تمام عالم کے نبی نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ لتنذر میں عام بلاؤں سے ڈرانا بتایا ہے وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ میں اخروی بلاؤں سے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ الخ کے متعلق ایک حدیث ہے جس کو ترمذی ونسائی واحمد وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار دو کتابیں ہاتھ میں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا ان کو تم جانتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ خداوند تعالیٰ کی دو کتابیں ہیں جو دائیں ہاتھ میں ہے اس میں تمام اہلِ جنت اور ان کے باپ دادا کے بالتفصیل نام درج ہیں اور بائیں ہاتھ میں اسی تفصیل سے دوزخ والوں کے نام ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا اب عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کوشش کئے جاوے۔ اہلِ جنت کا خاتمہ نیک کاموں پر ہوتا ہے کچھ ہی کیوں نہ کرے اور دوزخی کا برے کاموں پر کچھ ہی کیوں نہ کرے۔ یہ تقدیری بات ہے کیونکہ ولوشاء اللہ الخ اگر اللہ چاہتا تو دو فریق نہ کرتا ایک ہی کر دیتا مگر وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں لیتا ہے والظالمون اور ازلی گمراہوں کو کوئی مدد وحمایت کر کے راہ پر نہیں لا سکتا ہے ان کی گمراہی کی ایک یہ بات ہے اَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللہ کے سوا اور حمایتی فرض کر رکھے ہیں حالانکہ اصل حمایتی اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے نطفوں سے زندہ انسان پیدا کرتا ہے اور آخرت میں بھی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر شے پر قادر ہے پس اس کو حمایتی بنانا چاہیے نہ اوروں کو۔ اس مسئلہ نبوت میں مسئلۂ حشر بھی ثابت کر دیا گیا۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ⑬

اور (کہہ دو) جن باتوں میں تمہارا اختلاف پڑا ہوا ہے اس کا فیصلہ تو اللہ ہی کے سپرد ہے۔ یہی اللہ تو میرا پروردگار ہے میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے بنائے اور چار پایوں کے بھی جوڑے بنائے۔ اس تدبیر سے تم کو زمین پر پھیلاتا ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی مثل نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے وہ ہر ایک بات جانتا ہے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا کہ جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور اسی رستہ کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین پر قائم رہنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ جس چیز کی طرف آپ مشرکوں کو بلاتے ہیں وہ ان پر شاق گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نزدیک برگزیدہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر : وَلٰکِنْ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ کی بابت (جس میں ایمان وکفر تقدیری کی طرف اشارہ ہے) مخالفین جھگڑتے تھے بعض اس طور پر کہ کیوں اللہ نے بعض کو رحمت میں داخل کیا اوروں کو نہ کیا؟ بعض اس طور پر کہ رحمت میں ہم داخل ہیں کفار اپنے جاہ و مال کے لحاظ سے اپنے تئیں رحمت میں داخل سمجھتے تھے ایماندار دولتِ آخرت کے لحاظ سے اپنے تئیں۔ اس لیے اس کے بعد یہ فرمادیا وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْہِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ کہ ان اختلافی باتوں میں فیصلہ اللہ کے سپرد ہے جو وہ کہہ دے برحق ہے ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبِّیْ یہ اللہ میرا رب ہے جس پر میرا توکل ہے اور اس کے پاس مجھے پھر کر جانا ہے یا ہر امر میں میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں نہ کسی اور کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ اگر تمہارا بھی اللہ سے یہی حسنِ ظن ہے تو بہتر۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ جمیع امور میں خداوندی فیصلہ کا پابند رہنا چاہیے اس کے بعد خداوند تعالیٰ اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے غیر اللہ کے ولی معبود بنانے پر ایک لطف کے ساتھ تعریض بھی ہے (۱) فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے نہ کوئی اور جو چاہے کرے۔ جس کو جس حال پر چاہے پیدا کرے کون پوچھ سکتا ہے۔ (۲) جَعَلَ لَکُمْ الخ کہ تمہاری جنس کے تمہارے لیے جوڑے پیدا کئے اور اسی طرح چار پایوں میں بھی اور اس نر و مادہ سے تم کو پھیلایا نسل کو بڑھایا۔ یہ بھی اسی کا کام ہے نہ تمہارے کسی معبود کا۔ پھر کوئی مادہ کہہ سکتی ہے کہ مجھے نر کیوں نہ بنایا اور چار پائے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو انسان کیوں نہ بنایا؟ پس وہ مختار ہے ازل میں جس کو چاہے رحمت میں شامل کیا جس کو نہ چاہا نہ شامل کیا۔ (۳) لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ عرب کے کلام میں مثل بول کر خاص شخص بطور کنایہ کے مراد لیا کرتے ہیں کہتے ہیں مثلک لا یبخل آپ کی مثل یعنی آپ جیسے لوگ بخل نہیں کرتے مطلب یہ کہ آپ نہیں کرتے کیونکہ جب آپ کی مثل نہیں کرتے تو آپ بطریقِ اولیٰ نہیں کرتے۔ ہمارے محاورے میں بھی مثل اور جیسے کے لفظ سے وہی شخص مراد ہوا کرتا ہے مراد یہ کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں جس پر ان کا قیاس کر کے اس کے فعل میں اس کو ظلم کی طرف منسوب کیا جاوے اور نیز جب اس کی مانند کوئی نہیں تو اور کسی کو حمایتی اور معبود بنانا عبث و بیکار ہے۔ یہ آیت تنزیہِ باری تعالیٰ کے لیے ایک اصل اصول ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ اس کے مانند نہ آدم تھے نہ کوئی اور نہ وہ جسمانی ہے نہ اعضاءِ جسمانی رکھتا ہے مکان وحیز، موت و فنا وغیرہ جمیع نقائص سے پاک و مبرا ہے۔ (۴) وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ اور وہ سنتا دیکھتا ہے مگر نہ بندوں کی طرح جس کا سننا کان بغیر نہیں ہو سکتا دیکھنا آنکھ بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک بات اس کو معلوم ہے پس جو کچھ وہ فیصلہ کرے گا علم و بصیرت سے کرے گا (۵) لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ الخ اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اور خزانے ہیں جس کو چاہتا ہے روزی بہت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے نپی تلی یعنی کم۔ اس میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ظلم کیا فلاں کو امیر کیا فلاں کو فقیر کیوں کیا ظلم کر دیا۔ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ ہر ایک بات جانتا ہے مناسب اور غیر مناسب کا اس کو علم ہے اسی طرح سے کرتا ہے اسی کا فیصلہ ناطق ہے اس کے بعد مسئلۂ نبوت شروع کرتا ہے شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ الخ کہ اے لوگو! تمہارے لیے کوئی نئی بات نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ وہی قدیم

دین کہ جس پر نوح وابراہیم اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام مامور تھے اور اسی پر محمد ﷺ مامور کئے گئے [۱] وہ کیا ہے اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ الخ کہ دین یعنی اصولِ شرائع توحید و اقرارِ رسالت و مکارمِ اخلاق و ترک منہیات پر قائم رہو اختلاف نہ کرو مگر مشرکوں پر اے محمد (ﷺ)! تیرا توحید و مکارمِ اخلاق پر بلانا شاق گزرتا ہے کہ تجھ میں کیا خصوصیت تھی جو نبی کیا گیا حالانکہ اللہ مختار ہے جس کو چاہے نبوت کے لیے برگزیدہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

اور انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد کیا (محض) آپس کی ضد سے اور اگر ان کے رب کی طرف سے ایک وقتِ مقرر تک کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور جو آپ کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے ہیں (آپ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ) تو وہ دینِ حق سے شک میں پڑے ہوئے ہیں پھر اس لیے اس کو بلایئے اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا ہے خود بھی قائم رہو اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیے اور کہہ دیجئے کہ ہر ایک کتاب پر جو اللہ نے نازل کی میرا ایمان ہے اور مجھے تم میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم کو تم کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس پھر جانا ہے اور وہ جو اللہ کی بات میں جھگڑا ڈالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مانی گئی تو ان کی حجت ان کے رب کے ہاں باطل ہے ان پر غضبِ الٰہی ہے اور اس کے لیے سخت عذاب ہے۔

ترکیب : الامن استثناء متصل ای ما تفرقوا فی وقت من ما الاوقات مجئی العلم بغیا موصوف بینھم صفۃ وانتصابہ علی انہ مفعول لاجلہ کما یقال قعدت عن الحرب جبنا ولولا شرط سبقت صفۃ لکلمۃ لقضی جواب الشرط لفی شك خبر ان فلذلك الاشارۃ الی الکتاب او العلم فاللام فی موضع الی وصلۃ ادع مذکورۃ صریحا۔

[۱] اصولِ دین تمام انبیاء کے ایک ہیں نہ یہ منسوخ ہوا کرتے ہیں نہ مٹائے جاتے ہیں ہاں ہر امت کے لیے حسب زمانہ ان اصول کے قواعد جداگانہ ہوتے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں۔ اس میں ضرور اختلاف اور نسخ ہوتا ہے قال تعالیٰ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا اس طرح جزئیاتِ مسائل میں اختلاف آرا و اجتہاد کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

تفسیر : شبہ ہوتا تھا کہ جب تمام انبیاء کو اقامتِ دین کا متفق بنا کر حکم دیا گیا پھر ان اصول میں کیوں اختلاف پڑا؟ یہود و نصاریٰ مجوس وغیرہ مختلف فرقے پیدا ہو گئے اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا تَفَرَّقُوٓا کہ یہ آپس کی ضد سے لوگوں نے جان بوجھ کر اختلاف ڈالا ہے یہود نے کہا ہم عیسیٰ (علیہ السلام) کو کیوں مانیں اور عیسائیوں نے کہا ہم محمد (ﷺ) کو کیوں قبول کریں اسی طرح کتاب میں تحریف و تبدیل کر کے جھگڑے ڈال دیے اپنے رسم و رواج و تراشیدہ خیالات کے مطابق کرنے کے لیے کتاب اللہ میں تحریف و تبدیلی ہونے لگی اور عرصہ دراز سے یہ جھگڑے مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوئے یہاں تک کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِھِمْ ان سابقین کے بعد جن لوگوں کو کتاب پہنچی توریت و انجیل وغیرہ محرف و مبدل ہو کر۔ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ وہ اس سے خود شک میں پڑے ہیں یہ آنحضرت ﷺ کے ہمعصر لوگوں کا حال تھا۔ ان کا بھی اس کتاب پر کامل ایمان نہ تھا نہ اس کے پورے طور پر پابند تھے کوئی کسی بات کو مانتا تھا اور دوسرا منکر تھا گو ان کو اپنے ادعاء کے مطابق اپنی کتابوں پر ایمان کا دعویٰ تھا مگر ان کی حالت یہی کہہ رہی تھی کہ یہ اس سے شک میں ہیں اور آیت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اگلوں کے بعد جو آنحضرت ﷺ کے ہمعصروں کو کتاب یعنی قرآن پہنچا تو اس سے شک میں ہیں لیکن اول معنی قوی ہیں لفظ اورثوا اسی کے مناسب ہے۔ جب لوگوں کا اصولِ دین میں یہ اختلاف ہے تو اے محمد فَلِذٰلِكَ اس لیے فادع لوگوں کو ہدایت و راہِ راست کی طرف بلا اور خود بھی اس پر جمے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنہ یہود کی نہ نصاریٰ کی نہ مشرکین کی اور صاف صاف کہہ دیجئے اے لوگو! یہ تم کو شک ہو تو ہوا کرے۔ امنت الخ اللہ نے جو کوئی کتاب نازل کی ہے میں ہر ایک پر ایمان لایا اور اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ مجھے تمہارے اختلافی مسئلوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس لیے کہ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ اللہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا رب ہے۔ ہر ایک اس کی اطاعت پر مامور ہے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل و عرب و عجم کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ہمارے لیے اپنے اعمال تمہارے لیے اپنے جو کرے گا بھرے گا۔ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ ان الفاظ میں آنحضرت ﷺ کو ان کی بیجا تقریروں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا کہ اس جھک جھک میں کچھ فائدہ نہیں۔ کہہ دیجئے ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے حق و باطل وہاں معلوم ہو جائے گا۔ وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ اس کے بعد اطمینان بخش حکم سناتا ہے کہ جو کوئی اللہ کے بارے میں یعنی اس کے دین میں تسلیم ہو جانے کے بعد حجت و تکرار کرتا ہے اس کی حجت خدا کے نزدیک مردود ہے اور اس پر غضبِ الٰہی اور عذابِ شدید ہے یعنی قرآن میں وہی اصول ہیں کہ جن کو اے اہلِ کتاب و مشرکین تم بھی تسلیم کرتے ہو پھر جو تکرار کرتے ہو اور سخن پروری اور نفسانیت کرتے ہو تو خدا کے ہاں یہ مردود ہے اس پر اس کی دنیا میں ناراضی اور آخرت میں عذاب شدید ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی
السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ
وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ ع مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ

حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝۲۰

اللہ ہی ہے کہ جس نے سچی کتاب اور ترازو نازل کی اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید (قیامت کی) وہ گھڑی نزدیک ہی ہو اس کی جلدی تو وہ کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈرتے اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ دیکھو وہ جو اس گھڑی میں جھگڑتے ہیں البتہ وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں پر (بڑا) مہربان ہے جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ قوی زبردست ہے۔ جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو اس کو قدرے دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت میں تو اس کا کچھ بھی حصہ نہیں۔

ترکیب : قال الکسائی قریب نعت ینعت بھا المذکر والمونث کمافی قولہ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ویمکن ان یکون فاعل قریب ایتانھا لا الضمیر الراجع الی الساعۃ۔

تفسیر : اس تمام گفتگو کے بعد مسئلہ نبوت کو تمام کر کے دارِ آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے یا یوں کہو کہ پہلے جو فرمایا تھا کہ جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اب اس کی ایک اور وجہ بیان فرماتا ہے کہ اللہ کی طرف اس لیے کہ اس نے کتابِ برحق اور عدل کی ترازو نازل کر دی ہے اس میں ہر بات کو تول دیکھو۔ المیزان سے مراد کتابِ آسمانی ہے اسی میں نیک و بد اچھا برا کام وزن ہوتا ہے اور اس کے اتارنے سے کیا غرض ہے وہ یہ کہ قیامت کے لیے ہر ایک اپنے اعمال اور ایمان کو تول رکھے وہاں وہ کام آوے گا۔ اس کے بعد فرمادیا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ کہ اے مخاطب تجھے کیا خبر ہے کہ وہ نزدیک ہے یعنی اس کو دور کیوں سمجھتے ہو؟ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کی جلدی کرتے ہیں کہ جلد قیامت آجاوے یہ اس لیے کہ اس کے قائل نہیں محض تمسخر اور ہنسی کی راہ سے جلدی کرتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو ایمان لائے ہیں قیامت پر یا اللہ اور اس کے رسول پر اور ان کے کہنے سے قیامت کا برپا ہونا حق جانتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں اَلَا اِنَّ الَّذِيْنَ الخ کہ جو قیامت کے برپا ہونے میں شک کرتے ہیں بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

منکرینِ قیامت کا انکار دنیا کے عیش و نشاط کی مستی سے کرتے تھے اور اسی عالم کو راحت و رنج کا اصلی مقام جانتے تھے اور اپنی دنیاوی کامیابی کو خدا کی خوشنودی کا باعث جانتے تھے اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ کہ اللہ اپنے بندوں پر مہربانی کرتا ہے اس لیے دنیا میں ہر ایک نیک و بد کو روزی دیتا ہے۔ نہ یہ اس کی رضامندی کی دلیل ہے نہ اس بات کی کہ یہی عالم مقامِ اصلی ہے۔ دشمن کو باوجود ناراضی کے کھانا پینا قید میں دے دیا کرتے ہیں پھر کیا یہ رضامندی کی دلیل ہو سکتی ہے؟ اور صرف وہ لطیف ہی نہیں کہ سرکشوں بدکاروں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو بلکہ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ قوت والا زبردست بھی ہے۔ اس تمام جملہ کو قیامت کے ساتھ یہ بھی تعلق ہے کہ اللہ کی صفتِ لطف و قوت کا یہی مقتضا ہے کہ وہ اپنی مہربانی سے دارِ آخرت میں نیکوں کو رزق و سرورِ ابدی عطا کرے اور بدکاروں، شریروں، ظالموں سے قوت جبروت کے ساتھ پیش آوے مگر دنیا اس کا مقامِ اصلی نہیں۔ بلکہ یہ نیکی اور بدی حاصل کرنے کا کھیت ہے پس مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ حرث کے معنی لغت میں کسب اور کمانے کے ہیں کہتے ہیں ھو یحرث لعیالہ و تحیرث ای یکتسب ومنہ سمی الرجل حارثا اور اس کے اصل معنی زمین میں تخم ریزی کرنا بطور استعارہ کے تشبیہ کے علاقہ سے اس کا اطلاق ثمراتِ اعمال پر ہونے لگا یعنی جو آخرت کے کمانے میں کوشش اور اس کا ارادہ کرے گا ہم اس کی نیکیاں دو چند کریں گے سات سو تک یا اس کو توفیق زیادہ دیں گے اور خیر کے رستے اس کے لیے آسان کر دیں گے اور جو دنیا کا ارادہ کرے گا تو اس میں سے کس قدر دیں گے یہ نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا کی حرص کرے سب اس کو مل جاوے مگر مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اس سے مراد اللہ سے غافل

اور آخرت کا منکر ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے جو آخرت سے بے نصیب کر دیتا ہے نہ کسبِ معاش حلال طور پر اپنے نفس واہل وعیال کی پرورش کے لیے کس لیے کہ یہ ضروری ہے بقدرِ ضرورت۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

کیا ان کے اور معبود ہیں کہ جنہوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ نکالا ہے کہ جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اگر فیصلہ کا وعدہ نہ ہوا ہوتا تو ان کا دنیا ہی میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہونا ہے (اے مخاطب) تو ظالموں کو (قیامت میں) دیکھے گا کہ وہ اپنے اعمال کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے حالانکہ وہ ان پر پڑ کر رہے گا اور جو ایمان لائے اور اچھے کام بھی کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے پائیں گے یہی وہ بڑا فضل ہے یہی تو وہ ہے کہ جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہیں۔ کہہ دو میں تم سے اس پر کچھ اجرت بھی نہیں مانگتا مگر محبت قرابت کی (تو قائم رکھو) اور جو کوئی نیکی کمائے گا تو ہم اس میں اور بھی خوبی زیادہ کر دیں گے البتہ اللہ معاف کرنے والا قدردان ہے۔

ترکیب : ام منقطعہ وقیل بمعنی ھمزۃ الاستفہام الظالمین مفعول اول لتری مشفقین مفعول ثان لہ وھوالضمیر راجع الی ما کسبوا بتقدیر مضاف علی قول الزجاج والجملۃ حالیۃ عند ربھم ظرف یشاؤن الذین امنوا بدل من عبادہ الا المودۃ استثناء متصل ای لا اسئلکم شیئا الا للمودۃ الثابتۃ فی اھل القرابۃ وقیل منقطع۔

تفسیر : پہلی آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ فیصلہ کرنے کا مستحق اللہ ہے اس نے دنیا میں دستور العمل وصراط مستقیم ومیزانِ عدل قائم کر کے سب بندوں کو اصولِ حسنات پر چلنے کا حکم دیا اور یہ اصولِ حسنات تمام انبیاءِ سابقین کا طریقہ قدیمہ ہے۔ مشرکین مکہ اس راہِ راست کو چھوڑ کر نئے نئے دستورات کے پابند تھے اس لیے اب ان سے بطورِ استفہامِ انکاری کہا گیا ام لھم الخ کیا ان کے معبودوں نے اللہ کے خلاف طریقے بتلائے ہیں۔ یعنی ان کا کوئی حق نہیں کہ دنیا میں خلاف اللہ کے کوئی طریقہ ایجاد کریں اور نہ کسی کو ان شیاطین کی شہوانی وہمانی طریقوں پر چلنا چاہیے مگر انہوں نے ان کی پابندی کی جس کی سزا میں ان کی بربادی میں کوئی دیر نہ تھی مگر فیصلہ کا وعدہ ہو چکا اور وہ دوسرے وقت پر محول کیا گیا اس لیے ہلاک نہ ہوئے اور آخرت میں ان ستمگاروں کو اس فعل پر عذاب ہوگا اور قیامت کو اپنے جرم کی سزا سے ڈریں گے لیکن وہ ان کو ضرور ملے گا ان کے مقابلہ میں راہِ راست کے متبعین کا حال بیان فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا الخ کہ ایمانداروں نیکوکاروں کے لیے جنت کے باغوں میں دلخواہ نعمتیں ملیں گی یہ بڑا فضل ہے اور اس کا اللہ ایمانداروں نیکوکاروں کو مژدہ دیتا ہے یہ ایک بڑی بشارت ہے اور عموماً بشارت پر

لوگ کچھ صلہ طلب کیا کرتے ہیں خداتعالیٰ اپنے رسول کو اس سے بھی منع فرماتا ہے تاکہ کسی کو شبہ نہ گزرے کہ آپ اس صلہ یا انعام کے لیے یہ بشارت دیتے ہیں کس لیے کہ بے غرض و بے تعلق و بے طمع کی بات دل میں زیادہ اثر کرتی ہے فقال قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کہہ دو میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا صرف محبتِ قرابت کا خواستگار ہوں جو ہر ایک اہلِ قرابت کے لیے لازم ہے سو یہ کوئی اجرت نہیں آیت کے معنی بہت صاف ہیں مگر مفسروں نے اس میں بہت کچھ قیل[1] وقال کی ہے اس آیت میں تین قول ہیں (۱) شعبی کہتے ہیں لوگوں نے ہم سے اس کی بابت سوالات کیے تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک بطنِ قریش سے قرابت تھی پس اللہ تعالیٰ نے حکم کیا کہ کہہ دو کہ تم سے کچھ نہیں مانگتا مگر میری اپنی قرابت کے حقِ محبت کو قائم رکھو مجھ سے عداوت نہ کرو تکلیف تو نہ دو قربیٰ بمعنی رحم ہے۔ (۲) کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد انصار نے حضرت کے لیے کچھ مال واسباب سے مدد دینے کا ارادہ کیا اور آپ کے پاس لائے آپ نے قبول نہ فرمایا تب یہ آیت نازل ہوئی کہ میں کچھ نہیں چاہتا مگر میرے اقارب سے محبت رکھو اب قربیٰ کے معنی اقارب کے ہو گئے۔ (۳) حسن کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا لیکن تم اللہ سے محبت کرو ان اعمال کے کرنے سے جن میں قرب حاصل ہوتا ہے اس تقدیر پر قربیٰ بروزن فعلیٰ ہے قرب وتقرب سے تفسیر کبیر کلبی کی روایت میں ضعف ہے اور نیز آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور جس نے اس کو مدنی کہا ہے محض اسی روایت کے زور پر اس سے قطع نظر کی جاوے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اہلِ قرابت کی محبت و تعظیم کو بے اصل روایتوں اور غلط توجیہوں کا محتاج نہ کیا جاوے تو بھی ہر کلمہ گو پر اہلِ قرابت رسولِ پاک کی محبت و تعظیم خواہ وہ اہلِ بیت ہوں خواہ ان میں سے بھی حسنین و فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہم ہوں خواہ اور لوگ ہوں واجب فرض ہے اور یہی اہلِ سنت و جماعت کا مذہب ہے اس کے بعد ترغیب کے لیے فرماتا ہے ومن یقترف الخ الاقتراف الاکتساب جو کوئی نیکی کرے گا ایمان وعملِ صالح خواہ مودتِ اہلِ قرابت ہم اس کو جنت میں زیادہ اجر دیں گے یا اس نیکی میں دوبالا کر کے خوبی بڑھا دیں گے کس لیے کہ اللہ معاف کرنے والا قدردان ہے پہلے گناہوں کو معاف کرتا ہے نیکی کی قدردانی کرتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ

[1] شیعہ مفسرین نے تو اس کو خاص حضرت حسنین وعلی وفاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم کے لیے قرار دیا ہے اور عجب تاویلیں کی ہیں اور قرآن میں ہر جگہ ایسا ہی کرتے ہیں گویا تمام قرآن اسی بات کے لیے نازل ہوا ہے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز اس کے اور کوئی کام ہی نہ تھا گویا اس کے لیے دنیا میں مبعوث کیے گئے تھے اسی طرح اور لوگوں نے بھی اس کے متعلق خارج از تفسیر سینکڑوں افسانے لکھ ڈالے قرآن شریف کے اصل مطلب سے کوسوں دور پڑ گئے۔ ۱۲ منہ

بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے پھر اگر اللہ چاہے تو اس کے دل پر مہر کر دے اور اللہ تو جھوٹ کو مٹایا کرتا اور سچ کو اپنے کلام سے ثابت کیا کرتا ہے اور وہ تو دلوں کی باتیں جانتا ہے اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے ان کی جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور کافر کے لیے سخت عذاب ہوتا ہے اور اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دے تو زمین پر سرکشی کرنے لگیں لیکن جس اندازہ سے چاہتا ہے (روزی) اتارتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا' دیکھتا ہے اور وہی تو ہے جو نا امید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور وہی کارساز خوبیوں والا ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اس پر ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلائے[1] اور وہ جب چاہے گا ان کو جمع کرنے پر قادر ہے۔

ترکیب : ام بمعنی بل فان یَشَاِ اللّٰہُ خذلانک شرط یختم جوابہ ولذا صار الفعل مجزوما، ویمح اللہ جملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلھا من نفی الافتراء غیر داخلۃ الجزاء لقبل التوابۃ مفعول اول عن عبادہ مفعول ثان لان المقبول یعدی الی مفعول ثان بمن وعن لتضمنہ معنی الاخذ والانابۃ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ مفعول بہ فیستجیب بمعنی یجیب وقیل حذف اللام کمافی قولہ و اذا کالوھم ای کالوالھم وقیل الذین فاعل یستجیب ای ینقادون

تفسیر : اس کے بعد بھی کہ آپ کسی سے اس تبلیغ کی اجرت نہیں مانگتے شبہ باقی رہنا یہ گمان کرنا ہے کہ آپ اپنی طرف سے بنا کر کہتے ہیں اللہ نے وحی نہیں کی اس لیے اس بدگمانی کو دفع کرتا ہے فقال اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی الخ اور یہ بھی ہے کہ شروع سے کلام مسئلہ نبوت میں تھا کہ وحی بھیجتے ہیں جس پر مخالفوں کے شبہات اور وجوہِ انکار و استبعاد کو یہاں تک دفع کرتا آیا اب پھر اس میں کلام کرتا ہے اور اس شبہ کو عادت اللہ سے رد کرتا ہے فقال یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ عادت اللہ یوں جاری ہے کہ وہ انتظام معاش و معاد میں خلل انداز کو رسوا کرتا ہے اور نبوت کے جھوٹے دعویٰ کرنے سے بڑھ کر معاد و معاش میں کیا خلل اندازی ہوگی؟ فرماتا ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جھوٹا دعویٰ کرتے تو اللہ ان کے دل پر مہر کر دیتا کبھی ایسے دلچسپ کلام کرنے پر قادر نہ ہونے دیتا۔ توریت سفر پیدائش میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ اگر کوئی نبی بن کر جھوٹا دعویٰ کرے گا تو قتل کیا جائے گا اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ یوں آیا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ الخ اور اس لیے یہ کہ وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ الخ کہ اللہ کی عادت یوں ہے کہ وہ حق کو غلبہ دیا کرتا ہے اور باطل اور غلط کو مٹایا کرتا ہے کوئی جھوٹا مدعی نبوت دنیا میں سرسبز نہیں ہوا اِنَّہٗ عَلِیْمٌ الخ کیونکہ وہ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے کسی مکار کا مکر و زور اس سے مخفی نہیں پھر با ایں ہمہ اسلام دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہ اس کی منجانب اللہ ہونے کی کامل دلیل ہے۔

مخالفوں کا نبوت حقہ سے انکار کرنا بڑا گناہ ہے اور اس کے بندے اور بھی گناہ کرتے ہیں جس پر وہ ہلاکی کے مستحق تھے مگر ھُوَ الَّذِیْ

---

[1] مابث فیھما من دآبۃ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آسمانوں میں تو ملائکہ ہیں ان کے حق میں دبیب نہیں پایا جاتا ہے نہ ان کو دابۃ کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ تغلیبا فیھما کا لفظ بولا گیا جیسا کہ چاند اور سورج کو قمرین کہتے ہیں ماں باپ کو ابوین اور دبیب کے معنی خاص طور پر چلنا ہی نہیں بلکہ جس کے لیے جیسا چلنا مناسب ہو پس فرشتے بھی آسمانوں میں چلتے پھرتے ہیں یا وہاں بھی حیوانات ہوں۔ ۱۲ منہ

یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ اللہ وہ ہے جو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے وَیَعْفُوْا عَنِ الخ اور بہت سے درگزر کرتا ہے ہاں کبھی بعض پر سزا دیتا ہے اگر ہر ایک پر مؤاخذہ کرے تو کیا ٹھکانا لگے وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اور وہ بندوں کے اعمالِ نیک وبد کو جانتا ہے اس لیے توبہ کی تعلیم اور گناہوں کی معافی کے لیے اور افعال کی اصلاح کے لیے نبی برپا کیا اور جو اس کا انکار کر چکے ہیں ان کے لیے بھی دروازہ توبہ کا کشادہ ہے توبہ گناہ پر ندامت کرنا اور اس سے باز آنا آیندہ اس کے نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ الخ اور وہ ایمانداروں کی عبادت ودعا قبول کرتا ہے اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ایماندار اس کی بات مانتے ہیں وَیَزِیْدُھُمْ الخ اور ان کی طلب سے زیادہ دیتا ہے عبادت سے دوگنا بلکہ سو گنا زیادہ بدلہ دیتا ہے وَالْکٰفِرُوْنَ الخ اور منکروں کو آخرت میں سخت عذاب ہے۔ یہاں تک مسئلہ نبوت کے متعلق کلام تھا وَیَسْتَجِیْبُ الخ پر ایک شبہ ہوتا تھا کہ بہت سے مومن اور دیگر بندے دعا فراخیٔ رزق کے لیے کرتے ہیں اسی طرح اور باتوں کے لیے پھر قبول نہیں ہوتی تنگدست ہی رہتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ الخ کہ اگر اللہ بندوں کی روزی زیادہ کردے تو زمین میں فساد کریں یعنی یہ ان کی مصلحت کے موافق نہیں اس لیے نہیں دیتا مگر بااین ہمہ دعا کے ظہور میں دیر ہونے سے ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ ھُوَ الَّذِیْ الخ اللہ ناامیدی کے بعد بارش نازل کرتا ہے ناامیدوں کی امیدیں پوری کرتا ہے اور اس کی رحمت وقدرت وفیضان کی یہ نشانی ہے خَلْقُ السَّمٰوٰتِ کہ اس نے آسمان وزمین پیدا کر کے ان میں ان کے رہنے والے پھیلائے یہ کیسا فیض عام ہے؟ اور جب چاہے گا ان کو جمع کر لے گا یعنی حشر میں۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾
وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا
نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُسْکِنِ الرِّیْحَ
فَیَظْلَلْنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَھْرِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ﴿۳۳﴾
اَوْ یُوْبِقْھُنَّ بِمَا کَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ کَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ
فِیْٓ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَھُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾

اور تم پر جو کوئی مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کام سے پڑتی ہے اور بہت سی تو وہ معاف ہی کرتا ہے اور (تیز بھاگ کر) تم اس کو زمین پر ہرا نہیں سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی ہو سکتا ہے اور نہ مددگار اور اس کی نشانیوں میں سے دریا میں چلنے والے پہاڑوں جیسے جہاز ہیں اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے پھر تو وہ سطحِ دریا پر کھڑے کے کھڑے رہیں البتہ اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں یا چاہے تو ان کے عملوں کی وجہ سے ان کو غرق کر دے اور وہ بہت کچھ درگزر کرتا ہے اور وہ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں خوب جانتے ہیں کہ ان کے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔

ترکیب : مَآ اَصَابَکُمْ شرط فی موضع رفع بالابتدا فَبِمَا کَسَبَتْ جوابہ والمراد بالفعلین الاستقبال وَیَعْفُوْا الخ جملۃ مستانفۃ من ولی اسم مالکم خبرھا الجوار بحذف الیاء من الخط لانھا من الزوائد وباثباتھا جمع جاریۃ ای سائرۃ والمراد بھا الفلک مبتداء ومن آیاتہ خبرھا فی البحر یتعلق بالجواری ویمکن ان یکون حالا منہ والعامل فیہ الاستقرار۔ کالاعلام جمع علم وھو الجبل او کل شیء مرتفع حال ثانیۃ او من الضمیر فی

الجواری یسکن جواب الشرط فیظللن معطوف علیہ وکذلک اَوْیُوْبِقْھُنَّ وَیَعْفُ۔ رواکد جمع الراکد وھو الساکن ویقال اوبقہ ای اھلکہ ویعلم بالنصب علی الصرف ای صرف العطف علی للفظ الی العطف علی المعنی قالہ الزجاج ویقرء بالکسر علی ان یکون مجزوما حرک لالتقاء الساکنین ویقرء بالرفع علی الاستیناف مَالَھُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ الجملۃ المنفیۃ تسد مسد مفعولی علمت یعنی ھذہ الجملۃ مفعول لیعلم المحیص مھرب علی قول قطرب وقال السدی ملجاء من توھم حاص بہ البعیر حیصۃ اذا رمٰی بہ منہ توھم فلا تحیص عن الحق ای یمیل عنہ۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا بعض دعائیں مصلحت کی وجہ سے قبول نہیں ہوتیں ورنہ وہ تو اَلْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ہے مبدءِ فیاض ہے۔اس پر شبہ ہوتا تھا کہ جب وہ حمید یعنی خیرِ محض ہے تو بندوں کو دنیا میں مبتلائے مصائب کیوں کرتا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ الخ کہ یہ جو کچھ تکلیفیں تم کو پہنچتی ہیں تمہارے اعمالِ بد کا ثمرہ ہے اور وہ بھی کسی قدر ورنہ بہت سے تو وہ درگزر کرتا ہے نیکوں پر جو دنیا میں مصائب آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ صرف ان کی آزمائش یا رفعِ درجات کے لیے ہوتے ہیں دنیا کی بھٹی میں یہ ان کے جوہرِ نورانی چمکانے کے لیے آنچیں یا تاؤ دیے جاتے ہیں ہاں انسان کے اعمالِ بد بھی مصائب بن کر اس کے متنبہ کرنے کو اس پر گرتے ہیں اور بلاؤں کے تازیانوں سے ادب و اصلاح سکھائی جاتی ہے۔افسوس اس پر بھی یہ غافل کروٹ تک نہیں بدلتا اور بعض تکالیف جسمِ طبعی پر عناصر و دیگر اسباب کے نمودار ہونے اور اثر کرنے سے ہوتی ہیں جیسا کہ برسات میں گھاس کا سبز ہونا' خریف میں خشک ہو جانا سردی گرمی کا اثر' حیوانات و اطفال پر بھی پیش آتا ہے پس اس کو کسی اگلے جنم کا خمیازہ سمجھ کر تناسخ کا قائل ہونا اقسامِ مصائب سے بے خبری اور باہم تمیز نہ کرنے کی دلیل ہے۔اس کے بعد ان سرکشوں کو جو تازیانۂ الٰہی سے محفوظ رہنا اپنے زور و شوکت و حشمت و مال و جاہ کی وجہ سے خیال کرتے ہیں متنبہ کرتا ہے وما انتم الخ کہ زمین پر تم ہم کو ہرا سکو گے نہ ہمارے بس میں سے باہر ہو سکو گے اور جو تم کو اپنے خیالی معبودوں کا گھمنڈ ہے تو وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی و مددگار نہیں یہ محض توہماتِ باطلہ ہیں کہ ہمارے فلاں دیوتا یا دیوی یا فلاں بزرگ ان کی نذر و نیاز کرنے سے ہم کو مصائب سے بچا لیں گے۔

اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ و فیضِ عامہ کا نقشہ بندوں کی آنکھوں میں اپنی ایک روزمرہ کی کبریائی سے کھینچتا ہے جس کا مواجہہ و معائنہ ہر دریائی سفر میں ہوتا ہے فقال وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ کہ دیکھو اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے جہاز ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح بلند کھڑے ہیں اور پانی پر ایسے اجسامِ ثقیلہ اس طرح سے چلتے پھرتے ہیں کہ جس طرح مویشی زمین پر دوڑتے پھرتے ہیں ہوا اور پانی کو ان سے کس طرح مسخر کر دیا اور اس نے تم کو علوم سکھا دیے بااین ہمہ اگر ہوا کو (اس میں دھواں اور بھاپ بھی شامل ہے کہ جس کے زور سے آگبوٹ انجن کے ذریعہ سے چلتا ہے) تھام دے تو کھڑے رہ جاویں چلنے نہ پاویں البتہ اس میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں سفرِ دریا میں تکالیف بھی پہنچتی ہیں اور اخیر راحت و کامیابی بھی اس لیے صبار و شکور فرمایا اور چاہے تو ان کے گناہوں سے ان کو غرق کر دے سارے علم و فن دھرے رہ جاویں پر وہ بہت سے درگزر کرتا ہے اور ہماری آیتوں میں جھگڑنے والے دل میں اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ان کو عتابِ الٰہی اور اس کی بلاؤں سے کوئی پناہ نہیں مگر پھر بھی اپنی بدکرداری سے باز نہیں آتے۔

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ وَاَقَامُوا

الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

پھر جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا اسباب ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور سدا رہنے والا ہے یہ ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیا کرتے ہیں اور (وہ غیرت مند بھی ہیں) جب ان پر حملہ ہوتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں۔

ترکیب: فما موصولۃ متضمنۃ المعنی الشرط لان ایتاء ما اوتوا سبب للتمتع بہ فی الدنیا فجاءت الفاء فی الجواب فمتاع ای فھو متاع وَ مَاعِنْدَ اللہِ ماموصولۃ مع صلتھا فی محل الرفع لکونہ مبتداء خبر وابقی خبرہ والذین فی موضع خبر بدلا من الذین امنوا کبائر جمع کبیرۃ ھم مبتداء یغفرون خبرہ والجملۃ جواب اذا و الشوریٰ مصدر شاورۃ مثل البشریٰ والقربیٰ والجمل کلھا من اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمْ الخ بدل مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا۔

تفسیر: دنیا حسب مراد حاصل نہ ہونے اور مصائب نازل ہونے کی وجہ بیان فرما کر اب دنیا کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس کے غرور میں انسان خدا سے سرکشی کرتا ہے اور تلف ہونے اور نہ ملنے پر کیا بے چین ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کیسی کیسی بدگمانیاں کرتا ہے فقال فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ الخ کہ جو کچھ دنیا کی نعمتیں تم کو دی گئیں وہ بے حقیقت چیزیں ہیں متاع یعنی چند روز برتنے کا اسباب ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ الخ اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے ثوابِ اطاعت اور اس کی جزاء جنت اور وہاں نعمتیں اور سرورِ ابدی وہ بہتر ہے کیونکہ ان سے جو کچھ راحت حاصل ہے وہ بے مشقت ہے اور دنیا کے اسباب سے راحت بھی کلفت پر مبنی ہے اور نیز کجا عالم قدس کی چیزیں کجا عالمِ خسیس کی چیزیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور نیز وہ باقی ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی یہ فانی ہیں اور وہاں کی جوانی و حسن دائمی ہے وہاں کے اسبابِ معیشت بھی ابدی ہیں۔ مگر یہ نعمتیں کس کے لیے ہیں؟ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں یہ اول صفت ہے۔ ایمان کے بعد توکل جمیع حسنات کا اصل اصول ہے خیرات و نماز و روزہ جہاد وغیرہ حسنات سب توکل ہی پر مبنی ہیں کیونکہ ان سب میں اللہ ہی پر بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی جزاء خیر دے گا۔ (۲) وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وہ جو کبیرہ گناہوں اور پھر ان میں سے بھی فواحش سے بچتے ہیں کہ کبائر کی تفصیل صحیح حدیث میں آچکی ہے کہ وہ سات ہیں شرک باللہ و سحر و قتلِ ناجائز' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جہاد میں سے بھاگنا' پاکدامنوں پر تہمت لگانا (متفق علیہ) اور بھی کبائر احادیثِ صحیحہ میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ چوری' زنا' جھوٹ بولنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرائض کا ترک کرنا اور محرمات کا عمل میں لانا کبیرہ ہے اور فواحش سے مراد زنا و لواطت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان کی تین قوتیں ہیں اول نفسانی اس کے متعلق یہ گناہ ہیں چوری' جھوٹ بولنا' ماں باپ کی نافرمانی وغیرہ اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ کہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کرتے ہیں مگر یہ تینوں اقسام کبائر میں داخل ہیں عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا آیا ہے۔ ان میں ایمان کے بعد عملی حصہ پورے طور پر آ گیا مگر ان میں سے بعض بعض کی پھر تخصیص کی جاتی ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ کہ وہ اپنے رب کا کہا کرتے ہیں جو حکم آتا ہے بسر و چشم قبول کرتے ہیں یہ (۳) صفت ہے (۴) اَقَامُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرتے ہیں (۵) اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اپنے دنیاوی امور کو مشورہ سے کرتے ہیں۔ مشورہ میں دینی و دنیاوی

برکتیں رکھی ہوئی ہیں اسلامی سلطنت خلفاءِ راشدین کے عہد میں مشورہ ہی پر مبنی تھی اس میں قطع نظر بیشمار فوائد کے ایک باہمی اخوت و محبت کا زیادہ ہونا ہے جس کے سبب سینکڑوں راحتیں اور نیکیاں نصیب ہوتی ہیں۔ (۶) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ خیرات کرتے ہیں (۷) وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ الخ جب کوئی ان پر سرکشی کرتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں۔ یعنی غیرت و حمیت دینی بھی رکھتے ہیں۔ اس پر بھی صدہا مصلحتوں کا دارومدار ہے عفو کے مقابلہ میں بدلہ لینا یہ بھی صفات حمیدہ میں گنا۔ یہ تعارض نہیں کیونکہ عفو اس کے حق میں ہے کہ جس سے آیندہ جرأت کرنے کی امید نہ ہو اور بدلہ لینا اس سے جس سے آیندہ جرأت و بیبا کی کا خطرہ ہو۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ۧ

ع ۴

اور برائی کا بدلہ اسی قدر برائی ہے پھر بھی جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے کیونکہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو کوئی ظلم اٹھانے کے بعد بدلہ بھی لے لے تو ان پر کوئی الزام بھی نہیں۔ الزام تو اس پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق زیادتی کرتے پھرتے ہیں یہی ہیں کہ جن کو عذاب الیم ہوگا اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

ترکیب: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ بالاضافۃ مبتداء سیئۃ مع صفتھا خبرہ، فَمَنْ شرطیۃ عَفَا وَاَصْلَحَ شرط فاجرہ الجملۃ جواب الشرط، ویمکن ان یکون موصلۃ متضمنۃ لمعنی الشرط وقس علیھا، وَلَمَنِ انْتَصَرَ ولمن شرطیۃ صبر و غفر فی محل الجزم بھا ان ذلك الجملۃ جواب الشرط وقد حذف الفاء۔

تفسیر: معاف کرنے اور بدلہ لینے کا تذکرہ آ گیا تھا اس لیے اس کی تشریح کرنی مناسب ہوئی فقال وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کہ ہم نے پہلے جو بیان فرمایا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ اس بدلہ لینے سے یہ مراد نہیں کہ جس نے کچھ یا ایک محدود تعدی کی ہو تو بدلہ اس سے ایسا لیا جاوے کہ جوش و طیش میں آ کر اس کو برباد کر دیا جاوے اور بیحد اس پر تعدی کی جاوے بلکہ بدلہ لیا جاوے تو اسی قدر کہ جس قدر اس نے تعدی کی ہے۔

اگرچہ رحم دلی اور فروگذاشت اور معافی دینا ایک عمدہ بات ہے ہر قوم و ہر ملت میں سلیم الطبع انسان اس کو اچھا جانتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی متعدد جگہ اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہیں آیات میں کئی جگہ اور پہلے بھی اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ عیسائیوں کی انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول منقول ہے کہ جو تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے مگر جب غور کیا جاتا ہے تو دنیا میں مختلف الطبائع لوگ پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ ایک دوبار جو کوئی ان پر زیادتی کر لیتا ہے تو برداشت کر جاتے ہیں مگر پھر جو کوئی قصد بھی کرتا ہے تو وہ حلم سابق غضب کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں نہ اور کی زیادتی کی ان کو مطلقاً برداشت ہے ذرا چھیڑا تو آگ ہو گئے اور ایسے بھی ہیں کہ کبھی ان سے بمقتضائے بشریت

زیادتی ہو جاتی ہے تو اس پر خود ہی نادم ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اگر دوسرا نرمی کرتا ہے تو ندامت کے دریا میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زیادتی پر معافی دینا اور نیکی اور نرمی سے پیش آنا بہت ہی مناسب ہے بلکہ ان کو عمر بھر کے لیے دوست بنا لینا ہے اور بعض ایسے بھی کمینہ طبیعت ہوتے ہیں کہ زیادتی کر کے فخر کرتے ہیں اور ان سے بدلہ نہ لیا جاوے تو ان کو ہر کسی پر زیادتی کرنے کا حوصلہ ہو جاتا ہے پھر ان بدمعاشوں سے آبرو بچانا مشکل پڑ جاتا ہے پھر جو علام الغیوب طبائع بشریہ سے واقف ہے اپنے فرمان میں سب کے لیے یکساں حکم کیونکر دے سکتا ہے اور طبائع بشریہ اس کے کیونکر پابند ہو سکتے ہیں؟ اس لیے اول الذکر کے لیے عفو و درگزر کا حکم دیا ثانی کے لیے بدلہ لینے کا حکم دیا مگر بدلہ بھی عدل و انصاف کے ساتھ کہ زیادتی نہ ہونے پاوے۔ یہ احکام فقیہہ کے لیے ایک بڑا اصل الاصول ہے۔ ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ کاٹنا' کان کے بدلہ میں کان اور قتل کے بدلہ میں قتل اور مال کے نقصان کے بدلہ میں اس کا معاوضہ کتب فقہ میں اس پر بہت سے مسائل متفرع کیے ہیں۔ جن کا یہاں ذکر کرنا تفسیر کو فقہ کی کتاب بنا دینا ہے برائی کی جزاء کو جو دراصل برائی نہیں اس لیے برائی کہا گیا کہ ظالم کے حق میں تو یہ برائی ہے مگر اس کے بعد بھی طبائعِ حلیمہ کا لحاظ کر کے یہ فرما دیا فَمَنْ عَفَا الخ کہ جو اس سے درگزر کرے گا اور جو دونوں میں صلح کرا دے گا تو اس کا اجر اللہ دے گا مگر بدلہ لینے والے کے لیے بھی یہ کہہ دیا وَلَمَنِ انْتَصَرَ الخ کہ اس پر کوئی الزام نہیں ہاں الزام ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے پھرتے ہیں چوری ڈکیتی کرتے ہیں ان کو دنیا و آخرت میں عذاب الیم ہے دنیا میں سزا سخت آخرت میں جہنم مگر اس کے بعد بھی پھر عفو کے پہلو کو ترجیح دیتا ہے وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ کہ معاف کرنا صبر کرنا بڑی عمدہ بات ہے۔ ع

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

قانونِ معدلت اور باخدا حلیم لوگوں کی طبائع کے کلام کی کس طرح سے رعایت رکھی گئی ہے؟ یہ کمالِ اعجاز اور منجانب اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں (اے مخاطب!) اور تو ظالموں کو دیکھے گا جبکہ وہ عذاب دیکھ کر کہیں گے (دنیا میں) پھر کر جانے کا بھی کوئی رستہ ہے اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ آگ کے سامنے لائے جائیں گے ذلت سے ڈرتے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے کہ گھاٹے میں تو وہی ہیں کہ جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی تباہ کیا۔ دیکھو ظالم ہمیشہ کے عذاب میں ہیں اور ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی نہ ہوگا کہ ان کو بچاوے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی بھی رستہ نہیں۔

ترکیب : وتری من الرؤیۃ البصیریۃ الظالمین مفعول بہ لما شرطیۃ یقولون جواب والجملۃ حالیۃ خاشعین حال من الضمیر المفعول فی تراھم من الذل ای من اجلہ من طرف خفی من لابتداء الغایۃ ای یبتدی نظرھم الی النار والطرف الخفی النظر بالمسارقۃ لجھۃ الخوف۔

تفسیر : معاف وصبر کرنے کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بڑے کاموں میں سے ہے۔ ہدایت پانے والوں کو یہ باتیں نصیب ہوتی ہیں اس موقعہ پر ازلی گمراہوں کا اور ان پر جو کچھ وہاں پیش آوے گا اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوا۔ فقال وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ الخ کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کو پھر کون حمایت کر کے راہ پر لا سکتا ہے۔ بدنصیبوں کی نہ صرف عفو وانتقام میں ناراستی وکجروی ہوتی ہے بلکہ ان کے ہر کام بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اخروی نتائج کا ذکر فرماتا ہے وَتَرَی الظّٰلِمِیْنَ الخ کہ تو حشر میں ظالموں کو بری حالت میں دیکھے گا وہاں دنیا میں واپس آنے کا رستہ ڈھونڈیں گے مگر پھر وہاں سے کون آ سکتا ہے؟ آج ہی کچھ کرنا تھا تو کر لیتے۔ وتریٰ اور آپ ان کو دیکھیں گے مجرموں کی طرح سے بڑی ذلت وخواری کے ساتھ آتشِ جہنم کے سامنے لائے جاویں گے' آگ کو کن اکھیوں سے دیکھیں گے' آنکھ سامنے کر کے دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور ایماندار ان کو یہ سنائیں گے (جیسا کہ دنیا میں مجرم کو جیل خانے جاتے ہوئے ملامت کیا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بدنصیب تھا) کہ خسارہ میں یعنی بدبختی اور محرومی میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے آپ کو اور اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو برباد کر دیا۔ آپ تو جہنم میں گئے ہی تھے اپنے ساتھ گمراہ کر کے ان کو بھی لے گئے۔ اور اگر ان کے گھر والے دولتِ ایمان سے بہرہ مند تھے جنت کے مستحق ہیں تو بھی ان کی طرف سے خسارہ میں پڑنا ہے کس لیے کہ وہ جنت میں اور یہ جہنم میں ابدی جدائی نصیب ہوئی' دیکھو ظالموں کو دائمی عذاب ہے۔ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ یَنْصُرُوْنَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور وہاں ان کا کوئی معبود ان کے کام نہ آوے گا کہ ان کو اس مصیبت سے بچا سکے یہ تمام مصائبِ اخروی سن کر اور کس سے؟ اس سے کہ جس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا اور صدہا امارات اس کے صدق کے دیکھ چکے یہ بھی خیال نہ آیا کہ (شاید اس کا کہنا سچ ہو) کچھ تو بندوبست وفکر کرنی چاہیے اور جن باتوں سے وہ منع کرتا ہے ان کو عقل سے نہ دیکھنا کہ دراصل وہ برے ہیں یہ بھی نہ سوچا کہ ہم محض تقلیدِ آبائی ورسم رواجِ قوم سے اور نیز ان حمقاء کے ڈھکوسلوں سے جو خواہ مخواہ سردار اور پیشوا بن بیٹھے ہیں عمل میں لاتے ہیں یا کچھ ان کی اصل بھی ہے اور یہ بھی خیال نہ کرنا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے آخر مر کر کہیں جانا ہے اور وہاں جا کر یہاں کے اعمال کی جزاء وسزا پانا ہے یا مر کر مٹی میں مل جانا اور نیست ونابود ہو جانا ہے نہ جزاء اور سزا ہے نہ دار وگیر ہے اور اگر یوں ہی ہے تو بھی اس رسول کی بات مان لینے میں کیا حرج ہے؟ یہ ازلی گمراہی ہے تقدیرِ ازلی نے ان کی قسمت میں بہتری نہیں لکھی۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ سَبِیْلٍ اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو اس کے ہدایت پر آنے کا کیا رستہ ہے؟ فائدہ: یہاں آیا ہے یَنْظُرُوْنَ کہ وہ دیکھیں گے حالانکہ ایک جگہ یہ آیا ہے وَنَحْشُرُھُمْ اِلٰی عمیا کہ وہ اندھے اٹھیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب قبروں سے اٹھیں گے تو کفار اندھے اٹھیں گے پھر دیکھنے لگیں گے اور یہ بھی ہے کہ اس جہاں کی راحت دیکھنے سے اندھے ہوں گے ان کو وہاں کے عیش وعشرت کے سامان کا دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا

رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ﴿٤٨﴾
لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ
لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ
إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾

اس دن کے آنے سے پہلے اس کا کہا مان لو جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن تمہارے لیے نہ کوئی بچاؤ کی جگہ ہوگی اور نہ تم انکار کر سکو گے۔ پھر بھی اگر نہ مانیں تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر بھی نہیں بھیجا ہے۔ آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اور جب ہم انسان کو اپنی کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر اس پر اس کے اعمال سے کوئی مصیبت پڑ جاتی ہے تو انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔ اللہ ہی کا راج ہے آسمان اور زمین میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ تو خبردار، قدرت والا ہے۔

ترکیب : من اللہ صلۃ لامرد وقیل صلۃ یاتی ای یاتی یوم من اللہ لایمکن ردہ۔ اذا شرطیہ فرح بہا جواب وان شرطیہ والجواب ینسی النعمۃ راسا واقیم مقامہ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ لانہ علۃ الجزاء عقیما الخ بدل من یخلق بدل البعض۔

تفسیر : کفار کی حالت مذکورہ کو ازلی تقدیر کا باعث بنا کر اطاعت وفرمانبرداری کا ارشاد فرماتا ہے فقال اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ کہ اپنے رب کا کہا مانو جو تم کو راہ راست کی طرف بلاتا ہے مِنْ قَبْلِ الخ اس دن سے پہلے کہ تم پر اللہ کی طرف سے کوئی دن آوے اور وہ کسی کے ٹالے سے نہ ٹلے۔ اس دن سے مراد موت کا دن ہے یا قیامت کا دن اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی اور نہ انکار کی گنجائش ہوگی۔ نکیر کے معنی اوپری کے بھی ہیں جو پہچانا نہ جاوے یعنی اس دن کوئی ہیئت بدل کر بے پہچان ہو کر بھی نہ بچ سکے گا۔ فَإِنْ أَعْرَضُوا الخ پھر اگر اب بھی نہ مانیں تو اے محمد (ﷺ) تم کو ان کے اعمال کا محافظ بھی بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ آپ سے باز پرس کی جائے إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ تم پر تو صرف حکم پہنچا دینا ہے اب آئندہ اپنے کئے کا یہ پھل پاویں گے۔ اس میں رسول کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اس کے بعد ان کے تمرد واصرار کا باعث بیان فرماتا ہے وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا کہ انسان کی جبلی بات ہے جب اس کو اپنی کوئی نعمت چکھا دیتے ہیں تو اس کے سبب وہ اترا جاتا ہے۔ واقعی بات ہے کہ جہاں اس نے فراخدستی اور کامیابی پائی تو آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر یہ کس کی سنتا ہے پھر تو یہ ہے اور اس کی ملحدانہ چپڑی چکنی باتیں اور گردن ہلا ہلا کر اور ہنسا ہنسا کر لمبی چوڑی تقریریں اور بڑے بڑے لکچر۔ پھر کیسا رسول اور کہاں کی قیامت اور خدا بھی ایک برائے نام (معاذ اللہ)۔ حوصلہ بھی یہ ہے کہ اَذَقْنَا یعنی چکھانا فرمایا تھوڑا سا دیا جانا جو نعماءِ اخرویہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے اگر کھلائی جاویں یعنی نعماء ابدیہ عطا ہوں تو جانے کیا کرے مگر ناصبری اور بودے بھی ایسے ہیں وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اگر اس پر کوئی مصیبت آ پڑے وہ بھی بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ اس کے اعمال بد سے فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ تو حضرت ناشکر ہو جاتے ہیں کہنے لگتے ہیں کہ ہم پر کبھی کوئی انعامِ الٰہی ہوا ہی نہیں۔ اس کے بعد اس پیٹ بھرے متکبر کو بتایا ہے لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کو ہے تو اس کے آگے کیا چیز ہے اور تیری دولت وحشمت، اسبابِ تکبر کیا ہیں؟ اسی نے تجھ کو یہ چیزیں دی ہیں وہی چھین بھی سکتا ہے وہ رب الافواج ہے اس کی آسمانی فوجوں اور زمین کے لشکروں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے[1]؟ تیرا غرور توڑنے کو اس کے پاس بہت

[1] آسمانی فوجیں ملائکہ اور آسمانی بلائیں بجلی اور اولے اور دیگر احجار جو قوموں پر برسے اور زمین کے لشکر مخالفوں کی فوجیں جو خدا چڑھا لاتا ہے اور تند ہوائیں اور زلزلے اور طغیانی ابحار ٹڈی ودیگر حشرات الارض وامراض صعبہ ہیضہ وطاعون بخار وذات الجنب وافلاس ومرگِ احباب وغیرہ وغیرہ۔ ۱۲ منہ حقانی

چیزیں ہیں۔

اس کے بعد عالم میں اپنے مختلف تصرفات بتا کر یہ جتلاتا ہے کہ جو کچھ دیتے ہیں فقال یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ہم جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا الخ کہ جس کو ہم چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں لڑکے بخشتے ہیں کسی کو ہم دیتے ہیں دونوں کسی کو دونوں سے محروم رکھتے ہیں اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ ہر ایک کی مصلحت واسباب ذکورت وانوثت ہم ہی خوب جانتے ہیں بااین ہمہ قدیر قدرت بھی رکھتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾ ع

اور کسی بشر کا بھی مقدور نہیں کہ اللہ اس سے (دوبدو) کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ اپنے حکم سے فرشتہ بھیج کر جو چاہے حکم پہنچا دیتا ہے۔[1] وہ جو ہے تو عالیشان حکمت والا ہے اور اسی طرح سے ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا۔ آپ کیا جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے قرآن کو ایسا نور بنایا ہے کہ اس کے سبب ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور البتہ آپ جو ہیں تو سیدھا رستہ بتلاتے ہیں۔ اس اللہ کا رستہ کہ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں ہیں۔ دیکھو اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں۔

ترکیب : لبشر خبر کان ان مصدریۃ یکلمہ اللہ الجملۃ بتاویل المصدر اسم کان۔ الاوحیاء استثناء منقطع لان الوحی لیس بتکلیم اومن وراء حجاب الجار متعلق بمحذوف تقدیرہ اویکلمہ وھذا المحذوف معطوف علی وحی فتقدیر الکلام ان یوحی الیہ اویکلمہ اویرسل منصوب عطفا علی موضع وحیا وقیل فی موضع جرای بان یرسل ماکنت الجملۃ حال من الکاف فی الیک صراط اللہ بدل من صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ المعرفۃ من المنکرۃ۔

---

[1] مسئلۂ نبوت اور الہام کی حقیقت بیان فرماتا ہے کہ عیاناً دوبدو کوئی بشر بھی خدا سے کلام نہیں کرسکتا مگر ان تین صورتوں سے اول یہ کہ دل میں کلام القاء باالالفاظ یا صرف بمعنی اول وحی متلو دوسری غیر متلو ہے۔ دوم یہ کہ حجابِ نورانی کے پیچھے سے کلام کرسکتا ہو اور بشر جب ملکیت کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے تو خدا کا مقرب ہو جاتا ہے مگر پھر بھی نورانی حجاب درمیان حائل ہوتے ہیں جیسا کہ شبِ معراج میں آنحضرت ﷺ کا خدا سے کلام ہوا اور دیگر اوقات میں بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر کلام ہوا۔ تیسرے یہ کہ فرشتہ یعنی جبرئیل کے ذریعہ سے جو چاہے پیغام پہنچائے جبرئیل جو نامۂ وحی لاکر ہیں ان سے تجرد میں نبی کو مناسبت ہوتی ہے اس لیے ان کو نظر آتے اور دکھائی دیتے ہیں اوروں کو نہیں مگر ان سب صورتوں میں بہیمیت اور شیطان کا گزر بھی نہیں ہوتا جو مصری اور گڑ کے مزے میں امتیاز کرسکتا ہے ہو وہ ادراکِ معنوی سے ان باتوں میں بھی امتیاز کرسکتا ہے اور خدا کا سلسلۂ فیض ابتداء سے جاری ہے۔ حضرت ﷺ کو بھی اس نے وحی کی کہ لوگوں کی رہنمائی کریں ورنہ اس سے پہلے نہ آیتِ کتاب کو جانتے تھے نہ احکام دین و ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوتکم ۔۱۲ منہ حقانی

تفسیر.....وحی والہام کی بحث : یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ تھا کہ وہ جس کو چاہتا ہے یہ رتبہ عطا کرتا ہے۔ انبیاءِ سابقین کا نام اہلِ مکہ سن کر اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے۔ مگر نبی کا مرتبہ بشریت کے جامہ سے باہر تصور کرتے تھے اس خیال باطل کو جابجا قرآن مجید میں رد کیا ہے اور یہاں بھی اس کو رد کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلہ نبوت کی تشریح فرماتا ہے فقال وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ الخ کہ کسی آدمی کا خدا سے باتیں کرنے کا دنیا میں آمنے سامنے ہو کر مقدور نہیں الا وحیاً مگر ان تین طریقوں سے: اول یہ کہ کسی مبلغ کے واسطے سے نہ ہو مگر عین کلام الٰہی نہ سنا جاوے بلکہ مطالب و مضامین عام ہے کہ خاص الفاظ میں سے مقرر ہو کر یا اس کے الفاظ میں اس کو وحی کہتے ہیں اول قسم کو وحیِ متلو دوسرے کو وحی غیر متلو اور یا عین کلام بھی سنے۔ اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ سے یہ مراد ہے یہ دوسری قسم ہے اور یا یہ کسی مبلغ کے واسطے سے ہو اور اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ سے یہ تیسری قسم مراد ہے۔ گو تینوں وحی کے اقسام ہیں مگر ان میں سے اول کو القاء فی القلب کے معنی لحاظ کر کے وحی کہا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو کوہ طور پر کلام کیا تھا جیسا کہ خود فرماتا ہے وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا تو وہ بھی عیاناً نہ تھا کہ جس کی یہاں نفی کی گئی بلکہ وہ کلام کرنا ان تینوں قسموں سے ایک قسم پر تھا اول قسم سے ہو یا دوم سے ہر ایک قسم کی پھر کئی صورتیں ہیں مثلاً اول قسم خواب میں بھی واقع ہوتی ہے اور بیداری میں بھی مع الفاظِ مقررہ یا بغیر الفاظِ مقررہ الفاظ مقررہ کے ساتھ قرآن جو نازل ہوتا تھا تو بیشتر قسم اول پر تھا پھر دوسری قسم جس کو پسِ پردہ کلام سننا کہتے ہیں اس قسم پر بھی کلام اللہ نازل ہوا ہے مگر پسِ پردہ کے یہ معنی نہیں کہ خدا پاک کسی کوٹھری یا مکان میں پردہ ڈال کر باتیں کیا کرتا ہے بلکہ حجاباتِ نورانی اس کے اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں اور ان حجابوں میں جو بندہ کو تجرد وانکشاف کامل اور روح پر تجلّی کامل ہوتی ہے تو بوجہ نورانیت کے یہ شخص خدا تعالیٰ کی باتیں سننے لگتا ہے اور خدا تعالیٰ کی باتیں ان الفاظ واصوات سے مبرا ہوتی ہیں کہ جن میں جسمانیات کلام کرتے ہیں۔ عالمِ اجسام میں بھی تار برقی و آئینوں کے ذریعہ سے خوب باتیں کر سکتے ہیں جہاں کوئی خاص زبان اور اصوات ضروری نہیں ہوتے ہاں بعد میں ان کو مصطلح الفاظ میں لا سکتے ہیں اور نقوشِ مصطلحہ میں مقید کر سکتے ہیں۔ رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے کہ پسِ پردہ کلام کرنے والا شیطان یا کوئی خبیث روح ہو محض بے اصل ہے برگزیدہ خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے حواس و مدرکاتِ باطنیہ حقائق الاشیاء میں اس سے زیادہ تمیز کرتے ہیں کہ جیسا عالمِ حسی میں ہمارے حواس خوشبو اور بدبو خوشرنگ اور بدرنگ خوش الحان و بدصورت نرم وسخت یا سرد وگرم میں کرتے ہیں اور جب تک یہ ہمارے حواس سلامت ہیں ان میں کوئی فتور نہیں کبھی دھوکا نہیں کھاتے عالمِ حسی کے حواس و مدرکات کا جب یہ حال ہے تو عالم روحانی کے مدرکات کا کیا کہنا ہے۔ اس لیے سورہ نجم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مازاغ البصر وما طغیٰ کہ پیغمبر کی چشم باطنی نے غلطی نہیں کی اور تیسری قسم میں بھی فرشتہ جس کو ناموسِ اکبر یا جبرئیل کہتے ہیں بارگاہِ قدس سے مطالب بنفسہٖ لاتا ہے اور پیغمبر کے دل میں آکر اترتا ہے کما قال نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ اور اسی قسم کی بابت ہے عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جبرئیل کسی آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر آتے اور کچھ بتا جاتے تھے مگر متشکل ہو کر قرآن مجید کا لانا کسی صحیح اور قوی روایت سے ثابت نہیں ہوتا اور ہونا بھی نہ چاہیے نہ اس لیے کہ اس میں احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی شیطان شکل بدل کر آیا ہو کس لیے کہ یہ التباس ہم کو ہو سکتا ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی چشم باطن حقائق الاشیاء میں امتیاز کرنے پر بوجہ اکمل قادر تھی بلکہ اس لیے کہ کسی شکل میں ظاہر ہو کر آنا حواسِ ظاہر یہ سے یہ زیادہ تعلق رکھتا ہے نہ کہ قلب سے جو ادراکاتِ روحانیہ کا منبع ہے۔ اب یہ احتمال نکالنا کہ جبرئیل کو کسی درخت یا پتھر میں سے آواز آتی تھی کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے مطالب ادا کرنے کے لیے اس میں پیدا کر دیتا تھا محض فضول بات ہے جو اسرارِ روحانیہ کے نہ سمجھنے سے پیدا کی گئی ہے اور ہمارے بیان سے یہ جھگڑا بھی اٹھ گیا کہ کلامِ الٰہی حروف و اصوات سے مرکب ہے یا صفت قائم بذاتہٖ تعالیٰ ہے اور پھر قرآن مجید جو قدیم کہا جاتا ہے کیا اس کے یہ الفاظ و حروف اور یہ اقوام گزشتہ کے قصص بھی قدیم ہیں یا کیا؟ جیسا کہ علم کلام میں مذکور ہے۔ فائدہ: انبیاء علیہم السلام کا الہام اور وحی قطعی ہے بایں معنی کہ خدا کے ساتھ باتیں کرنے

میں خواہ تینوں صورتوں میں سے کسی طور پر ہو ان کو حجابِ ہیولانی دامنگیر نہیں ہوتے اور القاء ہونے کے بعد قوت وہمیہ اس میں خلل اندازی نہیں کرنے پاتی اس لیے کہ ان کے جواہرِ نفوس اعلیٰ درجہ کے مجلی ہوتے ہیں برخلاف ان سے کمتر درجوں کے لوگوں کے جو انہیں کے انوار سے منور ہوتے ہیں جن کو اولیاء اللہ یا محدث یا ملہم کہا جاتا ہے اس لیے ان کے الہامات ظنی گنے جاتے ہیں۔ اور ان کے الہامات میں یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ خود اس کے معنی کما ینبغی نہیں سمجھتے قوت وہمیہ جو ان کو اپنے مناسب قوالب میں ڈھال دیتی ہے اس سے انتزاع کرنے میں کہیں خود ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ ھذا وقد اطبنا الکلام فی ھذا المقام لانہ من مزال اقدام الفحول الاعلام۔ ولنرجع الی تفسیر باقی الایات الشریفۃ۔

ان سب صورتوں کے بعد فرماتا ہے اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ کہ وہ نہایت برتر ہے کسی کے ادراک اور کسی کا فہم اس کی پوشیدہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور نیز عالم حسی میں کوئی آنکھ اور کوئی کان نہ اس کو دیکھ سکتا ہے نہ بالمقابل ہو کر بات سن سکتا ہے مگر حکیم ہے اپنی حکمت کاملہ سے بندوں کو اپنے سے اطوارِ مخصوصہ میں کلام کرنے کا شرف عطا کر کے اس کو اپنے بندوں کے لیے پیغامبر بنا کر بھیجتا ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی کرتا آیا ہے وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ روحامن امرنا اور اسی طرح سے اے محمد (ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح یعنی قرآن مجید وحی کیا۔ روح چونکہ حیاتِ جسم کا باعث ہے اسی طرح کتاب اللہ عالم کی حیاتِ ابدیہ کا باعث ہے اس لیے لفظ روح کا اس پر اطلاق ہوا (یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے) بعض کہتے ہیں روح سے مراد جبرائیل ہے اس کی حکمت کا مقتضی تھا ورنہ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ آپ تو اس سے پہلے نہ کتاب جانتے تھے نہ ایمان۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وحی سے پہلے آپ کتاب یعنی قرآن کو نہ جانتے تھے مگر ایمان کے نہ جاننے میں کلام ہے کس لیے کہ بعثت اور وحی سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام مومن تھے کبھی کسی نے شرک نہیں کیا نہ زنا کیا نہ کوئی بدکاری اس کی علماءِ تفسیر نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے کہا ایمان سے مراد نماز ہے اور ایمان کا اطلاق نماز پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت میں وَمَا کَانَ اللّٰہُ لیضیع ایمانکم ای صلاتکم یعنی وحی سے پہلے آپ نماز اور اس کے ارکان و شروط سے واقف نہ تھے نہ شرائع معلوم تھے۔ بعض کہتے ہیں لفظ اہل محذوف ہے یعنی اہل ایمان کون کون ہوں گے آپ نہ جانتے تھے اور سہل توجیہ یہ ہے کہ ایمان سے مراد جمیع وہ امور ہیں کہ جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے بہت باتیں وحی سے پہلے معلوم نہ تھیں۔ فقیر کہتا ہے کہ گو ایمان کو جانتے تھے مگر وہ جاننا اس جاننے کے مقابلہ میں جو وحی کے بعد ہوا کالعدم ہے۔ دیکھو کوئی کامل استاد جب کسی طالب علم کو جو پہلے بھی کچھ پڑھا تھا تکمیل کے بعد یہ کہہ دیتا ہے کہ آپ پہلے جانتے بھی تھے کہ علم کیا ہے؟ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے اس سے ہم جس کو چاہتے ہیں صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ بتا دیتے ہیں اور اے محمد ﷺ تو بھی خود نور ہے سیدھی راہ بتاتا ہے اور وہ سیدھی راہ کیا ہے صراط اللہ کا رستہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور سب اختیارات اسی کو حاصل ہیں جو اس رستہ پر جو قرآن سے ثابت ہے (نہ کہ کسی اور رستہ پر) چلے گا اللہ کے پاس دار الخلد میں پہنچے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مع حٰمٓ ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳﴾

وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا

اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۵﴾ وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶﴾ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

قسم ہے روشن کتاب کی ہم نے بنایا ہے اس کو عربی زبان کا قرآن تا کہ تم سمجھو اور یہ کتاب لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بلند مرتبہ (اور) حکمت والی ہے۔ کیا تمہارے سمجھانے سے ہم اس لیے مونہہ پھیر لیں گے کہ تم بیہودہ لوگ ہو۔ اور پہلے لوگوں میں بھی ہم نے بہت سے نبی بھیجے ہیں اور ان کے پاس ایسا کوئی نبی نہ آتا تھا کہ جس سے وہ ٹھٹھا نہ کرتے تھے۔ پھر تو ہم نے ان میں بڑے زور والوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی نظیریں چلی آتی ہے (ان کے واقعات ضرب المثل ہیں)۔

ترکیب : والکتاب من جعل حم قسما فالواو للعطف و من لم یجعل فالواو للقسم و الکتاب مجرور بھا وانه عطف علی انا فی متعلقه بعلی واللام لایمنع ذلک لدینا بدل من الجار والمجر ور اَفَنَضْرِبُ الهمزہ للاستفهام الانکاری والفاء للعطف علی محذوف ای نهملکم فنضرب عنکم الذکر والضرب ھذا بمعنی الترک یقال ضربت عنه اذا ترکته قاله الزجاج والفراء، وانتصاب صفحا علی المصدریه من معنی نضرب لان للصفح و الضرب معنی واحدا وھوا الترک والاعراض یقال صفحت عنه اذا اعرضت عنه۔ اوعلی الحال ای صافحین ، و کم منصوب بارسلنا و بطشا تمیز و قیل مصدر فی موضع الحال من الفاعل۔

تفسیر : اس سورہ کا نام سورہ زخرف ہے۔ یہ بھی باتفاق علماء صحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی بیشتر توحید و رسالت و دار آخرت وغیرہ اصولِ نظریہ مذکور ہیں مکہ میں جس قدر قرآن کی سورتیں نازل ہوئیں ان میں عملیات کا بہت کم حصہ ہے بیشتر اعتقادیات ہیں۔ حم بھی انہیں مفردات میں سے ہے جو سورتوں کے ابتداء میں آتے ہیں جن کی بہت جگہ ہم تشریح کر آئے ہیں۔

ان آیات میں مسئلہ نبوت کا اثبات ہے فقال وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ عرب میں گو صدہا قبائح مروج تھے مگر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر قسم کھانا بہت ہی سخت گناہ سمجھا جاتا تھا اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا کبھی سرسبز نہ ہوگا۔ اس لیے حم خدا تعالیٰ کی ذات و صفاتِ جلالیہ کا ذکر کر کے کتاب مبین کی قسم کھا کر یہ کہتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ کہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا تمہارے سمجھنے کو کتابِ مبین سے مراد قرآن ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک قرآن بڑی عزیز چیز ہے اور ہر شخص اپنے عزیز و مرغوب چیز کی قسم کھایا کرتا ہے پس قرآنِ مبین کی قسم کھا کر قرآن مجید کی صداقت ثابت کرتا ہے۔ مبین بیان کرنے والا روشن اس کے بعد اور چند اوصاف قرآن مجید کے بیان فرماتا ہے (۱) وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا کہ یہ قرآن کوئی بے اصل اور تراشیدہ کتاب نہیں بلکہ یہ ہمارے نزدیک ام الکتاب یعنی لوحِ محفوظ علمِ الٰہی کا ایک جریدہ ہے۔ ثبت است بر جریدۂ عالم کتاب ما۔ (۲) عَلِيٌّ ہے بلند مرتبہ کتاب ہے اس کی مثل اور کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔ (۳) حَكِيْمٌ پر حکمت ہے اس میں جس قدر حکمتیں اور خوبیاں رکھی ہوئی ہیں وہ خود اس کی اصالت اور منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں۔ یہ سن کر جہلاءِ مکہ کہتے تھے کہ خدا کو ہمارے لیے کتاب بھیجنے کی کون ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے اَفَنَضْرِبُ الخ کہ کیا ہم تمہاری بیہودگی سے تم سے منہ موڑ کر بیٹھ جاتے تمہاری اصلاح نہ کرتے؟ کیونکہ ہم رحیم و کریم ہیں پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں وَ كَمْ اَرْسَلْنَا الخ پہلے بھی انبیاء بھیجے ہیں اور لوگ ان سے ٹھٹھے کرتے رہے انجام کار ہم نے بھی ان میں سے بڑے سرکشوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی کہاوت چلی آتی ہے کہ وہ یوں برباد ہوئے اب تم بھی ذرا انکار نہ کرو۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ ع

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ ان کو اللہ زبردست' علم والے نے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہ جس نے زمین کو تمہارا بچھونا بنایا اور تمہارے لیے اس میں رستے بنائے تا کہ تم راہ پاؤ۔ وہ کہ جس نے آسمان سے اندازے کے ساتھ پانی اتارا پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو تازہ کیا' تم بھی اسی طرح (قبروں) سے زندہ نکالے جاؤ گے اور اللہ وہ کہ جس نے ہر قسم کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے وہ کشتیاں اور چار پائے بنائے کہ جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ ان کی پیٹھ پر چڑھ کر اپنے رب کا احسان یاد کرو جبکہ تم ان پر خوب بیٹھ جاؤ۔ تو کہو پاک ذات ہے وہ کہ جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو اس کو بس میں نہیں کر سکتے تھے اور ہم کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور لوگوں نے اس کے بندوں کو اس کی اولاد دلبنا دیا۔ بیشک آدمی جو ہے تو صریح ناشکرا ہے۔

تفسیر: اب اور جواب دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اپنے انعام بیحد بھی یاد دلاتا ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دے کر توحید ثابت کرتا ہے اور ان انعام پر بندے کی اوروں کو شریک بنانے پر اس کی شکایت کرتا ہے۔ واللہ کیا بحرِ ذخار کلام ہے جس کے اندر سینکڑوں گوشوں میں ہزاروں دُرِ شہوار رکھے ہوئے ہیں اور کس طرح سے مسلسل کلام چلا آتا ہے فقال وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ اگر ان سے اے محمد (ﷺ) پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ تو کہیں گے اللہ نے جو زبردست' حکمت والا ہے۔ پس جس نے تمہارے لیے آسمان اور زمین بنائے اور جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اور زمین کو تمہارا بچھونا بنایا کہ اس پر چلتے پھرتے ہو وَجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا اور تمہارے لیے چلنے پھرنے کے لیے زمین میں راستے بنائے اور رستوں کے نشان قائم کئے ان کے پتے سے راہ نہیں بھولتے وہ اللہ کہ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ جس نے آسمان سے ایک اندازہ سے پانی اتارا جس سے مردہ یعنی خشک زمین کو شاداب کیا اور قسم قسم کے اس میں درخت نباتات پیدا کئے۔ قال سعید بن جبیر الازواج الاصناف کلہا اسی طرح بارِ دیگر تم کو زندہ کرے گا قبروں سے نکالے گا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ اور دریا کی سواریاں کشتیاں بنائیں اور زمین کے چار پائے اونٹ' گدھا' گھوڑا' بیل' ہاتھی' خچر وغیرہ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ الضمیر راجع الی ما الموصولۃ قالہ ابوعبید۔ تا کہ تم ان پر سوار ہو اور سوار ہو کر اکڑو نہیں بلکہ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ الخ اپنے رب کا احسان یاد کرو اور یہ کہو سُبْحٰنَ

ل مشرکین نے ان دلائل پر بھی اس کی مخلوق میں سے اس کا جز بنا دیا۔ فرشتوں کو بیٹیاں بعض انبیاء کو بیٹا کہتے ہیں بعض اس کی ذات کا ٹکڑا کہتے ہیں کہ اس سے منفصل ہو کر بنا فلاں خدا کے منہ سے فلاں ہاتھ سے فلاں پاؤں سے بنا ہے ہنود چار ذاتوں برہمن چھتری وغیرہ کے نسبت ایسا ہی کہتے ہیں اور یہ ثبوت دیا کرتے ہیں جزء کے معنی شریک کے بھی ہو سکتے ہیں کہ عبادت اور خدائی کا حصہ دار بنا دیا۔ حقانی

اَلَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَاكُنَّالَهٗ مُقْرِنِیْنَ کہ پاک ہے وہ کہ جس نے اس جانور کو ہمارے بس میں کر دیا اور یہ ہمارے بس کا نہ تھا مقرنین ومطیقین یقال اقرن ھذا البعیر اذا اطاقہ ھذا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ وقال الاخفش وابوعبیدۃ مقرنین ضابطین وقیل مماثلین فی القوۃ اور چونکہ سفر طے کرنے کے لیے یا کسی مسافت طے کرنے کے لیے سوار ہوا کرتے ہو یہ بھی سمجھ لیا کرو کہ اسی طرح یہ عمر بھی ایک سفر ہے اس کو طے کرنا اور اللہ کے پاس پہنچنا ہے اس سفر سے اس سفر کو یاد کر لیا کرو اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ وہیں سے آئے ہیں وہیں جانا ہے۔ مسلم وابوداؤد و ترمذی ونسائی وحاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے تھے تو تین بار تکبیر پڑھتے تھے پھر سُبْحَانَ الَّذِیْ الخ تک یہ پڑھتے تھے۔

اس نے تو یہ یہ عنایتیں کیں مگر کفار و مشرکین نے یہ کیا وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا کہ اسی کے بندوں کو اس کا بیٹا بنا دیا کہہ دیا فلاں اس کا بیٹا ہے اور فرشتے ان کی بیٹیاں ہیں اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ آدمی صریح ناشکرا ہے اسی نے نبی اور کتاب بھیجی اس میں ضمنی طور پر مسئلۂ توحید اور اپنے کمال وقدرت وصفاتِ کمالیہ کا ثبوت کر کے اصل بات کا بھی جواب دے دیا کہ جس نے تمہارے لیے یہ سامان کئے پھر وہ تمہیں گمراہی میں کس لیے پڑا رہنے دیتا یہ بھی اس کا ایک انعام ہے پھر اور انعامات پر نہیں کہتے کہ خدا کو ان کے بنانے سے کیا مطلب تھا؟ حالانکہ خود اقرار کرتے ہو کہ یہ چیزیں انسان کے نفع و قضاءِ حاجت کے لیے اس نے بنائیں پھر نبوت اور کتاب نازل کرنے کے امر میں یہ کہتے ہو کہ اس کو کیا غرض پڑی تھی کیا مطلب تھا کیا پروا تھی؟ نبوت و توحید کا کس عمدگی سے ثبوت کیا۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَیُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں لے لیں اور تم کو بیٹے چن کر دیے اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جائے کہ جس کو رحمان کے لیے ٹھہراتا ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاوے اور دل میں گھٹ گھٹ کر رہ جائے کیا اس کے لیے وہ ہے کہ جو زیور میں پلتی ہے اور جھگڑنے میں بات بھی نہ کر سکے اور فرشتوں کو کہ جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں فرض کر لیا۔ کیا انہوں نے ان کو پیدا ہوتے دیکھا ہے ان کی گواہی لکھی جائیگی اور ان سے پوچھا جائے گا اور کہتے ہیں اگر رحمان چاہتا تو

ہم ان کو نہ پوجتے ان کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ محض اٹکل دوڑاتے ہیں کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس پر قائم ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی گاؤں میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے (یہی) کہہ دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں۔

ترکیب : بنات مفعول اِتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ حال منها، مثلاً مفعول ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ متعلق بہ واذا شرطية ظل الجملة الشرط وجهه بالرفع على القرآة المشهورة اسم ظل مُسْوَدًّا خبره او من في موضع نصب تقديره اتجعلون من ينشؤا قرء الجمهور بفتح الياء واسكان النون وقراء ابن عباس والضحاک وحفص بضم الياء وفتح النون وتشديد الشين قال الهروي الفعل على القرآة الاولى لازم وعلى الثانية متعدفي متعلق معيين وغير لايمنعه والجملة حال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اب یہاں اس کی اور زیادہ تشریح کرتا ہے فقال ام اتخذ الخ کہ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے لڑکیاں پسند کیں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے پسند کئے ہیں؟ یعنی یہ جو تم کہتے ہو کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یہ غلط بات ہے کیونکہ بیٹیوں سے بیٹے بہتر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ الخ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دیتا ہے تو غم کے مارے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور دل میں گھٹ جاتا ہے عرب بیٹیوں کا پیدا ہونا اپنی عزت کے خلاف جانتے تھے اس لیے قتل کر ڈالتے تھے اور خبر سن کر بڑا رنج ہوتا تھا پھر ایسی چیز تو آپ لے اور بیٹے تم کو دے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد سے جو فائدہ متصور ہوتا ہے کہ وہ میدانِ کارزار میں کام دے اور مجالس میں سیفِ لسانی سے کام لے۔ یہ بھی ان سے حاصل نہیں اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے اومن ینشوء الخ کہ کیا جو زیور میں اور آرائش میں پرورش پاتے ہیں (یعنی لڑکیاں) اور جھگڑوں میں گویائی سے عاجز ہیں کیونکہ عورت کی تربیت میں زیور و آرائش ہے جو مردانگی کے خلاف ہے اور شرم و لحاظ کی وجہ سے خوب بات نہیں کر سکتیں۔ وہ اس نے اپنے لیے پسند کی ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ زنانہ تجمل و آرائش مذموم ہے۔ اس کے بعد ایک اور دلیل سے ان کو رد کرتا ہے فقال وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں ان کو انہوں نے عورت بنا دیا جو ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں کیا انہوں نے ان کو پیدا ہوتے دیکھا ہے اس کی وہ شہادت دیں گے؟ اچھا دیں ہم ان کی شہادت لکھے لیتے ہیں اور ان سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ اس کے بعد ان کفار و مشرکین کا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور حجت میں ساکت کئے جاتے تھے ایک جواب نقل کرتا ہے جو محض جاہلانہ جواب ہے، وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ان معبودوں کو نہ پوجتے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اس کی مرضی کے موافق ہے اس کا جواب دیتا ہے مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ انہیں مشیت اور مرضی کا فرق معلوم نہیں اس قضاء و قدر اور عالمِ اسباب کے مسئلہ کو یہ نہیں جانتے محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں کہ اس کی مشیت ہے تو مرضی بھی ہے اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ الخ کیا ان کے پاس اس بت پرستی کے جواز میں کوئی نوشتۂ الٰہی ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور جس کے یہ پابند ہیں نہیں۔ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے اِنَّا وَجَدْنَا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یوں کرتے دیکھا ہے ان کے طریقہ پر ہم چلتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ کہ یہ نئی بات نہیں ان سے پہلے بھی جہاں کہیں کوئی نبی آیا وہاں کے پیٹ بھروں نے یہی عذر کیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے پیرو ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

رسول نے کہا اگر میں تمہارے پاس اس سے بھی بہتر طریقہ لاؤں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو بھی باپ دادا کے طریقہ پر چلو گے وہ بولے جو کچھ تو لایا ہے ہم اس کو جانتے بھی نہیں پھر تو ان سے ہم نے بدلہ لے لیا پھر دیکھ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا اور یاد کر و جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ جس کو تم پوجتے ہو میں اس سے بیزار ہوں مگر جس نے کہ مجھے پیدا کیا (اس سے سروکار ہے) پھر وہی مجھ کو رستہ بھی بتادے گا۔ اور ابراہیم اسی بات کو اپنے بعد باقی چھوڑ گئے (کلمۂ توحید کی وصیت کر کے) تا کہ لوگ (دینِ حق کی طرف) رجوع کریں بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو رسایا بسایا یہاں تک کہ ان کے پاس دینِ حق اور صاف کہنے والا رسول (محمد ﷺ) آ گیا۔ اور جبکہ ان کے پاس سچا دین پہنچا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم تو اس کے منکر ہیں۔

ترکیب : قراء الجمهور قل و قرئ قال حکاية لما جرى بين النذر وقومهم۔ ای قال کل نذیر لقومہ۔ الھمزة انکار وللعطف علی المحذوف ای تتبعون ذالک۔ وجواب لومحذوف۔ اِلَّا الَّذِیْ استثناء منقطع او متصل علی ان کلمة ما فی مما یعم لانھم کانوا یعبدون اللہ والاوثان او صفة بمعنی غیر علی ان ما موصوفة ای اننی براء من الھة تعبدونھا غیر الذی فطرنی وَجَعَلَهَا فاعل جعل الضمیر یرجع الی اللہ اوالی ابراھیم وھا الی کلمة التوحید التی قالھا ابراھیم۔

تفسیر : یہ بتایا ہے اس گفتگو کا جو انبیاءِ سابقین اور ان کی قوم میں ہوئی تھی کہ کیا جب تمہارے باپ دادا کے طریقہ سے اچھا اور ہدایت کا طریقہ ہم تمہارے پاس لاویں جب بھی تم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلو گے؟ اس کے جواب میں بھی کہہ دیا انا بما ارسلتم بہ کافرون ہم تمہاری سب باتوں کے منکر ہیں فانتقمنا منھم الخ پس ان سے بدلہ لیا ہلاک و برباد کر دیا پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا بد انجام ہوا۔

تقلید کا ذکر : اس کے بعد اس تقلیدِ آبائی کے رد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے جو مخاطبین کے جد امجد تھے کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے طریقے کو جو ناپسند تھا چھوڑ دیا پھر اگر تم کو باپ دادا کی پیروی منظور ہے تو اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کر و اس نے اپنے باپ اور قوم سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں بجز اس کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا تمہارے معبودوں میں سے کسی کو نہیں مانتا وہی مجھ کو اپنے دین کا رستہ دکھادے گا۔ دلیل چونکہ تقلید سے بہتر ہے اس لیے جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو (اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ) اس کے بعد تک خدا پرست قوموں میں قائم رکھا کیونکہ یہ کلمہ بمنزلہ لا الہ الا اللہ کے ہے اور موحدین کے پیشوا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد اس کلمہ کو باقی چھوڑا تا کہ لوگ شرک سے توحید کی طرف رجوع کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام و دلائلِ سماویہ کے مقابلہ میں بے سوچے سمجھے باپ دادا کی تقلید و پیروی حق کے خلاف میں کرنا مذموم ہے اور ایسی تقلید شرک و گمراہی ہے مگر ائمہ مجتہدین کے فتووں پر چلنا (جو ادلہ اربعہ کتاب وسنت اجماع وقیاس یعنی استنباطِ نصوص پر مبنی ہیں) یہ سمجھ کر کہ ناسخ و منسوخ اور ماوّل و مفسر مشترک و غیر مشترک کی شناخت موارد نصوص کی تخصیص و تعمیم احادیث میں صحیح و ضعیف کی پہچان یہ ہم سے زیادہ تر جانتے ہیں اور اہلِ توحید کا جمِ غفیر سلف سے خلف تک ان کو ان باتوں میں پیشوا جانتا آیا ہے محاورات عرب اور ان کے رسم و رواج

سے بھی یہ خوب واقف تھے باایں ہمہ اہلِ ورع و پرہیزگار تھے جو ایک خاص قسم کی تقلید ہے اس کو بھی اسی میں ملا کر شرک و بدعت کا حکم لگا دینا بڑی ناانصافی ہے۔

مشرکین ایک حجت یہ بھی قائم کیا کرتے تھے کہ اگر تقلید آبائی اور یہ بت پرستی عنداللہ بری ہے تو سینکڑوں برسوں سے یہ لوگ دنیا میں کیوں پھلتے پھولتے آئے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے بل متعت الخ کہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا میں اب تک[1] پھلنے پھولنے دیا اس پر یہ پھول گئے اور اس بات کو حق اور رسول مبین کے مقابلہ میں پیش کرنے لگے اور دینِ حق اور رسول کو جادو کہہ دیا اور انکار کر دیا۔ یہ ان کی غلطی ہے کس لیے کہ دنیا کی برومندی اس کی ربوبیت کا مقتضی ہے یہ کوئی دلیل ان کے برحق ہونے کی نہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾ ع

اور کہنے لگے کس لیے یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی سردار پر نازل کیا گیا۔ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت بانٹنا چاہتے ہیں؟ ان کی روزی تو دنیا میں ہم نے ان میں بانٹ دی ہے اور ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو محکوم بنا کر رکھے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے کہ جس کو وہ جمع کر رہے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک طریقے کے ہوجاویں گے (کافر) تو جو اللہ کے منکر ہیں ان کے گھروں کی چھت اور ان پر چڑھنے کی سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی چاندی کے کر دیتے کہ جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور دوسری آرائش بھی دیتے اور یہ سب کچھ جو ہے تو دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے اور دارِ آخرت آپ کے رب کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

ترکیب : عظیم بالجر بدل من رجل لبیوتھم بدل باعادۃ الجار ای لبیوت من کفر وجمع الضمیر فی بیوتھم وافردہ فی یکفر باعتبار معنی من ولفظہا۔ سقفا قرأہ الجمہور بضم السین والقاف فھی جمع سقف کرھن ورھن وقال الفراء ھو جمع سقیف کرغیف ورغف وقیل جمع سقوف فیکون جمعا لجمع۔ وقرء بفتح السین واسکان القاف فھو واحد فی معنی الجمع ومعارج جمع معرج بفتح المیم وکسرھا۔ ابوابا وسررا (جمع سریرا) منصوبان بجعلنا ای جعلنا لبیوتھم ابوابا وسررا لما بالتخفیف وقرئ بالتشدید فعلی الاولی ان مخففہ من الثقیلۃ وعلی الثانیۃ ھی النافیۃ ولما بمعنی الا۔

[1] یعنی رسول اور قرآن کے ظہور تک یہاں تک وہ اسی میں مبتلا تھے کہ ان کے پاس رسول اور دینِ حق آ گیا ہے اور ہم کو قاضی شوکانی اور ابن القیم اور ان کے مقلدین سے کمال تعجب ہے کہ وہ باوجود علم اس بات کے کہ کتب اصولِ فقہ میں مسلم ہو چکا ہے کہ نص کے مقابلہ میں قیاسِ مجتہدین کوئی چیز نہیں کیسی جرأت کرتے ہیں اور اہلِ اسلام کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس!

تفسیر: کفار مکہ کا آنحضرت ﷺ کی نبوت پر یہ بھی ایک بیہودہ شبہ تھا جس کو یہاں نقل کر کے جواب دیتا ہے فقال وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریتین سے مراد ان کے دو شہر تھے مکہ اور طائف اور رجل عظیم یعنی بڑے عظیم شخص سے مراد وہ کہ جو بڑا مالدار صاحب شوکت وجاہ ہو۔ مکہ میں ایسا شخص جو منصب نبوت کا مستحق دنیاوی مال وجاہ کے لحاظ سے ان حمقاء کے نزدیک سمجھا گیا تھا ولید بن المغیرہ تھا اور طائف والوں میں سے عروہ بن مسعود ثقفی۔ یہ کہنا تو ان کا درست تھا کہ کسی بڑے شخص پر قرآن اترنا تھا مگر یہ ان کی حماقت تھی کہ وہ بڑائی مال وجاہ میں منحصر جانتے تھے اور ان پر کیا موقوف ہے اب بھی حمقاء میں مال وجاہِ دنیاوی پر بڑائی کا انحصار ہے خصوصاً بے دینوں کے نزدیک اب اس کے دو جواب دیتا ہے: اول أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ الی قولہ سُخْرِيًّا کہ جب دنیاوی مرتبوں میں ہم نے تفاوت کر دیا کہ جس کو کوئی اٹھا نہیں سکتا کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے کوئی مفلس ہے کوئی زر دار جس کے سبب انتظامِ عالم ہو رہا ہے کیونکہ سب یکساں ہوں تو کوئی کسی کی اطاعت وخدمت کیوں کرے؟ تو دینی تفاوت کو وہ کیونکر اٹھا سکتے ہیں ہم جس کو چاہیں ولی اور جس کو چاہیں کافر وفاسق بنا دیں۔ اور یہ بھی ہے کہ مال جو کچھ کسی کو دیا ہے ہم نے اپنے فضل وکرم سے عطا کیا ہے پھر کسی کو مال دے کر کیا ہم نبوت دینے پر بھی مجبور کیے جا سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ نبوت بھی اسی کو دیں۔ پس ہم مختار ہیں ہم پر کسی کا دینا نہیں آتا کہ جس کو مال وجاہ دیں خواہ اس میں نبوت کی لیاقت ہو یا نہ ہو اس کو نبوت بھی عطا کریں۔ دوم: وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ یہ کہ مال وجاہ کی شرافت کو نیکی وسعادتِ ازلی کی شرافت سے بڑھ کر جاننا نادانی ہے۔ کس لیے کہ مال وجاہ لذاتِ دنیا کے حاصل کرنے میں کام آتا ہے جو محض فانی ہے اور یہ سعادتِ ازلی لازوال دولت ہے جو باقی ہے اور جس چیز کو وہ سمیٹ رہے ہیں یعنی مال اس سے بہتر ہے۔ پس اسی دولت کا مالا مال شریف اور بڑا ہے اور تمہارے عقیدہ کے موافق بڑے آدمی کو نبوت کا مرتبہ ملنا چاہیے تو وہ بڑے شخص نہیں بلکہ محمد ﷺ بڑے ہیں اس کے بعد دنیا اور اس کے کرّ وفر کی بے وقعتی بیان فرماتا ہے کہ جس پر وہ شیدا تھے اور جو ان کی آنکھوں میں بڑی چیز تھی فقال وَلَوْلَا أَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ الخ کہ دنیا کی ہمارے نزدیک کیا عزت ہے؟ صرف یہ بات نہ ہوتی کہ دنیا کا تجمل دیکھ کر سب یا اکثر لوگ کفر کی طرف راغب نہ ہو جاتے تو ہم کفار کو جو رحمان کے منکر ہیں اس جہان کے بدلہ دنیا میں اس قدر دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہاں تکیہ لگا کر بیٹھنے کو تخت بھی چاندی کا کر دیتے اور بہت آرائش کے سامان عطا کرتے مگر یہ سب کچھ دنیائے فانی کا چند روزہ اسباب ہے اور آخرت جو ہے تو پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے۔ وہاں ان کے لیے اس سے زیادہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے اگر دنیا کی اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی قدر ہوتی تو کسی کافر کو سرد پانی بھی نہ دیتا۔ (رواہ الترمذی) حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مومن کو دنیا سے اس طرح روکتا ہے کہ جیسا کوئی بیمار کو پانی سے روکتا ہے۔ (رواہ الترمذی) بے شک قیامت کے قریب کفار کو دنیا اور اس کے تجملات بکثرت دستیاب ہوں گے اور فسق وفجور میں مبتلا ہوں گے۔ یورپ کو دیکھو اسی بات کی مسلمانوں میں نہ ہونے سے نیچری کہتے ہیں کہ اسلام مٹ گیا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰى إِذَا جَاءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ

ل بعد المشرقین ای بعد المشرق والمغرب ومن عادة العرب تسمیۃ الشیئین المتقابلین باسم احدہما ۱۲ کبیر ۱۲ منہ

إِذْ ظَّلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۹﴾ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۰﴾

اور جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے اور شیاطین آدمیوں کو رستے سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں یہاں تک کہ آدمی جب ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا اے کاش مجھ میں اور تجھ میں مشرق اور مغرب کا فرق ہوتا پھر کیا برا ساتھی ہے۔ اور تم کو اس روز جبکہ تم مجرم قرار پاچکے یہ بات کچھ فائدہ بھی نہ دے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔ (اے محمد ﷺ) پھر کیا آپ بہرے کو سنا سکتے ہیں یا اندھے کو اور اس شخص کو جو صریح گمراہی میں ہے ہدایت کر سکتے ہیں۔

ترکیب: ومن شرطیۃ یعش العشو الاعراض والعدول ھذا قول الفراء والزجاج وقال الخلیل النظر الضعیف قراء الجمھور بضم الشین من عشا یعشو من نصر ینصر وقرئ بفتح الشین من عشی یعشی۔ ای من سمع یسمع۔ وسقط الواو بمن الشرطیۃ۔ قال الجوھری العشا مقصور مصدر الاعشی ھو من لا یبصر باللیل والمراۃ عشویٰ نقیض جواب الشرط انکم بفتح ان علی ان وما بعدھا فاعل ینفعکم ویمکن ان یکون ضمیرا للتمنی وانکم لانکم۔ ومن کان عطف علی العمی باعتبار تغائر الوصفین۔

تفسیر: اب دنیا کا خراب نتیجہ بتاتا ہے ومن یعش کہ جب شہوات ولذاتِ دنیا خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور جو اس کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک شیطان قائم ہو جاتا ہے جو اس کا ہر کاروبار میں ساتھی رہتا ہے اور اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ الخ اور شیاطین انسان کو راہِ راست سے باز رکھتے ہیں اور لطف یہ کہ انسان اپنے آپ کو راہ راست پر جانتا ہے۔ اس نشہ میں یہاں تک مبتلا رہتا ہے کہ اذاجاء نا الخ ہمارے پاس آتا ہے مرکر یا قیامت میں تب یہ نشہ اترتا ہے اور اس کی برائی ثابت ہوتی ہے تو اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کاش تجھ میں اور مجھ میں مشرق ومغرب کا فرق ہو جاوے یعنی جس قدر مشرق سے مغرب دور ہے یہ مردود مجھ سے اتنا دور رہے وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ مگر آج کی بیزاری کیا فائدہ دیتی ہے جب کہ جو کچھ نہ کرنا تھا کر چکے اب وہ شیطان بھی اور اس کے ساتھی یہ بھی دونوں جہنم میں گرے۔ دنیا میں ایسا ساتھی پیدا ہوا تھا کہ اپنے ساتھ جہنم میں لے کر گرا۔

یہ شیطان جو یادِ الٰہی سے غافل ہونے پر قائم ہوتا ہے شیطان جنی ہے جس کا مرکب اس کے بدن میں قوتِ شہوانیہ وغضبانیہ ونفسانیہ وجمیع قوائے بہیمیہ ہیں انسان جب یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے تو روح کا جوہر نورانی اس مبدءِ فیاض ونورِ مطلق کی تجلی سے منور رہتا ہے' نیک وبد کا کامل امتیاز رہتا ہے' خدا کی سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ اس کے تمام کاروبار فطرت کے موافق سرزد ہوتے ہیں اور انبیاء ﷺ چونکہ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں رہتے ہیں شیطان سے محفوظ رہتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں اور جب یہ ادھر سے غافل ہوا قوائے بہیمیہ کی تاریکیاں اس پر ہر طرف سے محیط ہوئیں اور اس کو اندھا کر دیا اب اس کے جو کام ہوں گے خلافِ فطرت ہوں گے اور ان سے اور بھی تہ بر تہ تاریکیوں کی اس پر چڑھتی جاویں گی اور اس کو ابدالآباد تک جہنم بن کر گھیرے رہیں گے جو جہلِ مرکب کا نتیجہ ہے یہاں تک کہ جب اس عالم سے کوچ کرے گا اور قوائے بہیمیہ کا انجن ٹھنڈا ہو جاوے گا تب اس کو اپنے مرض کی خبر ہو گی اور تاسف کرے گا مگر کیا فائدہ۔ دنیا کی محبت اور خدا سے غافل ہونے کے ساتھ یہ بلائیں لگی ہوئیں ہیں کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

زتو یک نفس جدا شدم شدہ صد بلا نصیبم
من و بے تو زندگانی نکند خدا نصیبم

پس جو ایسی تاریکیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے حواسِ باطنیہ بھی زائل ہو جاتے ہیں وہ اندھا ہوتا ہے کچھ نہیں دیکھتا بہرہ ہوتا ہے کچھ

نہیں سنتا۔ اب اس کو کسی کی نصیحت نفع نہیں دیتی۔ اسی بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ فقال اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْتَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کہ اے محمد (ﷺ) کیا تو ایسے بہرہ کو سنا سکتا ہے اور ایسے اندھے کو راہ بتا سکتا ہے اور اس کو جو ضلال مبین میں ہو راہ پر لا سکتا ہے؟ نہیں کس لیے کہ ان میں صلاحیت ہی نہیں رہی۔ اس مرتبہ کو ضلال مبین کہتے ہیں۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۴

پھر اگر ہم آپ کو لے بھی جائیں (دنیا سے) تو بھی ہم ان سے ضرور بدلہ لیں گے اور اگر تجھے ہم وہ بھی دکھا دیں کہ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو ہم ان پر قادر ہیں پھر تو اس کو مضبوط پکڑے رہ کہ جو تیری طرف وحی کیا گیا تو جو ہے تو سیدھے رستہ پر ہے اور یہ قرآن تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے نصیحت ہے اور آگے تم سے پوچھا جاوے گا۔ اور پوچھ دیکھ ان رسولوں سے کہ جن کو تجھ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا اللہ کے سوا ہم نے اور بھی معبود پرستش کے لیے بنائے تھے۔

تفسیر: اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ایسے بہرے اندھے کو جو ضلال مبین میں گرفتار ہو تو ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسی حالت میں ان ازلی گمراہوں کو اور بھی جرأت ہونا اور نبی کی تکذیب و ایذا پر کمر باندھ کر اس کہنے کا موقع ملنا (کہ تجھ سے ہماری ہدایت ممکن نہیں اور ہم ایسے بدراہ ہیں تو تیرا خدا اپنے وعدہ کے موافق ہمیں کچھ سزا دیوے تا کہ تیری سچائی معلوم ہو کہ تو اس کا بھیجا ہوا ہے) قرینِ قیاس ہے۔ ان کی اس شوخ چشمی کا جواب دیتا ہے فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ الخ کہ اگر تجھے اے محمد (ﷺ) ہم دنیا سے لے جاویں کیونکہ تو اپنا کام جو تھا سو کر چکا اور یہ ایک روز ہونا ہے تو یہ نہیں کہ پھر ہم ان سے بدلہ نہ لیں یا تیری زندگی ہی میں تجھے بھی آنکھ سے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ ہوا ہے دکھا دیں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ مکہ کو اپنی نسبت فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور اندھا بہرا سننا سخت ناگوار گزرا اور قصد کیا کہ ان کو مار ڈالیں یا شہر سے نکال دیں اس کے ساتھ اس کے وہ وعدے بھی تمام ہو جاویں گے کہ جن سے ہم کو دھمکیاں دیا کرتا ہے۔ اس بات کا بیان کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے از انجملہ یہ ہے[1] اَوْيَقْتُلُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ کہ تیرے مارنے یا نکال دینے کا قصد کرتے ہیں اور بدبخت لوگ جو مرتبہ ضلال مبین میں ہوتے ہیں باغوائی بئس القرین ایسا ہی کیا کرتے ہیں اپنے خیر خواہ ہونے کے ساتھ ان کی اس بات کا اس آیت میں جواب دیتا ہے کہ اگر انہوں نے ایسا ہی کیا کہ تجھے مار ڈالا یا نکال دیا فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ ان دونوں باتوں کو شامل ہے دنیا سے لے جانا یا مکہ سے باہر لے جانا۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے ہم ہر حال میں قادر ہیں کہ تیرے جانے کے بعد بھی ان کو عذاب دکھا سکتے ہیں اور تیرے روبرو بھی اور ایسا ہی ہوا بھی مکہ میں جب آپ تھے ان پر سات برس کا قحط پڑا۔ سب شرارت نکل گئی اور مکہ چھوڑنے کے بعد بھی جنگ بدر وغیرہ معرکوں میں ان پر وہ مصیبتیں آئیں پس اے محمد (ﷺ)! آپ ان کی دھمکی کی کچھ پروا نہ کریں فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَيْكَ آپ اس پر خوب مضبوط رہیں جو تیری طرف توحید و مکارم اخلاق و عبادت کی بابت وحی کیا گیا ہے۔ اور وہ جو تیرے رستہ کو برا اور الٹا تجھے گمراہ کہتے ہیں کہنے دو اِنَّكَ عَلٰى

[1] سورہ انفال رکوع ۴ دتمامہ واذیمکربك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك الآیۃ ۱۲

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بے شک آپ سیدھے رستہ پر ہیں۔

وَاِنَّهٗ اور یہ قرآن لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے ایک پندِ سودمند ہے اور خدا کو اور دارِ آخرت کو یاد دلانے والی اور سمجھانے والی چیز ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد شرف ہے کہ قرآن تیرا اور تیری قوم کا شرف اور پچھلی نسلوں کے لیے یادگار ہے۔ بے شک قرآن ہی کی وجہ سے قریش کا شرف دنیا میں مانا گیا اور یہی لوگ نبی کی خاص الخواص قوم بن کر خلافت اور جانشینی کے قابل قرار دیے گئے۔ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ مگر عنقریب تم سے سوال ہوگا پوچھا جاوے گا کہ تم نے اس پر کیسا عمل کیا اس امانت کی رعایت کیسی کی؟

مشرکینِ مکہ کی بہت سے گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے بت پرستی سے منع کرنا نیا کام ہے جو محمد (ﷺ) نے ایجاد کیا پہلے کسی نبی نے نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں بھی اس وقت نئی قسم کی بت پرستی مروج تھی ان کی تسلی فرماتا ہے وَاسْئَلْ الخ کہ پہلے رسولوں سے یعنی ان کے علماء سے تو پوچھو کہ کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود بھی پوجنے کے لیے مقرر کر دیے ہیں؟ ان کے علماء کبھی نہیں کہیں گے کہ خدا نے متعدد معبودوں کے پوجنے کی اجازت دی ہے گو ان کے عوام شرک میں مبتلا ہوں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ
اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ
السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا
عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ
لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا
خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ
مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

اور ہم نے موسیٰ کو بھی اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ تب موسیٰ نے کہا میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان کی ہنسی اڑانے لگے اور ہم ان کو جو کوئی نشانی دکھاتے تھے تو ایک دوسرے سے بڑھ کر ہی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو مبتلائے مصیبت بھی کیا تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں اور انہوں نے (عذاب آنے پر بھی یہی) کہا اے جادوگر! اپنے رب سے ہمارے لیے اس عہد سے کہ جو تجھ سے خدا نے کرلیا ہے دعا کر البتہ ہم ہدایت پر آجاویں گے پھر جب ہم نے ان کی تکلیف دور کر دی تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور فرعون نے اپنی قوم میں

منادی کرواکے کہہ دیا کہ اے قوم! کیا مجھے مصر کی بادشاہت نہیں اور کیا یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے سے نہیں بہ رہی ہیں۔ پھر تم کیا نہیں دیکھتے؟ کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے۔ اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا پھر کس لیے اس کے لیے سونے کے کنگن نہیں اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے اردلی میں آئے ہوتے۔ پس اس نے (ایسی باتوں سے) اپنی قوم کو احمق بنا دیا پھر وہ اس کے کہنے میں آئے کیونکہ وہ تھے ہی بدکار قوم۔ پھر جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا پھر تو ان سب کو ڈبو دیا۔ پھر ہم نے ان کو گزرے ہوؤں اور پچھلوں کے لیے نمونہ بنا دیا۔

ترکیب : بما عھد بعھدہ عندک من النبوۃ اومن ان یستجیب دعوتک او ان یکشف العذاب عمن اھتدی لو بما عھد عنک فوفیت بہ وھو الایمان والطاعۃ بیضاوی۔ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ جملۃ حالیۃ ویمکن ان تکون الانھار معطوفہ علی مُلْكُ مِصْرَ وتجری حال منھا فَاسْتَخَفَّ ای حملھم علی الخفۃ وقال ابن الاعرابی المعنی فاستجہل قومہ فاطاعوہ سَلَفًا قرء الجمہور بفتح السین واللام جمع سالف کخدم وخادم وقری سلفا بضم السین واللام قال الفراء ھو جمع سلیف نحو سرر وسریر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا کہ پہلے رسولوں کا حال دریافت کر الخ اب ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ جو آپ سے بہت مناسبت رکھتا ہے اور وہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح کفار قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مال و جاہ نہ ہونے سے طعن کیا تھا اور کہا تھا کہ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اسی طرح فرعون نے باوجود معجزات دیکھنے کے بھی طعن موسیٰ کی نبوت پر کیا تھا کہ یہ ذلیل ہے اس کے پاس سونے کے کنگن نہیں جو تاجداری کی علامت تھی اور میں ایسا ہوں کہ ملک مصر کا مالک ہوں' میرے حکم میں نہریں جاری ہیں۔ پس ایسی باتوں سے اس نے اپنی قوم کو بھی احمق بنا دیا۔ آخر سب غرق ہوئے اور پچھلی امتوں کے لیے ان کا قصہ یادگار اور مثال ہو گیا کہ فلاں ایسا جیسا فرعون اور یہ قوم فرعونیوں جیسا انجام ہوگا۔ عرب میں مشہور ہو گیا لکل فرعون موسیٰ یہ قریش مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ تم بھی وہی باتیں کرتے ہو جو انہوں نے کیں' نہیں خبردار تمہارا بھی یہی حال ہونا ہے جو ان کا ہوا یعنی ہلاک و بربادی و خرابی۔ یہ تمام آیات کا خلاصہ ہوا۔ اب ہم الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا کہ ایک نشانی دوسری سے بڑھ کر تھی جو ان کو ہم نے موسیٰ کی معرفت دکھائیں۔ گو وہ نشانیاں سب ہی بڑھ کر تھیں مگر محاورہ میں جب کئی چیزوں کی تعریف کرنی ہوتی ہے تو یوں بھی بولتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر۔

اور وہ نشانیاں۔ ید بیضا' عصا وغیرہ تو تھیں جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ ان پر مینڈکوں اور اولوں اور پانیوں میں خون پائے جانے کی بلائیں آئیں اور بھی آئیں تاکہ اپنی سرکشی سے باز آئیں۔ عذاب کے وقت میں بھی یہ شرارت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا يٰۤاَيُّهَا السّٰحِرُ اے جادوگر! اپنے رب سے کہہ اور اس کو وہ عہد یاد دلا کہ جو تجھ سے اس نے کیا ہے کہ جو مانے گا میں اس سے تکلیف دور کر دوں گا۔ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ کے یہ معنی ہیں۔ یا عہد سے مراد نبوت ہے یا دعا قبول کرنے کا عہد۔ ما مصدریہ یا موصولہ ہے اور ب سببیہ جب وہ تکلیف دور ہوئی تو پھر گئے۔ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ دریائے نیل میں سے متعدد نہریں نکالی گئیں تھیں تجری من تحتی وہ میرے محل کے نیچے بہتی ہیں یا میرے حکم میں ہیں اسورۃ من ذھب یعقوب وحفص نے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے یعنی کنگن اور اکثر نے اساورۃ پڑھا ہے وہ بھی اسوار بمعنی سوار کی جمع ہے۔ (بیضاوی) مصریوں میں دستور تھا کہ جس کو بادشاہ یا سردار بناتے تھے تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور گلے میں سونے کا طوق ڈالتے تھے یہ اس کی علامت تھی جیسا کہ ہندو راجوں میں اب تک ہے اور ان کی تقلید سے بعض سلاطین و امرائے اسلام ہند میں پہنتے ہیں۔ یعنی اس کے پاس خزانے و حکمرانی نہیں۔ نہروں اور پانی کا اس کو فخر تھا پانی ہی میں خدا نے اس کو غرق[1] کیا۔

---

[1] احمد وطبرانی وبیہقی وابن ابی حاتم نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو کوئی نعمت دے اور بندہ گناہ و نافرمانی کرتا جاوے تو یہ خدا تعالیٰ کا اس کے لیے داؤ ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فلما اسفونا انتقمنا منھم فاغرقنا ھم اجمعین۔ ۱۲ منہ

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ع

اور (یاد کرو) جبکہ ابن مریم (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو اس سے آپ کی قوم اکڑنے لگی اور کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ یہ ذکر آپ سے صرف جھگڑنے کے لیے کرتے ہیں بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو قوم۔ وہ تو ہمارا ایک بندہ ہے کہ جس پر ہم نے کرم کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنا دیا تھا اور اگر ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے بنا دیں کہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کریں اور البتہ عیسیٰ جو ہے تو قیامت کی ایک نشانی ہے پس تم اس میں شبہ نہ کرو اور میرا کہا مانو۔ یہ ہے سیدھا رستہ۔ اور تم کو شیطان نہ روکنے پاوے کیونکہ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے اور جبکہ عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے۔ کہنے لگے کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے بھی آیا ہوں کہ بعض وہ باتیں بیان کروں کہ جن میں تمہارا اختلاف ہے پھر اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ بے شک اللہ جو ہے تو وہ میرا اور تمہارا رب ہے پھر تم اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا رستہ ہے۔ پھر لوگ باہم مختلف ہو گئے پھر ظالموں کو خرابی ہے سخت دن کی سزا سے۔ کیا وہ قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ ان پر یکایک آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو اس دن دوست بھی آپس میں دشمن ہو جائیں گے مگر پرہیزگار لوگ۔

تفسیر : جبکہ یہ فرمایا کہ پہلے انبیاء سے دریافت کرو اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال بیان فرمایا تو بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بطور معارضہ کیا کہ دیکھو عیسائی اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کو خدا اور خدا کا بیٹا جانتے ہیں پھر آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ پہلے انبیاء سب توحید کے مروج تھے۔ عیسائیوں کا طریقہ عیسیٰ پرستی انہیں کا قائم کیا ہوا ہے۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں تو ہمارے معبود ملائکہ وغیرہ ان سے کم نہیں بلکہ بہتر ہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ ان مشرکین کی یہ بیجا حجت نقل کر کے جواب دیتا ہے جیسا کہ ان کے اور اقوال

باطلہ کا جواب دیتا چلا آتا ہے فقال ولما ضرب ابن مریم مثلاً یعنی جبکہ ابن مریم عیسیٰ کی مثال بیان کی گئی۔ قرآن مجید میں مثال بیان کرنے والے کا نام نہیں۔ مگر جمہور مفسرین کہتے ہیں وہ عبداللہ بن زبعریٰ تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہوا۔ اذا قومک منہ یصدون اس مثال کے بیان کرنے سے تیری قوم خوشی میں آ کر غل مچاتی ہے۔ اور کہتے ہیں ہمارے معبود ملائکہ وغیرہ بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ؟ یعنی اس سے ہمارے معبود بہتر ہیں پھر جب اس کی پرستش جائز ہے تو ہمارے معبودوں کی پرستش کیوں نہ جائز ہوئی؟ یہاں تک تو ان کی گفتگو تھی اب اس کا جواب دیتا ہے ماضربوہ لک الاجدلا۔ کہ یہ مثال ان کی محض ناحق شناسی سے ہے اور بیجا ہے یہ لوگ ناحق جھگڑا کرنے والے ہیں۔ غلط حجت جو محض سخن پروری کی وجہ سے ہو جدل باطل ہے۔ یہ تمہید تھی اب اس کا اصل حال بیان فرماتا ہے ان ھو الا عبد انعمنا علیہ الخ کہ عیسیٰ نہ خدا تھا نہ خدا کا بیٹا وہ ہمارا بندہ تھا صرف یہ بات تھی کہ اس پر ہم نے انعام کیا تھا فضیلت دی تھی منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ اس کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تھا جس سے اس کو جاہل خدا اور اس کا بیٹا سمجھنے لگے وہ ملائکہ سے تو اس بات میں بڑھ کر نہ تھا جن کی ماں ہے نہ باپ کھانے پینے سے بھی پاک ہیں اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ ان کو دنیا میں بھیج دیں کہ یہاں آ کر خلافت کریں۔ بس بات یہ تھی کہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے میں ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنایا تھا تاکہ وہ اس بات سے اس پر ایمان لا دیں اور نیز وہ قیامت کی نشانی ہے کہ قریب قیامت کے دنیا پر اترے گا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے تم اس میں یعنی قیامت کے قائم ہونے میں شک نہ کرو میرا کہا مانو یہ سیدھا رستہ ہے۔ اور شیطان کے بہکانے میں نہ آؤ وہ تمہارا دشمن ہے یہ حقیقت ہے عیسیٰ علیہ السلام کی۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا
مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ عَلَیْھِمْ
بِصِحَافٍ مِّنْ ذَھَبٍ وَّاَکْوَابٍ ۚ وَفِیْھَا مَا تَشْتَھِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَکُمْ فِیْھَا فَاکِھَۃٌ کَثِیْرَۃٌ مِّنْھَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ
جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْھُمْ وَھُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰھُمْ
وَلٰکِنْ کَانُوْا ھُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا یٰمٰلِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ ۚ قَالَ اِنَّکُمْ
مّٰکِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰکُمْ بِالْحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَکُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ ﴿۷۸﴾

(کہا جاوے گا) اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم کو کوئی خوف ہے اور نہ تم رنج کرو گے۔ ہمارے بندے وہ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے۔ (حکم ہوگا) تم اور تمہاری بیویاں خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ ان پر سونے کی رکابیوں اور آبخوروں کا دور چلے گا اور وہاں جس چیز کو دل چاہے گا اور جس سے آنکھیں خوش ہوں گی موجود ہوگی وہاں ہمیشہ رہا کرو گے اور تم کو اس جنت کا ان کاموں کے بدلے میں وارث کیا گیا جو تم کیا کرتے تھے تمہارے لیے وہاں بہت سے میوے ہیں کہ جن میں سے تم کھایا کرو گے البتہ گناہگار عذاب جہنم میں سدا رہا کریں گے وہ عذاب ان سے دور نہ ہوگا اور وہ اس میں

نا امید رہیں گے اور ہمارا ان پر ظلم نہ ہوگا بلکہ وہی خود ظلم کیا کرتے تھے۔ اور پکاریں گے اے مالک! کہیں تیرا رب ہم کو موت دے چکے۔ وہ کہے گا تم کو (اسی حال میں) رہنا ہے ہم تمہارے پاس حق بات لائے لیکن تم میں سے اکثر حق بات سے نفرت کرتے ہیں۔

تفسیر: اس کے بعد خود عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال نقل کرتا ہے کہ اس نے بھی اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہا بلکہ وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ الخ کہ جب وہ نشانیاں یعنی معجزات لے کر آئے تو لوگوں سے یہ کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی وہ باتیں لے کر آیا ہوں جو انسان کی شائستگی کا باعث ہیں اور اس لیے بھی آیا ہوں کہ موسوی شریعت کی اصلاح کروں جو لوگوں نے اختلاف کر کے بگاڑ رکھی ہے سخت احکام کو اٹھاؤں اور سیدھا رستہ دکھاؤں۔ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے عجائب خرابیاں واختلافات پھیلے ہوئے تھے۔ فرقہ صدوقی قیامت کا منکر تھا اور فقیہوں اور فریسیوں نے عجب عجب باتیں گھڑ رکھیں تھیں مغزِ شریعت سے بالکل بے خبر تھے۔ پس اللہ سے ڈرواے بنی اسرائیل جو مغزِ شریعت ہے ریاکاری سے باز آؤ وَاَطِیْعُوْنَ اور میرے کہنے پر چلو اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ اللہ جو میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو۔ صاف اقرار کر دیا کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں اور خدا پرستی کا حکم دے دیا۔ اناجیلِ مروجہ میں بھی یہ بات متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہی سیدھا رستہ ہے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول تھا۔

پھر اس کے بعد جو لوگوں نے خصوصاً عیسائیوں نے بدعات ایجاد کر کے اس کی طرف منسوب کیں ان کو ذکر کرتا ہے فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِھِمْ الخ احزاب حزب کی جمع جس کے معنی گروہ کے ہیں یعنی کلیساؤں کے باہم اختلافات ہو گئے کسی نے کہا عیسیٰ خدا اور خدا کا بیٹا تھا کسی نے کہا وہ صلیب نہیں دیا گیا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کلیساء کی تاریخوں میں مفصل مذکور ہے اور یہ فرقے اور اختلافات مسیح کے تھوڑے دنوں بعد سے شروع ہو گئے۔ پولوس بھی اپنے زمانہ میں اس کا شاکی تھا۔ غرض یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا اور خدا کا بیٹا عیسائیوں نے بنا لیا ہے خصوصاً اس وقت میں رومن کاتھولک عیسائی تو ان کی والدہ اور صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں فرمایا ہے ان جہلا نے بنا لیا ہے پھر کیا اس حجت سے تم خوش ہوتے ہو۔

اب ان عیسائیوں کی طرف روئے سخن ہوتا ہے فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الخ کہ ان ظالموں کو بڑے دن میں خرابی اور عذاب ہے۔ اور اب بھی یہ باز نہیں آتے تو کیا قیامت کو باز آویں گے اور کیا اسی کے منتظر ہیں کہ یکا یک آجاوے اور ان کو مہلت بھی نہ دے۔ اب اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس روز یہ جو آج باہم دوست ہیں ناحق پر بھی دوستی کی وجہ سے جمع ہوئے ہیں باہم دشمن ہو جاویں گے صرف پرہیزگاروں کی دوستی اور محبت اس دن باقی رہے گی جن کو یہ کہا جاوے گا یا عباد الخ کہ اے میرے بندو! آج تم کو کوئی خوف نہیں اور نہ تم کسی بات کا رنج کرو وہ بندے کون ہیں؟ وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور فرمانبرداری کرتے ہیں حکم ہوگا کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں چلو وہاں تم کو جو چاہو گے وہ نعمت ملے گی۔ یہ تمہارے اعمالِ حسنہ کا بدلہ ہے اس کے بعد گناہگاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ عذابِ جہنم میں رہیں گے وہ عذاب کبھی کم نہ ہوگا۔ وہاں موت مانگیں گے موت بھی نہ آوے گی یہ ان پر ہم نے ظلم نہیں کیا وہی اس کے بانی ہیں جو حق کا انکار کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ ان کی حجت جاہلانہ کا کس خوبی کے ساتھ جواب دیا اور اس کے ضمن میں دارِ آخرت کا بھی حال بیان کر دیا جو اہم مقاصد میں سے تھا۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰىھُمْ ؕ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْھِمْ یَکْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا ۚ وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا یَمۡلِكُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۸۷﴾ وَقِیۡلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

کیا انہوں نے کوئی بات ٹھہرا رکھی ہے سو ٹھہرانے والے تو ہم ہی ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی مخفی باتیں اور مخفی مشورے نہیں سنتے۔ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں کہہ دو اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو سب سے اول میں عبادت کرتا پاک ہے آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں۔ پھر ان کو حجتیں کرنے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اور وہی تو ہے جو آسمان میں خدائی کرتا ہے اور زمین پر بھی اور وہ حکمت والا خبردار ہے اور مبارک ہے وہ ذات جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان میں ہے اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اس کے پاس تم لوٹائے جاؤ گے اور جن کو وہ ان کے سوا پکارتے ہیں ان کو تو شفاعت کا بھی اختیار نہیں۔ ان کے لیے جو جان بوجھ کر کلمۂ حق کی شہادت دیتے تھے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ ضرور اللہ نے پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں۔ اور اس کا یہ کہنا کہ اے رب! یہ وہ قوم ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے پھر آپ بھی ان سے منہ پھیر لیں اور کہیں سلام۔ وہ ابھی جان لیں گے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ جہنم کا فرشتہ ان کے جواب میں کہے گا اِنَّکُمۡ مَّاکِثُوۡنَ وَلَقَدۡ جِئۡنٰکُمۡ بِالۡحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَکُمۡ لِلۡحَقِّ کٰرِهُوۡنَ اب یہاں ان کی کراہتِ حق کو بیان فرماتا ہے کہ حق کے قبول کرنے کا تو کیا ذکر بلکہ وہ اس کے رد کرنے میں سینکڑوں مکر و تدابیر کیا کرتے تھے مگر کیا کر سکتے تھے کیونکہ ام ابرموا امرا کیا وہ قضاء و قدر میں مداخلت کر کے کوئی بات اس کے برعکس قائم کر سکتے تھے۔ نہیں بلکہ فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ مدبرِ امور ہم ہیں اور اس پر لطف یہ ہے کہ جانتے تھے خدا کو ہماری ان تدابیر و مکر و زور کی خبر نہیں حالانکہ ہمارے رسول یعنی فرشتے ان کے پاس ان کی باتیں لکھ رہے تھے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے اس کا چھاپا عالمِ غیب میں لگ جاتا ہے خواہ اس کام کو ستر پردوں میں کرے۔ ان تدابیر سے ان کی غرض بت پرستی کا قائم رکھنا تھا اس کے رد میں ان کو ایک تسلی بخش جواب دیتا ہے قل ان کان للرحمن ولد الخ کہ ان سے کہہ دے تم جو لوگوں کو یا بتوں کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجتے ہو یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں اگر ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرتا اور اس کو پوجتا سُبۡحَانَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ بلکہ وہ تمہاری ان باتوں اور لغو خیالات سے پاک ہے اس کے بعد ان کو تنبیہ کرتا ہے فَذَرۡهُمۡ الخ کہ اے محمد (ﷺ)! ان کو چھوڑ کہ وہ بیہودہ باتیں بنائیں اور کھیلیں کود یں یہاں تک کہ اپنی سزا کے وقت کو پہنچ جاویں۔

وَهُوَ الَّذِىْ سے لے کر وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ تک خدا تعالیٰ کی عظمت اور ان کے بتوں کی کمزوری بیان فرماتا ہے تا کہ ان کو نہ پوجیں اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ کہ اس کی آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی حکومت اور خدائی ہے اور کسی کی نہیں اور وہ حکیم ہے اور علیم اور نہ صرف اس کی حکومت ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے بیچ جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کو ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح وہ ان کا پیدا کرنے والا ہے فنا بھی کرے گا اور سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے بلکہ جا رہے ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اس کی طرف اس عالم میں احتیاج ہے اور تمام جہاں کا وہی خالق و مالک ہے اسی طرح دوسرے عالم کا بھی وہی مالک ومختار ہے کہ جہاں ہر ایک کو جانا ہے اور خلقت چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک تو اس کے اوصافِ الوہیت تھے اب غیر معبودوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے وَلَا يَمْلِكُ الخ کہ جن کو وہ پکارتے ہیں اور ان کے بیحد اختیارات بڑھانے کے لیے ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں از خود کسی کو کچھ لینا دینا تو درکنار وہ کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کہ اس جہاں میں یا وہاں سفارش کر کے کسی کو کچھ دلوا دیں یا عذاب سے چھڑا دیں۔ مگر ان کے معبودوں میں سے وہ سفارش کے مجاز ہیں کہ جنہوں نے حق کی شہادت دی یعنی لا الہ الا اللہ کہا' توحید ورسالت کے قائل ہوئے اور یہ شہادت بھی علم ویقین سے ہے۔ ایسے لوگ خدا کے نزدیک مرتبہ اور درجہ سفارش رکھتے ہیں۔ اس سے مراد ارواحِ طیبات علیہم السلام اور ملائکہ کرام ہیں کیونکہ مشرکین ان کو بھی پوجتے تھے خدا نے ان کے مرتبہ کو مستثنیٰ کر لیا۔

اس کے بعد انہیں کے اقرار سے مشرکین کو قائل کرتا ہے بقولہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ الخ کہ اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ ان چیزوں کو کہ جن کو وہ پکارتے ہیں یا خود ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے کیونکہ اس بات کا ان کو فطرتاً علم تھا فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ تو پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں کہ جو خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر اس کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ وقیلہ کو بالجر پڑھا ہے لفظ الساعۃ پر معطوف ہونے کی وجہ سے تب یہ معنی ہوں گے کہ خدا کو قیامت کا بھی علم ہے اور رسول کے اس کہنے کا بھی کہ اے رب! یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ پھر دیکھئے قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا عدالت کا یاد دلانا اور جرم کا معلوم ہونا جتلانا بڑا اثر بخش کلمہ ہے اس کے لیے جو کچھ بھی سعادتِ ازلی سے بہرہ یاب ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قیلہ منصوب ہے محل الساعۃ پر معطوف ہونے کے سبب یا نجواھم و سرھم پر معطوف ہونے کے سبب ای یعلم نجواھم اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مجرور ہے حرفِ قسم مضمر ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم کو رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے رب! یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ اور جواب محذوف ہے کہ ہم ان کو ان کی سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ کہ اے رسول! یہ سرکش لوگ گمراہِ ازلی ہیں' نہیں مانیں گے' ان سے اعراض کیجئے اور سلام کہیے۔ سلام کہنا محاورہ ہے رخصت کرنے سے اور علیحدہ ہونے سے اس کو سلامِ رخصت کہتے ہیں۔ یہ کس لیے فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ان کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔ یعنی موت ہر شخص کے بہت قریب ہے مرتے ہی سب نیک و بد کا نتیجہ سامنے ہو جاوے گا۔ الٰہ العلمین ہم کو اپنی مرضی پر چلنا نصیب کر اور اپنی رضامندی میں رکھ کہ پھر ہم کو اپنی نافرمانی کے رنج واندوہ نہ اٹھانے پڑیں آمین بحرمۃ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم الدین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا

مُنْذِرِيْنَ ③ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا

مُرْسِلِيْنَ ⑤ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ

وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑦ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ⑨ فَارْتَقِبْ

يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ⑩ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑪

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ⑫ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ

رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ⑬ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ⑭ اِنَّا كَاشِفُوا

الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ⑮ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ

اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ⑯

قسم ہے روشن کتاب کی! ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے ہم تھے کیونکہ ہم کو بتلا کرنا منظور تھا خبر دار کرنے والے اس رات میں ہر ایک کام جو حکمت پر مبنی ہے ہمارے حکم سے تصفیہ پاتا ہے (از انجملہ نزولِ قرآن بھی تھا) ہم تھے کس لیے کہ ہم کو رسول بھیجنا منظور تھا یہ آپ کے رب کی رحمت سے ہوا کیونکہ وہ جو ہے تو سننے والا خبر دار ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کا جو ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم کو یقین آوے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے (وہ) تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے بلکہ وہ شک میں پڑ کر کھیل رہے ہیں۔ پھر آپ بھی اس دن کا انتظار کریں کہ جس دن آسمان سے دھواں ظاہر آوے جو لوگوں کو ڈھانک لے گا یہ ہے تکلیف کی سزا (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم سے عذاب دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں وہ کہاں سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول بھی آچکا پھر وہ اس سے بھی پھر گئے اور کہہ دیا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے ہم تھوڑے دنوں کے لیے عذاب دور کئے دیتے ہیں (مگر) تم پھر وہی کرو گے (پھر بدلہ اس دن لیں گے کہ) جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے ہم بدلہ تو لے کر رہیں گے۔

ترکیب : والکتاب۔ الواو للقسم انا انزلناہ جواب القسم وقیل ہذہ صفۃ للمقسم بہ والجواب انا کنا منذرین واختارہ ابن عطیہ۔ انا کنا مستانفۃ جواب ثان بغیر عطف فِيْهَا يُفْرَقُ ھذہ الجملۃ اماصفۃ اخریٰ للیلۃ وما بینھما اعتراض۔ اومستانفۃ۔ امرا انصابہ بیفرق ای یفرق فرقا لان امرا بمعنی فرقا قالہ الزجاج والفراء۔ وقال الاخفش انتصابہ علی الحال ای امرین۔ رحمۃ منصوب لکونہ مفعولا لاجلہ وقیل مصدر فی موضع الحال من ربک متعلق بالرحمۃ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ قرء الجمھور بالرفع علی انہ مبتداء اوعطف بیان علی السمیع۔ وقرء الکوفیون بالجر بدلا من ربک۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ دارمی وغیرہ نے اس کے فضائل نقل کئے ہیں خدا تعالیٰ ان آیات میں قرآن مجید کی تعظیم تین طور سے بیان فرماتا ہے۔ (۱) اس کی تعظیمِ عظمت پھر اس کو تین طرح سے بیان فرمایا اول اس کی قسم کھائی بقولہ وَ الْکِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ دوم اس کو مبین فرمایا کہ اس میں انسان کی تمام دینی ضرورتوں کا بیان ہے یا یہ کہ

یہ روشن ہے کوئی بات اس کی خلاف عقل سلیم نہیں۔ سوم اس کا نازل کرنا اپنی طرف منسوب کیا بقولہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ کہ اس کو ہم نے اتارا کسی بندہ نے ازخود تصنیف نہیں کیا ہے (۲) اس کی عظمت باعتبار عظمت وقت کے فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ کہ یہ مبارک رات میں اترا ہے۔ اور ہم نے اس کو کیوں اتارا اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ کہ ہم کو بندوں کا خبردار اور ہوشیار کر دینا اور ان کے افعال بد کی سزا سے آگاہ کر دینا مقصود تھا۔ اس کے بعد لیلۃ مبارکۃ کی عظمت بیان فرماتا ہے فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا کہ اس رات میں ہر حکمت کی بات بیان اور ظاہر کی جاتی ہے۔ یعنی جو حوادث دنیا میں ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں (جیسا کہ کسی کا مرنا' کسی کا امیر ہونا' کسی کا فقیر ہونا' بیمار و تندرست ہونا' قحط و ارزانی کا ہونا' سلطنت و حکومت کا تبدل و تغیر وغیرہ) ان کو بارگاہِ قدس سے ملائکہ مدبرانِ عالم پر ظاہر کیا جاتا ہے گو لوحِ محفوظ میں روزِ اول لکھے گئے تھے مگر اس رات میں انتظامِ عالم کے لیے ایک سال کے حوادث ان کے مدبر اور کارکن ملائکہ پر ظاہر کئے جاتے ہیں تاکہ اس کی تعمیل کریں۔ یہ اس رات کی بڑی عظمت و عزت ہے اس کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ عالمِ ناسوت میں جو معاملات ظہور کرنے والے ہیں عالمِ ملکوت میں اس رات میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ گو خدا تعالیٰ کے نزدیک رات دن برابر ہے اور عالمِ ملکوت میں رات دن نہیں ہے بلکہ زمین پر بسبب آفتاب کے طلوع وغروب کے مگر مراد ایک وقتِ خاص ہے۔ اور وہ وقت ہم بندوں کو لیلۃ مبارکۃ کے پتے سے بتلایا گیا ہے کہ جس وقت تم پر یہ رات آتی ہے گو وہاں رات نہ ہو مگر اس وقت یہ کارروائی ہوتی ہے۔ اور گو اس کے نزدیک سب اوقات یکساں ہیں مگر اس فاعلِ مختار نے بعض اوقات کو بعض پر فوقیت دی ہے جب اس رات میں اور حوادث ظاہر ہوتے ہیں تو قرآنِ مجید کا نزول جو دنیا میں سب سے بڑا حادثہ اور مہتم بالشان ہے۔ بدرجۂ اولیٰ ہوتا تھا لیلۃ مبارکۃ میں علماءِ اسلام کے دو قول ہیں۔ جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر مراد ہے جو رمضان کے اخیر میں پائی جاتی ہے غالباً ستائیسویں رات۔ اس قول پر اس آیت میں اور دوسری آیات میں جیسا کہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ یا شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔ ہاں ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ باتفاق مورخین قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی تو اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الخ ہے اور وہ شوال میں نازل ہوئی تھی اور یہ بھی کہ قرآن مجید ایک بار نازل نہیں ہوا ہے تھوڑا تھوڑا مکہ اور مدینہ میں تئیس برس کے عرصہ میں نازل ہوا ہے پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ لیلہ مبارکہ میں نازل ہوا ہے عام ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے لیلۃ القدر مراد لی جاوے یا شبِ برات؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف سب کا سب قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا جو رمضان کے مہینے میں واقع ہوئی تھی یا ہمیشہ رمضان ہی میں واقعہ ہوتی ہے پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسبِ حاجت دنیا میں آنا شروع ہوا شوال میں یا رمضان میں جیسا کہ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنے سے مراد تمام قرآن مجید نہ ہو پس اس کا ایک حصہ آنحضرت ﷺ پر رمضان میں لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور آپ نے اس کا اظہار شوال میں دو چار روز بعد کیا پس لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنا فرمانا صحیح ہو گیا۔

عکرمۃ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے جس کو شبِ برات بھی کہتے ہیں۔ امام نووی شرح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں یہ قول غلط ہے صحیح پہلی بات ہے۔ شاید عکرمۃ نے شعبان کی اس رات کو فضائل کے لحاظ سے لیلۃ مبارکۃ کہا ہے کیونکہ احادیث میں اس رات کے بھی بہت فضائل آئے ہیں نہ وہ لیلۂ مبارکہ کہ جس کا ان آیات میں ذکر ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (۳) فضیلت باعتبار نازل کرنے والے کے کہ کس نے یعنی بڑے عظیم القدر نے اس کو نازل کیا ہے کما قال انا کنا مرسلین کہ ہم قرآن بھیجنے والے ہیں یا ہم رسولوں اور محمد (ﷺ) کو بھیجنے والے ہیں اور کیوں؟ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّكَ تیری رب کی رحمت کا یہی مقتضا تھا کہ وہ بندوں کو ورطۂ ضلالت سے نکالے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت بندوں کی حاجت کے موافق واقع ہوئی بقولہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ کیونکہ وہ سنتا جانتا ہے ہر حاجت انسانی کا اس کو علم ہے اس کے بعد اور چند اوصاف الٰہی کا ذکر کرتا ہے تاکہ اس کا معبودِ حقیقی ہونا ذہن نشین ہو کر اس کی طرف رجوع

کریں رَبّ السَّمٰوٰتِ سے لیکر رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ تک۔ پھر فرماتا ہے کہ ایسا قرآن ایسے وقتِ مبارک میں اپنی رحمت سے ایسے پروردگار عالم محسن، قدیم، رحیم و کریم، شہنشاہِ حقیقی نے بندوں کے فائدہ کے لیے نازل کیا مگر وہ اب بھی نہیں مانتے بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ یَّلْعَبُوْنَ بلکہ شک میں پڑے ہوئے دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں دارِ آخرت کی کچھ بھی فکر نہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور ان مشرکوں کو ایک دنیاوی مصیبت کو پیش آنے کی خبر دے کر متنبہ کرتا ہے فقال فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ الخ کہ اے رسول آپ اب اس دن کے منتظر رہیں کہ آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہو جو سب کو ڈھانک لے گا اور سخت تکلیف دہندہ ہوگا پھر یہ کہیں گے کہ الٰہی اس بلا کو دفع کر دے، ہم ایمان لاتے ہیں مگر اس کے بعد بھی کہاں ایمان لاویں گے۔ ان کے پاس بیان کرنے والا رسول آیا اس کو دیوانہ اور کسی کا بہکایا سکھایا ہوا بتایا خیر ہم وہ بلا تو دفع کر دیں گے مگر پھر اخروی عذاب میں گرفتار کریں گے جو سخت عذاب ہوگا۔ اس دھوئیں میں علماء کے دو قول ہیں اول جمہور کا قول کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش پر آنحضرت ﷺ کی بددعا کرنے سے سات برس کا سخت قحط پڑا جس میں مردار اور ہڈیوں کے کھانے کی نوبت پہنچی اور بھوک کے مارے جو اوپر دیکھتے تھے تو ایک دھواں سا ضعفِ بصر سے معلوم ہوتا تھا اور عرب ایسے عظیم اور ہائلہ واقعہ کو دخان سے تعبیر کیا کرتے ہیں (کبیر) اس بات کو بخاری نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریب قیامت کے ظاہر ہوگا۔ جس کا ذکر بعض احادیث میں ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں اور ان کے پاس عزت والا رسول (موسیٰ) آیا کہ خدا کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کر دو کیونکہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اور یہ کہ میری سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیل لایا ہوں اور میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگ چکا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر میرا تمہیں یقین نہیں تو مجھ سے الگ رہو (مگر وہ نہ مانے) پھر اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ نابکار قوم ہے (تب ہم نے حکم

دیا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور دریا کو جما ہوا چھوڑ کر چلے چلو کس لیے کہ وہ لشکر غرق ہوگا۔ فرعونی بہت سے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑ گئے اور ایسی نعمت کو بھی جس میں وہ مزے کیا کرتے تھے یوں ہوا اور ہم نے ایسے ساز و سامان کا اور لوگوں کو مالک کر دیا۔ پھر نہ تو ان پر آسمان و زمین روئے اور نہ ان کو مہلت ملی۔ [۱]

ترکیب : ان ادوا قیل ان مفسرۃ لان مجیئ الرسول متضمن لمعنی القول وقیل مخففۃ من الثقیلۃ عباداللہ اما مفعول بہ لا دوا ای ارسلوھم معی او انہ منادی والتقدیر ادوا الی یا عباداللہ ماھو واجب علیکم من الایمان والاعمال الصالحۃ۔

تفسیر : کفارِ مکہ کو ان کی سرکشی پر ایک آنے والی بلا سے ڈرایا گیا تھا اب اس جگہ فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ وہ باوجودیکہ تم سے زیادہ مالدار، طاقت ور تھے ان کو رسول نے سمجھایا مگر نہ مانا اور سرکشی سے باز نہ آئے۔ بنی اسرائیل کے پیچھے دوڑے آئے کہ پکڑ لاویں اور غلامی میں رکھیں آخر اس کے فضل سے بنی اسرائیل بحرِ قلزم سے خشک پار اتر گئے اور فرعونی غرق ہو گئے تمام باغ و مکان و آرائش کی چیزیں چھوڑ گئے اس کے اور وارث و مالک ہو گئے۔ (۱) رھوا ای ساکنا یقال رھا یرھو رھوا اذا سکن لا یتحرک۔ اکثر اہلِ لغات و مفسرین رھوا کے یہی معنی بیان کرتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ بحر کی صفت ہے مطلب یہ کہ دریائے قلزم تمہارے گزرنے کے وقت موجیں نہ مارے گا ٹھیرا رہے گا یعنی پانی منجمد کھڑا رہے گا تم اس کے درمیان سے صاف نکل جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی جیسا توریت میں مصرح مذکور ہے حسن و کعب کہتے ہیں اس کے معنی ہیں رستہ کے کہ دریا کو رستہ بنا۔

نیچر مفسر نے عجب الٹ پلٹ اور اگر مگر ملا کے اس کے معنی یہ بیان کئے کہ دریا کو خشک چھوڑ کر اس کے کنارے کے پاس سے نکل جاؤ جیسا کہ جوار بھاٹے کے وقت ہوتا ہے مگر بجز اس کے کہ خرقِ عادات و تصرفاتِ خداوندی کا انکار اس بات کی تحریک دلائے اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسے غلط معنی تسلیم کر لیے جاویں۔ (۲) اَوْرَثْنٰھَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ بعض مفسرین نے آیت میں غور نہ کرنے سے یہ سمجھ لیا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کے لشکر ہلاک ہونے کے بعد قلزم پار سے لوٹ کر پھر مصر میں آئے اور فرعونیوں کی ان چیزوں کے مالک و وارث ہوئے۔ مگر یہ خیال غلط ہے قلزم پار اترنے کے بعد بنی اسرائیل کوہِ سینا کی طرف روانہ ہوئے اور چالیس برس تیہ میں ٹکراتے پھرے اور یہیں سینکڑوں واقعات پیش آئے اسی سفر میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی انتقال کر گئے۔ ان کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل ملکِ شام کے مالک و وارث بنے جہاں مصر کے باغوں اور چشموں اور میوؤں اور کھیتوں اور مکانوں جیسے باغ اور چشمے اور میوے اور کھیت اور عمدہ مکانات موجود تھے۔ اَوْرَثْنٰھَا کی ضمیر اگر خاص مصر کی اشیاءِ مذکورہ کی صرف پھرائی جائے تو قَوْمًا اٰخَرِیْنَ سے مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ ان غرق ہونے والوں کے علاوہ اور لوگ ساکنانِ مصر جو ان کے خاندان کے نہ تھے اور اگر ھا کی ضمیر بالخصوص اشیاءِ مذکورہ کی طرف نہ پھرائی

---

[۱] بعض نادانوں نے اس مقام پر دو اعتراض کئے ہیں اول یہ کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے ان مقامات کے کبھی وارث نہیں ہوئے وہ قلزم عبور کرنے کے بعد ملکِ شام میں حاکمانہ طور پر آئے اس بات کی تواریخ موافق و مخالف شاہد ہیں۔ اس کا جواب جیسا کہ مفسر نے اشارۃً بتایا ہے کہ اگر قوما آخرین سے بنی اسرائیل ہی مراد لیے جائیں تو ان چیزوں کے وارث کیے جانے سے یہ مراد نہیں کہ خاص انہیں چیزوں کا ان کو وارث بنا دیا۔ بلکہ ایسے ہی ساز و سامان کا ملک شام میں وارث کر دیا جیسا بولتے ہیں وہی باغ وہی کھیت دیے۔ ناز و نعیم جو ہمارے پاس ہیں ہمارے پاس بھی ہیں حالانکہ بالخصوص نہیں ہوتے بلکہ ان جیسے اشتراکِ جنسی کے لحاظ سے اس جنس کے ایک فرد کو دوسرے سے تعبیر کرنا ملک اور ہر قوم کا محاورہ ہے جس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ آسمان و زمین کا فرعونیوں کے حالِ زار پر نہ رونا قرآن میں بتلایا گیا ہے حالانکہ یہ چیزیں نہ روتی ہیں نہ ہنستی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ استعارہ یا مجاز ہے کہ آسمان اور زمین والوں کو ان کے حال پر ان کی بدکاری و بدکرداری کے سبب حسرت و افسوس نہ آیا دوم آسمان و زمین بھی حکماء کے نزدیک نفوس رکھتے ہیں جیسا پھر رونا ہنسنا ان کی شان کے مناسب ہے وہ پھر ایسا روتے ہنستے ہیں۔ حقانی

جاوے بلکہ جنس ونوع وصفت مراد لی جاوے اور یہی قوی بھی ہے تو قوماً آخرین سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو ان اقسام کے ملک شام میں جا کر وارث و مالک ہوئے۔ اب کذلك سے کچھ مطلب نہ رہا خواہ اس کو محلا مرفوع پڑھو خواہ منصوب۔ فمابکت آسمان وزمین کسی کو کیا روئیں گے بلکہ یہ ایک محاورے کی بات ہے سخت حادثہ اور بڑے شخص کی موت پر محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کو آسمان وزمین روئیں گے یعنی لوگ افسوس کریں گے یہ استعارہ یا مجاز ہے۔ سوان فرعونیوں پر کسی نے افسوس نہ کیا ان کی شرارت سے اور ممکن ہے کہ درحقیقت اچھے لوگوں کے مرنے پر آسمان وزمین اور دیگر چیزیں روتی بھی ہوں۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۳۰﴾ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿۳۳﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿۳۴﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿۳۵﴾ فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۶﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۱﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۴۲﴾

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کی تکلیف سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھی کیونکہ وہ سرکش بیہودہ لوگوں میں سے تھا اور ہم نے بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر دنیا پر برگزیدہ کیا تھا اور ان کو وہ نشانیاں بھی دی تھیں کہ جن میں صاف امتحان تھا۔ یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ ہمارے لیے تو صرف یہی پہلی موت ہے اور ہم مر کر زندہ نہ ہوں گے پھر ہمارے باپ دادا کو تم لے آؤ اگر تم سچے ہو کیا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے کہ جن کو ہم نے ہلاک کر ڈالا کیونکہ وہ نافرمان تھے۔ اور (اے نبی!) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان کے اندر ہیں کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا ہے ہم نے ان کو بہت ہی مصلحت سے بنایا ہے لیکن اکثر ان میں سے جانتے نہیں بیشک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر ہو چکا ہے جس دن کہ کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جاوے گی مگر جس پر کہ اللہ نے مہربانی کی ہوگی کیونکہ وہ جو ہے تو زبردست مہربان ہے۔

ترکیب : من فرعون بدل من العذاب علی حذف المضاف ای من عذابہ وقیل لا حاجۃ الی الحذف لان فرعون فی نفسہ کان عذابا مہینا لافراطہ فی تعذیب بنی اسرائیل قرء ابن عباس رضی اللہ عنہما من فرعون فیکون استفہاما انہ کان الخ جوابہ مافیہ الخ مفعول ثان لاتینا۔

تفسیر : وَلَقَدْ نَجَّيْنَا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سخت عذاب سے نجات دی جو فرعون سرکش کے ہاتھ سے ان پر ہوا کرتا تھا اور صرف مصیبت ہی دفع نہیں کی بلکہ ذلت کے بدلے ان کو عزت دی۔ یہ ہیں اِخْتَرْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ کے معنی اور مصیبت کے بدلہ بڑی نعمتیں دیں کہ جن میں ان کی آزمائش تھی اور وہ نعماء خدا کی نشانیاں تھیں جیسا کہ قلزم سے پار اتارنا' من وسلویٰ' پانی کا چٹان میں سے نکلنا' ملک شام کی حکومت' عمالیق وغیرہ سرکش و طاقت ور اقوام پر غلبہ' فرمانبرداری و نافرمانی کا نیک و بد نتیجہ بیان فرما کر پھر قریش کی طرف روئے سخن کرتا ہے اور مسئلہ نبوت کو تمام کر کے مسئلہ معاد میں ان کے انکار کو نقل فرما کر اس کا ثبوت دیتا ہے کہ بار دگر مرکر جینا برحق ہے فقال اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ الخ کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے صرف یہی دنیا کی موت ہے اور اس کے بعد جینا نہیں۔ اگر اے مسلمانو! تم سچے ہو تو ہمارے مردہ باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔

اس کے جواب میں اولاً تو ان کو اس بیباکانہ و گستاخانہ انکارِ حشر پر دھمکایا جاتا ہے اهم خير ام قوم تبع[1] کیا یہ لوگ تبع حمیری کی قوم سے جو یمن میں آباد تھے اور بڑے دولت و قوت والے تھے اور ان سے پہلے اور بہت قومیں تھیں ان سے بہتر ہیں زور میں' دولت میں زیادہ ہیں؟ ہرگز نہیں پس ہم نے ان کے جرم پر ان سب کو ہلاک کر دیا تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں؟ اس کے بعد ان کے شبہ کا جواب دیتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو عبث و بیکار نہیں بنایا ہے بلکہ ٹھیک اور درست بنایا ہے یہ تو تم بھی جانتے ہو پس اگر بعث برحق نہ ہو تو ان کا پیدا کرنا بیکار و عبث ہو جاوے یہ اس لیے کہ ان سب میں افضل انسان ہے اور اسی کے لیے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے اگر حشر برحق نہ ہو تو نیک و بد کی دنیا میں تو پوری سزاء و جزاء ہے نہیں پھر نیکوں کی نیکی رائیگاں جاوے اور بد آزاد ہو جاوے ایسا ہو تو عالم خراب ہو جاوے۔ یا یوں کہو انسان اس عالم میں تکمیل کے لیے آیا ہے اور کسی دوسری جگہ سے بھیجا گیا ہے پھر اگر یہی چند روزہ زندگی ہے اور یہ عالم کسی اور عالم کی ایک منزل نہ ہو تو اس تھوڑی دیر کے لیے اتنے سامان کرنا عبث ہو جاویں ستارے بنائے کیا کیا؟ اور روح تکمیل پانے کے بعد کسی اور عالم میں جانا چاہتی ہے یہ عالم اس کے لیے مقامِ راحت نہیں اگر اور عالم نہیں تو یہ سب کچھ بیکار ہے پھر فرماتا ہے کہ یوم الفصل فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا روز ان سب کے لیے معین کر دیا ہے اس دن سب کے فیصلے ہو جاویں گے کوئی حمایتی کسی کے کام نہ آوے گا مگر اس کے کہ جس پر اللہ کا رحم ہوگا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾

[1] تبع حمیر کا بادشاہ تھا یہ نیک تھا قوم کو توحید کی طرف متوجہ کرتا تھا سرکش قوم نے انکار کیا آخر برباد ہوئے اس کا بیٹا ذوالقرنین تھا اس کو کثرتِ اتباع کی وجہ سے تبع کہتے تھے پھر عموماً شاہانِ یمن کا لقب ہو گیا اس تبع کی بابت ان احادیث میں کہ جن کو حاکم وابن المبارک واحمد وطبرانی وابنِ ماجہ وغیرہ جماعت کثیرہ نے نقل کیا یہ آیا ہے کہ وہ ایماندار تھا۔ ۱۲ منہ

كَذٰلِكَ ۫ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

بے شک تھور کا پیڑ گناہگاروں کا کھاجا ہوگا۔ جیسا پگھلا ہوا تانبا پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح کھولے گا (حکم ہوگا) اس کو پکڑ گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر عذاب کا کھولتا ہوا پانی ڈالو (فرشتے کہیں گے) لے مزہ چکھ کیونکہ تو ہی تو معزز و محترم تھا۔ یہ وہی تو ہے کہ جس میں تم شک کیا کرتے تھے البتہ پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے باغوں اور چشموں میں مہین اور دبیز لباس پہن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ایسا ہی ہوگا اور ہم ان کو گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں بیاہ دیں گے۔ وہاں ہر ایک قسم کے میوے مانگیں گے۔ وہاں پہلی موت کے سوا اور موت کا مزہ نہ چکھیں گے اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے بچادے گا۔ آپ کے رب کا فضل ہے۔ یہی تو وہ بڑی کامیابی ہے اس قرآن کو ہم نے آسان کر دیا آپ کی زبان میں تاکہ وہ سمجھیں پھر آپ بھی انتظار کیجئے کیونکہ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

تفسیر: دارِ آخرت کا ثبوت کر کے اب کچھ وہاں کے حالات بیان فرماتا ہے۔ سب سے پہلے بدکاروں کی سزا بیان کرتا ہے فقال اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ گناہگاروں کا کھانا تھور ہوگا جو نہایت تلخ اور بدمزہ چیز ہے لاچار ہو کر اسی کو کھاویں گے وہ پیٹ میں جا کر گرم پانی کی طرح کھولے گا مہل تلچھٹ یا تانبا سیسہ وغیرہ پگھلا ہوا۔ مہل پر جملہ تمام ہو گیا پھر یغلی سے اس کے غلیان کی کیفیت شروع ہوتی ہے۔ بعض کالمہل کو یغلی سے بھی ربط دیتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بھی فرشتوں کو حکم دیا جاوے گا کہ اس کو پکڑو اور دھکے دیتے ہوئے جہنم میں لے جاؤ اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالو اور کہو چکھ کیونکہ تو اپنے زعم میں بڑا عزت والا زبردست سمجھا ہوا تھا ان باتوں کو تم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ ابن السکیت کہتے ہیں عتلتہ ای الجن واعتلتہ اذا دفعتہ دفعاً عنیفاً۔ اگر یوں بولتے صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهٖ مِنْ .... تو اس میں وہ لطف نہ ہوتا جو عذاب کے لفظ نے دیا۔ اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے ان المتقین کہ پرہیزگار عمدہ مقامات میں رہیں گے' عمدہ لباس پہنیں گے' تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے' حورعین سے شادی ہوگی' عمدہ چیزیں کھاویں گے۔ لذت وعیش کی سب چیزیں آگئیں مکان' لباس' عورت' حسین کھانا پینا یہی تو لذات ہیں۔ سندس مہین ریشمی کپڑا۔ استبرق دلدار ریشمی کپڑا جیسا کہ مخمل کا شالی حور واحدی کہتے ہیں اس کے اصلی معنی سفیدی کے ہیں یہ جمع ہے حوراء کے جس کے معنی گوری۔ عین عیناء کی جمع جس کے معنی بڑی آنکھوں والی۔ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى یعنی جنت میں کبھی موت کا مزہ نہ چکھیں گے بجز اس کے کہ جو پہلے دنیا میں چکھ چکے ہیں استثناء منقطع ہے۔ اے لکن الموتۃ کذا قال الزجاج والفراء۔ ابتداءِ سورہ میں قرآن مجید کے چند اوصاف بیان فرمائے تھے منجملہ ان کے ایک یہ کہ وہ مبین ہے یعنی اس میں ہر چیز کا بیان وضاحت کے ساتھ ہے اب یہاں اس کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ کہ اے محمد (ﷺ) تیری زبان میں سمجھنے کے لیے اس کو آسان کیا تاکہ لوگ سمجھیں مگر بدبخت نہیں سمجھتے اور تجھ پر موت یا ہلاکت آنے کے منتظر رہتے ہیں سو تو بھی اے محمد (ﷺ) ان پر بلا آنے کا انتظار کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ② اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ③ وَ فِیْ خَلْقِکُمْ وَ مَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ④ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ⑤ تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ⑦ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ⑧ وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ⑨ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا کَسَبُوْا شَیْئًا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑩ هٰذَا هُدًی وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ⑪

یہ کتاب اللہ زبردست، حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور (نیز) تمہارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کے پھیلانے میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے (بڑی بڑی) اور نیز رات دن کے پلٹنے میں اور آسمان سے روزی کی چیز نازل کرنے میں کہ اس سے خشک ہوئی زمین کو شاداب کیا کرتا ہے۔ اور ہواؤں کے بدلنے میں عقلمندوں کے لیے (بڑی) نشانیاں بھی۔ یہ ہیں اللہ کی آیتیں کہ جو ہم آپ کو ٹھیک طور سے سناتے ہیں پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ہر جھوٹے گناہگار کا ستیاناس ہو جائے جو اللہ کی آیتیں سن کر جو اس کے اوپر پڑی جاتی ہیں غرور میں آکر ہٹ کرتا ہے، گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہ تھا پھر اس کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری دے اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی کو نہیں پاتا ہے تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے (اور) ان کے سامنے جہنم ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کمایا تھا ان کے کچھ بھی کام نہ آوے گا اور نہ وہ معبود کام آئیں گے جن کو اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھا تھا۔ اور ان کو بڑا ہی عذاب ہوگا۔ یہ (قرآن) ہدایت ہے اور وہ جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں ان کو سخت دردناک عذاب کی سزا ہوتی ہے۔

ترکیب : حٰمٓ امامبتدا تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ خبرہ والتقدیر تنزیل الکتاب اوقسم وتنزیل الکتاب جواب القسم اوإنَّ فِی السَّمٰوٰتِ العزیز الحکیم صفۃ اللہ تعالیٰ ویجوزان یکون صفۃ الکتاب۔ لَاٰیٰتٍ منصوبۃ لکونھا خبر إنَّ فِی السَّمٰوٰتِ الخ خبرھا۔ آیات بالرفع علی انہ مبتدا وَفِیْ خَلْقِکُمْ خبرہ کوہی جملۃ مستانفۃ۔ ویقراء بکسر التاء ایضا علیٰ ان مضمرۃ خدلت لدلالۃ ان الاولی علیھا ولیست معطوفۃ علی آیات الاولی لمافیہ من العطف علی عاملین وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ بالجر معطوفا علی المجرور بھی وآیات توکیدا جاز قوم ان یکون ذلک من باب العطف علی عاملین وما لمجرور نملا للعطف علی اختلاف وکذا تَصْرِیْفُ الرِّیَاحِ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی انہیں تین مسائل سے بحث ہے نبوت' توحید معاد۔ اس سے پہلے دخان میں اول مسئلہ نبوت میں کلام تھا یہاں بھی افتتاحِ سورہ میں اسی مسئلہ میں ایک عجب لطف کے ساتھ کلام کیا ہے وہ یہ کہ حٰم میں کسی خاص بات[1] کی طرف اشارہ کر کے یا اپنی ذات وصفات وحمیت کی قسم کھا کر یہ بتاتا ہے کہ یہ کتاب اللہ زبردست کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو بڑا حکیم ہے اور یہ بھی اس کی حکمت کا مقتضٰی تھا کہ بندوں کو بحرِ ضلالت سے نجات دے اس کے بعد مسئلہ توحید واثباتِ باری میں کلام کرتا ہے۔

فقال اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یہ (۱) آئینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنا جمال دیکھتا ہے مگر کئی طرح سے۔ اس لیے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اس کے وجود وتوحید کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ آیات فرمایا کیونکہ ان کی مقدار اور حرکات الوانِ مختلفہ انوار کی کمی زیادتی ہر ایک بات ایک نشانی ہے اول اس لیے کہ یہ اجسام حوادث سے خالی نہیں اور جو حوادث سے خالی نہیں وہ حادث ہے پس یہ تمام اجسام حادث ہیں اور ہر حادث کے لیے ایک محدث ضرور ہے۔ (دوم) یہ کہ یہ اجسام اجزاء سے مرکب ہیں اور یہ اجزاء باہم متماثل ہیں پھر ایک جزء کو ایک جگہ میں اور ایک خاص بات میں کون خاص کرنے والا ہے وہی اللہ ہے نہ طبیعتِ اجسام کیونکہ اس میں پھر بھی کلام ہوگا۔ (سوم) یہ افلاک وستارے وزمین اگر ازخود ہیں تو یا ہمیشہ سے ہیں یعنی قدیم یا حادث ہیں قدیم تو ہیں نہیں کیونکہ قدیم تغیرات سے پاک ہوتا ہے اور ان میں تغیرات ضرور ہوتے ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کی لاکھوں برسوں کی عمر ہو اس لیے پہلے لوگوں نے ان کو قدیم سمجھ لیا ہے پس حادث ہیں کس لیے کہ باوجود اشتراکِ جسمانیت کے پھر مختلف الالوان والحرکات والابعاد ہونا حدوث کی دلیل اور کسی قادرِ مختار کے لیے برہان ہے اس کے بعد اور چند نشانیاں ذکر کرتا ہے (۲) آدمیوں کا پیدا ہونا۔ (۳) زمین پر مختلف قسم کے جانوروں کا پایا جانا۔ (۴) رات دن کا بدلنا (۵) اوپر سے پانی برسانا پھر اس سے مختلف نباتات پیدا کرنا۔ (۶) ہواؤں کا بدلنا۔ یہ سب نشانیاں ہیں نہ اندھوں کے لیے بلکہ آنکھوں والوں کے لیے جن کو اہلِ ایمان واہلِ یقین کہتے ہیں۔

دلائلِ یقینیہ بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے تِلْکَ آیَاتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو اے محمد (ﷺ) آپ کو بہت اچھی طرح سے سنائی جاتی ہیں۔ یہاں سے پھر مسئلہ نبوت کی طرف رجوع کیا دلائلِ وجود وتوحیدِ باری بیان فرما کر۔ اور مناسبت یہ ہے کہ جس

---

[1] ح سے اس کی حقانیت مراد ہے یعنی عالمِ وجود میں جو کچھ اس کے سوا ہے عدم کے رنگ میں اور بطلان کی رسیوں میں رنگا اور بندھا ہوا ہے مگر وہ ہی حق وثابت ہے اور م سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عالم اور اس کی سب چیزیں اس کے مظاہر اور اس کے جمال کے آئینہ ہیں پھر جو اس کا یا اس کی توحید کا انکار کرتا ہے اندھا ہے۔ ان آیتوں میں غور سے نہیں دیکھتا پھر ان فی السماوات سے لیکر یعقلون تک کئی آئینہ پیش کر کے اپنی ذات بابرکات کو مختلف جلووں میں دکھایا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ح اس کی حیات کی طرف اور م سے محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہو کہ ہماری حیات کی قسم! محمد ﷺ کو ہم نے بھیجا ہے یا ہماری حیات کا بڑا روشن آئینہ محمد ﷺ ہیں جس نے ایک عالم کو اللہ دکھا دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالمِ باطن میں یہ دونوں حرف کسی حقیقت کا مرکز ہوں جو ہدایت میں اثر رکھتی ہوں یہاں ان سے ان کو یاد کیا ہو جیسا کہ حفظ وحمایت کہ ہم محمد ﷺ اور اس کے دین کی حفاظت کریں گے ح سے حفظ م سے حمایت اور م کے درمیان ملانے سے درمیانی زمانہ میں حمایت کی حاجت یا زور مراد ہے۔ اور حی قیوم کی طرف بھی اشارہ ہے ح سے حی م سے قیوم کی طرف۔ ۱۲ منہ

کتاب میں اس کیفیت کے ساتھ توحید و وجودِ باری کے ایسے دلائل ہوں وہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔قرآن مجید اور جس پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ خدا کا رسولِ برحق ہے یعنی محمد ﷺ۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ پھر کس بات پر ایمان لاویں گے جبکہ اللہ یعنی اس کے کلام پر ایمان نہ لائے اور اس کی آیاتِ بینات پر یقین نہ لائے۔ پھر آگے ان کے انکار کی کیفیت اور اس کی سزا جو دارِ آخرت میں ہوگی بیان فرماتا ہے اس مناسبت سے مسئلہ معاد کا بھی بڑے عمدہ محل پر ذکر ہو گیا یہی وہ بلاغت ہے جو حدِ اعجاز کو پہنچ گئی۔فرماتا ہے وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ الخ یہاں سے منکروں کے اقسام ذکر کرتا ہے اور انکار پر برانگیختہ کرنے والی خباثت کا بھی ذکر کرتا ہے۔قسم اول سن کر کانوں میں مار جانے والے گویا سنا ہی نہیں تکبر کی راہ سے اس کی کچھ پرواہی نہ کی۔اور اس کا محرک اور مادہ کیا ہے افک اثم جو افاک واثیم سے سمجھا گیا۔افک جھوٹ بولنا افاک بڑا جھوٹا اثم گناہ اثیم بڑا گناہگار۔بے شک جس میں یہ بدخصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے حق قبول کرنے کا مادہ نہیں رہتا۔یہ قریش کے بعض سرداروں کی عادت تھی جن کی طرف ان لفظوں میں اشارہ ہے۔اول اس کے لیے صرف لفظ ویل فرمایا تھا یعنی خرابی ہو اس کی یا ویل جہنم کی ایک جگہ ہے کہ یہ جگہ اس کی ہے اس کے بعد اس کے جرم کی کافی سزا بیان فرماتا ہے فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اس کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا۔اس کے بعد دوسری قسم کے انکار کا ذکر کرتا ہے وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا الخ کہ اس کو جب ہماری کوئی آیت معلوم ہوتی ہے تو انکار ہی نہیں بلکہ اس پر تمسخر اور ٹھٹھا بھی کرتا ہے اس کو ذلیل کرنے کے لیے یہ پہلے سے بھی بڑھ کر جرم ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ بیان کرتا ہے کہ اس کے لیے ذلت دینے والا عذاب ہے اور ان کے آگے جہنم ہے اور ان کی کمائی اور ان کے معبودان کے وہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس بحث کو تمام کر کے پھر اصل بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ ھذا ھدی یہ قرآن مجید جس کا انکار اور جس پر ٹھٹھا کرتے ہیں ہدایت ہے پھر جو ہدایت کا انکار کرے اس کو سخت عذاب ہے من رجز والرجز اشدالعذاب بدلیل قولہ تعالیٰ وَلَئِنْ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ وہ ہے کہ جس نے دریا کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور تا کہ شکر کرو اور اس نے آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو اپنے کرم سے تمہارے کام پر لگا دیا ہے البتہ اس میں فکر کرنے والوں کی (بڑی) نشانیاں ہیں (اے رسول!) ایمانداروں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کے وقائع کی پروا نہیں کرتے ان کو معاف کریں ان لوگوں کو جو کچھ کیا کرتے تھے اس کا آپ بدلہ دے گا جو کوئی نیک کام کرتا ہے اپنے ہی لیے کرتا ہے اور جو کوئی برا کرتا ہے تو اپنے سر پر وبال لیتا ہے پھر تم کو تو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔

ترکیب: جمیعا حال من مافی السماوات الخ وتا کید لہ ومنہ متعلق بمحذوف ای کائنا منہ او بسخر اوحال من مافی السماوات او خبر لمبتدء محذوف لتجری اللام متعلقہ بیغفروا وقری لنجزی بالنون۔

تفسیر...... دریا کا مسخر ہونا: پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان کرتا ہے اور عرب کے روزمرہ کی بات میں اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے تا کہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاویں فقال اللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے دریا کو بس میں کر دیا کہ اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور روزی تلاش کرتے ہیں تا کہ تم شکر کرو۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے دریا میں کہ سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے ہواؤں کے ذریعہ سے لاکھوں من بوجھ لے کر پانی عمیق پر سے گزرتے ہیں اور ہوا بھی وہ شے ہے کہ اگر مخالف ہو جاوے تو یہی ہلاک کرنے کو بس ہے اب وہ کون ہے کہ جس کے بس میں کرۂ ماء اور کرۂ ہوا ہے؟

ہر چیز کا مسخر ہونا: وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ اس پر کیا موقوف ہے جس قدر چیزیں آسمان وزمین میں ہیں آفتاب' ستارے' بارش' آندھی' حجر' شجر' حیوانات سب تمہارے لیے بس میں کر دیے اور کام پر لگا رکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب چیزوں سے تم کو فوائد حاصل ہیں اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کو اگر صرف ایک روٹی بہم پہنچنے کے سامانوں کو غور کیا جائے تو بیساختہ بول اٹھے کہ یہ سب کاری گری اسی قادر مختار کی ہے۔ ان دلائل سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لاشریک لہ ہونا اور محسن ومربی ہونا کمال درجہ پر ثابت ہو گیا اور اس کا حلم بھی ظاہر ہوا کہ بندوں کی سرکشیاں دیکھتا ہے اور ایسا قادر ہے مگر پھر بھی درگزر کرتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمانداروں سے کہہ دے وہ بھی حلم ومغفرت کی عادت سیکھیں اور ان لوگوں سے جو اللہ کے وقائع کے قائل نہیں اور اس کے مصائب سے نہیں ڈرتے جو اعداءِ دین پر نازل ہوئی تھیں ان سب کو وہ جھوٹ جانتے ہیں اور ایمانداروں سے سختی سے پیش آتے ہیں' سخت کلامی بدگوئی' بدمزاجی' بدمعاملگی' دست درازی مومنوں پر کرتے ہیں' درگزر کریں انتقام کے درپے نہ ہوا کریں۔ کفار مکہ مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے مسلمان بھی انہیں کے ملک اور انہیں کے قوم کے لوگ تھے غصہ آتا تھا کہ ان سے لڑمریں ماریں مرجاویں مگر صبر کرنے کا حکم ہوا۔ یہ مسئلہ جہاد کے مخالف نہیں ہے کس لیے کہ جہاد تنہا اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مجموعی طاقتِ اسلامیہ کا فعل ہے جو اس کے موقع پر بضرورت عمل میں لائی جاتی ہے۔

لیجزی معاف کریں تا کہ اللہ خود اس قوم کفار کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اگر تم نے آپ بدلہ لے لیا تو پھر خدا نہیں لے گا۔ تم صبر کرو تمہاری طرف سے وہ بدلہ لے گا۔ قوما سے بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان مراد ہیں تب یہ معنی ہوئے اے ایماندارو! معاف کیا کرو تا کہ اللہ ایک قوم یعنی ایمانداروں کو ان کے اعمال کا نیک بدلہ دے منجملہ ان کے اعمالِ حسنہ کے یہ معاف کرتا ہے۔ اور معاف کرنا اس لیے چاہیے کہ من عمل صالحا فلنفسہ الخ جو کوئی نیک کام کرے گا اس کا آپ عمدہ پھل پاوے گا اور جو کوئی بدی کرتا ہے اپنے سر پر بوجھ دھرتا ہے پھر تم کیوں ان کی بدی سے ڈرتے ہو اور کس لیے ان سے الجھتے ہو جہاں نیک بات کہنے اور بدی سے منع کرنے میں فتنہ وفساد ہو وہاں سکوت کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ یہ آیت اس طرف ایماء کر رہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ اِنَّ

رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾ إِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظّٰلِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُونَ ﴿۲۰﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۲۱﴾ ع

اورالبتہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی تھی اوران کو پاکیزہ چیزوں سے روزی بھی دی تھی اوران کو دنیا پر بزرگی بھی دی تھی اوران کو دین کے کھلے (کھلے) احکام بھی دیے ان پر انہوں نے اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد صرف آپ کی ضد سے۔ بے شک آپ کا رب ان میں قیامت کے دن فیصلہ کردے گا جن چیزوں میں کہ وہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے پھر تجھ کو دین کے رستہ پر قائم کیا پھر آپ اسی پر چلئے اور نادانوں کی خواہشوں پر نہ چلئے کیونکہ وہ اللہ کے سامنے آپ کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور ظالم آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوا کرتے ہیں اور اللہ تو پرہیزگاروں کا رفیق ہے۔ یہ لوگوں کے لیے بصیرت اور ہدایت ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے رحمت کیا گناہ کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ان کو ایمان داروں نیک کام کرنے والوں کے برابر کردیں گے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے وہ بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

ترکیب : ام منقطعۃ بمعنی بل مع الانکار۔ قبل الانتقال من البیان الاول الی الثانی والھمزۃ لانکار الحسبان۔ والاجتراح الاکتساب ومنہ الجوارح ان نجعلھم الجملۃ بتاویل المصدر مفعول لحسب کالذین مفعول ثان لنجعل۔ سواء بالنصب ھو حال من الضمیر المستتر فی قولہ کالذین آمنوا او انہ مفعول ثان لحسب وقرء بالرفع فمحیاھم مبتداء ومماتھم معطوف علیہ وسواء خبر مقدم۔ وقیل رفع مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ بسواء لانہ بمعنی مستوٍ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا اَللّٰهُ الَّذِىْ سَخَّرَ کہ اللہ نے تم پر یہ یہ احسانات کئے اس کے بعد دینی احسانات کا تذکرہ کرتا ہے اور سب سے اول بنی اسرائیل کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو کتاب توریت دی تھی یا عام ہے اور کتب انبیاء بھی مراد ہوں اور حکومت بھی اس کے نافذ کرنے کے لیے عطا کی تھی اور نبوت کا سلسلہ بھی ان میں قائم کیا کہ یکے بعد دیگرے بہت سے نبی ان میں پیدا ہوئے اور دنیا کی بھی ان کو فراخ دستی عطا کی اور فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ان کو اس عہد کے سب لوگوں پر عزت و بزرگی بھی دی تھی۔ اور بینات امر بھی عطا کئے تھے یعنی معجزات و کرامات اکثر لوگ ان میں ایسے ہوتے تھے کہ مستجاب الدعوات تھے اور ان کی بزرگی و خدا پرستی کی دلیلیں ان کے کشف و کرامات ہوتے تھے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حلال و حرام طہارت و نجاست کے صاف صاف احکام و دستورات ہیں۔ بعض کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبریں۔ یہ بھی بنی اسرائیل کے علماء کو دی گئی تھیں جن سے ان کو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کا انتظار تھا۔ خیر یہ سب کچھ تو دیا مگر پھر بنی اسرائیل کی ناشکری دیکھئے فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ جان بوجھ کر آپس میں اختلاف ڈال دیا، بہت

سے فرقے بن گئے۔ سلطنت کے بھی کئی ٹکڑے ہو گئے اور یہ کیوں کیا بَغْیًا بَیْنَهُمْ محض باہمی سرکشی و عداوت سے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام نعمتیں ان سے چھینی گئیں اور ان کے جرم کی سزا اور اختلافی امور کا فیصلہ آخرت میں ہوگا اور یہ نعمت اے محمد ﷺ تجھے عطا ہوئی کما قال ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ کہ جب ان میں اختلاف پڑا اور وہ دینی نعمت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور دنیا ظلمات و جہالت سے بھر گئی تو اس محسن قدیم نے اے محمد ﷺ تجھے مبعوث کیا اور تجھ کو شریعت دی گئی سوائے کفار و مشرکین اے اہلِ کتاب آنحضرت ﷺ کی نبوت کوئی نئی بات نہیں پھر کیوں تعجب کرتے ہو؟

پھر آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے فَاتَّبِعْهَا آپ اس شریعت کا اتباع کیجئے ان نادانوں کی خواہشوں کو نہ دیکھئے جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ تیرے کچھ کام نہ آویں گے اللہ کے مقابلے میں۔ ہاں یوں یہ ستمگار آپس میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں ہوا کریں۔ اللہ پرہیزگاروں کا رفیق و مددگار ہے۔ یہ قرآن ایمان والوں کے لیے بینائی و ہدایت و رحمت ہے۔ سبحان اللہ مسئلہ نبوت کو کس عمدہ اسلوب سے ثابت کیا اور کس موقعہ پر کلام کو تمام کیا۔ اس کے بعد بدی کر کے اس پر دلیری کرنے والوں کو تنبیہ کرتا ہے ام حسبوا الخ کہ کیا بدی کرنے والے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم ان کو دنیا و دین میں نیکوں کے برابر کر دیں گے کہتے ہیں صاحب جب یہ بخشے جاویں گے تو ہم کیا جنت سے پیچھے رہ جائیں گے یہ ہرگز نہ ہوگا سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ کیا ان کی اور ان کی حیات و موت برابر ہے؟ نہیں نیکوں کی حیات بھی عمدہ موت بھی بہتر بدوں کی دونوں خراب۔ ابن عباس ؓ یا یہ معنی کہ گو زندگی میں تو ایمانداروں کے برابر ہیں رزق میں تندرستی میں پھر کیا موت میں بھی برابر ہو جاویں گے۔ موت و حیات دونوں میں برابر ہونگے؟ نہیں یا یہ کہو کہ بدوں کی موت و حیات دونوں یکساں ہیں نہ اس جہان میں خیر نہ وہاں خیر اور مومنوں کی دونوں برابر ہیں یہاں بھی خیر وہاں بھی خیر۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع ۳

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا اور تاکہ ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا بدلہ ملے اور ان پر ظلم نہ ہوگا بھلا تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جو اپنی خواہش کا

بندہ بن گیا اور اللہ نے باوجود سمجھ کے اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا پھر اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کرتا ہے حالانکہ ان کو اس کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو کہہ دو اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر وہی تم سب کو قیامت میں جمع کرے گا جس میں کچھ بھی شبہ نہیں لیکن اکثر آدمی جانتے ہی نہیں۔

تفسیر : جبکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ کافر و مومن درجاتِ سعادت میں برابر نہیں تو اس کے اب دلائل بیان فرماتا ہے: فقال وَ خَلَقَ اللّٰهُ الخ یہ اول دلیل ہے کہ اللہ نے آسمانوں و زمین کو برحق بنایا اگر نیک و بد برابر ہو جائیں تو یہ انتظام عالم درہم برہم ہو جاوے (۲) وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ الخ اس کا عطف بالحق پر ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق ظاہر کرنے کے لیے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے ظلم نہ ہو یعنی مقصود اس عالم کے پیدا کرنے سے عدل و رحمت کا ظاہر کرنا ہے اور یہ جب ہی پورا ہوگا کہ قیامت برپا ہو اور وہاں نیک و بد کا پورا انصاف ہو کر پوری جزاء و سزا دی جاوے۔ (۳) اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ یہاں کلام کا دوسرا طرز پلٹ دیا اور استفہامِ انکاری کے طور سے پوچھتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب! تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو معبود بنا رکھا ہے خواہش کے بندے ہیں جو وہ حکم دیتی ہے اسی کے بجالانے پر کمربستہ ہیں۔ یعنی بد اور نیک کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ بد نے خواہشِ نفسانی کے آگے سر جھکا رکھا ہے نیک و مومن نے اپنے اللہ کے آگے۔ (۴) وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اس کا عطف اتخذ پر ہے کہ اس کو بھی دیکھا کہ جس کو اللہ نے علم سے گمراہ کر دیا۔ یعنی بدخو ہے تو ازلی گمراہ ہے عَلٰى عِلْمٍ یعنی اللہ جانتا تھا کہ اس کی روح صلاحیت قبول نہیں کر سکتی۔ واضح ہو کہ ارواحِ بشریہ مختلف ہیں بعض نورانی علوی ہیں اور بعض مکدر ظلمانی سفلی ہیں جن کو لذائذِ جسمانیہ و شہواتِ نفسانیہ کی طرف بڑا سخت میلان ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ویسا ہی کرتا ہے جو اس کی ماہیت و جوہر کے لائق ہو۔ پس عَلٰى عِلْمٍ کے یہ معنی ہوئے۔ اور اسی کی تائید ہے اس جملہ میں وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ الخ کہ اللہ نے اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا یہ اس کے پردے ہیولانے و حجاباتِ ظلمانی ہیں پھر اس کو حق کیونکر دکھائی دے کیونکر سنائی دے کیونکر دل میں جمے۔ ایسے کو کون ہدایت کر سکتا ہے اللہ کے بعد یعنی اس کے گمراہ کرنے کے بعد مطلب یہ کہ کافر و بدکار کی ذات و اصالت میں قصور ہے برخلاف مومن صالح کے کہ اس کی ذات یعنی جوہرِ روح میں نورانیت رکھی ہوئی ہے پھر دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ یہ خدا کے گمراہ کردہ ہیں آنحضرت ﷺ سے ہدایت پر نہ آنا آنحضرت ﷺ کی منقصت ثابت نہیں کرتا۔ عَلٰى عِلْمٍ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودیکہ اس کافر و بد کو سمجھ بوجھ دی نیک و بد میں امتیاز کرنے کا ملکہ دیا مگر اس نے سب کو بیکار کر دیا بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کے۔ (۵) وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا الخ یعنی مہر کرنے کا یہ اثر ہوا کہ دارِ آخرت کو بھول گئے اسی چند روزہ زندگی پر پھول گئے کہ صرف یہی زندگی ہے یہی ایک مرنا جینا ہے۔ اور خدا کو بھی بھول گئے وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ اور کہہ دیا کہ ہم کو صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے خدا کوئی نہیں گردشِ ایام سے قوائے بدنیہ تحلیل ہوتے ہوتے اس مرتبہ ہو جاتے ہیں کہ ایک روز اس کا چراغِ حیات گل ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے یہ حمقاء دہر کو نہیں جانتے عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں درصل ان گردشِ ایام کا مالک اللہ ہے اسباب پر نظر ہے مسبب الاسباب پر نہیں۔ (۶) وَاِذَا تُتْلٰى الخ اور یہاں تک ان پر خباثت غالب آئی ہے کہ جب ان کو اللہ کی کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو حشر کے بارہ میں یہ حجت کرتے ہیں کہ ہمارے مرے باپ دادا کو لے آؤ تو جانیں۔ فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ کہ کہہ دے اللہ تم کو زندہ رکھتا ہے وہی موت دے گا پھر وہی قیامت میں سب کو جمع کرے گا لیکن اکثر کو خبر نہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو ہے اور جس روز کہ قیامت برپا ہوگی اس دن جھٹلانے والے تباہ ہوں گے اور ہر فرقے کو گھٹنوں پر سر ڈالے ہوئے دیکھے گا ہر ایک جماعت کو ان کے دفتر کی طرف بلایا جاوے گا (کہیں گے) آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہمارا دفتر تم پر سچ سچ بول رہا ہے کیونکہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کو ہم لکھ لیا کرتے تھے پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے پس ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہ ہے صریح کامیابی اور وہ کہ جنہوں نے کفر کیا (ان کو کہا جائے گا) کہ کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی جایا کرتی تھیں پھر تم نے غرور کیا اور تم نافرمان لوگ تھے اور جبکہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شبہ نہیں تو تم کہہ دیا کرتے تھے ہم نہیں جانتے کیا چیز ہے قیامت ہم تو اس کو صرف خیالی بات جانتے ہیں اور ہم کو یقین نہیں اور ان پر ان کے اعمال کی برائی ظاہر ہو جاوے گی اور ان پر وہ آفت آ پڑے گی کہ جس سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

ترکیب : یوم ظرف والعامل فیہ یَخْسَرُ یومئذ بدل منہ وقیل العامل الملک ینطق منصوب محلا علی الحال او مرفوع علے انہ خبر آخر لھذہ الساعۃ قرء بالرفع علی معنی وقیل الساعۃ لا ریب فیھا بالنصب عطفا علی وعد اللہ۔ جواب اما محذوف تقدیرہ واما الذین کفروا فیقال لھم۔

تفسیر : کفار کے عقائدِ فاسدہ کے ذکر میں بیان ہوا تھا کہ وہ حشر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دکھاؤ۔ اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ کہہ دیجئے اللہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور وہ حشر کے دن جمع کرے گا۔ اب امکانِ حشر اور اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے فقال وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ کہ اللہ کے قبضہ میں آسمان و زمین ہیں یعنی وہ اتنی بڑی چیزوں پر قادر ہے پھر انسان کو مرنے کے بعد زندہ کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہے۔ الغرض وہ قادرِ مطلق ہے۔ یہ امکانِ حشر کی دلیل تھی۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ سے لے کر آخر تک اس کے واقع ہونے کا بیان ہے اور اس کے ضمن میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس روز کیا ہوگا؟ وہ یہ کہ اس روز مبطل یعنی حق کو جھوٹا کہنے والے اور جھوٹ سمجھنے والے یا اپنی سعادت کے حصہ کو باطل و غلط کرنے والے۔ الغرض بد اور ناکارہ لوگ خسارہ پاویں گے عمرِ گرانمایہ لے کر جو دنیا میں جنسِ سعادت خریدنے آئے تھے اس کو بری چیزوں کے خریدنے میں برباد کر دیا۔ اب مالک کے

سامنے جو حساب ہوا تو معلوم ہوا کہ خسارہ میں پڑے۔ اور اس دن ہر گروہ ادب سے تختِ رب العزت کے سامنے سرنگوں یا گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا۔ لیث کہتے ہیں الجثو الجلوس علی الرکب کما یجثی بین یدی الحاکم۔ مورج کہتے ہیں کہ اس کے معنی زبانِ قریش میں خاضعۃ کے ہیں یعنی باادب۔ اور ہر ایک گروہ کو ان کے نامۂ اعمال دینے کو بلایا جاوے گا بعض کہتے ہیں کتاب منزل کی طرف بلائیں گے کہ مقابلہ کیا جاوے اس کے موافق عمل کیا تھا یا مخالف۔ مطلب یہ کہ حساب شروع ہوگا دفترِ الٰہی ہر بات سچ سچ کہہ دے گا کیونکہ جو تم اے بندو! کرتے تھے اس کو ہم اس میں لکھ لیتے تھے یعنی وہ عالمِ مثال میں منقش ہو جاتا تھا یعنی اس کا چھاپا چھپ جاتا تھا سو وہ یہ دفتر ہے پس نیک جنت میں آرام پاویں گے جو رحمتِ الٰہی ہے یعنی اس کی رحمت کا مظہر ہے۔ اس جملہ میں لفظ رحمت نے جنت کی حقیقت بھی بیان کر دی کہ وہ مظہرِ رحمت ہے دنیاوی باغ نہیں ہے۔ اور جو بد ہوں گے یعنی کافروں سے کہا جاوے گا کیا تم کو آیاتِ الٰہی نہیں سنائی جایا کرتی تھیں مگر تم نے سرکشی کی اور تم بڑے مجرم تھے۔ اور جب تم سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت بلاشک آوے گی تو تم اے کافرو! یہی کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کو یقین نہیں ہاں ایک وہم سا ہے۔ کفار کے اس بارے میں دو فریق تھے بعض تو صریح انکار کرتے تھے جن کا پہلی آیتوں میں ذکر ہوا بقولہ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا اور بعض کو شک و تردد تھا جن کا اس جگہ ذکر ہے اس کے بعد ان کا انجام بتلاتا ہے فقال وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ کہ ان کے اعمالِ بد کی برائی ان کے سامنے ظاہر ہو کر آوے گی عذاب کی شکل میں اور جس سے وہ دنیا میں تمسخر کیا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا یعنی عذاب۔

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا
لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذَٰلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلَّهِ
الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ
فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

ع

اور کہا جائے گا آج کے دن ہم تم کو فراموش کریں گے جیسا کہ تم نے اپنے آج کے دن کے ملنے کو فراموش کر دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور تمہارا کوئی بھی مدد کرنے والا نہیں۔ یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی میں اڑایا تھا اور تم کو دھوکے میں ڈال دیا تھا دنیا کی زندگی نے۔ پھر آج نہ وہ یہاں سے نکل سکیں گے اور نہ ان کا عذر قبول ہوگا۔ پس اللہ ہی کو سب خوبی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب جہان کا رب ہے۔ اور اسی کی عزت ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب : اضاف اللقاء الی الیوم توسعالانہ اضاف الی الشیء ماھو واقع فیہ کمکر اللیل کما قد مر اعرابہ فی اکثر المواضع و ماواکم الجملۃ معطوفۃ علی الیوم الخ وکذا لا ھم یُسْتَعْتَبُوْنَ ای لا یطلب منھم العتبی وھو الرجوع الی طاعۃ اللہ۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ ان کے اعمال کی برائی جو ان پر پڑے گی منجملہ اس کے ایک یہ بات ہوگی کہ جہنم میں ڈال کر ان سے یہ عتاب آمیز کلام کیا جاوے گا جس سے ابدی مایوسی ٹپکتی ہے اور جو کچھ آس تھی وہ بھی ٹوٹ جاوے گی۔ تین جملے بیان ہوئے۔ اول اَلْيَوْمَ نَنسَاكُمْ کہ آج ہم تم کو بھول جاویں گے یعنی بمنزلہ بھولے ہوئے کے کر دیں گے سخت بے پروائی کریں گے۔ جیسا کہ تم آج کے دن کے سامان اور اس کے پیش آنے سے غافل و بیخبر و بے پروا ہو گئے تھے۔ نسیان سے وہ ذات مقدس پاک ہے ایسے الفاظ کا اس کی نسبت استعمال

مجازاً ہے جیسا کہ متعدد مقامات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ (دوم) وَمَأْوٰكُمُ النَّارُ اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔(سوم) وَمَالَكُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ تمہارا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا کہ تم کو اس بلا سے چھڑائے۔

اس کے بعد ان کے تین جرم بھی بیان ہوتے ہیں جن پر ان کو یہ سزا ملی۔اول دینِ حق کا انکار اور پھر اس پر اصرار دوم اس سے تمسخر اور ٹھٹھا کرنا ان دونوں جرموں کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتَ اللّٰهِ هُزُوًا۔ سوم حبِّ دنیا میں ڈوب جانا اور آخرت سے مطلقاً غافل ہو جانا۔اس جہانِ فانی کی زینت اور لذات میں ایسا مبتلا ہونا کہ انہیں باقی سمجھ لینا اور ان کے مقابلہ میں دوسرے عالم کی پروا تو کیا اس سے منکر ہو جانا۔یہ ہے دنیا کا دھوکا جس میں لاکھوں مبتلا ہیں۔بوڑھے ہو گئے ہیں سفر درپیش ہے اور ایسا کہ پھر کر یہاں کبھی نہیں آنا مگر دنیاوی مال و جاہ اور اس کے فراہم کرنے میں ایسے بے ہوش ہیں کہ آگے کی کچھ بھی خبر نہیں رہی کیا خوب کہا ہے کسی دانا نے۔ ؎

بدنیا دل نہ بندد ہر کہ مرد است — کہ ایں دنیا سراپا رنج و درد است
برو بارے بگورستاں گزر کن — کہ ایں دنیا حریفاں راچہ کرد است

سو یہ بڑا جرم ہے اس کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کہ تم کو حیاتِ دنیا نے فریب میں ڈال رکھا تھا۔ان کے بعد سزا کو تمام کرتا ہے فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا کہ آج اس جہنم سے چھٹکارا انہیں نہ کوئی عذر قبول ہوگا۔ان مباحثِ روحانیہ کو ذکر کر کے سورۃ کو حمدِ باری پر تمام کرتا ہے فقال فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ کہ اللہ کو سب ستائش اور خوبیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب یعنی خالق اور پرورش کرنے والا ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے عزت و بڑائی ہے اور وہ زبردست بھی ہے حکمت والا بھی ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت ازار پھر جو کوئی میرے مقابلہ میں ان کا طالب ہوگا ان کو میں جہنم میں ڈال دوں گا۔رواہ مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

مر اورا رسد کبریاء و منی
کہ ملکش قدیم است و دانش غنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ

غٰفِلُوْنَ ۞ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۞

(یہ) کتاب اللہ زبردست' حکمت والے کی طرف سے اتری ہے ہم نے آسمانوں اور زمین کو ان کے اندر کی چیزوں کو درستی سے اور ایک وقتِ معین تک ہی بنایا ہے اور منکروں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے ان سے منہ پھیر لیتے ہیں تو کہہ دو بھلا بتاؤ سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ زمین میں انہوں نے کونسی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یا کوئی علم چلا آتا ہو وہ لاؤ اگر تم سچے ہو اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے کہ جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا ہے کہ جو قیامت تک اس کے پکارنے کا جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو اور جب آدمی جمع کئے جاویں تو ان کے دشمن ہو جاویں اور ان کی عبادت کا انکار کریں۔

ترکیب :من قبل فی موضع جرای بکتاب منزل من قبل ھذا۔ الا بالحق استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای الا خلقا متلبسا بالحق۔ واجل مسمی عطف علی الحق بتقدیر مضاف ای بتقدیر اجل مسمی او اثارۃ مجرور عطفا علی کتاب و من فی موضع نصب بیدعوا وھی نکرۃ موصوفۃ او بمعنی الذی۔

تفسیر :احقاف ملکِ یمن میں ایک وادی ہے جہاں قومِ عاد رہا کرتی تھی۔ یہ حقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ریتے کا ٹیلا۔ اس وادی میں ریتے کے بہت ٹیلے ہیں زیادہ تحقیق جغرافیۂ عرب میں بیان ہوتی ہے۔ اس بڑے حادثہ کا ذکر اس سورہ میں تھا اس لیے اس کو سورہ احقاف کہنے لگے۔ یہ سورہ بھی باتفاقِ جمہور مکہ میں نازل ہوئی تھی سرکش قریش کو قومِ عاد کی حالت بتا کر خوف دلانے کے لیے۔

حم کے معنی بیان کر آئے ہیں اس سورہ میں بھی انہیں چاروں اصولِ ملیہ سے بحث ہے مگر ہر جگہ نئے عنوان اور نئے پیرائے سے اور اسی لیے یہ مضامین قرآن مجید میں مکرر واقع ہوئے کیونکہ یہ باتیں بڑی ہیں ان کو مختلف عنوان سے بیان کرنا چاہیے تا کہ ناظر کے ذہن نشین ہو جاوے۔ وہ چار اصول یہ ہیں: (۱) اثباتِ نبوتِ آنحضرت ﷺ کس لیے کہ جب تک صدقِ قائل ثابت نہ ہوگا اس کی بات دل میں جگہ نہ پاوے گی۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اثبات قرآنِ مجید کے آسمانی کتاب ہونے سے کیا تا کہ اس کتاب کی بھی وقعت ثابت ہو جاوے اور درحقیقت قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی معجزہ یا سند آنحضرت ﷺ کی نبوت کے لیے نہیں ہوسکتی اس لیے سب سے اول اسی اصل کا ذکر کرتا ہے فقال تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کہ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ عزیز وحکیم کے لفظوں میں اس کی صداقت کے لیے دو گواہِ عدل بٹھا رکھے ہیں اول عزیز جس سے شوکت وحکومتِ شاہانہ کی طرف ہے اگر بغور دیکھیے تو تمام قرآنِ مجید کا طرزِ کلام یہ گواہی دے گا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دوسرا گواہ حکیم کہ جو کچھ اس میں حکمتیں اور مصالح عباد ہیں اور مشرق ومغرب شمال وجنوب کے طبائع مختلفہ کے لیے یکساں نافع ہیں۔ کلام کی شان کہہ دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے؟

(۲) اثباتِ صانعِ عالم یعنی اس جہان کے بنانے والے کا ثبوت اس جہان کی حالت ہی کو گواہ بنا کر اور اس کے صفاتِ کاملہ کا ثبوت یہ بھی بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ اس کو کن سہل لفظوں میں اور سہل طریقے سے بیان فرماتا ہے مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کو بنایا ہے ہمیں ان سب کے خالق ہیں اور کوئی نہیں اور اثبات کی دو دلیل ہیں: اول کہ اگر یہ بڑے بڑے کرے اور ان کے اندر کی یہ چیزیں از خود ہوتیں تو ان میں یہ حق یعنی موزونیت نہ ہوتی اور باوجود گردش کے اب تک کئی بار ٹکرا گئے ہوتے۔ (دوم) اجل مسمّٰی کہ یہ چیزیں ابدی نہیں بلکہ ان کی ایک عمر طبعی رکھی ہوئی ہے اس کے بعد یہ فنا ہو جاویں گے یہ بات اطوار واوضاعِ عالم میں نظر کرنے سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ (۳) توحید بت پرستی کی قباحت اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے قل ارایتم الخ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں ان سے پوچھا انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ اب اگر کوئی دلیل نقلی رکھتے ہو تو کسی نبی کی کتاب یا ان سے کوئی

روایت ہے وہ بیان کرو۔ اثارۃ[1] کے یہ معنی ہیں پھر فرماتا ہے اس سے گمراہ زیادہ کون ہے جو ایسی بیکار چیز کو پکارے کہ جو حشر تک اس کی بات کا جواب نہ دے اور نہ سن سکے یعنی بت اور جو ارواحِ طیبات ملائکہ وغیرہ کو پکارتے ہیں تو وہ الٹے ان کے دشمن ہو جاویں گے اور انکار کریں گے کہ ہم کو نہیں پکارتے تھے بلکہ شیاطین کو۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ كَفٰی بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو منکر سچی بات کو جبکہ ان کے پاس آئی کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو از خود بنا لیا ہے ان سے کہہ دو اگر میں نے اس کو از خود بنا لیا ہے تو تم اللہ کے مقابلہ میں میرا کچھ بھلا نہیں کر سکتے وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم پڑے ہو۔ اس کی گواہی بس ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وہ غفور رحیم ہے۔ تم کہہ دو میں کچھ انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور مجھے کیا خبر کہ مجھ سے کیا کیا جاوے گا اور تم سے کیا۔ میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میری طرف بھیجا جاتا ہے میں جو ہوں صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ کہہ دو بتاؤ تو سہی اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوئی اور تم اس کے منکر ہو چکے اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایک ایسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان بھی لے آیا اور تم اکڑتے ہی رہے بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر: پہلی بات کا پھر اعادہ کرتا ہے یعنی مسئلۂ نبوت کا۔ کس لیے کہ عرب میں سینکڑوں برس سے کوئی نبی نہیں آیا تھا بلکہ اس سے ان کے کان بھی آشنا نہ تھے۔ ہاں اہل کتاب سے کبھی کچھ انبیاء کا ذکر سنا کرتے تھے اس لیے ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں بڑا شک و تردد تھا اور ہم کہہ چکے ہیں کہ باقی باتوں کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے طبائعِ عامہ کے نزدیک۔ پس اس کے قوی کرنے کو پھر اس میں کلام کرتا ہے فقال وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ الخ کہ ان جہال کا عجب حال ہے کہ جب ان کو ہماری آیتیں کھلی کھلی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہہ دیتے ہیں۔ یہ تو صاف جادو ہے۔ عرب میں اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر چیز کو سحر کہتے تھے چونکہ قرآن مجید کی خوبیاں جو اہلِ زبان ہونے کے سبب ان کے اذہان میں آئیں اس کو اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر سمجھ کر خدا کی طرف تو منسوب نہ کیا بلکہ جادو کہہ

[1] ابو عبیدہ و زجاج کہتے ہیں اس کے معنی ہیں من علم ای بقیۃ معنی باقی بچی ہوئی چیز اس کی تفسیر میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس کے معنی بقیہ کے ہیں اثیرہ اثارہ بقیہ۔ دوم اثر بمعنی روایت۔ سوم اثر بمعنی علامۃ ۔۱۲ منہ

دیا۔ آنحضرت ﷺ سے بطورِ انکار و تعجب کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طبیعت سے بنالیا ہے؟ کہہ دے اگر میں نے ایسا کیا ہے تو ضرور ایسے شخص پر ہلاکت نازل ہوتی ہے جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں مذکور ہے کہ جو کوئی نبی خدا کی طرف وہ بات منسوب کرے کہ جو اس نے نہیں کہی وہ قتل کیا جائے گا۔ اور عقل بھی چاہتی ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو نظامِ ملی میں فرق آجائے۔ پس مجھ کو اللہ کے عذاب سے کون بچا سکے یعنی اگر میں جھوٹا ہوتا تو سرسبز نہ ہوتا آسمانی بلا مجھ پر آتی۔ پس معلوم ہوا کہ تم جھوٹے ہو جھوٹی باتیں بناتے ہو وہ اللہ سے مخفی نہیں میرے تمہارے درمیان اس کی گواہی بس ہے۔

پھر ان کے تعجب کو دفع کرتا ہے فقال قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہ ان سے کہہ دے میں کوئی نیا یا انوکھا رسول نہیں ہوں جو مجھ سے بار بار معجزات طلب کرتے ہو اور میرے حوائجِ بشریہ پر طعن کرتے ہو کہ رسول ہو کر کھانا کھاتا ہے بازاروں میں خرید و فروخت کو جاتا ہے اس لیے اوصافِ بشریت بیان کرتا ہے کہ کیسا ہی اولوالعزم نبی کیوں نہ ہو ان سے الگ نہیں ہو سکتا۔ فقال وَمَا اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ آیت کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے مگر صاف معنی یہ ہیں کہ دنیا میں حوادث پیش آنے والوں کی بابت کہ کل میرے ساتھ کیا ہوگا بیماری تندرستی وغیر ذلک اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا مجھے کیا معلوم ہے؟ یہی مضمون ایک جگہ یوں آیا ہے وماتدری نفس ماذاتکسب غدًا کہ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا؟ ان امور میں آنحضرت ﷺ اسی قدر کے غیب داں تھے جس قدر کہ آپ کو بتلایا گیا اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے اور کفار کے امورِ اُخروی میں لاعلمی تھی اپنے مطیعون کا جنتی مخالفوں کا جہنمی ہونا معلوم تھا۔ اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اعتراض کیا ہے بڑی غلطی کی ہے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَیَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ کہ میں صرف وحی کا متبع اور ڈر سنانے والا ہوں خدا نہیں ہوں نہ فرشتہ ہوں۔ اس کے بعد مسئلہ نبوت کو اور دوسری طرح سے بیان فرماتا ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ کہ قریش مکہ ذرا اس بات کو تو سوچو کہ اگر یہ منجانب اللہ ہو (جو ہے مگر اس طرح سے گفتگو علی سبیل الزام ہوا کرتی ہے) اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس پر گواہی دی تو بتاؤ تمہارا کیا درجہ ہوگا؟ کیونکہ اس کے باطل ہونے پر بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ شاہد کا بیان شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ کے معنی میں علماء کے دو قول ہیں جمہور کا یہ قول ہے کہ اس گواہ سے مراد کہ جس نے گواہی اس پر دی (کیونکہ مثل کا لفظ زائد ہے اس سے مراد وہی شے ہے جبکہ کہتے ہیں مثلک لاتبخل مراد یہ کہ تم بخل نہیں کرتے) وہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جو کتبِ سابقہ میں آنحضرت ﷺ کی پیشین خبری دیکھ کر ایمان لائے۔ یہی حسن و مجاہد و قتادہ و عکرمہ وغیرہ کا قول ہے اور صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ جو سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور ترمذی و ابن جریر و ابن مردویہ نے بھی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن شعبی و مسروق اور ایک جماعت کہتی ہے۔ کوئی اور شاہد ہے نہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کس لیے کہ سورہ مکیہ ہے اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات سے کل دو برس پیشتر ایمان لائے تھے نزولِ سورہ کے وقت انہوں نے شہادت نہیں دی تھی۔ اس کے لیے دو جواب دیے گئے ہیں اول یہ کہ اس سورہ میں صرف یہ آیت مدنیہ ہے دوم یہ کہ گو تمام سورہ مکیہ ہے تب بھی یہ اعتراض نہیں وارد ہو سکتا کس لیے کہ شہد کا عطف کان پر ہے جو کل خبر شرط میں داخل ہے اس صورت میں ماضی بھی مستقبل کے معنی میں ہو جاتی ہے یعنی اگر یہ کتاب منجانب اللہ ہے اور کوئی بنی اسرائیل کا شاہد بھی اس کی شہادت دے اور حال یہ کہ تم انکار کر چکے پھر کہو تمہارا کیا درجہ ہو؟ پس گو اس وقت تک عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے شہادت نہ دی تھی مگر اس پیشین گوئی کے مطابق بعد میں ادا کی صدق اللہ العلی

العظیم۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں میرے نزدیک شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں[1] اور تنوین تعظیم کے لیے ہے اور آپ نے توریت میں مثل ہونے کی شہادت دی ہے جیسا کہ توریت سفر استثنا کے اٹھارہویں باب میں ہے۔ اور خداوند نے مجھے کہا۔ ۱۸۔ میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) ان کے بھائیوں میں سے بنی اسماعیل میں سے جو بنی اسرائیل کے بھائی اور ہم جدی ہیں۔ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا لکھی ہوئی کتاب اس کے پاس نہ آوے گی بلکہ الہام کے طور سے خدا اس کے دل پر نازل کرے گا بواسطہ جبرئیل اور اپنے مونہہ سے آپ اس کو ادا کریں گے چنانچہ خدا نے بنی اسرائیل میں سے موسیٰ کے مانند حضرت محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ اے بنی اسماعیل موسیٰ علیہ السلام تو آپ کی شہادت دیں اور تم انکار کرو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور منکروں نے ایمان والوں سے کہا اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ اس پر ہم سے پہلے نہ دوڑ کر جاتے اور جب اس کو نہ پایا تو کہہ دیں گے یہ تو قدیم جھوٹ ہے اور اس سے آگے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب اس کو سچا کرنے والی ہے عربی زبان میں تا کہ ستمگاروں کو خبردار کرے اور نیکوں کو خوشخبری دے۔ بے شک وہ کہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو نہ ان کو کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے یہ لوگ بہشت والے ہیں اس میں سدا رہا کریں گے اس کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

ترکیب : من جار قبلہ مجرور الجار مع مجرورھا خبر مقدم و کتاب موسیٰ مبتدء و خبر والجملۃ محل النصب علی الحال او مستانفۃ۔ اِمَامًا وَّ رَحْمَةً قال الزجاج انھما حالان وقال الاخفش منصبان علی القطع وقال ابوعبیدۃ ای جعلناہ اماما ورحمۃ۔ لِسَانًا عَرَبِيًّا حال من الضمیر فی مصدق العائد الی کتاب اللہ و بشریٰ فی محل النصب عطف علی محل لتنذر لانہ مفعول بہ کذا قال الزمخشری و قیل مرفوع ای ھو بشری و قیل معطوف علی مصدق۔

تفسیر : قریش نے اس نالائقی پر یہ بھی کہہ دیا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ الخ کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور اس میں کچھ بہتری ہوتی تو کیا ہم سے پہلے یہ غریب لوگ اس کو قبول کرتے بلکہ سب سے پہلے ہم مانتے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ دنیا میں کامیاب ہونا دینی فضائل کا حاصل کر لینا ہے۔ مکہ میں سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے تھے منجملہ ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی بھی تھی ان کو اس بات پر مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر وہ دین سے باز نہ آتی تھی اس بات پر کفار قریش تمسخر کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن حق ہوتا تو سب سے پہلے ہم قبول

[1] مسروق کا بھی یہی قول ہے۔ ۱۲ منہ

کرتے کیا فلاں لونڈی ہم سے پہل کر جاتی ابن المنذر نے روایت کیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

اور ہم نے انسان کو تاکید سے حکم دیا کہ اپنے ماں باپ سے نیکی کیا کرے۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے یہاں تک کہ جب جوان ہوا اور چالیس برس کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں کہ جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کیا کروں جن سے تو خوش رہے اور میری اولاد کو میرے لیے ٹھیک کر دے میں تیری طرف رجوع ہوا۔ اور میں فرمانبرداروں میں ہوں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے عمدہ کام ہم قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں اہلِ بہشت سے ہوں گے یہ اس سچے وعدہ کے مطابق جوان سے کیا گیا تھا کہ وہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔

ترکیب : اِحْسَانًا انتصابہ علی المصدریۃ ای ان یحسن احسانا حتیٰ غایۃ لعاش اشد جمع شدۃ عند سیبویہ وقیل لا واحد لہ قال رب الخ جواب لاذا بلغ فی اصحاب الجنۃ الجار والمجر ور فی محل النصب علی الحال ای کائنا فی جملتھم وعد الصدق انتصابہ علی المصدر یہ ای وعدھم اللہ وعد الصدق۔

تفسیر : اس کے جواب میں فرماتا ہے وَاِذْلَمْ یَھْتَدُوْابِہٖ الخ یعنی جب ان کی سمجھ میں نہ آیا تو اس کو قدیمی[1] جھوٹ بتا دیا۔ اور قدیم کا جھوٹ بتانا بھی ان کا غلط ہے کس لیے کہ قدیم سے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی توریت جو رہنما و رحمت تھی اور تمہارے نزدیک بھی افک یعنی جھوٹ نہ تھی وَھٰذَا کِتَابٌ مُّصَدِّقٌ اور یہ کتاب یعنی قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے توحید و اصول شرائع و قصصِ انبیاء و امم سابقہ میں ایک دوسرے کے موافق ہے پھر یہ کیونکر جھوٹ ہوا ہاں یہ بات ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے تاکہ بدکاروں کو ان کے بدنتیجہ سے ڈراوے اور نیکوں کو خوشخبری دے۔ اس کے بعد نیکی کے چند اصول بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ کہ جس نے اللہ کی ربوبیت و توحید کا اقرار کیا اور پھر وہ اس پر قائم بھی رہا۔ اس ایک جملہ میں بہت سی باتیں آگئیں۔ پس ایسے لوگوں کے لیے نہ کچھ غم ہے نہ آیندہ رنج ہوگا یہ لوگ ہمیشہ جنت میں رہا کریں گے۔ یہ ہے وہ خوشخبری نیکوں کے لیے جن کے لیے قرآن آیا سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا بتایا اور اس کے ضمن میں اصول حسنات اور اس کے ثمرات بھی بیان کر دیے۔

اصولِ حسنات کا ذکر آ گیا تھا اور اس کی ایک قسم یعنی حقوق اللہ کی بجا آوری بیان ہو چکی۔ بقولہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ تو مناسب ہوا

[1] یعنی ہمیشہ سے لوگ ایسی باتیں بناتے آئے ہیں۔ ۱۲ منہ

کہ اس کی دوسری قسم بھی بیان ہو یعنی حقوق العباد تاکہ اس بیان کی تکمیل ہو جاوے اس لیے حقوق العباد میں سے جو سب سے زیادہ مؤکد تھے ان کو ذکر کرتا ہے۔ فقال وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ الخ کہ ہم نے انسان کو تاکید[1] حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔ نیکی کی تشریح نہیں کی بلکہ اس کو عرف پر چھوڑ دیا جو عرف میں نیکی سمجھی جاتی ہے کھانا کھلانا کپڑا پہنانا وغیرہ پھر اس کی طبیعت کو مادرِ ضعیفہ کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ بالخصوص اس پر زیادہ رحم کیا کرے اور اس کا حق زیادہ ہے۔

مسئلہ رضاع: فقال حملته امه کرھًا کہ اس کی ماں نے تکلیف سے اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اڑھائی برس تک دودھ پلانے اور حمل میں رکھنے میں ایک ساتھ محنت کی۔ دو برس دودھ پلانے کے حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور چھ مہینے کم سے کم حمل کے۔ اس سے حمل کی اقل مدت چھ مہینے ثابت ہوئے۔ یہ امام[2] شافعی و امام ابو یوسف و محمد کا قول ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں اس آیت میں حمل و فصال سے مراد گود میں اٹھانا اور اتارنا ہے اس سے ثابت ہوا کہ مدتِ رضاعت اڑھائی برس ہیں۔ اور اگر حمل و فصال کے وہی معنی مراد لیے جاویں تو ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا دونوں کی خبر ہے پس ثابت ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل اور دودھ پلانے کے اڑھائی برس ہے اور حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اس کے منافی نہیں۔ کس لیے کہ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اس صورت میں جہاں باپ کو دودھ پلانے کی اجرت دینی پڑتی ہے اور اسی کی تعیین کے لیے حولین کاملین آیا کہ کب تک باپ سے اجرت لے کر دودھ پلایا جائے نہ یہ کہ اصل مدت یہی ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ رضاعت میں اڑھائی برس کے زمانہ کا لحاظ کیا جائے یعنی اڑھائی برس تک جو بچہ کسی کا دودھ پیوے گا رضاعت ثابت ہوگی۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ۔ یہاں تک کہ جب جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر آئی قوائے بہیمیہ کا زور ٹوٹا تب اس نیک اور پاک روح کو اپنا اصلی وطن عالمِ قدس یاد آیا اور وہاں کے توشہ کی فکر ہوئی تو خدا سے دعا کرنے لگتا ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ الخ اے اللہ! مجھے اپنی ان نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق عطا کر جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی تھیں اور مجھے اپنے پسندیدہ نیک کاموں کی بھی توفیق دے۔ اور میری نسل میں صالحیت عطا کر کہ تیری عبادت کریں اور مجھے بھی آرام دیں اور یادگار خیر پیچھے رہے۔ یہ تین باتوں کی دعا تھی اور چونکہ سعادت کے تین مرتبہ ہیں سب سے بڑھ کر سعادتِ نفسانیہ دوم بدنیہ سوم خارجیہ۔ اس لیے سب سے اول شکر کی درخواست کی جو دل سے متعلق ہے اور سعادتِ نفسانیہ ہے اس کے بعد عملِ صالح کی جو سعادتِ بدنیہ ہے پھر اولاد کی نیک بختی کی جو سعادتِ خارجیہ ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شکر قلب کا فعل ہے اس لیے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کو اول میں لائے اس کے بعد اور اعمالِ صالحہ کو یہ بندگی اور فرضِ منصبی تھا اس کے بعد اپنے لیے منافعِ دنیا و دین طلب کئے اور دعا کے بعد اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ بھی کہہ دیا اس بات کے اعلان کے لیے کہ توبہ و اسلام سرکاری حلقہ میں داخل ہونے کے لیے شرط ہیں ورنہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بدلہ میں مژدہ سناتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا کہ ان کے نیک اعمال کو ہم قبول کریں گے اور جو کچھ ان سے برائی ہوئی ہوگی اس سے درگزر کریں گے اور یہ لوگ بموجب وعدۂ الٰہی جو سچا ہے جنتی ہوں گے۔

---

[1] وصیت وقتِ اخیر حکم کا نام ہے چونکہ وہ بڑی مؤکد ہوتی اس لیے ہر مؤکد بات کو بلفظ وصینا کہنے لگے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] مگر حمل میں زیادہ سے زیادہ مدت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول بموجب صرف دو برس ہوں گے میں کہتا ہوں زیادہ مدتِ حمل کی دو برس میں منحصر کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا کس لیے کہ جب لڑکا پیدا ہوگا اسی وقت سے اس کے احکام جاری ہوں گے خواہ دو ہو دیں یا کم ہاں کم مدت کا اندازہ کرنا چاہیے تاکہ صحیح النسب اور ولد الزنا میں فرق کیا جاوے۔ اسی طرح دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ کو مقرر کرنا چاہیے کم میں تو اختیار ہے۔ ۱۲ منہ

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ﳓ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﳓ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْاۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ایک وہ بھی کہ جو اپنے ماں باپ سے کہتا ہے پھٹے منہ کیا تم مجھے قبر سے زندہ ہو کر نکلنے کا وعدہ دیتے ہو حالانکہ مجھ سے پیشتر بہت سے قرن گزر گئے اور ماں باپ ہیں کہ خدا کی دہائی دے رہے ہیں کہ او کمبخت! ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر وہ کہتا ہے یہ کیا مگر پہلوں کے افسانے ان سے پہلے جو بہت سی امتیں جن اور آدمیوں سے ہو گزری ہیں کہ جن پر خدا کا فرمودہ کہ وہ خود زیان کار ہیں پورا ہو گیا کہ یہ خراب ہوں گے اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور تاکہ اللہ ان کے اعمال کا ان کو پورا عوض دے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔

ترکیب : وَالَّذِیْ مبتدأ المراد بہ الجنس اولئک خبرہ تعداننی نبونین مخففتین۔ ان اخرج مفعول ثان لتعدان وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ حال واللہ مفعول یستغیثان لانہ فی معنی یسالان وَیْلَكَ مصدر لم یستعمل فعلہ وقیل مفعول بہ الزمک اللہ ویلک۔

تفسیر: اہلِ سعادت کے بعد اہلِ شقاوت کا بھی اس کے مقابلہ میں ذکر کرتا ہے کہ نیک اولاد ایسی ہوتی ہے اور نالائق بیٹے ایسے ہوتے ہیں۔ پس فرماتا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا الخ ایک وہ بد ہے جو اپنے ماں باپ سے سخت کلامی کرتا ہے تف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تم مجھے مر کر بارِ دگر زندہ ہونے کا وعدہ دیتے ہو کہ مر کر زندہ ہوں گا اور اپنے کئے کا وہاں بدلہ پاؤں گا۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ اجی بہت سے قرن مجھ سے پہلے مر چکے ہیں ہم نے تو کسی کو بھی مر کر زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ماں باپ خدا کی دہائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے کمبخت! کیا بکتا ہے۔ توبہ کر ایمان لا۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ مگر وہ ناخلف کہتا ہے ایسے ایسے افسانے بہت سے سنے ہیں پہلے سے لوگ ایسی باتیں بتاتے آئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں کہ ماں باپ تو ان کو دنیا و دین کی بھلائی کی کہتے ہیں اور یہ ان سے یہ کہتے ہیں پس یہ کون ہیں اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یہ وہ بدبختِ ازلی ہیں کہ جن پر نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا جیسا کہ ان سے پہلے اور بہت سے جن و انس کی جماعتوں پر ہو چکا کہ یہ زیاں کار ہیں۔ پس دونوں فریق نیک و بد اپنے اعمال کا بدلہ پاویں گے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں پہلا کلام حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ الخ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اور وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوا ہے مگر یہ تخصیص محض تکلف ہے۔ کلام عام ہے جو کوئی ایسا ہو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے اول کلام کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر صادق آتا سمجھا اور مروان کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز کا عامل بنا کر بھیجا تھا وہ لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرتا تھا عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہہ دیا یہ تو خلفاءِ راشدین کا طریقہ نہیں بلکہ شاہانہ طریق ہے اس پر مروان نے خفا ہو کر کہہ دیا کہ عبدالرحمٰن وہ ہے کہ جس کے حق میں والذی قال لوالدیہ اف نازل ہوا ہے۔ مگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سن کر مروان کو جھوٹا کہہ دیا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس کے اتہام سے بری کیا۔ اس قصہ کو بخاری نے نقل کیا ہے پھر اس سے یہ سمجھنا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے غلط سمجھ ہے۔

فوائد : (۱) جمہور نے حَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ دونوں کو مجموعی اور تخمینی مدت جو اکثر وقوع میں آتی ہے ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا اڑھائی برس مراد لیے ہیں کہ اس عرصہ میں عورت حمل سے لے کر دودھ بڑھانے تک سب کاموں سے فارغ ہو جاتی ہے۔ پھر اس مدت کو باہم حمل وفصال پر جو تقسیم کیا تو بحکم آیت حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ پورے دو برس تو دودھ پلانے کے اور باقی چھ مہینے حمل کے کم از کم ٹھہرائے۔ یہ ایک اصل تھی پھر اس پر مسائل فقیہہ بہت سے متفرع ہوئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جب آیت میں اکثر یہ مدت دونوں کی بیان کی ہے یعنی ایک عام دستور تو پھر چھ مہینے کا حمل تو عام دستور نہیں یہ تو شاذ و نادر ہوتا ہے عام تو نو مہینے کا ہے اور دو برس پورے نہیں ہونے پاتے کہ بچے کا دودھ بڑھا دیتے ہیں اس عرصہ میں وہ کھانے پینے لگتا ہے ہاں اگر بچہ ضعیف ہے تو مہینے دو مہینے اور پلواتے ہیں دو برس پورے کر لیتے ہیں اس تقدیر پر آیت کے معنی تو بہت ٹھیک ہو گئے مگر وہ جو رضاعت وحمل کے اصول قرار دیے ہیں ان کے ثبوت کو احادیث و آثار صحابہ اور ان کا تعامل وفتویٰ بھی لینا چاہیے ورنہ صرف اس آیت سے ثبوت مشکل ہے۔

(۲) بَلَغَ اَشُدَّهٗ اشد زورِ جوانی۔ اس کی مدت میں علماء کے کئی قول ہیں۔ عطاء کہتے ہیں ابن عباس ؓ اٹھارہ برس کی عمر میں اشد حاصل ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ شاید بلوغ مراد لیا ہے جیسا کہ امام شافعی ؒ کا قول ہے۔ اگر اشد سے بلوغ مراد لیا جاوے گا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علی اختلاف البلاد والا مزجۃ دس گیارہ سے لے کر اٹھارہ تک میں لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اور چودہ سے لے کر اٹھارہ تک لڑکا بالغ ہو جاتا ہے اس میں کوئی خاص مدت متعین نہیں ہو سکتی اور جو اشد سے مراد عمدہ توانائی اور بھرپور جوانی لی جاوے تو یہ بیس سے لیکر تیس بتیس برس تک کا زمانہ ہے اکثر مفسر اسی لیے اس کی مدت ۳۲ برس کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اشد کا زمانہ جوشِ جوانی کا ہے اور چالیس برس کا زمانہ استکمالِ قویٰ ومدرکات کا ہے۔

(۳) حکماء کہتے ہیں عمر حیواں کے تین مرتبہ ہیں یہ اس لیے کہ اس کا بدن حرارت ورطوبتِ غریزیہ[۱] بغیر بن نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ اول عمر میں رطوبتِ غریزیہ غالب ہوتی ہے آخر میں ناقص ہو جاتی ہے اور زیادت سے نقصان تک آنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ بیچ میں ایک استواء کا مرتبہ نکلے پس لامحالہ تین زمانہ ہوں گے۔ (۱) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ حرارتِ غریزیہ سے زائد ہو یہ وہ زمانہ ہے کہ اعضاء طول وعرض و عمق میں بڑھیں گے اس کو نشو ونما کا زمانہ کہتے ہیں (۲) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ حرارتِ غریزیہ کے محفوظ رکھنے کو کافی ہو بلا زیادہ ونقصان اس کو سن وقوف اور سنِ شباب کہتے ہیں۔ (۳) مرتبہ یہ کہ رطوبتِ غریزیہ کم ہونے لگے اور حرارتِ اصلیہ کو پورے طور سے محفوظ نہیں رکھتی چراغ کا تیل کم ہونے لگے تو لَو بھی کم ہونے لگے۔ یہ نقصان بھی دو قسم ہے۔ ایک کم درجہ کا نقصان اس کو سنِ کہولت کہتے ہیں دوسرا نقصان ظاہر اور اس کو سنِ شیخوخۃ کہتے ہیں بڑھاپا۔

چالیس برس تک سنِ وقوف تھا یعنی برابر کا زمانہ اس کے بعد سے کہولت شروع ہوتی ہے انسان کے قوائے بدنیہ اور خواہشِ بہیمیہ گھٹنے لگتے ہیں اور برعکس بدن کے روح کا معاملہ ہے یعنی جو زمانہ جسم کی قوت کا ہے وہ زمانہ کمالاتِ روحانی کی کمی کا ہے اور جو بدن کے گھٹنے کا ہے وہ کمالاتِ روحانیہ کے بڑھنے کا ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے فَلَمَّا بَلَغَ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالمِ قدس کی طرف انسان کی توجہ اس وقت سے ہونے لگتی ہے۔ سبحان اللہ کیا کیا اسرار کلام میں ودیعت رکھے ہیں۔

وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِؕ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ

[۱] اصلیہ جو فطرت نے اس کو عطا کی تھی۔ ۱۲ منہ

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ع ۲

اور جس دن کہ کافر آگ کے روبرو لائے جاویں گے ان سے (کہا جاوے گا) تم اپنے مزے اپنی دنیا کی زندگی میں لیجا چکے اور ان کو برت چکے پھر آج کے دن تو تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق کا تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم بدکاری کیا کرتے تھے اور بھی یاد کرو عاد کے بھائی (ہود) کو جبکہ اس نے اپنی قوم کو بمقام احقاف ڈرایا حالانکہ اس کے آگے اور پیچھے سے ڈر سنانے والے گزر چکے تھے کہ خبردار اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ میں تم پر بڑے دن کی آفت آنے سے ڈراتا ہوں وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیرے۔ پھر تو جس عذاب سے ہم کو ڈراتا ہے ہمارے پاس لے آ۔ ہود نے کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو تم کو وہ احکام پہنچائے دیتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجے گئے ہیں لیکن میں تم کو جہالت کرنے والی قوم دیکھتا ہوں۔ پھر جب دیکھا[1] کہ عذاب ابر کی طرح ان کے میدانوں سے الٹ کر چلا آتا ہے تو کہنے لگے یہ ابر ہم پر برسے گا (وہ ابر نہیں) بلکہ وہ بلا تھی کہ جس کی تم جلدی کرتے تھے وہ آندھی تھی کہ جس میں عذاب دکھ دینے والا ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر شے کو اکھاڑ کر پھینکے دیتی تھی پھر تو یہ ہوا کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا ہم نافرمانوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔

ترکیب: راوہ الضمیر یعود الی مافی قولہ بما تعدنا وقیل الی غیر مذکور یفسرہ ما بعد عارضا منصوب علی الحال او التمیز العارض السحاب قالہ

---

[1] چند عرصہ سے قوم عاد پر قحط تھا یہ ایک خدا تعالیٰ کا ان کے بیدار کرنے کو چھوٹا سا کوڑا تھا اس پر بھی ویسے ہی گمراہ رہے اب ہلاکی کا وقت آیا تو سیاہ آندھی اٹھتی ہوئی نمودار ہوئی جس کو دیکھ کر وہ خوش ہوئے کہ ہمارے سامنے یہ بادل اٹھا ہے یہ ضرور پانی برسا دے گا وہ دراصل بادل نہ تھا سیاہ آندھی تھی جس کی نسبت وہ پیغمبر سے کہہ دیا کرتے تھے لا ہلاکت کا روز وہ لاتا کیوں نہیں؟ پس ایسی سخت زور سے آندھی چلنی شروع ہوئی کہ آدمی اڑنے لگے ٹکرا کر مر گئے اور چیلوں کی طرح سے اوپر کو اڑے جاتے تھے بڑے بڑے درخت اڑتے پھرتے تھے سات روز یہی بلا رہی بس ان کے مکانات باقی رہے وہ سب ہلاک ہوئے۔ ۱۲ منہ

ابن عباس و بہ قال الجوہری۔

تفسیر : اشقیاء کی بابت صرف اسی قدر بیان فرمایا تھا کہ ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا اب یہاں اس پورے بدلہ کو کسی قدر مشرح بیان فرماتا ہے۔ فقال وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اور یاد کرو کہ جس دن منکر لوگ جہنم کے روبرو لائے جاویں گے تب ان سے کہا جاویگا اذھبتم طیباتکم کہ تم اپنے مزے دنیا میں حاصل کر چکے اور خوب برت چکے اب اپنے تکبر اور بدکاری کی وجہ سے ذلت کا عذاب اٹھاؤ۔ یعنی آخرت کو بھول گئے تھے دنیا کے عیش و آرام میں ایسے محو تھے کہ آخرت کے لیے کچھ بھی فکر نہ کی۔ واحدی فرماتے ہیں کہ فی الجملہ نفس کشی دنیا میں بہت عمدہ چیز ہے کہ اس کے بدلہ آخرت میں ملے گا۔ اور اسی لیے نیکوں پر دنیا میں عیش تلخ رہا ہے۔ معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں جبکہ مجھے نبی ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا تنعم یعنی عیش و تن پروری سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے تن پرور نہیں ہوتے ہیں (رواہ احمد) ایک بار حضرت عمر ؓ نے پانی مانگا تو کوئی شہد کا شربت لایا کہا یہ عمدہ ہے لیکن میں سنتا ہوں کہ خدا تعالیٰ شہوات کی برائی کرتا ہے فقال اذھبتم طیباتکم الآیہ میں ڈرتا ہوں کہ میری نیکیوں کا بدلہ مجھے دنیا ہی میں نہ مل جائے پس نہ پیا (رواہ رزین) لیکن لذاتِ حلال اکل و شرب وغیرہ ممنوع بھی نہیں ہیں بقولہ تعالیٰ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مگر عیش و تجمل کے عادی ہونے سے خوف ہے کہ اس کا نفس بری باتوں کی طرف نہ لے جاوے۔

کفار مکہ بھی انہی شہوات و لذات پرستی میں ہدایت و آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے جس لیے ان کو يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ الآیہ سنا گیا اس لیے ان کو قومِ عاد کا قصہ سنایا جاتا ہے جو لذات و نعماءِ دنیا میں ایسے غرق تھے کہ دارِ آخرت کی طرف مطلقاً متوجہ نہ ہوئے اور اپنے ہادی کا کہنا نہ مانا اس لیے ان پر ایک بلا نازل ہوئی جس سے وہ قوم برباد ہوئی۔ بلا شک عیش و تن پروری کا برا نتیجہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے کہ مال و دولت، سلطنت و شوکت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے فقال وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ الخ کہ قومِ عاد کے بھائی ہود علیہ السلام کو یاد کر جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا جو عمان و مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے آخر نہ مانا غارت ہوئے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور البتہ ہم نے قومِ عاد کو وہ مقدور دیا تھا جو (اہلِ مکہ) تم کو بھی نہیں دیا اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں بھی اور دل دیا تھا پھر نہ تو ان کے کان ہی کچھ کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں ہی کام آئیں اور نہ ان کے دل ہی کچھ کام آئے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے اور آخر جس عذاب کا وہ ٹھٹھا اڑایا کرتے تھے ان پر آپڑا اور البتہ ہم تمہارے آس پاس کی بستیاں غارت کر چکے ہیں اور طرح طرح سے یہ نشانِ قدرت بھی دکھائے کہ کاش وہ رجوع کریں۔ پھر ان بتوں نے کیوں مدد نہ کی

کہ جن کو انہوں نے مرتبہ حاصل کرنے کے لیے معبود بنا رکھا تھا اللہ کے سوا بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے تھے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے (وہ بھی غلط تھے)۔

ترکیب : فیما ما بمعنی الذی وان نافیۃ فتقدیر الکلام مکناھم فی الذی ما مکناکم فیہ من کثرۃ المال وطول العمر وقوۃ الابدان۔ وقیل ان زائدۃ ای ولقد مکناھم فیما مکناکم فیہ الاول قول المبرد والثانی قول القتیبی۔ لولا بمعنی ھلا ھم مفعول مقدم لنصر الذین فاعلہ اتخذوا الخ صلۃ الذین۔ قال الکسائی القربان ما یتقرب بہ الی اللہ من طاعۃ ونسیکۃ والجمع قرابین کالرھبان والرھابین۔ واول مفعول اتخذ والراجع الی الموصول المحذوف وثانیھما قربانا والھۃ بدل اوعطف بیان لاٰلھۃ وقربانا حال اومفعول لہ علی انہ بمعنی التقرب۔ البیضاوی۔ وھذا ھو الصحیح الصریح۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے قصۂ عاد کا۔ فرماتا ہے وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ الخ کہ اے قریش! تم اپنے زور مال پر کیا گھمنڈ کرتے ہو؟ اس قوم عاد کو جن کے ہلاک ہونے کا تم حال سن چکے ہو ہم نے اس قدر طاقت وقوت، مال وثروت، عمر و راحت کے سامان عطا کئے تھے جو تم کو بھی نہیں دیے گئے باوجود اس کے دنیاوی امور میں کچھ احمق اور نادان بھی نہ تھے ان کو ہم نے کان دیے تھے کہ جن سے وہ اگلے امتوں کے حالات سنتے تھے، آنکھ بھی دی تھی جن سے وہ ہر روز عجائبات قدرت دیکھا کرتے تھے، دل بھی دیے تھے جن سے سمجھنے پر قادر تھے لیکن ان کے کان اور ان کی آنکھ اور ان کے دل ان کے کچھ کام نہیں آئے ان سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا ان کو دنیاوی لذات وشہوات میں صرف کیا کس لیے کہ انہوں نے آیات اللہ کا انکار کر دیا اور ان پر وہ بلا آئی کہ جس کا وہ انکار وتمسخر کیا کرتے تھے۔ پیغمبر کہتا تھا کہ تم پر بلا آنے والی ہے وہ سن کر ہنستے تھے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اب پھر کفار مکہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کہ اے مکہ والو! ہم نے تمہارے آس پاس جنوب وشمال میں کس قدر بستیاں ہلاک کی ہیں جنوب میں قوم عاد کی بستیاں الٹی پڑی ہیں ان کے عمارات کے نشان اے قریش! جب تم تجارت کے لیے وہاں جاتے ہو دیکھتے ہو اور اسی طرح شمال ومغرب میں ثمود کی بستیاں اجڑی پڑی دکھائی دیا کرتی ہیں اور قوم لوط کی بستیاں سدوم وغیرہ کے بھی آثار تم دیکھا کرتے ہو۔ اور ان کو ہم نے یوں ہی یکبارگی ہلاک نہیں کر دیا ہے بلکہ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اپنی نشانیاں اول بدل کر بار بار دکھائیں کہ وہ رجوع ہوں مگر نحوست سر پر آ چکی تھی کیوں مانتے انجام کار برباد ہوئے۔ فَلَوْلَا نَصَرَهُمْ پس ان کے ان معبودوں نے ان کی کیوں نہ مدد کی کہ جن کو انہوں نے وسیلہ بنا کر معبود سمجھ رکھا تھا اور جانتے تھے کہ یہ ہمارے کام آویں گے بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ بلکہ وہ کھوئے گئے کہیں دکھائی بھی نہ دیے وذلک اور یہ بات کہ وہ معبود کام آویں گے اِفْكُهُمْ ان کا ڈھکوسلا تھا وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ معطوف علیٰ اِفْكُهُمْ۔ اور یہ منجملہ ان کے ان ڈھکوسلوں کے ایک ڈھکوسلا تھا۔ یعنی ایسے ایسے اور بھی خیالات باطل دماغ میں جما رکھے تھے جیسا کہ بت پرستوں میں اب تک ایسے صدہا خیالات فاسدہ مانے جاتے ہیں۔

اصول ثلاثہ۔ اثبات باری تعالیٰ وتوحید ومعاد کے ضمن میں یہاں تک اور بہت سے اصول ملیہ ذکر ہو گئے سعادت وشقاوت کے آثار، ماں باپ کی خدمت گزاری کرنے نہ کرنے میں انسان کا میل طبعی، دار آخرت کی طرف ہونا کما قال وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ الآیۃ گزشتہ قوموں کے عروج وادبار، خدا تعالیٰ کا اپنے ملک میں تصرفات کرنا سرکشوں کا انجام برا ہونا عقائد باطلہ سے سر پر بلا لینا وغیرہ۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓي اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے ان کی طرف چند جن بھیجے جو قرآن سننا چاہتے تھے پھر جب وہاں آئے تو کہنے لگے چپ رہو پھر جب قرآن سن چکے تو اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے کو گئے (جا کر) کہا اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے رستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو عذاب الیم سے بچائے اور جو اللہ کے داعی کی نہیں مانتا تو وہ زمین میں اس کو ہرا بھی نہیں سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی بھی نہ ہوگا یہ لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور ان کے بنانے میں نہ تھکا مردہ کے زندہ کرنے پر قادر ہے۔ کیوں نہیں وہ تو ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب : یستمعون حال محمولۃ علی المعنیٰ لان نفر مفرد فی اللفظ۔ والنفر دون العشرۃ وجمعہ انفار۔ بقادر الباء مزیدۃ لتاکید النفی فانہ مشتمل علی ان ومافی خبرھا۔

تفسیر : قومِ عاد کا ذکر کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ اے قریش! تم یہ نہ سمجھو کہ تم عاد جیسے سرکش ایمان نہ لائے تو اور کوئی زور آور ایمان نہیں لائے گا قومِ جن تم سے زور آور اور سرکش ہے بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ تو ایمان لاویں اور اپنی قوم کو جا کر ایمان لانے کی رغبت دلائیں اور تم پیغمبر علیہ السلام کے ہم قوم ہم زبان ہم جنس ہو کر یوں اللہ کے داعی سے دور پڑے رہو۔ پس اے محمد ﷺ اِذْ صَرَفْنَآ ان سے کہہ دیجئے جبکہ ہم نے تیرے پاس چند جن بھیجے قرآن سننے کو الخ۔

ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بطنِ نخلہ میں[1] قرآن پڑھ رہے تھے کہ نو جن آئے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ جب قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑی تو دلکش مضامین سن کر چونک پڑے اور کھڑے ہو کر سننے لگے جب آپ فارغ ہوئے تو اپنی قوم میں جا کر ان کو متنبہ کیا کہ اے قوم! موسیٰ کے بعد ہم نے ایک کتاب سنی جو اگلی کتابوں کے اصولِ ملت میں مطابق و مصدق ہے راہِ حق دکھاتی ہے۔ اے قوم اللہ کے داعی یعنی رسول کا کہا مانو ایمان لاؤ تاکہ نجات پاؤ اور جو نہ مانے گا تو اللہ کے قبضہ سے باہر نکل نہ جائے گا کوئی اس کا حمایتی اس کو سزا سے بچا نہ سکے گا۔ نہ ماننے والے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ بخاری و مسلم و دیگر کتبِ احادیث

[1] ایک جگہ کا نام ہے۔ ۱۲ منہ

میں جنوں کا آنحضرت ﷺ کے پاس آنا اور ایمان لانا بکثرت مذکور ہے اور سلف سے خلف تک اہل اسلام وجودِ جن کے قائل ہیں اور ہم مقدمۂ تفسیر میں اس مسئلہ کو خوب ثابت کر آئے ہیں۔ اہلِ کتاب بھی قائل ہیں مگر وہ جو برائے نام اہلِ کتاب ہیں اور فلسفۂ جدید کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور موجودات کا انحصار فلسفۂ جدیدہ میں محسوسات پر ہے وہ البتہ انکار کیا بلکہ تمسخر بھی کرتے ہیں جن کی تقلید میں بعض مسلمان بھی اس خبط میں پڑ کر عجب عجب تاویلیں کرنے لگے۔

قرآن مجید میں یہ بیان نہیں ہوا کہ وہ جن گھر سے کس تلاش میں نکلے تھے؟ روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے قریب قریب جس طرح آفتاب کے برآمد ہونے کے وقت اور اس سے پہلے امارات ظاہر ہوتے ہیں ایسے ایسے عجائبِ امارات ظاہر ہوتے تھے کچھ عجب نہیں کہ جن اس ہادی کی تلاش میں نکلتے ہوں جس کی خبران یہودی[1] جنوں کو موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے ملی ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ ان کو امارات سے معلوم ہو گیا تھا۔ بعض[2] روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے بعض[3] سے یہ کہ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ایک بار جبکہ جنوں کا قافلہ آپ کے پاس آیا جنگل میں حضرت ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔ پھر تو کئی بار جن آئے اور تعلیم پا کر گئے بعض دفعہ کوئی بھی جنگل میں رات کے وقت آپ کے ساتھ نہیں گیا۔ مسلمان جن لوگوں کو یوں بھی دکھائی دیے جنگلوں میں ملے ہیں ثقات سے اس بارہ میں بہت کچھ منقول ہے فقیر نے بھی خود مشاہدہ کیا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ
وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا
صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ
يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ
إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

اور (اس دن کو یاد کرو) جس روز کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے) پوچھا جائے گا کیا یہ برحق نہیں وہ کہیں گے ہمارے رب کی قسم! ضرور برحق ہے۔ حکم ہوگا پھر اب عذاب چکھو اپنے کفر کرنے کے بدلہ میں پھر (اے نبی!) صبر کرو جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا ہے اور ان کے لیے جلدی نہ کرو کیونکہ جس دن یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے کہ جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ (دنیا میں) ایک دن میں سے ایک گھڑی ٹھہرے تھے آپ کا کام پہنچا دینا تھا۔ پھر ہلاک تو وہی ہوں گے جو بدکار ہیں۔

---

1. جن بھی انسان کی طرح مختلف ادیان و مذاہب کے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں نیک جن کو جہنم سے نجات پا کر فنا ہو جانا ہے نیک بدلہ ہے جنت نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ ۱۲ منہ
2. امام احمد کی روایت سے۔ ۱۲ منہ
3. بیہقی دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تفسیر : تفسیر اول سورہ میں وہ دلائل بیان فرمائے تھے جو قادر حکیم مختار کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔اس پر دو باتیں متفرع کی تھیں اول بت پرستوں کے قول کا ابطال۔ دوم اثباتِ توحیدِ خالص۔اس کے بعد مسئلۂ نبوت میں کلام کیا مخالفین کے جو شبہات تھے ان کے جواب دیے۔اہلِ مکہ جو حضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے میں تامل کرتے تھے اس کا باعث دنیا پر غرور اور اس کے لذات وشہوات میں غرق ہونا تھا۔اس لیے قومِ عاد کا حال بیان کر کے دنیا کی بے ثباتی اور تمرد کا بدنتیجہ سامنے کھڑا کر دیا۔پھر آپ کی نبوت کی تعمیم شروع کی انس کے لیے تو تھے ہی جن کے لیے بھی ثابت کی۔اس کے بعد پھر مسئلۂ معاد میں کلام کرتا ہے فقال اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ الخ کہ کیا نہیں دیکھتے یعنی نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمان وزمین پیدا کر دیے اور ان جیسے اور پیدا کرنے سے عاجز نہیں وہ مردوں کو بارِ دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ بے شک وہ کر سکتا ہے بلکہ ہر بات پر قادر ہے۔

یہاں تلک تو امکانِ حشر کی دلیل تھی اس کے بعد اس کے موجود ہونے کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے فقال وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا کہ کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ یعنی اب تو اس کے قائل ہوئے وہ کہیں گے ہاں۔پھر کہا جائے گا اب قائل ہونے سے کیا فائدہ۔اپنے انکار کی وجہ سے عذاب چکھو۔مطالب ثلثہ تمام کر کے آنحضرت ﷺ کے لیے چند نصائح اور تسلی بخش کلمات پر سورہ کو تمام کرتا ہے فقال فاصبر کہ اے محمد ﷺ آپ صبر کیجیے ان کے برا بھلا کہنے اور تکالیف کو خیال میں نہ لائیے کیونکہ آپ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے ایسا ہی صبر کیا ہے اور ان کے کہنے سے عذاب کی جلدی نہ کرو کس لیے کہ وہ جس دن اپنے وعدہ کے دن اور وہاں کے مصائب کو دیکھیں گے تو دنیا کے تمام عیش وتجملات کو بھول جائیں گے باوجود زمانہ دراز تک شہوات پرستی کرنے کے یہ سمجھیں گے کہ گویا دن کی ایک گھڑی بھر ٹھیرے تھے۔اس کے بعد فرماتا ہے بلاغ یعنی یہ خبر کا پہنچا دینا ہے اے محمد (ﷺ)! آپ نے خدا کا حکم پہنچا دیا اب آپ کو کیا فکر ہے بدکار آپ ہلاک ہوں گے۔کردنی خویش آمدنی پیش۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ

مع

وہ جو منکر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی اللہ کے رستہ سے روکا تو ان کے اعمال اللہ نے برباد کر دیے اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے اور جو کچھ محمد پر نازل کیا گیا اس پر بھی ایمان لائے حالانکہ وہ ان کے رب کی طرف سے برحق نبی تھے تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کا حال درست کر دے گا یہ اس لیے کہ جو منکر ہوئے وہ جھوٹ کے پیرو ہوئے اور وہ جو ایمان لائے تو اپنے رب کے برحق دین پر چلے۔ یوں بیان کرتا ہے اللہ لوگوں کی حالتیں پھر جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ہنگامہ کارزار گرم کر چکو تو قیدیوں کی مشکیں باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا چاہیے یا جرمانہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے یہاں تک کہ جنگ اپنے[1] ہتھیار ڈال دے یہ ہے حکم۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا۔

ترکیب : الذین کفروا مبتدء اضل اعمالھم خبرہ والذین مبتدء وھو الحق الجملۃ معترضۃ بین المبتدء وخبرہ وھو کفر الخ ذلک مبتدء بان الذین خبرہ فضرب الرقاب قال الزجاج اصلہ فاضربوا الرقاب ضربا۔ فحذف الفعل واقیم المصدر مقامہ مضافا الی المفعول۔ وقیل ھو منصوب علی الاغراء حتی اذا غایۃ للامر بضرب الرقاب لا لبیان غایۃ القتل۔ فامامنا الخ ای فاما تمنون منا او تفدون فداء حتی متعلقۃ بشدوا الوثاق۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں اور بیشتر مدینہ میں نازل ہوئی سورتوں میں احکام و جہاد یا منافقین کی بدکرداری اور اس کے برے نتائج بیان ہوئے ہیں یا مکارم اخلاق کی تاکید ہوتی ہے۔ سورہ احقاف کے اخیر میں فرمایا تھا کہ فاسق ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا تھا کہ ان کے بعض اچھے اعمال بھی تو ہوتے ہیں خیرات وغیرہ اس کے جواب میں ارشاد فرمادیا الذین کفروا الخ کہ جو منکر ہوئے اور لوگوں کو یا اپنے آپ کو اللہ کے رستہ سے باز رکھا (ایمان، صوم و صلوٰۃ، جہاد و حسنات۔ اتباع نبی کریم علیہ السلام سب کو سبیل اللہ کا لفظ شامل ہے ان کے اعمال برباد ہو گئے بوجہ بغاوت کے وہ کچھ بھی کام نہ آئیں گے دار آخرت میں۔ کس لیے کہ وہاں کوئی عمل بغیر ایمان و خلوص کے کام نہیں آتا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کے مخالف نہیں کس لیے کہ عمل سے مراد وہی عمل ہے جو ایمان و خلوص سے ہو وہ ذرہ برابر بھی ہوگا تو اس کا ثمرہ ملے گا خیال پیدا ہوتا تھا کہ اچھا کفر اور اللہ کے رستہ سے روکنے میں تو اعمال برباد ہوئے پھر اب وہ کونسا طریقہ ہے کہ جس سے یقیناً نجات ہو جاوے۔ اس کا جواب دیتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ وہ لوگ جو اللہ اور دیگر ایمان لانے کی چیزوں پر ایمان لائے کتب سابقہ، انبیاء سابقین، ملائکہ، حشر پر اور اس کے ساتھ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل ہوا حالانکہ وہ برحق ہے اس پر بھی ایمان لائے ان کو یقیناً نجات ہے۔ کس لیے کہ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ان سے جو کچھ برے کام سرزد ہو گئے ہیں ان کو مٹائے گا و اصلح بالھم اور ان کے چال وشان کو درست کر دے گا دنیا و آخرت میں خوشنود رہیں گے۔ پھر فرماتا ہے کافروں کے لیے ایسا اور محمد ﷺ پر ایمان لانے والے کے لیے ایسا کیوں تجویز ہوا؟ اس لیے کہ کافروں نے باطل اور غلط کا اتباع کیا جس کا نتیجہ خسارۂ دارین ہے اور ایمانداروں نے سچ کا اتباع کیا جس کا ثمرہ یہ ہے خدا نے ہر بات کھول دی ہے۔

چونکہ نجات کا دارومدار خدا کے پچھلے فرستادہ محمد ﷺ کی اتباع پر رکھا گیا ہے اس لیے اس جماعت کو (جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں) فیاضی کرنا چاہیے اور دوسرے بھائیوں کے لیے اس راہ راست کے کانٹوں کو صاف کرنا چاہیے اس لیے فرماتا ہے فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ کہ جنگ میں جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جاوے جو اس رستہ کے لیے خار ہیں اور اس شمع ہدایت کو بجھانا چاہتے ہیں تو ان کی گردنیں مارو آخر جو ہاتھ لگیں ان کو باندھ لو پھر یا تو احسان کر دیا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ

---

[1] یعنی جنگ موقوف ہو جائے ہتھیار اٹھانے کی حاجت نہ رہے۔ ۱۲ منہ

يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝٤ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝٥ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝٦ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝٧ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝٨ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝٩

لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرنے کا ان کو عنقریب مقصود تک پہنچائے گا اور ان کی حالت درست کرے گا اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جو ان کے لیے پہلے سے بتلا رکھی ہے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور وہ جو منکر ہو گئے ان پر پھٹکار ہے اور ان کا کیا اکارت کر دیا یہ اس لیے کہ انہوں نے برا سمجھا جو اللہ نے نازل کیا تھا پھر ان کے عمل برباد کر دیے۔

تفسیر: یہ کارروائی کب تک جاری رہے؟ اس وقت تک کہ ان کے اعداء کو لڑنے کی طاقت نہ ہے۔ ہتھیار ڈال کر اطاعت و امن کی خواستگاری کریں پھر اس کار خیر کی ترغیب دلاتا ہے۔ (۱) وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ الخ کہ اگر خدا چاہتا تو ان سے آپ بدلہ لے سکتا تھا لیکن بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ کون ہمارے حکم سے جان دیتا ہے؟ (۲) وَالَّذِينَ قُتِلُوا الخ جمہور نے قاتلوا پڑھا ہے معروف کا صیغہ اور بعض نے قتلوا مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ جمہور کی قرأت پر اور اس قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھنے والے کے نزدیک معنی صاف ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے ان کے اعمال ضائع نہ جائیں گے دنیا میں اللہ ان کو نیک باتوں کی توفیق و ہدایت دے گا اور مرنے کے بعد جنت میں داخل کرے گا کہ جو ان کو بتائی گئی ہے[1] اور مجہول کے صیغہ میں یہ اشکال ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو اب کس بات کی ہدایت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہوگی منکر و نکیر کے سوال و جواب کی سعادت اور دار الخلد کے منازل طے کر کے حقیقی منزل تک پہنچنے کی۔ (۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الخ کہ اے ایماندارو! اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کر کے اس کی مدد کرو گے حالانکہ وہ مدد کا محتاج نہیں تو ہر کام میں خصوصاً اس کام میں تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا اور کفار کو پست کرے گا اور ان کی تدابیر کو رد کر دے گا۔ اس وعدہ کے بموجب خدا تعالیٰ نے اصحاب محمد ﷺ کو مخالفوں پر فتح یاب کیا اور دشمنوں کو سرنگوں کر دیا اور آئندہ جو کوئی دین اللہ کی حمایت پر کمر باندھے اسی عنایت و وعدہ کا مستحق ہے جب چاہے آزما کر دیکھ لے۔

ان آیات میں صرف فضرب الرقاب

واما منا واما فداء کے معنی میں گفتگو کرنی باقی رہ گئی اور وہ یہ ہے۔ کیا جب کوئی کافر ملے مسلمان اس کی گردن مارنے پر مامور کیا گیا ہے؟ مجاہد فرماتے ہیں یہ ایک خاص جنگ میں حکم ہوا تھا جو آنحضرت ﷺ کو اس وقت مخالفوں سے پیش آئی کہ جنگ میں گردن مارو اور جنگ اسی لیے ہوا کرتی ہے وہاں پھول اور پان نہیں بٹا کرتے ہیں۔ الغرض ہر وقت کا حکم نہیں بلکہ جب کفار سے بقاعدۂ شرعیہ جنگ قائم ہو اس وقت یہ حکم ہے کہ اس کی گردن مارو عام حکم نہیں کہ جب کوئی کہیں مل جائے مار ڈالا جائے اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اسلام پر سفاکی کا عیب لگایا ہے یہ

[1] رسول نے یا قرآن نے بتائی یا مرنے سے پہلے ایمانداروں کو بتائی اور دکھائی جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

اس کی سمجھ کا عیب ہے۔

اسیرانِ جنگ کے احکام : امامنا الخ اس آیت میں علمائے کے مختلف اقوال ہیں۔ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِی الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ وبقولہ اقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ یہی قول ہے قتادہ ضحاک و سدی وابن جریج واوزاعی وابن کوفہ کا۔ یہ کہتے ہیں جنگ میں جو کفار اہلِ اسلام کے قبضہ میں قید ہو کر آ جاویں شاہِ اسلام نہ ان کو احسان کر کے چھوڑ دے نہ فدیہ لے کر اب یا قتل کئے جاویں یا غلام بنائے جاویں۔صاحب ہدایہ کہتے ہیں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جاوے صاحبین کہتے ہیں ان کے بدلہ میں مسلمان قیدی لے کر چھوڑنا درست اور یہی شافعی کا قول ہے لیکن مال لے کر نہ چھوڑنا چاہیے۔سیر کبیر میں ہے اس کا بھی مضائقہ نہیں جبکہ مسلمانوں کو روپیہ کی حاجت ہو۔تفسیر احمدی

علماء کا ایک گروہ کہتا ہے آیت ہرگز منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔امام کو اختیار ہے خواہ فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مفت چھوڑ دے۔یہ دو باتیں تو آیت میں صاف مذکور ہیں۔اور دو باتوں کا اختیار ہے گو آیت میں ان کا ذکر نہیں۔احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں وہ یا غلام بنائے یا قتل کر ڈالے۔یہی ابن عمر رضی اللہ عنہ وحسن وعطاء کا قول ہے اکثر صحابہ وتابعین اسی طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری وامام احمد وشافعی کا یہی مذہب ہے۔

ہمارے بعض معاصرین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جنگ بدر وغزوۂ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے اس میں صرف دو ہی باتیں قیدیوں کے لیے قرار دی ہیں۔یا مفت چھوڑ دینا یا فدیہ یعنی جرمانہ یا خرچہ لے کر چھوڑ دینا۔غلام بنانے کا اس میں کہیں ذکر نہیں نہ قتل کرنے کا اور جہاں قتل کرنے اور غلام بنانے کا ذکر ہے وہ اس کے نزول سے پہلے کا ہے۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ۫ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَهُمۡ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَتَمَتَّعُوۡنَ وَ یَاۡکُلُوۡنَ کَمَا تَاۡکُلُ الۡاَنۡعَامُ وَ النَّارُ مَثۡوًی لَّهُمۡ ﴿۱۲﴾ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنۡ قَرۡیَتِكَ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡكَ ۚ اَهۡلَکۡنٰهُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنۡ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ کَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ ﴿۱۴﴾

پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور منکروں کے لیے ایسا ہی کچھ ہوتا ہے یہ عذاب اس لیے کہ اللہ حامی ہے ایمان والوں کا اور کافروں کا کوئی بھی حامی نہیں۔بے شک اللہ ایماندار نیک بختوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ جو منکر ہو گئے دنیا برت رہے ہیں اور ایسا کھا رہے ہیں جیسا کہ چار پائے کھایا کرتے ہیں اور (آخرت) ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسی بہت سی بستیاں کہ جو اس بستی سے بھی طاقتور تھیں کہ جس نے آپ کو نکال دیا ہے،ہم نے ان کو ہلاک کیا پھر ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا پھر کیا وہ شخص کہ جو اپنے رب کی طرف سے روشن

لہ انہیں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں۔۱۲منہ

طریقہ پر ہے اس کی برابر ہے کہ جس کی بدکاری اس کے نزدیک بھلی معلوم کرائی گئی اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

ترکیب : الضمائر فی اخرجتك دمی للقریۃ وفی اَهْلَكْنَاهُمْ وَلَا نَاصِرَ لَهُمْ للاھل ای لاہل القریۃ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ منکروں کو ہلاکی ہے اب اس ہلاکی کا ثبوت دیتا ہے فقال یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کہ کیا قریش نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا؟ شام میں جاتے ہوئے قوم ثمود کے آثار اور یمن میں جاتے ہوئے قوم عاد کے امارات ان کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ان کا انجام یہ ہوا دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اللہ نے ان کو ہلاک کیا۔اور قریش یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہلاکی اور بربادی انہیں کے لیے تھی بلکہ وَلِلْكَافِرِیْنَ اَمْثَالُهَا کفار کے لیے خواہ عاد و ثمود ہوں یا قریشِ مکہ ہوں ایسے ہی انجام ہوتے ہیں۔امثالھا اے امثال العاقبۃ اور یہ کیوں ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ آمَنُوْا الخ اس لیے کہ اللہ ایمانداروں کا حامی ہے اور کافروں کا کوئی بھی حامی نہیں پھر ان کو ایسے مصائب سے کون بچا سکتا ہے؟

یہ تو کفر و ایمان کا دنیوی ثمرہ تھا اس کے بعد اخروی فرق بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ الخ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اس کے بعد نیک کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی اور کفار و بدکار لوگ دنیا میں چارپایوں کی طرح سے کھانے پینے میں مصروف ہیں نہ ان کو آخرت کی فکر نہ نیک باتوں کی طرف رغبت نہ برے افعال سے نفرت ان کا ٹھکانا آگ ہے اس میں رہا کریں گے۔

کفار یہ سن کر کہ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے طعن سے یہ کہتے تھے کہ وہ حمایت کہاں گئی؟ ہم نے تو محمد (ﷺ) کو مکہ سے نکال دیا اس پر کچھ عجب نہیں کہ حضرت کو وطن ترک کرنے کا رنج بھی ہوا ہو۔چنانچہ ابو یعلیٰ موصلی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکلنے اور غار میں چھپنے چلے تو مکہ کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے اور یہ کہتے تھے کہ بخدا سب شہروں سے تو میرے نزدیک محبوب ہے اگر یہ لوگ مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا اس پر یہ آیت تسلی بخش نازل ہوئی و کاین من قریۃ الخ کہ اے محمد (ﷺ) بہت سے شہر جو تمہارے اس شہر سے (کہ جس نے تجھے نکال دیا یعنی مکہ نے) طاقت وزور میں بڑھ کر تھے سدوم و عمورہ وغیرہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان کا کوئی مددگار نہ اٹھا۔پھر یہ اہلِ مکہ کیا گھمنڈ کرتے ہیں ذرا صبر کریں۔چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بدر کی لڑائی نے ان متکبروں کا فیصلہ کر دیا۔اس کے بعد کفر و ایمان کا ایک اور فرق بیان فرماتا ہے فقال افمن کان الخ کہ کیا وہ شخص کہ جس کے پاس اس کے رب کی سند ہے یعنی کتاب و نبی اور وہ کون شخص ہے ایماندار؟ اس کے برابر ہو گیا کہ جو محض اٹکل سے اپنے خیالات کا پیرو ہے اور بری باتوں کو بھلا سمجھ رکھا ہے وہ کون کافر و بت پرست۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ
كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

وہ جنت کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں ہیں اور (اسی طرح) نہریں دودھ کی کہ جس کا مزہ بدلا ہوا

مزیدار شراب کی نہریں ہیں صاف شہد کی نہریں ہیں اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے رب کی مغفرت ہے کیا یہ لوگ ان کے برابر ہیں جو آگ میں سدا رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔

ترکیب : قال سیبویہ المثل بمعنی الوصف والصفۃ علی ھذا مثل الجنۃ الخ مبتداء فیھا النھار الجملۃ خبرہ وقیل المثل علی معناہ فحینئذ تقدیر الکلام مثل الجنۃ (مبتداء) والخبر محذوف وھوجنۃ تجری فیھا انھار وھذا ھو الممثل بہ کما یقال مثل زید رجل طویل اسمر فیذکر عین صفات زید فی رجل منکرًا لایکون ھو فی الحقیقۃ الازید احد اقول الزجاج کمن ھو الکاف فی موضع رفع ای ام من فی ھذا النعیم کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ۔

تفسیر : جیسا کہ مومن و کافر کا فرق بیان فرمایا تھا اس طرح اب ان کے مقامات کا تفاوت بیان فرماتا ہے فقال مَثَلُ الْجَنَّةِ الخ وہ جنت کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی وہ پرہیزگاری پر ملتی ہے کسی کے حسب و نسب، مال و جاہ سے نہیں ملتی) ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں بہتی ہیں الخ جنت میں تین چیزیں بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ اس میں چار قسم کی نہریں بہتی ہیں: (۱) صاف پانی کی (۲) ایسے دودھ کی جو کبھی نہ بگڑے (۳) مزے دار شراب کی (۴) شہد صاف کی۔ پانی کے وصف میں غیر آسن فرمایا یعنی جس کا رنگ و بو اور مزہ نہ بدلے کیونکہ پانی کے حق میں یہ باتیں عیب ہیں یعنی نہایت صاف اور معطر پانی گندے سڑے ہوئے بدرنگ پانی کی نہریں نہیں جیسا کہ دنیا میں ہوتی ہیں۔ اور دودھ کا عیب یہ ہے کہ وہ سریع الاستحالہ ہے جلد بگڑ جاتا ہے سو وہاں کا دودھ اس قسم کا نہ ہوگا۔ اور شراب میں عیب یہ ہے کہ وہ تلخ و کریہ الطعم ہوتی ہے وہاں کی شراب میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ مزے دار ہوگی۔ اور شہد کا عیب یہ ہے کہ یہ میلا ہوتا ہے مکھیاں پتی کوڑا کرکٹ اس میں ملا ہوتا ہے وہاں کے شہد میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ وہ مصفّٰی ہوگا۔

پانی کی نہریں تو ہوا کرتی ہیں مگر دودھ اور شہد اور شراب کی نہروں کے کیا معنی؟ کیا در اصل جنت میں ان چیزوں کی نہریں بہتی ہوں گی؟ ظاہر الفاظ تو یہی کہہ رہے ہیں مگر بعض محققین کہتے ہیں یہ استعارات ہیں کس لیے کہ جنت کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا مثل دنیا میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب ہو سکے پھر وہاں کی نعمتیں بندوں کو سمجھائی کیونکر جاویں۔ اس لیے جن چیزوں کو وہاں کی چیزوں سے ذرا بھی مناسبت ہے ان کے پیرایہ میں سمجھایا گیا۔

ان چیزوں کی نہریں بہنا کمال فرحت و تنعم کی دلیل ہے کہتے ہیں کہ فلاں بادشاہ نے جشن میں شرابوں سے حوض بھر دیے تھے۔ یا مراد کثرت و افراط ہے کہتے ہیں کہ فلاں ملک میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں یعنی بکثرت ہے واللہ اعلم۔

قوائے اربعہ عناصرِ اربعہ کی صورت میں جلوہ گر ہوں گی انسان کی چار قوتیں جن کی نہریں اس کے اندر بہتی ہیں بشرطیکہ ان کو ٹھیک طور پر بہنے دے جو فطرت نے ان کا بہاؤ رکھا ہے تو عالمِ قدس میں اپنی اپنی مناسب چیزوں میں ظہور کر کے ان کی نہریں بہیں گی روحانیہ نفسانیہ سبعیہ شہوانیہ یا یوں کہو کہ اس کے علوم و معارف حقیقیہ کہ جن سے دل زندہ ہوتے ہیں پانی کی نہر ہوگی اور چونکہ ان علوم میں وہمیات و عادات و عقائدِ فاسدہ کے خس و خاشاک نہیں اس لیے وہ ماء غیر آسن یعنی صاف پانی ہوگا اور وہ علوم جو اخلاق و افعال سے متعلق ہیں اور ان ناقصوں کے کارآمد ہیں جو ریاضت اور سلوک سے کاملین میں ملنے کی صلاحیت رکھتے ہیں دودھ کی نہریں ہوں گی اور ذات و صفاتِ باری تعالیٰ سے محبت و شراب کی نہریں ہوں گی جن میں تجلیاتِ صفات و شہود و جمالِ ذات سے عشاق کو لذات ہیں اور حلاوات و ارادات قدسیہ و بوارقِ نوریہ اور لذات وجدانیہ شہد کی نہریں ہوں گی اور فضول سے یہ حلاوتیں اور جذبات بری ہیں اس لیے عسلِ مصفّٰی ہوں گے۔

جنت میں دوسری چیز ہے کُلِّ الثَّمَرَاتِ ہر قسم کے میوے۔ یہاں تک جنتِ جسمانی کا بیان تھا اب تیسری چیز روحانی بیان کرتا ہے وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ خدا کی بخشش و خوشنودی یہ تو پرہیزگاروں ایمانداروں کا مقام تھا اب کفار کا مقام بیان فرماتا ہے کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جاوے گا جس سے انتڑیاں کٹ کٹ کر گریں گی۔ فرماتا ہے کیا یہ دونوں برابر

ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ کلمہ اگر کوئی ذرا بھی طبیعت سلیمہ رکھتا ہے اس کے لیے بڑا ہی مؤثر ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع ۲

اوران میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی کیا کہا تھا یہ وہ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور یہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور وہ جو رستہ پر آگئے ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا اور ان کو پرہیزگاری عطا کرتا ہے اور کیا وہ اس گھڑی ہی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر ناگہاں آوے کیونکہ ان کی علامتیں تو ظاہر ہو چلی ہیں پھر جب وہ آگئی تو ان کا سمجھنا کیا مفید ہوگا پھر (اے رسول!) یقین کر کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اپنے گناہوں کی اور ایماندار مرد اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگئے اور اللہ کو تمہارا پھرنا اور ٹھکانا معلوم ہے۔

ترکیب : منهم خبر مقدم من يستمع مبتدء انفا بالمد والقصر ومعناه الساعة وانتصابه على الظرفية اى وقتا موتنفا او حال من الضمير فى قال قال الزجاج هو من استانفت الشىء اذا ابتدائه وهو ماخوذ من انف الشىء لما تقدم منه۔ ان تاتيهم بغتة بدل اشتمال من الساعة۔

تفسیر : كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ میں گروہ اشقیا کا ذکر ہوا تھا اب یہاں ان کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے ان کا خلود فی النار ہونا ثابت ہو جاوے فقال وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ کہ ان اشقیا میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اے محمد (ﷺ) تیری مجلس میں حاضر ہوتے ہیں وعظ سننے کو بیٹھتے ہیں مگر ان میں عزت و عظمت نہیں۔ اس طرف دھیان نہیں کرتے' رعونت و تکبر سے پھر باہر نکل کر اہلِ مجلس کے علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا فرمایا تھا۔

یہ مدینہ میں منافقوں کا گروہ تھا مجلس میں ادھر ادھر خیال رکھتے تھے بات دھیان دھر کر نہ سنتے تھے باہر نکل کر صحابہ ؓ سے پوچھتے تھے۔ عبداللہ ابن عباس ؓ کہتے ہیں منجملہ ان اہلِ علم کے کہ جن سے وہ باہر نکل کر پوچھتے تھے ایک میں تھا اس وقت کم سن لڑکا تھا فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ کہ یہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر مہر ہے اور اپنی خواہشوں کے پیرو ہیں جو بات خواہش کے موافق ہوتی ہے اس کو بہت جلد سنتے اور دھیان دھرتے ہیں اور جو ہدایت یافتہ ہیں یعنی ایماندار ان کو ان مجالسِ وعظ میں اور زیادہ ہدایت ہوتی ہے۔ انسان دنیا میں نیکی حاصل کرنے کو بھیجا گیا ہے۔ اب تک تو انہوں نے کوئی ذریعۂ آخرت حاصل نہیں کیا پھر کب کریں گے؟ کیا قیامت کے[1] منتظر ہیں کہ دفعۃً آجاوے۔ پس قیامت کے علامات تو آگئے۔ منجملہ آثارِ قیامت کے آنحضرت ﷺ کا مبعوث ہونا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ

---

[1] ممکن ہے کہ الساعۃ سے مراد موت کی گھڑی ہو اور اس کی علامات انسانی تغیرات دمبدم اس کو متنبہ کر رہی ہیں۔ ۱۲ منہ

نے فرمایا ہے میرا مبعوث ہونا اور قیامت کا آنا اس طرح سے ہیں اور دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا بیچ کی اور کلمہ کی انگلی کو یعنی قریب قریب ہے اور بھی علاماتِ قیامت ظاہر ہونے لگے، فسق و فجور کا رواج، محبت والفت کا اٹھ جانا، وغیرہ وغیرہ۔

فرماتا ہے فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ کہ قیامت اگر آ گئی تو پھر کہاں سمجھنے کا موقع ملے گا۔ اس لیے قیامت کے آنے سے پہلے سمجھنے اور سدھرنے کا ڈھنگ بتلاتا ہے فقال فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ الخ کہ اس بات کو جان کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس میں حکمتِ نظریہ کی تعلیم ہے اور یہی مقدم بھی ہے اس کے بعد عملی حصہ کو درست کرتا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ اپنے گناہوں کی اور اپنے ساتھ اور ایماندار بھائیوں مردوزن کی معافی خدا سے مانگو۔ معافی مانگنا حقیقت میں بندہ کا کمالِ عجز ہے جو رحم دلاتا ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی قومی بھی ہے کہ معافی میں اپنے بھائیوں کو بھی شریک کرتا ہے اس اولوالعزمی پر اور بھی رحم کا مستوجب ہوتا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ذکر نہیں کہ ان کو گناہ گار ٹھہرایا جاوے اور حضرت ﷺ کے گناہ بھی کیا ہیں صرف غفلات جو ہماری نیکیوں سے بڑھ کر ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿٢٥﴾

اور ایمان والے کہتے ہیں کس لیے کوئی سورت (جہاد کے لیے) نازل نہ کی گئی پھر جب کوئی ایسی سورت نازل ہوگی اور اس میں لڑائی کا ذکر ہو تو دیکھ لینا جن کے دلوں میں مرض ہے آپ کی طرف ایسا تکیں گے جیسا کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو وہ مرے بھی نہیں فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا چاہیے پھر جب کوئی بات (جنگ) ٹھہر جائے پھر اس وقت اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بھی بہتر ہے پھر تم سے تو یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو ملک میں فساد مچانے اور قرابت منقطع کرنے لگو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کر دی پھر ان کو بہرا اور اندھا بھی کر دیا پھر کیوں قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک وہ جو ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی الٹے پھر گئے تو یہ بات ان کو شیطان نے بتائی اور پڑھائی ہے۔

ترکیب : لولا بمعنی ھلا۔ رایت الذین جواب فاذاانزلت اولی مبتدء لھم الخبر اولی افعل من الولی وھوالقرب ای اقرب لکم ماتکرھون وقال الجرجانی ھو ماخوذ من الویل ای فویل لھم طاعۃ الخ خبر مبتدء محذوف ای امرہم فاذاعزم الامر عامل الظرف محذوف وقیل فلو صدقوا اللہ ان تفسدوا خبر عسٰی وان تولیتم معترض بینھما الشیطان مبتدء وسول خبر والجملۃ خبر ان وا ملی معطوف علی

الخبر۔

تفسیر : سعید اور شقی کا فرق آیاتِ علمیہ کی نسبت بتا کر کہ نیکوں کو زیادہ ہدایت ہوتی ہے اور شقی اپنی ہوا وہوس میں مستغرق ہوتا ہے خیال کر کے نہیں سنتا باہر جا کر لوگوں سے پوچھتا ہے۔اب آیاتِ عملیہ کی نسبت دونوں گروہوں کا فرق بیان کرتا ہے فقال وَيَقُولُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا کہ نیک گروہ یعنی ایماندار تو اس بات کی آرزو کرتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی حکم دیا جائے یعنی جہاد کرنا جو سب سے بڑھ کر سخت کام ہے تو ہم سعادت سمجھ کر اس کو بجالاویں اور جب کوئی ایسی سورہ نازل ہو جاوے کہ جس میں جہاد کا حکم ہو جن کے دلوں میں کفر ونفاق کا مرض ہے ان کے تو ہوش اڑ جاتے ہیں اور اے محمد (ﷺ)! تیری طرف ایسے بھیانک ہو کر دیکھتے ہیں کہ جیسا کوئی موت کے وقت دیکھا کرتا ہے۔فرماتا ہے یہ ان کی بدنصیبی ہے ان کو فرماں برداری کرنی چاہیے اور نیک بات کہنی چاہیے اور جب کوئی بات جنگ کی بابت قرار پا جائے تو اللہ سے سچا ہونا چاہیے جو اس سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنا چاہیے (سورۃ محکمۃ۔غیر منسوخۃ۔او المراد صریحۃ البیان فی امر الجہاد)

اس امر میں منافق ایک یہ بھی عذر کیا کرتے تھے کہ ہم عرب سے کیونکر لڑیں ہماری ان سے قرابت ہے اور قطعِ رحم کرنا اور لڑ بھڑ کر فساد مچانا کوئی اچھی بات نہیں ہے اس لیے ہم جہاد سے حذر کرتے ہیں اس کے رد میں فرماتا ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ اگر تم مالک ہو جاؤ اور ملک میں تم کو حکومت ہو جاوے تو پھر دیکھو پھر کس قدر فساد کرتے اور قطع رحم کرتے ہو۔ تولیتم کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اس کو ولایت سے ماخوذ قرار دیا جاوے یعنی تم والی اور مالک ہو جاؤ اور دوسرے یہ کہ اس کو تولی بمعنی فرار سے ماخوذ مانا جاوے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر تم جہاد سے پھر جاؤ گے اور تم پر اپنا کوئی حاکم نہ رہے گا۔مخالفوں کے شر سے کوئی امن کی صورت نہ ہوگی تو ایسی ظلمت کے زمانہ میں ادنیٰ ادنیٰ بات پر خود سر ہو کر لڑو گے اور فساد مچاؤ گے رحم اور قرابت کا کچھ لحاظ نہ کرو گے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کی عادت تھی ذرا ذرا باتوں پر تلوار چلا کر ہزاروں خون ہو گئے ہیں۔حقیقت میں جہاد وقتال نہ ہونے سے مسلمانوں میں سردار کا وجود جاتا رہا پھر ہزاروں مصائب اور آفات میں مبتلا ہو گئے۔فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کر دی ہے جس لیے یہ بہرے ہو گئے۔فوائدِ جہاد نہیں سنتے اور اندھے بھی ہیں خود بھی اس کے فوائد نہیں دیکھتے کاش قرآن میں غور کر کے مصالحِ جہاد کو سوچتے ان کے دلوں پر مہر اور قفل ہیں یہ توفیق کہاں؟ ہدایت ظاہر ہونے پر جو منہ پھیرتے ہیں ان کو شیطان نے یہ حیلہ بازی سکھائی کہ جہاد میں یہ خرابی ہے اور اسی نے ان کو امید دلائی ہے کہ مدتوں جیو گے ابھی کیوں لڑ کر مرتے ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ [1] ۗ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ

[1] بسیماھم ای العلامۃ خاصۃ لو نشاء لجعلنا علی المنافقین علامۃ عرفتہم بتلک العلامۃ ۱۲ منہ

لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَکُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا ؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَکُمْ ﴿۳۳﴾

یہ اس لیے کہ انہوں نے ان سے کہ جنہوں نے برا جانا اللہ کے نازل کئے ہوئے کو یہ کہہ دیا کہ ہم بعض باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے اور اللہ جانتا ہے ان کی رازداری۔ پھر جب کیا ہوگا کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہوں گے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے یہ اس لیے کہ یہ چلے اس پر کہ جس سے اللہ ناراض ہے اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کو برا جانا پھر اس نے بھی ان کے عمل اکارت کر دیے کیا وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کی دبی دشمنی ظاہر[1] نہ کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو ان کو آپ کو دکھا بھی دیتے پھر آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور ضرور آپ ان کو ان کے طرز کلام سے بھی پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے بھی خوب واقف ہے اور ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ معلوم کر لیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے (کون ہیں) اور تمہاری اصلی حالت جانچ ہوئے بے شک وہ جو کافر ہوئے اور اللہ کے رستہ سے روکتے رہے اور رسول سے مخالف ہو گئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت ظاہر ہو چکی تھی وہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ جلد ان کے اعمال برباد کر دے گا ایمان والو! اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عمل ضائع نہ کرو[2]

یہ تتمہ ہے کلام سابق کا۔ کہ یہ منافق جو ہدایت آنے کے بعد الٹے پھر گئے اس کا یہ سبب ہے کہ انہوں نے وحی یعنی قرآن کے دشمنوں سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم تمہاری کچھ باتیں مانیں گے اور یہ بات مخفی کہی تھی لیکن اللہ کو ان کی رازداری معلوم ہے۔ اسرارھم بکسر ہمزہ پڑھیں گے تو مصدر ہوگا یہ اہل کوفہ کی قرأت ہے اور بفتح ہمزہ پڑھیں گے جیسا کہ جمہور کی قرأت ہے تو یہ سر کی جمع ہوگا جس کے معنی ہیں بہت راز بہت بھید۔

قرآن کے دشمن کون تھے کہ جن سے منافقوں نے وعدہ کیا تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں وہ قرآن کے دشمن عرب کے مشرک و کفار تھے مدینہ کے منافقوں نے مخفی طور پر ان سے یارانہ قائم رکھنے کے لیے کہلا بھیجا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) پر بظاہر ایمان تو لائے ہیں مگر بعض باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے۔ وہ بعض کیا بات تھی وہ یہ کہ دل سے ہم بھی محمد (ﷺ) کو نبی نہیں جانتے اور یہ کہ اگر تمہارا غلبہ ہوا تو ہم تمہارے ساتھ ہو جاویں گے۔ مگر اس آیت کی ایک اور آیت میں پوری شرح ہے وہ آیت یہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ کہ منافق لوگ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی ساتھ نکلیں گے اور اس بات میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی

[1] الاضغان جمع ضغن جو دل میں بری بات رکھی جائے حسد بغض کینہ خیانت لحن القول بات کا پھیرنا کسی غرض کے لیے ۱۲ منہ

[2] معتزلہ اس آیت سے یہ بات نکالتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سے اعمال حبط ہوتے ہیں۔ کسی نے عمر بھر نماز روزہ کیا اور ایک بار ایک چلو شراب کی پی لی تو گو اس نے کبھی نماز کیا ہی نہ تھا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ بات نہیں ہاں کفر و شرک سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں بایں معنی کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا مستحق ہو گیا اعمال صالحہ کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس آیت سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں یعنی اس کو تمام کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ عمل کا باطل کرنا لازم آتا ہے اور آئمہ کا یہ قول نہیں۔ ۱۲ منہ

ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ پس کہنے والے منافق تھے اور قرآن کے دشمن مدینہ کے آس پاس والے یہود تھے اور وہ بات یہ تھی کہ در پردہ ہم تمہارے یار و مددگار ہیں اس جرم میں یہ بھی راندۂ دربارِ الٰہی ہوئے اس لیے ان کے خاتمہ کے حال سے خبر دیتا ہے فکیف اذا الخ کہ اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ ان کی روح نکالیں گے اور اس وقت ان کے منہ اور پیٹھوں پر کوڑے مارتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی ناپسند باتوں کا اتباع کیا اور اس کی رضامندی کی پروا نہ کی اس لیے ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ منافقین اپنے حال کو بھی مسلمانوں سے بہت مخفی رکھتے تھے کہ مبادا ہماری اندرونی خباثت نہ معلوم ہو جائے تا کہ مسلمان ہمیں ضرر نہ پہنچائیں اس بات کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ام حسب الخ ان کی باطنی دشمنی چھپی نہ رہے گی اگر ہم چاہیں تو ان کو معین کر کے بتادیں اور ان کی طرز گفتار سے بھی اے محمد (ﷺ)! آپ پہچان لیں گے اور آزمائش ڈالیں گے اس میں خوب اچھے بروں کا امتیاز ہو جائے گا۔ یہ خدا کو اور اس کے رسول کو کوئی ضرر نہیں دے سکیں گے اس کے بعد مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ زینہار تم ان کے کہنے میں نہ آنا اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنا۔ خلاف کرنے میں عمل حبط ہو جاویں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾

ع

بے شک وہ جو کافر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے رہے پھر وہ کافر ہی مر گئے تو ان کو ہرگز اللہ نہ بخشے گا پھر تم بودے بن کر صلاح نہ پکارو حالانکہ تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہاری کوششیں رائیگاں نہ کرے گا دنیا کی زندگانی جو ہے تو کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو وہ تمہاری اجرت تمہیں دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا کیونکہ اگر وہ تم سے مال مانگے پھر تم کو کنگال کر دے تو تم بخل کرنے لگو اور تمہاری خیانت ظاہر کر دے۔ دیکھو تم وہ ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے پھر تم میں سے وہ بھی ہیں کہ جو بخل کرتے ہیں۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے تو اپنے نفس سے کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ اور دوسرے لوگ پیدا کر دے گا پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔

ترکیب: الاحفاء الاستقصاء فی الکلام ومنہ احفاء الشارب ای استیصالہ تبخلوا جواب الشرط وان تتولوا معطوف علی قولہ وان تؤمنوا اعلون اصلہ علیون لانہ جمع اعلی فسکنت الیاء والواو وکانت ساکنۃ فالتقی الساکنان فسقطت الیاء وبقی اعلون (کبیر)

تفسیر : اعمال حبط ہونے کا ذکر آیا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ پھر مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔ کوئی گناہ ہوا اعمال نیک برباد گئے بخشش بھی گئی اس لیے اس مسئلہ کا تصفیہ کر دیا۔ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ کہ بخشش نہ ہونے کی صرف یہی صورت ہے کہ کفر و بدکاری کرے اور پھر کفر ہی کی حالت میں مرجاوے تب ہرگز اس کی بخشش نہ ہوگی اعمال برباد نہ ہونے پر اس کا فضل باقی رہتا ہے۔

کفر و اسلام کا انجام بتلا کر مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں آمادہ کرتا ہے فقال فَلَا تَهِنُوْا الخ کہ تم بودے نہ بنو اور دب کر صلح نہ کرو حالانکہ تم ہی غالب ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے تمہارے اعمال تمہاری کوششیں برباد نہ کرے گا۔ اس آیت میں صاف حکم یہ ہے کہ کفار سے دب کر صلح کی درخواست نہ کرنی چاہیے ہاں اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اگر وہ صلح جھک کر کریں تو کرو ورنہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور جنگ کرنے میں کوشش کرو یا فتح پاؤ گے سو عین مراد ہے یا مارے جاؤ گے تو شہید ہو گے دنیا میں کیا رکھا ہے جس پر غش ہو۔ اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ دنیا کی زندگی کھیل کود ہے بیکار و ناپائیدار پھر اس حیاتِ چندروزہ میں اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا ایمان لاؤ پرہیزگاری کرلو یہی توشہ ہے اس کو ساتھ لے چلو یُؤْتِکُمْ اُجُوْرَکُمْ اور آخرت میں تمہارے بدلے تم کو دیے جاویں گے اور اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا جس لیے کوئی ڈرے اور نیکی سے دور بھاگے وَلَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالَکُمْ کے بھی معنی ہیں اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْهَا اگر وہ تم سے مانگے فَیُحْفِکُمْ تو پھر سب کا سب لے تو تم بخل کرو اور تمہاری بخیلی ظاہر ہو جاوے۔

مطلب یہ کہ دین میں مال کا ایسا خرچ نہیں کہ سب دے دیا جائے اگر مال پر کچھ ہے بھی تو بہت کم چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا پڑتا ہے۔ اگر خدا سب مانگے اور امتحان کرے تو مال کی وجہ سے تم اسلام سے نفرت کرنے لگو[1]۔ ان جملوں میں منافقوں پر تعریض ہے جو جہاد میں دینا بار سمجھتے تھے اس کے بعد صاف صاف طور پر بیان فرماتا ہے هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ الخ کہ دیکھو تم کو اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے جہاد میں جس سے سرکشوں اور بدی کا کڑوا درخت دنیا سے کاٹنا منظور ہے۔ پھر بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں یعنی منافقین اور جو کوئی بخل کرتا ہے اپنے لیے کس لیے کہ جو کچھ یہاں دو گے وہاں پاؤ گے اور جو نہ دو گے اس سے اپنے آپ کو محروم کرو گے۔ اور اللہ کو کچھ حاجت نہیں اس میں تمہارا ہی نفع ہے۔ حاجت مند تو تم ہو اور اگر تم نہ مانو گے تو تم کو ہٹا کر تمہاری جگہ ایک اور قوم اسلام میں داخل کرے گا جو نیک ہوں گے تم جیسے نہ ہوں گے۔ ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑی تو لوگوں نے پوچھا یا حضرت وہ کون ہیں جو ہماری جگہ آویں گے حضرت نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کی قوم بخدا اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو آلِ فارس میں سے ایک شخص[2] اس کو وہیں سے حاصل کرتا بعض کہتے ہیں اس قوم سے مراد انصار ہیں بعض کہتے ہیں فارس و روم بعض کہتے ہیں اہلِ یمن۔ مجاہد کا قول بہت ٹھیک ہے وہ کہتے ہیں جس کو چاہے اسلام کا حامی اور انصار کر دے چنانچہ ایسا ہوا عرب کے بعد ترک کھڑے ہوئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ① لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ② وَّیَنْصُرَكَ اللّٰهُ

[1] دین سے نفرت کرنے لگو کہ اس کی بدولت مفلس ہوں گے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ بشارت امام ابوحنیفہ کے لیے ہے آپ فارسی الاصل تھے اور اسی پر بڑے بڑے ائمہ کا اتفاق ہے۔ ۱۲ منہ

نَصۡرًا عَزِيۡزًا ۝۳ هُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝۴

آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے[1] گناہ معاف کر دے اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے اور تا کہ آپ کو سیدھے رستہ پر چلائے اور تا کہ اللہ آپ کی زبردست مدد کرے وہی تو ہے کہ جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا تا کہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب : لیغفر اختلف الاقوال فی اللام۔ قال ابوالعباس المبرد ہی لام کے معناھا انا فتحنا لک فتحا مبینا لکی یجتمع لک مع المغفرۃ تمام النعمۃ فی الفتح۔

تفسیر : ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی ﷺ عمرہ کرنے کے چلے اور مشرکوں نے بمقامِ حدیبیہ آپ کو روک دیا اور اس بات پر فیصلہ ٹھہرا کہ اگلے سال آپ عمرہ کریں اور آنحضرت ﷺ نے وہیں اپنی قربانی ذبح کر دی۔ اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو رنج تھا جن میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے پھر جب قربانی کر کے مدینہ کو واپس چلے تب یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی جس میں ان شکستہ دل مسلمانوں کو مژدہ ہے کہ یہ صلح تمہارے لیے فتح وظفر ہے۔ چنانچہ بخاری نے براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اے لوگو! تم مکہ فتح ہو جانے کو فتح سمجھتے ہو وہ بھی سہی۔ ہم تو یومِ حدیبیہ میں بیعت الرضوان[2] کو فتح سمجھتے ہیں ہم چودہ سو آدمی حضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور حدیبیہ جو ایک کنواں ہے اس میں جس قدر تھوڑا سا پانی تھا سب کھینچ لیا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی قدر پانی مانگا وضو کر کے کلی اس میں ڈال دی پھر اس میں اس قدر پانی ہو گیا کہ سب آدمیوں اور اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

اور بھی صحیحین وسننِ ابی داؤد و جامع ترمذی وغیرہ کتابوں میں روایاتِ صحیحہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگلی سورۃ میں فرمایا تھا وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ کہ تم جہاد میں خرچ کرنے سے کس لیے بخل کرتے ہو ہم نے تمہارے لیے ایک فتح مقرر کر دی۔ جس میں اپنے خرچ کیے سے دگنا بلکہ دہ گنا پا لو گے۔ اس لیے فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے تیرے لیے فتحِ ظاہر کا حکم لگا دیا۔ فتح مبین میں علماء کے چند اقوال ہیں بعض کہتے ہیں فتح مکہ گو اس وقت تک نہ ہوئی تھی مگر یقینی چیز کو بلفظ ماضی تعبیر کرنا قرآن کا محاورہ ہے۔ بعض کہتے ہیں فتح روم وغیرہ جو اہلِ اسلام کو یکے بعد دیگرے اس سورہ کے بعد سے ہونی شروع ہوئیں خیبر فتح ہوا اور علاقہ عرب کے زیرِ حکومت ہوئے یمن میں تسلط ہوا خراج بھی آئے۔ بعض کہتے ہیں براہین وحجِ اسلامیہ بعض کہتے ہیں

[1] ماتقدم الخ اس وقت سے پہلے اور اس سے پچھلے گناہ یا نبوت کے قبل و مابعد کے گناہ مراد ہیں جیسا کہ ابن جریر اور سفیان ثوری ومجاہد کہتے ہیں۔ عطا کہتے ہیں ماتقدم سے مراد آدم وحوا کے گناہ اور ماتاخر سے امت کے گناہ مراد ہیں۔ اس تقدیر پر حضرت ﷺ کی طرف حقیقۃً گناہ منسوب نہیں۔ پچھلے گناہ اب تک ظہور ہی میں نہیں آئے ان کے بخشنے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ وعدہ ہے اگر صادر ہوں گے تو معاف کر دیے جائیں گے یا گناہوں کی نوبت ہی نہ آوے گی توفیقِ الٰہی رفیق رہے گی۔ ۱۲ منہ

[2] بیعتِ رضوان کا قصہ آگے آتا ہے حدیبیہ مکہ کے قریب ایک کنواں تھا بعض نے اس کو حل میں بعض نے حرم میں شمار کیا ہے اب ایک قریہ ہے مکہ سے ایک مرحلہ یا کم اس جگہ آنحضرت ﷺ نے ڈیرہ کیا مکہ تک لوگوں نے آنے نہ دیا یہیں صلح ہوئی اور دیگر باتیں کہ جن کا اس سورہ میں ذکر آتا ہے یہیں واقع ہوئی ہیں۔

صلح حدیبیہ جو مقدمہ ہے جمیع فتوحات کا۔

یہ اقوال باہم متعارض نہیں ہر ایک درست ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو ایک رنج تھا کہ کفارِ قریش نے مکہ کے قریب سے مسلمانوں کو اور حضرت ﷺ کو مکہ میں آنے نہ دیا اور اگلے سال پر ٹال دیا گویا مسلمان دب گئے آنحضرت ﷺ نے اس جگہ فروتنی کو اختیار کیا جنگ و جدل کرنا مناسب نہ جانا اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے حضرت ﷺ پر اور آپ کے پیروؤں پر کھول دیے تھوڑے دن گزرے تھے کہ خیبر فتح ہوا۔

جس سے مدینہ کے مسلمانوں کا فقر و فاقہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد مکہ فتح ہوا اور بہت سی فتوحات ظاہر ہوتی گئیں جن کی مفصل کیفیت کتبِ تواریخ میں موجود ہے اور اسلام کو جو یوماً فیوماً غلبہ ہوتا گیا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام پسند ہے اور آنحضرت ﷺ برگزیدۂ بارگاہ ہیں کیونکہ جھوٹے ہوتے تو بموجب بشارتِ توریت سفر استثناء کے فروغ نہ پاتے۔ اس بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا گو فتح سببِ مغفرت نہیں مگر دلیلِ مغفرت ہے یہاں خدا تعالیٰ نے چار باتیں فرمائیں (۱) یہ کہ آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے۔ یہ مسلم ہے کہ حضرت نے عمر بھر کوئی گناہ نہیں کیا نہ چھوٹا نہ بڑا مگر پھر بھی بشر تھے وہ خواصِ بشریہ جو کبھی ملکیت پر غالب آ کر قدرے غفلات و جذبات پیدا کر دیتے تھے آنحضرت ﷺ کے گناہ ہیں جن سے کوئی آدمی زاد پاک نہیں۔ ان کے واسطے مغفرت کا وعدہ حضرت ﷺ کی کوششوں کے بدلہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ آپ شافعِ روزِ محشر ہیں اور نبیِ معصوم۔ بعض نصاریٰ نے معمولی گناہ سمجھ کر آنحضرت ﷺ پر گناہگاری کا الزام قائم کر دیا اور اس پر طرح طرح کے برے نتائج پیدا کر لیے۔ (۲) یہ کہ اپنی نعمت آپ کو پوری پوری عطا کرے کیونکہ نبوت کی نعمت تو آپ کو عطا ہوئی تھی مگر بغیر شوکتِ اسلام و شیوعِ دینِ پاک کے یہ نعمت پوری نہ ہوئی تھی سو پوری ہوگئی۔ (۳) وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا اور ان کو سیدھا رستہ چلا دے کس لیے کہ سیدھے رستے پر چلنے میں جو لوگ حارج و مانع تھے جب ان پر آپ کو فتح نصیب ہوئی تو اب صراطِ مستقیم صاف ہوگیا۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کو بتلا دے کہ تو سیدھے رستے پر ہے کس لیے کہ اگر یہ دین منشاءِ الٰہی کے موافق نہ ہوتا تو دنیا میں اس قدر جلد رواج نہ پاتا۔ (۴) یہ کہ اللہ آپ کو دشمنوں پر زبردست فتح دے گا نصرًا عزیزًا قال الزمخشری معناہ نصرا ذا اعز کقولہ فی عیشۃ راضیۃ ای ذات رضا۔ اس کے بعد فتح و مدد کا سبب بیان فرماتا ہے کہ وہ کس طرح سے ہوگی فقال وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ[1] کہ اس نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان و قرار نازل کیا جس سے ان کا اور بھی ایمان قوی ہوگیا۔ حقیقت میں فتح و شکست کا باعث دل کی استقامت اور بے ثباتی پر ہوتا ہے بہت سے لشکر جن کے دل ہل جاتے ہیں تھوڑے سے آدمیوں سے جو قوی دل اور ثابت قدم ہوتے ہیں شکست کھایا کرتے ہیں۔ قلت و کثرت، سامان و اسلحہ حرب و ضرب بالائی باتیں ہیں۔ اللہ پاک نے اس ارشاد کے بموجب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں وہ قوتِ اثبات پیدا کر دیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتیں تھوڑے سے دنوں میں اکھیڑ کر پھینک دیں اور چھوٹے موٹوں کا کیا ذکر ہے۔ اور یہ کیوں کیا۔ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ کی فوجیں آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین میں بھی اگر وہ چاہتا تو آسمانی لشکر یعنی ملائکہ سے ان قدیمی گمراہوں سرکشوں متکبروں کو پامال کر دیتا

---

[1] علماء کی ایک جماعت اس آیت سے استدلال کر کے یہ کہتے ہیں کہ ایمان کم زیادہ ہوتا ہے مگر محققین جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک تصدیقِ قلبی ہے وہ کیفیت زیادہ کم نہیں ہوتی پھر آیات و احادیث میں جو زیادہ ہونا آیا ہے اس سے علم الیقین عین الیقین مراد ہے یا باعتبار اس کے کہ جس پر ایمان لایا یعنی پہلی دو باتوں پر ایمان تھا پھر تیسری نازل ہوئی اس پر بھی ہوا۔ چنانچہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس بارے میں بعض آثار بھی نقل کیے ہیں۔ ۱۲ منہ

مگر اس نے زمین کے لشکر سے کام لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں قوۃ واطمینان دے کر ان کو زمین میں خدائی لشکر کر دیا پھر خدا کے لشکر سے کون مقابلہ کر سکتا تھا؟ اور زمینی لشکر سے کیوں کام لیا و کَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اللہ علم والا ہے ہر ایک بات جانتا ہے اور حکمت والا بھی ہے اس کی حکمت بھی اسی کو معلوم ہے۔ منجملہ اس کے ایک یہ ہے کہ ان میں ان نیک بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ دیکھیں کیسے ثابت قدم رہتے ہیں۔ فائدہ: صحابہ رضی اللہ عنہم کو گو حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے ہی حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے اس بات پر ایمان تھا کہ ایک روز اسلام غالب ہوگا مگر اس واقعہ کے بعد جبکہ ان کے دل میں اطمینان وثابت قدمی نازل کی اور بھی یقین کامل ہو گیا۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

(زمینی لشکر سے اس لیے کام لیا) تا کہ ایماندار مردوں اور عورتوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور ان کی برائیاں ان سے دور کرنے کو اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے اور تا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں انہیں پر بری گردش پھرے اور ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے لیے جہنم تیار رکھی ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔

ترکیب : لیدخل متعلقہ بقولہ انا فتحنا وقیل متعلقۃ بینصرک وقیل متعلقۃ بمحذوف یناسب المقام جنات مفعول فیہ خالدین حال من المؤمنین ویکفر معطوف علی یدخل و یعذب ایضا معطوف علیہ وغضب ولعن واعد عطف علی احد مع ان الواو فی الاخیرین فی محل الفاء لیدل علی استقلال الکل فی الوعید۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ اب زمینی لشکر سے اسلام کو فتحیاب کرنے کی حکمت بتلاتا ہے۔ فقال لِيُدْخِلَ تا کہ ان جاں فشاں ایمانداروں کو جنت میں داخل کرے اور اس کے مساعی جمیلہ کو ان کے گناہوں کا کفارہ کر دے جو اللہ کے نزدیک بڑی بہتری اور انسان کی کامیابی [1] ہے۔ اس سے زیادہ انسان کے لیے اور کیا مراد وتمنا ہو سکتی ہے کہ اس کے گناہوں پر مواخذہ نہ ہو اور وہ ہمیشہ بہشت میں رہا کرے۔

اگرچہ اور معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں ہی کی طرف خطاب کیا ہے اور عورتیں تبعاً شامل ہیں مگر یہاں جہاد کے صلے میں انعام مذکور

---

[1] یہ فتوحات غیبیہ مخلصین اور غیر مخلصین میں امتیاز کر دیتی ہیں اس لیے مومن دار فانی میں حیات ابدی کے اور منافقین اور مشرکین جہنم کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ۱۲ منہ حقانی

ہوئے ہیں اور عورتیں جہاد میں شریک ہو نہیں ہو سکتیں جس سے گمان ہو سکتا کہ عورتوں کو یہ انعام نہ ملے گا مگر ایسی جوانمردی کی عورتیں بھی ان معاملات میں دل سے شریک ہوتی ہیں جب مرد باہر جہاد میں جاتے ہیں پیچھے انتظام خانہ داری کرتی ہیں اور چلتے وقت سامان مہیا کرتی ہیں اس لیے اس کریم نے ان کی تصریح بھی کر دی۔ مومنین کے بعد مومنات کا لفظ بھی بڑھا دیا اسی طرح گمراہوں کی عورتیں ان کے شریکِ حال ہوتی ہیں ان کا بھی عذاب میں نام لیا گیا۔ فقال یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ الخ اور جہاد کے حکم میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں حجت تمام کر کے منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب کرے۔ دنیا میں بھی قتل کئے جائیں۔ اسیر ہوں گھر بار لوٹے جاویں اور آخرت میں جہنم میں جلیں۔ اس مقام پر منافقوں اور مشرکوں کا ایک عیب بیان کیا جو نفاق و شرک کے علاوہ ہے اور وہ یہ کہ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰہِ اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں (کہ رسول سے جو اللہ نے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے باوجود بے سروسامانی کے کیونکر پیغمبر کی جماعت غلبہ پاوے گی۔ یہ محض جھوٹے وعدے ہیں) اس کے جواب میں فرماتا ہے: (۱) عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ دائرہ مصدر ہے اسم فاعل کے وزن پر یا اسم فاعل ہے دار یدور سے دائر خطِ محیط کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال حادثہ میں ہونے لگا جو جس پر پڑتا ہے اس کا احاطہ کر لیتا ہے۔ سوء بضم بمعنی عذاب و ہزیمت و شر و بالفتح بمعنی برائی اس لیے دونوں قرأت ہیں۔ یعنی انہی پر حادثہ پڑے گا نہ مسلمانوں پر جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ (۲) ان پر اللہ کا غضب ہے (۳) اس کی لعنت۔ (۴) ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ اور وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس اسبابِ ظاہری نہیں وہ کیونکر فتح پاویں گے کس لیے کہ وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں جس سے چاہے کام لے وہ رب الافواج ہے کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ زبردست ہے اس پر حکیم بھی ہے حکمت کے ساتھ زور بہت کام دیتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۰﴾

النصف — ع ۹

(اے رسول) آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے کو اور ڈر سنانے کو بھیجا ہے تاکہ تم سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد اور عزت کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کیا کرو بے شک وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے پھر جو کوئی بدعہدی کرے گا تو وہ اپنی خرابی ہی کے لیے بدعہدی کرے گا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا کہ جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ اس کو بڑا عمدہ بدلہ دے گا۔

تفسیر: ابھی فرمایا تھا عَزِیْزًا حَكِیْمًا اب یہاں اپنی حکمت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ زبردست ہونا بھی بتاتا ہے فقال انا ارسلناك الخ کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے تجھ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر نیک و بد کاموں میں (جو لوگوں کے نزاع ہیں کوئی توحید کا قائل ہے کوئی بت پرستی کرتا ہے کوئی کسی بات کو اچھا کہتا ہے کوئی برا اور دلائل فریقین باہم متعارض ہیں اس لیے دنیا ظلمات میں گھری ہوئی تھی) شہادت دیویں آپ ہی کی گواہی پر اچھائی اور برائی کا فیصلہ ہے پس آپ اچھے کام کرنے والوں کو بشارت دیتے ہیں کہ آخرت میں عمدہ نتائج ملیں گے اور برے کام کرنے والوں کو خوف دلاتے ہیں کہ ان باتوں کا انجام بد ہے دنیا کی بربادی اور آخرت میں عذاب۔ پس یہ شاہد اس لیے بھیجا تاکہ

اے بنی آدم! تم اس کی اور اللہ کی تصدیق کرو ایمان لاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی عزت وتوقیر کرو۔ بعض کہتے ہیں تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کی ضمیریں خاص اللہ کی طرف پھرتی ہیں بعض خاص رسول کی طرف راجع کرتے ہیں اور اس جگہ وقف ہے تسبحوہ جدا جملہ شروع ہوتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں تعزیر وتوقیر سے مراد یہ ہے کہ اس کے دین کی اعانت کرو۔

رسول کریم ﷺ کی تعظیم واجب وفرض ہے ذرا بھی کوئی توہین کرے گا فیضِ رسالت سے ابدالآباد محروم رہے گا۔ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور اللہ کی صبح وشام تسبیح بیان کرو سبحان اللہ وبحمدہ کہو۔ بعض کہتے ہیں نماز پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ تسبیح سے نماز بھی مراد ہوا کرتی ہے یہ شکر ہے اس اللہ کا کہ جس نے ہمارے لیے ایسا رسول بھیجا۔ اب بندوں میں سے ایک گروہ کے محامد بیان کرتا ہے جنہوں نے تعظیم وتکریم اللہ اور اس کے رسول کی کما ینبغی کی فقال اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ کہ اے محمد (ﷺ)! وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں رسول اللہ کا نائب ہے گویا اللہ اُن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے پھر جو اس بیعت کو توڑے گا یعنی اقرار کر کے بدعہدی کرے گا اپنا برا کرے گا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا اللہ اس کا اجرِ عظیم دے گا۔

بیعت رضوان: حدیبیہ سے جب رسول کریم ﷺ نے مکہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام دے کر بھیجا قریش نے ان کو وہیں قید کر لیا اور خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر ڈالا تب مسلمانوں کو جوش ہوا اور حضرت ﷺ نے لوگوں سے عہد لینا شروع کیا آپ ایک سایہ دار درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آتے تھے اور حضرت ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہتے تھے کہ ہم لڑیں گے بھاگیں گے نہیں۔ تخمیناً چودہ سو آدمیوں نے بیعت کی اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں ان آیات میں اسی کا ذکر ہے آئندہ بھی اس کا ذکر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہاتھ پاؤں جسمانی چیزوں سے پاک ہے پھر ہاتھ بر سبیلِ مشاکلت فرمایا جس سے مراد اس کی حمایت وعنایت ہے۔ یہی مذہب ہے محققین کا صفاتِ متشابہات میں۔ بیع بیچنا۔ اس قسم کے معاہدہ کو اس لیے بیعت کہتے ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنی جان ومال کو اللہ کی راہ میں بیع کرتا ہے آنحضرت ﷺ سے جہاد کے لیے بھی بیعت ہوتی تھی اور کبھی ہجرت پر اور کبھی ترکِ منکرات پر کبھی خدا تعالیٰ کی بندگی ویاد میں مستحکم رہنے پر کتبِ احادیث اس کی شاہد عدل ہیں حضرت ﷺ کے بعد بیعتِ خلافت کا سلاطین کے لیے دستور جاری رہا اور بیعتِ توبہ وانابت کی سنت قائم کرنے کے لیے علماء ومشائخ کی جماعت قائم ہوئی اور بیعتِ اہلِ طریقت بھی بیعتِ انابت ہے یہ مسنون ہے مگر جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے وہ ظاہر شریعت وانوارِ طریقت سے مزین ہونا چاہیے ہاں یہ جو پیرزادے خاندانی پیشہ سمجھ کر کھانے کمانے کے لیے بیعت کر لیتے ہیں اور شریعت سے علیحدہ رستہ پر چلتے ہیں محض بے اصل کام ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ
يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ
بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ

ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

وہ گنوار جو پیچھے رہ گئے ہیں وہی آپ سے آ کر کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور گھروں میں مشغول رہ گئے پس آپ ہمارے لیے معافی مانگیے۔ وہ اپنی زبان سے (وہ باتیں) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے (اگر) اللہ تمہارے لیے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچانا چاہے تو اللہ کے مقابلہ میں کون اس کو روک سکتا ہے بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے بلکہ تم نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ (یہ) پیغمبر اور ایمان والے کبھی پھر کر اپنے گھروں کی طرف نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دل میں کھب ہی گئی تھی اور تم نے بڑی بدگمانی کی اور تم غارت ہو جانے والے لوگ ہو اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے بھی منکروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں وہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: جس طرح کہ اعانت اور تعظیم کرنے والے گروہ کا ذکرِ خیر کیا تھا اسی طرح ان کے برعکس جماعت کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ الخ کہ بہت جلد پیچھے رہ جانے والے اے نبی! ایسے یہ جھوٹے عذر کریں گے محض تمہارے ضرر سے بچنے کے لیے حالانکہ دنیا یا آخرت میں جو کچھ ضرر یا نفع ان کو پہنچتا ہے اس کو کون روک سکتا ہے۔ یہ عذر کہ ہم اپنے مال و عیال کی وجہ سے آپ کے ساتھ اس سفر میں شریک نہ تھے ان میں مصروف رہے غلط ہے اور اس پر ان کا کہنا بھی جھوٹ ہے کہ ہمارے لیے معافی مانگ کیونکہ دل میں اس بات کو گناہ ہی نہیں جانتے بلکہ ان میں یہ خیال تھا کہ رسول ﷺ اور صحابہ ؓ جو مکے جاتے ہیں سلامت نہ آئیں گے۔ کس لیے کہ جب اہلِ مکہ مدینہ میں آ کر لڑتے ہیں تو پھر یہ ان کے گھر جا کر کیونکر سلامت آئیں گے؟ اس خیالِ بد سے شریک نہ ہوئے تھے ان کا دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی نہیں۔ بے ایمانوں کے لیے جہنم ہے اور ان کی اللہ اور اس کے رسول کو پرواہی کیا ہے اس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہے جس کو جو چاہے معاف کرے یا عذاب دے مگر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا' غفور رحیم ہے۔ یہ ان آیات کا خلاصہ ہے مجاہد وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ تخمیناً چودہ سو آدمیوں کے ساتھ ہجرت کے چھٹے سال مکہ کی طرف عمرہ کرنے چلے اور اعلانِ عام کر دیا کہ سب قبائل چلیں کس لیے کہ قریش و دیگر قبائل کا خوف تھا کہ وہ مقابلہ کریں گے تو عرب کے چند قبائل غفار و مزینہ و جہینہ و اشجع وائل جو مدینہ کے اطراف میں رہتے ہیں اور بظاہر مسلمان و مطیع اسلام تھے اس اندیشہ سے ساتھ نہ ہوئے کہ مخالف کے ہاتھ سے بچ کر نہ آئیں گے یہ بدگمانی اور وقت پر آنکھ چرانا شیوۂ ایمان و توکل نہ تھا۔ اس لیے ان پر عتاب ہوا اور سفر میں جب یہ سورہ نازل ہوئی مقام پر پہنچنے سے پہلے آپ کو مطلع کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ لوگ آ کر تم سے یہ جھوٹے عذر کریں گے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے یہ عذرات انہوں نے پیش کیے۔ سبحان اللہ خدا کا کلام بھی کیا کلام ہے۔ عتاب کے وقت بھی انجام کا لحاظ رہتا ہے چونکہ یہ قبائل انجام میں صدقِ دل سے مسلمان اور ناصرِ اسلام ہونے والے تھے۔ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا کے بعد اِنْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بھی فرما دیا کیونکہ آخرکار اسلامی برکات سے یہ بھی مستفید ہوئے اور آیت کے اخیر میں وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرما کر توبہ و استغفار کی طرف آمادہ کر دیا اور بتلا دیا کہ در توبہ کھلا ہوا ہے چلے آؤ تہدید کے ساتھ ترغیب ایک ہی کلام میں کمالِ اعجاز ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا

نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلٰمَ اللّٰهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلٰى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۷﴾

ع ۲ النصف ۱۰

پیچھے رہ جانے والے جبکہ تم غنیمت لینے جاؤ گے تو کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لیتے چلو وہ اللہ کی بات بدلنا چاہتے ہیں (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ تم ہرگز ساتھ نہ چلو گے اللہ نے پہلے ہی سے یوں کہہ دیا ہے پھر وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ وہ لوگ بات ہی کم سمجھتے ہیں اے نبی! ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے کہہ دو کہ بہت جلد تم ایک سخت جنگ اور قوم سے لڑنے کے لیے بلائے جاؤ گے تم ان سے لڑو گے یا وہ اطاعت قبول کرلے گی پھر اگر تم نے حکم مان لیا تو اللہ تم کو بہت ہی اچھا انعام دے گا اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ آگے پھر گئے تھے تو تم کو سخت عذاب دے گا نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے ہی پر کچھ گناہ ہے نہ بیمار ہی پر (جہاد میں شریک نہ ہونے سے) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور جو نافرمانی کرے گا اس کو سخت عذاب دے گا۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے کلامِ سابق کا کہ جب تم غنیمت حاصل کرنے جاؤ گے تو یہ پیچھے رہ جانے والے تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے تو تم ان کو ساتھ نہ لے جانا اور کہہ دینا اللہ کا حکم نہیں پھر وہ تم کو حسد سے متہم کریں گے دراصل وہ نادان ہیں۔

حدیبیہ سے لوٹتے وقت آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکمِ الٰہی سے مژدہ دیا تھا کہ اب عنقریب تم کو ایک فتح اور غنیمت حاصل ہوگی اور اس میں وہی لوگ شریک ہوں جو حدیبیہ میں تھے چنانچہ جب آپ ذی الحجہ کے مہینے میں مدینہ میں واپس آئے اوائل محرم میں ساتویں سال خیبر[۱] پر چڑھائی کی اور یہ لوگ بھی ساتھ چلنے کو آمادہ ہوئے۔ ان کو منع کر دیا گیا۔ کلام اللہ سے مراد اس کا وعدہ اور حکم جو خاص اہلِ حدیبیہ کے شریک کرنے کا تھا یہ شریک ہوتے تو اس میں فرق آجاتا۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلٰى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ الخ اے محمد (ﷺ)! ان پیچھے رہ جانے والوں بدوؤں سے یہ کہہ دو کہ خیبر کی غنیمت میں تم شریک نہیں ہو سکتے مگر اس کے بعد تم کو ایک سخت جنگ

[۱] مدینہ سے شمال کی جانب چار منزل ہے اور وہاں سے تیماء چار منزل اور حجر بھی چار منزل یہ گڑھی کے طور پر چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں باغ اور کھیتی بکثرت ہیں اول یہاں یہود تھے ان کی بدعہدی اور سرکشی سے حضرت ﷺ نے ان پر چڑھائی کی فتح کرنے کے بعد یہاں کی زمین ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ ۱۲ منہ

اور قوی قوم سے لڑنے کو بلایا جائے گا۔ تم ان سے لڑنا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آویں اگر تم نے اس وقت حکم مان لیا تو تم کو نیک اجر ملے گا اور اگر پہلے کی طرح تم پھر گئے تو سخت سزا[1] ملے گی۔ مفسرین کی اس قوم کی بابت کہ جس کو اولی باس شدید سے تعبیر کیا ہے کئی قول ہیں عطاء ومجاہد وابن ابی لیلیٰ اہلِ فارس کہتے ہیں اور کعب وحسن وغیرہ روم مراد لیتے ہیں سعید بن جبیر ہوازن وثقیف قرار دیتے ہیں زہری و مقاتل بنی حنیفہ یمن کے لوگ بتاتے ہیں جو مسیلمہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں اور فارس وروم کو بھی مراد لیتے ہیں۔

تیسرے قول والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سیف یا اسلام خاص کفارِ عرب کے لیے جیسا کہ آیت میں ہے۔ اویسلمون اور عرب کے ساتھ جنگِ عظیم ہوازن وثقیف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی۔ یہ بھی سہی مگر ہوازن وثقیف ایسی جنگ آور قوم نہیں تھیں اور اگر یہی ہے تو بنی حنیفہ اہلِ یمن بھی ان سے کم نہ تھے ان کے لیے بھی سیف یا اسلام ہی تھا یہ جنگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی مگر تحقیق یہی ہے کہ فارس وروم مراد ہیں جن سے صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت میں جنگِ عظیم ہوئی اور عرب کے یہ قبائل بھی بلائے گئے اور انہوں نے دل کھول کر جنگ کی اور متواتر فتوحات حاصل کیں اویسلمون سے اسلام لانا مراد نہیں بلکہ مطیع ہو جانا' جزیہ قبول کرنا۔ اس آیت سے صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا برحق ہونا بخوبی ثابت ہو گیا چونکہ پیچھے رہ جانے والوں پر عتاب ہوا تھا اس لیے جن کے لیے اصلی عذر سے جنگ میں شریک نہ ہونے سے کوئی الزام نہیں ان کا بھی بیان کر دیا کہ اندھا اور لنگڑا اور بیمار شریک نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ ان کے سوا اور بھی معذور ہیں جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے اس کے بعد فرما دیا کہ جو اللہ اور رسول کا کہا مانے گا بہشتوں میں رہے گا اور نافرمان کو سخت عذاب ہوگا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ

[1] یعنی خیبر پر چڑھ کر جاتے وقت جہاں مالِ غنیمت کی پوری توقع ہے ساتھ جانے کی آرزو کریں گے کس لیے کہ حدیبیہ کے سفر میں شریک ہونا ان کے نزدیک بڑا مشکل کام تھا چونکہ قریش کی بہادری سے ڈرتے تھے اور خیبر کے یہود کو ان کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے مگر بالہامِ الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ حدیبیہ کے وقت یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو ہمارے ساتھ اس سفر میں شریک نہ ہوگا وہ آئندہ فتح میں بھی شریک نہ ہوگا اس لیے جب فتح خیبر کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو نہ لیا جس پر ان قبائل نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سے حسد کرتے ہیں غنیمت میں شریک ہونے نہیں دیتے مگر آئندہ ایک بڑی جنگ میں جو روم میں ہونے والی تھی شریک ہونے کی دعوت دی اور یہ بھی سنا دیا کہ اگر تم اس وقت بھی پہلے کی طرح منہ موڑ کر بیٹھ رہو گے تو دنیا میں بھی سخت سزا پاؤ گے اور آخرت میں بھی۔ اگر امام وقت کی اطاعت کرو گے اور جنگ میں شریک ہو گے تو تم کو نیک بدلہ ملے گا دنیا اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لڑنے والی قوم سے جنگ شروع ہوئی۔ یہ لوگ بھی شریک ہوئے اور اجرِ عظیم کے مستحق ہوئے اب وہ لڑائی خواہ یمامہ کی جنگ ہو یا روم وفارس کی بہرطور دونوں میں ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما امام وقت تھے جو ان کے خلافت کے برحق ہونے کی صریح دلیل ہے اور فتحِ خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مذکورہ بالا جنگوں جیسی کوئی جنگ نہیں ہوئی مکہ تو معمولی جنگ کے بعد فتح ہو گیا باقی بنی المصطلق وغیرہ کی معمولی لڑائیاں تھیں اور غزوۂ تبوک میں لڑنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ افسوس ہے کہ حضرات شیعہ ان امامین کی خلافت ثابت نہ ہونے دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی کسی ایک لڑائی کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں محض تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعہ سے۔ ۱۲ منہ

كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

البتہ اللہ ایمان والوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ اس درخت کے تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے پھر اس نے معلوم کر لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر دلجمعی اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جن کو وہ لیں گے اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ جن کو تم لو گے پھر یہ تم کو بہت جلد دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ قدرت کا نمونہ ہو جائے ایمان والوں کے لیے اور تاکہ تم کو سیدھے رستہ پر چلائے اور بھی فتوحات ہیں کہ جو (اب تک) تمہارے بس میں نہیں آئیں البتہ اللہ کے بس میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب : اذ ظرف لرضی تَحْتَ الشَّجَرَةِ ظرف يُبَايِعُوْنَكَ وَمَغَانِمَ منصوب لکونہ معطوفا علی فَتْحًا قَرِيْبًا ای اثابھم مغانم او اتاھم مغانم ولتکون ھذہ الکفۃ اوالغنیمۃ والعطف علی محذوف ھو علۃ الکف ای فعل مافعل من التعجیل والکف لتکون نافعۃ لھم و آیۃ لھم وقیل ان الواو مزیدۃ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ اور اس کے بعد ان اعراب کی محرومی ذکر کی تھی کہ جو شریک نہ ہوئے تھے۔ اب ان اہلِ صدق و ایمان کی بیعت کا حال بیان فرماتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا فقال لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ اللہ ایمانداروں سے خوش ہو گیا کہ جو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تجھ سے درخت تلے بیعت کر رہے تھے پھر ان کے دلوں کا صدق و ثبات بھی اس کو معلوم ہوا جس پر اس نے ان کے دلوں میں اطمینان عطا کیا وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا اور ان کو بہت جلد ایک فتح دی یعنی واپس آتے ہی خیبر کی فتح نصیب ہوئی اور مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا بہت سی غنیمت کی چیزیں جو خیبر میں ملیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اس میں حکمت تھی کہ خیبر کو قبضۂ اسلام میں کر دیا۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا اس کے علاوہ اور بہت سے غنائم[1] کا اللہ نے اے مسلمانو! تم سے وعدہ کیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے وہ اور بعد کے غنائم ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو فتح روم و فارس و دیگر بلاد سے حاصل ہوئے اور اللہ کی خبر سچی ہوئی۔ مدینہ میں فارس و روم کے بیش بہا غنائم کنکر پتھروں سے زیادہ ارزاں ہو گئے تھے۔ کتبِ تاریخ اس کی گواہ ہیں۔ منجملہ ان غنائم کے جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ فعجل لکم ھذہ یہ یعنی فتح خیبر تمہارے لیے جلد ملے گی بعض مفسرین کہتے ہیں۔ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً سے عرب کی اور فتوحات مراد ہیں جو اس کے بعد ہوئے اور روم و شام و فارس کے بلاد فتح ہونے کی طرف وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا میں اشارہ ہے کہ وہ بظاہر تمہارے قبضہ کے نہیں لیکن اللہ کے قبضہ میں ہیں ان کا بھی تم سے وعدہ ہے وہ ہر شے پر قادر ہے یہی قوی تر ہے۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ کے بعد یہ فرمایا وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ کہ یہ فتح تمہارے لیے جلد ملے گی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جاویں گے الفاظ گو ماضی کے صیغے ہیں مگر یہ سورۃ رستے میں مدینہ کے پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ آئندہ آنے والی چیزوں کو ماضی کے صیغے سے بیان کرنا قرآن کا محاورہ ہے۔ اس تقدیر پر یہ آیات فتح خیبر سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ لوگوں کے ہاتھ روکنے سے کیا مراد ہے؟

[1] اس میں روم و ایران وغیرہ بلاد کی طرف اشارہ ہے۔ خلفائے اربعہ و دیگر صحابہ اسی وعدہ کے مطابق پسندیدۂ خدا ہیں۔ لغو روایات سے ان پر طعن کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ ۱۲ منہ

یعنی خیبر والوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جاویں گے وہ تم سے لڑ نہ سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بعض مفسرین نے صیغۂ ماضی پر خیال کر کے یہ کہہ دیا ہے کہ قریش کے ہاتھ روکنا مراد ہے جو حدیبیہ کے روز مسلمانوں اور قریش میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بعض مسلمان جو درختوں کے تلے پڑے ہوئے تھے مکہ والے ان سے آ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ قریب تھا کہ جنگ ہو جاوے مگر ادھر حضرت ﷺ نے بیعت لینی شروع کر دی تھی۔ مسلمان ادھر متوجہ ہو گئے یہ ہاتھ روکنا اگلی آیات میں بیان ہوتا ہے۔

اب ہم کو اس بیعت کا کچھ حال بیان کرنا ہے۔ ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ والے سال آنحضرت ﷺ قربانیاں لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے چلے۔ جنگ مقصود نہ تھی تخمیناً چودہ سو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ جب حدیبیہ پہنچے تو کفارِ قریش مانع آئے اور انہوں نے جنگ کی تیاری کر دی حضرت ﷺ نے حدیبیہ میں ڈیرہ ڈال دیا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر عمائد مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں لڑنے کو نہیں آیا ہوں مجھے کعبہ کا طواف کرنے دو۔ قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ان کو قتل کر ڈالا تب نبی ﷺ نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی آپ ایک درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے کسی نے اس کو کیکر کا کسی نے بیری کا کسی نے کیلے کا درخت بتلایا ہے۔ سب نے بیعت کی کہ لڑیں گے اور بھاگنے کے نہیں۔ بیہقی وغیرہ محدثوں نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اے اللہ! عثمان، اللہ اور رسول کے کام میں ہے ان کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ رکھ کر اس پر دوسرا ہاتھ رکھا اور بیعت کی حضرت ﷺ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بہتر تھا۔ اس کو بیعتِ رضوان اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیعت کرنے والوں سے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ فقال لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

احادیث صحیحہ میں اس بیعت میں شریک ہونے والوں کے بہت فضائل آئے ہیں امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس نے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ داخل نہ ہوگا اور بہت سی احادیث میں ان کے جنتی ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور بدر کے لوگوں کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے رضی اللہ عنہم۔ یہ بات باتفاقِ مؤرخین ثابت ہے کہ اس بیعت میں خلفاءِ اربعہ شریک تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے ان کی طرف سے حضرت نبی ﷺ نے بیعت کی ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے جب یہ ثابت ہو چکا تو ان کے قطعی جنتی ہونے میں اور اس بات میں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ مومن تھے کوئی بھی شک نہیں رہا۔ ان کے لیے یہ دستاویز آسمانی اور تمسکِ قرآنی کافی ہے۔ ہم افسوس کرتے ہیں ان لوگوں پر جو (رطب و یابس روایات سے جن میں محض تعصب و طرفداری ہے فدک وغیرہ معاملات سے) حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کو اہلِ بیتِ رسول ﷺ کا دشمن بنا کر ان کو نا ملائم الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ان کی شان میں کیا کیا کہتے ہیں اور پھر اس بدگوئی اور بدزبانی کو محبتِ اہلِ بیت قرار دے کر اس کو نجات کا باعث کہتے ہیں۔ ہاں جیسا کہ ان کے محامد کا تمسک قوی ہے اگر اسی مرتبہ کا کوئی برائی کا وثیقہ ہوتا تو ایک بات تھی۔ محامد تو قرآن سے ثابت ہوں اور برائیاں ایرے غیرے حاطب الیل متعصب راویوں کے بیان سے ثابت کر کے اس آسمانی تمسک کو چاک کیا جائے جس کو ذرا بھی عقلِ سلیم ہوگی وہ اس بات کو کبھی جائز نہ رکھے گا اور یوں تاویلاتِ رکیکہ توجیہاتِ باطلہ کو تو بڑی گنجائش ہے۔ ان آیات کے صاف اور سیدھے معنی کو الٹ پلٹ کر جو چاہو کہہ دو میدانِ قیل وقال بڑا وسیع ہے۔

فائدہ: صحیح بخاری میں ہے کہ وہ درخت کہ جس کے تلے بیعت ہوئی تھی لوگوں کو بھلا دیا گیا تھا۔ لوگ متبرک سمجھ کر وہاں آنے لگے تھے ہوتے ہوتے اس کی پرستش ہونے لگتی اس مصلحت سے خدا نے اس کو مخفی کر دیا۔ مصنف میں ابن ابی بکر بن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ وہ درخت کٹوا دیا گیا۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا

نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ
تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ
بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ
مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ
تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ
الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ
كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع ۹ ۳ ۱۱

اور اگر کافر تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑتے پھر نہ کوئی حمایتی پاتے اور نہ مددگار اللہ کا قدیم دستور پہلے سے یوں ہی چلا آتا ہے اور (اے مخاطب!) تو اس کے دستور کو بدلا ہوا نہ پائے گا اور وہی تو ہے کہ جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان سے شہر مکہ میں تم کو ان پر فتح یاب کرنے کے بعد اور جو کچھ تم کرتے رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے یہ مغلوب کافر وہی تو ہیں کہ جنہوں نے انکار کیا اور تم کو مسجد الحرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پر پہنچنے سے اٹکا دیا اور اگر (مکہ میں) ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں موجود نہ ہوتیں کہ جن کو تم نہیں جانتے تھے ان کے پس جانے کا خوف نہ ہوتا۔ پھر ان کی طرف سے تم پر نادانستگی سے الزام آتا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ اگر وہ ٹل جاتے تو منکروں کو ان میں سے ہم سخت سزا دیتے جبکہ کافروں نے اپنے دل میں سخت جوش پیدا کیا تھا جہالت کا جوش تھا پھر اللہ نے بھی اپنی تسکین اپنے رسول پر اور ایمانداروں پر نازل کر دی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا۔ اور وہ اسی کے لائق اور قابل بھی تھے اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

ترکیب : سُنَّةَ اللّٰهِ انتصابہ علی المصدریۃ بفعل محذوف ای سن اللہ سنۃ اوھو مصدرہ مؤکد لمضمون الجملۃ المتقدمۃ من ھزیمۃ الکفار ونصر المؤمنین والھدی قرءا لجمھور بنصب الھدی عطفا علی الضمیر المنصوب فی صَدُّوْكُمْ وقری بالجر عطفا علی المسجد معکوفًا انتصابہ علی الحال من الھدی قال الجوھری عکفہ ای حبسہ ومنہ الاعتکاف فی المسجد وھوالاحتباس ان یبلغ ای عن ان یبلغ اومفعول لاجلہ ولولا شرط وجوابہ محذوف والتقدیر لاذن اللہ لکم. المعرۃ العیب وقیل الشدۃ وقیل الغم بغیر علم متعلق بان تطوھم ای غیر عالمین لیدخل اللام متعلقہ بمایدل علیہ الجواب المقدر ای لم یاذن لکم اوکف ایدیکم لیدخل اللہ حمیۃ الجاھلیۃ بدل من الحمیۃ اھلھا عطف تفسیری ای وکان المؤمنون احق بھذہ الکلمۃ من الکفار والمستاہلین لھا دونھم۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ اس پر مخالفوں کو شبہ کی گنجائش تھی کہ خیبر کے لوگ ڈر گئے اور لڑے نہیں یہ اتفاقی بات تھی اگر سب جمع ہو جاتے تو دیکھتے کیا ہوتا۔ اس سے پہلے عرب مدینہ پر چڑھ کر آئے اور نبی ﷺ کو حدیبیہ میں روک دیا۔ اس کا جواب دیتا ہے وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ اگر وہ تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ دے کر بھاگتے اور ان کا کوئی حمایتی اور مددگار کھڑا نہ ہوتا۔ یہ کیوں؟ اللہ کا ہمیشہ سے یہی دستور ہے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم سے نجات دی موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں سے نجات دی۔ فلسطین اور شام کے رہنے والوں پر غلبہ دیا اس کا دستور بدلتا نہیں۔ اس نبی کا دین بھی اسی دستور کے موافق غلبہ پاتے گا یہ آسمانی منشا ہے۔ اس نبی کی نسبت پہلے انبیاء فرما گئے ہیں۔ یہ پتھر جس پر گرے گا اس کو چور چور کرے گا اور جو اس پر آ گرے گا چورا چورا ہو جائے گا اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ کا تصرف ظاہر کرتا ہے ایک واقعہ یاد دلا کر فقال وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ الخ کہ بطنِ مکہ یعنی اس کی حرم میں جو کفار کا مجمع تھا ان کے ہاتھ ہم نے روکے جو بظاہر خلاف قیاس بات تھی کیونکہ جب وہ باہر آ کر لڑنے کو موجود تھے وہاں تو اور بھی ان کو موقع تھا اور اسی طرح تم کو قابو دے کر تمہارے ہاتھ روک دیے جنگ نہ ہونے دی۔

قابو دینے کی بابت ابن ابی شیبہ و احمد و مسلم و ابوداؤد و نسائی و ترمذی وغیرہم نے یہ نقل کیا ہے کہ اسی جوان ہتھیار بند اہلِ مکہ کے تنعیم پہاڑ کی طرف سے نبی ﷺ پر (بمقامِ حدیبیہ) حملہ کے قصد سے آئے۔ آپ نے بددعا کی وہ گرفتار کر لیے گئے پھر آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ بعض نے یہ بھی روایت کی ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل ایک جماعت کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان نکلے اور پتھروں سے لڑائی ہوئی کفار کو بھگا کر خاص مکہ میں ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے چند مشرکین گرفتار کئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے خیر جو کچھ ہو مسلمانوں کا قابو یافتہ ہو کر جنگ سے روکنا اس کی قدرت کا نمونہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں كَفَّ اَيْدِيَهُمْ وَاَيْدِيَكُمْ سے مراد یہ ہے کہ تم میں ان میں جنگ نہ ہونے دی یعنی فتح مکہ کے دن اور یہ اسی دن کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکہ صلح سے فتح نہیں ہوا بلکہ زور و شوکت سے۔ اس کے بعد وہ باعث بتلاتا ہے کہ جس سے اے مسلمانو! تم میں اور ان میں جنگ ہونی ضروری تھی مگر خدا نے نہ ہونے دی فقال هم الذين كفروا کہ وہ تو وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے دین حق کا انکار کیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تم کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے روک دیا (حدیبیہ کے روز) اور صرف تم کو نہ بلکہ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ہدی یعنی قربانی کو محبوس یعنی بند کر دیا اس کے مقام پر نہ پہنچنے دیا اور ان کا مقام حرم ہے جہاں وہ ذبح ہوا کرتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ستر قربانیاں ساتھ تھیں لاچار حدیبیہ میں ہی ذبح کی گئیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کعبہ آنے سے رک جاوے اس کی قربانی منیٰ میں آ کر ذبح ہونی چاہیے کیونکہ یہی اس کی جگہ ہے یعنی حرم اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جہاں رکے وہیں ذبح کر دے جیسا کہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے کیا۔ اس مسئلہ کی تحقیق آ چکی ہے۔ اب مسلمانوں کے جنگ سے ہاتھ روکنے کی مصلحت و حکمت ظاہر کرتا ہے فقال وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ الخ کہ مکہ میں کچھ مرد کچھ عورتیں در پردہ ایمان لائے ہوئے تھے جن کی تم کو خبر نہ تھی جنگ ہوتی تو تمہارے ہاتھ سے وہ پامال ہو جاتے جس سے تم پر عیب و الزام ہوتا اگر وہ وہاں نہ ہوتے تو تم کو لڑنے کا حکم دیا جاتا خدا نے تم پر مہربانی کی اور وہ جس پر چاہتا ہے مہربانی کیا کرتا ہے اگر یہ لوگ وہاں نہ ہوتے جن پر اللہ کی رحمت تھی جن کے سبب یہ بچ گئے تو ہم کفار کو سخت سزا دیتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا پرہیزگار ثابت ہونا : اب ایک اور سبب بیان فرماتا ہے کہ جو باہمی جنگ کے لیے پیدا ہو گیا تھا مگر اللہ نے دونوں فریق کے ہاتھ روک دیے فقال اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ کہ کافروں نے اپنے دلوں میں جہالت کا

جوش اور تعصب پیدا کر لیا تھا کہ ہمارے لوگ تو قتل ہوں اور پھر یہ ہمارے شہر اور گھروں میں آویں اور عرب سن کر کیا کہیں گے ہم ہرگز طواف کعبہ کے لیے بھی نہیں آنے دیتے۔ اس سے مسلمانوں کو جوش ہونا فطری بات تھی۔ لیکن فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان نازل کیا کفار کے اس جوش سے ان کو خوف پیدا نہ ہوا۔ بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا ہم حق پر وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنت میں ان کے دوزخ میں نہیں؟ پھر کس لیے ہم دین میں ان سے دبیں۔ آپ نے فرمایا بے شک مگر میں اللہ کا رسول ہوں مجھے ضائع نہ کرے گا۔ اسی طرح صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اطمینانِ اہلِ اسلام کا یہ حال تھا وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى اللہ نے اس اطمینان پر مسلمانوں کو پرہیز گاری کی بات کا پابند کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کلمۃ التقویٰ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ زہری کہتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کو کفار نے صلح نامہ میں درج نہ ہونے دیا تھا وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا اور مسلمان اسی کے لائق بھی تھے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اور اللہ ہر بات سے واقف ہے اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا پرہیز گار رہنا ثابت ہوا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

مع

ع

البتہ اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم انشاء اللہ مسجد الحرام میں بے خوف (وخطر) سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے بے خوف داخل ہوتے ہو۔ جس بات کو تم جانتے تھے اس نے اس کو جان لیا تھا پھر اس نے اس سے پہلے ہی قریب کی فتح موجود کر دی وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق

۱ حال مقدرۃ لانہم فی حال دخولہم لم یکونوا محلقین ومقصرین وانما کان ہذا فی ثانی الحال ابن جریر۔ ۱۲ منہ

۲ قال الاخفش ذلک من شطئہ طرفہ ازرہ قواہ وشدہ فاستغلظ ای صار وغلیظاً تبینا قویا والسوق جمع ساق ۱۲۔

دے کر بھیجا تا کہ اس کو ہر ایک دین پر غالب کرے۔ اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (اور) آپس میں بڑے مہربان ہیں۔ اب اللہ کا فضل اور رضا جوئی کے لیے رکوع اور سجدہ بھی کرتے ہوئے دیکھو گے ان کے انوار ان کے چہروں سے سجدوں کے اثر سے نمودار ہیں۔ یہ وصف ان کا توراۃ میں ہے۔ اور انجیل میں ان کا (یہ) وصف ہے جیسے کھیتی جو اپنی سوئی نکالتی ہے پھر مضبوط ہوتی جاتی ہے پھر موٹی ہوتی جاتی ہے پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہو جاتی ہے کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگتی ہے تا کہ اللہ ان سے کافروں کو جلا دے اللہ نے ان میں سے ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر لیا ہے۔

ترکیب : صدق کجعل دخلق یتعدی الی مفعولین رسولہ مفعول اول الرؤیا مفعول ثان ویحتمل ان یتعدی بحرف تقدیرہ صدق اللہ رسولہ فی رؤیاہ بالحق حال ای متلبسا بالحق۔ اوقسم لان الحق من السماء تعالی وعلی ھذا لتدخلن جواب او جواب القسم المحذوف ای واللہ لتدخلن وھذا تفسیر للرؤیا اوتحقیق لقولہ صدق اللہ ان شاء اللہ تعلیق للعدۃ بالمشیۃ لتعلیم العباد ان یقولوا انشاء اللہ کما امر اولا ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ اواظہار ان ذلک وعدہ لاتحقیق الا بمشیۃ لیس علیہ دین ولاحق واجب آمنین حال من فاعل لَتَدْخُلُنَّ ولشرط معترض وکذا قولہ محلقین الخ لاتخافون حال مؤکدۃ من فاعل لتدخلن اواستیناف فعلم عطف علی صدق سیماھم مبتدا فی وجوھم خبرہ ذلک مبتدا مثلھم خبرہ ومثلھم فی الانجیل مبتداء کزرع خبرہ۔

تفسیر : سکینہ نازل کرنے کے بعد جو کچھ منافقوں نے کہا اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ اور یہ بھی ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا میں اس طرف اشارہ تھا کہ ہر بات کی مصلحت وہی خوب جانتا ہے بندوں کے جلدی کرنے سے وہ جلدی نہیں کرتا۔ ہاں اس بات کو اس کے موقع پر پوری کر دیتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہجرت کے چھٹے سال خواب دیکھا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں یعنی حرمِ کعبہ میں امن سے گئے ہیں، ارکانِ حج و عمرہ باطمینان بجا لا رہے ہیں سر بھی منڈاتے ہیں بال بھی کترا رہے ہیں جیسا کہ حج و عمرہ میں کیا کرتے ہیں اور کسی کا کچھ خوف و خطر نہیں ہے۔ اس خواب کو آپ نے بعض لوگوں سے بیان بھی فرما دیا تھا مگر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا قصد عمرہ کرنے کا ہوا۔ لوگ خصوصاً مخالفین یہی سمجھ گئے کہ آپ اسی خواب کے مطابق مکہ عمرہ کرنے چلے ہیں حالانکہ آپ اس کی تعبیر کا یہ وقت ہرگز نہیں سمجھتے تھے اور نہ کسی سے یہ فرمایا تھا خیر جب حدیبیہ پہنچے اور کفار مکہ نے سنا تو جنگ کی تیاری کر دی اور آپ مکہ میں نہ گئے وہیں سے صلح[1] ہو گئی واپس چلے آئے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو اب منافقوں کو خواب کی تکذیب کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا کہ لو کہتے تھے مجھے خواب ہوا ہے کہ مکہ میں امن سے جائیں گے ارکانِ حج ادا کریں گے حالانکہ مکہ میں داخل بھی نہ ہونے پائے اور اس بات کو منافقوں نے بہت مشہور کیا۔ ان آیات میں ان کا جواب ہے فقال لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ کہ خواب کو بے شک اللہ نے سچ کر دیا یعنی کرے گا۔ (قرآن میں یقینی چیز کو جو آئندہ آنے والی ہو بلفظِ ماضی تعبیر کیا جاتا ہے) کہ انشاء اللہ تم اطمینان و امن سے مسجد الحرام میں داخل ہو گے ارکانِ حج و عمرہ ادا کرو گے مگر اس سال میں یہ مقدر نہیں اس کی حکمت تم کو معلوم نہیں وہی خوب جانتا ہے مگر اس سے پہلے تم کو ایک نزدیک فتح دی یعنی خیبر کی فتح جلد نصیب

[1] صلح میں یہ قرار پایا کہ جو قریش سے بھاگ کر مدینہ جائے محمد ﷺ اس کو واپس بھیج دیں اور جو ان کا بھاگ آوے واپس نہ دیا جائے اور آپ اگلے سال آ کر عمرہ کریں مکہ میں ہتھیار بند کر کے آویں، تلواریں میان میں ہوں، ننگی نہ ہوں اور دس برس تک باہم جنگ نہ ہو اور جو قبائل جس کے حلیف ہوں وہ بھی ان میں شامل ہوں اور کفار کی طرف سے وکیل سہیل بن عمرو تھا کہ جس کا بیٹا ابا جندل اسی وقت مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں میں آیا تھا جو واپس دیا گیا خزاعہ قبیلہ حضرت ﷺ کا اور بنو بکر قریش کا حلیف ہوا حضرت ﷺ نے اگلے سال عمرہ ادا کیا اس کے بعد خزاعہ اور بنو بکر میں لڑائی ہوئی۔ قریش نے بدعہدی کر کے بنو بکر کی مدد کی خزاعہ حضرت ﷺ کے پاس آئے جس سے وہ صلح فسخ ہو گئی اور آٹھویں سال آپ مکہ پر چڑھے اس کو فتح کر لیا جس کی تفصیل کتب سیر میں ہے۔

کردی۔

الحمد للہ کہ خدا نے اپنے نبی صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کو سچا کیا۔اس کے اگلے سال آنحضرت ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ تھا مکہ کے کفار گھروں میں چھپ گئے۔آنحضرت ﷺ نے اور سب نے اطمینان سے عمرہ کیا۔ کسی نے سر منڈوایا' کسی نے بال کتروائے' کسی کا خوف وخطر نہ تھا۔اس کے بعد فتح مکہ کا وہی واقعہ تھا جس کی حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی ہے کتاب یسعیاہ کا ۲۶ باب دیکھو۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خبر دی ہے سفر استثنا ۲۲۳۔باب ورس ۲ اور ۵ زبور میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ورس ۳۔ ہمارا خدا آوے گا (یعنی اس کا رسول) اور چپ چاپ نہ رہے گا (تکبیر اور تلبیہ کی آوازیں بلند ہوں گی) آگ اس کے آگے آگے فنا کرتی جائے گی اور اس کے آگے شدت سے طوفان ہوگا (لشکر صحابہ) وہ اوپر آسمان کو طلب کرتا اور زمین کو بھی تا کہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے (مکہ میں عدالت ایسی ہی اس روز آپ نے کی) میرے پاک بندوں کو میرے پاس فراہم کرو جنہوں نے میرے ساتھ قربانی پر عہد کیا ہے تب آسمان اس کی صداقت کو آشکارا کریں گے۔فتح مکہ کے بعد سے آسمانوں نے حضرت ﷺ کی صداقت ظاہر کر دی۔روئے زمین پر روشن کر دیا کہ آپ وہی رسول برحق ہیں۔اور ۴۷۔زبور میں بھی جس کا اخیر فقرہ یہ ہے قوموں کے امرا ابراہام کے خدا کے لوگوں سے مل کے جمع ہوئے ہیں۔اب آپ ہی خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ کی اس شوکت کا اظہار کرتا ہے فقال هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ کہ اللہ نے اپنا برحق رسول بھیجا تا کہ سب دینوں پر نبی کو یا دینِ حق کو اللہ غالب کرے یا اس کی طرف سے رسول غالب کرے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی اور دین برحق ہونے کی گواہی دینے کو بس ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وہ کون رسول ہے۔محمد اللہ کا رسول (ﷺ) اس میں ایمانداروں کے دلوں کو تسلی ہے کیونکہ حدیبیہ کے مقام پر جب صلح نامہ لکھا گیا تو بسم اللہ کے بعد اس کی یہ عبارت تھی من محمد رسول اللہ کفار نے کہا ہم آپ کو رسول اللہ نہیں جانتے اس کو مٹادو۔آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تو اس لفظ کو مٹا دے علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں محمد رسول اللہ کے لفظ کو مٹا ڈالوں۔پھر خود آپ نے محو کر دیا کیونکہ صلح کرنی مقصود تھی جنگ مقصود نہ تھی۔ان کے مٹوانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ نے قرآن شریف میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھ دیا جو قیامت تک بھی نہ مٹے گا محمد تو اللہ کے رسول ہیں مگر وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ اس کے ساتھ جو پاکباز اور مقدس لوگوں کی جماعت ہے وہ ہیں جو خدا کے دشمنوں پر سخت ہیں ان سے دبتے نہیں۔اشداء جمع شدید رحماء جمع رحیم۔آپس میں رحیم یعنی نرم دل ہیں۔یہاں سے یہ بات بھی رد ہوگئی کہ صحابہ آپس میں کینہ وعداوت رکھتے تھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے ڈر کر تقیہ کرتے تھے۔تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ ان کی تیسری صفت ہے کہ وہ اس کثرت سے نماز پڑھتے ہیں کہ رکوع وسجدہ ہی میں دکھائی دیتے ہیں دنیا کی غرض اور کسی کے دکھانے کو نہیں بلکہ خاص اللہ کے لیے اس کے فضل اور اس کی خوشنودی کے لیے۔پہلی دو صفتیں معاملات کے متعلق تھیں۔یہ صفت ان کی ذات سے متعلق ہے یعنی بڑے پرہیز گار باخدا لوگ ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم کو بری باتوں سے متہم کرنا بڑی بد باطنی اور اس آیت کی مخالفت کرتی ہے اعاذنا اللہ منہ۔

چوتھی صفت سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ ان کی بزرگی اور نیکی کے آثار وانوار ان کے چہروں سے ظاہر ہیں حقیقت میں انسان کا باطنی حال اس کے چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔شب خیز باخدا لوگوں کے چہروں میں جو انوار وبرکات ہوتے ہیں وہ ریاکاروں اور بدباطنوں کے چہروں میں ہرگز نہیں ہوتے بشرطیکہ اس دیکھنے کے لیے خدا نے آنکھ بھی دی ہے۔اسلام کی یہ بھی ایک بڑی ظاہر برکت ہے کہ مسلمان ہوتے ہی اس کے چہرہ پر نور وبرکت معلوم ہونے لگتی ہے۔خوبصورتی وبدصورتی اور چیز ہے نورانیت وبدرونقی اور بات ہے۔

حضرت رسول کریم ﷺ کے صحبت یافتوں میں یہ خوبیاں ہونا آنحضرت ﷺ کا اعجاز تھا کہ جس نے کیسے کیسے سیاہ دلوں' خونخواروں' بدکاروں' شہوت پرستوں کو کایا پلٹ کر دیا (اثر نبوتِ کاملہ اس کو کہتے ہیں)۔

پھر فرماتا ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ اس جگہ قراء کے نزدیک وقف ہے یعنی یہ خوبیاں ان کی توریت میں موجود ہیں وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ الگ جملہ ہے اور بعض کہتے ہیں فی الانجیل پر وقف ہے کَزَرْعٍ الگ جملہ ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں توریت اور انجیل میں ہیں اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ذٰلِكَ پر وقف ہے ای الامر ذلک یعنی بات یوں ہی ہے اور مثلھم فی التوراۃ الگ جملہ ہے کہ توریت اور انجیل میں ان کی خوبیاں مذکور ہیں۔ مگر قوی تر وہ پہلی بات ہے۔ اب ہم اسی کے مطابق شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ اصل توریت وانجیل اب دنیا میں باقی نہیں جو وہاں ان صفاتِ صحابہ اور حضرت ﷺ کی رسالت کو پورے پورے طور پر دکھائیں جس طرح کہ (وہ ناصری کہلائے گا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی خدا تعالیٰ کے نوشتوں میں نہیں دکھا سکتے اور اس بات کا ثبوت ہم نے بخوبی کر دیا ہے کہ اصلی توریت و انجیل اب دنیا میں نہیں جس طرح اور انبیاء علیہم السلام کی کتابیں نہیں جن کا مروج توریت وغیرہ میں حوالہ ہے مگر اب تورات موجودہ انجیل مروج ہی میں دکھاتے ہیں۔

تورات سفر استثناء تینتیسویں باب کے شروع میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کی نسبت یہ لکھا ہوا ہے قولہ خداوند سیناء سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا[1] دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔ اس عبارت کی تاویل میں اہلِ کتاب گو بہت کچھ پیچ وتاب کھاتے ہیں مگر کوئی بات بن نہیں آتی۔ یہ صحیح کہ سینا سے مراد کوہ سیناء ہے اور کوہ طور بھی وہی ہے وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کرنا مراد ہے مگر کوہِ شعیر اور فاران کے پہاڑ تو عرب میں ہیں جن کا سلسلہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک ہے ان میں سے فاران کے پہاڑ وہ ہیں جو مکہ کے متصل ہیں اور جبلِ شعیر مدینہ کے متصل ہے وہاں سے تو حضرت موسیٰ کا ظہور ہوا نہ حضرت عیسیٰ کا (علیہما السلام) اور نہ دس ہزار قدسی یعنی پاکباز موصوف بصفاتِ حمیدہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے بلکہ وہ لوگ تھے کہ جن پر ان کی بیہودگی و نافرمانی سے بارہا خدا تعالیٰ ناخوش ہوا اور فرمادیا کہ ان کو شام کا ملک دیکھنا نصیب نہ ہوگا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایسے لوگ تھے کیونکہ ان کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بے ایمانی کا لقب دیا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے داہنے ہاتھ میں آتشی تشریعت تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ خاص حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کہ جن کی نسبت فرمایا والذین معہ الخ قدسی لوگ تھے اور آپ ہی کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی جس نے بت کدے اور قمار خانے اور زنا خانے جلا دیے۔ پھر اسی باب میں آگے چل کر فرماتا ہے۔ ''ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے (والذین معہ سے) اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کسی نبی کے پیروؤں نے اپنے نبی کی ایسی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کی مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ کا جملہ صادق آیا اب مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کا بیان سنئے۔ انجیل متی کے تیرہویں باب میں کھیتی کی مثال دو جگہ بیان ہے آٹھویں جملے میں ہے اور کچھ (تخم) اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال ہے پھر ۳۱ و ۳۲ جملے میں ہے وہ اچھی زمین عرب ہے جہاں تخمِ ہدایت بویا گیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کا پھل لگا سو گنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحاتِ کثیرہ کی وجہ سے ساٹھ گنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیس گنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت ﷺ نے بھی فرمادیا تھا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ آیت کے بھی یہی معنی ہیں کہ پیڑ اگا' عرب کی زمین میں فارزہ پھر وہ

---

[1] تورات میں بھی آیندہ باتوں کو ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ ۱۲ منہ

قوی ہوتا گیا صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بالکل قوی ہوا فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ کہ کافر اس سے جلنے لگا۔ اللہ کا ایمانداروں کے لیے مغفرت و اجر عظیم کا وعدہ ہے۔ سورۃ کے اول میں فتح اور اخیر میں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے اور یہ ثابت ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے جلتے ہیں وہ کافر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ
اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ کیونکہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ اور نہ رسول سے بلند آواز سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال نہ برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ وہ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے روبرو پست کرتے ہیں انہیں کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے اور وہ جو ان کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر تو بے وقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس نکل کر آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر : یہ سورۃ بالاتفاق مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ سورہ فتح کے اخیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ اور ان کی بزرگی بیان ہوئی تھی اس لیے اس سورہ میں چند آداب تعلیم کرتا ہے تاکہ ان کے برخلاف عمل کرنے سے اس بزرگی میں فرق نہ آوے۔ اس سورہ میں تمدن کے متعلق وہ احکام بیان فرمائے ہیں کہ جن سے قوتِ اعوانیہ و طاقتِ اجتماعیہ جو اتفاق و محبتِ باہمی پر مبنی ہے قائم رہے۔ اور سب سے اول مسئلہ سردار کی تعظیم و عظمت کا ہے کیونکہ اس کی عزت دل میں ہوگی تو اس کے احکام کی تعمیل بھی ہوگی وہی تو اس قوت کا جمع رکھنے والا ہے۔

اوّل حکم : اس لیے سب سے اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب سے ادب ملحوظ رکھنے کے احکام صادر فرمائے۔ فقال يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا الخ یہ پہلا حکم ہے کہ اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔ اللہ کا لفظ اس لیے ذکر کیا کہ رسول اللہ کا نائب ہے اس کی گستاخی اللہ کی گستاخی اور اس کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔ آگے بڑھنے سے کیا مراد ہے؟ یعنی کسی بات میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جلدی نہ کرو بلکہ تابع

رہو۔ حضرت ﷺ سے پہلے آپ کوئی حکم نہ دو۔ آپ کے سامنے کسی کام میں سبقت نہ کرو چلنے میں بات کرنے میں حکم دینے میں کھانے میں کسی کے سوال کے جواب دینے میں آگے بڑھ کر بیٹھنے میں عام ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہاری باتیں سنتا ہے دل کے احوال جانتا ہے۔

دوسرا حکم : یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کیا کرو پست آواز اور نرمی سے بات کیا کرو کس لیے کہ سردار کے سامنے غل مچا کر اور ٹائیں ٹائیں آواز سے باتیں کرنا نہ تنہا گستاخی بلکہ بدتہذیبی بھی ہے۔ مہذب لوگ پست آواز سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ بخاری نے اور مسلم نے اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد غمگین ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ نبی ﷺ نے دریافت کیا اس نے عرض کروایا میری آواز بلند ہے میرے اعمال حبط ہو گئے ہیں جہنمی ہو گیا آپ کے سامنے بلند آوازی سے کلام کرنے سے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو جنتی ہے۔ الغرض جن صحابہ رضی اللہ عنہم کی آوازیں بلند تھیں اس آیت کے بعد سے وہ اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ پوچھنے کی حاجت پڑتی تھی۔

تیسرا حکم : وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ نبی سے اس طرح سے پکار کر اور خطاب کر کے باتیں نہ کیا کرو کہ جس طرح آپس والوں سے کرتے ہیں۔ دوسرے حکم میں مطلقاً آواز بلند کرنے کی حضرت ﷺ کے روبرو ممانعت تھی خواہ حضرت ﷺ سے خواہ کسی اور سے نہ چیخو غل نہ مچاؤ۔ یہاں خاص آنحضرت ﷺ سے بات کرنے کا ادب۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۸﴾ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لے کر آوے تو اس کو تحقیق کیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ کہیں کسی قوم پر بے خبری سے نہ جا پڑو پھر اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگو اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال

دی اور اس کو تمہارے دلوں میں بسا دیا اور تمہاری نظروں میں کفر اور بدکاری اور نافرمانی کو برا کر دکھایا ہے یہی لوگ نیک چلن ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر بھی اگر وہ دوسرے پر سرکشی کرے تو سرکشی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ گروہ حکم خدا کی فرمانبرداری پر آ جائے۔ پھر اگر وہ فرمانبرداری پر آ جائے تو ان میں انصاف سے صلح کرا دو اور ان میں عدل کرو۔ بے شک اللہ کو انصاف کرنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان والے جو ہیں تو بھائی بھائی ہیں پھر اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جاوے۔

ترکیب : ان تصیبوا مفعول لہ ای خشیۃ ذلک بجہالۃ حال من الفاعل ای جاہلین۔ لو یطیعکم مستانف ویجوز ان یکون فی موضع الحال والعامل فیہ الاستقرار کقولک مررت برجل لو کلمتہ کلمنی فکما جاز وقوعہ صفۃ للنکرۃ جاز وقوعہ حالا فضلا مفعول لہ طائفتان فاعل فعل محذوف اخویکم بالتثنیۃ والجمع الاخوۃ جمع الاخ۔

تفسیر : سکھایا گیا ہے۔ فرمایا ایسی گستاخی میں اعمال حبط ہو جانے کا ڈر ہے۔ الحمد للہ امت محمدیہ خصوصاً صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی کمال درجہ تعمیل کی اب تک حرمین شریفین میں بلند آواز سے کوئی بات نہیں کرتا کسی کو دور سے بلایا جاتا ہے تو اشارے سے۔ افسوس ہندوستان کے مسلمانوں پر کہ مساجد میں کیسا غل مچاتے ہیں اور اکابر اور بزرگانِ دین کے سامنے بات کرنے میں تہذیب و ادب ان کے نصیب نہیں الا ماشاء اللہ۔ کیسی بدتہذیبی آ گئی ہے۔

اب پست آوازی سے بات کرنے والوں کے محامد بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ کہ جو لوگ نبی کے سامنے پست آواز سے بات کرتے ہیں اللہ نے ان کے دل پرہیزگاری کے لیے خاص و ممتاز کیے ہیں یعنی ان کے دلوں میں تقویٰ ہے ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے صحابہ خصوصاً خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم اس صفت کے موصوف تھے کیوں نہ ہو۔ ان کی نسبت تورات میں اول ہی سے آ گیا ہے کہ وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھتے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

اس کے بعد اس حکم کے خلاف کرنے والوں کا حال بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ حجرات کو جمہور نے بضم جیم پڑھا ہے یہ حجرہ کی جمع ہے جیسا کہ غرفہ کی غرفات اور ظلمۃ کی ظلمات۔ حجرہ گھر خلوت خانہ جس کی چار دیواری ہو۔ اس سے مراد ازواجِ مطہرات کے مکانات ہیں۔ یعنی جو لوگ آپ کو حجرات کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر بے عقل ہیں۔ یہ عرب کے گنواروں کی عادت تھی جیسا کہ ہند کے گنواروں کی عادت ہے کہ کسی بزرگ سے ملنے گئے اور وہ اپنے مکان میں ہے باہر آنے کا انتظار نہیں کرتے پکارنے لگتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ احمد و ابن جریر و بغوی و طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اقرع بن حابس نے آ کر پکارا تھا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اخرج اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر آ۔ ابو یعلی و مسدد و ابن راہویہ و ابن مردویہ و طبرانی نے نقل کیا ہے کہ عرب کے چند آدمی آئے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر سے پکارنے لگے۔ یا محمد یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ادب سکھاتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ کہ اگر وہ صبر کرتے ہیں یہاں تک کہ اے نبی تم از خود باہر نکل کر ان کے پاس آ جاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ واللہ غفور رحیم اللہ ان کی اس بے ادبی کو جو جہالت و بے عقلی سے سرزد ہوئی ہے معاف کر دے گا اگر وہ توبہ کریں گے۔ اس کے بعد سے پھر کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا عرب میں صلاحیت کا مادہ بہت کچھ ہے۔ اب تک وہاں کے بدو اور جگہ کے تہذیب یافتوں سے بات چیت میں اور دیگر امور میں مہذب ہیں جبکہ وہاں کے گھوڑے میں یہ صلاحیت ہے، تو آدمیوں کا کیا کہنا ہے اسی حکمت سے اس سرزمین پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

چوتھا حکم : یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا کہ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو جانچ لیا کرو یہ نہیں کہ جو کسی سے سنا یقین کر لیا اور اس پر کاربند ہو گئے کیونکہ ایسی صورتوں میں باہم لڑانے کے لیے بہت سے جھوٹے افسانے غماز بنا لایا کرتے ہیں ان پر باور کر کے کسی سے لڑ پڑے یا رنجیدہ ہو کر ان کے برخلاف کر بیٹھے تو پھر دریافتِ حال ہونے کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔

یہ مسئلہ اصولِ تمدن میں سے ہے کیونکہ ہر شخص کی بات کو خصوصاً لڑائی اور بدگوئی کی بابت باور کر لینا بڑی خرابیاں پیدا کرتا ہے عقل اور قرائن سے بھی دریافت کر لینا چاہیے۔ فاسق کا لفظ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اگر کوئی نیک کہے تو باور کرو خبر کے متعلق اس آیت سے اہلِ فقہ و اہلِ اصولِ فقہ و اصولِ حدیث نے بہت سے مسائل ثابت کیے ہیں جن کا ذکر فنِ تفسیر سے باہر ہے اس لیے ترک کرتا ہوں۔

اس آیت میں حکم عام ہے مگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں بھی کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو اس آیت کے حکم میں شامل ہے۔ جس کو مفسرین اس کا شانِ نزول کہتے ہیں اور وہ یہ ہے امام احمد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے زکوٰۃ پر متعین کر کے اس کی قوم میں بھیجا ابان نے اس میں خلل اندازی کر دی تب نبی ﷺ نے ولید بن عقبہ کو وصول کرنے کے لیے بھیجا اس نے آ کر جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ حارث مقابلہ میں آیا اور مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس پر ایک لشکر تیار ہو کر حارث کے مقابلہ کو چلا ادھر وہ حضرت ﷺ کی خدمت میں زکوٰۃ کے لیے آ رہا تھا کہ رستہ میں لشکر سے ملا۔ دریافت ہوا تو تعجب ہوا۔ پھر سب آنحضرت ﷺ کے پاس واپس آئے حارث نے قسم کھائی کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ایسا واقعہ بھی ہوا ہو مگر آیت میں کسی شخص کی طرف اشارہ نہیں عام حکم ہے۔

اس بات سے لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہو گا کہ ہماری بات اور خبر نہیں مانی جاتی نہ ہماری رائے و تدبیر کی پابندی ہوتی ہے اور انسان کا یہ مقتضائے طبعی ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے قول کا تابع اور اپنی خواہش کا پابند کرنا چاہتا ہے۔ مگر حضرت رسالت مآب میں اس کی کہاں گنجائش تھی۔ اس لیے فرماتا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ یاد رہے کہ تم میں اللہ کا رسول ہے رسول الہام و وحی سے حکم دیتا ہے پھر اس کے برخلاف کسی کی رائے اور بات کیا ہے؟ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ اگر اکثر باتوں میں تمہارے کہنے پر چلا کرے تو خود تم مشقت میں پڑ جاؤ کس لیے کہ تمہاری بہت سی باتیں خطا سے خالی نہیں ہوتیں ان پر وہ چلے اور تم بھی ساتھ چلو تو انجام برا ہو۔ کشتی کا ناخدا اگر اس کے اندر بیٹھنے والوں کے کہنے پر ہر ہر بات میں چلے تو جہاز غرق ہو جاوے مگر اے صحابہ! تم ایسے بداندیش نہیں ہو کہ رسول کو اپنی مرضی کے تابع کر کے بے ایمانی اور نافرمانی اور بدکاری کے رویہ کو پسند کرو بلکہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ اس نے ایمان کو تمہارا پسند اور مرغوبِ طبع کر دیا ہے وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ کفر و بدکاری و نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے اس لیے تم دل سے رسول کی اطاعت کو پسند کرتے ہو اور کیوں نہ ہو اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً ایسے لوگ اس کے فضل و عنایت سے راشد یعنی راستی پسند، حق جو، حق گو، حق پر چلنے والے ہیں۔

ان جملوں سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاءِ اربعہ کے بہت فضائل ثابت ہوئے۔ پھر ان کی نسبت یہ خیال کرنا (کہ حضرت ﷺ کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے اور سرکشی اور بے دینی کرنے لگے تھے اس لیے انہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت پر ظلم کیے ان کا حقِ خلافت چھین لیا اور باغِ فدک دبا بیٹھے وغیرہ وغیرہ) کمال بدگمانی اور ان آیات سے سرتابی ہے جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کی توریت و انجیل میں مدح ہو قرآن میں ان کے یہ محامد ہوں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا وہ باہم رحیم، کفار پر سخت، نمازی و پرہیزگار ہیں۔ ایمان ان کے دل میں جاگزیں ہو گیا، کفر و بدکاری سے ان کو نفرت ہے اور وہ راشد ہیں۔ پھر ان سے یہ باتیں جو غلط گو راویوں نے اتہام لگانے کے لیے نقل کیں ہیں سرزد ہوں؟ اور باوجود اس کے اشاعتِ اسلام و جہاد میں ان کی کوششوں اور صلاحیت و پرہیزگاری پر مخالفین بھی گواہیاں دیتے ہوں؟ تعجب تعجب! معاذ اللہ یہ چند غلط گو رطب و یابس قصہ نقل کرنے والے (جن کی اندرونی حالت مشکوک ہو) تو سچے ٹھہریں اور خدا کا کلام اور موافق و مخالف کی تاریخیں

اوران کے بڑے بڑے کارنامے سب جھوٹ سمجھے جائیں۔

پانچواں حکم : وَاِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں (یا دو شخصوں میں) لڑائی ہو جاوے تو باہم ملاپ کرادو۔ بخاری و مسلم نے اس آیت کے متعلق بھی ایک قصہ نقل کر کے اس کو اس کا شانِ نزول قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ سوار ہو کر عبداللہ بن ابی منافق کے سمجھانے کو تشریف لے گئے۔ اس نے کہا مجھ سے دور رہئے آپ کے گدھے کی بدبو مجھے تکلیف دیتی ہے۔ کسی انصاری نے کہا رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بوتری بو سے عمدہ ہے اس پر ادھر کا کوئی غصے ہوا ادھر سے بھی لوگ بگڑے باہم مار پیٹ کی نوبت پہنچی۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ان میں ملاپ کرادیا۔ اسی طرح اوس و خزرج انصار کے دو قبیلوں میں بارہا جھگڑے برپا ہوئے۔ آپ نے باہم ملاپ کرادیا۔ یہ بھی حکم عام ہے۔ پھر اس فساد کی چنگاری کو جلد بجھانے کی تاکید کرتا ہے فقال فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰهُمَا الخ یعنی صلح کو نہ مانا کہ اگر پھر ایک فریق دوسرے پر چڑھائی کرے تو چڑھائی کرنے والوں کو قتل کرو (کیونکہ یہ تمام قوم میں آتشِ فساد بھڑکانا چاہتے ہیں) یہاں تک کہ یہ چڑھائی کرنے والے اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ پس جب رجوع کریں جنگ سے باز آویں تو چھوڑ دو اور باہم ملاپ اور صلح کرادو اور عدل و انصاف ملحوظ رکھو کسی کی قلت و کثرت زور و شوکت کو نہ دیکھو۔

اور یہ کس لیے کہ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ ایماندار سب بھائی بھائی ہیں۔ ان سب کا ایک روحانی باپ ہے یعنی رسول کریم ﷺ۔ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو۔ کسی کو اشتعال نہ دلاؤ نہ لڑانے کی باتیں کرو نہ کسی کی رعایت کرو ان باتوں میں اللہ سے ڈرو لعلکم ترحمون تاکہ تم پر اس کی مہربانی رہے۔ اور اتفاق قائم رہنا بھی خدا کی بڑی مہربانی ہے جس کے دنیا و آخرت میں صدہا عمدہ نتیجے اور میٹھے پھل ہیں۔

گناہِ کبیرہ سے ایمان نہیں جاتا: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے کافر نہیں ہو جاتا کس لیے کہ قتالِ باہمی گناہِ کبیرہ ہے اور اس کے مرتکب کو بھی بلفظِ مومن تعبیر کیا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے اقرار باللسان اور اعمالِ صالحہ اس کی زینت ہے جس کے فوت ہونے سے بے زینت ایمان تو ضرور باقی رہتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ‌ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ‌ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِيۡمَانِ‌ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ‌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا يَغۡتَبْ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا‌ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ‌ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم پر نہ ہنسے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورت کسی عورت پر ہنسے شاید وہ اس سے بہتر ہو۔ اور آپس میں طعنہ زنی نہ کرو اور نہ برے ناموں سے چڑایا کرو فسق کے نام لینے' ایمان لانے کے بعد بہت برے ہیں اور جو کوئی باز نہ آئے تو وہی ظالم بھی ہے۔ ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کر سکتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پھر اس سے تو تم کو گھن بھی آتی ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا' مہربان ہے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے (جداجدا) خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لیے (نہ تکبر کے لیے) بے شک عزت دار تو اللہ کے نزدیک تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

ترکیب : السخریۃ الاستھزاء ویعدی بعلی ومن۔ اللمز العیب قال ابن جریر اللمز بالید والعین واللسان والاشارۃ والھمز لا یکون الا باللسان التنابز التفاعل من النبز بالسکون وھوالمصدر والنبز بالتحریک اللقب مطلقاً ولکن خص فی العرف بالقبح والجمع انباز وَالْاَلْقَاب جمع لقب وھو ما یذکر بہ الانسان من اوصافہ والمراد بہ ھنالقب السوء۔ اجتنبوا یقال جنبہ الشر اذا ابعدہ عنہ واصلہ جعل الشیء فی جانب فیعدی الی مفعولین کمافی قولہ تعالیٰ واجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام ومطاوعہ اجتنب الشر فنقص مفعولا۔ میتاحال عن اللحم اوعن الاخ فکرھتموہ الفاء لترتیب مابعدھا علی ماقبلہا من التمثیل والضمیر فی کرھتموہ (ہ) عائد الی الاکل اوالی اللحم اوالی المیت۔

تفسیر چھٹا حکم : یہ چھٹا حکم ہے فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ کہ کوئی کسی سے تمسخر نہ کرے۔ گو قوم کا لفظ ہے مگر مراد اس کے افراد ہیں اور مجموعی حالت بھی مراد ہے۔ تمسخر ہنسی ٹھٹھے میں کسی کو بےعزت کرنا۔ یہ باہمی عداوت کی جڑ ہے۔ ٹھٹھے میں اڑانا اور دل دکھانا جہلاء اور خفیف لوگوں کی حرکت ہے عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ شاید کہ وہ لوگ کہ جن کو تم ٹھٹھے میں اڑاتے ہو تم سے بہتر ہوں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلاء بات سے پیدا ہوتی ہے جو کوئی کسی پر جس بات میں ہنسی کرے گا اس میں خود مبتلا ہوگا اگر کسی کی کانی آنکھ پر ہنسے گا تو خوف کرے کہ خود کانا نہ ہو جاوے یا اس سے زیادہ کسی بلا میں نہ گرفتار ہو جائے کیونکہ خدا قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ قوم کا لفظ بظاہر مردوں کو شامل تھا اس لیے عورتوں کو بھی مخاطب کرتا ہے وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ الخ اور نہ کوئی عورت دوسری عورت سے تمسخر کرے کیا معلوم کہ وہی اس سے خدا کے نزدیک بہتر ہو پھر کیا یہ مشیتِ الٰہی پر ہنسی کرتی ہے؟

ساتواں حکم : وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کہ کوئی کسی کو طعنہ نہ دے طعنہ زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق و محبت میں فرق آجاتا ہے اور انفسکم کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم بنی آدم ایک ہو دوسرا شخص کہ جس کو تم طعنہ دیتے ہو وہ بمنزلہ تمہارے نفس کے ہے بوجہ اخوتِ انسانی یا اخوتِ اسلامی کے۔

آٹھواں حکم : وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کسی کو چڑانے والے ناموں سے نہ پکارو۔ جیسا کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہو جائے اس کو یہودی یا نصرانی کہا جاوے یا جس نام کو انسان اپنے لیے مکروہ سمجھے اس سے اس کو نامزد کیا جائے۔ اس طرح لنگڑا بھینگا اندھا کانا لولا وغیرہ صفاتِ مذمومہ سے یاد کرنا خواہ دراصل اس میں وہ اوصاف موجود ہوں ممنوع ہے۔ اسی طرح جاہلیت کے نام اور صفات سے یاد کرنا بھی ناجائز ہے۔ یا کسی کا ابتدائی نام مکروہ تھا اس نے اس کو بدل دیا ہو پھر اس کو اس پہلے نام سے پکارنا بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ سب باتیں دل دکھانے والی ہیں جن سے باہمی رنجش اور عداوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں جو عیب دار ناموں سے مشہور ہیں اور پھر وہ ان سے برا بھی

نہیں مانتے ان سے یاد کرنا ممنوع نہیں جیسا کہ اعرج واحدب۔ اور اس طرح عمدہ صفات جن لوگوں میں ہیں اور ان سے وہ ملقب ہو گئے ہیں ان سے یاد کرنا بھی ممنوع نہیں جیسا کہ ابوبکر کو صدیق اور عمر کو فاروق اور عثمان کو ذی النورین اور علی کو بوتراب یا حیدر کہتے تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر اس حکم کو مؤکد کرتا ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ کہ ایمان لانے کے بعد برے فسق اور برائی کے ناموں سے یاد کرنا بری بات ہے وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور جو کوئی ایسے ناموں کے لینے سے باز نہ آوے تو وہی ظالم یعنی برا اور گنہگار دل دکھانے والا ہے نہ وہ کہ جن کو ان ناموں سے یاد کیا گیا۔

نواں حکم : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ کہ بدگمانیوں سے بچو۔ معاذ اللہ یہ بدگمانی بھی فساد کی جڑ ہے بعضوں کو مرض ہوتا ہے کہ ہر بات میں اور ہر ایک کی نسبت ان کو برا ہی خیال پیدا ہوتا ہے جس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جب تک کوئی وجہ معقول نہ ہو کیوں بدگمانی کی جاوے؟ اس بدگمانی سے گھر برباد ہو گئے ہیں۔ خاوند باہر گیا پیچھے بیوی کی نسبت بدگمانیاں پیدا کر لیں یا وہ کہیں مہمان یا کسی ضرورت کو گئیں یا کسی ضرورت سے کسی اجنبی سے بات کرنے کی حاجت پڑی بدگمانی پیدا کر لی یا کسی شخص کو متہم کر دیا یا خواہ مخواہ کسی کو بدخواہ اور دشمن سمجھ لیا۔ ظن سے تعمیم مراد نہیں جو خبرِ احاد قیاس و دیگر چیزوں کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت پڑے بلکہ اس سے مراد بدگمانی ہے فرماتا ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کہ بعض گمانات گناہ ہیں ایسی بدگمانیوں سے انسان گنہگار ہوتا ہے اب یہ شبہ ہوتا تھا کہ بدگمانی کی ممانعت ہے اچھا ہم تحقیق کریں گے تو اس لیے اس کے بعد دسواں حکم اس تحقیق و تفتیش کی بابت دیتا ہے۔

دسواں حکم : فقال وَلَا تَجَسَّسُوْا کہ کسی کی عیب جوئی بھی نہ کرو کسی کے عیب دریافت کرنا اور ان کی تفتیش کرنا نہ چاہیے کیونکہ اس میں سراسر برائی ہے۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص حاضر کیا گیا اور کہا گیا اس کی ڈاڑھی میں سے شراب ٹپکتی ہے۔ فرمایا ہم کو تفتیش کرنے سے منع کیا گیا ہے ہاں جو بات ظاہر ہوگی ہم اس پر مؤاخذہ کریں گے۔ ابوداؤد و نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا تو کام خراب ہو جاوے گا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی کسی کی پردہ پوشی دنیا میں کرے گا خدا اس کی پردہ پوشی آخرت میں کرے گا۔

گیارہواں حکم : وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا کوئی کسی کی غیبت یعنی بدگوئی نہ کرے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے پوچھا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی وہ بات ذکر کرنی جو اس کو بری معلوم ہو۔ کسی نے عرض کیا اگر دراصل اس میں وہ بات ہو تو پھر کیا فرمایا یہی تو غیبت ہے اگر اس میں وہ بات نہیں پھر تو بہتان ہے۔ پھر اس غیبت کی برائی کو ایک تمثیل میں بیان کرتا ہے جس سے نہایت برائی اور کراہت سمجھی جاتی ہے فقال اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ کہ بھلا کوئی بھائی کا مردہ گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ نہیں۔

جس کی غیبت ہوتی ہے وہ غائب ہوتا ہے اس لیے اس کو مرے سے تشبیہ دی یعنی وہ مردے کے مانند بے خبر ہے اور یہ اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ انسان اور وہ بھی بھائی اس کا زندہ گوشت کوئی کھانا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ مردار گوشت فرماتا ہے اللہ سے ڈرو۔ توبہ کرو وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے غیبت سے بھی باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے اس کی برائی احادیث میں بکثرت موجود ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم[1] مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

بدوی کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔تو کہو تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ ہاں یہ کہو کہ ہم تابعدار ہو گئے حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان کا تو گزر ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال (کی اجرت) میں بھی کچھ کمی نہ کرے گا۔ البتہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ایمان والے تو وہی ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کسی طرح کا شک (وشبہ) نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے رہے وہی سچے بھی ہیں۔ کہہ دو کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتاتے ہو؟ حالانکہ وہ سب جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں۔ کہہ دو مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزیں جانتا ہے۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

ترکیب : الشعوب جمع شعب بفتح الشین ھو اعلی طبقات النسب وتحتہ قبائل جمع قبیلۃ وبعدھا العمائر ثم البطون ثم الافخاذ ثم الفصائل خزیمہ شعب کنانۃ قبیلۃ قریش عمارۃ بکسر العین قصی بطن ہاشم فخذ العباس فصیلۃ۔

تفسیر...... بارھواں حکم : جس کو اور دوسرے پیرایہ میں بیان فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی کہ اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد یعنی آدم اور ایک عورت یعنی حوا سے پیدا کیا ہے تم سب کی ایک ذات اور ایک نسب ہے وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا پھر تمہارے قبیلے اور جتھے جدے جدے کر دیے پہچان کے لیے نہ نسب پر فخر کرنے کے لیے کیونکہ نسب تو سب کا ایک ہے۔ اب یہ فخر کی چیز نہیں بلکہ پرہیزگاری کس لیے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اللہ کے نزدیک عزت دار تم سے وہ ہے جو پرہیزگار ہے یعنی نسب پر فخر نہ کیا کرو۔ عارف جامی نے ؂

[1] یقرء بھمزۃ بعد الیا وھو ماضیہ آلت یقال آلت یالت بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع وقرء بغیر ہمزۃ وماضیہ لات یلیت وھما لغتان ومعناھما النقصان۔ ۱۲ منہ

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ بزرگی کے اسباب خدا کو معلوم ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انساب ظنیہ ہیں۔ اصل حال وہی خوب جانتا ہے اور اس طرف بھی کہ انجام کار بھی اسی کو معلوم ہے بہت سے عزت دار چند روز کے بعد لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہو گئے ہیں۔ جب یہ بیان فرمایا کہ مدار کار بزرگی کا پرہیزگاری پر ہے اب اصلی اور مصنوعی پرہیزگاری کا حال بیان فرماتا ہے فقال قالت الاعراب آمنا کہ زبان سے ایمان لانا کہنا مصنوعی پرہیزگاری ہے۔ ایسا ایمان زبان پر ہے دل میں نہیں ہاں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اصلی تقویٰ ہے اگر اے اعراب! تم کرو گے تو تمہارے اعمال کی اجرت میں خدا کمی نہ کرے گا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اعراب سے مراد اس جملہ میں بنو اسد ہیں کہ قحط کے ایام میں صدقہ لینے کی غرض سے اظہار کیا کہ ہم ایمان لائے مگر دراصل دل میں ایمان اور اللہ اور رسول کی اطاعت مقصود نہ تھی۔ فرمایا آمنا کہنا تمہارا صحیح نہیں ہاں اسلمنا کہنا درست ہے کہ بظاہر مطیع اسلام ہو گئے ہیں۔ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے عرفِ شرع میں ایمان اور اسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی مراد ہے وہ کیا؟ دل سے اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کی تصدیق کرنا اور احکامِ شرع کو قبول کرنا۔ اس جگہ اسلمنا کے لغوی معنی مراد ہیں جس لیے ایمان سے جدا سمجھا گیا۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ ایمان اور چیز ہے اور اسلام اور چیز بڑی غلطی ہے۔ اس کے بعد حقیقی ایمان و تقویٰ کا بیان کرتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کہ حقیقی مومن وہ ہیں کہ جو صدقِ دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور جان و مال اللہ کے لیے صرف کرنے میں دریغ نہیں کرتے یہی سچے ایماندار ہیں۔

دنیاوی غرض سے ایمان لانے والے اپنا ایمان جتلایا کرتے تھے اور نبی ﷺ پر احسان جتلاتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں ہم سے سلوک کیجئے کچھ دیجئے۔ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ کیوں ایمان جتلاتے ہو تمہارا ایمان خدا کو معلوم ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں اور کیوں احسان جتلاتے ہو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ہدایت دی اگر تم سچے ایماندار ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑦ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝۱۲ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝۱۳ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝۱۴ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۵ ع

قسم ہے قرآن مجید کی (کہ آپ رسول برحق ہیں) انہوں نے انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں کا ایک خبردار کرنے والا آیا۔ پس کافروں نے کہہ دیا یہ تعجب کی بات ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور خاک ہو گئے پھر زندہ ہوں گے یہ بار دیگر زندہ ہونا بعید از عقل ہے۔ جو کچھ مردوں کے جسم میں سے زمین کھاتی اور کم کرتی ہے۔ اور ہمارے پاس تو ایک محفوظ کتاب ہے۔ یہ نہیں بلکہ حق بات کو انہوں نے پہنچ جانے کے بعد جھٹلا دیا۔ سو وہ خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ کس طرح سے ہم نے اس کو بنایا اور آراستہ کیا۔ اور اس میں کوئی بھی شگاف نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں اس کے لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر قسم کی خوش آیند چیز اگائی۔ تاکہ ہر ایک بندہ جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے (اس کو) دیکھے اور یاد کرے اور قدرت پر ایمان لائے۔ اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اتارا پھر اس سے باغ اور کھیتی کا اناج اگایا اور بلند کھجوریں بھی کہ جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کو روزی دینے کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر (خشک زمین) کو تر و تازہ کر دیا۔ اسی طرح قبروں سے نکلنا ہوگا۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کنوئیں والوں نے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کی قوم نے اور بن کے رہنے والوں اور تبع کی قوم نے بھی (جھٹلایا تھا) ہر ایک ہی نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا وعدۂ عذاب قائم ہوا۔ کیا ہم اول بار پیدا کرنے سے تھک گئے جو وہ نئی پیدا کرنے میں شبہ کرتے ہیں۔

ترکیب : من قال ق قسم جعل الواو عاطفة ومن لم یقل بہ کانت الواو للقسم عندہ وجواب القسم عند الکوفیین ھو قولہ بل عجبوا و قال ابن کیسان جوابہ ما یلفظ و قال الاخفش محذوف [1] ای لتبعثن یدل علیہ اذا متنا بل عجبوا للاضراب عن الجواب اذا منصوبۃ بما دل علیہ الجواب فوقھم حال من السماء والارض معطوف علی موضع السماء ای وری الارض مددناھا حال تبصرۃ مفعول لہ حب الحصید ای حب الزرع الحصید وعند الکوفیین ھو من باب اضافۃ الشیء الی نفسہ کمسجد الجامع وھذا جائز اذا اختلف اللفظان کحق الیقین وحبل الورید ودار الآخرۃ۔ والنخل معطوف علی الحب باسقات حال مقدرۃ لھا طلع نضید حال رزقا مفعول لہ بل ھم ای انھم غیر منکرین لقدرۃ اللہ علی الخلق الاول بل ھم الخ۔

تفسیر : یہ سورۃ مکیہ ہے جیسا کہ حسن و عکرمہ و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اس سورۃ کو صبح کی اول رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور عید میں بھی پڑھتے تھے اور جمعہ کے خطبہ میں بھی پڑھتے تھے یہاں سے سور مفصلات شروع ہوتی ہیں بعض کہتے ہیں حجرات سے پچھلے سورہ میں انسان کی سعادت کے متعلق بارہ احکام تھے اور احکام کی پابندی اس بات کو ضرور چاہتی ہے کہ مخالفت کریں گے تو سزا ملے گی اور تعمیل پر ثواب و اجر کے مستحق ہوں گے اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ دنیا سزاء و جزا کا گھر نہیں کس لیے کہ صدہا بدکار اخیر عمر تک عیش و کامرانی میں رہے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے لیے ایک اور ہی جگہ ہے اور وہ دار آخرت ہے۔ اس لیے اس

[1] عندی انک رسول۔ ۱۲ منہ

سورہ میں حشر کا ذکر کیا گیا اور اس کے امکان پر اس عالم سے چند نظائر پیش کئے گئے جن سے اس کی قدرت کاملہ اور حکمت کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے۔ اور حشر کے مسئلہ سے پہلے نبوت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کس لیے کہ حشر کے ثبوت کے لیے دلائل کے سوا کسی مخبر صادق کی شہادت درکار ہے اور مخبرِ صادق یا رسول ہے یا اس کی کتاب جو رسول کی معرفت دنیا میں نازل ہوئی فقال ق والقرآن المجید ق کے معنی میں علماء کے کئی قول ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت ہے کہ ق ایک عظیم الشان پہاڑ ہے اگر یہ تسلیم بھی کر لی جاوے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سورہ میں جو ق ہے اس سے وہ کوہ قاف مراد ہے۔[1] صحیح تر یہی بات ہے کہ یہ حرف ابتداءِ کلام میں کسی خاص رمز کے لیے بولا گیا ہے جس کو اس کا رسول ہی جانتا تھا اور ہم کو بھی معلوم کرایا گیا ہو تو ممکن ہے۔ فقیر کہتا ہے ق سے اس کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور قہر و جبروت کی طرف بھی جو قاف کی طرح محیط ہے اور تمام ممکنات کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس طرف بھی کہ اس رمز کو قلب والا ہی سمجھتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں یہ قرآن کا ایک نام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کا نام ہے بعض علماء کہتے ہیں یہ کسی کلمہ کا مخفف ہے۔[2]

الحاصل ق سے کسی رمزِ خاص کی طرف اشارہ کر کے قرآن مجید کی قسم کھاتا ہے اور قرآن کو مجید یعنی ذی عزت کہہ کر یہ بات بتلاتا ہے کہ اس کی عزت اس کا مجد اس کی صداقت و منجانب اللہ ہونے کی شہادت دے رہا ہے اور اس کی قسم کھانا بھی یہ بات بتلا رہا ہے کہ کسی پیاری یا محترم چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں جیسا کہ عرب کا دستور تھا۔ پس اس سے ثبوت دیا جاتا ہے کہ یہ جھوٹی کتاب نہیں بلکہ خدا کے نزدیک محترم و محبوب ہے۔ قسم کا جواب ذکر نہیں کیا۔ کس لیے کہ جس چیز کا مخالف انکار کرتے تھے اسی کے ثبوت پر قسم ہے اس بات کو مخاطب سمجھتا تھا اس لیے اس کا ذکر کرنا بے فائدہ تھا۔ اور وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قیامت کا زیادہ انکار کرتے تھے اس لیے پھر انہیں دونوں باتوں کو ثابت کرتا ہے فقال بَلْ عَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ یعنی وہ ایمان کیا نہیں لاتے بلکہ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص کو خدا نے رسول کیونکر بنا دیا جو برے افعال کے نتائج بد سے ڈراتا ہے۔ کفار اس بات کو عجیب بات کہتے تھے۔ یہاں تک مسئلہ نبوت کا ثبوت تھا اور اس کے ضمن میں قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا بھی ثابت کیا گیا اس کے بعد مسئلہ حشر کو شروع کرتا ہے اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ کہ کفار کہتے ہیں کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو پھر جئیں گے یہ بہت دور ہے یعنی ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ کہ ہم کو معلوم ہے زمین جس قدر ان کے جسموں کو کھاتی ہے۔ سدی کہتے ہیں نقص سے مراد اس جگہ موت ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ جس قدر لوگ ان میں سے مرتے ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں ہمارے پاس ایک دفتر ہے جس میں ہر بات ہے اور وہ ہر بات کا محافظ ہے۔ یا وہ دفتر محفوظ ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہونے پاتی۔

غرض یہ کہ ہمارے علم کے احاطہ سے انسان کا جسم مر کر باہر نہیں ہو جاتا اس کے اجزاء کہیں کیوں نہ جاویں ہم کو معلوم ہیں۔ یہاں تک علم ثابت کیا تھا۔ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ سے بَلْدَةً مَّیْتًا تک اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کیا پس جب علم بھی اور قدرت بھی ہے تو پھر بار دگر جی اٹھنے میں کیا تعجب ہے؟ بلکہ اس کو حق مان لینا چاہیے اس لیے قدرت ثابت کرنے سے پہلے کفار کو الزام دے کر فرماتا ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ وہ تعجب کیا کرتے ہیں بلکہ حق بات کو جھٹلاتے ہیں جو ان سے بیان کی گئی فَهُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ پس وہ خلجان میں پڑے ہوئے

---

[1] ق سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے جو عرشِ الٰہی اور ہر شے سے محیط ہے جیسا کہ ص سے حضرت کی صورت کی طرف اشارہ تھا۔ ۱۲ منہ

[2] ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ق سے جبل قاف مراد لینا اور اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کہنا کہ وہ ایک پہاڑ ہے تمام عالم کو محیط ملحدوں اور زندیقوں کی بناوٹ ہے اسلام پر عیب و طعن کرانے کے لیے اس قسم کی انہوں نے بہت سی حدیثیں اور روایتیں بنائی تھیں۔ (حقانی)

ہیں۔ یا غلط خیال میں مبتلا ہیں۔ (مریج مضطرب، ملتبس، فاسد)

مخلوقات میں سے اپنی قدرتِ کاملہ ثابت کرنے کے لیے یہ چند دلائل بیان کرتا ہے اول آسمان کی پیدائش اور اس کی ایسی محفوظ و مستحکم بناوٹ اور اس کی ستاروں سے آرائش۔ ومالھامن فروج جمع فرج شگاف یا دراڑ۔ آسمانوں کی بابت کئی جگہ ہم بحث کر چکے ہیں کہ جس قدر سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا اثبات مقصود ہے۔ اس کا نہ حکماءِ قدیم کا مذہب مخالف ہے نہ جدید کا۔ اس سے یہ شبہ پیدا کرنا کہ جب آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو تھے آسمان کے اوپر کیوں کر پہنچے اور حضرت الیاس علیہ السلام کس طرح گئے اور جناب خاتم الانبیاء ﷺ شبِ معراج میں سب کو کیونکر طے کر گئے؟ محض خام خیال ہے کس لیے کہ ان حضرات کا جسم اطہر روحانیت سے مبدل کر دیا گیا تھا جس کے نکل جانے کو جسم مانع نہیں۔ اور شگاف اور چیز ہے صانع کی طرف سے کھڑکی یا دروازہ ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ ابواب السماء آیا ہے پس یہ بھی ممکن ہے کہ ان دروازوں سے گئے ہوں۔

دوم زمین کی بناوٹ اور اس کی وسعت اور اس میں پہاڑوں کا ہونا اور ہر قسم کی جڑی بوٹی مختلف رنگ مختلف تاثیر کی پیدا کرنا جو صاحبِ بصیرت اور خدا کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے ایک تبصرہ یعنی آئینہ ہے جس میں غور و فکر کی نگاہ کرنے سے وہ خدائے ذوالجلال کی بے انتہاء قدرت و کبریائی کو دیکھ سکتا ہے۔ سوم آسمانوں سے پانی اتارنا اور اس ایک پانی سے باغ اور کھیتیاں اگانا اور بلند بلند کھجور کے درخت پیدا کر دینا جن کے تہ بہ تہ گابھے اور پکے ہوئے پھل لٹکا کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بندوں کو روزی دی جاتی ہے۔ اور اس پانی سے مردہ یعنی خشک شاداب و ہرا ابھرا کر دینا۔ ان دلائل کے بعد فرماتا ہے کذلك الخروج مردوں کا زمین سے پیدا ہونا اور نکلنا بھی اسی طرح سے ہوگا یعنی جس نے اگلے سال کی مردہ جڑی بوٹیوں کو زندہ کر دیا وہ انسانوں کو بھی زندہ کر دے گا کیا جو نباتات پر قادر ہے وہ حیوانات پر قادر نہیں؟ کیا مرے ہوئے انسان اس کے احاطۂ قدرتِ کاملہ سے باہر ہیں؟ ہرگز نہیں حشر کا مسئلہ ثابت کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ اس مسئلہ کا انکار نئی بات نہیں ہے ان قریش سے پہلے بھی بہت سی قومیں جن کو قوائے بہیمیہ و شہوانیہ کے ظلمات و حجابات نے اندھا کر دیا تھا اس کے منکر تھے کیونکہ ان کی کوتاہ نظر میں اسی عالم کے تجملات تھے اور یہ طبعی بات ہے۔ ملزم و مجرم بوقتِ ارتکاب جرم عدالت کے ذکر سے بھی نفرت کرتا ہے۔ پھر ان نام آور قوموں کے نام گنواتا ہے فقال کذبت قبلهم قوم نوح کہ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا تھا اور اصحاب الرس نے اصحاب الرس کی تحقیق صراح میں ہے رس چاہ بسنگ بر آوردہ و نامِ چاہ بقیہ ثمود و نام وادی و نام آبے و چاہ کندن پختہ کنوئیں کو رس کہتے ہیں۔ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جن کے ہاں ایک پختہ کنواں تھا جس سے وہ مواشی کو پانی پلاتے تھے پیغمبر کی نافرمانی اور اپنی بدکرداری سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں قومِ ثمود مراد ہے ان کے ہاں بھی ایک بڑا عمیق پختہ کنواں تھا بعض کہتے ہیں ایک اور قوم اس وادی رس میں تھی۔ وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط یعنی لوط علیہ السلام کی قوم جو شام میں جھیل مردار کے کنارے رہتے تھے و اصحاب الایکة اور ایکہ والے۔ ایکہ بن کو کہتے ہیں یہ قوم جہاں تھی وہاں درختوں کے بڑے جھنڈ تھے ان کے نبی بھی حضرت شعیب علیہ السلام تھے و قوم تبع اور تبع حمیری کی قوم۔ تبع مذکور ایک نبی یا با خدا شخص تھا یمن میں۔ فرماتا ہے کل کذب الرسل ہر ایک نے اپنے اپنے رسول کو جھٹلایا حشر کے بارہ میں اور توحید و دیگر امور میں فحق وعید۔ پس ان پر ہمارا عذاب ثابت ہو گیا ہر ایک برباد و ہلاک ہوا اس کے بعد پھر اصل مسئلہ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ افعیینا بالخلق الاول کہ کیا ہم اول بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں پھر کیوں وہ بار دگر پیدا کرنے میں شبہ کرتے ہیں جو ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ اس کو مٹا کر بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

اور البتہ ہم نے انسان کو بنایا اور ہم جانتے ہیں جو کچھ اس کے دل میں باتیں آتی ہیں اور ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ تر اس کے نزدیک ہیں جبکہ دو پہرے دار اس کے دائیں اور اس کے بائیں آبیٹھتے ہیں جو کچھ وہ بولتا ہے تو اس کے پاس ہوشیار محافظ لکھنے کے لیے تیار موجود رہتا ہے اور موت کی بیہوشی حق کو لا کر رہے گی (کہا جائے گا) یہی تو وہ ہے کہ جس سے تو بھاگتا تھا۔

ترکیب : ونعلم حال مقدرۃ بتقدیر نحن ویجوز ان یکون مستانفا، والضمیر فی بہ یرجع الی ما ان جعلت موصولۃ والباء زائدۃ کما فی قولہ صوت بکذا اوللتعدیۃ او یرجع الی الانسان ان جعلت ما مصدریہ۔ والباء للتعدیۃ۔ والوسوسۃ الصوت الخفی والمراد بھاھنا ما یختلج فی قلبہ از مقدر باذکر او متعلق باقرب او بعلم قعید فعیل یطلق علی الواحد والمتعدد۔ مبتدء عن الیمین عن الشمال خبرہ۔ بالحق حال اومفعول۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیان سابق کا۔ انسان کے حال سے اب اپنے بے انتہا علم وقدرت پر دلیل لاتا ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے آسمانوں وزمین کو ایک جگہ اور ان کے مقابلہ میں دوسری جگہ اس کو ذکر کیا۔ اور درحقیقت انسان خدائے لایزال کی بے انتہا قدرتوں کا ایک بڑا خزانہ ہے اگر یہ اپنے حالات میں غور کرے تو اس کو بیشمار دلائل صاف صاف یہ کہہ دیں گے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور اس کا علم بے انتہا ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے نہ کسی اور نے نہ یہ آپ سے آپ پیدا ہو گیا یہ ہماری قدرت دیکھو وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ اور ہم اس کے دلی ارادوں اور خطرات سے بھی واقف ہیں یہ ہمارا علم دیکھو۔ اور ہم کو اس کے خطرات پر کیوں علم نہ ہو۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور ہم انسان سے اس کی رگ گردن سے بھی قریب تر ہیں۔ حبل رسی سے مراد رگ، ورید خاص رگ کا نام ہے، گلے کی رگ جس کو شاہ رگ کہتے ہیں وہ دو رگیں ہیں جو سر سے آتی ہیں اور اس کے گردن کے اگلے رخ کو گھیرتی ہیں دل کی رگ سے جا ملتی ہیں جن کے کٹنے سے مر جاتا ہے۔ پس یہ اضافت حبل کی ورید کی طرف اضافہ بیانیہ ہے خدا تعالیٰ علت العلل ہے علت کو اپنے معلول کا علم حضوری ہے اس لیے وہ شاہ رگ سے بھی قریب ہے کیونکہ ورید کو تو اجزاءِ لحمیہ حاجب ہیں خدا کا قرب مکانی قرب نہیں بلکہ ذاتی ہے کیونکہ انسان اس کے وجودِ اصلی کا ایک ظل ہے اور اس کے وجودِ مطلق کا تعین۔ وہ اس کے ساتھ حلول واتصال صوری سے اقرب نہیں اور نہ اتحاد سے۔ ابن کثیر کہتے ہیں نحن اقرب سے مراد یہ ہے کہ ہمارے فرشتے اس کی رگِ گردن سے بھی قریب ہیں کیونکہ ان کا تعلق قلب سے ہے اور وہ ملہم ہیں [1] اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے اذیتلقی المتلقیان جبکہ دو ملنے والے انسان کے دائیں بائیں سے آتے اور ملتے ہیں اور اس کی دونوں طرف آبیٹھتے ہیں یعنی ہم تو اس کے خطرات کو جانتے ہیں اور دو شخص بھی اس کے دونوں طرف لکھنے والے بیٹھے ہیں اس پر حجت قائم کرنے کے لیے جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں سے دو فرشتے دائیں طرف اور بدی کا لکھنے والا بائیں طرف بیٹھا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے صبح ہوتے ہی چلے جاتے ہیں صبح کو دن کے اعمال لکھنے والے آتے ہیں پھر بدلتا رہتا ہے یہ ہیں يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ کے معنی۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ جو بات انسان منہ سے نکالتا ہے ان میں سے ایک اس کو لکھ لیتا ہے نیک ہے تو دائیں طرف والا بد ہے تو بائیں طرف والا جو اس کا رقیب یعنی محافظ اور عَتِيْدٌ یعنی اس کام کے لیے مہیا و تیار ہے اس سے معلوم ہوا کہ دل کے خطرات نہیں لکھتے صحیحین میں

[1] کیا خوب کہا ہے سعدی نے اس قرب کے معنی میں ؎ یار نزدیک تر از من بمن است۔ وین عجب ترکہ من از وے دورم ۱۲۔

ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خطرات معاف کر دیے جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل میں نہ لائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہی الفاظ و اعمال لکھتے ہیں جن میں ثواب و عذاب ہے پانی پلانا' کھانا کھلانا' ان باتوں کو نہیں لکھتے مگر الفاظ آیت میں عموم ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ ۞ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾ ع

اور صور پھونکا جاوے گا، یہ ہی وعدہ کا دن اور ہر ایک شخص حساب کے لیے آوے گا، اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا، دربار میں اس سے کہا جاوے گا تو اس سے غافل تھا۔ پس ہم نے تیرا پردہ اُٹھا دیا، پھر آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے (کراماً کاتبین) عرض کریں گے کہ اس کے اعمال کا یہ دفتر ہمارے پاس موجود ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوگا۔ ہر ایک کافر سرکش خیر سے روکنے والے حد سے بڑھنے والے شک کرنے والے کو کہ جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود ٹھہرایا جہنم میں ڈال دو، پھر اُس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا مصاحب (شیطانی) کہے گا اے خدا! ہم نے اُس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ فرمائے گا میرے پاس جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی سے خبردار کر چکا ہوں، میرے ہاں بات نہیں بدلتی اور میں بندوں پر ظلم بھی نہیں کرتا۔

ترکیب : مالدی ان جعلت ما موصوفۃ فعتید صفتھا وان جعلت موصولۃ فبدل لھا اوخبر بعد خبر اوخبر محذوف الذی جعل مبتداء متضمن معنی الشرط فالقیاہ خبرہ او بدل من کل کفار۔

تفسیر : علامہ محی الدین ابن العربی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دائیں طرف بیٹھنے والے سے مراد اُس کی وہ قوت ہے جو اُس کو نیک اعمال پر آمادہ کرتی ہے اور بائیں طرف والے سے مراد وہ قوت جو شر کی طرف برانگیختہ کرتی ہے۔ یہ خدا کی طرف کے دو موکل ہیں جو ہر روز ملتے ہیں، یعنی ان کا مقابلہ رہتا ہے اور ان دونوں قوتوں سے جو جو خطرات اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کو ہم جانتے ہیں، کیونکہ اُس کی رگِ گردن تو اُس کے دل سے دور ہے اور ہمارا اُس کے دل سے تعلق ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں تک تو انسان کی حالتِ دُنیاوی کا بیان تھا، اب یہ ایک اور عالم میں جاتا ہے۔ یہ عالم تو اُس کی ایک منزل یا ایک شب باش کی مہمان سرائے تھی یا اُس کی تجارت کا بازار تھا، اب جو کچھ کیا تھا اس کا پشتارا یا سہارا اُس کے ساتھ ہے اور اب یہ اور جگہ چلے وَ جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور موت جو برحق ہے جس میں کسی کو بھی کلام وشبہ نہیں، اُس کی بے ہوشی طاری ہوئی اور موت کے غش نے اُس کو

حق دکھا دیا جن باتوں میں شبہ کرتا تھا اب اُس کو آنکھ سے دکھائی دینے لگے۔ ادھر سے آنکھوں پر پردہ پڑا دوسرا عالم اس پر منکشف ہوا۔ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ یہ وہ چیز ہے کہ اے انسان! اس سے تو بڑا ناخوش ہوتا تھا اور بھاگتا پھرتا تھا۔ دُنیا سے اُٹھ گیا اور وہ دوسرے عالم میں پہنچا ایک مدت تک وہاں رہا۔ پھر حشر کا دن شروع ہوتا ہے، جو ظہور کلی ہے۔ فقال وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور صور پھونکا جائے گا، یہ وہ دن مقرر ہے وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ یہاں سے لے کر لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ تک نیکوں اور بدوں کا انجام جنت و جہنم بیان فرماتا ہے۔ سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ انسان کی ابتداء اور انتہا اور اُس کے اعمال کا نتیجہ اور موت کی کیفیت اور حشر کا حال بیان فرما دیا اور انسان کے حالات سے حشر کے امکان پر دلائل قائم کرنے میں کلام شروع ہوا تھا۔ یہ بلاغت طاقتِ بشریہ سے باہر ہے۔

اب ہم الفاظ آیات کی شرح کرتے ہیں، سائق ہانکنے والا شہید گواہ ضحاک کہتے ہیں۔ سائق فرشتہ اور گواہ انسان کے ہاتھ پاؤں فرشتہ اُس کو کھینچ کر عدالت میں لے جائے گا۔ حسن و قتادہ کہتے ہیں دونوں فرشتے ہوں گے، بعض عرفاء کہتے ہیں۔ سائق دو قسم کے ہوں گے۔ اگر نیک ہے تو اُس کا سائق شوق و جذبہ ہے جو اُس کو حضرتِ کبریائی میں لے جائے گا اور بد ہے تو اُس کی غفلت و نحوست جو اُس کو موردِ عتاب میں کشاں کشاں لے جائے گی اور شہید اُس کی حالت دربار میں کہا جائے گا۔ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا کہ تو اس سے غافل تھا سو آج تیری آنکھیں کھلیں۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ اب حساب شروع ہوتا ہے۔ انسان کا مصاحب وہی فرشتہ جو اُس کی نیکی اور بدی لکھنے کے لیے مقرر ہوا تھا، یہ عرض کرے گا میرے پاس اُس کے اعمال کا یہ ذخیرہ اور دفتر حاضر ہے۔ قرین جنس ہے، ایک کو بھی شامل ہے اور دو کو بھی مگر مراد اسی جگہ وہی دو فرشتے ہیں۔ نیکی بدی لکھنے والے اُن کو کبھی جنس کے لحاظ سے مفرد صیغوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، کبھی تثنیہ سے۔

حکم ہوگا۔ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۔ القیا کے صیغہ میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں۔ تثنیہ کا صیغہ ہے، یعنی دو فرشتوں کو حکم ہوگا، وہ دو فرشتے یا وہی نیکی بدی لکھنے والے ہیں کہ اس کافر سرکش کو جہنم میں ڈال دو یا، وہ فرشتے جہنم کے داروغہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں، یہ مفرد کا صیغہ القین تھا نون تاکید کو الف سے بدل لیا جیسا کہ قِفْ کو قِفا کر لیا کرتے ہیں۔ تب ایک فرشتہ کو خطاب ہے جو اسی کام پر متعین ہے، جن کو جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا، ان کے یہ اوصاف ہیں۔ کفار ہر کافر عَنِیْدٍ سرکش مناع للخیر نیک بات سے اوروں کو بھی روکنے والا اَلْمُعْتَدِ ظالم مریب خدا تعالیٰ کی باتوں میں شک کرنے والا الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ خدائی میں اوروں کو شریک سمجھنے والا جس میں یہ اوصاف بد ہیں، وہی جہنمی ہے انسان کو ان اوصاف سے بچنا چاہیے۔

اس کے بعد اس کے مضل یعنی بہکانے والے ساتھی شیطان کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس کو ذکر کرتا ہے، قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ اس کا قرین یعنی ساتھی جس سے مراد شیطان ہے۔ یہ عذر کرے گا کہ الٰہی میں نے تو اس کو گمراہ نہیں کیا تھا، یہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ وہ مردود اپنی براءت کرے گا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ میرے روبرو جھگڑا نہ کرو، میں رسولوں کی معرفت تم کو سزا پہلے سنا چکا ہوں کہ نافرمانیوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اس میں شیطان کچھ باتیں بنائے گا اور اس کے درجواب کافر و گمراہ جھوٹے عذرات پیش کرے گا کہ اس نے مجھے یوں کہا تھا، یعنی میرے دل میں یہ باتیں ڈالی تھیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ میرے سامنے بات نہیں بدل سکتی، یعنی جھوٹی بات نہیں چلتی کہ بدل کر کوئی کچھ کہے اور میں اس کے بدلنے کو مان لوں۔ وما انا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور نہ میں کسی بندہ پر ظلم کرتا ہوں، ظلام اسی جگہ بمعنی ظالم ہے، اس سے یہ بات نکالنا کہ بڑا ظالم نہیں، کیونکہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تھوڑا ظالم ہے۔ غلط خیال ہے، اس کا مفہوم مخالف نہیں۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

جس دن کہ ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر چکی اور وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے اور پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب لائی جاوے گی کچھ دور نہ ہوگی (کہا جائے گا) یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر ایک رجوع کرنے والے، حکم الٰہی کو یاد رکھنے والے کے لیے (اور) جو کوئی اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا، اس کے لیے حکم ہوگا کہ سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا اُن کو وہاں جو چاہیں گے ملے گا اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے اور ان سے پہلے ہم بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو ان سے بھی زیادہ طاقتور تھے۔ پھر (عذاب کے وقت) شہروں میں دوڑتے پھرنے لگے کہ کوئی پناہ کی بھی جگہ ہو۔ البتہ اس میں نصیحت ہے اس کے لیے کہ جس کے دل ہو یا وہ دھیان دھر کر کان لگاوے۔

تفسیر : جب دوزخیوں کو دوزخ میں ڈال چکے گا تو دوزخ سے پوچھے گا، هل امتلئت کیا تو بھر گئی، وہ کہے گی اور کچھ ہے؟ یعنی اور بھی ہو تو لائیے بخاری و مسلم ترمذی وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جہنم ہل من مزید ہل من مزید کہے گی، یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا پاؤں رکھ دے گا تو کہے گی۔ بس بس۔ قدم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ خود اس کی اشتہاء کو فرو کر دے، یہ ایک محاورہ کی بات ہے۔ یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا، اب جنتیوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ کہ پرہیزگاروں کے سامنے جنت لائی جاوے گی، جس کو وہ عرصات میں آنکھوں سے سامنے دیکھیں گے، فرمایا جاوے گا یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور یہ کس کے لیے ہے؟ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ یہ ہر ایک رجوع کرنے والے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرے اور احکامِ الٰہی کی محافظت کرے اور غائبانہ اللہ سے ڈرے اور خالص دلِ نیاز مند اللہ کی طرف رکھے۔ حکم ہوگا ان نیک بندوں کو اس میں داخل کرو، ہمیشہ سلامتی سے اس میں رہیں گے۔ ان کے بدلہ اعمال کے سوا ہم اپنی طرف سے اُن کو اور بہت کچھ دیں گے۔ اس ذکر کو تمام کر کے پھر کفار مکہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی جماعتیں اور زمانے کے لوگ ہلاک کر دیے جو ملک میں پھیلے ہوئے تھے، پھر بتاؤ کہ اُن کے لیے کہیں بھاگنے اور بچنے کی جگہ بھی ملی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس میں اہلِ دل کے لیے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۴۵﴾

اور البتہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے اندر کی چیزوں کو چھ روز میں بنایا اور ہم کو کچھ بھی تکان نہ ہوئی۔ پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور پاکیزگی بیان کر اپنے رب کی تعریف کے ساتھ دن نکلنے سے پہلے اور دن چھپنے سے پہلے اور کچھ رات سے بھی اُس کی تسبیح کیا کرو اور نماز کے بعد بھی اور سن رکھو جس روز کہ پکارنے والا پاس سے پکارے گا۔ جس روز کہ وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے، یہ دن ہوگا قبروں سے نکلنے کا، ہم زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہمارے پاس ہی پھر آنا ہے۔ جس دن کہ زمین پھٹ کر لوگ دوڑتے ہوئے نکل آئیں گے یہ لوگوں کا جمع کرنا ہم کو بہت آسان ہے، ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور اب ان پر کچھ زبردستی کرنے والے نہیں۔ پھر آپ قرآن سے اُس کو سمجھاؤ جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے۔

ترکیب : من لغوب من زائدۃ لغوب تعب واعیاء یقال لعب یلعب بالضم لغوبا من اللیل ای بعض اللیل فانہ مفعول لفعل مضمر معطوف علی سبح بحمد ربك یفسرہ فسبحہ و من للتبعیض۔ ادبار السجود ای سبحہ اعقاب الصلوٰۃ قرء الجمھور بفتح الھمزۃ جمع دبر و دبر وقرئ بکسرھا علی المصدر من ادبر الشیء ادبارا۔ فھی ظرف لسبحہ۔ یوم یسمعون بدل من یوم ینادی یوم تشقق ظرف للضمیر او بدل من یوم الاول سراعا حال ای یخرجون مسرعین۔

تفسیر : مسئلہ معاد کو تمام کر کے جس طرح کہ اس سے پہلے اس پر دلائل بیان کئے تھے، اسی طرح بعد میں دلیل ایک نئی طرز سے بیان کرتا ہے اور اس میں ابتداءِ آفرینش عالم کا حال بتا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس جہان کو ہم نے چھ روز میں پیدا کیا تھا جس کی ہزاروں برس کی عمر ہے، پھر اُس کو ہم یوں فنا کر دیں گے اور پھر یوں بارِ دگر بنا دیں گے۔ فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ کہ ہم نے نہ کہ کسی اور نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے اندر کی سب چیزوں کو چھ روز میں پیدا کیا تھا اور ہم کو اس پیدا کرنے میں کوئی تکان و ماندگی نہ ہوئی تھی، اس کی مفصل کیفیت ہم بیان کر آئے ہیں اور یوم سے مراد وقت ہے نہ دن کیونکہ ابھی سورج تو پیدا ہوا ہی نہ تھا، پھر دن جو سورج کے طلوع و غروب سے ہوتا ہے کہاں سے ہو گیا تھا؟ یوم بول کر وقت مراد لینا عرب کا محاورہ ہے اور جملہ مَامَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ میں یہود کے خیالِ باطل کا رد ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہفتہ کے روز ان سب چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد خدا نے آرام کیا، چنانچہ یہود کی کتاب الخروج کے بیسویں باب کے گیارہویں ورس میں یہ ہے۔ قولہ ”کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے، بنایا اور ساتویں دن آرام کیا“۔ انتہی پھر جس نے بغیر تکان کے ان سب چیزوں کو ایک بار پیدا کر دیا، کیا وہ بارِ دگر پیدا نہیں کر سکتا؟ کر سکتا ہے، اس میں ان کا بھی رد ہے جو عالم کو قدیم کہتے ہیں اور قدیم ہونے کے سبب اس کو قابلِ فنا نہیں کہتے، یعنی یہ عالم فنا نہ ہوگا، پھر جب فنا نہیں تو بارِ دگر پیدا کرنا اور حشر کیسا؟ یہ حکماءِ یونان و حکماءِ ہند کا قول ہے۔

اس یقینی مسئلہ کے خلاف میں مخالفین بھی طرح طرح کی حجتیں اور اُن کے درمیان تکذیب و سخت گوئی بھی کرتے تھے جس سے جنابِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج پہنچتا تھا اور ممکن تھا کہ ان کے جواب میں کوئی سخت بات آپ سے سرزد ہو جو منصبِ نصیحت کے خلاف

ل واستمع یوم ینادی المناد فیہ ثلاثۃ اوجہ احدھا ان یترک مفعولہ راسا و یکون المقصود کن مستمعا ثانیھا استمع لما یوحی الیک وثالثھا استمع للمنادی فعلی الاول العامل فی یوم ما یدل علیہ قولہ یوم الخروج تقدیرہ یخرجون یوم ینادی المنادی۔ ۱۲ منہ

تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُوْنَ کہ آپ اُن کی باتوں پر صبر کریں اور یہ بھی ہے کہ ایسی نا ملائم باتیں سننے سے دل کو رنج اور آئینۂ صافی پر کدورت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے یادِ الٰہی کا اوقاتِ مخصوصہ میں حکم دیتا ہے۔ یادِ الٰہی رنج وغموم اور کدورات کو دُور کر دیتی ہے اور روح پر نورانیت چمکنے لگتی ہے۔ فقال وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ مفسرین کے سبح کے لفظ میں کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ سبح کے لفظی معنی تو تسبیح کرنا یعنی سبحان اللہ کہنا ہے مگر اس سے مراد نماز پڑھنا ہے، کیونکہ نماز میں تسبیح بھی ہوتی ہے اور ایک جزء سے کل کو خصوصاً نماز کو تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ رکوع اور سجدہ سے، پھر اس میں کلام ہے کہ کون سی نماز؟ اکثر کہتے ہیں، فرائض، قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد فجر کی نماز اور قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے عصر وظہر کی نماز اور مِنَ الَّيْلِ سے تہجد کی نماز جو حضرت پر فرض تھی اور عشاء اور مغرب کی نماز کیونکہ یہ تینوں رات میں ادا کی جاتی ہیں۔ مِنَ الَّيْلِ کا لفظ تینوں کو شامل ہے اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے نوافل مراد ہیں جو فرض نماز کے بعد ادا کئے جاتے ہیں۔ ابن عباس ؓ کا یہی قول ہے۔ حضرت علی ؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ادبار النجوم وادبار السجود کے معنی دریافت کئے۔ فرمایا ادبار السجود سے مراد وہ دو رکعت ہیں، جو مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور ادبار النجوم سے مراد نماز صبح سے پہلے کی دو رکعت (رواہ مسدد فی مسندہ وابن المنذر وابن مردویہ) اور اسی کے موافق ابن عباس ؓ کی وہ حدیث ہے جس کو ترمذی وحاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہی قول عمر بن الخطاب ؓ و ابو ہریرہ ؓ کا ہے، بعض نوافل مراد لیتے ہیں۔ مجاہد ودیگر علماء فرماتے ہیں کہ سبح سے مراد سبحان اللہ بحمدہ کہنا ہے۔ نمازوں کے بعد جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ کہے اور اسی قدر الحمدللہ کہے اور اسی قدر اللہ اکبر اور اخیر میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہے تو اُس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے، اگرچہ دریا کے کف کے برابر کیوں نہ ہوں۔

اس کے بعد مسئلۂ حشر کا ذکر کرتا ہے اور اُس کا آنا یقین بتاتا ہے کہ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب تو اُس آواز دینے والے کی آواز کا منتظر رہ جس دن کہ وہ بہت پاس سے پکارے گا، جس دن کہ چیخ کی آواز سنیں گے۔ یہ ہے قبروں سے باہر نکلنے کا دن۔ گویا وہ دن یقینی آنے والا ہے اور آپ اُس کے منتظر رہیں۔ یہ سن کر گو اس میں شک کر رہے ہیں، اس آواز سے مراد نفخِ صور کی آواز ہے۔ صور میں پھونکنا ندا دینا ہے، کبھی نداء زبان سے دی جاتی ہے کبھی کسی آلہ سے اور اسی کو چیخ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں، اسرافیل صور پھونکیں گے۔ ایک بار تمام مخلوق فنا ہو جاوے گی۔ پھر دوسرے صور سے مخلوق بارِ دگر موجود ہوگی، اس کے بعد حساب کے لیے جبرئیل یا کوئی اور فرشتہ آواز دے گا۔ گویا یہ آواز ایسی یقیناً ہونے والی ہے کہ اے نبی یا اے مخاطب! تو اس کی طرف کان لگا رکھ، پھر فرماتا ہے۔ نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ کہ دُنیا میں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف پھر کر آنا ہے۔ یعنی یہ ایک سفر (جس کی ابتداء ہمارے ہاں سے ہوئی اور دُنیا ایک منزل تھی، پھر وہاں سے کوچ کر کے اس جگہ آنا ہے) ہمارے ارادہ سے ہے، اس لیے حشر وقیامت کا ہونا ضروری ہے۔ یا دلیل اور واقعہ کو بیان کر کے اس کا اعادہ ہے۔ بطور نتیجہ کے ہم زندہ کریں گے بارِ دگر اور ہم دُنیا میں مردہ کرتے ہیں اور حشر میں سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور وہ کون سا دن ہے۔ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا جس دن کہ زمین پھٹے اور لوگ اس میں سے جلد نکل آویں۔ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ یہ حشر ہم پر کچھ مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔

حشر ونشر بیان کرنے کے بعد کفار انکار کرتے تھے جس سے حضرت ﷺ کا دل آزردہ ہوتا تھا اس لیے آپ کو تسلی دیتا ہے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ کہ ہم کو معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اے محمد (ﷺ) تمہارا کام پہنچانے کا تھا۔ پہنچا دیا،

آپ ان پر جبر کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ اُن کو اس کے ماننے پر خواہ مخواہ مجبور کریں۔ آپ کا کام نصیحت کرنے کا ہے۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ جو میری سزا سے ڈرے اُس کو قرآن کے ہدایت افزا مضامین سے نصیحت کرو، جو نہیں مانتے نہ مانیں۔ وعید اصل میں وعیدی تھا، حالت وقف میں ی کو حذف کر دیا، کسرہ اس کی جگہ باقی رہ گیا۔ سورہ کے اول میں بھی قرآن کا ذکر تھا۔ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ آخر میں بھی اس کا ذکر آیا تا کہ اول و آخر مل کر مضامین کا احاطہ کر کے ق محیط کی صورت پیدا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝۹ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۱۵ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝۱۶ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝۱۷ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۱۸ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹

قسم ہے اڑنے والی ہواؤں کی پھر بوجھ اُٹھانے والوں کی پھر نرم نرم چلنے والوں کی پھر حکم سے ایک چیز کو بانٹ دینے والوں کی، بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور اعمال کی جزاء و سزا تو ہو کر رہے گی اور قسم ہے آسمان کی جس میں ستاروں کے سبب رستے نمودار ہیں، البتہ تم پیچیدہ بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن سے تو وہی روکا جاتا ہے جو ازل سے برگشتہ ہو، اٹکل پچو باتیں بنانے والے غارت ہوں، وہ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں فیصلہ کا دن کب ہوگا، جس دن کہ وہ آگ پر بھونے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا، اپنی شرارت کا مزہ چکھو، یہ وہی تو ہے جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے، البتہ پرہیزگار باغوں اور چشموں میں جو کچھ اُن کو ان کا رب دے گا اس کو لے رہے ہوں گے کیونکہ وہ اس سے پہلے نیک تھے (عبادت کے سبب) رات میں بہت ہی کم سویا کرتے تھے اور صبح کو معافی مانگا کرتے تھے اور اُن کے مالوں میں سائل اور محتاج کا بھی حصہ لگا ہوا تھا۔

ترکیب : والذاریات الواو للقسم ذروا منصوب علی انہ مصدر۔ یقال ذرت الریح التراب تذروہ ذروا و آذرتہ تذریہ ذریا۔ فالحاملات عطف علی الذاریات وقس علیھا البواقی۔ و قر قرء الجمھور بکسر الواو فھو اسم اقیم مقام المصدر کما یقال ضربہ سوطا۔ او مفعول بہ کما یقال حمل فلان عدلا ثقیلا (کبیر) وقری بفتح الواو علی انہ مصدر یسرا منصوب علی انہ صفۃ مصدر تقدیرہ جریا ذا یسر امرا منصوب علی انہ مفعول بہ کما یقال فلان قسم الرزق او حال اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ جواب القسم و ما مصدریۃ او موصولۃ، یؤفك عنہ الضمیر الرسول علیہ السلام او القرآن او الایمان۔ یوم ھم منصوب علی الظرفیۃ والناصب یقع۔ وقیل موضعہ رفع، ھم مبتدء یفتنون خبرہ۔ آخذین حال مَا یَهْجَعُوْنَ خبر کَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ ظرف ای فی

قلیل من اللیل۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکیہ ہے۔ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔اس میں بیشتر امہات المقاصد و اہم المسائل حشر و توحید و نبوت مذکور ہیں۔

سورہ ق میں دلائل سے حشر کا اثبات کیا تھا، مگر جہلا کی عادت ہے کہ وہ دلائل میں غور نہیں کرتے، پھر ان کے یقین دلانے کے جو طرز ہیں اسی طور پر ان سے کلام کیا جاتا ہے۔عرب میں گو صدہا عیب تھے، مگر ایک یہ ہنر بھی تھا کہ وہ جھوٹ بولنے کو اور خصوصاً قسم کھا کر جھوٹ بولنے کو بہت برا سمجھتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے برباد ہو جاتا ہے، اس لیے قسم کھا کر بات کہنے سے اُن کو یقین آ جاتا تھا، اس لیے ان مسائل کا خدا تعالیٰ ان چند چیزوں کی قسم کھا کر حق ہونا بیان فرماتا ہے اور قسم بھی ان چیزوں کی کھائی جو بنفسہ ایک ایک اثباتِ حشر کے لیے برہانِ قاطع ہو۔فقال وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا کہ ان چار چیزوں کی قسم ہے۔اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ سچ ہے اور جزاء و سزا کا دن یعنی قیامت کا ضرور آنے والا ہے۔مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ چار چیزیں کیا ہیں؟ بعض کہتے ہیں چاروں سے ایک ہی چیز اس کے صفاتِ مختلفہ کے لحاظ سے مراد ہے، پھر اس میں بھی دو قول ہیں۔بعض کہتے ہیں سب سے ہوائیں مراد ہیں۔ذاریات وہ ہوائیں جو غبار اُڑاتی ہیں، جن سے اخیر میں بادل پیدا ہوتے ہیں اور حاملات و قرا بوجھ اُٹھانے والی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو لیے پھرتی ہیں، جو پانی کے خزانے ہیں اور اسی لیے بادلوں کو بوجھل کہا گیا اور الجاریات یسرا سے بھی وہ ہوائیں مراد ہیں جو پانی برسنے کے وقت نرم نرم چلا کرتی ہیں۔المقسمات امرا سے بھی مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو برسنے کے بعد اِدھر اُدھر لے جا کر پانی تقسیم کر دیتی ہیں، ان ہواؤں کی قسم کھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظامِ عالم جس نے ان سے اس طرح مربوط کیا ہے جو عقل میں نہیں آتا (کہ ہوائیں اجزاءِ ارضیہ کو بکھیرتی ہیں اور پھر وہی جو سماء میں جمع کرتی ہیں۔بادلوں کو پھر وہی نرم نرم چل کر موقع پر پہنچاتی ہیں۔پھر وہی تفریق کرتی ہیں) وہ انسان کے اجزاءِ متفرقہ جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔

بعض کہتے ہیں سب سے ملائکہ مراد ہیں جو ان خدمات پر مامور ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے ان چاروں سے چار جدا جدا چیزیں مراد ہیں۔ جن سے انتظامِ عالم مربوط ہے۔ذاریات سے مراد ہوائیں حاملات وقرا سے مراد بادل، جاریات یسرا سے مراد کشتیاں جو دریا میں نرم نرم چلا کرتی ہیں۔مقسمات امرا سے مراد ملائکہ ہیں۔اس کے بعد کرۂ ارضی اور جمیع عناصر کو جو چیز محیط ہے اس کی قسم کھا کر ایک اور بات بیان فرماتا ہے۔والسماء ذات الحبك حبک حبیکہ کی جمع ہے جس کے معنی طریق کے ہیں۔قوی تر یہ ہے کہ آسمانوں میں جو ستاروں سے مختلف راہیں سی نظر آیا کرتی ہیں، وہ حبک ہیں۔جال سے پڑے ہوئے دکھائی دیا کرتے ہیں کہ ایسے آسمان کی قسم اے کفار تم خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہو، تم میں سے کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاعر کہتا ہے، کوئی ساحر کوئی کاہن، کوئی دیوانہ جس طرح آسمان میں ستاروں سے مختلف رستے اور جال نظر آتے ہیں، اس طرح تمہاری باتیں مختلف ہیں۔یہ لطیفہ ہے۔ذَاتِ الْحُبُكِ کہنے میں تمہارا یہ اختلاف ثابت کرتا ہے کہ تم کو کسی بات کا یقین نہیں۔تمہاری تخمینی باتیں ہیں جو اوہام فاسدہ پر مبنی ہیں، پھر فرماتا ہے۔یُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ قرآن یا نبی سے وہ ہی شبہ کرتا ہے، جس کو ازلی تقدیر نے شبہ کے ظلمات میں ڈال رکھا ہے۔قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ۔خرص کھجور کے اُوپر کے چھواروں کا اندازہ کرنا کہ اتنے من ہوں گے۔اس جگہ مراد ہے۔اٹکلیں دوڑانا۔ابن الانباری کہتے ہیں جب قتل کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیا جاوے تو اُس کے معنی ہوں گے لعنت کے غمرہ غفلت۔فرماتا ہے کہ ان اٹکل دوڑانے والوں پر لعنت ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور پوچھتے ہیں۔اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ کب ہے۔روز جزا؟ بطور تمسخر کے، اب آپ ہی بتاتا ہے۔یَوْمَ هُمْ

علی النار یفتنون کہ وہ دن ہے کہ جس روز وہ آگ میں جلائے جاویں گے اور اُن سے کہا جائے گا۔ ذوقوا فتنتکم ھذا الذی کنتم به تستعجلون اپنے عذاب کو چکھو یہ ہے وہ کہ جس کی تم دُنیا میں جلدی کیا کرتے تھے۔

حشر کے برحق ہونے پر قسم کھا کر وہاں جو کچھ بدوں خصوصاً منکرین حشر کا حال ہوگا۔ اُس کو یہاں تک بیان فرمایا، اب نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ آخِذِیْنَ مَا اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ کہ پرہیز گار لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے کہ جن میں چشمے جاری ہیں، اپنے رب کی نعمتیں حاصل کریں گے، پھر اس کا سبب بیان فرماتا ہے کہ کس وجہ سے وہ اس سعادت کے مستحق ہوئے؟ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ کہ وہ اس سے پہلے یعنی دُنیا میں نیک تھے۔ احسان بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر ایک قسم کی نیکی کو شامل ہے۔ ایمان سے لے کر اعمالِ صالحہ تک اور اللہ کی عبادت اور بندوں کے ساتھ بھلائی کرنے تک۔ اب قدرے اُن کی نیکی کی شرح بھی کرتا ہے۔ کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ (الھجوع النوم باللیل) یعنی رات کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے، اس لیے بہت کم سوتے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ رات بھر تو یہ کام کرتے تھے۔ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ صبح کو خدا سے اپنے قصورِ عبادت کی بابت معافی مانگتے تھے، رات کی عبادت سے غرور نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر بھی اپنے کو خطاوار سمجھتے تھے۔ بندگی اس عجز و نیاز کا نام ہے۔ یہ تو تعظیم امر اللہ تھی اور خلق اللہ کے ساتھ ان کا یہ حال تھا۔ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ کہ اُن کے مال میں سائل کا بھی حصہ تھا اور نہ مانگنے والے کا بھی یعنی سب کو للہ دیا کرتے تھے۔ محروم کے معنی ہیں ممنوع کے، یہ لفظ عام ہے نہ سوال کرنے والے کو بھی اور آفت رسیدہ کو بھی اور اپاہج کو بھی اور جس کا کچھ حق نہیں اُس کو بھی شامل ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

وقف لازم

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں اور خود تم میں بھی (موجود ہے) پھر کیا تم نہیں دیکھتے اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ بھی کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی! (یہ قرآن ویسا ہی) برحق ہے۔ جیسا تمہارا باہم باتیں کرنا (اس میں شبہ نہیں اسی طرح اس میں نہیں۔) کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی؟ جب اُن کے پاس آئے تو کہنے لگے سلام۔ ابراہیم نے بھی کہا سلام۔ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ پھر ابراہیم اپنے گھر کی طرف متوجہ ہوئے تو تلا ہوا بچھڑا لائے۔ پھر اُن کو اُن کے پاس رکھ کر کہا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ (جب نہ کھایا) تو اس کو اُن سے خوف معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا خوف مت کرو اور اُن کو ایک دانشمند لڑکے کی (پیدا ہونے کی) خوشخبری بھی دی پھر ان کی بیوی (سارا) شور مچاتی ہوئی آگے بڑھیں اور اپنا ماتھا پیٹ کر

کہنے لگیں کیا بڑھیا بانجھ جنے گی، وہ بولے تیرے رب نے تو ایسا ہی فرمایا ہے۔ وہ جو ہے تو حکمت والا دانا ہے۔

ترکیب : مثل یقرء بالرفع علی انہ لغت لحق او خبر ثان او علی انھما خبر واحد و ما زائدۃ و یقرء بالفتح انہ حال من النکرۃ و من الضمیر فیھا او علی اضمار اعنی و ما زائدۃ و قیل معرب و قیل بنی علی انہ رکب مع ما کخمسۃ عشر۔ انکم موضعھا جر بالاضافۃ اذ اجعلت ما زائدۃ او رفع علی تقدیر ھو۔ اذ ظرف الحدیث او لضیف والضیف مصدر یطلق علی الواحد والکثیر۔ سلام مبتدء علیکم خبرہ محذوف۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا یعنی اہلِ جنت کی عبادت کا تو یہ حال ہے اور اُن کے افکار و خیالات ایسے پاکیزہ ہیں کہ زمین میں ہر شے اُن کے نزدیک اُس کی قدرت کا نمونہ ہے اور خود انہی کے اندر سینکڑوں نمونے ہیں یا کہو یہ بیانِ سابق کا بقیہ ہے، یعنی حشر کے امکان پر اور چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ زمین کے اندر اُس کے اشیاءِ رنگا رنگ میں اور خود لوگوں کے اندر ہماری قدرت کی سینکڑوں نشانیاں ہیں۔ انسان اپنی پیدائش اور قویٰ اور اعضاء و صحت و مرض و تبدلات و تغیرات و جذبات باطنیہ میں غور کرے تو فوراً باور کر لے کہ وہ اُس کی بے انتہا قدرتوں کا خزانہ ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ من عرف نفسہ عرف ربہ جس نے اپنے آپ کو جان لیا، اُس نے خدا کو پہچان لیا، اس لیے فرماتا ہے۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ پھر تم کیوں نہیں ان نشاناتِ قدرت کو دیکھتے؟ اور آسمان میں تمہاری روزی ہے، آسمان سے مراد بارش جو آسمان سے یعنی اُوپر سے اُترتی ہے، بارش سے انسان بلکہ حیوان کی روزی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جنت و دوزخ، خیر و شر سب اُوپر سے ہے، یعنی تمہاری کوششوں سے اور تدابیر سے یہ سامان پیدا نہیں ہوتے بلکہ یہ سب کچھ آسمانی اسباب سے ہے۔ آسمان سے مراد اُوپر کی جہت جس سے مقصود تقدیر و مشیتِ الٰہی، تقدیری باتوں اور مشیتی اسباب کو آسمانی کہا کرتے ہیں۔ شرف و فوقیت کے لحاظ سے پھر کہتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم یعنی روزِ جزا کا آنا ایسا ہی برحق ہے۔ جیسا کہ تمہارا باہم باتیں کرنا اس میں تم کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ ان دلائلِ حشر اور وہاں کی جزاء و سزا بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کرتا ہے جس سے یہ باتیں بتانی مقصود ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مہمان نوازی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

(۲) دُنیا میں کسی مراد کے دیر میں ملنے سے نا اُمید نہ ہونا چاہیے۔ خدا کا وعدہ برحق ہے، اُس نے اخیر عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اولاد دی اُسی پر اُس کی سزاؤں کو بھی خیال کرنا چاہیے کہ اگر دیر ہو جائے تو مغرور و غافل نہ ہو جائے کہ میرے اعمالِ بد کا برا ثمرہ مجھے نہ ملے گا۔

(۳) چونکہ قومِ لوط مدت سے اس بدکاری کی عادی تھی، پیغمبر ہر چند منع کرتا تھا، پر نہیں مانتے تھے۔ آخر ایک روز ایسا ہوا کہ ان کی بدکاری کا برا دن اُن کے سامنے آیا۔ وہ بستیاں غارت ہوئیں، اے قریشِ مکہ! تم بھی دلیر نہ ہو جاؤ۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾
لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾
فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

الجزء السابع والعشرون ۲۷

وَفِیْ مُوْسٰٓی اِذْ اَرْسَلْنٰہُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰی بِرُکْنِہٖ وَقَالَ
سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰہُ وَجُنُوْدَہٗ فَنَبَذْنٰہُمْ فِی الْیَمِّ وَھُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾
وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْہِ
اِلَّا جَعَلَتْہُ کَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَہُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا
عَنْ اَمْرِ رَبِّہِمْ فَاَخَذَتْہُمُ الصّٰعِقَۃُ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّمَا
کَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّہُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾ ع

ابراہیم نے کہا اے رسولو! تمہارا کیا مطلب ہے۔ وہ بولے ہم کو گناہ گار لوگوں (قومِ لوط) کی طرف بھیجا گیا ہے کہ ہم آن پر مٹی کے (سلیں) برسا دیں، جو آپ کے رب کی طرف سے حد سے تجاوز کرنے والے کو نامزد ہو چکے ہیں، پھر ان میں سے ہم نے اُس کو جو ایمان دار تھا نکال لیا اور ہم نے وہاں بجز لوط کے گھر کے اور گھر ایمانداروں کا نہ پایا اور ہم نے ان بستیوں کو (ہلاک کرنے کے بعد) ان لوگوں کے لیے جو عذابِ الیم سے ڈرتے ہیں کچھ نشانیاں باقی رکھ چھوڑی ہیں اور موسیٰ کے قصے میں بھی (عبرت ہے) جبکہ ہم نے اُس کو فرعون کی طرف کھلی ہوئی سند دے کر بھیجا، پھر اُس نے اپنے زور و طاقت کے گھمنڈ پر سرتابی کی اور کہہ دیا جادوگر یا دیوانہ ہے، پھر تو ہم نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو پکڑ لیا۔ پھر اُن کو دریا میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ تھا اور عاد کے حال میں بھی (عبرت ہے) جبکہ ہم نے اُن پر سخت آندھی بھیجی، جس چیز پر وہ گزرتی تھی تو اُس کو چور ہی کر ڈالتی تھی اور ثمود کے واقعہ میں بھی (عبرت ہے) جبکہ اُن کو کہا گیا کہ ایک وقت تک برتنا ہے برت لو، پھر اُنہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی پھر تو اُن کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ [illegible] نہ اُٹھ ہی سکے اور نہ بدلہ ہی لے سکے اور نوح کی قوم کو ان سے پہلے (ہلاک کر چکے تھے) کیونکہ وہ بدکار قوم تھی۔

ترکیب : الخطب الشان مسومۃ ای معلمۃ بعلامات تعرف بہا قیل کانت مخططہ بسواد و بیاض صفۃ لحجارۃ او حال من الضمیر المستکن فی الجار والمجرور وقیل معنی مسومۃ مرسلۃ من اسمت الماشیۃ ای ارسلتہا و فی موسٰی فی عطفہ اقوال مختلفہ قیل انہ عطف علی قولہ تعالیٰ۔ و ترکنا فیہا آیۃ و فی موسیٰ ایضاً ترکنا ایۃ اذ ارسلناہ الظرف متعلق بمحذوف واذ منصوب بترکنا والاول اولیٰ برکنہ ای بقومہ ابن عباس ماتذر الجملہ حال مقدرۃ من الریح اوخبر مبتداء محذوف ھی وقوم نوح بالجر عطفا علی ما تقدم من قولہ وفی عاد و بالنصب علی تقدیر اھلکنا۔

تفسیر : اب ہم اس قصہ کو مع شرح الفاظ قرانیہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام میں آ رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام جو اُن کے بھتیجے تھے، وہ بھی ساتھ آئے تھے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام سدوم و عمورہ وغیرہ بستیوں میں آ رہے تھے جو جھیل مردار کے کنارہ آباد تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھیاسی برس کی عمر میں ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، مگر سارہ علیہا السلام بیوی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور وہ اسی اُمید میں بڑھیا ہو گئیں۔ اس بات کا اُن کو بڑا غم رہتا تھا۔ ایک روز جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کے وقت مہمانوں کی صورت میں چند فرشتے نظر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی عادت مہمان نوازی کے موافق اُن کے کھانے کو تلا ہوا بچھڑا لائے۔ فرشتوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈرے کہ یہ دشمن ہیں، کیونکہ اس عہد میں دشمن اپنے دشمن کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ (یہ نمک حرامی اسی عہد میں مروج ہوئی ہے)۔ فرشتوں نے کہا نہ ڈرو اور اُس کو علمدار لڑکے کی بشارت دی۔ (اسحاق علیہ السلام کے تولد کی) حضرت سارہ علیہا السلام پیچھے کھڑی تھیں۔ یہ سن کر ہنسیں، بڑی خوشی سن کر ہنسی آنا طبعی بات ہے۔ صرۃ کے معنی ہیں۔ آواز اور چیخنے

کے مگر مراد کھل کھلا کر ہنسنا ہے، کیونکہ قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے۔ ضحکت اور تعجب سے ماتھا کوٹنے لگیں اور کہنے لگیں کیا بانجھ اور وہ بھی بڑھیا جنے گی؟ فرشتوں نے کہا خدا کا یہی حکم ہے۔ بانجھ اور بڑھیا کو بچہ دینے کی حکمت و تدابیر اس کو خوب معلوم ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم کدھر جاتے ہو؟ انہوں نے کہہ دیا کہ لوط کی قوم کی طرف کہ اُن پر پتھر برسا دیں، چنانچہ وہاں گئے اور وہ بستیاں ہلاک ہوئیں، اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے اُس کو فرعون کے پاس دلیل دے کر بھیجا (تَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ) التولی الاعراض الرکن الجانب (قالہ الاخفش) تو اُس نے اعراض کیا اور کہہ دیا جادوگر ہے یا دیوانہ پھر خدا نے اُس کو مع لشکر کے غرق کیا، اس کے بعد عاد و ثمود و قومِ نوح کی ہلاکی بیان کرتا ہے کہ ان بدکاریوں سے ہلاک ہوئے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ
اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ
بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ
اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ
يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور آسمان کو ہم نے قدرت سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں اور ہم نے ہی زمین کو بچھایا، پھر ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہی ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا شاید تم سمجھو (پس اے نبی! کہہ دو) اللہ کی طرف دوڑو، میں تم کو اُس کی طرف سے صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں اور اللہ کے سوا اور کسی کو معبود نہ ٹھہراؤ، میں تم کو اُس کی طرف سے صفا صفا آگاہ کئے دیتا ہوں، اسی طرح ان سے پہلوں کے پاس بھی جب کوئی رسول آیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ، کیا ایک دوسرے سے یہی کہہ مرا تھا بلکہ وہ خود بھی سرکش تھے۔ پھر آپ تو اُن سے منہ پھیر لیجئے، آپ پر کوئی الزام نہیں اور ہاں سمجھاتے رہو کہ سمجھانا ایمان داروں کو نفع دیتا ہے اور میں نے جن اور انسان کو جو بنایا ہے تو اپنی بندگی کے لئے، ہم اُن سے کچھ روزینہ تو نہیں چاہتے اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھانا کھلا دیں کیونکہ اللہ ہی بڑا روزی دینے والا

[1] ذنوبا والذنوب الدلو العظیمۃ ہذا تمثیل واصلہ تقسیم الماء یکون لھذا دلو ولھذا دلو یعنی حالھم کحالھم من اغد العیش والغفلۃ محکما وقع علیھم نفع علی ہؤلاء ویمکن ان یکون الذنوب بمعنی المعاصی ای ان لھؤلاء القوم جرائم مثل جرائم اصحابھم الماضین۔ ۱۲ منہ

زور آور ہے۔ پس ان ظالموں کا بھی ویسا ہی پیمانہ (لبریز ہے) جیسا کہ ان کے اگلے یاروں کا تھا، پھر وہ مجھ سے (عذاب کی) جلدی نہ کریں۔ پھر کافروں پر ان کے اُس روزِ بد کے سبب کہ جس کا اُن سے وعدہ کیا جارہا ہے بڑی خرابی ہے۔

ترکیب : والسماء منصوب علی شریطۃ التفسیر باید متعلق بالفعل وقیل حال من الفاعل و من کل شیء متعلق بخلقنا کذلک ای الامر کذلک المتین بالرفع علی النعت وقیل ھو خبر مبتداء محذوف ای ھو المتین (ابوالبقاء)۔

تفسیر : ان آیات میں اپنی خدائی کا ثبوت اور توحید اور مسئلہ رسالت اور گناہوں کا برا نتیجہ پیش آنا ثابت کرتا ہے۔ پہلی بات پر تین دلیلیں لایا۔ اول وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا کہ آسمان کو ہم نے قدرتِ کاملہ سے بنایا اور ہم بڑے وسعت والے ہیں، یعنی قدرت والے۔ دوم وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا زمین کو ہم نے فرش کر دیا۔ یعنی بندوں کی سکونت کے قابل کیا۔ آسمان چھت اور زمین اس دارِ دنیا کا فرش ہے۔ سوم ومن کل شیء ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا، یعنی اُس کی دوسری چیز مثل ہے، جنس میں یا فصل میں یا جو ہر ہونے میں بے مثل وہی ہے۔ یہی دلیل ہے، اُس کی خدائی و یکتائی پر۔ یہ چیزیں اس گھر کی زینت و آرائش کے سامان ہیں تا کہ تم سمجھو کہ یہ گھر چندروزہ ہے۔ اس کو مرنے سے پہلے چھوڑ کر اللہ کی طرف دوڑو جو تم کو اس سے عمدہ گھر میں آسائش دیوے یعنی اُس کی طرف جلد رجوع کرو۔ میں اُس کی طرف تم کو جلد متنبہ کرنے آیا ہوں، یہاں سے مسئلہ رسالت کا ثبوت کیا۔ اب توحید کا ثبوت کرتا ہے کہ جب وہی بے مثل اور اس گھر کا بنانے والا ہے۔ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اس کے ساتھ اور کسی کو خدائی میں شریک نہ کرو، انہی باتوں کے بتانے کو میں دنیا میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ پھر مسئلہ نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے کہ تم جو مجھے نہیں مانتے یہ کوئی نئی بات نہیں، رسالت کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے۔ جب کوئی رسول دنیا میں آیا لوگوں نے اُس کو جادوگر اور دیوانہ بتایا۔ اس بات کو تعجب کے طور پر خدا تعالیٰ ذکر کرتا ہے کہ کیا وہ اگلے ان پچھلوں کو وصیت کر گئے اور کہہ گئے تھے کہ تم بھی رسول کو دیوانہ اور ساحر کہنا جو یہ ان کی تقلید کرتے ہیں؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ وصیت تو نہیں کر گئے تھے، خود انہی کی ذات میں سرکشی کا مادہ ہے۔ پس اے رسول! تم اُن سے ہٹ آؤ تمہارا جو کام تھا وہ تم نے پورا کر دیا۔ ہاں ایمان داروں کو نصیحت کرتے رہو کہ اُن کو اس سے فائدہ ہوگا اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے جن و انسان کو اپنی عبادت کے لیے بنایا ہے۔ وہ اس بات کو سمجھ کر خدا کی عبادات میں مصروف رہیں گے، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم نے یہ گھر بنا کر جو تم کو اس میں بسایا ہے۔ شکر کرنے کے لیے نہ کہ نافرمانی و ناشکری کے لیے۔ اس شکر گزاری میں اللہ بندوں سے کوئی اپنا فائدہ رزق روزی کا نہیں چاہتا، جس لیے وہ ہٹتے ہیں، کیونکہ وہ خود رزاق و قوت والا زبردست ہے، یعنی غیر اس کے محتاج بلکہ اس لیے کہ ناشکری کا وبال بندے پر نہ پڑے، جیسا کہ اگلے لوگوں پر وبال آیا۔ پھر فرماتا ہے کہ حال کے منکروں کی بھی وہی نوبت ہے، پھر کیوں عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ یہ چوتھی بات کا ثبوت تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ﴿١﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿٢﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿٣﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿٤﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿٥﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿٦﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿٨﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ

وقف لازم

اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِىْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۚ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

قسم ہے طور کی اور اس کتاب کی جو کشادہ ورقوں میں لکھی گئی اور قسم ہے آباد گھر کی اور اونچی چھت کی اور پر جوش دریا کی کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب (کفار پر) ہو کر رہے گا۔ جس کو کوئی بھی ٹالنے والا نہیں جس دن کہ آسمان چکر کھائے اور پہاڑ اڑتے پھریں، پھر اس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے، جو نکتہ چینیوں میں کھیل رہے ہیں۔ جس دن کہ وہ آتشِ دوزخ کی طرف دھکے دے کر ہانکے جاویں گے (کہا جاوے گا) یہ وہ آگ ہے کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، پھر کیا وہ جادو ہے (نظر بندی) یا تم دیکھتے نہیں ہو، اس میں گھسو صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب: الواو الاولیٰ فی والطور للقسم وما بعدھا فی وکتاب الخ للعطف فی رق متعلق بمسطور ان عذاب الخ جواب القسم ماله الخ الجملة صفة لواقع و یوم ظرف لدافع اولواقع یوم یدعون بدل من یوم تمور۔ افسحر خبر مقدم ھذا مبتدء موخر سواء خبر مبتدء محذوف ای صبر کم وترکہ سواء الرق بفتح الراء وکسرھا کل ما یکتب فیہ جلدا کان او غیرہ وجمعہ رقوق والمور الاضطراب والحرکۃ ولذا یطلق علی الموج الدع الدفع بعنف۔

تفسیر: یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں یہ سورہ پڑھتے سنا (رواہ البخاری مسلم وغیرہما) اس سورہ میں یہی مسئلۂ حشر کا اثبات ہے اور وہ اثبات اس جگہ اور عنوان کے ساتھ ہے، اس لیے ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ کہ بے شک تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے، جس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔ اس میں صرف قیامت کے آنے کی ہی خبر نہیں بلکہ منکرین کو ایک یقینی آنے والے عذاب سے تہدید بھی ہے اور وہ پانچ چیزیں جن کی یہاں قسم کھائی یہ ہیں۔ الطور[1] اس سے مراد کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں درخت ہوتے ہیں اس کو طور کہتے ہیں اور جس میں درخت نہ ہوں اس کو جبل کہتے ہیں، اس قول سے تعمیم پائی جاتی ہے۔ (۲) كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے مگر قوی تر یہ ہے کہ اس سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو اوراق پر لکھی جاتی ہیں، جو کھلے ہوتے ہیں جن کو پڑھنے والا پڑھ سکتا ہے۔ اَلْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ آباد گھر جس سے مراد خانہ کعبہ اور دیگر معابد ہیں جو عابدین سے آباد ہیں۔ دنیا کے ہوں یا سموات پر ہوں۔ اس لیے احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ کعبہ کے محاذ میں ساتویں آسمان کے اوپر ملائکہ کا ایک عبادت خانہ ہے۔ جہاں ہزاروں ملائکہ طواف کرتے ہیں، اس کو بھی بیت المعمور کہتے ہیں۔ اَلسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ آسمان اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ دریائے شور مسجور کے معنی گرم کے ہیں۔ سمندر تموج کی وجہ سے گرم کہلاتا ہے، جب تموج ہوتا ہے کہتے ہیں ان دنوں دریا گرم ہے۔ ان پانچوں چیزوں کے ذکر سے اپنے عجائبات قدرت اور دینی اور دنیوی برکات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس نے دنیا میں استواری کے لیے پہاڑ قائم کئے۔ کتابیں دستور العمل بنائیں، گھر آباد کئے، بلند مکان بنوائے۔ دریائے اشور بنایا جو سب کو محیط ہے اور یہ کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، پھر اس کو کتاب دی اور بندوں کے لیے خانہ کعبہ بنایا اور بیت المقدس قائم کیا جس کی چھتیں بلند تھیں اور پھر ان عبادتوں سے اور اس پہاڑ سے اور ان

[1] اور ممکن ہے کہ طور سے اشارہ آنحضرت ﷺ کی ذات کی طرف ہو کہ وہ وقار کا پہاڑ اور عالم کی تجلی گاہ تھی اور کتاب مسطور حضرت کے علوم متعارف جو لوگوں کے اوراقِ دل پر لکھے گئے اور بیت معمور حضرت کا دل پاک اور سقفِ مرفوع آپ کی شان اور بحرِ مسجور آپ کے علوم کا دریاءِ مواج۔ ۱۲ منہ

کتابوں سے علوم و معارف کے پُر جوش دریا نکالے جنہوں نے عالم کو سیراب کیا، وہ سب قیامت کے قائل تھے، پھر ان جہلاء کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اس کے بعد قیامت کے واقعہ کو بیان کرتا ہے کہ اُس روز آسمان لرزیں گے اور پہاڑ اُڑیں گے، اُس روز اس دن کے جھٹلانے والوں کو بڑی خرابی ہوگی جو آج غفلت میں پڑے نکتہ چینیاں کرتے ہیں، وہ خرابی یہ ہوگی کہ وہ دوزخ کی طرف دھکے دے کر روانہ کئے جاویں گے اور جہنم دکھا کر کہا جاوے گا کہ یہ ہے وہ جس کا انکار تھا، اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تم کو دکھائی نہیں دیتی، اب اس میں جلا کرو چیخو یا چلاؤ تمہارے اعمال کی سزا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾

بے شک جو پرہیزگار ہیں باغوں اور نعمتوں میں چین کرتے ہوں گے۔ اُن چیزوں سے جو اُن کو رب نے عطا کیں اور اُن کا رب اُن کو عذاب دوزخ سے بچادے گا، کھاؤ پیو مزے کر و اپنے عملوں کے سبب تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے قطار سے بچھے ہوئے تختوں پر اور اُن کی شادی ہم حور عین سے کر دیں گے اور جو ایمان لائے اور اُن کی نسل ایمان میں اُن کی پیرو ہوئی تو اُن کے ساتھ اُن کی نسل کو بھی ہم ملا دیں گے اور اُن کے عملوں میں کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے کئے کا پابند ہے اور اُن کو پے در پے ہم میوے اور گوشت دیں گے جس کا وہ چاہیں گے، وہاں اُن پیالوں کی چھینا جھپٹی کریں گے کہ نہ جن میں بکواس ہے اور نہ گناہ اور اُن کے پاس آئیں جائیں گے ایسے لڑکے کہ گویا وہ موتی ہیں غلاف کے اور ایک دوسرے کی طرف بات کرنے کو متوجہ ہوگا۔ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھروں میں ڈرا کرتے تھے پس ہم پر اللہ نے احسان کیا اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالیا۔ ہم اُس کو پہلے سے پکارا کرتے تھے، وہ جو ہے تو بڑا احسان کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : فاکھین یقال رجل فاکہتہ ای ذو فاکہتہ قیل ذو نعمۃ تلذ و حال وقرء فکھین والفکہ طیب النفس بما موصولۃ والباء علی اصلھا او بمعنی فی ووقاھم عطف علی الصلۃ او حال بتقدیر قد او معطوف علی فی جنات متکئین حال من الضمیر فی کلوا او من الضمیر فی وقاھم او من الضمیر فی فاکھین والذین امنوا مبتدء و اتبتھم الخ معترضۃ للتعلیل الحقنا بھم خبرہ بایمان حال من الضمیر او الذریۃ او منھا

یتنازعون حال۔انه بالکسر علی الاستیناف کا ساخر اسماھا باسم محلھا وذلک انث الضمیر فی قوله لا لغو فیھا۔

تفسیر : جیسا کہ اہلِ جہنم کا حال بیان ہوا تھا، اب اہلِ جنت کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان المتقین الخ کہ پرہیزگار بہشتوں میں ہر طرح سے آرام و عافیت سے رہیں گے اور جہنم کے عذاب سے خدا اُن کو بچاوے گا۔ روحانی جنت کے سوا جسمانی نعمتیں بھی ان کو نصیب ہوں گی، جسمانی نعمتیں ہیں۔ اول عمدہ کھانا پینا اُس کی نسبت حکم ہوگا، کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ھنیئی کے معنی ہیں بے مشقت و بے رنج و بے کھٹکے نہ مرض کا کھٹکا نہ پکانے اور کما کر لانے کا دغدغہ نہ کم ہو جانے کی فکر۔ دوم رہنے کی عمدہ جا سو اُس کو ایک بار تو جنات و نعیم میں اجمالاً بیان کیا تھا، اب اُس کی تشریح کرتا ہے کہ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ بادشاہوں کی طرح تختوں پر صف بستہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، تیسری نعمت اُس کے بعد حسین اور فرماں بردار اور نیک بیوی کا میسر آنا جس کی طرف انسان کو ماکل و مشارب کے بعد بالطبع رغبت ہے، سو اُس کی نسبت فرماتا ہے وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ کہ ہم اُن کی شادی حورعین سے کر دیں گے۔ (حورعین کے لفظ کی شرح اور جنت میں شادی ہونے کی بابت پادریوں کے اعتراض کا جواب ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں)۔

ان سب نعمتوں کے بعد انسان کو اپنے احباب و اقارب کی جدائی کا رنج بھی خصوصاً عیش و آرام کے وقت دل میں کانٹا سا کھٹکا کرتا ہے جو سب باتوں کو تلخ کر دیتا ہے، اس کانٹے کو نکالتا ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ ذریۃ بضم فرزندان ذراری، ذریات جمع، (صراح) کہ ایمانداروں کی اولاد جو ایمان میں اپنے بزرگوں کے تابع ہوں گے، وہ بھی اُن کے ساتھ جنت میں ملا دیے جاویں گے اور اُن کے بزرگوں کے عمل میں سے اس وجہ سے کہ اُن کی اولاد اُن کے ساتھ ایمان لانے کے سبب ملائی گئی، کچھ کمی نہ کریں گے۔

طبرانی و ابن مردویہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ مومن جنت میں جا کر اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کو دریافت کرے گا، اُس کو کہا جاوے گا کہ وہ تیرے درجہ تک نہ پہنچے، وہ عرض کرے گا الٰہی میں نے اپنے لیے اور اُن کے لیے عمل کیا تھا، تب حکم ہوگا کہ اُن کو بھی ساتھ ملا دو صالحین کی اولاد بلکہ دیگر اقارب بلکہ احباب و عقیدت مند بھی کہ جن کو عرفاً لفظ ذریت شامل ہے، اُن کی بدولت بشرطیکہ خود بھی ایمان رکھتے ہوں گے، اُن کے درجات میں جگہ پاویں گے، مگر ساتھ یہ بھی فرما دیا كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ کہ ہر آدمی اپنے اعمال میں بند ہے تاکہ کوئی اپنے بزرگوں پر بھروسہ کر کے آپ ایمان و اعمالِ صالحہ کی کوشش سے آزاد نہ بن بیٹھیں۔ آگے پھر اُن کے نعماء کا ذکر کرتا ہے کہ دل پسند پرندوں کا گوشت کھانے کو ملے گا، شرابِ طہور کا دور چلے گا۔ فرحت میں آ کر ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرے گا، جیسا کہ دُنیا میں احباب کیا کرتے ہیں۔ پھر باہم ایک دوسرے سے پوچھے گا کہ تم نے دُنیا میں کیا اعمال کئے تھے، جواب دیں گے کہ ہم خدا سے ڈرا کرتے تھے، اُس نے ہم پر فضل کر دیا۔ عذابِ جہنم سے بچا لیا، بس اُس کی عنایت و مہربانی تھی۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝۲۹ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ
نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝۳۰ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝۳۱
اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۳۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ
بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۳۴ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ
غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۳۵ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝۳۶

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾ ع

سو نصیحت کئے جا کیونکہ رب کی عنایت سے نہ آپ کاہن ہیں نہ دیوانہ، کیا ان کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے کہ اس کے بارے میں ہم گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں، کہہ دو (ہاں) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، کیا اُن کی عقلیں اُن کو یہی باتیں سکھاتی ہیں یا وہ ذاتی شریر قوم ہیں، کیا وہ کہتے ہیں کہ قرآن از خود بنا لیا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اُن کو یقین نہیں آتا، اچھا اسی طرح کا کلام وہ بھی تو بنا لاویں، اگر وہ سچے ہیں۔ کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے کیا وہ کسی کو پیدا کرنے والے ہیں۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین بھی نہیں کرتے، کیا اُن کے پاس ان کے رب کے خزانے ہیں، کیا وہ زبردست ہیں؟ کیا اُن کے پاس سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر آسمانی باتیں سن آتے ہیں، پھر اُن میں سے جو سننے والا ہو تو کوئی صاف سند پیش کرے، کیا اُس کے بیٹیاں اور تمہارے بیٹے ہیں، کیا آپ اُن سے اُجرت مانگتے ہیں کہ وہ اُس کے تاوان سے دبے جاتے ہیں[1] کیا ان کے پاس علمِ غیب ہے جس کو وہ لکھتے رہتے ہیں۔ کیا وہ (آپ پر) داؤ کرنا چاہتے ہیں، پھر کافر تو خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کیا اللہ کے سوا اُن کا اور بھی کوئی معبود ہے۔ اللہ اُن کے شرک کرنے سے پاک ہے اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی گرتے دیکھیں گے تو اس کو گہرا بادل بتا دیں گے۔ پھر آپ اُن کو چھوڑ دیئے یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن کو دیکھ لیں گے کہ جس میں وہ بے ہوش پڑے ہوں گے۔ اُس دن کہ اُن کا مکر اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی اور ستمگاروں کو اس کے سوا ایک اور سزا ہے (قتلِ بدر) لیکن اُن میں سے اکثر جانتے نہیں اور آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں رہیئے، آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور جب اُٹھو تو اپنے رب کی تسبیح وحمد کرو اور کسی قدر رات کو بھی اُس کی تسبیح کرو اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی۔

ترکیب: بکاھن الخ خبر ما والباء زائدۃ بنعمت ربك حال من اسم ما او من خبرھا والعامل کاھن ای لست کاھنا ولا مجنونا۔ منلبسا

[1] جس کا اا۔ار بوجھ پڑ رہا ہے۔

بنعمة ربك ای بانعامه علیك ریب المنون المراد من الریب صروف الدھر وحوادثه علی انھا شبھت بالریب ای الشک لانھا لا تدوم ولا تبقی فیکون استعارة تصریحیة المنون قال الاصمعی واحد فعول من امن وھو القطع فھو اسم للموت اوالدھر لانه یقطع العدد وینقص المدد، قال الفراء المنون واحد وجمع قال الاخفش جمع لا واحد له، التقول الافتراء والکذب ام ھھنا وفی ما بعد منقطعة بمعنی بل وقیل ام فی ھذه الآیات للاستفھام مثل الھمزة والاستفھامات انکار علی الکفار علی ظنونھم الفاسدة۔

تفسیر: دارِ آخرت کی کیفیت بیان فرما کر، پھر اُنہیں تینوں اصل الاصول مسائل کو مرکوزِ خاطر کرتا ہے اور کفار کے بدیہی البطلان خیالات کو جو ان اصولِ ثلاثہ کے برخلاف تھے۔ استفہام کے پیرایہ میں ذکر کر کے رد کرتا ہے۔ اول اصل مسئلہ نبوت خصوصاً نبوت محمد ﷺ ہے، جس کی بابت مخالفوں کو چند خیالات تھے۔ بعض آپ کو کاہن، بعض دیوانہ کہتے تھے۔ بعض شاعر کہتے تھے کہ جس طرح زہیرو نابغہ چند روز میں مرکھپ گئے، ذرا دیکھو یہ بھی اسی طرح مرمٹ جاوے گا، اس بات کو ان کانوا صادقین تک بیان کیا۔ پس فرماتا ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو اُس کی عنایت و کرم سے دیوانہ اور کاہن نہیں، اپنی نبوت و منصبِ نبوت کو پورا کیجئے، اس سے ایمانداروں کو نفع ہوتا ہے، ان سے کہہ دے تم انتظار کرو میں بھی کرتا ہوں، یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ اگر دین کی روز بروز ترقی و کامیابی ہوئی تو جانیو کہ نبی برحق ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ شاعری کا کسی پر خاتمہ نہیں، تم بھی تو انجامِ کلام پر قادر ہو۔ قرآن کی مثل بنالاؤ، اگر سچے ہو بات یہ ہے کہ دل میں جانتے ہیں کہ نہ دیوانہ ہے نہ کاہن نہ شاعر بلکہ اپنی سرکشی سے ایمان نہیں لاتے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ سے لے کر المصیطرون تک چار استفہاموں میں دوسرے اصل الاصول مسئلہ توحید کو ثابت کرتا ہے، مگر لطف یہ ہے کہ اسی کے ضمن میں تیسرے مسئلہ حشر کو اور پہلے مسئلہ نبوت کو بھی اس طرح سے ثابت کرتا ہے کہ گویا تینوں باہم مسلسل ہیں۔ پہلے استفہام میں فرماتا ہے کہ کیا وہ بغیر کسی کے پیدا ہو گئے ہیں؟ یہ کلام بھی چند معانی کو شامل ہے کہ جو ان میں سے ایک ایک توحید یا حشر یا نبوت کو ثابت کر رہی ہے۔ کیونکہ من غیر شیء کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ وہ بغیر مادہ کے پیدا ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اس کا اُن کو اقرار تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو اقرار ہے کہ انسان قطرۂ منی سے بنایا گیا ہے۔ منی ایک گندی چیز ہے جس کو ذکر کرتے بھی عقلا مجالس میں شرم کرتے ہیں، اس لیے اس کو شیء کے لفظ سے تعبیر کیا، پس جیسا وہ یہ جانتے ہیں تو سمجھ لیں کہ ایک قطرہ میں سے کس نے بعض کو قلب اور بعض کو دماغ اور بعض کو جگر اور بعض کو ہڈی اور بعض کو پٹھا بنا دیا اور پھر کس نے اُس میں یہ کاریگری کی ہے؟ اسی خدائے قادرِ مطلق نے کہ جس کا کوئی بھی شریک و مددگار نہیں۔ بس وہ قادر بارِ دگر بھی اُس کو پیدا کر سکتا ہے اور اس کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شیء کسی کام کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں؟ ہر عاقل انسان کی ترکیب میں غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ ضرور یہ کسی کام کے لیے بنایا گیا ہے، یعنی اصلاحِ معاش و معاد کے لیے پھر جب یہ اُس کے لیے بنایا گیا ہے اور معاد کے مسئلہ کی باریکیاں اور موت و حیات کے رموز بجز انبیاء ﷺ کے حل نہیں ہوسکتے تو یہ بھی خیال کرلیں کہ ضرور اُس خالق نے کوئی نبی عقدہ کشائی کے لیے بھیجا ہے اور بجز محمد ﷺ کے ان کی شان کا اس مشکل کشائی میں اور کون ہے؟ اور اُس کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شیء بغیر کسی کے آپ ہی آپ بن گئے ہیں۔ جیسا کہ طبیعین و دہریین کا خیال ہے۔ سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کوئی حادث بغیر محدث یعنی پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس وہ محدث ایسا قادر و صانع خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے؟ دوسرے استفہام میں یہ بات بتاتا ہے کہ وہ بتائیں کوئی چیز اس عالم کی انہوں نے بھی پیدا کی ہے۔ ھم سے مراد تمام مخلوق بے شک خدا تعالیٰ کے سوا کسی نے کوئی چیز پیدا نہیں کی، ہاں پیدا کی ہوئی چیزوں میں ترکیب دے لیا کرتے ہیں۔ وہ بھی ہر جگہ نہیں۔ پس جب بجز اُس کے کسی نے کوئی چیز نہیں بنائی تو کوئی اُس کی خدائی میں بھی شریک نہیں، تیسرے استفہام میں اپنی ایک بڑی اور عجیب مخلوق پیدا کرنے کا حال پوچھتا ہے کہ اچھا بتاؤ آسمانوں یا کہو علویات سورج اور چاند اور ستارے اور زمین کو کس نے بنایا؟ یہی کہیں گے کہ

اُسی نے۔ چوتھے استفہام میں اپنی قدرت کو بے انتہا خزانوں کا سوال کرتا ہے کہ وہ بتاؤ کس کے پاس ہیں؟ اس میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبوت بھی اُسی کے خزانہ کا ایک بیش بہا جوہر ہے جس کو چاہے عطا کرے، تمہارا اس میں کیا اختیار ہے جو اس نے محمد ﷺ کو عطاء کردیا۔

اس کے بعد علم غیب کے وسائل بیان کرتا ہے کہ بتاؤ تم میں سے کسی کے پاس سیڑھی ہے جو اُس پر سے چڑھ کر آسمانوں پر جاتا ہے اور وہاں سے غیب کی باتیں لاتا ہے؟ البتہ محمد ﷺ کو خدا کی طرف سے الہام وحی[1] کے ذریعہ سے غیب کی باتیں اور معاد و معاش کے رموز بتائے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ نبوت کے متعلق بات تھی، اس کے بعد اصولِ ثلثہ کے مخالف اعتقادات پر سرزنش کرتا ہے۔ توحید کے خلاف مشرکوں کا خیال تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، اس لیے ہم اُن کو وسیلہ سمجھ کر پوجتے ہیں۔ فقال ام له البنات الخ کہ تم کو تو بیٹے دیے جو اعلیٰ چیز ہے اور اپنے لیے بیٹیاں بنادے یہ ہوسکتا ہے؟ نبوت کے خلاف میں نبی علیہ السلام پر بدگمانیاں تھیں، اُس پر فرماتا ہے۔ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا الخ کہ تو اُن سے کچھ مانگتا ہے کہ جس کا بار اُن پر پڑتا ہے؟ حضرت ﷺ کو جو وہ جھوٹا کہتے تھے، اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ کیا اُن کے پاس غیب[2] کا دفتر ہے؟ پھر اُن کو کیونکر معلوم ہوگیا کہ وہ جھوٹا ہے؟ کیا وہ نبی سے داؤ کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے اتہامات سے شانِ نبوت میں فرق ڈالیں، وہ اس بات میں خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں کہ اپنے لیے برائی پیدا کررہے ہیں، کیا کوئی اور معبود ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس کے بعد اُن کی شقی طبیعت کا حال اور نڈر رہنا بیان کرتا ہے کہ اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا اُن پر ٹوٹ کر آوے تو اُس کو بادل کہیں گے، پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اُن کو چھوڑ یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن کو دیکھیں کہ جس میں اُن کی ہلاکت ہے اور اے نبی تو صبر کر تو ہماری حمایت میں ہے اور اُٹھتے بیٹھتے اور رات میں اور صبح میں تسبیح کیا کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ② وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ④ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ⑤ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ⑥ وَهُوَ
بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ⑨ فَاَوْحٰى
اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱

[1] یہ ہے سمٰوات کی سیڑھی جس پر چڑھ کر حضرات انبیاء علیہم السلام انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے والے علوم اوپر سے لاتے ہیں۔

[2] ہاں غیب کا دفتر ہوتا اور اس کے مطابق آپ کی باتیں نہ پاتے تو یقیناً جھوٹا کہہ سکتے تھے۔ ۱۲ منہ

قسم ہے ستارہ کی جبکہ جھکے۔ تمہارے صاحب (محمد ﷺ) نہ گمراہ ہو گئے اور نہ بہک گئے ہیں اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں، یہ تو وحی ہے جو اُس پر آتی ہے۔ بڑے طاقت وزور آور نے اُن کو سکھایا ہے۔ (جبریل علیہ السلام نے) جبکہ وہ فرشتہ آسمان کے ایک بلند کنارہ پر تھا تو (نبی کے سامنے) آ کھڑا ہوا، پھر وہ اور بھی قریب ہوا (یہاں تک) کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا تھا یا اس سے بھی کم پھر اس نے جو کچھ ہمارے بندے پر وحی کرنا تھا کیا جو کچھ نبی نے دیکھا تھا ان کے دل نے جوشبہ نہیں بنالیا۔ پھر جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑا کر رہے ہو، البتہ نبی نے تو اُس کو دوبارہ دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس جس کے نزدیک جنت الماویٰ ہے جبکہ سدرہ کو چھپا رکھا تھا جس چیز نے کہ چھپا رکھا تھا نہ تو نبی کی آنکھ نے غلطی کی ہے نہ وہ بہکی ہے۔ بے شک نبی نے اپنے رب کی (بڑی بڑی) نشانیاں دیکھی ہیں۔

ترکیب : الواو للقسم اذا ھویٰ والعامل فی الظرف فعل القسم المحذوف ای اقسم بالنجم وقت ھویہ وقیل النجم نزول القرآن فیکون العامل نفس النجم۔ ماضل الخ جواب القسم ومابنطق الخ جملۃ مستانفۃ وقعت موقع الدلیل تقدیر الکلام کیف یضل ویغوی وھو لا ینطق عن الھوی ان ھوای الذی ینطق بہ من القرآن۔ وحی موصوف یوحیٰ صفۃ ترفع احتمال المجاز وتفید الاستمرار التجددی علمہ صفۃ للوحی ای علمہ ایاہ فاستویٰ عطف علی علمہ بطریق التفسیر فانہ الیٰ قولہ اوحیٰ بیان لکیفیۃ التعلیم و ھو بالافق حال من فاعل استویٰ فکان مقدار ما بینھما قاب قوسین خبر کان نزلۃ منصوب علی الظرفیۃ لان النزلۃ علی وزن الفعلۃ اسم للمرۃ وقیل نصبھا علی المصدر تفسیرہ ولقد رآہ نازلا نزلۃ اخریٰ۔ اذ یغشیٰ ظرف زمان لرآہ لا لما بعدہ من الجملۃ المنفیۃ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکیہ ہے۔ بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے، مگر یہ قول صحیح نہیں۔ بخاری ومسلم وغیرہما نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی سورۃ کہ جن میں سجدہ ہے۔ سورۂ نجم ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور سب لوگوں نے سجدہ کیا مگر ایک شخص نے مٹھی میں مٹی لے کر اُس پر سجدہ کیا۔ میں نے اس کے بعد اُس کو دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اور وہ اُمیہ بن خلف تھا اور یہی احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورۃ میں سجدہ ہے اور صحیح بخاری و ابوداؤد و ترمذی ونسائی وطبرانی وطیالسی وابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے یہ سورۃ نبی ﷺ کے سامنے پڑھی، پس سجدہ نہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سورہ نجم میں مکہ میں تو سجدہ کیا کرتے تھے اور جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو ترک کر دیا، اسی لیے امام شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ سورۂ کے اخیر میں جو فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا آیا ہے۔ وہاں سجدہ کرنا واجب نہیں۔ ہاں جو کوئی کرے تو بہتر ہے مگر پہلی روایات کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ وسفیان ثوری وغیرہما علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنا واجب ہے۔ اس آیت کے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی اور یہی قوی ہے۔ سورۂ طور کے اخیر میں فرمایا تھا کہ ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی اے محمد (ﷺ)! اللہ کی تسبیح وتحمید کیا کرو۔ اب اس سورہ کے اول ہی میں ان ڈوبتے ہوئے ستاروں کی قسم کھا کر خدا تعالیٰ کی عزت وعظمت پر گواہی دیتے ہیں، یہ بات بتلاتا ہے کہ محمد (ﷺ) گمراہ اور بہکے ہوئے نہیں ہیں، جیسا کہ اے کفار! تم کہتے ہو یہ مناسبت ہے اس سورہ کو اس سے پہلے سورہ سے۔

جن سورتوں کے شروع میں خدا تعالیٰ نے حرفوں کے سوا اور چیزوں کی قسم کھائی ہے، وہ چار سورتیں ہیں۔ اول والصافات، دوم والذاریات، سوم والطور، چہارم والنجم، پہلی میں قسم کھا کر وحدانیت ثابت کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ دوسری میں جزاء وحشر کا کو واقع ہونا ثابت کیا ہے، چنانچہ فرمایا۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ تیسری میں عذاب کا واقع ہونا کسی کے ٹلانے سے اُس کا نہ ٹلنا جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ اس سورۃ میں قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت کی، جیسا کہ فرمایا۔

ماضل صاحبکم وماغویٰ الخ تا کہ تینوں اصل الاصول مسائل توحید وحشر ونبوت کا کامل ثبوت ہو جائے اور حشر کے اثبات میں اس لیے قسمیں کھائیں کہ یہ مسئلہ صرف دلیلِ نقلی[1] سے ثابت ہوتا ہے۔ والنجم مفسرین کے نجم کے معنی میں کئی قول ہیں۔ جمہور کا قول ہے کہ اس سے مراد ستارہ ہے کوئی خاص ستارہ نہیں بلکہ جنس یعنی ہر ایک ستارہ اور بعض کہتے ہیں۔ ثریا[2] کیونکہ النجم بول کر یہی مراد ہوا کرتے ہیں۔ کلامِ عرب میں بعض کہتے ہیں شعریٰ ستارہ بعض کہتے ہیں۔ زہرہ، خیر ایک ستارہ خاص ہو یا عام مگر ستارہ مراد لینا ایک قول ہے۔ دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد زمین پر پھیلنے والی بیلیں ہیں، کیونکہ ایک جگہ آیا ہے۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ یہ اخفش کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ النجم سے مراد قرآن شریف کس لیے کہ تنجیم کے معنی ہیں، تفریق اور قرآن پارہ پارہ یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آں حضرت ﷺ ہیں جن کو ظلماتِ عالم میں روشنی دینے کے سبب بطور استعارہ کے ستارہ کہنا بہت ہی ٹھیک ہے۔ اب نجم کے کوئی معنی لو مگر اذا ھویٰ (جبکہ جھکے) سے اُسی کے مناسب معنی مراد لیے جائیں گے۔ ستاروں کا جھکنا طلوع غروب جو خدا کی شانِ جبروت بتلاتا ہے۔ زمین کی وہ بوٹیاں کہ جن کو درخت نہیں کہتے۔ اُن کا جھکنا وہی جھکنا ہے جو ہوا سے سربسجود ہو کر اُس کی شانِ یکتائی بتایا کرتی ہیں ۔

سرومی جنبد بصحنِ بوستان
در ہوائے قامتِ دلجوئے تو

قرآن کا جھکنا اُس کا اُوپر سے نازل ہونا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا جھکنا رکوع وسجود کرنا ہے جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایک عمدہ حالت ہے اور آنحضرت ﷺ کا جھکنا ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف حضرت کا منازلِ قربت طے کرنا ہے۔

پانچویں معنی النجم کے بعض عرفاء کے نزدیک بندہ کا دل ہے جو ظلماتِ ہیولانیہ میں خدا تعالیٰ کا چمکتا ستارہ ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو اس میں اور بھی روشنی آجاتی ہے جس سے وہ حق وباطل میں تمیز کرنے پر بخوبی قادر ہو جاتا ہے، اس لیے قسم کھا کر فرماتا ہے۔ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰی۔ صاحبکم سے مراد آں حضرت ﷺ ہیں اور جگہ بھی اس لفظ سے حضرت ﷺ کو تعبیر کیا گیا ہے۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ صاحب صحبت رکھنے والا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم شب وروز حضرت ﷺ کے حالات سے بخوبی واقف ہو، کوئی اجنبی شخص نہیں، پھر کہو کیا وہ گمراہ اور بہکا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ آنحضرت ﷺ جو توحید ومکارمِ اخلاق بیان فرماتے تھے، بت پرستی اور ناپاک باتوں سے منع کرتے تھے۔ کفار اپنی کجروی کو سیدھا رستہ جانتے تھے، اس لیے وہ اُلٹا حضرت ﷺ ہی کو گمراہ اور بہکا ہوا کہتے تھے اور یہ انسان کی جبلی عادت ہے، بعض کہتے ہیں۔ ضَلَّ وَغَوٰی دونوں لفظوں سے ایک بات مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں دو باتیں ضلالت رستہ بھولنا اور غوایت عام ہے، بھولنا بھی اور رستہ کے چلنے میں بے قاعدگی وافراط وتفریط۔ فائدہ: بندہ اور خدا تعالیٰ میں جو حجابات حاجز ہیں، اُن کا قطع کرنا اُس کا رستہ طے کرنا ہے، جن کو تدلیات کہتے ہیں، اس رستہ میں بہت سے بھول گئے ہیں اور بہت سے غوایت میں پڑ گئے ہیں، انسانی جذبات پر جن کو واقفیت ہے۔ وہ ہر روز اس بات کو معائنہ کرتے ہیں، مگر یہ دُنیا کا ستارہ اور جہان کا آفتاب (محمد ﷺ) اس رستہ میں بھولے نہ چوکے۔

اب ماضل وما غویٰ کی وجہ بیان کرتا ہے۔ فقال وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی کہ آپ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ آپ کی زبان خدا کی زبان ہے، جو کچھ وہ بلواتا ہے وہی آپ بولتے ہیں۔ عارفِ کامل جب اپنے ارادات اور اپنی ہستی کو اُس کی ہستی میں محو کر دیتا ہے تو

---

[1] بخلاف توحید ونبوت کے کیونکہ توحید پر بے شمار دلائل عقلیہ موجود ہیں اور نبوت کے لیے معجزات اور نبی کا باطنی اثر بھی ثابت کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] آپ نے صبح کو مشرق کی طرف دیکھا ہوگا کہ ستاروں کا ایک گچھا سا معلوم ہوا کرتا ہے اسی کا نام ثریا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسا انگور کا خوشہ۔ ۱۲ منہ

اب اُس کا کلام اور اُس کی حرکات وسکنات اُسی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ جب انسان مرجاتا ہے، اُس کے اپنے حرکات وارادات مفقود ہوجاتے ہیں تو اب جوکوئی اُس کو ہلاتا جلاتا ہے وہ آپ نہیں ہلتا جلتا۔ کسی اور کا شمار ہوتا ہے، یعنی اُس کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے ہلایا۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ جب بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اُس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں۔ مجھ سے پکڑتا ہے۔ الخ، دین کے بارے میں جو کچھ آپ فرماتے تھے اگر اُس کے الفاظ بھی منجانب اللہ ہوتے تھے تو وہ وحیِ متلو ورنہ وحیِ غیر متلو ہوتی تھی۔ اول کو قرآن دوسرے کو سنت کہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ، امام احمد نے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں جو کچھ کہتا ہوں حق کہتا ہوں۔ اس کے بعد اُس ناموسِ اکبر کا حال بیان فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس وحی لاتا ہے۔ فَقَالَ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ کہ اس کو یعنی محمد ﷺ کو اُس نے تعلیم کیا ہے جو بڑا طاقت ور اور نہایت قوی ہے۔ یعنی جبرئیل امین جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ جبرئیل کی قوت وہ قوتِ مؤثرہ ہے کہ جہاں شیطان وجن ودگر صورِ خیالیہ کی گنجائش نہیں۔ یہ اوصاف اُن کے اس لیے بیان فرمائے تا کہ اُس کو کوئی جن وشیطان یا صورتِ خیالی نہ سمجھے، کیونکہ ان میں یہ اوصاف نہیں ہوتے۔ پھر اس جملہ کی تشریح کرتا ہے اور جبرئیل کے وحی لانے اور دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے کا حال بیان فرماتا ہے۔ فاستویٰ پس جبرئیل اپنے اُس کام پر کہ جس کے لیے اللہ نے اُس کو مقرر کیا ہے۔ تیار وآمادہ ہوئے۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى اُفق بضمتین وسکون کرانہ آفاق جمع (صراح) اُفق اعلیٰ آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا ایک بڑا گول دائرہ سا نظر آیا کرتا ہے، جہاں سے آفتاب طلوع وغروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، یعنی جبرئیل آسمان کے کنارہ پر ایک بار محمد ﷺ کو نظر آئے۔ اپنی اصلی صورت میں ثم دنٰی فتدلٰی ، پھر آنحضرت ﷺ کے یہاں تک قریب ہوتے گئے کہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ[1] اَوْ اَدْنٰى قاب اور قیب اور قاد اور قید قیس کے معنی مقدار کے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں۔ کمان اور نیزہ اور کوڑے اور گز اور ہاتھ کے ساتھ عرب میں اندازہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کمان کے فاصلہ پر یا تیر کے یا ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ قاب کمان کی موٹھ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ وہ دونوں اس قدر قریب ہوگئے کہ جس طرح دو کمانوں کو ملا دینے سے اُن کی موٹھ باہم مل جاتی ہے۔ کچھ فاصلہ نہیں رہتا۔ یہ قرب جسمانی کی طرف اشارہ ہے۔ او ادنٰی بلکہ اس سے بھی قریب ہوگئے، یعنی حضرت ﷺ کے قلب تک پہنچے۔ یہ روحانی قرب ہے۔ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى تب اللہ کے بندہ محمد (ﷺ) کی طرف جو چاہا وحی کیا۔ یہ ہے پیغمبر کی وحی بواسطہ جبرئیل، ماکذب الفؤاد مارأی محمد (ﷺ) کے دل نے جھوٹا نہیں سمجھا، جس کو دیکھا یعنی دل نے یقین کرلیا۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى کیا تم اے کفار محمد (ﷺ) سے اُس کی دیکھی ہوئی اور یقینی چیز پر جھگڑتے ہو؟ یہ ایک بار ہی دیکھنا نہیں ہوا، بلکہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو شبِ معراج میں اُس کی اصلی صورت پر سدرۃ منتہٰی کے پاس بھی دوسری بار دیکھا ہے۔ سدرہ ایک درخت ہے۔ ساتویں آسمانوں کے اُوپر اور منتہٰی جہاں تک بلندی کی انتہا ہے، کیونکہ اُس کے اُوپر عرشِ رحمان ہے اور سدرہ کو ڈھانک رکھا تھا۔ اُس چیز[2] نے کہ ڈھانک رکھا تھا اور وہاں جنت الماویٰ ہے۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ، حضرت کی آنکھ نے خطا نہیں کی کہ دراصل کچھ اور تھا اور نظر آیا کچھ اور بلکہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ تفسیر ہے جمہور علماءِ محدثین کے طور پر اور اسی کے اکثر اہلِ سنت والجماعت قائل ہیں اور یہی مذہب ہے اُم المومنین حضرت عائشہ وابن مسعود وابی ذر وابی ہریرہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

---

[1] او بمعنی لو او قیل بمعنی بل۔ ۱۲ منہ

[2] انوار وتجلیات نے۔ ۱۲ منہ

أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿٢٠﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولٰى ﴿٢٥﴾ ع

پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو بھی دیکھا اور تیسرے منات کو بھی کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں مادہ ہیں؟ تب تو یہ بہت ہی بری تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہے۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں، جن پر خدا نے کوئی سند بھی نہیں اُتاری وہ محض وہم اور اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اُن کے رب کے ہاں سے ہدایت بھی آ چکی ہے۔ پھر کیا انسان کو مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ پھر آخرت اور دُنیا تو اللہ ہی کے بس میں ہے۔

تفسیر : لیکن صحابہ کی ایک جماعت کہ جن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور اخیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرف رجوع کیا اور سلف وخلف میں سے اہل علم کی ایک جماعت ان کے تابع ہوئی ہے، خصوصاً صوفیہ کرام اس طرف ہیں۔ وہ یہ کہ فاستوی سے لے کر اخیر تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کا باہم قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے اس تقدیر پر آیات کے یہ معنی ہوں گے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوت یا رسالت میں حدِ کمال کو پہنچے، یعنی ملکیت اور روحانیت کا اُن پر غلبہ ہوا۔ یہ ہیں فاستوٰی کے معنی حالانکہ آپ اُس وقت بشریت کے اُفقِ اعلیٰ پر تھے۔ بشریت کے دائرہ سے نکلنے کو تھے کہ روحانیتِ محضہ میں داخل ہو جائیں، پھر آپ اللہ تعالیٰ سے یہاں تک قریب ہو گئے کہ دونوں میں صرف دو قوسوں کا ہی فرق رہ گیا تھا، یعنی آپ میں قوسِ حدوث وامکان اور اللہ تعالیٰ میں قوسِ وجوب وقدم اتصالِ حقیقی اور اتحادِ ذاتی سے مانع تھی، جب یہ تقرب ہو گیا تو اللہ نے اپنے بندے کو جو چاہا بتا دیا۔ یہ ہے وحی کی حقیقت یعنی بندے میں اور خدا میں ایسا تقرب ہوتا ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت اللہ ہمکلام ہو کر اپنے بندے کو جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے اگر جبرئیل مراد لیے جائیں تو وہ وحی کی دوسری قسم تھی اور یہ وحی کی اول قسم ہے، پھر اے لوگو! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اُس کی دیکھی ہوئی اُس بات میں جھگڑتے ہو کہ جو اُس کی آنکھ نے دیکھی جو نورِ الٰہی سے شرگین تھی اور جو دل کا حکم رکھتی تھی۔

پھر وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى سے شبِ معراج میں آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا بیان فرماتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کو بارِ دیگر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ سدرہ جو جنت الماویٰ میں ہے وہ کوئی دُنیا کا درخت نہیں، بیری وغیرہ کا وہ صوفیہ کرام کے نزدیک عبارت ہے روحِ اعظم سے کہ جس کے اُوپر کوئی تعین اور مرتبہ نہیں اور اس کے اُوپر بجز ہویتِ محضہ کے اور کچھ نہیں اور اس لیے اُس کے پاس رویت واقع ہوئی، کیونکہ یہاں فناءِ محض سے بقاء کی طرف رجوع ہوا اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وادیِ مبارکہ میں ایک درخت پر تجلی ہوئی تھی، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت الماویٰ میں جو وادیِ مبارکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے اُس درخت کی صورت میں تجلی ہوئی جو تمام ارواح کی جڑ ہے۔ آپ نے وجودِ حقانی میں متحقق ہو کر چشمِ حقیقت میں سے جس کے آگے کوئی چیز حاجب نہیں، خدا تعالیٰ کو عیاناً دیکھا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى کے یہ معنی ہیں۔ مسلم وترمذی وغیرہ نے روایت کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دو بار دیکھا۔ احمد وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح اس بات کو ثابت کیا ہے اور اس کے خلاف میں بھی احادیث وارد ہیں۔

اثباتِ نبوت کے بعد توحید کے مسئلہ میں کلام کرتا ہے اور مشرکینِ عرب کی بت پرستی کی تحقیر کرتا ہے جو نبوت کا پہلا کام ہے۔ فقال اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی الخ یہ تین بت عرب میں زیادہ پوجے جایا کرتے تھے۔ لات ایک شخص عرب میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، اُس کے مرنے کے بعد اُس کی شکل پر ایک بت پوجنے لگے۔ یہ بت طائف میں تھا۔ بعض کہتے ہیں عکاظ میں، بعض کہتے ہیں نخلہ میں اور عزیٰ ایک درخت تھا جس کو غطفان کا قبیلہ پوجتا تھا۔ نبی ﷺ نے خالد بن ولید ؓ کو اُس کے کاٹنے کو بھیجا تھا جو کاٹ ہی کر آئے، لوگوں میں اُس کی بڑی ہیبت تھی اور منات ایک پتھر تھا۔ مکہ و مدینہ کے درمیان۔ فرماتا ہے بتاؤ یہ کیا چیز ہے؟ اس کے سوا فرشتوں کو بھی خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر پوجتے تھے، اُن کی نسبت فرماتا ہے تم کو خدا بیٹے دے اور آپ بیٹیاں لے، یہ کیا بھونڈی تقسیم ہے۔ پھر فرماتا ہے کچھ ان کی اصل نہیں تم نے نام گھڑ لیے ہیں۔ محض توہمات ہیں اور ان سے اُمیدِ شفاعت رکھنا خام خیالی ہے۔ دُنیا و آخرت اللہ ہی کے لیے ہے، کوئی وہاں اُس کو سوا کام نہیں آتا۔